فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ
سیرانی روڈ بہاول پور

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ پارہ نمبر ۶، ۷، ۸

روح البیان

مصنف

سراج العلماء زبدۃ الفضلاء شیخ
حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم

عمدۃ المفسرین سند المحدثین فیض ملت
حضرت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

ناشر مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پارہ نمبر ٦

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا
اللہ پسند نہیں کرتا بری بات کا اعلان کرنا مگر مظلوم سے اور اللہ سنتا جانتا

عَلِیْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
ہے اگر تم کوئی بھلائی علانیہ کرو یا چھپ کر یا کسی کی برائی سے درگزرو تو بیشک اللہ معاف

عَفُوًّا قَدِیْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ
کرنے والا قدرت والا ہے وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے

اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ
رسولوں کو جدا کر دیں اور کہتے ہیں ہم کسی پر ایمان لائے اور کسی کے منکر ہوئے اور چاہتے

وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ
ہیں کہ ایمان و کفر کے بیچ میں کوئی راہ نکال لیں یہی ہیں ٹھیک ٹھیک کافر

حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں

وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓىِٕكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی پر ایمان میں فرق نہ کیا انہیں عنقریب اللہ ان کے ثواب دیگا اور اللہ

غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۵۲﴾
بخشنے والا مہربان ہے

تفسیر عالمانہ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اللہ تعالیٰ بُری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتا۔

ف : محبت نہ کرنے سے رنج و غصہ مراد ہے۔ بالسّوء، بالجھر سے متعلق ہے اور من القول کا مِن محذوف سے متعلق ہے جو کہ بالسّوء سے حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ بُری بات زبان پر لانے والے سے محبت نہیں کرتا۔

اِلَّا مَنْ ظُلِمَ بجز مظلوم کے یعنی مظلوم کے سوا باقی کسی سے ایسی بات پسند نہیں کرتا۔

مسئلہ : مظلوم کے لیے جائز ہے کہ ظالم کی داستان لوگوں کو سنائے یا اس پر بددُعا کرے جبکہ اس سے اس کی فریاد رسی مطلوب ہو۔ مثلاً یُوں کہے کہ فلاں شخص نے میری چوری کر لی ہے یا میرا مال چھین لیا ہے۔

ف : بعض کہتے ہیں اِس سے یہ مراد ہے کہ اگر کوئی اسے گالی دے تو اسے اُس کی گالی کا جواب گالی سے دے۔

مسئلہ : جو شخص اسے گالی دے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے گالی دے لیکن اتنی کہ جتنی اس نے گالی دی ہے اس سے تجاوز نہ کرے۔

شانِ نزول بعض کہتے ہیں اس سے وُہ شخص مراد ہے کہ جس کے ہاں ایک قوم مہمان ہوئی اس نے انہیں کھانا نہ کھلایا تو انہوں نے اس کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَكَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا اور اللہ تعالیٰ سمیع ہے یعنی مظلوم کی بات سنتا ہے عَلِیْمًا اور ظالم کے حال کو جانتا ہے اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا (اگر تم بھلائی ظاہر کرو) وہ بھلائی عام ہے کہ اقوال سے متعلق ہو یا افعال سے اَوْ تُخْفُوْہُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ یا اسے مخفی رکھو یا کسی برائی کو معاف کر دو، تمہارے لیے اس سے مواخذہ کا حق ہے اور یہی اصل مقصود ہے۔ ظاہر کرنا یا چھپانا اس کی تمہید اور بمنزلہ مقدمہ کے ہے اس لیے اُس پر فَاِنَّ اللّٰہَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا کو مرتب فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور قدرت والا ہے، اسے شرط کے جواب میں وارد کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ عمدہ عمل یہی ہے کہ بندہ کو بدلہ لینے کی قدرت ہو تب بھی معاف کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ باوجودیکہ بہت بڑی قدرت رکھتا ہے کہ بندوں سے ان کے گناہوں پر مواخذہ کر سکتا ہے تاہم انہیں معاف کر دیتا ہے پس تمہیں بھی چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کے طریقے پر عمل کرو۔

مسئلہ : اس میں مظلوم کو ترغیب ہے کہ باوجودیکہ اسے ظالم سے بدلہ لینے کی اجازت ہے لیکن اسے معاف

کر دینا بہت اچھا ہے۔ اس میں مکارمِ اخلاق کی عادت ڈالنے کی ترغیب و تحریص ہے۔

ف: سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ ظالم سے بدلہ لینے میں تنہائی نہ ہونی چاہیئے بلکہ اسے معاف کرکے اللہ تعالیٰ کو اپنا حامی ومددگار بنا لینا چاہیئے ؎

صولت انتقام از مردم — دولت مہتری کند باطل
از رہِ انتقام یکسو شو — تا نمانی بمہتری عاطل

ترجمہ: لوگوں سے انتقام کا غلبہ سرداری کی دولت کو بیکار کر دیتا ہے، انتقام کے پروگرام سے ہٹ جا تاکہ تو سرداری سے معطل نہ ہو جائے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کسی کے قبائح وفضائح کا اظہار پسند نہیں فرماتا۔ ہاں اس ظالم کے قبائح وفضائح کا اظہار جائز ہے جس کا ضرر اور دجل اور مکروفریب حد سے بڑھ جائے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اذکروا الفاسق بما فیہ کی یحذرہ الناس۔ — فاسق کے فسق کو ظاہر کرو تاکہ دوسرے لوگ اس کے شروفساد سے بچ جائیں۔

حدیث شریف میں وارد ہے:

تین ایسے اشخاص ہیں کہ ان کی غیبت[1] جائز ہے،

(۱) امام (یعنی حاکم ظالم)

(۲) کھلم کھلا فسق وفجور کا عادی

(۳) بدعت (سیئہ) کا مرتکب جو لوگوں کو اس کی دعوت دیتا ہے۔

ف: اکثر برائیاں زبان سے سرزد ہوتی ہیں اگرچہ زبان گوشت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے لیکن اکثر وبیشتر گناہ وجرم اسی سے سرزد ہوتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

البلاء موکل بالمنطق۔ (بلاء کا نزول بولنے پر موقوف ہے)

حکایت ایک روز ابن السکیت متوکل (خلیفۂ وقت) کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو وہاں سے معتز باللہ ومؤید باللہ (متوکل کے دونوں بیٹوں) کا گزر ہوا تو ابن السکیت سے متوکل نے پوچھا بتائیے تمہیں میرے یہ دونوں لڑکے محبوب یا حضرت حسن وحسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)؟ ابن السکیت

---

[1] غیبت کی تحقیق ومسائل اور مذمت وغیرہ کے لیے فقیر کے رسالہ "صیانۃ اللسان" کا مطالعہ کیجئے۔ اویسی غفرلہٗ

نے برجستہ کہا ، واللہ ! میرے ہاں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا غلام قنبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تیرے ان دونوں لڑکوں سے کہیں زیادہ محبوب ہے وہ ان دونوں سے بدرجہا افضل واعلیٰ تھا، بلکہ تجھ سے بھی۔ متوکل نے حکم دیا کہ اس (ابن السکیت) کی زبان گدّی سے کھینچ لی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ اسی وقت انتقال فرما گئے۔

اعجوبہ اس واقعہ سے چند لمحات پہلے ابن السکیت جو معتز و مؤید دونوں کا استاد تھا' نے پڑھاتے وقت دونوں کو یہ قطعہ سنایا : ؎

یصاب الفتی من عثرۃ بلسانہ	ولیس یصاب المرء من عثرۃ الرجل
فعثرتہ فی القول تذھب رأسہ	فی عثرتہ فی الرجل تبرأ علی مھل

ترجمہ : انسان زبان کی لغزش میں گرفتار ہوتا ہے پاؤں کی لغزش سے اتنی مصیبت نہیں پاتا بلکہ زبان کی لغزش سے بسا اوقات سر کٹ جاتا ہے اور پاؤں کی لغزش پر چند ساعات کے بعد صحت مل جاتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱)	ایں زباں چوں سنگ و ہم آہن وشست	وآنچہ بجہد از زبان چوں آتشست
(۲)	سنگ و آہن را مزن برہم گزاف	گہ زروئے نقل و گہ از روئے لاف
(۳)	زانکہ تاریکست و ہر سُو پنبہ زار	درمیاں پنبہ چوں باشد شرار
(۴)	عالمے را یک سخن ویراں کند	روبہانِ مردہ را شیراں کند

ترجمہ : (۱) یہ زبان پتھر اور لوہے کی طرح ہے وہ جو زبان سے نکل جائے آگ کی طرح ہے۔

(۲) پتھر اور لوہے کو از روئے مذاق بھی نہ ٹکرا۔ نہ از روئے نقل صحیح ہے نہ از روئے مذاق۔

(۳) اس لیے کہ ہر سُو تاریکی اور رُوئی بکثرت ہے تیری یہ حرکت چنگاری کا کام کر جائیگی۔

(۴) تمام جہان کو صرف ایک بات ویران کر جاتی ہے، لومڑیوں کو شیر بنا دیتی ہے۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عوام سے زبان پر برائی لانے کو اور خواص سے نفس سے بات کرنے کو اور اخص الخواص کو دل پر خیال بھٹکنے کو پسند نہیں کرتا، ہاں وُہ مظلوم جو معاصی کے اسباب بشریہ کا بلا اختیار شکار یا اضطرارا کسی غلطی میں مبتلا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

دوسری تقریر یوں بھی ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسرارِ ربوبیت اور مواہب الوہیت کے بھید کو ظاہر کرنا پسند نہیں فرماتا، ہاں کوئی غلبات احوال سے یا جلال وجمال کے پیالوں کے حملوں سے عاجز ہوکر مجبوراً کوئی راز ظاہر کردے تو حرج نہیں کروہ بیمار والی زبان سے بول رہا ہے نہ کہ فانی زبان سے، جبکہ اس کے منہ سے نکلتا ہے انا الحق سبحانی ۔ وکان اللہ اور اللہ تعالیٰ ازل سے اُن کے حال کے اظہار سے پہلے ہی اُن کی باتوں کو سُننا اور ان کے احوال کو پورے طور جانتا ہے ۔ اس کے بعد فرمایا ان تبدوا یعنی وہ اسرار جو الطافِ حق سے ہیں اُن پر منکشف ہوئے حق سے آگاہی اور اس سے افادہ کے طور اگر ظاہر کرو آفاتِ شوائب سے اپنے نفوس کو بچانے اور مشارب میں دُور ہٹ جانے کے خطرہ سے چھپاؤ یا جس طرف تمہیں تمہارے نفوسِ امارہ برائی کی طرف بلاتے ہیں ان برائیوں سے چشم بند کرلو، یا جن رازوں کو اللہ تعالیٰ نے چھپانے اور ظاہر کرنے کو برابر کہا ہے انہیں چھوڑدو تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے تو تمہارا معاف کرنا بھی اس کے طریقہ پر چلنے کی وجہ سے ہوگا اور تم اس کے اوصاف سے موصوف ہوجاؤ گے یا یہ معنی ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کیا کہ تمہیں رسوائی والے گروہ سے بچالیا یہاں تک کہ تم ماسوا سے دُور ہونے والے ہوگئے حالانکہ وہ تمہارے رُسوا کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے کہ تمہیں ذرہ برابر بھی معاف نہ کرے جبکہ تم اُس کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہو اس لیے کہ انسان فطرۃً ظلم کرنے والا اور ناشکرا ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں یعنی رسل کے کفر کرنے پر انہیں مذہب مجبور کرتا ہے اور اُن پر اُن کی یہی رائے پختہ ہوچکی ہے نہ یہ کہ وہ اُن سے اس کفر کی تصریح کرتے ہیں چنانچہ

اس طرف اشارہ ہے کہ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ اور ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے مابین فرق ہو، یعنی اللہ تعالیٰ کو تو مانتے ہیں لیکن اُس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں ۔ لیکن ایسا صراحۃً نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کو تو ظاہر کریں اور رسولوں سے کُھلّم کُھلّا انکار کریں بلکہ بطریق التزام کے اُن سے ایسے ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ اور کہتے ہیں کہ ہم بعض رسولوں پر ایمان لاتے اور بعض سے انکار کرتے ہیں جیسے یہودیوں نے کہا کہ ہم موسٰی علیہ السلام اور توراۃ اور عزیر علیہ السلام کو مانتے ہیں ان کے ماسوا کسی کو نہیں مانتے یہی کفر باللہ ورسلہ ہے اور اس کو تفریق باللہ والرسل کہا جاتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا فرض فرمایا ہے کیونکہ ہر نبی اور پیغمبر علیہ السلام نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی اپنی اُمت کے حق ہونے کی خبر دی ۔

مسئلہ: کسی ایک نبی (علیہ السلام) کو نہ ماننا تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو نہ ماننے کے برابر ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ کو نہ ماننے کے مترادف ہے اس لیے کہ ان سب کو فرداً فرداً ماننا فرض ہے۔

وَيُرِيدُونَ اور وہ اپنی اس بات سے ارادہ رکھتے ہیں کہ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا وہ اس کے مابین یعنی ایمان وکفر کے درمیان میں کوئی راستہ بنا لیں۔ یاد رہے کہ سبیلا سے مراد سبب ہے نہ کہ حق و باطل کے درمیان کوئی واسطہ، اس لیے کہ حق ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس میں مختلف ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی تکمیل کا دارومدار رسل کرام علیہم السلام پر ایمان لانے اور اُن کی تصدیق کرنے پر ہے کہ انہوں نے احکامِ الٰہی مخلوقِ خدا کو پہنچا دیئے اجمالاً بھی تفصیلاً بھی۔

مسئلہ: انبیاء علیہم السلام میں بعض سے کفر کرنا سب سے کفر کرنا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فماذا بعد الحق الا الضلال۔

أُولَٰئِكَ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اوصاف مذکورہ قبیحہ ہیں هُمُ الْكَافِرُونَ یہی پورے کافر ہیں، اگرچہ وہ اپنے آپ کو اہلِ حق سمجھتے اور مومن ہونے کے مدعی ہیں یہ سب بیکار ہے حَقًّا یقیناً، یہ مصدر ہے اور سابقہ جملہ کے مضمون کی تاکید کے لیے ہے یعنی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ یقیناً کفر میں یکتا ہیں یا یہ کافرین کے کفر کی صفت ہے یعنی جنہوں نے کفر کیا تو یقین مانو کہ واقعی انہوں نے کفر کیا اس میں کسی قسم کا شک نہیں وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا اور ہم نے کافرین کو رسوائی میں ڈالنے والا عذاب تیار کیا ہے جسے وہ عنقریب چکھیں گے جب اُن پر نازل ہو گا اس میں وہ دائمی طور پر ذلیل وخوار ہوں گے۔

ربط: کفار کی وعید بیان کرنے کے بعد اب مومنین سے وعدہ کا بیان فرمایا کہ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کے مابین فرق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں، جیسے کافروں کا طریقہ ہے۔

سوال: بین کے لفظ کو احد پر کیوں داخل کیا گیا۔

جواب: احد کے عموم میں تاکید مطلوب ہے قاعدہ ہے کہ جب وہ نفی میں واقع ہو تو اس سے علی الاطلاق عموم مراد ہوتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ وہ نہ دو کے درمیان فرق کرتے ہیں اور نہ بہت میں۔ یعنی وہ سب کو مانتے ہیں۔ أُولَٰئِكَ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کی بہت بڑی تعریفیں مذکور ہوئیں سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ عنقریب انھیں اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے گا أُجُورَهُمْ ان کے ثواب جو اُن سے وعدہ فرمایا۔

سوال ہاں کے ثواب کو اجر سے کیوں تعبیر فرمایا ہے ؟
جواب : وہ لوگ جو ثواب کے مستحق ہوئے ہیں وہ بمنزلہ اجرت کے ہے کہ انہیں اعمال کا بدلہ اور عوض نصیب ہوا ہے اور لفظ (سوف) اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے وعدہ کی تاکید ہے یعنی وہی وعدہ کہ جو عمل کیے ہیں ان کا اجر و ثواب عطا فرمائیگا نیز یہ بھی انہیں یقینی ہو جائے کہ جو وعدہ کیا گیا وہ ہو کر رہے گا اگرچہ دیر سے ہی وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے اُن کی زیادتیوں کو جو اُن سے سرزد ہوئیں رَّحِيْمًا ان پر بڑی مہربانی کرنے والا ہے کہ اُن کی نیکیوں پر انہیں کئی گنا زیادہ ثواب عطا فرمائے گا ۔
مسئلہ : آیت سے معلوم ہوا کہ انسان اپنے خیال پر اپنے آپ کو مومن کہتا ہے ضروری نہیں کہ وہ اس اپنے خیال پر مومن بھی ہو بلکہ مومن بننے کے لیے چند شرائط ہیں ۔ اگر وہ کسی کو حاصل ہوں پھر ان کا نتیجہ بھی اُسے نصیب ہو تو پھر کہو کہ وہ مومن ہے ۔ منجملہ ایمان کے نتائج سے ایک یہ ہے جو آیت ثانیہ میں مذکور ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں تفریق نہ کی جائے یعنی بعض کو ماننے اور بعض کو نہ ماننے ، اور انہی نتائج سے قبولیت منجانب اللہ تعالیٰ ہے کہ قبول کرے یا نہ کرے نیز یہ بھی ایمان کے نتائج میں شامل ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ جزا بھی عطا فرمائے ۔
ف : جو ازلی نور کے چھینٹے سے محروم رہا وہی تا قیامت حقیقی کفر میں مبتلا رہے گا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر میں حقا فرمایا ہے اور جسے اس ازلی نور کے چھینٹے سے نصیب ہوا تو وہی حقیقی مومن ہے یہی وجہ ہے کہ کافر کو ایمانی باتیں بے سود ہیں ، نہ ہی وہ مومن کے ایمان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں : حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد
وگر ناخدا جامہ بر تن زند

ترجمہ : قضائے الٰہی جہاں چاہتی ہے کشتی کو لے جاتی ہے اگرچہ اس کے خلاف کشتی بان کپڑے پھاڑ ڈالے ۔
حکایت ایک نوجوان نہایت حسین و جمیل تھا اس کا حلقۂ احباب بھی وسیع تھا اور تمام کے تمام کھاتے پیتے اور لذت اور عیش و عشرت میں یکتا تھے درہم و دینار کی کچھ پروا نہ تھی ۔ ایک دن سب نے یہ ٹھانی کہ کل کہیں ڈاکہ ڈالیں ، ایک راستہ میں بیٹھ گئے ۔ تین دن متواتر انتظار کرتے رہے نہ کوئی قافلہ آیا نہ وہ ڈاکہ ڈال سکے ۔ اس نوجوان سے ایک بوڑھا ملا اور اس نوجوان سے فرمایا : اے عزیز ! ڈاکہ زنی تیرے شایانِ شان نہیں ، اللہ تعالیٰ سے استغفار کر اور اس بُرے فعل سے توبہ کر کے میرے ہاں آجا ، میں جامع سید بخاری شہر بروسہ میں رہتا ہوں اگر مجھے ملنا چاہو تو میں وہاں جامع مسجد میں قرآن پڑھ رہا ہوں گا ۔ بوڑھے بابے کا کلام پُر تاثیر تھا

اس لیے اس نوجوان پر اثر ہوگیا۔ اس نوجوان نے اپنے احباب سے مشورہ کیا کہ شہر بروسہ میں چلیں وہاں بڑے تاجر رہتے ہیں ان میں سے کسی کو لُوٹ کر اپنا مقصد پُورا کریں گے۔ اس نوجوان کا مشورہ اس کے تمام ساتھیوں نے قبول کر لیا اور بروسہ کی طرف چل پڑے۔ جب وہاں پہنچے تو اس نوجوان نے کہا پہلے جامع مسجد بخاری میں چلیں وہاں نماز پڑھیں اور اپنی کامیابی کے لیے دُعا مانگیں۔ جب جامع مسجد پہنچے تو دیکھا وہی بوڑھا بابا قرآن مجید پڑھ رہا ہے۔ وہ نوجوان بوڑھے بابا کو دیکھتے ہی ان کے قدموں پر گر پڑا اور تائب ہو کر ان کے ہاں رہنے لگا۔ دو سال اس کے پاس رہا۔ اس کے بعد اس بوڑھے نے اس نوجوان کو شیخ شمس الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھیج دیا۔ انہوں نے اس کی بہترین تربیت کر کے اسے کامل مومن بنا دیا جبکہ پہلے وہ فاسق وفاجر اور ڈاکو تھا۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے لیکن یہ سب کچھ اس کریم کی عنایت پر موقوف ہے جس کے لیے جیسے چاہے جس قدر چاہے۔ اے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت یافتہ لوگوں سے بنا آمین یامعین۔

تفسیر صُوفیانہ

ایمان اور توحید ہی اصل الاصول ہیں وہ اگرچہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گھٹتا بڑھتا نہیں۔ لیکن اس کا نور طاعت سے بڑھتا اور گناہوں سے گھٹتا ہے۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ احکام شریعت اور آدابِ طریقت کی نگہداشت کرے تاکہ اس کی روحانیت کو ترو تازگی نصیب ہو۔ انوار طاعات روحانیت کی غذا ہیں، جیسے جسم کو غذا کی ضرورت پڑتی ہے ایسے ہی روحانیت کو بھی نورِ توحید اور ذکرِ الٰہی کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑا ہے اور یہی عمدہ ترین عمل ہے اور باطن کی طہارت اور صفائی اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت جنید سید الطائفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر ایک شے کے علیحدہ علیحدہ آداب ہیں اور نورِ الٰہیہ کا ادب طہارۃ القلب میں ہے۔ اور ظاہر کے آداب اعضاء کو گناہوں سے پاک کرنا ضروری ہے۔ سالک کے لیے لازم ولابد ہے کہ وہ شرور سے دور رہے اور اللہ تعالیٰ مالک وغفور پر ایمان لائے تاکہ دارِ حضور میں دائمی سرور اور کامل اجر نصیب ہوگا۔

صائب نے فرمایا، ؎

از زاہداں خشک رسائی طمع مدار
سیل ضعیف و اصل دریا نمی شود

سبق: طریقِ حق میں عشق کا ہونا ضروری ہے تاکہ طالبِ حق کو رازِ مطلق تک رسائی نصیب ہو اور خیالی باتیں بیکار ہیں کشتی خشکی پر نہیں چل سکتی ایسے ہی عشق کے بغیر رازِ مطلق کا حصول مشکل ہے ایسے ہی حضرت بی بی رابعہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

نے عشق کیا ہے [illegible] سے سُنیے۔ عشق کی دو قسمیں ہیں، ایک ازلی ایک عطائی۔ پھر ہر دو کی دو دو قسمیں، ایک [illegible] ایک مذموم۔ ازلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مولوی غلام رسول صاحب کوٹلہ عالم پوری نے فرمایا:

؎ عشق کرم دا قطرہ ازلی تیں مَیں دے وَس ناہیں
اِکناں لبھدیاں عمر گزاری اِکناں دی وِچ راہیں

اور مرزا غالب نے بھی یہی کہا: ؎

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

اور عطائی عشق کے متعلق حضرت ڈاکٹر اقبال نے فرمایا: ؎

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

یہ عشق بزرگوں کی نظرِ کرم سے ملتا ہے اور نظرِ قہر سے عشق مذموم، جیسا کہ شیخ صنعان کو جس نے [illegible] سرکار غوثِ الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے ادبی سے پیدا ہوا پھر انہی کی نظرِ کرم سے دفع ہو گیا۔

یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ

اے محبوب اہل کتاب تم سے سوال کرتے ہیں کہ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار دو

فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ

تو وہ تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے کہ بولے ہمیں اللہ کو علانیہ دکھادو تو انہیں کڑک نے آ لیا ان کے گناہوں

الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ

پر پھر بچھڑا لے بیٹھے بعد اس کے کہ روشن آیتیں ان کے پاس آچکیں تو

فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ وَ اٰتَیْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَ رَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ

ہم نے یہ معاف فرمادیا اور ہم نے موسیٰ کو روشن غلبہ دیا پھر ہم نے ان پر طور کو اونچا کیا

بِمِیْثَاقِهِمْ وَ قُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِی

ان سے عہد لینے کو اور ان سے فرمایا کہ دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہو اور ان سے فرمایا کہ ہفتہ میں حد سے

السَّبْتِ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ

نہ بڑھو اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد لیا تو ان کی کیسی بدعہدیوں کے سبب ہم نے

بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ قَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّ قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ

ان پر لعنت کی اور اس لیے کہ وہ آیات الہی کے منکر ہوئے اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے اور ان کے اس کہنے

اللّٰهُ عَلَیْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى

پر کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے تو ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے اور اس لیے

مَرْیَمَ بُهْتَانًا عَظِیْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ

کہ انہوں نے کفر کیا اور مریم پر بڑا بہتان اٹھایا اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو شہید کیا

اللّٰهِ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ

اور ہے یہ کہ انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ ان کے لیے اس کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا اور وہ جو اس کے بارے

لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَ مَا قَتَلُوْهُ

میں اختلاف کر رہے ہیں ضرور اس کی طرف سے شبہہ میں پڑے ہوئے ہیں انہیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں مگر یہی گمان کی پیروی

یَقِیْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ

اور بیشک انہوں نے اس کو قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے کوئی کتابی ایسا نہیں جو اس

الْكِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكُوْنُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا ﴿۱۵۹﴾

کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ
تو یہودیوں کے بڑے ظلم کے سبب ہم نے وہ بعض ستھری چیزیں کہ ان کیلئے حلال تھیں ان پر حرام فرما دیں اور
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ
اس لیے کہ انہوں نے بہتوں کو اللہ کی راہ سے روکا اور اس لیے کہ وہ سود لیتے حالانکہ وہ اس سے منع کیے گئے تھے اور
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ
لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے اور ان میں جو کافر ہوئے ہم نے ان کیلئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ہاں جو ان میں
فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ
علم میں پکے اور ایمان والے ہیں وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اُترا اور جو تم سے پہلے اُترا
مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
اور نماز قائم رکھنے والے اور زکوٰۃ دینے والے اور اللہ اور قیامت پر ایمان
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۤئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝
لانے والے ایسوں کو عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے

تفسیر عالمانہ يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ
آپ سے اہلِ کتاب سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کتاب لائیں۔

شانِ نزول یہ آیت یہودیوں کے علماء کے حق میں نازل ہوئی جبکہ انہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کی کہ آپ ہمارے لیے آسمان سے کتاب لائیں جیسے موسٰی علیہ السلام آسمان سے کتاب لائے تھے۔ بعض نے کہا کہ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ جو تختیوں پر آسمانی خط سے لکھا ہوا ہو جیسے توراۃ تھی ایسے ہی آپ کتاب لائیے اس پر یہ آیت اُتری فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ پس بیشک انہوں نے موسٰی علیہ السلام سے اس سے بھی بھاری سوال کیا تھا۔ یہ شرط مقدر کا جواب ہے یعنی اگر آپ اُن کے سوال کو بُرا سمجھ رہے ہیں حالانکہ حضرت موسٰی علیہ السلام سے اُن کی اُمت نے بہت بڑا سوال کیا تھا۔

سوال: یہ سوال تو موجودہ یہودیوں کے اسلاف نے کیا تھا تو پھر موجودہ یہودیوں کو زجر وتوبیخ کیوں؟

جواب: چونکہ یہ اپنے اس کارنامے پر راضی تھے اور ان کی اقتداء میں کوشاں رہتے۔ جو کچھ انہوں نے عمل کیے ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے اور جو کام انہوں نے نہ کئے ان سے دُور رہتے اس لیے اس سوال کا اسناد اُن کی طرف کیا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہیں ایسے سوالات میں خصوصی شغف ہے اور ان کا یہ پہلا سوال نہیں بلکہ اس بُری عادت کے پُرانے عادی ہیں۔

فَقَالُوٓا پس انہوں نے کہا۔ یہ فاء تفسیریہ ہے **اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً** ہمیں اپنا خدا کھُلم کھُلا دکھا۔ جہر در اصل حاسّۂ سمع کے لیے آواز کے ظہور کو کہتے ہیں پھر بطور استعارہ حاسّۂ بصر کے لیے ظہور مرئی کو کہا جاتا ہے اور اس کا منصوب ہونا علی المصدریہ (مفعول مطلق کے طور) ہے اس لیے معائنہ بھی رؤیت کی ایک قسم ہے۔

ف : یہ سائلین وہ ستّر نقباء تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے انہوں نے پہاڑ پر یہ سوال کیا، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوئے تو انہوں نے سوال کر دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ایسے کھُلم کھُلا دیکھنا چاہتے ہیں جیسا کہ دنیا میں دیگر اشیاء کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ پس انہیں صاعقہ نے گھیر لیا۔ صاعقہ وہ آگ ہے جو آسمان سے اُتر کر ان کو جلا گئی **بِظُلْمِهِمْ** اُن کے ظلم کی وجہ سے، یعنی بسبب اُن کے ظلم کے۔ وہ یہ کہ سرکشی کر کے ایسا سوال کر دیا جو اُن کے حال کی مناسبت سے قطعاً محال تھا۔

مسئلہ : اس سے مطلقاً رؤیت باری تعالیٰ کا امتناع ثابت نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ارنا اللّٰہ جھرۃ الخ سے ان کا یہ مطالبہ نہ تو بطریق تعظیم کے تھا اور نہ ہی بوجہ تصدیق کے اور نہ ہی اشتیاق کے اور نہ ہی حق تعالیٰ کی جُدائی کے درد سے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہجر و فراق کی وجہ سے عرض کیا تھا:

رب ارنی انظر الیک۔

لن ترانی کا جواب سُن کر موسیٰ علیہ السلام کا بیہوش ہو جانا اسی قبیل سے تھا اور وہ بھی قوم کی نحوست کی وجہ سے اُن کی گستاخی اور بے ادبی کا ایک نشان یہی سوال تھا کہ جب وہ اپنے نبی علیہ السلام کی کیفیت دیکھ چکے تھے کہ دیدار الٰہی کی تاب نہ لا کر بیہوش ہو گئے تھے تو پھر دیدار الٰہی کا سوال کر دیا ورنہ اس سے ان کے لیے نصیحت تھی کہ سوال ان کے لیے بے سُود ہے۔ نیک بخت وہ ہوتا ہے جو دوسرے کی کیفیت سے نصیحت پکڑے۔ انہوں نے ہٹ دھرمی کی اور سوال کر ہی دیا کہ جس سے انہیں ازلی بدبختی نے آگھیرا اور ان کے اس ظلم سے انہیں صاعقہ نے آدبوچا جبکہ وہ اس عہدہ کے اہل نہ تھے لیکن طمع کر بیٹھے کہ ہمیں دیدار کی باریابی سے عزت و عظمت نصیب ہو، اور جو

طبعی طور پر کفر میں [illegible] ہوا ہو اُسے اگرچہ کھلم کھلا زیارتِ الٰہی نصیب ہو جائے تب بھی وہ کافر ہی[1] رہے گا اور جو طبعی طور پر مومن [illegible] ہے اُسے اگر زیارتِ الٰہی تو کجا [illegible] نصیب ہوسکے ہوں تو وہ اپنے نبی علیہ السلام پر ایمان لائے گا۔ اگرچہ اُن کی زیارت سے مشرف نہ ہوا ور نہ ہی کتابِ الٰہی پڑھ سکا ہو اور معجزہ تو دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جیسے سیدنا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلا تامل کہہ دیا :

اٰمنت وصدقت۔

اسی طرح ہمارے شیخ الشیوخ سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا حال ہے کہ انہوں نے حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت بھی نہ کی اور نہ ہی کوئی معجزہ دیکھا لیکن ایمان لائے اور عاشق ایسے کہ جن کی نظیر مل ہی نہیں سکتی۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ پھر انہوں نے بچھڑے کو بنایا خدا، یعنی اس کی پرستش کی اور اسے معبود بنالیا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بعد اُس کے کہ اُن کے پاس معجزات آئے یعنی وہ معجزات جو فرعون کے لیے ظاہر کیے گئے جیسے عصائے موسیٰ اور یدِ بیضا اور دریا کا پھٹ جانا وغیرہ وغیرہ نہ کہ توراۃ اس لیے کہ وہ اس وقت ابھی نازل نہیں ہوئی تھی یہ ان کی دوسری غلطی ہے جو ان کے آبائسے سرزد ہوئی فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ پس ہم نے اس سے معاف کردیا۔ یعنی ہم نے ان کی توبہ کے بعد انہیں معاف کردیا اگرچہ ان کا گناہ اور جرم بہت بڑا تھا باوجودیکہ وہ اس لائق تھے کہ ہم ان کی جڑیں کاٹ دیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں انہیں توبہ کرنے کا موقعہ دیا گیا ہے۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ ان لوگوں نے بہت بڑا جرم کرکے توبہ کرلی پھر ہم نے انہیں معاف کردیا تم بھی توبہ کرو تاکہ ہم تمہیں معاف کردیں۔

مسئلہ: آیت میں اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کی مغفرت کا کوئی کنارہ نہیں اور اس کی نعمتوں اور احسانات کا کوئی شمار نہیں۔ کسی کا کوئی گناہ اس کی مغفرت کو روک نہیں سکتا۔

مسئلہ: اس میں بندوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی سے روکا گیا ہے۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بیّن دلیل عطا فرمائی یعنی انہیں کفار پر تسلط اور بہت بڑا اور کھلم کھلا غلبہ عنایت فرمایا کہ ان کی توبہ کی قبولیت کی خاطر انھیں اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا اس کے بعد وہ اپنے گھروں کے صحنوں میں چھپ رہے تھے اور اس پر تلواریں برس رہی تھیں۔ اُس سے اور بہت بڑا غلبہ اور کیا ہوگا وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ اور ہم

---

[1] خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود چوں باز آید ہنوز خر باشد کی مثال ہے۔ اویسی غفرلہٗ

نے ان کے اوپر ان کے وعدہ پر (طُور) پہاڑ اٹھا لیا یہ بار سببیہ ہے اور رَفَعْنَا کے متعلق ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ چونکہ انہوں نے دین قبول کر کے اس پر پختہ رہنے کا وعدہ کر لیا اس لیے ہم نے پہاڑ اٹھا لیا۔

رفعِ طُور کا واقعہ مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس تورات لائے تو انہوں نے اس میں بہت مشکل سے مشکل مسائل دیکھے تو انہیں ناگوار گزرا تو توراۃ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر کھڑا کر دیں۔ اس پر انہوں نے کہا ہم موسیٰ علیہ السلام کے دین کو قبول کرتے ہیں۔ ان کے اس وعدہ پر اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اب یہ پہاڑ اُن سے ہٹا لو۔ اس کے بعد وہ پہاڑ اُن سے ہٹ گیا۔

وَقُلْنَا لَهُمْ اور ہم نے انہیں کہا یعنی موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا جبکہ ابھی پہاڑ ان کے سروں پر تھا **اُدْخُلُوا الْبَابَ** دروازہ میں داخل ہو جاؤ یعنی بستی کے دروازہ میں۔ اس سے اریحا کی بستی مراد ہے۔

بستی میں داخلہ کا قصہ مروی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اریحا میں یا اس قبہ میں داخل ہوئے جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

سُجَّدًا سجدہ کرتے ہوئے، یعنی مطمئن ہو کر اور سر جھکا کر اس شکر گزاری میں کہ انھیں جنگل میں بھٹکنے سے بچا لیا۔ پھر داخل تو ہوئے لیکن چوتڑوں پر گھسیٹ مار کر اور جس کا انہیں حکم ہُوا تھا اس کے برعکس کیتے **وَقُلْنَا لَهُمْ** اور ہم نے انہیں داؤد علیہ السلام کی زبان سے فرمایا **لَا تَعْدُوْا** کہ مچھلی کا شکار کر کے حد سے نہ بڑھو۔ لا تعدوا کی گردان یوں ہو گی عدا یعدو عدوا وعدا وعَدوانا بمعنے ظَلَمَ وجاوز الحدَّ بمعنے ظلم کیا اور حد سے تجاوز کیا۔ لا تعدوا دراصل لا تعدووا (دو واؤ کے ساتھ) پہلی واؤ لام کلمہ کی ہے اور دوسری واؤ فاعل کی ضمیر ہے۔ قانون صرفی جاری کرنے کے بعد بروزن یَعفُوا بنا **فِي السَّبْتِ** ہفتہ کے دن میں اس لیے کہ ہفتہ کا دن عبادت کے لیے مخصوص تھا لیکن بعض بدبخت عبادت ترک کر کے مچھلی کے شکار میں مصروف ہو گئے **وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ** اور ہم نے ان سے لیا یعنی جس پر انہیں مکلف بنایا گیا تو ان سے فرمانبرداری کا **مِيْثَاقًا غَلِيْظًا** مضبوط اور سخت وعدہ لیا، اُن کا وعدہ یہ تھا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اُن سے یُوں وعدہ لیا گیا کہ اگر انہوں نے دین سے روگردانی کی تو انہیں اللہ تعالیٰ جیسے چاہے گا عذاب میں مبتلا کرے گا **فَبِمَا** اس میں لفظ ما تاکید کے لیے زائدہ ہے **نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ** پس اُن کے وعدہ توڑنے کی وجہ سے ہم نے بھی ان سے کیا جو کرنا تھا یعنی لعنت اور مسخ اور دیگر وہ سزائیں جن میں انھیں مبتلا کیا گیا۔ اسی طرح ان کے پسماندگان کی سزائیں۔ فبما کی با، فعل محذوف سے متعلق ہے **وَكُفْرِهِمْ**

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اور ان کے آیات اللہ سے کفر کی وجہ سے۔
ف : آیات اللہ سے قرآن مجید مراد ہے جو کچھ ان کی کتابوں کے احکام تھے اور وہ کتابیں جو ان کے ہاں موجود تھیں۔
وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ اور اُن کا انبیاء علیہم السلام کو ناحق شہید کرنے کی وجہ سے جیسے انہوں نے حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کو شہید کر ڈالا **وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ** اور ان کا کہنا کہ ہمارے قلوب پردوں میں ہیں غُلف اغلف کی جمع ہے یعنی وہ دل جبلی طور پر پردوں سے ڈھانپے گئے ہیں۔ حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جتنے احکام لائے ہیں اُن پر اثر انداز نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ ان کے ارشادات کو سمجھتے ہیں۔ یا وہ غُلف بضم الغین سے مخفف ہے اور غلاف کی جمع ہے یعنی ہمارے قلوب علوم کے وسیع برتن ہیں اُن کے اندر علوم کی اتنی فراوانی ہے کہ انہیں غیر کے علم کی حاجت نہیں **بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ** بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے یہ کلام معطوف و معطوف علیہ کے درمیان بطور جملہ معترضہ کے ہے علی وجہ الاستطراد، یعنی ان کے ظن فاسد کی تردید کے لیے لایا گیا ہے کہ اُن کا کفر اور ان کے دلوں پر حق کا نہ پہنچنا اس لیے نہیں کہ اُن کے دل محفوظ ہیں بلکہ معاملہ برعکس ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مُہر لگائی ہے **فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا** پس ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑے، جیسے عبداللہ بن سلام اور ان جیسے اور، یا اُن کا ایمان لانا تھوڑی باتوں پر ہے اس لیے ان کا ایمان لانا غیر معتبر ہے کیونکہ ان کا ایمان ناقص ہے جبکہ وہ بعض رسولوں اور بعض کتابوں پر ایمان لائے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں یا یہ کہ ان کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے اس لائق نہیں کہ انہیں مومن کہا جائے بلکہ وہ تو یقیناً کافر ہیں۔

مسئلہ : عہد توڑنا خالق کی ناراضگی کا سبب ہے۔

سبق : مومن کے لیے ضروری ہے کہ عہد و میثاق کے احکام کی پابندی کرے تاکہ بلاؤں سے بچ جائے۔

حدیث شریف : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا : اے مہاجرین حضرات ! پانچ عادتیں ہیں جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ اور میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم انہیں نہ پا سکو :

(۱) فاحشہ (زنا) جس قوم میں عام ہو کر کھلم کھلا ہو جائے تو وہ طاعون اور ایسے مصائب میں مبتلا ہو جائینگے کہ اُن کے اسلاف نے نہ سُنے ہوں گے اور نہ دیکھے ہوں گے۔

(۲) کم تولنا اور کم بھرنا جس قوم کی عادت ہو جائے وہ تنگ دستی اور پریشان حالی میں مبتلا ہو جائے گی اور

اس پر حاکم ظالم مسلط ہو جائیں گے۔

(۳) زکوٰۃ نہ دینا جس قوم کی عادت ہو تو آسمان سے بارش بند ہو جاتی ہے۔ اگر جانور نہ ہوں تو ایک بوند بھی نہ برسے۔

(۴) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی سے غیر قوم کے دشمن مسلط ہو جاتے ہیں اور اُن سے اُن کے مقبوضہ مال و دولت اور ملک چھین لیں گے۔

(۵) جس ملک کے حکام اللہ تعالیٰ کے احکام کا اجراء نہ کریں اور ان سے رُوگردانی کریں تو وہ آپس میں لڑ مریں گے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) سوئے لطف بے وفایان ہین مرو — کان پل ویران بود نیکو شنو

(۲) نقض میثاق و عہود از بندگیست — حفظ ایمان و وفا کار تقیست

(۳) جرعہ بر خاک وفا آنکس کہ ریخت — کے تواند صید دولت زو گریخت

ترجمہ: (۱) بے وفاؤں کے لطف و کرم کی طرف نہ جا کیونکہ یہ پُل ویران ہے اچھی طرح سُن لے۔

(۲) نقضِ میثاق و عہد نااہل بندوں کا کام ہے ایمان و وفا کی حفاظت پرہیزگاروں کا کام ہے۔

(۳) خاک وفا پر پانی کا گھونٹ جس نے ڈالا تو پھر اس سے دولت کا شکار نہ بھاگے گا۔

وَبِكُفْرِهِمْ اور ان کے کفر کی وجہ سے، اس کا عطف **قولهم** پر ہے یعنی ہم نے یہودیوں کو مختلف سزائیں بسبب فلاں فلاں عمل اور بسبب ان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کفر کرنے کے بھی، **وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا** اور ان کا حضرت بی بی مریم علیٰ نبینا وعلیہا السلام پر بہت بڑا بہتان باندھنے کی وجہ سے کہ اُن پر زنا کی تہمت لگائی گئی تھی۔ **بهتانا** مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے **قال شعرا**، یا یہ مفعول مطلق نوعی **جلست جلسة** کی طرح ہے اس لیے کہ قول کبھی بہتان ہوتا ہے اور کبھی غیر بہتان **وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ** اور ان کے کہنے کی وجہ سے جبکہ کہا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ ابن مریم اللہ تعالیٰ کے رسول کو قتل کر دیا

سوال: یہود تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے قائل نہیں تھے یہاں پر ان کے مقولے میں عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ کیسے کہا گیا؟

جواب : ان کا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر کے رسول اللہ کہنا استہزاءً تھا۔ جیسا قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ہے :

یاایہا الذی نزل علیہ الذکر۔

یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار نے کیا۔ اس خطاب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الذی نزل علیہ الذکر سے موصوف کرنا استہزاءً ہے ورنہ جب وہ عیسیٰ علیہ السلام سے سخت بغض وعداوت رکھتے تھے اور انہیں قتل کر دینے کے درپے تھے تو پھر انہیں رسول اللہ کہنے کا کیا معنیٰ !

سوال : جب ان کا عیسیٰ علیہ السلام کے بے قتل کا دعویٰ ہی کفر تھا تو پھر قولہم کے اضافہ سے کیا فائدہ۔

جواب : چونکہ وہ اس قول سے بہت مسرور و مفروح تھے اس بنا پر ان کا یہ قول بھی ایک علیحدہ کفر ہوا علاوہ اُن کے دعویٰ قتل اور عیسیٰ علیہ السلام سے استہزاء کے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ اور نہ ہی انہیں قتل کیا اور نہ ہی انہیں سُولی پر چڑھایا لیکن انہیں تشابہ ہُوا کہ نہ معلوم قتل ہونے والے عیسیٰ علیہ السلام تھے یا ان کا اپنا آدمی۔ شُبِّہَ کا اسناد لَھُمْ کی طرف ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے : خیل الیہ اور لبس علیہ۔

واقعہ قتلِ عیسیٰ اور یہودیوں کا التباس مروی ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غلیظ گالیاں دیں۔ مثلاً کہا کہ وہ ساحر اور ابن الساحرہ ہیں (یعنی جادوگر اور جادوگرنی کے بیٹے) اور کہا کہ وہ زانی اور زانیہ کے بیٹے ہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اس میں گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ ماجدہ پر سخت بہتان باندھا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام نے سُنا تو آپ نے ان پر بددعا فرمائی :

> اے اللہ تعالیٰ ! تُو میرا رب ہے اور میں تیری رُوح، اور تُو نے مجھے اپنا کلمہ کہہ کر پیدا فرمایا اور میں ان کے پاس از خود نہیں بلکہ تیرے حکم سے آیا ہُوں۔ اے اللہ ! اس پر لعنت فرما جو مجھے اور میری ماں کو گالی دیتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی کہ جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو گالی دی ان کی شکلیں تبدیل کر دیں کہ بندر اور خنزیر بن بیٹھے۔ جب ان کے سردار یہودا نے یہ کیفیت دیکھی تو اسے اپنے متعلق بھی خطرہ ہوا کہ کہیں اس کی شکل بھی تبدیل نہ ہو جائے۔ تو سب نے اتفاق کیا کہ اب جس طرح بن پڑے ان کا (عیسیٰ علیہ السلام کا) خاتمہ کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جبریل علیہ السلام کو بھیج کر تمام ماجرا سنایا اور فرمایا کہ عنقریب ہم آپ کو آسمان پر اٹھا لیں گے۔ آپ نے اپنے

دوستوں سے فرمایا کہ تم میں کون میرا قائم مقام بننا چاہتا ہے تاکہ وہ میرا ہم شکل ہو کر قتل کیا جائے یا سُولی چڑھایا جائے پھر بہشت میں داخل ہو۔ ان میں سے ایک شخص اٹھا اور عرض کی یہ قربانی مَیں دیتا ہُوں۔ چنانچہ وہ شخص عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا اور اس شخص یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل کو سُولی چڑھا کر اُسے شہید کر دیا۔ بعض نے کہا ایک شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ منافقت کرتا تھا اُس نے یہودیوں سے کہا کہ اگر تم عیسےٰ علیہ السلام کو شہید کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں ان کی بیٹھک دکھاؤں۔ جب وہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا اور وہ منافق عیسےٰ علیہ السلام کا ہمشکل ہو گیا۔ جب یہودی عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کے لیے ان کے گھر کے اندر داخل ہوئے تو عیسےٰ علیہ السلام تو آسمان پر اُٹھا لیے گئے اور اسی شخص کو جو کہ عیسےٰ علیہ السلام کا ہمشکل ہو گیا تھا انہوں نے اُسے قتل کر دیا اس گمان پر کہ شاید یہی عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

بعض نے کہا کہ ططیانوس یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر داخل ہُوا تاکہ انہیں شہید کرے۔ لیکن جب وہ اندر داخل ہُوا تو عیسیٰ علیہ السلام موجود نہ تھے اللہ تعالیٰ نے اُسے عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا۔ جب وہ عیسیٰ علیہ السلام کے گھر سے باہر نکلا تو دوسرے یہودیوں نے سمجھا کہ یہی عیسےٰ علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے اسے پکڑ کر سُولی پر چڑھا دیا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ایسے خوارق عادات کا دورِ نبوت میں ظاہر ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔

ف: بہت سے متکلمین یُوں کہتے ہیں کہ جب یہود نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا۔ پھر یہودیوں کے سرداروں کو خیال ہُوا کہ اس طرح سے تو عیسےٰ علیہ السلام کے ماننے والے فتنہ برپا کر دینگے کہ وہ کہاں ہیں، اس لیے انہوں نے ایک شخص کو قتل کر کے سُولی پر چڑھا کر اعلان کر دیا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا، اور لوگوں نے محض عیسےٰ علیہ السلام کا نام سُنا ہوا تھا اس مقتول کی پہچان نہ رکھتے تھے اور وہ خود بھی تنہائی میں رہتے تھے عوام سے روشناس نہیں تھے اس لیے شور برپا ہوا۔ بعض کہتے کہ یہ وہی ہیں بعض کہتے نہیں یہ کوئی اور ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس سے وہ سوال اُٹھ گیا جو کہ کہا جاتا ہے کہ اگر مان لیا جائے کہ عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے اور کوئی ان کا ہمشکل قتل کیا گیا تو اس طرح سفسطہ (بیوقوفی) کا دروازہ کھل جائیگا کہ ہر شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ جب مثلاً زید کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ زید حقیقی (اصلی) نہیں بلکہ اس کا ہم شکل ہے اس طرح سے نہ کسی کا نکاح ثابت ہو سکتا ہے نہ طلاق، اور نہ ہی دوسرے کاروبار پر اعتبار رہے گا۔

سوال: نصاریٰ اپنے اسلاف سے متواتر نقل کر کے اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو شہید شدہ دیکھا تو پھر اہلِ اسلام کو اُن کے شہید ہونے سے انکار کیوں؟

جواب : اور یہ کہ آخری دور کی روایت پر وارومدار ہوتا ہے۔ اگر آخری دور بھی تواتر کے نصاب پر پہنچے تو قابلِ اعتماد ہے ورنہ اسے تواتر کہنا بیکار ہے۔ یہاں بھی یہی بات ہے کہ اہلِ کتاب کے آخری دور کے نقل کرنے والے نہایت قلیل ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو شہید شدہ دیکھا۔ اور قاعدہ ہے کہ قلیل افراد کی روایت متواتر نہیں ہو سکتی اس لیے کہ ان میں کذب کا احتمال ہے[1] (اور قاعدہ ہے کہ اذا جاء (وقیہ حاشیہ موکوشتہ) سے مراد ہے کہ ان کی سیرت پر ایک آدمی پیدا ہوگا وہ عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال و افعال کے مشابہ ہوگا اور وہ غلام احمد قادیانی ہی ہے (معاذ اللہ)

اس کے برعکس اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور زندہ ہی آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ یہ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ "کتاب الاعلام" میں رقمطراز ہیں :

انه يحكم بشرع نبينا و وردت به الاحاديث وانعقد عليه الاجماع و قد تواتر الاحاديث بنزول عيسى جسمًا الخ	بے شک عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی علیہ السلام کی شریعت پاک کے احکام صادر فرمائیں گے اسی کے مطابق احادیث مبارکہ وارد ہیں اور اس پر اجماع منعقد ہو گیا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر جسم کے ساتھ نزول کے عقیدہ کی احادیث متواترہ ہیں۔

اسی طرح تفسیر فتح البیان جلد دوم ص ۳۴۴، تفسیر بیضاوی ج ۲ ص ۸۳، تفسیر زاہدی ص ۳، تفسیر حسینی، تفسیر رؤفی، معالم التنزیل، خلاصۃ التفاسیر اور جلالین وغیرہم میں ہے۔ ان کے علاوہ تمام علمائے دین و فقہائے شرع حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ کے بعد حق کو واضح کیا کہ :

بل رفعه الله اليه (بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا)

بلکہ ان (رحمہم اللہ) کا اتفاق ہے، یہی تمام محدثین نے لکھا۔ چنانچہ امام بخاری و مسلم و نسائی و ترمذی و طبرانی وغیرہ سب اس امر پر متفق ہیں۔ حضرت ابن العربی، جن کے مرزا قادیانی نے متعدد مقامات پر حوالے دئے ہیں فتوحاتِ مکیہ جلد دوم، باب ۳۰، ص ۴ میں لکھتے ہیں :

---

[1] یہ تمام مذاہب صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ نے بیان فرمائے ہیں ہمارے دور میں مرزائی گروہ کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں ان کی قبر کشمیر میں ہے۔ فقیر نے ان کے رد میں "القول الفصیح" لکھی ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ جن روایات میں عیسیٰ علیہ السلام کی قربِ قیامت میں واپسی کا آیا ہے اس الاحتمال بطل الاستدلال) کذا فی تفسیر الامام الرازی۔

ان عیسٰی علیہ السلام نبی و رسول انہ لاخلاف انہ ینزل فی اٰخر الزمان حکماً مقسطاً عدلاً الخ	بے شک عیسٰی علیہ السلام نبی و رسول ہیں اور اس میں کسی کا خلاف نہیں کہ وہ آخری زمانہ میں حاکم انصاف کنندہ اور عادل ہوں گے۔ (امتی بن کر)

اسی طرح تمام صوفیائے کرام، امام شعرانی، سیدنا محی الدین الشیخ عبدالقادر، داتا گنج بخش اور سیدنا معین الدین اجمیری رحمہم اللہ وغیرہم نے اپنی تصانیف وملفوظات میں بیان فرمایا۔ لیکن بخلاف مرزا قادیانی
وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ اور وہ لوگ جو اس میں یعنی عیسٰے علیہ السلام کے متعلق اختلاف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲) کہ وہ کہتا ہے کہ "عیسٰی علیہ السلام اپنی طبعی موت مر کر سری نگر (کشمیر) میں مدفون ہیں"۔ فقیر اویسی غفرلہ نے اس کے رد میں "القول الفصیح فی قبر المسیح" تحقیقاً لکھی ہے۔

اہلسنت کی دلیل از قرآن

اہلسنت نے اپنی دلیل وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ آیت قرآنی کے اس جملہ سے پیش کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے یہودیوں کے رد میں فرمایا کہ عیسٰے علیہ السلام کو قتل نہیں کیا گیا۔ جبکہ وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہم نے عیسٰے علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ عیسٰی علیہ السلام کو سُولی پر نہیں چڑھایا گیا، جبکہ نصرانیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسٰے علیہ السلام کو ان کے گناہ بخشوانے کے لیے تین دن تک سُولی پر لٹکایا گیا۔ اس سے مرزائیوں کا بھی ردّ ہو گیا کہ قتل اور صَلب (سُولی پہ لٹکانا) جسم عنصری پر ہُوا کرتا ہے نہ کہ رُوح پر۔ اس کے بعد عقیدہ تو واضح کیا کہ "بل رفعه اللہ الیه" (بلکہ انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا) اس میں واضح اور بیّن ثبوت ہے کہ قتل وصَلب کی نفی ہے اس کا استدراک 'بل' کے لفظ سے ہے کیونکہ نحوی قاعدہ ہے کہ جس مفہوم کا استدراک لفظ بل سے ہوگا اس کا اثبات لفظ بل کے مابعد کا ہوگا۔ اب معنے یہ ہُوئے کہ عیسٰی علیہ السلام جسم سمیت آسمان پر اٹھا لیے گئے۔

مزید برآں جو رفعه اللہ الیه واقع ہوا ہے یہ رفع سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے "اُونچا کرنا"، اوپر کو اٹھانا۔ چنانچہ سورۃ یوسف میں ہے:

ورفع ابویه علی العرش ۔ یعنی یوسف علیہ السلام نے اپنے ابوین کو تخت پر اونچا بٹھایا۔

اور سورۃ بقر میں ہے:

ورفعنا فوقکم الطور (اور ہم نے تمہارے اوپر (اے بنی اسرائیل) پہاڑ کو اونچا کیا)

اور حدیث شریف میں ہے:

رفع حجراً عن الطریق کتب له حسنة:

جو شخص لوگوں کی تکلیف دُور کرنے کے لیے راستے سے پتھر کو اٹھائے تو اس کے لیے نیکی لکھی جاتی ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

رفع یدیہ فی الرکوع فلا صلوٰۃ له۔

جو شخص اپنا ہاتھ رکوع میں اٹھائے اس کی نماز نہیں۔

(باقی بر صفحہ ۲۴)

کہتے ہیں اس لیے کہ اس واقعہ کے بعد لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ بعض کہتے کہ اگر یہ مقتول عیسٰے علیہ السلام ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳)

اسی طرح فقہ کی کتابوں میں ہے:

واذا اراد الدخول فی الصلوٰۃ کبر رفع یدیہ حذو اذنیہ۔

جب نماز میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو اللہ اکبر کہتا ہوا اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے۔

ان قرآنی و احادیثی وفقہی استعمالات سے ثابت ہوا کہ عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا۔

سوال: مرزائی کہتے ہیں کہ رفعه اللہ کے معنٰی ہیں کہ اُن کی رُوح کو آسمان پر اٹھایا گیا، جیسا کہ احادیث میں ہے کہ مرنے کے بعد نیک ارواح کو آسمان پر اٹھایا جاتا ہے، فلہذا اس قاعدہ کے مطابق عیسٰی علیہ السلام کی بھی روح ہی آسمان پر اٹھائی گئی۔

جواب ۱: پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ وما قتلوہ وما صلبوہ سے بل رفعه اللہ کا استدراک ہوا اور بل کے مابعد میں استدراک کے وقت وہی مفہوم ضروری ہے جو لفظ بل کے لیے ماقبل میں ہے۔ چونکہ بل کے ماقبل میں قتل وصلب جسم کے متعلق نفی ہے اس لیے لازم ہے کہ بل کے بعد میں بھی جسم کے رفع کا اثبات ہو ورنہ قرآنی فصاحت و بلاغت پر حرف آتا ہے کہ ماقبل میں جسم کی نفی ہے لیکن مابعد میں رُوح کا رفع ہے یہ عرفِ عرب اور قواعدِ نحویہ کے صریحاً خلاف ہے۔

جواب ۲: قاعدہ ہے کہ جہاں کہیں مدح و ثنا ہو وہاں اس کا تحقیقی پہلو ضروری ہے۔ اگر یہاں رفع روحانی مراد ہو تو پھر عیسٰے علیہ السلام کی تخصیص کیوں؟ روحانی رفع تو ہر انسان کے لیے ثابت ہے کافر ہو یا مومن، نیک ہو یا بد۔ فرق صرف یہ ہے کہ کافر کی روح رفع کے بعد سجین میں دھکیلی جاتی ہے اور مومن کی علیین میں۔ فلہذا یقیناً کہنا پڑے گا کہ یہاں چونکہ عیسٰے علیہ السلام کی مدح کا پہلو ہے اسی لیے خصوصیت سے ماننا لازمی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو جسم سمیت آسمان پر اٹھایا گیا۔

سوال: تمہارا دعوٰی ہے کہ عیسٰے علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا ہے اور دعوٰی میں کہتے ہیں کہ بل رفعہ اللہ الیہ۔ اس میں دعوٰی دلیل کے ساتھ نہیں، دعوٰی رفع الی السماء کا ہے اور دلیل میں رفع اللہ ہے، اور علم مناظرہ کا قاعدہ ہے کہ دعوٰی دلیل کے مطابق ہو۔

تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور اگر یہی ہمارا آدمی ہے تو عیسٰے علیہ السلام کہاں گئے۔ بعض نے کہا کہ اس مقتول کا چہرہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳)

جواب ۱: مرزائیوں کی جہالت پر ہنسی آتی ہے کہ جب جواب نہ بن آئے تو وہ لغو باتیں کہنے لگ جاتے ہیں کہ اسلام کا یہ مسلّم قاعدہ انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالٰی جب بھی کسی اہم امر کو اپنی طرف اٹھائے جانے کا حکم فرماتا ہے تو اس سے مراد آسمان ہوتا ہے کہ اس کی رحمت اور فضل و کرم کا مرکز آسمان ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے، الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔ اس آیت میں اللہ تعالٰی نے عمل صالح اور کلمات طیبات کا اپنی طرف اٹھائے جانے کا حکم فرمایا ہے۔ اس میں تمام اہلِ اسلام اور خود مرزائیوں کا عقیدہ ہے کہ سب کے اعمال صالحہ اور کلمہ طیبہ آسمان پر اٹھائے جاتے ہیں تو جس طرح کہ یہاں اللہ تعالٰی نے اعمال صالحہ اور کلمہ طیبہ کو اپنی طرف اٹھائے جانے کا حکم فرما کر آسمان کا حکم دیا ہے، ایسے ہی حضرت عیسٰی علیہ السلام کا معاملہ ہے۔

جواب ۲: علاوہ ازیں جیسے اللہ تعالٰی نے اپنے لیے زمین کا معبود ہونا بتایا ہے اسی طرح آسمان کا بھی، کما قال ھو الذی فی السماء الہ و فی الارض لہ۔ اور احادیث میں بھی اہم معاملات میں اللہ تعالٰی کے لیے آسمان کی طرف منسوب کرنے کے استعمالات وارد ہیں۔

اہلسنت کی دُوسری دلیل

جیسے مذکورہ بالا بیان میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کی صریح نص موجود ہے ایسے ہی اسے چھٹے پارہ میں اس آیت کے بعد عیسٰی علیہ السلام کے لیے اللہ تعالٰی نے فرمایا:

وان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ — اور اہل کتاب کا ہر فرد عیسٰی علیہ السلام کی

قبل موته۔ موت سے پہلے ایمان لائے گا۔

اس آیت میں صراحۃً بیان کیا گیا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام جب آسمان پر تشریف لے گئے اس وقت تمام اہل کتاب یہودی ونصرانی سب کے سب ایمان نہیں لاتے تھے، لیکن جب آسمان سے واپس تشریف لائیں گے تو اہل کتاب یہودی ونصرانی دین محمدی قبول کرلیں گے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل احادیث کی تصریحات ملاحظہ ہوں۔

احادیث

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم والذی نفسی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضۂ قدرت

(باقی بر صفحہ ۲۶)

عیسٰی علیہ السلام کا ہے لیکن اس کا جسم ہمارے آدمی کا ہے اس لیے کہ جب عیسٰی علیہ السلام کی شکل اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴)

بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیر من الدنیا وما فیھا ثم یقول ابو ھریرۃ فاقرؤا ان شئتم وان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ۔ (مشکوٰۃ شریف)

میں میری جان ہے کہ ابن مریم تمہارے ہاں زمین پر اتریں گے وہ صاحب عدل ہونگے نصرانیوں کی صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کرینگے اور جزیہ رکھ دیں گے، اس وقت مال بہت ہوگا اسے کوئی قبول نہ کریگا اس وقت کا ایک سجدہ دنیا و ما فیہا سے بہتر ہوگا۔ پھر ابو ہریرہ فرماتے چاہے پڑھو وان من اھل الکتٰب الخ جو عیسٰی علیہ السلام کے وصال سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے۔

(۲) عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیسٰی ابن مریم الی الارض فیتزوج ویولد لہ ویمکث خمسا واربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی ف

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسٰی علیہ السلام زمین پر اتریں گے پھر نکاح کریں گے اور ان سے اولاد پیدا ہوگی اور زمین پر پینتالیس ۴۵ سال قیام

قبری فاقوم انا و عیسٰی ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر و عمر ۔ (مشکوٰۃ شریف)

فرما کر پھر (طبعی موت) مریں گے اور میرے ساتھ مدفون ہوں گے قیامت میں مَیں اور عیسٰے (علیہم السلام) ایک قبر میں سے ابوبکر اور عمر کے مابین اٹھیں گے ۔

(۳) عن عثمان رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ینزل عیسٰی عند

حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسٰی علیہ السلام آسمان

(باقی بر صفحہ ۲۷)

شخص کو دی گئی تو صرف چہرہ عیسٰے علیہ السلام کی طرح ہوا لیکن باقی بدن ویسے کا ویسا رہا ۔ اور جن لوگوں نے حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶)

صلوٰۃ الفجر انہ اخرجہ ابن ابی شیبۃ واحمد وطبرانی والحاکم وغیرھم۔

سے زمین پر فجر کی نماز کے وقت اتریں گے اخرجہ ابن ابی شیبہ واحمد وطبرانی والحاکم وغیرہم۔

(۴) قال علیہ السلام کیف انتم اذ انزل ابن مریم فیکم امامکم منکم ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! کیا حال ہوگا اس وقت جب تمہارے اندر عیسٰے علیہ السلام نازل ہوں گے اور اس وقت تم میں سے تمہارے امام ہونگے۔ (رواہ البخاری ومسلم)

ان تمام تصریحات کے باوجود اگر کسی کا عقیدہ بگڑا ہے تو اس کا کیا علاج ۔ یاد رہے کہ یہ قادیانی لعین نہ صرف مثل عیسٰی ہونے کا مدعی تھا بلکہ بعد کو اس نے نبوت کا دعوٰی بھی کر دیا ۔ اس کے رد میں مختصر طور پر قرآن حکیم اور حدیث شریف کی روشنی میں چند باتیں عرض کر دی جاتی ہیں :

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۔ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۔

نہیں ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے باپ اور لیکن آپ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں میں آخری ہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ۔

اس آیۂ مبارکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو وہ اعزاز عطا فرمایا گیا ہے جو کسی نبی اور رسول کو نہیں ملا تھا اور یہ اعزاز ختم نبوت ہے ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہر کمال کو اس وصف ختم نبوت کے پس منظر میں دیکھا جائے تو ہر وصف اپنے کمال پر نظر آئیگا اور معاذ اللہ اگر اسی وصف کو الگ کر دیا جائے تو آپ کے اوصاف کے کمال کی حیثیت ختم ہو کر رہ جائے گی ۔ لفظ خاتم دو طرح سے پڑھا جاتا ہے یعنی ت کو فتح کے ساتھ اور کسرہ کے ساتھ ۔ معنی دونوں کا ایک ہی ہے یعنی آخری نبی ۔ قرآن حکیم میں ایسی متعدد آیات ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے خاتمے کا اعلان کرتی ہیں ۔ آیاتِ قرآنیہ کے

عیسیٰ علیہ السلام سے سنا تھا کہ وہ آسمان پر اٹھائے جائیں گے وہ تو یقین رکھتے تھے کہ وہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰)

سید دو عالم جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر امت کا اجماع ہے اور اس سلسلے میں بے شمار حدیثیں ہیں جو اس امر کی صراحت کرتی ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی تھے اور ان کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا ۔ چند احادیث یہاں نقل کی جاتی ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث شفاعت میں منقول ہے کہ جب لوگ ہر طرف سے ٹھوکریں کھا کر پریشان حال آپ کے پاس آئیں گے تو کہیں گے ،

انت رسول اللہ و خاتم الانبیاء و قد غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تأخر ۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۶۸۵ ترمذی شریف ص ۳۵۱)

آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں اور اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام ذنوب کو معاف کر دیا ہے ۔

یعنی ہم سب انبیاء کے پاس سے ہو کر آگئے کہیں ہماری شنوائی نہیں ہوئی اور آپ آخری نبی ہیں، یہاں بھی دستگیری نہ ہوئی تو پھر کہاں ہوگی !

ابوحازم کہتے ہیں کہ میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے پاس پانچ سال رہا ، میں نے آپ سے سنا' فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی سیاست کا کام انبیاء کرتے ، جب کوئی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہوتا ۔ انہ لا نبی بعدی اور خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے ختم نبوت کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح کر دیا کہ لوگ میرے بعد دعویٰ نبوت و رسالت کریں گے لیکن

وہ سب جھوٹے ہوں گے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تقوم الساعۃ حتی یبعث دجالون کذابون قریباً من ثلاثین کلھم یزعم انہ رسول اللہ۔	قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک دجال کذاب پیدا ہوں گے وہ تقریباً تیس ہوں گے سب کا گمان ہوگا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں (معاذ اللہ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ثلاثین (تیس) کے الفاظ کی بھی قید نہیں۔

(باقی بر صفحہ ۲۹)

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف کرنے والے نصاریٰ تھے انہیں سے بعض نے کہا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام شہید ہوئے لیکن سولی نہیں چڑھائے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا۔ اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے شہید کر ڈالا۔ لیکن فرقہ نسطوریہ کا خیال ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے صرف جسم کو سولی چڑھایا گیا اور آپ کی ظاہری صورت سے یہ ہوا لیکن بوجہ لاہوت کے یعنی آپ اپنی ذات اور جوہر اور روح کے اعتبار سے شہید نہیں ہوئے اور اکثر حکماء کچھ اور کہتے ہیں لیکن اُن کا خیال اس مذکورہ قول کے قریب ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ انسان صرف اس صورت ظاہری کو نہیں کہا جاتا بلکہ وہ ایک جسم لطیف کا نام ہے جو اسی بدن کے اندر ہے یا وہ ایک جوہر روحانی ہے اور وہ اپنی ذات کے اعتبار سے مجرد ہے یعنی کسی شے سے وہ مرکب نہیں ہے اور وہی اس بدن کے کارخانہ کو چلاتا ہے اور ظاہر ہے کہ قتل اسی ظاہری بدن کا ہوا۔ باقی رہا عیسیٰ علیہ السلام کا اصلی اور حقیقی جسم، اس پر قتل وارد نہیں ہوا۔

سوال: اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے اس طرح سے تو ہر انسان کے لیے تقریر کی جا سکتی ہے۔

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نفس قدسی علوی سماوی نور الٰہی سے منور تھا اور انہیں ارواحِ ملائکہ سے بے حد قرب حاصل تھا۔ جو ایسے نفوس قدسیہ ہوتے ہیں انہیں قتل کا درد والم محسوس تک نہیں ہوتا اور نہ ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انّ بین یدی الساعۃ کذابین فاحذروھم۔ (مسلم شریف جلد ۲ ص ۳۱۶، ۳۱۳)	قیامت سے پہلے بہت سے جھوٹے نبی پیدا ہوں گے ان سے بچنا۔

سوال : بنی اسرائیل پر تو اللہ کی رحمت (نبوت) مسلسل برستی ہے اور ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور مسلسل پے در پے نبی آتے رہے لیکن مسلمان اپنے آپ کو ختم نبوت کے عقیدہ کی وجہ سے خدا کی نعمت سے محروم کر رہے ہیں۔

جواب : بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کو مکمل نہیں فرمایا تھا بالاقساط نازل ہوتی رہی مگر ہم پر اللہ تعالیٰ نے نعمت کو مکمل فرما دیا اور اپنی نعمت کاملہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو عطا فرما دی۔ اب اگر اس کے بعد کسی کو اپنی طرف سے نبی بنانے لگے تو یہ قہر خداوندی کو دعوت دینے کے مترادف ہے تو گویا ہم نعمت خداوندی سے محروم نہیں بلکہ نعمت کاملہ سے مستفید ہونے کے باعث مسرور و شاداں ہیں۔

مسئلہ ختم نبوت اور مرزائیت و قادیانیت کی تفصیل تردید فقیر نے اپنی تفسیر اویسی میں لکھ دی ہے۔ اویسی غفرلہٗ

انسان کا جسم خواب ہوتا ہے وہ ظلمت بدن سے جدا ہو کر آسمانوں کی وسعت کی طرف جولانیاں رکھتے ہیں اور عالم قدس کے انوار میں ڈوب جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے اُس کی رونق بڑھ جاتی ہے اور سعادت میں اضافہ ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسے صفات عام انسانوں کو نصیب نہیں بلکہ ایسے صفات کے حامل بہت تھوڑے ہوتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تا قیامت چند گنتی کے انسان پیدا ہوئے اور پیدا ہوں گے۔ نصاریٰ کا ایک ملکانیہ فرقہ ہے وہ کہتے ہیں کہ قتل اور سُولی پر چڑھ جانے سے احساس و شعور کے لحاظ سے بھی ان کے لاہوت کو حاصل ہوا، نہ کہ مباشرت کے اعتبار سے۔ اور یعقوبیہ فرقہ کہتا ہے کہ قتل اور سُولی پر چڑھانا حضرت مسیح علیہ السلام کے اس جوہر پر واقع ہوئے جو دو جوہروں سے متولد ہوئے ہے،

لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ البتہ ان سے تردد میں تھے۔

ف : شک ایسے امر پر بولا جاتا ہے کہ جس میں دو طرفوں میں سے کسی ایک طرف کو ترجیح نہ ہو۔ اسی طرح مطلق تردد کو بھی کہا جاتا ہے اور شک علم کے بالمقابل ہو کر بھی آتا ہے اس لیے اسے اس جملہ سے مؤکد کیا گیا ہے۔

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ انھیں اس کا کوئی علم نہیں تھا وہ صرف گمان کی اتباع کرتے تھے۔ یہ استثناء منقطع ہے اس لیے کہ اتباعِ ظن جنسِ علم سے نہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ صرف ظن کی اتباع کرتے تھے وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا جیسا کہ ان کا گمان ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا : انا قتلنا المسیح الخ۔ یہاں قتلاً مصدر محذوف ہے یہ یقیناً اس کی صفت ہے اور فعیل بمعنے مفعول ہے یعنی یقین بمعنے متیقن ہے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ بلکہ انہیں خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا۔ ان کے قول انا قتلنا المسیح الخ کا رد اور ان کے عقیدے سے انکار ہے بلکہ انہیں آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے اثبات کی دلیل ہے۔

سوال : عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف اٹھائے گئے لیکن آسمان کی بجائے اللہ تعالیٰ نے اپنا نام کیوں لیا ہے ؟

جواب : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہاں رفع الی اللہ سے رفع الی السماء مراد ہے ، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا مرکز آسمان ہے اور ملائکہ کرام کے ٹھہرنے کا یہی مقام ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا جو وہاں پہنچ گیا تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ گیا ۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے : ومن یخرج من بیتہ مھاجراً الی اللہ ۔ اس میں ہجرت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے حالانکہ مسلمانوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی ۔ اسی طرح باری تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا انی ذاھبٌ الی ربی ۔ ان کا رب تعالیٰ کی طرف جانے کا مطلب یہ تھا کہ میں ایسے مقام پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے جاؤں گا جہاں مجھے اس کی عبادت سے اور کوئی روک نہیں سکے گا ۔

نکتہ : عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے میں ایک حکمت یہ تھی کہ ان کے تشریف لے جانے سے ملائکہ کرام کو برکات وفیوضات نصیب ہوں اس لیے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور رُوح تھے[1] جیسے آدم علیہ السلام سے انہیں برکات نصیب ہُوئے جبکہ انہیں آدم علیہ السلام نے تعلیم الاسماء سے مشرف فرمایا اور قرآن میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آدم علیہ السلام کے مثل ہیں ۔ بعض نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے میں یہ حکمت تھی اُن کا دنیا میں تشریف نہ لانا ازبابِ شہوت نہ تھا اور نہ ہی اس سے واپس جانا ازبابِ موت ہوگا تاکہ اس طرف اشارہ ہوجائے کہ وہ دنیا میں تشریف لائے تو قدرت کا کرشمہ بن کر اور دنیا سے کُوچ کریں گے تو بہت بڑی عزت وعظمت کا منظر لے کر وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا اور ہے اللہ تعالیٰ بہت بڑی عزت والا کہ وہ جو ارادہ کرتا ہے تو کسی سے مغلوب نہیں ہوتا اور یہاں پر عزۃ اللہ سے اس کی کمال و قدرت مراد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر تشریف لے جانا اگرچہ بشری طاقت کے لیے ناممکن ہے ۔ لیکن قدرتِ ایزدی کے آگے معمولی سی بات ہے کہ اس قادر کو ایسا کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا حَكِيْمًا اس کے تمام امور میں بہت بڑی حکمتیں ہوتی ہیں ۔

مسئلہ : یہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جملہ امور و تدابیر اس حکمت کے دائرہ میں بدیہی طور شامل ہیں ۔

اعجوبہ : جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا تو انہیں نورانی لباس پہنایا اور نورانی پَر عطا فرمائے ۔ اُن سے کھانے پینے کے تمام خواہشات منقطع کرلیے اور وہ اس وقت ملائکہ کرام کے ساتھ اُڑتے

---

[1] اسی طرح حضور علیہ السلام کے شب معراج لامکان سے ماوراتشریف لے جانے میں ایک حکمت یہ تھی کہ وہاں کے ساکنین آپ کے فیوض وبرکات سے سرشار ہوں کیونکہ آپ حبیب اللہ تھے ۔ اویسی غفرلہ

حصے عرشی ملائکہ یعنی۔ اس اعتبار سے وہ انسان بھی تھے فرشتے بھی تھے ارضی بھی اور فلکی بھی۔

ف: حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ تیس سال کے تھے کہ نبوت ملی اور تینتیس سال کے تھے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھایا اس اعتبار سے اس وقت صرف تین سال نبی رہے۔

سوال: اگر کوئی سوال کرے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے پھر زمین پر کیوں لوٹایا جائیگا۔

جواب: تاکہ آپ کا نزول قیامت کی علامت بنے اور آپ ولایتِ عامہ کے خاتم ہوں اس لیے کہ آپ کے بعد کوئی ولی نہ ہوگا۔ آپ پر دورۂ محمدیہ کی ولایت ختم ہوگی۔ یہ آپ کی بزرگی اور شرافت کی بنا پر ہوگا، جیسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا گیا تو آپ کو خاتم الاولیاء۔

مسئلہ: آپ حضور نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کے لیے ان سب سے تجدیدِ عہد لائیں گے۔ حضرت امام مہدی اور اصحابِ کہف رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کے خدام سے ہوں گے اور آپ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکاح کریں گے۔ آپ کے بچے بھی پیدا ہوں گے۔ حضور نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اور آپ کی امت کے اولیاء اور وارثین ولایت کے از جہت ولایت خاتم ہونگے۔

ف: حضرت امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے تفسیر دُرِ منثور میں سورۂ کہف میں ابن شاہین سے روایت فرمایا کہ چار پیغمبر علیہم السلام زندہ ہیں، دو آسمان میں:

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام

(۲) حضرت ادریس علیہ السلام

اور دو زمین پر:

(۱) حضرت خضر علیہ السلام

(۲) حضرت الیاس علیہ السلام

خضر علیہ السلام دو دریاؤں میں رہتے ہیں اور الیاس علیہ السلام جنگلوں میں۔

حضرت امام سخاوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

حدیث شریف: میرے بھائی خضر اگر زندہ ہوتے تو میری زیارت کے لیے ضرور تشریف لاتے۔

(یہ حدیث نہیں ہے) یہ ان لوگوں کے اسلاف کا قول ہے جو خضر علیہ السلام کی حیات کے منکر ہیں۔

ف: یہ ارواح جو عقلِ اوّل سے ہیں سبھی ایک صف میں تھے سب کو اللہ تعالیٰ سے فیض ملا۔ لیکن کسی کے واسطے سے بہت سی ارواح کی صفیں عقل کے واسطہ سے فیض پا رہی تھیں اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

انا ابو الارواح وانا من نور اللہ والمؤمنون فیض نوری۔

میں ابو الارواح ہوں، میں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوں اور مومنین میرے نور کے فیض سے ہیں۔

صف اول میں رُوحِ اول یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیادہ قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ بلکہ عقلِ اول سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہی مراد ہیں اس لیے عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف معراجِ جسمانی میں دونوں شریک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے زمانۂ اقدس سے انہیں قرب حاصل ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اسمِ اعظم کے مظہر اور مقامِ جمع میں بلا واسطہ حضرت الٰہیہ سے فیض پانے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ایک اسم اور اس کے ارواح سے ایک ہیں اور جامع اسم الٰہی کے مظہر ہیں۔ آپ کو وراثتِ اولیٰ نصیب ہوئی اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ تمام مراتب بالاصالۃ حاصل ہیں (کذا فی شرح الفصوص)

بنی اسرائیل کے فرقوں اور ان کے عقائد کا بیان

(۱) عیسائیوں میں بعض وہ ہیں جو بی بی مریم علیہا السلام پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں۔

(۲) بعض وہ ہیں جو اُن کی تعظیم میں حد سے متجاوز ہو کر انہیں اور ان کے بیٹے کو معبود مانتے ہیں۔

دونوں فرقے گمراہی کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں۔

اہلِ اسلام کا عقیدہ

اہلِ اسلام بی بی مریم کو ایک ولیہ کاملہ مانتے ہیں اور وہ بنی اسرائیل جو ان کی شان گھٹاتے ہیں وہ بھی گمراہ ہیں اور جو ان کی شان حد سے بڑھاتے ہیں وہ بھی۔

قاعدہ کُلیہ

اسی طرح ہر ولی کامل کے لیے یہی قاعدہ کلیہ ہے کہ ان کی شان کا منکر بدبخت ہے اور اُن کو حد سے بڑھانے والا بھی گمراہ ہے۔ چنانچہ بعض بزرگوں کے لیے ایسے واقع ہوا ہے۔ (التاویلات النجمیہ) مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱)	نازنینی تو ولی در حد خویش	اللہ اللہ پا منہ در حد بیش
(۲)	جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد	کم کسے زابدال حق آگاہ شد
(۳)	دیر باید تا کہ سر آدمی	آشکارا گردد از بیش و کمی
(۴)	زیر دیوار بدن گنجست یا	خانۂ مارست و مور و اژدہا

ترجمہ: (۱) ولی بیشک نازنین ہے لیکن تُو اس کی حد سے آگے نہ بڑھ۔
(۲) جملہ جہان اسی لیے گمراہ ہوا ابدال کے سوا بہت کم لوگ حق سے آگاہ ہو سکے۔
(۳) بہت بڑی مدت پر آدمی کا راز ظاہر ہوتا ہے کم دیکھنے کے لحاظ سے۔
(۴) بدن کی دیوار کے نیچے بہت بڑے خزانے ہیں یا ہمارا جسم سانپوں، موروں اور اژدہاؤں کا گھر ہے۔

وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اور کوئی اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ میں سے نہ ہوگا **اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ** مگر اس پر یعنی عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے **قَبۡلَ مَوۡتِهٖ** اپنی وفات سے پہلے، یعنی ہر اہلِ کتاب مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب کسی یہودی پر نزع طاری ہوتی ہے تو امورِ آخرت اس کے سامنے ہوتے ہیں تو ملائکہ اس کے منہ اور اس کی پیٹھ پر طمانچہ مارتے ہوئے کہتے ہیں کہ تیرے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی بن کر تشریف لائے لیکن تُو نے انھیں جھٹلایا۔ یا پھر وہ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیگا لیکن اُس وقت کا ایمان لانا اُسے کوئی فائدہ نہ دے گا کیونکہ اب ایمان لانے اور نہ لانے کا وقت ختم ہو گیا۔ اور نصرانی کو کہا جائے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول بن کر تشریف لائے لیکن تم نے انھیں الٰہ اور ابن اللہ مانا۔ اس وقت نصرانی کہے گا کہ اب میں انہیں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول مانتا ہوں۔ لیکن اسے بھی یہ ایمان فائدہ نہ دے گا۔

اعجوبہ منقول ہے کہ ہر یہودی اور اسی طرح ہر صاحب کتاب مرتے وقت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے خواہ آگ میں جل کر مرے یا پانی میں ڈوب کر یا دیوار سے گر کر یا دیوار کے نیچے دب کر یا اسے کوئی درندہ یا کوئی موذی جانور کھا جائے۔

ف: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی گئی کہ یہ تجربۃً بھی ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا: جب اس کی گردن اُڑا دی جائے تو اسی عقیدہ کے لیے اس کی زبان خود بخود چلنے لگ جاتی ہے۔

مسئلہ: اس آیت میں جہاں اہلِ کتاب کو وعید سنائی گئی وہیں یہ بھی بتایا ہے کہ ہر شخص کو موت سے پہلے ایمان لانا ضروری اور اس پر ثابت قدم رہنا لازمی ورنہ نزع طاری ہو جائے تو پھر ایمان لانا بیکار ہے۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ قبل موتہٖ کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہوتی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت جتنے اہلِ کتاب موجود ہوں گے وہ سب کے سب عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ایمان لائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کا بیان

حضور علیہ السلام نے فرمایا میں عیسےٰ علیہ السلام سے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے قریب تر ہوں، اس لیے کہ ان کے اور میرے مابین کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا، اور وہ تم میں عادل اور اچھا فیصلہ کرنے والے ہوکر نازل ہوں گے، جب تم انہیں دیکھو تو اسی سے پہچان لو کہ وہ معتدل قامت اور سپیدی و سرخی کے درمیان میں ہوں گے اور ان کے سر مبارک سے پانی کے قطرات گریں گے اگرچہ ان پر پانی بھی نہ ڈالا جائے، اور وہ خنزیر کو قتل کرینگے اور شراب خانے برباد کریں گے اور صلیب توڑیں گے بیت المقدس میں جا کر اسلام کی خاطر غیر مسلموں سے جہاد کرینگے اُن کے زمانہ میں تمام مذاہب مٹ جائیں گے سوائے اسلام کے، اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کیا جائے گا انہیں کے زمانہ میں مسیح الضلالہ کذاب مسیح الدجال مارا جائیگا یہاں تک کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی تشریف آوری پر تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے، اور امن و سلامتی ہو گی یہاں تک کہ اُونٹ سانپوں کے ساتھ اور گائیں شیروں کے ساتھ اور بکریاں بھیڑیوں کے ساتھ چرتے اور چھوٹے بچے سانپوں کے ساتھ کھیلتے نظر آئیں گے۔ کوئی بھی کسی کو ایذا نہیں پہنچا سکے گا۔ اس تشریف آوری کے بعد چالیس سال کی عمر پوری کریں گے۔ اس کے بعد اُن کا وصال ہوگا۔ اہلِ اسلام آپ کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور اہلِ اسلام ہی آپ کو دفنائیں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان المسیح جائی فمن لقیه فلیقرئه منی السلام۔	مسیح علیہ السلام ضرور تشریف لائیں گے جب وہ تشریف لائیں تو انہیں میرا اسلام پہنچا دینا۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ اور عیسےٰ علیہ السلام قیامت میں ہوں گے **عَلَيْهِمْ** اُن پر یعنی اہلِ کتاب پر **شَهِيْدًا** یہود پر یہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے انہیں خدا کا بیٹا کہا **فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا** پس یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے یعنی بہت بڑا سخت ظلم جو خارج ہیں عن الحدود اور اس کی نظیر کا سامنا مشکل ہے۔ ایسا ظلم یہودیوں سے صادر ہوا **حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ** ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو اُن پر اور اُن کے آباؤ اجداد پر حلال تھیں نہ کوئی اور چیزیں جیسا کہ ان کا خیال۔ یعنی جو ان سے گناہ سرزد ہوئے تو ان کی نحوست سے ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو ان پر اور ان کے اسلاف پر حلال تھیں لیکن سزا کے طور پر ہم نے ان پر حرام کر دیں جیسے اونٹ کا گوشت اور دُودھ و چربی وغیرہ۔

نکتہ صوفیانہ: صاحبِ تاویلات النجمیہ میں یہاں پر ایک نکتہ تحریر فرماتے ہیں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا:

حرمنا علیہم الطیبات (ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کردیں)

دوسرے مقام پر فرمایا: ویحل لہم الطیبات۔

اور یہ بھی فرمایا: کلوا مما رزقکم اللہ حلال طیبات۔

معلوم ہوا کہ گناہوں کی شامت سے یہاں [illegible] کوئی شے حرام نہیں فرمائی - ایسے ہی امید رکھتے ہیں کہ آخرت میں وہ [illegible] عذاب سے محفوظ فرمائیگا اس لیے کہ اس آیت میں دنیا و آخرت دونوں کے ذکر کو اکٹھا بیان کیا ہے۔

نکتہ از صاحبِ تاویلات النجمیہ فرمایا کہ مباحات کا اسراف مناجات ربانی سے محرومی کا سبب بنتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ؎

مرو در پے ہر چہ دل خواہدت
کہ تمکین تن نور جاں کاہدت

ترجمہ: انسان دل کی ہر خواہش کے در پے ہو تو جسم کی طاقت بڑھے گی لیکن نورِ جاں کم ہو جائے گا۔

وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ اور اُن کا اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا۔ اس سے دینِ اسلام مراد ہے **كَثِيرًا** یعنی ان کا بہت سا روکنا **وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا** اور اُن کا سود لینا معاذ اللہ **وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ** وہ اس سے روکے گئے، یعنی ان پر سود لینا حرام تھا جیسے ہم پر حرام ہے۔

مسئلہ: یہ نہی دلالت کرتی ہے کہ واقعی منہی عنہ حرام ہے۔

وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ اور ان پر لوگوں کا مال کھانا حرام تھا، جیسے رشوت اور دوسرے محرمات، یا دوسرے طریقے سے مال جمع کرتے ہیں **وَأَعْتَدْنَا** اور ہم نے ان کے لیے پیدا فرمایا اور تیار کیا **لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ** ان کافروں کے لیے جو اُن سے ہیں یعنی کفر پر اصرار کرتے ہیں، یہ وعید اس لیے نہیں جو کہ کفر وغیرہ سے تائب نہ ہو اور ایمان کی دولت سے نوازا جائے **عَذَابًا أَلِيمًا** دردناک عذاب، یعنی ایسا سخت درد جو اُن کے دلوں کو گھیرلے جسے وہ آخرت میں چکھیں گے، جیسے حرمتِ اشیاء کے باوجود انہیں کھاتے رہے تو اس کا مزہ انہوں نے چکھ لیا **لَكِنِ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ**

ہاں وُہ حضرات جو ان میں سے علم کے ماہر ہیں یعنی اہل کتاب میں سے جو اہلِ علم ہیں جیسے عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔

ف : اور اللہ تعالیٰ نے انہیں راسخ فی العلم اس لیے فرمایا کہ علم میں پختہ کار اور نہایت ہی تجربکار ہیں یہاں تک کہ انہیں کسی وقت اضطراب ہی نہیں اور نہ ہی شک و شبہ میں پڑتے ہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے درخت اپنی جڑوں سے زمین کے اندر مضبوط ہو۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ اس سے وہ اہلِ ایمان مراد ہیں جو مذکورہ اہلِ کتاب یعنی عبداللہ بن سلام وغیرہ کے ماسوا ہیں جیسے مہاجرین اور انصار وغیرہ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وہ آپ پر نازل کی ہوئی کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور ان کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ سے پہلے نازل ہوئیں۔ یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا الراسخون فی العلم ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام توراۃ کے عالم تھے توراۃ میں انہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پڑھے تھے چونکہ وہ راسخ فی العلم تھے اس لیے ان کا تورات کا ظاہری علم معرفت سے متصل ہوا۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ جب میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تو میں نے یقین کر لیا کہ ایسے نورانی چہرے والا کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا اس لیے میں ان پر ایمان لایا۔ اور دوسرے یہودی علماء چونکہ راسخ فی العلم نہیں تھے اس لئے وہ تورات میں حضور علیہ السلام کے اوصاف کو دیکھ کر نہ پہچان سکے۔ بنا بریں کافر ہوئے۔ کسی نے شرفاء کے حق میں کیا خوب فرمایا : ؎

جعلوا الابناء الرسول علامة ان العلامة شان من لم یشھر
نور النبوة فی کریم وجوھھم یغنی الشریف عن الطراز الاخضر

ترجمہ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کریمہ کی علامت مشہور ہے اس لئے کہ جو غیر معروف ہوتا ہے اسے کسی علامت سے پہچانا جاتا ہے سادات کے چہروں میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ نبوت چمکتا ہے یعنی اصلی سید کسی بناوٹ کا محتاج نہیں ہوتا۔

تفسیر عالمانہ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ یہاں پر اعنی فعل محذوف ہے نماز کی فضیلت کی وجہ سے۔ المقیمین بہ بنائے مدح منصوب ہے، یعنی نماز قائم کرنیوالے وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ اور زکوٰۃ ادا کرنے والے۔ اس کا مرفوع ہونا بھی بہ بنائے مدح مرفوع

[illegible] سے، اسی طرح وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ یہ بھی بربنائے مدح [illegible] بہ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے والے۔

[illegible] باللہ تعالیٰ و یوم آخرت سے ایمان بالرسل والکتب کو یہاں پر کیوں مقدم کیا گیا ہے ؟

[illegible] یہاں پر [illegible] ایمان بالرسل والکتب ہے [illegible] اہلِ کتاب انہی کے منکر تھے اسی طرح ان انبیاء [illegible] کا بھی انکار کرتے تھے اس لیے انہیں کی تقدیم ہوئی۔

اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا بہشت میں ہم انہیں بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے [illegible] نے ایمان [illegible] کے ساتھ نیک اعمال میں بھی جد و جہد کی۔ عمل صالح وہ ہے جس سے [illegible] اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو۔ ان سب کی سرتاج پانچ نمازیں ہیں کہ جنہیں صحیح طریقہ سے ادا کیا جائے۔

نماز کی فضیلت

حدیث شریف میں ہے ،

من حافظ منکم علی الصلوات الخمس حیث کان واین ماکان جاز الصراط یوم القیامۃ کالبرق اللامع فی اول زمرۃ السابقین وجاء یوم القیامۃ ووجھہ کالقمر لیلۃ البدر وکان لہ کل یوم ولیلۃ حافظ علیھن اجر شھید۔

جس نے پانچ نمازوں کی حفاظت کی جہاں پر بھی ہو اور جس حالت میں بھی ہو تو قیامت میں پہلے زمرہ میں بجلی کی طرح پلصراط سے گزریگا اور قیامت میں جب حاضر ہوگا تو اُس کا چہرہ چودھویں شب کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا اور اپنی پانچوں کی حفاظت کرنے والے کو روزانہ شہید کا ثواب ملتا رہے گا۔

نماز کے متعلق ایک بہترین صوفیانہ نکتہ

عربی میں نماز کو اس لیے صلوٰۃ کہتے ہیں کہ یہ صَلْیٌ سے مشتق ہے اور صَلْیٌ بمعنے آگ اور وہ ٹیڑھی لکڑی جسے آگ پر رکھ کر سیدھا کیا جاتا ہے۔ چونکہ انسان میں نفسِ امارہ ٹیڑھاپن پیدا کر دیتا ہے علاوہ ازیں اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلیات کی گرمی بھی ہوتی ہے اور وہ گرمی ایسی تیز ہوتی ہے کہ اگر اس کے حجابات ہٹ جائیں تو کائنات کو جلا کر راکھ بنا دیں۔

حدیث شریف

چنانچہ حدیث شریف میں ہے ،

جب نمازی نماز شروع کرتا ہے تو اس کے بالمقابل وہی تجلیات سامنے ہوتی ہیں تو سطوۃ الٰہیہ وعظمتِ ربانیہ سے بندے کا ٹیڑھاپن ہٹ جاتا ہے اس لیے پھر اسے جہنم کی آگ سے سیدھا

نہیں کیا جائیگا۔ اگر کسی غلطی کی وجہ سے ضروری جانا بھی ہوا تو معمولی طور پر، اس طرح سے اس کا ٹیڑھا پن ختم ہو جاتا ہے اور پھر اسے جہنم میں کافی دیر بھی ٹھہرنا نہیں پڑے گا اور پل صراط سے بھی بجلی کی طرح گزر جائے گا۔

حجۃ الوداع میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک تقریر کا اقتباس

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا:

خبردار! اللہ تعالیٰ کے دوست وہ ہیں جو پانچ وقت نماز ادا کرتے ہیں، رمضان کے روزے رکھتے ہیں اور اس سے ان کی صرف رضائے الٰہی مطلوب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر بطیب خاطر زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اُن کبائر سے بچتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ صحابہ کرام میں سے کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کبائر کی تعداد بھی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں وُہ نو ہیں:

(۱) شرک

(۲) مومن کو ناحق قتل کرنا۔

(۳) جنگ سے بھاگنا۔

(۴) پاک دامن عورت پر بہتان باندھنا

(۵) جادو

(۶) سُود کھانا

(۷) یتیم کا حق کھانا

(۸) مسلمان ماں باپ کی نافرمانی۔

(۹) جو تمہارے زندوں اور مُردوں کا قبلہ ہے اس کی حرمت کو حلال کرنا۔

جو شخص ان کبائر سے بچتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو مرنے کے بعد بہشت کے درمیانی حصہ میں سونے کے محلات میں حضور علیہ السلام کی رفاقت میں ہوگا۔

تفسیر صُوفیانہ راسخ فی العلم درحقیقت وُہ ہیں جنہیں علم و عمل میں وافر حصہ نصیب ہوا ہے یہاں تک کہ وہ علوم کے خزانوں تک پہنچ جاتا ہے اور اُن علوم کی برکت سے علوم عطائیہ کو حاصل کر لیتا ہے یہی علوم لدنیہ کہلاتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

طلعت لیلۃ المعراج علی النار فرأیت — میں نے شبِ معراج جہنم کو دُور سے جھانک کر

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ

بے شک اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف

نُوحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ

وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور اس کے بعد پیغمبروں کو بھیجی اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل

وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسٰى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهٰرُونَ

اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون

وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُورًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ

اور سلیمان کو وحی کی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی اور رسولوں کو جن کا ذکر آگے ہم تم سے فرما چکے

وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ

اور ان رسولوں کو جن کا ذکر تم سے نہ فرمایا اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا رسول خوشخبری دیتے

وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ

اور ڈر سناتے کہ رسولوں کے بعد اللہ کے یہاں لوگوں کو کوئی عذر نہ رہے اور اللہ غالب

عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

حکمت والا ہے لیکن اے محبوب اللہ اس کا گواہ ہے جو اس نے تمہاری طرف اتارا وہ اس نے اپنے علم سے

يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا ﴿۱۶۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ

اتارا ہے اور فرشتے گواہ ہیں اور اللہ کی گواہی کافی وہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا

اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلٰلًۢا بَعِيدًا ﴿۱۶۷﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ

بیشک وہ دور کی گمراہی میں پڑے بیشک جنہوں نے کفر کیا اور حد سے بڑھے اللہ ہرگز انہیں

لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿۱۶۸﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ

نہ بخشے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے مگر جہنم کا راستہ کہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ﴿۱۶۹﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُولُ

اور یہ اللہ کو آسان ہے اے لوگو تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ

بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي

تمہارے رب کی طرف سے تشریف لائے تو ایمان لاؤ اپنے بھلے کو اور اگر تم کفر کرو تو بیشک اللہ ہی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا
ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے اے کتاب والو اپنے دین میں

فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۚ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ
زیادتی نہ کرو اور اللہ پر نہ کہو مگر سچ مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا اللہ

مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۖ فَاٰمِنُوْا
کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور اس کے یہاں کی ایک روح تو اللہ اور اس

بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۚ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ
کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو باز رہو اپنے بھلے کو اللہ تو ایک ہی خدا ہے

سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۗ وَكَفٰى
پاکی اسے اس سے کہ اس کے کوئی بچہ ہو اسی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ

بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾
کافی کارساز

تفسیر عالمانہ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ (بے شک اے محبوب ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی)

شانِ نزول: یہ آیت اہلِ کتاب کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی انہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اُن پر بھی آسمان سے ایک کتاب نازل ہو، اور ساتھ ہی ان پر حجت قائم کرنا مطلوب ہے کہ حضور علیہ السلام نئے رسول نہیں بلکہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول علیہم السلام تشریف لائے۔ آپ شانِ رسالت اور وحی لانے میں دوسرے مشاہیر رسولوں علیہم السلام کی طرح ہیں اور اُن کی نبوت و رسالت میں ایک بھی شک و شبہ نہیں۔

ف: وحی اور ایحاء یعنی کسی کو پوشیدہ طور جلدی سے کوئی بات بتلانا۔ یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کے ہاں جبریل علیہ السلام کو قرآن دے کر بھیجا۔

كَمَآ اَوْحَيْنَآ جیسے ہم نے پہلے پیغمبروں کی طرف وحی بھیجی تھی اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ نوح علیہ السلام اور ان کے بعد۔ حضرت نوح علیہ السلام سے ابتدا اس لیے فرمائی کہ وہ ابو البشر اور سب سے پہلے نبی ہیں جن کی اُمت عذاب میں مبتلا ہوئی جبکہ انہوں نے نوح علیہ السلام

کی دعوت کو رد کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی دعا سے ان سب کو طوفان میں غرق کر دیا۔

ف : حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ہزار سال تھی اس عمر میں نہ آپ کے دانتوں میں نقص ہوا اور نہ ہی قوت میں فرق آیا۔ آپ کے بال بھی سفید نہ ہوئے۔ جتنی آپ نے دینی دعوت میں بہ نسبت دوسرے انبیاء کے زیادہ جدوجہد فرمائی اتنی ہی زیادہ آپ نے اذیتیں اور تکلیفیں اٹھائیں اور اس پر بڑا صبر کیا۔ شب و روز قوم کو ہدایت دینے میں لگے رہتے۔ ہر طرح سے تبلیغ کا حق ادا کیا، بدبخت قوم آپ کو مارتی آپ بیہوش ہو جاتے جب ہوش آتا پھر تبلیغ میں لگ جاتے۔

ف : مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد قیامت میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام مزار مبارک سے اٹھیں گے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ اس کا عطف الیٰ نوح پر ہے اور یہ بھی اس تشبیہ میں داخل ہے کہ جیسے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی ایسے ہی آپ پر بھی **وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ** ،،

اسباط سے یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے اور وہ بارہ تھے۔ عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کے اسماءِ گرامی کا ذکر ان کی شرافت و بزرگی کی وجہ سے ہے حالانکہ لفظ نبیین میں بھی وہ شامل تھے اس لیے کہ حضرت ابراہیم کو اولوالعزم پیغمبروں میں اولیت ہے اور اُن میں سے آخری حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور دوسرے حضرات بھی برگزیدہ اور مشاہیر ہیں۔

سوال : عیسیٰ علیہ السلام تو سب سے آخر میں تشریف لائے پھر ان کا ذکر پہلے کیوں ہوا؟

جواب : (۱) یہ واؤ جمع مطلق کے لیے ہے نہ کہ ترتیب کے لیے۔ آیت میں ان کے ذکر کی تقدیم اس پر دلالت نہیں کرتی کہ وہ تخلیقاً و ارسالاً بھی مقدم تھے۔

(۲) اس سے یہودیوں کی تردید بھی مطلوب ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر طعن و تشنیع میں غلو کرتے اور ان کے نسب پر غلط طریق سے اعتراض کرتے تھے۔

(۳) یہود کی کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی براءۃ میں بہت کچھ بتایا گیا۔ یہاں بھی ان کے ذکر میں تقدیم کر کے گویا ان کی یاد دہانی کرائی گئی۔

وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا اور داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی۔ اس جملہ کا عطف اوحینا پر اور اسی کے حکم میں ہے اس لیے کہ زبور کا عطیہ بھی باب وحی سے ہے۔

زبور کا تعارف زبور ایک کتاب کا نام ہے زبر سے ماخوذ ہے یعنے الکتابۃ۔ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زبور کی ایک سو پچاس سورتیں ہیں۔ اس میں شرعی احکام کا بیان نہیں بلکہ اس میں حکمتوں اور مواعظ و تحمید و تمجید اور ثنائے الٰہی کا ذکر ہے۔
حضرت داؤد علیہ السلام جنگل میں تشریف لے جا کر زبور کو پڑھتے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر بنی اسرائیل کے علماء زبور کو سنتے تھے۔ علماء کے پیچھے عوام اہل ایمان کی صف ہوتی، ان کے پیچھے جنات ہوتے۔ جب آپ زبور پڑھتے تو پہاڑوں سے جانور نکل آتے آپ کی پیاری آواز کو سن کر مست ہو جاتے اور وہ بھی آپ کے ساتھ کھڑے رہتے۔ اڑتے ہوئے پرندے آپ پر سایہ کرتے اور وہ بھی آپ کی آواز میں محو ہو کر آپ کے سر مبارک پر گھومتے رہتے۔ اسی طرح درندے اور وحشی جانور، پرندے (ہرن وغیرہ) جمع ہو جاتے۔ جب آپ نے اُوریا کی عورت سے نکاح کیا اور چونکہ وحی کا انتظار کیے بغیر آپ نے یہ نکاح کیا تھا اور وہ ان کی شریعت میں جائز بھی تھا، اس لیے اوسے کہا گیا کہ ان کو انس آپ کی طاعت کی وجہ سے اور وحشت آپ کے اس نکاح کی وجہ سے ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گزشتہ رات تیری قرآت سے محظوظ ہوا اس لیے کہ تم لحنِ داؤدی دئے گئے ہو۔ فرمایا، میں نے عرض کی، حضور! اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ میری قرأت سن رہے ہیں تو میں اس سے زیادہ بہتر لہجے میں پڑھتا۔

حدیث شریف: حضرت ابو عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سارنگی یا کوئی اور سرود اور بانسری کی آواز کو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز سے بہترین نہیں سنا جبکہ وہ ہمیں صبح کی نماز پڑھاتے تو ہمارا جی چاہتا کہ آپ اس نماز میں سورۂ بقرہ ہی پڑھیں اس لیے کہ وہ خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا، ؎

(۱) بہ از روئے زیباست آواز خوش ۔۔۔ کہ آں حظ نفس است و ایں قوت روح

(۲) وعند هبوب الناشرات على الحمى ۔۔۔ تميل غصون البان لا الحجر الصلد

ترجمہ: (۱) حسین چہرے سے آوازِ خوش بہتر ہے کیونکہ وہ حظ نفس ہے اور یہ روح کی غذا۔

(۲) گرمیوں میں ہوا کے سخت جھونکوں سے بان کی ٹہنیاں ہی متحرک ہوتی ہیں نہ کہ سخت پتھر۔

وَرُسُلاً اس کا منصوب ہونا اَرسلنا فعل محذوف سے ہے جیسا کہ اس پر اَوحینا دلالت کرتا ہے اور اس کا عطف بھی اسی پر ہے اور اسی کے حکم کی تشبیہ میں داخل ہے گویا کہا گیا ہے کہ ہم نے رسول کو بھیجا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ ہم نے آپ کو اُن کے قصے یعنی اُن کے نام گن کر سنائے مِنْ قَبْلُ اس کا تعلق قصصنٰھم سے ہے یعنی اس سورہ کے نزول سے پہلے یا آج سے پہلے ہم نے آپ کو ان کے قصے سنائے اور آپ نے معلوم کر لیا وَرُسُلاً لَّمْ نَقْصُصْهُمْ اور کتنے رسول ہیں کہ ہم نے آپ کو اُن کے قصے نہیں سنائے یعنی نام گن کر نہیں سنائے۔ رُسل وہ ہیں جن کے ہاں جبریل علیہ السلام وحی لے کر حاضر ہوئے، اور انبیاء وہ ہیں جن کے ہاں جبریل علیہ السلام وحی لے کر حاضر نہیں ہوئے، بلکہ ان کے ہاں وحی ربانی دوسرے فرشتوں کے ذریعہ پہنچائی گئی یا بذریعہ خواب کے یا کسی دوسرے طریقے سے، مثلاً الہام سے انہیں پیغاماتِ الٰہی پہنچے۔

انبیاء ورسل کی تعداد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی گئی: رُسل کتنے ہیں، اور انبیاء کتنے؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ہیں اور تین سو تیرہ رُسل کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ سے انبیاء کی تعداد کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: دو لاکھ چوبیس ہزار۔

مسئلہ: افضل یہی ہے کہ اِس آیت کی رُو سے کسی شمار پر عقیدہ نہ رکھا جائے اگرچہ حدیث شریف میں اُن کی گنتی بتائی گئی ہے۔ لیکن وہ خبر واحد ہے اور خبرِ واحد صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے اور ظنّیات کو اعتقادیات میں دخل نہیں۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا اور موسٰی علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے حقیقۃً ہم کلام ہوئے۔ اس کا عطف بھی انّا اوحینا الخ پر ہے اور اسے عطف القصہ علی القصہ کہتے ہیں۔

ف: تکلیماً سے فعل کو مؤکد کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موسٰی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا حقیقی کلام سُنا۔ اس سے قدریہ کا رَد ہو گیا۔ وُہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محل میں متعلق فرمایا۔ جس سے موسٰی علیہ السلام نے سُنا۔ یہ غلط اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہ کہلائے گا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے متعلق تو نہ رہا۔ دوسرا یہ کہ مجازات میں فعل کو مؤکد نہیں کیا جاتا اور تکلیما سے کلام مؤکد ہے۔ مثلاً یُوں نہیں کہا جاتا ارادالحائط ان یسقط ارادۃً۔

علاوہ ازیں فرا صاحب فرماتے ہیں کہ اہلِ عرب اسے کلام کہتے ہیں جو انسان کو کسی طرق سے پہنچے جبکہ اسے مصدر سے مؤکد نہ کیا جائے۔ جب اسے مصدر سے مؤکد کیا جائے تو وہ حقیقی کلام ہوتا ہے۔

ف : اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا بلا واسطہ کسی سے کلام کرنا وحی کے انتہائی مرتبہ کا نام ہے۔

سوال : اگر یہ خصوصیت موسیٰ علیہ السلام کی ہے تو ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وحی کا درجہ کم ہو گیا حالانکہ ایسا نہیں۔

جواب : حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یکبارگی توراۃ کا نزول ہوا اور پھر اُن کے احکام مفصل طور مذکور ہوئے، اس لیے کہ بنی اسرائیل پہلے در پے ضدی اور ہٹ دھرم تھے کہ ان پر تدریجاً احکام نازل ہوتے تو وہ کہتے ایسے کیوں ہوا اور یوں کیوں۔ لیکن ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن پر فضیلت بخشی اور تمام انبیاء علیہم السلام کو یہ عطا ہوا جو ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا۔ اس کے باوجود آپ پر کتاب کا نزول تدریجاً ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی وہ خصوصیت کسی حکمت پر مبنی تھی اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اپنے مقام پر مسلم ہے۔ حضرت شیخ عطار (رحمہ اللہ) نے فرمایا : ؎

(۱)	کرد در شب سوئے معراجش رواں	سرِ گل با او نہادہ درمیاں
(۲)	رفت موسیٰ بر بساط آں جناب	خلع نعلین آمدش از حق خطاب
(۳)	چوں بنزدیکے شد از نعلین دور	گشت در وادیٔ المقدس غرق نور
(۴)	باز در معراج شمع ذوالجلال	می شنود آواز نعلینِ بلال
(۵)	موسیٰ عمراں اگرچہ بود شاہ	ہم نبود آنجاش با نعلینِ راہ
(۶)	ایں عنایت بیں کہ بہر جاہ او	کرد حق با چاکر درگاہِ او
(۷)	چاکرش را کرد مرد کوئے خویش	دار با نعلین راہش سوئے خویش
(۸)	موسیٰ عمراں چوں مرتبت بدید	چاکر او را چناں قربت بدید
(۹)	گفت یارب امت او کن مرا	در طفیل ہمت او کن مرا
(۱۰)	اوست سلطان و طفیل او ہمہ	اوست دائم شاہ و خیل او ہمہ

ترجمہ : (۱) شب کو اس کی معراج کے لیے روانگی فرمائی، گُل کا سر اس کے درمیان رکھا۔
(۲) موسیٰ علیہ السلام اس بارگاہ میں پہنچے تو حق تعالیٰ سے نعلین اتارنے کا حکم ہوا۔
(۳) جب نعلین اتار کر بارگاہِ حق کے قریب ہوئے تو وادیٔ مقدس میں جاکر نورِ حق میں مستغرق ہو گئے۔
(۴) لیکن شمعِ ذوالجلال صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ ان کے بلال کے نعلین کی آواز بہشت میں سنائی دیتی تھی۔

(۵) موسیٰ بن عمران اگرچہ بڑی شان والے تھے لیکن وہ بھی نعلین کے ساتھ نہ جاسکے۔
(۶) لیکن محبوب پر عنایت کہ صرف ان کے جاہ و مرتبہ کی وجہ سے ان کے ایک ذکر کو درگاہ میں بڑا اعزاز ملا۔
(۷) ان کے ذکر کو بھی اپنی طرف بُلا لیا بلکہ جُوتے سمیت اپنی طرف راہ دی۔
(۸) موسیٰ بن عمران نے جب یہ مرتبہ دیکھا کہ ان کے ایک ذکر کی یہ شان، اللہ اللہ!
(۹) عرض کی یا اللہ! مجھے بھی ان کا امتی بنا، ان کی ہمت کے طفیل مجھے ایسا ہی کر دے۔
(۱۰) وہی سلطان باقی اس کے طفیل ہو وہی دائمی بادشاہ ہیں باقی ذکر۔

موسیٰ علیہ السلام کی شان وشوکت

مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اکیس۲۱ میل تاریکی طور کے اژگرد پھیلادی۔ اس مسافت تک شیطان کو دُور رکھا، اور تمام کیڑوں مکوڑوں کو وہاں سے آگے آنے کا حکم نہ تھا اور اس مقام تک ملائکہ کا پہرہ لگادیا۔ اس کے بعد آسمانوں کے پردے ہٹا دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملائکہ کو آسمان کے خلا پر مجالت قیام دیکھا اور وہاں سے عرشِ معلّی کا نظارہ ملاحظہ فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ آپ سے ہم کلام ہُوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام بلا واسطہ اور بلا کیفِ صوت وحروف کے سنا۔

رُسُلاً اس کا منصوب ہونا مدح کے طور ہے یہاں پر اعنی محذوف ہے یعنی رسل کرام کو بھیجا مُّبَشِّرِيْنَ اہلِ طاعت کو بہشت کی خوشخبری کے وَ مُنْذِرِيْنَ اور اہلِ معصیت کو دوزخ کا ڈر سنائیں لِئَلَّا يَكُوْنَ یہ ارسلنا کے متعلق ہے لِلنَّاسِ یہ یکون کی خبر ہے عَلَى اللّٰهِ یہ فعل محذوف سے متعلق ہو کر حال ہے حُجَّةٌ یہ کان کا اسم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تاکہ قیامت میں کافروں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں عُذر کرنے کا موقعہ نہ ملے کہ عذر کرتے ہوئے کہیں گے کہ یا اللہ! تُو نے ہمارے ہاں کوئی رسول کیوں نہ بھیجا اور نہ ہمیں کوئی علم تھا۔ اگر رسول تشریف لاکر ہمیں تیرے احکام سکھاتا اور ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار کرتا اس لیے کہ ہمیں اتنی طاقت کہاں کہ تیرے احکام کو از خود سمجھیں یا ان کی مصلحت کی جزئیات کو معلوم کرسکیں، بلکہ ہمارے ہاں تو کلیات کے ادراک کی بھی اہلیت نہیں چہ جائیکہ جزئیات کا ادراک کرسکیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہُوا کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہمارے لیے ضروری ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے حُجَّۃٌ کہا اور تم نے اسے معذرت سے کیوں تعبیر کیا، اگرچہ ہم مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کو کیا جراَت کہ اس پر حُجّۃ قائم کرسکے، اس کے ہر فعل میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں، وہ

جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔

جواب: جبکہ تجھے معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں معذرت کی جائے تو اس کے دریائے رحمت اور فضل و کرم کا جوش آجاتا ہے اسے بہر حجت سے تعبیر کیا گیا ہے کہ عذر بمنزلہ حجت قاطعہ کے ہے کہ جسے رد نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا ۔ اور ہم کسی کو عذاب نہیں دیتے جب تک کہ ان میں رسول نہ بھیجیں۔

حدیث شریف: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ سے زیادہ اور کوئی غیور نہیں کہ اس نے ہر طرح کے ظاہری و باطنی فواحش اپنے بندوں پر حرام فرمائے۔ اور اپنی مدح سننے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی اور پسند نہیں کرتا اس لیے اس نے باربار اپنی تعریف فرمائی۔ اور اس سے زیادہ عذر قبول کرنے والا اور کوئی نہیں۔ اس لیے انبیاء و رسل اور کتابیں بھیجیں۔

بَعْثَ الرُّسُل اس کا متعلق حجۃ ہے یعنی رسل کرام بھیجے اور امتوں کو ان کو اپنی زبانوں سے احکام پہنچائے وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا اور اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ سرکشوں کے سوال کرنے پر جواب دینے میں اسے کوئی نہیں روک سکتا اور نہ ہی وہ کسی معاملے میں کسی سے مغلوب ہو سکتا ہے حَكِيمًا اس کے تمام افعال میں ہزاروں حکمتیں ہیں منجملہ ان کے ارسال الرسل و انزال الکتب بھی ہے لٰكِنِ اللّٰهُ ماقبل کے مفہوم سے استدراک ہے جو کہ انہوں نے سرکشی سے سوال کیا کہ ان پر آسمان سے کتاب نازل ہو، گویا ان کے سوال کا اصل منشا یہ تھا کہ ہم اس کی گواہی بالکل نہیں دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے - ہاں اس وقت آپ کو رسول مانیں گے جبکہ ہمارے کہنے کے مطابق آسمان سے کتاب نازل ہو پھر اللہ تعالےٰ نے فرمایا تو وہ آپ کے دعویٰ رسالت کی گواہی نہیں دیں گے يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ اس کی گواہی دیتا ہے جو آپ پر نازل ہوا، اس سے قرآن مجید مراد ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے اور آپ کی نبوت پر دلالت کرتا ہے جبکہ لوگ آپ کی نبوت پر انکار اور آپ کی تکذیب کرینگے اس لیے کہ یہ قرآن فصاحت و بلاغت کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہے کہ جس کی فصاحت و بلاغت پر اولین و آخرین حیران ہیں، اور اس کے معارضہ کی تو بات ہی کیا، اور نہ ہی اس کی مثل لانے کی کسی کو جرأت ہوئی، نہ ہو سکتی ہے اور نہ ہوگی۔ اس قرآن نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ رسالت پر آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی۔

ف : اللہ تعالیٰ کا بما انزل الخ کی شہادت کا معنی یہ ہے کہ وہ کریم معجزات کے اظہار سے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اثبات فرماتا ہے جیسے اور دعاوی دلائل سے ثابت کیے جاتے ہیں۔

اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ اسے اپنے علم سے نازل کیا۔ بعلمه انزله کے فاعل سے حال ہے یعنی اُسے اپنے علم خاص سے ملتبس کر کے نازل فرمایا ہے کہ اُسے صرف وہی جانتا ہے اور ایسے ایسے عجیب وغریب طریق سے مرتب کر کے نازل فرمایا ہے کہ جس کے مقابلہ سے ہر فصیح و بلیغ عاجز ہے یا اس کا مطلب یوں ہے کہ جن پر یہ قرآن پاک نازل فرمایا ہے انھیں وہ خود جانتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ ان میں انوارِ قدسیہ کے اقتباس کی کتنی استعداد ہے وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ اور فرشتے بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دیتے ہیں۔

سوال : تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ فرشتے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی گواہی دیتے ہیں؟

جواب : اُن کی شہادت اللہ تعالیٰ کی شہادت کے تابع ہے جب اللہ تعالیٰ کی شہادت کی تصریح ہے تو ان کی شہادت کا ذکر بھی ضمناً آگیا۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا اور اللہ تعالیٰ کی شہادت ہی کافی ہے کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کے برحق نبی ہیں آپ کی نبوت کی اس صداقت پر ایسے واضح معجزات اور کھلے دلائل قائم فرمائے کہ آپ کی نبوت کے لیے کسی دوسرے کی شہادت کی ضرورت ہی نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اگر یہود آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ ان کی پروا نہ کیجئے اس لیے کہ جب میں خود الٰہ العٰلمین آپ کی صداقت پر گواہی دیتا ہوں اور عرش و کرسی اور ساتوں آسمانوں کے ملائکہ بھی آپ کی نبوت کے شاہد ہیں تو پھر چند نکمے لفنگے یہودی آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو کیا ہوا، ان کی آپ کو ضرورت ہی کیا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بیشک وہ لوگ جو آپ کی نازل کردہ کتاب کو نہیں مانتے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی گواہی دی ہے، اس سے مراد یہودی ہیں وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں۔ سبیل اللہ سے دینِ اسلام مراد ہے اور جن کو وہ روکتے ہیں وہ اہلِ اسلام ہیں جو حضور علیہ السلام سے استفاضہ کرتے ہیں۔ اور انکار ان کا یہ تھا کہ ہم تو اپنی کتابوں میں حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کچھ جانتے بھی نہیں قَدْ ضَلُّوْا راہِ حق سے روک کر اور کفر کر کے گمراہ ہوئے ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا بہت سخت گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اس لیے کہ گمراہ کن گمراہی میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ اس کا اس سے نکلنا مشکل ہوتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بیشک وہ کافر کہ جن کا ذکر ابھی گزرا ہے وَظَلَمُوْا اور جنہوں نے حضور نبی علیہ السلام کی نبوت کا انکار

کرکے اور آپ کے اوصافِ کریمہ کو چھپا کر ان کے بجائے اور غلط باتیں گھڑ لیں، اور بہت ظلم کیا۔ یا اس سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جن میں دنیا و آخرت کی سعادت کے حصول کی صلاحیت تھی لیکن انہوں نے ضائع کر دی **لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ** اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں **لِيَغْفِرَ لَهُمْ** کہ انہیں بخش دے اس لیے کہ کافر کی بخشش محال ہے **وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ** اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی نہیں کہ ان کی کسی صحیح راستہ کی طرف رہبری کرے سوائے جہنم کی راہ کے، اس لیے کہ ان میں اب راہِ حق اور اعمالِ صالحہ کی استعداد بھی مفقود ہو چکی ہے یعنی بہشت میں پہنچنے کے تمام راستے اب ان کے لیے بند ہو چکے ہیں **اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ** سے جس طریق کا استثناء ہوا ہے اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے ایسے اعمالِ سیئہ پیدا فرمائے جو انہیں جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعمال اس وقت پیدا فرمائے جب انہوں نے اپنی قدرت و طاقت اور اختیار کا رُخ برائیوں کی طرف پھیر دیا یا اس سے قیامت کے دن کا معاملہ مراد ہے کہ ملائکہ کرام انہیں جہنم کی طرف ہانک کر لے جائیں گے۔

ف: طریق میں عموم ہے اور یہ استثناء متصل ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس طریق سے ایک خاص طریق مراد ہے یعنی طریقِ حق، اب یہ استثناء منفصل ہوگا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ ضمیر منصوب سے حال مقدرہ ہے اس کا عامل وہ ہے جس پر استثناء دلالت کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جہنم میں داخل کرے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے **اَبَدًا** ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے اس احتمال کو اٹھانے کے لیے واقع ہوا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ انہیں فقط چند روز جہنم میں ٹھہرایا جائے گا۔ اس لئے کہ خلود کبھی عرصۂ دراز تک ٹھہرنے کے معنے میں آتا ہے **وَكَانَ ذٰلِكَ** ان کو دائمی طور جہنم میں ٹھہرانا **عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا** اللہ تعالیٰ پر آسان ہے اس لیے کہ یہ محال ہے کہ اس پر متعذر ہو کہ وہ اپنے ارادوں کو پورا نہ کر سکے۔

مسئلہ: جن کو ازل میں نور کے قطرات سے کچھ نصیب ہوا ہوگا تو اسے سزا دینے کے بعد جہنم سے نکالا جائے گا۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يخرج من النار من كان فى قلبه ذرة من الايمان.	جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اسے جہنم سے نکال لیا جائیگا۔

تفسیر صوفیانہ جسے اس نورِ ازلی سے کچھ نصیب نہ ہُوا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اس لیے کہ وہ ایک عظیم تاریکی میں ہے کہ جس سے اس کا نکلنا اُس کے لیے مشکل ہے

اور وہ بہت سخت گمراہی میں پھنس گیا یعنی اس ازلی نور سے دُور رہا۔ اس سے یہ دنیوی گمراہی مراد نہیں اس لئے کہ یہی گمراہی اس ازلی گمراہی سے ہے۔ ایسے لوگ طریقِ حق سے بھی محروم رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قربت سے بھی پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ ہجر و فراق کی آگ میں جلتے رہیں گے۔ انہیں کبھی بھی ہجر و فرقت کی آگ سے نکالا نہیں جائیگا

سبق سالک کو لازم ہے کہ اس شہادت سے پس و پیش نہ کرے، جس کی خود اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے اور اس کے اور اس کے رسول علیہ السلام کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے بلکہ رسول علیہ السلام کے وارثین (اولیاء، و باعمل علماء) کے جملہ ارشادات کے سامنے سر جھکائے اس لیے کہ وہ جو کہتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کا حکم ہوتا ہے۔

حضرت شقیق رحمہ اللہ کے روحانی ملفوظات

حضرت شقیق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میری مجلس میں تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں:

(۱) خالص کافر
(۲) خالص منافق
(۳) خالص مومن

اس لیے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی ہوتے ہیں:

(۱) جو اُن سے رُوگردانی کرتا ہے وہ خالص کافر ہوتا ہے۔
(۲) جو اُنھیں سُن کر دل تنگ ہوجاتا ہے وہ خالص منافق ہوتا ہے۔
(۳) جو سُن کر اپنے کئے پر شرمسار ہوکر آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلیتا ہے تو وہ خالص مومن ہوتا ہے۔

روحانی چٹکلہ سالک کو سب سے پہلے اعتقادِ صحیحہ کا ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ اس کے بعد اسے علم کا حاصل کرنا، پھر اعمالِ صالحہ، علم کا ثمر عمل صالحہ ہے۔

سالک راہ کے لیے نبوی ارشادات کی ایک فہرست

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: علم عمل کا راہبر ہے۔
عرض کی گئی: عقل کیا ہے؟
آپ نے فرمایا: ہر بھلائی کا قائد ہے۔

پھر پوچھا گیا، خواہشاتِ نفسانی کیا ہیں؟
آپ نے فرمایا، معاصی - جرائم کی سواری یہی نفسانی خواہشات ہیں۔
آپ سے پوچھا گیا، مال کیا شئی ہے؟
فرمایا، متکبرین اور سرکش لوگوں کی اوڑھنی۔
پھر سوال ہوا کہ دنیا کیا ہے؟
آپ نے فرمایا، آخرت کی طرف بالک کرنے والی یہی دنیا ہے۔

تفسیر عالمانہ يَاَيُّهَا النَّاسُ یہ خطاب عام مخلوق کو ہے قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بیشک تمہارے ہاں میرے پیارے رسول محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) تشریف لائے بِالْحَقِّ حق لے کر۔ اس سے قرآن مراد ہے کہ جس کے اعجاز نے حضور علیہ السلام کے حق ہونے کو ثابت کیا ہے، یا الحق سے دعوت الی عبادۃ اللہ اور اعراض ماسوی اللہ مراد ہے۔ اس کے لیے عقل سلیم بھی گواہی دیتی ہے کہ یہی بات حق ہے مِنْ رَّبِّكُمْ یہ جاء کے متعلق ہے یعنی حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف لائے اور اسی کے ہی بھیجے ہوئے ہیں اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے فَاٰمِنُوْا پس اُن پر اور جو احکام وہ ساتھ لائے ہیں ان پر ایمان لاؤ۔ فاء اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اُس کا ماقبل مابعد کے ایجاب کے لیے ہے خَيْرًا لَّكُمْ واجب الحذف فعل کا مفعول بہ ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے اقصدوا یا اتوا امرا خیرا لکم مما انتم فیہ، جس حال میں تم گزار رہے ہو اس سے ہٹ کر اپنے لیے بھلائی کا ارادہ کرو، یا خیرًا مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے اٰمنوا ایمانا خیرًا لکم ایمان لاؤ اس میں تمہاری بھلائی ہے یعنی تمہارے ایمان کا تعلق ہے جیسے زبان سے ہو ایسے ہی دل سے ہو وَاِنْ تَكْفُرُوْا اور اگر تم کفر پر مداومت کرو گے اور اسی پر اصرار کرتے رہو گے۔
فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تو جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب اللہ تعالیٰ کا ہے یعنی اُن کے اندر جتنے موجودات ہیں سب اسی کے ہیں، اور خود آسمان اور زمین بھی، اس لیے کہ جب اُن کی اندر والی اشیاء اسی کی ملک ہیں تو وہ خود بھی بطریق اولیٰ اس کے ملک ہوں۔
ف: اُن کے اندر والی اشیاء کا حال تو معلوم ہو گا۔ باقی رہیں وہ اشیاء جو اُن سے خارج ہیں۔ وہ بھی اسی کی ملک ہیں اس لیے کہ اگرچہ ان سے وہ خارج بھی ہیں لیکن اُن کا استقرار تو بھی انہی پر ہے اس لیے اس سے صراحۃً ثابت ہوا کہ جمیع ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب اُسی کی ملک ہیں، اور اس خطاب میں تمام مخاطب مراد ہیں۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کہ تمام اشیاء تخلیقاً و ملکاً و تصرفاً اسی کی ملک ہیں۔

اس کی ملکیت اور تصرف سے کوئی شے باہر نہیں ، جس کی یہ شان ہو تو اس کے متعلق عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ وُہ کافر کے کفر پر عذاب دینے پر قادر ہے ، اور جس کا یہ مرتبہ ہے اسے کسی کی ضرورت نہیں اسے نہ کسی کا کفر ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی مومن کا ایمان نفع پہنچا سکتا ہے ، اور جس کا یہ درجہ ہو کہ ساری خدائی اسی کی ہے تو پھر سب اسی کی عبادت کریں اور اس کے حکم کے آگے سر جھکائیں **وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا** اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے علم والا ہے وُہ سب کے حالات سے بے خبر ہے ۔ تمہارا کفر کرنا بھی اس کے علم میں ہے **حَكِيْمًا** اُس کے اپنے جملہ امور میں سو سو حکمتیں ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ تمہیں تمہارے کفر پر عذاب دیتا ہے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کا بہترین نکتہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک غیبی نور ہیں جو ہمارے اجساد کی طرف نبوت کا پیغام لے کر تشریف لائے ہیں ، جو ان کی نورانیت سے فیض یاب ہونے کی استعداد رکھتا ہے وہ ہدایت پا جاتا ہے ، جو آپ کی نورانیت سے محروم ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے ۔

تفسیر صُوفیانہ تمام مشائخ کا اتفاق ہے کہ جو شخص مثلاً کُتّے کی رسّی کُتّے کے ہاتھ میں دے دے تو کُتّا اپنے طبعی مزاج کی وجہ سے کبھی واپس نہیں آئے گا ۔ اسی طرح نفس کی حالت ہے کہ اسے ریاضاتِ شاقہ کی مضبوط رسّی سے جکڑے رکھو تو تابع ہے اگر اسے خود مختار چھوڑ دو ، تو پھر وہ جانوروں کی طرح بے قابو ہو کر جو چاہتا ہے کرتا ہے لہٰذا سالک پر ضروری ہے کہ وُہ اپنے نفس کو اپنے قابو میں رکھے ، اسے آوارہ نہ چھوڑ دے ، اور اس برگزیدہ نبی علیہ السلام کی تابعداری کو سعادت سمجھے کہ قیامت میں تمام انبیاء از آدم تا عیسیٰ علیہم السلام اور تمام اولیاء انہی کے جھنڈے تلے ہوں گے ، بلکہ اپنے اوپر واجب جانے ۔

علمِ غیبِ نبی کے منکر کی گت اس بدبخت کو دیکھو کہ نجومیوں ، جوگیوں ، مجوسیوں کی فالوں اور حسابوں وغیرہ کے سامنے سر جھکاتا اور اس میں اپنی بھلائی سمجھتا ہے چونکہ وہ نرے ڈھکوسلے اور خیالی باتیں ہوتی ہیں ۔ لیکن جب پیغمبر علیہ السلام کی غیبی باتیں سنائی جاتی ہیں تو انکار کرتا ہے ۔ غور کیجئے اگر ابن البیطار (طبیب) کہہ دے کہ عقاقیر و احجار میں یہ فوائد ہیں اور اتنا نقصان ہے تو فوراً عملی کارروائی شروع ہو جاتی ہے لیکن جن امور کے متعلق حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے یا روکتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان میں اتنے فوائد ہیں اور اتنے نقصانات ہیں لیکن اُن کی بجا آوری میں پس و پیش ہوتی ہے اور سُستی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ گویا یہ امور ہمارے لیے نہیں بلکہ کسی دوسری قوم کے لیے ہیں ۔

ف : انسان کو جب حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے الست بربکم کے مقام پر

کیا تو پہلے اسفل السافلین کی طرف دھکیلا گیا اور کہا گیا اب اتنی ہمت کیجئے کہ اس پستی سے نکل کر اعلیٰ علیین تک رسائی حاصل کرو، پھر جتنی کسی کی قابلیت ہوتی ہے اُتنی محنت کر کے اس کی استعداد پیدا کرے۔ اس کے حصول کے دو طریقے ہیں :

(۱) عشقِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[1] اور وہ اتنا ہو کہ جان و مال اور خویش و اقارب، آل و اولاد سب اُن کے نام پر فدا ہو۔

(۲) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع[2] جیسے اوامر و نواہی میں سرِ تسلیم خم کرے، اس لیے کہ انسان کو اسی سے ہی روحانی عروج اور ترقی نصیب ہوتی ہے اور اسی ذریعہ سے ہی انسان کو کمال نصیب ہوتا ہے۔

حدیث شریف مع شرح

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : میری مثال اُس مرد کی سی ہے جو اپنی قوم کے ہاں آ کر کہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا،

اس میں اشارہ ہے کہ یہ مثال صرف حضور علیہ السلام سے مخصوص ہے اس لیے کہ آپ نے جن باتوں سے اُمت کو ڈرایا ہے انہیں اپنی آنکھوں سے شبِ معراج معائنہ فرمایا بخلاف دوسرے انبیاءِ عظام علیہم السلام کے کہ انہیں ایسی معراج نہیں ہوئی یہاں تک وہ بھی انہی باتوں کا معائنہ فرمایا ہو۔ پھر فرمایا میں ہوں نذیر یعنی ڈرانے والا۔ نذیر ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کو ڈراونی خبر سنائے۔ العریان (کھلم کھلا ڈر سنانے والا)۔ دراصل العریان اس شخص کو کہتے ہیں جو دشمن سے ملاقات کرے اور وہ اس کے تمام کپڑے اتارلے اور وہ اپنی قوم سے آ کر دشمنوں کے تمام حالات بتائے، پھر یہ اس کے لیے مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ جس میں سختی ہو اور اس کا خطرہ قریب ہو اور اس کا بیان کرنے والا تہمت سے بھی مبرا ہو اور یہ تمام باتیں حضور علیہ السلام میں پائی گئیں فالنجا اس کا منصوب علی سبیل الاغراء ہے، یعنی اے قوم! نجات طلب کرو، یعنی اپنی نجات حاصل کرنے میں جلدی کرو۔ پھر بعض لوگ اس ڈرانے والے کی بات کو سن کر اس کی بات مان لیتے ہیں تورات کے پہلے حصے میں نکل کر نہایت ہی آرام سے چل جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں علی مھلھم واقع ہوا ہے بفتح المیم والہاء بمعنے ضد العجلہ یعنی آرام سے نکل جانا

---

[1] عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شرک و بدعت سے تعبیر کرے تو پھر کیوں نہ بقول اعلحضرت قدس سرہٗ کہا جائے "اس بُرے مذہب پہ لعنت کیجئے"

[2] بعض بدبخت ایسے بھی ہیں جو اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہیں سمجھتے ۱۲

اور دوسرے لوگ اُس کی بات نہ مان کر وہیں پر ٹھہر جاتے ہیں تو دشمن کا لشکران پر صبح کو حلہ بول دیتا ہے جیسا کہ عام طور پر دشمن کی عادت ہے کہ پہلی صبح میں اپنے مخالف پر حملہ کرتا ہے پھر وہ انھیں ہلاک اور تباہ وبرباد یعنی ان کی پورے طور بیخ کنی کر دیتا ہے۔ اب وجہ تشبیہ کو بیان فرماتے ہیں کہ جس نے میری اطاعت کی اور جن احکام کو میں لایا ہوں ان کی تابعداری کی۔ اس میں اشارہ ہے کہ مطلق گناہ مہلک نہیں بلکہ تباہی و بربادی اس وقت ہے جبکہ اس کے ساتھ حق کی تکذیب بھی ہو (کذا فی مشارق الانوار لابن الملک رحمہ اللہ تعالیٰ) حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
محالست سعدی کہ راہ خدا — تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: جس نے پیغمبر کا خلاف اختیار کیا وہ ہرگز منزل پر نہ پہنچے گا۔ اے سعدی! یہ بالکل محال ہے کہ راہِ خدا پر نقشِ قدم مصطفیٰ کے بغیر پہنچا جا سکے۔

تفسیر عالمانہ **يَا أَهْلَ الْكِتَابِ** یہ کتاب صرف نصاریٰ کو ہے **لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ** اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی شان حد سے نہ بڑھاؤ اور ان کے لیے الوہیت کا دعویٰ مت کرو۔ الغلو بمعنے تجاوز عن الحد۔

مسئلہ: دین اور مذہب میں غلو اور مبالغہ کہ اس کی حد سے تجاوز کیا جائے نہایت ہی قبیح امر ہے۔

شیعہ اور روافض کی تردید جیسا کہ ہمارے دور میں بہت سے لوگ اپنے مذہب و مسلک میں غلو کرتے ہیں، ان میں ایک غالی فرقہ شیعہ بھی ہے جو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ذات میں غلو کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ آپ کے لیے الوہیت کے مدعی ہیں۔

معتزلہ کی تردید ان میں معتزلہ بھی ہیں کہ وہ تنزیہ باری تعالیٰ میں غلو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کر دیا۔

مشبہیہ فرقہ کا رد ان میں مشبہیہ فرقہ بھی ہے جو اثباتِ باری تعالیٰ میں غلو کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسمانیت کے قائل ہیں حالانکہ وہ کریم ایسی باتوں سے بلند و بالا ہے جو یہ ظالم کہتے ہیں[1]۔

---

[1] ہمارے دور میں غیر مقلد وہابی، دیوبندی، تبلیغی، مودودی بھی ہیں جو توحید کے غلو میں انبیاء و اولیاء علی نبینا وعلیہم السلام کی تعظیم و تکریم کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں اور پرویزی چکڑالوی بھی ہیں جو قرآن مجید کے عشق میں احادیث کا انکار کرتے ہیں۔ اور مرزائی بھی ہیں کہ قادیانی کی محبت میں ختمِ نبوت کا انکار کرتے ہیں وغیرہ۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

حدیث شریف: اس غلو کو مٹاتے ہوئے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مجھے حد سے نہ بڑھاؤ جیسے نصرانیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی شان میں غلو کیا۔
یعنی حد سے متجاوز ہو کر میری مدح و ثنا میں عیسائیوں کی طرح مبالغہ نہ کرو[1] کہ وہ بھی ان کی مدح و ثنا میں حد سے بڑھے اور گمراہ ہوئے۔ یعنی کہا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) خدا کا بیٹا ہے (معاذ اللہ) اور کہو وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ یعنی میرے متعلق اتنا مانو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔
نکتہ: عبدیت کو رسالت کی تقدیم جیسے التحیات میں بھی ہے اس لیے کہ یہود و نصاریٰ کا رد ہو جائے۔ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں کہ مسیح (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور ہم اہلِ اسلام اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کے پیارے بندے اور رسول ہیں، اور معصیت میں غلو سے نفس کے صفات مذمومہ مراد ہیں اور نفس سے نفس امارہ مراد ہے کہ وہ ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے اور وہ سراپا برائی ہی برائی ہے ؎

مبر طاعتِ نفس شہوت پرست
کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگر ست

ترجمہ: نفس شہوت پرست کی اطاعت مت کر کیونکہ ہر آن اس کا نیا قبلہ ہے۔
وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اور اللہ تعالیٰ کے لیے وہ بات کہو جو حق ہو۔ یعنی اُسے ایسی صفات سے موصوف نہ کرو کہ جن سے اسے موصوف کرنا محال لازم آتا ہو۔ جیسے حلول، اتحاد، زوجہ اور ولد ثابت کرنا وغیرہ بلکہ اُس کی اِن تمام امور سے تنزیہ و تقدیس بیان کرو الا الحق یہ استثنا مفرغ ہے اس کا منصوب ہونا مفعول ہونے کے ہے، جیسے کہا جاتا ہے: قلت خطبةً یا مصدر محذوف کی صفت ہے کہ دراصل الا القول الحق تھا۔ یہی معنے کے لحاظ سے مناسب ہے **اِنَّمَا الْمَسِيْحُ** یہ مبتدا ہے اور یہ بہترین القاب میں سے ایک لقب ہے جیسے صدیق، فاروق بہترین القاب ہیں۔ عبرانی لغت میں یہ دراصل المشیح تھا معنے مبارک **عِيْسَى** المسیح سے بدل ہے ایشوع کا معرّب ہے، **ابْنُ مَرْيَمَ** یہ صفت ہے۔ اس سے ان کے اِس باطل عقیدہ کا رد مطلوب ہے جو کہا کرتے کہ

---

[1] مبالغہ کا مطلب خود حضور علیہ السلام نے خود متعین فرما دیا کہ میرے لیے الوہیت کا دعویٰ نہ کرنا، ورنہ حضور علیہ السلام کی مدح و ثنا میں مبالغہ کیسا جبکہ آپ کی شانِ اقدس کا کیا کہنا۔ تفصیل تفسیر اویسی میں ہے ۱۲ اویسی غفرلہٗ

(معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور مریم بمعنے عابدہ۔ بی بی صاحبہ کا یہ نام اس لئے تھا کہ وہ بہت عبادت گزار تھیں، دوسرا اس وجہ سے بھی ابن مریم کی تصریح کی گئی ہے کہ قیامت میں ہر ایک کو اس کی ماں سے منسوب کر کے پکارا جائے گا۔ جیسے حدیث تلقین سے معلوم ہوتا ہے کہ دفن کے بعد کہا جاتا ہے یا فلان بن فلانة اور قیامت میں اس طرح سے پکارنا اللہ تعالیٰ کی ستار العیوبی ہے۔ رَسُوْلُ اللّٰہِ یہ مبتدا کی خبر ہے۔ یعنی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس سے آگے کے رتبہ کے لائق نہیں، یعنی نہ خدا ہیں اور نہ اس کے بیٹے اور یہی قول حق ہے وَكَلِمَتُهٗ جو اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ ہیں اس کا عطف رسول اللہ پر ہے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے کلمہ اور امر کُن سے بلا واسطہ رب و نطفہ پیدا ہوئے۔

سوال: دوسری مخلوق بھی تو امر کُن سے پیدا ہوئی پھر عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کیوں؟

جواب: دوسروں سے کُن کا تعلق وسائط سے ہوتا ہے۔ مثلاً پہلے اُس کا تعلق آباء سے ہُوا، پھر ابناء سے، اور عیسیٰ علیہ السلام سے لفظ کُن کا تعلق اُن کی والدہ ماجدہ کے شکم شریف میں ہُوا۔ وہاں درمیان میں رب کا واسطہ نہیں ہے اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ فرمایا۔ اور کُن بھی اللہ تعالےٰ کا کلمہ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو اس سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اُن کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی ہے کہ اُن کا جسم اطہر بھی مٹی سے تیار ہوا تو اُن کے اندر پھونکنے کے وقت فرمایا کن۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام باپ کے واسطہ کے بغیر پیدا ہوئے فلہذا ان کو بھی کن سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ اس کلمہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ڈالا۔ یعنی جبریل علیہ السلام کے نفخ سے انہیں بی بی مریم کی طرف پہنچایا وَرُوْحٌ مِّنْهُ اس کا عطف کلمتہ پر ہے اور منہ روح کی صفت ہے۔

عیسائیوں کا رد

مِن مجازاً ابتدائے غایت کے لیے ہے نہ کہ تبعیضیہ۔ جیسا کہ نصرانیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا ایک جزو ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لیے اجزاء کا ہونا محال ہے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا جُز کیسے ہُوئے۔

مناظرہ مابین علامہ خراسانی و نصرانی

منقول ہے کہ ہارون الرشید کا ایک نصرانی طبیب تھا جو نوجوان اور حسین و جمیل اور ادیب تھا۔ اس میں وہ تمام اچھی خصلتیں موجود تھیں جو بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہونے والوں کے اندر ہونی چاہئیں۔ ہارون الرشید کو بیحد شوق تھا کہ کسی طرح یہ نصرانی اسلام قبول کرلے چنانچہ اسے طرح طرح کے لالچ دئے گئے لیکن وہ ایک نہ مانا، بلکہ اُس نے ایک دفعہ ہارون الرشید پر

ایک ایسا اعتراض کر دیا کہ جس سے اشاء ماغ چکرا دیا۔ وہ اعتراض یہ تھا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے لیے و روح منہ فرمایا اور یہ جزئیت پر دلالت کرتا۔ یہ سن کر ہارون الرشید متحیر ہو گیا، اس سے جواب نہ بن پڑا تو اس نے اپنے علاقہ کے علماءِ کرام کو بلایا، کسی سے اس کا حل نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ حج کے موقعہ پر اطراف و اکناف کے لوگ جمع ہوئے تو کسی نے ہارون الرشید سے کہا کہ خراسان سے ایک عالم دین تشریف لائے ہیں اس سوال کا ازالہ وہی فرما سکتے ہیں اور ان کا اسم گرامی علی بن الحسین بن واقد ہے اور وہ مرو کے رہنے والے ہیں اور قرآنی علوم کے امام مانے ہوئے ہیں۔ ہارون الرشید نے اس عالم دین سے عرض کیا کہ اس طبیب نصرانی سے گفتگو کریں۔ چنانچہ ایک جگہ مقرر ہوئی، طبیب نصرانی کو لایا گیا اس نے یہی اعتراض کیا تو اس سے وہ عالم دین بھی متحیر ہو گیا اور ہارون الرشید سے کہا کہ اس خبیث کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی الہام فرمایا کہ یہ تیرے سامنے مجھ پر اعتراض کرے گا لیکن مجھے اعتراض اور اس کے جواب سے آگاہی نہیں فرمائی اور نہ ہی مجھے اب اس کا جواب مستحضر ہے مجھے تین دن مہلت دیجئے، اس اثناء میں نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ امید ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ اس کے متعلق آگاہی بخشے گا۔ چنانچہ یہ کہہ کر ایک تاریک مکان میں بیٹھ گئے اور باہر سے تالے کھلوا دئے اور قرآن مجید کو تدبر و تفکر سے پڑھنے لگے۔ جب سورہ جاثیہ کے اس مقام پر پہنچے وسخر لکم ما فی السموٰت وما فی الارض جمیعا منہ تو اندر سے چیخ مار کر پکارے اور فرمایا، دروازہ جلد کھولو اور اس نصرانی طبیب کو بھی بلاؤ، اس لیے کہ مجھے اس کے سوال کا جواب منکشف ہو گیا ہے۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا اور اس نوجوان طبیب کو بھی بلایا گیا تو اس عالم دین نے ہارون الرشید کے سامنے طبیب کو یہی آیت سنائی اور فرمایا کہ اگر روح منہ سے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا جزء ہونا ثابت ہوتا ہے تو جمیعاً منہ سے تمام آسمان اور زمین کے اندر کی جملہ اشیاء اللہ تعالیٰ کے اجزاء ماننے چاہئیں۔ اس سے نصرانی طبیب لاجواب ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اس سے ہارون الرشید بہت خوش ہوئے اور حضرت علی بن الحسین الواقدی المروزی کو بہترین اور نفیس اشیاء انعام کے طور پر پیش کیں۔ علامہ موصوف واپس گھر تشریف لائے تو ایک کتاب مسمّی بہ "النظائر فی القرآن" تصنیف فرمائی۔ بفضلہ تعالیٰ بے نظیر تصنیف ہے۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ روح سے پہلے ذو محذوف ہے یعنی حضرت علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاحبِ روح تشریف لائے صرف عیسیٰ علیہ السلام کی شرافت سے اُنہیں اپنی طرف منسوب فرمایا بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس روح سے وہی روح مراد ہے جو حضرت جبریل علیہ السلام نے بی بی مریم کی چھاتی میں پھونکا اور وہ بی بی کے منہ سے شکمِ اطہر کے اندر چلا گیا، اس سے وہ حاملہ ہوئیں۔ اس نفخ کو

روح سے تعبیر فرمایا اس لیے کہ روح ایک ہوا ہوتی ہے اور پھر چونکہ وہ نفخِ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا، بنا بریں اسے اپنی طرف منسوب فرمایا۔

اعجوبہ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تاکہ ان سے عہدوپیمان لے۔ بعد فراغت ان سب کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک میں ودیعت رکھا اور عیسیٰ علیہ السلام کی روح مبارک کو اپنے ہاں روک لیا۔ جب اُن کے پیدا کرنے کا ارادہ ہوا تو اس رُوح کو بی بی مریم کے شکمِ اطہر کے اندر داخل ہونے کا حکم فرمایا تو عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پیٹ کے اندر داخل ہوئے، بنا بریں انھیں اپنی طرف منسوب فرمایا۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام صرف نفخِ جبریل علیہ السلام سے نہیں بلکہ اس میں بی بی مریم کا پانی بھی ملا، تب ان کی تخلیق ہُوئی۔ یہی قول محققین کے نزدیک زیادہ صحیح ہے۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جُونہی جبریل علیہ السلام نے پھُونک ماری تو ماں کے پیٹ میں داخل ہوئے تو فوراً انسانی شکل میں ماں کے پیٹ سے باہر تشریف لائے۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ نفخ کے بعد آٹھ ماہ تک ماں کے پیٹ کے اندر ٹھہرے رہے۔ ان دونوں میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے یعنی ابھی گئے ابھی آئے۔

تفسیر صُوفیانہ رُوح کی شرافت بعض اشیاء پر اس لیے بھی ہے کہ روح کو اللہ تعالیٰ کے کسی واسطہ کے بغیر امرِ کُن سے پیدا فرمایا وروح منه کہا ایسے ہی روح کے لیے فرمایا قل الروح من امر ربی۔ پھر جیسے رُوح کی شان ہے کہ مُردہ اجسام میں جاتے ہی زندگی پیدا فرما دے۔ ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاصہ تھا کہ مُردوں کو زندہ اور مادر زاد اندھوں اور برص والوں کو اللہ تعالیٰ کے اذن سے تندرستی وشفا بخشتے، اسی طرح مٹی سے بناتے ہوئے پرندے کو پھونک مارتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُڑنے لگتا۔

ف : یہ استعداد روحانی بھی کلمۃ اللہ ہے جس کا مرکز انسانی جبلت ہے اور اسے امرِ ربّی سے پیدا فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام میں بلا تکلف پیدا فرمایا کہ اس جوہر کو معدن سے نکالنے میں اتنی سعی نہیں کی گئی جتنی دوسرے کے متعلق، اس لیے کہ ان کی رُوح دوسرے ارواح کی طرح اصلابِ آباء وارحامِ امہات میں نہیں رہی، اس لیے کہ ان کی روح اُن کے جسم میں ظاہر و باہر تھی اور ان پر باپ کے جسم کے اثرات نہیں تھے اور ہمارے جوہر چونکہ ہمارے جسم میں پوشیدہ اور اس پر ہمارے آباء کی بشریت کے آثار بھی اثر انداز ہوتے ہیں اس لیے وہ جوہر مخفی ہوتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام میں اس روح اور جوہر کی غیر پوشیدگی کی

وجہ تھی کہ آپ سے زمانہ طفولیت ہی میں کئی معجزات کا ظہور ہوا اور چونکہ ہمیں اس جوہر کو اپنے جسم کی ظلمات سے باہر نکالنے کی بہت بڑی جدوجہد کرنی پڑی کہ وہ صفات بشریہ جو ہمیں آباؤاجداد کی بشریت سے ورثہ میں ملے، انہیں دُور کرنا پڑتا ہے، ان صفاتِ بشریہ کو دُور کرنے کے لیے ایک رہبر ضروری ہے کہ جس کے اوامر و نواہی سے ہم اس بہت بڑے سخت کام کو سرانجام دے سکیں اور وہ رہبرِ کامل حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔

جس نے اپنے جوہرِ روحانی کو بشریت و انسانیت کی گرد و غبار سے صاف رکھا تو وہ اپنے وقت کا مسیح ہوگا اُس کے نفوس کی برکات سے کئی مُردہ دل زندہ ہونگے اور کئی بہرے کان سماعتِ حق سے بہرہ ور اور کئی آنکھیں دیدہ ور ہوں گی، اور وہ اپنے دَور میں وقت کے نبی کی طرح ہوگا۔ ہماری اس تقریر پر سالک کو غور کرنا لازمی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) عیسٰی اندر مہد وار د صد نفیر — کہ جوان ناگشتہ ماشیخیم و پیر

(۲) پیر پیر عقل باید اے پسر — نے سفیدی موئے اندر ریش و سر

(۳) چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو — ہمچو موسٰی زیر حکم خضر شو

(۴) دست را مسپار جز در دستِ پیر — حق شدست آں دست را دستگیر

(۵) چوں بداری دستِ خود در دستِ پیر — پیر حکمت کو علیم است و خبیر

ترجمہ: (۱) عیسٰی (علیہ السلام) گہوارے میں بار بار فرما رہے ہیں کہ ہم جوان نہیں بلکہ شیخ اور پیر ہیں۔

---

(۲) پیر عقلاً پیر ہونا چاہیئے نہ کہ سر اور داڑھی کے بالوں کی سفیدی کی وجہ سے۔

(۳) جب تُو نے تسلیم کا لباس پہن لیا تو پھر تجھے موسٰی علیہ السلام کی طرح خضر کے تابع ہونا ضروری ہے۔

---

(۴) ہاتھ کو سوائے شیخ (مرشد) کے کسی دوسرے ہاتھ میں نہ دے، حق یہی ہے کہ اسی ہاتھ کو پکڑ۔

(۵) جب تُو پیر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ چکا تو اب اسی کا ہو جا کیونکہ پیر (مرشد) ہی

حکمت کو بخوبی جانتا ہے اور اس سے خوب آگاہ ہے۔

سوال : چونکہ نفخ روح حضرت جبریل علیہ السلام سے ہوئی اور قاعدہ ہے الولد سر لابیہ (بیٹا اپنے باپ کا مظہر ہوتا ہے) بنا بریں لازم تھا کہ عیسٰی علیہ السلام بھی روحانیین کی صورت میں ظاہر ہوتے۔

جواب : حضرت جبریل علیہ السلام بشری لباس میں تشریف لائے، روحانیین کی صورت میں نہ تھے اور ان کی والدہ میں نطفہ بھی تمثل بشری کی حالت میں ٹھہرا اور نفخ صورت کے وقت بھی بشری لباس میں تھے اس لیے اکمل و اتم صورت بشری ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام کے حضور میں تجلیاتِ ربانیہ نوجوان گھنگھریالے بالوں میں بشری صورت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اکثر دحیہ کلبی (صحابی) کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔ اور قاعدہ ہے کہ ماں کو بوقتِ استقرارِ نطفہ جیسی صورت متصور ہوتی ہے ویسی شکل میں بچہ پیدا ہوتا ہے۔

حکایت ۱ منقول ہے کہ ایک عورت کو ایک ایسا بچہ پیدا ہوا جس کی شکل تو انسانی تھی مگر جسم سانپ جیسا تھا، اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا بحالتِ استقرار میرا خیال سانپ کی صورت کی طرف لگ گیا تھا۔

حکایت ۲ منقول ہے کہ ایک عورت کو ایسا بچہ پیدا ہوا جس کی چار آنکھیں تھیں اور اس کے دونوں پاؤں ریچھ کی طرح تھے۔ وہ عورت قبطیہ خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ کہتی ہے کہ جب اس کے شوہر نے اس سے جماع کیا اس وقت اس کے سامنے دو ریچھ کھڑے تھے۔ اسی تصور میں نطفہ ٹھہرا تو اسی طرح کا بچہ پیدا ہوا۔

سبق امورِ تخلیقیہ میں اللہ تعالیٰ کے اسرار و رموز اور بہت بڑی حکمتیں ہوتی ہیں۔ وہ جیسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ ہر شئے پر قادر ہے (کذا فی حل الرموز)

تفسیر عالمانہ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ پس اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ صرف اسی کو الٰہ مانو وَرُسُلِهٖ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ، یعنی انہیں وصفِ رسالت کی حیثیت سے مانو، انہیں وصفِ رسالت سے نکال کر الوہیت کے درجے میں نہ لے جاؤ۔ اور عیسٰی علیہ السلام منجملہ رسل کے ایک رسول ہیں فلہذا انہیں بھی صرف رسول ہی مانو نہ کہ انہیں الوہیت کے درجہ میں لے جاؤ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اور تین خدا نہ مانو، جیسے نصاریٰ کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں:

(۱) اللہ

(۲) عیسٰی علیہ السلام

(۳) عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بی بی مریم علیہا السلام۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (اے عیسیٰ علیہ السلام) کیا تم نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود مانو۔

اگر نصاریٰ کا مذہب یہ ہو کہ اللہ کے تین اقنوم ہیں:

(۱) اقنوم الاب

(۲) اقنوم الابن

(۳) اقنوم روح القدس

اقنوم اول سے ذات بعض کے نزدیک وجود اور اقنوم ثانی سے علم اور اقنوم ثالث سے حیات مراد لیتے ہیں۔

اِنْتَهُوْا تین معبود ماننے سے باز آجاؤ خَیْرًا لَّكُمْ یعنی معبود ماننے سے باز رہنا تمہارے لیے بہتر ہے، یا بھلائی کی طرف آؤ۔ تین خدا ماننا چھوڑ کر صرف ایک خدا کو مانو اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ بیشک تمہارا معبود صرف ایک ہے، یعنی وہ واحد بالذات اور تعدد سے منزّہ ہے۔ کوئی صورت اس کے لئے تعدد کی نہیں ہے۔ اللہ مبتدا، اور الٰہ اس کی خبر اور واحد اس کی صفت ہے یعنی وہ الوہیت میں منفرد ہے کوئی اس کا شریک نہیں سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ میں اس کی تقدیس و تسبیح کرتا ہوں کہ اس کی کوئی اولاد ہو، اس لیے کہ جس کی اولاد ہو وہ فانی ہوتا ہے دوسرا اولاد صرف اس لیے ہوتی ہے کہ وہ نسل ختم نہ ہو، جیسے ملائکہ کی اولاد نہیں اور اہل بہشت کی اولاد نہیں اور ذاتِ حق کو دائمی بقا ہے اور اولاد حادث اور فانی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اولاد کیسے ہو جبکہ وہ ازلی و ابدی اور طرح کی مثال سے منزّہ اور تمام اشیاء سے مقدس ہے۔ مثنوی میں ہے: ؎

لَمْ یَلِدْ لَمْ یُوْلَدْ است او از قدم
نہ پدر دارد نہ فرزند و نہ عم

ترجمہ: وہ قدیم سے لم یلد و لم یولد ہے اس کا نہ باپ نہ اولاد نہ چچا وغیرہ۔

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے تنزیہ کی تعلیل و تقریر کے لیے لایا گیا ہے یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اسی کی ملک ہے خلقاً و ملکاً و تصرفاً اس کی ملکیت سے کوئی شے بھی خارج نہیں ہوسکتی۔ ان اشیاء میں سے عیسٰی علیہ السلام بھی ہیں، جب اس کی یہ شان ہے تو پھر اس کی اولاد کیسی!

ف : ابن الشیخ اپنے حواشی میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے جابجا تنزیہ فرمائی ہے کہ اس کی کوئی اولاد نہیں، اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ آسمانوں اور زمینوں کے اندر کی تمام اشیاء اس کی ملکیت ہیں خلقاً و ملکاً و تصرفاً اس سے ان جاہل لوگوں کا رَد ہے جو کہتے ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مِلک اور مخلوق بھی ہے اور بیٹا بھی۔ لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ خالق و مخلوق میں کسی قسم کی جنسیت کا تصوّر نہیں ہوسکتا بلکہ مالک و مملوک بھی جنسیت سے پاک ہیں پھر بھی وہ اپنی جہالت سے اللہ تعالیٰ کے لیے ولد اور زوجہ ثابت کرتے ہیں۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور اللہ ہی سب کا وکیل ہے۔ یعنی تمام مخلوق اپنے جملہ امور اسی کے سپرد کرتے ہیں اور جمیع عالم سے مستغنی ہے پھر اس کے لیے اولاد کا تصور کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ اولاد کا ہونا عجز اور محتاجی پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ اولاد کے لیے یہی تصور ہوتا ہے کہ وہ اپنے آباء کے قائم مقام ہو کر اُن کے جملہ امور کو خوش اسلوبی سے سرانجام دیں گے یا کم از کم اُن کی معاونت کریں گے۔ توحید پر مندرجہ ذیل شعر دلالت کرتا ہے : ؎

کل شیٔ ذاته لی شاهد
انما الله اله واحد

ترجمہ : ہر شَے شہادت دیتی ہے کہ بے شک اِلٰہ صرف ایک ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اہلِ توحید کا مطمعِ نظر جنّات (بہشت) نہیں، اور ان کے ذوق کے لیے بہشت کی نعمتیں کچھ نہیں۔

حکایت

ایک ولی کامل جنہیں سکری بابا کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ کئی کئی روز تک استغراق میں رہتے یہاں تک کہ دیکھنے والے سمجھتے کہ یہ مُردہ ہیں اُن کے منہ میں کوئی دوائی رکھتے تو وہ صرف ایک روز افاقہ پاکر پھر مستغرق ہوجاتے۔ ایک دفعہ انہیں خیال گزرا کہ اپنی عورت کو طلاق دے دیں اور اولاد کو چھوڑ چھاڑ کر صرف اللہ تعالیٰ سے ہی لَو لگائیں، وہ فرماتے ہیں اس اثناء میں مجھے ملکوت میں دیگر ارواح کے ساتھ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، وہ والٰہُ واحد کی تفسیر فرمارہے تھے۔ لیکن جب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہُوا تو آپ کو ایک

نورانی کرسی پہ بیٹھا دیکھا اُس کرسی کے چار نورانی پائے تھے ،

(۱) نورِ اسود مرتبۂ طبیعت ۔

(۲) نورِ احمر مرتبۂ نفس ۔

(۳) نورِ اخضر مرتبۂ نور ۔

(۴) نورِ ابیض مرتبۂ سر ۔

میرے متعلق مرشد سے کہا گیا کہ سکری بابا کو چھوڑ دو اور اسے کہو کہ گھر چلا جائے اس کے بچے اداس ہیں ۔ وہ اس لیے فرمایا گیا کہ میں نے ارادہ کر رکھا تھا کہ بال بچوں کو چھوڑ چھاڑ کر یکسوئی اختیار کر دوں۔ بچوں نے آہ و بکا شروع کر دی اور قسم کھائی کہ ہم یہ ہرگز نہیں کرنے دیں گے ۔ اس سے سکری بابا بہت گھبرایا۔

ف : انہیں سکری اس لیے بھی کہتے تھے کہ جب بھی اُن سے شکر مانگی جاتی فوراً جیب سے نکال کر دے دیتے تھے ۔ یہاں تک کہ حمام میں کھڑے ہوئے دیکھ کر کسی نے اُن سے کہا : بابا شکر دیجئے ۔ آپ نے وہاں سے مٹی اٹھا کر دے دی اور فرمایا ، یہ لو شکر ۔ جب دیکھا گیا تو وہ واقعی شکر تھی ۔ اس کے بعد لوگوں کے ان کے متعلق شکوک و شبہات دُور ہو گئے ، اور آپ کو سکری بابا کے نام سے مشہور کر دیا ۔

فائدہ صوفیانہ حضرت الشیخ الشہیر با قتادہ آفندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، ملکوت کسی علوی مالک کا نام نہیں بلکہ ملک و ملکوت سب انسان کے پاس ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ زمان و مکان سے منزہ ہے اور ذہاب و ایاب (آمد و رفت) سے پاک ۔ وہ تو ہر وقت انسان کے پاس ہے کما قال وھو معکم اینما کنتم ۔

سبق سالک کا ایک ایسا مقام بھی ہے کہ جس میں اس کی توجہ ذاتِ الٰہی کے جلووں پہ ہوتی ہے اسے مقامِ معیت کہا جاتا ہے ، اس کے بعد مقامِ فنا میں پہنچتا ہے جو بالکل مٹ کر من تُو شدم تُو من شدی کا مرتبہ پا لیتا ہے اسے مقامِ جمع کہا جاتا ہے ۔ اس مقام میں اسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو چارسُو نور محیط ہو جائے تو اسے تاریکی نظر نہیں آتی بلکہ وُہ نور ہی نور دیکھتا ہے ۔ مثلاً سورج کو غور سے دیکھئے کہ اس میں نور ہی نظر آتا ہے ۔ لیکن یاد رکھئے سالک کو جب یہ مقام نصیب ہوتا ہے تو ذاتِ حق کے جلووں کو اس ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھتا اور نہ ہی ایسے دیکھتا ہے جیسے اور اشیاء ذی اجساد کو دیکھا جاتا ہے بلکہ وہ دیکھنا اور نظر آنے والے کی کیفیت کچھ اور طریق سے ہے جسے اولیاء کاملین اور علماء عاملین نے بیان فرمایا یعنی بے صورت کو چشمِ بصیرت سے

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ
مسیح اللہ کا بندہ بننے سے کچھ نفرت نہیں کرتا اور نہ مقرب

الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ
فرشتے اور جو اللہ کی بندگی سے نفرت اور تکبر کرے تو کوئی دم جاتا ہے کہ وہ ان سب

جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ
کو اپنی طرف ہانکے گا تو وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کی مزدوری انہیں بھرپور دے کر

مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ
اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دے گا اور وہ جنہوں نے نفرت اور تکبر کیا تھا انہیں دردناک سزا دے گا

وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ
اور اللہ کے سوا نہ اپنا کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار اے لوگو بیشک تمہارے

جَاۗءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا
پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا تو وہ جو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ
اللہ پر ایمان لائے اور اس کی رسی مضبوط تھامی تو عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت اور اپنے فضل میں

وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ
داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف سیدھی راہ دکھائے گا اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے

يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا
ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی

نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ
ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے اور مرد اپنی بہن کا وارث ہوگا اگر بہن کی اولاد

فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ
نہ ہو پھر اگر دو بہنیں ہوں ترکہ میں ان کا دو تہائی اور اگر بھائی بہن ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کا حصہ

حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾
دو عورتوں کے برابر اللہ تمہارے لیے صاف بیان فرماتا ہے کہ کہیں بہک نہ جاؤ اور اللہ ہر چیز جانتا ہے

تفسیر عالمانہ لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ مسیح علیہ السلام اپنی کسر شان نہیں سمجھتے۔ اساس البلاغۃ میں ہے استنکف منہ و نکف ای امتنع (رک گیا) والقبض الفاد سے نیز عار سمجھ کر کسی شے سے متنفر ہوا اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہوں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بننا تو بہت بڑی بزرگی ہے، یہ جسے حاصل ہو جاتی ہے وہ فخر و ناز کرتا ہے۔ ہاں ذلت و خواری اس میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبودیت اختیار کی جائے۔

شانِ نزول نصاریٰ کا وفد نجرانی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ ہمارے بزرگ کو کیوں گھٹاتے ہیں؟ آپ نے پوچھا، تمہارے بزرگ کون سے ہیں؟ انہوں نے عرض کی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ آپ نے فرمایا، میں انہیں کیا کہتا ہوں۔ انہوں نے کہا آپ انہیں اللہ تعالیٰ کا بندہ کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، یہ کوئی عیب نہیں۔ انہوں نے عرض کی، ہاں یہ ان کی تنقیص ہے۔ اُن کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ اس کا عطف المسیح پر ہے یعنی ملک مقرب بھی عار نہیں سمجھتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہوں۔

ف : ان ملائکہ سے کروبیین مراد ہیں اور یہ وہ ہیں جو عرش کے قریب رہتے ہیں جیسے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، اور وہ جو ان کے ہم مرتبہ ہیں۔

وَمَنْ یَّسْتَنْکِفْ اور جو بھی عار کرتا ہے عَنْ عِبَادَتِهٖ اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت سے۔ یہ مقام کفار کو شامل ہے اس لیے کہ وہی اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت سے محروم ہیں وَیَسْتَکْبِرْ اور تکبر کرتے۔ استکبار استنکاف میں کم ہے، اس کا استنکف پر عطف ہے۔ یہ اس لیے لایا گیا کہ استنکاف سرے سے استحقاق کے انکار کو کہا جاتا ہے اور استکبار استحقاق مان کر انکار کیا جاتا ہے فَسَیَحْشُرُهُمْ عنقریب ان سب کو قیامت میں جمع فرمائے گا جَمِیْعًا کوئی بھی نہ رہے گا مستنکف ہو یا مستکبر، مقر ہو یا مطیع پھر سب کو جزاو سزا دے گا فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ پس جو مومن اور نیک عمل کرنے والے ہوں گے انہیں پوری پوری جزا دے گا یعنی ان کے اعمال کی انہیں پوری پوری جزا ملے گی، کسی قسم کی کمی نہ کی جائے گی وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اور اپنے فضل سے اُن کے لیے اُن کے اجر و ثواب میں اضافہ فرمائیگا، یعنی ان کے اعمال سے کئی گنا زیادہ ثواب عطا فرمائے گا اور انہیں ایسے انعامات نصیب ہوں گے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے اور نہ کسی کان نے سُنے، اور نہ ہی کسی کے دل میں ان کا تصور آسکتا ہے وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْکَفُوْا اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ

کی عبادت سے انکار کیا ہوگا وَاسْتَکْبَرُوْا فَیُعَذِّبُھُمْ اور تکبر کیا ہوگا تو ان کے استنکاف واستکبار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا فرمائے گا عَذَابًا اَلِیْمًا وہ ایسے دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے جو کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتا وَلَا یَجِدُوْنَ لَھُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اُس وقت نہیں پائیں گے وَلِیًّا کوئی مددگار جو اُن کے معاملات کو سلجھائے وَلَا نَصِیْرًا اور نہ کوئی حمایتی جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور خوف سے بچا کر ان کی مدد کر سکے۔

ایک گمراہ فرقے کا عقیدہ اور ان کا رَد

اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ ملائکہ کرام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کا رَد کرتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کی شان بیان فرمائی ملائکہ پر عطف ڈال کر، اور یہ قاعدہ ہے کہ معطوف علیہ سے معطوف افضل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام معطوف علیہ اور ملائکہ معطوف ہیں اس سے لازماً ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے استنکاف نہیں۔ اس لیے کہ ملائکہ کرام کو استنکاف نہیں۔ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ ملائکہ کرام انبیاء عظام علیہم السلام سے افضل ہیں اُن کے اس باطل عقیدہ اور غلط دلیل کا رَد یوں ہے کہ یہ تمام باتیں سب کو مسلّم ہیں کہ یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ذکر کرنے کی تخصیص صرف اس لیے کہ اس سے عیسائیوں کا رَد کرنا مطلوب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام وہ شان رکھتے ہیں کہ باپ کے بغیر پیدا ہوئے اور انہیں مغیبات (غیب) کا علم تھا اور وہ آسمان پر اٹھائے گئے وغیرہ وغیرہ، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت سے انکار نہیں، یعنی ملائکہ کرام کہ وہ ماں باپ کے بغیر پیدا کئے گئے اور وہ غیب کی بہت سی ایسی باتیں جانتے ہیں جنہیں عام بشر نہیں جانتے اور وہ بہت بڑے بلند مقامات یعنی آسمانوں میں رہتے ہیں۔ واقعی یہ باتیں قابل تسلیم ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ افضلیت کی علت تو یہ نہیں جو مذکور ہوتی، بلکہ افضلیت کی علت کثرت ثواب ہے اور وہ انبیاء علیہم السلام میں ہے اور ملائکہ کرام میں سرے سے ثواب کا مسئلہ ہی نہیں (ولہم مقام معلوم) وہ تو ایک خاص عہدہ پر فائز ہوتے ہیں اور بس۔ کذا فی الارشاد۔

تاویلات نجمیہ کی ایک بہترین تقریر

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولا الملٰئکۃ المقربون میں اظہارِ فضیلت مطلوب نہیں بلکہ اُن کافروں کا رد مطلوب ہے جو کہتے ہیں کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، جیسے نصاریٰ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے رد میں فرمایا،

الکم الذکر ولہ الانثیٰ تلک اذن قسمۃ کیا تمہارے لیے اولاد نرینہ اور اللہ تعالیٰ

ضیزیٰ۔ کے لیے لڑکیاں، تمہاری عجیب تقسیم ہے۔

اب قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی افضلیت ثابت ہوتی ہے وہ اس طرح کہ آیت میں پہلے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے پھر ملائکہ کا۔ اور افضلیت اسے حاصل ہوتی ہے جس کا عطف میں ذکر پہلے ہے دوسرا عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور ملائکہ کو بیٹیاں کہا گیا ہے اور لڑکوں کو لڑکیوں پر تقدم بھی اور فضیلت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لذکر مثل حظ الانثیین۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لڑکوں کو مقدم بھی فرمایا ہے اور حصہ بھی ان کا دوہرا بتایا پھر جیسا کہ لڑکوں کو عموماً لڑکیوں سے فضیلت ہے ایسے ہی حقیقت میں عیسیٰ علیہ السلام کو ملائکہ کرام پر فضیلت حاصل ہے۔

حدیث شریف سے استدلال

حدیث شریف سے بھی حضرات ملائکہ پر انبیاء کرام علیہم السلام کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو جب اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو ملائکہ نے عرض کیا یا اللہ! تو نے انہیں پیدا فرمایا وہ کھاتے پیتے اور نکاح کرتے اور سواریوں پر سوار ہوتے ہیں اُن کے لیے صرف دنیا اور ہمارے لیے آخرت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنہیں مَیں نے اپنے ہاتھ سے بنا کر پھر ان میں رُوح پھونکی ان کے برابر نہیں کروں گا جنہیں کُن کہا تو پیدا ہو گئے۔

صاحبِ تاویلات نجمیہ کا ایک عجیب وغریب استدلال

صاحبِ تاویلاتِ نجمیہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ آدم علیہما السلام کی اولاد سے ہیں یعنی ماں کی جانب سے ان کی ذریت میں داخل ہیں تو پھر جو شرف آدم علیہ السلام کو ملائکہ پر ملا وہ ان کو بھی نصیب ہوا اور کُن کہہ کر جیسے فرشتوں کو پیدا کیا گیا یہ اگر فضیلت کا سبب ہے تو یہی شرف حضرت عیسٰے علیہ السلام کو نصیب ہوا تو انھیں بھی کُن کہہ کر پیدا کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو فضیلت عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہے وہ ملائکہ کرام کو حاصل نہیں۔ یہاں پر صاحبِ تاویلات کا بیان ختم ہوا۔

ف: عبادتِ الٰہی سے سب سے بڑا استنکاف شرک فی العبادۃ اور توحید سے اعراض ہے جیسا کہ اعمال کی جز توحید و ایمان، اس لیے کہ کبر برائیوں کا سرتاج ہے اس لیے بعض حدیثوں میں کبر ایمان کے بالمقابل وارد ہوا ہے۔

حدیث شریف : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لا یدخل الجنۃ من کان مثقال حبۃ من خردل من کبر و لا یدخل النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان۔	بہشت میں وہ شخص داخل نہ ہوگا جس میں ذرہ بھر بھی کبر ہے اور دوزخ میں وہ شخص نہ جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

(۱) تراشہوت و کبر و حرص و حسد — چو خون دورہ کند و چو جان در جسد

(۲) گراین دشمنان تقویت یافتند — سراز حکم و رآی تو برتافتند

ترجمہ : (۱) تیری شہوت و تکبّر اور حرص و حسد خون میں دورہ کرتے ہیں جیسے جسم میں رُوح۔

(۲) اگر ان دشمنوں نے قوت حاصل کر لی تو تیرے حکم و رائے سے منہ موڑیں گے۔

حکایت : منقول ہے کہ ایک قاضی حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کی کہ علم میں تو ہم آپ سے زیادہ ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ ہماری باتوں میں اتنی تاثیر نہیں جتنی کہ آپ کے ملفوظات (گفتگو مبارک) میں تاثیر ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے اسے فرمایا کہ چند اخروٹ لے کر ایک برتن میں رکھ کر اپنی گردن میں لٹکا دے اور بازار کا چکر لگاتے ہوئے اعلان کرتے جاؤ جو مجھے تھپڑ مارے گا یہ اخروٹ اسے دے دوں گا۔ شہر کی گلی گلی کوچے کوچے میں اسی طرح گشت کرو پھر تمہاری باتوں میں تاثیر پیدا ہوجائیگی (یعنی جب تک نفس کی رعونت کو ملیامیٹ نہیں کروگے یہ مرتبہ نصیب نہیں ہوگا) اس پر قاضی نے کہا : استغفراللہ۔ حضرت بایزید قدس سرہٗ نے فرمایا : یہ دوسرا گناہ تجھ سے سرزد ہوا اس لیے کہ میں تجھے وُہ بات بتا رہا ہُوں کہ جس سے تیرے نفس کی رعونت دفع ہو اور تُو اس پر استغفار پڑھتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

(۱) کسے راکہ پندار در سر بود — پندار ہرگز کہ حق بشنود

(۲) زعلمش ملال آید از وعظ ننگ — شقائق بباراں نروید زسنگ

ترجمہ : (۱) جس دماغ میں خودنمائی ہو وہ کیا حق کی بات سُنے گا۔

(۲) اسے تو علم سے ملال اور وعظ سننا عار ہوگا، پتھر سے پھول کبھی نہیں اُگتے (یہی حال رسمی پیروں کا ہے)

سبق: سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ تواضع اختیار کرے اس لیے کہ بلندیٔ درجات تواضع میں ہے اور وہ افضل العبادۃ بھی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ یہ خطاب عام ہر عاقل و بالغ کو ہے یعنی اے لوگو! **قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ** بیشک تمہارے ہاں ایک برہان تشریف لایا جو **مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ** تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے اور تمہاری طرف ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے نازل کیا **نُوْرًا مُّبِیْنًا** ایک روشن نور۔ برھان سے معجزات اور نور سے قرآن مجید مراد ہے۔ یعنی تمہارے ہاں دلائل عقل اور شواہد نقل پہنچے ہیں فلہذا اب تمہیں نہ کسی عذر کی گنجائش ہے اور نہ ہی کوئی اور حیلہ سازی۔ برھان ہر اس شے کو کہا جاتا ہے کہ جس سے مطلوب کو دلائل سے واضح کیا جائے۔ اور قرآن کو نور اس لیے کہا گیا کہ یہ دلوں میں نورِ ایمان کے وقوع کا سبب ہے جس طرح سے اعیان کھل کر سامنے آجاتے ہیں اسی طرح قرآن سے احکام شرعیہ واضح ہوجاتے ہیں **فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ** بہرحال وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس کے موافق جس طرح اُن کے پاس آئے ہوئے برہان کا تقاضا ہے **وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ** اور نفس امارہ کی اتباع اور شیطان کے حملوں سے اللہ تعالیٰ کی مدد سے بچتے ہیں **فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ** پس عنقریب انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کرے گا یعنی ان کے ایمان و عمل صالح کے مطابق ثواب عنایت فرمائے گا جیسا کہ اس کے حقوق واجبہ کا تقاضا ہے **وَ فَضْلٍ** اور فضل عطا ہوگا، یعنی اجر و ثواب کے علاوہ ایک ایسا مزید احسان ہوگا کہ جسے نہ کسی نے دیکھا ہوگا اور نہ کسی بشر کے تصور میں آسکتا ہے **وَّ یَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ** اور انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے **صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا** صراطِ مستقیم نصیب ہوگا۔ اس سے اسلام اور دُنیا میں طاعت اور آخرت میں راہِ جنت مراد ہے۔ یہ یھدی کا دوسرا مفعول ہے اس لیے کہ جیسے وہ بلا واسطہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے ایسے ہی دوسرے مفعول کی طرف بواسطہ الیٰ بھی متعدی ہوتا ہے، مثلاً کہا جاتا ہے: ھدیتہ الطریق اور ھدیتہ الی الطریق۔ اور الیہ اس سے حال واقع اور اس پر مقدم ہے۔

سوال: اسے اپنے ذوالحال سے مقدم کیوں کیا گیا؟

جواب: اگر اسے مؤخر کیا جاتا تو اس میں صفت کا بھی احتمال ہوتا اور وہ یہاں مقصود نہیں۔

اب معنی یوں ہوا کہ انہیں دُنیا میں اسلام اور طاعت کی طرف ہدایت دیتا ہے ایسے ہی انہیں آخرت میں بہشت کی راہ دکھائیگا کہ اس سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچیں گے۔

معجزاتِ سیدالانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دیگر انبیاء (علیہم السلام) کے معجزات میں موازنہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی علیہ السلام ایک واضح دلیل عنایت فرماتا ہے، کہ جس سے وہ اپنی امت پر حجت قائم کرتے ہیں اور حضور نبی علیہ السلام کی عین ذات کو حجت بنایا، اس لیے کہ دوسرے پیغمبرانِ عظام کے معجزات ایسے تھے جو ان کی ذات کے سوا کسی دوسرے شئے سے تعلق رکھتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ایک لاٹھی تھی اور وہ پتھر کہ جس سے بارہ چشمے بہہ نکلے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عین معجزہ تھی یہاں تک کہ آپ کا ایک ایک عضو مبارک بذاتِ خود معجزہ اور مخزنِ معجزات تھا۔

معجزاتِ مصطفوی کا بیان

(۱) مثال کے طور پر آپ کی مبارک آنکھوں کو دیکھئے کہ وہ چشمان مبارک جیسے آگے کی طرف دیکھتی تھیں ویسے ہی بیک وقت پیچھے کو بھی۔

چنانچہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لاتسبقونی بالرکوع والسجود فانی اراکم من خلفی کما اراکم من امامی۔	مجھ سے رکوع وسجود میں سبقت نہ کرو اس لئے کہ میں جیسے پیچھے دیکھتا ہوں ایسے ہی آگے۔

(۲) بصر مبارک کا برہان خود اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ ما زاغ البصر وما طغیٰ۔

(۳) بینی مبارک کے معجزہ کا بیان، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

انی لاجد نفس الرحمٰن من قبل الیمن۔	میں ذاتِ رحمٰن کی خوشبو یمن سے پاتا ہوں۔

(۴) اور آپ کی زبان اقدس کو برہان خود اللہ تعالیٰ نے بتایا:

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ	اور (میرا نبی) اپنی خواہش سے نہیں بولتا مگر وہ جو اسے وحی کی جاتی ہے۔

(۵) آپ کے لبِ اطہر کا معجزہ مشہور ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دی تو آپ نے فرمایا،

گھر چلے جاؤ آٹا گوندھ کر رکھ دو اور ہانڈی پکا کر چولھے پر رہنے دو جب تک ہم نہ پہنچ جائیں۔

چنانچہ جب آپ میرے گھر تشریف لائے تو آٹے میں تھوک مبارک ڈال دی اور برکت کی دعا فرمائی، اسی طرح پھر ہانڈی میں بھی۔ اس کے بعد فرمایا،

اللہ کا نام لے کر بانٹنا شروع کرو۔
چنانچہ کھانا تقسیم ہوا تو ہزاروں کی تعداد نے سیر ہو کر کھایا۔ لیکن پھر بھی بچ گیا اور اتنا کہ ہم نے ہانڈی کو دیکھا تو ویسے ہی پُر تھی اور آٹا بھی بال برابر کم نہ ہوا۔
(۶) آپ کے تھوکنے میں معجزہ کا بیان، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیبر میں میری آنکھ دکھتی تھی، یہاں تک کہ مجھے کچھ نظر نہیں آتا تھا تو آپ نے میری آنکھ میں تھوکا تو میری آنکھ درست ہو گئی۔

(۷) آپ کے ہاتھ مبارک کے بُرہان کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا،
وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ
(۸) اور حدیث صحیح میں ہے کہ کنکریاں آپ کے ہاتھ مبارک میں تسبیح پڑھتی تھیں۔ شیخ عطار فرماتے ہیں؛ ؎

داعیٔ ذرات بود آں پاک ذات
در کفش تسبیح ازاں گفتی حصاد

ترجمہ، وہ ذات پاک ذرّہ ذرّہ کو داعی (نبی) تھی اسی لیے آپ کے ہاتھ مبارک میں کنکریاں تسبیح پڑھتی تھیں۔
(۹) آپ کی انگلی مبارک کا معجزہ مشہور ہے کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان پانی کے چشمے بہہ نکلے کہ جس سے ایک بہت بڑی مخلوق نے پیٹ بھر کر پانی پیا اور مشکیں وغیرہ بھر لیں۔
(۱۰) آپ کے سینہ مبارک کا معجزہ یہ تھا کہ آپ کے سینہ اقدس سے ہانڈی کی طرح آواز نکلتی تھی جبکہ آپ نماز پڑھنے کے وقت گریہ فرماتے تھے۔
(۱۱) آپ کے قلب مبارک کا معجزہ یہ تھا کہ آپ کی آنکھیں نیند کرتی تھیں لیکن دل بیدار رہتا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

ماکذب الفؤاد ما رأیٰ۔

اور فرمایا؛

الم نشرح لک صدرک ۔

اور فرمایا؛

ونزل بہ الروح الامین علیٰ قلبک ۔

اس طرح آپ کے معجزات میں سے سب سے بڑا معجزہ معراج شریف ہے کہ آپ قاب قوسین کو عبور فرماتے ہوئے اَو ادنیٰ کے مقام پر پہنچے اور یہ تمام معجزات آپ کی عین ذات سے متعلق ہیں۔ آپ سے پہلے اس طرح کے معجزات کسی نبی علیہ السلام کو نصیب نہیں ہوئے اور آپ پر وحی اُتری تو اس کے بعد آپ افصح العرب و العجم مانے گئے حالانکہ اس سے قبل آپ اُمّی تھے۔ نہ ہی کوئی کتاب پڑھی اور نہ ہی کسی سے ایمان کی باتیں سیکھی تھیں۔ اس سے آپ کے لیے اور کون سا بہت بڑا واضح اور اظہر اور قوی تر برہان چاہیے۔ علاوہ ازیں آپ کی اُمّت کو اتنا بڑا اعزاز نصیب ہُوا تو آپ کے صدقے۔

تفسیر صُوفیانہ جو شخص حقیقی ایمان نورِ الٰہی سے نوازا جاتا ہے نہ کہ ایمان تقلیدی سے۔ تو اسے عنایت الٰہی اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ جس سے وُہ عالمِ صفات میں داخل ہوتا ہے اس لیے کہ رحمت و فضل بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں۔ نورِ قرآن کے سبب سے بندے کو ہدایت نصیب ہوتی ہے جس کی حقیقت تخلق باخلاقہ ہے اس سے ہی وہ جنابِ الٰہی تک پہنچتا ہے اور اعتصام کے ذریعے سے سالک صراطِ مستقیم سے حضرۃ اللہ الکریم تک واصل ہو جاتا ہے۔

سبق: بندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ابتدائے سلوک میں ان اوامر و نواہی کو بجا لانے میں جد و جہد کرے جن کا ذکر کتبِ الٰہیہ و سننِ نبویہ میں ہے یہاں تک کہ اسے فضل اللہ الکریم تک پہنچنا نصیب ہو۔ جب اس مقام پر پہنچے گا تو اسے تصرفات در مملکت خداوندی کی توفیق ملے گی۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اے اللہ! آنکھ جھپکنے کی مقدار کی دیر بلکہ اس سے کم کے لیے بھی مجھے میرے نفس کے سپرد نہ فرما۔

روحانی نسخے: بعض بزرگوں سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ مرید وہ ہے جس کا اپنا کوئی مذہب نہ ہو یعنی اسے چاہیے کہ بزرگوں کے اقوال اہلِ مذہب اسلامیہ میں جو سب سے زیادہ مشقت بھرا عمل ہو اسے اپنا مذہب بنائے (مثلاً نکسیر اور فصد (پچھنے لگوانے) سے وضو کرے، جو کہ حنفیوں کا مذہب ہے) اور سالک اگرچہ شافعی المذہب ہے تو بھی مذہب حنفی پر عمل کرے اور عورت کو ہاتھ لگ جائے تو وضو کرے جیسا کہ امام شافعی کے رحمہ اللہ کے مذہب میں ہے (اگرچہ حنفی مذہب سے تعلق رکھتا ہے) تب بھی وضو میں اس پر عمل کرے۔

(۲) بزرگوں کا ارشاد ہے کہ باطن کی نورانیت انوارِ ذکر و عبادۃ و معرفت سے نصیب ہوتی ہے۔

(۳) عبادت کو علیٰ وجہ الکمال ادا کیا جائے تو اس میں خلوص پیدا ہوتا ہے۔

(۴) خدمتِ دین سنتِ نبویہ کے تقاضا کے مطابق کی جائے تو اس سے خبث شہوات و اخلاق ذمیمہ کا ازالہ ہوتا ہے۔

(۵) توحید افضل الاعمال ہے، یہی توحید انسان کو سعادت ابدی تک پہنچاتی ہے۔

ذکرِ الٰہی کے فضائل

حدیث شریف ۱: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الذین لا تزال ألسنتهم رطبة من ذکر الله یدخلون الجنة وهم یضحکون۔

بیشک وہ لوگ جن کی زبانیں ذکرِ الٰہی سے تر رہتی ہیں وہ ہنستے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔

حدیث شریف ۲: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیس علی اهل لا اله الا الله وحشة فی قبورهم ولا فی نشورهم کأنی انظر الیهم عند الصیحة ینفضون التراب عنهم ویقولون الحمد لله الذی اذهب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور۔

جنہیں لا الٰہ الا اللہ نے ذکر پر مداومت نصیب ہے انہیں نہ قبر میں وحشت ہوگی اور نہ حشر کے لیے اٹھتے وقت یہاں تک کہ گویا میں انہیں قبروں سے نفخ صور کے وقت اُٹھنے کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے نہایت ہی سکون سے الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور کہتے ہوئے جا رہے ہیں۔

ف: مشائخ کرام نے اس آیت کا معنیٰ یہی کیا ہے جو حدیث میں مذکور ہوا اور آیت والبلد الطیب یخرج نباته باذن ربه والذی خبث لا یخرج الا نکدا کا بھی یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ اے اللہ! ہمیں ذاکر شاکر لوگوں سے بنا اور غافلوں سے بچا (آمین)

تفسیر عالمانہ یَسْتَفْتُوْنَكَ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں فِی الْكَلٰلَةِ کلالہ کے بارے میں قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ آپ فرمایئے تمہیں اللہ تعالیٰ کلالہ کے بارے میں فرماتا ہے۔

حلِ لغات الافتاء لغت میں مبہم کو بیان کرنا اور مشکل کو واضح کرنا۔ الکلالۃ اصل میں الکلال کا مصدر ہے بمعنے تھکان سے قوت کا چلا جانا، اور اصطلاحِ فقہ میں مندرجہ ذیل رشتوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے:

(۱) وہ رشتہ دار جو والد اور ولد کی جہت نہ ہوں، انہیں اس لیے کلالہ کہا جاتا ہے کہ انہیں والد و ولد کے رشتہ سے نسبت کی کمزوری ہے۔

(۲) ہر اس انسان کو بھی کہتے ہیں جو والد اور ولد چھوڑ کر نہ مرے بلکہ ان کے علاوہ کئی رشتہ دار چھوڑے ہوں۔

(۳) اس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو مرنے والے مورث کا وارث نہ والد ہو نہ ولد۔ یہاں پر ثانی مراد ہے یعنی ہر وہ شخص کہ مرگیا ہے اس کا وارث نہ ہی احد الابوین ہیں نہ کوئی اولاد۔

شانِ نزول حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو حضور سرورِ عالم ان کی طبع پرسی کے لیے تشریف لے گئے تو عرض کی میں کلالہ ہوں۔ یعنی میں مرجاؤں تو میرے پیچھے وارثوں میں نہ میرے احد الابوین ہیں اور نہ ہی اولاد، تو فرمائیے میں اپنے مالِ متروکہ کے متعلق کیا کروں؟ تو اس کے سوال پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ اگر مرد مرجائے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے جو فتویٰ پوچھا گیا اسے بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے، اور امرأ فعل محذوف ہے جس کی فعل مذکور تفسیر کر رہا ہے لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ یہ امرأ کی صفت ہے یعنی مرنے والے کا کوئی ولد نہ ہو لڑکا یا لڑکی وَلَهٗٓ اُخْتٌ اس کا عطف لیس له ولد پر ہے یا حال ہے یہاں پر اخت (بہن) سے وہ بہن مراد ہے جو ماں کی طرف سے نہیں اس لیے کہ اس کا صرف چھٹا حصہ ہوتا ہے گویا یہاں حقیقی بہن مراد ہے یا باپ کی طرف سے جسے علمِ میراث میں علّیہ کہتے ہیں فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ اس بہن کا مالِ متروکہ سے آدھا حصہ ہے یعنی بوجہ فرضیت (حصۂ میراث) اُس کا باقی مال اس کے عصبہ کو ملے گا اگر عصبہ نہ ہو تو اس بہن پر رد ہوگا گویا اس کے تمام مال کی مالک یہی بہن ہوگی وَهُوَ يَرِثُهَآ اور وہ مرد اپنی بہن کا وارث ہوگا جبکہ اُسے شریعت حق دلائے۔ اور وہ جو مرگئی ہے اس کا حصہ وراثت بھی انسے مل سکتا ہے (اس لیے کہ قاتل و مقتول وغیرہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے) یہ اس وقت ہے جبکہ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ جبکہ اس کے کوئی لڑکا لڑکی نہ ہو۔

مسئلہ: بہن کا کوئی لڑکا لڑکی نہ ہو تو بھائی تمام مال کا مالک ہوجائے گا اس لئے کہ شرط لگائی گئی کہ اس کی اولاد نہ ہو تو شرط نہ ہو تو لامحالہ تمام مال کا مالک ہوگا۔ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ پس اگر میت کی

دو بہنیں ہوں اس کا عطف پہلے جملہ شرطیہ پر ہے یا واؤ سے زائد بھی فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ تو ان دونوں کو میت کے مال متروکہ سے دو تہائیاں ملیں گی ھما کی ضمیر کا ارجاع وارثوں کی طرف ہے اور اس کا تثنیہ و تانیث ہونا باعتبار معنے کے ہے۔

ف: تثنیہ کا صیغہ مؤنث کے لفظ سے لانے میں اس طرف اشارہ ہے یہاں پر اختلاف حکم کا اعتبار ہے یعنی صرف نہ چھوٹے بڑے کا اور نہ ہی کوئی دوسری وجہ۔ یہی اعتبار ملحوظ نہ ہوتا تو یہاں پر مذکر کا تثنیہ لانا بھی جائز تھا وَاِنْ كَانُوْٓا اور اگر وہ وراثت لینے والے اِخْوَةً بھائی مختلف طور کے بھائی ہوں یعنی رِجَالًا وَّنِسَآءً مرد ہوں یا عورتیں، یہ اخوۃ سے بدل ہے دراصل عبارت یوں چاہیے تھی کہ وان کانوا اخوۃ و اخوات لیکن تغلیباً اخوۃ کہا گیا فَلِلذَّكَرِ پس ان میں سے مذکر کو مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ دو عورتوں کے حصے کے برابر دینا چاہیے۔

ف: وہ ترکۂ میت کو صرف عصبہ کے طریق سے تقسیم کرتے تھے۔

ف: یہ آیت (مسئلہ میراث و احکام) میں آخر میں نازل ہوئی۔

ف: مروی ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ وہ آیت کہ علم فرائض میں ہے سورۂ نساء میں نازل فرمائی ہے اس کا اول ولد و والد اور اس کا ثانی زوج و زوجہ اور بہن اور ماں۔ اور وہ آیت کہ جس پر سورۃ کو ختم فرمایا، وہ اختِ حقیقی اور اخت علیہ پر مشتمل ہے، اور وہ آیت جو سورۃ انفال میں ہے اسے اولی الارحام پر ختم فرمایا۔ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کلالہ کا حکم یا جملہ احکام و شرائع بیان فرماتا ہے جن میں ایک حکم کلالہ کا بھی ہے اَنْ تَضِلُّوْا یہ کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ یہ مفعول لہٗ اس کا مضاف محذوف ہے کہ دراصل کراھۃ ان تضلوا تھا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ اور اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتا ہے منجملہ اس کے تمہارے حالات بھی ہیں جو تمہاری حیات و ممات سے متعلق ہیں عَلِيْمٌ بہت بڑے علم والا ہے کہ تمہاری مصلحت و منفعت کو خوب جانتا ہے۔

سوال: میت کے مال متروکہ کی تقسیم کا مسئلہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کیوں نہیں فرمایا حالانکہ باقی تمام احکام و ارکانِ اسلام، یعنی شہادت و نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج و دیگر جملہ احکام شرعیہ سب کے سب حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، چنانچہ فرمایا:

وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔

بلکہ قرآن مجید کی وضاحت بھی اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد فرمائی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لتبین للناس ما نزل الیھم۔

لیکن ترکہ میت کی تقسیم اپنے لیے مخصوص فرمائی۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ترکہ تقسیم کے لیے نہ کسی ملک مقرب کو پسند فرمایا نہ کسی نبی مرسل کو، یہاں تک کہ اسے اپنے لیے مخصوص فرمایا اور ہر صاحب حق کا حق خود بتایا ہے۔ یاد رکھو کہ وارث کے لیے وصیت نہیں ہوتی۔

جواب: دنیا لوگوں کی نظروں میں ایک اچھا منظر ہے اور مال انسان کے ہاں محبوب ترین شئی ہے اور لوگوں کے دلوں میں گھر کیے ہوئے ہے کہ اس کے لیے فطرۃً بخل کرتے ہیں۔ اگر اس کے متعلق اللہ تعالیٰ خود واضح طور پر نہ بتاتا بلکہ اسے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب فرماتا تو شیطان لوگوں کے دلوں میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غلط خیال و گندے وسوسے ڈالتا جس سے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گستاخی و بے ادبی سے کافر ہو جاتے، اور اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب علیہ السلام کے لیے یہ بھی گوارا نہیں۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے نفس اور مال اور اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب ترین نہ ہو جاؤں۔

چنانچہ انصار کے بعض نوجوانوں کو غزوۂ حنین کے موقعہ پر ایک غلط خیالی پیدا ہوئی جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوازن کا مال عنایت فرمایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض قریشیوں کے ہر ایک کو سو سو اونٹ عطا فرمایا تو انصار نے کہا کہ اللہ تعالیٰ رسول پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو معاف فرمائے کہ مال تو قریشیوں کو دے دیا حالانکہ ہماری تلواریں دشمنوں کے خون سے تر ہیں۔ یہ بات حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں پہنچ گئی تو آپ نے تمام انصاریوں کو بلوایا اور انہیں ایک خیمہ میں جمع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہاں صرف انصار رہیں باقی صاحبان چلے جائیں۔ جب تمام انصار جمع ہو گئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور فرمایا:

مجھے تمہاری ایک بات ناگوار پہنچی ہے اور تمہیں اس طرح کہنا نامناسب تھا۔

انصار نے عرض کی، حضور! ہمارے عقلمندوں نے تو کہا نہیں البتہ چند نوجوانوں نے ایسے ضرور کہا ہے (جس سے ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں)

آپ نے فرمایا: تمہیں یاد رہنا چاہئے کہ میں نے قریشیوں میں ان لوگوں کو مال دیا ہے جو ابھی ابھی کفر سے نکلے ہیں انہیں اس لیے مال دیا ہے تاکہ ان کے دل اسلام کی طرف جھک جائیں۔

یا یہ فرمایا کہ صرف ان کی تالیفِ قلوب کے لیے میں نے ایسا کیا ہے۔ اے انصاریو! کیا تم خوش نہیں

کرلو گے تو مال لے جائیں اور تم مجھے لے جاؤ۔ بہذا یہ قیمتی سودا صرف تمہیں نصیب ہوا۔
انصاریوں نے عرض کی، ہاں ہمیں یہی سودا منظور ہے اور اسی سودے سے ہم راضی ہیں۔
بہرحال شیطان کا کام یہی ہے کہ انسان کے دل میں مال کے لطائف و نفائس کے وسوسے ڈالتا ہے
پھر اگر تقسیم حضور علیہ السلام کے سپرد ہوتی تو شیطان کو یہ حق دیتا تاکہ اُمت کو حضور علیہ السلام پر بدگمانی
میں ڈال جاتا پھر آسانی سے اس کا ازالہ نہ ہوتا۔ اس طرح سے اُمت زندگی میں اور پھر بعد وفات اپنے
نبی علیہ السلام کے قرب سے محروم ہو جاتی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ اپنے لیے مخصوص رکھا، بدیں وجہ
اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے فرمایا بکل شئ علیم اور پھر بندوں کو خوشخبری سنائی کہ غفور رحیم ہے

بعلم یک ذرہ پوشیدہ نیست — کہ پنہان و پیدا بنزدش یکیست
فرماندگاں را برحمت قریب — تضرع کناں را بدعوت مجیب

ترجمہ: (۱) اس کے علم سے کوئی شے مخفی نہیں اس کے لیے پوشیدہ و ظاہر برابر ہے۔
(۲) عاجزوں کو رحمت سے قریب ہے، زاری کرنے والوں کی دعا قبول کرنے والا ہے۔
ف: اسی بنا پر میراث کے ہر ہر مسئلہ میں مقدار کو اپنے فضل و کرم سے متعین فرمایا تاکہ رشتہ داروں میں
کشمکش برپا نہ ہوں بالخصوص عورتوں کے متعلق کہ وہ ضعیف و کمزور ہیں انھیں کسبِ مال میں عجز ہے اور
ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے کہ وہ ان سے عقل اور دین میں کم ہوتی ہیں، اور
پھر اہلِ ایمان کو واضح طور پر مسائل بتائے گئے تاکہ وہ اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر بدگمانی کر کے گمراہ
نہ ہو جائیں۔ چنانچہ فرمایا:

یبین اللہ لکم ان تضلوا واللہ بکل شئ علیم۔ کذا فی التاویلات النجمیہ۔ اللہ تعالیٰ اس
کے مصنف کو نفحات قدسیہ و برکاتِ قدسیہ سے نوازے۔ (آمین)

(صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے) سورۂ نساء کی تفسیر سے ۱۵ جمادی الآخرۃ ۱۰۹۹ھ
میں فراغت پائی۔

اور راقم فقیر قادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ نے اس کے ترجمہ سے
۲۹ ذوالحجہ ۱۳۹۲ھ بہ شبِ سوموار بعد نمازِ عشاء بمقام بہاولپور اپنے غریب خانہ میں
فراغت پائی، فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۱۲۰ رُكُوْعَاتُهَا ۱۶

سورۂ مائدہ مدنی ہے اس میں ایک سو بیس آیات اور سولہ رکوع ہیں — اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۬ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا

اے ایمان والو اپنے قول پورے کرو تمہارے لئے حلال ہوئے بے زبان مویشی مگر وہ جو آگے

يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝۱

سنایا جائے گا تم کو لیکن شکار حلال نہ سمجھو جب تم احرام میں ہو بے شک اللہ حکم فرماتا ہے جو چاہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْىَ

اے ایمان والو حلال نہ ٹھہرالو اللہ کے نشان اور نہ ادب والے مہینے اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیاں

وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَاۤ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ

اور نہ جن کے گلے میں علامتیں آویزاں اور نہ ان کا مال و آبرو جو عزت والے گھر کا قصد کرکے آئیں اپنے

وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ

رب کا فضل اور اس کی خوشی چاہتے اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر سکتے ہو اور تمہیں کسی قوم کی عداوت کہ انہوں نے

اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ

تم کو مسجد حرام سے روکا تھا زیادتی کرنے پر نہ ابھارے اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے

وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ کا عذاب

الْعِقَابِ

سخت ہے۔

اس کی کل ایک سو بیس آیات ہیں اور تمام مکیہ ہیں صرف الیوم اکملت لکم دینکم مدنیہ ہے کہ عرفہ میں بموقعہ حجۃ الوداع نازل ہوئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر عالمانہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اے ایمان والو! اپنے وعدوں کو پورا کرو۔

حل لغات ۔ الوفاء بمعنے تقاضائے عہد پر قائم رہنا۔ اسی طرح الایفاء۔ مثلاً کہا جاتا ہے وفی بالعھد وفا اور اوفی بہ ایفاء۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنے معاہدے کو پورا

[illegible] اور اس کے خلاف نہ کرے۔ اسے باب افعال پر لانے میں صرف مبالغہ مطلوب ہوتا ہے۔
[illegible] کی پختگی پر بولا جاتا ہے۔ اس سے مشابہت دی گئی ہے کہ جیسے رسّی وغیرہ سے مضبوط
[illegible]

[illegible] عقود سے وہ تمام احکام شرعیہ و تکالیف دینیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر
لازم فرمائے ہیں اسی طرح بندوں کے آپس کے معاہدات، معاملات و امانات وغیرہ بھی مراد ہیں جو ان پر
[illegible] ضروری یا کم از کم مستحب ہیں۔ اگر ہم امر کا عام وجوب اور ندب پر محمول کریں۔

مسئلہ: [illegible] امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے اس مسئلہ کا استدلال فرمایا ہے کہ
[illegible] روزے کی یا اپنے بچے کو ذبح کرنے کی نذر مانتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ عید کے بغیر
[illegible] دن روزہ رکھے اور بچے کے ذبح کے بجائے وہ جانور ذبح کرے جس سے تقرب مقصود
[illegible] اس لیے کہ اس نے ایک معاہدہ اور اپنے اوپر لازم کیا ہے فلہٰذا ایسے عمل سے پورا کرے کہ جس سے
[illegible] سے عہد پورا ہو۔

مسئلہ: انہوں نے اسی آیت سے استدلال فرمایا ہے کہ بیک وقت طلاق دینا حرام ہے اس لیے اس نے
[illegible] عورت سے ایک قسم کا معاہدہ کیا ہے پورا ہے چاہیے کہ اس معاہدہ کو احسن طریق سے نبھائے،
اس لیے کہ اوفوا بالعقود میں عموم ہے۔

سوال: ایک طلاق سے بھی معاہدہ کا نقض لازم آتا ہے پھر وہ کیوں جائز ہے؟
جواب: آیت کے عموم کو اجماع سے خاص کیا گیا ہے جب ایک طلاق سے آیت مخصوص ہوئی تو باقی حکم
اپنے عموم پر رہے گا۔

حدیث شریف: جب کسی قوم میں کھوٹ پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ دلوں میں غیر کا رعب پیدا
کر دیتا ہے اور جب ان میں زنا عام ہو جائے تو ان پر موت بکثرت واقع ہوگی اور جب کم تولنے اور کم
بھرنے لگیں گے تو ان میں رزق کی کمی واقع ہوگی، اور جب ناحق فیصلے کئے جائیں گے تو ان میں خونریزی
ہوگی، اور جب وعدہ خلافی کا مرض ہوگا تو ان پر دشمن مسلط ہو جائیگا ۵

ہر کہ او نیک میکند یابد
نیک و بد ہر چہ میکند یابد

ترجمہ: جو بھی نیکی یا برائی کرتا ہے اس کی سزا و جزا (بری یا اچھی) پائیگا۔
ربط: جب اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو تکالیف شرعیہ و احکام اسلامیہ جو ان پر واجب ہیں کی ادائیگی

کا حکم فرمایا اور ان کی تفصیل پورے طور پر بیان فرمائی تو اب مطعومات کی حلت و حرمت کی تفصیل کا آغاز فرمایا، چنانچہ ارشاد ہوا کہ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ تمہارے لیے چارپائے جانور حلال ہیں ۔ البھیمۃ چار پائے جانور کو کہتے ہیں اور اس کی الانعام کی طرف اضافت بیانیہ ہے ، جیسے کہا جاتا ہے ثوب الخز (ریشمی کپڑا) اور اس کا مفرد لانا بیان جنس کے لیے، یعنی تمہارے لیے جانوروں میں سے چوپائے حلال ہیں، جیسے اونٹ، گائے ، بھیڑ اور بکری ۔ پھر ان چاروں کے نر و مادہ کو علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا ہے ۔ اس اعتبار سے جانوروں کے کل آٹھ قسم ہوئے ، بھیڑ کا نر و مادہ اور بکری کا نر و مادہ اور اونٹ کا نر و مادہ اور گائے کا نر و مادہ ۔ تفصیل سورۂ انعام میں مذکور ہے اس لحاظ سے اَنعام بہیمۃ کا لفظ عام ہے اس لیے کہ اَنعام کا اطلاق سوائے ان چار مذکورہ جانوروں کے اور کسی پر نہیں ہوتا۔

ف : ہرنی اور وحشی گائے وغیرہ اَنعام کے لفظ سے ملحق ہیں۔

اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ بہیمۃ ، الانعام سے بحذف المضاف استثنا ہے ، دراصل عبارت یوں ہے الا محرم مایتلی علیکم یعنی تمہارے لیے چارپائے حلال ہیں مگر وہ حرام ہیں جن کی حرمت تمہارے لیے قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے یعنی حرمت علیکم المیتۃ الخ جس کا ذکر بھی آتا ہے ۔ یا یہاں پر نائب فاعل محذوف ہے چونکہ دراصل عبارت یوں تھی کہ الا مایتلیٰ علیکم فیہ اٰیۃ کریمۃ یعنی تمہارے لیے آیت کریمہ میں بیان کیا جائے گا غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ یہاں پر صید کا لفظ مصدری معنیٰ میں ہے ۔ یعنی الصید بمعنی الاصطیاد فی البر (جنگل میں شکار کرنا) یا بمعنے مفعول ہے یا بمعنے مفعول ہے یعنی جنگل کا شکار کھانا یعنی الصید بمعنے المصید ہے یعنی لکم کی ضمیر سے حال ہے یعنی درانحالیکہ تم جنگل کا شکار حلال سمجھ کر نہ کھاؤ ۔ یہ جملہ اس کی حرمت کی تقریر کے لیے ہے تاکہ وہ جنگل کے شکار کو حرام جانیں عملاً بھی اور اعتقاداً بھی ۔ اس طرح کتاب و سنت میں عام ہے وَاَنْتُمْ حُرُمٌ درانحالیکہ تم محرم ہو یہ محل الصید کی ضمیر سے حال ہے ۔

حلِ لغات : حُرم حرام کی جمع بمعنے محرم ہے۔ کہا جاتا ہے احرم فلاں ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی حرم شریف میں داخل ہو یا احرام باندھے ۔

سوال : بہیمۃ الانعام کی حلت بیان کر کے پھر اسے حالتِ احرام میں حرام قرار دینے کا کیا فائدہ ؟

جواب : اتمامِ نعمت کے لیے اور واضح کر دینا مطلوب ہے کہ یہ اشیاء ہم نے تمہارے لیے حلال کی ہیں کہ تمہیں ان کی ضرورت بھی ہے اس لیے کہ بحالتِ احرام شکار کی حرمت دلالت ہے کہ انہیں شکار کے لیے

ہو گیا تو باقی تمام اشیاء کی ممانعت خود بخود واضح ہو گئی۔ گویا اب یہاں فرمایا گیا کہ تمہارے لیے مطلقاً تمام جانور حلال ہیں لیکن بعض اوقات تمہیں اپنی حلال کردہ اشیاء سے بھی روکا جا رہا ہے جبکہ تم اس وقت حرمت رکھتے ہو کر وہ تمام اشیاء حلال ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ بے شک اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے حکم فرماتا ہے یعنی جس طرح اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی حلت و حرمت کا حکم دیتا ہے۔ اِن دونوں سے ایفائے عہد کا یہی تقاضا ہے کہ حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھیں، اور اسی پر عمل کریں اور عقیدہ بھی اسی طرح رکھیں۔

تفسیر صوفیانہ یاایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود میں اشارہ ہے کہ جس طرح تم نے یوم میثاق میں عہد کیا اُسے پورا کر دیا اُس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عاشقانِ خدا سے تم وعدہ کرتے ہو کہ حصولِ مقصود میں جان کی بازی لڑائیں گے، تو اب اُن سے وعدہ پورا کرو، اس لیے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے اور انہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے محبت نہیں ان سے ایفائے عہد کا یہی مطلب ہے کہ ریاضاتِ شاقہ پر صبر کرو، اس لیے کہ جو شخص بھی انانیت کو مٹا کر ان کے وعدوں کا ایفاء کرتا ہے وہ منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے احلت لکم بہیمۃ الانعام نفسِ امّارہ کو مار ڈالنا تمہارے لیے حلال ہے اس لیے کہ نفسِ امّارہ شہوت رانی میں جانوروں کی طرح ہے الا ما یتلیٰ علیکم غیر محلی الصید و انتم حرم ہاں نفسِ مطمئنہ کو باقی رکھو جس کے لیے تمہیں دوسرے مقام پر بتایا ہے کہ ارجعی الیٰ ربک۔ اس لیے کہ انہیں دنیا و مافیہا سے نفرت ہے اس لیے کہ وہ حرم ایزدی میں شکار کی طرح وَاَنْتُمْ حُرُمٌ یعنی جبکہ تم حضرت جمال و جلال میں پہنچنے کے لیے کعبۂ وصال کی طرف توجہ کرتے ہوئے ہر مرغوب و مرہوب سے متجرد اور ہر مطلوب و محبوب سے علیحدہ ہو کر شوق کا احرام باندھو اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں نفس کے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جب اسے دیکھو کہ جانور صفت ہو کر حیوان سفلیہ کی چراگاہ میں چرنے لگتا ہے اور یہ بھی اسی کا حکم ہے کہ نفس کو ذبح نہ کرو۔ جب دیکھتا ہے کہ تمہارا نفس ذکرِ حق میں مطمئن ہے اور وہ صفات ملکیہ علویہ سے موصوف ہے تو رجوع الیٰ حضرۃ الربوبیۃ کے لیے اس سے مخاطب ہوتا ہے مَا يُرِيْدُ جسے چاہتا ہے جس طرح چاہتا ہے ارادہ کرتا ہے کذا فی التاویلات النجمیہ۔

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے شعائر کو حلال نہ کرو۔

شانِ نزول یہ آیت حطیم کے حق میں نازل ہوئی اس کا نام شریح بن ضبیعۃ الکبری تھا۔ وہ یمامہ سے آیا، سواری کو مدینہ طیبہ سے باہر بٹھا دیا اور خود حضور نبی پاک صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچا اور عرض کی کہ آپ لوگوں کو کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں انھیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود نہ مانو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اُس نے کہا بہت خوب، لیکن میرے پیچھے چند آدمی ہیں میں ان کے بغیر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ اب میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں، لوٹ کر ساتھیوں سے مشورہ کرکے انھیں ساتھ لاؤں گا، امید ہے کہ ہم دولتِ اسلام سے نوازے جائیں گے۔ تب وہ رخصت لے کر آپ کی مجلس پاک سے چلا گیا۔

علمِ غیب نبوی اور اس کی تصدیق اس سے قبل آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ یمامہ سے تمہارے ہاں ایک ایسا آدمی آرہا ہے جو شیطانی زبان استعمال کرے گا۔ یعنی منافقت کرے گا۔ چنانچہ یہی شریح یمامہ سے حاضر ہوا، جب وہ بارگاہِ نبوی سے اجازت لے کر چلا تو آپ نے فرمایا، یہ شریح کافرانہ صورت میں حاضر ہوا، دھوکا باز بن کر واپس جارہا ہے یاد رکھو یہ اسلام کی دولت سے محروم ہے۔ جب وہ بارگاہِ نبوت سے نکلا تو مدینہ طیبہ سے باہر اونٹوں کو ہانک کر لے گیا۔ صحابہ کرام اس کو پکڑنے کے لیے نکلے لیکن وہ جان بچا کر نکل گیا۔ پھر وہ اگلے سال یمامہ کے قبیلہ بکر بن وائل کے حاجیوں کے ساتھ حج کے لیے حاضر ہوا اور بہت سا تجارتی مال لایا۔ بکر بن وائل نے اپنی قربانیوں کے گلے میں قلادے ڈال رکھے تھے جو حج کی قربانیوں کی علامت تھی۔ صحابہ کرام نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اجازت ہو تو ہم انہیں لوٹ لیں۔ کیونکہ اُن کی قربانیوں میں اسلامی شعائر کے قلادے نہیں بلکہ زمانۂ جاہلیت کی رسم پر انہوں نے قلادے ڈال رکھے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو روک دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

شانِ نزول ۲ مشرکین بھی حج کے لیے حاضر ہوتے تو وہ اپنی حج کی قربانیوں کو قلادے ڈال لیتے، مسلمانوں کا ارادہ ہوا کہ مشرکین پر ہلّہ بول کر یہ قربانیاں چھین لیں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر مسلمانوں کو لوٹ سے روک دیا۔

حلِ لغات شعائر، شعیرۃ کی جمع۔ نام ہے ہر اس شئے کا جو کسی کے لیے علامت بنائی جائے، اب یہ حج کے چند احکام کا علم ہے۔ جیسے حج کے مواقف، مرامی الجمار (کنکر مارنے کی جگہیں) مطاف (طواف کی جگہ) مسعیٰ (سعی کی جگہ) اور وہ حج کے علامات سے ہے، جنہیں عمل میں لا کر سمجھا جاتا ہے کہ یہ حاجی ہے۔ مثلاً احرام، طواف، سعی، حلق (سر منڈانا) نحر (قربانی کرنا)

خلاصہ تفسیر اب معنی یہ ہُوا کہ اے مسلمانو! شعائر اللہ کی ہتک نہ کرو، اور نہ اُن لوگوں کے اعمال میں رخنہ ڈالو جو بیت اللہ شریف کا حج کرتا اور مواقف حج کی تعظیم بجالاتا ہے۔

وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ اور نہ ہی حرمت والے مہینوں میں قتل و غارت کرو۔

ف : حرمت والے مہینے چار ہیں :

(۱) ذوالقعدہ (۲) ذوالحجہ

(۳) محرم (۴) رجب

سوال : جب حرمت والے چار ماہ ہیں تو پھر الشہر الحرام واحد کا لفظ کیوں لایا گیا جمع کا صیغہ لانا چاہیے تھا۔

جواب : یہ لفظ الحرام اسم جنس ہے اور اسم جنس جمع کو شامل ہوتا ہے۔

وَلَا الْهَدْیَ اور نہ ہی قربانیوں پر غضب کرو۔ یا یہ معنی کہ ان کی قربانیوں کو ان کے محلِ وقوع تک پہنچنے سے منع نہ کرو۔

ف : الھدی ہر وہ قربانی مثلاً اونٹ، گائے، بکری وغیرہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کعبہ میں لائی جائے یہ ھدیۃ کی جمع ہے۔

وَلَا الْقَلَآئِدَ اور نہ ہی قلادہ والی قربانیوں کے پیچھے پڑو۔ یہاں پر لفظ ذوات مضاف محذوف ہے اور اس کا عطف الھدی پر ہے۔ یہ خاص قربانی ہوتی ہے اور الھدیٰ سے اشرف و اعلیٰ سمجھی جاتی ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ خصوصاً ذوات القلائد سے نیچ کر رہو۔

ف : قلائد، قلادۃ کی جمع ہے۔ ہر وہ شے جو اونٹ وغیرہ کے گلے میں ڈالی جائے، مثلاً جوتے کے ٹکڑے یا درخت وغیرہ کے، تاکہ معلوم ہو کہ یہ حج کی قربانی ہے اور اسے کوئی نہ چھیڑے۔

وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ اور نہ ہی ان لوگوں کو چھیڑو جو بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے ہیں کہ تم انہیں کوئی حیلہ بہانہ کر کے بیت اللہ شریف کی زیارت سے روک دو یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار رہتے ہیں یہ جملہ آمین کی ضمیر سے حال واقع ہے یعنی وہ بیت اللہ شریف کی زیارت کا ارادہ کر کے تجارت کے ذریعے رزق کی تلاش میں حاضر ہوتے ہیں اور ان کے اپنے گمان میں حج کرنے سے رضائے الٰہی مدِنظر ہوتی ہے۔

سوال : تم نے ان کی رضامندی کی طلب کو اُن کے گمان فاسد سے کیوں تعبیر کیا ہے ؟

جواب : اسلام کے دامن کے بغیر رضائے الٰہی کا حصول ناممکن ہے اگرچہ اپنے گمان میں کوئی لاکھ بار دعویٰ کرے کہ مجھے رضائے الٰہی مطلوب ہے۔

ف : الارشاد (کتاب) میں ہے کہ مشرکین اپنے گمان پر مدعی تھے کہ وہ راہِ راست پر ہیں، اور ہمیں یہ حج وغیرہ اللہ تعالیٰ کے قریب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان پر رضواناً فرمایا ہے اگرچہ ان کا یہ گمانِ فاسد اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے کوسوں دور تھا۔ لیکن یہ یاد رہنا چاہیے کہ اُن کی یہ

طلبِ رضائے الٰہی اگرچہ غلط طریقے پر مبنی تھی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم میں کمی نہیں کہ انہیں دنیوی منفعت سے نہ نوازے۔ کچھ بعید نہیں کہ انہیں اس سے دنیوی امور میں منافع نصیب ہوں اور انہیں دنیوی تکالیف اور پریشانیوں سے نجات مل جائے، خصوصاً جو شخص بھی حقوق اللہ اور اس کے شعائر کی تعظیم کی پابندی کرے تو اسے ضروری منفعت اور دنیا کے مصائب سے نجات دی جاتی ہے[1]

قاعدہ : آیت ہذا یہاں تک منسوخ ہے اس کا ناسخ قولِ باری تعالیٰ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہ اور قولہ تعالیٰ فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا ہے۔

مسئلہ : اب کوئی مشرک نہ حج پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی حج کی قربانی کی وجہ سے امن پا سکتا ہے اور نہ قربانی کے جانور کو قلادے پہنانے سے بچ سکتا ہے۔

ف : امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سورہ مائدہ میں صرف یہی آیت منسوخ ہے۔

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا جب حلالی ہو جاؤ تو شکار کرو۔ شکار کی ممانعت وانتم حرم سے کی گئی۔ اس جملہ سے اب شکار کرنے کی اجازت کی تصریح کی گئی ہے۔

قاعدہ : فاصطادوا کا امر اباحۃ کا ہے۔ یعنی احرام کی حالت میں جو تمہیں روکا گیا تھا اب تمہیں شکار کرنے کی اجازت ہے، اس لیے کہ ممانعت کا موجب (احرام کا حکم) رفع ہو گیا۔ گویا فرمایا گیا کہ جب احرام سے فارغ ہو جاؤ اب تمہیں شکار کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ اور تمہیں نہ اُبھارے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:

جَرَمَنِی فُلَانٌ علیٰ ان صَنَعْتُ کذا۔ مجھے فلاں نے ابھارا کہ ایسے ایسے کروں۔

جَرَمَنِی بمعنی حَمَلَنِی۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہیں برانگیختہ نہ کرے **شَنَاٰنُ قَوْمٍ** سخت بغض اور شدید عداوت۔

شنآن، شنئت کا مصدر ہے اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اگر مفعول کی طرف مضاف ہو تو معنیٰ ہوا لبعضکم لبعض۔ اس صورت میں فاعل محذوف ہوگا **اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** یہ کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا یعنی سالِ حدیبیہ میں انہوں نے تمہیں کعبہ شریف کی زیارت اور عمرہ کے طواف سے روک دیا تھا **اَنْ تَعْتَدُوْا** کہ تم سے حد سے تجاوز نہ کرو۔ یہ یجرمنکم کا دوسرا مفعول ہے یعنی تمہیں اُن کا بغض اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ جیسے انہوں

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ بعض بدمذاہب منکرین اسلام یا اسلام کے مدعیان گمراہ فرقے نیکیوں کے بل بوتے پر کامیابیوں سے ہمکنار ہو جاتے ہیں تو وہ اسی اصول کے مطابق ہے نہ کہ وہ ان کی حقانیت کی دلیل۔ فافہم۔ اویسی غفرلہٗ

نے تمہیں بیت اللہ شریف کی زیارت سے روکا تھا تم بھی انہیں بیت اللہ سے روک دو تاکہ تم اپنے دل کی بھڑاس نکالو وَتَعَاوَنُوا اور تم ایک دوسرے کی مدد کرو عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى نیکی اور پرہیزگاری پر، یعنی درگزر اور چشم پوشی اور ایک دوسرے کے معاملات سے مددگاری اور خواہشاتِ نفسانی سے دُوری وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ اور نہ ہی گناہوں اور تجاوز عن الحد میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور ظلم کی بھڑاس نکالنے اور بدلہ لینے کی غرض پر گناہ اور ظلم کرنے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

مسئلہ : تجاوز عن الحد پر ایک دوسرے کی مدد کرنا گناہ ہے۔ ہاں جب کوئی کسی دوسرے پر تجاوز کرتا دیکھے تو مظلوم کی مدد کرنا چاہیے۔

مسئلہ : نیکی اور تقوٰی پر ایک دوسرے سے تعاون کرنا واجب ہے۔

قاعدہ : تعاونوا در اصل تتعاونوا تھا، تخفیفاً ایک تاء کو حذف کر دیا گیا۔

سوال : نہی کو امر سے کیوں مؤخر کیا گیا ہے حالانکہ فطرت کا تقاضا ہے کہ پہلے شئے کو خرابیوں سے پاک و صاف کیا جائے پھر اسے عمل میں لایا جائے۔ نہی میں پہلے صفائی کی جاتی ہے پھر امر سے اس پر عمل کا حکم ہوتا ہے اور یہاں پر معاملہ برعکس ہے۔

جواب : مقصود بالذات تعمیل حکم ہے اور وہ امر میں نمایاں ہے اس لیے مقدم کیا گیا۔ علاوہ ازیں نہی مذکور سے یہی مقصود ہے کہ گناہ اور تجاوز عن الحد پر تعاون نہ کرو، اور یہی تعاون علی البرّ والتقوٰی ہے اس لیے پہلے نہی کر کے تعاون علی البر والتقوٰی کا اجمالی علم ہوا پھر امر سے اس کی تصریح کی گئی۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بِرّ اور اِثم کی تفسیر کے لیے عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا :

> بِرّ خلق حسن کو کہا جاتا ہے، اور اِثم یہ ہے کہ دل گواہی دے کہ واقعی یہ برا عمل ہے اور لوگوں کے ہاں اُس عمل کے اظہار کا بھی جی نہ چاہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور جمیع امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، منجملہ ان کے یہی ہے کہ اس کے جمیع اوامر و نواہی مذکورہ کی مخالفت نہ کی جائے۔

ف : اس آیت سے تقوٰی کا وجوب دلیل بُرہانی کے طریق سے ثابت ہُوا اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ جو اس سے نہیں ڈرتا وہ اسے سخت عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ شعائر اللہ دراصل اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا نام ہے۔ یہی شریعت کے علامات اور نشانات نیز آدابِ طریقت کے مراسم ہیں۔ ایسے ہی اربابِ حقیقت نے اشارہ فرمایا ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک ہر کی حقیقت اللہ تعالیٰ تک جانے کا نام ہے ایسے ہی وہ کہتے ہیں حقیقی تقویٰ خروج عن ماسوی اللہ ہے اور وصول الی اللہ ان دونوں باتوں کے بغیر محال ہے اور وہ ہیں صرف دو قدم، لیکن انہیں طے کرنا شیخ کامل کی نگاہ[1] کے بغیر ناممکن ہے اور شیخ بھی نہ صرف کامل بلکہ وہ کامل گر ہو اور خود بھی واصل ہو اور دوسروں کو واصل باللہ بنا سکتا ہو اس لیے کہ اس راہ کا حقیقی رہبر ایسا ہونا لازمی ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بکوئے عشق منہ بے دلیل راہ قدم
کہ من بخویش نمودم صد اہتمام و نشد

ترجمہ: عشق کے کوچہ میں رہبر کے بغیر قدم نہ رکھو کہ میں نے تنہا اس کا بہت اہتمام کیا لیکن کام نہ بنا۔

اور فرمایا: ؎

شبان وادئ ایمن گہی رسد بمراد
کہ چند سال بجان خدمت شعیب کند

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام جیسا بھی وادئ ایمن میں اس وقت پہنچ سکتا ہے جب کئی سال شعیب علیہ السلام (رہبر) کی خدمت میں گزارے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے معظماتِ مکان یا زمان یا حضرتِ انسان کی تعظیم بجا لانا واجب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مہینوں اور دنوں اور وقتوں کے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے جیسے بعض انبیاء علیہم السلام اور بعض اُمتوں کو بعض پر فضیلت عنایت فرمائی ہے۔

نکتہ: بعض کو بعض پر فضیلت بخشنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ قلوب ان کی عزت و احترام میں شوق

---

[1] ڈاکٹر محمد اقبال رحمہ اللہ نے اس نظریہ کو یوں پیش کیا ہے: ؎

اگر کوئی شعیب آئے میسّر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

پیدا کریں کہ عبادت کر کے ان کے حصول میں جدوجہد کریں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ان فضائل کے لیے رغبت پیدا ہو۔

؛ مکانات کو فضیلت بخشنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دل سے انہیں معظم سمجھ کر وہاں ٹھہرنے کے لیے عادت پیدا کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو نیک اور بعض کو بد بنایا۔ لیکن یاد رہے کہ سعادت و شقاوت کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔

مسئلہ ؛ مخلوق من حیث المخلوق یعنی یاں معنی کہ اشیاء اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں سب حسن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کافر کے کفر کو دیکھ کر اسے حقیر نہ کہا جائے، اس لیے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے البتہ اللہ واسطے ہو کہ اس کے کفر سے نفرت و کراہت کی جائے۔

سبق ؛ اہلِ سلوک پر لازم ہے کہ توحید کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کو اچھی نظر سے دیکھے۔ کسی پر حقارت کی نگاہ نہ ڈالے اور نہ ہی کسی سے بغض رکھے اور نہ ہی کسی سے حسد کرے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

دلم جائے مہر یار است و بس
ازاں می نگنجد درو کین کس

ترجمہ ؛ میرا دل دوست کی محبت کی جگہ ہے اور بس اسی لیے اس میں کسی کا کینہ نہیں سما سکتا۔

روحانی نسخہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا:
کسی سے دشمنی کرنے سے دل اللہ تعالیٰ سے مشغول رہنے سے محروم ہو جاتا ہے۔
یعنی اس سے وہ امور منقطع ہو جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ملانے والے ہوتے ہیں اس لیے کہ دل میں دو شغل بیک وقت جمع نہیں ہو سکتے۔ یعنی ایک تو کسی کی عداوت کا شغل دوسرا یاد الٰہی کا شغل ؎

(۱) ہر کہ پیشہ کند عداوتِ خلق — از ہمہ چیز ہا جدا گردد
(۲) کہ دلش خستہ عنا باشد — کہ تنش بستۂ بلا گردد

ترجمہ (۱): جس کا خلقِ خدا سے عداوت کا طریقہ ہو وہ تمام چیزوں سے جدا ہو جائیگا۔
(۲) اسی لیے کہ اس کا دل دکھ درد میں زخم رہے گا اور اس کا جسم بلاؤں میں مبتلا رہے گا۔

سبق ؛ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمیع مکارمِ اخلاق اور تمام نیک اعمال سے

(باقی بر صفحہ ۹۲)

موصوف تھے اس لیے آپ کے عاشق پر لازم ہے کہ وہ آپ کی سیرت کو اپنائے اور آپ کی سیرت کو اپنانے اور آپ کی اقتداء میں جد و جہد کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی مدح و ثناء فرمائی، اور ہر نبی علیہ السلام کی علیحدہ علیحدہ نیک سیرت بیان فرمائی تو پھر اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

فبھداھم اقتدہ۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ

تم پر حرام ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا

اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ

گیا اور جو گلا گھونٹنے سے مرے اور بے دھار کی چیز سے مارا ہوا اور جو گر کر مرا اور جسے کسی جانور نے سینگ مارا

اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ

اور جسے کوئی درندہ کھا گیا مگر جنہیں تم ذبح کرلو اور جو کسی تھان پر ذبح کیا گیا اور پانسے ڈال کر بانٹا کرنا یہ گناہ کا

فِسْقٌ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ

کام ہے آج تمہارے دین کی طرف سے کافروں کی آس ٹوٹ گئی تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے اسلام

دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

کو دین پسند کیا تو جو بھوک پیاس کی شدت میں ناچار ہو یوں کہ گناہ کی طرف نہ جھکے تو بیشک اللہ بخشنے

رَّحِيْمٌ ۝ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ

والا مہربان ہے اے محبوب تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال ہوا تم فرمادو کہ حلال کی گئیں تمہارے لیے پاک

مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ

چیزیں اور جو شکاری جانور تم نے سدھا لیے انہیں شکار پر دوڑاتے جو علم تمہیں خدا نے دیا اس سے انہیں سکھاتے تو کھاؤ اس میں سے جو وہ مار کر تمہارے

عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

لیے رہنے دیں اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ کو حساب کرتے دیر نہیں لگتی

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ

آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال ہوئیں اور کتابیوں کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال اور پارسا

حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

عورتیں مسلمان اور پارسا عورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب

مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ

ملی جب تم انہیں ان کے مہر دو قید میں لاتے ہوئے نہ مستی نکالتے اور نہ

اَخْدَانٍ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ

آشنا بناتے اور جو مسلمان سے کافر ہو اس کا کیا دھرا سب اکارت گیا اور وہ آخرت میں

الْخٰسِرِيْنَ ۝
زیاں کار رہے

تفسیر عالمانہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ تمہارے اوپر مردار حرام ہیں، یعنی مردار کا کھانا حرام ہے۔

سوال: تم نے کھانے کا اضافہ کیوں کیا ہے؟

جواب: تحریم و تحلیل دونوں افعال سے متعلق ہیں نہ کہ اعیان سے، اس لیے۔

ف: المیتۃ ہر وہ حیوان جس کی روح ذبح کے بغیر نکل جائے۔

وَالدَّمُ اور خون بھی تمہارے لیے حرام ہے اور خون بھی وہ جو کہ جانور کو ذبح کرتے وقت بہہ نکلے، جیسے رگوں کا خون وغیرہ نہ کہ جگر اور تلی کا۔ اہلِ جاہلیت کی عادت تھی کہ خون کو آنتوں میں محفوظ کر لیتے تھے پھر انہیں بھون کر کھاتے اور کہتے جو جانور ذبح کر لیا جائے تو اس سے نکلا ہوا خون حرام نہیں ہوتا وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ اور خنزیر کا گوشت۔ خنزیر حرام بعینہ ہے نہ یہ کہ جب مردار ہو جائے اسے اگرچہ ذبح بھی کیا جائے تب بھی اس کا گوشت حرام ہے۔

سوال: صرف خنزیر کی تخصیص کیوں، حالانکہ کتا وغیرہ بھی تو حرام ہیں، اسی طرح دیگر درندے وغیرہ۔

جواب: (۱) بہت سے کفار خنزیر کے گوشت کے بڑے خوگر تھے انہی کی وجہ سے اسے خصوصی طور پر بیان کیا گیا ہے۔

(۲) دوسرے حرام جانوروں کو جب ذبح کیا جائے تو ان کا گوشت پاک ہو جاتا ہے اگرچہ ان کا کھانا حرام ہوتا ہے لیکن پاک ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ایسا گوشت پانی میں گر جائے تو پانی پلید نہ ہوگا بخلاف خنزیر کے گوشت کے کہ وہ نجس العین ہے۔

مسئلہ: تنویر میں ہے کہ نجس العین ہے۔

نکتہ: اطباء فرماتے ہیں کہ ہر غذا کھانے والے کے جوہر کا جزو بن جاتا ہے، پھر اس غذا کے مطابق کھانے والے کے اندر انہی خصائل و صفات کا پیدا ہو جانا لازمی امر ہے۔

خنزیر اور اس کی عادات (۱) حریص
(۲) شہوانی اشیاء کی بہت رغبت رکھتا ہے۔

انہی وجوہ کے پیشِ نظر انسان پر لازم ہے کہ اس کے کھانے سے پرہیز کرے تاکہ اس کی عادات

خصائل اس میں پیدا ہوجاتیں۔

(۴) خنزیر میں سب سے بری عادت بے غیرتی بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سوّر اپنی سورنی پر دوسرے سوّر کو چڑھا ہوا دیکھتا ہے تو بے غیرتی سے اسے کچھ نہیں کہتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے کھانے سے بے غیرتی پیدا ہوتی ہے۔

وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ اور وہ جانور کہ جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے جیسا کہ کفار رکھتے تھے باسم اللات والعزٰی۔

مسئلہ: فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم ملایا، مثلاً کہے بسم اللہ و محمد (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) تو وہ مذبوحہ جانور حرام ہو جائیگا۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا:

لعن اللہ من لعن والدیہ ولعن اللہ من ذبح لغیر اللہ۔ — اللہ تعالیٰ ہر اس شخص پر لعنت کرتا ہے جو اپنے ماں باپ پر لعنت کرتا ہے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے۔

مسئلہ: امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کا یہ مطلب ہے کہ جانور کو بُت یا حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کے لیے ذبح کیا جائے۔

مسئلہ: شیخ ماوردی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ہر وہ جانور جو بادشاہ کی آمد کی خوشی پر ذبح کیا جائے کہ بادشاہ کا قرب حاصل ہو، تو اہلِ بخارا نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اس لیے کہ یہ بھی ما اھل لغیر اللہ بہ میں شامل ہے۔ لیکن رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مذبوحہ حرام نہیں اس لیے کہ وہ لوگ جانوروں کو بادشاہ کی آمد کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے بچے کی پیدائش کی خوشی میں عقیقہ کا جانور ذبح کیا جاتا ہے اور یہ حرام نہیں۔ جب یہ حرام نہیں تو بادشاہ کے قدوم میں ذبح کیا ہوا جانور کیوں حرام ہو۔ کذا فی مشارق الانوار لابن الملک۔

وَالْمُنْخَنِقَةُ اور وہ جانور جسے گلا گھونٹ کر مارا جائے۔

حلِ لغات: کسی کا گلا دبا کر اس کا سانس بند کر دینے کو الخنق کہا جاتا ہے۔

مسئلہ: جب اس حالت میں کوئی حلال جانور مر جائے تو اس کا گوشت کھانا بھی حرام ہے، گلا گھونٹنا کسی انسان سے ہو یا کسی اور سبب سے۔ مثلاً کسی جانور کا گلا اتفاقاً کسی چیز میں پھنس جائے اور وہ اس حالت میں مر جائے۔

ف : اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ بکریوں کا گلا گھونٹ کر مار دیتے پھر اُن کا گوشت کھا جاتے۔
نکتہ : چونکہ گلا گھونٹا ہُوا جانور مردار کی ایک قسم ہے اس لیے کہ جس طرح مردار کی رُوح نکل جانے کے بعد خون نہیں بہتا اسی طرح اس کا خون بھی نہیں بہتا، یہ اسی لیے حرام ہے کہ شرعی ذبح کرنے کے بغیر مر گئی ہے۔

وَالْمَوْقُوْذَةُ اور وہ جانور جس کی جان لکڑی یا پتھر مار کر نکالی جائے۔

حل لغات : اہلِ عرب کہتے ہیں : وقذته اذا ضربته میں نے اسے مارا۔

ف : حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ جانوروں کو لکڑی یا پتھر سے مار کر جان نکال لیتے تھے پھر اُن کا گوشت کھاتے تھے۔ چونکہ یہ بھی المنخنقة کی قسم سے ہے اس لیے کہ جیسے مرنے کے بعد اس کا خون نہیں بہتا ایسے ہی اس کا بھی۔

وَالْمُتَرَدِّيَةُ اور وہ جانور جو کہ بلند جگہ سے نیچے گرا کر مارا جائے تو وہ ذبح سے پہلے مر جائے۔

حلِ لغات : تردی بمعنے گرنا۔ الردی سے ماخوذ ہے یعنی ہلاک شدن۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم سے فرمایا کہ جب تم پہاڑ پر کھڑے ہو کر شکار کو تیر مارو اور وہ وہاں سے پانی میں گر جائے تو اسے مت کھانا اس لیے کہ تمہیں کیا معلوم کہ وہ تیرا تیر لگنے سے مرا ہے یا پانی سے۔

قاعدہ : یہی حدیث شریف کا ضابطہ کلیہ ہے ان مسائل کے لیے جن کے متعلق فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جہاں حظر و اباحت جمع ہوں تو وہاں حظر کو ترجیح دی جائے گی۔

حدیث شریف : اس بناء پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

الحلال بين والحرام بين و بينهما امور مشتبهة فدع ما يريبك الى ما لا يريبك ألا ان لكل ملك حمى وان حمى الله محارمه فمن رتع حول الحمى يوشك ان يقع فيه۔

حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی، لیکن ان کے مابین چند مشتبہات ہیں اس لیے شکوک کو چھوڑ کر اُن امور کو لے لو جن میں شبہات نہ ہوں، بیشک ہر بادشاہ کی حفاظت گاہیں ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کی حفاظت گاہیں اس کے محارم ہیں۔ پس جو شخص اللہ کی حفاظت گاہوں کے گرد پھرتا ہے قریب ہے کہ وہ ان میں

واقع ہو جائے۔ (یعنی مشتبہات سے بچنا چاہیے)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ — سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم حلال کے نو حصّوں کو بھی ترک کر دیتے تھے اس خطرہ سے کہ حرام کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں۔

وَالنَّطِيحَةُ اور وہ جانور بھی حرام ہیں جنہیں کسی دوسرے جانور نے سینگ مار کر مار ڈالا ہو۔ النطح سے ہے جس کا معنیٰ سرزدن یعنی سینگ مارنا۔

• ان چاروں صیغوں میں تاء صفت سے منقول ہو کر اسمیت میں استعمال ہوتی ہے۔

• جہاں یہ تاء واقع ہو گی وہ صیغہ مذکر و مؤنث دونوں کے لیے واقع ہو گی۔

• بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان چاروں صیغوں میں تاء تانیث کی ہے اور موصوف محذوف کے لیے واقع ہوتی ہیں، اس سے مراد شاۃ ہے، در اصل عبارت یوں ہو گی حرمت علیکم الشاۃ المنخنقۃ والموقوذۃ الخ۔

سوال: صرف شاۃ مراد لینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب: چونکہ ان میں شاۃ (بکری) کا کھانا بکثرت تھا اس لیے اُس کا ذکر اس کثرت کی بنا پر ہو گا باقی جانور اس میں شامل ہوں گے اور یہ قاعدہ عام ہے کہ کثیر الوقوع کا ذکر کر کے اُس کی تمام اجناس مراد لی جاتی ہیں۔

وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ اور وہ جانور کہ جسے درندے پکڑ کر کھائیں۔

• ایسے جانوروں کو بھی اہلِ جاہلیت کھا جاتے تھے۔ السبع ہر اس جانور کو کہتے ہیں جو داڑھ رکھتا ہو، اور انسان اور عام جانوروں پر حملہ کر کے دبوچ لے، جیسے شیر اور بھیڑیا وغیرہ۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ جو شکار درندے ماریں اس کا کھانا حرام ہے۔

إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ہاں جنہیں تم ذبح کر لو وہ تمہارے لیے حلال ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تمہارے ذبح کرنے سے پہلے ان میں روح باقی ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ تمہارے ذبح کے وقت اس میں حرکت و اضطراب پایا جائے۔

مسئلہ: جسے درندہ مار ڈالے اور اس کی روح نکلنے سے پہلے تم اسے ذبح نہیں کر سکے تو وہ مردار کے حکم میں ہے یعنی حرام۔

مسئلہ: دوسرے جانور کے سینگ سے مر جانے والے جانور کو روح نکلنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے تو

وہ حلال ہے۔

مسئلہ: ہر وہ پرندہ جسے شکاری نے ہوا پر اڑتے ہوئے کو تیر سے مار گرایا ہے اگر وہ تیر لگنے سے سیدھا زمین پر گرا تو وہ حلال ہے اس لیے اس کا اس طرح سے زمین کا گرنا اس کا اپنا فعل ہے۔ اگر تیر لگنے سے وہ کسی درخت یا پہاڑ وغیرہ سے ٹکر کھا کر نیچے زمین پہ گرا ہے تو وہ حرام ہے اس لیے کہ یہ متردیہ اوپر سے نیچے گر کر مرنے والوں کے حکم میں ہے۔ ہاں اگر شکاری کو یقین ہے کہ اس کا تیر اُس کے چھرے پھرنے والے مقام پر لگا ہے تو وہ پرندہ حلال ہے، جیسے بھی گرا ہے یعنی خواہ وُہ زمین پر سیدھا گرا ہے یا درخت یا پہاڑ سے ٹکرا کر، اس لیے کہ شکاری کا تیر ذبح کرنے کے مقام پر لگ کر اسے چھُرا پھیرنے کا کام کر گیا ہے۔

ف: شریعت میں حلقوم و مُری کے کٹ جانے کا نام ذبح ہے اور مُری ایک رگ کا نام ہے جو حلقوم کے بالکل متصل ہوتی ہے یعنی وہ مقام جہاں سے طعام اور پانی گزر کر پیٹ میں پہنچتا ہے۔

مسئلہ: ذبح کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جانور کا حلقوم اور مُری کٹ جائیں، اور بہتر و اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ حلقوم و مُری کے ساتھ دو جان بھی کٹ جائیں۔ یہ اس جانور کے لیے ہے جسے اختیاراً ذبح کیا جائے اور اضطراراً جہاں بھی چھُرا وغیرہ سے کاٹ دیں۔

مسئلہ: لوہے کی ہر دھاری دار شئَ (آلہ) یا شیشے والی شئَ یا پتھر یا اس طرح کی اور اشیائ سے ذبح کیا جا سکتا ہے۔

قاعدہ: جمہور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر وہ شے جو رگوں کو کاٹ کر خون بہا سکے اس سے ذبح کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: ناخن، دانت، ہڈی سے ذبح ناجائز ہے۔

مسئلہ: ان اشیاء کو دھاری دار بنایا جائے تو ان سے ذبح جائز ہے۔

ف: ناخن و دانت و ہڈی وغیرہ اگر دھاری دار نہیں تو ان سے ذبح کیا ہوا المنخنقۃ یعنی گلا گھونٹ کر مارے جانے والے جانور کے حکم میں ہوگا، ہاں دھاری دار ہوں تو تمام فقہاء ایسے ذبح کو حلال کہتے ہیں۔

مسئلہ: ذبح سے پہلے زندہ جانور سے جو گوشت کاٹ لیا جائے وہ حرام ہے اور وہ مردار کے حکم میں ہے۔

مسئلہ: ذکوٰۃ کا اطلاق مکمل طور پر ذبح پر کیا جاتا ہے کہ اس کا کھانا حلال ہے وہ حرام نہیں کہلا سکتا اس لیے کہ دراصل ذکوٰۃ اتمام الشئ کو کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذکاء اُس پُر فہم کے لیے بولا جاتا ہے جو تام العقل ہو۔

حدیث شریف میں ہے:
الذکاۃ ما بین اللبۃ واللحیین۔ ذکوٰۃ لبہ و لحیین کے مابین ہوتا ہے۔

مسئلہ: وہ باسی گوشت جو دار الحرب سے دار السلام میں لایا جائے اس کا کھانا حرام ہے اس لیے کہ وہاں کا فر لوگ اکثر بھینس وغیرہ کو کلہاڑی وغیرہ سے مار کر اس کا گوشت کھاتے ہیں۔ اس طرح سے ذبح شرعی واقع نہ ہوا لہٰذا ایسا گوشت کھانا حرام ہے۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ اور وہ جانور جسے تھان پر ذبح کیا جائے۔ نصب، انصاب کا واحد ہے وہ پتھر تھے جو کعبہ کے ارد گرد پڑے تھے جن پر کفار بتوں کے لیے ذبح کرتے تھے اور اسی کو وہ قربت الٰہی سمجھتے تھے۔

فائدہ: حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ النصب سے اوثان (بت) مراد لینا غلطی ہے اس لیے کہ اس کا عطف وما اھل لغیر اللّٰہ بہ پر ہے، اور اس کا مطلب ہے بتوں پر جانور ذبح کرنا اور معطوف و معطوف علیہ میں مغایرت ضروری ہے۔

فائدہ: حضرت ابن جریج فرماتے ہیں کہ بت پتھر کی منقش مورتیاں تھیں اور النصب صرف چند ایک پتھر تھے جنہیں کفار کعبہ معظمہ کے ارد گرد جمع رکھتے تھے اور مذبوحہ جانوروں کے خون سے انہیں لت پت کرتے اور کچھ گوشت بھی اس پر رکھ چھوڑتے تھے۔

شانِ نزول صحابہ کرام رضی اللّٰہ عنہم نے حضور سرور عالم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم! اہلِ جاہلیت تو کعبہ معظمہ کی یونہی عزت و احترام کرتے تھے ہمیں بھی اجازت بخشئے تاکہ ہم بھی ان کی طرح کعبہ شریف کا احترام کریں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے متعلق کچھ نہ فرمایا اللّٰہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ آیت نازل فرمائی: لن ینال اللّٰہ لحومہا ولا دماؤھا الخ۔

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ اور یہ کہ تم تیروں سے اپنی قسمت آزمائی کرتے ہو۔ آپ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) نے اس فعل کو بھی حرام فرمایا ہے۔

شانِ نزول ۲ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ جب کسی کام کا ارادہ کرتے تو اس کے کرنے یا نہ کرنے کے لیے تین تیر لاتے، ایک پر لکھتے امرنی ربی (میرے اللّٰہ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے)، دوسرے پر یہ لکھتے نہانی ربی (میرے رب نے مجھے اس کام سے روکا ہے) تیسرے کو خالی رکھتے۔ اگر پہلا تیر نکلتا تو کام کے لیے چلے جاتے، اگر دوسرا نکلتا تو اس کام سے رک جاتے۔ اگر تیسرا

نکلتا تو پھر دوبارہ قسمت آزمائی کرتے۔ اور قسمت آزمائی بھی اسی کام میں کرتے جو کام قسمت آزمائی کے قابل ہوتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں: بتوں پر مذبوحہ جانوروں کی تقسیم تیروں کے ذریعے کرنا۔ اس کی تفصیل یسئلونک عن الخمر والمیسر (سورۃ بقرہ) میں گزر چکی ہے۔

ذٰلِکُمْ یہ اشارہ تیروں کے ساتھ قسمت آزمائی کی طرف ہے۔ **فِسْقٌ** فسق یعنی اللہ تعالیٰ سے سرکشی کرنا اور حد سے متجاوز ہونا اور علم غیب اور گمراہی میں داخل ہونا ہے، یہ اعتقاد رکھ کر کہ یہی طریقہ موصل الی اللہ ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشی کہ اس کام کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم نہیں دیا۔ علاوہ ازیں اس میں شرک اور جہالت کے مرتکب ہوتے تھے اگر ربی سے کوئی بت مراد ہو۔

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ نجومیوں کے قول پر عمل کرنا فسق ہے جبکہ وہ کہتے ہیں کہ تیرا ستارہ بولتا ہے یہ کام کر یا یہ کام نہ کر۔

مسئلہ: اس لیے کہ اس میں بھی غیر کے لیے علم غیب ماننا پڑتا ہے اور (بالذات) اللہ تعالیٰ کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا۔ (کذا فی تفسیر الحدادی)

مسئلہ: غیب کی باتیں کسی غیر سے پوچھنا۔ یعنی یہ طریقہ نامشروع کسی سے خیر و شر کا پتا کرنا، جیسے نجومیوں اور کاہنوں سے پوچھا جاتا ہے شرعاً ممنوع ہے۔

مسئلہ: بطریق مشروع جیسے کہ قرآن یا نماز پڑھ کر استخارہ کے طور غیبی باتیں حاصل کرنا یا بذریعہ دعا یا بطریق نظر غیبی امور معلوم کرنا جائز ہے اس لیے کہ یہ تمام طریقے شرعاً جائز ہیں۔

مسئلہ: کسی ذریعہ سے قسمت آزمائی کرنا مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ تیروں کے ذریعے جائز ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

العیافۃ والطرق والطیرۃ من الجبت۔

فال پکڑنا جادو منتر کرنے والے سے کنکریاں کے پھینکنے کی درخواست کرنا بدفال بت پرستی سے ہیں۔

ف: الطرق عربی میں جادو منتر کرنے والے سے کنکریوں کے پھینکنے کی درخواست کو کہتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

من تکھن او استقسم او تطیر طیرۃ تردہ من سفرہ لم ینظر الی الدرجات

جو شخص کہانت کرتا ہے یا تیروں سے قسمت آزمائی کے درپے ہوتا ہے یا بری

الفضل من الجنۃ یوم القیامۃ۔ فال لینے کا پابند ہو کر سفر سے لوٹتا ہے وہ قیامت میں بہشت کے بلند درجات سے محروم ہوگا۔

اَلْیَوْمَ یہ الف ولام عہد کا ہے اس سے وقت حاضر اور وہ زمانہ جو ماضی قریب میں اور مستقبل میں اس کے متصل ہے مراد ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

کنت بالامس شابا والیوم قد صرت الیوم شیخا۔ کل تو میں نوجوان تھا آج میں بوڑھا بھی ہو گیا ہوں۔

اس سے تمہاری مراد نہ تو کل گذشتہ سے ہے اور نہ ہی آج کا دن بلکہ اس سے مطلقاً گذشتہ اور موجودہ زندگی کے لمحات ہیں۔

شانِ نزول بعض کہتے ہیں کہ اس سے وہ وقت مراد ہے جبکہ آیت ہٰذا نازل ہوئی، اور وہ حجۃ الوداع نویں ذوالحجہ جمعہ کا دن بعد نماز عصر کا وقت تھا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عضبا۔ اونٹنی پر سوار تھے، جب یہ آیت اُتری تو اس کے بوجھ سے اونٹنی کے اعضاء ٹوٹنے پر آگئے یہاں تک کہ اونٹنی نیچے بیٹھ گئی۔

ف : الیوم سے جو کچھ مراد ہو بہرحال ظرفیت کی وجہ سے منصوب علی الظرفیۃ ہے۔

یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ وہ کفار تمہارے دین سے آج کے دن ناامید ہوگئے اس لیے کہ تم نے آج کے دن کو جھٹلایا، اور ان سے بالکلیہ دُور ہوگئے اور نہ ہی ان حرام کردہ اشیاء کو اب حلال کہو گے، یا یہ معنیٰ ہے کہ اب وہ کفار تمہارے اوپر کسی طریق سے بھی غلبہ نہیں پا سکتے، جبکہ انہیں یقین ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دین کو تمام ادیان پر غالب فرمائے گا، اور اس نے جو وعدہ فرمایا تھا اب اس نے پورا کر دیا۔ آنے والے جملہ کی وجہ سے یہی معنیٰ یہاں پر زیادہ مناسب ہے **فَلَا تَخْشَوْهُمْ** پس ان سے گھبراؤ نہیں اس خیال پر کہ وہ تمہارے اوپر کچھ غلبہ پا سکیں گے **وَاخْشَوْنِ** خالص و مخلص ہو کر مجھ سے ڈرو **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ** آج سے میں نے تمہارے دین کو مدد دے کر اور تمام ادیان پر غالب کر کے مکمل کر دیا۔ یا مکمل کرنے کا یہ مطلب ہے کہ میں نے تمہارے عقاید کے اصول و ضوابط واضح طور پر بیان کیے ہیں اور تمہارے شرعی مسائل کے اصول اور اجتہاد کے قوانین پر تمہیں پورے طور پر واقف کر دیا ہے **وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ** اور میں نے

تمہارے لیے ہدایت و توفیق یا دین اور شرعی اصول کی تکمیل یا فتح مکہ اور اس میں امن والے اور غلبہ پا کر داخل ہونے سے یا جاہلیت کے گندے رسوم اور ان کے مناسک کے غلط طریقے مٹا کر تمہارے دین کو کامیاب کیا ہے، اور یہ بھی ہے کہ تمہارے دین کی تکمیل کی علامت یہ ہے کہ اب مکہ معظمہ میں کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا اور نہ ہی وہ ننگا ہو کر کعبہ معظمہ کا طواف کر سکے گا **وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا** اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا کہ تمام ادیان سے صرف اسلام کو منتخب فرمایا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہے۔

ف: دیناً، الاسلام سے حال ہے اور یہ بھی ہے کہ رضیت بمعنے صیرت ہے۔ اس بنا پر دیناً اس کا مفعول ثانی ہے۔

حدیث شریف: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اس دین کو اپنے لیے پسند فرمایا ہے اور اس کے لیے صرف سخاوت اور حسن خلق کی صلاحیت رکھتے ہیں جب تک تم اس دین میں داخل رہو انہیں دو صفات سے عزت و احترام کرو۔

مکالمۂ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بہ یہودی

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ سے ایک یہودی نے عرض کی کہ اے امیر المومنین! تمہارے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے اگر وہ ہمارے اوپر نازل ہوتی تو ہم اس کے یوم نزول کو عید مناتے۔ آپ نے فرمایا، وہ کون سی آیت ہے؟ اس نے عرض کی الیوم اکملت لکم الخ آپ نے فرمایا ہمیں معلوم ہے کہ کون سے دن اور کس مقدس مقام پر حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ اس وقت نازل ہوئی جبکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نویں ذوالحجہ کو جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اور وہ موقعہ بھی حجۃ الوداع کا تھا۔

ف: اس پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا کہ یہ ایام ہمارے لیے بھی عید سے کم نہیں۔

عید میلاد النبی کہنے کا ثبوت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تقریر سے ثابت ہوا کہ اس دن پانچ عیدوں کا اجتماع ہوا:

(۱) یوم جمعہ
(۲) یوم عرفہ

(۳) عید یہود
(۴) عید نصاریٰ
(۵) عید مجوس

یہ خصوصیت ہے کہ اہل ادیان میں سوائے اہل اسلام کے نہ پہلے کسی کو نصیب ہوئی اور نہ بعد میں کسی کو نصیب ہو سکتی ہے۔

فاروق اعظم کی نکتہ سنجی مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت فاروق اعظم رو پڑے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ آپکا رونا کس لیے ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ! ہر شے کا قاعدہ ہے کہ جب وہ مکمل ہوتی ہے تو اس کے بعد بڑھنا ناممکن ہو جاتا ہے بلکہ اس کے کم ہونے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: صدقت (اے عمر! آپ نے سچ کہا)۔

گویا یہ آیت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی خبر لائی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اس آیت کے نزول کے بعد آپ صرف اکاسی یوم زندہ رہے۔

آپ کا وصال پیر کے دن، دن ڈھلے ربیع الاول شریف ۱۱ھ کو ہوا۔ بعض روایات میں ۱۲ ربیع الاول شریف کو وصال ہونا مروی ہے، اور آپ نے ہجرت بھی ۱۲ ربیع الاول شریف کو فرمائی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

(۱)	جہاں اے برادر نماند بکس	دل درجہاں آفریں بند و بس
(۲)	جہاں اے پسر ملک جاوید نیست	ز دنیا وفاداری امید نیست
(۳)	منہ دل بریں سال خوردہ مکان	کہ گنبد نپاید بر وگردگان

ترجمہ: (۱) اے برادر! یہ جہان کسی کا ساتھ نہ دے گا جہان کے خالق کے ساتھ دلبستگی کر۔

(۲) اے عزیز! اس جہان کو دوام حاصل نہیں، دنیا سے وفا کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔
(۳) اس پرانے مکان کے ساتھ جی نہ لگا کیونکہ گنبد پر ڈھیلا نہیں ٹھہر سکتا۔

فَمَنِ اضْطُرَّ **ربط:** اس کا تعلق محرمات مذکورہ سے ہے اُن کے مابین جو مذکور رہوا وہ جملہ معترضہ ہے اور ان میں بھی یہی فرمایا گیا کہ ان امور سے بھی احتراز ضروری ہے اس لیے کہ ان امور

کا ارتکاب بھی فسق ہے اور اُن کی تحریم بھی دین کامل میں شامل ہے اور ان سے بچنا نعمت تام اور پسندیدہ اسلام ہے۔ پس جو شخص ان محرمات مذکورہ کو مجبور ہو کر کھاتا ہے فِي مَخْمَصَةٍ ایسی بھوک میں کہ اگر نہ کھائے تو مرجائے گا یا کم از کم موت کے قریب پہنچ جائیگا غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ یہ جواب محذوف کے فاعل سے حال ہے یعنی محرماتِ مذکورہ میں سے کسی حرام کو اس وقت کھا سکتا ہے جبکہ اس کا اس حرام کی طرف جھکاؤ اور میلان نہیں۔ مثلاً لذت کے طور یا رخصت کی حد سے متجاوز ہو کر یا کسی دوسرے مجبور محض سے چھین کر۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

غیر باغ ولا عاد (نہ باغی ہو کر اور نہ ہی حد سے بڑھ کر)

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ پس بیشک اللہ غفور رحیم ہے کہ ایسی حالت میں کھانے پر مواخذہ نہیں فرمائیگا، یہ جواب مقدر کی علت ہے۔

حدیث شریف: کسی شخص نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم ایسی جگہ پر رہتے ہیں کہ ہمیں کبھی کبھی قحط گھیر لیتا ہے تو کیا پھر ہم مردار کھا سکتے ہیں، اور کتنی مقدار؟ آپ نے فرمایا:

ما لم تصطبحوا او تغتبقوا او تجتفئوا بها بقلا فشانکم بها۔

بے شک شکار نہ ملے یا دوسرا کوئی سبب حاصل نہ ہو یا ساگ پات نہ پا سکو تو اپنے حال کے تم مختار ہو یعنی بقدرِ ضرورت کھا سکتے ہو۔

مسئلہ: جو بھوک سے مر رہا ہو اور وہ مردار نہ کھائے یا روزہ رکھے اور اس حالت میں بھوکا مرے اور کچھ نہ کھائے تو گنہ گار رہوگا، اس لیے کہ یقین نہیں کہ اس دوا سے ضروری شفا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے اس حرام شئے کے علاج کے بغیر تندرستی نصیب ہو۔

تفسیر صوفیانہ بظاہر اِن آیات میں اہلِ دنیا اور طالبانِ آخرت کو خطاب ہے اور باطناً اہل اللہ اور خاص لوگوں کو عتاب ہے۔ مثلاً فرمایا کہ اے حق والو! یہ دنیا سب کی سب تمہارے لیے حرام ہے۔ مثنوی شریف میں ہے، ؎

در جہاں مردہ شان آرام نیست | کیں علف جز لائق انعام نیست
ہر کرا گلشن بود بزم و وطن | کے خورد او بادہ اندر کو لحن

ترجمہ: جہان میں کسی کو بھی آرام نہیں یہ گھاس صرف جانوروں کے لائق نہیں۔ جسے گلشن و بزم و وطن حاصل ہے وہ میخانہ میں شراب کیوں پیئے۔

اور دم اور خنزیر سے مراد یہ ہے کہ حلال و حرام اور اس کا قلیل و کثیر سب تمہارے لیے حرام ہے۔ یہ اس لیے کہ دم میں سے بعض حلال ہے اور خنزیر سب کا سب حرام ہے اور خون بہ نسبت گوشت کے قلیل اور گوشت اس کی بہ نسبت کثیر ہے وما اھل لغیر اللہ بہ سے طاعت و عبادت اور قراءت و تدریس و تدریس اور روایت جو غیر اللہ کے لیے ادا کی جائیں والمنخنقۃ والموقوذۃ یعنی وہ لوگ جو اپنے نفوس کا مجاہدات سے گلا گھونٹتے ہیں اور انہیں قسم قسم کی ریاضتوں میں ڈال کر انہیں جمیع مرادوں سے روکتے ہیں اور جمیع مخالفات اوامر و نواہی پر زجر و توبیخ کرتے ہیں لیکن سب کچھ ریا اور شہرت کی بنا پر۔ یہ بھی حرام ہے والمتردیۃ والنطیحۃ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے پچھلوں کے اخلاق اور ساتھیوں کی آوارہ گفتگو اور دوستوں کے سامنے اپنے زہد اور علم کے فخر و ناز سے اپنے نفوس کو اعلیٰ علیین سے گرا کر اسفل السافلین میں پہنچاتے ہیں وما اکل السبع الا ما ذکیتم اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جن اشیاء میں قوت کی تمہیں ضرورت ہے اس میں بھی احتراز ضروری ہے کہ درندوں کی خوراک سے تم بچ کے رہو، یعنی ان ظالمین کی کمائی سے جو دنیا کے جیفہ (مردار) پر کتوں کی طرح جھپٹ پڑتے ہیں اور غلط طریقوں اور طمع نفسانی کے ذریعہ اسے حاصل کرتے ہیں تم ان سے دور رہو۔ ہاں وہ تمہارے لیے جائز ہے جو تم کسبِ حلال اور جائز طریقوں سے بقدرِ ضرورت حاصل کرتے ہو وما ذبح علی النصب اس میں اشارہ ہے کہ مطالبِ دنیا و آخرت سے قسم قسم کی جدوجہد سے نفس کو بچایا جائے وان تستقسموا بالازلام ذلکم فسق یعنی تم طلبِ حرام میں نہ جھکو اور نہ ہی اُن کی طرف میلان رکھو اور نہ ہی حصول مقصود میں جد و جہد کرو اور نہ ہی ان امور کے حاصل کرنے میں اپنی زندگی برباد کرو۔ جب تم ان جملہ امور سے بچ جاؤ گے اور ایسی غلط کاریوں سے محفوظ ہو جاؤ گے تو تم خالص اللہ تعالیٰ کے ہو جاؤ گے بلکہ فانی اللہ اور باقی باللہ کا مرتبہ حاصل کر لو گے۔ اس طرح سے انانیت کی قید اور انسانیت کی جیل سے چھوٹ جاؤ گے اور جذباتِ ربانیہ سے نوازے۔ پھر تمہاری شان یہ ہوگی کہ تمہاری راتیں روشن ہوں گی اور تاریکیاں انوار سے بدل جائیں گی الیوم یئس الذین کفروا یہاں پر کفار سے نفس اور اس کے صفات اور دنیا اور اُس کی شہوات مراد ہیں کہ یہ اشیاء تمہارے دین سے ناامید ہو جائیں گی۔ اب انھیں یقین ہو جائے گا کہ تمہیں ان کی طرف معمولی توجہ بھی نہیں رہی اور نہ ہی تمہاری نماز کا قبلہ یہی امور رہے ہیں فلا تخشوھم اب تم ان سے ڈرو اس لیے کہ تم ان کی مکاریوں سے نجات پا چکے ہو واخشونِ اور مجھ سے ڈرو اس لیے کہ میری گرفت سخت اور میرا غضب شدید اور میرا محاسبہ مضبوط ہے۔ الیوم سے ازل مراد ہے اکملت

لکم یعنی میں نے ازل سے ہے تمہارے لیے تکمیلِ دین مقرر فرمائی اور یہ صرف تمہارے نصیب ہیں کہ میں نے باقی تمام ادیان سے تمہیں ممتاز فرمایا ہے اور میں نے ازل سے تمہارے کمال کو واضح فرمایا، یعنی ظاہر میں تمہارے دین کو تمام ادیان پر غلبہ ہے اس کی تشریح آئے گی ان شاء اللہ تعالےٰ

ورضیت لکم الاسلام دینا اور میں نے تمہارے لیے دین پسند فرمایا ہے کہ جسے تم ایسا مکمل پاؤ گے کہ کوئی تمہارے اس دین کے خلاف کرے گا تو وہ ہرگز قابل قبول نہ ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ ایسے راستے پر چلا جائے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وجود مجازی سے بالکل نکل جایا جائے۔ موجودات میں اس نعمت سے صرف انسان کو مخصوص کیا گیا۔ اور پھر ایسا راستہ تمام اُمتوں میں صرف اسی اُمتِ مصطفویہ کو نصیب ہوا ہے۔ یہ وہی دین ہے جس پہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام پیغمبران عظام چلتے رہے۔ لیکن اُن کا قُربِ الٰہی کے لیے ایک مخصوص طریقہ ہوتا ہے لیکن بطریقِ کمال صرف راستہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہُوا وہ یہی ہے کہ وجود مجازی سے نکل کر وجود حقیقی کو حاصل کرنا لیکن باوجود اینہمہ اُن کے طریقوں کے لیے بھی حضور علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فبھدٰھم اقتدہ، اس لیے حضور علیہ السلام انہی کے راستے پر چلتے رہے لیکن آپ کو وہ کمال صرف عنایت ازلیہ سے نصیب ہوا اس لیے کہ آپ کو مقامِ محبوبیت حاصل تھی اور اس محبوب ترین مرتبہ کی وجہ سے جذباتِ ربوبیت نے آپ کو شبِ اسراء میں وجودِ مجازی سے نکالا جبکہ آپ شبِ اسریٰ تمام انبیاء علیہم السلام کو طے کرتے ہُوئے دنیٰ فتدلیٰ کے قُربِ کمال تک پہنچے۔ یہی خصوصی راز ہے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا اور اسی قرب کی وجہ سے آپ حقیقی وجود کی سعادت سے نوازے گئے فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ کے اسرار مخفی آپ پر ظاہر ہوئے، اسی شب درحقیقت الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا میں فرمایا کہ تمہارا دین تمام ادیان پر غلبہ پا جائیگا اور کمالیتِ دین کا راز فرائض و احکام کے نزول میں مخفی ہے۔ اس راز کی تکمیل کا اعلان الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا میں فرمایا۔ ہماری مذکورہ بالا تقریر کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے:

حدیث شریف سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی مثال اس مرد کی ہے کہ جس نے بہترین مکان بنایا اور پھر اسے سنگارا اور خوب سجایا لیکن اس میں ایک کنارے ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اُس مکان کو دیکھ کر تعجب کریں اور کہیں کہ مکان تو بہتر ہے مگر اس کی اینٹ والی جگہ اگر پُر ہوتی تو یہ مکان مکمل ہوتا"۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: وُہ اینٹ میں ہوں"۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے کہ

جیسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

ف : اس سے ثابت ہُوا کہ دین انبیاء علیہم السلام سے مکمل ہوا۔ لیکن اس کی حقیقی تکمیل حضور علیہ السلام سے ہُوئی کہ آپ ہی وجودِ مجازی سے نکل کر وجودِ حقیقی کو پہنچے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام وجودِ مجازی سے بالکلیہ نہ نکل سکے۔ اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قیامت میں تمام انبیاء علیہم السلام نفسی نفسی پکاریں گے اس لیے کہ اُن میں مجازی وجود کا بقایا موجود ہوگا اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اُمتی اُمتی پکاریں گے اس لیے کہ آپ وجودِ مجازی کو بالکل فنا کر چکے ہوں گے۔

امتِ محمدیہ کے فضائل حضور علیہ السلام کی اُمت کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ انہیں حضور علیہ السلام کی برکت سے دین کا کمال نصیب ہوا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا و اتممت علیکم نعمتی۔ یعنی تحصیل کمالات کے اسباب ہیں اور اس کا سب سے بڑا سبب حضور علیہ السلام کی تشریف آوری ہے و رضیت لکم الاسلام دینا میں وجودِ مجازی کو حضور علیہ السلام کو سپرد کر دینے کی طرف اشارہ ہے آپ کے بعد آپ کے علماء کے سپرد کرنا چاہیے تاکہ وہ حضور علیہ السلام کی تابعداری کے اسباق سکھائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وجودِ مجازی میں محبی شان ہے اور وجودِ حقیقی محبوبی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ (فرمایئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو تو میری تابعداری کرو تو اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے و یغفر لکم ذنوبکم یعنی تمہارے وجودِ حقیقی کی وجہ سے تمہارے وجودِ مجازی کے گناہ بخش دے گا اور فمن اضطر فی مخمصۃ میں اشارہ ہے کہ جو شخص دنیا اور آخرت کے امور میں کسی اَمر کی طرف متوجہ ہو کر ان کے لیے سخت سے سخت تر مجبور ہو جائے لیکن اُس کا مجبور ہونا تربیت کی وجہ سے ہو غیر متجانف لاثم لیکن اس کا اعراض حق کی طرف میلان اور جھکاؤ نہ ہو بلکہ جیسے پیچھے لوگوں کو ایک قسم کی سُستی اور غفلت طاری ہوتی ہے کی وجہ سے ہو اور اس وقفہ کی وجہ سے جو عموماً سالکینِ راہ کو حاصل ہوتی ہے پھر وہ التجا الی الحق سے اس کا تدارک کر لیتے ہیں اور مشائخ کی ارواح سے بچ جاتے ہیں کہ بزرگوں کی مدد پہنچ کر اس غلطی سے انہیں محفوظ کر لیتی یا وہ خود اس غلط کاری پر استغفار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے کہ جن غلطیوں میں مبتلا ہوئے تو وہ انہیں معاف کر دیتا ہے اور رحیم ہے کہ انہیں صراطِ مستقیم پر چلا دیتا ہے کہ انہیں اقامتِ دین کے اعمال کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَآ اُحِلَّ لَھُمْ اس آیت میں ما استفہامیہ ہے اور بمعنے الذی، اب معنیٰ یوں ہُوا کہ انہیں کس نے محرمات کو حلال کر دیا ہے۔

سوال : یسئلون کو مفرد مفعول چاہئے اور یہاں جملہ واقع ہوا ہے۔
جواب : یہاں سؤال القول کے معنی کو متضمن ہے اور قول کا مفعول جملہ واقع ہوتا ہے۔ جسے مقولہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ فرمایئے تمہارے طیبات حلال ہیں۔ طیب ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس سے طبائع کو فطرۃً نفرت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا : و یحل لہم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث۔ دراصل طیّب لغت میں لذیذ اور طبیعت کی چاہت کی شیَ کو کہا جاتا ہے۔ یہاں پر طیبات سے بھی مراد وہی اشیاء ہیں جو لذیذ اور خواہش طبعی کے مطابق ہو۔

سوال : یہ تعریف تو لذیذ اشیاء کے علاوہ غلیظ چیزوں پر بھی صادق آتی ہے اس لیے کہ بہت سے لوگ گندی چیزوں کو بھی لذیذ اور خوشِ طبعی کے موافق سمجھ کر کھاتے ہیں۔
جواب : یہاں اُن لوگوں کی خواہش طبعی مراد ہے جو اہلِ مروّت اور اخلاقِ جمیلہ سے آراستہ ہیں نہ کہ عام اور غلیظ طبیعت والے۔ (کذا قال الامام فی تفسیرہ)

وَمَا عَلَّمْتُمْ اس کا عطف طیبٰت پر ہے لیکن مضاف محذوف کر کے اور اس کا ما موصولہ ہے اور اس کا عائد بھی محذوف ہے۔ اصل عبارت صید ما علمتموہ ہے، یعنی تمہارے وہ شکار بھی حلال ہیں جنہیں تم شکار کی تعلیم دے چکے ہو مِّنَ الْجَوَارِحِ یہ اسم موصول سے حال ہے اور جارحۃ کی جمع ہے بمعنے کاسبہ یعنی وہ جو کہ شکار کرنا جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا :

ویعلم ما جرحتم بالنہار۔

اور انسان کے لیے اس لفظ کا اطلاق بمعنے ان اعضائے کے ہوتا ہے کہ جن سے وہ کام کرتا ہے، ممکن ہے کہ یہ الجرح سے ہو بمعنی تفریق الاتصال یعنی شے کو چیرنا پھاڑنا۔ اور چونکہ الجوارح (اعضاء) سے اشیاء (شکار وغیرہ) کو چیرا پھاڑا جاتا ہے اس لیے اس نام سے موسوم ہوا۔ آیت میں جوارح سے وہ شکاری جانور مراد ہیں جو شکار کر کے مالک کے لیے چھوڑ دیں، جیسے تیندوا، چیتا، کتا۔ اسی طرح پرندے، درندے، جیسے شکرہ، باز، عقاب، گدھ، باشہ، شاہین وغیرہ۔ یعنی ہر وہ جانور (پرندے، درندے) جو شکار کی تعلیم رکھتا ہو۔ اس لیے کہ اُن کا کیا ہوا شکار حلال ہوتا ہے۔

مُكَلِّبِيْنَ جبکہ تم انہیں شکار کی تعلیم دے کر شکار کرو۔ المکلب بمعنے مؤدب الجوارح یعنی جانوروں درندوں پرندوں کو شکار کی تعلیم دینے والا۔ یہ سب کلب سے ماخوذ ہے صرف اس کی تخصیص اس لیے ہے

تعلیم کی اہلیت وصلاحیت رکھتا ہے اور اسے قبول بھی کرتا ہے اور اس کا منصوب ہونا علمتم کے فاعل سے حاصل ہونے کی وجہ سے ہے۔

سوال، مکلبین بمعنے معلمین ہو گیا جبکہ اسے علمتم سے حال بنایا گیا ہے پھر اب اس کے ذکر کا فائدہ جبکہ معنی علمتم سے حاصل ہوا۔

جواب، مبالغہ فی التعلیم مطلوب ہے اس لیے کہ مکلب کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو شکار کے سکھانے کی پوری مہارت رکھتا ہو۔ گویا اس لفظ مکلبین سے تصریح کی گئی کہ ان درندوں پرندوں کا شکار تمہارے لیے اس وقت جائز ہے جبکہ تمہیں اُن کے سکھانے کی پوری مہارت ہو اور اس معاملہ میں بہت بڑے حاذق بھی جاتے ہو اور اس فن میں تم مشہور زمان ہو تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ انہیں تم شکار اور تعلیم کے طریقے اور آداب سکھا چکے ہو جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم دیا ہے اسی لیے یہ علم بھی الہامی ہوتا ہے اگرچہ اس میں عقل کو بھی دخل ہے۔ لیکن وہ بھی جب تک الہامی نہ ہو کیسے اشعور کو شعور دیا جا سکتا ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ان سے تجربہ کر لو کہ وہ شکار کو پکڑ کر مالک کا انتظار کرے اور یہ بھی ہو کہ جب اسے روکا جائے تو رک جائے اور جب بلایا جائے تو دوڑا بھاگ کر لوٹ آئے اور شکار کرے تو اس سے کچھ نہ کھائے، بلکہ مالک کے لیے چھوڑے رکھے۔

ف، کشاف کا مصنف لکھتا ہے کہ مما علمکم اللہ میں تنبیہ ہے کہ علم ہر ایسے کامل الفن سے حاصل کرے جو اس فن کی پوری مہارت رکھتا ہو اور اس کے جمیع حقائق و دقائق پر حاوی ہو بلکہ اس فن کی جمیع گہرائیوں کا کامل غواص ہو اگرچہ اس کے حصول کے لیے دُور دراز کی مسافت طے کرنی پڑے۔

حدیث شریف : چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اطلبوا العلم ولو بالصین۔ علم حاصل کرو اگرچہ چین تک جانا پڑے۔

ورنہ بہت سے لوگ اپنی زندگی برباد کر دیتے ہیں۔ لیکن ان غریبوں کے ساتھ بھی کچھ نہیں آتا اور پھر اپنے ہمجولیوں کو ترقی یافتہ پاکر افسوس سے ہاتھ ملتا ہے فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ پس تم کھاؤ وہ جو تمہارے لیے بچا کر چھوڑیں۔ یہاں مِن تبعیضیہ ہے اس لیے کہ شکار کی تمام چیزیں نہیں کھائی جاتیں مثلاً چمڑہ، ہڈیاں اور بال وغیرہ۔ اس میں ما موصولہ ہے۔ اس کا عائد محذوف ہے اور علیٰ امسکن سے متعلق ہے یعنی تم شکار کا بعض حصہ کھاؤ اور وہی ہے جسے شکاری جانور اور پرندے درندے نے نہیں کھایا اور وہ جو انہوں نے کھا لیا ہے وُہ ان کا ہے۔

مسئلہ : یہی اکثر فقہاء کا مذہب ہے لیکن ان میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں فرماتے

ہیں کہ پرندہ شکاری کا بچا ہُوا تو کھانا جائز ہے لیکن درندہ شکاری جیسے کُتا ہے اس کا بچا ہوا کھانا ناجائز ہے بخلاف شکاری پرندوں کے۔ مثلاً چونکہ بازی وغیرہ کے کرانہیں شکار کی تعلیم میں نہ کھانے کی بات نہیں ہوتی اس لیے کہ ان کا بچا ہُوا کھانا جائز ہے۔

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ اس میں ضمیر ما علمتم کی طرف لوٹتی ہے یعنی شکار کو چھوڑتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہہ لیا کرو۔ یا یہ ضمیر مما امسکن کی طرف لوٹتی ہے جیسے جب وہ شکاری جانور یا پرندے تمہارے لیے شکار پکڑلیں تو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو۔

حدیث شریف حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور! ہم ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں کتابی لوگ بستے ہیں کیا ہم اُن کے برتنوں میں کھا سکتے ہیں۔ اور پھر ہم ایسے جنگلوں میں رہتے ہیں جہاں شکار بکثرت کیا جاتا ہے۔ اگر میں اپنی کمان سے شکار کروں یا ایسے کتے کے ذریعے شکار پکڑوں جسے شکار کی تعلیم نہیں دی گئی اور بعض دفعہ ایسے کتوں سے بھی شکار کیا جاتا ہے جو سیکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیا ہم ایسے شکار سے کچھ کھا سکتے ہیں، کیا کیونکر۔ آپ نے فرمایا اہل کتاب کے برتنوں کی اگر ضرورت نہ ہو تو ان میں نہ کھاؤ، جبکہ تمہیں اور برتن مل جاتے ہوں۔ اگر اور برتن نہ ملیں تو انہیں دھوکر ان میں کھا سکتے ہو، اور تیر کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر پھینکو تو تیر سے مارا ہوا شکار کھا سکتے ہو۔ اور جس کتے کو تعلیم نہیں دی گئی اگر اس کا مارا ہُوا شکار بچ گیا ہے تو اسے ذبح کرکے کھاؤ اور اگر سدھایا ہُوا کتا شکار مارلے تو اگر اس کی روانگی پر بسم اللہ اللہ اکبر کہا ہے تو بھی وہ شکار کھا لو۔

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے دن دو سُرمگیں آنکھ اور سینگ والے چتکبرے دُنبے کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر اپنے ہاتھ مبارک سے ذبح فرماتے (کما فی تفسیر البغوی)

مسئلہ: مستحب یہی ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر کو واؤ کے بغیر کے اس لیے کہ واؤ بسم اللہ شریف کے نُور کے لیے حائل ہوجاتی ہے (کذا فی شرح مختصر الوقایہ)۔

مسئلہ: جانور کو ذبح کے وقت قبلہ رُخ نہ لِٹانا مکروہ ہے لیکن وہ مذبوحہ حلال ہے۔ (کذا فی الذخیرہ)

مسئلہ: عمداً بسم اللہ شریف ترک کرنے سے جانور حرام ہوجاتا ہے اس لیے کہ وہ بسم اللہ کے عمداً ترک کرنے سے مردار ہوگیا۔

مسئلہ: بھُول کر بسم اللہ چھُوٹ جائے تو وُہ مذبوحہ جانور حلال ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور تمام محرمات سے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ
بیشک اللہ تعالیٰ کا حساب جلد تر آنے والا ہے یا اس کا حساب جلد ختم ہوگا جبکہ وہ حساب لینے کے لیے شروع ہوگا تو اس کا حساب لینا مختصر سے وقت میں ختم ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ تمہارے ہر چھوٹے بڑے کا حساب تھوڑے سے وقت میں ختم ہو جائیگا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ شکار کھیلنا مباح ہے۔

مسئلہ: اشباہ میں ہے کہ شکار کھیلنا اس وقت مباح ہے جبکہ لہو و لعب یا پیشہ کے طور پر نہ ہو (کذا فی البزازیہ)

مسئلہ: شکار کو پیشہ بنانا حرام ہے جیسے مچھلی کے شکار کو لوگ اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے والد ماجد خراسان کے بادشاہ تھے ایک دن شکار کو نکلے تو میں نے اپنا گھوڑا خرگوش کے پیچھے لگا دیا۔ ہاتفِ غیبی نے مجھے آواز دی کہ اے ابراہیم! کیا ہم نے تمہیں اس کام کے لیے پیدا فرمایا یا اس کا ہم نے حکم دیا ہے۔ اس سے میں گھبرا گیا اور خرگوش کو بھاگتا ہوا چھوڑ دیا۔ لیکن پھر دوبارہ مجھے شکار کا خیال آیا تو پھر خرگوش کے پیچھے ہو لیا پھر ہاتف کی آواز میرے گھوڑے کی زین کی کوچ سے آئی کہ بخدا نہ تو اس لیے پیدا ہوا اور نہ ہی مامور من اللہ ہے۔ یہ آواز سُن کر میں گھوڑے سے اُترا اور اپنے والد کے نوکر کا لباس لے کر جُبّہ درویشانہ پہن کر کعبہ معظمہ کو روانہ ہوا۔

حدیث شریف اِس آیت کے نزول کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ سدھائے ہوئے کتوں سے شکار کرو اور جنہیں تم نے شکار کے آداب نہیں سکھلائے اُن سے بچو۔

اسی طرح فرمایا:

باؤلے اور ضرر رساں کتوں کو مار ڈالو اور جو ضرر نہیں پہنچاتے اور نہ ایذا دیتے ہیں انھیں اپنے سے دُور بھگاؤ۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نگرانی کرنے والے اور شکاری اور کھیتی کے محافظ کے سوا کسی آوارہ اور بیکار کُتّے کو اپنے پاس رکھتا ہے تو اس کے اعمال نامے سے ہر روز ایک قیراط کم کر دیا جاتا ہے۔

نکتہ: اس لیے کہ ایسے کُتّے مہمانوں کو ستاتے اور سائلین کا راستہ روکتے ہیں (کذا فی تفسیر الحدادی)

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تدخل الملئکۃ بیتا فیہ صورۃ ولا کلب ولا جنب۔	اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے جس گھر میں تصویر اور (آوارہ) کتا اور جنبی انسان ہو۔

ف: یہاں ملائکۃ سے رحمت اور استغفار کے فرشتے مراد ہیں اس لیے کہ یہی حضرات رحمتؐ برکت کو گھروں میں لاتے اور ذکر کرنے والے لوگوں کی زیارت اور ان کے ذکر سننے کے لیے حاضر ہوتے ہیں اس سے کراماً کاتبین مراد نہیں اس لیے کہ وہ تو آنکھ جھپکنے کی دیر بھی انسان سے جُدا نہیں ہوتے۔

ف: تصویر سے جاندار کی تصویر مراد ہے اس لیے کہ اسے بُت سے مشابہت ہے، علاوہ ازیں بعض تصاویر کی پرستش بھی ہوتی ہے۔

مسئلہ صوفیانہ: جو شے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا موجب بنے وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کے نزدیک مبغوض ترین شیٔ ہے۔

ف: کُتّے سے نفرت اس کی نجاست کی وجہ سے ہے اسے پاخانہ سے مشابہت دی جاتی ہے۔

مسئلہ: بعض روایات میں ولاجنبا بھی وارد ہوا ہے اس لیے جنبی کو مناسب ہے کہ وہ جنبی ہونے کے بعد وضو کر کے سوئے۔

مسئلہ: ترغیب وترہیب میں ہے کہ جنبی اگر وضو کرلے تو اسے کھانا پینا اور نیند کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: یہ وعید اس جنبی کو ہے جو بلا عذر سو جاتا ہے۔ اگر کوئی شرعی عذر ہو تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: یہ عذر بھی صرف غسل نہ کرنے کے لیے ہے کہ عذر کی وجہ سے غسل دیر سے کرتا ہے ورنہ وضو کے بغیر نہ کھائے نہ پیئے نہ سوئے۔

مسئلہ: اور وعید مذکور ہر اس شخص کے لیے ہے جو بوجہ سُستی اور غفلت کے یا عادت بنا دے۔

مسئلہ: شرعۃ الاسلام اور اس کی شرح میں حضرت سید علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جماع کے بعد تھوڑی سی نیند کرنا جسمانی لحاظ سے موزوں تر ہے لیکن اس میں بھی سنّت یہ ہے کہ وضو کر کے سوئے۔ اسی طرح جو شخص کھانے پینے یا جماع کا دوبارہ ارادہ کرتا ہے تو بھی وضو کرے۔

ف: بعض مالکیہ فرماتے ہیں کہ احادیث میں جو جماع کے بعد وضو کا حکم ہے اس سے وضو شرعی مراد نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جماع کے بعد ذکر وغیرہ اور دونوں ہاتھوں کو خوب صاف سُتھرا کر لیا جائے۔

تفسیر صُوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ آپ سے اصحابِ سلوک اور طالبانِ راہِ خدا آپ سے سوال کرتے ہیں کہ دنیا و آخرت کی کون سی اشیاء ہمارے لیے حلال ہیں اور کونسی

حرام۔ جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدنیا حرام علی اھل الاٰخرۃ والاٰخرۃ حرام علی اھل الدنیا وھما حرامان علی اھل اللہ تعالیٰ۔

دنیا اہلِ آخرت کے لیے اور آخرت اہلِ دنیا کے لیے حرام ہے لیکن اہل اللہ کے لیے دونوں حرام ہیں۔

آپ انہیں فرمایئے کہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں۔ یعنی ہر وہ امور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں روڑا نہیں اٹکاتے وہ سب تمہارے لیے حلال وطیب ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ صرف پاک اور طیب کو قبول فرماتا ہے۔ کھانا پینا پہننا بولنا سمجھنا، غرضیکہ وہ کام جسے تم حظِ نفسانی سے طلب کرکے اسے وجود کے اسی سے ملوث کر دیتے ہو تو وہ سب کا سب حرام اور خبیث ہے اور خبیث اشیاء خبیثوں کیلئے ہوتی ہیں۔ ہاں جن چیزوں کو تمام حق کے ساتھ حقوق کی ادائیگی طلب کرتے ہو جس میں شہود کی نسیم کو دخل ہے تو وہ حلال وطیب ہے اور ایسی پاک چیزیں پاکبازوں کو نصیب ہوتی ہیں ان اللہ سریع الحساب میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کا جلد حساب لے گا، ابھی فراغت پائیں گے تو انہیں جزا عطا فرمائیگا اور اس جزا کو القربۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور رفع الدرجۃ وجذبۃ العنایۃ اس کے ماسوا ہیں اور برائی کی سزا کا یہ مطلب ہے کہ بندے کو بُعد اور نہایت ہی نچلے درجے میں پہنچایا جاتا ہے، جیسے پھر دائمی رسوائی۔ کسی نے کیا خوب فرمایا: ع

ہر کہ کند بخود کند در ہمہ نیک و بد کند

ترجمہ: جو کچھ کر رہا ہے اپنے لیے ہی کر رہا ہے نیکی ہے تو اپنے لیے، برائی ہے تو بھی۔

حضرت صائب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

چرا ز غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب
ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتنم

ترجمہ: میں دوسروں کی کیا شکایت کروں میں حباب کی طرح خواہشِ نفسانی کی مار سے خانہ خراب ہوں۔

تفسیر عالمانہ اَلْیَوْمَ اس سے زمانہ حاضر مراد ہے اس کے ساتھ وہ ماضی اور مستقبل کے وہ زمانے جو اس سے متصل ہیں یا اس سے یومِ نزول مراد ہے۔

اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ آج سے تمہارے لیے پاک طیب اشیاء حلال ہیں۔ الطیبٰت سے وہ اشیاء مراد ہیں جن سے پاک طبائع نفرت وکراہت نہ کریں اور پاک طبائع سے اہلِ مروّت اور

اخلاقِ حمیدہ سے مزین حضرات مراد ہیں، یا وہ امور جن کی حُرمت پر نہ شارع کی نص دلالت اور نہ مجتہد کا قیاس وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اور اہل کتاب کا طعام ۔ اہلِ کتاب سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور اُن کے طعام سے اُن کے ذبائح وغیرہ مراد ہیں حِلٌّ لَّكُمْ تمہارے لیے حلال ہیں۔

مسئلہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اہلِ کتاب جو عرب میں رہتے ہیں اُن کے ذبائح کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی عام تابعین کا قول ہے اور یہی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کا مذہب ہے۔

مسئلہ: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک صابئین اہلِ کتاب کے حکم میں ہیں لیکن صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صابئی دو قسم ہیں:

(۱) زبور پڑھتے ہیں اور ملائکہ کی پرستش کرتے۔

(۲) کسی ایک کتاب کے قائل نہیں اور نجوم پرستی کرتے ہیں ۔ اس دوسری قسم کے لوگ اہل کتاب کے حکم میں نہیں ہیں۔

مسئلہ: مجوسیوں کے لیے یہ حکم ہے کہ جزیہ میں وہ اہلِ کتاب کے حکم میں ہیں لیکن نہ اُن کے ذبائح کھائے جائیں اور نہ ہی ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

مجوسیوں سے اہلِ کتاب جیسا برتاؤ کرو لیکن نہ اُن کی عورتوں سے نکاح کرو اور نہ ہی ان کے ذبائح کھاؤ۔

مسئلہ: اگر یہودی و نصرانی بسم اللہ اللہ اکبر کی بجائے غیر اللہ کا نام لے۔ مثلاً نصرانی ذبح کرتے وقت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیتے ہیں تو اکثر اہلِ علم فرماتے ہیں کہ وہ مذبوحہ حلال ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبائح کو ہمارے لیے حلال فرمایا ہے۔

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ اور تمہارے طعام اُن کے لیے حلال ہیں۔ تمہارے لیے کوئی حرج نہیں کہ تم انہیں کچھ کھلاؤ یا ان کے ہاں کوئی بیچیں۔ اگر ہماری اشیاء ان کے لیے حرام ہوتیں تو نہ اُن کے لیے ہمارا طعام حلال ہوتا اور نہ ہی ہماری بیع و شرا۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ اور غیر شادی شدہ مومن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں ۔ یہ مبتدا اور اس کی خبر محذوف ہے جبکہ اُس کا ماقبل اس پر دلالت کرتا ہے یعنی حل لکم محذوف ہے یہاں سے آزاد اور پاکدامن عورتیں مراد ہیں، اُن کے ذکر کی تخصیص صرف اس لیے ہے کہ وہی نکاح وغیرہ میں اصل ہیں ورنہ لونڈیوں کی نفی

[مذ]ہب نہیں اس لیے مسلمان لونڈیوں سے بھی بالاتفاق نکاح جائز ہے۔

[م]سئلہ: اہلِ کتاب لونڈیوں کا حکم مسلم عورتوں جیسا ہے یہی مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ [کا] ہے۔ (خلافاً للشافعی)

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور اہل کتاب کی پاکدامن [عورت]یں تمہارے لیے حلال نہیں اگرچہ [تمہ]اری ہوں۔

[م]سئلہ: تفسیر مدارک میں ہے کہ علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس آیت کے ظاہر سے [مفہ]وم ہوتا ہے کہ لونڈی کتابیہ کا اہلِ اسلام سے نکاح ناجائز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ باذن اھلھن [نکاح] جائز ہے۔ چنانچہ ان کے ذبائح کی حلت سے ثابت ہوتا ہے۔

[سو]ال: جبکہ مُحصنٰت کی غیر سے نکاح کی اباحت ہے تو پھر ان کی تخصیص کیوں؟

[جو]اب: آیت سے منت واحسان جتلانا مطلوب ہے اور یہ حرائر و محصنات نعمت و احسان کے [لحاظ] سے لونڈیوں سے افضل و اکمل ہیں۔

[م]سئلہ: تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسلم آزاد کا مسلم لونڈی سے نکاح جائز ہے اگرچہ آیت میں صرف [مح]صنات مومنات کا ذکر ہے۔

[م]سئلہ: افضل یہ ہے کہ لونڈیوں کے بجائے آزاد عورتوں سے نکاح کرے اگرچہ وہ اہل کتاب ہی ہوں [ب]لکہ آزاد عورتوں سے نکاح کی قدرت رکھتا ہو، اس لیے کہ لونڈیوں کی اولاد مملوک غیر رہے گی کیونکہ اولاد [آز]اد اور مملوک ہونے میں ماں کے حکم میں ہوتی ہے۔ پھر جب وہ اپنے لئے مملوک ہونا پسند نہیں کرتا تو اُسے [چاہی]ے کہ وہ اپنی اولاد کے لیے بھی مملوک ہونا پسند نہ کرے۔

اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ جبکہ تم اُن کی مہر ادا کرو۔

سوال: عورتوں کے نکاح کو مہر کی ادائیگی پر کیوں موقوف کیا گیا ہے حالانکہ اُن کا نکاح مہر پر موقوف [ہوت]ا نہیں، جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔

جواب: محض تاکید کے لیے ہے اور یہ بتانا مطلوب ہے کہ اس کی ادائیگی واجب ہے خواہ تاخیر سے [ادا] ہو، اگرچہ افضل و اولیٰ یہی ہے کہ مہر کی ادائیگی نکاح کے وقت ہو اور اذا ظرفیہ اور حالٌ محذوف سے [م]تعلق ہے۔

مُحْصِنِيْنَ یہ اٰتیتموھن کی ضمیرِ خطاب سے حال ہے یعنی تمہارا حال یہ ہو کہ تم اُن سے نکاح کر کے عفت حاصل کرو۔ اسی طرح **غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ** بھی اس ضمیر خطاب سے حال ہے، یعنی

اُن سے زنا کرنے والے نہ ہو وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ اور نہ ہی ان سے چوری چھپے دوستی گانٹھو۔ خدن پکے سچے دوست کو کہتے ہیں۔ اس کا مذکر و مونث دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔

ف : امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سفاح دو قسم کا ہوتا ہے ،

(۱) علی الاعلان زنا کرنا۔

(۲) چوری چھپے عورتوں سے دوستی گانٹھنا، یہ بھی ایک قسم کا زنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو حرام فرمایا ہے۔ ہاں عورتوں سے نکاح کرکے ہر قسم کا نفع اٹھانا جائز ہے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ اور وہ جو ایمان کا منکر ہے یعنی شرائع اسلام سے انکار کرتا ہے منجملہ اُن کے ایک یہ بھی ہے جس کے حلال و حرام کے احکام ابھی بیان کیے گئے ہیں۔ انکار کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ وہ ان احکام کو قبول نہ کرے **فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ** تو اس کے تمام اعمال اکارت جائیں گے۔ یعنی اس نے جو اس سے قبل نیک عمل کئے ہوں گے تمام ضائع جائیں گے **وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ** اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے ہوگا۔ ھُوَ مبتدا اور من الخٰسرین اس کی خبر ہے ، اور فی الاٰخرۃ کا وہی متعلق ہے جو من الخٰسرین کا ہے یعنی کائن یا ثابت وغیرہ۔

ف : امام حدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے اعمالِ صالحہ کا ثواب ضائع ہو جائے گا اور وہ ان لوگوں سے ہوگا جو حسرت کھانے والے ہوں گے اور انہیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا۔

مسئلہ : عورت کتابیہ اور شوہر مسلمان ہو تو قیامت میں ایک دوسرے کو نفع و نقصان نہیں دے سکیں گے۔ اسی طرح عورت مسلمان ہو اور شوہر کتابی ، یعنی اس کے دین کے اختلاف سے ایک دوسرے کے انجام پر اثر انداز نہ ہوگا۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ؎

برفتند و ہر کس درود آنچہ کشت
نماند بجز نام نیکو و زشت

ترجمہ : لوگ چلے گئے پھر جس نے جو بویا وہی کاٹا پس دنیا میں نام نیک رہا یا بُرا رہا۔

نکتہ : دُنیا کی قبیح ترین چیز کفر اور حسین ترین چیز اسلام ہے۔

حدیث شریف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ،

لما خلق اللہ جنۃ عدن خلق فیہا ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ثم قال لہا تکلمی فقالت قد افلح المؤمنون ثلاثا۔

جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن پیدا فرمائی تو اس میں ایسی نعمتیں رکھیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی فردِ بشر کے دل میں اس کا تصور آسکتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جنۃ عدن سے فرمایا کچھ سُنا، اس نے تین بار کہا، قد افلح المؤمنون۔

فرمانِ نوح علیہ السلام: حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام پر نزع طاری ہوئی تو آپ نے اپنے صاحبزادے سام کو بلا کر فرمایا کہ میں تمہیں دو باتوں کا حکم دیتا ہوں اور دو باتوں سے روکتا ہوں۔ ایک حکم یہ ہے کہ کلمۂ شہادت کو نہ چھوڑنا اس لیے کہ یہ ایسا کلمہ ہے کہ اس کی دہشت سے چودہ طبق کانپتے ہیں اور اس کے آگے کوئی شے حاجب نہیں ہوسکتی اگر چودہ طبق ترازو کے ایک پلڑے میں ہوں اور کلمۂ شہادت دوسرے پلڑے میں تو کلمۂ شہادت کا پلڑا بھاری ہوگا، اور میرا دوسرا حکم یہ ہے کہ سبحان اللہ والحمد للہ کا ہر وقت ورد رکھنا، اس لیے کہ یہ تمام ثوابوں کا جامع ہے۔ اور جن باتوں سے میں تمہیں روکتا ہوں اُن میں ایک شرک، دوسرا غیر اللہ پر اعتماد۔

مسئلہ: حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمام اہلِ اسلام کا اجماع ہے کہ کفار کو نہ کوئی عمل فائدہ دیتا ہے، نہ ہی انہیں کسی عمل کا ثواب ملے گا اور نہ ہی ان سے عذاب کی تخفیف ہو گی بلکہ بہ نسبت بعض کے بعض سخت تر عذاب میں مبتلا ہوں گے اُن کے غلط جرائم کی وجہ سے۔

مسئلہ: اگر وہ زندگی میں اسلام قبول کرلیں تو بعد اسلام جتنی نیکیاں کریں گے تمام قبول ہوں گی جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ جو فعل کفر کا موجب بنتا ہے اس کے ارتکاب سے تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

مسئلہ: مرتد پر حج کا اعادہ واجب ہے یعنی مرتد ہونے سے پہلے جو حج کیا تھا وہ ضائع ہو گیا۔

مسئلہ: ارتداد کے بعد اس کا نکاح ٹوٹ گیا اگر اس عورت سے وطی کرے گا تو زنا لکھا جائے گا۔

مسئلہ: اس حالت میں جو بچہ پیدا ہوگا اسے شرعاً ولد الزنا کہا جائے گا، اگرچہ ارتداد سے

رجوع کے بغیر لاکھوں بار کلمۂ شہادت پڑھے کچھ فائدہ نہیں جب تک اس کہے ہوئے کفریہ کلمہ سے سچے دل سے تائب نہ ہو اس لیے کہ پچھلی عادت کے طور پر کلمۂ شہادت پڑھتے رہنے سے ارتداد کا جرم اُٹھ نہیں جاتا۔

مسئلہ: جن امور کے کفر یا عدمِ کفر پر علماءِ کرام کا اختلاف ہے اگر کسی سے اس کا ارتکاب ہو جائے تو وہ احتیاطاً تجدیدِ نکاح کرے اور سچے دل سے تائب ہو اور جو کچھ کہا ہے اسے پھر دوبارہ نہ کہنے کا پورا عزم کرے۔

مسئلہ: احکام مذکورہ بالا میں مرد اور عورت برابر ہیں یہاں تک کہ اگر عورت سے کفریہ کلمہ منہ سے نکل جائے تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے۔

سبق: انہی وجوہ کے پیشِ نظر علماءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مرد پر لازم ہے کہ وہ نیک بخت پاکدامن پرہیزگار عورت سے نکاح کرے تاکہ اس سے ایسی غلطیوں کا ارتکاب نہ ہو۔

مسئلہ: حضرت الشیخ المشہور بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ولدالزنا کو کسی قسم کی اسلامی ولایت نہ دی جائے۔ اس کے بعد اپنے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اپنے ماں باپ کا پہلا لڑکا ہوں کہ اُن سے کوئی کفریہ کلمہ سرزد نہیں ہوا۔ ان کے وارث اکبر الشیخ بہ الهدائی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ بحمدہٖ تعالیٰ فقیر کی کیفیت بھی یہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ احل لکم میں اشارہ ہے کہ اے اربابِ حقیقت تمہارے لیے کمالیت دین میں جو ازل میں تمہارے لیے مقدر کیے گئے تھے اسی دن سے تمہارے لیے وہ تمام پاکیزہ اشیاء حلال کی گئیں جو سعادتِ دارین سے متعلق ہیں بلکہ تمہارے لیے وہ امور حلال کیے گئے ہیں جو عاداتِ الٰہیہ کے حصول کے اسباب ہیں اور وہ عاداتِ الٰہیہ و کیفیات سے منزّہ اور وہ جمیع نقائص و شبہات سے مبرا ہیں الذین اوتوا الکتٰب حقیقی طور پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں ان کے طعام حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم ولایت کے دودھ پلائے گئے ہو جیسے انہیں نبوت کا دودھ پلایا گیا۔ شریعت و حقیقت ولایت و نبوت کے دودھ کا سرچشمہ ہیں طعامکم حل لھم تمہارا طعام ان کے لیے حلال ہے، یعنی نبوت ولایت کے دودھ کا سرچشمہ ایک ہے اگرچہ ولایت و نبوت کے دو علیحدہ علیحدہ پستان ہیں۔ تم ہمارے کرم سے ولایت کے چشمہ سے دودھ پلائے گئے، اور انبیائے کرام علیہم السلام ہمارے الطاف سے نبوت کے سرچشمہ سے دودھ پلائے گئے۔ ہر ایک نبی و ولی نے اپنا اپنا حصول فیض کا حصول فیض کا سرچشمہ معلوم کر لیا اور حضور علیہ السلام کو ہر ایک کے سرچشمۂ فیض سے تعلق ہے پھر مقام محمودؐ کے خصوصی مرتبہ سے آپ کو محبوبی شان ملی ہے کہ آپ "ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی" کے مخصوص سرچشمہ سے فیض پاتے ہیں۔ آپ کا یہ وہ مرتبہ ہے کہ اس میں نہ کسی ملک مقرب کو حصہ ملا ہے نہ ہی کسی

نبی مرسل کو حل لکم المحصنات من المؤمنات سے حقائق قرآن کریم کے وہ پوشیدہ اسرار مراد ہیں کہ جن کے آگے ہزاروں پردے ہیں جہاں افہام علماء کو پہنچنا نصیب نہیں ہوتا والمحصنات من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم میں پہلی امتوں پر جو کتابیں نازل ہوئیں ان کے اسرار و رموز مراد ہیں جو کہ اسرار و رموز عوام سے مخفی رکھے گئے لیکن انہیں قرآن مجید میں درج کر دیا گیا اور وہ تم سے بھی مخفی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فلا تعلم نفس ما اخفی لهم - یعنی وہ رموز ایسے پوشیدہ ہیں کہ کسی کو معلوم نہیں اور اُن سے بھی کتب سابقہ کے اسرار و رموز مراد ہیں انہیں پورے طور سمجھو - ہم نے تمہاری خاطر یہ تحقیق لکھی ہے اذا اٰتیتموهن اجورهن سے مراد یہ ہے کہ وجود مجازی کو مٹانے کا مہر ادا کر کے ان کے اسرار و رموز حاصل کرو - محصنین سے مراد یہ ہے کہ وجود مجازی کو مٹانے میں خلوص کو مدنظر رکھو تاکہ وہ اسرار اپنے پردہ ہٹا کر مکمل کر سامنے آجائیں - لیکن یہ اس وقت ہوگا جب کسی شیخ کامل کی خصوصی توجہ ہو غیر مسٰفحین ان کے حصول میں خواہشِ نفسانی اور خلافِ شرع اور اپنی طبعی رائے کو دخل نہ ہو ولا متخذی اخدان یعنی اسرار و رموز کے حصول کے وقت وجود مجازی کو ایسے سلیقے سے مٹاؤ کہ اس میں دنیا و آخرت کی طرف معمولی طور پر بھی التفات نہ ہو تاکہ ذاتِ حق کے مرکز تجلیات کے پردے ہٹ جائیں اس لیے کہ سالک کا سرچشمہ بھی وہی ہے اور مقصود بالذات بھی وہی، ساقی بھی وہی ہے اور حریف بھی وہی - ومن یکفر بالایمان اور جو شخص ان معاملات و کمالات کو ٹھکراتا ہے تو اسے مشاہدۂ ذات کی سعادت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور اس کے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے - اسے اندھا اور اندھی تقلید کا خوگر بنا دیا جاتا ہے اور وہ آخرت میں بھی اُن لوگوں سے اٹھایا جائیگا جنہیں دنیا و آخرت میں مولیٰ کے دیدار سے محرومی نصیب ہوگی (کذا فی التاویلات النجمیہ) -

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ

اے ایمان والو! جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منہ دھوؤ

وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ

اور کہنیوں تک ہاتھ اور سروں کا مسح کرو اور گٹوں تک پاؤں دھوؤ

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ

اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو خوب ستھرے ہو لو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے

مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا

کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں سے صحبت کی اور ان صورتوں میں پانی نہ پایا تو پاک مٹی

طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ

سے تیمم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی رکھے

عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ

ہاں یہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب ستھرا کر دے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دے کہ کہیں

تَشْكُرُوْنَ ﴿۶﴾ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ

تم احسان مانو اور یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر اور وہ عہد جو اس نے تم سے لیا جب کہ

قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۷﴾ يٰۤاَيُّهَا

تم نے کہا ہم نے سنا اور مانا اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ دلوں کی بات جانتا ہے اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

ایمان والو اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دیتے اور تم کو کسی قوم کی عداوت

شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو انصاف کرو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

بیشک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ ایمان والے نیکوکاروں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے اور وہ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہی دوزخ

الْعَظِيمِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ
بدلہ ہے اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب ایک قوم نے چاہا کہ
يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَعَلَى اللَّهِ
تم پر دست درازی کریں تو اس نے ان کے ہاتھ تم پر سے روک دیئے اور اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝
کو اللہ ہی پر بھروسا چاہیے

تفسیر عالمانہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ اے ایمان والو جب تم نماز کی طرف اُٹھو۔ یہاں یا تو قیام کا حقیقی معنیٰ مراد ہے۔ اور وہ چونکہ نماز کا ایک رکن ہے اس لیے اسے یونہی تعبیر کیا گیا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب تم نماز کے قیام کا ارادہ کرو۔ اس لازم مسبّب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے۔

سوال: مضمون کو اتنا طویل کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب: اس لیے کہ نماز کی ادائیگی جزاء ہے اور وضوء شرط ہے اور جزاء شرط سے مؤخّر ہوتی ہے، یعنی نماز کی صحت کا دارومدار طہارت پر ہے۔

یا قیام سے نماز کی تیاری مطلوب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب تم نماز کی تیاری کا ارادہ کرو۔ یہاں پر ایک لازم بول کر دوسرا لازم مراد لیا گیا ہے، اس لیے کہ وضو قیامِ اوّل کے شرائط میں سے ہے نہ کہ قیامِ ثانی کے شرائط سے۔ یعنی وضوء نماز کے ہر رکن کے لیے شرط ہے منجملہ ان کے قیام بھی ہے اور نماز کی تیاری کے لیے وضو شرط نہیں اس لیے کہ ممکن ہے کہ اُس وقت نمازی کو وضوء ہو۔ اور یہ خطاب بھی صرف ان نمازیوں کو ہے جن کا وضو نہیں۔ جیسا کہ قرینۂ حال سے معلوم ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ نماز کی خاطر ہر اُٹھنے والے نمازی پر وضو واجب نہیں، اسے وضو ہو یا نہ ہو، جیسا کہ آیت کے ظاہر سے ثابت ہوتا ہے بلکہ صرف اس پر وضوء کا (وجوباً) حکم ہے جس کا وضوء نہیں۔

فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ پس اپنے چہروں کو دھوؤو۔ الغسل جس جگہ کا دھونا مطلوب ہے اُس پر پانی بہانا۔ مسلنا شرط نہیں۔ الوجہ ہر وہ شے جو انسان کے سامنے کی طرف واقع ہو۔ اس

کی حد سر کے بالوں کی جمنے کی جگہ سے لے کر ٹھوڑی تک بلحاظ طول کے، اور بلحاظ عرض کے کان کی ایک لَو سے دوسری لَو تک۔

مسئلہ : وضو میں منہ کا دھونا فرض ہے۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہُوا کہ کُلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا وضوء کے واجبات سے نہیں اس لئے کہ وضوء کا حکم چہرے کے ظاہر کے لیے ہے نہ کہ اس کے اندرونی حصّہ کے لیے۔ البتہ یہ دونوں باتیں سنّت ہیں۔

وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھو دو۔

مسئلہ : جمہور کے نزدیک کہنیاں ہاتھوں کے دھونے میں داخل ہیں اس لیے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں لا تاکلوا اموالھم الیٰ اموالکم کی طرح الیٰ بمعنے مع ہے۔

ف : المرافق، المرفق کی جمع ہے۔ ہتھیلی اور مونڈھے کی دونوں جانبوں کے اجتماع کے مقام کو کہا جاتا ہے۔ اسے مرفق اس لیے کہا جاتا ہے کہ مرفق بمعنے آلۂ اتکاء (سہارا لینے کا آلہ)۔ چونکہ ہاتھوں سے انہی پر سہارا لیا جاتا ہے اس لیے ان کو المرافق کہا جاتا ہے۔

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ اور سروں کا مسح کرو۔ یہاں پر "القی بیدہ" کی طرح با زائدہ ہے۔

ف : المسح بمعنے اصابۃ الیہ یعنی کسی شَے پر ہاتھ پہنچانا۔

مسئلہ : امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح واجب ہے۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشانی کے برابر اپنے سر مبارک پر مسح فرمایا تھا، اور یہ سر کے چوتھا حصّہ کے برابر ہوتی ہے اس لیے کہ سر کی چاروں طرفیں چار پیشانیوں کے برابر ہیں۔ مثلاً پیشانی کے بالمقابل سر کا پچھلا حصّہ گُدّی تک ایک پیشانی ہُوئی۔ اسی طرح اس کی دونوں کانوں کے اوپر والی دونوں جانبیں بھی دو پیشانیاں بنتی ہیں اور پھر اسی طرح سر کا اوپر کا حصّہ بھی۔

حنفیوں کی سر کے مسح کے متعلق عقلی دلیل

الواقعات المحمودیہ میں حضرت الشیخ الشہیر بافادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مجھے مسئلہ مسح سر کے اختلاف میں چوتھائی سر کی ترجیح عجیب طور منکشف ہوئی ہے، وہ اس طرح کہ انسان کا جسم مربع ہے اور سر تمام جسم کا سردار ہے اس لیے اس کے مسح کے لیے چوتھائی موزوں ہے۔ اگر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا اعتبار کیا جائے کہ وہ تین انگلیوں کی مقدار سر کا مسح واجب

بتاتے ہیں تو وہاں سر کی اپنی ذاتی کیفیت تک محدود رہ جاتا ہے اس لیے کہ اس کی ذاتی کیفیت مسدس ہے اور اس کا چھٹا حصہ تین انگلیوں کے برابر ہے، اور یہ ناموزوں ہے کہ انسان میں من حیث الانسان صرف سر کا نام نہیں بلکہ تمام انسانی ڈھانچے کا نام انسان ہے۔

سوال: حضرت محمود الہمدانی قدس سرہ نے فرمایا کہ مذکورہ بالا تقریر سے اولویت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب کے لیے ثابت ہوتی ہے اس لیے کہ اس وقت وضو کی بحث ہو رہی ہے اور وہ بھی علیحدہ علیحدہ اعضاء کی نہ کہ تمام جسم انسانی کی۔

جواب: حضرت الشیخ بالاستاذ قدس سرہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بحث صرف موضوعِ وضوء سے نہیں بلکہ انسانی ڈھانچے کے لحاظ سے ہے جو کہ ہر اعتبار سے حاوی ہے، اور وہ ڈھانچہ (بدن) کل ہے اور سر اس کا جزء۔ ہم کل کا اعتبار کرتے ہیں جو علمی بحث کے لحاظ سے موزوں تر ہے۔ بناء بریں تین انگلی کے بجائے چوتھائی سر کے مسح کو ترجیح ہوگی۔

مسئلہ: امام حدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کانوں کا مسح سنت ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ظاہری طرف کا دونوں انگوٹھوں سے اور باطنی جوانب کا شہادت کی انگلیوں سے مسح کرے۔

مسئلہ: کانوں کے مسح کے لیے جدید پانی کی ضرورت نہیں۔ سر کے مسح کے بعد ہی کانوں کے مسح کیلئے وہی ایک پانی کافی ہے۔

مسئلہ: گردن کا مسح مستحب ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من مسح رقبتہ فی الوضوء امن من الغل یوم القیامۃ۔	جو شخص وضوء میں گردن کا مسح کرے وہ قیامت میں جہنم کی بیڑیوں سے بچ جائیگا۔

وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ اور پاؤں کو گٹوں تک دھوو۔ اس کا عطف وجوھکم پر ہے۔ چنانچہ اس کی تائید مشہور حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل بھی یونہی تھا اور اکثر ائمہ کا ارشاد بھی اسی طرح ہے پھر اسے گٹوں تک محدود کر دینے سے بھی تائید ہوتی ہے ورنہ مسح میں حد بندی کوئی نہیں اس لیے کہ تحدید صرف دھوئے جانے والے اعضاء میں بتائی گئی ہے۔

مسئلہ: الاشباہ میں ہے کہ جو موزوں کے مسح اور غسل دونوں کا قائل ہے۔ اس کے لیے پاؤں کا دھونا افضل ہے۔ ویسے بھی پاؤں کا دھونا موزوں کے مسح سے افضل ہے اور وہاں تو زیادہ

ہی فضیلت ہے جہاں کہ پاؤں کے دھونے کے منکر ہیں (جیسے شیعہ رافضی دھونے کے منکر ہیں)

تردیدِ شیعہ شیعہ رافضی کہتے ہیں کہ پاؤں کو دھونا نہ چاہیئے بلکہ مسح واجب ہے۔ اس کے متعلق دلیل میں ایک ضعیف اور بالکل شاذ روایت پیش کرتے ہیں۔ صاحب الروضہ فرماتے ہیں خف الروافض کا کلمہ ضرب المثل ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ کسی معاملہ میں وسعت دی جائے۔ وہ اس لیے کہ روافض موزوں کے مسح کے قائل نہیں بلکہ پاؤں پر موزوں کے بغیر ہی مسح کے قائل ہیں۔ اگر وہ موزے پہنتے بھی ہیں تو وہ اتنے کھلے ہوتے ہیں کہ ان کے اندر ہاتھ ڈال کر ہی پاؤں کا مسح کر لیتے ہیں۔

موزوں پر مسح کرنے کی شرعی دلیل حضرت ابن مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک رات سفر میں تھا آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تیرے ہاں پانی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں ہے۔ آپ وضو کے لیے سواری سے نیچے اُترے، قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف روانہ ہوئے اور اتنی دُور چلے گئے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ ویسے بھی اندھیری رات تھی، آپ فراغت کے بعد واپس تشریف لائے تو میں نے آپ کا وضو کرایا۔ میں لوٹے سے پانی ڈالتا جا رہا تھا اور آپ وضو فرما رہے تھے۔ آپ نے منہ دھویا اس کے بعد ہاتھ کہنیوں تک دھونے تھے آپ کے جُبّہ مبارک کی آستینیں تنگ تھیں۔ آپ نے اسے اتارا اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا پھر سر کا مسح فرمایا۔ میرا ارادہ ہُوا کہ آپ نے جو موزے پہنے ہوئے تھے انہیں اتاروں۔ آپ نے فرمایا، رہنے دیجئے۔ میں نے انہیں وضو کر کے پہنا تھا۔ اسی طرح آپ نے اُن پر مسح فرمایا (کذا فی تفسیر البغوی)

قاعدۂ فقہیہ فقہاء کرام نے اس آیت سے وضو کا وجوب ثابت کیا ہے اور نیت کا ثبوت احادیث سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وضو کی نیت سنت ہے۔

مسئلہ: وضو کی نیت یہی ہے کہ وضو کرتے وقت ارادہ کرے کہ حدث رفع ہو اور نماز قائم کی جا سکے[1]

مسئلہ: خنصر (چھوٹی انگلی) کی مقدار موٹا اور ایک بالشت کی مقدار لمبا مسواک کُلی کے وقت استعمال کرنا سنت ہے اس لیے کہ اس طرح سے صفائی مکمل طور پر ہوتی ہے اگر وضو سے پہلے مسواک

---

[1] مثلاً یہ عبارت پڑھے: نویت اباحۃ مالا یباح الا بالطہارۃ ۱۲
اویسی غفرلہ

کرے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ: اگر مسواک میسر نہ ہو تو انگلی سے مسواک کرے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ: ہدایہ میں ہے کہ مسواک کرنا مستحب ہے زیادہ صحیح ہے[1]

حکایت جبریل علیہ السلام حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ ایک دفعہ جبریل (چند روز غیر حاضر رہ کر) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اتنی غیر حاضری کیوں؟ انہوں نے عرض کی: میں کیسے آتا جبکہ آپ کے ہاں نہ ناخن تراشے جاتے ہیں اور نہ مونچھیں کتروائی جاتی ہیں اور نہ انگلیوں کے جوڑ صاف ستھرے کئے جاتے ہیں اور نہ مسواک کی جاتی ہے[2] اس کے بعد یہ آیت پڑھی: وما نتنزل الا بامر ربك تک۔

ف: براجم انگلیوں کے اندر اور باہر کے جوڑوں کو کہا جاتا ہے۔

نکتہ: ان کے صاف کرنے کی اس لیے ضرورت ہے کہ ان میں میل کچیل پھنس جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

نقوا براجمکم۔ اپنی انگلیوں کی گرہوں اور جوڑوں کو صاف ستھرا کرو۔

نکتہ: ان کے صاف اور ستھرا رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ ان میں میل کچیل جم جاتی ہے، پھر جنابت نہیں اترتی، اس لیے کہ وہ میل کچیل پانی کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

نظفوا اللثاتکم۔ اپنے مسوڑھوں کو بھی صاف اور ستھرا رکھو۔

ف: اللثاۃ، لثۃ با تخفیف کی جمع ہے وہ گوشت جو کہ دانتوں کے اوپر ہوتا ہے۔ ان کی صفائی کا حکم اس لیے ہے کہ طعام ان پر نہ جم جائے۔ کیونکہ اس کے جم جانے سے بد ہضمی اور منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے، جس سے کراماً کاتبین خصوصیت سے ایذا پاتے ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کے پڑھنے کا مقام بھی یہی ہے اور ملائکہ کراماً کاتبین کے بیٹھنے کا مرکز بھی یہی ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ ملائکہ کرام کو بدبو سے نفرت ہے۔

فضیلتِ مسواک — حدیث شریف: جب کوئی بندۂ خدا مسواک کر کے نماز کے لیے کھڑا

---

[1] صحیح تر قول اول ہے مزید تحقیق فقیر کے رسالہ "تریاق در مسواک" میں ہے۔ اویسی غفرلہ

[2] یعنی عوام، ورنہ خواص تو ہر سنت کے پابند تھے۔ اویسی غفرلہ

ہوتا ہے تو فرشتے اس کے پیچھے ہو کر اُس کی قرات سن کر اس کے قریب تر ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ فرشتہ اپنا منہ نمازی کے منہ پر رکھ دیتا ہے۔ پھر جو کچھ نمازی کے منہ سے قرات نکلتی ہے وہ سیدھی فرشتے کے پیٹ میں چلی جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

مسواک سے پڑھا ہُوا ایک دوگانہ اُن ستر دوگانوں سے افضل ہے جو مسواک کے بغیر پڑھا جائے۔

وضو کی دُعائیں

وضو کرنے والا ابتدائے وضوء میں بسم اللہ شریف کے بعد کہے الحمد للہ الذی جعل الماء طھورا۔ اور کلی کے وقت پڑھے: اللھم اسقنی من حوض نبیك كأسا لا اظمأ بعدھا ابدا اللھم اعنی علیٰ ذکرك و شکرك و تلاوۃ کتابك۔

اور ناک میں پانی ڈالتے وقت پڑھے: اللھم لا تحرمنی من رائحۃ نعیمك وجنانك۔

یا کہے: اللھم ارحنی رائحۃ الجنۃ و لا ترحنی رائحۃ النار۔

اور منہ دھوتے وقت پڑھے: اللھم بیّض وجھی یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ۔

یا کہے: اللھم بیّض وجھی بنورك یوم تبیض وجوہ اولیائك ولا تسود وجھی بذنوبی یوم تسود وجوہ اعدائك۔

دایاں بازو دھوتے وقت پڑھے: اللھم اعطنی کتابی بیمینی و حاسبنی حسابًا یسیرًا۔

اور بایاں بازو دھوتے وقت پڑھے: اللھم لا تعطنی کتابی بشمالی ولا من وراء ظھری

سر کے مسح کے وقت پڑھے: اللھم حرم شعری و بشری علی النار و اظلنی تحت ظل عرشك یوم لا ظل الا ظلك اللھم غشنی برحمتك وانزل علی من برکاتك۔

اور دونوں کانوں کے مسح کے وقت پڑھے: اللھم اجعلنی من الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ۔

اور گردن کے مسح کے وقت پڑھے: اللھم اعتق رقبتی من النار۔

دایاں پاؤں دھوتے وقت پڑھے: اللھم ثبت قدمی علی الصراط یوم تزل فیہ الاقدام۔

بایاں پاؤں دھوتے وقت پڑھے: اللھم اجعل لی سعیا مشکورا وذنبا مغفورا وعملا مقبولا و تجارۃ لن تبور۔

وضو سے فراغت کے بعد پڑھے۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ و اشھد ان محمدا عبدہٗ و رسولہ اللھم اجعلنی من التوابین و اجعلنی من المتطہرین و اجعلنی من عبادک الصالحین الذین انعمت علیھم و اجعلنی من الذین لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔

اعضائے وضو کو دھونے اور مسح کی حکمت

ان چاروں اعضاء (۱) منہ (۲) ہاتھ (۳) سر کا مسح (۴) پاؤں دھونے و مسح میں حکمت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بہ شجرہ ممنوعہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے ہاتھ سے توڑا اور پاؤں سے اس کی طرف چلے اور فراغت پر سر پہ ہاتھ رکھا تو اللہ تعالیٰ نے اعضاء کے دھونے کا حکم فرمایا تاکہ انسان کے جمیع گناہ دُھل جائیں۔

وضو کے فضائل

حدیث شریف میں ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان العبد اذا غسل وجھہ خرجت خطایاہ حتی تخرج من اشفار عینیہ۔	جب بندۂ خدا وضو کرتا ہے تو جب منہ دھوتا ہے تو اس کے مُنہ کے تمام گناہ خارج ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ آنکھوں کی پلکوں سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔

اسی طرح بقیہ اعضاء کا قیاس کیجئے۔

(۲) بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان اعضاء کا دھونا صرف اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ و السلام سے مخصوص ہے تاکہ قیامت میں باقی امتوں سے ان اعضاء کے انوار کی روشنی سے ممتاز ہو۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبرستان میں تشریف لائے اور فرمایا:

السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون وددت انا قد رأینا اخواننا۔	اے ایمان والو! تمہارے اوپر اللہ کی رحمت ہو ہم بھی ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے پاس پہنچنے والے ہیں میری آرزو ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں۔

صحابہ کرام نے عرض کی: کیا ہم آپ کے بھائی (اسلامی) نہیں ہیں؟
آپ نے فرمایا: تم میرے صحابی ہو۔ ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے۔
صحابہ کرام نے عرض کی: آپ قیامت میں انہیں کیسے پہچانیں گے؟
آپ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کسی شخص کے متعدد گھوڑے ہوں ان میں سے چند سفید ہوں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچانے گا؟
سب نے عرض کی: ضرور پہچانے گا۔
آپ نے فرمایا: اسی طرح میرے اُمتی دُوسری اُمتوں میں وضو کی وجہ سے ممتاز ہوں گے اور انہیں میں پہلے ملنے والا ہُوں۔

مسئلہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک ہی وضو سے پانچوں نمازیں ادا فرمائیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

صنعت شیئا لم تکن تصنعہ۔ (یارسول اللہ!) آج تو آپ نے نیا کام کیا ہے جو اس سے قبل آپ نے نہیں کیا۔

آپ نے فرمایا:
عمداً فعلتہ یا عمر۔ اے عمر! میں نے عمداً کیا ہے
یعنی جواز کا اظہار ہو۔

مسئلہ: ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا مستحب ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
من توضأ علی طھر کتب اللہ لہ عشر حسنات۔ جس نے وضو کے باوجود وضو کیا اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

نکتہ: تجدیدِ وضو سے باطن پر ایک نورانی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔

ف: بعض اصفیاء کا طریقہ تھا کہ وہ غیبت، کذب اور غضب کے بعد وضو کی تجدید فرماتے اس لیے کہ ایسے افعال سے نفس کا غلبہ اور شیطان کی شرارت ظاہر ہوتی ہے اور وضو ایک ایسا نور ہے جس کی برکت سے نفس اور شیطان کی تاریکیاں مٹ جاتی ہیں۔

حکایت: بعض بزرگوں کے متعلق مشہور ہے کہ اُن کے چہرے پر زخم تھے اور بارہ[۱۲] سال تک

...کی وجہ سے آپ معذور ہو گئے لیکن انہوں نے کبھی وضو کو نہ چھوڑا۔

...یت کسی بزرگ کی آنکھ میں کالا موتیا اتر رہا تھا کسی طبیب نے انہیں کہا آپ چند روز وضو کرنا چھوڑ دیں تب آپ کا علاج ہو سکتا ہے ورنہ علاج مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا آنکھ جاتی ہے تو جائے میں وضو کو نہیں چھوڑ سکتا۔ آخر وہ نابینا ہو گئے۔ اس مردِ خدا نے نابینا ہونا منظور کیا مگر وضو نہ چھوڑا۔

...کیمیا وضو پر مداومت کرنے سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے ایک صحابی سے فرمایا:

دم علی الطہارۃ یوسع علیک الرزق۔ تم وضو پر مداومت کرو تمہارا رزق بڑھ جائیگا۔

مسئلہ: وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھنا (بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو) سنت ہے۔ اسے تحیۃ الوضو (شکر الوضو) کے نوافل کہتے ہیں۔

حدیث بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم اسلام میں داخل ہونے کے بعد کونسا عمل کرتے ہو کہ میں نے (شب معراج میں) تمہارے جوتے کی آہٹ سنی تھی۔ عرض کی مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ میں ہر وضو کے بعد (دن ہو یا رات) ایک دوگانہ پڑھ لیتا ہوں۔

مسئلہ: الاسرار المحمدیہ لابن فخر الدین رومی رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ تحیۃ الوضو سوائے اوقات محرمہ کے ہر وقت پڑھ سکتا ہے خواہ اوقات مکروہہ ہوں۔ مثلاً بعد نماز فجر و عصر اور صبح صادق اس لیے کہ یہ ان نمازوں میں سے ہیں جنہیں ذوات الاسباب کہا جاتا ہے، فلہذا اوقاتِ مکروہہ میں بھی پڑھنے میں کوئی حرج نہیں (لیکن یہ ان کی اپنی رائے ہے، صحیح یہ ہے کہ تحیۃ الوضوء اوقاتِ مکروہہ میں نہ پڑھنی چاہیے) ہاں اوقات محرمہ جیسے طلوعِ شمس اور زوال اور غروب الشمس کے وقت تحیۃ الوضوء نہ پڑھی جائے، ان اوقات میں وضو کرے تو صبر کرے ان کے گزرنے کے بعد پڑھ لے۔ ہاں مکہ شریف میں ہر وقت پڑھ سکتا ہے (یہ بھی اپنی رائے ہے)

حدیث شریف حضرت جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبد مناف! لوگوں کو نہ بیت اللہ کے طواف سے روکو اور نہ نماز پڑھنے سے وہ رات اور دن کے کسی وقت میں بھی یہ عمل کریں۔

حدیث شریف حضرت جندب سے مروی ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج پورے طور نکل آئے اور نہ ہی عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج پورے طور پر چھپ جائے سوائے مکہ کے۔ یہ تین بار فرمایا۔ اسرارِ محمدیہ کا کلام یہاں ختم ہوا۔

تفسیر صوفیانہ یاایھا الذین اٰمنوا میں اُن ایمان داروں سے خطاب ہے جو حقیقی مومن ہیں یہ وہی ہیں جنہیں الست بربکم میں خطاب ہوا تھا اور انہوں نے بلیٰ کہہ کر جواب دیا، وہی پہلی صف والے ہیں جنہوں نے یوم میثاق میں معائنہ کرکے ایمان قبول کیا دوسری صف والوں نے مشاہدہ کرکے ایمان قبول کیا۔ تیسری صف والوں نے خطاب سُن کر ایمان قبول کیا۔ چوتھی صف والوں نے تقلیدی ایمان قبول کیا انہیں تحقیقی ایمان نصیب نہ ہوا اس لیے کہ انہوں نے نہ معائنہ کیا اور نہ انہیں مشاہدہ ہوا اور نہ ہی انہوں نے فہم و درایۃ سے سنا بلکہ قہر و غضب کا خطاب سنا، کیونکہ جب وہ تینوں پہلی صفوں سے سُن کر متحیر ہوئے تو صرف انہی صفوں والوں کی تقلید میں بلیٰ کہا اس اعتبار سے انہوں نے قبول ہی نہ کیا۔ یہی لوگ بعد کو کافر ہوئے اور اگرچہ بظاہر ایمان بھی لائے تو ان کا ایمان نہ لانے کے برابر تھا اس لیے کہ ان کا ایمان تحقیقی نہیں بلکہ تقلیدی یا منافقت کے طور تھا۔ یہ منافقین ہوئے، اور تیسری صف والے وہی عام اہل اسلام مومنین تھے۔ جیسے اس وقت انہوں نے سن کر ایمان قبول کیا اس دنیا میں بھی اہل کتاب سے سُن کر ایمان لائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انا سمعنا منادیاً ینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم فاٰمنّا۔

دوسری صف والے وہ خواص مومنین اور عوام اولیاء تھے جیسے اس وقت انہوں نے مشاہدہ کرکے ایمان قبول کیا اس دنیا میں بھی شواہد معرفت سے ایمان لائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا اٰمنّا۔

اسی کے مطابق کسی اہل اللہ نے فرمایا:

"میں نے ہر شئے میں خدا تعالیٰ کو پایا۔"

پہلی صف والے وہ حضرات انبیاء کرام اور مخصوص اولیاء کرام تھے جیسے وہاں ان حضرات نے معائنہ کرکے ایمان قبول کیا ایسے ہی یہاں عالم دنیا میں معائنہ کرکے ایمان قبول کیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ۔

وہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام سے شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
اذا وحی الی عبدہ ما اوحی۔
کے مطابق فرمایا، اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایمان کی کچھ یہی کیفیت تھی، چنانچہ فرمایا، فلما افاق قال سبحانک
تبت والیک وانا اول المؤمنین۔
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:
لم اعبد ربا لم اره۔ (میں نے ایسے رب کی عبادت ہی نہیں کی جسے میں نے دیکھا نہ ہو)
اللہ تعالیٰ کے بعض ولیوں نے فرمایا:
"میرے دل نے میرے رب کو دیکھا۔"
اور اللہ تعالیٰ کے پیارے نے فرمایا:
"میں نے ہر شے میں خدا کو پایا۔"
حضرت اول سے اللہ تعالیٰ نے یوں خطاب فرمایا:
یا ایہا الذین اٰمنوا یعنی اے لوگو! تحقیقی طور پر ایمان لاکر مالک قرب سے نکل کر ممالک بُعد
میں چلے جاؤ اور ریاضِ اُنس سے ہٹ کر انسانی کیچڑ میں پھنسو، جب تم غفلت کی نیند سے جاگو اور
جہالت کے خواب سے بیداری حاصل کرو تو نماز کی طرف چلو، جو کہ وہی تمہاری معراج ہے۔ یعنی پھر مقام قرب
کی طرف لوٹو۔ چنانچہ فرمایا: واسجد واقترب۔

فاغسلوا وجوھکم یعنی دل کے چہروں کو دھودو وایدیکم الی المرافق
اور تم اپنے دونوں ہاتھوں کو غیروں سے روک لو، بلکہ دارین کے تعلق سے بالکل بیزار ہو جاؤ یہاں تک
کہ یار دوست اور ساتھی پیاروں سے یک لخت دُور ہو جاؤ وامسحوا برءوسکم یعنی
اپنے سروں کو راہِ حق میں خرچ کرو وارجلکم الی الکعبین اور اپنے پیروں سے بشریت و
انانیت دھو ڈالو۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا:

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق
چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

ترجمہ: میں نے جب سے عشق کے چشمہ سے وضو کیا اس کے بعد چار تکبیریں ہستیٔ موہوم پر مار دیں۔

تفسیر عالمانہ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا اگر تم جنبی ہو تو خوب نہاؤ۔ فاطّھروا دراصل تطھروا تھا۔ تفعل کی تار کو طار میں ادغام کیا گیا ہے اس لیے کہ ان دونوں یعنی تار۔ وطار کا مخرج ایک ہے، پھر ہمزہ وصلی لگایا گیا اس لیے کہ ابتدار بالساکن محال ہے اس سے غسل مراد ہے دراصل بتکلف غسل کو کہتے ہیں۔ چونکہ جنب کے غسل میں پاکی کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے کہ کہیں کوئی جگہ خالی نہ رہ جائے اس لیے بطور مبالغہ کہا گیا ہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ جب تک تمام بدن پر پانی نہ پھر جائے جنب کا غسل نہیں اترے گا یہاں تک کہ اگر آٹا خشک ہو کر ناخن میں جم جائے اور اس میں پانی داخل نہ ہوا تو غسل نہ اُترا۔

مسئلہ: اگر مَیل کچیل ناخنوں وغیرہ میں جمی ہُوئی ہے تو اس کے اوپر پانی پھر جانے سے غسل اتر جائے گا۔

مسئلہ: اگر ایسی چیز بدن سے چپکی ہوئی ہو کہ اس کا بدن سے علیحدہ کرنا سخت مشکل ہے تو بھی اس پر صرف پانی بہا دینا کافی ہے۔

مسئلہ: آنکھ میں جو سوکھی گندگی جم جائے اگر اس کا خارج کرنا مشکل ہو تو بھی اس پر پانی بہا دینا کافی ہے۔

مسئلہ: ناک اور منہ کے سوراخوں میں جہاں تک پانی پہنچانا ممکن ہو (بشرطیکہ روزہ نہ ہو) تو پانی بہائے۔

مسئلہ: جسم کا مَسلنا غسل کے شرائط سے نہیں بلکہ مستحب ہے کہ اس طرح سے غسل مکمل ہوتا ہے۔

مسئلہ: کپڑے اور بدن کے دھونے میں فرق ہے اس لیے کہ کپڑا متخلل ہوتا ہے، اس لیے اسے نچوڑنا پڑتا ہے بخلاف بدن کے کہ اس میں نچوڑنے والی کیفیت نہیں۔

غسل کے فرائض

غسل میں تین فرض ہیں:

(۱) منہ کا اندرونی حصّہ دھونا جہاں تک ممکن ہو۔

(۲) ناک میں پانی دینا۔

(۳) تمام بدن کا دھونا۔

غسل کی سُنتیں (۱) پہلے دونوں ہاتھوں کو دھونا، اس لیے کہ ان سے جسم پر پانی ڈالا جائیگا اگر پہلے ہی پاک نہ ہوں گے تو پھر باقی پانی کیسے پاک ہو سکے گا۔

(۲) فرج دھونا، اس لیے کہ اس کا پلید ہونا یقینی ہے یا کم از کم اس پر نجاست کا احتمال ہے۔

(۳) نجاست حقیقیہ کہیں لگی ہے تو اسے بھی دھو ڈالے تاکہ جسم پر پانی بہاتے وقت وہی نجاست پانی سے مل کر تمام جسم پر نہ پھیل جائے۔

(۴) نماز کا وضو کرنا، صرف پاؤں غسل سے فراغت کے بعد دھوئے جبکہ کسی اونچی شئے پر پاؤں رکھ کر نہ نہائے ورنہ پہلے دھولے کوئی حرج نہیں۔ اگر ایسی جگہ نہاتا ہے جہاں پانی جمع ہو جاتا ہے تو پاؤں بعد میں دھوئے تاکہ وہ مستعمل پانی جو پاؤں پر لگا وہ بعد کو دُھل جائے۔

(۵) تین بار مکمل طور پر اپنے سارے جسم پر پانی بہائے۔

غُسلِ نبوی مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا تو آپ نے پہلے اپنے دائیں کندھے مبارک پر پانی ڈالا، پھر بائیں پر، پھر سر مبارک پر۔ یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔

مسئلہ: عورت کو گوندھی ہوئی زلفوں کو چھوڑنا ضروری نہیں اور نہ ہی ان بالوں کو پانی سے ترکرنا واجب ہے صرف اُن پر پانی بہادے تو غسل اُتر جائے گا البتہ اُن کی جڑوں میں پانی پہنچا دینا ضروری ہے اس لیے کہ بالوں کی جڑیں ہی بدن کے حصے سے ہیں اس لیے بوجہ حرج اُن کی جڑوں تک پانی پہنچا دینا کافی ہے۔ ہاں اگر بلا تکلیف عورت اپنے بالوں کو پانی سے تر کرسکتی ہے تو پھر واجب ہے، جیسے عورتوں کے کھُلے ہوئے بال کہ اُن کا اُس کے گندھے ہوئے بالوں جیسا حکم نہیں، بلکہ کھُلے ہوئے بالوں پر پانی پہنچانا واجب ہے، کیونکہ اس وقت انہیں پانی پہنچانے میں کسی قسم کی تکلیف نہیں۔

مسئلہ: مرد کو ہر حال میں اپنے تمام بالوں کو تر کرنا واجب ہے خواہ اس کے بال کتنے ہی بڑے ہوں۔

نکتہ: عورت کا بال کٹوانا مثلہ ہے یعنی ایسے ہے جیسے کسی کی ناک کاٹ لی جائے۔ مرد کے لیے یہ بات نہیں۔ اس لیے عورت کے لیے گندھے ہوئے بالوں میں پانی پہنچانے سے حرج واقع ہے اس لئے اسے معافی ہے مرد کو نہیں۔

مسئلہ: غسل کے لیے کم از کم چار سیر سے کچھ اوپر پانی ضروری ہے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ پانی کی قلت ہو اور وضو میں ایک سیر سے کچھ اُوپر۔

ف: صاع عربی میں آٹھ رطل اور مُد دو رطل کا ہوتا ہے۔ (رطل تقریباً آدھ سیر کا ہوتا ہے)

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع کی مقدار پانی سے غسل اور ایک مُد سے وضو فرماتے تھے۔

مسئلہ: اس میں اختلاف ہے کہ وضو کا سیر بھر پانی غسل والے صاع سے ہو یا علیحدہ۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ اندازہ کوئی لازمی نہیں بلکہ اس سے کم وبیش ہو تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ اسراف مکروہ ہے۔ (کذا فی الاختیار فی شرح المختار)

مسئلہ: تندرست آدمی شہر میں رہتے ہوئے اگر غسل سے ہلاک ہونے کا خطرہ محسوس کرتا ہے تو اسے تیمم کرنا جائز ہے۔ اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

مسئلہ: اگر تندرست آدمی کو شہر میں وضوء کی ضرورت ہے لیکن پانی سے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے تو فقہاء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ اس کے لیے تیمم جائز نہیں (کذا فی فتاویٰ قاضیخان) اس لیے کہ شہر میں اسے گرم پانی ودیگر ضروری اشیاء سردی کو دُور کرنے کی آسانی سے مل سکتی ہیں۔

مسئلہ: عورت کو غسل کی حاجت ہے لیکن ایسی صورت نہیں کہ وہ مردوں سے اوجھل ہو کر نہا سکے تو اس کے لیے تاوقتِ حصولِ سہولت غسل کی تاخیر جائز ہے بخلاف مرد کے کہ اسے تاخیر جائز نہیں چاہے اسے مردوں کے سامنے ننگا ہی نہانا پڑے۔

مسئلہ: استنجاء کے لیے کوئی باپردہ جگہ نہیں ملتی اس لیے کہ جہاں بیٹھنا ہے مرد ہی مرد ہیں تو استنجاء کی تاخیر جائز ہے۔

نکتہ استنجاء میں نجاست حقیقیہ ہے اور غسل میں نجاست حکمیہ، اور نجاست حکمیہ کا ازالہ زیادہ ضروری ہے بہ نسبت نجاست حقیقیہ کے۔

مسئلہ: عورت عورتوں میں ایسے ہے جیسے مرد مردوں میں، یعنی غسل کے لیے اگر عورت عورتوں میں ننگی ہو کر نہائے تو اسے اس وقت تاخیر جائز نہیں۔ (کذا فی الاشباہ)

حدیث شریف میں ہے، ملائکہ تین انسانوں کے قریب نہیں جاتے:

(۱) جیفۃ الکافر

(۲) وہ عورت جو خوشبو لگائے۔

(۳) جنبی مرد یا عورت، جب تک وضو نہ کرلیں۔

حدیث شریف میں ہے :

ولا ینقع بول فی طست فی البیت فان الملائکۃ لا تدخل بیتا فیہ بول منتقع ولا تبولن فی مغتسلک ۔

پیالہ وغیرہ میں پیشاب کر کے گھر کے اندر نہ رکھو اس لیے کہ ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے کہ جس میں پیشاب کا پیالہ پڑا ہو ، اور نہ ہی غسل خانہ میں پیشاب کرو۔

غسل کے طبی و شرعی فائدے

غسل میں بہت بڑے طبی اور دینی فائدے ہیں :

(۱) کافروں کی مخالفت کہ وہ جنب ہونے پر غسل نہیں کرتے ۔

(۲) میل کچیل دور ہوتی ہے ۔

(۳) وہ ردی ابخرات جو جسم سے نکل کر بہت گندی بیماریوں کا سبب بنتے ہیں غسل سے ان کا ازالہ ہو جاتا ہے ۔

(۴) شہوات طبیعیہ کی حرارت کو تسکین نصیب ہوتی ہے ۔

طہارت کی اقسام

حضرت شیخ نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اللطائف میں فرمایا کہ طہارت کی نو قسمیں ہیں :

(۱) دل کا دھونا کہ وہ ماسوی اللہ سے منہ پھیر لے ۔

(۲) باطن کا دھونا کہ مشاہدہ ہو جائے ۔

(۳) سینہ کی طہارت یہ کہ اس میں رجاء کو زائل کر دے اور قناعت کا خوگر ہو جائے ۔

(۴) روح کی طہارت حیاء اور ہیبت ہے ۔

(۵) پیٹ کی طہارت اکلِ حلال اور حرام طعام اور مشتبہات سے حفاظت ۔

(۶) بدن کی طہارت ترکِ شہوات اور میل کچیل کا ازالہ ۔

(۷ و ۸) دونوں ہاتھوں کی طہارت پرہیزگاری اور کسبِ حلال ۔

(۹) زبان کی طہارت ذکرِ الٰہی اور استغفار ۔

حکایت

ثعلبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہودیوں کے دس علماء حاضر ہوئے اور عرض کی تمہارے

خدا نے تمہیں جماع کے بعد غسل کا حکم فرمایا ہے پیشاب اور پاخانہ پھرنے کے بعد غسل کا حکم کیوں نہیں دیا حالانکہ یہ دونوں نطفہ سے زیادہ پلید ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے گندم کا دانہ کھایا تو اس کا ان کے ہر رگ و ریشہ میں اثر پہنچ گیا۔ اسی طرح جب انسان جماع کرتا ہے تو اس کے ہر رگ و ریشہ اور ہر بال وغیرہ سے قوتِ منویہ خارج ہوتی ہے اس لیے میرے رب نے مجھے اور میری اُمت کو غسل کا حکم فرمایا تاکہ صفائی ستھرائی حاصل ہو اور جو طاقت و قوت خارج ہوئی اس کا کفارہ ادا ہو اور اس لذتِ نفسانی کا شکریہ بھی کہ جسے انسان نے اپنے اندر محسوس کیا۔

نکتہ ۱ بدائع الصنائع فی احکام الشرائع میں ہے کہ منی کے خروج سے غسل واجب اور پیشاب پاخانہ کے اخراج کے بعد غیر واجب، ان دونوں کے خروج پر صرف اعضائے معلومہ کو دھونے کا حکم ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ جب بندے سے منی کا خروج ہوتا ہے تو اس وقت تمام جسم میں ایک سرور کیف پھیل جاتا ہے جسے لذت سے تعبیر کیا جاتا ہے' اور یہ ایک نعمت ہے اور اس کی ادائیگی پر شکر واجب ہے اور وہ ادائیگی غسل سے ہوتا ہے، یہ بات پیشاب و پاخانہ کے خروج میں نہیں۔

نکتہ ۲ جنابت انسان کے ظاہر و باطن بدن پر اپنا اثر دکھاتی ہے اس لیے کہ جنابت وطی سے ہوتی ہے اور وطی تمام بدن کو متحرک کرنے سے ہوتی ہے اور پھر باطنی قوت و طاقت بھی نکل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جماع کی کثرت بدن کو کمزور کر دیتی ہے اور جو جماع سے بچا رہتا ہے اس کی طاقت بحال رہتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جنابت انسان کے ظاہر و باطن پر اثر انداز ہوتی ہے اور یہ بات پیشاب و پاخانہ کے خروج میں نہیں اگر ان کا کچھ اثر ہے تو صرف ظاہر پر اور اگر اندرونی حصہ میں ہے تو مخصوص اعضاء پر، اور اس کا سبب بھی ظاہر ہے مثلاً کھانے پینے سے ہی ان کا اخراج ہوگا اور اس کے اسباب یعنی کھانے پینے میں جمیع بدن کو متحرک نہیں کرنا پڑتا۔ بناء بریں ان کے لیے چند مخصوص اعضاء کو دھونا ضروری ہے نہ کہ تمام بدن کو۔

نکتہ ۳ تمام جسم کو دھویا جائے یا بعض کو، اس سے مقصود یہی ہے کہ وہ نماز کا وسیلہ بنے اور یہ نماز درحقیقت اللہ تعالیٰ کی خدمت کا نام ہے، اور اس کے حضور میں حاضری اور اور تعظیم پھر بندے پر لازم ہے کہ وہ نہایت پاکیزہ اور پاک و ستھرا ہو کر اپنے آقا کے حضور میں حاضر ہو تاکہ اقرب الی التعظیم اور اکمل فی الخدمت۔ اور ظاہر ہے کہ جتنی نظافت اور ستھرائی تمام بدن دھولے میں ہے وہ بعض اعضاء دھونے میں نہیں۔

سوال : یہی بات تو پھر پیشاب و پاخانہ کے لیے بھی ہونی چاہیے اس لیے کہ ان میں بھی یہی

فرض ہے بلکہ جنابت کے غسل میں ہے۔
جواب: ہاں ان میں بھی عزیمت تو یہی ہے کہ ہر پیشاب اور پاخانہ پھرنے کے بعد غسل کیا جائے لیکن ان کا اخراج بکثرت اور بار بار ہوتا ہے بنا بریں ان کی نظافت اور ستھرائی کے لیے جسم کے اکثر حصوں کے دھونے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ بھی جو اکثر طور کھلے رہتے ہیں اور انہیں آنکھ دیکھ سکتی ہے للاکثر حکم الکل کے تحت ان اعضاء کو غسل کے قائم مقام کیا گیا۔ صرف دفع حرج اور آسانی کے لیے، یہ بھی اس کا فضل و کرم اور بندوں پر رحمت ہے ورنہ کون تھا جو ہر وقت ایسی حرج کشی کرتا، اور چونکہ جنابت میں یہ حرج نہیں اس لیے کہ اس کا وقوع کبھی کبھی ہوتا ہے اس لیے اسے اپنے حکم پر باقی رکھا گیا (یہاں پر بدائع والصنائع کا کلام ختم ہوا)۔
مسئلہ: مذکورہ بالا تفصیل زندہ انسان کے لیے تھی۔ باقی رہا مردہ کا غسل اس کا حکم سابقہ شرائع کے مطابق ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام کا وصال ہوا تو حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کو لے کر زمین پر نازل ہوئے اور فرشتوں کو فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو نہلاؤ۔ پھر ان کی اولاد سے فرمایا: یہی طریقہ تمہارے مُردوں کے لیے ہونا چاہیئے۔
حدیث شریف میں ہے:

للمسلم علی المسلم ستة حقوق ومن جملتها ان یغسله بعد موته۔	مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ اس کے مرجانے کے بعد اسے غسل دے۔

مسئلہ: میت کا نہلانا واجب ہے۔
سوال: وجوب کیسے ثابت ہوا؟
جواب: حدیث شریف کے الفاظ میں لفظ علیٰ واقع ہوا ہے اور وہ وجوب کا مقتضی ہے۔
مسئلہ: میت کا غسل واجب کفایہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک میت کو غسل دے تو باقی سب سے وجوب اُتر جائے گا لیکن ثواب صرف نہلانے والے کو ملے گا۔
سوال: حدیثِ آدم میں تو لفظ سنة واقع ہے۔ مثلاً جبریل علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کے غسل سے فارغ ہو کر اولادِ آدم سے فرمایا: هذه سنة موتاکم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میّت کا غسل سنّت ہے واجب نہیں۔

جواب: وہاں سنّت بمعنے طریقہ ہے۔

مسئلہ: جب کوئی میّت کے غسل کے لیے متعین ہو جائے تو اسے اجرت لینا جائز نہیں۔

نکتہ: میّت کو نہلانے کی ایک حکمت یہ ہے کہ خون رکھنے والے حیوانات کی طرح انسان بھی مرنے کے بعد پلید ہو جاتا ہے پھر غسل دینے سے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ یہ صرف انسانوں کی شرافت اور بزرگی کی بنا پر ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی انسان پانی میں مرا ہوا پایا جائے تو اسے نہلانا واجب ہے اس لئے کہ نہلانے کا حکم بنو آدم کو ہے اور پانی میں پائے جانے سے اگرچہ وہ نہلایا گیا ہے لیکن بنی آدم کے فعل سے نہیں بلکہ قدرتی طور پر نہلایا گیا ہے۔

اعجوبہ جب انسان سے رُوح نکلتی ہے تو شدّتِ نزع سے اس کی منی کا اخراج ہو جاتا ہے اس لئے زندہ لوگوں پر اس کا نہلانا واجب ہے۔ یہ قول بعض لوگوں کا ہے (کذا فی حل الرموز و کشف الکنوز)

مسئلہ: زندہ اور مُردہ کے غسل میں فرق یہ ہے کہ مُردہ کے غسل میں مستحب یہ ہے کہ پہلے اس کا منہ دھویا جائے بخلاف زندہ کے کہ وہ پہلے کُلّی کرنے اور ناک میں پانی ڈالے پھر منہ دھوئے۔ مُردہ کو نہ کُلّی کرائی جاتی ہے اور نہ ناک میں پانی ڈالا جاتا ہے اور زندہ کے لیے دونوں ضروری ہیں۔ اسی طرح مُردہ کے پاؤں وضو کے وقت دھوئے جاتے ہیں بخلاف زندہ کے کہ وہ غسل سے فراغت کے بعد ہی پاؤں دھوئے جبکہ وہ عام جگہ پر نہائے جس کی تفصیل گزری ہے۔ اسی طرح میّت کا مسح نہیں کرایا جاتا اور زندہ آدمی کو مسح ضروری ہے کذا قیل (کذا فی الاشباہ)۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ تم غیر اللہ کی طرف توجہ کرنے سے جنبی ہو گئے تو تم اپنے نفوس کو گناہوں سے اور اپنے قلوب کو رؤیت طاعات سے اور اپنے باطن کو اغیار سے اور ارواح کو غیر کی طرف متوجہ ہونے سے اور اندرونی بھید کو وجود کی آلائش سے پاک کرو۔ خلاصہ یہ کہ ہر طرح کی طہارت و نظافت ضروری ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

چوں طہارت نبود کعبہ و بتخانہ یکیست
نبود خیر دراں خانہ کہ عصمت نبود

ترجمہ: جب طہارت نہ ہو تو کعبہ و بت خانہ برابر ہیں، اس گھر میں خیر و بھلائی نہیں جہاں عصمت نہ ہو۔

وجوب غسل میں غسل حقیقی کے وجوب کی طرف اشارہ ہے اور تنبیہ ہے کہ قلب و روح کے وجود کو

ہیں کہ کہیں ان کے اندر دنیا اور اس کے شہوات کا عشق سرایت نہ کر جائے۔ جب ایسی بات ہو تو توبہ و اور اخلاص کے پانی سے اسے پاک اور صاف کرنا واجب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اہل اللہ اپنے صفائی میں بہت زیادہ جد و جہد کرتے ہیں، انھیں ظاہری صفائی کی طرف چنداں توجہ نہیں ہوتی بعض صرف ظاہری نمائش میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ کپڑے پر اگر معمولی سی گرد و غبار پڑتی ہے تو فوراً دھونے کی فکر میں پڑ جاتے ہیں لیکن باطن گناہوں کی غلاظت اور گندگیوں سے بھرپور ہوتا ہے۔ حضرت سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کرا جامہ پاکست و سیرت پلید
در دوزخش را نباید کلید

ترجمہ: کسی کے کپڑے تو پاک ہوں لیکن عادت پلید ہو اسے دوزخ کے لیے چابی کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ: قرآن پاک کو صرف پاک لوگ یعنی باوضو ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اور اگر تم بیمار ہو۔ یعنی ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ اس سے ہلاکتِ جان کا خطرہ ہو یا پانی سے بیماری بڑھ جائے گی اَوْ عَلٰى سَفَرٍ یا تم مسافری میں ہو، وہ سفر طویل ہو یا تھوڑا اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے مقام پر آئے۔

ف: الغائط اس نرم جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں انسان پاخانہ وغیرہ کے لیے جائے۔ یہاں صرف پاخانہ وغیرہ مراد ہے اس لیے کہ انسان جب پاخانہ و پیشاب کے اخراج کا ارادہ کرتا ہے وہ ایسی جگہ تلاش کرتا ہے جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو۔

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ یا تم عورتوں کو لمس کرو۔

ف: والملامسۃ بمعنے مرد کا جسم عورت کے جسم کو بلا حائل لگنا۔ لیکن یہاں پر جماع مراد ہے۔ جماعی کیفیت کا صراحۃً ذکر چونکہ قبیح ہے اس لیے اسے قرآنی آداب میں شمار کرتے ہیں۔

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً پس تم پانی نہ پاؤ۔ یہاں پانی نہ پانے سے پانی کے استعمال پر قدرت نہ رکھنا مراد ہے، اس لیے کہ جسے شئے کے استعمال پر قدرت نہ ہو اس کے لیے شئے نہ ہونے کے برابر ہے

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا پس تم پاک مٹی کا ارادہ کرو۔ یعنی پانی نہ ملنے یا اس پر قدرت نہ رکھنے پر زمین کے ظاہر سے کسی ایک پاک شئے کا ارادہ کرو۔

ف : الصعید زمین کے ظاہری حصہ والی مٹی کو کہا جاتا ہے۔ اسے صعیدًا اس لیے کہتے کہ وہ زمین کے اوپر کا چڑھا ہوا حصہ ہے۔ اور طیب بمعنے پاک خواہ وہ بکھری ہوئی ہو یا بندھی ہوئی ہو۔ یہاں تک کہ مثلاً پتھر (یہ بھی زمین کی ایک قسم ہے) پر گرد و غبار نہ ہو لیکن تم نے تیمم کر لیا ہے تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تیمم جائز ہے۔

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ پس تم اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو اسی پاک مٹی سے۔

مسئلہ : ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرنا لازمی ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیمم فرمایا تو اپنے ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کیا۔

ف : نیز عقلاً یہی صحیح ہے اس لیے کہ تیمم وضوء کا بدل ہے۔ پھر جس قدر وضوء میں متعین ہے اسی قدر تیمم میں ہونا لازمی ہے۔

ف : بوجوھکم میں باء زائد ہے۔ اور منہ سے ابتداءِ غایۃ کے لیے ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہاتھوں کو مٹی پر رکھا نہیں چہروں اور ہاتھوں پر پھیرو اور مٹی پر ہاتھ لگا کر چہروں اور ہاتھوں تک لے جانے کے مابین اور کوئی عمل فاصل نہ ہو۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ نماز کی طہارت یا تیمم کے حکم سے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ نہیں لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ کہ تمہارے لیے دینی معاملات میں تنگی پیدا کرے وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ لیکن اس کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں گناہوں سے پاک اور صاف کرے۔ اس لیے کہ وضوء گناہوں کا کفارہ ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ایما رجل قام الی وضوئہ یرید	جو شخص نماز کا وضو کرتا ہے تو اس کی ہتھیلیوں
الصلوٰۃ ثم غسل کفیہ نزلت	کے پہلے قطرے سے ہی ہاتھوں کے تمام
خطیئۃ کفیہ مع اول قطرۃ فاذا	گناہ دھل جاتے ہیں اسی طرح کلی کرنے
تمضمض نزلت خطیئۃ لسانہ	سے منہ کے تمام گناہ گر جاتے ہیں اسی طرح
وشفتیہ مع اول قطرۃ واذا غسل	ناک میں پانی دینے سے ناک کے تمام
وجھہ ویدیہ الی المرفقین	گناہ مٹ جاتے ہیں پھر جب چہرے اور

...وسلم من معل ذنب ھو علیہ وکان کیوم ولدتہ امہ ۔

ہتھیلیوں اور پاؤں کے دھونے سے فراغت پاتا ہے تو وہ پچھلے تمام گناہوں سے ایسے پاک اور صاف ہو جاتا ہے گویا اسے اس کی ماں نے ابھی جنا ہے ۔

...ت کی دیگر تقریر یا تمہیں مٹی سے تیمم کی اجازت دے کر تمہیں پاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے کہ مٹی کو پانی کے قائم مقام فرمایا گیا ہے ۔

وَلِيُتِمَّ اور تاکہ مکمل کرے تمہارے اوپر اپنی نعمت کہ ایسے طریقے مشروع فرمائے کہ جن سے ...سے اجسام بھی پاک اور صاف ہوں اور اُن سے تمہارے گناہ بھی دُھل جائیں نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ ...پنی وہ نعمت جو دین سے متعلق ہے وہ صرف تمہارے لئے مخصوص ہے، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ...لازمی طور پر تمہیں ادا کرنا تھے انہیں رخصت سے تبدیل کر کے تمہارے لیے موجبِ نعمت بنا دیا گیا۔

...مسئلہ: شرعاً رخصت اس فعل کو کہا جاتا ہے جو بوجہ عذر کے مشروع ہوا اور عزیمۃ ہر وہ فعل جو بالاصالۃ ...شروع ہو۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔

فائدہ صوفیانہ دراصل کپڑے کے صاف کرنے (کہ جس سے میل کچیل بزور قوت دُور کی جاتی ہے) یا جسم کی صفائی (کہ معمولی سی کوشش سے اس کی میل کچیل دُھل جاتی ہے) سے دل کی طہارت ...مطلوب ہے جو باطنی امور کا خلاصہ ہے۔ دل کی طہارت یہ ہے کہ اسے مذموم اخلاق کی نجاسات سے دُور ...رکھا جائے۔ یہی حقیقی طہارت ہے۔ یہ بھی ممکن ہے بلکہ یقین ہے کہ ظاہر کی صفائی باطن کی صفائی پر اثر انداز ہوتی ہے کہ اس سے دل کا نور چمک اٹھتا ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ جس وقت انسان وضو یا دیگر کوئی ظاہری صفائی کرتا ہے تو دل میں ایک قسم کا نور و سرور محسوس ہوتا ہے، اس سے قبل اسے یہ کیفیت حاصل نہ تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملک اور ملکوت کو آپس میں تعلق ہے۔ مثلاً جس طرح دل کے معارف و حقائق کے آثار ظاہری اعضاء پر نمودار ہوتے ہیں اسی طرح ظاہری بدن کی صفائی سے دل پر اثر پڑتا ہے بدن عالم ملک کا باشی ہے اور دل عالم ملکوت کی نماز میں اعضاء کو متحرک کرنے کا بھی یہی راز ہے کہ یہ اعضاء جو کہ عالم شہادت کے باشی ہیں متحرک ہوں گے تو عبادتِ الٰہی جس کا نام نماز ہے تو وہ ادا ہوگی۔ اس وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز کو دنیا اور دنیا کی اشیاء میں شمار فرمایا۔ کما قال: مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں محبوب ہیں:

(۱) خوشبو

(۲) عورتیں

(۳) نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک۔

اس سے ثابت ہُوا کہ ظاہری طہارت سے باطن پر اثر پڑتا ہے۔ اس کے لیے نقلی دلیل بھی ہے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

پانچ باتوں سے پانچ امور ظاہر ہوں گے:

(۱) سُودی کاروبار سے زلزلے۔

(۲) ظالم افسروں سے قحط۔

(۳) کثرتِ زنا سے کثرتِ اموات۔

(۴) زکوٰۃ نہ دینے سے جانوروں کی قلّت۔

(۵) اہل ذمّہ پر تعدّی سے دولت سمٹ کر ان کے پاس چلی جائے گی۔

نیز محسوسات سے بھی اس کی دلیل ملتی ہے کہ واقعی ظاہر کا باطن پر اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ سورج کے سامنے شیشہ رکھ دیا جائے تو سورج کا نور شیشہ میں پڑتا ہے پھر اسی شیشہ کے سامنے کوئی اور شئے رکھی جائے تو شیشے کی شعاع اس کے بالمقابل رکھی ہوئی شئے پر پڑے گی۔

سبق: چونکہ اللہ تعالیٰ نے تیمم اور وضو کو اسباب طہارت میں مقرر فرمایا ہے اس لیے سالک پر لازم ہے کہ وہ ہر طہارت کے لیے جد وجہد کرے۔ اگرچہ وہ بھی توفیقِ الٰہی سے نصیب ہوگا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فیض ازل بزور زر ار آمدے بدست

آب خضر نصیبۂ اسکندر آمدے

ترجمہ: اگر بزور زر فیض ازلی حاصل ہوتا تو آب حیات خضر کے نہیں سکندر کے نصیب میں ہوتا۔

تفسیر صُوفیانہ: آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تم حُبّ دنیا کے مرض میں مبتلا ہو جاؤ یا خواہشاتِ نفسانی کے سفر میں پھنس جاؤ یا تمہارے کسی نے شہوات نفسانی کے مطابق عمل کر لیا یا تم میں سے کسی ایک نے لذاتِ دنیویہ کو چکھ لیا پھر تمہیں توبہ واستغفار کا پانی بھی میسر نہیں ہوتا تو پھر مشائخ کرام اولیاءِ عظام کے قدموں کی گرد وغبار ہو جاؤ اور اُن کی خدمت کرو کیونکہ ان کی

۔۔۔اور بعض بڑے گناہوں سے پاک اور صاف ہو جاؤ۔ اور سب سے بڑا کبیرہ گناہ شرک ۔۔۔ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود کے مقابلہ میں اپنے وجود کا دم مارا جائے ۔۔۔ وقت ملتا ہے جب کسی کامل شیخ کے قدموں کی گرد و غبار کو حرزِ جاں بنایا جائے۔ ان حضرات ۔۔۔ دروازوں کو کھٹکھٹانے سے یہ خرابی دُور ہو جاتی ہے ورنہ مشکل ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں ان امور ۔۔۔ کرتا ہے کہ تمہارے اوپر اپنی رحمت و نعمت کی تکمیل کرے۔ لیکن یہ اس وقت ہوگا جب تمہاری ۔۔۔ فنائی تکمیل جائے۔ اور وہ مشائخ کرام اور اولیاءِ عظام کی خصوصی توجہ سے پگھلے گی اور اللہ تعالیٰ ۔۔۔ ہویت کی اکسیر ڈالے گا تو پھر تمہارے قلوب اکسیر ہوں گے **لعلکم تشکرون** یعنی ۔۔۔ کے صدقے ہی سے تمہیں انوارِ نعمت کی زیارت نصیب ہوگی۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو۔

مسئلہ نعمۃ سے یہاں اسلام مراد ہے۔ نعمت کی یاد سے منعم یاد آجاتا ہے نیز نعمت ۔۔۔ منعم کا شکر کرنے کی رغبت ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اسلام کو بھی بھول جاتا ہے، حالانکہ یہ ناممکن ہے کیونکہ مسلمان ہو کر ۔۔۔ کیسے بھولتا ہے جبکہ اسلام کے متعلقات ہر وقت اس کے سامنے گھومتے رہتے ہیں۔

۔۔۔ یہ ایک فطری اور طبعی امر ہے کہ جو شے کسی کے لیے بمنزلہ طبیعت کے بن جائے اور بار بار اس سے ۔۔۔ اگرچہ وہ کتنی ہی اعلیٰ نعمت ہو لیکن بوجہ طبیعت میں یکجان ہونے کے یہ یاد نہیں رہتا کہ یہ نعمت ہے ۔۔۔ اس فطری امر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یاد دہانی فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں ایسی نعمت کا طبعی طور شکر ۔۔۔ نہیں بنتا بلکہ ایسی نعمت پر شکر اس وقت عبادت بنتا ہے جب اسے امرِ ربی سمجھ کر ادا کیا جائے۔

وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ اور اللہ تعالیٰ کا وہ معاہدہ یاد کرو جو تم سے بڑی سخت ۔۔۔ لیا گیا۔ چنانچہ فرمایا **اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا** جبکہ تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور مانا ۔۔۔ واثقکم کے متعلق ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ انہیں اس عہد کی یاد دہانی سے تنبیہ ہو کہ وہ اس ۔۔۔ پیمان کو قبول کر کے پورے طور پر اس کی محافظت اور نگرانی کریں۔ یہ وہی میثاق ہے جو حضور نبی پاک ۔۔۔ اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے بیعت لی کہ دکھ اور سکھ، اختیار و اکراہ میں احکامِ الٰہیہ کو قبول کر کے ۔۔۔ حتی الامکان عمل کریں **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** نعمتوں کو بھولنے اور عہد و پیمان الٰہی کو توڑنے میں اللہ تعالیٰ ۔۔۔ ڈرو **اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** بے شک اللہ تعالیٰ سینہ کے اندر کے تمام ۔۔۔ پوشیدہ امور کو جانتا ہے۔

سوال : ذات الصدور کیوں فرمایا حالانکہ اس سے سینے کے اندر کے پوشیدہ اسرار مراد ہیں۔
جواب : چونکہ ان اسرار مخفیہ کی جزا و سزا انسان کی ذات پر مرتب ہوگی اس لیے ذات الصدور سے تعبیر کرنا مناسب ہوا۔

ف : جب وہ پوشیدہ اسرار کو جانتا ہے تو پھر کھلے بندوں گناہ کے ارتکاب کو بطریقِ اولیٰ جانتا ہے

انعاماتِ الٰہیہ کی تعداد (۱) سب سے پہلی اور بڑی نعمت یہ ہے کہ ہمیں ظلماتِ عدم سے نکال کر نورِ وجود سے نوازا جبکہ باقی موجودات کو ہمارے بعد نعمتِ وجود بخشی
(۲) دینِ قدیم کو قبول کرنے کے لیے احسن تقویم عطا فرمائی۔
(۳) الست بربکم فرما کر بلیٰ کہنے کی توفیق بخشی۔
(۴) اس خطاب کے قبول کرنے اور پھر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی اس لیے کہ اگر اس کی توفیق شاملِ حال نہ ہوتی تو ہم کافروں کی طرح سمعنا وعصینا کہتے۔

حدیث شریف ۱ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نو یا آٹھ یا سات افراد تھے ہم اس وقت نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ہم نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرلیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا : تم میری بیعت کیوں نہیں کرتے ؟ ہم نے عرض کی ، ہم حاضر ہیں۔ اور یہ کہہ کر ہم نے بیعت کے لیے ہاتھ پھیلا دئے اور عرض کی کہ ہم کس بات کا عہد کریں ؟ آپ نے فرمایا : "صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ، اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ پانچوں نمازیں پڑھنا۔ اس کے تمام چھوٹے بڑے احکام کی پابندی کرنا ، اور لوگوں سے کسی کام کا سوال نہ کرنا" اس کے بعد ہم نے مشاہدہ کیا کہ اگر کسی کا سواری پر سے ڈنڈا نیچے گر جاتا تو سواری سے اتر کر خود اٹھاتا ، لیکن کسی سے اس کے اٹھا دینے کا سوال نہ کرتا۔

حدیث شریف ۲ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پانچوں نمازوں کی بیعت کی۔ اس پر مجھے سات بار تاکید فرمائی۔ اس کے بعد مجھ سے کلمۂ شہادت کی بیعت کی اور اس پر سات بار تاکید فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی ادائیگی میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا۔

حدیث شریف ۳ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے ظاہر و باطن میں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اگر

ہے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اس کے ساتھ فوراً نیکی کرنا اور کسی سے کسی بات کا سوال نہ کرنا اگرچہ سواری سے گر جائے تو بھی کسی سے نہ کہنا اور کسی کی امانت نہ روکے رکھنا ۔حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا : ؎

وفا و عہد نکو باشد ار بیاموزے
وگرنہ ہر کہ تو بینی ستمگری داند

ترجمہ : وفا و عہد کسی نیک سے سیکھو ورنہ جس کسی کو دیکھے گا وہ ستمگری ہی جانتا ہوگا ۔

اللہ ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو وعدوں کو وفا کرتے ہیں ۔ (آمین)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے لیے پابندی کرو اور ان پر ثابت قدم رہو، بلکہ ان کی عظمت کو پہچانو اور ان کے حقوق کی پوری نگہداشت شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ عدل و انصاف سے ان کی محافظت کرو ۔ یہ کُوْنُوْا کی دوسری خبر ہے يَجْرِمَنَّكُمْ اور نہ ہی برانگیختہ کرے تمہیں شَنَاٰنُ قَوْمٍ مشرکین کا سخت بغض و عداوت اَلَّا تَعْدِلُوْا کہ تم ان سے عدل و انصاف کرو ۔یعنی کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کرو جو تمہارے لیے نہ ہو مثلاً ان کا مثلہ یا ان پر بہتان تراشی کرو یا ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرو یا ان سے معاہدہ ہو تاکہ اس طرح سے تم اپنا جی بہلاؤ۔ اِعْدِلُوْا هُوَ عدل و انصاف سے کام لو اس لیے کہ عدل اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى تقویٰ کے قریب تر ہے کہ تمہیں اسی کا حکم ہے ۔

سبق جب کفار کے ساتھ عدل و انصاف کی اتنی تاکید شدید ہے تو پھر اہلِ اسلام کے ساتھ کتنا ضروری ہوگا ۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس لیے کہ تمام امور کا سرتاج اور آخرت کا بہترین زادِ راہ یہی تقویٰ ہے اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے ان سب کی تمہیں جزا و سزا دے گا ۔

ربط : چونکہ مضمونِ بالا وعدہ وعید کے لیے بمنزلہ علت کے ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اسے بھلائی کا وعدہ ہے جو اس کے خلاف کرتا ہے اسے جہنم کی وعید ۔ اس لیے فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان اور نیک عمل کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ۔ان نیک اعمال سے عدل و انصاف اور تقویٰ و طہارت بھی وعد کا مفعول ثانی محذوف ہے

یعنی الجنۃ۔ چنانچہ متعدد مقامات پر اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ایسے لوگوں کے گناہوں کی مغفرت وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ اور بہت بڑا اجر ہے۔ یعنی بہشت میں انہیں بہت بڑا اجر نصیب ہوگا۔ یہ اس الجنۃ کی تفسیر ہے، سبب بول کر مسبّب مراد لیا گیا ہے اس لیے کہ جنت مغفرت کا سبب ہے اور جسے اجر حاصل ہوگا اسے بہشت نصیب ہوگی۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ اور وہ لوگ جو کافر ہوئے اور ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں منجملہ ان کے یہی ہے جو ابھی بیان ہوا کہ وہ لوگ نہ عدل و انصاف کرتے ہیں نہ ہی تقویٰ اور طہارت۔ یہی لوگ ہیں جن کا ذکر ابھی گزرا کہ وہ کفر و تکذیب کا ارتکاب کرتے ہیں اصحاب الجحیم وہ جہنمی ہیں یعنی وہ اس میں دائمی طور پر رہیں گے۔ اس میں مومنین کو مزید وعدہ سے نوازا گیا ہے اس لیے کہ جب اُن کے دشمنوں کو اتنے بڑے ڈر سنائے گئے تو انہیں خوشی نصیب ہوگی اور اپنے اندر جو حزن و ملال رکھتے ہوں گے کہ کافروں نے انہیں دکھ پہنچائے۔ اُن کے عذاب کی خبریں سُن کر دل ٹھنڈا کریں گے اس لیے کہ فطرت انسانی ہے کہ انسان اپنے دشمن کی ذلت سے خوش ہوتا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اِن آیات میں مومنین کو صراحۃً بتایا ہے کہ عدل و انصاف کا شیوہ بناؤ اور یہ بتایا کہ عدل تمہارے لیے بمنزلہ تقویٰ کے ہے اور فرمایا کہ ظلم و ستم سے دُور رہو اس لیے کہ یہ ظلم و ستم خواہش نفسانی سے سرزد ہوتا ہے اس لیے کہ اس کا اصل موجب کسی سے بغض و عداوت ہے۔

سبق: مسلمان پر لازم ہے اپنے پرائے سے نیک سلوک کرے بالخصوص اپنی آل و اولاد اور اپنے نفس کے لیے بھی۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے:

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ — تم سب کے سب حاکم ہو اور ہر حاکم سے اپنی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔

نسخۂ جہانبانی نوشیرواں کے تخت کے نیچے سے ایک مخطوط ملا جس پر لکھا تھا کہ بادشاہ امیر کہتے ہیں اور امیری رعایا سے ہوتی ہے اور رعایا کی کثرت اموال کی سہولت سے ہوتی ہے اور اموال رعایا پروری پر ہوتا ہے اور رعایا پروری کے لیے عدل ضروری ہے عدل و انصاف کے ترازو میں رعایا اور بادشاہ برابر کے دو پلڑے ہیں بادشاہ پر لازم ہے کہ اپنی ہر بھلائی میں رعایا کو شریک رکھے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

شاہ را بہ بود از طاعت صد سالہ و زہد
قدر یک ساعت عمرے کہ در و داد کند

ترجمہ: بادشاہ کو سو سال کے زہد و عبادت سے وہ ایک گھڑی بہتر ہے جس میں انصاف کرے۔

حکایت حضرت محمد بن الواسع کے وصایا الفتوحات کے ترجمہ میں ہے کہ بلال بن بردہ ایک بادشاہ تھا اس کے ہاں ایک ولی اللہ تشریف لایا۔ دیکھا کہ بادشاہ عیش و عشرت میں غرق ہے اس کے آگے کھانے پینے کے بہترین پرفانی طعام و شراب پڑے تھے اور بادشاہ نہایت خوش و خرم بیٹھا تھا، اس ولی اللہ نے محمد بن واسع سے مخاطب ہو کر فرمایا یہ گھر کیسا ہے؟ اس نے عرض کی بہترین گھر ہے۔ ولی اللہ نے فرمایا لیکن بہشت بدرجہا بہتر ہے اور معلوم ہو کہ دوزخ ایسے لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو ایسے گھروں میں ایسے غافل ہو کر گزارتے ہیں۔ بادشاہ نے اس ولی اللہ سے عرض کی فرمایئے تقدیر کیا شے ہے؟ ولی اللہ نے فرمایا بات تو بتائی جائے گی لیکن تم ذرا گورستان والوں سے عبرت حاصل کرو کہ وہ کس حال میں ہیں، تمہیں تقدیر کے مسائل سے کیا واسطہ۔ بادشاہ پر ولی اللہ کی بات اثر کر گئی عرض کی، میرے لیے دعا فرمایئے۔ ولی اللہ نے فرمایا: میری دعا کیا اثر کرے گی جبکہ تیرے لیے بد دعا کرنے والے مظلوم اتنے ہیں کہ ان کی بد دعا عرش الٰہی پر پہنچ چکی ہے وہ میری دعا کو آگے کیسے جانے دیں گے۔ تم ظلم کرنا چھوڑ دو میری دعا کے بغیر ہی تیرے تمام مقاصد پورے ہو جائیں گے۔

حکایت دیگر حضرت بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ سے ہارون الرشید بادشاہ نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ تو انہوں نے فرمایا تو وہ ہے کہ اگر تیرے ملک کے مشرق میں کوئی ظلم کرے اور تو مغرب میں ہو تو اس کے متعلق بھی قیامت میں تجھ سے اللہ تعالیٰ باز پرس کرے گا۔ یہ سن کر ہارون رشید رو پڑا۔

نکتہ عین المعانی میں ہے کہ عالم دین اہل اللہ ظالمین کے ہاں نہیں جایا کرتے کہ کہیں ان کے لیے کوئی ایسی دعا نہ کرنی پڑے جو کہ ظلم و ستم کی مؤید بنے، اس لیے وارد ہے کہ جو شخص ظالم کے ظلم کو جاننے کے باوجود اس کی بقا کی دعا کرتا ہے تو سمجھ لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کی نافرمانی کر رہا ہے۔

سبق: ظالم کو نصیحت کرے اس کے لیے خوشامد ہرگز نہ کرے۔

حدیث شریف میں ہے: ما ترك الحق لعمر من صديق (جس نے حق گوئی کا شیوہ

اختیار نہ کیا اس کے دوست گھٹ جاتے ہیں)

حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا،

لما ادمت النصح و التحقیقا

لم یترکا فی الوجود صدیقا

ترجمہ: جب سے مجھے نصیحت و تحقیق نصیب ہوئے اس وقت دنیا میں میرا کوئی دوست نہیں رہا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بگوے آنچہ دانی سخن سودمند

وگر ہیچکس را نیاید پسند

ترجمہ: وہ سخن جو تو سودمند سمجھتا ہے کہہ ڈال اگرچہ کسی کو وہ پسند نہ ہو۔

سبق: بہرحال عدل و انصاف بہترین عادت ہے۔

حکایت نوشیرواں جب فوت ہُوا تو اس کی میت صندوق میں بند کرکے اس کی تمام مملکت میں پھرائی گئی اور اعلان ہوتا رہا کہ نوشیرواں سے کسی نے کوئی حق لینا ہے تو بتائے باوجود اینہمہ کوئی ایک بھی ایسا نہ ملا جس نے نوشیرواں سے کچھ لینا ہوتا۔

سبق اس لیے حاتم کے جود و سخاوت کی طرح وہ عدل و انصاف میں مشہور ہوا اب بھی جو عدل و انصاف سے کام لیتا ہے اُسے نوشیرواں ثانی کہا جاتا ہے۔ اسے عادل محض مدح و ثنا کے طور پر نہیں کہا جاتا بلکہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس نے عدل و انصاف کا حق ادا کیا تھا۔

مسئلہ: ہمارے دَور کے حکام و آفیسران کو عادل کہنا (جبکہ وہ ظلم و ستم کے مرتکب ہوتے ہیں) گناہ ہے بلکہ ان کے ظلم و ستم کے جاننے کے باوجود ان کی عدل و انصاف سے تعریف کرنا جھوٹ اور کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

نکتہ: کافر کو عدل سے موصوف کرنا اور ظالم مسلمانوں کو عدل سے موصوف نہ کرنا کوئی قباحت نہیں اس لیے کہ عدل اور ظلم و ستم دو متضاد صفات ہیں فلہٰذا ان کا اجتماع محال ہے۔

شانِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قیامت میں صدق کا جھنڈا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ میں ہوگا ہر سچ بولنے والا آپ کے جھنڈے تلے پناہ لے گا۔ عدل و انصاف کا جھنڈا عثمانِ غنی (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ میں ہوگا ہر عادل انہی کے

جھنڈے تلے آ جائے گا سخاوت کا جھنڈا عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ میں ہوگا۔ ہر سخی انکے جھنڈے کے نیچے ہوگا۔ سخاوت کا جھنڈا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوگا تمام شہداء آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ فقہاء کرام حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ تمام زاہد حضرت ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے جھنڈے کے نیچے اور تمام فقراء حضرت ابو درداء (رضی اللہ عنہ) کے جھنڈے کے نیچے اور تمام قاری حضرات دیسی ہی دیسے ہی حضرت ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) کے جھنڈے نیچے اور تمام موذن حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) اور مظلوم مقتول حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے جھنڈے تلے حاضر ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یوم ندعوا کل اناس بامامھم الآیۃ (کذا فی زہرۃ الریاض)

ف: عدل ہر اس فعل اور قول اور عادت کو کہتے ہیں جو متوسط اور محمود ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے فاستقم کما امرت۔ جسے یہ دولت نصیب ہوتی ہے اسے کیمیا نصیب ہوا یا یوں سمجھو کہ اسے خالص عطر کی کان حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے ہمیں توفیق و ہدایت نصیب ہو۔ (آمین)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اے ایمان والو اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تمہیں عطا ہوئی۔ علیکم، نعمت اللہ سے متعلق ہے اِذْ هَمَّ قَوْمٌ جبکہ ایک قوم نے ارادہ کیا اذ نفس نعمت کے لیے ظرف ہے۔ یعنی یاد کرو اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو جبکہ کفار نے تمہارے لیے برے عزائم کیے ہوئے تھے اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ کہ تمہاری طرف ہاتھ پھیلائیں یعنی تمہیں قتل اور تباہ و برباد کریں۔ یہ محاورہ عرب میں مشہور ہے، مثلاً کہا جاتا ہے بسط الیہ یدہ۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جبکہ کوئی کسی چیز پر حملہ کرے۔ اور کہتے ہیں بسط الیہ لسانہ۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جبکہ کوئی کسی کو گالی دے۔ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ پس اللہ تعالیٰ نے تم سے ان کا ہاتھ روک لیا۔ اس کا عطف ھَمَّ پر ہے یہ وہی نعمت ہے جس کی تذکیر مطلوب ہے اور ان کے ارادہ سے خبر دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بوقت ضرورت ہر لمحہ اہل اسلام کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اور یہ فاء تعقیبیہ ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت مکمل طور پر تمہیں عنایت فرمائی بایں معنی کہ بمجرد ان کے برے ارادے تمہارے اوپر حملہ کرنے سے انہیں روک دیا۔ یہ نہیں کہ انہوں نے حملہ کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں روکا۔

ف: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام پر اتنی مکمل نعمت عنایت فرمائی

کہ جس میں دشمنوں کے خوف کا ذرہ بھر بھی خطرہ نہیں تھا اور نہ ہی مخالفین کو ایسا موقعہ میسر ہوا کہ جس سے اہلِ اسلام پر ہاتھ کھڑا کرسکیں ۔ ہاتھ کھڑا کرنے سے ہی اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو محفوظ فرما لیا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل روایات دلالت کرتی ہیں۔

حدیث شریف ۱ مشرکین نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو غزوہ ذی انمار (جسے غزوہ ذات الرقاع سے تعبیر کیا جاتا ہے) یہ حضور علیہ السلام کی ساتویں جنگ تھی، میں دیکھا کہ وہ ظہر کی نماز میں مشغول ہیں لیکن کفار کو ان پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو مشرکین کو افسوس ہوا کہ ہم حملہ کرنے سے کیوں باز رہے ۔ انہیں کسی نے کہا کہ صبر کرو اب عصر کی نماز پڑھیں گے وہ نماز انہیں اپنے آباء وابناء سے بھی زیادہ محبوب ہے اس نماز میں وہ مشغول ہوں گے تو تم ان پر حملہ کر دینا ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس نمازِ عصر سے پہلے صلوٰۃِ خوف کا حکم دیا اس طرح کفار کو حضور علیہ السلام پر حملہ کرنے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام اس طرح سے ان کے غلط منصوبوں سے محفوظ ہو گئے ۔

حدیث شریف ۲ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیارے یاروں سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لے کر بنو قریظہ کے ہاں قرض لینے کے لیے تشریف لے گئے، جبکہ دو مسلمانوں کو عمرو بن امیہ ضمری نے خطاءً قتل کر دیا اس خیال پر کہ شاید یہ مشرکین ہیں، لیکن وہ مسلمان تھے اب ان کی دیت ادا کرنا پڑی ۔ اسلام میں اتنی وسعت نہ تھی اس لیے قرض لینے کی ضرورت پڑی۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے یاروں سمیت بنو قریظہ کے ہاں پہنچے تو انہوں نے عرض کی تشریف رکھئے، ہم آپ کے کھانے کا انتظام کرتے ہیں اور منہ مانگا قرضہ بھی پیش کرتے ہیں چنانچہ آپ کو آپ کے یاروں سمیت ایک صُفّہ میں بٹھا دیا لیکن ارادہ کیا کہ اُوپر سے کوئی ایسی بھاری چیز پھینکیں کہ جس کے صدمہ سے یہ حضرات جانبر نہ ہوسکیں ۔ چنانچہ عمرو بن جحاش پتھر کی ایک بہت بڑی چکی اٹھالایا تاکہ حضور علیہ السلام اور آپ کے یاروں پر پھینکے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی قدرت سے روک لیا اور جبریل علیہ السلام کو بھیجا کہ آپ جلدی سے یہاں سے اُٹھ کر گھر تشریف لے جائیں ۔ آپ حکم ربانی بجالائے اور فوراً چلے گئے اور اس طرح سے دشمنوں کی شرارت سے محفوظ ہو گئے ۔

حدیث شریف ــــ معجزہ مروی ہے کہ آپ جنگ سے فراغت پاکر مدینہ طیبہ واپس تشریف لا رہے تھے راستہ میں آرام کرنے کی خاطر قافلہ ایک جگہ رُکا اور سب اپنے اپنے مقام پر ایک ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لگے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے اپنی تلوار درخت کے ساتھ لٹکا دی اور سو گئے۔ ایک اعرابی نے موقعہ پاکر آپ کی تلوار کو اٹھا لیا اور نیام سے نکال کر آپ کے سرہانے کھڑا ہو گیا اور آپ سے کہنے لگا بتایئے اب میری گرفت سے تمہیں کون بچائے گا۔ آپ نے فرمایا میرا اللہ تعالیٰ مجھے بچا لے گا۔ آپ نے جب یہ فرمایا تو جبریل علیہ السلام نے اعرابی سے تلوار چھین لی اور اسے نیچے گرا دیا۔ آپ اٹھے اور وہی تلوار اٹھا کر اُس کے سر پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اب تُو بتا تجھے کون بچائے گا؟ اس نے کہا کوئی نہیں لیکن میں مسلمان ہوتا ہوں، یہ کہہ کر پڑھا اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمداً رسول اللّٰہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وکرم وسلم)۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ اور اللہ سے ڈرو۔ اس کا عطف اذکروا پر ہے یعنی نعمت کے حقوق پر پوری پوری نگہداشت رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی شکرگزاری میں کسی قسم کا خلل واقع ہو وَعَلَی اللّٰہِ اور مستقل طور پر بلا اشتراک احد سے صرف اللہ تعالیٰ پر فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ مومنوں کو توکل کرنا چاہیے اس لیے صرف وہی بھلائی پہنچاتا اور ضرر دفع کرتا ہے۔

توکل کی تحقیق جمیع امور میں صرف اللہ تعالیٰ کا سہارا کرنے کا نام توکل ہے اس کا محل قلب ہے، ظاہری اسباب کی تلاش توکل کے منافی نہیں، جبکہ اسلامی عقائد میں ہے کہ ہر بُرائی اور بھلائی کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ توکل کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ہر امر کے سامنے ایسے ہو جیسے مردہ بدست زندہ۔ لیکن یہ اسے نصیب ہوتا ہے جس کا یقین کامل ہو، جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام تھے کہ جب آپ پر نمرود اور دوسرے کفار نے آپ کو اٹھا کر آگ میں پھینکنے کا ارادہ کیا تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ کوئی ضرورت ہو تو فرمایئے۔ آپ نے فرمایا: ضرورت ہے تو سہی لیکن تجھ سے مجھے کیا غرض، میرا اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے وہی میرے حال کو زیادہ جانتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تھا کہ آپ پر مشرکینِ عرب نے طرح طرح کے حملے کئے لیکن کیا مجال کہ وہ آپ کو ذرہ برابر نقصان پہنچا سکتے بلکہ الٹا خود قسم قسم کی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہوئے گویا اُن کے بُرے ارادوں کی انہیں سزا ملی۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

قصۂ عاد و ثمود از بہر چیست
تا بدانی کہ انبیاء را نازکیست

ترجمہ : قصۂ عاد و ثمود کس لیے ہیں تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کا معاملہ نازک تر ہے۔

ف : توکل ایک بہت بڑے بلند مرتبے کا نام ہے اور یہ صرف مقربانِ الٰہی کو نصیب ہوتا ہے۔

سبق : مومن پر لازم ہے کہ وہ صفاتِ حمیدہ سے موصوف ہونے کی جد و جہد کرے اور وہ ایسے راستہ پر چلنے کی کوشش کرے جسے راہِ حق کہا جاسکے۔

حکایت ایک حکیم صاحب کسی شخص کے گھر تشریف لے گئے انہوں نے وہ مکان جدید طریقے سے تیار کیا اس میں بہترین فرش و فروش بچھائے۔ لیکن گھر کا مالک ایسے گھر کے لائق نہیں تھا۔ حکیم صاحب نے گھر والوں کو دیکھ اس شخص کے منہ پر تھوک پھینکا۔ اس شخص نے کہا یہ کیا حماقت ہے؟ حکیم صاحب نے فرمایا عین دانائی ہے اس لیے کہ تھوک مکان کی گندی جگہ پر ڈالی جاتی ہے اور اس مکان میں سوائے تیرے اور کوئی زیادہ گندی شے نہیں اس لیے کہ تو اس گھر میں رہنے کا اہل نہیں اور تیرے اندر اچھے اوصاف بھی نہیں۔ یہ سن کر صاحبِ مکان چونکا اور متنبہ ہوا کہ دنیا میں اس جیسا گندا کوئی نہیں اس لیے کہ وہ شخص لذاتِ نفسانی میں منہمک اور ہر وقت ظاہری سجاوٹ میں لگا رہتا تھا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

قلندرانِ حقیقت بنیم جو نخرند
قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ : قلندرانِ حقیقت اس کی قبائے اطلس کو جو کے برابر نہیں سمجھتے جو ہنر سے خالی ہو۔

مسئلہ : ہر شے اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے وابستہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اپنی تقدیر سے جیسے چاہتا ہے آزمائش کرتا ہے۔

سبق : بندوں پر لازم ہے کہ ہر دکھ اور سکھ اور اختیار و اکراہ میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرے۔

حکایت ابو عثمان سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑ کی چوٹی پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے آپ کے ہاں ابلیس لعین حاضر ہوا اور کہا کہ آپ کا عقیدہ ہے کہ ہر شے تقدیرِ الٰہی سے وابستہ ہے تو آپ ابھی پہاڑ سے چھلانگ لگائیے تقدیرِ الٰہی میں ہو گا تو آپ کو نقصان پہنچے گا ورنہ نہیں۔ آپ نے فرمایا اے بدبخت! بندوں کا کام نہیں کہ وہ اپنے رب کا امتحان لیں بلکہ یہ صرف اسی کا کام ہے کہ وہ اپنے

(باقی صفحہ ۱۵۰ پر)

وَلَقَدْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ وَبَعَثْنَا

اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں

مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ۖ وَقَالَ اللّٰهُ إِنِّي مَعَكُمْ ۖ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَآتَيْتُمُ

بارہ سردار قائم کیے اور اللہ نے فرمایا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں ضرور اگر تم نماز قائم رکھو

الزَّكٰوةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ

اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرض حسن دو بے شک میں

عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ

تمہارے گناہ اتار دوں گا اور ضرور تمہیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں رواں پھر اس کے بعد

ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ

جو تم میں سے کفر کرے وہ ضرور سیدھی راہ سے بہکا تو ان کی کیسی بدعہدیوں پر ہم نے انہیں لعنت کی

وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قٰسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا

اور ان کے دل سخت کر دیئے اللہ کی باتوں کو ان کے ٹھکانوں سے بدلتے ہیں اور بھلا بیٹھے بڑا حصہ

مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ

ان نصیحتوں کا جو انہیں دی گئیں اور تم ہمیشہ ان کی ایک نہ ایک دغا پر مطلع ہوتے رہو گے سوا تھوڑوں کے

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِينَ

تو انہیں معاف کرو اور ان سے درگزرو بے شک احسان والے اللہ کو محبوب ہیں اور وہ جنہوں نے

قَالُوا إِنَّا نَصٰرٰى أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا

دعویٰ کیا کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے عہد لیا تو وہ بھلا بیٹھے بڑا حصہ ان نصیحتوں کا جو انہیں دی گئیں

بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ

تو ہم نے ان کے آپس میں قیامت کے دن تک بیر اور بغض ڈال دیا اور عنقریب اللہ انہیں بتا دے گا

بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۴﴾ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ

جو کچھ کرتے تھے اے کتاب والو بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف

لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۚ قَدْ

لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی وہ چیزیں جو تم نے کتاب میں چھپا ڈالی تھیں اور بہت سی معاف فرماتے

جَآءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتٰبٌ مُبِينٌ ﴿۱۵﴾ يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب اللہ اس سے ہدایت دیتا ہے اسے جو

رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ

اللہ کی مرضی پر چلا سلامتی کے راستے اور انہیں اندھیریوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم

وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

سے اور انہیں سیدھی راہ دکھاتا ہے بے شک کافر ہوئے وہ جنہوں نے کہا کہ اللہ

الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ

مسیح بن مریم ہی ہے تم فرمادو پھر اللہ کا کوئی کیا کرسکتا ہے اگر وہ چاہے کہ ہلاک کردے

الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

مسیح بن مریم اور اس کی ماں اور تمام زمین والوں کو اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین

وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ

اور ان کے درمیان کی جو چاہے پیدا کرتا ہے اور اللہ سب کچھ کرسکتا ہے اور یہودی اور نصرانی بولے

وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ

کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں تم فرمادو پھر تمہیں کیوں تمہارے گناہوں پر عذاب فرماتا ہے بلکہ

اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

تم آدمی ہو اس کی مخلوقات سے جسے چاہے بخشتا ہے اور جسے چاہے سزا دیتا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ

سلطنت آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی اور اسی کی طرف پھرنا ہے اے کتاب والو بے شک

جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰي فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاۗءَنَا

تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر احکام ظاہر فرماتے ہیں بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند

مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَاۗءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

رہا تھا کہ کبھی کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا نہ آیا۔ تو یہ خوشی اور ڈر سنانے والے تمہارے پاس تشریف لائے

قَدِيْرٌ ﴿١٩﴾

اور اللہ کو سب قدرت ہے

(بقیہ صفحہ ۱۴۸)

بندوں سے جس طرح چاہے امتحان لے، بندے پر لازم ہے کہ اس پر توکل کرے اور اس کی نعمتوں کا شکر بجا لائے۔

ف : اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ایک نعمت بندے پر یہ ہے کہ کُن فرما کر اسے عدم سے وجود کی دولت سے
پھر بندوں کو عدم کی راہ پر لائے گا۔ لیکن اس کا بندوں کو علم نہیں کہ کب لائے گا اور کیسے لائے گا۔
اس کا انہیں اختیار ہے اور یہ بھی اسی کے لفظِ کُن سے ہوگا، جب چاہے گا کُن فرمائے گا اور
بندوں کو اس جع الیٰ سربك الا فرمائے گا۔
سبق : بندوں پر لازم ہے کہ وہ اس کے فضل و کرم پر بھروسا کریں تاکہ وہ کریم انہیں اپنی عنایات
کے جذبات کی طرف راہ دکھلائے۔

(تفسیر آیات صفحہ ۱۵۲)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اور بے شک اللہ تعالیٰ
نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ سے وعدہ لیا، یہاں قسم محذوف ہے وَبَعَثْنَا
مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا اور ان پر بارہ سردار مقرر فرمائے۔
سوال : پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اسم ظاہر اور اب صیغہ متکلم استعمال فرمایا ہے یہ کیوں؟
جواب ۱ : علم معانی کے قاعدہ کے مطابق اسے التفات کہتے ہیں اور یہ صاحبانِ جاہ و جلال عموماً ایسے
کرتے ہیں کہ پہلے نام ظاہر کر دیتے ہیں پھر اس کے بعد اپنا رعب ڈالتے ہوئے صیغہ جمع متکلم کا بولتے ہیں۔
جواب ۲ : چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے یہ کام ہوا تھا اور انہوں نے بشرکتِ غیر یہ کام کیا
اس لیے اسے صیغہ جمع متکلم سے تعبیر فرمایا۔ اس کی مزید تشریح آئے گی یعنی ہر گروہ کا ایک سردار مقرر کیا گیا
تاکہ وہ اپنی قوم کی ذمہ داری اٹھائے۔
حدیث شریف : مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ عقبہ میں انصار کے بارہ
سردار مقرر فرمائے[۱]
نکتہ : ہر برادری کا علیحدہ سردار مقرر کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ جب برادری دیکھے گی کہ ہم میں بھی
ایک سردار ہے تو وہ دین میں استقامت و استقلال سے کام کریں گے۔
ف : نقیب و عریف کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک نقیب عریف سے مرتبہ میں

---

[۱] یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام کرتا ہے اس کا سبب انبیاء علیہم السلام کو بنایا ہے پھر ان کا کام
اپنا کام بتاتا ہے کما ہو مذہبنا ۱۲ اویسی غفرلہٗ۔

بلند ہوتا ہے۔

ف : المشرعۃ میں ہے کہ العریف بروزنِ فعل بمعنے مفعول ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی برادری کا سردار اور اُن کے جملہ امور کا ذمہ دار ہو اور اپنی برادری اور قوم کی ضروریات کے متعلق حاکم وقت کو آگاہ کرے (جیسے دورِ حاضرہ میں اسمبلی وغیرہ کے ممبر) اور یہ "رئیس" سے درجہ میں کم ہوتا ہے (جیسے آج کل کے ممبر جو وزراء سے درجہ میں کم ہیں)

خلاصہ یہ کہ عرافۃ سیادۃ کے ہم وزن اور ہم معنیٰ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ "العرافۃ حق یعنی قوم کی سرداری کرنا شرعاً جائز ہے بلکہ امور کی اہمیت کے پیشِ نظر عرفاء کا ہونا لازمی امر ہے لیکن بہت سی برادریوں کے سردار جہنم میں ہوں گے۔"

خلاصہ یہ کہ قوم کی سیادت (نمائندگی) شرعاً جائز ہے اس لیے کہ اس طرح سے اُن کی ضروریات پُوری ہوتی ہیں اور اُن کے امور کا نظام صحیح رہتا ہے اور لوگوں کو بھی سہولت ہوتی ہے اور اُن میں بعض سرداروں کا جہنمی ہونا اس معنی پر ہے کہ اکثر لوگ اس میں ظلم و ستم کرتے ہیں۔ اگر وہ ظلم و ستم سے ہٹ کر عدل و انصاف سے کام لیں تو پھر بہشت میں بہت بڑے درجات و مراتب سے نوازا جائیگا۔ لیکن چونکہ اکثر ان میں ظالم اور ستمگار ہوتے ہیں اس لیے حضور علیہ السلام نے لاکثر حکم الکل کی بناء پر فرمایا کہ العرفاء فی النار۔ کذا فی شرح المصابیح۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ریاست بدست کسانے خطاست	کہ از دستشاں دستہا بر خداست
مکن ناتوانی دل خلق ریش	وگر میکنی میکنی بیخ خویش
نماند ستمگار بد روزگار	بماند برو لعنت پائیدار
مہا زور مندی مکن بر کہاں	کہ بر یک نمط می نماند جہاں
دل دوستاں جمع بہتر کہ گنج	خزینہ تہی بہ کہ مردم برنج
بقومی کہ نیکی پسندد خدائے	دہد خسرو عادل نیک رائے
چو خواہد کہ ویراں کند عالمے	کند ملک در پنجۂ ظالمے

ترجمہ : (۱) افسری (حکومت) اس شخص کے ہاتھ میں دینا خطا ہے کہ جس کے ہاتھ (ظلم) سے خدا تعالیٰ کے آگے (بددعا کرتے) ہوں۔

(۲) حتی الامکان کسی کا دل زخمی نہ کر، اگر کرتا ہے تو (سمجھ لے کہ) اپنی جڑ کاٹ رہا ہے،

مفعول بہ ہے جبکہ اسے مصدر نہ بنایا جائے بلکہ ایسے مال کا نام ہو جو بطور قرض کے دیا جائے لَاُكَفِّرَنَّ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ البتہ میں تمہارے گناہ معاف کر دوں گا۔ یہ قسم کا جواب ہے یعنی قسم محذوف ہے جس پر لام دلالت کرتی ہے اور یہی شرط کی جزاء کے قائم مقام بھی ہے وَلَاُدۡخِلَنَّكُمۡ جَنّٰتٍ البتہ میں تمہیں بہشت کے باغات میں داخل کروں گا تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ جن کے نیچے نہریں یعنی ان کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ انھٰر سے چار نہریں مراد ہیں۔

سوال: بہشت کی خوشخبری کو مؤخر کیوں کیا گیا؟

جواب: اس لیے کہ پہلے گناہوں کی معافی کی خوشخبری سُنائی گئی اس طرح سے بندہ کی صفائی ہوگئی، پھر بہشت کا مژدۂ بہار سُنایا گیا۔ اس طرح اسے گویا زیورات سے مزیّن کیا گیا۔ اور قاعدہ ہے کہ پہلے صفائی ہوتی ہے پھر تزئین۔

فَمَنۡ كَفَرَ پس جو شخص میرے پیغمبران عظام سے کفر کرتا ہے۔ اسی طرح اس سے قبل جتنے امور کا ذکر فرمایا ہے اسی ترتیب سے انکار کے امور کا بیان فرمایا تاکہ ترغیب و ترہیب کی مناسبت پوری ہو بَعۡدَ ذٰلِكَ یعنی ان شرائط کے بعد کہ جن کی سخت تاکیدیں کی گئیں اُن کے نہ کرنے پر سخت سزا اور کرنے پر بہترین جزاء کہ جن سے ایمان کو تقویت حاصل ہو مِنۡكُمۡ فعل محذوف کے فاعل سے حال ہے یعنی تم میں سے جو بھی ان شرائط پر عمل نہ کرے گا فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ پس بے شک وہ سیدھے راستہ سے واضح طور پر بھٹک گیا اور وہ بہت غلط روی کا شکار رہا۔ اس پر اس کا کوئی عذر مسموع نہیں ہوگا بخلاف اس کے جو اس سے قبل غلطی کا مرتکب ہوا، اس لیے کہ اس کی وہ غلطی بوجہ اشتباہ کے تھی اور ایسے آدمی کا عذر بھی مسموع ہو سکتا ہے۔

عُوج بن عنق اور اسرائیل کا واقعہ

جب بنی اسرائیل فرعون کے غرق ہونے کے بعد مصر میں رہنے سہنے لگے تو پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اریحا جو شام میں واقع ہے کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اس اریحا کو ارضِ مقدس سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے متعلق ہزار دیہات تھے اور ہر دیہہ[1] میں ہزار ہزار باغات تھے، ان میں کنعانی جبّارین مقیم تھے۔ بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے لیے وہاں کی سکونت مقرر فرمائی ہے تم وہاں چلے جاؤ اور ان جبارین سے جہاد کر کے انہیں وہاں سے نکال دو۔ اُن کی بڑی قوت و طاقت کے نہ رُعب میں آنا اور نہ ہی خوف کھانا اس لیے کہ میں تمہاری مدد کروں گا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ ان کی قوم میں بارہ سردار

---

[1] دیہہ، دیہات کا واحد یعنی گاؤں۔

رہیں جو کہ ہر برادری کا علیحدہ علیحدہ نمائندہ ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دیانت دار ہو اور ان سب کی
نگہبانی کے سپرد ہو اور جو احکام صادر کیے جائیں ان کا اجراء ان کے سرداروں کے ذمّہ ہو۔ چنانچہ
انہوں نے خود اپنے بارہ سردار منتخب کیے اور ان سرداروں نے اپنی اپنی برادری کی کفالت کا ذمّہ لیا اور
پھر جب ارضِ کنعان کے قریب پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سرداروں کو جاسوسی کے طور پر
کنعان میں بھیج دیا تاکہ معلوم کریں کہ ان کا چال چلن کیسا ہے۔ انہوں نے کنعانیوں کو دیکھ کر حالات سنائے
کہ بڑے موٹے اور قد آور لوگ ہیں اور بہت طاقت ور ہیں۔ وہ سردار کنعانیوں کے یہ حالات
دیکھ کر گھبرا گئے اور آتے ہی تمام حالات اپنی برادری میں پھیلا دئے، حالانکہ انہیں موسیٰ علیہ السلام نے
کنعان کے حالات اپنی اپنی برادری کو نہ بتانا۔ لیکن انہوں نے عہد شکنی کی، صرف دو حضرات اس
پر مستحکم رہے:

(۱) حضرت کالب بن یوقنا جو کہ یہودا کی اولاد کے نقیب تھے۔
(۲) یوشع بن نون جو افرائیم بن یوسف صدیق علیہ السلام کی اولاد کے سردار تھے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ جب یہ سردار کنعانیوں کی طرف جاسوسی کرنے جا رہے تھے تو راستہ میں
انہیں عوج بن عنق ملا جس کا قد تین ہزار تین سو تینتیس (۳۳۳۳) گز لمبا تھا اور اس نے تین ہزار سال
تک زندگی بسر کی، اس کا قد بادلوں سے آگے بڑھا ہوا تھا، پانی کی ضرورت پڑتی تو اسی بادل سے پانی
لیتا تھا، آسمان پر چلنے والے دریا سے مچھلی لے کر سورج کی حرارت سے اسے بھون کر کھا لیتا۔
ایک روایت میں ہے کہ جب نوح علیہ السلام کے زمانۂ اقدس میں طوفان اُٹھا تو زمین کے
ہر حصے پر پھیل گیا اور پہاڑوں کو ڈبو دیا۔ عوج بن عنق ایک پہاڑی پر کھڑا ہو گیا جسے طوفان کا پانی صرف
ٹخنوں تک پہنچا، اس کی ماں کا نام عنق تھا وہ حضرت آدم علیہ السلام کی صلبی بیٹی تھی وہ بھی اتنی ہی جسیم
تھی اس کے بیٹھنے کے وقت وہ زمین کے پورے ایک جریب کو گھیر لیتی تھی۔ بنی اسرائیل کے یہ سردار جب
جا رہے تھے تو عوج بن عنق نے ان بارہ سرداروں کو پکڑ کر اپنی جمع کردہ لکڑیوں کے گٹھے میں باندھ لیا اور
لے جا کر اپنی عورت کے آگے دے مارا اور کہنے لگا یہ ہیں وہ جو ہمارے ساتھ جنگ کرنے آئے ہیں،
پھر اپنی عورت سے کہا کہ میں انہیں پیروں کے نیچے دبا کر پیستا ہوں۔ عورت نے کہا: انھیں
چھوڑ دیجئے تاکہ واپس جا کر اپنی قوم کو بتائیں۔

جبابرہ کا مختصر تعارف

مروی ہے کہ عوج بن عنق نے ان تمام سرداروں کو پکڑ کر اپنی آستین
میں چھپا لیا اور انہیں لے جا کر بادشاہ کے آگے ڈال دیا۔ بادشاہ

نے کہا: اے سردارو! تم واپس چلے جاؤ اور اپنی قوم کو ہمارے ساتھ لڑنے سے باز رکھو ورنہ وہ ہمارے مقابلہ میں پس جائیں گے۔ ان کی ہر شئے بنی اسرائیل کے لیے موجبِ دہشت بنی۔ چنانچہ منقول ہے کہ باغات کے انگوروں کا ایک گچھا اتنا بھاری تھا کہ اسے چار یا پانچ آدمی لکڑی پر رکھ کر اٹھاتے۔ ان کے انار کے ایک چھلکے میں اتنی وسعت تھی کہ اس میں پانچ آدمی بآسانی چھپ کر بیٹھ سکتے تھے۔ اسی طرح ان کے ہر ہر معاملہ کو بنی اسرائیل کے نمائندوں نے دیکھا اور واپس چلے گئے۔ آپس میں بیٹھ کر مشورہ کیا کہ یہ حالات سوائے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے کسی کو نہ بتانا، وہ جیسے چاہیں گے کریں گے۔ ایک دوسرے سے پختہ معاہدہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے ان کے جابرہ کے باغ کے انگور کا صرف ایک دانہ موجود تھا جس کا بوجھ ایک اونٹ کے برابر تھا۔ واپسی پر کالب و یوشع کے سوا سب نے معاہدہ توڑ دیا اور اپنی اپنی قوم کو جابرہ کی لڑائی سے روک دیا اور جابرہ کی تمام قوت و طاقت کی سب کو خبر دے دی۔

عوج بن عنق کی ہلاکت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لشکر کئی میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ عوج بن عنق جابرہ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کا معائنہ کرنے کے لیے آیا۔ لشکر کو دیکھ کر پہاڑ سے لشکر کے طول و عرض کے مطابق ایک ٹکڑا اٹھایا تاکہ یک دم ان پر وہ پتھر دے مارے اور سب کے سب فنا ہو جائیں۔ جب وہ پہاڑی کا ٹکڑا سر پر رکھ کر موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کو فنا کرنے کے لیے چل پڑا تو اللہ تعالیٰ نے ہدہد کو حکم دیا کہ عوج بن عنق کے سر پر رکھے ہوئے پتھر میں سوراخ کر دے۔ جب ہدہد نے اس پتھر میں سوراخ کیا تو وہی پتھر عوج بن عنق کے گلے کا ہار بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قد مبارک دس گز اور آپ کے عصا مبارک کا طول بھی دس گز تھا (اور آپ دس گز اونچی پہاڑی پر کھڑے تھے) آپ نے اپنا عصا مبارک عوج بن عنق کو مارا تو اس کے ٹخنے تک پہنچا۔ عصا مبارک کے لگنے سے عوج بن عنق بیہوش ہو کر گر پڑا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے قتل کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور ساتھی بھی تھے جن کے پاس خنجر تھے۔ جب اسے بیہوش ہو کر گرتا دیکھا تو سب نے یکبارگی حملہ کر دیا جس سے عوج بن عنق مارا گیا۔

سبق: اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے پیارے بندوں کی اس طرح مدد فرماتا ہے جو عقل و قیاس میں نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں ہزاروں حکمتیں اور بے شمار مصلحتیں ہوتی ہیں۔

اُمت کا اثبات

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے بوجہ مخلوق کی ضرورت کے بارہ نقباء مقرر فرمائے تاکہ لوگ بوقتِ ضرورت ان کی طرف ... لیکن اسی طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت میں بھی ہر زمانہ میں چالیس ... مقرر فرمائے جنہیں ابدال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

یکون فی الامۃ اربعون علی خلق ابراھیم وسبعۃ علی خلق عیسیٰ وواحد علی خلقی — میری اُمت میں چالیس ایسے مرد ہوتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت پر اور سات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت پر اور ایک میری سیرت مبارکہ پر

اپنے اپنے مقامات و مراتب پر مشرف ہوتے ہیں اور وہ اس امت کے امین ہیں۔

حدیث شریف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

بھم ترزقون وبھم تنصرون وبھم یدفع اللہ البلاء — ان کے طفیل تمہیں روزی ملتی ہے اور انہی کے صدقے جنگوں میں فتحیاب ہوتے ہو انہی کے طفیل تمہیں بارش نصیب ہوتی ہے اور انہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بلاؤں کو دُور فرماتا ہے۔

ف: حضرت ابو عثمان مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا: ابدال چالیس ہیں اور اُمناء سات اور خلفاء من الائمہ تین اور ان میں ایک قطب ہوتا ہے جسے ان تمام کے متعلق پُورے معلومات ہوتے ہیں اور وہ ان سب کا نگران ہوتا ہے لیکن انہیں اس کا علم نہیں ہوتا۔ وہ ان تینوں ائمہ میں خلفاء کا امام ہوتا ہے وہ انہیں جانتا ہے لیکن وہ اسے نہیں جانتے۔ اسی طرح پھر ان ساتوں اُمناء کو وہی تین جانتے ہیں۔ لیکن وہ سات ان تینوں کو نہیں جانتے۔ اسی طرح وہ ساتوں امناء ان چالیس ابدال کو جانتے ہیں لیکن وہ ان امناء کو نہیں جانتے۔ اور وُہ چالیس ابدال دنیا کے تمام اولیاء کرام کو جانتے ہیں۔ لیکن اولیاء کرام ان ابدال کو نہیں جانتے۔ جب ابدال میں سے کوئی ایک کم ہوتا ہے تو عام اولیاء میں سے ایک کو اس کی جگہ پر مقرر کیا جاتا ہے۔ اور جب ان ساتوں امناء میں سے ایک کم ہوتا ہے تو ابدال میں سے ایک لے لیا جاتا ہے۔ اور جب قُطب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو امناء میں سے

ایک کو لیا جاتا ہے اور اسی قطب سے نظامِ عالم کو وابستگی ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا (کذا فی التاویلات النجمیہ)۔

ف : حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ قطب نگرانی کرتا ہے اور اس کے ماتحت جو ائمہ ہیں ان میں دائیں جانب والا عالمِ ارواح کا محافظ ہے۔ اور اوتاد اربعہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی نگرانی کرتے ہیں اور سات ابدال تمام اقالیم کے علوی و سفلی کردوں کی حفاظت کرتے ہیں (کتاب العظمۃ للشیخ الاکبر قدس سرہٗ)

ف : (حضرت اسماعیل حقی صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ) میں نے اپنے شیخ کامل رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا کہ جب قطب الوجود اس دنیا سے مستقل ہو کر دارِ آخرت میں تشریف لے جاتا ہے تو بائیں جانب والا خلیفہ اس کا قائم مقام مقرر کیا جاتا ہے اس لیے کہ یہی فرشتہ اس کی دائیں جانب ہوتا ہے جب وہ قوم کی طرف منہ کر کے بات کرتا ہے تو اسی طرف اشارہ ہے باری تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کا (اصحٰب المیمنۃ ما اصحٰب المیمنۃ و اصحٰب المشئمۃ ما اصحٰب المشئمۃ)۔ اہلِ تحقیق کے نزدیک یہ ما نافیہ ہے۔ بائیں جانب والے اہلِ جلال و فنا اور دائیں جانب والے اہلِ جمال و بقا ہیں۔

سبق : اس عجیب و غریب راز و رموز کو پورے طور پر یاد کیجئے اس لیے کہ اسے وہ یاد رکھتا ہے جو صاحبِ ذوق اور بندۂ حق ہوتا ہے وہ منکر اور اولیاء کی شان سے غافلِ حق سے کوسوں دور ہے۔

؎

بسروقت شان خلق کے رہ برند
کہ چوں آب حیوان بظلمت درند

ترجمہ : ان کے حالات (اسرار) پر کون آگاہ ہوسکتا ہے کیونکہ یہ (اولیاء) آبِ حیات کی طرح تاریکی میں ہیں۔

حضرت صائب رحمہ اللہ نے فرمایا : ؎

سخن عشق با خرد گفتن
بر رگ مردہ نیشتر زدنست

ترجمہ : عشق کی بات عقل کو کہنا ایسے ہے جیسے مُردے کو نشتر مارنا۔

صوفیانہ لئن اقمتم الصلوٰۃ سے نماز کی مداومت مراد ہے اور اس کا مقصد یہ ہے
کہ تم اپنی نمازوں کو معراج الی الحق بناؤ کہ انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کیلئے
...تے جاؤ یہاں تک کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ حاصل ہو، جیسے یوم میثاق میں مشاہدہ ہُوا۔
...ے کہ اس معراج کے چار درجات ہیں:

۱۔ قیام
۲۔ رکوع
۳۔ سجود
۴۔ تشہد

...ں قدر رسائی ہوتی ہے اسی قدر بندے کو ترقی نصیب ہوتی ہے اور یہ درجات عالم علوی سے نازل
...ہوئے انہیں حق تعالیٰ کا قرب نصیب تھا۔ صرف ہمارے لیے اعلیٰ علیین سے اسفل سافلین کی طرف
...زول اجلال فرمایا۔ اسفل سافلین سے انسانی قالب مراد ہے جسے اربع عناصر سے تعبیر کیا جاتا ہے
...س لیے کہ انہی سے انسانی ڈھانچہ کی ترکیب ہوئی۔ پھر اُن سے جتنی اشیاء تیار ہوتیں وہ بھی چار
...م ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے کئی ظلمات و حجابات ہیں جو مشاہدۂ حق سے حاجب ہوتے ہیں ان
اربع عناصر کے اقسام یہ ہیں:

۱۔ جمادیہ، اس کی خاصیت تشہد ہے۔
۲۔ نباتیہ، اس کی خاصیت سجدہ ہے۔
۳۔ حیوانیہ، اس کی خاصیت رکوع ہے۔
۴۔ انسانیہ، اس کی خاصیت قیام ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ انسان اپنے تمام حجابات انسانی سے پاک اور صاف ہو، اور اس کے
سب سے بڑے گندے اوصاف میں تکبر ہے اور تکبر کا خاصہ نار ہے۔ اور رکوع میں اشارہ ہے
...ہ سالک صفاتِ حیوانیہ سے نجات حاصل کرنے اور حیوانات کے سب سے گندے اوصاف میں سے
شہوت ہے اور یہی ہوا کا خاصہ ہے۔ اور سجدہ سے اشارہ ہے کہ نباتیہ کی طبیعت سے جان چھڑائے
اور اس کے قبیح ترین صفات سے یہ ہے کہ نباتیہ چاہتی ہے کہ جلدی سے اشیاء کو اپنے گھیرے
...ہا لے اور خود آگے بڑھ جائے یہ پانی کا خاصہ ہے اور تشہد میں اشارہ ہے کہ جمادیہ کی طبیعت
سے چھوٹے اور جمادیت کی سب سے بڑی گندی عادت ہے بے حس و حرکت ہو کر رہنا، یہی مٹی کا

خاصہ ہے یا رہے کہ انہی اوصاف سے بشریت کے تمام صفات پروان چڑھتے ہیں۔ جب انسان اور عادات و خصائل اور ان کے حجابات سے نجات پالیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی جوار کی طرف رجوع کرتا ہے تو اسے قربت نصیب ہوتی ہے اور اس سے تمام حجابات اُٹھ جاتے ہیں پھر وہ اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ سے باریاب ہوتا ہے۔

حدیث شریف: چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اعبد اللہ کانک تراہ۔ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ پس بوجہ ان کی عہد شکنی کے۔ ان کی عہد شکنی یہی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد انہوں نے رسل کرام علیہم السلام کو شہید کر ڈالا اور آسمانی کتب میں تحریف اور احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی کی۔ اور فبما میں کلام کی تاکید ہے اور مضبوط کرنے کی وجہ سے ما زائد ہے لَعَنّٰهُمْ ہم نے انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا، یا ہم نے انہیں بندر و خنزیر بنا دیا، یا ہم نے ان پر جزیہ قایم کر کے ذلیل و خوار کیا وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً اور ہم نے انہیں ایسا سخت دل بنایا کہ وہ آیات اور وعیدوں کو کچھ نہ سمجھے۔ حجر قاسیہ اس پتھر کو کہا جاتا ہے جس میں نرمی بالکل نہ ہو يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ اللہ تعالیٰ کے کلمات کو اپنے مقام سے بدل ڈالتے تھے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے، ان کی سخت دلی کا بیان کرنا مطلوب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدلنے اور اس پر افتراء بازی سے سخت تر قسوۃ قلبی اور کیا ہوسکتی ہے۔ تحریف سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نعت پاک کی تبدیلی یا مضامین کی بے جا تاویل مراد ہے اس کا مفصل بیان سورۃ بقرۃ میں گزرا ہے وَنَسُوْا حَظًّا اور انہوں نے اپنا بہت بڑا وافر حصہ ضائع کر دیا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ جس کی انہیں نصیحت کی گئی یعنی تورات سے یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع سے رُوگردانی کر کے اپنا وافر حصہ ضائع کر دیا۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ انہوں نے تورات میں تحریف کی اور جو کچھ ان پر نازل ہُوا انہوں نے ضائع کر دیا کہ انھیں کچھ حاصل نہ ہوسکا بعض مفسرین نے فرمایا کہ انہوں نے تورات میں تحریف کی جس کی نحوست یہ ہُوئی کہ بہت سی باتوں کو انہوں نے بھلا دیا۔

ف: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گناہ کی نحوست سے انسان کو بہت سی

باتیں بھول جاتی ہیں۔ اس کی دلیل میں آپ نے یہی آیت پڑھی۔
اللہ تعالیٰ نے امیہ بن ابی الصلت سے علم چھین لیا حالانکہ وہ بہت فصیح و بلیغ شاعر تھا۔
مروی ہے کہ ایک وقت وہ سو رہا تھا کہ ایک پرندے نے آکر چونچ اس کے منہ میں ڈال دیا۔ جب جاگا تو وہ تمام علوم و فنون بھول چکا تھا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا:

زمن زبے علی در جہاں علوم وبس
ملالت علماء ہم زعلم بے عملست

تفسیر صوفیانہ ہر زمانے میں باعمل علماء کرام و مشائخ عظام یوم میثاق اور اُن سے اللہ تعالیٰ کا جو خطاب ہوا تھا اسے یاد کرتے آئے اور انہیں اس خطاب کی ہر وقت مستی اور عہد رہتا تھا اور اسی شوق میں زندگی بسر کرتے رہے۔ اس خطاب کو سن کر بہت سے حضرات آج کی دنیا و آخرت سے روگرداں رہتے ہیں۔ پھر وہ اس روش سے اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مرکز بن جاتے ہیں۔ انہیں مقبول درگاہ کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا سرچشمہ بھی وہی ہوتے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے روگرداں بھی ہوتے ہیں جو اپنے مولیٰ سے منہ پھیر کر دنیا کے امور میں ایسے مست ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے مولیٰ سے کسی قسم کا واسطہ نہیں رہ جاتا۔ یہی وہ ہیں جو اپنی مراد کو نہ پہنچ سکے انہیں مردود و ملعون کہا گیا انہوں نے ہی درحقیقت اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے توڑ ڈالے۔ مثنوی شریف میں ہے:

(۱) بے وفائی چوں سگاں را عار بود — بے وفائی چوں روا داری نمود
(۲) حق تعالیٰ فخر آورد از وفا — گفت اوفیٰ بعهد غیرنا

ترجمہ: (۱) جب کتوں کو بے وفائی عار ہے تو پھر تو کیوں بیوفائی کو روا رکھتا ہے۔
(۲) حق تعالیٰ کو وفا پر فخر ہے چنانچہ خود فرمایا کہ میں اپنے غیر کا عہد پورا کرتا ہوں۔

تفسیر عالمانہ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اور آپ ہمیشہ اُن کی خیانت سے مطلع ہوتے رہتے ہیں۔ خائنۃ، لاغیۃ کاذبۃ کی طرح مصدر ہے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا، لا تسمع فیها لاغیۃ۔ یہاں پر لاغیۃ بمعنے لغو ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دھوکا اور خیانت اُن کی عادت بن چکی ہے اور نہ صرف اُن کی عادت ہے بلکہ اُن کے اکابر بھی یونہی تھے کہ دھوکا بازی و غداری ان کی عادت بن چکی تھی یا یہ معنیٰ ہے کہ اگرچہ وہ لوگ اپنی خیانت اور دھوکا بازی کو لاکھ چھپائیں لیکن آپ کو معلوم ہو جاتا ہے اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ہاں ان میں بہت تھوڑے ہیں جو خیانت نہیں کرتے۔ ان سے حضرت عبداللہ بن سلام اور اُن کے ساتھی مراد ہیں، یہ خائنۃ منہم

کی ضمیر مجرور سے مستثنیٰ ہے فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ پس انہیں معاف فرمائیے اور ان کی سزا اور گرفت سے درگزر فرمائیے بشرطیکہ وہ ایمان لائیں اور سچے دل سے تائب ہو جائیں یا آپ سے پکا معاہدہ کریں اور جزیہ ادا کریں تو آپ اُن سے درگزر فرمائیں۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں یہ آیت' آیت السیف سے منسوخ ہے۔ آیت سیف قاتلوا الذین لایؤمنون باللہ ولا بالیوم الاٰخر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے، درگزر کرنیکا حکم دے کر اب اس کی علت بتائی گئی ہے اور اس میں فرمانبرداری کی طرف ترغیب بھی مطلوب ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب ایک کافر خائن سے درگزر کرنا مستحسن ہے تو پھر اس کے غیر سے تو بطریق اولیٰ درگزر کرنا چاہیئے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

(۱) عدو را بہ الطاف گردن بہ بند — کہ نتوان بریدن بتیغ و کمند
(۲) چو دشمن کرم بیند و لطف وجود — نیاید دگر خبث از و در وجود
(۳) وگر خواجہ با دشمنان نیک خوست — بسی بر نیاید کہ گردند دوست

ترجمہ : (۱) دشمن کی گردن الطاف سے باندھ کیونکہ یہ تلوار و کمند سے نہیں کاٹی جا سکتی۔
(۲) جب دشمن لطف و کرم اور جود دیکھے گا پھر اس کے وجود سے خباثت نہ آئیگی۔
(۳) اگر سردار دشمنوں کے ساتھ خوش خلق ہے تو دیر نہ ہو گی تو وہ دوست بن جائینگے۔

ف : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکارم اخلاق کے جامع تھے۔ آپ کے اخلاق حمیدہ و اوصاف جمیلہ کا بیان واصفین کے دائرۂ امکان سے باہر ہے۔

حکایت مثنوی در خلق نبوی : مثنوی شریف میں مولانا روم قدس سرہٗ کی حکایات میں سے ایک یہ ہے : ؎

کافران مہمان پیغمبر شدند — وقت شام ایشان بمسجد آمدند
گفت اے یاران من قسمت کنید — کہ شما پراز من وخوے منید
ہر یکے یاری یکے مہمان گزید — درمیان یک زفت بود و بی ندید
جسم ضخمی داشت کس او را نبرد — ماند در مسجد چو اندر جامہ درد
مصطفیٰ بردش چو وا ماند از ہمہ — ہفت بز شیردہ بد در رمہ

کہ مقیم خانہ بودندے بزان　　بہر دوشیدن برائے وقت خوان
نان وآش وشیر آن ہر ہفت بز　　خورد آن بو قحط عوج ابن غز
جملہ اہل بیت خشم آلو شدند　　کہ ہمہ در شیر بز طامع شدند
معدہ طبلے خوار ہچون طبل کرد　　قسم ہجدہ آدمی تنہا بخورد
وقت خفتن رفت و در حجرہ نشست　　پس کنیزک از غضب در را ببست
از برون زنجیر در را در فگند　　کہ ازو بد خشمگین و دردمند
کبر را از نیم شب تا صبحدم　　چون تقاضا آمد و درد شکم
از فراش خویش سوئے در شتافت　　دست بر در چو نہاد او بستہ یافت
در کشادن حیلہ کرد آن حیلہ ساز　　نوع نوع و خود نشد آن بند باز
شد تقاضا بر تقاضا خانہ تنگ　　ماند او حیران و بے درمان و دنگ
حیلہ کرد و او بخواب اندر خزید　　خویشتن در خواب و در ویرانہ دید
زانکہ ویرانہ بد اندر خاطرش　　شد بخواب اندر ہمانجا منظرش
خویش در ویرانۂ خالی چو دید　　او چنان محتاج و اندر دم برید
گشت بیدار و بدید آن جامہ خواب　　پر حدث دیوانہ شد از اضطراب
گفت خوابم بدتر از بیداریم　　کہ خورم آن سو واین سو می ریم
بانگ می زد واثبورا واثبور　　ہمچنانکہ کافر اندر قعر گور
منتظر کہ کی شود این شب بسر　　یا بر آید در کشادن بانگ در
تا گریزد او چو تیری از کمان　　تا نبیند ہیچکس او را چنان
مصطفیٰ صبح آمد و در را کشاد　　صبح آن گمراہ را او راہ داد
جامہ خواب پر حدث را یک فضول　　قاصدان آورد در پیش رسول
کہ چنین کرد ست مہمانت ببین　　خندۂ زد رحمۃ للعالمین
کہ بیار آن مطہرہ اینجا بہ پیش　　تا بشویم جملہ را با دست خویش
او بجد می شست آن احداث را　　خاص ز امر حق نہ تقلید و ریا
کردلش می گفت کین را تو بشو　　کہ در اینجا ہست حکمت تو بتو
کافرک را ہیکلے بد یادگار　　یاوہ دید آن را و گشت او بیقرار

گفت آن حجرہ کہ شب جاداشتم ہیکل آنجا بے خبر بگذاشتم
کہ چہ شرمن بود شرمش حرص برد حرص از دریاست بی چیزست خرد
از پی ہیکل شتاب اندر دوید در وثاق مصطفےٰ وانرا بدید
کان ید اللہ ان حدث راہم بخود خوش ہمی شوید کردورش چشم بد
ہیکلش از یاد رفت و شد بدید اندر و شوری گریبا نزا درید
می زد او دو دست را بر رو و سر کلہ را میکوفت بر دیوار و در
انچنانکہ خون زبینی و سرش شد روان و رحم کردان مہترش
چون زحد بیرون بار زید و طپید مصطفیٰ اش در کنار خود کشید
ساکنش کرد و بسی بنواختش دیدہ اش بکشادہ داد اشناختش
آب بر روزد در آمد در سخن کی شہید حق شہادت عرضہ کن
گشت مؤمن گفت اورا مصطفےٰ کامشب ہم باش و تو مہمان ما
گفت واللہ تا ابد ضیف توام ہر کجا باشم بہر جا کہ روم
یا رسول اللہ رسالت را تمام تو نمودی ہمچو شمع بے غمام

ترجمہ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں مسجد میں شام کے وقت چند کافر مہمان ہوئے آپ نے اپنے دوستوں سے فرمایا کہ ایک ایک کافر کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور ان کی خوب خاطر تواضع کرو۔ تمام مہمان کافروں کو صحابہ کرام لے گئے ان میں سے ایک رہ گیا جو بہت جسیم اور فربہ اور بسیار خور تھا، اسے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس ٹھہرا لیا۔ سات بکریاں گھر میں تھیں وہ سب کا دُودھ پی گیا اور سب گھر والوں کا طعام چٹ کر گیا جیسے قحط کے زمانے میں عوج ابن عنز نے طعام کھایا تھا۔ سب اہلِ خانہ اس کے اس فعل پر سخت نالاں تھے۔ کھا کھا کر اس کا پیٹ طبل کی طرح ہو گیا وہ اٹھارہ آدمیوں کا کھانا تنہا کھا گیا سونے کے وقت حضور علیہ السلام نے اپنی کنیز سے فرمایا اسے فلاں حجرے میں سُلادو۔ کنیز نے اُسے سُلا کر باہر تالا لگا دیا تاکہ اسے زیادہ طعام کھانے کی سزا ملے۔ چنانچہ وہ حجرے میں سو گیا لیکن چند گھنٹے بعد اس کے پیٹ میں درد اٹھا اور اسے پاخانہ پھرنے کی حاجت ہوئی۔ دروازہ بند تھا، مجبور ہو گیا۔ اس نے بہت شور مچایا۔

کسی نے دروازہ نہ کھولا، وہ بے قرار و مضطرب ہو کر سو گیا، خواب میں ویرانے اور جنگلات کے تصورات میں کھو گیا اور سمجھا کہ وہ کہیں جنگل میں پاخانہ کر رہا ہے۔ بیدار ہوا تو اپنی اس قبیح حرکت پر سخت نادم ہوا۔ صبح کو جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دروازہ کھولا تو وہاں آنکھ چرا کر وہاں سے بھاگ گیا۔ حضور علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے تو خادم نے رات والے کافر مہمان کی رپورٹ پیش کی کہ اس نے بستر کو غلاظت سے بھر دیا ہے۔ آپ نے اسے لے آؤ تاکہ اس غلاظت کو مل کر دھو ڈالیں۔
خادم بستر کو لے آیا۔ آپ اپنے ہاتھوں سے اس بستر کو دھوتے جا رہے تھے اور خادم پانی ڈال رہا تھا، اور یہ حکم ایزدی پر مبنی تھا کہ آپ ایسے کریں تو دین کا فائدہ ہے۔ اس کافر کو شہر سے باہر نکل کر یاد آیا کہ جہاں سویا تھا وہاں اس کا یادگاری ہیکل رہ گیا۔ چونکہ وہ ہیکل اسے جان سے پیارا تھا اس لیے مجبوراً لوٹا تو دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم غلاظت سے بھرے بستر کو خود اپنے مبارک ہاتھوں سے دھو رہے ہیں۔
یہ حالت دیکھتے ہی وہ کافر زار و قطار رونے لگا اور کہنے لگا: قربان جاؤں آپ مجھ جیسے گندے بندے کی غلاظت کو کیوں دھو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میرے دین کے اخلاق کے یہی تقاضے ہیں۔ اس کافر نے کہا: تو پھر مجھے کلمۂ شہادت پڑھا دیجئے۔ آپ نے اُٹھ کر اسے گلے سے لگا لیا اور اسے اسلام سے مشرف فرمایا اور اسے ارشاد ہوا کہ آج کی شب ہمارے ہاں ٹھہریئے تاکہ ہم تمہاری خدمت کریں۔ عرض کی، سرکار! اب تو میں جہاں بھی ہوں گا آپ کی نوازشات سے پرورش پاؤں گا۔

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّا نَصَٰرَىٰٓ أَخَذْنَا مِيثَٰقَهُمْ اور ان میں بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے اُن سے یعنی اُن کے اکابر سے یہود کے اکابر کی طرح عہد لیا تھا اور یہ من، اخذنا کے متعلق ہے اس کا متعلق سے تقدیم اہتمام کی وجہ سے ہے۔

سوال: من النصاریٰ کہنا چاہیے تھا انا نصاریٰ کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: وہ خود اپنا نام نصاریٰ رکھتے تھے اس لیے اُن کا دعویٰ تھا کہ صرف انہیں نصرتِ الٰہی حاصل ہے، اپنے دعوے کی دلیل عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے پیش کرتے تھے کہ انہوں نے فرمایا نحن انصار اللہ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انھیں نصاریٰ سے موسوم فرمایا ہے۔

ف : اُن سے عہد لینے سے یہی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انجیل میں ان سے وعدہ لیا تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرنا اور ان کے فضائل ومناقب اور اوصاف عوام سے بیان کرنا۔

فَنَسُوْا حَظًّا پھر انہوں نے اپنے بہتر فریضہ کو بھلا دیا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ اس میں سے جس کی انہیں نصیحت کی گئی کہ عہد وپیمان کو یاد کر کے ایمان کو تازہ کریں اور انہیں اعمال صالحہ کی زیادہ سے زیادہ رغبت ہو فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ پھر ہم نے ان پر لازم کر دیا اور چمٹا دی۔ غری بالشئی سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شئے کسی کو لازم ہو اور اسے چمٹ جائے۔ اور کہتے ہیں اغراہ یعنی فلاں نے اسے فلاں شئے لازم کر دی اور چمٹا دی۔ بینھم (ان کے مابین) اغرینا کے متعلق ہے الْعَدَاوَةَ دشمنی یعنی ایک دوسرے کے قلوب آپس میں ایک دوسرے سے دُور ہو جانا۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے لیے نیتوں میں تبدیلی آجانا وَالْبَغْضَآءَ اور بُغض اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ تاقیامِ قیامت۔ یہ اغراء کی غایت ہے یا عداوت اور بُغض کی یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے سے بُغض وعداوت میں قیامت تک بھرپور رہیں گے وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ اور عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں قیامت میں خبر دے گا بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ان کے گندے کردار کی ہم انہیں قیامت میں خبر دیں گے۔

ف : اس میں انہیں سزا کی وعید شدید سنائی گئی ہے یہ محاورہ عرب میں مشہور ہے کہ جو شخص کسی کو ڈراتا دھمکاتا ہے تو اسے کہتا ہے :

ساخبرك بما فعلت۔ یعنی میں تجھے تیرے کیے پر عنقریب بتاؤں گا۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے جو عہد شکنی کی اور نصیحت کو بھلایا تو اللہ تعالےٰ انہیں قیامت میں دائمی عذاب میں مبتلا کرے گا۔ لفظ سوفَ وعید کی تائید کے لیے ہے۔

سوال : ان کے افعال کو صنع (یصنعون) سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ؟

جواب : انہیں وہ افعال ایسے راسخ ہو گئے تھے کہ گویا وہ افعال اُن کی صنعت ہیں۔

ف : جس شخص نے نصاریٰ کے مابین بغض وعداوت ڈالی اس کا نام بولس تھا۔

نصاریٰ کے مابین بُغض وعداوت کی ابتداء

بولس نامی شخص کی نصاریٰ سے جنگ چھڑی تو اس نے ان کے بہت سے آدمی قتل کر دئے۔ اسے خیال آیا کہ ایسی تدبیر سوچی جائے کہ یہ آپس میں لڑ مریں۔ چنانچہ

ایک دن ان کے ہاں یک چشم بن کر حاضر ہوا اور کہنے لگا ، جانتے ہو میں کون ہوں ؟ سب نے کہا ، تو وہی ہے جس نے ہمارے ساتھ لڑائی کی اور ہمارے بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا ۔ اس نے کہا ، اب میں نے غلط کاری سے توبہ کرلی ہے ، اس کا سبب یوں ہوا کہ آج رات حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان سے اُترے اور میرے منہ پر بڑے زور سے طمانچہ مارا اور فرمایا کہ تُو نے میری قوم کو سخت ستایا ۔ آپ کے طمانچہ سے میری آنکھ پھوٹ گئی ، میں نے ان کے سامنے توبہ کی اب میں تمہارے ہاں حاضر ہوگیا ہوں تاکہ میں تمہاری دینی خدمات سرانجام دُوں اور تادمِ زیست عیسٰی علیہ السلام کے ارشادات عالیہ کی نشر و اشاعت کروں ۔ سب نے اس کے فریب سے دھوکا کھایا اور اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آگئے اور اُسے ایک حجرہ تیار کر دیا ، اُس کا ایک دریچہ رکھا جس سے وہ راز و نیاز کی باتیں بتائے ورنہ اندر ہی اندر عبادت میں مشغول رہے ۔ وہ لوگ کبھی کبھی اس کے ہاں حاضر ہو کر اس سے دین کی باتیں سُنتے اور اس کے ارشادات پر عمل کرنے کا دم بھرتے ۔ کبھی وہ اس دریچہ سے انہیں بلا کر بظاہر غلط کلمات کہتا لیکن جب وہ قریب پہنچتے تو انہیں ان کلمات کی بہترین توجیہ بتاتا جس سے وہ خوش ہو جاتے ۔ اس سے اس کے بہت زیادہ عقیدتمند ہو گئے ، پھر جسے حکم دیتا وہ سرِ تسلیم خم کر دیتا ۔ ایک دن انہیں کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ دنیا کی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے نفع کے لیے پیدا فرمائی ہیں ۔ سب نے تصدیق کی تو کہا کہ پھر شراب و خنزیر بھی تو انہی اشیاء سے ہیں لہٰذا انہیں کھاؤ پیو ۔ چنانچہ اس کے کہنے پر شراب اور خنزیر کو کھانا پینا شروع کر دیا اور انہیں اپنے لیے حلال و طیب کر لیا ۔ چند روز توقف کے بعد پھر انہیں بلایا اور کہا کہ آج مجھے خصوصی علم عطا ہوا ہے وہ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں ۔ جب وہ اس کے گرد جمع ہو گئے تو کہنے لگا کہ سورج کہاں سے طلوع ہوتا ہے ؟ سب نے کہا ، مشرق سے ۔ پھر پوچھا کہ چاند ؟ سب نے کہا کہ مشرق سے ۔ پھر پوچھا کہ ستارے کہاں سے ؟ سب نے کہا مشرق سے ۔ پھر پوچھا کہ انہیں کون بھیجتا ہے ؟ سب نے کہا اللہ تعالیٰ ۔ اس نے کہا جب اللہ تعالیٰ جہتِ مشرق میں ہے تو پھر اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی چاہیے ۔ اس دن سے انہوں نے شرقی جانب نماز پڑھنی شروع کر دی ۔ پھر چند روز کے بعد ان کے ایک مخصوص گروہ کو بلایا اور کہا کہ میں کسی ایک رات حضرت عیسٰی علیہ السلام پر قربان ہو جاؤں گا اس لیے کہ آج رات کو حضرت عیسٰی علیہ السلام میرے ہاں تشریف لائے اور مجھ سے بہت راضی ہوئے اور فرمایا کہ تُو نے میرے دین کی بہت خدمت کی ہے اس لیے اپنا رحمت بھرا ہاتھ انہوں نے میری آنکھ پر پھیرا تو میری آنکھ ٹھیک ہو گئی ہے ۔ چنانچہ اُس نے سب کو اپنی تندرست آنکھ دکھائی تو سب کو یقین آگیا کہ واقعی عیسٰی علیہ السلام نے اسے

زیارت سے مشرف فرمایا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے مجھے چند راز کی باتیں بتائی ہیں۔ چنانچہ ان کے ایک گروہ سے کہا کہ مُردے کون زندہ کرتا ہے؟ سب نے کہا: اللہ۔ اس کے بعد پوچھا کہ مادرزاد اندھوں کو آنکھیں کون دیتا ہے؟ سب نے کہا اللہ۔ پھر پوچھا کہ برص والے کو تندرست کون کرتا ہے؟ سب نے کہا اللہ۔ اس نے کہا یہ تمام امور عیسٰی علیہ السلام نے کر دکھلائے فلہذا انہیں خدا ماننا لازمی ہے۔ آج کے بعد میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم عیسٰے علیہ السلام کو خدا مانو۔ پھر دوسرے گروہ کو بُلایا، اس کو بھی یہی تقریر کی۔ لیکن انہیں یہ کہا کہ وُہ خدا کے بیٹے ہیں فلہذا آج کے بعد انہیں خدا کا بیٹا کہا جائے۔ ایک تیسرے گروہ سے یہی تقریر کر کے کہا کہ وُہ تیسرے خدا ہیں۔ یہ کہہ کر اعلان کر دیا کہ آج کے بعد میں حضرت عیسٰی علیہ السلام پر قربان ہو جاؤں گا۔ چنانچہ رات کے بعد چوری چھپے کہیں نکل گیا۔ دوسرے روز ہر ایک نے اپنا اپنا عقیدہ ظاہر کیا تو ایک دوسرے کے برعکس نکلا اور ہر ایک دوسرے کو جھٹلانے لگا اور کہنے لگا کہ انہوں نے یہ عقیدہ بتایا ہے، دُوسرا کہتا نہیں یہ بتایا ہے، تیسرا کہتا نہیں یُوں بتایا ہے۔ اس طرح وہ آپس میں لڑنے مرنے لگے اور ہزاروں جانیں تلف ہو گئیں۔ اور قیامت تک ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔ ان کے تین فرقے بن گئے:

(۱) نسطوریہ۔ یہ کہتے ہیں کہ عیسٰے علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔

(۲) ملکانیہ۔ یہ وہ ہیں کہ جو کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں:

(i) اللہ

(ii) عیسٰے علیہ السلام

(iii) ان کی والدہ (مریم علیہا السلام)

(۳) یعقوبیہ۔ یہ کہتے ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام خود خدا ہیں (معاذ اللہ) ؎

در تصوّر ذات اورا گنج کو تا در آید در تصور مثل او

ترجمہ: اس کی ذات کا تصور کہاں کہ اس کے مثل کا تصور پیش کیا جا سکے۔

---

(۱) گر بغایت نیک وگر بد گفتہ اند ہر چہ زد گفتند از خود گفتہ اند

(۲) می مکن چندیں قیاس اے حق شناس زانکہ ناید ذات بیچون در قیاس

ترجمہ: (۱) جو کچھ اچھا یا بُرا کسی نے کہا تو کچھ کہا از خود کہا (ورنہ اس کی حقیقت کو کون جانے)

(۲) اے حق شناس! ایسے قیاس نہ کر اس لیے کہ وہ ذات بے مثل ہے قیاس میں کیسے آسکتی ہے۔

حق : مومن کو لازم ہے کہ قولِ باری تعالیٰ وسوف ینبئھم اللہ بما کانوا یصنعون پر

شریف میں ہے ؛

قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر ایک سے بات کرے گا اس وقت نہ کوئی ترجمان ہوگا نہ ہی درمیان میں کوئی حجاب۔ پس بندہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو اسے صرف وہی نظر آئے گا جو اس نے زندگی بھر عمل کیا ہوگا۔ پس اے بندگانِ خدا! نارِ جہنم سے ڈرو اگرچہ ایک ٹکڑا خیرات کرکے۔ اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو اچھی بات کرو۔

جو شخص کوئی ایسی فرصت نہیں رکھتا جس سے وہ جہنم کی آگ سے چھٹکارا حاصل کر سکے تو اسے چاہیئے جہنم سے بچنے کے لیے میٹھی گفتگو کو اپنا شعار بنائے تاکہ اس کی گفتگو سے مسلمان کا دل ٹھنڈا ہو اس لئے کہ میٹھی گفتگو بھی صدقہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یومِ میثاق میں اہلِ اسلام کی طرح یہود و نصاریٰ سے بھی توحید کا عہد لیا۔ جب دونوں گروہ نفس کے قابو میں آئے تو وہ یومِ میثاق کا عہد و پیمان بھلا بیٹھے۔ پھر وہ استعداد فطری کہ جس سے انسان کو فیضِ ربانی ہوتا ہے سے محروم ہو گئے۔ اسی بناء پر وہ جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہو گئے یعنی ان کی حالت درندوں جیسی ہو گئی کہ جیسے وہ آپس میں بغض و عداوت رکھتے اور آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں ویسے ہی یہ بھی ہر وقت لڑائی جھگڑے اور فسادات میں پڑے رہتے ہیں۔ ان کی یہ حالت قیامت تک برقرار رہے گی اس لیے کہ اہلِ غفلت کو الفت کی دولت سے محروم رکھا جاتا ہے اور اہل اللہ کو آپس میں وحشت ہوتی ہی نہیں۔ یہ حال سابقہ امم کا تھا۔ رہی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت، تو اُسے تو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہے، یومِ میثاق میں الست بربکم کے قلم سے اُن کے دلوں پر ایمان لکھ دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی امداد سے انہیں نوازا۔ اس لیے ان سے اپنا نیک نصیبہ فراموش نہ ہو سکا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا :

وذکر فان الذکرٰی تنفع المؤمنین۔

اور چونکہ ان حضرات نے یومِ میثاق کو یاد رکھا اور اس کے نیک نصیبہ سے بہرہ ور ہوئے اس لیے کہ

انہیں فرمایا :

فاذکرونی اذکرکم۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو انہیں پیدا کرنے سے پہلے ہی یاد فرما چکا تھا۔ محض سادہ الفاظ سے یاد نہیں فرمایا بلکہ محبّت بھرے الفاظ سے یاد فرمایا۔ چنانچہ فرمایا :

و یحبّھم و یحبّونھم۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیرِ عالمانہ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ اے اہلِ کتاب۔ یعنی اے یہود و نصاریٰ۔ کتٰب اسم جنس ہے اس سے تورات و انجیل دونوں کتابیں مراد ہیں۔ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا بیشک تمہارے ہاں ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تشریف لائے۔ یہ اضافت تشریفی ہے اس میں اشارہ ہے کہ اُن کی اطاعت واجب ہے یُبَیِّنُ لَکُمْ رسولنا سے حال ہے، یعنی وہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم باقتضائے مصلحت تمہیں تھوڑا تھوڑا کر کے بیان فرمائیں گے کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ بہت سی باتیں جنہیں تم اپنی کتاب سے چھپا دیتے ہو، یعنی تمہارا دائمی طور طریقہ رہا ہے کہ تم اپنی کتاب سے مسائل چھپا دیتے ہو۔ کتٰب سے مراد تورات و انجیل ہے اور خطاب ان کے ماننے والوں اور ان پر عمل کرنے کا دم بھرنے والوں سے ہے۔ اور "چھپانے" سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات اور آیتِ رجم اور انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بیان کو چھپانا مراد ہے وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ اور بہت سی باتیں وہ تمہیں معاف فرما دیتے ہیں۔ یعنی وُہ امور جو تم مخفی رکھتے ہو انہیں ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم عموماً ظاہر نہیں فرماتے مجبوری اس وقت خبر دیتے ہیں جب کہ میرے دین کو نقصان کا خطرہ ہوتا ہے، وہ اس لیے نہیں بتاتے تاکہ تم شرمسار نہ ہو قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ بیشک تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور کتاب آئی ہے۔ نور اور کتاب دونوں سے قرآن مجید مراد ہے اس لیے کہ اس سے ظلمات شرک اور شک واضح ہوئے اور بہت سی حق کی باتیں جو لوگوں پر مخفی تھیں قرآن مجید سے ظاہر ہوئیں یا اس لیے کہ اس میں اعجاز واضح ہے۔

سوال : واؤ مغایرت چاہتی ہے اور ان دونوں یعنی نور و کتاب سے صرف کتاب مراد لینے سے عطف کا تقاضا پُورا نہیں ہوتا۔

جواب : چونکہ قرآن مجید کے دو مختلف عنوان ہیں :

(۱) کشف الشبہات للشرک والشرک۔

(۲) ابانۃ الاخفاء من الحق وغیرہ۔
ان دونوں عنوانوں کو مغایرت ذاتی پر محمول کر کے عطف ڈالا ہے اور ایسا کلام عرب میں عام ہے۔
بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ نور سے حضور علیہ السلام اور کتب سے قرآن مجید مراد ہے۔

اہل حق کے نزدیک یہی تفسیر راجح و اولیٰ ہے۔ چنانچہ عالم اسلام کے جلہ مفسرین و محدثین و فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے آیت میں نور سے حضور علیہ السلام کی ذات اقدس مراد لی ہے۔ چنانچہ چند ایک حوالہ جات ملاحظہ ہوں :

سمی نورا لانہ ینور البصائر ویھدیھا للرشاد ولانہ اصل کل نور حسی ومعنوی۔
(تفسیر صاوی ج ۱ ص ۲۳۹)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام اس آیت میں نور رکھا گیا اس لیے کہ حضور عقول کو روشن کرتے ہیں اور ان کو رشد کے لیے ہدایت کرتے ہیں اور اس لیے کہ آپ ہر حسی و معنوی نور کی اصل ہیں۔

سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

قد جاء کم من اللہ نور رسول یعنی محمداً۔
(تفسیر ابن عباس مطبوعہ مصر ص ۷۲)

یعنی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آیا

اسی طرح تفسیر کبیر، تفسیر خازن، تفسیر بیضاوی، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر مدارک، تفسیر سراج المنیر، تفسیر ابو السعود، تفسیر جلالین، تفسیر ابن جریر، تفسیر روح المعانی، تفسیر صاوی، تفسیر حسینی، تفسیر مظہری، تفسیر القاسمی، شفا شریف، موضوعات کبیر للملا علی قاری میں بھی نور سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک مراد لی گئی ہے۔

سردار الوہابیہ مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں :

قد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین۔
(تفسیر ثنائی سورہ المائدہ ص ۱۱ مطبوعہ امرتسر)

تمہارے پاس اللہ کا نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور روشن کتاب قرآن شریف آئی۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

یَھۡدِیۡ بِہِ اللّٰہُ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے ہدایت دیتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مفسر الوہابیہ حافظ محمد صاحب لکھوکے والے کہتے ہیں :

نور سے مراد محمد یا اسلام جو دین ربانی۔ (تفسیر محمدی ص ۲۳ منزل دوم)

غیر مقلدین وہابیہ کے مستند عالم مولوی وحید الزمان رقمطراز ہیں :

نور سے مراد حضرت محمد یا دین یا اسلام۔ (تبویب القرآن ص ۱۴۹)

وہابیہ کے مستند اور محقق مولوی قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں :

اس آیت میں وجود باجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور بتلایا گیا ہے۔
(شرح اسماء الحسنیٰ ص ۱۵۱)

سردار الوہابیہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالوی لکھتے ہیں :

زجاج نے کہا کہ مراد نور سے حضرت ہیں یا اسلام یا قرآن۔ (تفسیر ترجمان القرآن ج ۱ ص ۷۸

دیوبندیوں کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں :

شاید نور سے خود نبی کریم صلعم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۴۳ برحاشیہ قرآن پاک، تاج کمپنی)

طائفہ دیوبند کے نہایت ہی مقتدر فرد، محدث، مفسر، مجدد، حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

یہ ایک مختصر سی آیت ہے اس میں حق سبحانہ نے اپنی دونوں نعمتوں میں ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود ہے اور دوسری نعمت قرآن مجید کا نزول ہے ایک کو لفظ نور سے ذکر فرمایا ہے اور دوسرے کو کتاب کے عنوان سے ارشاد فرمایا ہے اور یہ توجیہ اس آیت کی تفسیر کی بنا پر ہے یعنی جبکہ نور سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود موجود مراد لیا جائے۔ (اشرف المواعظ ص ۱۴۸)

مولوی اشرف علی تھانوی ایک اور جگہ رقمطراز ہیں :

..... اگر دوسری تفسیر اختیار کی جائے یعنی نور اور کتاب دونوں سے قرآن مجید ہی مراد

(باقی برصفحہ آئندہ)

اگر نور سے حضور علیہ السلام اور کتاب سے قرآن مجید مراد ہے تو پھر ضمیر تثنیہ کی ہونی چاہیئے

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

...جائے تو ترجیہ بدل جائے گی۔ (ماہنامہ انوار العلوم لاہور، اکتوبر ۱۹۵۳ء ص ۲۵ و مواعظ میلاد النبی ص ۱۲)

...کاندھلوی لکھتے ہیں:

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا ہے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
(تفسیر معارف القرآن ج ۴ ص ۲۲)

...مشتاق احمد دیوبندی رقمطراز ہیں:

بے شک آیا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین۔ اس جگہ حسب روایت شفاء قاضی عیاض نور سے مراد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ (التوسل ص ۲۲)

...امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ قول کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن ہے "هذا ضعيف" (یہ ضعیف ہے)۔
(تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۵۶۶)

...عطف تفسیری کا مسئلہ

کچھ لوگ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کی نفی میں ایسے دلائل پر تاویل کا پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں جن سے ...صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں اس آیت میں بھی واؤ ...تفسیری قرار دے کر لفظِ نور سے قرآن مجید ہی مراد لیتے ہیں۔ ہمیں اعتراف ہے کہ قرآن مجید اپنی ...نور ہے مگر اس آیت میں لفظِ نور سے قرآن مجید مراد لینا بعید سی بات ہے کیونکہ عطف کا اصل ...ہے یعنی واؤ کا موضوع لہٗ درحقیقت مغایرت ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف ایک دوسرے کے غیر ...۔ اس کے علاوہ واؤ جن معنوں میں استعمال ہوگا وہ سب مجازی ہیں۔ اور یہ مسلّم ہے کہ جب تک ...حقیقت ممکن ہو مجاز مراد لینا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ توضیح میں ہے:

اذا استعمل اللفظ يجب ان يحمل على المعنى الحقيقي فاذا لم يمكن فعلى المجازي۔ (توضیح ص ۱۲۹)

(باقی برصفحہ آئندہ)

یعنی به اللّٰہ کی بجائے بھما اللّٰہ ہونا لازمی ہے ۔
جواب : چونکہ حضور علیہ السلام اور قرآن مجید مقصد کے لحاظ سے ایک ذات ہیں، یا چونکہ ان دونوں کا حکم ایک ہے اس لیے ۔ دونوں کا حکم ایک ہے دونوں کا مقصد ایک ہے ۔ دونوں کا مقصد دعوۃ الخلق الی الحق ہے اس لیے کہ ایک رسولِ الٰہی ہیں دوسرا اُن کا معجزہ بن کر اُن کا مؤید ہے اور جو کچھ وہ فرماتے ہیں اُن کی تصدیق قرآن مجید کرتا ہے، بنا بریں واحد کی ضمیر لانا موزوں ہے ۔
مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ اور جس نے حضور علیہ السلام پر ایمان لا کر اُن کو خوش کیا سُبُلَ السَّلٰمِ اس سے عذاب سے سلامتی اور عقاب سے نجات کے طریقے مراد ہیں جبکہ سلام بمعنے سلامتی اور عقاب سے نجات کے طریقے مراد ہیں جبکہ سلٰم بمعنے سلامت ہو جیسے لذاذ بمعنے لذاذۃ ، اور رضاع بمعنے رضاعت استعمال ہوتے ہیں ۔ یا سلٰم بمعنے سبیل اللّٰہ ہے ۔ اس سے شریعتِ مقدسہ مراد ہے کہ جس پر اہلِ اسلام کو چلانا مقصود ہے یا سلٰم سے اللّٰہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے اس لیے کہ سلٰم اللّٰہ تعالیٰ کا صفاتی نام بھی ہے اور سُبل السلٰم کا منصوب ہونا بنزع الخافض ہے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یعنی جب کوئی لفظ استعمال ہو تو واجب ہے کہ اسے حقیقی معنیٰ پر ہی محمول کیا جائے اور جب یہ ناممکن ہو تو مجازی پر ۔

اسی طرح نور الانوار وغیرہ اصول کی مسلّم کتابوں میں صاف ظاہر ہے کہ جب ایک لفظ اپنے موضوع لہٗ یعنی معنیٰ میں استعمال ہو سکتا ہے تو اس کا وہی حقیقی معنیٰ لینا واجب ہوگا ۔ اور جب حقیقی معنیٰ کسی وجہ سے ناممکن ہو تب مجازی معنیٰ لینا جائز ہے ۔ اب آیت مذکورہ پر غور کیا جائے کہ واؤ جس کا حقیقی معنیٰ مغایرت ہے اپنے موضوع لہٗ پر محمول کی جا سکتی یا نہیں ۔ بر تقدیر اثبات حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا نور ہونا ثابت ہوگیا ۔ یہی ہمارا مقصود ہے اور بر تقدیرِ نفی وجہ استحالہ کیا ہے اور ظاہر ہے کہ وجہ استحالہ یہاں کوئی نہیں ، کیونکہ اگر استحالہ ہوتا تو مفسرین لفظِ نُور سے حضور اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس مراد نہ لیتے ، حالانکہ سیدنا عبد اللّٰہ ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما سے لے کر آج تک مفسرین نور سے مراد حضور صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کو مراد لیتے چلے آ رہے ہیں ، لہٰذا نُور سے مراد صرف حضور اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہی ہے ۔ سو قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے آپ کا نور ہونا ثابت و مسلّم ہوگیا ۔ علاوہ ازیں یہ قول کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن ہے امام رازی فرماتے ہیں هذا ضعیف ۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۵۶۶) (اویسی غفرلہٗ)

یہدی خود متعدی بدو مفعول ہوتا ہے تو پھر اسے نزع الخافض کی تاویل میں لیجانے

ہدی کا دوسرے مفعول کی طرف متعدی ہونا الیٰ اور لام کے واسطہ سے ہوتا ہے
تعالیٰ نے فرمایا :
هذا القرآن یهدی للتی هی اقوم۔
یں ان دونوں واسطوں کے بغیر واسطہ استعمال ہوا ہے اس لیے نزع الخافض کی
ت ہوتی۔
وَيُخْرِجُهُمْ اور انہیں نکالتے ہیں۔ هُو کی ضمیر مَن کی طرف راجع ہے۔ اس کا
مَن کے معنیٰ کی وجہ سے ہے کہ اس میں جمع کا معنیٰ ہوتا ہے اور اتبع واحد کا صیغہ
ہے کہ مَن لفظاً مفرد ہے مِّنَ الظُّلُمٰتِ اندھیریوں میں سے یعنی کفر و گمراہی کی مختلف
سے اِلَى النُّوْرِ نور کی طرف۔
ن : ایمان کو نور سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ؟
ب : اس لیے کہ جب بندہ ایمان قبول کرتا ہے تو اس کے لیے نجات کی راہ منکشف ہوجاتی ہے
طلب کرتا ہے اور اس کے لیے تباہی و بربادی کی راہ بھی کھل جاتی ہے جس سے وہ بچنے کی کوشش
ہے۔
بِاِذْنِهٖ اللہ تعالیٰ کے حکم سے، یعنی اس کے آسان کر دینے اور اس کے ارادہ سے ،
وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور انہیں سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے یعنی
وہ راستہ دکھاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے قریب تر اور اس کے ہاں یقیناً پہنچانا۔ صراط
یم اور سبیل السّلٰم کا ایک ہی مفہوم ہے۔
ل : جب وہ ایک شے ہیں تو پھر درمیان میں صرف عطف لانے کا کیا مطلب ، یا اسے پھر
ذکر کرنے کا کیا فائدہ ؟
ب : چونکہ یہ دونوں وصفاً متغایر ہیں اس لیے اس تغایر وصفی کو تغایر ذاتی کے قائم مقام
حرفِ عطف لایا گیا ہے جیسے آیت فلما جاء امرنا نجینا شعیبا والذین آمنوا معہ

متعلقہ صفحہ ہذا یہ اعتراض وہابیہ کرسکتے ہیں۔

برحمۃ منا و نجینا ھم من عذاب غلیظ میں ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کی عجیب و غریب تحقیق

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نور بنا کر بھیجا اس لیے کہ آپ حظِ انسانی کی حقیقت بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے انہیں نصیب ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنا نام بھی نُور بتایا ہے کما قال:

اللہ نور السمٰوٰت والارض۔

اس لیے کہ آسمان و زمین ملک عدم میں مخفی تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہر فرمایا۔ اور حضور علیہ السلام نُور اس لیے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عدم سے اپنی قدرتِ کاملہ سے آپ کے نور کو پیدا فرمایا چنانچہ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اول ما خلق اللہ نوری۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور

پھر تمام عالم کو اُسی نور سے پیدا فرمایا۔ چونکہ تمام موجودات آپ کے نُور سے پیدا ہُوئے اس لیے آپ کا نام نور رکھا گیا۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شئ اختراع سے اقرب ہو اُسے نور کہنا مناسب تر ہوتا ہے۔ مثلاً عالمِ ارواح تخلیق کے لحاظ سے عالمِ اجساد سے پہلے سے ہے اس لیے اسے عالمِ انوار سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح عالمِ علویات عالمِ سفلیات سے مقدم ہے اس لیے اسے نُور کہا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ تخلیقی اعتبار سے جو شئ مقدم ہوگی وُہ نور ہوگی اس معنے پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور کہنا لازم ہُوا۔

احادیث در ثبوت نورانیتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حدیث شریف ۱: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا من اللہ والمؤمنون منی۔ میں اللہ تعالیٰ سے ہُوں اور مومنین مجھ سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق فرمائی کہ قد جاءکم من اللہ نور وکتٰب مبین۔

حدیث شریف ۲: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کنت نوراً بین یدی ربی قبل خلق آدم باربعۃ عشر میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار سال قبل اللہ تعالیٰ کے

الف عام وكان يسبح ذلك النور وتسبح الملائكة بتسبيحه فلما خلق الله آدم القى ذلك النور فى صلبه۔

ہاں نور تھا جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتا تھا ان کو دیکھ کر ملائکہ کرام ان کی تقلید میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے تھے۔ جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو وہ نور حضرت آدم کی پشت میں رکھا گیا۔

حدیث شریف ۳: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو عالم علوی سے زمین کی طرف اتار کر آدم علیہ السلام کی پشت میں بطور امانت رکھا اس کے بعد مجھے حضرت نوح علیہ السلام کے ہاں ٹھہرایا گیا۔ جب ان کی کشتی طوفان سے کنارے لگ رہی تھی میں ان کے ساتھ تھا، پھر مجھے ابراہیم علیہ السلام کی پشت مبارک میں منتقل کیا گیا۔ اسی طرح میں پاک پشتوں سے پاک شکموں کی طرف منتقل ہوتا ہوا اپنے ماں باپ کے ہاں تشریف لایا اور مجھے ایسی پشتوں اور شکموں میں منتقل کیا گیا جو زنا کے نزدیک بھی نہ بھٹکے۔

حضرت عرفی مرحوم اپنے قصیدہ نعتیہ میں لکھتے ہیں: ؎

(۱) این بس شرف گوہر تو منشی تقدیر — آن روز کہ بگذاشتی اقلیم قدم را

(۲) تا حکم نزول تو درین دار نوشتہ است — صد رہ بعبث باز تراشید ظلم را

ترجمہ: (۱) تیرے جوہر کو یہ شرف کافی ہے کہ منشیٔ تقدیر کے ہاتھوں تو نے اقلیم قدم کو چھوڑا۔

(۲) تا حکم نزول اسی دار میں رہنا لکھا گئی بار بیکار کر کے ظلمات کو تجھ سے ہٹایا۔

حدیث شریف ۴: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کا اعتراف کیا تو عرض کی: یا اللہ! میں تجھے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دیتا ہوں میری لغزش معاف فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے آدم! تم نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا حالانکہ تا حال میں نے انہیں (عالم اجساد میں) پیدا ابھی نہیں فرمایا۔ عرض کی: یا اللہ! تُو نے مجھے جب اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور میرے اندر اپنی رُوح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے عرش کے پایہ پر لکھا دیکھا تھا لا الٰہ الا اللہ

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، میں نے اس سے معلوم کیا کہ تُو نے اپنے نام کے ساتھ محبوب ترین نام کو جمع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے آدم! تم سچ کہتے ہو واقعی وہ میرے محبوب ہیں ان کے وسیلہ سے میں نے تمہیں بخش دیا ہے، اور یقین کیجئے اگر وُہ نہ ہوتے تو تمہیں بھی پیدا نہ کرتا (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ)

تفسیر عالمانہ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ بے شک کافروں نے کہا کہ اللہ تو مسیح بن مریم ہے اُس کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔

یہ اس محاورہ سے ہے جو اہلِ عرب کہتے ہیں الکرم ھو التقوٰی۔

شانِ نزول یہ آیت نجران کے نصارٰی کے حق میں نازل ہُوئی، یہ یعقوبیہ فرقہ کے لوگ تھے کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے بدن یا رُوح میں حلول کرتا ہے۔

قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں خاموش کُن جواب دیجئے کہ اگر ایسے ہے جیسا کہ تمہارا ظنِ فاسد ہے **فَمَنْ** یہ استفہام انکاری ہے **يَّمْلِكُ** ملك بمعنے ضبط اور حفظ تام ہے **مِنَ اللّٰهِ** اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ارادہ سے **شَيْـًٔا** کسی شے اور اس کی حقیقت کو، یعنی کس کی طاقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے اسے روک سکے **اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا** اگر اللہ تعالیٰ کا مسیح بن مریم اور اس کی ماں اور ان تمام لوگوں کو جو زمین میں رہتے ہیں کے ہلاک کرنے کا ارادہ ہو جائے۔

ف: اس میں اُن کے غلط عقیدہ کی تردید کی گئی ہے اس کی تفصیل یُوں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے قبضہ میں ہیں اور وُہ دوسرے ممکنات کی طرح فنا ہونے کے قابل ہیں جس کی یہ حالت ہو وُہ الوہیت کے لائق نہیں وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے جو ہلاکت اور تباہی کو نہ اپنے سے روک سکے اور نہ دوسروں کو بچا سکے۔

ازالۂ وہم: یہاں ہلاکت بمعنے موت و فنا مراد ہے نہ کہ وہ ہلاکت و تباہی جو غیظ و غضب سے ہوتی ہے۔

سوال: آیت میں بی بی مریم صاحبہ کے ذکر کی مناسبت کیا ہے جبکہ وہ تو پہلے ہی فوت ہو چکی تھیں؟

جواب: نصرانیوں کے مُنہ بند کرنے کی تاکید مطلوب ہے اور واضح کرنا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے ہلاک کرنے کا ارادہ فرمائے تو اُسے کوئی نہیں روک سکتا، جیسے عیسٰی علیہ السلام کی والدہ کو موت دی تو کوئی مانع نہ ہُوا۔ جب مریم کی موت پر اپنی قدرت ظاہر فرما چکا ہے تو اے نصرانیو! جانتے ہو تو

...کی موت اس کے لیے کب ناممکن ہے!

وَلِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا اور آسمانوں اور زمینوں اور ان کے بیچ ہے سب کا سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہے وہ ان سب پر قدرتِ تامہ اور مکمل قبضہ رکھتا ہے تمام اشیاء پر ایجاداً و اعداماً و احیاءً و اماتۃً مطلقاً تصرف کا مالک ہے اس کے سوا کسی کو مستقلاً تصرف کا حق ہے نہ اشتراکاً۔ بنا بریں صرف وہی الوہیت کا مستحق ہے۔ کسی کو اس کے لیے استحقاق نہ حاصل ہے نہ ہو سکتا ہے۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وہ انواع مخلوق میں جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ یہ ما نکرہ موصوفہ اور محلاً منصوب علی المصدریۃ ہے مفعول بہ نہیں۔ اب عبارت یوں ہو گی۔ یخلق ای خلق یشاءہ۔ یعنی جس طرح کی مخلوق پیدا کرنا چاہے وہ پیدا کر سکتا ہے اگر چاہے تو اصل کے بغیر پیدا کرے جیسے آسمان و زمین کے اندر کی چیزیں۔ چاہے تو کسی اصل سے لیکن اس کی جنس سے نہیں۔ جیسے آدم علیہ السلام اور دیگر بہت سے حیوانات کی تخلیق۔ اسی طرح کسی ایسی اصل سے جو اس کی ہم جنس ہو۔ لیکن نر سے، جس میں مادہ کو دخل نہ ہو جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق دونوں کو دخل ہو جیسے باقی تمام انسانوں کی تخلیق، یا اس کی تخلیق میں کسی غیر کا واسطہ نہ ہو، جیسے عام مخلوق کی تخلیق یا اپنی تخلیق میں کسی کو واسطہ بنائے جیسے معجزے کے طور پر پرندوں کی تخلیق اور مُردوں کو زندہ کرنے اور کوڑھیوں اور مادرزاد اندھوں وغیرہ میں عیسیٰ علیہ السلام کو واسطہ بنایا۔ لیکن ان سب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو گی نہ کسی اور کی طرف۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ یہ ذیلی جملہ معترضہ ہے ماقبل کے مضمون کی تقریر ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) دامن او گیر اے یار دلیر ۔۔۔ کو منزہ باشد از بالا و زیر

(۲) نے چو عیسیٰ سوئے گردوں بر شود ۔۔۔ نے چو قارون در زمین اندر رود

ترجمہ: (۱) اے یار بہادر! اس کا دامن پکڑ وہ زیر و بالا سے منزہ ہے۔

(۲) نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر ہے نہ قارون کی طرح زمین کے اندر۔

ربی الاعلاست ورد آن مہان

رب ادنی در خور این ابلہان

ترجمہ: ربی الاعلیٰ محبوبوں کا ورد ہے رب ادنیٰ ان بے وقوفوں کے لائق ہے۔

احادیثِ مبارکہ

(۱) حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ واحد لا شریک ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول اور اس کے کلمہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی ماں مریم کو عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی رُوح ہیں۔ اور گواہی دے کہ جنت و دوزخ حق ہے تو اسے اللہ تعالیٰ بہشت میں داخل فرمائے گا وہ جس عمل میں بھی زندگی بسر کرے۔"

(۲) حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کی طرف پانچ کلمات نازل فرمائے اور فرمایا کہ وہ ان پر عمل کریں، اور بنی اسرائیل کو حکم دیں کہ وہ ان پر عمل کریں۔ یحییٰ علیہ السلام کے ہاں عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے اور فرمایا کہ آپ نے ان کلمات پر عمل کرنے میں تاخیر فرمائی ہے، اگر تم بنی اسرائیل کو نہیں بتا سکتے تو میں ہی انہیں بتا دوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے برادرِ محترم! مجھے بتانے دیجئے ممکن ہے میں نہ بتاؤں تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔ چنانچہ یحییٰ علیہ السلام نے تمام بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کیا تمام لوگ جمع ہوئے یہاں تک کہ مسجد بھر گئی۔ سب ایک جگہ بیٹھ گئے۔ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم فرمایا ہے کہ میں خود بھی ان پر عمل کروں اور تمہیں بھی ان کی تلقین کروں تاکہ تم بھی ان پر عمل کرو۔ وہ پانچ باتیں یہ ہیں:

(أ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اس لیے کہ مشرک کی مثال اس مرد کی سی ہے جو اپنے خالص مال سونے یا چاندی سے ایک غلام خریدے اور اسے حکم دے کہ میں تجھے اپنے گھر ٹھہراتا ہوں لیکن مزدوری کر کے میرے پیش کرنا۔ وہ غلام مزدوری کر کے اس کے غیر کو پیش کرے، بتائیے اس غلام کو کون اچھا کہے گا۔ یُونہی سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کر کے رزق بھی عطا فرمایا، پھر اس کے ساتھ

دوسرے کو شریک ٹھہراؤ۔

(ii) نماز ادا کرتے وقت ادھر ادھر نہ دیکھو اس لیے کہ نماز کے وقت اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے ہوتا ہے، اس بندے سے منہ پھیر لیتا ہے جو نماز میں ادھر ادھر دیکھتا ہے۔

(iii) روزہ رکھو۔ روزہ دار کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے پاس عطر کی شیشی ہو اور وہ بہت بڑی جماعت میں ہو تو ہر شخص چاہے گا کہ یہ عطر والا میرے پاس ہو، اسی طرح روزہ بھی ایک بہترین خوشبو ہے۔

(iv) زکوٰۃ ادا کرو۔ زکوٰۃ ادا کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جیسے دشمن گرفتار کر کے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیں اور چاہیں کہ اسے قتل کر دیں لیکن وہ کہے کہ مجھے قتل مت کرو میرے پاس جتنا مال ہے میں تمہیں دیتا ہوں۔ پھر وہ مال دے کر اُن سے اپنی جان بچا لے۔

(v) اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ اسے دشمن گرفتار کرنا چاہیں لیکن وہ بھاگ کر ایک مضبوط قلعہ میں محفوظ ہو جائے۔ اسی طرح انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے اس سے نجات پانے کا ذریعہ ذکرِ الٰہی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

ذکرِ حق کن بانگِ غولاں را بسوز
چشمِ نرگس را ازیں کرگس بدوز

ترجمہ : ذکرِ الٰہی سے اُلوؤں کو جلا دے، نرگس کی آنکھ گدھ سے سی دے۔

---

(۱)	ذکرِ حق پاکیست چوں پاکی رسید	رخت بر بندد بروں آید پلید
(۲)	مے گریزد ضدہا از ضدہا	شب گریزد چوں برافروزد ضیا
(۳)	چوں درآید نامِ پاک اندر دہان	نی پلیدی ماند و نی آن دہان

ترجمہ : (۱) ذکرِ حق پاک ہے جب پاک کو پہنچتا ہے تو پلید بستر گول کر جاتا ہے۔
(۲) ضد ضد سے بھاگتی ہے شب بھاگ جاتی ہے جو روشنی آتی ہے۔
(۳) جب پاک نام منہ پر آتا ہے پھر نہ پلیدی رہتی ہے نہ بدبو۔

(۳) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"میں بھی تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:
(i) حق کو بدل وجان قبول کرنا۔
(ii) طاعت
(iii) جہاد
(iv) ہجرت
(v) جماعت (تقلید)، اس لیے کہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر جدا ہوتا ہے اس نے اسلام کی رسّی اپنی گردن سے ہٹا دی جب تک کہ پھر جماعت میں شامل نہ ہو۔"

ف: الربقۃ بکسر الراء وفتحہا وسکون الباء الموحدۃ الربق کی جمع ہے۔ وہ رسّی کہ جس سے جانوروں کو باندھا جاتا ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ یہود ونصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محب ہیں۔ یعنی یہودیوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے حضرت عزیر علیہ السلام کی جماعت ہیں۔ یہ اس محاورہ سے ہے جو بادشاہوں کے قریبی رشتہ دار کو کہتے ہیں کہ نحن الملوك (ہم بادشاہ ہیں) یا یہ معنیٰ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں جیسے بیٹے اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوتے ہیں، اور ہمیں اس سے ایسے قرب حاصل ہے جیسے بیٹوں کو باپ سے۔ اور ہماری اس سے محبت اور بغض اس سے ایسے ہے جیسے باپ بیٹے سے محبت بھی کرتا ہے اور کبھی ناراض بھی ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اُن کا دعویٰ تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مرتبہ اور بہت بڑی فضیلت حاصل ہے جو دُوسروں کو نصیب نہیں، اُن کے رَد میں حضور علیہ السلام سے کہا گیا کہ قُلْ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ان کو الزامی طور یا خاموش کن جواب دیجئے فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ یعنی تم اگر اپنے دعوے میں سچے ہو تو بتاؤ کہ تمہیں یہ سزائیں کیوں ملیں کہ کبھی تمہیں قتل کیا گیا، کبھی تم قیدی بنے، کبھی تمہاری شکلیں بدل گئیں، اور پھر اس کا بھی تمہیں اقرار ہے کہ کل قیامت میں تمہیں عذاب میں مبتلا کیا جائیگا اگرچہ (بقولِ شما) وُہ گنتی کے دن کہ جتنی تمہارے آباء واجداد نے بچھڑے کی پرستش کی تم اپنے گمان فاسد میں سچے ہو تو پھر تم سے ایسی غلطیاں کیوں سرزد ہوئیں اور تمہیں ایسے عذاب میں کیوں مبتلا کیا گیا بَلْ بلکہ بات کچھ اور ہے وُہ یہ کہ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ تم عام انسان ہو جیسے دوسرے اللہ تعالیٰ

عام مخلوق جماعتیں کسی قسم کی بزرگی اور شرافت حاصل نہیں یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جسے چاہتا ہے بخشتا ہے، اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ اور جنہیں وہ چاہتا ہے عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا اور آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہے موجودات میں ہر شئے اسی کی ملکیت ہے اور سب اسی کے بندے ہیں سب اسی کے قبضہ و تصرف میں ہیں وہ جسے چاہے مارے یا زندہ رکھے، ثواب دے یا عذاب، یہود و نصاریٰ کی صرف باتیں ہیں وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے، یعنی آخرت میں سب نے فقط اسی کی حاضری دینی ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی استقلالاً مالک ہے نہ اشتراکاً۔ وہ ہر ایک کو جزاء و سزا ہوگی، اسے کوئی رد کرنے والا نہیں صرف لفظی دعویٰ کا نام محبت نہیں بلکہ محبت کے لیے بھی چند علامتیں ہیں۔ کسی عربی شاعر نے کیا خوب فرمایا، ؎

تعصی الالٰہ وانت تظہر حبہ ۔۔۔ ھذا لعمری فی الفعال بدیع

لو کان حبك صادقا لاطعتہ ۔۔۔ ان المحب لمن یحب مطیع

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے پھر اس کی محبت کا دم بھرتا ہے، مجھے اپنی عمر کی قسم یہ تیری عجیب کارروائی ہے اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت میں سچے ہوتے تو تم ان کی اطاعت کرتے اس لیے کہ محب وہ ہوتا ہے جو اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو دوست نہیں رکھتا جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں کسی ایک بات کی مخالفت کرتا ہے۔ فرض ہو یا سنت، حلال ہو یا حرام، اس لیے کہ جو کسی سے محبت کرتا ہے وہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔

ف: بشری صورت کے لحاظ سے سب انسان برابر ہیں، اگر فرق ہے تو علم و عمل کے اعتبار سے ہے جسے قربِ الٰہی نصیب ہے وہی افضل و اعلیٰ ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا، ؎

راہ راست باید نہ بالائے راست
کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست

ترجمہ: راہِ راست چاہیے نہ کہ بلند سواری یا مکان ورنہ کافر بھی بظاہر ہماری شکل میں ہے۔

اور یہ فرق آخرت میں ظاہر ہوگا اس لیے کہ وہی جزاء کا دن ہے۔

سبق : مبارک ہو اس شخص کو جو اپنے حال و مآل میں فکر کرتا ہے پھر وہ وقت گزرنے سے پہلے زہد و طاعت میں رغبت کرتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) گر ببینی میل خود سوئے سما — پر دولت برکشا ہمچون ھما

(۲) ور ببینی میل خود سوئے زمین — نوحہ میکن ہیچ منشین از حنین

(۳) عاقلان خود نوحہا پیشین کنند — جاہلان آخر بسر بر می زنند

(۴) ز ابتداء کار آخر را ببین — تا نباشی تو پشیمان روز دین

ترجمہ : (۱) اگر تم اپنا میلان آسمان کی طرف دیکھو تو پھر چاند کی طرح دولت کے پَر کھول۔

(۲) اگر تیرا میلان زمین کی طرف ہے تو ماتم کر۔

(۳) سمجھدار لوگ گزشتہ لوگوں پر افسوس کرتے ہیں جاہل تو خالی سر ہی مارتے رہتے ہیں۔

(۴) ابتداء میں ہی اپنے کام کا انجام دیکھ تاکہ تجھے قیامت کے دن پشیمانی نہ ہو۔

حکایت رعشہ کی بیماری میں مبتلا ایک آدمی زرگر کے ہاں آیا اور کہا کہ ترازو دیجئے تاکہ میں اپنے سونے کے ریزوں کو تولوں۔ سنار نے کہا، میرے پاس چھلنی نہیں۔ اس نے کہا : مذاق مت کیجئے، مجھے ترازو دیجئے۔ کہا، میرے پاس جھاڑو نہیں۔ اس نے کہا آپ میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں میں تجھ سے چھلنی یا جھاڑو نہیں مانگتا ترازو مانگتا ہوں۔ سنار نے کہا مذاق نہیں حقیقت ہے میں تمہاری حیثیت کے پیشِ نظر جواب دے رہا ہوں۔ اُس نے کہا وہ کیسے؟ سنار نے کہا تیرے ہاتھ میں رعشہ ہے جب تو سونے کے ٹکڑے تولے گا تو وہ رعشہ کی وجہ سے زمین پر گر کر مٹی میں مل جائے گا، اس پر تجھے جھاڑو اور چھلنی کی ضرورت پڑے گی اور وہ میرے پاس نہیں اس لیے مَیں نے اُن کے متعلق انکاری جواب دیا ہے ؎

من ز اول دیدم آخر را تمام
جائے دیگر رو ازینجا والسلام

ترجمہ : میں نے اول سے آخر تک سب کچھ دیکھا ہے، یہاں سے کسی دوسری جگہ چلا جا۔

ف : اللہ تعالیٰ کے حقیقی محبوب اولیاء اللہ ہیں، لیکن ان کے مختلف درجات و طبقات ہیں،

(۱) عوام

(۲) خواص

(۳) اخص الخواص

پھر وہ درجہ محبت میں مختلف مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔

حضرت معروف کرخی قدس سرہ کو کسی نے عرشِ معلّٰی کے نیچے دیکھا اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے پوچھا یہ کون ہے؟ انھوں نے عرض کی: یا اللہ! تو ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ میرا محبوب ہے جو میری محبت میں مدہوش ہے۔ اس کا مطمحِ نظر صرف میرا دیدار ہے۔

محبتِ الٰہی کی تکمیل تزکیۂ نفس سے ہوتی ہے اس لیے کہ جب کسی کے نفس پر غضبِ الٰہی ہو تو وہ رحمت کا مستحق کہاں! البتہ ایسے شخص کے آگے حجاب ہوتا ہے وہ اس حالت محبتِ الٰہی میں رہتا ہے۔

اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیری محبت میں مبتلا رہتے ہیں، پھر وہ اس محبت سے راستے کو پا لیتے ہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا اے اہلِ کتاب تمہارے ہاں ہمارے رسول تشریف لائے۔ ان کا یہ حال ہے کہ يُبَيِّنُ لَكُمْ وہ تمہیں شرائع و احکامِ دینی بیان کرتے ہیں جو وعدہ وعید پر مشتمل ہیں عَلٰى فَتْرَةٍ اور منقطع ہو جانے سلسلہ مِّنَ الرُّسُلِ آمد وفت رسولوں کے، یعنی دین کی تبلیغ کا وہ سلسلہ جو ان سے شروع ہوا وہ اب منقطع ہو گیا۔ علیٰ فترۃ ظرف ہے اور قد جاءکم کے متعلق ہے یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے وقت تشریف لائے ہیں کہ اس وقت رسل کرام علیہم السلام کی تشریف آوری اور وحی کی آمد بھی منقطع تھی۔ گویا آپ کے تشریف لانے کی اشد ضرورت تھی۔ فترۃ کا مادہ فتر الشئ یفتر فتورا ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شے کی حرکت ہی ختم ہو جائے اور اپنی سب سے پچھلی حالت کی طرف لوٹ آئے اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی اس حالت کو فترۃ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ عمل صالح کے وہ اسباب انہی کی شرائع سے معلوم ہوتے تھے وہ منقطع ہو گئے اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت تشریف لائے جبکہ انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کا سلسلہ ختم ہوا۔ ورنہ یہ صورت ہوتی تھی کہ انبیاء علیہم السلام سے جبکہ ایک واصلِ بحق ہوتے تو دوسرے تشریف لے آتے یہ سلسلہ رفعِ عیسٰی علیہ السلام تک ایسے ہی رہا اَنْ تَقُوْلُوْا حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کی علت کا بیان ہے اور یہاں مضاف محذوف ہے ای کراھۃ ان تقولوا یعنی بوجہ اس کراہت کے

کہ رعایت احکامِ دین سے کوتاہی کرنے میں عذر کرتے ہوئے تم کہو مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ ہمارے ہاں کوئی صاحب تشریف نہیں لائے جو ہمیں بہشت کی خوشخبری سناتے وَّلَا نَذِيْرٍ اور نہ ہی کوئی ڈرانے والا جو ہمیں دوزخ سے ڈراتا، اس لیے کہ شرائع سابقہ کے نشانات مٹ چکے اور اُن کی باتیں معدوم ہو گئیں فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ اس کا تعلق محذوف فعل سے ہے جیسا کہ اس کی فاء بتاتی ہے کہ یہ جملہ معلل بہ ہے۔ معنٰی یہ ہوا کہ اب عذر مت کرو اس لیے کہ تمہارے ہاں بہتر سے بہتر خوشخبری سُنانے والے اور اعلٰی سے اعلٰی ڈرانے والے تشریف لائے۔ بَشِيْرٌ وَنَذِيْرٌ میں تنوین تفخیم کی ہے۔

مسئلہ: آیت میں اُن پر اظہارِ احسان ہے کہ تمہارے ہاں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں تشریف لائے جبکہ آثارِ وحی بھی ختم تھے اور تم اس وقت اس کی بہت شدید ضرورت محسوس کر رہے تھے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور اللہ تعالٰی ہر شے پر قادر ہے۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو پے در پے بھیجے، جیسا کہ مروی ہے کہ موسٰی و عیسٰی علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ تھا۔ اس اثناء میں ایک ہزار انبیاء علیہم السلام تشریف لائے۔ اور اس بات پر بھی قادر ہے کہ سلسلہ انقطاعِ نبوت کے بعد پیغمبر بھیجے، جیسا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور سید الانبیاء علٰی نبینا علیہم السلام کے لیے ہُوا، تو ان کے درمیان ٦٩٦ سال یا ٥٤٦ سال گزرے۔ لیکن اس اثناء میں صرف چار پیغمبر تشریف لائے۔

ف: کلبی کی روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل سے تین اور عرب میں ایک نبی حضرت خالد بن سنان العیسی نبی علٰی نبینا و علیہ السلام تشریف لائے۔

ف: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان کوئی پیغمبر تشریف نہیں لایا۔ یہی قول زیادہ مناسب ہے اس کے کئی وجوہ ہیں،

(١) فَتْرَةٍ کی تنوین تفخیم سے ایسے ہی معلوم ہوتا ہے۔

(٢) اللہ تعالٰی نے ان لوگوں پر فترۃ سے اپنا احسان جتلایا ہے پھر یہ اس وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے پہلے اور عیسٰے علیہ السلام کے بعد اور کوئی نبی نہ ہو۔

(٣) عرصہ دراز گزر جانے پر ہی انہیں سخت ضرورت محسوس ہُوئی ہو تاکہ اُن کی اس ضرورت کے پورا کرنے میں وہ سمجھیں کہ اب ہمارے اُوپر نعمت و رحمت کا دروازہ کُھلا ہے۔

(٤) فترۃ کا تقاضا یہی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ورنہ اگر درمیان میں کوئی اور پیغمبر ہوتا تو پھر ان پر حجت باری کیونکہ اگر ان کے ہاں کوئی اور رسول و نبی علیہ السلام ہوتا تو ان کے عذر کہ ہمارے ہاں

کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا، کا رد نہ کیا جاتا۔ (کذا فی الارشاد)

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انا اولی الناس بعیسی ابن مریم ... میں حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام)
انہ لیس بینی وبینہ نبی۔ کے قریب تر ہوں میرے اور ان کے درمیان
کوئی نبی نہیں آیا۔

... ابن الملک نے فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کا رد ہو گیا جو عقیدہ رکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ... الی السماء کے بعد ان کے حواری نبی تھے اس لیے کہ نبی وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ... قوم کی ہدایت کے لیے مبعوث ہو اور شریعت کا اجراء کرے۔

سوال: خالد بن سنان علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی نبوت تو مسلّم ہے اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: خالد بن سنان علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ نہیں فرمایا، انہوں نے صرف اتنا فرمایا ... مرنے کے بعد میں تمہیں برزخ (قبر) کے حالات سناؤں گا۔

خالد بن سنان علیٰ نبینا وعلیہ السلام کا واقعہ عجیبہ

مروی ہے کہ حضرت خالد بن سنان علیٰ نبینا وعلیہ السلام علاقہ عدن میں اپنی قوم کے ساتھ قیام پذیر تھے کہ غار سے ایک بہت بڑی آگ نکلی جس نے کھیتیاں جلا ڈالیں اور جانوروں کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ قوم حضرت خالد بن سنان علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئی اور اس بلا سے نجات کے لیے دعا کی درخواست کی، آپ نے اپنا عصا اٹھایا اور اس کے پیچھے پڑ گئے اور ہٹاتے ہوئے اسی غار میں اسے دھکیل دیا جس سے وہ آگ نکلی تھی۔ آپ نے اپنی اولاد سے فرمایا کہ میں اس آگ کے پیچھے اس غار میں داخل ہو کر اسے بجھاتا ہوں تا کہ مکمل طور بجھ جائے۔ لیکن تین دن مکمل گزر جانے سے پہلے مت بلانا۔ اگر تم نے مجھے پہلے بلا لیا تو میں اس غار سے باہر تو آ جاؤں گا لیکن چند گھڑیوں بعد مر جاؤں گا۔ چنانچہ یہ فرما کر غار کے اندر تشریف لے گئے۔ دو دن گزرے تو ان سے رہا نہ گیا، ادھر شیطان نے بھی انہیں پکارنے پر اکسایا۔ چنانچہ شیطان کے کہنے پر انہوں نے حضرت خالد بن سنان کو پکارا۔ آپ باہر تشریف لائے لیکن سر پر زخم تھا، فرمایا، یہ تمہارے جلد تر بلانے کی نحوست ہے اگر تم جلد تر نہ بلاتے تو میں یہ صدمہ نہ دیکھتا، تم نے مجھے اور میری وصیت کو ضائع کر دیا لیکن یاد رکھو کہ اب میں مر جاؤں گا مجھے قبر میں دفن کر دینا لیکن چالیس دن تک میری قبر کی نگرانی کرنا۔ چالیسویں دن میری قبر پر بکریوں کا ایک ریوڑ آئے گا ان کے آگے ایک کان کٹا گدھا ہو گا، جب دیکھو کہ وہ میری قبر پر آ گیا ہے تو تم میری قبر کو کھودنا۔ میں تمہیں قبر کے تمام حالات منکشف

کروں گا۔ تمہیں اُن کے متعلق ایسا یقین ہو جائے گا گویا تم نے خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت خالد کے مزار پر چالیس ایام تک پہرہ دیا یہاں تک کہ چالیسویں دن وہی بکریوں کا ریوڑ آ پہنچا اور اُن کے آگے آگے وہی کان کٹا گدھا بھی تھا اور وُہ گدھا آکر آپ کے مزار کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اہل ایمان نے چاہا کہ آپ کے مزار کو آپ کے حکم کے مطابق کھودیں لیکن آپ کی اولاد کو جاہلیت کی عار آڑے آئی اور مزار کو کھودنے نہ دیا اور کہا کہ ہمیں لوگ کہیں گے کہ قبر کھودے ہُوئے کی اولاد ہیں اس طرح سے آپ کی دوسری وصیت کے بھی خلاف کیا اور آپ کے ارشاداتِ گرامی کے استفادہ سے محروم ہو گئے۔

حدیث و حکایت

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت خالد بن سنان علیٰ نبینا و علیہ السلام کی صاحبزادی حاضر ہُوئی تو آپ نے فرمایا: مرحبا (خوش آمدید) یہ ایک نبی کی صاحبزادی ہے جن کی قوم ان کے استفادہ و استفاضہ سے محروم ہُوئی۔

سوال: حضرت خالد بن سنان علیٰ نبینا و علیہ السلام نے یہ حکم کیوں دیا کہ اُن کی قبر کھودیں تاکہ وہ انہیں برزخ (قبر) کے حالات سے آگاہ کریں۔

جواب: (۱) تاکہ عوام کو حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارشادات پر یقین ہو کہ جو کچھ وُہ قبر کے ثواب و عذاب کو حق فرما گئے وہ یقیناً حق ہیں۔

(۲) حضرت خالد علیٰ نبینا و علیہ السلام کی اصل غرض یہ تھی کہ دنیا کے باشی انبیاء علیہم السلام کے تمام احکام کو حق مان کر ایمان لائیں اور اُن پر ثابت قدم رہیں بالخصوص قبر کے حالات کہ وُہ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہیں لیکن جب انبیاء علیہم السلام نے بتائے ہیں تو اُن دیکھی بات پر یقین کرلیں۔ اس طرح وُہ اہلِ دنیا پر رحمت کرنا چاہتے تھے۔

ف: اس سے ثابت ہُوا کہ انہیں حضور علیہ السلام کے زمانہ کے قُرب کا شرف نصیب ہوا۔

ف: اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ وہ دنیا داروں کے لیے رحمت ہی رحمت تھے۔

ف: نیز یہ بھی واضح ہُوا کہ وہ نبی یا رسول نہیں تھے البتہ وہ اپنی اس کارگزاری سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تائید کر کے اپنا مرتبہ بڑھانا چاہتے تھے ورنہ وہ تبلیغ احکام کے لیے مامور من اللہ نہ تھے نیز ان کا یہ ارادہ تھا کہ برزخ کے حالات بتا کر مقامِ رسالت سے کچھ حصہ لے لیں تاکہ مخلوق اس عقیدہ میں معلومات حاصل کر کے اپنے عقائد میں پختگی حاصل کرے۔ لیکن آپ کی قوم آپ کے علوم و فیوض سے محروم ہو گئی۔

سوال: اگر خالد بن سنان نبی نہیں تھے تو حضور علیہ السلام نے انہیں وصفِ نبوت سے کیوں سرفراز فرمایا

کما قال اطیعوا انبیھم الخ۔

جواب: نبی بالمعنی کہ وہ پیغامات نبی سے اپنی قوم کو مستفیض و مستفید فرمانا چاہتے تھے۔ ان کی قوم محروم رہی۔ ان کی اس پیغام رسانی کی بناء پر انہیں نبی کے لفظ سے موصوف فرمایا۔ کذا فی الفصوص و شروحہ۔

ت: تمام علماء کا اتفاق ہے حضور علیہ السلام کی ولادت پیر کی رات دسویں ربیع الاول کو ہوئی اور عام الفیل اسی سال تھا جب آپ کا ظہور ہوا۔ تمام کائنات آپ کے ظہور سے فیضیاب ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق انسانی کے قلوب منور ہوئے۔ پھر جسے ہدایت نصیب ہوئی وہ خوش قسمت ہوا، اور جس نے آپ سے منہ پھیرا وہ گمراہ ہو گیا ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر ست
آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

ترجمہ: عشق کے کارخانہ میں کفر ناگزیر ہے، اگر ابولہب نہ ہو تو آگ کسے جلائے گی۔

سوال: آیۃ ہذا میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی علیہ السلام کو اپنی طرف مضاف فرمایا کما قال رسولنا الخ۔

جواب: چونکہ یہاں پر رسالت کا فائدہ قوم کی طرف راجع نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف مضاف فرمایا مگر جب اس کا فائدہ قوم کی طرف راجع ہونا مطلوب تھا تو فرمایا لقد جاءکم رسول من انفسکم الخ۔ اس لئے کہ اس مقام پر رسالت کا فائدہ انہی کی طرف راجع ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق مومن پر لازم ہے کہ وہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلے اور ہر وقت وعدہ وعید پر نگاہ رکھے اس لیے کہ وہ بشیر و نذیر بن کر تشریف لائے ہیں۔ پھر کل قیامت میں کسی طرح کا عذر قابلِ قبول نہ ہوگا۔

حدیث شریف حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جحفہ میں جمع تھے تو فرمایا، "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالےٰ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اور یہ بھی مانتے ہو کہ قرآن (پاک) اللہ تعالیٰ سے نازل ہوا ہے" سب نے کہا، ہاں، ہم سب کا ایمان ہے۔ آپ نے فرمایا: تو تمہیں مبارک ہو اس لیے کہ قرآنِ پاک کا ایک کنارہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ہاتھ میں ہے تمہیں لازم ہے کہ تم اس قرآن پاک کا دامن خوب تھامو، اس طرح سے نہ تم ہلاک ہو گے نہ گمراہ ہو گے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَٰقَوْمِ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَةَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ

اور جب موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے اے میری قوم اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو کہ تم میں

جَعَلَ فِيكُمْ أَنۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا وَءَاتَىٰكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ

سے پیغمبر کیے اور تمہیں بادشاہ کیا اور تمہیں وہ دیا جو آج سارے جہان میں کسی کو

ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٢٠﴾ يَٰقَوْمِ ٱدْخُلُوا۟ ٱلْأَرْضَ ٱلْمُقَدَّسَةَ ٱلَّتِى كَتَبَ ٱللَّهُ لَكُمْ وَلَا

نہ دیا اے قوم اس پاک زمین میں داخل ہو جو اللہ نے تمہارے لیے لکھی ہے اور پیچھے

تَرْتَدُّوا۟ عَلَىٰٓ أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا۟ خَٰسِرِينَ ﴿٢١﴾ قَالُوا۟ يَٰمُوسَىٰٓ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا

نہ پلٹو کہ نقصان پر پلٹو گے بولے اے موسیٰ اس میں تو بڑے زبردست

جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا۟ مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا۟ مِنْهَا

لوگ ہیں اور ہم اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہاں وہ وہاں سے نکل جائیں

فَإِنَّا دَٰخِلُونَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلَانِ مِنَ ٱلَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِمَا

تو ہم وہاں جائیں دو مرد کہ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے اللہ نے انہیں نوازا

ٱدْخُلُوا۟ عَلَيْهِمُ ٱلْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَٰلِبُونَ وَعَلَى ٱللَّهِ

بولے کہ زبردستی دروازے میں ان پر داخل ہو اگر تم دروازے میں داخل ہو گئے تو تمہارا ہی غلبہ ہے اور اللہ ہی پر بھروسا

فَتَوَكَّلُوٓا۟ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾ قَالُوا۟ يَٰمُوسَىٰٓ إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَآ

کرو اگر تمہیں ایمان ہے بولے اے موسیٰ ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک

أَبَدًا مَّا دَامُوا۟ فِيهَا فَٱذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَٰتِلَآ إِنَّا هَٰهُنَا قَٰعِدُونَ ﴿٢٤﴾

وہ وہاں ہیں تو آپ جائیے اور آپ کا رب تم دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں

قَالَ رَبِّ إِنِّى لَآ أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِى وَأَخِى فَٱفْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ ٱلْقَوْمِ

موسیٰ نے عرض کی کہ اے رب میرے مجھے اختیار نہیں مگر اپنا اور اپنے بھائی کا تو تو ہم کو ان بے حکموں سے جدا

ٱلْفَٰسِقِينَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِى

رکھ فرمایا تو وہ زمین ان پر حرام ہے چالیس برس تک بھٹکتے پھریں زمین

ٱلْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْفَٰسِقِينَ ﴿٢٦﴾

میں تو تم ان بے حکموں کا افسوس نہ کھاؤ

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ اے میرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اے قوم تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے انعام یاد کرو اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ جبکہ تمہاری برادری میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء پیدا فرمائے کہ انہوں نے تمہیں راہِ حق بتایا اور تم انہی کی وجہ سے عوام میں معزز ہوئے۔ تمام دنیا میں یہ شرف صرف بنی اسرائیل کو نصیب ہوا کہ انہیں میں بکثرت انبیاء پیدا ہوئے۔

کسی برادری میں انبیاء کا پیدا ہونا اس کی قوم کی بہت بڑی شرافت و بزرگی ہے، اور نبوت کی شرافت اور بزرگی ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی۔ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا اور تمہاری برادری اور قوم سے ہی بادشاہ ہوئے۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی طرح ان میں بادشاہ بھی بہت پیدا ہوئے۔ بادشاہت بھی منت و احسان ہے جیسا کہ بادشاہوں کی برادری کے لوگ دوسروں پر فخر و ناز سے کہتے ہیں کہ ہم تو بادشاہ ہیں۔

حضرت سدی فرماتے ہیں کہ یہاں پر ملوکًا بمعنے احرار آیا ہے۔ یعنی فرعون کی شاہی میں تم قبطیوں کے غلام تھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزاد و خود مختار بنایا حالانکہ اس سے قبل قبطیوں کے تم انہیں بیگار دیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ملوکًا بمعنے اصحاب خدم و حشم ہیں، کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے اپنے لیے خدام اور نوکر مقرر کئے۔ ورنہ ان سے پہلے یہ رسم نہ تھی۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ملوک سے وہ لوگ مراد ہیں جو آراستہ محلات و بلڈنگوں والے ہوں اور ان میں سکون و قرار پائیں اور ان کے خدام بھی ہوں جن سے وہ خدمت کرائیں۔ اور ان اشخاص کو بھی ملوک کہا جاتا ہے کہ جن کی بہت بڑی کوٹھیاں ہوں کہ ان میں باغات لگے ہوں اور ان میں ہر وقت پانی جاری رہتا ہو۔

وَاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ اور تمہیں وہ نعمتیں بخشیں جو دنیا میں اور کسی کو نصیب نہ ہوئیں۔ مثلاً دریا کا پھٹ کر راستہ دے دینا۔ تمہارے دشمنوں کا ڈوب کر مرجانا، اور تمہارے سروں پر بادل کا سایہ کرنا، مَن و سلویٰ کا نزول، اور دیگر وہ بڑے بڑے امور اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائے۔

العلمین سے ان کے زمانہ سے پہلے گزر جانے والے لوگ مراد ہیں۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ اے میری قوم اس مقدس زمین میں داخل ہوجاؤ۔ اس سے بیت المقدس مراد ہے۔ اسے مقدس اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین شرک سے پاک تھی، اور

تفسیر عالمانہ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اے میرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد کرو جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا يَٰقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اے قوم تم اللہ تعالیٰ کے انعام یاد کرو إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ جبکہ تمہاری برادری سے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء پیدا فرمائے۔ انہوں نے تمہیں راہِ حق بتایا اور تم ان کی وجہ سے عوام میں معزز مکرم سمجھے جاتے ہو۔ عالم دنیا میں یہ شرف صرف بنی اسرائیل کو نصیب ہوا کہ انہیں میں بکثرت انبیاء پیدا ہوئے۔ اور قاعدہ ہے کہ برادری میں انبیاء کا پیدا ہونا ان کی قوم کی بہت بڑی شرافت و بزرگی ہے، اور نبوت کی شرافت سے بڑھ کر اور کون سی بزرگی ہوگی وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا اور تمہاری برادری اور قوم سے ہی بادشاہ ہوئے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرح ان میں بادشاہ بھی بہت پیدا ہوئے۔ بادشاہت بھی منت واحسان ہے اس لیے کہ بادشاہوں کی برادری کے لوگ دوسروں پر فخر و ناز سے کہتے ہیں کہ ہم تو بادشاہ ہیں۔

ف : حضرت سدی فرماتے ہیں کہ یہاں پر ملوکًا بمعنے احرار ہے۔ یعنی فرعون کی شاہی میں تم قبطیوں کے غلام تھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزاد و خود مختار بنایا حالانکہ اس سے قبل قبطیوں کے تابع ہو کر انہیں جزیہ ادا کرتے تھے۔

ف : حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ملوکًا بمعنے اصحاب خدم وحشم ہیں، اس لیے کہ سب سے پہلے انہوں نے اپنے لیے خدام اور نوکر مقرر کئے۔ ورنہ ان سے پہلے یہ رسم نہ تھی۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ملوک سے وہ لوگ مراد ہیں جو آراستہ محلات و بلڈنگوں والے ہوں کہ وہاں آکر سکون و قرار پائیں اور ان کے خدام بھی ہوں جن سے وہ خدمت کرائیں۔ اور ان اشخاص کو بھی ملوک کہا جاتا ہے کہ جن کی بہت بڑی کوٹھیاں ہوں کہ ان میں باغات لگے ہوں اور ان میں ہر وقت پانی جاری رہتا ہو۔

وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ اور تمہیں وہ نعمتیں بخشیں جو دنیا میں اور کسی کو نصیب نہ ہوئیں۔ مثلاً دریا کا پھٹ کر راستہ دے دینا۔ تمہارے دشمنوں کا ڈوب کر مرجانا، اور تمہارے سروں پر بادل کا سایہ کرنا، من و سلویٰ کا نزول۔ اور دیگر وہ بڑے بڑے امور اللہ تعالیٰ نے صرف تمہیں عطا فرمائے۔

ف : العلمین سے ان کے زمانہ سے پہلے گزر جانے والے لوگ مراد ہیں۔

يَٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ اے میری قوم اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ۔ اس سے بیت المقدس مراد ہے۔ اسے مقدس اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین شرک سے پاک تھی، اور

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام و اولیاء کرام کی قیام گاہیں وہیں پر تھیں الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ اللہ نے تمہارے لیے فرض فرمایا ہے یعنی لوحِ محفوظ میں پہلے لکھ دیا تھا کہ اگر تم ایمان لاؤ اور اطاعت کرو تو وہ تمہار مسکن رہے گی۔ چنانچہ آیت محرمۃ علیہم سے ثابت ہوتا ہے کہ جب انہوں نے نافرمانی شروع کی تو پھر انہیں وہاں سے نکال دیا اور پھر وہاں کا داخلہ اُن کے لیے حرام فرمایا وَلَا تَرْتَدُّوْا اور نہ لوٹو عَلٰی اَدْبَارِکُمْ اپنے گٹوں پر، یعنی جبابرہ کے خوف سے وہاں جانے سے پیچھے نہ ہٹو کہ اس طرح سے نافرمانوں میں ہو جاؤ گے۔

ف : یہ لا ترتدوا کے فاعل سے حال ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ اس کے متعلق ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے پیچھے نہ ہٹ جاؤ۔

فَتَنْقَلِبُوْا پس جب تم لوٹو گے تو تمہارا حال یہ ہوگا خٰسِرِیْنَ کہ تم خسارہ والے ہو گے۔ یعنی تم ثوابِ دارین سے محروم ہو جاؤ گے قَالُوْا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اوامر و نواہی سنانے پر بے ادبی کے طور پر کہا یٰمُوْسٰۤی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ اے موسیٰ علیہ السلام وہاں تو بہت بڑی سرکش قوم بستی ہے۔ یعنی وہ ایسے قوت والے ہیں کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔ دراصل جبار اسے کہتے ہیں جو تمام لوگوں پر غلبہ رکھتا ہو اور وہ اپنی مرضی سے ان سے جس طرح چاہے کام لے۔ اسی طرح جبار العالی بھی وہی ہے جو کسی پر غلبہ پا کر اپنی من مانی کرے۔

ف : ان کے اس انکار کی وجہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ برادری کے بارہ[۱۲] نمائندے جبابرہ کے حالات کو دیکھ کر سخت مرعوب ہوئے اور واپس جا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی قوت و شوکت کا حال سنایا کہ وہ بڑے قد آور اور جسیم ہیں۔ ہمارا ایک آدمی تو ان کے قدموں کے برابر نہیں، یعنی ہم بالکل ضعیف و نحیف اور چھوٹے قد والے ہیں اور وہ بہت بڑے، طویل القامت اور جسیم۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اسے تم اپنے تک محدود رکھنا۔ کسی کو نہ بتانا کہ وہ کون ہیں کیا ہیں اور کس طرح ہیں لیکن وہ چونکہ آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے تھے اس لیے سخت گھبرائے ہوئے تھے۔ اور اپنی برادری کو بھی ان کے حالات سے آگاہ کر دیا۔ صرف دو بزرگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشادِ گرامی پر عمل کیا کہ کسی کو کوئی بات نہ بتائی، ان میں ایک یوشع بن نون افرائیم بن یوسف علیہ السلام، دوسرے کالب بن یوقنا جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہنوئی تھے اس لیے کہ بی بی مریم بنت عمران کے شوہر گرامی تھے اور وہ یہودا کی اولاد سے تھے۔ بہرحال دیگر سب نے بنی اسرائیل کو جبابرہ کے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا اس لیے سب نے یہی کہا کہ بیت المقدس میں تو بہت سرکش لوگ رہتے ہیں۔

وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى یَخْرُجُوْا مِنْهَا اور ہم خود بخود تو اس میں ہرگز داخل نہیں

اسں لیے کہ ہمیں ان کے نکالنے کی طاقت نہیں فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا ہاں اگر وہ کسی سبب سے یہاں سے نکل جائیں کہ ان کے نکالنے میں ہمارا کسی قسم کا دخل نہ ہو فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ان کے نکل جانے کے بعد ہم داخل ہوں گے قَالَ رَجُلٰنِ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس انکار میں سب متفق تھے یا کوئی ان میں موسیٰ علیہ السلام کی حامی بھرنے والا تھا تو جواب میں فرمایا کہ ان میں دو مردوں نے کہا یوشع اور کالب تھے مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ یعنی وہ دونوں ان لوگوں میں سے تھے جو دشمن سے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے، اور انہیں خوف تھا کہ ہم کہیں اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مخالف نہ ہو جائیں۔ یہ رَجُلٰنِ کی صفت ہے اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ان پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا کہ انہیں ثابت قدم رکھا اور انہیں شانِ الوہیت کی معرفت عنایت ہوئی اور انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر پورا بھروسہ تھا یہ رَجُلٰنِ کی دوسری صفت ہے اُدْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ان پر دروازہ سے داخل ہو جاؤ۔ دروازہ سے جبارہ کے شہر کا دروازہ مراد ہے اور وہ وہی اریحا ہے۔ علیہم پر تقدیم اہتمام کے لیے ہے کہ ذوالحال دروازہ ہے اس لیے کہ جبارہ تک پہنچنا اسی دروازہ سے ہوگا فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ بے شک تم ہی غلبہ پاؤ گے جنگ کرنے کی نوبت نہیں آئے گی اس لیے کہ ہم نے انہیں غور و خوض سے دیکھا کہ وہ دل کے نہایت ہی کمزور ہیں اگرچہ جسموں کے لحاظ سے موٹے ہیں ان سے بالکل نہ گھبراؤ بلکہ ان پر تنگ راستوں میں حملہ کر دو کہ اس طرح سے انہیں بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکے گی وَعَلَى اللّٰهِ اور صرف اللہ تعالیٰ پر فَتَوَكَّلُوْا اسباب جنگی تیار کر کے صرف اسی اللہ تعالیٰ پر سہارا کرو، باقی تمام اعتمادات ختم کر دو اس لیے کہ دوسرے تمام اسباب میں کسی قسم کی تاثیر نہیں کچھ فتح و نصرت ہو گی تو اللہ تعالیٰ سے ہو گی اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اگر تم مومن ہو۔ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی تصدیق کرتے ہو تو اس کا تقاضا یہی ہے کہ اس پر لازماً توکل کرو قَالُوْا ان دونوں مذکوروں کی بات کی پروا کئے بغیر اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے کہنے لگے یٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اے موسیٰ ہم تو جبارہ کے شہر میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے اَبَدًا ہمیشہ تک یعنی بہت عرصہ دراز تک مَّا دَامُوْا فِیْهَا جب تک وہ اس میں ٹھہرے رہیں گے یہ ابداً سے بدل البعض واقع ہوا ہے اس لیے کہ ابداً غیر منتہی زمانہ کا مقتضی ہے اور جبارہ کا بیت المقدس میں رہنا اس کا بعض حصہ ہے فَاذْهَبْ یہ فاء فصیحہ ہے یعنی جب ہماری یہ بات ہے تو تم جاؤ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اور تمہارا رب جائے اور تم دونوں جا کر لڑو۔ یہ بات انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استہزاء اور اہانت کے طور کہی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی قدر و منزلت ان کے دلوں سے

اُٹھ گئی تھی ۔ اس کا حقیقی معنیٰ اُن کی مراد ہرگز نہیں تھی اس لیے کہ سوائے مجسمہ فرقہ کے باقی کسی سے ثابت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ثابت کرتے، اور جانا آنا جسمانیت کو مستلزم ہے جس سے معلوم ہُوا کہ انہوں نے حقیقی معنیٰ مراد نہیں لیا تھا بلکہ استہزاء اور اہانت کی إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے
قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے جب ان سے یہ سرکشی اور ہٹ دھرمی دیکھی تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں رقیق القلب ہو کر نہایت ہی حزین و غمگین ہو کر عرض کیا اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آتا اور بندے کو جلد تر فتح و نصرت نصیب ہو جاتی ہے رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي اے میرے رب اب تو صرف میں اپنا اور اپنے بھائی کے لیے دم بھر سکتا ہُوں کہ صرف ہم دو ہی آپ کے ارشاد کی تعمیل کیلئے حاضر ہیں فَافْرُقْ بَيْنَنَا اس سے موسیٰ علیہ السلام نے اپنا اور اپنے بھائی کا ارادہ فرمایا ۔ اور فاء ترتیب کے لیے ہے اور دُعا کا اصلی منشاء، وہی مضمون سابق ہے وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ یعنی ہمارے اور فاسق قوم کے درمیان جُدائی ڈال دے جو کہ تیری اطاعت سے نکل کر نافرمانی پر ڈٹے ہوئے ہیں اب وہ کیجیے جس کے ہم مستحق ہیں اور جس کے وہ مستحق ہیں قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَإِنَّهَا وُہ بیت المقدس مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ ان پر حرام ہے ۔ اس سے عدم داخلہ مراد ہے نہ کہ عبادت کی حرمت کہ اب وہ بیت المقدس میں داخل ہوں گے نہ اس کے مالک ہونگے ۔ اس لیے کہ اس کا داخلہ اور ملکیت مشروط بالایمان والجہاد تھی جبکہ انہوں نے ایمان وجہاد سے انکار کیا، اور وعدہ خلافی کی، تو اس کے داخلہ سے محروم ہو گئے اور خائب و خاسر ہو کر لوٹے ۔
أَرْبَعِينَ سَنَةً چالیس سال تک ۔ یہ محرمة کا مفعول فیہ ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان پر بیت المقدس کی تحریم مُوقت تھی جس کی مدت چالیس سال تھی نہ کہ دائمی ۔

سوال: کتب اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حرمت ان پر دائمی تھی ۔

جواب: کتب اللہ سے بھی یہی مراد ہے کہ مدت مذکورہ میں ان میں کوئی بھی بیت المقدس میں داخل نہیں ہو سکے گا ، اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ اس مدت کے بعد بھی اُن کے بعض داخل ہوں گے نہ کہ تمام (اس لیے کہ اس مدت میں بعض لوگوں کو موت بھی آئیگی)

يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ زمین یعنی جنگل میں حیران پھرتے رہیں گے ۔ محرومی کی مدت کی کیفیت بتائی گئی ہے ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے فَلَا تَأْسَ غم نہ کھائیے اسیٰ بمعنے الحزن ہے ۔ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن پر دُعا مانگنے سے غمگین ہُوئے کہ میں نے ان پر بد دعا کر کے اچھا نہیں کیا ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ملال نہ کیجئے آپ نے جو کچھ کیا درست کیا اس لیے کہ وہ اس کے مستحق تھے کہ وہ اس فسق کی سزا میں چالیس سال تک جنگل میں حیران پھرتے رہیں ۔

مروی ہے کہ وہ جنگل تھا اور حیران پھرنے کا جنگل میں اٹھارہ میل کا احاطہ تھا سارا دن چلتے رہتے تھے کہ کی منزل کا ارادہ کرتے لیکن جہاں سے کل صبح کو روانہ ہوئے تھے آج بھی ان کے لیے وہی کل والی منزل ہوتی جیسے تیلی کے بیل کی طرح اُن کی منزل کی کوئی انتہا نہ تھی۔ سورج کی گرمی سے ان کے سروں پر بادل سایہ کرتا تھا اور رات کے وقت ان کے لیے ان کے ایک ستون روشن ہوجاتا تھا اور کھانے پینے کے لیے ان پر من وسلویٰ اُترتا تھا اس سفر میں ان کے بال بھی نہیں بڑھتے تھے اور ان کا کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اس پر ناخن کی طرح ایک کپڑا ہوتا تھا جو اس بچے کے قد کے مطابق ہوتا تھا اور اُن کے لیے پانی انہی پتھروں سے نکلتا تھا جو وہ اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے تھے باوجودیکہ سزا یافتہ تھے لیکن ان پر انعامات بھی تھے اس لیے کہ بطور ادب سکھانے کے تھا نہ کہ بطور سزا کے۔

حکایت: بعض روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ و ہارون علیٰ نبینا وعلیہما السلام بھی ساتھ تھے، لیکن ان کے لیے راحت و فرحت تھی اور دوسروں کے لیے سزا جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لیے نار گلزار اور سلامتی و راحت و سرور بن گئی اور دوسروں کی نظروں میں وہ آگ تھی۔

تجربہ: حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام بنو اسرائیل کی نحوست سے اُن کے ساتھ چالیس سال جنگل میں رہے اور بنو اسرائیل حضرت موسیٰ و حضرت علیہما السلام کی برکت سے بادلوں نے سایہ کیے ان پر من و سلویٰ نازل ہوا تاکہ واضح ہو جائے کہ بزرگوں کی صحبت میں کیا برکت ہوتی ہے، اور بدبختوں کی صحبت میں کتنی نحوست (کذا فی التاویلات)

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ملول ہمرہاں بودن طریق کاردانی نیست
بکش دشواریٔ منزل بیاد عہد آسانی

ترجمہ: رفقاء کے ساتھ ملال سے سفر کرنا اچھا کام نہیں عہد کی یاد سے دشوار راہ بھی آسانی سے طے ہوتے ہیں۔

واقعہ فتح بیت المقدس

مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس سال کے بعد اس جنگل سے بیت المقدس کو روانہ ہوئے۔ لشکر جتنا باقی رہا وہ بھی آپ کے ساتھ تھا۔ حضرت یوشع بن نون آپ کے لشکر کے آگے آگے تھے اور جاتے ہی جبارہ سے جنگ چھیڑ دی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع کو فتح عطا فرمائی پھر وہ اپنی باقیماندہ زندگی گزار کر فوت ہوئے ان کا مزار تاحال مخفی ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔

ف : عوج بن عنق کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا۔ اسی پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے وصال کا واقعہ

حضرت سدی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کی وفات کے متعلق موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں ہارون پر موت طاری کرنا چاہتا ہوں فلہٰذا انہیں فلاں پہاڑ پر لائیے۔ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام دونوں پہاڑ کی طرف چل پڑے، وہاں پہاڑ پر ایک درخت تھا کہ اس جیسا نہ کسی نے کبھی دیکھا اور نہ کوئی درخت اس جیسا پیدا ہوا، نیچے ایک بہترین کوٹھی تھی جس میں ایک عجیب پلنگ بچھا ہوا تھا، اس پر ایک عجیب بستر تھا اس میں سے بہت خوشبو آرہی تھی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے اسے دیکھ کر بہت پسند کیا اور کہا میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس پلنگ پر تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، سو جائیے۔ جب ہارون علیہ السلام اس پلنگ پر سوئے تو آپ کے پاس ایک فرشتہ آسمان سے اُترا اور رُوح قبض کرنے لگا۔ جب ہارون علیہ السلام کی رُوح قبض کر لی گئی تو نہ وہ گھر رہا نہ وہ درخت جس تخت پر حضرت ہارون علیہ السلام آرام فرما رہے تھے وہ آسمان کی طرف اُٹھایا گیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے ہاں اکیلے واپس تشریف لائے تو سب نے کہا کہ آپ نے بر بنائے حسد ہارون علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے اس لیے کہ وہ ہماری طرفداری کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: بے وقوفو! وہ میرے بھائی تھے، کیا تم سمجھتے ہو کہ میں انہیں قتل کر دوں گا۔ سب نے کہا، ہمارا تو ایسا ہی گمان ہے۔ اور اسی پر بضد ہوئے۔ آپ نے دوگانہ پڑھا اور دُعا مانگی تو آسمان سے ہارون علیہ السلام کا تخت اترا، جس سے انھیں تصدیق ہوئی۔

ف : حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام پہاڑ پر چڑھے تو وہاں پر ہارون علیہ السلام فوت ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے ہاں واپس آئے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگایا کہ آپ نے ہارون علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔ اس پر آپ کو بنی اسرائیل نے بہت زیادہ ستایا۔ آپ نے دُعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ہارون علیہ السلام کا تخت اُٹھا کر بنی اسرائیل کے سامنے لے چلیں اور فرشتے ان کے سامنے بولیں کہ اس میں موسیٰ علیہ السلام کا کوئی قصور نہیں۔ اس سے بنی اسرائیل کو یقین ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے قصور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برأت فرمائی۔ پھر ہارون علیہ السلام کو ملائکہ نے ایک جگہ دفنا دیا۔ آپ کے مزار کا علم سوائے رخم یافی کے کسی کو نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے گونگا بہرہ بنا دیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام نے زندہ کیا

حضرت عمرو بن میمونہ سے مروی ہے کہ ہارون و موسیٰ علیہما السلام جنگل میں فوت ہوئے لیکن ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے پہلے فوت ہوئے۔ دراصل وہ دونوں اکٹھے غاروں کی طرف ... ہارون علیہ السلام پر موت واقع ہوئی، موسیٰ علیہ السلام نے اسے دفنا دیا اور اکیلے بنی اسرائیل کے ... آئے تو سب نے آپ پر الزام لگایا کہ آپ نے ہی انہیں قتل کیا ہے اس لیے کہ وہ ہماری طرفداری ... تھے۔ آپ کو اس کا دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں روئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان سب کو ... علیہ السلام کے مزار پر لے جائیے ان کی تسلی ہو جائے گی۔ آپ ان کو ہارون علیہ السلام کے مزار پر ... گئے اور مزار پر کھڑے ہو کر کہا، اے ہارون (علیہ السلام)۔ یہ سنتے ہی ہارون علیہ السلام مزار سے ... جھاڑتے ہوئے باہر تشریف لے آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اپنے مزار میں واپس تشریف ... لے جائیے۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل واپس چلے گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کا واقعہ

ابن اسحاق نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیارے اور محبوب تھے اور انہیں موت ناگوار تھی ... سمجھتے کہ موت کوئی سخت معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ انہیں موت سے محبت ہو جائے اس لیے حضرت یوشع ... نبوت کی خبر دی گئی، اور وہ روزانہ صبح و شام موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ... یوشع سے پوچھا، بتائیے آپ کے ہاں اللہ تعالیٰ کی وحی آتی ہے، اس کا مضمون کیا کیا ہے؟ یوشع نے عرض ... کی میں نے آپ کے ہاں عرصہ دراز بسر کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ عنایت فرمایا میں نے اسے کبھی نہیں ... پوچھا بلکہ آپ خود ہی بیان کرتے ہیں میں بھی اپنی بات ابھی آپ کو نہیں بتاتا۔ اس لیے اب موسیٰ علیہ السلام کو ... زندہ رہنا پسند نہ آیا اور چاہتے کہ موت آ جائے۔

عزرائیل علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھپڑ مارنے کا واقعہ

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بلاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے ایسا تھپڑ مارا کہ اس کی آنکھ نکال دی۔ چنانچہ عزرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوئے اور عرض کی، یا اللہ! آپ نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا جو موت چاہتا ہی نہیں، الٹا تھپڑ مار کر میری آنکھ نکال دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آنکھ لوٹا دی اور فرمایا، واپس جا کر میرے بندے سے عرض کیجئے کہ آپ اگر زندہ رہنا چاہتے ہیں تو بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھئے جتنے بال آپ کے ہاتھ کے نیچے

نیچے آئیں گے اتنے سال آپ کو عمر عطا کی جائیگی۔ عزرائیل نے کہا: پھر موت تو ضرور آئے گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، تو پھر ابھی جان لے لیجیے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے عرض کی، اے الٰہ العالمین! مجھے ارض مقدسہ کے تیر پھینکنے کی مقدار قریب کر دے۔ چنانچہ ایسے ہی ہُوا اور آپ کا وصال ہوگیا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں وہاں ہوتا تو میں کثیب احمر کے نزدیک بجانب شارع عام اُن کا مزار دکھاتا۔

اہلِ بدعت کی علامت اور وہابیت کا رد

حضرت محمد بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا عزرائیل علیہ السلام کی آنکھ نکالنے کا واقعہ صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے اس کا انکار صرف بدعتی کرتے ہیں[1] (کذا فی تفسیر الثعلبی)۔

حدیث شریف: ایک اور حدیث شریف میں ہے:

ان ملك الموت كان يأتي الناس عيانا حتى اتي موسى ليقبضه فلطمه ففقأ عينه فجاء ملك الموت بعد ذلك خفية۔

ملک الموت رُوح قبض کرنے کے لیے کھلم کھلا تشریف لاتے، ایسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے لیکن جب سے انہوں نے ان کی آنکھ نکالی تو اب پوشیدہ طور پر رُوح نکالنے کے لیے تشریف لاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک عجیب واقعہ

حضرت وہب سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر تشریف لے گئے، دیکھا کہ ملائکہ کرام ایک قبر کھود رہے ہیں۔ آپ نے اس جیسا منظر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اس لیے کہ انہیں اس قبر کے اندر سے بہترین باغات اور سبزیاں اور رونقیں نظر آئیں۔ آپ نے ملائکہ کرام سے پُوچھا کہ یہ قبر کس کے لیے کھودی جارہی ہے؟ ملائکہ نے عرض کی، ایسے نیک بندے کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مرتبہ رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا، پھر وُہ کتنا خوش نصیب ہوگا جسے ایسے حسین منظر میں رہنا نصیب ہوگا۔ ملائکہ کرام نے عرض کی: آپ چاہیں تو آپ کو ہی یہ منظر نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا: میں تو چاہتا ہُوں۔ ملائکہ کرام نے عرض کی، تو پھر تشریف لائیے اور اس میں لیٹ جائیے اور اپنے رب تعالیٰ سے عرض کیجیے تاکہ

---

[1] ہم نے تجربہ کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کا دیوبندیہ انکار کر جاتے ہیں۔ حقیقۃً بدعتی فرقہ دورِ حاضرہ میں یہی ہیں ۱۲ اویسی غفرلہٗ

کی رُوح قبض فرمائے اور آپ کو بہرہ دے دے۔ چنانچہ آپ اس قبر کے اندر تشریف لے گئے اور بجرد لیٹنے کے چند سانس نکلے اور آسانی سے رُوح پرواز کر گئی، اس کے بعد ملائکہ کرام نے آپ کی قبر کے اوپر مٹی ڈال دی۔

بعض روایات میں ہے کہ عزرائیل علیہ السلام آپ کے ہاں بہشت کا ایک خوشبودار پھول لائے آپ نے سونگھا تو رُوح پرواز کر گئی۔

حضرت یُوشع کی نبوت کا واقعہ

مروی ہے کہ حضرت یُوشع علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا آپ نے اُن سے پُوچھا کہ موت کی کیفیت کیسی ہے؟ انہوں نے کہا، بہت سخت ہے۔ یُوں سمجھئے کہ جیسے زندہ بکری کی کھال اُتار لیجئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک سو بیس سال کی عمر میں فوت ہُوئے، اس کے چالیس سال بعد حضرت یوشع علیہ السلام کو اظہارِ نبوت کا حکم ہُوا اور ساتھ ارشاد ہُوا کہ جبابرہ سے جنگ کیجئے۔ آپ نے اپنی قوم کو حکم سنایا تو بنی اسرائیل نے آپ کی تصدیق کی اور آپ کے حکم کی تابعداری کا دم بھرے۔ آپ جبابرہ کی جنگ کے لیے اریحا کی طرف روانہ ہُوئے آپ کے ساتھ عہد وپیماں کا صندوق بھی تھا۔ چھ ماہ تک جبابرہ کے شہر کا محاصرہ کیا۔ جب ساتواں مہینہ شروع ہُوا تو قرن پھُونکے جس سے شہر کے کنارے حرکت میں آ گئے۔ اس سے شہر کی دیواریں گر پڑیں تو آپ شہر میں داخل ہو گئے اور جبابرہ سے لڑائی ہوئی۔ جبابرہ مارے جا رہے تھے بنی اسرائیل باوجودیکہ ان کی نسبت قد میں چھوٹے تھے لیکن ان کی گردنوں سے چمٹ جاتے۔ جتنا زور لگا کر اس کی گردن کاٹتے لیکن گردن کاٹی نہ جاتی۔ جمعہ کے دن جنگ ہُوئی شام تک لڑائی جاری رہی اُدھر سُورج ڈُوبنے کو آیا۔ ہفتہ کی شب شروع ہونے لگی لیکن جبابرہ کے کچھ آدمی باقی تھے انہیں قتل کر لیں تو مکمل فتحیابی ہو۔ اس لیے یوشع علیہ السلام نے کہا، یا اللہ! سُورج لَوٹا دے۔ اُدھر سورج سے خطاب فرمایا کہ اے سُورج! تو اپنی جگہ پر رہ تاکہ میں اللہ تعالےٰ کے دشمنوں کی پُورے طور پر بیخ کنی کر لوں۔ چنانچہ سورج گھڑی بھر ٹھہر گیا، یہاں تک کہ آپ نے جبابرہ کا مکمل طور پر خاتمہ کیا۔ اُس کے بعد شام کے اکتیس بادشاہوں نے خود بخود اپنے آپ کو حضرت یُوشع کے حوالے کر دیا اس طرح پُورے ملک پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہو گیا۔

یُوشع بن نُون کا وصال اور خیانت کی سزا

حضرت یُوشع علیہ السلام نے شام کو قبضہ کرتے ہی بنی اسرائیل کے علاقے تقسیم کر دئے اور مالِ غنیمت جمع فرمایا۔ لیکن اُن کے صدقات کو کھانے کے لیے بدستور آگ نازل ہوتی۔ آپ حیران ہُوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے اندر ایک بدقسمت نے خیانت کی تھی۔ اس کا ہاتھ یوشع علیہ السلام سے چمٹ گیا۔ آپ نے فرمایا، اے بدبخت!

(باقی برصفحہ ۲۰۱)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ

اور انہیں پڑھ کر سناؤ آدم کے بیٹوں کی سچی خبر

اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ

جب دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ قبول ہوئی

قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ

بولا قسم ہے میں تجھے قتل کردوں گا کہا اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے بےشک اگر تو اپنا ہاتھ

اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ

مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں میں اللہ سے ڈرتا ہوں

رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ

جو مالک ہے سارے جہان کا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلہ پڑے تو تو دوزخی

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ

ہو جائے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے تو اس کے نفس نے اسے بھائی کے قتل کا چاؤ دلایا تو اسے قتل کردیا

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ

تو رہ گیا نقصان میں تو اللہ نے ایک کوا بھیجا زمین کریدتا کہ اسے دکھائے کیونکر اپنے بھائی کی

سَوْءَةَ اَخِيْهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ

لاش چھپائے بولا ہائے خرابی میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی

سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ

لاش چھپاتا تو پچھتاتا رہ گیا اس سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا

اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ

کہ جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب

النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ

لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جلا لیا اس نے گویا سب لوگوں کو جلا لیا اور بیشک ان کے

رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ آئے پھر بیشک ان میں بہت اس کے بعد زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا

وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا

اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا

...کیے جائیں یا سولی دیے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں

...ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝٣٣

...سے قطع کر دیے جائیں یا ... یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب

...تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

...نے توبہ کر لی اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان

رَّحِيْمٌ ۝٣٤

ہے

(...سیر صفحہ ١٩٩)

...ت سے ہم تنگ آ گئے، جا کر اپنی خیانت کا تمام مال لا۔ وہ جا کر ایک بیل کے سر کے برابر سونا لایا جس پر ...ت و جواہر جڑے ہوئے تھے۔ آپ نے اُسے قربان کرنے کے لیے فرمایا۔ آگ آئی اور اُس خیانتی سمیت ...ر اکھ بنا گئی۔ اس کے بعد حضرت یوشع کا وصال ہوا اور جبل افرائیم میں مدفون ہوئے۔ آپ کی عمر اس وقت ...چھبیس سال تھی۔ اور بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ نے ستائیس[٢٧] سال بسر کیے۔

؎ جہاں اے برادر نماند بکس
دل اندر جہاں آفریں بند و بس

ترجمہ: اے بھائی! یہ جہان کسی کے ساتھ نہ رہے گا، خالق کے ساتھ ہی وابستگی رکھ۔

(...سیر آیات صفحہ ٢٠٠)

...سیر عالمانہ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ اہلِ کتاب کو پڑھ کر سنائیے نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ آدم کے دو بیٹوں (ہابیل و قابیل) کا واقعہ بِالْحَقِّ جو کہ حق یعنی سچا واقعہ ہے۔

...یقی بہن سے نکاح کا بیان علمائے کرام فرماتے ہیں کہ بی بی حوا بیک وقت دو بچے نر و مادہ (لڑکا اور لڑکی) جنتی تھیں، صرف شیث علیہ السلام تنہا پیدا ...وئے۔ بی بی حوا کے ہاں ایک بچہ قابیل اور اس کی بہن اقلیما پیدا ہوئے پھر ہابیل اور اس کی بہن لیوذا ...پیدا ہوتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اقلیما کا نکاح ہابیل سے اور لیوذا کا نکاح قابیل ...سے کر دیجئے۔ یہ اس لیے کہ اس وقت سوائے ایسی صورت بنانے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چونکہ

اقلیما لیوذا کی نسبت زیادہ حسین تھی قابیل نے چاہا کہ اس سے میں خود نکاح کروں اس لیے آدم علیہ السلام سے
ناراض ہُوا اور کہا کہ یہ حکم الٰہی نہیں، آپ نے خود اپنی طرف سے فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا، تم دونوں قربانیاں
پیش کرو جس کی قربانی قبول ہو جائے وہی اقلیما سے نکاح کرے۔ چنانچہ دونوں نے قربانی کی۔ ہابیل کی قربانی کو
آگ کھا گئی اور قابیل کی قربانی پڑی رہی۔ اس سے قابیل کے حسد کی آگ بھڑکی تو بھائی سے وہی سلوک کیا جو
اوپر مذکور ہُوا۔ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا اِذ ظرف ہے اور تباد کے متعلق ہے۔ قربان اس شئے کو کہتے ہیں
جو اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی رضا کی خاطر خرچ کی جائے، جانور ذبح کر کے یا صدقہ کے طور کوئی اور شئے۔

سوال: قربانیاں دو تھیں لیکن یہاں واحد کا ذکر ہے۔

جواب: قربان مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق واحد تثنیہ اور جمع سب پر برابر ہوتا ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ
جبکہ ان دونوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی پیش کی تو۔

فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہُوئی۔ اس سے حضرت ہابیل
مراد ہیں۔ آپ چونکہ جانوروں والے تھے اس لیے ایک موٹا اُونٹ یا دُنبہ اور دُودھ و مکھن قربانی کے طور
پر پیش کیا۔ آسمان سے دھُوئیں کے بغیر ایک سفید آگ اُتری اور اسے کھا گئی۔ لیکن ان دونوں کی قربانیوں کو
پیش کرنے پر حضرت آدم علیہ السلام نے دعا مانگی، "یا اللہ! جس کی قربانی تیرے ہاں قبول ہو اس کے لیے آگ بھیج
تاکہ وہ مقبول قربانی کو کھا جائے۔" اُن کے لیے دستور بھی یہی تھا کہ قربانیوں میں سے جو قبول ہوتی اس کے لیے
آگ آسمان سے اُترتی اور اُسے کھا جاتی، اور جس کی قربانی قبول نہ ہوتی تو آگ نہ اُترتی اور وہ ویسے ہی پڑی رہتی جسے
پرندے اور درندے کھا جاتے۔

سوال: اس طرح سے تو تضییع مال ہے اور یہ ہر طرح ناجائز ہے پھر یہ کیسے بنا۔

جواب: چونکہ اس وقت کوئی محتاج اور فقیر نہ تھا جسے ایسی قربانی کھانا روا ہو اس لیے اس کی قبولیت کی
علامت یہی تھی کہ آگ آئے اور اُسے کھا جائے۔

اعجوبہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہابیل کی قربانی کو وہ آگ اڑا کر بہشت میں لے گئی
اس کی تربیت ہوتی رہی جو پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے فدیہ بنی۔

وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قابیل کی قربانی نامنظور ہُوئی، وہ کھیتی باڑی کا کام کرتا تھا اس نے
اپنے مال سے گندم کے دانے قربانی کے لیے پیش کیے لیکن آگ نے اُسے چھُوا تک نہیں اس لیے کہ اس پر
اللہ تعالیٰ ناراض تھا، ویسے قربانی کے وقت اس کی نیت بھی خالص نہیں تھی اس لیے قربانی کے وقت
بھی گندی اور خراب گندم پیش کی۔ اس کے بعد دونوں پہاڑ سے اُترے۔ قابیل غصہ سے بھرا ہُوا تھا کہ

اُس کی قربانی کیوں نامنظور ہوئی۔ الٹا اس کے بعد اس کے حسد کا مرض بڑھتا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام مکہ معظمہ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ جب اپنے باپ کو غیب پایا تو اپنے بھائی ہابیل کو جو اس وقت بکریاں چرا رہا تھا قتل کرنے کے لیے چلا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَالَ جس کی قربانی نامنظور ہوئی اُس نے کہا لَاَقْتُلَنَّكَ بخدا میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ ہابیل نے کہا: وہ کیوں؟ قابیل نے کہا اس لیے کہ تیری قربانی کیوں منظور ہوئی اور میری نامنظور۔ دوسرے تُو نے میری حسین وجمیل بہن سے نکاح کیا اور مجھے تُو نے اپنی قبیح صورت اور کالی کلوٹی بہن سے بیاہ دیا۔ اب لوگوں میں مشہور ہو گیا ہے کہ تُو مجھ سے افضل و اعلیٰ ہے اسی طرح سے تیری اولاد میری اولاد پر فخر کرے گی، یہ مجھ سے برداشت نہ ہو سکے گا لہٰذا میں تجھے قتل کیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ قَالَ اس نے کہا جس کی قربانی قبول ہو گئی تھی یعنی ہابیل نے کہا اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ اس میں میرا کیا قصور ہے اللہ تعالیٰ تو اس کی قربانی قبول کرتا ہے مِنَ الْمُتَّقِيْنَ جو متقیوں سے ہو۔ دوسروں کی قربانی اس کے ہاں نامنظور ہوتی ہے۔ قبولیت و عدمِ قبولیت تقویٰ و عدمِ تقویٰ کی وجہ سے ہوتی ہے۔

سبق اس میں اشارہ ہے کہ حقیقی تقویٰ یہی ہے کہ انسان ہر وقت خوفِ الٰہی میں رہے اور اپنی کوتاہی سے ہر وقت ڈرتا ہے اور سمجھے کہ مجھ سے طاعتِ الٰہی میں ہزاروں کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ طاعات بھی اس غرض پر نہ بجا لائے کہ اس سے کوئی دُنیوی و اُخروی فائدہ حاصل ہوگا بلکہ صرف رضائے الٰہی پر نظر ہو اور بس، ورنہ اگر کوئی تصور سامنے رکھا تو پھر ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ لیکن سن لے اے بھائی! بیشک اگر تُو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تاہم میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا، اس لئے کہ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ میں اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو مالک ہے سارے جہان کا۔

مروی ہے کہ ہابیل قابیل سے قوت و طاقت میں کئی گنا زیادہ تھا لیکن اس کے باوجود قابیل پر جوابی کارروائی نہ کی اور نہ ہی قتل سے بچنے کی کوئی تدبیر کی بلکہ الٹا سر تسلیم خم کر دیا، صرف اس لیے کہ کہیں اللہ تعالےٰ ناراض نہ ہو جائے۔

سوال: یہ تو حرام موت اور خودکشی ہوئی اس لیے کہ انسان کو جان بچانا فرض ہے۔

جواب: اس وقت ان کی شریعت کا حکم یُوں ہی تھا کہ اگر کوئی قتل کرنے کے لیے آمادہ ہو تو وہ بجائے جوابی کارروائی کرنے کے سر جھکا دے۔

مسئلہ: حضرت بغوی نے فرمایا کہ اب بھی ہماری شریعت میں یہی حکم ہے کہ اجر و ثواب کے لیے بجائے جوابی

کارروائی کرنے کے قاتل کے سامنے سر جُھکا دے جیسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔

اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ ہابیل نے جوابی کارروائی سے رُک جانے کا سبب بتایا کہ اگرچہ حقیقی طور پر مجھے خوفِ الٰہی نے روک دیا ہے لیکن دُوسری وجہ یہ بھی ہے کہ میں چاہتا ہُوں کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ہی پلّے پڑے۔

سوال : انّی ' اخاف اللہ الخ پر عطف ڈالنے کے لیے حرف عاطفہ کیوں نہیں لایا گیا۔

جواب : تاکہ اشارہ ہو کہ اس کی جوابی کارروائی نہ کرنا دونوں علیحدہ مستقل سبب ہیں۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ میں اس لیے سر جُھکا چکا ہوں اور تجھ سے لڑنے سے اس لیے باز رہتا ہُوں کہ میرے گناہوں کی شامت بھی تیرے سر ہو کر میں تیرے لیے جوابی کارروائی کروں اور تیرے گناہوں کا بوجھ بھی تیرے سر ہو کر تو مجھے قتل کر کے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

المستبان ما قالا فعلی البادی مالم یعتد المظلوم۔

دو شخص آپس میں ایک دوسرے کو گالی دینے والے گناہ میں برابر کے شریک ہیں پھر ابتدا کرنے والا جو دوسرے کو گالی دیتا ہے اگر مظلوم (جسے گالی دی گئی ہے) جوابی کارروائی میں حد سے تجاوز نہ کرے۔

یعنی گالی دینے والے پر اپنا گناہ بھی ہے اور مظلوم نے جتنی گالیاں اسے دیں اُن کا گناہ بھی، اس لیے کہ دوسرے کی گالی کے گناہ کا سبب یہی بنا ہے باثمی و اثمك دونوں منصوب علی الحالیۃ ہیں، دراصل عبارت یُوں ہے ترجمہ متلبسا بالاثمین حاملا لھما یعنی تُو میرے قتل سے دو گناہوں میں ملوث ہوگا اور ان دونوں کا گناہ تیرے سر پہ ہوگا۔ اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ میں گناہ سے ملوث ہونا نہیں چاہتا۔ اس سے یہ مفہوم لینا ناموزوں ہے کہ وُہ اپنے بھائی کو گناہ میں ملوث کرنے کی بات کر رہا تھا۔

فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ پھر تُو آخرت میں جہنمیوں میں سے ہوگا وَذٰلِكَ اُس کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اصحابِ نار میں سے کیوں ہے، وہ اس لیے کہ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ جو بھی اللہ تعالٰی کے حکم سے راضی نہیں، اس ظالم کی سزا یہی ہے کہ وہ جہنم میں جائے۔ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ بالآخر اس قابیل کو اپنے بھائی ہابیل کے قتل پر اُس کے نفس نے اُبھارا۔ فطوعت الخ طاع له المرتع سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو کسی معاملہ میں وسعت اور سہولت

حاصل ہو اسے تو اس میں تنگی ہو اور نہ کوئی حرج ہو اسی لیے کہ انسان جب غور و فکر سے کام لے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ اپنے بھائی کو ناحق قتل کرنا شرعاً و عقلاً ناجائز بلکہ اس سے طبعی طور پر بھی بہت نفرت و کراہت ہوتی ہے جس سے انسان خود بخود ایسے کام کرنے سے دور بھاگتا ہے لیکن نفسِ امارہ پر درندگی کی صفت کا غلبہ ہو تو پھر ایسے فعل کے ارتکاب میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہیں کرتا۔ پھر ایسے محسوس ہوتا ہے کہ گویا اس فعل پر اسے نفسِ امارہ نے ابھارا ہے اور اس کے ارتکاب میں ایسی چالاکی کرتا ہے کہ گویا اس کا غلام بے دام ہے اور دیگر صفت درندگی سے مغلوب نہ ہونے سے قبل وہ خود متنفر و مستنکرہ تھا۔

سوال: کلام تو طوعت نفسہ سے بھی پکا ہوتا ہے پھر اس میں لام کے اضافہ کا کیا فائدہ؟

جواب: صرف کلام میں مزید تعلق پیدا کرنے کے لیے لام لائی گئی ہے حفظت لزید مالہ میں یہی صورت ہے ورنہ حفظت مال زید بھی کہنا جائز ہے۔

فَقَتَلَهٗ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ مروی ہے کہ قابیل کو یہ پتا نہیں چل رہا تھا کہ قتل کس طرح کیا جاتا ہے تو ابلیس انسانی بھیس بدل کر اس کے سامنے ایک پرندہ یا سانپ لایا اس کا سر ایک پتھر پہ رکھ کر دوسرا پتھر اس کے سر پر مارا جسے قابیل دیکھ رہا تھا، اس نے اس طرح سمجھ لیا کہ کسی کو یوں قتل کیا جاتا ہے چنانچہ اس نے بھی اسی طرح ہابیل کا سر پتھر پر رکھا اور وہ قابیل کے سامنے کالمیت ہو گیا، جدھر اس کا سر پھیرتا ادھر ہی اس کا سر پھر جاتا۔ نہ اس پر حملہ کرتا نہ ہی کسی طرح کی حرکت، ایسے محسوس ہوتا جیسے کوئی نیند میں ہو، اور وہ اسی وقت جنگل میں بکریاں چرا رہا تھا یا جبلِ ثور پر تھا یا حراء کے پیچھے یا بصرہ کی جامع مسجد میں۔ جب ہابیل کو شہید کیا گیا اسی وقت اس کی عمر بیس سال تھی۔

لطیفہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ جب گندم کا دانہ حضرت آدم علیہ السلام نے کھایا اور اس سے وہ زمین پر اترے تھے تو بہت متفکر ہوئے اور اسی فکر میں انہوں نے قے کر دی اسے سانپ نے کھا لیا تو وہ زہر بن گئی اس لیے سانپ موذی اور مہلک ہوتا ہے۔ جو کچھ حصہ آدم علیہ السلام کے اندر رہ گیا اس سے بی بی حوا کے شکم میں نطفہ بن کر ٹھہرا اسی وجہ سے وہ اپنے بھائی کا قاتل ٹھہرا اور زمین کے اندر فساد کا موجب بنا۔

فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ پھر وہ خسارہ والوں سے ہو گیا، یعنی اسے دنیا و دین کا خسارہ نصیب ہوا۔ یہی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے دنیا و آخرت کا خسارہ ہوا، دنیا میں یہ ہوا کہ وہ اپنے ماں کا نافرمان ہوا اور رہتی دنیا تک اس کی مذمت ہوتی رہے گی اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوگا **فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا** پس اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا **یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ** زمین

کریدتا تھا۔ البحث فارسی میں بمعنے کندن (کریدنا) لِيُرِيَهٗ تاکہ اللہ تعالیٰ اسے دکھائے۔ فعل میں فاعل کی ضمیر اللہ تعالیٰ یا غراب (کوّے) کی طرف راجع ہے اور توجیہ اول پر لام بعث کے متعلق ہے اور توجیہ ثانی پر یبحث کے متعلق اور اسے بعث کے متعلق بھی کیا جاسکتا ہے۔ كَيْفَ يُوَارِيْ کیسے چھپائے سَوْءَةَ اَخِيْهِ اپنے مُردہ بھائی کی میت، اس لیے کہ اب اس کی حالت مُردگی کو دیکھ کر گھبراتا تھا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا ستر چھپانے کے لیے پریشان تھا اس لیے کہ قتل کرتے ہی اس کے کپڑے اتار لیے تھے کیفَ یُوَارِی کی ضمیر سے حال ہے اور جملہ لیری کا دوسرا مفعول ہے۔

واقعۂ قابیل بعد قتلِ ہابیل

مروی ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو اسے چٹیل میدان پر چھوڑ دیا اب اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا کرے، اس لیے کہ دنیا میں بنی آدم میں یہی سب سے پہلا مُردہ تھا۔ اس پر درندوں کا خوف ہُوا کہ کہیں اسے پھاڑ کر نہ کھا جائیں۔ اس نے ایک معکیزہ میں بند کر کے پیٹھ پر رکھ لیا اور اسے چالیس یوم یا چالیس سال اٹھا کر پھرتا رہا۔ یہاں تک کہ تھک گیا، پرندے درندے اس انتظار میں تھے کہ کب اسے نیچے پھینکتا ہے تاکہ ہماری غذا بنے۔ اللہ تعالیٰ نے دو کوّے بھیجے اور اس کے سامنے آکر لڑنے لگے۔ ایک نے دوسرے پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا پھر گڑھا کھود کر زمین میں دبا دیا۔ قابیل یہ سارا ماجرا دیکھتا رہا۔ اس کے بعد گویا کسی نے سوال کیا کہ پھر قابیل نے کوّوں کو دیکھ کر کیا کہا تو جواب میں کہا گیا،

قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اس نے کہا ہائے ہائے۔ یہ کلمہ جزع اور حسرت کے وقت بولا جاتا ہے، اور اس کا الف یائے متکلم سے بدل ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ اے میری حسرت حاضر ہو اب تیری حاضری کا وقت ہے اگرچہ ندا سے یہ مطلوب ہوتا ہے کہ اسے ندا کی جائے جس میں متوجہ ہونے کی صلاحیت ہو اور یہ صرف ذوی العقول سے حاصل ہوسکتی ہے۔ لیکن اہلِ عرب بطورِ مجاز ایسی ندائیں عام استعمال کرتے ہیں تاکہ حسرت کا اظہار ہو اس سے قولِ باری تعالیٰ یا حسرةً علی العباد ہے۔ الویل اور الویلہ بمعنے الھلکۃ۔

اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ کیا اتنا عاجز ہوں کہ ہو جاؤں مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ اس کوّے کی طرح تاکہ اپنے بھائی کی لاش چھپاؤں، گویا وہ اپنے اوپر تعجب کر رہا تھا کہ میں اس کوّے سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اسے تو یہ کام آتا ہے اور میں اس سے بے خبر ہوں فَاُوَارِیَ منصوب ہے اس کا عطف ان اکون پر ہے یعنی میں اس سے بھی عاجز ہوں کہ کوّے کی طرح ہو کر اپنے بھائی کی لاش چھپا ڈالوں فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ پس وہ اپنے بھائی کو قتل کر کے نادم ہوا کہ اس کے معاملہ میں اسے سخت حیرانی ہوئی اور پھر اسے ایک مدت تک سر پہ اٹھائے پھرتا رہا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اسے ندامت

...حسد کی وجہ سے ہوئی نہ کہ گناہ کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ کے خوف سے چونکہ اس کی یہ ندامت توبہ کے طور پر نہ تھی اس لیے اس نے کوئی فائدہ نہ دیا۔

(۱) جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو زمین سات دن تک کانپتی رہی۔ پھر اس کے خون کو پانی کی طرح پی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے قابیل سے (بذریعہ ہاتف غیبی) ندا دی کہ تیرا بھائی کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: مجھے کیا معلوم، میں کوئی اس کا نگران ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تُو نے تو اُسے قتل کر دیا ہے اس کا خون زمین سے تجھے پکارتا ہے۔ قابیل نے کہا: کہاں ہے اُس کا خون۔ اگر میں نے اسے قتل کیا ہے تو اس کا خون مجھے دکھاؤ۔ اُس روز سے اللہ تعالیٰ نے زمین پر خون کا پینا حرام فرما دیا۔ اسی وجہ سے اب خون زمین پر پڑا رہتا ہے زمین میں جذب نہیں ہوتا۔

(۲) حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ اس سے قبل تمام درندے پرندے چرندے اور وحشی جانور انسانوں سے مانوس ہو کر ان کے ساتھ گزر اوقات کرتے لیکن جب سے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا اس روز سے انسانوں سے متنفر ہو کر پرندے ہوا میں اڑنے لگے اور وحشی جانور جنگلوں میں چلے گئے اور درندے غاروں میں چھپ گئے اس روز سے درختوں پر کانٹے پیدا ہوئے اور طعاموں میں بدبو اور میوہ جات میں کھٹائی پیدا ہوئی اور پانی کڑوے ہو گئے اور زمین پر گرد و غبار چھا گئی۔ حضرت آدم جو مکہ کعبۃ اللہ شریف تشریف لے گئے جب عالمِ دنیا کا یہ حال دیکھا تو گھر لوٹے۔

(۳) جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو اس سے قبل اس کا رنگ سفید تھا لیکن اس کے بعد اس کا تمام جسم سیاہ ہو گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے واپس آتے ہی قابیل سے ہابیل کی بابت پوچھا تو اس نے کہا مجھے کیا معلوم، میں کوئی اس کا نگران ہوں۔ آپ نے فرمایا، تُو نے اسے قتل کر دیا اسی لیے تیرا رنگ سیاہ ہو گیا۔[1]

عالمِ دنیا کا پہلا شاعر

حضرت آدم علیہ السلام اپنے صاحبزادے ہابیل کے قتل سے سو سال تک حزین و غمگین رہے اور اتنی مدت تک آپ کبھی نہ ہنسے اور ذیل کے دو اشعار پڑھے:

تغیرت البلاد و من علیھا ۔۔۔ فوجہ الارض مغبر قبیح

تغیر کل ذی لون و طعم ۔۔۔ وقل بشاشۃ الوجہ الصبیح

---

[1] اس سے اندازہ لگائیے کہ اللہ والوں کی بے ادبی و گستاخی سے کتنی نحوست پھیلتی ہے نیز حضرت آدم علیہ السلام کا علم و فراست کہ باوجود قابیل کے انکارِ قتل کے پھر بھی اصل بات کی خبر دے دی کہ تُو نے اُسے قتل کر دیا۔ اویسی غفرلہٗ

ترجمہ: شہروں کی اوران کے باشیوں کی حالت بدل گئی۔ زمین کا چہرہ غبار آلود اور بے رونق ہوگیا بلکہ تمام ہر رنگ اور ذائقہ والی اشیا بگڑ گئیں۔ حسین چہروں کی بشاشت میں کمی آگئی۔

عالمِ دنیا کا سب سے پہلا کاتب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو کہتا ہے آدم علیہ السلام شعر کہتے ہیں وہ غلط کہتا ہے اس کہ آدم اور دیگر انبیاء اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم شعر نہ کہنے میں سب برابر ہیں۔ تمام ا کو اشعار کہنے کی ممانعت تھی۔ لیکن جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو ان کے منہ سے بے ساختہ بچے کے میں بطور مرثیہ چند اشعار نکلے۔ اگرچہ وہ سریانی بولتے تھے لیکن یہ اشعار عربی اُن کے مُنہ سے نکلے۔ جب آپ نے پڑھے تو اپنے صاحبزادے حضرت شیث علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے پیارے بیٹے! تو میرا ہے فلہذا میرے ان اشعار کو یاد رکھنا تاکہ میری اولاد کو رقتِ قلبی نصیب ہو۔ یہ اشعار منقول ہوتے ہو یعرب بن قحطان کے ہاں پہنچے وہ دونوں بولیاں (سریانی و عربی) بولتے تھے۔ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہو عربی کتابت کی ایجاد کی اور وہ شاعر بھی تھے۔ انہوں نے جب حضرت آدم علیہ السلام کے اشعار مرثیہ تو انہوں نے ان میں اول کلمات کو آخر میں اور آخر کو اول میں لکھا لیکن شعر کا وزن بحال رکھا، اور چند اشعار کا اضافہ بھی فرمایا ان میں سے دو شعر یہ ہیں:

وما لی لا اجود بسکب دمع — وھابیل تضمنہ الضریح

اری طول الحیاۃ علی غما — فھل انا من حیاتی مستریح

ترجمہ: مجھے کیا ہے کہ میں آنسو نہ بہاؤں جبکہ ہابیل کو قبر نے اپنے اندر لے لیا میں اپنی زندگی کو اپنے لیے ایک دُکھ سمجھتا ہوں باوجود اس کے کیا میں اپنی زندگی سے خوش ہوں۔

منگل کے دن کے خواص حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منگل کے دن کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

یوم الدم فیہ حاضت حواء وفیہ قتل ابن آدم اخاہ۔

(منگل کا دن خونی ہے) اس لیے کہ اس دن بی بی حوا حائضہ ہوئیں اور اسی دن ابن آدم (قابیل) نے اپنے بھائی (ہابیل) کو قتل کیا۔

حضرت شیث علیہ السلام کی ولادت اور ان کی مختصر سوانح حیات

جب آدم علیہ السلام کو ایک سو تیس[۱۳۰] سال گزرے جو کہ ہابیل کے قتل ہونے کے بعد پانچویں سال حضرت شیث علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی اور انھیں ہبۃ اللہ کے نام سے یاد کرتے تھے، اس لیے کہ ہابیل کے بعد یہی تھے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کی گھڑیوں کا علم عطا فرمایا اور انہیں مخلوق کی عبادت کے طریقے بھی بتائے اور ان کی عبادات کے اوقات بھی۔ اور ان پر پچاس صحیفے نازل فرمائے۔ وہی حضرت آدم علیہ السلام کے وصی اور جانشین مقرر ہوئے۔

قابیل کا انجام

قابیل کو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: تو ہمیشہ مجھ سے دُور رہا کر، اور تو ذلیل و خوار ہوگا۔ تیرے لیے ہمیشہ حزن و ملال ہوگا اور تجھے کہیں ٹھکانا نصیب نہ ہوگا۔ قابیل وہاں سے اپنی بہن اقلیما کو لے کر ارضِ یمن میں عدن میں پہنچا۔

نار کا پہلا پجاری

یہاں قابیل کے ہاں ابلیس پہنچا اور کہا کہ ہابیل کی قربانی کو آگ نے اس لیے کھالیا کہ وہ اس کی پرستش کرتا تھا تو بھی آگ کی پرستش کر تیرے لیے بھی وہی مراتب ہوں گے۔ چنانچہ ابلیس کے کہنے پر اس نے آگ کے لیے ایک مکان بنایا۔ یہی سب سے پہلا آتش پرست ہے۔ لیکن جو کوئی اس کے پاس سے گزرتا اسے پتھر مارتا۔

حکایت واعجوبہ

قابیل کا ایک بیٹا نابینا تھا اسے اس کا بیٹا لے کر قابیل کے پاس آیا اور اپنے نابینا باپ سے کہا کہ یہی تیرا باپ ہے اسے پتھر ماریئے۔ نابینا نے پتھر مار کر اپنے باپ قابیل کو قتل کر دیا۔ بیٹے نے کہا تو نے باپ کو قتل کر دیا، نابینا کو طیش آگیا اس نے اپنے بیٹے کو تھپڑ رسید کیا جس سے اس کا بیٹا بھی مر گیا۔ پھر کہنے لگا ہائے میں نے باپ کو پتھر سے اور بیٹے کو تھپڑ سے مار ڈالا۔

اعجوبہ قابیل

قابیل کا یہ حشر ہوا کہ اس کا ایک پاؤں ران اور پنڈلی سے چمٹ گیا اور قیامت تک ایسے ہی رہے گا۔ اس کا چہرہ سُورج کی طرف پھرتا ہے جدھر سورج گھومتا ہے اس کا چہرہ بھی اسی طرف پھر جاتا ہے۔ گرمیوں میں اسے آگ سے جلایا جاتا ہے اور سردیوں میں برف میں دبایا جاتا ہے اولادِ آدم میں یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے نافرمانی کی بنیاد رکھی اس لیے جہنم میں سب سے پہلے اسے داخل کیا جائے گا۔

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی ناحق قتل کیا جائے تو اس کا گناہ سب سے پہلے قابیل کے نام لکھا جاتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد اسی نے رکھی۔

یاجُوج وماجوج کا نسب نامہ یاجوج وماجوج کا باپ یہی قابیل ہے، یاجوج سب سے شریر انسان ہیں جو کہ شریر ترین باپ سے پیدا ہوئے۔

سرود و آلاتِ غنا کے موجدین آلاتِ لہو کے موجدین بھی قابیل کی اولاد ہے اس لیے کہ انہوں نے مذکورہ آلات تیار کئے اور لہو ولعب میں منہمک ہو گئے اور شراب پی اور آتش پرستی کی اور زنا کو رواج دیا اور دوسری برائیوں میں منہمک ہوتے یہاں تک کہ طوفانِ نوح میں ڈوب کر مر گئے۔ اس کے بعد صرف شیث علیہ السلام کی اولاد بچی۔

عالمِ دنیا کا سب سے پہلا بادشاہ تواریخ میں ہے کہ جب قابیل یمن میں پہنچا تو اس کی اولاد بڑھی اور وہ آدم علیہ السلام کی دوسری اولاد سے کشت وخون کرنے لگے۔ پہاڑوں، غاروں اور جنگلوں میں چھپے رہتے اور ان کو مارتے اور قتل کرتے۔ مہلاییل بن قینان بن انوش بن شیث علیہ السلام تک ان کا یہی طریقہ رہا۔ اُس نے سب کو دوسرے ملکوں میں پھیلا دیا، اور خود بابل میں سکونت پذیر ہوا۔ اُس کا ایک چھوٹا بھائی کیومرث نامی تھا یہی عالمِ دنیا میں سب سے پہلا بادشاہ ہے۔ اس کے حکم سے مختلف علاقوں میں انہوں نے شہر اور قلعے تعمیر کیے اسی طرح سے تاقیامِ قیامت جنگ رہے گی۔

نکتہ کدورتیں اور عداوتیں دُنیا سے نہیں اُٹھ سکتیں البتہ اہل اللہ کے دلوں سے یہ خرابیاں دُور ہو جاتی ہیں جیسے آگ اور پانی اپنی تاثیر سے نہیں ہٹتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں پر ان کا اثر نہیں ہوتا جیسے ابراہیم علیہ السلام پر نار گلزار ہوئی اور پانی میں اگرچہ غرق کرنے کی طاقت رکھی گئی ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے لیے اُس نے غرق کرنے کی بجائے راستہ بنا دیا۔ اسی طرح دنیا کا نظام چلتا رہے گا، لیکن خوش قسمت وہ انسان ہے جو راضی بہ رضائے الٰہی ہو اور صابر وشاکر ہو کر زندگی بسر کرے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دریں چمن گل بے خار کس نچید آرے
چراغ مصطفوی باشرار بولہبی ست

ترجمہ: اس چمن سے گلِ بے خار کسی نے نہ چُنے، چراغِ مصطفوی کے ساتھ ابولہب کی چنگاریاں لازم ہیں۔

نیز فرمایا: ؎

مکن زغصہ شکایت کہ در طریق طلب
براحتے نرسید آنکہ زحمتے نکشید

ترجمہ: غصہ سے شکایت نہ کر اس لیے کہ طریق طلب میں راحت تک نہیں پہنچ سکے گا جس نے دکھ نہ دیکھا ہو۔

صوفیانہ نکات میں اشارہ ہے کہ آدم (روح) کے حوا (قلب) سے نکاح کرنے پر قابیل (نفس) مع اقلیما (خواہش) جوڑا بطن اول میں پیدا ہوئے۔ اس کے بعد ہابیل (قلب) مع (عقل) پیدا ہوئے کیونکہ یہ وہ خواہش نفسانی اور حسن وجمال میں یکتا ہے۔ کیونکہ قلب اپنے مولیٰ کی [illegible]ل اور اس کا عاشق ہے اور یہ وہ (عقل) ہابیل کی نظروں میں نہایت ہی قبیح اور زشت رو ہے اس لیے [illegible] اس سے ہی طلب حق اور فنا فی اللہ کے مقام سے محروم ہو جاتا ہے اسی لیے عقل کو "عقیلۃ الرجال" [illegible] کہتے ہیں (یعنی انسانوں کو روکنے والا) اور قابیل نفس کی نظروں میں عقل قبیح ہے اس لیے کہ نفس اس سے [illegible] کی طلب اور اس کے انہماک سے باز رہتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جوڑے کو آپس میں نکاح [illegible] سے روکا ہے بلکہ فرمایا ایک جوڑا دوسرے جوڑے سے نکاح کرے تاکہ قلب طلب حق سے نہ رہے بلکہ [illegible] نفس کی خواہشات کو مٹانے اور فنا فی اللہ کے مقام پر پہنچنے پر ابھارے۔ اس لیے بعض لوگوں نے فرمایا ہے کہ اگر خواہش نہ ہوتی تو کوئی سالک اللہ تعالیٰ کے راستہ پر نہ چلتا، اس لیے کہ جب خواہش نفس کا ساتھ دیتی ہے تو اس وقت انسان کو تنزل نفس کا حرص پکڑ کر اسے دنیا کے اسفل سے اسفل مقام پر لے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بہت دور کر دیتا ہے اگر اس کا ساتھی قلب ہو تو اسے عشق نصیب ہو جاتا ہے جو اس کے قلب کو عقبیٰ کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب تک پہنچاتا ہے اور پھر قرب مولیٰ سے بھی نوازا جاتا ہے اس لیے عشق کا دوسرا نام ہویٰ بھی ہے چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے

اتانی ھواھا قبل ان اعرف الھوی

فصادف قلبی فارغا فتمکنا

ترجمہ: میں ابھی عشق سے ناآشنا تھا تو اس کے عشق نے مجھے گھیر لیا اور میرے قلب کو خالی پا کر اس پر پورا قبضہ جما لیا۔

پھر نفس کو طلب دنیا سے دور رکھ کر عبادتِ الٰہی میں لگا دیتا ہے اور خواہشاتِ نفسانیہ سے گریزاں ہو جاتا ہے پھر جب آدم (روح) نے اپنے بچوں کو وہی فرمایا جو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا تو ہابیل (قلب) تو راضی ہو گیا لیکن قابیل (نفس) الٹا ناراض ہوا اور کہا کہ میری بہن اقلیما (خواہش) جو میرے ساتھ پیدا ہوئی وہ ہابیل (قلب) کی بہن لیوذا (عقل) سے حسین تر ہے فلہٰذا یہ استحقاق صرف مجھے حاصل ہے انہیں والد نے فرمایا یہ تیرے لیے حلال نہیں۔ یعنی جب خواہشِ نفسانی تیرا ساتھی ہو گی تو تجھے حُبِ دُنیا اور اس کی لذات وشہوات کی وادیوں میں تباہ و برباد کر ڈالے گی لیکن قابیل (نفس) نے ایک نہ مانی یعنی نفس نے آدم (روح) کے حکم کو قبول نہ کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا باپ (روح) نے انہیں اس معاملہ میں مجبور نہ کیا بلکہ صرف اظہارِ رائے فرما کر کہا کہ قربا قربانا

دونوں ہی اپنی اپنی قربانیاں پیش کرو تم میں سے جس کی قربانی قبول ہوئی وہی اس کا حقدار ہوگا ۔ یہ رائے سن کر دونوں گھر سے نکل پڑے تاکہ قربانی پیش کریں اور قابیل (نفس) کھیتی باڑی کا کام کرتا تھا یعنی نفس نامیہ کی تدبیر بنانے والا یعنی نامیہ سے مراد قوت نباتیہ ہے۔ قابیل نفس نے کھیتی سے گندی سے گندی شئے پیش کی۔ یعنی قوۃ طبیعیہ۔ اور ہابیل (قلب) چرواہا تھا یعنی اخلاق انسانی اور صفات حیوانی کے جانوروں کا نگران تھا اس نے اپنے مال سے اونٹ پیش کیا یعنی صفت بہیمیہ۔ اس لیے کہ انسان کو اس صفت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے کیونکہ غذا و بقا کے لیے وہ اس صفت کا زیادہ محتاج ہے اور صفات سبعیہ شیطانیہ کی بہ نسبت یہی صفت انسان کو زیادہ مناسب ہے۔ قابیل و ہابیل نے اپنی اپنی صفت کو بشریت کے پہاڑ پر رکھ دیا اس کی قبولیت کے لیے آدم (روح) نے دعا مانگی تو آسمان جبروت سے نار محبت نازل ہوئی تو صفت بہیمیہ کو مٹا گئی اس لیے کہ نار محبت کا ایندھن یہی ہے لیکن قابیل کی قربانی کو ہاتھ تک نہ لگایا اس لیے کہ یہ اس کے ایندھن میں نہیں بلکہ یہ نار حیوانیہ کا ایندھن ہے واتل نبا ابن آدم الخ کی تفسیر ختم ہوئی۔

فطوعت له نفسه میں اشارہ ہے یعنی قابیل کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر ابھارا یعنی نفس نے جواز کا فتویٰ دیا کہ ہابیل (قلب) کو قتل کر دینا ضروری ہے اس لیے کہ قلب کا سب سے بڑا دشمن نفس ہے بالآخر قابیل نفس نے ہابیل قلب کو قتل کر دیا، پھر وہ خاسرین میں سے ہوگیا ہے۔ یعنی نفس کو دنیا و آخرت کا خسارہ ہوا، دنیا کا بایں معنی کہ واردات و کشوف اور علم غیبیہ (جو قلب کا اصلی منشا ہے) سے محروم ہوگیا اسی طرح اسے ذوق مشاہدات و لذت موانسات سے بھی محروم رکھا گیا کہ جہالت کے گڑھے میں جا پڑا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

ان الانسان لفی خسر الخ

اور آخرت کا خسارہ یہ ہے کہ جنات النعیم کے داخلہ سے محروم ہوگیا اور دیدار الٰہی کا شرف نہ حاصل کر سکا اور ہمیشہ کے لیے نار جحیم و عذاب الیم میں مبتلا کیا گیا۔ **فبعث الله** میں بھی لطیف اشارات ہیں۔

نکات

(۱) انسان کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ جیسے کوّے کو بھیجنے پر قادر ہے ایسے ہی وہ دوسرے جانوروں کو بھیج سکتا ہے تاکہ انسان کو وہ باتیں بتائے جو پہلے اسے معلوم نہ تھیں۔ اس سے انسان کی شان گھٹ نہیں جاتی جیسے انبیاء کرام کی طرف ملائکہ کرام کو بھیج کر انہیں علوم سے نوازا تو اس سے انبیاء کی شان کم نہ ہوئی۔ پھر رسل کرام کو مقرر فرمایا کہ وہ اپنی امتوں کو اسرار و رموز الٰہی سے باخبر کریں۔

(۲) اس سے ملائکہ کرام و انبیاء عظام علیہم السلام کو ظاہر کرنا مطلوب تھا کہ تعلیم حق کے لیے انہیں بھیج کر ان پر فضل و کرم فرمایا ورنہ وہ تو اتنی بڑی قدرت کا مالک ہے کہ اپنے علوم جانوروں اور حیوانوں کے ذریعے

جا سکتا ہے جیسے کوّے کے ذریعے قابیل کو ہابیل کے دفن کرنے کا طریقہ بتایا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہر حیوان بلکہ غذائی کے ہر ذرّے میں موجود ہے اور اس کا بیّن ثبوت خدا اپنے اختیار اور قدرتِ کاملہ سے ذوی العقول کے امور کی تکمیل غیر ذوی العقول سے کرا سکتا ہے۔

(۴) انسان کو آگاہی ہو کہ وہ اپنی تعلیم میں سخت ترین محتاج ہے وہ یقین کرے کہ اگرچہ یہ دولت کسی سے نصیب ہو تب بھی عار محسوس نہ کرے۔

(۵) بندوں کو معلوم ہو کہ وہ (اللہ تعالیٰ) بندوں کی معاش اور بسر اوقات کے لیے کتنا رحیم و کریم ہے نافرمانی کے باوجود وہ بندے کی مشکلات نہایت عجیب و غریب طریقے سے حل فرماتا ہے۔ (کذا فی ملفوظات النجیبہ)

تفسیر عالمانہ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ربط: اللہ تعالیٰ کے حکم واتل علیہم نبا الخ کا اصلی مقصد اب شروع ہے درمیان میں اس مقصد کی تمہید تھی۔ اصلی مقصد یہ ہے کہ بنی اسرائیل مختلف جنایات و معاصی کے مرتکب ہوئے ان کو تنبیہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں قتل ایک سنگین جرم اور قبیح ترین جرم ہے۔ یعنی اس لیے کہ قتل بطور تجاوز کے عدوان و مفاسد کا مجموعہ ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اس کا مرتکب دینی و دنیوی فضائل اور اُخروی سعادت۔ سے محروم ہو جاتا ہے ان وجوہ کو فاصبح من الخسرین میں اجمالاً ذکر فرمایا۔ دوسرا یہ کہ ایسا انسان حسرت و ندامت کے جمیع موجبات میں ایسا مبتلا ہوتا ہے کہ ان کے تلافیہ کی پھر کوئی صورت ہی نہیں ہوتی اور جسے فاصبح من النّٰدمین میں اجمالاً ذکر کیا گیا ہے۔ اور اجل دراصل مصدر ہے۔ مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں، اجل شروا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شر کا کام کرے یا کسی شر کو اٹھائے، اب ان جنایات کی علت کے اظہار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے یعنی کوئی کسی فعل کا ارتکاب کرے تو پھر اس کی علت کا اسی لفظ اجل سے کرتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے فعلتہ من اجلك یعنی یہ کام میں نے صرف تیری خاطر کیا ہے اب اسے ہر علت کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے اور من ابتدائے غایۃ کے لیے ہے كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کے متعلق ہے من اجلك کو متعلق سے مقدم کرنے سے قصر مطلوب ہے یعنی اس وجہ سے کتابوں کا نزول ہوا اس کا اصلی منشا یہی ہے یعنی اس وجہ سے ہم نے انہیں بیان کیا اور بنی اسرائیل کے لیے توراۃ و انجیل میں لکھا کہ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا جس نے کسی ایک کو قتل کیا بِغَیْرِ نَفْسٍ بغیر کسی دوسرے نفس کے قتل کرنے کے جو قصاص کا موجب بنتا ہے۔ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ یا زمین میں فساد ڈالنے کی وجہ سے یعنی وہ زمین پر خونریزی کا سبب بنتا ہے مثلاً وہ شرک کرتا ہے یا ڈاکہ ڈالتا ہے۔ اس کا عطف لفظ غیر کے مضاف الیہ یعنی نفس پر ہے یہاں غیر

سے دونوں کی بیک وقت نفی مراد ہے۔ اس کی نظیر فقہ کا یہ مسئلہ ہے :

من صلی بغیر وضوء او تیمم بطلت صلوٰته۔	جس نے نماز بغیر وضو، یا تیمم پڑھی اس کی نماز باطل ہو گئی۔

اس سے صرف ایک شے کی نفی مطلوب نہیں جیسے فقہ کے اس مسئلے :

من صلی بغیر وضوء او ثوب بطلت صلوته۔	جس نے نماز بغیر وضو یا کپڑے کے پڑھی اس کی نماز باطل ہو گئی۔

میں صرف ایک شے کی نفی مراد ہے۔

فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا۔ اس حیثیت سے اس نے لوگوں کے خون کی عظمت کی ہتک کی اور لوگوں کے لیے ایک بہت بڑے گناہ کا راستہ کھول دیا اور انہیں جرأتمندی کا موقعہ فراہم کیا، یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو چیلنج کرنے اور اس کے بہت بڑے عذاب کو دعوت دینے میں ایک اور تمام کو قتل کرنا برابر ہے۔ جمیعا' الناس سے حال یا اس کی تاکید ہے وَمَنۡ اَحۡيَاهَا اور جو کسی کو معاف کر کے اس کے قتل سے رُکنے یا اُس کی ہلاکت کے اسباب سے اسے بچا کر اس کی زندگی کی بقا کا سبب بنا فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا پس گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگی بخشی، یعنی اس طرح سے تمام لوگوں کو بچایا۔ اس تشبیہ سے مبالغہ ہے کہ کسی کو ناحق قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور ترغیب دی گئی ہے کہ اس قبیح فعل سے بچنا ضروری ہے وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ اور بیشک ان اہل کتاب کے ہاں رُسُلُنَا بِالۡبَيِّنٰتِ ہمارے پیغمبر علیہ السلام بہت بڑے معجزات لے کر تشریف لائے یعنی قسم بخدا اُن کے ہاں ہمارے رسول تشریف لاتے اور ہم نے انہیں بہت بڑے معجزات دے کر بھیجا، یہ کتبنا کی تقریر اور اس بات کی تاکید ہے کہ اُن کے ہر حکم کی حفاظت ضروری ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید فرمائی کہ اے لوگو! ان کے ہر معاملہ کی حفاظت تمہارے ذمہ فرض ہے ثُمَّ اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ اس میں رُسل کرام علیہم السلام کو پے در پے بھیجنے کے امر کی تاکید اور بار بار تجدید عہد کی یاد دہانی ہے اور ثمّ رتبہ اور استبعاد کی تراخی کے لیے ہے۔ فِى الۡاَرۡضِ لَمُسۡرِفُوۡنَ یعنی جو کچھ ان کتابوں میں مذکور ہے کے بعد ان میں بہت سے لوگ زمین پر قتل کو معمولی گناہ سمجھ کر حد سے بڑھ گئے الاسراف حد اعتدال سے گزر جانا۔ بعد ذلك اور فى الارض دونوں لمسرفون کے متعلق ہیں اور لمسرفون 'انّ کی خبر ہے اور ولقد جاءتهم رسلنا الخ قصہ مذکور سے اتصال رکھتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر شئے اللہ تعالیٰ کی ذات کی آیت ہے بنا بریں ہر شئے اللہ تعالیٰ سے بندے کے لیے پیغام بر ہے پھر ہر شئے آیت بینہ اور واضح معجزہ اپنے ساتھ رکھتی ہے تاکہ انسان کو انہی دلائل سے اللہ تعالیٰ سے ملا دے پھر بہت سے وہ لوگ جو باوجودیکہ ان معجزات کا مشاہدہ اور معائنہ کرتے ہیں لیکن پھر بھی زمین میں یعنی بشریت کی زمین میں اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی مخالفت کرکے شریعت و طریقت کی حد سے تجاوز کر جاتے ہیں

ف: اکثر اہل غفلت مشاہدات ربانی کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں لیکن پھر بھی حقیقت سے غافل ہوتے ہیں، گویا کہ اُن کی آنکھیں ہی نہیں ہیں۔ بلکہ یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت انہیں ان مشاہدات کو دیکھنے ہی نہیں دیتی۔ اس لیے کہ وہ غیر ہیں اور غیروں کو مجلسِ خاص میں آنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

معشوق عیان می گزرد بر تو ولیکن
اغیار ہمی بیند ازان بستہ نقابست

ترجمہ: معشوق تو ظاہر ہو کر گزرتا ہے لیکن چونکہ اغیار کے دیکھنے کا خطرہ ہے اسی لیے نقاب اوڑھ رکھا ہے۔

نکتہ کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کے نور اور حق سے حقیقت کے ساتھ وابستہ ہے لیکن چونکہ دنیا ایک خیال ہے اس لیے سالک کو اسے عبور کرنے کی ضرورت ہے اس لیے وہ ان سے گزر کر واصل بحق ہوتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱)	ایں جہاں را کہ بصورت قائمست	گفت پیغمبر کہ حلم نائمست
(۲)	از رہِ تقلید تو کردی قبول	سالکاں ایں دیدہ پیدا بے رسول
(۳)	روز در خوابے مگو کیں خواب نیست	سایہ فرعست اصل جز مہتاب نیست
(۴)	خواب بیداریست آں دان اے عضد	کہ نبیند خفتہ کو در خواب شد
(۵)	او گماں بردہ کہ ایں دم خفتہ ام	بے خبر زاں کوست در خواب دوم

ترجمہ: (۱) یہ جہاں صورت سے قائم ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ حلم نائم ہے۔
(۲) تُو نے تو اسے تقلید سے قبول کیا ہے لیکن سالکوں کو اس کے قاصد کے بغیر عیاں ہے۔
(۳) تو تو دن میں بھی خواب میں ہے اور یہ بھی نہ کہہ کہ خواب نہیں دیکھ سایہ تو فرع ہے

اس کی اصل تو مہتاب ہے۔

(۴) اے پختہ حال تو اپنی بیداری کو خواب اس طرح سمجھ جیسے سوئے ہوئے آدمی کو خواب میں دیکھتے ہو۔

(۵) وہ سمجھتا ہے کہ وُہ ابھی سو رہا ہے لیکن وہ اس دوسرے کے خواب سے بے خبر ہے۔

سبق ہماری یہ بیداری درحقیقت ایک خواب ہے یہ صرف ارباب مکاشفہ صحیحہ واصحاب مشاہدہ واضحہ کو محسوس ہوتا ہے۔

دعا: اے اللہ کریم! ہمارے لیے بھی اس مقام کی راہ کھول دے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ بے شک سزا ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کرتے ہیں، یعنی ان کے اولیاء، اس سے مراد اہلِ اسلام ہیں۔

سوال: تم نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتا ہے یہ ان کی عظمتِ شان پر دلالت ہے۔

جواب: یہاں محاربت سے ڈاکہ زنی مراد ہے۔ ڈاکہ زنی یہ ہے کہ چند بدمعاش جنگلوں میں چھپ کر خونریزی کریں، لوگوں کا قتال کریں اور ان کے اموال لوٹیں اور ان کی عورتوں اور لونڈیوں کو ستائیں اور انہیں ایسی قوت و شوکت حاصل ہو کہ انہیں اس بُرے فعل سے کوئی روک نہ سکے۔

وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اور زمین میں فساد ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فسادًا یسعون سے حال ہے بمعنے مفسدین۔

شانِ نزول یہ آیت ہلال بن عویمر الاسلمی کی قوم کے حق میں نازل ہُوئی جبکہ حضور علیہ السلام نے ان سے معاہدہ کیا کہ نہ ہم تمہارے لوگوں کو ستائیں گے اور نہ تم مسلمانوں کو نقصان پہنچاؤ گے۔ ہمارا جو مسلمان تمہارے ہاں سے گزرے گا تم اس کی جان و مال کی حفاظت کرو گے اور جو تمہارے لوگ ہمارے ہاں سے گزریں گے ہم ان کی حفاظت کریں گے۔ ایک دفعہ بنی کنانہ کے چند آدمی اسلام قبول کرنے کی خاطر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہو رہے تھے کہ ہلال مذکور کی قوم کے پاس سے گزرے اور ہلال گھر پر نہیں تھا اس کی قوم نے بنو کنانہ کے لوگوں پر حملہ کر دیا، ان کا مال بھی لُوٹا اور ان کے بہت سے لوگوں کو قتل بھی کر دیا۔

سوال: بنو کنانہ مسلمان تو نہیں ہوئے صرف اسلام قبول کرنے کے ارادہ پر گھر سے نکلے اور صرف اسلام سے وہ حربیت سے خارج نہ ہوئے اور حربی کے لیے ڈاکہ زنی سے حد لازم نہیں اگرچہ وہ

بھی ہو۔

(۱) وہ چونکہ احکام اسلام سیکھنے کے لیے حاضر ہو رہے تھے اور اسلام کا قصد بھی ان کے مسلمان ہونے کے لیے کافی ہے۔

(۲) اگر قصدِ اسلام بھی مانا جائے تب بھی وہ اس وقت ذمیوں کے حکم میں تھے اور ذمیوں پر ڈاکہ سے حد لازم ہوتی ہے۔

چونکہ محاربت اور فساد کے کئی مراتب اور مختلف درجات ہیں۔ مثلاً :

(۱) قتل کیا جائے مال نہ چھینا جائے۔

(۲) قتل بھی کیا جائے اور مال بھی لوٹ لیا جائے۔

(۳) صرف مال لوٹ لیا جائے اور قتل نہ کیا جائے۔

(۴) ڈرایا دھمکایا جائے اور مال بھی لوٹ لیا جائے لیکن قتل نہ کیا جائے۔

تمام اقسام کو بیان کر کے ان کی سزا کا بیان علیحدہ علیحدہ کیا جائیگا۔

چنانچہ فرمایا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا یہ کہ وہ قتل کئے جائیں۔ یہ سزا بطورِ حد کے ہوگی۔ لیکن انہیں سولی نہ چڑھایا جائے اس وقت جب انہوں نے صرف قتل کیا ہو۔

مسئلہ : یہاں مقتولین معاف بھی کر دیں تب بھی معافی نہ ہوگی اس لیے کہ یہ خالص حق شرع ہے اور کسی کو معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا۔

مسئلہ : قتل کرنا کسی آلہ سے ہو یا جیسے بھی، ہر طرح سے باغیوں کو قتل کرنا ضروری ہو۔

اَوْ یُصَلَّبُوْٓا یا وہ سولی چڑھائے جائیں اور پھر قتل کئے جائیں اس وقت جبکہ انہوں نے مال لوٹ کر لوگوں کو قتل کر دیا ہو۔ سولی یوں چڑھایا جائے کہ نیزے وغیرہ ان کے پیٹ میں گھونپ دئے جائیں یہاں تک کہ وہ مر جائیں۔

مسئلہ : قتل کرنے کے بعد پھر سولی نہ چڑھایا جائے اس لیے کہ زندہ آدمی کو سولی پر چڑھایا جائے تو دوسروں کو عبرت ہوتی ہے کہ وہ ایسے قبیح فعل کے ارتکاب سے بچ جائیں گے۔

اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ یا ان کے ہاتھ اور پاؤں بطریق خلاف کاٹے جائیں، مثلاً دایاں ہاتھ کاٹا ہو تو بایاں پاؤں کاٹا جائے اور ان کا کاٹنا گٹوں سے ہو اس وقت ہے جب مسلمان یا ذمی کافر کا صرف مال چھینا ہو۔

مسئلہ : اتنے مال پر ہاتھ پاؤں کاٹنے ہوں گے کہ ان پر تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کو دس دس درہم

پہنچ جائیں۔

سوال : ہاتھ کے ساتھ پاؤں کیوں کاٹے جائیں، حالانکہ چوری کی سزا تو صرف ہاتھ کاٹنا ہے۔

جواب : چونکہ یہ سنگین جرم کے مرتکب ہوئے اس لیے سزا بھی سخت ہو گی تاکہ دوسروں کو عبرت نصیب ہو۔

اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ یا شہر سے نکالے جائیں ۔ یہ اُس وقت ہے کہ صرف لوگوں کو ڈرا دھمکا کر چھوڑ دیا اور ان کا مال نہ چھینا اور نہ ہی کوئی فساد کیا۔

ف : ہمارے نزدیک نفی بمعنے قید ہے کہ انھیں اس شہر سے کسی دوسرے میں قید کیا جائے تاکہ لوگ اُس سے شر سے محفوظ ہو جائیں اور اسے سزا بھی دی جائے اس لیے کہ لوگوں کو ڈرایا دھمکایا اور ملک کے امن کو خطرے میں ڈالا۔

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ یہ رُسوائی اور ذلت وخواری فِي الدُّنْيَا صرف دنیاوالی سزا کے طور

ترکیب : ذلك مبتدا لك خبر مقدم اور خزیٌ مبتدا مؤخر ہے یہ دونوں مل کر جملہ بن کر ذلك مبتدا کی خبر ہے۔

وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اور انہیں آخرت میں مذکورہ سزا کے علاوہ عَذَابٌ عَظِيْمٌ بہت بڑا عذاب ہے ایسا کہ اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ان کا جرم سنگین ہے۔

ترکیب : لهم خبر مقدم اس کا مبتدا عذاب مؤخر ہے اور فی الاٰخرۃ محذوف کے متعلق ہو کر عذاب حال ہے وہ اس لیے کہ اس میں دراصل عذاب کی صفت واقع ہوتی تھی اور صفت موصوف سے مقدم نہیں ہوتی اس لیے اسے حال (منصوب) قرار دیا گیا، دراصل کائنا فی الاٰخرۃ الخ تھا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ یہ استثناء جو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے مخصوص ہے۔ چنانچہ انّ اللہ غفور رحیم دلالت کرتا ہے یعنی مگر جو ایسی غلطیوں سے تائب ہو جائیں قبل اس کے کہ تم انہیں گرفتار کرلو تو اللہ تعالیٰ اپنے حقوق انہیں معاف کر دے گا اس لیے فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مسئلہ : حقوق العباد پھر بھی معاف نہیں اس لیے کہ وہ توبہ سے معاف نہیں ہوتے۔ ڈاکو، باغی جب کسی کو قتل کر دیں پھر گرفتاری سے پہلے اپنی غلطی سے تائب ہو جائیں کہ آئندہ ایسے فعل کے مرتکب نہیں ہوں گے تو ان سے صرف حد قتل کی سزا معاف ہو گی لیکن مقتول کے ورثا کا حق بحال رہے گا کہ اگر چاہیں تو قصاص لیں چاہیں معاف کر دیں۔ اسی طرح وہ کسی کا مال چھین لیں اور گرفتاری سے قبل تائب

جائیں تو قطع ید کی سزا معاف ہو جائے گی لیکن مالکان کا حق ادا کرنا واجب ہوگا۔

مسئلہ: ان غلطیوں کے ارتکاب کے بعد اگر گرفتار ہو جائیں اس وقت توبہ بطور حد کے معاف نہ ہوگی، اور نہ ہی مالکان کا حق معاف ہوگا البتہ آخرت کے عذاب عظیم سے بچ جائیں گے۔

مسئلہ: یہ احکام مسلمان ڈاکوؤں کے ہیں مرتد یا مشرک ڈاکو، ان کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ انکی گرفتاری سے پہلے یا بعد کی توبہ قابل قبول ہے۔ مثلاً ایسی غلطیوں کے ارتکاب کے بعد گرفتار ہوا یا نہ لیکن دولت ایمان سے مالا مال ہو گیا تو اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہ کیا جائے گا یعنی اس پر نہ سزا ہوگی نہ ہی مال کا مطالبہ ہوگا۔ اس لیے کہ اسلام اس کے لیے ہر طرح کا امن وسلامتی کا پیغام دیتا ہے۔

مسئلہ: اگر مسلمانوں سے ایسی غلطیاں ہو جائیں تو ان کی تفصیل گزری ہے کہ اگر گرفتاری سے پہلے تائب ہو تو حقوق الٰہی یعنی شرعی سزا معاف ہوگی لیکن حقوق العباد معاف نہ ہوں گے۔ اسی طرح اس مسلمان نے رہزنی میں کسی کو قتل کر دیا اور اس نے قبل از گرفتاری توبہ کر لی تو حد شرعی معاف لیکن مقتول کے ورثاء کا حق باقی ہوگا چاہیں تو قصاص لیں چاہیں معاف کر دیں۔ اسی طرح اس نے قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو سولی نہ چڑھایا جائے گا لیکن ورثاء کے حوالے کیا جائیگا چاہیں قصاص لیں چاہیں معاف کر دیں اور مال واپس لیں۔

مسئلہ: بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ قتل کرنے اور مال لوٹنے کی صورت میں مال اس وقت واپس لیا جائے جب اس کے ہاں موجود ہو ورنہ مال بھی معاف (جیسے عام چوروں کے متعلق مسئلہ ہے)

حکایت: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حضرت حارث بن بدر تائب ہو کر حاضر ہوئے حالانکہ اس سے قبل ڈاکہ ڈالتا رہا، خونریزی کرتا رہا اور مال لوٹتا رہا، اس کی توبہ قبول فرمائی۔ اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہ فرمایا۔

مسئلہ: جو شخص گرفتاری کے بعد توبہ کرے تو اس سے نہ حقوق اللہ معاف ہوں گے نہ حقوق العباد۔

مسئلہ: ڈاکہ ڈالنا اور لوگوں کو ڈرانا سخت اور قبیح ترین گناہ ہے جیسے لوگوں سے دُکھ درد ٹالنا بہترین کام اور اعلیٰ نیکی ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میرے ہاں اپنی امت کی نیکیاں اور برائیاں پیش کی گئیں ان کے بہترین اعمال میں سے میں نے اُن کا بہتر عمل یہ پایا کہ جو مسلمانوں کے دُکھ درد ٹالتے ہیں اور ان کی برائیوں میں سے سخت برائی یہ کہ تھوک مسجد میں پڑی ہو تو اُسے دفن نہ کریں۔

حدیث شریف ۱ مع شرح : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

من اشار الی اخیہ (جس نے اپنے بھائی پر اشارہ کیا)

یعنی اخیہ سے مسلمان اور ذمی دونوں مراد ہیں اس حکم میں۔ بحدیدۃ (لوہے) سے اس سے قتل کرنے کا ہتھیار مراد ہے اس لیے کہ بعض روایات میں بسلاح (ہتھیار سے) کا لفظ صراحۃً واقع ہوا ہے تو ملائکہ اس پر لعنت بھیجتے ہیں ، یعنی اس پر دُعا کرتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز داخل نہ ہو ، اس لیے کہ اس نے اپنے بھائی کو ڈرایا اشارہ سے۔ اور وہ حرام ہے۔

حدیث شریف ۲ میں ہے ، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لایحل لمسلم ان یروع المسلم۔ — مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ ہتھیار اٹھا کر مسلمان کو ڈرائے۔

ف : اس لیے کہ بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ ہتھیار ہاتھ سے چھوٹ کر کسی کو لگ جاتا ہے۔

حدیث شریف ۳ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لایشر احدکم الی اخیہ فانہ لایدری	ہتھیار کے ساتھ اپنے کسی بھائی مسلمان
لعل الشیطان ینزع فی یدہ وان	کی طرف اشارہ نہ کرو ، ممکن ہے شیطان
کان اخاہ۔ (مسلم شریف)	اس سے چھین کر اس کے بھائی کو مار دے۔

ف : بھائی سے عام مومن مراد ہے خواہ اس کے ماں باپ ہوں ، اگرچہ وہ اشارہ مذاق کے طور پر ہی ہو اور اشارہ سے اس کا مارنا مقصود نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ نہ کرنے میں اولیاء اللہ کی دشمنی سے ممانعت فرمائی گئی ہے ، اس لیے کہ حدیث قدسی میں ہے حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

من عاد ولیا فقد بارزنی فی الحرب	جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے
وانی لاغضب لاولیائی کما یغضب اللیث	وہ میرے ساتھ جنگ کرتا ہے ، اور
لجروہ۔	میں اپنے دوستوں کے لیے ایسے ناراض
	ہوتا ہوں جیسے شیر اپنے بچے کے لیے۔

بلعم بن باعوراء کی کہانی بلعم باعوراء حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا ایک بہت برگزیدہ بندہ تھا یہاں تک کہ زمین سے عرش کو دیکھ لیتا تھا ، لیکن جب وہ دنیا کی طرف جھکا اور دنیا داروں سے گٹھ جوڑ کیا تو وہ اللہ کے دوستوں کی مخالفت کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے

معرفت میں ملا اور اسے ایک ذلیل ترین کتے کی طرح بنا دیا۔
ایسے مجرم کی سزا یہ ہے کہ اُسے رسوائی کی چھری سے ذبح کیا جائے یا اُسے محرومی کی سُولی پر مجبوری کی رسّی سے لٹکایا جائے یا اُس کے وصال کے دامن سے اس کے ہاتھ دُور رکھے جائیں اور اختلاف سے اس کے پاؤں اُنس اور قربت کی زمین سے دُور، شہر نکالا دے دیا جائے ایسے شخص کو دنیا میں بھی محرومی اور آخرت میں تو اُس نے ہمیشہ سے مہجور و محروم رہنا ہے اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور بخشش اور اللہ والوں سے معافی چاہی، اس سے قبل کہ اس سے ولایت چھین لی جائے تو اے اللہ والو اگر معاف کر دو تو مناسب ہے اس لیے کہ تم جسے معاف کرو گے اسے اللہ تعالیٰ بھی معاف کر دے گا۔ اگر اسے محروم کر دو گے تو وہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے بھی محروم ہوگا اس لیے کہ ولایت کے دروازہ سے دھتکارے ہوئے کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

کلید گنج سعادت قبول اہلِ دلست
مباد کس کہ درین نکتہ شک و ریب کند

ترجمہ: گنج سعادت کی کنجی اہلِ دل کو قبول کرنا (ماننا) ہے ایسا نہ ہو کہ اس میں کوئی شک و شبہ کرے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) لاجرم آں راہ بر تو بستہ شد — چوں دل اہلِ دل از تو خستہ شد
(۲) زود شاں دریاب و استغفار کن — ہمچوں ابرے گریہا و زار کن
(۳) تا گلستاں شاں سوئے تو بشگفد — میوہائے پختہ بر خود واکند
(۴) ہم براں در گرد کم از سگ مباش — با سگِ کہف ارشدستی خواجہ تاش

ترجمہ (۱) بہرحال تجھ پر وہ راہ بند ہے جب کوئی اہلِ دل تجھ سے ناراض ہوا۔
(۲) جلد تر ان سے معافی مانگ، استغفار کر، بادل کی طرح آنسو بہا اور زاری کر۔
(۳) تاکہ ان کے باغ کا پھول تجھے نصیب ہو اور ان سے پختہ میوے تجھے نصیب ہوں۔
(۴) ان کے ہاں خدمت کے لیے کُتّے سے کم نہ ہو، سگِ اصحابِ کہف کی طرح ان کا خادم بن۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں

فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي

جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ بے شک وہ جو کافر ہوئے جو کچھ زمین میں ہے

الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا

سب اور اس کی برابر اور اگر ان کی ملک ہو کہ اسے دے کر قیامت کے عذاب سے اپنی جان چھڑائیں تو

تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ

اُن سے نہ لیا جائے گا اور ان کے لیے دکھ کا عذاب ہے دوزخ سے نکلنا چاہیں گے اور

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا

وہ اس سے نہ نکلیں گے اور اُن کو دوامی سزا ہے اور جو مرد یا عورت چور ہو تو اُن کا ہاتھ

اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ

کاٹو ان کے کیے کا بدلہ اللہ کی طرف سے سزا اور اللہ غالب حکمت والا ہے تو جو اپنے ظلم کے

مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾

بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو اللہ اپنی مہر سے اس پر رجوع فرمائے گا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ

کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی سزا دیتا ہے جسے چاہے اور بخشتا ہے

لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ

جسے چاہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اے رسول تمہیں غمگین نہ کریں وہ جو

يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ

کفر پر دوڑتے ہیں کچھ وہ جو اپنے منہ سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور ان کے دل مسلمان نہیں

وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ

اور کچھ یہودی جھوٹ خوب سنتے ہیں اور لوگوں کی خوب سنتے ہیں جو تمہارے پاس

يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا

حاضر نہ ہوئے اللہ کی باتوں کو اُن کے ٹھکانوں کے بعد بدل دیتے ہیں کہتے ہیں یہ حکم تمہیں ملے تو

فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ

مانو اور یہ نہ ملے تو بچو اور جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے تو ہرگز تو اللہ

مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِی
کچھ بنا سکے گا وہ ہیں کہ اللہ نے ان کا دل پاک کرنا نہ چاہا انہیں دنیا میں

الدُّنْیَا خِزْیٌ ۚۖ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ
رسوائی ہے اور انہیں آخرت میں بڑا عذاب بڑے جھوٹ سننے والے بڑے

لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُعْرِضْ
حرام خور تو اگر تمہارے حضور حاضر ہوں تو ان میں فیصلہ فرماؤ یا ان سے منہ پھیر لو اور اگر تم ان سے منہ

عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْـًٔا ؕ وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ
پھیر لو تو وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اگر ان میں فیصلہ فرماؤ تو انصاف سے فیصلہ کرو بیشک

اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَ كَیْفَ یُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِیْهَا
انصاف والے اللہ کو پسند ہیں اور وہ تم سے کیونکر فیصلہ چاہیں گے حالانکہ ان کے پاس توریت ہے

حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۳﴾
جس میں اللہ کا حکم موجود ہے بایں ہمہ اسی سے منہ پھیرتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں

تفسیر عالمانہ
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ یعنی اس کے عذاب سے ڈرو اور اس کی نافرمانیوں سے بچو وَابْتَغُوْۤا اپنے لیے تلاش کرو اِلَیْهِ اس کی طرف اس کے ثواب اور اس کے قرب کے لیے الْوَسِیْلَةَ وسیلہ کو اعمالِ صالحہ سے اس کا قرب تلاش کرو۔ الیہ، الوسیلۃ سے متعلق ہے اہتمام کی وجہ سے الیہ کو مقدم کیا ہے۔ الوسیلۃ مصدر نہیں کہ اس کے معمول کو اس پر مقدم کرنا جائز ہو بلکہ فعیلۃ کے وزن پر ہے اور توسل بہ ویتقرب الی اللہ کے معنیٰ میں ہے، یعنی وہ شے کہ جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے اور وسل کذا سے ماخوذ ہے تقرب الیہ کے معنیٰ پر ہے، اس کی جمع الوسائل آتی ہے۔

حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ وسیلۃ بہشت میں افضل الدرجات کا نام ہے۔

حدیث شریف میں ہے، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سلوا الله لی الوسیلة فانها درجة فی الجنة لا ینالها الا عبد واحد و ارجوا من الله ان یکون هوانا۔

میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ وسیلہ کا سوال کرو اس لیے کہ وہ بہشت میں ایک ایسا درجہ ہے جو صرف ایک بندے کو نصیب ہوگا اور مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ

وہ بندہ میں ہی ہوں۔

حدیث شریف میں ہے :

من قال حین یسمع النداء اللھم رب ھٰذہ الدعوۃ التامۃ و الصلاۃ القائمۃ اٰت سیدنا محمد الوسیلۃ والفضیلۃ والبعثہ المقام المحمود الذی وعدتہ حلت لہ شفاعتی یوم القیامۃ۔

جس نے مؤذن کی اذان سن کر اللھم رب سے لے کر الذی وعدتہ تک پڑھا۔ ترجمہ : اے اللہ اس مکمل دعا کے مالک اور صلاۃ قائمہ کے رب ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور درجہ رفیعہ عطا فرما اور انہیں وہ مقام محمود عطا فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔

ف : حضرت فناری اپنی تفسیر فاتحہ میں لکھتے ہیں کہ وسیلہ جنتِ عدن میں ایک بہترین مقام کا نام جو اُمت کی دُعا سے صرف حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوگا۔ اس کی حکمت کو اللہ تعالیٰ نے مخفی رکھا جس کے سبب سے ہم اللہ تعالیٰ سے سعادت ابدی کے حقدار بنیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں افضل اُمم کے خطاب سے نوازا، اور ہم پر اُمتوں کو ختم فرمایا جیسے ہمارے نبی علیہ السلام کو خاتم الانبیاء بنایا اور حضور علیہ السلام سے فرمایا کہ اس کی خوشخبری اپنی اُمت کو سنائیں۔ اس سے ہی ہمیں خاص جو نصیب ہُوا جس سے ہم اپنے رب سے راز و نیاز کی باتیں کریں گے اور وہ ہمارے ساتھ مخفی اسرار کا اظہار فرمائیگا اور اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کو کوئی خصوصیت نصیب ہوتی ہے جو صرف اسی سے مخصوص ہوتی ہے اس لیے ہمیں حکم ہُوا کہ ہم اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دُعا مانگیں کہ جس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی مرتبہ نصیب ہو۔ یہ بھی غیرتِ الٰہیہ میں سے ایک ہے **وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ** اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو۔ یعنی اس کے ظاہری اور باطنی دشمنوں کا مقابلہ کرو **لَعَلَّكُمْ** تاکہ تم **تُفْلِحُونَ** فلاح پاؤ کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو اور اس کے فضل و کرم سے نوازے جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے فلاح حقیقی کو چار چیزوں پر منحصر فرمایا :

(۱) ایمان، یعنی اس کے نور کا وہ چھینٹا جو اپنے دست قدرت سے ابتدائے تخلیق میں اپنی مخلوق پر ڈالا اس کی بدولت بندہ ظلماتِ کفر سے چھٹکارا پاتا ہے۔

(۲) تقویٰ جو پسندیدہ اخلاق اور اعمالِ صالحہ سے ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے بندہ گناہوں کی تاریکیوں سے محفوظ ہوتا ہے۔

(۳) وسیلہ کی طلب یعنی لاہوتیہ میں ناسوتیہ کو فنا کرنا، اس سے بندہ وجود کے اوصاف سے بچتا ہے۔
(۴) جہاد فی سبیل اللہ یعنی انانیت کو مٹا کر ہویت میں گم ہونا۔ اس سے بندہ ظلمات وجود سے نجات ... سے نوازا جاتا ہے۔

اب آیت کا حقیقی معنی یہ ہوا کہ اے وہ لوگو! جنہیں نور کے چھینٹوں سے نوازا گیا مذموم اخلاق کو مٹا کر ... پیدا کرو۔ وجود کے اوصاف ختم کر کے اُس کا قرب حاصل کرو۔ وجود کو فنا کر کے جہاد فی سبیل اللہ کرو ... اپنے معبود سے اپنا مقصود پاؤ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

مسئلہ: آیت میں "وسیلہ" کی طلب کی تاکید کی گئی ہے اور وہ ضروری امر ہے اس لیے کہ اس کے سوا ... تک پہنچنا ناممکن ہے اور اس وسیلہ سے علماءِ حقیقت یعنی مشائخِ طریقت مراد ہیں۔ حضرت حافظ ... نے فرمایا: ؎

قطع ایں مرحلہ بے ہمرہیٔ خضر مکن
ظلماتست بترس از خطر گمراہی

ترجمہ: مرشد (خضر) کی ہمراہی کے بغیر یہ راستہ طے نہ کر، اس میں تاریکیاں (ظلمات) ہیں گمراہ ہونے سے ڈر۔

...روحانی اپنے طور عمل کرنے سے نفس کو تقویت ملتی ہے۔ ہاں کامل مرشد کی نگرانی میں عمل کیا جائے اسی میں کامیابی ہے کہ در اصل وہی انبیاء کی رہبری ہے اور اولیاء کا یہی شیوہ ہے ... سے ہی وجود سے نجات ملتی ہے اور حجابات اُٹھتے ہیں اور اسی طریقہ سے ہی سالک اپنے ملک کے ... پہنچتا ہے۔

...یت حضرت ابو الحسن شاذلی قدس سرہٗ نے فرمایا میں اور میرا ایک رفیق ایک جنگل میں اللہ تعالیٰ کی تلاش میں نکلے ایک عرصہ تک اسی شغل میں رہے اور اس سے پُر امید تھے کہ آج ... تو کل ضرور منزلِ مقصود تک پہنچیں گے۔ ایک دن ایک ذوہیبت انسان ہمیں ملا۔ ہم نے سمجھا یہ کوئی ... والا ہے ہم نے اُن سے عرض کی آپ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے فرمایا اس کا کیا پوچھتے ہو جو اس ... میں غرق ہو کہ آج نہ سہی تو کل ضرور منزلِ مقصود تک پہنچیں گے۔ اس طرح سے اگر اپنے نفس کو ... یا گیا تو پھر منزلِ مراد تک پہنچنا مشکل ہے بلکہ اسے اگر ملنا ہے تو اسی کے نام سے ملو۔ چنانچہ اُن کی اس ... سے ہم متنبہ ہوئے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ کی۔ اُس کے ... ہمارے اوپر واردات ہوئے اور ہم منزلِ مقصود تک پہنچے۔

سبق انسان کو چاہئے کہ ہر طرح کے تعلق سے پاک ہوکر اُس کی تلاش میں رہے پھر اس پر حقیقتِ حال کا انکشاف ہوگا۔ حضرت شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فدائے دوست نکردیم عمر مال دریغ
کہ کار عشق زما ایں قدر نمی آید

ترجمہ: افسوس کہ ہم نے دوست پر عمر کا مال فدا نہ کر سکے عشق میں ہم سے یہ بھی نہ ہوسکا۔

نسخہ رُوحانی: اللہ والوں کی صحبت ایک نعمتِ عظمٰی اور سعادتِ عُلیا ہے۔

حکایت حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مغربی خادم تھا آپ کے سامنے منکر نکیر کی بات چل نکلی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اُن سے بات کروں گا۔ عرض کی گئی ہمیں کیسے معلوم ہوگا؟ انہوں نے فرمایا کہ جب میں مرجاؤں تو تم میری قبر پر بیٹھنا پھر سُن لینا۔ جب وُہ بزرگ فوت ہوئے تو چند آدمی اُن کے مزار پر بیٹھ گئے اور کان لگا کر باتیں سُنیں۔ جب منکر نکیر نے سوالات کیے تو اُس نے کہا مجھ سے کیا پُوچھتے ہو میں نے تو زندگی سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ کی پوستین گردن پر اٹھائے رکھی ہے منکرین اُس کا یہ جواب سُن کر واپس چلے گئے۔

ف: یہ کوئی بڑی بات نہیں اس لیے کہ ایسے لوگوں کے پاس جوابات قبر میں ساتھ چلے جاتے ہیں وہی ان کا سرمایہ برزخی ہوتا ہے جس سے انہیں مقصود حاصل ہوتا ہے۔ حضرت مولانا روم مثنوی شریف میں فرماتے ہیں: ؎

گنج زری کہ چو خسپی زیر ریگ	یا تو باشد آن نباشد مرد ریگ
پیش پیش آں جنازت می رود	مونس گور و غریبے مے شود

ترجمہ: گنج زری جب تو مٹی کے نیچے سوئے گا تیرے ساتھ ہوگا وُہ کوئی مصنوعی شئے نہ ہوگی۔ تیرے جنازہ کے آگے آگے جاتا ہے وہ تیرے سفر اور قبر کا ساتھی رہے گا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ بیشک وہ لوگ جو کافر ہیں اگر ان کے لیے ہو یعنی ان ہر ایک کے لیے مَا فِي الْاَرْضِ وہ جو روئے زمین پر ہے یعنی زمین کے ہر قسم کے مال اور خزینے بلکہ اُس کے تمام منافع کی اشیاء۔ ما فی الارض اِنَّ کا اسم ہے اور لھم اس کی خبر مقدم ہے جَمِيْعًا سب کا سب۔ الّذین اسم موصول کیلیے

تاکید ہے یا اس سے حال واقع ہے وَمِثْلَهٗ اور اس کی مثل اور بھی اس کا اسم موصول پر عطف ہے یعنی جو روئے زمین کا دوگنا اور حال ہو مَعَهٗ اس کے ساتھ ہی یہ اسم ظرف اسم معطوف سے حال ہے اور ضمیر موصول کی طرف راجع ہے لِيَفْتَدُوْا بِهٖ ہے اس کا ضمیر اسم موصول کی طرف راجع ہے اسی طرح مثلہ کا ضمیر بھی اسی طرف راجع ہے۔

سوال ، اسم موصول جمع ہے اور ضمیر واحد کی ہے۔

جواب : اسے اسم اشارہ کا قائم مقام کیا گیا ہے گویا بہ کو بذلك کی تاویل میں لایا گیا ہے۔

مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ یوم قیامت کے عذاب سے، یہ بھی لیفتدوا کے متعلق ہے۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ روئے زمین پر ہے اور اس جیسا اور بھی انہیں مل جائے اور وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ دیں مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ تو ان سے قبول نہ کیا جائے۔ یہ لَوْ کا جواب ہے لَوْ اپنے متعلقات سے مل کر ان کی خبر ہے ان پر عذاب عظیم لازم ہونے کی مثال دے کر سمجھایا اور بتایا گیا ہے کہ ان کے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں نہ تحقیقاً نہ فرضی طور۔

حدیث شریف میں ہے ،

> کافر کو جب قیامت میں عذاب کے لیے لایا جائیگا تو اس سے پوچھا جائیگا کہ روئے زمین کے برابر تمہیں سونا دیا جائے اور پھر کہا جائے کیا تو اپنی جان رہائی کے لیے خرچ کرے گا۔ وہ کہے گا ہاں میری جان بچ جائے تو اس کو فدیہ کے طور خرچ کروں گا ، اسے کہا جائے گا کہ دنیا میں تجھے اس سے آسان تر بات کہی گئی لیکن تو نے اس کا انکار کر دیا۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یعنی ایسا عذاب کہ اس کا درد ان کے دلوں پر اثر انداز ہوگا۔ يُرِيْدُوْنَ یہ سوال کا جواب ہے ، سوال یہ ہے کہ گویا ان سے کہا گیا کہ ان کا کیا حال ہوگا یا وہ قیامت میں کیا کریں گے اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وہ جہنم کی آگ سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے متعلق چند وجوہ ہیں ،

(۱) جہنم سے نکلنے کا ارادہ کر کے جہنم کے شعلے گھیر لیں گے اور وہ شعلے ان کے سروں کے اوپر چڑھ جائینگے ان شعلوں سے نکلنے کا ارادہ کرینگے تو پھر جہنم کی طرف انہیں دھکیلا جائیگا۔

(۲) جہنم کے شعلے اور اس کی طاقت انہیں اٹھا کر باہر پھینکنے کا زور لگائے گی جس سے وہ باہر نکلنے کا ارادہ کریں گے۔

(۳) وہ دل ہی دل میں اس جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے۔

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا یعنی ارادہ تو نکلنے کا کریں گے حالانکہ وہ اُس سے نکل نہ سکیں گے
اس لیے کہ جونہی وہ جہنم سے باہر نکلنے کا ارادہ کرینگے تو انہیں دھکّے دے کر پھر جہنم میں لوٹایا جائیگا وَلَهُمْ
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے، ایسا دائمی کہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ اس میں عذاب کی
سختی کے ساتھ ساتھ بتایا گیا ہے کہ وہ عذاب غیر متناہی ہے۔
حدیث شریف میں ہے کہ بہشتیوں کو بہشت میں کہا جائے گا تم اس بہشت میں ہمیشہ رہو گے اب
تمہیں موت نہیں آئے گی جبکہ موت کو دُنبہ کی صورت میں لاکر بہشت اور دوزخ کے درمیان میں ذبح
کیا جائے گا۔
نکتہ ۱: موت کو دُنبہ کی صورت میں لانے میں ایک نکتہ یہ ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ بنا
تو گویا وہ دنیا میں تمام زندوں کا فدیہ ہُوا پھر اسی مناسبت سے جو زندوں کا فدیہ بنایا گیا اُسے آخرت میں
بھی ان کا فدیہ مقرر کیا گیا (کذا فی شرح المشارق لابن الملک)
نکتہ ۲: یہ کفر اور اس کی جزاء یعنی جہنم میں دائمی طور پر رہنا اس وجہ سے ہے کہ لوگ ازل میں نورِ الٰہی کے
چھینٹوں سے محروم رہے جبکہ اہلِ ایمان کو عالمِ ارواح میں اس نور سے وافر حصّہ نصیب ہوا۔
مثنوی شریف میں ہے: ؎

مومناں کان عسل زنبور وار
کافراں خود کان زہری ہمچو مار

ترجمہ: مومن شہد کی کان ہیں بھڑ کی طرح، کافر زہر کی کان ہیں سانپ کی طرح۔

---

(۱)	جنبش خلق از قضا و وعدہ است	تیزیٔ دنداں ز سوزِ معدہ است
(۲)	نفس اوّل راند بر نفس دوم	ماہی از سر گندہ باشد نے ز دم
(۳)	تو نمیدانی کزیں دو کیستی	جہد کن چنداں کہ بینی چیستی
(۴)	چوں نہی پشت کشتی بار را	بر توکل میکنی آں کار را
(۵)	تو نمیدانی کہ از ہر دو کئی	غرقۂ اندر سفر یا ناجئی
(۶)	چونکہ بر بوکست جملہ کارہا	کار دیں اولیٰ کزیں یا بے رہا

ترجمہ: (۱) مخلوق کی جنبش قضاء و وعدہ سے ہے دانتوں کی تیزی معدہ کی سوزش
سے ہے۔

(۲) نفس نے خود ہی اپنے اوپر درندے چھوڑے مچھلی سر باہر نکالنے سے پکڑی جاتی ہے نہ کہ سانس نکالنے سے۔
(۳) تُو نہیں جانتا کہ تو ان دونوں میں کون ہے کوشش کر پھر دیکھ کہ تُو کون ہے۔
(۴) جب تو کشتی کی پشت پر بوجھ رکھتا ہے تو کل سے ہی تو یہ کام کرتا ہے۔
(۵) تمہیں معلوم نہیں کہ تو ان دونوں میں کون ہے پانی میں غرق ہوگا یا نجات پا جائیگا۔
(۶) جب تیرے کام ایسے ہیں تو پھر دین کا کام ان سب سے اولیٰ ہے اسی سے تو نجات پا جائے گا۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں جہنم کے پُل پر کھڑا ہُوں اور مجھے سخت خوف نے گھیر لیا، اس لیے سخت متفکر ہُوا کہ اب اِس پُل سے کیسے گزروں۔ اس اثناء میں ایک غیبی آواز آئی: اے بندۂ خدا! بوجھ اُتار کر اس پُل کو عبور کیجئے۔ میں نے پُوچھا: میرے ہاں تو کوئی بوجھ نہیں۔ فرمایا: یہی دُنیا کا گورکھ دھندا سب سے بڑا بوجھ ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

تا کے غم دنیائے دُنی اے دلِ دانا
حیفست زخوبی کہ شود عاشقِ زشتی

ترجمہ: اے دلِ دانا! کب تک تُو اس خسیس دنیائے غم میں کب تک رہے گا اس حسین پر افسوس ہے جو قبیح کا عاشق ہے۔

حدیث شریف مع شرح حدیث شریف میں ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

یؤتی بانعم اھل الدنیا۔ — قیامت میں دنیا کے بہت بڑی نعمتوں والے کو لایا جائے گا۔

حدیث میں بانعم اھل الدنیا میں بار تعدیکی ہے اور انعم افعل التفضیل کا صیغہ ہے جو نعمت سے مشتق ہے یعنی ہر وہ شخص جو سب سے زیادہ نعمتوں سے زیادہ مالامال ہو۔

من اھل النار یوم القیامۃ فیصبغ فی النار صبغۃ۔ — وہ اہلِ نعمت دوزخی ہوگا تو اس کو جہنم میں ایک غوطہ دیا جائے گا۔

یہاں پر صبغ کا معنی غوطہ دینا ہے اس لیے کہ کسی شے کو رنگنے میں بھی یہی ہوتا ہے کہ اس شے کو رنگ

میں غوطہ دیا جاتا ہے ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے اور غوطہ لگانے سے یہی مقصود ہے کہ اُسے جہنم کی آگ سے جلایا جائیگا۔

ثم یقال یا ابن آدم هل رأیت خیرا قط هل مربك نعیم قط فیقول لا واللہ یا رب۔

پھر اس سے پُوچھا جائے گا اے ابنِ آدم! تُو نے کبھی کوئی سُکھ پایا، کیا تجھے کوئی نعمت بھی نصیب ہوئی؟ تو کہیگا اے اللہ! مجھے کوئی سُکھ نصیب نہیں ہُوا اور نہ ہی کوئی نعمت ملی۔

یعنی عذاب کی سختی سے اُسے دنیا کی تمام نعمتیں بھول جائیں گی۔

ویؤتی باشد الناس بؤسا۔

اور قیامت میں تنگ دست تر انسان کو بلایا جائیگا۔

یعنی ہر وہ انسان کہ جس کی دُنیوی زندگی نہایت پریشانی اور تنگی سے گزری ہوگی۔

من اهل الجنة فیصبغ صبغة من الجنة فیقال له یا ابن آدم هل رأیت بؤسا قط هل مربك شدة قط فیقول لا واللہ ما مربی بؤس قط ولا رأیت شدة قط۔

اسے بہشت میں کچھ نعمتیں نصیب ہوں گی، تو پھر اس سے سوال ہوگا کہ ابن آدم تجھے کچھ نعمتیں نصیب ہوں گی۔ پھر اس سے سوال ہوگا کہ اے ابن آدم! تجھے کچھ دنیا میں دُکھ تکلیف پہنچی تھی؟ عرض کریگا نہیں یا رب! مجھے تو کسی قسم کی تکلیف اور دکھ نہیں۔

کذا فی شرح المشارق لابن الملک: ؎

ہر چند غرقِ بحرِ گناہم زصد جہت
گر آشنائے عشق شوم ز اہلِ رحمتم

ترجمہ: اگرچہ بے شمار طریقوں سے گناہوں کے دریا میں غرق ہوں اگر عشق کا واقف ہو جاؤں تو اہلِ رحمت سے ہوں۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ یہ مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی حکم السارق والسارقة ثابت فیما یتلی علیکم یعنی چوری کرنے والے مرد اور عورت کا حکم تمہارے

تلاوت کیے ہوئے قرآن میں ہے کہ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا ان کے دونوں ہاتھ کاٹو۔ یہ حکم مقدر کا بیان فاء کا مابعد ماقبل سے مرتبط ہے اس لیے کہ ان کے مابین فاء لائی گئی ہے کہ اصل مقصود چور کی سزا ہی یہی ہے۔ اگر فاء نہ لائی جاتی تو بظاہر فاء کا مابعد ایک اجنبی معلوم ہوتا۔

سوال : جب یہی اصل مقصود ہے تو پھر حکم کو کیوں مقدر کیا گیا؟

جواب : فاقطعوا امر ہے اور یہ انشاء ہے اور یہی السارق الخ کے لیے خبر کی ضرورت ہے اور خبر جملہ انشائیہ نہیں بن سکتا سوائے اس کے کہ اس کے لیے کوئی شے مقدر مانی جائے یا اس کی تاویل کی جائے۔ ایدیھما سے ان کے دونوں دائیں ہاتھ مراد ہیں اس لیے صیغہ جمع کا لایا گیا ہے جیسے قد صغت قلوبکما میں جمع لائی گئی ہے حالانکہ یہاں دونوں مقام پر تثنیہ کا صیغہ چاہیے۔

ف : کس قدر چوری ہو تو قطع ید لازم آتی ہے اس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر بیان کریں گے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ان کو ان کے کیے کی سزا اور اللہ تعالیٰ کا اُن پر عذاب ہے جزاءً اور نکالاً دونوں مفعول لہ ہیں۔ معنے یہ ہے کہ ان دونوں کے ہاتھ کاٹو۔ یہ ان کی وہ سزا ہے جو انہوں نے چوری کی ہے اور دوبارہ ایسے عمل سے روکنے والی سزا ہے بلکہ دوسروں کو بھی عبرت ہوگی جو ان کی اقتدار میں ایسے بُرے فعل کا ارتکاب کرتے ہیں اور من اللہ نکالا کی صفت یعنی نکالا کائنا منہ تعالیٰ اور نکال' تنکیل کا اسم ہے نکول سے ماخوذ ہے بمعنے الامتناع وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ اور اللہ غالب ہے اپنے ہر امر پر جس کا وہ اجراء کرتا ہے جیسے وہ چاہتا ہے نہ اُسے کوئی روکنے والا روک سکتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی مخالفت کرنے والا ہے جو اس سے جھگڑا کرے حَكِيْمٌ اپنی شرائع کے اجراء میں حکمتیں جانتا ہے ان کا حکم ویسے جاری کرتا ہے جیسے حکمت اور مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے اس لیے شرعی احکام کو سوسو حکمتوں اور مصلحتوں سے مشروع فرمایا۔ فَمَنْ تَابَ پس جو چور چوری سے توبہ کرے مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ ظلم کرنے کے بعد یعنی دُوسروں پر اُن کے مال چھین کر ظلم کرنے کے بعد۔

سوال : ظلم کی تصریح کیوں کی گئی ہے حالانکہ غلطی کے بغیر توبہ ہوتی ہی نہیں۔

جواب : اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار مطلوب ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ چوری وغیرہ بہت بڑا گناہ ہے۔

وَاَصْلَحَ اور اپنی اصلاح کرے یعنی جتنی غلطیاں کی ہیں اُن سے پُورے طور رُوگردانی کر کے پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ ایسی غلطی کا ہرگز مرتکب نہیں ہوگا یعنی چوری وغیرہ نہیں کرے گا۔

فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے کہ اُسے آخرت میں عذاب میں مبتلا نہ کرے گا۔

مسئلہ: توبہ سے حدِ سرقہ یعنی قطعِ ید معاف نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ یہ مال کے مالک کا حق ہے اور حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے (یہی احناف کا مذہب ہے)

مسئلہ: حضرت حدادی فرماتے ہیں کہ اگر چور حاکم کے پیش ہونے سے پہلے چوری کا مال مالک کو واپس کر دے اور تائب بھی ہو جائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

مسئلہ: جب اسے حاکم کے پیش کیا گیا تو پھر توبہ کرتا ہے تو اب ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔ اگر اُس نے سچے دل سے توبہ کی ہے تو یہ قطعِ ید اس کے لیے بلندیِ درجات کا موجب ہو گا۔ جیسے انبیاء و اولیاء اور نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مصائب اور تکالیف و امراض میں مبتلا کر کے اُن کے لیے رفع درجات فرمائے یہ بھی اسی حکم میں ہے اگر سچے دل سے تائب نہیں تو آخرت میں سزا علاوہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے یعنی اس کی مغفرت و رحمت کا کوئی کنارہ نہیں اس لیے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمینوں کے مُلک اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ یہ خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ لیکن اس سے تمام لوگ مراد ہیں۔ تقریرِ علم کے لیے یہ استفہام انکاری ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بندوں کو آگاہ کرنا مطلوب ہے۔ چنانچہ ابھی عذاب و مغفرت کا بیان کامل طریق سے مذکور ہو گا۔ یعنی تمہیں معلوم نہیں کہ تمام اشیاء پر اللہ تعالیٰ کا قبضہ ہے وہی ہر شے پر قادر ہے اور اسی کے ہاتھ میں تمام تصرفات ہیں زمین و آسمان کی ملکیت سے قدرتِ تامہ کا اظہار مطلوب ہے کہ وہ اتنی بہت بڑی قدرت کا مالک ہے کہ اُس کے قبضۂ قدرت میں آسمان و زمین بھی ہیں، اور ان کی ایجاد بھی اُسی کی ہے اور وہی ان کو مٹائے گا اور سب کو وہی زندہ رکھتا ہے اور سب کو وہی فنا فرمائے گا جیسا کہ اس کی قدرت و حکمت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی کرتا ہے۔ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اگرچہ گناہ صغیرہ پر بھی عذاب دے یہ اس کا عدل ہو گا وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ اور جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اگرچہ بہت بڑا گناہ (کبیرہ) بھی ہو، یہ اس کا فضل ہے، یعنی جس کے لیے حکمت کا تقاضا ہوتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس کی مغفرت کے لیے اس کی حکمت مقتضی ہوتی ہے اُسے بخش دیتا ہے وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے منجملہ اس کی قدرت کے یہ بھی ہے کہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے

ہوتا ہے۔

[اہل سُنّ]ت کے عقیدہ کی تفصیل

ابن الشیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص توبہ کیے بغیر مرجائے تو اُسے دُنیا کی سزا یہ ملی کہ اُس کا ہاتھ کاٹا گیا اور آخرت کا عذاب اس [کے علا]وہ۔ اگر توبہ کر کے مرا تو اُس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اس لیے کہ وہ مالک ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے [ج]س طرح اُس کا ارادہ ہوتا ہے ویسے حکم فرماتا ہے۔ پس جسے چاہے عذاب دے اور جسے چاہے بخش دے۔ [عذا]ب دے تو بھی اس کی شان کے لائق ہے اور اگر کسی کو بخش دے تو بھی اس کے شایانِ شان ہے اس لیے [کہ وہ] تمام مخلوق کا مالک اور معبود ہے وہ اپنی ملک میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔

[مع]تزلہ کا عقیدہ

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اچھے افعال اس لیے نہیں کہ وہ معبود ہے بلکہ بایں معنی ہیں کہ اس کی مخلوق مصلحتوں کے لیے ایسے ہی لائق ہیں اور جو شئے بہتر مصلحت کی [م]تقنی ہے اس کو یہی متضمن ہے کہ وہ اچھی ہو۔

[چو]ری کے مسائل کی تفصیل

[م]سئلہ: چوری اس مال کا نام ہے جو دس درہم کی مقدار (مالیت) کا کسی مکلّف انسان کا محفوظ مال چھُپ کے [اُٹھ]ا لیا جائے اور اٹھانے والے کا نہ اس مال میں کوئی ملک ہو نہ شبہ ملک۔

[فو]ائد قیود

مکلّف کی قید سے مجنون اور بچّے کی مال کی چوری کا مسئلہ خارج ہوا کہ اگرچہ وہ بھی چوری ہے لیکن قطع ید نہیں۔

[م]سئلہ: خفیہ (چھُپ کر مال لوٹنا) کی قید سے غصب اور ڈاکہ زنی خارج ہوئے اور یہی خفیہ طور سرقت [کے م]سائل کا رکن ہے۔

[م]سئلہ: دس درہم خواہ نقد ہوں یا اُن کی قیمت کی مقدار (مالیت) یہ سرقہ کا نصاب ہے کہ اس سے [کم] مال کا نام بھی اگرچہ سرقہ ہے لیکن قطع ید نہیں۔

[م]سئلہ: مسائل عیوب میں دس درہم سے کم کی چوری بھی غلام اور لونڈی میں شرعاً عیب ہے اس لیے ایسے [غلا]م اور لونڈی کو بائع کے ہاں لوٹایا جا سکتا ہے۔

[م]سئلہ: حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سرقہ کا نصاب دینار کا چہارم حصہ ہے۔ لیکن احناف کے نزدیک دس درہم۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی احادیث میں رُبع دینار بھی وارد ہُوا ہے

لیکن دس دراہم والی روایت کو ترجیح ہے وہ اس لیے کہ باب الحدود میں اکثر کو لینا زیادہ موزوں ہوتا ہے کیونکہ اس میں سزاؤں سے بندوں کو بچانا بہتر ہے اس لیے کہ انہیں سزاؤں میں مبتلا رکھا جائے اور وہ اس صورت میں ہے کہ نصاب کے معاملے میں کثرت ضروری ہے ورنہ معمولی غلطی کس انسان سے نہیں ہوتی (الاقلیل منهم والقلیل کالمعدوم)

مسئلہ: دس دراہم سے وہ ہے جو سات مثقال کے وزن کے برابر ہوتا ہے۔

مسئلہ: دراہم (مہرشدہ) کی قید لگائی جاتی ہے اس سے وہ مال خارج ہوا جو اس مقدار سے کم قیمت ہو۔ مثلاً کسی نے غیر مہر کا چاندی یا سونا چرایا ہے لیکن اس کی قیمت دس درہم سے کم ہوتی ہے تو اس پر قطع ید نہیں۔

مسئلہ: مال کو حفاظت کی قید اس لیے لگائی جاتی ہے کہ ایسے مال پر قطع ید ہے، جس پر کوئی نگران ہو، نگرانی مکان میں محفوظ رکھنے سے ہو یا اس پر مستقل طور محافظ مقرر ہو۔

مسئلہ: امام بغوی فرماتے ہیں کہ اگر غیر محفوظ مال کی چوری کی گئی۔ مثلاً ایسے باغ سے میوے توڑے جس پر کوئی محافظ نہیں تھا یا ایسے جانور کو جنگل سے چرایا کہ جس کا کوئی نگران نہیں تھا، یا سامان کو ایسے مکان سے اٹھایا جس میں ہر ایک کو آمدورفت کی اجازت ہے جیسے حمام اور عام سرائے، تو قطعِ ید نہیں۔ اس لیے کہ اشتباہ سے حدود مندفع ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ: غلام اپنے مالک کی چوری کرے تو اس پر قطعِ ید نہیں، اس لیے کہ غلام کو اپنے سردار کے گھر میں ہر وقت آنے جانے کی اجازت ہوتی ہے۔

مسئلہ: مرد کو اپنی عورت اور عورت کو اپنے مرد کے مال کی چوری پر قطعِ ید نہیں، اگرچہ وہ مال کسی محفوظ مکان میں ہو یا اس پر خصوصی نگران بھی مقرر ہو اس لیے کہ زن وشوہر کو آپس کے اموال پر تصرفات کی عام اجازت ہوتی ہے۔ اور عادۃً پوچھے بغیر ایک دوسرے کا مال خرچ کیا جاتا ہے اس طرح سے قطعِ ید میں رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے۔

مسئلہ: جن ورثاء کو آپس میں وراثت کا رشتہ ہو تو ان کو آپس کے مال چرانے پر قطعِ ید نہیں اس لیے کہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے اموال سے نفع اٹھانے کے حقدار ہوتے ہیں اور ان کی آمد و رفت پر مال کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ: ذی رحم محرم کے مکان سے چوری کرنے پر بھی قطعِ ید نہیں، اگرچہ مال مسروق کسی غیر کا اس کے گھر میں رکھا ہو اس لیے کہ ذی رحم محرم رشتہ دار سے بھی مال کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ: چور کا دایاں ہاتھ گٹوں سے کاٹا جائے، پھر کاٹنے کے بعد اسے گرم تیل میں ڈالا جائے تاکہ خون بند ہو جائے اس لیے کہ اگر اسے تیل میں نہ ڈالا جائیگا تو خون حد سے زیادہ بہہ جائے گا جو انسان کی ہلاکت کا موجب ہے اور کسی کو حد لگانے سے آئندہ غلطی کرنے سے بچانا مطلوب ہے نہ کہ اسے ضائع اور ہلاک کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ سخت گرمی میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جاتی۔

مسئلہ: ایک ہاتھ کٹ جانے کے بعد دوبارہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں گٹے سے کاٹا جائے۔ تیسری بار چوری کرے تو ہاتھ نہ کاٹا جائے بلکہ جب تک وہ توبہ نہ کرے یا اس میں نیکی کے آثار نمایاں ہوں اسے قید خانے میں رکھا جائے۔

حکایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک چور کو تیسری چوری میں گرفتار کر کے لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور مجھے حیا آتا ہے کہ اس کا ایک ہاتھ بھی نہ چھوڑوں جس سے وہ کھا پی سکے اور نہ ہی پاؤں جس سے وہ چل پھر سکے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ۔ — مومن کی فراست سے ڈرو اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔

سبق: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ توبہ کے آثار بھی نمایاں ہو سکتے ہیں جسے نیک لوگ پہچان سکتے ہیں۔

مسئلہ: چوری کا اثبات ان دلائل و براہین سے ہوتا ہے جن سے شراب کا اثبات ہوتا ہے یعنی شہادت اور اقرار سے۔

مسئلہ: گواہی کے لیے دو مرد ضروری ہیں، حدود میں عورتوں کی گواہی غیر قابل قبول ہے۔

مسئلہ: جس کا مال چوری ہوا ہے اس کی طرف سے ہاتھ کاٹنے کا مطالبہ ضروری ہے اس لیے کہ دوسروں کے مال کی خیانت کا پتا اس وقت چلے گا جب مال کا مالک اس کا مطالبہ کرے۔

مسئلہ: ہاتھ کاٹنے میں شریف اور کمینے کا کوئی امتیاز نہیں، چوری جو بھی کرے گا شریف ہو خسیس ہو ہاتھ ضرور کاٹے جائیں گے۔

حدیث شریف و حکایت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک مخزومیہ عورت کو لایا گیا کہ اس نے چوری کی ہے۔ آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرما دیا۔ اس کے لیے حضرت اسامہ بن زید

رضی اللہ عنہ نے سفارش کی۔ آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو محبوب رکھنے کے باوجود اُس کی یہ سفارش
قبول نہ فرمائی اور فرمایا :

اے اسامہ! کیا تو اللہ تعالیٰ کے حدود کے خلاف سفارش کرتا ہے ، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ تم سے
پہلے لوگ بھی اسی لیے تباہ ہُوئے کہ جب اُن کے معزز گھرانے کے لوگ چوری کرتے تو ان پر حد جاری نہ کرتے
اور اگر غریب گھرانے کے لوگ چوری کرتے تو اُن کا ہاتھ کاٹ دیتے ۔ یاد رکھو کہ اگر میری صاحبزادی حضرت
فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بھی چوری کرے (بفرضِ محال) تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دُوں گا۔

حدیث شریف : حضور علیہ السلام نے فرمایا :

جب حدود کا مقدمہ حاکم وقت کے ہاں پیش ہو تو اس کی سفارش نہ کی جائے ۔

اس لیے حضور علیہ السلام نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی سفارش کو رد فرما دیا ۔

مسئلہ : مقدمہ دائر ہونے سے پہلے اگر مدعی کو منوایا جائے یا سفارش کے طور پر کہا جائے تو جائز ہے

مسئلہ : گنہ گار کی ستر پوشی مستحب ہے جبکہ وہ شریر اور موذی نہ ہو۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا : ؎

پس پردہ بیند عمل ہائے بد　　　　ہم او پردہ پوشد بہ آلائے خود

ترجمہ : پس پردہ ہمارے بے شمار بُرے اعمال دیکھتا ہے لیکن اپنے کرم سے
ہماری پردہ پوشی فرماتا ہے ۔

ف : حدیث شریف رعیت کے ساتھ عدل و انصاف پر دلالت کرتی ہے اور واجب کہ سب پر
اجرائے احکام برابر ہو ۔

سوال : امام ابو منصور رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ جس ہاتھ کو کاٹا جائے گا اس کی
قیمت ہزاروں روپے تک پہنچے گی اور چوری کی مقدار کم از کم دس درہم ہے ۔ چوری کی سزا میں برابری
نہ ہوئی حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلھا ۔　　　　جو شخص بُرائی کرے اسے اس کی بُرائی کے برابر سزا دی جائے۔

جواب : دنیاوی سزا ایک آزمائش ہے اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جس طرح آزمائش چاہتا ہے کرتا ہے
بندے کی غلطی کے مطابق سزا نہیں دی جاتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت پر سزا مقرر ہوئی ہے اور
یہاں بھی ہاتھ کاٹنا اس کی چوری کے مال کی سزا نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی

کسب ۔ ارشاد باری تعالیٰ میں بھی اس طرف اشارہ ہے ۔ چنانچہ فرمایا :
جَزَآءً بِمَا كَسَبَا ۔ یعنی یہ سزا چوری کے عمل سے ہے اور یہ سزا یعنی ہاتھ کا ٹنا ممکن ہے ۔ اس
ہاتھ ہنک کے برابر ہو اگرچہ دس درہم کی کوئی وقعت نہیں اور سزاؤں کی مقدار وہی جانتا ہے جسے
علم ہو ۔ جب یہ بات مسلم ہے تو بندے کو سر تسلیم خم کرنا لازمی ہے ۔

حضرت یونس بن عبید باب الترہیب میں فرماتے ہیں کہ یہ مت کہو کہ چور کے بہتر عضو کو صرف
درہم کی سزا پر کٹوا ڈالے ۔ اس طرح کہنے سے کل قیامت میں سخت عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے ۔
(منہاج العارفین)

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ اپنی تمام غلطیوں سے توبہ کرے اور تمام غلط کاریوں سے بچنے کی کوشش
کرے اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے ۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

حیلہا و چارہا گر اژدہا ست
پیش الا اللہ آنہا جملہ لا ست

ترجمہ : حیلے و فریب اگرچہ اژدہا ہیں الا اللہ کے سامنے لا (نہیں) ہیں ۔

قفل ز سخت و کشاینده خدا
دست در تسلیم زن اندر رضا

ترجمہ : سخت تالے لگے ہوئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کھولنے والا ہے تسلیم و رضا کا
دامن پکڑ ۔

سوال : آیت ہذا میں چور (مرد) کا نام پہلے اور زنا کے مضمون میں عورت کا ذکر پہلے کیوں ؟
جواب : چوری طاقت و قوت کے ذریعے ہوتی ہے اور طاقت و قوت میں مرد عورت سے زیادہ قوی
ہوتا ہے ۔ اور زنا شہوت سے ہوتا ہے اور عورت کو مرد سے زیادہ شہوت ہوتی ہے اور اس کا
اصل سبب بھی عورت ہی بنتی ہے ۔
کہتے ہیں کہ متعدد مرد بھی ایک عورت کی شہوت کو نہیں بجھا سکتے ۔
اسی لیے اللہ تعالیٰ نے وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ فرمایا حالانکہ وعصت حوا الخ فرماتا
اس لیے کہ گندم کا دانہ کھانے میں پہل بی بی حوا نے کی اور اس کی ترغیب انہوں نے دی لیکن چونکہ
عورت مرد کے تابع ہوتی ہے اس لیے مرد کی تقدیم مناسب ہوئی ۔

سوال : جیسے چوری کے فعل میں ہاتھ کے ارتکاب سے ہاتھ کو کاٹا جاتا ہے اسی طرح زنا میں ذکر کو کاٹنا چاہئے ۔

جواب : (۱) ذکر کو کاٹ لیا جائے تو آیندہ نسل کے منقطع ہونے کا خطرہ ہے ۔

(۲) سزا تمام بدن کو ملتی ہے کہ زنا میں تمام بدن لذت پاتا ہے ۔

نکتہ حضرت نیشاپوری فرماتے ہیں کہ چوری نے معنوی ہاتھ چھینا ہے جو کہ اس کا مال اس کا سہارا ہے اس لیے اس کی سزا ہاتھ کاٹنے کی مقرر ہوئی کہ ہاتھ کا بدلہ ہاتھ بنا ۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ؛

وللہ خزائن السمٰوٰت والارض ۔ آسمان و زمین کے خزانے اللہ تعالیٰ کے ہیں ۔

پھر جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہے ۔ بندہ کے پاس مال بطور امانت رکھا گیا ہے پھر جب چور نے اپنے مالک کے خزانے سے چوری کی تو مالک نے سزا کے طور اس کا ہاتھ کاٹا کہ یہ کام اسی نے کیا ہے ۔

لطیفہ : جیسے مال چوری ہوتا ہے اسی طرح عبادات کی بھی چوری ہوتی ہے ۔

حدیث شریف : چنانچہ حدیث شریف میں ہے ؛

اسوء الناس سرقة الذی یسرق من صلاته ۔ سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز کی چوری کرتا ہے ۔

عرض کی گئی کہ نماز کی چوری کیسے ہوتی ہے ؟ فرمایا ؛

لایتم رکوعها و لا سجودها ۔ جو رکوع و سجود صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتا وہ نماز کا چور ہے ۔

حدیث شریف میں ہے ؛

ان الرجل یصلی ستین سنة وما تقبل له صلاة ۔ بندہ ساٹھ سال تک نماز پڑھتا ہے لیکن اس کی نماز قبول نہیں ہوتی ۔

وہ صرف اس لیے کہ وہ رکوع و سجود اچھے طریق سے ادا نہیں کرتا کذا فی الترغیب والترہیب ۔

نکتہ صوفیانہ چونکہ ایسا نمازی وصالِ الٰہی کا رشتہ توڑ دیتا ہے اس لیے وہ اپنی منزل مراد تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ دائمی طور جدائی اور فراق میں رہتا ہے کیونکہ اس نے

گستاخی اور بےادبی بلکہ اپنے رب کریم کے حکم میں سخت کوتاہی کی ہے۔

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے حضور علیہ السلام کی عزت و بزرگی کے پیشِ نظر آپ کی رسالت کو مضمون کا عنوان بنایا گیا ہے۔ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ ان لوگوں کا کردار غم میں نہ ڈالے اس لیے کہ اشخاص قطع نظر از عوارض غم و فرحت کا موجب بنتے یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ کفر کے اظہار میں عجلت کرتے ہیں۔ جب انہیں فرصت ملتی ہے کفر بکتے ہیں اس سے حضور علیہ السلام کو کفار کے کردار سے غمگین ہونے سے روکا گیا ہے اس بناء پر اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہے۔ یعنی آپ غم نہ کھایئے اور اُن کے کفر میں جلدی کرنے کی پرواہ مت کیجئے مِنَ الَّذِیْنَ کفر میں عجلت کرنے والوں کا بیان ہے یعنی وہ کفار جو کہ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ کہتے ہیں ہم تو صرف زبانی طور پر ایمان کا اظہار کرتے ہیں بافواھھم، قالوا سے متعلق ہے۔

سوال: قول ہوتا ہی ہے زبان سے کہنے سے، پھر افواھھم کی اضافت کا کیا فائدہ؟

جواب: تاکہ واضح ہو جائے کہ اُن کی بات صرف منہ تک محدود ہے، اس کا تعلق اُن کے قلبی اعتقاد سے قطعاً نہیں۔

وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ یہ قالوا کی ضمیر سے حال ہے۔ یہ اس کی تاکید ہے کہ اُن کی بات صرف زبانوں تک ہے ان کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا اور وہ لوگ جو یہودی ہیں۔ اس کا عطف من الذین، قالوا پر ہے۔ یہاں پر کفر میں عجلت کرنے والوں کا بیان ختم ہوا۔ اور بتایا گیا کہ وہ دو قسم ہیں:

۱۔ منافقین

۲۔ یہودی

سَمّٰعُوْنَ خبر ہے اس کا مبتداء محذوف ہے دراصل ھم سمّٰعون تھا یعنی منافقین اور یہودی بہت زیادہ پھیلانے والے ہیں لِلْكَذِبِ جھوٹ کو، یہ لام تقویت عمل کے لیے ہے، یا سماع بمعنے قبول اور لام بمعنے کی ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے یعنی یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ جھوٹ بولتے ہیں، یا یہ کہ جو اُن کے پادری انہیں اللہ پر افتراء کرکے باتیں بتاتے ہیں اسی طرح ان کی کتابوں کی تحریف کرکے اُن کے پادری جیسے کہتے ہیں یہ انھیں بہت زیادہ قبول کرتے ہیں، یا یہ کہ وہ تمہاری خبریں اور باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں تاکہ انھیں گھٹا بڑھا کر تبدیل کرکے لوگوں کو تم سے

بہکائیں، اس لیے کہ بعض اُن میں ایسے بھی تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعض باتیں سُن کر دوسروں کو کچھ کا کچھ جا کر سناتے سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ یہ مبتدا مقدر کی دوسری خبر ہے اور پہلے مبتدا کے لیے ثابت اور واضح کرتا ہے کہ یہاں کذب مذکورہ دونوں وجہوں کے معنی میں ہے اور لام سمع اللہ لمن حمدہ کی طرح ہوگی کہ اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جس طرح سے کوئی حمد کرے اسے وُہ قبول کرتا ہے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہُوا کہ وُہ دوسروں کی باتیں بہت زیادہ مانتے ہیں لَمْ یَاْتُوْكَ یہ قوم کی دوسری صفت ہے یعنی وہ قوم جو آپ کی مجلس میں نہیں آئی بلکہ تکبر کے طور پر اور آپ سے زیادہ بغض رکھنے کی وجہ سے بہت زیادہ دُور رہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے خیبر کے یہودی اور سمّٰعون سے بنو قریظہ مراد ہیں۔ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ یہ قوم کی دوسری صفت ہے۔ کلماتِ الٰہیہ کو اپنے اپنے مقام سے تبدیل کرتے ہیں۔ یعنی جن امور کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے انہیں یہ لوگ تبدیل کرتے ہیں یعنی جن امور کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے انہیں یہ لوگ تبدیل کرتے ہیں۔ یہ تبدیلی یا لفظاً ہوگی کہ اسے مہمل چھوڑتے ہیں یا اس کے وصف کو بدل دیتے ہیں یا اس کی مراد کے خلاف معنے ظاہر کرتے ہیں یا اسے اپنے مورد سے پھیر کر دوسرا مورد متعین کرتے ہیں۔ یَقُوْلُوْنَ یہ قوم کی اور صفت ہے یعنی ان کے بڑے لیڈر اپنے ان تابعداروں کی باتوں کو بہت زیادہ سنتے ہیں جن کو اپنی جھوٹی اور بناوٹی باتیں بتاتے ہُوئے اپنے باطل کلام کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ اِنْ اُوْتِیْتُمْ اگر تم اس رسول علیہ السلام سے دئے جاؤ هٰذَا یہ بناوٹی باتوں میں سے کچھ وہ بتائیں فَخُذُوْهُ تو اسے لے لو یعنی اس منگھڑت کلام پر عمل کرو اس لیے کہ وہی حق ہے وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ اور اگر تم وُہ نہ دئے جاؤ بلکہ اس کا غیر دئے جاؤ فَاحْذَرُوْا تو پھر تم اس سے بچو یعنی اسے قبول نہ کرو، تم اس سے دُور رہو اور ان کو بھی اپنے سے دُور رکھو۔

شانِ نزول مروی ہے کہ خیبر کے ایک اونچے خاندان کے مرد نے ایک سردار قوم کی عورت سے زنا کر لیا اور تھے بھی دونوں شادی شدہ۔ تورات میں بھی شادی شدہ زانیوں کی سزا سنگساری مقرر تھی لیکن اُنہوں نے ان کی قومی عزّت و احترام کے پیشِ نظر ان دونوں کو سنگسار کرنے سے پس و پیش کی اور ایک وفد کے ہمراہ ان زانیوں کو بنو قریظہ کے ہاں بھیجا۔ وہ وفد زانیوں کو لے کر بنو قریظہ اور نضیر کے قبیلہ کے ہاں پہنچے اور کہا کہ اے بھائیو! تم اس مرد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) سے واقف ہو اور تمہیں ان کی رہائش کا پتا ہے کہ وہ کس شہر اور کس مقام پر رہتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک حادثہ ہوا ہے وہ یہ کہ ان مرد و زن سے زنا سرزد ہوا ہے اور یہ دونوں شادی شدہ بھی ہیں آپ

مگر ہمارے لیے اس نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فیصلہ کرا دو۔

قریظہ اور نضیر دونوں قبیلوں کے لوگوں نے کہا کہ بخدا وہ جس طرح کا فیصلہ سنائیں گے تمہیں ناگوار ہوگا تاہم تمہارے کہنے پر ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ چنانچہ ان کے بڑے بڑے لیڈر جیسے کعب بن اشرف کعب بن اسد اور کنانہ بن ابی الحقیق وغیرہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوئے اور کہا: یا محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)! بتائیے زانی اور زانیہ کی سزا تمہاری کتاب میں کیا ہے جبکہ وہ دونوں شادی شدہ بھی ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم میرے فیصلے پر راضی ہو جاؤ گے؟ سب نے کہا: ہم اسی لیے تو آئے ہیں کہ آپ سے فیصلہ حق سنیں۔ آپ کے ہاں اسی وقت جبرائیل (علیہ السلام) ان کے لیے سنگساری کا حکم لائے۔ اور آپ نے انھیں یہ حکم سنایا تو سب نے انکار کر دیا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ انہیں اس فیصلہ کے لیے ان کے عالم ابن صوریا کو حکم بنائیے اور اس کو صفات بھی سنا دیجئے۔ آپ نے یہودیوں سے فرمایا: تم ایک گورے چٹے نوجوان ابنِ صوریا کو جانتے ہو جو فدک میں مقیم ہے؟ سب نے کہا: ہاں جانتے ہیں وہ ہمارے مذہب کا بہت بڑا عالم ہے۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کے بعد اب صرف وہی تورات کا علم رکھنے والا رہ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اُسے بُلائیے۔ چنانچہ اُنہوں نے اسے بُلوایا۔ جب وہ حاضر ہوا تو آپ نے اُسے فرمایا: تُو ہی ابن صوریا ہے؟ اُس نے کہا: ہاں جی۔ آپ نے فرمایا: اس وقت یہودیوں کا سب سے بڑا عالم تُو ہی ہے؟ اس نے کہا: ایسے ہی کہتے ہیں۔ پھر آپ نے یہودیوں سے فرمایا: کیا تم اسے حکم مانتے ہو؟ سب نے کہا: ہاں جی! آپ نے ابن صوریا سے فرمایا: میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسٰی علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی اور تمہیں مصر سے نکالا اور تمہارے لیے دریا میں سڑکیں بنائیں اور تمہیں نجات دے کر تمہارے دشمنوں اور فرعون کو غرق کر دیا اور تمہارے اوپر بادلوں کا سایہ بنایا اور تمہارے اُوپر مَن و سلوٰی نازل فرمایا اور تمہارے اوپر ایک کتاب اتاری جس میں حلال و حرام کے احکام ہیں۔ یہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ تمہاری کتاب میں شادی شدہ زانی مرد و عورت پر سنگساری کا حکم ہے؟ ابن صوریا نے کہا اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ اگر جھوٹ بولوں تو مجھے تورات جلا کر راکھ بنا دے گی تو میں اس کا اقرار ہرگز نہ کرتا یا اس کے خلاف کوئی اور بات بنا دیتا لیکن اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! فرمائیے آپ کی کتاب میں اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: میری کتاب میں یہ حکم ہے کہ اگر دو شادی شدہ زانی مرد و عورت کے لیے چار نیک مرد گواہی دیں کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے انہیں زنا کرتے ایسے دیکھا ہے جیسے سُرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے تو میں انہیں سنگساری کا حکم دیتا ہوں۔

ابن صوریا نے کہا، مجھے اُس ذات کی قسم ہے جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل فرمائی۔ ہماری کتاب میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح حکم فرمایا ہے پھر آپ نے اس سے فرمایا، تو پھر تم نے اس حکم کو کیوں تبدیل کر دیا ہے۔ عرض کی کہ ہم جب اس غلطی کا ارتکاب کسی اچھے خاندان والوں سے پاتے ہیں تو انہیں معاف کر دیتے ہیں اور اگر غریبوں سے یہ معاملہ ہوتا ہے تو انہیں سنگسار کرتے ہیں۔ اس بنا پر ہم میں زنا کی کثرت ہو گئی۔ اسی طرح جب ہم نے اپنوں سے چشم پوشی کی تو اسے دیکھ کر دوسرے نے زنا کیا، اسی طرح پھر تیسرے نے، پھر یہ وبا عام پھیل گئی، ہم بھی مجبور ہو گئے، وہ اس طرح کہ جب ہم کسی اونچے گھرانے کے فرد پر یہ حکم جاری کرتے تو اس کی طرف بہت برادری کھڑی ہو جاتی کہ اُسے سنگسار کرنا ہے تو فلاں کو بھی کرو وغیرہ، پھر ہم نے مل کر ایک قانون پاس کیا جو سزا میں سنگساری سے کم ہو، ہم نے سب امیر و غریب کے لیے زنا کی سزا صرف چالیس کوڑے اور تحمیم مقرر کیا' وہ اس طرح کہ اس کوڑے سے رسی باندھ دی جاتی جو کالے تیل سے رنگی جاتی پھر ان زانیوں کے چہروں کو سیاہ کر کے دو گدھوں پر الٹا بٹھا کر شہر کا گشت کراتے۔ اس طرح سے ہم سے رجم ختم ہو گیا۔

یہودیوں نے ابن صوریا سے کہا، افسوس ہے کہ تُو نے ہمارا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا۔ ہم نے غائبانہ تیری بہت تعریف کی وہ صرف اس لیے کہ تم یہ نہ کہو کہ تم نے میری پس پشت غیبت کی۔ ابن صوریا نے کہا، تم درست کہتے ہو لیکن مجھے خطرہ تھا کہ اگر میں اس وقت جھوٹ بولتا تو میں تباہ و برباد ہو جاتا۔ یہ فیصلہ سُن کر یہودی خاموش ہو گئے اور آپ نے فرمایا کہ زانی مرد و عورت کو مسجد کے قریب لاؤ۔ جب انھیں لایا گیا تو آپ نے انہیں سنگسار کر کے فرمایا،

اے اللہ! میں پہلا ہوں جو تیرے حکم کو زندہ کر رہا ہوں جبکہ انہوں نے تیرے حکم کو مٹا دیا تھا۔

اس پر یہ آیت اتری کہ یایھا الرسل۔

وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ یہ مَن شرطیہ ہے یعنی جس کے لیے اللہ تعالیٰ گمراہی کا ارادہ کرتا ہے فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ تو تم اس کے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتے مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اس سے اس کی گمراہی دُور فرمائیں اُولٰٓئِكَ وہ منافقین اور یہود الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی نہیں کہ ان کے دل پاک کرے کیونکہ وہ گمراہی و کفر میں بہت زیادہ منہمک ہیں اور اس پر مُصر ہیں اور انہوں نے اپنے اختیار کا رُخ ہدایت سے بالکلیہ پھیر کر گمراہی و کفر کی طرف کر دیا ہے لَهُمْ منافقین اور یہودیوں کے لیے فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ دنیا میں رُسوائی ہے منافقین کو بایں معنی کہ ان کی منافقت کا پردہ چاک کر کے جگہ جگہ ذلیل و خوار کیا ہے، اور یہودیوں کا بایں معنی کہ اُن پر

میں مقرر کے وقت وفاداری کا نشانہ بنایا گیا ہے اور ساتھ ہی عوام میں واضح کر دیا گیا ہے کہ انہوں نے
تت کے احکام کو بدل ڈالا ہے وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ اور ان کے لیے رسوائی کے علاوہ آخرت کی
بڑی سزا مقرر ہے جسے عَذَابٌ عَظِيمٌ سے تعبیر کیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ وہ جہنم کی آگ میں
ہمیشہ جلتے رہیں گے سَمّٰعُونَ لِلْكَذِبِ وہ جھوٹ کو بڑے غور سے سنتے ہیں، ماقبل کے
م کو مکرر دیا گیا ہے اَكّٰلُونَ لِلسُّحْتِ اور حرام مثلاً رشوت وغیرہ ہڑپ ہڑپ کر کے کھا جاتے
ہیں۔ سحت سے ہے جسے استأصله گویا اس کی برکتوں کو جڑوں سمیت اکھاڑ گیا ہے فَاِنْ
جَآءُوْكَ پس اگر وہ آپ کے پاس حاضر ہوں۔ یہ فاء فصیحہ ہے یعنی جس وقت ان کا یہ حال ہو جیسا
شان نزول میں بیان ہوا۔ یعنی پس اگر آپ کے ہاں اپنے جھگڑوں کے فیصلہ کے لیے حاضری دیں
فَاحْكُمْ تو آپ ان کا فیصلہ فرما دیں اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ یا اُن سے
روگردانی فرمائیں اور اگر آپ ان سے روگردانی فرمائیں اختیار دینے کے بعد یا دو امروں میں سے کسی ایک کو
اختیار فرمائیں فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا تو وہ آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ مثلاً آپ ان سے
روگردانی فرمائیں تو آپ کی مخالفت کر کے آپ کو کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچا سکتے اس لیے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ
نے لوگوں سے امان میں رکھا ہے وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اور اگر آپ فیصلہ
کرنا چاہیں تو عدل و انصاف کو ملحوظ خاطر رکھ کر فیصلہ فرمائیں۔ ویسے ہی فیصلہ فرمائیں جیسے آپ کو اللہ تعالیٰ
نے حکم دیا ہے، جیسے آپ نے رجم کا فیصلہ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف
کرنے والوں سے محبت کرتا ہے پھر انہیں ہر دکھ اور پریشانی سے محفوظ رکھتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:۔

المقسطون عند اللہ علی منابر من نور۔	انصاف کرنے والے قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں نور کے منبروں پر ہوں گے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ اور آپ کے ہاں فیصلہ
کراتے کیوں ہیں حالانکہ ان کے ہاں تورات ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے۔ اُن پر تعجب
کا اظہار ہے کہ ان کی بیوقوفی تو دیکھو کہ جب وہ آپ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ہی آپ کی کتاب کو
مانتے ہیں تو پھر آپ کے ہاں فیصلہ کے لیے کیوں حاضر ہوتے ہیں علاوہ ازیں فیصلہ تو ان کی تورات میں بھی
انہی الفاظ سے موجود ہے اور وہ مدعی بھی ہیں کہ ہم صرف اسی کتاب تورات کو مانتے ہیں اور ساتھ تنبیہ
کی گئی ہے کہ اُن کا فیصلے کے لیے آپ کے ہاں حاضر ہونے کا مطلب معرفتِ حق اور شرعی تقاضوں کو پورا

کرنے کے لیے نہیں بلکہ صرف اس لیے کہ کہیں سے سہولت مل جائے خواہ اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو یا ناراض فیہا حکم اللہ یہ التوراۃ سے حال ہے یا توراۃ مرفوع ظرف سے ہے یا یُوں کہو کہ وہ مبتدا ہے اور فیہا حکم اللہ ضمیر محذوف سے حال ہے ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ پھر منہ پھیر جاتے ہیں، اس کا عطف یحکموک پر ہے اور تعجب کے حکم میں بھی داخل ہے اور ثمّ تراخی فی الرتبۃ کے لیے آتا ہے مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ اس کے بعد یعنی جب آپ کو فیصل مان کر، اور یہ بھی ہے کہ آپ کا فیصلہ اُن کی کتاب کے موافق ہے تو بھی رُوگردانی کرتے ہیں وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ وہ آپ کی کتاب ہرگز نہیں مانتے۔ چنانچہ پہلے انہوں نے آپ کی کتاب کا انکار کیا پھر آپ کے ہاں فیصلہ کے لیے آئے آپ کا فیصلہ ان کی کتاب کے موافق بھی تھا پھر بھی اُنہوں نے رُوگردانی کی۔

مسئلہ: آیاتِ مذکورہ بالا میں ظلم کی مذمّت اور عدل و انصاف کی تعریف اور حرامخوری اور رشوت کی بھی مذمّت کی گئی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

کل لحم انبتہ السحت فالنار اولی بہ۔ — جو گوشت حرام مال سے اُگے اسے آگ اولیٰ ہے۔

اور اس میں یہ بھی ہے:

لعن اللہ الراشی والمرتشی والرائش۔ — رشوت دینے اور لینے والا دونوں جہنم میں ہوں گے اور رائش بھی۔

ف: رائش وُہ ہے جو ان دونوں کے مابین رابطہ قایم کرتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) اے بسا مرغِ پرندہ دانہ جو	کر بریدہ حلق او ہم حلق او
(۲) اے بسا ماہی در آبِ دُور دست	کشتۂ از حرص گلو مأخوذ شست
(۳) اے بسا مستور در پردہ بدہ	شومیِ فرج و گلو رسوا شدہ
(۴) اے بسا قاضیِ حبرِ نیک خُو	از گلوئے رشوتے اُو زرد رُو
(۵) بلکہ در ہاروت و ماروت آں شراب	از عروجِ چرخ شاں شد سدِّ باب

ترجمہ: (۱) بہت سے پرندے دانہ کے متلاشی کہ ان کے حلق نے ان کا حلقوم کٹوا ڈالا۔

(۲) بہت سی مچھلیاں پانی کی تہ میں ہاتھوں سے دُور ہوتی ہیں لیکن حلقوم کی حرص سے دام میں پھنس جاتی ہیں۔

(۳) بہت سے پردوں میں ہونے کے باوجود فرج و حلقوم کی شامت سے رُسوا ہُوئے۔

(۴) بہت بڑے قاضی چوٹی کے علم والے نیک خُو والوں نے حلقوم کی لذت کی خاطر رشوت لی تو ذرد چہرے والے (رُسوا) ہو گئے۔

(۵) بلکہ ہاروت و ماروت میں شراب کا چسکا ہوا تو وہی چسکا انہیں آسمان پر جانے سے روکنے کا سبب بنا۔

رشوت کی اقسام

امام خصاف کی ادب القاضی میں لکھا ہے کہ رشوت چار قسم کی ہے:

(۱) حاکم نے خواہ مخواہ بلا وجہ سزا دینے کا آرڈر جاری کر دیا، اگر کوئی اس سے بچنے کی خاطر رشوت دے۔

(۲) کسی حاکم کو کہا گیا کہ میرا معاملہ بادشاہِ وقت کو پہنچایا جائے حاکم نے رشوت مانگی اس نے اپنے کام کے لیے رشوت دی۔

(۳) رشوت دینا تاکہ ملازمت (قضاء) مل جائے۔

(۴) کوئی ملازم ملازمت (قضاء) کے حصول کے لیے فیصلہ اپنے حق میں کرائے۔

پہلی صورت میں رشوت لینا حرام ہے اس لیے کہ کسی کو جیل کا ناحق ڈر سنانا بھی ظلم ہے اور ظلم سے بچنا لازم ہے اس لیے کہ وُہ شرع کا حق ہے بنا بریں رشوت لینا حرام ہے۔

صورتِ ثانی میں رشوت لینا حرام ہے اس لیے کہ حاکمِ وقت کو مسلمانوں کے امور کی سرانجام دہی بلا عوض لازمی ہے بنا بریں اس صورت میں بھی رشوت لینا حرام ہے۔

تیسری صورت میں رشوت لینا بھی حرام اور دینا بھی حرام۔

چوتھی صورت میں بھی رشوت لینا حرام ہے ملازمت حق کی ہو یا ظلم کی، اس لیے کہ اس میں ظلم ہے اس کی دو وجہیں ہیں:

(i) رشوت سے لی گئی۔

(ii) ظلم کے فیصلے کا سبب یہی ہے اور حق بھی ہے کہ اس نے ملازمت صرف اس غرض پر لی ہے کہ وُہ شرع کا حق ادا کرے گا۔

رشوت دینے کا قاعدہ کلیہ اگر حق کے حصول کی غرض سے رشوت دی جائے کہ رشوت دیئے بغیر کام نہیں چلے گا تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔

مسئلہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو کسی کا حق دلوانے یا ظلم دُور کرنے کی خاطر سفارش کرتا ہے پھر اُسے کوئی شئے ہدیۃً و تحفۃً دی جائے تو وہ شئی لینا حرام ہے۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ کسی حاکم یا ملازم کو ایسا شخص ہدیہ و تحفہ دے جس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ اس لیے دیتا ہے کہ اس سے کام لے گا تو اس سے کوئی شئے قبول نہ کرے، اگر قبول کرے گا تو رشوت ہو گی۔

مسئلہ: اگر ایسا شخص ہدیہ دے کہ اس سے قبل ان کا آپس میں لینا دینا رائج تھا اور وہ محبت و پیار سے ایک دوسرے کو دیتے لیتے ہیں اس میں اس کی حکومت یا ملازمت کی حیثیت کو دخل نہ ہو ایسا ہدیہ و تحفہ لینا جائز ہے اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آپس میں ہدایا و تحائف لینے دینے کا عام رواج تھا اور ان کی یہ عادت بھی تھی، ایسا نہیں کہ انہیں کسی سے کوئی شے مانگنے کی حاجت ہوتی، بلکہ ان کا یہ لین دین محبت و پیار سے تھا بلکہ ان کا ہدایا و تحائف کو رد کرنا بُرا محسوس ہوتا تھا اس لیے اسے رشوت نہیں کہا جا سکتا، اس لیے وہ ایک دوسرے کے ہدایا و تحائف قبول کر لیا کرتے تھے۔

مسئلہ: فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کے انعامات دولتمند اور فقراء کو لینا جائز ہے بشرطیکہ ان کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو اگر حرام کی کوئی بات ہو گی تو اس کا جُرم دینے والے پر ہو گا۔ دلیل یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مقوقس اسکندریہ بادشاہ کا ہدیہ قبول فرمایا اور کئی بار یہودیوں سے قرضہ بھی لیا حالانکہ قرآن میں صراحت ہے کہ اکّٰلون للسحت (وہ حرام خور ہیں)۔

مسئلہ: بازار کی اشیاء میں اگر یقین ہو کہ ان میں حرام کی ملاوٹ کثرت سے ہے تو وہاں سے تحقیق و تفتیش کے بغیر سودا خریدنے سے گریز کرے۔ لیکن یہ اس وقت ہے کہ اکثر ایسے ہے ورنہ کوئی حرج نہیں اس لیے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام عام طور پر بازاروں سے سودا خریدتے تھے حالانکہ ان کو علم ہوتا کہ اکثر سوداگر اور تاجر سُود خور اور غاصب اور دغا باز اور کھوٹ کمانے والے ہیں۔

مسئلہ: حضرت حدادی فرماتے ہیں خمر و خنزیر اور مردار کا ثمن اور نر کو مادہ کا گابھن کرا کر مزدوری لینا، رونے والی اور گانے والی اور جادوگر کا عوض کے طور کچھ لینا اور سفارش کر کے ہدیہ و تحفہ قبول کرنا، زنا کی مزدوری اور جادوگر کے پاس آنا جانا یہ تمام امور السحت (حرام خوری) میں داخل ہیں۔

مسئلہ: حضرت عمر و حضرت علی و ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ سرود گانے والے اور قوال

(باقی صفحہ ۲۴۷ پر)

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ

بیشک ہم نے توریت اتاری اس میں ہدایت اور نور ہے اس کے مطابق یہود کو حکم دیتے تھے ہمارے

أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبّٰنِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ

فرمانبردار نبی اور عالم اور فقیہ کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت چاہی گئی تھی اور

كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا

وہ اس پر گواہ تھے تو لوگوں سے خوف نہ کرو اور مجھ سے ڈرو اور میری

بِآيٰتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ ۝٤٤

آیتوں کے بدلے ذلیل قیمت نہ لو اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں اور

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ

ہم نے توریت میں ان پر واجب کیا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے

بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ

بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں بدلہ ہے پھر جو دل

تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ

کی خوشی سے بدلہ کرادے تو وہ اس کا گناہ اتار دے گا اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے تو وہی

الظّٰلِمُونَ ۝٤٥ وَقَفَّيْنَا عَلٰى آثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ

لوگ ظالم ہیں اور ہم ان نبیوں کے پیچھے ان کے نشان قدم پر عیسیٰ بن مریم کو لائے تصدیق کرتا ہوا

يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَآتَيْنٰهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ

توریت کی جو اس سے پہلے تھی اور ہم نے اسے انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تصدیق

يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ۝٤٦ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ

فرماتی ہے توریت کی کہ اس سے پہلے تھی اور ہدایت اور نصیحت پرہیزگاروں کو اور چاہیے کہ انجیل

الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيهِ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ

والے حکم کریں اس پر جو اللہ نے اس میں اتارا اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں تو وہی لوگ

الْفٰسِقُونَ ۝٤٧ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ

فاسق ہیں اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی اور

الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ

ان پر محافظ و گواہ تو ان میں فیصلہ کرو اللہ کے اتارے سے اور اے سننے والے ان کی خواہشوں

عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
کی پیروی نہ کرنا اپنے پاس آیا ہوا حق چھوڑ کر ہم نے تم سب کے لیے ایک ایک شریعت اور راستہ رکھا اور اللہ چاہتا تو تم سب
لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ
کو ایک ہی امت کر دیتا مگر منظور یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا اس میں تمہیں آزمائے تو بھلائیوں کی طرف سبقت
اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاَنِ احْكُمْ
چاہو تم سب کا پھرنا اللہ ہی کی طرف ہے تو وہ تمہیں بتا دیگا جس بات میں تم جھگڑتے تھے اور یہ کہ اے
بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ
مسلمان اللہ کے اتارے پر حکم کر اور ان کی خواہشوں پر نہ چل اور ان سے بچتا رہ کہ کہیں تجھے لغزش نہ دے
مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ
دیں کسی حکم میں جو تیری طرف اترا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو جان لو کہ اللہ ان کے بعض گناہوں کی سزا ان کو پہنچایا
ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ
چاہتا ہے اور بے شک بہت آدمی بے حکم ہیں تو کیا جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں
وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝
اور اللہ سے بہتر کس کا حکم یقین والوں کے لیے

(بقیہ تفسیر صفحہ ٢٤٦)

کی مزدوری بھی سُحت (رشوت) میں داخل ہے لیکن اس سے قدرے کم اس لیے کہ یہاں دینے والا کسی مجبوری کے تحت نہیں دیتا اور نہ ہی اس میں کسی قسم کا تعین ہوتا ہے۔

مسئلہ : حضرت ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ سے سُنا کہ قرض خواہ مقروض سے کچھ کھائے (یا اس سے کچھ نفع حاصل کرے) تو وہ بھی سُحت (رشوت) میں داخل ہے۔

سبق مومن متقی پر لازم ہے کہ وہ اپنے جملہ امور میں احتیاط سے کام لے تاکہ شبہات کا ارتکاب نہ کرے کہ جس سے حرام کا مرتکب بھی ہونا پڑتا ہے اس لیے کہ قلب کی صفائی حلال غذا سے ہوتی ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

صوفی شہر ہیں کہ چوں لقمہ شبہ می خورد
پاردمش دراز باد ایں حیوان خوش علف

ترجمہ: شہر کے صوفی کو دیکھو کہ جب وہ مشتبہ لقمہ کھاتا ہے تو اس بسیار خور جانور کے جسم کا ہر ٹکڑا موٹا ہو جاتا ہے۔

شعر میں انسان کو حیوان سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے حیوان کھانے پینے میں چیزے کہ آید فنا معاملہ کرتا ہے کہ اسے اس سے کیا غرض کہ جو کچھ کھا رہا ہے حلال ہے یا حرام۔ اسی طرح غافل بھی یہ کرتا ہے کہ پیٹ کا تنور بھر جائے خواہ کچھ بھی ہو، ورنہ اگر اسے حرص نہ ہوتا تو وہ حلال مال پر کرتا اگرچہ تھوڑا ہو یا معمولی قسم ہو وغیرہ، حیوان کھانے پینے اور آرام کرنے سے موٹا ہو جاتا ہے۔ یہی غافل انسان کا کام ہے کہ کھانے پینے اور آرام طلبی میں اس حیوان سے کم نہیں۔

برکات صفحہ ۱۴۷)

تفسیر عالمانہ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ بیشک ہم نے اُن پر تورات نازل فرمائی حالانکہ فِيْهَا هُدًى اس میں ہدایت کی راہیں اور احکام ہیں جو انہیں حق دکھاتے ہیں بلکہ دوسرے لوگوں کو ہدایت دیتے ہیں وَّنُوْرٌ اور اس میں نور ہے جو اُن پر وہ امور منکشف کرتا ہے جس کی میں انھیں تردد ہوں اور ظلماتِ جہل سے جو باتیں اُن سے پوشیدہ ہیں ان پر وہ ظاہر کرتا ہے يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ جن سے انبیاء علیہم السلام فیصلہ کرتے رہے۔ اس سے بنی اسرائیل کے انبیاءِ کرام مراد ہیں جو اُن کے فیصلے اسی تورات کے مطابق ہوتے اور اس پر عمل کرنے پر لوگوں کو رغبت دیتے۔ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا۔

سوال: انبیاء علیہم السلام کو لفظ مسلم سے موصوف نہیں کیا جاتا اس لیے کہ ان کی نبوت اسلام صفت سے بلند و بالا ہے اور کسی کی مدح ادنیٰ سے اعلیٰ سے کی جاتی ہے نہ کہ اعلیٰ سے ادنیٰ۔ جب انہیں پہلے نبوت کے وصف سے نبیون کہا گیا تو پھر اسلموا ادنیٰ صفت سے موصوف کرنے کا کیا معنیٰ۔

جواب: (۱) یہ ضروری نہیں کہ ادنیٰ وصف کو موصوف کے لیے ہی لایا جائے بلکہ کبھی وہ ادنیٰ وصف اس وصف کی اس طرح کے لیے بھی لایا جاتا ہے اس سے اس وصف کی شان کی بلندی مراد ہوتی ہے اور متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ عظیم الشان وصف ہے۔ مثال کے طور پر انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام کو صالح کہا جاتا ہے جبکہ انہیں ایمان سے بھی موصوف کیا جاتا ہے تو اُن کی یہ صفتیں اُن کے یہ اوصافِ کریمہ

کی عظمت شان پر دلالت کرتی ہیں ، ایسے ہی صفتِ اسلام۔

(۲) علاوہ ازیں عربی مقولہ مشہور ہے ،

اوصاف الاشراف اشراف الاوصاف ۔

(برگزیدہ لوگوں کے اوصاف بھی برگزیدہ ہوتے ہیں)

یعنی کوئی صفت جب کسی بزرگتر شئے سے منسوب ہو تو موصوف کی عظمت کے مطابق وہ صفت بھی بزرگ بن جاتی ہے ۔ چنانچہ فرمایا : ؎

ما ان مدحت محمدا بمقالتی

لکن مدحت مقالتی بمحمد

ترجمہ ، میں سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اپنی گفتگو سے تعریف نہیں کر رہا بلکہ میں اپنی گفتگو کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف سے مشرف بنا رہا ہوں ۔

لِلَّذِينَ هَادُوا ان کے لیے جو یہودی ہیں ۔ یہ یحکم کے متعلق ہے ، یعنی ان کے مابین فیصلے فرماتے اور لام اختصاص کا پتا دیتی ہے کہ مذکورہ بالا فیصلے صرف انہی سے مخصوص تھے لیکن عام از یحکم اُن کو وہ فائدہ پہنچانے والے ۔ گویا عبارت یوں تھی لاجل الذین ھادوا یعنی ان کے یہودی ہونے کی وجہ سے ۔

وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ اور اللہ والوں اور علماء نے ان کے فیصلے کئے ۔ اس کا عطف النبیون پر ہے یعنی وہ بھی تورات کے مطابق فیصلے فرماتے ہیں ۔ ربّٰنیون سے زہاد اور وہ علماء مراد ہیں جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کے طریقوں کو اپنا دستور العمل بنا رکھا تھا اور یہودیوں کے طریقوں سے کوسوں دُور تھے بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ ان کا فیصلہ اس سے تھا کہ انہیں کتٰب اللہ سے محفوظ طریقہ سے حاصل ہوا ۔ یعنی وہ شئے جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے انہیں حفاظت کے ساتھ حاصل ہوگی ۔ اس سے تورات مراد ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام نے ان سے وعدہ لیا تھا کہ وہ تورات کو اصلی صورت میں قائم رکھیں اسے کسی حیثیت سے محرف ومبدل نہ ہونے دیں بما استحفظوا کی باء سببیہ ہے یحکم سے متعلق ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ یہودیوں کے وُہ فیصلے جو انبیاء علیہم السلام کی وصیت کی وجہ سے توریت میں محفوظ تھے ، وہ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام نے اُن سے تورات کی حفاظت کا وعدہ لیا اور دنیا سے رخصت

جس وقت انہیں تورات کی حفاظت کی وصیت فرمائی وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ اور وہ اس پر پورے طور نگرانی کرتے تھے کہ اس میں کسی لحاظ سے تحریف نہ ہونے دیتے۔ شہداء شہود سے ماخوذ ہے یعنی الحضور (حاضر ہونا) فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ پس تم اسے یہودیوں کے سردارو اور علماءِ کتاب تورات کے احکام کے اجراء اور اپنے اسلاف کی اور انبیاء کی اقتداء کرو، اس معاملہ میں لوگوں سے مت ڈرو وَاخْشَوْنِ اور مجھ سے ڈرو۔ تورات کے احکام اور حقوق کی رعایت میں کمی کرنے میں مجھ سے ڈرو۔ اور جو بھی تورات کے بگاڑنے کے درپے ہوگا اسے سخت سزا ملے گی۔

مسئلہ: انہیں اجرائے احکام تورات میں غیر اللہ کے ڈر سے روکا گیا اور حکم دیا گیا کہ جو اس کے احکام کی خلاف ورزی کریں اس کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ اس میں نہ تو کسی ظالم سے ڈریں اور نہ کسی بڑے آدمی کا خوف کریں۔

مسئلہ: اس میں اہل اسلام کے حکام کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ اس طرح عمل کریں۔

وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي اور میری آیات کو نہ بیچو۔ الاشتراء سامان کو ثمن کے عوض دینے کو کہتے ہیں۔ یعنی سامان کو ثمن کے بدلہ میں لینا پھر استعارةً ہر اس بات کو کہتے ہیں جو اپنے فائدہ کی شے کو کسی کے عوض لے وہ شئی عین ہو یا معنی اور اس شے کو لینے میں اس کی رغبت بھی ہو اور جو شے اس کے عوض میں اس کا بچا چھوڑ دے ایسا کہ وہ شے اس کی تھی ہی نہیں۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ میری ان آیات کو جو تورات میں ہیں بدلہ کے طور نہ دو۔ یعنی انہیں دنیا کے لالچ میں تورات سے نہ نکالو یا ان پر عمل کرنا چھوڑ دو اپنے طمع نفسانی کا ان کو بدلہ بنا کر ثَمَنًا قَلِيلًا تھوڑے سے ثمن میں۔ مثلاً رشوت لے کر یا جاہ و مرتبہ کے لیے۔ اسی طرح تمام خواہشاتِ نفسانیہ۔ اس لیے کہ یہ اشیاء اگرچہ بظاہر بہت اونچی نظر آتی ہیں لیکن در حقیقت نہایت ہی حقیر ہیں ان امور کے بالمقابل جو ان سے تورات پر عمل کرنے سے ترک ہوئے ؎

آں جہاں جیفہ است و مردار و خسیس
بر چنیں مردار چوں باشم حریص

ترجمہ: یہ جہان گندگی سے پُر مردار ہے ایسے مردار پر میں کیوں حریص بنوں۔

پس حیاتِ ماست موقوف فطام
اندک اندک جہد کن تم الکلام

ترجمہ: ہماری زندگی کی انتہا یہی ہے کہ اسے بالآخر چھوڑنا ہے تھوڑی تھوڑی کوشش کیجئے بات ختم ہوئی۔

نکتہ چونکہ تحریف کا ارتکاب یا دفع ضرر کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً کسی حکم کو کسی صاحبِ مرتبہ کے خوف سے چھپا جائے یا نفع کمانے کے لیے جب یہودیوں نے دنیوی منافع کے لیے کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صراحتہً منع فرمایا ہے۔

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے اسے خفیف سمجھ کر یا انکار کرکے، جیسے یہودیوں نے کیا کہ تورات کے احکامات اور آیات کو بدل ڈالا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ پس وہی لوگ کافر ہیں اس لیے کہ انہوں نے احکامِ الٰہی کی اہانت کی اور سرکشی سے پیش آئے کہ اُن کی منشا کے خلاف احکام جاری کیے۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان آیات میں کبھی الکفرون اور کہیں الظالمین اور کہیں الفسقون فرمایا ہے وہ اس لیے کہ ان آیات کے انکار سے وُہ کافر ہوگئے اور اس کے حکم کے خلاف فیصلے کرکے ظالم ہُوئے اور حدودِ الٰہی سے متجاوز ہونے کی وجہ سے فاسق ہوئے۔

وَكَتَبۡنَا اور ہم نے فرض کیا، اس کا عطف انزلنا التورٰۃ پر ہے عَلَيۡهِمۡ ان یہودیوں فِيۡهَاۤ اسی تورات میں اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ یہ کہ نفس کا بدلہ نفس ہے جبکہ کوئی کسی کو ناحق قتل کرے وَالۡاُذُنَ بِالۡاُذُنِ اور کاٹ کاٹا جائے کان کاٹنے کے عوض میں، جبکہ ظلم کے طور کسی نے کسی کا کان کاٹا۔ وَالسِّنَّ اور دانت اکھاڑے جائیں بِالسِّنِّ دانت اکھاڑنے پر، جبکہ کوئی کسی کے دانت ظلم کے طور پر اکھاڑے وَالۡجُرُوۡحَ قِصَاصٌ اور زخموں میں بدلہ ہے اور زخم بھی صاحبِ قصاص ہیں کہ انہیں مساوات کی رعایت ضروری ہے۔

مسئلہ: ایسا زخم وغیرہ کہ جس کا قصاص لینا ناممکن ہو، جیسے کسی ہڈی کا ٹوٹ جانا یا گوشت کے اندر زخم کر دینا۔ جیسے جوف کے اندر نیزہ کی ضرب وغیرہ کا زخم وغیرہ، ان کے لیے کوئی قصاص مقرر نہیں، اس لیے کہ ان کے متعلق معلوم نہیں ہو سکتا کہ کتنا زخم آیا ہے تاکہ اسی کے مطابق قصاص مقرر کیا جا سکے۔ اس کا حکم اور حکومت عادل کا جو فیصلہ ہو۔

فَمَنۡ تَصَدَّقَ پس جو شخص مستحق پر اپنی خوشی سے قصاص معاف کرے اسے تصدق سے تعبیر کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے تاکہ معاف کرنے والے کو اس طرف مزید رغبت ہو فَهُوَ پس اس معاف کرنا۔ یہ ضمیر تصدق کے مصدر کی طرف راجع ہے كَفَّارَةٌ لَّهٗ اس معاف کرنے والے کے کفارہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دے گا۔

مسئلہ: کافر اپنے کفر پر ہو تو کوئی نیکی اس کے لیے کوئی کفارہ نہیں بن سکتی۔

... شریف میں ہے:

من اصیب بشیء من جسدہ فترکہ اللہ کان کفارۃ لہ۔

جسے جسم پر کوئی مصیبت پہنچے اور اللہ تعالیٰ اسے اس حال پر چھوڑ دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا۔

... شریف میں ہے:

ثلاث من جاء بهن يوم القيامة مع الايمان دخل الجنة من أی ابواب الجنة شاء وتزوج من الحور العين حيث شاء من عفا عن قاتله ومن قرأ دبر كل صلاة مكتوبة قل هو الله احد عشر مرات ومن ادى دينا خفيا۔

تین عمل ایسے ہیں جو ایمان کے ساتھ قیامت میں لائیگا تو اُسے حکم ہوگا کہ وہ بہشت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو اور حورِعین میں جس سے چاہے گا اس کا نکاح کردیا جائیگا۔

(۱) جو اپنے قاتل کو معاف کردے۔

(۲) ہر نمازِ فرض کے بعد گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھنے والا۔

(۳) جو قرضخواہ کا قرض چھپکے سے ادا کردے۔

مسئلہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ لَہٗ کی ضمیر کا مرجع زخمی کرنے والا اور قاتل ہے۔ یعنی جس پر ... ہے وہ اگر حملہ آور کو معاف کردے تو اس کا معاف کرنا جانی حملہ آور کے گناہوں کا بھی کفارہ ... ہے۔ اس لیے قیامت میں اس سے اس گناہ کا مواخذہ نہ ہوگا، جیسے قصاص اس کے گناہوں کا ... بنتا ہے۔ باقی رہا معاف کرنے والا، اس کے اجر و ثواب کا تو حساب ہی کیا، اسے اللہ تعالیٰ ہی ... عظیم عطا فرمائے گا۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اور وہ احکام و شرائع کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ... ات کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ پس وہی لوگ ظالم ہیں یعنی ... بڑے ظالم اور اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ حدود سے تجاوز کرنے والے اور شے کو اپنی اصل جگہ سے ... جگہ پر رکھنے والے ہیں وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اور ہم نے ان نبیوں کے پیچھے ان کے نشان ... ۔ اس کا عطف انزلنا التوراۃ پر اشیاء مذکورین علیہم السلام مراد ہیں بِعِيْسَى ابْنِ

مَرْيَمَ عیسٰی ابنِ مریم۔ یعنی ہم نے ان کے بعد (یعنی ان انبیاء علیہم السلام کے بعد) بھیجا۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

قفوت اثرہ قَفْواً و قُفُوّاً۔ میں نے اس کے نشانِ قدم پر بھیجا۔

یہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے یعنی قفوت اثرہ بمعنی اتبعتہ۔ اور جب کہا جائے قفیت علیٰ اثرہ بفلان (میں نے اس کو فلاں کے پیچھے لگایا ہے۔ دراصل تقفیۃ شئ کو کسی کے پیچھے کی طرف لانے کو کہا جاتا ہے، اور التقفیۃ کی تضعیف مبالغہ کے لیے ہے تعدیہ کے لیے نہیں، اس لیے کہ تضعیف کبھی محض تجرید کے لیے ہوتی ہے، جیسے قدّر اور قدر کا ایک معنیٰ ہے ایسے ہی قفّیت اور قفیت کا ایک معنیٰ ہے۔ اگر اسے دوسرے مفعول کی طرف متعدی کرنا مطلوب ہو تو اس کے مفعول پر بار تعدیہ کی داخل کی جاتی ہے۔ یہاں پر اس کا مفعول بہ ثانی محذوف ہے۔ اس کی اصل عبارت یوں ہے:

ای اتبعنا الذین ذکرناھم بعیسٰی وجعلناہ ممن یقفوھم۔

یعنی ہم نے انبیاء مذکورین علیہم السلام کے بعد عیسٰی علیہ السلام کو بھیجا (گویا ان کے پیچھے ہی عیسٰی علیہ السلام تشریف لائے پھر اس کا مفعول محذوف کر کے علیٰ اثٰرھم کو اس کے قائم مقام کھڑا کر دیا گیا ہے۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وہ تصدیق فرماتے ہیں تورات کی جو ان سے پہلے تھی۔ یہ جملہ عیسٰی ابنِ مریم سے حال ہے وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ اس کا عطف قفینا پر ہے، اور ہم نے عیسٰی علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی فِيْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ اس میں ہدایت و نور ہے، یعنی انجیل میں بھی تورات کی طرح نور و ہدایت ہے۔ یہ محل نصب میں اور انجیل سے حال ہے۔ اصل عبارت یوں ہے، کائنا فیہ ذٰلک گویا کہا گیا ہے کہ وہ نور و ہدایت پر مشتمل ہے وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ اور تصدیق کرتی ہے تورات کی کہ اس سے پہلے تھی۔ اس کا عطف ماقبل پر ہے۔ اس کی طرح حالیت کا معنیٰ دیتا ہے مابین یدیہ کا تکرار تقریر کا فائدہ دے رہا ہے وَهُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ اور متقیوں کے لیے ہدایت اور نصیحت دینے والی ہے اس کا عطف بھی مصدقاً پر ہے اور اسی کی طرح حالیۃ کا فائدہ دیتا ہے۔

سوال: پہلے اسے کہا گیا کہ تورات ہدایت پر مشتمل ہے، اب اسے سراپا ہدایت کہا جا رہا ہے۔

جواب: تخصیص کے بعد تعمیم ہوتی ہے، یہاں بھی وہی ہے۔

سوال : اسے صرف متقین کے لیے ہدایت و موعظت کیوں کہا گیا ہے ؟

جواب : اس لیے کہ وہی اس سے نفع اور ہدایت پانے والے ہیں، اس لیے صرف انہی کا نام لیا گیا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

گر انگشت سلیمانی نباشد
چہ خاصیت دہد نقش نگینی

ترجمہ : اگر انگشتری سلیمانی نہ ہو تو وہ نگینے کا نقش کیا خاصیت ظاہر کریگا۔

جیسے انگشتری ہر ایک کو فائدہ نہیں دیتی جب تک کہ مشرب سلیمانی نہ ہو اسی طرح کتاب بھی فائدہ نہیں دیتی جب تک اس میں تقوٰی اور رجحان ایمانی نہ ہو۔

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ یعنی ہم نے انہیں عنایت فرما کر حکم دیا کہ اہلِ انجیل کو چاہیے کہ اللہ تعالٰی کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے کریں وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ اور جو اللہ تعالٰی کے نازل کردہ احکام کا منکر ہو کر ان کی اہانت کر کے ان پر فیصلہ نہ کرے گا فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ پس یہی لوگ فاسق ہیں یعنی سرکش اور ایمان سے خارج ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجیل احکام پر مشتمل تھی اور عیسٰی علیہ السلام مستقل نبی تھے اور ان کی ایک مستقل شریعت تھی اور اس میں جتنے احکام تھے اُن پر عمل کرنے کے مامور بھی تھے۔ اس کے احکام قلیل ہوں یا کثیر، یہ ضروری نہیں کہ وہ تورات کے جملہ احکام کے پابند تھے اس لیے کہ اُن کی انجیل سے بہت سے تورات کے احکام منسوخ ہو چکے تھے۔

سبق : اس میں حکام کو تنبیہ اور سخت تہدید ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

یؤتی بالقاضی العدل یوم القیامۃ فیلقی من شدۃ العذاب ما یتمنی انہ لم یفصل بین احد فی تمرتین۔	عادل قاضی (حاکمِ وقت) کو قیامت میں لایا جائیگا جب وہ فیصلوں کی وجہ سے سخت عذاب میں مبتلا ہوگا تو اُس وقت وہ آرزو کرے گا کہ کاش میں دنیا میں کوئی فیصلہ نہ کرتا، اگرچہ دو کھجوروں کا بھی۔

سبق : جب عادل قاضی (حاکمِ وقت) کا یہ حال ہوگا تو پھر ظالم حاکموں (افسروں) کا اندازہ

لگانا مشکل نہیں ہے ، اس کے بعد راشی خونخوار افسروں کے متعلق خود سوچئے کہ ان کا کیا حشر ہوگا سے

بُوحنیفہ قضا نکرد و بمُرد
تو بمیری اگر قضا نکنی

ترجمہ ، امام ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہ) نے عہدۂ قضاۃ قبول نہ کیا اسی پر آپ کا وصال ہوگیا ، تُو اس پر مرتا ہے کہ ہائے قضا نہیں ملتی ۔

حدیث شریف میں ہے ؛

قاضی (افسر) تین قسم ہیں ، دُو جہنم میں جائیں گے ایک بہشت میں ؛

(۱) جس نے عمداً کسی کا حق مار کر فیصلہ کیا وہ بھی جہنم میں جائے گا ۔

(۲) بے خبری میں فیصلہ کیا لیکن اس کے فیصلے سے کسی غریب کا حق مارا گیا وہ بھی جہنم میں جائیگا ۔

(۳) جس نے حق فیصلہ کیا وہ بہشت میں داخل ہوگا ۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ للسخاوی)

حکایت بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ وُہ اپنے فیصلہ کے لیے تین حکام (آفیسر) متعین کرتے تھے ایک کا فیصلہ سُن کر اگر کوئی راضی نہ ہوتا تو دوسرے کے پاس چلے جاتے ۔ اگر دُوسرے سے بھی کوئی راضی نہ ہوتا تو تیسرے کے پاس چلا جاتا ۔ اس طرح سے انہیں اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ۔

ایک دفعہ ایک فرشتہ انسانی بھیس بدل کر اُن کے حکام (آفیسروں) کے فیصلے کی آزمائش کرنے کے لیے تشریف لایا اور ایک گھوڑی پر سوار ہو کر ایک کنوئیں پر چلے گئے ۔ وہ کنوئیں کے پاس کھڑے تھے کہ ایک شخص گائے کو پانی پلانے کے لیے حاضر ہُوا اس کی گائے کے ساتھ ایک بچھڑا بھی تھا جب وہ اپنی گائے کو پانی پلا چکا تو واپس جانے لگا تو فرشتے نے گائے کے بچھڑے کو اشارہ کیا تو وہ بچھڑا فرشتے کی گھوڑی کے قریب آگیا ۔ گائے والے نے بچھڑے کو بہت بلایا مگر وہ نہ آیا ۔ فرشتے نے کہا بھائی ! یہ میری گھوڑی کا بچھڑا ہے اور اسی سے پیدا ہوا ہے تم جاؤ اپنا کام کرو ۔ گائے والے نے کہا ، خدا کا خوف کرو بھلا گھوڑی کا بھی بچھڑا جنتی ہے ، یہ بچھڑا میرا ہے ، میری گائے نے جنا ہے ، اسے میں نے پالا ہے اب تم کہاں سے اس کے مالک بن گئے ۔ غرض یہ دونوں لڑتے جھگڑتے بنی اسرائیل کے پہلے قاضی (حاکم آفیسر) کے پاس چلے گئے ۔ لیکن فرشتے نے جلدی سے اسے علیحدگی میں مل کر کہا کہ اگر تم بچھڑے کا فیصلہ میرے حق میں کر دو تو میں تمہیں اتنی رقم دُوں گا ۔ قاضی نے بات مان لی ۔ جب اس نے فیصلہ کیا اور بچھڑا فرشتے کو دے دیا لیکن گائے والا کب راضی ہوتا اس نے کہا ، دوسرے قاضی کے پاس چلو ۔ فرشتے نے اُسے بھی رشوت دے کر فیصلہ اپنے حق میں کرا لیا ۔ اس طرح وہ بچھڑے والا راضی نہ ہوا ۔ پھر تیسرے کے پاس گئے تو

حسبِ دستور فرشتے نے اسے رشوت کا کہا اور اپنے حق میں فیصلہ کرانا چاہا۔ لیکن اس تیسرے قاضی نے کہا، اب مجھ سے تیرے حق میں فیصلہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اب مجھے حیض شروع ہو گیا ہے فرشتے نے کہا، یہ کیا کہتے ہو، کیا مردوں کو بھی حیض آتا ہے؟ حیض تو عورتوں کا خاصہ ہے۔ قاضی نے کہا، تو پھر خچر بھی گھوڑی سے نہیں پیدا ہوتے۔ وہاں پر فرشتے نے کہا، دو قاضی جہنم میں جائیں گے تیسرا بہشت میں۔ مذکورہ بالا حدیث شریف اسی فرشتے سے حکائی طور منقول ہے۔ (کذا ذکرہ البعض نقلا عن الشیخ الشہیر ہمدانی الاسکداری قدس سرہٗ)۔

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ اور اے پیارے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی الۡكِتٰبَ یعنی قرآن جو کہ متلبس ہے بِالۡحَـقِّ حق اور صدق کے ساتھ در انحالیکہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ جو تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی کہ اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں یہ قرآن انہی کے موافق نازل ہوا، جس طرح ان کتابوں میں اُس کے اوصاف مذکور ہوئے تھے اس میں انہی کے مطابق توحید و عدل و اصول شرائع مندرج ہیں وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ اور وہ تمام کتب محفوظ عن التغیر کا محافظ ہے کہ ان کے صدق و صحت اور اثبات کی گواہی دیتا ہے اور ان کے اصول شرائع ثابت کرتا ہے اور ان سے جتنے احکام منسوخ ہو چکے ہیں انہیں معین کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اُن کے وہ احکام فلاں مدت تک کے لیے تھے ایسے ان کی وہ مدت ختم ہو چکی ہے فلہذا اب ان پر عمل نہ کرنا چاہیے اور فلاں فلاں احکام باقی ہیں اس بنا پر قرآن محافظ ہوا کہ احکام منسوخہ و غیر منسوخہ کا امتیاز پیدا کر دیا اور بتا دیا کہ اب ان احکام پر تا قیامت عمل کرنا ہو گا فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ یہ فاء مابعد کو ماقبل پر مرتب کرنے کے لیے ہے۔ یعنی جب قرآن پاک کی یہ شان ہے تو جب اہلِ کتاب آپ کے ہاں فیصلہ کے لیے حاضر ہوں تو آپ ان کا فیصلہ کیجئے بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ارشادات کے مطابق، اس لیے کہ آپ پر نازل شدہ کتاب باقی تمام نازل کردہ احکام پر مشتمل ہے وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الۡحَـقِّ من الحق کا تعلق لا تتبع سے ہے اس لیے کہ یہ عدول وغیرہ کے معنے کو متضمن ہے گویا یوں کہا گیا کہ جو کچھ آپ کے ہاں ہے اس کے پیشِ نظر اہلِ کتاب کی خواہشات کی تابعداری کر کے حق سے انحراف لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا بطریقہ التفات یہ خطاب تمام لوگوں کو ہے لیکن نہ صرف موجودہ دین کو بلکہ تغلیباً ان لوگوں کو بھی ہے جو زمانہ گزشتہ میں تھے اور لکل کی لام جعلنا کے متعلق اور وہ متعدی بیک مفعول ہے۔ خبر دی گئی کہ سابقاً تمہارے لیے بھی مقرر ہوا ہے یہ جعل انشائی نہیں اور لکل کو جعلنا پر مقدم کرنا تخصیص کے لیے ہے اور منکم کا متعلق محذوف ہے اور وہ کل

کی تنوین کے معوض عنہ کی صفت ہے۔ اب معنٰی یہ ہُوا کہ ہم نے تمہارے ہر ایک کے لیے جو گزر گئے یا موجود ہیں راستہ اور واضح اور کھلا طریقہ مقرر فرمایا ہے۔ کوئی ایسی اُمت نہیں جس کی کوئی راہ متعین نہ ہُوئی ہو، مثلاً موسٰی علیہ السلام سے عیسٰی علیہ السلام تک توراۃ پھر عیسٰی علیہ السلام سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک انجیل، اور تم سے اے موجودہ لوگو! تمہارے لیے قرآن مجید ہے فلہٰذا اس پر ایمان لاؤ اور اس پر عمل کرو۔

ف: الشرعۃ والشریعۃ اس راستہ کو کہتے ہیں جو پانی کی طرف جائے، اور دین کو اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نماز روزے حج نکاح و دیگر اسلامی امور کی طرف کا راستہ بتایا ہے اس لیے کہ یہ وہ راہ ہے جو حیاتِ ابدیہ کے سبب کی طرف پہنچانے والا ہے، جیسے پانی حیات فانی کا سبب ہے۔

ف: المنہاج دین کے واضح راستہ کو کہا جاتا ہے۔ فنہج الامر سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ وہ شئے واضح ہو جائے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہُوا کہ ہم پہلی شریعتوں کے احکام پر عمل کرنے پر مامور نہیں۔

مسئلہ: احکامِ اُمم سابقہ پر ہم عمل کرنے کے مامور ہیں جبکہ ہماری شریعت اُن کی تائید کرے۔ پھر اُن پر ہمارا عمل کرنا بایں معنٰی ہوگا کہ وُہ بھی ہماری شریعت کے احکام ہیں نہ کہ امم سابقہ کے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ تمہیں ایک ہی امت بنائے **لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً** تو تمہیں ایک ہی جماعت بنا دے تاکہ ہر زمانہ میں تم بلا اختلاف رہو۔ متفقہ طور ایک ہی جماعت پر رہو اور نہ تم سے پہلے لوگوں کے احکام میں تبدیلی اور فسخ ہو **وَّلٰكِنْ** اور لیکن وہ چاہتا نہیں، یعنی وہ نہیں چاہتا کہ تم ایک اُمت رہو بلکہ وہ اسی طریقہ کو جاری رکھے گا جیسے اس نے سابقہ اُمتوں سے کیا **لِّيَبْلُوَكُمْ** تاکہ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جو آزمائش سے کیا جاتا ہے **فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ** اُن امور میں جو اللہ نے تمہیں دیے ہیں۔ مختلف شرائع میں سے جیسا کہ زمانہ کے حال کے مناسب ہوتا ہے اس میں تم یقین کرو اور اس اعتقاد پر مضبوط ہو جاؤ کہ یہ اختلافات مشیتِ الٰہیہ کے تقاضے کے مطابق ہے، اور اس بات پر مبنی ہے کہ اس میں ہزاروں حکمتیں اور سیکڑوں مصلحتیں ہیں جو تمہارے معاد و معاش کے لیے مفید ہیں یا حق سے اعراض کر کے خواہشات کی تابعداری کرو، اور فوائد کے بجائے نقصانات کے پیچھے لگو اور ہدایت کے بدلے گمراہی پاؤ۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) گر لبوزد باغت انگورت دہد ۔۔۔ درمیان ماتمی سورت دہد

(۴) لانسلم و اعتراض از ما برفت — چوں عوض می آید از مفقود زفت

ترجمہ: (۱) اگر باغ جل گیا تو کیا وہ انگور دے گا، اس پریشانی میں ہی مجھے قوت ملے گی۔

(۲) ہم نہیں مانتے کہ ہم نے اعتراض کیا سامان کی گم شدگی سے عوض کہاں سے آئیگا۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ جب بات وہی حق ہے جو مذکور ہوئی تو ان عقاید حقہ اور اعمال صالحہ (جو قرآن مجید میں درج ہیں) کے لیے جد وجہد کرو۔ اس میں تمہارے لیے دارین کی بہبودی ہے چند روزہ زندگی کو فرصت کو غنیمت سمجھ کر ان کے حصول میں عجلت کرو۔ اور اس فضل کو حاصل کرنے میں سبقت کرو اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا یہ ضمیر خطاب سے حال ہے یعنی تمہارا سب کا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے خواہ تم میں کوئی مومن ہے یا کافر فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ پس تمہیں اس کی خبر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے پھر تمہیں ایسی جزا دے گا جو حق و باطل کا امتیاز کرے گی اور جس میں تم اختلاف کرتے تھے اس میں کسی قسم کا شک باقی نہ رہے گا۔

ف: اس طرح سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ سمجھدار لوگوں کے لیے ایسی تعبیر سننے کے بعد وہم گمان کا موقعہ نہیں رہتا۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ اس کا عطف الکتب پر ہے یعنی آپ اُن میں اپنے اُوپر نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلہ کیجئے وَاحْذَرْهُمْ ان سے خوف کیجئے کہ کہیں اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ تمہیں بعض ان احکام سے جو تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں باز نہ رکھیں، یعنی باطل کو حق بتا کر تمہیں گمراہ نہ کر ڈالیں کہ قرآن کے بعض احکام کا اجراء نہ کرنے دیں اگرچہ معمولی ہی سہی۔

ف: یہاں فتنۃ سے میل عن الحق اور وقوع فی الباطل مراد ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

اعوذ بك من فتنة المحياء۔ (میں حیات (زندگی) کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں)

یہاں بھی فتنۃ سے عدول عن الطریق المستقیم مراد ہے۔

قاعدہ: ہر وہ جو حق سے باطل کی طرف اور میانہ روی سے ٹیڑھے پن کی طرف لے جائے وہ فتنہ ہے۔

شانِ نزول: یہودیوں کے علماء نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں لے چلو ہم ان سے غلطی کرانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ چنانچہ انہیں حضور رسول پاک صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، انہوں نے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جانتے ہیں کہ ہم یہودیوں کے بڑے مولوی ہیں۔ اگر ہم آپ کی رسالت کی گواہی دیں تو تمام یہود آپ کو مان جائیں گے۔ ہماری اپنی قوم سے مخالفت ہے ہم انہیں آپ کے ہاں لاتے ہیں اور آپ سے فیصلہ کرائیں گے آپ فیصلہ ہمارے حق میں کر دینا۔ اگرچہ معاملہ ہمارے خلاف ہو۔ آپ نے فرمایا ایسے بالکل نہیں ہوگا خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ: احذرھم سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے خطاء ونسیان کا صدور ممکن ہے لیکن عمداً کسی طریق سے بھی اُن سے غلطی کا وقوع نہیں ہو سکتا۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا پس اگر وہ نازل کردہ حکم سے اعراض کرکے کسی دوسرے حکم کو چاہیں **فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ** پس جان لو کہ اُن کے اعراض کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے **أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ** تاکہ اُن کے بعض گناہوں کی وجہ سے انہیں دنیا کا عذاب پہنچائے کہ تمہیں ان پر مسلط کرے اور دنیوی عذاب میں مبتلا کرے بایں طور کہ تم انہیں قتل کر دیا جلا وطن اور اُن پر جزیہ مقرر کرو اور پھر انہیں قیامت میں سزا دے ببعض ذنوبھم سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعراض مراد ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے بہت بڑے بڑے گناہ تھے۔ اور انہیں بعض سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اتنے عظیم ہیں کہ بڑے بڑے گناہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اگرچہ وہ کتنا ہی سہی لیکن وہ ایک ہی جنس کی حیثیت سے گویا ایک ہیں **وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ** اور بہت سے لوگ فاسق ہیں یعنی کفر میں منہمک ہیں اور اس پر اصرار کرنے والے ہیں، اور وہ ان حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں جو حدود شرع نے مقرر فرمائے ہیں اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعراض کرتے ہیں **أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ** کیا جاہلیت کے فیصلے طلب کرتے ہیں یہ استفہام انکاری اور ان کے حال پر تعجب کا اظہار اور انہیں زجر و توبیخ کی جا رہی ہے، اور یہ فاء عاطفہ ہے اور اس کا معطوف علیہ محذوف ہے جیسا کہ فحوائے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ دراصل عبارت یُوں تھی ایتولون عن حکمك فیبغون حکم الجاھلیۃ یعنی کیا وہ تیرے حکم سے رُوگردانی کرکے جاہلیت کے فیصلے کے طلبگار ہیں۔

ف: جاھلیۃ سے اُن کی خواہشاتِ نفسانی اور جہالت کا وہ فیصلہ جس کا نہ کسی کتاب آسمانی میں ثبوت ہو اور نہ ہی اسے وحی ربانی سے کسی قسم کا تعلق ہو **وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا** اور اللہ تعالیٰ سے اور کون حکم کے لحاظ سے احسن ہو سکتا ہے اس لیے ان لوگوں کو بتانا مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہ کوئی احسن ہو سکتا ہے نہ برابر۔

سوال: اعلیٰ کی نفی سے مساوی کی نفی تم نے کہاں سے ثابت کر لی؟

جواب : یہ قاعدہ عرفِ عام کا ہے کہ کہیں کسی کے لیے افضل کا صیغہ مستعمل ہو تو اس سے مساوی کی نفی بھی ہو جاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

فلان اکرم من فلان یا فلان افضل من فلان ۔

اس سے یقیناً یہی مراد ہوتا ہے کہ فلاں ہر کریم سے اکرم اور ہر فاضل سے افضل ہے خواہ وہ اس کے مساوی ہو یا ادنیٰ ۔

ف : حکماً کا منصوب ہونا احسن سے تمیز ہے جو مبتدائے منقول ہو کر تمیز واقع ہوئی ، دراصل عبارت یوں تھی :

ومن حکمہ احسن من حکم اللہ ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور کس کا حکم احسن ہو سکتا ہے ۔

لِقَوْمٍ يُّوقِنُوْنَ اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے ، یعنی انہیں پورا یقین ہے ۔ یہ لام بیانیہ اور محذوف کے متعلق ہے جیسے سقیالك میں لام بیانیہ اور محذوف کے متعلق ہے اور دراصل اس سے مخاطب کو دعا دینا مطلوب ہوتا ہے دراصل عبارت یوں تھی : یسقیك اللہ (اللہ تعالیٰ تجھے پانی پائے) اس محذوف کو لك سے بیان کیا جاتا ہے یعنی استفہام مذکورہ بالا صرف اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی اس لیے کہ وہ امورِ الٰہیہ میں تدبیر کرتے ہیں ۔ اس سے انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تمام دنیا والوں کے احکام سے احسن و اعدل ہے ۔

ف : لقوم یوقنون کی لام حکماً کے متعلق نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کا حکم خاص قوم سے مخصوص نہیں ۔

مسئلہ : آیت سے معلوم ہوا کہ اصولی لحاظ سے دین ایک ہے البتہ ہر ایک دین حق کے فروع مختلف ہیں اور اللہ تعالیٰ مالک ہے جس طرح چاہے ہر زمانہ میں حکم فرمائے اس لیے کہ ہر حکم میں ہزاروں مصلحتیں اور بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں ۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کے ہر حکم کے سامنے سر جھکائیں اور دل سے مانیں نہ ہم اس پر اعتراض کریں نہ نکتہ چینی ۔

سبق : موت و فوت سے پہلے ہی خیرات کے حصول میں جد و جہد کی جائے ۔

حدیث شریف : پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو ،

(۱) بڑھاپے سے پہلے جوانی ، اس لیے کہ انسان جوانی میں جو کام کر سکتا ہے وہ بڑھاپے میں نہیں کر سکتا ۔ اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جو عادت جوانی میں پڑ جائے اسے بڑھاپے میں چھوڑا نہیں جا سکتا ۔

(۲) صحت و عافیت کو بیماری سے پہلے ، اس لیے کہ تندرست آدمی اپنے مال و اسباب اور نفس

میں ہر طرح کا تصرف بلا کم وکاست کر سکتا ہے۔ ہاں جب بیمار ہو جائے تو اس کے اعضاء کمزور پڑ جاتے ہیں تو طاعت الٰہی کی ادائیگی سے قاصر ہو جاتا ہے اور ایسے ہی مال میں بھی تہائی سے زاید خرچ نہیں کر سکتا، اگر موت کے آثار نمودار ہو جائیں۔

(۳) مشغولیت سے پہلے فراغت کو، مثلاً رات کو انسان عموماً فارغ رہتا ہے اور دن کو مختلف کاروبار میں مشغولیت ہوتی ہے بنا بریں چاہیے کہ رات کو زیادہ سے زیادہ نوافل پڑھے جائیں اور دن کو روزہ رکھا جائے بالخصوص سردیوں کے دنوں میں، اس لیے کہ سردیوں کے روزے اور نوافل مومن کیلیے مفت کا ثواب ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

الشتاء غنیمة المومن طال لیله فقامه وقصر نهاره فصامه۔

مومن کے لیے غنیمت ہے کہ اس کی رات طویل ہو اور وہ اس میں قیام (نوافل) کرے اور اس کے لیے دن چھوٹے ہوں تو ان میں روزے رکھے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

اللیل طویل فلا تقصره بمنامك والنهار مضیئ فلا تکدره بآثامك۔

رات لمبی ہو تو اسے نیند سے ضائع نہ کرو اور دن چمکیلے ہوں تو انہیں گناہوں سے میلا نہ کرو۔

(۴) تونگری کو تنگدستی سے پہلے، یعنی جب بندہ اللہ تعالیٰ کے تھوڑے دیے رزق پر راضی ہو تو یہی غنیمت ہے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ نہ بڑھائے۔

(۵) موت سے پہلے حیات کو، اس لیے کہ انسان جب تک زندہ رہتا ہے تو ہر عمل کرنے پر قدرت رکھتا ہے لیکن جب مرتا ہے تو اس کے اپنے عمل عملنامے میں نہیں لکھے جاتے اس لیے اکثر اہلِ اموات قبروں میں دنیا کی طرف لوٹنے کی آرزو کرتے ہیں تاکہ وہاں لوٹ کر تسبیح و تہلیل کی کثرت اور نوافل اور دوگانے زیادہ سے زیادہ پڑھیں۔

سبق: بناء بریں سالک پر لازم ہے کہ وہ فرصت کو غنیمت سمجھے اس لیے کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

(۱) بگذشتن فرصت اے برادر — درکرم روے تو چو میغ باشد

(باقی صفحہ ۲۶۳ پر)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ
اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ
وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۗ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ
وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی
مِنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے بیشک اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دیتا اب تم انہیں دیکھو گے جن کے دلوں
يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ۗ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ
میں آزار ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرف دوڑتے ہیں کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش آجائے تو نزدیک
بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُوْلُ
ہے کہ اللہ فتح لائے یا اپنی طرف سے کوئی حکم پھر اس پر جو اپنے دلوں میں چھپایا تھا پچھتاتے رہ جائیں اور ایمان
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۗ حَبِطَتْ
والے کہتے ہیں کیا یہی ہیں جنہوں نے اللہ کی قسم کھائی تھی اپنے حلف میں پوری کوشش سے کہ وہ تمہارے
اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٥٣﴾ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ
ساتھ ہیں ان کا کیا دھرا سب اکارت گیا تو رہ گئے نقصان میں اے ایمان والو تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا
فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۖ
تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر
يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۗ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ
سخت اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ کا فضل ہے
مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٤﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ
جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے کہ
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾
اور مسلمانوں کو اپنا دوست بنائے تو بیشک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے

(بقیہ صفحہ ۲۶۲)

(۲) دریاب کہ عمر بس عزیز ست گر فوت شود دریغ باشد

ترجمہ:(۱) اے بھائی! فرصت کا گزرنا ایسے ہے جیسے کرم والے چہرے پر بادل چھا جائے۔

(۲) ابھی حاصل کرلے کہ عمر عزیز ہے، عمر گزرنے پر افسوس ہوگا۔

حضرت سید شریف نے اپنے صاحبزادہ سے فرمایا: ؎

نصیحت ہمینست جان پدر

کہ عمرت عزیزت ضائع مکن

ترجمہ: اے جانِ پدر! یہی نصیحت ہے کہ عمر عزیز ضائع نہ کر۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنی زندگی کے قیمتی لمحات ضائع نہ کرے۔

کسی دانا نے فرمایا: ؎

بکودکے بازی بجوانی مستی

بہ پیری سستی خدا را کے پرستی

ترجمہ: بچپن میں کھیل کا خیال، جوانی مستی میں گزری، بڑھاپے میں سستی، تو کب خدا تعالیٰ کی عبادت کرے گا۔

سبق: جب سالک کا شریعت کا شغل مکمل ہو جائے تو طریقت کے لیے جدوجہد کرے، جو کہ یہی شریعت کا باطنی راستہ ہے، جیسے اربابِ عقول اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی زندگی بسر کی انھی کی تقلید میں اپنی زندگی کے لمحات گزارے، اس لیے کہ جیسے ہر نبی علیہ السلام کا اپنا طریقۂ دین ہے ایسے ہی ولی کا علیحدہ راہِ سلوک ہے جو صرف اسی کے سلسلہ سے مخصوص ہوتا ہے (جیسے سلسلہ قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی، اویسی وغیرہ) بدبخت ہے وہ جو ان طریقوں سے منہ پھیرتا ہے اور گمراہی کے گڑھے میں گرا جو ان کے سلسلوں سے ہٹا۔

(تفسیر آیات صفحہ ۲۶۴)

تفسیر عالمانہ: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یہ خطاب عام مومنین کو ہے وہ مخلصین ہوں یا نہ ہوں، اگرچہ اس کا شانِ نزول ایک مخلص گروہ کے لیے ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے

کہ اگرچہ یہودیوں میں میرے ان گنت دوست ہیں لیکن میں ان سب کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ اور اسکے
رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستہ ہوتا ہوں۔ عبداللہ بن ابی نے کہا مجھے تو آئندہ کے حوادث د
سے بڑا خطرہ رہتا ہے لہٰذا میں تو اپنے دوستوں (یہودیوں) کو نہیں چھوڑ سکتا اس لیے کہ حوادث
میں ان سے واسطہ پڑے گا۔ اس سے بنو قینقاع کے یہود مراد ہیں۔

لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ اے مومنو! یہود و نصاریٰ میں کسی ایک کو بھی اپنا یار
محبت نہ بناؤ، ان سے ایسی دوستی نہ جوڑو جیسے عموماً یاروں اور دوستوں سے معاملہ کیا جاتا ہے اور نہ ہی
اپنے معاشرے میں دخیل بناؤ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کو ان کی ہر طرح کی دوستی سے روکا جا رہا ہے
اس لیے کہ یہ قرآن سے ناممکن بلکہ ممتنع ہے اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ ممتنعات سے نہی کا تعلق نہیں ہوتا
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ان کے دوسرے بعض کے دوست ہیں یعنی ان دونوں فریقوں یعنی یہود و نصاریٰ
ایک فرقہ کے بعض دوسرے کے دوست ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں فرقوں کے سب کے سب
ایک دوسرے کے دوست ہیں اس لیے کہ دونوں کے آپس کے تعلقات کشیدہ تھے بلکہ دونوں ایک دوسرے
کو کافر کہتے تھے اور وہ دونوں اتفاق رکھتے تھے کہ تمہیں ہر طرح کا نقصان پہنچائیں اسی لیے پھر تمہارا اور ان کا
دوستی کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ اور جو بھی تم میں سے ان سے دوستی اور محبت
کرے گا یعنی انہیں دوست بنائے گا فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ پس وہ بھی ان سے شمار ہوگا یعنی اُن کے دین سے
متصور ہوگا اور ان کے ساتھ جہنم میں جائے گا۔

مسئلہ: یاد رہے کہ یہ اس وقت ہے جبکہ ان یہود و نصاریٰ سے محبت اگر دین کی وجہ سے ہو تو پھر اس کا
انہیں میں ہوگا اور انہیں کے ساتھ جہنم میں جائے گا۔

مسئلہ: اگر ان کی دوستی کا معاملہ صرف کاروبار اور معاملات و معاشرہ تک محدود ہو یا ان سے صرف
خرید و فروخت کا سلسلہ ہو یا کسی کام کی وجہ سے ان سے واسطہ پڑ گیا تو اُن سے دوستی کا دم بھرتا ہے لیکن
ان کے اعتقادات سے اسے تعلق ہو اور نہ ہی ان کے امور دینیہ سے اسے دلچسپی ہو تو پھر وہ اس وعید میں
داخل نہ ہوگا۔

مسئلہ: حضرت مولانا ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس میں ان مسلمانوں کو زجر و توبیخ ہے جو یہود و
نصاریٰ سے ظاہری طور پر دوستی کا دم بھرتے ہیں اگرچہ ان سے حقیقی محبت و دوستی نہ بھی ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ بیشک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔
اس میں ومن یتولهم منکم الخ کے حکم کی علت بتائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا

جو اہلِ اسلام کی دوستی کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یہود و نصاریٰ سے محبت اور دوستی کا دم بھرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے کہ کفر کے گڑھے میں پڑیں یا گمراہی میں مریں۔ اللہ تعا آنکھ جھپکنے بلکہ اس سے بھی کم ہمیں اپنے نفسوں کے سپرد نہ فرما۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرما

در رہِ عشق ازاں سُوئے فنا صد خطر ست
تا نگوئی کہ چو عمرم بسر آمد رستم

ترجمہ: رہِ عشق میں ہزاروں خطرے ہیں یہ نہ سمجھنا کہ عمر گزر گئی تو نجات پاؤں گا۔

فَتَرَى یا یہ خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا اس انسان کو ہے جو اس خطاب کا اہل ہے الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ پس تم دیکھو گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی منافقت کا مرض یا دنیوی امور میں سُستی اور تکاہل ہے يُسَارِعُونَ فِيهِمْ یہ الذین سے حال ہے یعنی وہ ان یہودیوں اور نصرانیوں کی محبت اور دوستی اور ان کی معاونت میں عجلت کرتے ہیں۔

سوال: سارعۃ یسارعون کا صلہ تو الیٰ آتا ہے نہ کہ فی۔ یہاں فی کو کیوں لایا گیا؟

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ وہ منافقین وغیرہ یہود و نصاریٰ کی محبت اور دوستی پر ایسے ڈٹے ہوئے ہیں کہ اُن کا اس کی دوستی سے باز آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس سے عبداللہ بن ابی سلول اور اس کے ہمجولی مراد ہیں جو نجران کے یہود و نصاریٰ سے دوستی کا دم بھرتے تھے۔ جب مؤمنین انھیں اُن کی اس دوستی پر ٹوکتے تو انہیں عذر کرتے ہوئے کہتے کہ صرف خطرہ ٹالنے کے لیے اُن سے دوستی ہے ورنہ ہمیں اُن سے کیا واسطہ۔ اُن کی اس غلط بیانی کی تردید میں یہ ارشادِ گرامی نازل ہوا کہ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش آجائے۔ یہ یسارعون کی ضمیر سے حال ہے۔ دائرۃ یہ ان صفات سے ہے کہ جن کا موصوف مذکور نہیں ہوتا۔ یعنی ہمیں خطرہ ہے کہ دُورِ زمانے کا چکر آجائے اور انہیں ایسی دولت اور غلبہ حاصل ہو کہ وہ ہم پر غالب آجائیں۔ اس کا یہ معنیٰ ہے کہ ہمیں خطرہ ہے کہ دَورِ زمانہ کے مصائب و تکالیف کا ہم شکار ہو جائیں، مثلاً قحط سالی وغیرہ، تو پھر وہ لوگ ہمیں نہ قرض دیں گے اور نہ غلہ وغیرہ کی امداد کریں گے چونکہ منافقین مسلمانوں کو اپنا عذر پیش کرتے ہوئے ظاہر تو آخری معنے کرتے لیکن دل میں پہلا معنی چھپائے رکھتے فَعَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ پھر نزدیک ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح لائے۔ اُن کی غلط بیانوں اور مومنوں کو جو اُلٹے سیدھے حوالے پیش کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے رَد میں یہ ارشادِ گرامی نازل فرمایا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ یہود و نصاریٰ سے جو تم غلط طمع اور لالچ میں

ہو یا ظل بے سود ہے اسی میں اہلِ اسلام کو خوشخبری سنائی گئی ہے کہ بالآخر فتح اور نصرت اور ... کے لیے ہے اسی لیے کہ عسیٰ کلام میں یقین کا فائدہ دیتا ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ کریم ... سے وعدہ کرنے وہ ضرور پورا کرتا ہے اور پھر جیسے اہل کرم کا کریم وعدہ کرے تو پھر وہ کیوں نہ پورا ہو۔

... : اس سے فتح مکہ یا خیبر کے یہودیوں کے دیہات اور فدک مراد ہیں یا یہ مراد ہے کہ جو اللہ تعالےٰ ... یا سے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا وہ مار کھائیگا اس لیے کہ بالآخر اعزاز صرف ... کو ہی ہے۔

... : حضرت سدادی فرماتے ہیں کہ فتح کو اس لیے فتح کہتے ہیں کہ فتح بمعنے کھولنا۔ چونکہ اس سے ... سے مشکل اور چھپے ہوئے امور کھلتے ہیں اسی لیے اس نام سے موسوم ہوئی۔

أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ یا اپنی طرف سے کوئی امر لائے۔ اس سے یہودیوں کی جڑ کاٹنے کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قتل اور جلاوطنی کا حکم نازل ہوگا۔

... : شافعہ اس زخم کو کہا جاتا ہے جو پاؤں کے تلوے میں ظاہر ہوتا ہے اسے داغ دے کر مٹایا ... جاتا ہے۔ پھر مثال کے طور پر کہا جاتا ہے۔

استاصل اللہ شافتہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کی جڑ کاٹ دے۔ یعنی اسے مٹا کر فنا کر دے ... جیسے اس زخم کو مٹایا گیا۔

فَيُصْبِحُوْا پس وہ ہوجائیں وہی منافقین جو مومنین کے سامنے عذرداریاں کرتے ہیں جو اوپر ... ہوئے عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ اور اس کے جو اپنے دلوں میں چھپایا تھا۔ ... چھپانے والے یعنی اپنے کرتوتوں پر پچھتائیں جو دلوں میں کفر اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ... میں شک کو چھپاتے تھے۔ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اور منافقین کی ندامت کے وقت کہتے ہیں یہ نیا ... ہے طائفہ مذکورہ یعنی منافقین کے کمال سوءِ حال کے بیان کے لیے لایا گیا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ مومنین ... یہود و نصاریٰ کو ان منافقین کی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں جو ان یہود و نصاریٰ سے دوستی کا دم بھرتے ... اور ان کی دولت کے امیدوار اور ان سے غایت درجہ کی محبت کا اظہار کرتے اور انھیں یقین دلاتے کہ ہم دکھ اور سکھ میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ اشارہ بھی اہلِ ایمان نے اس وقت کیا جبکہ منافقین کے لیے مشاہدہ کیا کہ اب ان کی امیدیں بیکار ہوگئیں اور ان کی پختگی عزائم کی ختم ہوئی کہ جن باتوں کی انھیں امید تھی ان کے متعلق معاملہ برعکس ہوگیا جن امور کے لیے وہ طرح طرح کی باتیں بناتے تھے وہ بہرصورت پورا نہ ہوسکا تو مخاطبین سے تعجب کرتے ہوئے انہیں طنزاً کہتے ہیں کہ

اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ یہ وہی ہیں جنہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنی قسم میں پورے طور تمہارے ساتھ ہیں یعنی تمہاری پوری نصرت و معونت کریں گے۔ چنانچہ مروی ہے کہ منافقین نے یہود و نصاریٰ سے کہا تھا کہ اگر تم جنگ کے لیے تیار ہوئے تو ہم تمہاری پوری امداد کرینگے۔

ف : اسم اشارہ مبتدا ہے اس کا بعد اُس کی خبر ہے اس سے بتانا مطلوب ہے کہ انہوں نے جتنے دعوے کئے سب غلط نکلے۔ بلکہ اُن سے ایسا کرنا بعید از قیاس تھا۔ اور جو کچھ وہ کہتے سراسر خطا اور غلط تھا اور معکم کے مخاطب یہود ہیں جنہیں اہلِ اسلام نے خطاب کیا۔

ف : جهد الایمان مضبوط اور پختہ قسم پر بولا جاتا ہے۔ یہ دراصل مصدر ہے، اصل عبارت یُوں تھی : واقسموا باللہ یجهدون جهد ایمانهم۔ فعل کو حذف کر کے اس کے قائم مقام مصدر کو کھڑا کیا گیا ہے اور اقسموا کی ضمیر سے حال ہے۔

سوال : یہ مصدر معرفہ ہے اور حال کا نکرہ ہونا لازمی ہے۔

جواب : اُس کا لفظاً معرفہ ہونا حال بننے کے مضر نہیں اس لیے کہ یہ مؤولاً نکرہ ہے کیونکہ یہ اصل میں مجتهدین فی ایمانهم یا یہ مفعول مطلق ہے۔ اب عبارت یوں ہو گی اقسموا اقسام اجتهاد فی الیمین

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ یہ جملہ مستانفہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے انجام بیان فرمایا ہے کہ وہ جو کچھ محبت کا دم بھرتے اور ہر دُکھ اور سُکھ میں ان کا ساتھ دینے کی قسم کھاتے جیسے کہ استفہام انکاری سے بھی معلوم ہوا۔ یہ تمام انکار رائیگاں ہے یعنی جتنا انہوں نے محبت کا دعویٰ کیا اور اس یاری و دوستی کے لیے جتنی جد و جہد کی سب ضائع ہوئی کہ یہود و نصاریٰ سے انہیں کچھ نصیب نہ ہوا بلکہ الٹا ان کی تمام کارگزاری بیکار ہوئی اور بہت سے دُکھ اور تکالیف سر پر اٹھائے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

اسم اعظم بکند کارِ خود اے دل خوش باش
کہ بتلبیس و حیل دیو سلیمان نشود

ترجمہ : اسمِ اعظم ان کا کام کرتا ہے اے دل خوش ہو، لیکن مکر و فریب سے ابلیس سلیمان نہیں بن سکتا۔

سبق : حق کے لیے درحقیقت دولت ہے اور باطل کے لیے صولت یعنی محض زبانی جمع خرچ، جو بعد کو مٹ جاتی ہے، اور ایسی فنا ہوتی ہے کہ جس کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ مومن پر لازم ہے کہ وہ باطل کی

بالکل نہ چاہئے وہ کتنا ہی اچھا نظر آئے۔

منقول ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ میں نے اپنا پرائیویٹ سیکرٹری ایک نصرانی کو مقرر کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے فرمایا: خدا تجھے غارت کرے کیا تجھے کوئی مسلمان نہیں ملتا جو تُو نے ایک بے دین بد مذہب کو اپنے لیے مقرر کیا ہے۔ کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم نہیں جبکہ فرمایا:

یایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیھود والنصٰری اولیاء۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اس کا دین و مذہب کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟ جبکہ میں نے اس سے اپنی لکھائی کا کام لینا ہے۔

آپ نے فرمایا: درست فرماتے ہو لیکن جنہیں اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہے ہم کون لگتے ہیں انہیں عزت دینے والے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا کہ وُہ خیانتی ہیں تو ہم کیوں انہیں معاملات پر امین مقرر کریں جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ انہیں اپنے سے دُور رکھو تو پھر کیوں انہیں اپنے قریب لائیں۔

حکایت: مروی ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہی حکم اہلِ بصرہ کو لکھ کر بھیجا اگر یہ مر جائے تو پھر کیا ہوگا انہوں نے کہا کسی اور کو مقرر کریں گے۔ آپ نے فرمایا: جو کام کل کرنا ہے وہ آج کر لو، بہرحال اسے اپنے کاروبار سے علیحدہ کردو۔

مسئلہ: حضرت شیخ اکبر (ابن العربی) قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے دمشق میں اپنی آنکھوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو دیکھا کہ وہ نصاریٰ سے دوستی کا دم بھرتے اور معاملات میں اُن سے وابستہ تھے اور اپنے بچوں کو اُن کے گرجوں میں لے جا کر ان کے پانی سے تبرک کے طور نہلاتے۔ یعنی وُہ پانی جو معمودیت کے نام سے مشہور تھا اور وہ معمودیت وہ پانی تھا جس سے چھوٹے بچوں کو نہلا کر یہ عقیدہ رکھتے کہ اب یہ بچہ پاک ہوگیا۔ جیسے ہم ختنہ کرتے ہیں، ان کے لیے یہی رسم تھی۔ مسلمانوں کو ایسا کرنا کفر ہے۔

مسئلہ: نوروز (نصاریٰ کی عید) کی تعظیم کرنا کفر ہے۔

مسئلہ: اس دن تحائف و ہدایا بھیجنا بھی کفر ہے۔

مسئلہ: اس دن کے مراسم کی ادائیگی میں اُن کے ساتھ شرکت کرنا بھی کفر ہے۔

مسئلہ: اُن کے امور پر نگران مقرر کیے جائیں کہ جو بھی ان سے دوستی کرے گا سزا پائے گا تاکہ بد مذہبوں سے موالات کی پُوری طرح بیخ کنی کی جاسکے۔ ملتقطہ الناصری میں ہے کہ سارنگی (سرود) کو توڑنے کے لیے کسی مشرک سے کام لینا جائز ہے۔

مسئلہ: حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس بات سے اہل اسلام کو روکنا لازم ہے اس سے اہل کفر کو روکنا بھی ضروری ہے صرف شراب اور خنزیر سے کفار کو نہ روکا جائیگا۔

مسئلہ: ان دونوں کو لے کر کافر بازار میں نہیں جا سکتا تاکہ ان کی شہرت نہ ہو اس لیے کہ اس طرح سے اہلِ اسلام کی تحقیر ہوگی۔

مسئلہ: اگر ہم نے اُن سے صلح کرلی ہو کہ وہ ہمارے ملک میں اہلِ اسلام سے پناہ لے کر رہ سکتے ہیں، پھر جب ان کی عید کا دن آئے تو وہ نصاریٰ اپنی صلیب کھلم کھلا عید میں نہیں لے جا سکتے۔

مسئلہ: وہ کھلم کھلا مزامیر اور طنبور وغیرہ بھی نہیں بیچ سکتے۔

مسئلہ: برسرِعام مجلسِ سماع بھی نہیں قائم کر سکتے۔ علاوہ ازیں جتنے امور اہلِ اسلام کے لیے ممنوع ہیں ان کے لیے بھی ممنوع ہیں۔

مسئلہ: اسلامی ملک میں وُہ نیا گرجا بھی نہیں بنوا سکتے۔

حدیث شریف میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لاخصاء فی الاسلام ولا کنیسۃ۔ اسلام میں نہ خصی ہونے کی اجازت ہے اور نہ ہی گرجا بنانے کی۔

مسئلہ: خصاء سے انسان کا خصی ہونا مراد ہے، ورنہ جانوروں کا خصی کرنا بوقتِ ضرورت جائز ہے یہی احناف کا قول ہے کہ جب انسانی ضرورت کے لیے جانوروں کا گوشت جائز ہے تو پھر ان کا خصی کرنا کیوں جائز نہ ہو۔

سوال: بنو آدم کو خصی کرنا کیوں ناجائز ہے جبکہ اس میں بھی ان کا نفع ہے۔

جواب: اس میں کسی قسم کا نفع نہیں اس لیے کہ نہ صرف بیگانی عورت سے زنا ناجائز ہے بلکہ ان کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے (کذا فی بستان العارفین)۔

تفسیر صوفیانہ شیطان اور قوائے شریر وجودِ انسان میں یہود و نصاریٰ کی طرح ہیں۔ جیسے یہود و نصاریٰ سے اجتناب کرنا اور دوستی نہ کرنا ضروری ہے ایسے ہی شیطان و قوائے شریرہ سے اجتناب کرنا اور دوستی نہ کرنا لازمی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور حکم فرمایا کہ انہیں اپنا دشمن سمجھو اس لیے کہ وہ تمہیں جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے دائمی انقطاع پر اُبھارتے ہیں۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے ہر طرح کی دشمنی رکھے ورنہ ایمان ناممکل ہوگا۔

...شریف میں ہے : ؎

(۱) آنچہ در فرعون بود اندر تو ہست　　لیک اژدرہات محبوس چہست

(۲) چہ خرابت مے کند نفس لعین　　دور می اندازت سخت ایں قرین

(۳) آتشت را ہیزم فرعون نیست　　زانکہ چوں فرعون اوزا عون نیست

ترجمہ "(۱) جو کچھ فرعون میں تھا وہ تجھ میں بھی ہے لیکن تیرا اژدہا کنویں میں بند ہے۔

(۲) نفس لعین کتنی خرابی کر سکتا ہے تیرا یہ ساتھی تو تجھے بہت دُور پھینک دے گا۔

(۳) تیری آگ کے پاس فرعون والی لکڑیاں نہیں اس لیے کہ تجھ میں فرعون والی طاقت نہیں۔

یعنی فرعون کو اپنے دعاوی اور خواہش کے مطابق اسباب حاصل تھے اس لیے اس نے ربوبیت و ...بیت کا دعویٰ کر دیا۔ اگر ہمیں بھی وہی اسباب حاصل ہو جائیں اور اس کی طرح ہمیں دعاوی پر معاونت ...جائے تو ہم بھی فرعون کے دعاوی سے پیچھے رہنے والے نہیں۔

...سیر عالمانہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ اے ایمان والو! جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے۔

...ف : یہ منجملہ ان امور کے ہے جن کے متعلق قرآن مجید نے خبر دی ہے وہ ہو کر رہا۔

...ود عنسی کی جھوٹی نبوت کا واقعہ مروی ہے کہ گیارہ گروہ مرتد ہوئے، تین حضور علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں، باقی آپ کے بعد۔ ان میں پہلا گروہ بنو مدلج کا تھا ...کا سردار ذوالخمار یعنی اسود عنسی تھا وہ کاہن تھا، اس نے یمن میں جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اپنے علاقوں ...بڑھ دوڑا یہاں تک کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ حکام جیسے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ...کے بڑے بڑے سرداروں کو نکال دیا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل اور دوسرے ...سلمانوں کو لکھا کہ اپنے دین پر مضبوط رہو اور اسود عنسی سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ فیروز دیلمی نے ...ود عنسی کو رات کے وقت اس کے بستر پر قتل کر دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ...السلام کو اللہ تعالیٰ نے اُسی رات اسود عنسی کے قتل ہو جانے کی خبر دے دی۔ چنانچہ آپ نے صبح کو ...کہ آج رات اسود عنسی قتل ہو چکا ہے اسے ایک برکت والے مرد نے قتل کیا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا ...کہ مرد کون ہے؟ آپ نے فرمایا، وہ فیروز دیلمی ہے۔ آپ نے جس دن اپنے صحابہ کو اسود عنسی کے ...ہو جانے کی خبر دی تو دوسرے دن آپ کا وصال ہو گیا۔ چنانچہ ربیع الاول شریف کی آخری تاریخوں میں ...حابہ کرام کو اسود عنسی کے قتل ہو جانے کی اطلاع ملی۔

ف : حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ پہلی فتح تھی۔

مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت کا واقعہ آپ کے زمانۂ اقدس کا دوسرا مرتد گروہ یمامہ کا بنو حنیفہ (قبیلہ) تھا، اُن کا سردار مسیلمہ کذاب تھا جس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں نبوت کا دعوٰی کیا۔ ۱۰ھ کے آخر میں یہ واقعہ رونما ہُوا۔ اس کا یہ گمان تھا کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں شریک ہے۔ چنانچہ اس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا جس کا مضمون یہ ہے :

من مسیلمۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ اما بعد فان الارض نصفھا لی ونصفھا لک۔	یہ مسیلمہ (جھوٹے رسول) کا خط حضرت محمد مصطفٰے (اللہ تعالٰی کے سچے رسول کی طرف ہے اما بعد جان لو کہ زمین آدھی میری اور آدھی آپ کی۔

اُس نے یہ خط اپنے دو ساتھیوں کے حوالے کر کے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں روانہ کیا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جب اس کے قاصد پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اگر قاصدوں کو قتل کرنے کی ممانعت نہ ہوتی تو میں تمہیں قتل کرا دیتا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں یہ مضمون لکھا :

من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذاب اما بعد فان الارض یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔	یہ خط محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے مسیلمۃ الکذاب کو اما بعد زمین اللہ تعالٰی کی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے اور نیک انجام صرف متقین کے لیے ہے۔

اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ آپ کے وصال کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بہت بڑا لشکر دے کر مسیلمۃ الکذاب کے ہاں بھیجا انہوں نے جا کر مسیلمۃ الکذاب سے جنگ کی یہاں تک کہ مسیلمۃ الکذاب کو مطعم بن عدی کے غلام وحشی نے قتل کر دیا۔ یہ وہی حضرت وحشی ہیں جنہوں نے حضرت حمزہ بن عبد المطلب کو شہید کیا تھا۔ حضرت وحشی فرمایا کرتے تھے میں نے خیر الناس کو شہید کیا اور اسلام میں بدترین انسان (مسیلمۃ الکذاب) کو قتل کیا

طلیحہ بن خویلد کا واقعہ یہ تیسرا گروہ قبیلہ بنو اسد کا تھا، ان کا رئیس یہی طلیحہ بن خویلد تھا۔ یہ وہ آخری شخص تھا جس نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ مرتدین میں یہی وہ پہلا شخص تھا جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آیا۔ اس کے مقابلہ کے لیے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بھیجا، جس سے بہت بڑی جنگ لڑی گئی۔ بالآخر طلیحہ شام کی طرف بھاگ نکلا جو کہ بعد میں مسلمان ہو گیا اور مسلمان ہو کر مرا۔

منکرین زکوٰۃ کے مرتدین کا واقعہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد اہلِ مکہ و اہلِ مدینہ اور بحرین کے عبد القیس کے سوا باقی عامۃ العرب مرتد ہو گئے وہ کہتے تھے کہ نماز تو ہم پڑھیں گے لیکن اپنے اموال کی زکوٰۃ دے کر ہم اپنے مال ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جنہیں اللہ تعالیٰ نے اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ میں جمع فرمایا ہے انہیں ہرگز جدا نہ کروں گا۔ لہٰذا اگر زکوٰۃ سے بکری کا ایک بچہ بھی (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتے تھے) مجھ سے روکو گے تو میں بھی تمہارے ساتھ جنگ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نصرت فرمائی جیسے اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد فرمائی حتیٰ کہ مرتدین نے زکوٰۃ کی فرضیت کا اقرار کر لیا۔

ف: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کو یہ بات ناگوار گزری کہ وہ منکرینِ زکوٰۃ سے جنگ کریں، وہ کہتے کہ جب وہ اہلِ قبلہ ہیں تو پھر ہم ان سے جنگ کیسے کر سکتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تلوار نیام سے نکال کر اکیلے کھڑے ہوئے تب صحابہ کرام نے لڑائی کے سوا چارۂ کار نہ پایا، پھر وہ بھی ان کے پیچھے چل پڑے۔

ف: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع شروع میں ہم اس جنگ سے نفرت کرتے تھے لیکن جب ہمیں صدیق اکبر کا موقف سمجھ میں آ گیا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور شکر کیا۔

حضرت صدیق اکبر کی فضیلت صحابہ کرام کا اتفاق ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) کے بعد صدیقِ اکبر جیسا کوئی اور افضل انسان نہیں جس نے مرتدین کے مقابلہ میں نبی علیہ السلام کی جانشینی کا حق ادا کیا ہو۔ حضرت شیخ عطار رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی مدح میں فرمایا: ؎

ہر چہ بود از بارگاہِ کبریا ریخت در صدر شریف مصطفیٰ

آں ہمہ در سینۂ صدیق ریخت　　　لاجرم تا بود از و تحقیق ریخت

ترجمہ: بارگاہِ کبریا سے جو کچھ مصطفےٰ اکریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سینہ مبارک میں پہنچا وہ تمام حضور علیہ السلام نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سینہ مبارک میں ڈال دیا لازماً تحقیق سے ڈالا۔

ف: حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منکرینِ زکوٰۃ سے جنگ نہ کرتے تو قیامت تک اسی طرح لوگوں کو زکوٰۃ سے انکار رہتا۔

مسئلہ: الاشباہ میں ہے فتویٰ اس پر ہے کہ مانع زکوٰۃ سے انکار رہنا۔

مسئلہ: محیط میں ہے کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ دینے سے انکار کرے تو حاکم فرستادہ کو ضروری نہیں کہ وہ اس سے جبراً زکوٰۃ لے۔ اگر جبراً لے گا تو وہ لیا ہوا مال زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگا اس لیے کہ اُس نے یہ مال بلا اختیار دیا ہے، ہاں اسے قید کر سکتا ہے تاکہ وہ اپنے اختیار سے زکوٰۃ ادا کرے۔

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ پس اللہ تعالیٰ منکرین کو فنا کر کے اُن کی جگہ پر ایسے لوگوں کو لائے گا **بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ** جن سے وہ محبت کرے کہ اُن کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی کا ارادہ فرمائے **وَيُحِبُّوْنَهٗ** اور وہ اس سے محبت کریں یعنی ایسے لوگ آئیں جو اللہ تعالیٰ کی طاعت بجا لائیں اور برائیوں سے بچیں۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں اس سے اہلِ یمن مراد ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الایمان یمان والحکمۃ یمانیۃ۔　　ایمان اور حکمت یمنی ہیں۔

نکتہ: ایمان کو ان کی طرف منسوب کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ ایمان میں کامل درجہ رکھتے ہیں اس لیے جو شخص کسی شے میں کمال رکھتا ہے تو شے کے اس کی طرف منسوب ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دوسرے اس سے موصوف ہی نہیں۔ اس تقریب سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث مذکور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی الایمان فی اھل الحجاز (ایمان اہلِ حجاز میں ہے) کے منافی نہیں۔ (کذا فی شرح المشارق لابن الملک)

ف: یہ بھی یاد رہے کہ اگر آیت اہلِ یمن ہی مراد ہوں تو تمام اہلِ یمن اور ہر زمانے کے یمنی مراد نہیں بلکہ اس زمانہ کے اہلِ ایمان مراد ہیں۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت میں انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں اور بعض کے نزدیک

فارس والے اہلِ ایمان مراد ہیں۔

حدیث شریف میں ہے ،

لوکان الایمان معلقا بالثریا لنالہ ابناء فارس۔	اگر ایمان ثریا سے معلق ہو تب فارس والے اسے حاصل کریں گے۔

اس حدیث شریف میں فارس والوں کی فضیلت ثابت ہوئی۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اہلِ ایمان نرم دل ہیں۔ اذلّۃ ذلیل کی جمع ہے یعنی رحم دل رقیق القلب، یعنی اہلِ ایمان کے لیے منکسر اور متواضع ہیں اسی لیے اذلّۃ کا صلہ علیٰ آیا ہے کہ اس میں مہربانی اور نرم دلی کا معنے مطلوب ہے اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اور کافروں پر سخت ہیں۔ یعنی اُن پر غالب اور سخت گیر ہیں۔ یہ عزّۃ سے ماخوذ ہے بمعنے غلبہ۔ وہ اس پر غالب ہوا يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑینگے۔ یہ قوم کی صفت دیگر ہے اپنے ماقبل پر مرتب ہے اور مابعد سے مربوط ہے۔ اس میں یہ بتانا مطلوب ہے کہ وہ کفار پر غالب کیوں ہیں وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ اور وہ ملامت کرنے والوں کی ملامت سے کوئی خوف نہیں رکھیں گے۔ اس کا عطف یجاھدون پر ہے، یعنی دو ان اوصاف کے جامع ہیں ،

(۱) مجاہد فی سبیل اللہ ہیں۔

(۲) دین میں مضبوط اور پختہ ہیں۔ اس میں منافقین کو تعریض ہے جبکہ وہ مسلمانوں کے لشکر میں چل نکلے تو انہیں اپنے یاروں دوستوں یہودیوں نصرانیوں کا بھی دل میں اندیشہ تھا کہ ہم کوئی ایسا کام نہ کریں کہ جس سے وہ یار دوست ہمیں ملامت کرینگے۔

اللومۃ ایک بار ملامت کرنا۔ مصدر ہے مرۃ کے معنیٰ میں۔ اسے مرۃ کے معنے اور لائم کو نکرہ لانے میں دو مبالغے مطلوب ہیں گویا یوں کہا گیا ہے کہ مومن کسی ملامت گر کی ملامتوں سے اندیشہ نہیں کرتے۔ مبالغہ اول لومۃ میں بایں معنیٰ ہے کہ وہ ہر طرح کے ملامت گر کی پروا نہیں کرتے۔ اس سے مبالغہ اس لیے حاصل ہوا کہ نکرہ نفی کے بعد واقع ہو تو اس سے مطلوب ہوتا ہے ذٰلِكَ یہ مذکورہ بالا اوصاف جلیلہ کی طرف اشارہ ہے کہ اس قوم کو محبت و نرم دلی و عزت و مجاہدہ فی سبیل اللہ اور نفی خوف الملامۃ و نفی ملامۃ لائم سے موصوف کیا گیا ہے۔ فَضْلُ اللّٰهِ اس کا فضل اور لطف و احسان ہے نہ یہ کہ خود بخود اُن اوصاف سے موصوف ہوئے يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وہ عنایت فرماتا ہے جسے چاہتا ہے یعنی جسے ایسے اوصاف سے موصوف کرنا چاہتا ہے تو اسے ان اوصاف کے حصول کی توفیق عنایت فرماتا ہے

تاکہ وہ بہ تقاضائے حکمت و مصلحت اسے حاصل کریں وَاللّٰہُ وَاسِعٌ اور بہت بڑے فضل و کرم اور الطاف کا مالک ہے عَلِیْمٌ جمیع اشیاء پر اس کا علم محیط ہے منجملہ ان کے یہ بھی اسے معلوم ہے کہ ان میں فضل اور توفیق کا اہل کون ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

سکندر را نمی بخشند آبے

بزور و زر میسر نیست این کار

ترجمہ: سکندر کو آبِ حیات نہ بخشا، زور و زر سے ایسے کام نصیب نہیں ہوتے۔

تفسیر صوفیانہ بعض ایسے سالک بھی ہوتے ہیں جن کے عقبات اور حجابات ستر سال کے بعد ہٹتے ہیں اور بعض ان میں وہ ہیں جو یہ منازل بیس سال میں طے کرتے ہیں بعض وہ ہیں جنہیں دس سال میں یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے بعض صرف ایک ماہ میں طے کر لیتے ہیں۔ بعض کو ایک ہفتہ لگتا ہے اور بعض صرف ایک گھنٹہ میں حاصل کر لیتے ہیں بعض کو صرف آنکھ جھپکنے میں نصیب ہو جاتا ہے۔ یہ توفیقِ الٰہی اور عنایت ربّانی سے ہوتا ہے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے والے جادوگروں کو دیکھئے کہ انھیں اس مرتبہ کے حصول میں کتنی دیر لگی، انہیں صرف ایک لمحہ میں یہ نعمت نصیب ہوئی جبکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھا تو کہا اٰمنا برب العٰلمین۔ اور اسی آن میں طریقِ حق کا مشاہدہ فرما لیا اور منزل طے ہو گئی یہاں تک کہ ایک سیکنڈ میں عارف باللہ بن گئے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ کے متعلق سب کو معلوم ہے کہ دنیوی امور میں بہت اونچے تھے۔ لیکن جب انہوں نے دنیا سے منہ موڑا اور طریقِ حق چاہا تو کامل ولی بن گئے انہیں صرف اتنی دیر لگی کہ وہ بلخ سے روانہ ہوئے اور مرو الروز میں پہنچے تو عارف کامل تھے یہاں تک کہ ایک مرد کو دریا کے پل پر دیکھا کہ وہ پل سے گر کر پانی میں ڈوبنے والا ہے آپ نے دریا کے کنارے پر کھڑے ہو کر اس مرد کو اشارہ کیا کہ یہاں ٹھہر جا۔ تو وہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی کرامت سے وہیں ٹھہر گیا، پانی میں ڈوبنے سے بچ گیا اور سہارے کے بغیر ہوا میں لٹکا رہا، یہاں تک کہ اُسے اُٹھا لیا گیا۔

حکایت حضرت رابعہ بصری کسی کی لونڈی تھیں جب وہ بوڑھی ہو گئیں تو انہیں بیچنے کے لیے سارے بازار میں پھرایا گیا کسی نے بھی خریدنے کی طرف رغبت نہ کی۔ بصرہ کے ایک تاجر نے اُن کے حال پر رحم کھا کر صرف سو درہم میں انہیں خرید کر فی سبیل اللہ آزاد کر دیا۔ بی بی صاحبہ آزاد ہوتے ہی عبادتِ الٰہی میں لگ گئیں ایک سال کے اندر ولیہ بن گئیں یہاں تک کہ ان کے مرتبہ کے پیشِ نظر بصرہ کے قراء (حفاظ) و علماء اُن کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے۔

ف : پس عنایتِ الٰہی نہ سنبھالے اور فضلِ ربّانی شاملِ حال نہ ہو تو اسے اس کے نفس کے سپرد کیا جاتا ہے تو وہ پھر ستر سال تک ایک ہی منزل میں بھٹکتا رہتا ہے اور بہت سے ایسے ہیں جو اس پُرپیچ وادی میں عرصۂ دراز تک دھکے کھاتے رہتے ہیں جنہیں منزل نصیب ہوتی بہرحال یہ راہ پُرپیچ اور بہت عمیق ہے کسی خوش قسمت کو نصیب ہوتا ہے۔

سوال : اسے مخصوص بندے سے مخصوص کرنے کا کیا معنی اور دوسرے کو محروم کیوں حالانکہ جد وجہد اور دعویٰ عبودیت میں دونوں مشترک ہیں۔

جواب : اس سوال کا جواب خود اپنے جلال کے پردوں سے حکم صادر فرماتا ہے کہ کچھ مرتبہ نہیں ملتا تو نہ ملے تو اپنے شغل پر مداومت کر اور عبودیت کا حق ادا کر کے سِرِّ ربوبیت کو پہچان تو اپنا کام کیے جا۔ اس کریم سے سوال کا ہے کا۔ اس سے سوال نہیں کیا جاتا۔ وہ جس سے چاہے جیسے چاہے کرے یہ اللہ کریم کے اپنے اندازے ہیں اور اسی کا فضل و کرم ہے وہ جسے چاہے اپنا فضل عطا فرماتا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں ہے اور اس کے فضل و کرم کی کوئی انتہا و غایت نہیں ؎

رضا بداده بده وز جبین گره بکشائی
کہ بر من و تو در اختیار نکشادست

ترجمہ : رضا و تسلیم عمل میں لا ماتھے پر بَل نہ ڈال (اس لیے) ہم میں سے کسی پر بھی اختیار کا دروازہ نہ کھولا۔

اے اللہ تعالیٰ ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جن پر تیری نظرِ عنایت ہے اور جن کی حمایت تیری توفیق کرتی ہے اور جنہیں تیری ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ (آمین یا رب العالمین)

تفسیر عالمانہ

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔

ربط : سابقاً کہا گیا کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ اس لیے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں لیکن تمہارے دشمن ہیں تمہارے دوست صرف اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور اہلِ ایمان ہیں فلہٰذا تم بھی صرف انہیں دوست بناؤ ان کے غیر سے دُور رہو۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی غیر اللہ سے دشمنی کا نام ہے، جیسے حضرت خلیل علیہ السلام نے کہا : فانهم عدوٌّ لی الا رب العالمین اور رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے دوستی نفس سے دشمنی اور خواہشاتِ نفسانیہ کی مخالفت کو کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف : چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لایؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ۔	تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنی خواہش کو میرے لائے ہوئے احکام کے تابع نہ کرے۔

حدیث شریف: اور فرمایا:

لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ ومالہ وولدہ والناس اجمعین۔	تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نفس و مال اور اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب تر نہ جاؤں۔

ف: مومنین سے دوستی کا نام یہ ہے کہ ان سے صرف دین کے لیے بھائی چارہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انما المؤمنون اخوۃ۔	بیشک سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

حدیث شریف: اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ۔	تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی مسلمان کے لیے وہ اچھا نہ سمجھے جو اپنے لیے سمجھتا ہے۔

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ یہ الذین اٰمنوا سے بدل ہے یعنی مومن وہ ہیں جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں وَھُمْ رٰکِعُوْنَ یہ دونوں فعلوں کے فاعلوں سے حال ہے یعنی وہ نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں خشوع اور خضوع کرنے والے ہیں اس سے مومن مخلص اور غیر مخلص کا امتیاز مطلوب ہے تاکہ معلوم ہو کہ پُر اخلاص کون ہے اور منافق کون، اس لیے کہ نماز و زکوٰۃ کی مواظبت کرنے سے اور انہیں خشوع اور رضائے الٰہی کے لیے ادا کرنے سے اخلاص اور منافقت کا پتا چلے گا وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور جو اللہ تعالیٰ اور رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کو دوست بناتا ہے فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ پس بیشک اللہ تعالیٰ کا گروہ غالب ہے۔

سوال: ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانے میں کیا فائدے ہیں فانھم کے بجائے فان حزب اللہ الخ کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: تاکہ تنبیہ ہو کہ یقینی طور صرف وہی اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے اور یہی ہمیشہ غالب رہے گا، گویا یوں

ایا کہ جو ان سے دوستی کرتا ہے وہی اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے اور وہی ہمیشہ غالب ہوگا ۔ پھر انہیں اپنی طرف منسوب کرکے ان کی بزرگی کا اظہار مطلوب ہے اور اس کو تعریض ہوگی جو اللہ تعالیٰ اور رسول پاک اور ان کے غیر سے محبت کرتا ہے اس کا انجام یہ ہے کہ وہ شیطان کا گروہ ہے ۔

حزب ، حزب جب کسی کی طرف مضاف ہو تو اس سے مخصوص دوست مراد ہوتے ہیں ۔ مثلاً کہا جاتا ہے : حزب الرجل ای اصحابہ دراصل اس گروہ کو کہتے ہیں جو کسی ایسے امر کے لیے مجتمع ہو جو انہیں ستائے ۔ مزید یعنی اصحابہ مستعمل ہوتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ کے ظاہری دشمن ہوں یا باطنی جیسے خواہشات اور نفس و شیطان ان پر محض نصرت ایزدی سے غلبہ پایا جاتا ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ،

اِن تنصروا اللّٰہ ینصرکم ۔

اور نصرت و غلبہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہی ہوتا ہے اس لیے کہ عزت دینے والا وہی ہے اور عزت اسی سے ہی نصیب ہوتی ہے ۔

معراج کی رات اُمت کی شکایات کی فہرست مروی ہے کہ شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام سے اُن کی اُمت کی چند شکایات بتائیں جو مندرجہ ذیل ہیں ،

(۱) میں نے انہیں آیندہ کے لیے کسی امر کا مکلف نہیں بنایا اور وہ مجھ سے آئندہ کے رزق کا مطالبہ کرتے ہیں ۔

(۲) میں نے ان کا رزق کسی کے ہاتھ میں نہیں رکھا اور وہ اپنے اعمال میرے غیر کی طرف لے جاتے ہیں ۔

(۳) رزق میرا کھاتے ہیں شکر غیر کا کرتے ہیں ۔

(۴) میرے ساتھ مخالفت میری مخلوق سے موافقت ۔

(۵) عزت میرے ہاتھ میں ہے اور سب کو عزت دینا میرا کام ہے اور وہ میرے غیر سے عزت طلب کرتے ہیں ۔

(۶) میں نے جہنم صرف کافروں کے لیے بنائی ہے لیکن یہ خود اپنے آپ کو جہنم میں لے جاتے ہیں ۔

سبق ، جو شخص بھی خواہشاتِ نفس کے تابع ہو کر تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس نہیں کرتا بلکہ وہ جد و جہد کرکے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی صف میں کھڑا کرنا چاہتا ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی قسم کی مدد نہیں نصیب ہوگی اس لیے اللہ تعالیٰ پر جرأت ۔ وبیباکی کرنا سوائے خسارہ اور نقصان کے اور کچھ

نصیب نہیں ہوتا۔

ف : یاد رہے کہ خواہشات نفس کے ہی تقاضے ہیں اور نفس ظلمانی ہے اور ظلمانی سے ظلمت ہی پیدا ہو گی۔
مثنوی شریف میں ہے : ؎

(۱) عکس نورانی ہمہ روشن بود
عکس ظلمانی ہمہ گلخن بود

(۲) عکس بر عکس را بدان ای دور بین
پہلوئے جنسے کہ خواہی مے نشین

ترجمہ :

سبق : مؤمن پر لازم ہے کہ نماز روزہ اور دیگر تمام عبادات بجالا کر نفس کا تزکیہ کرے تاکہ تمام رذائل اور گندے اخلاق اس سے دور ہو جائیں یہاں تک کہ باطنی دشمنوں پر غلبہ نصیب ہو اور ان پر غلبہ ظاہری دشمنوں پر غالب ہونے کی کنجی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام علیٰ نبینا وعلیہم السلام ہر وقت مظفر و منصور رہتے۔ لیکن یہ غلبہ اور ولایت اللہ تعالیٰ کے عطیات سے ہے ازل سے جسے نصیب ہوتی وہ خوش نصیب اس کا مستحق ہے جسے ازل میں نور کے چھینٹے ملے وہ کبھی تاریکی کا منہ نہیں دیکھے گا۔ اسی طرح جسے اس روز نور کا چھینٹا نصیب نہ ہوا وہ تا زیست ہدایت سے محروم رہے گا۔ نہ اُسے ابتدا زندگی میں یہ دولت نصیب ہو گی اور نہ ہی آخری وقت میں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بآبِ زمزم و کوثر سفید نتواں کرد
گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

ترجمہ : آبِ زمزم اور کوثر سے سفید نہیں کیا جا سکتا جس کے بخت کی گدڑی سیاہ تاگوں سے تیار کی گئی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ

اے ایمان والو جنہوں نے تمہارے دین کو

اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ

ہنسی کھیل بنا لیا ہے وہ جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور

قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى

کافر ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر ایمان رکھتے ہو اور جب تم نماز کے لیے

الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ

اذان دو تو اسے ہنسی کھیل بناتے ہیں یہ اس لیے کہ وہ نرے بے عقل لوگ ہیں تم فرماؤ اے

الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ

کتابیو تمہیں ہمارا کیا برا لگا یہی نہ کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور اس پر

قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً

جو پہلے اترا اور یہ کہ تم میں اکثر بے حکم ہیں تم فرماؤ کیا میں بتا دوں جو اللہ کے یہاں اس سے بدتر درجہ میں ہیں

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ

وہ جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں سے کر دیے بندر اور سور اور

وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَاِذَا

شیطان کے پجاری ان کا ٹھکانا زیادہ برا ہے اور یہ سیدھی راہ سے زیادہ بہکے اور جب

جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

تمہارے پاس آئیں تو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور وہ آتے وقت بھی کافر تھے اور جاتے وقت بھی کافر اور اللہ

بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

خوب جانتا ہے جو چھپا رہے ہیں اور ان میں تم بہتوں کو دیکھو گے کہ گناہ اور زیادتی اور

وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ

حرام خوری پر دوڑتے ہیں بیشک بہت ہی برے کام کرتے ہیں انہیں کیوں نہیں منع کرتے ان کے پادری

وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

اور درویش گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے بیشک بہت ہی برے کام کر رہے ہیں

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ

اور یہودی بولے اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے ان کے ہاتھ باندھے جائیں اور ان پر اس کہنے سے لعنت ہے بلکہ

مَبْسُوْطَتٰنِ یُنْفِقُ كَیْفَ یَشَآءُ وَلَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ

اسکے ہاتھ کشادہ ہیں عطا فرماتا ہے جیسے چاہے اور اے محبوب یہ جو تمہاری طرف تمہارے رب کے

اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّكُفْرًا وَاَلْقَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی

پاس سے اترا اس سے ان میں بہتوں کو شرارت اور کفر میں ترقی ہوگی اور ان میں ہم نے قیامت تک

یَوْمِ الْقِیٰمَةِ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَیَسْعَوْنَ فِی

آپس میں دشمنی اور بیر ڈال دیا جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور زمین میں

الْاَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ

فساد کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں اور اللہ فسادیوں کو نہیں چاہتا اور اگر کتاب والے ایمان لاتے

اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ

اور پرہیزگاری کرتے تو ضرور ہم ان کے گناہ اتار دیتے اور ضرور انہیں چین کے باغوں میں لے جاتے اور اگر

اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ

وہ قائم رکھتے توریت اور انجیل اور جو کچھ ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے اترا تو انہیں رزق ملتا

لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ

اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ان میں کوئی گروہ اگر اعتدال پر ہے اور

وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

ان میں اکثر بہت ہی برے کام کر رہے ہیں

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو)

شانِ نزول : رفاعہ بن زید اور سوید بن حارث دونوں اظہارِ اسلام کے بعد منافق ہو گئے۔ بعض مسلمان اُن سے محبت رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اُن کی دوستی سے روکا اور فرمایا: اے ایمان والو لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مت دوست بناؤ ان کو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا الذین اتخذوا الخ لا تتخذوا کا مفعول اول ہے اور اس کا مفعول ثانی اولیاء ہے اور دینکم، اتخذوا کا مفعول اول ہے اور اس کا مفعول ثانی ھزواً ہے الھزؤ تمسخر و استہزاء کو کہتے ہیں۔ اور اللعب فارسی میں بمعنے بازی (کھیل) ہے۔ منافقین کا دین استہزاء و لعب یہ تھا کہ وہ زبان سے تو اسلام کا دم بھرتے لیکن دل میں کفر چھپائے رکھتے تھے۔

ف : نہی کو دین سے استہزاء پر مرتب کرنے میں اس کی علت کی طرف اشارہ ہے اور تنبیہ ہے کہ جس کا یہ حال ہو کہ وہ دین

اہل کتاب وہ اس لائق ہے کہ اس سے دشمنی کی جائے نہ کہ اس سے دوستی اور یاری کا دم بھرا جائے۔

مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ یہ مِن بیانیہ ہے۔ استہزاء کرنے والوں کو بیان کیا ہے اور من قبلکم، اُوتوا سے متعلق ہے یعنی وہ جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے وَالْكُفَّارَ منصوب ہے اس کا عطف الذین اولیٰ پر ہے (یعنی الذین اتخذوا) اس سے مشرکین مراد ہیں اس لیے خصوصیت کی ہے کہ یہ دہرے کفر کے مرتکب تھے۔

خلاصہ یہ کہ تمہاری دوستی کسی ایسے سے نہ ہونی چاہیے جو دین کا مدعی ہو کر خواہش نفسانی پر عمل کر کے حق اور صواب دین میں لگا رہتا ہے جیسے اہل کتاب یہود و نصاریٰ یا وہ کسی دین کا پابند نہ ہو جیسے مشرکین اَوْلِيَآءَ ان مذکورین کو دوست نہ بناؤ بلکہ ان سے ہر ممکن دور رہو وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھ کر دوستی اور یاری سے بچو اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اور اگر تم سچے مومن ہو اس لیے کہ ایمان تقویٰ کا سبب ہے وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا جب تم نماز کے لیے اذان دو تو وہ نماز اور اللہ کو هُزُوًا وَّلَعِبًا ہنسی بناتے ہیں۔

شانِ نزول یہودیوں کی عادت تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن اذان دیتے تو وہ آپس میں ہنستے اور مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے ان کی سفاہت کی طرف اشارہ کر کے تمسخر کرتے اور کہتے کہ ان کی جہالت کا حال دیکھو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں اس سے ان کا مقصد اہل اسلام سے نفرت دلانا مقصود تھا اور چاہتے تھے کہ داعی اسلام سے عوام متنفر ہو جائیں۔

ذٰلِكَ یہ استہزاء مذکور کی طرف اشارہ ہے بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ اس لیے کہ وہ ایسے بے عقل لوگ ہیں یعنی آپ کے اس استہزاء سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں عقل ہے ہی نہیں اس لئے اسی کم عقلی ہی انہیں محاسنِ حق سے ہنسی مذاق کرا رہی ہے ورنہ اگر انہیں عقل ہوتی تو ایسے اعلیٰ ترین عمل پر ہنسی مذاق کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) کشتی بے لنگر آمد مرد شر　　　که ز باد کژ نیابد او حذر

(۲) لنگر عقل ست عاقل را امان　　　لنگر دریوزه کن از عاقلاں

ترجمہ: (۱) کشتی بے لنگر ہے شریر مرد کہ اسے بادِ مخالف سے ڈر نہیں لگتا۔

(۲) لنگر عقل ہے عقلمند کے لیے امان ہے تم عقلمند سے جا کر اس لنگر کی خیرات مانگو۔

مسئلہ: علماء کرام فرماتے ہیں کہ اذان نماز کا ثبوت صرف خواب والی احادیث سے نہیں بلکہ وہ اس آیت کریمہ سے بھی ثابت ہے اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ جب تم اذان دے کر لوگوں کو نماز کے لیے بلاؤ۔

ف : اذان و ندا، یعنے بلند آواز سے کسی کو بلانا۔

اذانِ نماز کے نکات

اذان میں چند حکمتیں ہیں:

(۱) شعائرِ اسلام کا اظہار

(۲) کلمۂ توحید کا اظہار

(۳) نماز کے وقت کے داخل ہونے کی خبر دینا۔

(۴) اور خبر دینا کہ نماز پڑھنی ہے۔

(۵) نماز با جماعت کی دعوت دینا وغیرہ۔

سوال: مؤذن خوش آواز تو ہے لیکن مزدوری مانگتا ہے یا تنخواہ کا طالب ہے دُوسرا وہ ہے جو اذان تو مفت
دیتا ہے لیکن ہے کریہہ الصوت۔ ان میں کسے مؤذن مقرر کیا جائے۔

جواب: اس کے متعلق فقہاء کے دو قول ہیں اصح یہی ہے کہ خوش الحان کو اذان کے لیے مقرر کیا جائے
اس لیے کہ اُس کی اذان سے عوام کے دل میں تاثیر پیدا ہوگی جیسے کریہہ الصوت سے نفرت و کراہت۔

حکایت مثنوی شریف

ایک بد آواز مؤذن نے کافروں کی بستی میں اذان کہہ ڈالی، اسے لوگوں نے بہت
سمجھایا کہ تیری اذان سے فتنہ اٹھتا ہے اسلام کو کسی قسم کا فائدہ نہیں بلکہ نقصان
ہے، اس لیے کہ اذان خوش الحان آدمی کو دینی چاہیئے۔ وہ جواب دیتا کہ کافروں کے علاقہ میں اذان سے اس
کو فائدہ ہوگا، حالانکہ درحقیقت بہت بڑا نقصان ہو رہا تھا۔ کافر اس کی اذان سے خوش تھے کہ اس
اذان سے مسلمانوں کا دینی نقصان ہو رہا تھا۔ چنانچہ کافروں نے اُسے ہدایا و تحائف سے بھرپور کر دیا۔ کوئی
پیش کر رہا ہے تو کوئی اسے بہترین طعام پکا کر کھلا رہا ہے تو کوئی اسے حلوہ دیتا ہے کوئی مٹھائی پیش کرتا
اس لیے کہ انہیں اس کی اذان سے بہت فائدہ پہنچا۔ ان میں کافروں کی ایک لڑکی تھی جسے اسلام سے
ہوگئی تھی اسے کافروں نے ہر چند سمجھایا مگر وہ کسی کی نہ مانتی تھی۔ ایک دن اس لڑکی نے اس مؤذن کی آ
سُن لی۔ خوفزدہ ہوکر پوچھنے لگی یہ مکروہ آواز کیسی ہے؟ میں نے زندگی بھر ایسی گندی آواز کبھی نہیں سنی۔ ا
کی بہن نے کہا: جس اسلام سے تجھے محبت ہے یہ آواز اس کی نماز کا اعلان ہے۔ لڑکی کو اس کی بات
یقین نہ آیا، کسی دوسرے سے پوچھا کہ یہ گندی آواز کیسی ہے؟ کہا گیا: یہ مسلمانوں کی اذان ہے۔ ج
اسے یقین ہوگیا تو مسلمانی سے بیزاری کا اظہار کر دیا اور کہا اگر مسلمانوں کی اذان ایسی ہے تو میں ا
عذاب سے پناہ مانگتی ہوں اس لیے کہ اس ہیبت ناک آواز سے میری نیند حرام ہوگئی ہے۔ شکر ہے جب
عذابِ جہنم کا ڈر مجھے کفر کی وجہ سے سنایا جاتا تھا اس کا خطرہ میرے دل سے دفع ہوگیا حالانکہ اس کی آ

سے پہلے میں ایمان کی وجہ سے بے خوف وخطر سوتی تھی لیکن اس کی آواز سے مجھے محسوس ہوا کہ عذاب اس سے نہیں ہوگا لہٰذا مجھے ایسے ایمان سے کفر بھلا۔ یہ کہہ کر اُس مؤذن کو ہدیہ وتحفہ پیش کر کے کہا تو میرا محسن ہے ایمان سے بچا کر کفر کی طرف لوٹایا۔ اس وقت اگر میرے پاس زر اور دولت ہوتی تو تیرا دامن بھرتی۔

یہ تھی کہانی مؤذن بدآواز کی جس سے نتیجہ نکلا کہ مؤذن خوش آواز ہونا چاہیے۔

اذان کے فضائل

حدیث شریف میں ہے:

(۱) بہشت میں سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام داخل ہوں گے، پھر شہداء، حضرت بلال ان کی معیت میں کعبۂ معظمہ کے تمام موذن، پھر بیت المقدس کے موذن، پھر مدینہ طیبہ مسجد نبوی کے موذن، پھر دنیائے اسلام کے تمام مؤذن بقدر اعمالِ صالحہ۔

(۲) تین ایسے شخص ہوں گے جنہیں حساب کا خطرہ نہ ہوگا اور نہ ہی گھبراہٹ ہوگی:

(ا) باعمل حافظِ قرآن اللہ تعالیٰ کے سردار اور معظم بالشان ہو کر حاضر ہوگا۔

(ii) موذن جس نے سات سال محض فی سبیل اللہ اذان پڑھی ہو۔

(۳) عبد مملوک جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی کمی نہ ہو اور اپنے آقا کے حقوق بھی پورے طور پر کیے ہوں۔

مسئلہ: جو شخص امامت و اذان دونوں ادا کر سکتا ہو اس کے لیے نہایت افضل ہے اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت پر مداومت فرمائی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان اس لیے نہ دی کہ اگر کوئی آپ کی اذان سن کر نماز کے لیے حاضر نہ ہوتا تو وہ کافر ہو جاتا۔

دوسرا یہ کہ مؤذن ہو کر داعی بنتے تو کسی دوسرے نبی کی شہادت کے لیے۔

تیسرا یہ کہ اشهد ان محمد رسول الله خود اذان میں کہتے تو اس سے وہم کیا جا سکتا تھا کہ ان کے علاوہ کوئی اور نبی بھی ہے۔

چوتھا اس لیے کہ جب خواب میں اذان کے کلمات کسی نے دیکھے اور آپ کو سنائے گئے تو آپ نے بلال کو فرمایا کہ اذان پڑھو۔ اگر آپ کے پڑھنے کی بات ہوتی تو آپ کسی اور کو حکم نہ فرماتے۔

پانچویں اس لیے کہ آپ جس عمل کو شروع فرماتے اس پر مداومت فرماتے۔ آپ کو رسالت کے امور میں اتنی مشغولیت تھی کہ اذان کے لیے وقت نہ نکل سکتا تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا

اگر خلافت کے امور میرے سپرد نہ ہوتے تو میں اذان دیتا۔

مسئلہ: گانے کی آواز میں اذان کہنا مکروہ ہے۔

حکایت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی مجھے آپ سے مح[بت] ہے۔ آپ نے فرمایا لیکن میں آپ کو مبغوض سمجھتا ہوں۔ اُس نے عرض کی: وہ کیوں آپ نے فرمایا: اس لیے کہ میں نے سنا ہے کہ تو گانے کی آواز میں اذان کہتا ہے۔

ف: گانے کی آواز کا مطلب یہ ہے کہ اذان کے الفاظ بگاڑے جائیں۔ مثلاً لفظ اللہ کے ہمزہ کو کھینچ [کر] آللہ کہا جائے اس لیے کہ اس میں استفہام کا معنیٰ پیدا ہوجاتا ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ میں شک [و] استفہام کیسا۔ ایسے ہی اکبر کے بجائے اکبار یعنی بار کو کھینچ کر کہا جائے، اس لیے کہ اکبار شیط[ان کا] نام ہے وغیرہ۔

مسئلہ: اذان کے کلمات اور اس کی اجابت ہر اس شخص پر واجب ہے جو اذان کے کلمات سن[ے] اگرچہ جنب یا حائضہ ہو، بشرطیکہ وہ پیشاب پاخانہ نہ پھر رہا ہو۔ اسی طرح جماع کرتے ہوئے بھی کلمات نہ کہے۔

مسئلہ: تاج الشریعۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اذان کی اجابت سنّت ہے۔

مسئلہ: امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اجابتِ اذان مستحب ہے۔

اذان میں انگوٹھے چومنے کا ثبوت ضعیف حدیث[1] سے ثابت ہے کہ انگوٹھے اور شہاد[ت] کی انگلیوں کو چوم کر آنکھوں پر لگایا جائے جب مؤذن ک[ہے] اشھد ان محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس لیے کہ یہ حدیثِ مرفوع سے ثابت نہیں لیکن محد[ثین] کا اتفاق ہے کہ صرف ترغیب وترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: حیّ علی الصّلوٰۃ کے وقت لاحول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم پڑھے، یعنی اذ[ان] سننے والا یہی کلمات پڑھے اور حی الفلاح کے وقت کہے ماشاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن او[ر] الصلوٰۃ خیر من النوم (صبح کی اذان کے وقت) کے جواب میں کہے صدقت و بالخیر نطق[ت] اور قد قامت الصلوٰۃ کے وقت کہے اقامھا اللہ و ادامھا، اور اس کے بعد فعلی طور پر تکبیر کا جوا[ب]

---

[1] ضعیف احادیث سے مستحبات ثابت کیے جاتے ہیں اور انگوٹھے چومنا بھی مستحب ہے۔ مزید تفصیل فقیر کے رسالہ "انگوٹھے چومنے کا ثبوت" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

...ذکر قولی یعنی نماز کی نیت کر کے نماز میں شروع ہو جائے۔

...ث شریف حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مردوں اور عورتوں کی صفوں میں کھڑے ہو کر فرمایا:

یا معشر النساء اذا سمعتن اذان هذا الحبشی واقامة فقلن کما یقول فان لکن بکل حرف الف درجة۔

اے عورتو! جب تم اس حبشی (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) کی اذان اور اقامت سنو تو تم بھی اس کے کلمات کو ساتھ پڑھتی جاؤ، اس کے ایک حرف کے عوض بہشت میں ہزار درجات نصیب ہونگے۔

...ت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

هذا فی النساء فما للرجال۔

یہ تو عورتوں کے لیے ہوا اگر وہی کلمات مرد موذن کے ساتھ دہرائیں تو ان کو کتنا ثواب ملے گا۔

...آپ نے فرمایا:

ضعفان یا عمر۔ (اے عمر! عورتوں کے ثواب سے دُگنا)

...سیر صوفیانہ حضرت شیخ الشہیر با قتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وُہ کلام اور وہ جواب جو مؤذن کہتا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر۔ تو اس وقت اگر عظمتِ الٰہی اور اس کی ...ائی کے پردے اُٹھ جائیں اور بوقتِ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدانیت کے جلوے منکشف ہو جائیں ...شہد ان محمد رسول اللہ کے وقت حقانیت کے حجابات دُور ہو جائیں اور حی علی الصلوٰة و الفلاح ...ب کی مطلوب کی طرف طلب کا ظہور ہو اور اللہ اکبر اللہ اکبر ذات کے جلوے نظر آ جائیں تو ...زہے قسمت۔

...اذان (۱) اگر مسافر کے جانے کے بعد اذان دی جائے تو واپسی تک با امان رہے گا۔

(۲) نومولود بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت پڑھی جائے تو وہ بچہ ...ام الصبیان سے محفوظ رہے گا۔

(۳) کسی کو یہی مرض لاحق ہو تو بھی مسطورہ بالا طریق سے اذان و اقامت کہی جائے تو بھی صحت و ...عافیت حاصل ہو گی۔

(۴) آگ لگ جائے،

(۵) سیلاب آجائے،

(۶) سردی کا حملہ ہو،

(۷) کوئی خوف لاحق ہو، اذان کہی جائے تو امن وسلامتی نصیب ہوتی ہے۔ (کذا فی اسرار المحمدیہ)

فائدہ صوفیانہ اذان میں درحقیقت دعوت الی اللہ کی طرف اشارہ ہے اور موذن حقیقت میں وہ جو وارث محمدی ہے وہ اہلِ غفلت اور اہلِ حجاب کو مقامِ قرب اور محلِ خطاب کی طرف بلاتا ہے جو استماعِ حق سے محروم ہے وہ الٹا داعیِ حق سے بوجہ جہالت وضلالت کے اور اس کی دعوت سے استہزاء کرتا ہے اور حق کی طرف کان لگاتا ہے تو دعوتِ حق کو قبول کر کے حضرت عزت تک پہنچ جاتا ہے اور اسے لذتِ شہودِ جمال کا ادراک پالیتا ہے، پھر وہ اسرار وصال سے سرشار ہوجاتا ہے ؎

جوانا سر متاب از پند پیران
کہ رائے پیرت از بختِ جواں بہ

ترجمہ: اے جوان! بوڑھوں کی نصیحت سے منہ نہ پھیر اس لیے کہ بخت جواں سے بوڑھے کی رائے بہتر ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ اہلِ کتاب کی ایک جماعت نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، آپ کا دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب جو میرے اوپر نازل ہوئی اور دیگر سب کتابیں جو مجھ پر پہلے نازل ہوئیں یعنی حضرت ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب اور ان کی تمام اولاد اور جو کچھ موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اجمعین کو احکام دئے گئے اور علاوہ ازاں دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کہ جنہیں کتابیں دی گئیں ان سب پر میرا ایمان ہے ہم کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ جب انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے دنیا و آخرت میں کمزور اور پُر از شر و رو فتن کوئی دین نہیں دیکھا۔ اس پر یہی آیت نازل ہوئی۔ یعنی آپ فاسق و فاجر یہودیوں سے فرمائیے۔

هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ کیا تم عیب لگاتے ہو۔ نقم منہ سے ہے۔ یعنی جب کوئی کسی کو عیب لگائے یا اس سے کراہت کرے اور اس پر انکار کرے۔ تنقمون ای ما تعیبون و ما تنکرون من دیننا یعنی جتنا تم ہمارے دین پر عیب لگاتے ہو اور اس سے انکار کرتے ہو اس کی کوئی وجہ بھی نہیں

اٰمَنَّا بِاللّٰہِ سوائے اس کے ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں ۔ یہ تنقمون کا مفعول لہ اور
یا مفعول بہ محذوف ہے جو کہ الدین تھا وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا اور جو کچھ ہمارے اوپر نازل کیا گیا
یعنی قرآن مجید مراد ہے وَمَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلُ اور جو کچھ ہم سے پہلے نازل کیا گیا یعنی تورات و
انجیل اور باقی تمام آسمانی کتابیں وَ اَكۡثَرَكُمۡ فٰسِقُوۡنَ اور بہت سے تم میں سے فاسق ہیں ۔ اس کا
عطف اٰمنّا پر ہے ۔ یعنی اکثر تمہارے سرکش اور مذکورہ امور پر ایمان نہ رکھتے ہوئے خارج از اسلام
ہیں یہاں تک کہ انہیں کہا جائے کہ اگر تم ہماری کتاب کی تصدیق اپنی کتاب سے کر لو تو پھر لامحالہ ایمان لاؤ۔

سوال : ان کے اکثر کو فاسق کہا گیا حالانکہ وہ سب کے سب فاسق تھے ۔

جواب : چونکہ اکثر ان میں تمرد و فساد میں یکتا تھے اور دوسرے ان کے تابعدار تھے ۔

ف : بعض کہتے ہیں اس کا عطف اٰمنّا پر ہے اور مفعول بہ ہے ۔ لیکن یہ بات نہیں کہ وہ دونوں معطوف
مستثنیٰ ہے بلکہ اس کا استثنائیہ ہے جو ان کو مستلزم ہے یعنی مخالفت سے مستثنیٰ ہے گویا انہیں کہا گیا کہ
تم ہم سے پہلے اس لیے کراہت کرتے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور یہی
وجہ ہے کہ تمہاری مخالفت کی، ہم مومن ہیں اور تم خارج از ایمان ہو ۔

قُلۡ هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ یہ یہودیوں کو خطاب ہے بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰلِكَ اس سے منقوم ہے
جس سے نفرت و کراہت کی گئی) یعنی ایمان، اور منقوم منہم یعنی مؤمنین مراد ہیں ۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا
کہ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! یہودیوں کو فرمائیے کہ "کیا بتاؤں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے
حقیقۃً بدتر و درجہ میں ہیں، نہ کہ وہ بدتر ہے جسے تم نے سمجھ رکھا ہے یعنی دینِ اسلام ۔ اگرچہ وہ تمہارے کہنے
سے برا نہیں ہو سکتا لیکن تم نے اسے برا سمجھ رکھا ہے یہ تمہاری غلطی ہے ۔

ف : ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شر یہاں پر افضل التفضیل کے معنیٰ میں نہیں بلکہ اس سے
مطلق شر مراد ہے اس لیے کہ دینِ اسلام میں تو شر نہیں ۔ ورنہ معنیٰ یوں ہوگا کہ دین شر ہے (معاذ اللہ)
اور اس کا بالمقابل زیادہ شر۔

مَثُوۡبَةً عِنۡدَ اللّٰهِ درجہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں، یعنی وہ جزاء اللہ تعالیٰ کے ہاں
ثابت اور اس کے حکم میں ہے ۔

ف : مثوبۃ کا اطلاق خیر سے مخصوص ہے جیسے عقوبۃ شر سے اختصاص رکھتی ہے ۔

سوال : یہاں تو شر مراد ہے پھر اسے عقوبۃ کہنا تھا مثوبۃ کیوں کہا گیا ؟

جواب : تہکم کی بنا پر ہے جیسے منافقین کو بِشِّرِ کہا گیا مثوبۃ شر سے تیز ہونے کی وجہ سے

منصوب ہے۔

مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے۔ اور اس کا مضاف بھی محذوف ہے جو ذالک کا مشارالیہ ہے، یعنی لفظِ دین محذوف ہے اور اس کا مضاف بھی محذوف ہے۔ دراصل عبارت یُوں تھی:

دین من لعنه الله الخ

اس سے یہود مراد ہیں۔ اب معنی یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رحمت سے دُور فرما دیا اور اُن کے کفر کی وجہ سے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور جبکہ انہیں واضح طور پر آیات کا علم ہوگیا ہے پھر بھی معاصی میں منہمک ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں دھتکارا۔

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ اور ان میں داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیا اس لیے داؤد علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا کی، جب انہوں نے ہفتہ کے متعلق حد سے تجاوز کیا اور اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال سمجھا اور ان میں بعض حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں خنزیر کی صورت میں تبدیل ہُوئے جبکہ انھوں نے مائدہ نازل شدہ سے کھا کر نافرمانی کی (اس کی تفصیل گزر چکی ہے) باوجودیکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مشاہدہ بھی کیا تاہم کفر پر تُلے رہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے اُن سے ناراض ہو کر اُن کی شکلیں تبدیل کر دیں۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں یہ دونوں مسخ ہفتہ والوں میں واقع ہوئے اس لیے نوجوانوں کی شکلیں بندروں کی اور بوڑھوں کی خنزیروں کی سی ہوگئیں۔

اعجوبہ: جب یہ آیت اُتری تو مسلمانوں نے یہودیوں سے کہا: اے بندروں اور خنزیروں والو! تمہارا کیا حال ہے؟ اس سے ان کی گردنیں شرم کے مارے جُھک گئیں اور سخت رُسوا ہُوئے۔

وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اس کا عطف مَن کے صلہ پر ہے یعنی اور عبد کی ضمیر مستتر، مَن موصولہ کی طرف راجع ہے، یعنی وہ شیطان کے پُجاری ہیں کہ اس نے ہی انھیں ان امور پر ابھارا۔

اُولٰٓئِكَ یہی لوگ جن کے قبائح وفضائح بیان کیے گئے ہیں شَرٌّ مَّكَانًا ان کا ٹھکانا بہت بُرا ہے۔ اُن کا ٹھکانا زیادہ بُرا اس لیے بتایا تاکہ انہیں اپنے کرتُوتوں کا علم ہو جائے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہُوا کہ ان کا دین بہت بُرا تھا اس لیے انھیں یہ سخت سزا اسی وجہ سے ملی۔

وَاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ اور یہ سیدھی راہ سے زیادہ بہکے۔ اس کا عطف

ہے اس کے حق میں پختگی پیدا کرنے کے لیے ہے یعنی وہ سیدھی راہ سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں
بعید ، اس لیے کہ اگر وہ بُرے نہ ہوتے اور حق سے بعید تر نہ ہوتے تو وہ اس بُرے دین کو
تے۔

دونوں مقام پر شر افعل التفضیل نہیں بلکہ مطلق شر کے معنی میں ہے اس لیے کہ یہ دین اتنا بعید از حق
کہ اس کا کوئی اور بالمقابل نہ تھا کہ جس سے اس کی اصل شرارت و گمراہی کا مقابلہ کرایا جا سکے۔

ہر گروہ اپنے بنائے ہوئے قوانین پر خوش ہوتا ہے اور اپنے سے غیروں کے دین کو بُرا
سمجھتا اور اس سے کراہت و نفرت کرتا ہے لیکن دینِ حق زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کی
کی جائے۔

سچے مومن کی علامت ہے کہ وہ مومن سے محبت کرتا ہے اس لیے کہ اہلِ ایمان سے محبت کرنا اخلاقِ حسنہ
اوصافِ شریفہ سے ہے۔

لیاء کرام کے فضائل

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جو نہ انبیاء (علیہم السلام) ہیں نہ ہی شہداء۔ لیکن قیامت میں ان کے درجات
دیکھ کر انبیاء اور شہداء رشک کریں گے۔ عرض کی گئی: حضور! وہ کون حضرات ہوں گے ہمیں بھی ان کا
تعارف کروائیے اور اُن کے اعمال بھی بتائیے (تاکہ ہم بھی اس زمرہ میں شامل ہو سکیں) یا کم از کم
سے محبت تو کریں۔ آپ نے فرمایا: وہ ہیں جو رشتہ داری اور مال و دولت کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ
لیے آپس میں محبت کریں گے، بخدا اُن کے چہرے انوار سے چمکیلے ہوں گے اور نور کے منبروں پر
ہیں گے اس دن جبکہ اور لوگ خوفزدہ ہوں گے انہیں کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا اور جب لوگ غم سے
ے ہوں گے وہ ہر قسم کے غم سے محفوظ ہوں گے۔

لیاء کرام کی علامات

حضرت عبداللہ سلمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ اولیاء کرام کی کوئی علامت بھی ہے جس سے ہم انہیں پہچان سکیں کہ واقعی یہ
لیاء اللہ ہیں۔ فرمایا: اُن کا کلام نرم اور خلق حسن میں یکتا اور چہرے پر بشاشت ٹپکتی ہے اور وہ
خاوت کرتے ہیں اور ہر ایک سے شفقت سے پیش آتے ہیں اور ہر ایک کا عذر قبول کر لیتے ہیں۔ حضرت
شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

تاج شاہی طلبی گوہر ذاتی بنمای
ور خود از گوہر جمشید و فریدوں باشی

ترجمہ : شاہی کا طالب ہے تو ذاتی جوہر دکھا پھر خود بخود تو جمشید بھی ہے اور فریدون بھی۔

ف : حضرت الشیخ الشہیر بافندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارے دور میں پیرامیوں اور جلوتیوں میں اسی طرح پھران کا سید بخاری کے مریدوں کا آپس میں جھگڑا اور بغض وعداوت رہتی ہے حالانکہ اہلِ حق کی نشانی تو یہ ہے کہ دل میں کسی کے متعلق بغض وعداوت نہ ہو اس لیے کہ ہم آدم تا اینڈم یعنی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک کسی سے کسی کے متعلق بغض وعداوت منقول نہیں، نہ انبیاء علیہم السلام کی آپس میں اور نہ اولیاءِ کرام کے متعلق ایک دوسرے سے، حالانکہ اُن کے دور میں بیک وقت تین تین چار چار نبی مختلف علاقوں میں نبوت کا پیغام سناتے رہے۔ اسی طرح ان کے تابعداروں میں سے کسی ایک کی دوسرے پر طعن تشنیع کی روایت منقول نہیں۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

دلم خانۂ مہر یار ست وبس
ازاں می نگنجد درو کین کس

ترجمہ : دل مہر ومحبت یار کا گھر ہے اسی لیے اس میں کسی کے کینے کی جگہ نہیں۔

فائدہ صوفیانہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ دل تین طرح کے ہیں،

(۱) دنیا میں شہوات کے گرد گھومنے والا۔

(۲) عقبیٰ میں کرامات کا طواف کرنے والا۔

(۳) سدرۃ المنتہیٰ میں مناجات کے گرد چکر لگانے والا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

غلام ہمت رنداں بے سر وپایم
کہ ہر دو کون نیرزد بہ پیش شاں یک کاہ

ترجمہ : بے سروپا رندوں کی ہمت کا میں غلام ہوں کہ دونوں جہان ان کے آگے گھاس کے تنکے کی قیمت بھی نہیں۔

سبق : عاقل کو ضروری ہے کہ وہ توحید میں مشغول رہے تاکہ نفس اور اس کی خواہشات کی تاریکیوں اور شیطان اور اس کے وساوس سے محفوظ ہو جائے۔

حکایت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھ کر فرمایا : اگر تُو اپنے آپ کو تین چیزوں سے بچائے گا تو شیطان کے شر سے بچ جائے گا،

(۱) لقلق (۲) قبقب (۳) ذبذب

ف: (۱) تعلق زبانی جمع خرچ۔
(۲) تعقب پیٹ پرستی۔
(۳) ذبذب فرج کی خرابیاں۔

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا اور جب وہ تمہارے پاس آئیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔

شانِ نزول یہ آیت یہود کی ایک جماعت کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے ایمان و اخلاص کا اظہار کیا اور کفر و ضلال چھپائے رکھا، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ف: یہ خطاب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور صیغہ جمع محض تعظیم کی خاطر ہے یا یہ خطاب آپ کو اور آپ کے ساتھیوں (صحابہ کرام) کو ہے یعنی یہودی آپ کے پاس حاضر ہو کر اسلام ظاہر کرتے ہیں۔

وَقَدْ اور یہ قد حالیہ ہے یعنی اُن کا حال یہ ہے کہ دَّخَلُوْا وہ داخل تھے در انحالیکہ متلبس تھے بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا کفر کے ساتھ، یعنی آتے وقت بھی کافر تھے اور در انحالیکہ وہ آپ سے فارغ ہو کر نکلے تو بھی کافر تھے۔ بِهٖ یعنی در انحالیکہ وہ کفر سے متلبس تھے، جیسے وہ آپ کی حاضری کے وقت کافر تھے۔ آپ کی تقریر کا ان پر کسی قسم کی اثر انداز نہیں ہوئی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو چھپا رہے ہیں یعنی وہ کفر کو چھپا رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔

ف: افعل التفضیل کے صیغہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی منافقت سے باخبر تھے جیسا کہ ان کی منافقت کے علامات بتاتے تھے۔ لیکن آپ صرف اس انتظار میں تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی منافقت کے اظہار کا کب حکم فرماتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) نیست بازی با ممیز خاصہ او — کہ بود تمیز عقلش غیب گو
(۲) ہیچ سحر و ہیچ تلبیس و دغل — می نبندد پردہ بر اہلِ دول

ترجمہ: (۱) ان کے خواص باتمیز کے مقابلہ میں یہ کون ہیں کہ وہ بھی اپنی عقل کی تمیز سے عقل کی بات کر سکیں۔
(۲) کوئی جادو کوئی مکر و فریب اہل دول (دین والے) کے سامنے کوئی پردہ نہیں ڈال سکتے۔

وَتَرٰى اس سے رؤیت بصری مراد ہے كَثِيْرًا مِّنْهُمْ اے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آپ ان یہودیوں اور منافقوں میں بہتوں کو دیکھیں گے کہ اُن کا حال یہ ہوا کہ يُسَارِعُوْنَ فِى

الْاِثْمِ گناہ میں دوڑتے ہیں ۔ اس سے جھوٹ مطلق مراد ہے ۔

سوال : سارعۃ کا صلہ علیٰ آتا ہے یہاں فی کیوں لایا گیا ؟

جواب : تاکہ دلالت ہو کہ وہ ایسی غلطی میں بہت زیادہ منہمک تھے اور یہ اُن کی عادت ثانوی بن چکی تھی ۔

سوال : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ کذب وغیرہ سے موصوف نہیں تھے ، اب سے ہی اس کا ارتکاب کرنے لگے ۔

جواب : اس سے ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف جانا مراد ہے ، جیسے دوسری جگہ اہلِ ایمان کیلئے فرمایا : اولٰئك یسارعون فی الخیرات ۔ اس کا وُہ معنیٰ نہیں جو سوال میں مذکور ہُوا کہ وہ ایسی غلطیوں سے پہلے فارغ تھے ، پھر ان کی طرف متوجہ ہوئے ، جیسے دوسرے مقام پر یہی محاورہ قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے ، کما قال تعالیٰ : وسارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم وجنۃ ۔

وَالْعُدْوَانِ اس سے ظلم مراد ہے جس میں دوسرے پر تعدی کی جائے وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ اور ان کی حرام خوری لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بے شک بہت ہی بُرے کام کرتے ہیں ۔ یعنی اُن کے وہ اعمال بہت بُرے ہیں جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں ۔

قاعدہ : کان مضارع پر داخل ہو تو اس میں استمرار کا معنیٰ حاصل ہوتا ہے ۔ یعنی ماضی کے مستقبل پر داخل ہونے سے ماضی استمراری بنتی ہے ۔

لَوْلَا یہ حرف تخصیص ہے يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ اُنہیں کیوں نہیں روکتے اُن کے پادری اور درویش ۔ ربانیین ربّانی کی جمع ہے ۔ زاہد عارف و اصل اور جو بہت بڑے عالم باعمل مقبول الناس اور مقبولِ خدا کو کہا جاتا ہے ۔ لیکن یہاں اُن کے پادری اور درویش مراد ہیں عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ گناہ کی بات اور جھوٹ کہنے سے ۔ مثلاً انہوں نے کہا اٰمنّا ۔ حالانکہ انہوں نے جھوٹ کہا اس لیے کہ وُہ مومن نہیں تھے وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ اور حرام کھانے سے حالانکہ انہیں علم تھا کہ یہ حرام خوری ہے ۔ اور وہ پادری اور درویش انہیں یہ حرام کھاتے ہُوئے دیکھتے تھے ۔ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ بیشک بہت ہی بُرے کام کر رہے ہیں ۔ یہ پہلے لبئس ما کانوا یعملون سے زیادہ بلیغ ہے اس لیے صنع عمل سے قوی تر ہے کیونکہ عمل اس وقت صنع سے موصوف ہوتا ہے جب بندہ اس عمل میں ماہر اور راسخ ہو جائے اور اسے اس کا پورے طور کمال حاصل ہو ۔

نکتہ : اثم و عدوان اور اکلِ حرام کو ذنب غیر راسخ اور نہی عن المنکر کے ترک کو ذنب راسخ کہا گیا معلوم ہوتا ہے کہ نہی عن المنکر کا ترک عند اللہ بہت بڑا جرم ہے ۔

سبق: اس سے ان علماء کو سبق لینا چاہیے جو نہی عن المنکر میں چشم پوشی کرتے بلکہ تساہل و تکاہل کرتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

(۱) گرت نہی منکر برآید ز دست — نشاید چو بے دست و پایاں نشست

(۲) چو دست و زبانرا نماند مجال — بہمت نمایند مردی رجال

ترجمہ: (۱) اگر تجھ سے ہاتھ سے نہی عن المنکر ہو سکتی ہے تو بے دست و پا کی طرح نہ بیٹھا رہ۔

(۲) اگر دست و پا سے کام نہ بنے تو پھر اولیاء اللہ کی دعاؤں سے کام بنتا ہے۔

ف: حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عوام کو چند ایک غلط کار آدمیوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہیں کیا جاتا۔ لیکن جب ان کے گناہوں سے چشم پوشی کی جائے اور انہیں منکرات سے نہ روکا جائے تو پھر سب کے سب عذاب میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔

نکتہ: اگر مشایخ اور باکمل علماء کو نہی عن المنکر کے ترک کا خوف نہ ہوتا تو وہ کبھی دعوتِ خلق الی الحق کو سرانجام نہ دیتے اس لیے کہ وہ مشاہدۂ حق میں ایسے مستغرق ہوتے ہیں کہ وہ اسے ایک لمحہ کے لیے بھی ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے۔

فائدہ صوفیانہ: حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سالک جب واصل بحقیقہ ہوتا ہے تو یار سے خلقِ خدا کی رہبری کا حکم دیا جاتا ہے یا وہ پھر وصال میں مستغرق ہو جاتا ہے جیسے سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ کہ وہ خلقِ خدا کی رہبری سے بے نیاز تھے۔ لیکن یاد رہے کہ خلقِ خدا کی رہبری انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے اس لیے کہ ہر نبی (علیہ السلام) کو خلق کی رہبری کے لیے مبعوث فرمایا گیا ورنہ وہ بھی اسی طرح وصال میں مستغرق رہتے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) ہین بگذار اے شفا رنجور را — تو زخشم کور عصائے کور را

(۲) نے تو گفتی قائد اعمی براہ — صد ثواب و اجر یابد از الہ

(۳) ہر کہ او چہل گام کورے واکشد — گشت آمرزیدہ و یابد رشد

(۴) پس بکش تو زین جہان بے قرار — جوق کوران را قطار اندر قطار

(۵) کار ہادی این بود تو ہادیٔ — ماتم آخر زمان را شادیٔ

(۶) ہین رواں کن اے امام المتقین — این خیال اندیشگان را تا یقین

(۷) خیز در دم تو بصور سہمناک — تا ہزاران مردہ بر روید ز خاک

ترجمہ: (۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ اے محبوب!
آپ بیماروں اور رنجوروں کی شفاء اور نابیناؤں کو راہ پر کھڑا کرنے کی ہمت فرمائیے۔
(۲) اس لیے کہ اس جیسا اجر و ثواب اور کوئی نہیں۔
(۳) جو شخص نابینا کو فقط چالیس قدم لے کر چلے گا اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔
اور اللہ تعالیٰ سے خصوصی انعام پائے گا۔
(۴) اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہادیٔ دو جہاں ہیں بلکہ مردہ عالم کی جان۔
(۵) آپ ایسے کام کیجئے کہ آخری زمانے کے غم بھی شادی بن جائیں۔
(۶) اے امام المتقین! ان گمان میں رہنے والوں کو یقین تک پہنچا دیجئے۔
(۷) اس لیے آپ صور سہمناک بن کر اس کام میں لگ جائیے تاکہ ہزاروں بے جانوں
کو جان نصیب ہو۔

ف: اہلِ حقیقت اسی طرح ہر غرض سے پاک علماء سوائے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے اور کوئی کام نہیں کرتے اس لیے
وہ اقوال و افعال میں محفوظ ہوتے ہیں۔

حکایت ایک زاہد تابعی نے مروان بن حکم خلیفہ کے سرود توڑ ڈالے انہیں مروان کے نوکر بادشاہ کے
پاس گرفتار کرکے لے آئے۔ مروان نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ اسے شیر کے آگے ڈال دو تاکہ وہ
اسے پھاڑ کھائے۔ حسب الحکم انہیں شیر کی رہائش گاہ میں لایا گیا انہوں نے جاتے ہی نوافل شروع کر دیئے۔
شیر نے اُٹھ کر نماز پڑھنے والے درویش کو چاٹنا شروع کر دیا، اس مردِ خدا کو ذرا بھی خطرہ نہ ہوا۔ رات
ایسے ہی گزر گئی، صبح کو مروان نے پوچھا: اس درویش سے کیا کیا گیا؟ نوکروں نے کہا: ہم نے آپ کے حکم سے
اسے شیر کے آگے ڈال دیا گیا۔ مروان نے کہا: جاؤ دیکھو اسے شیر نے پھاڑ کھایا ہوگا۔ نوکر وہاں پہنچے
دیکھا کہ شیر تو اس مردِ خدا کا غلام بن گیا ہے۔ متعجب ہو کر مروان کو جا کر سنایا۔ مروان نے کہا: اُس
درویش کو لاؤ۔ درویش تشریف لائے تو مروان نے اُن سے کہا: آپ کو شیر سے ذرہ بھر بھی خوف نہ ہوا
اس کی کیا وجہ ہے؟ درویش نے فرمایا کہ میں ایک فکر میں پڑ گیا تھا' نہ اس سے فرصت ملی نہ خوف کا
خیال آیا۔ مروان نے پوچھا: وہ کون سا فکر تھا؟ درویش نے کہا: میں نماز میں کھڑا تھا کہ شیر نے
مجھے چاٹنا شروع کیا مجھے مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ شیر کا لعاب پاک ہے یا پلید۔ اسی فکر میں صبح ہو گئی بڑا
متعجب ہوا اور کہا: چھوڑ دو اس درویش کو۔ (کذا فی نصاب الاحتساب)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ (اور کہا یہودیوں نے)

شانِ نزول مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہود بہت خوشحال اور نہایت دولت مند تھے۔ جب انہوں نے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (کی تکذیب) و مخالفت کی تو ان کی روزی کم ہوگئی اس وقت فنحاص یہودی نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہے (معاذ اللہ) وہ رزق دینے اور خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے۔ اس کے اس قول پر کسی یہودی نے منع (نہ کیا) بلکہ راضی رہے اسی لیے یہ سب کا مقولہ قرار دیا گیا) یہ آیت اس کے حق میں نازل ہوئی۔

یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ اور کہا یہودیوں نے کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، یعنی قبض کیا (ہوا اور) رُکا ہُوا ہے عطا سے۔

(نکتہ): غل الید اور بسط الید مجازاً بخل اور جود پر بولے جاتے ہیں۔ ان میں نہ ہاتھ مقصود (ہو)تا ہے نہ ہی اس کا بڑھانا گھٹانا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا،

ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك۔ یعنی اسے خرچ کرنے سے مت روک۔

غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ ان کے ہاتھ باندھے جائیں۔ ان پر بددعا کی گئی کہ وہ تا قیامت بخل (و)اِمساک میں مبتلا رہیں۔ یعنی ان کے ہاتھ خرچ کرنے سے رک جائیں اور وہ دائمی طور پر بخیل رہیں۔ (چنا)نچہ ظاہر ہے عالم دنیا میں یہودیوں سے بڑھ کر اور کوئی قوم بخیل نہیں۔ **وَلُعِنُوْا** اور وہ ملعون ہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھتکارے گئے اور دُور ہٹائے گئے **بِمَا قَالُوْا** اس کہی ہوئی بات کی وجہ سے (یعنی ا)ن کے ملعون ہونے کا سبب اُن کا اپنا کہا ہوا کلمہ ہے اور اس میں انہیں بددعا کی گئی اور اُمت کو سبق (د)یا ہے کہ تم بھی اگر ایسے کرو گے تو ان کی طرح ذلیل و خوار ہو گے۔ اگر یہی توجیہ نہ کی جائے تو اللہ تعالیٰ کا عجز (ثاب)ت ہوتا ہے کہ بددعا تو وہ کرتا ہے جو عاجز اور کمزور ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے عجز و انکسار کا گمان بھی (کفر) ہے تو اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ تعلیم کے لیے ایسے کہا گیا ہے۔ **بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ** (بلکہ) اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کشادہ ہیں۔ یعنی اس کی وہ شان نہیں جو یہودیوں نے سمجھی بلکہ وہ تو بڑا سخی اور (ص)احب فضلِ عظیم ہے اور احسانِ عمیم کا مالک ہے۔

سوال : یداہ میں تثنیہ ہے اور تم نے تثنیہ کا معنیٰ ترک کر کے دُوسرا معنیٰ کیا ہے۔

(جو)اب : صیغۂ تثنیہ سے مبالغہ مطلوب ہے۔ اسے تثنیہ سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ بہت بڑا (سخ)ی وہی ہوتا ہے جو دونوں ہاتھوں سے مال لٹائے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہاتھوں سے پاک ہے اس لیے یہ آیت (بھی) متشابہات میں سے ہے اس کا اپنی بساط کے مطابق یہی معنیٰ کیا گیا کہ سخاوت میں یکتا ہے۔

مسئلہ : ید بھی سمع و بصر اور وجہ کی طرح ایک صفت ہے اور اسے دو ہاتھوں سے تعبیر کرنے میں

صفت جمالی وجلالی کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

کلتا یدہ یمین (اس کے دونوں ہاتھ یمین (دائیں یعنی برکت والے) ہیں)

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ: زمین اس کا دستر خوان عام ہے اس دستر خوان پر دشمن و دوست برابر ہیں۔

یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَآءُ جیسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے خرچ کرنے میں مختارِ کل ہے، جسے چاہے زیادہ دے جسے چاہے تھوڑا دے۔ اُس کی مشیت وحکمت کے جیسے تقاضے ہوتے ہیں ویسے عطا یا پھر کمی کی جاتی ہے جن کے گناہوں کی شامت کے لیے تقاضائے حکمت ہوتا ہے تو اُن کے گناہوں اور غلطیوں کی وجہ سے اُن کے رزق میں کمی کردی جاتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

(۱) چونکہ کردی بترس ایمن مباش زانکہ تخمست و بروپاند خدااش
(۲) چند گاہے او بپوشاند کہ تا آیدت زان بد پشیمان و حیا
(۳) بار ہا پوشد پئے اظہار فضل بازگیرد از پئے اظہار عدل
(۴) تاکہ این ہر دو صفت ظاہر شود آں مبشر گردد ایں منذر شود

ترجمہ: (۱) جب بُرائی کرلی ہے تو اللہ تعالیٰ سے ڈر بے غم نہ ہو، یہ وہ بیج ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی اگائے گا۔

(۲) کتنا عرصہ تیرے گناہ پوشیدہ رکھے گا تاکہ تجھے اس سے پریشانی ہو اور حیا آئے۔

(۳) اکثر دفعہ فضل وکرم کے اظہار پر تیرے گناہ پوشیدہ کرتا ہے پھر پکڑتا ہے تو عدل کے اظہار پر۔

(۴) تاکہ اس کی یہ دو صفتیں ظاہر ہوں تاکہ وہ خوشخبری سنانے والی ہو اور اس سے ڈرنے والی۔

وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ اس سے ان کے پادری لیڈر مراد ہیں لیزیدن کا مفعول اول ہے مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ یہ لیزیدن کا مفعول ثانی ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یُوں ہُوا اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا وُہ بہتوں کو شرارت اور کفر میں بڑھاتا ہے، اُن کے کفر میں اضافہ سے شدت وغلو مراد ہے یا اس کی کمی بیشی بایں معنیٰ ہے کہ جُوں ہی کوئی آیت اترتی ہے وہ اس سے کفر کرتے ہیں پھر اسی قدر ان کا شرارت اور فساد بڑھ جاتا ہے جیسے تندرست انسان کو غذا فائدہ پہنچاتی ہے لیکن اسی غذا سے بیماری بھی بڑھ جاتی ہے۔

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ اور ڈال دی ہے ان یہودیوں کے مابین بُغض و عداوت کہ اُن میں بعض جبریہ ہیں اور بعض قدریہ اور بعض مرجئہ اور بعض مشبّہ۔

ف: جبریہ وہ ہیں جو انسان کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں انسان کا کوئی فعل اپنا نہیں اور کسی قسم کا اختیار نہیں۔ اس کی مثال ڈھیلے کی ہے کہ وہ خود متحرک نہیں ہوتا جب تک کہ اسے کوئی حرکت نہ دے۔

قدریہ کہتے کہ ہر انسان اپنے فعل کا آپ خالق ہے۔ ان کے نزدیک کفر اور گناہ کا اللہ تعالےٰ کی قدرت سے کوئی تعلق نہیں۔

مرجئہ کہتے ہیں کہ کبائر کے مرتکب کو کچھ نہیں کہا جا سکتا اسے معافی ملے گی یا سزا پائے گا، اسے قیامت کے حساب وکتاب سے خود معلوم ہو جائیگا۔

مشبّہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دیتے ہیں یعنی مخلوق کی طرح اس کے اعضاء وغیرہ اور شکل وصورت کے قائل ہیں۔

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ یعنی ان کو اپنے دین میں مختلف بنا کر ایک دوسرے کے بُغض و عداوت میں مبتلا فرمائے گا۔ چنانچہ فرمایا،

تحسبهم جميعا وقلوبهم شتى۔ نہ ان کے آپس میں دل جمع ہوسکتے ہیں اور نہ باتوں میں موافقت ہوسکتے ہیں۔

اور یہ جملہ ابتدائیہ اور ایک وہم کے ازالہ کے لیے لایا گیا ہے وہ وہم یہ ہے کہ کوئی یہ سمجھے کہ اپنی عداوت اور کفر وفساد میں مجتمع ہو کر اہل اسلام کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس کے ازالہ میں فرمایا کہ ان کا آپس میں جمع ہونا ناممکن ہے۔

ف: عداوت بغض سے اخص ہے کہ ہر عدو کو بغض والا کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ہر بغض والے کو عدو نہیں کہا جا سکتا۔

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ تاقیامت۔ یہ القینا کے متعلق ہے كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ یعنی جب وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شر انگیزی اور جنگجوئی کا ارادہ کرتے اَطْفَاَهَا اللّٰهُ تو اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے یعنی اس ارادہ سے باز رکھتا ہے اور ان کی آپس میں خانہ جنگی پیدا کر دیتا ہے کہ آپس میں لڑتے مرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا سکتے۔ مثنوی شریف میں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ

علیہ وسلم نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا : ؎

(۱) ہر کہ در مکر تو دارد دل گرو گردنش را من زنم شادشو

(۲) بر سر کوریش کو ریہا نہم او شکر پندارد و زہرش دہم

(۳) چیست خود آلاجق آں ترکمان پیش پائے نرہ پیلان جہان

(۴) آں چراغ او بہ پیش صرصرم خود چہ باشد ای مہین پیغمبرم

ترجمہ : (۱) جو تمہارے ساتھ دھوکا کے لیے دل کو گرو رکھتا ہے میں اس کی گردن اڑاؤں گا تم خوش رہو۔

(۲) اس کے غلط ارادوں پر بوجھ ڈالوں گا جسے وہ شکر سمجھے گا حالانکہ اسے زہر دوں گا۔

(۳) وہ کیا ہے اس پر تو اللہ تعالیٰ کا قہر ہے، بکری کے بچے کی ہاتھی کے آگے کیا وقعت۔

(۴) وہ تو آندھی کے سامنے ایک دیا ہے ذلیل آدمی کا میرے پیغمبر سے مقابلہ کیسا۔

وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا اور زمین پر فساد کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں کہ اسلام اور اہلِ اسلام کو پچھاڑ دیں اور ان کے مابین ایسا شر پھیلائیں تاکہ ان کی آپس میں پھوٹ پڑ جائے فساداً مفعول لہ ہے یا مصدر کا مفعول مطلق۔ دراصل عبارت یوں ہے۔ یسعون للفساد یسعون سعی فساد۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ اور اللہ تعالیٰ مفسدین کو پسند نہیں کرتا اس لیے اُن کے شر اور فساد کے تمام منصوبے خاک میں ملا کر الٹا انہیں مصائب اور آلام میں مبتلا فرماتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کو اس کی خساست طبع اور رکاکت نظر و عقل کے سپرد فرماتا ہے تو اس سے وہی ظاہر ہوتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے یعنی بُرے اقوال اور گندے افعال اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ یہودیوں نے کہا ید اللہ مغلولۃ۔ مثنوی شریف نے کیا خوب فرمایا : ؎

در زمین گر نیشکر ور خود سنے است

ترجمان ہر زمین نبت وے است

ترجمہ : زمین پر گنا ہے یا نے، یہ سب بیج کے ترجمان ہیں۔

قاعدہ عارفانہ حاسدین اللہ کے فضل و کرم والوں پر حسد کرتے ہیں لیکن انہیں ان کا حسد شرارت و فساد میں لے ڈوبتا ہے اس لیے کہ بہت سے لوگوں کے معاملے

...وں کے لیے فوائد بن جاتے ہیں، اور ایک کے فوائد دوسرے کے لیے مصائب بنتے ہیں۔

حکایت حضرت الشیخ الشہیر با فتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سید بخاری کے مرید ہمارے ساتھ حسد کرنے لگے یہاں تک کہ ہمیں قتل کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ چنانچہ عملیات کے طور اسمار قہریہ ...پڑھنے شروع کر دئے اس کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر میرے لیے جامع مسجد سید بخاری کے نزدیک پانی ...کا گڑھا کھودا اور اس کے ساتھ ایک تنگ راستہ گزرنے کے لیے چھوڑ رکھا، اس لیے کہ میری آمد و رفت ...وہاں سے ہوتی تھی میں تو وہاں سے بفضلہٖ تعالیٰ بسلامت گزر گیا لیکن بخاری صاحب کے بے شمار ...اس میں ڈوب کر مر گئے (یہ انہیں حسد کی وجہ سے ہوا) اس کے باوجود میں نے ان کے ساتھ ...کارروائی نہیں کی تھی اور مجھے اُن سے خطرہ بھی نہیں تھا باوجودیکہ اٹھارہ ہزار جہان اللہ تعالیٰ نے اپنے ...و کرم سے میرے قبضۂ تصرف میں دے ہوئے تھے اگرچہ میں بظاہر درویش و فقیر اور تنگدست ہوں۔

حکایت حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے حضرت شمس الدین تبریزی کے بعد حضرت صلاح الدین کے ہاں اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیا ذکر و فکر کی مجلس گرم کر دی۔ مولانا کے مریدوں کو ...پیدا ہوا اور ارادہ کیا کہ حضرت صلاح الدین کو شہید کر دیں۔ حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ کو معلوم ہوا تو حضرت ...ح الدین کے ہاں اپنے صاحبزادہ سلطان ولد کو بھیجا تاکہ انہیں صورتِ حال سے آگاہ کریں۔ حضرت ...ح الدین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آسمان کو زمین پر دے مارنے کی طاقت بخشی ہے لیکن ...کے باوجود میں ان کے لیے دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم ان کی اصلاح فرمائے۔ چنانچہ انہوں نے دعا کی ...صاحبزادہ سلطان ولد نے آمین کہی۔ اُن کی دعا کی برکت یہ ہوئی کہ وہ لوگ جو حضرت صلاح الدین کی شہادت ...لے ہوئے تھے۔ سب کے دل ٹھنڈے ہو گئے بلکہ اپنی غلطی کی معافی چاہی۔

اے اللہ! اپنے اولیاء و اصفیاء کے صدقے گندے اوصاف اور بُرے اخلاق سے پاک اور ...ف فرما اس لیے کہ تُو ہی قادر و خالق ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اٰمَنُوْا اگر اہلِ کتاب اُن پر ...لائیں کہ جن پر ایمان لانا واجب ہے وَاتَّقَوْا معاصی سے بچ جائیں بالخصوص کذب اور حرام خوری ...سے لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ تو ہم اُن کے گناہ معاف کر دیں گے یعنی ہم انہیں معاف کر کے ...کے گناہوں پر پردہ ڈالیں گے اس سے انہیں عذاب سے نجات دینا مراد ہے وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ ...النَّعِيْمِ اور ضرور ہم انہیں نعمت والے باغات میں داخل کریں گے یعنی دائمی طور انہی باغات میں انہیں ...ٹھائیں گے اس میں اشارہ ہے کہ انہیں اسلام قبول کرنے پر بہت بڑا اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے اور

تنبیہ ہوگئی کہ اسلام سے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں خواہ وُہ گناہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اہل کتاب بہشت میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک کہ اسلام قبول نہ کریں وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ اور اگر وُہ قائم رکھتے توراۃ و انجیل کو یعنی ان کے مضامین پر عمل کرتے۔ مثلاً ان میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرو اور اللہ تعالیٰ کے تمام معاہدوں کا ایفار کرو۔

ف : اقامۃ الشئی اس کے تمام حقوق اور اس کے احکام کی رعایت کرنے کو کہا جاتا ہے، جیسے اقامۃ الصلوٰۃ سے بھی یہی معنیٰ مطلوب ہے۔

وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ اور جو کچھ اُن کے رب کی طرف سے اُن پر اُترا۔ اس سے قرآن مجید مراد ہے کہ اس نے اُن کی کتابوں کی تصدیق فرمائی۔

ف : اس سے اُن کے اس فاسد ظن کی تردید مطلوب ہے جو کہا کرتے کہ قرآن مجید ہمارے لیے نہیں بلکہ صرف مسلمانوں کے لیے اترا ہے۔

لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ تو وہ رزق کھاتے اپنے اوپر اور اپنے پاؤں کے نیچے سے یعنی ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کی وسعت ہوجاتی کہ آسمان و زمین کے برکات سے انہیں نوازا جاتا، بارش نازل کرکے اور انگوریاں اُگا کر۔ اس میں تنبیہ ہے کہ انہیں جو تنگی پریشانی یا معاش کی تنگی ہوئی وہ ان کی اپنی شامتِ اعمال تھی نہ کہ اس کریم نے اپنی طرف سے کچھ کمی فرمائی۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) ہین مراقب باش گر دل بایدت   کز پے ہر فعل چیزے زایدست

(۲) این بلا از کودنے آید ترا   کہ نہ کردی فہم نکتہ و رمز ہا

ترجمہ : (۱) ہوشیار رہو اگر تیرے پاس دل ہے تیرے ہی عمل سے پیش آتا ہے جو کچھ آتا ہے۔

(۲) یہ تجھے تیری بے وقوفی سے پیش آیا ہے جو تُو نے اس نکتہ اور رمز کو نہ سمجھا۔

اس تقریر پر سوال پیدا ہوا کہ وہ سب کے سب ایمان و تقویٰ اور اقامت سے عاری تھے یا ان میں کوئی نیک بھی تھے اس کے جواب میں فرمایا مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ان میں بعض اعتدال پسند تھے یعنی ایک ایسا گروہ تھا کہ دینی امور میں نہ کوتاہی کرنے والے تھے اور نہ غلو کرنے والے۔ جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے دو ساتھی جو حضور علیہ السلام پر ایمان لائے۔ یہودیت سے اسلام سے

ـــے

...ت والاقتصاد لغت میں اعتدال فی العمل کو کہا جاتا ہے کہ جس میں نہ زیادتی ہو نہ کمی۔

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ اور بہت لوگوں سے دریغ کیا جاسکتا ہے کہ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ بہت ہی
...رہے تھے مقام و عمل کے اعتبار سے تعجب کے طور پر کہا گیا ہے یعنی ان کے مندرج کتنے ہی بُرے تھے،

(۱) عناد
(۲) مکابرہ
(۳) تحریف الحق
(۴) اعراض عن الحق

... آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ و طہارت اور نیک اعمال وسعتِ رزق کا سبب ہیں اور اس سے
...یا و آخرت کے امور کامیابی و کامرانی سے سرانجام پاتے ہیں۔

...ت حضرت عبداللہ قلانسی فرماتے ہیں کہ مجھے ایک سفر کے لیے کشتی پر سوار ہونا پڑا۔ دریا میں مخالف ہوا
چلی جس سے تمام کشتی والے دعاؤں اور منتیں ماننے میں مصروف ہوگئے۔ مجھے دیکھا کہ میں
...نہیں کر رہا۔ مجھے انہوں نے کہا کہ آپ بھی دعا کیجئے اور کوئی منت مانئے۔ میں نے کہا مجھے کوئی خطرہ ہی
...ے سرد و گوش ہوں، میرا اس میں کچھ نہیں بگڑتا۔ انہوں نے بہت مجبور کیا تو میں نے منت مانی کہ اگر ہم نے
...سے نجات پائی تو میں ہاتھی کا گوشت نہیں کھاؤں گا۔ انہوں نے کہا یہ قسم کون سی اچھی ہے، جب ہاتھی کا
...ت کوئی کھاتا ہی نہیں پھر اس قسم سے فائدہ ہی کیا۔ میں نے کہا میرے دل میں یہی خیال گزرا ہے۔ چنانچہ
...وں کے ساتھ نجات ملی کہ دریا کے کنارے پہنچا دیئے گئے۔ چند روز ایسے ہی گزر گئے۔ ہم بھوک سے
...رہے تھے کہ اچانک ہاتھی کا ایک بچہ مل گیا جسے وہ ذبح کرکے کھانے لگے۔ مجھے کھانے کے لیے کہا،
...کہا میں اپنی قسم کو توڑنا نہیں چاہتا۔ مجھے بہت مجبور کیا گیا کہ اب مجبوری ہے اور مجبوری کے وقت قسم
...چاہیے مگر میں نے ان کی ایک نہ مانی۔ انہوں نے ہاتھی کے بچے کا گوشت خوب کھایا اور میں نے اسے
...نہ لگایا۔ بالآخر وہ سب گوشت کھا کر سو گئے۔ اس بچے کی ماں (ہتھنی) آئی اور دیکھا کر
...بچے کو کھا لیا گیا ہے وہ اس کی ہڈیاں دیکھ کر بہت مغموم ہوئی اور سونے والی جماعت سے اپنے
...گوشت کی بو سونگھنے لگی، جس جس نے وہ گوشت کھایا تھا وہ اس کے سونگھنے سے مر گیا۔ چنانچہ
...بھی سونگھا لیکن مجھ میں اس نے گوشت کی بو نہ پائی تو مجھے کچھ نہ کہا، اس طرح سے میں بچ گیا۔
...نے مجھے اپنی پیٹھ پر بٹھایا اور مجھے ایسی جگہ لے گئی جہاں انسانوں کی آبادی تھی، میں وہاں صبح کی

نماز میں جا ملا اور وہاں کے لوگوں کو یہ واقعہ بتایا۔ انہوں نے مجھے خوب کھلایا پلایا اور میرے حالات سُن کر متعجب ہوئے اور کہا کہ جہاں کی تم بات کرتے ہو وُہ یہاں سے آٹھ دنوں کا سفر ہے تم نے ایک رات میں اتنا سفر کیسے طے کر لیا میں نے انہیں کہا کہ مجھے وہی معشقی تیز رفتاری سے یہاں پہنچا گئی ہے۔

سبق اس حکایت سے سبق ملا کہ تقوٰی اور عہد و پیمان کے ایفاء کرنے میں کتنی برکتیں ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے انسان کی دین و دنیا سُدھر سکتے ہیں، صرف دنیا کی شہوت رانی سے کئی مصائب و مشکلات درپیش ہوتے ہیں بلکہ یہی شہوت انسان کے لیے ایک بڑا جال ہے کہ جس میں پھنس کر کئی مصائب و آلام کا شکار ہو جاتا ہے بلکہ یُوں کہئے کہ اس سے انسان ہلاکت کے گڑھے میں مر مٹتا ہے جیسے ہاتھی کے بچے کو کھانے والوں کا حشر ہوا۔

چیونٹی اور بھڑ کا قصہ ایک دفعہ بھڑ نے دیکھا کہ چیونٹی بہزار حیلہ اور دُکھ درد اٹھا کر اپنا دانہ لے کر اپنے بل میں پہنچی۔ بھڑ نے چیونٹی سے کہا: اس رزق سے تو موت اچھی، چل کر دیکھ میرا حال کیسا بلند و بالا ہے کہ ہر قسم کے کھانے اور پینے کے اسباب موجود ہیں۔ ہم جو چاہتے ہیں کھاتے ہیں ہمارے جیسے طعام وغیرہ بادشاہوں کو نصیب ہوں گے۔ ہم خود بادشاہ ہیں۔ یہ کہہ کر مغرور بھڑ اُڑ کر قصاب کی دُکان پر گوشت سے چمٹا۔ قصاب کے ہاں بڑا چھُرا تھا ایک ہی وار سے بھڑ کے دو ٹکڑے کر دئے۔ چیونٹی دوڑ کر اسے اٹھا لے گئی، تو بھڑ نے اسے کہا مجھے وہاں نہ لے جا جہاں میرا جی نہیں چاہتا۔ چیونٹی نے جواب دیا وہ وقت گزر گیا جب تو اپنی من مانی کرتا تھا اب تو تُو میری غذا ہے میری مرضی میں جہاں چاہوں لے جاؤں، تم اسے چاہو یا نہ چاہو، اس لیے کہ حرص و ہوا کے پرستار کی یہی سزا ہے جو تجھے ملی۔

تفسیر صوفیانہ لاکلوا من فوقھم و من تحت ارجلھم میں اشارہ ہے کہ قرآن پر عمل کرنے سے مواہب رحمانی ہوں گے اور وہی نصیب ہوگا جو کسی باعمل انسان کو ملنا چاہیئے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جو اپنے علم پر عمل اور طریق حق میں محنت کرتا ہے تو اسے اذواق و مشاہدات کے مراتب نصیب ہوتے ہیں بلکہ اسے دو جنتیں ملتی ہیں، ایک عمل سے دوسری فضل سے۔ اور یہی معنوی رزق مقبول ہے۔ مثنوی شریف میں ہے، ؎

(۱) ایں دہاں بستی دہانے باز شد — کہ خورندہ لقمہائے راز شد

(۲) گر ز شیر و دیو تن را وا بری — در ختام او بے نعمت خوری

ترجمہ: (۱) یہ منہ باندھے گا تو دیگر منہ کھلے گا جو کہ وہ اسرار کے لقمے کھانے والا ہوگا۔

(۲) اگر شیر اور دیو کو مٹائے گا تو اس کے ترک پر بہترین نعمتیں پائے گا۔

اے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے ہماری مدد فرما۔ (آمین)

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

اے رسول پہنچا دو جو کچھ اترا تمہیں تمہارے

مِنْ رَّبِّكَؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗؕ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ

رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا

النَّاسِؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ

لوگوں سے بیشک اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا تم فرمادو اے کتابیو

لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ

تم کچھ بھی نہیں ہو جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے

مِّنْ رَّبِّكُمْؕ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا

رب کے پاس سے اترا اور بیشک اے محبوب وہ جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا اس سے

وَّ كُفْرًاۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ان میں بہتوں کو شرارت اور کفر کی اور ترقی ہوگی تو تم کافروں کا کچھ غم نہ کھاؤ بیشک وہ جو اپنے آپ کو مسلمان

وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـُٔوْنَ وَ النَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ

کہتے ہیں اور اسی طرح یہودی اور ستارہ پرست اور نصرانی ان میں جو کوئی سچے دل سے اللہ اور قیامت پر

الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ

ایمان لائے اور اچھے کام کرے تو ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم بیشک ہم نے

اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ رُسُلًاؕ كُلَّمَا

بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے جب کبھی ان

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾

کے پاس کوئی رسول وہ بات لے کر آیا جو ان کے نفس کی خواہش نہ تھی ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو شہید

وَ حَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

کرتے ہیں اور اس گمان میں ہیں کہ کوئی سزا نہ ہوگی تو اندھے اور بہرے ہوگئے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی

ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

پھر ان میں بہتیرے اندھے اور بہرے ہوگئے اور اللہ ان کے کام دیکھ رہا ہے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَؕ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ

بیشک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ وہی مسیح مریم کا بیٹا ہے اور مسیح نے تو یہ کہا تھا

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ

اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب اور تمہارا رب بیشک جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو

حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

اللہ نے اس پر جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ

بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے اور خدا تو نہیں مگر ایک خدا

وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

اور اگر اپنی بات سے باز نہ آئے تو جو ان میں کافر مریں گے ان کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ

تو کیوں نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور اس سے بخشش مانگتے اور اللہ بخشنے والا مہربان مسیح بن مریم

ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ

نہیں مگر ایک رسول اس سے پہلے بہت رسول ہو گزرے اور اس کی ماں صدیقہ ہے

كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾

دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھو تو ہم کیسی صاف نشانیاں ان کے لیے بیان کرتے ہیں پھر دیکھو وہ کیسے اوندھے جاتے ہیں

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ

تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو تمہارے نقصان کا مالک نہ نفع کا اور اللہ ہی سنتا

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ

جانتا ہے تم فرماؤ اے کتاب والو اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور ایسے لوگوں

وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ

کی خواہش پر نہ چلو جو پہلے گمراہ ہو چکے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ

سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ ع

سے بہک گئے

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ اے رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم! پہنچا دیجئے مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ تمام وہ جو آپ کی طرف آپ کے رب سے نازل کیا گیا یعنی اسی قدر جو بندوں کی ضروریات سے متعلق ہے اس کی تبلیغ فرمائیے۔

...ے کے ایک وہم کا ازالہ ہمارے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ اس سے وہ اسرار مراد ہیں کہ جن کا افشاء ناجائز ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ ... نے فرمایا:

حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعائین من العلم فاما احدھما فقد بثثتہ واما الآخر لو بثثتہ لقطع ھذا الحلقوم۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو برتن یاد کئے ایک کو تو میں نے بیان کر دیا، اگر دوسرے کو بیان کر دوں تو میرا حلق کاٹ دیا جائے۔

...بندیوں اور وہابیوں کو دوسرا جواب تحقیقی جواب یہ ہے کہ جو امور شریعت سے متعلق ہیں انہیں عام تبلیغ کا حکم ہے اور جو حقیقت و ...فت سے متعلق ہیں وہ تو اس کو بتانے کے ہیں اس لیے کہ دونوں کے لیے اہل کی ضرورت ہے اور وہ مبلغ کے ...امانت کے طور ہیں، امانت اسی کے سپرد کی جاتی ہے جو اس کا اہل ہوتا ہے۔

وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ کسی خوف سے اگر آپ نے انہیں نہ پہنچایا **فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ** تو آپ ... تبلیغ کا حق ادا نہ کیا اس لیے کہ ان کے بعض کا چھپانا گویا تمام کو چھپانا ہے اور رسالت کے پیغامات زبان سے ...کرنے سے تعلق رکھتے ہیں اگرچہ خوفِ جان ہو تب بھی انہیں پہنچانا لازم ہیں خوفِ جان سے ان کا ترک جائز نہیں۔

مسئلہ: اسی قاعدہ سے ہم نے طلاق و عتاق کے مسائل کو مرتب کیا ہے کہ انہیں جب زبان سے ادا کیا جائے ...اقع ہو جاتے ہیں اس لیے ان کا تعلق زبان سے ہے نہ کہ دل سے اگرچہ اکراہ و اجبار سے بھی ہوں کیونکہ اکراہ ...ور زبان کے فعل کو مانع نہیں بنا بریں زبان پر لانے سے طلاق و عتاق واقع ہو جائیں گے۔ (کذا فی التیسیر)

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا اس لیے کہ حضور ... اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے امان حاصل تھی تاکہ آپ بلا خوف و حذر تبلیغ فرما سکیں۔

حدیث شریف مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو یہودیوں نے آپ کو کہا کہ ہم تعداد میں بہت زیادہ اور بڑے طاقت ور ہیں اگر آپ اپنی اس تبلیغ سے ...نہ آئے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے اور اگر ہمارے کہنے سے باز آجائیں تو ہم آپ کو بہت سا مال دیں گے ان کے اس خوف دلانے پر آپ اپنی حفاظت کے لیے مہاجرین و انصار کے سو آدمی رات کو ساتھ رکھتے جو آپ پر پہرہ دیتے۔ اگر کہیں باہر جانا ہوتا تو اتنے ہی آدمی آپ کے ساتھ ہوتے کہ خدانخواستہ کہیں یہودی آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا دیں۔ تب یہ آیت واللہ یعصمک من الناس نازل ہوئی تو آپ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہود وغیرہ کے گزند سے محفوظ فرمائے گا۔ اس لیے آپ نے مہاجرین سے فرمایا کہ تمام لوگ اپنے اپنے گھروں کو

چلے جاؤ اب یہود وغیرہ سے اللہ تعالیٰ میری حفاظت فرمائے گا۔ چنانچہ اس ارشادِ گرامی کے بعد آپ اول شب کو یا صبح کو مدینہ طیبہ کی وادیوں میں جہاں چاہتے چلے جاتے۔

سوال : آپ کا چہرۂ مبارک زخمی ہوا اور دانت مبارک بھی شہید ہوئے، اس وقت اللہ تعالیٰ کی حفاظت کہاں گئی تھی ؟

جواب : یہ حکم اس کے بعد کو نازل ہوا یا قتل وغیرہ کی حفاظت کا وعدہ مراد ہے۔ علاوہ ازیں ایسے رنج و محن انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام پر وارد ہوا کرتے ہیں۔

ف : کرمانی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو بیماریاں یا اور دُکھ درد چند وجوہ سے لاحق ہوتے :

(۱) انہیں اجرِ عظیم حاصل ہو۔

(۲) معلوم ہو کہ وہ بھی بشر ہیں اُن پر بھی دنیا کے دُکھ درد وارد ہوتے ہیں اور ان کے اجسام بھی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ بھی مخلوق ہیں (خدا یا خدا کا جزء نہیں) تاکہ کوئی ان کے معجزات دیکھ کر کسی غلطی کا شکار نہ ہو جائے (کہ وہ خدا کے شریک وغیرہ ہیں)۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اس سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محفوظ ہونے کی علت بتانا مطلوب ہے یعنی آپ کی ضرر رسانی کی قدرت اس لیے حاصل نہیں کہ وہ کافر ہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ (۱) آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ اس قوم کو اپنے حضور میں جگہ نہیں دیتا جو انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کریں اور ان کے پیغاماتِ رسالت کو قبول نہ کریں جس کی وجہ سے وہ قرآنی اسرار و رموز سے محروم ہوتے یا جو لوگ اولیاء کرام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور اُن کی ولایت سے استفادہ نہیں کرتے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی جناب تک پہنچنے سے محروم رہتے ہیں یہی اللہ تعالیٰ کا طریقہ رہا اور اس کا یہ طریقہ تبدیل ہونے کا نہیں۔ (وہابیوں دیو بندیوں کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے)

(۲) آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ارشاداتِ گرامی کی تعمیل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مخلوق کے تمام نقصانات سے محفوظ فرما دیتا ہے جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہجرت کے دن غار میں قیام فرمانا۔ ایسے ہی ان لوگوں کی بھی حفاظت فرماتا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا شفیع اور وسیلہ جلیلہ مانتا اور بناتا ہے۔

حکایت و معجزہ مروی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارضِ روم میں لشکر سے بھٹک گئے اور لشکر کو تلاش کر رہے تھے کہ ایک شیر سے

پہنچا جس نے آپ کو پھاڑ کھانے کے لیے حملہ کیا تو آپ نے فرمایا: اے ابو الحارث! میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور میں اپنے لشکر سے بھٹک گیا ہوں اور اسے تلاش کر رہا ہوں۔ شیر اُن کی بات سنتے ہی دُم ہلاتے ہوئے حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب کھڑا ہو گیا اور راستہ دکھانے کے لیے لشکر کی طرف انہیں لے چلا، یہاں تک کہ لشکر تک پہنچا کر لوٹا۔

حکایت بوستان سعدی قدس سرہٗ: حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

(۱)	یکی دیدم از عرصۂ رود بار	کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار
(۲)	چناں ہول زاں حال بر من نشست	کہ ترسیدنم پائے رفتن ببست
(۳)	تبسم کناں دست بر لب گرفت	کہ سعدی مدار انچہ آید شگفت
(۴)	تو ہم گردن از حکم داور مپیچ	کہ گردن نپیچد ز حکم تو ہیچ
(۵)	محالست چوں دوست دارد ترا	کہ در دست دشمن گزارد ترا

ترجمہ: (۱) میں رود بار کے جنگل میں جا رہا تھا، دیکھا کہ ایک نوجوان شیر پر سوار ہے۔

(۲) اور شیر کو گدھے کی طرح ہنکاتا جا رہا ہے فرماتے ہیں کہ یہ حال دیکھتے ہی مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا اور چلنے سے پاؤں رہ گئے۔

(۳) نوجوان میرا حال دیکھ کر ہنسا اور فرمایا کہ اے سعدی! آپ تعجب کیوں کرتے ہیں۔

(۴) تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سر نہ پھیر، تیرے حکم سے کوئی شے سر نہ پھیرے گی۔

(۵) جب تجھے دوست رکھتا ہے تو محال ہے کہ وہ تجھے دشمن کے قبضہ میں دے۔

معجزۂ نبوی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ سے فراغت پا کر آرام کے لیے ایک وادی میں نزولِ اجلال فرمایا۔ ہر صحابی اپنی پسند کی جگہ دیکھ کر درختوں کے نیچے سو گیا۔ آپ بھی اپنی تلوار درخت سے لٹکا کر آرام فرما گئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں تھوڑی دیر کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا۔ جب ہم بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ کے پاس ایک اعرابی کھڑا ہے آپ نے ہمیں اس کی داستان سنائی کہ میں سویا تھا اس نے میری تلوار درخت پر لٹکی ہوئی کو اٹھا لیا تو میں جاگ اٹھا اور تلوار اس کے ہاتھ میں تھی اور مجھ پر حملہ کرنے والا تھا اور کہا کہ مجھ سے تمہیں کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا، میں نے کہا "مجھے میرا اللہ تعالیٰ بچائے گا" میرے اس کہنے پر اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور میں نے تلوار اٹھا کر کہا اب تم بتاؤ کہ تمہیں کون مجھ سے بچائے گا۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ مجھے گرفتار کیجئے لیکن اپنی شان کے مطابق

میں نے کہا کیا تم کلمۂ شہادت نہیں پڑھتے۔ اس نے کہا کلمہ تو نہیں پڑھتا البتہ آپ سے معاہدہ کرتا ہوں کہ زندگی بھر نہ آپ سے لڑوں گا نہ آپ سے لڑنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ (دوسری روایات میں ہے کہ وہ بعد میں مسلمان ہو گیا تھا)

سبق: اس سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے توکل اور استقامت اور واللہ یعصمک من الناس کی تصدیق اور برائی کے بدلے احسان کا سبق ملا۔ (کذا فی شرح المشارق لابن الملک رحمہ اللہ)

تفسیر عالمانہ قُلْ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے یہود و نصاریٰ سے یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ اے اہل کتاب! تم کچھ نہیں ہو، یعنی تمہارے دین کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ وہ اس لائق ہے کہ اس پر اعتماد کیا جاسکے۔ جب اس کی یہ صورت ہے تو اس کے متعلق کہا جائے کہ وہ کوئی شئے نہیں اس لیے کہ اس کا باطل و فاسد ہونا ظاہر و واضح ہے حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ یہاں تک وہ تورات و انجیل کو قائم کریں۔ قائم کرنے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور ان کے لائے ہوئے احکام پر یقین کریں اس لیے کہ تمام سماوی کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا تھا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں جبکہ آپ کی نبوت پر معجزات اور براہین بھی موجود ہیں اُن سے ہر ذی فہم انسان کو یقین ہو جاتا کہ آپ کی طاعت بجا لانا واجب ہے یا اقامت تورات و انجیل سے اُن کے اصولوں اور مسائل کی پابندی مراد ہے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے منسوخ نہیں ہوئے وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ اور وہ جو اُن کے ہاں ان کے رب تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا یعنی قرآن مجید۔

سوال: قرآن مجید کو نزول کے لیے ان کی طرف کیوں کیا گیا؟

جواب: چونکہ قرآن مجید کی دعوت عام ہے جس میں وہ بھی شامل ہیں ان کا خصوصیت سے نام اس لیے لیا گیا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ قرآن مجید ہمارے لیے نازل نہیں ہوا بلکہ وہ بنی اسرائیل کے سوا دوسرے لوگوں کے لئے نازل ہوا ہے۔

وَ لَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ اور ان میں بہتوں کو بڑھاتا ہے۔ اس سے ان کے پادری اور لیڈر مراد ہیں مَّاۤ اُنْزِلَ مِنْ رَّبِّكَ وہ جو آپ پر (آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے) نازل ہوا۔ اس سے قرآن مجید مراد ہے۔ طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا یعنی ان کی شرارت اور کفر کو بڑھاتا ہے، اس سے ان کی شرارت اور وہ کفر مراد ہے جو اُن میں پہلے پایا جاتا تھا اور یہ لیزیدن کا مفعول ثانی ہے فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ قوم کافرین پر غم نہ کھائیے یعنی تبلیغ کرتے ہوئے اُن کی شرارت اور کفر سے غم نہ کھائیے اس لیے کہ اس کا نقصان اُن پر لوٹے گا۔ مومنین کی تبلیغ آپ کے لیے کافی ہے جبکہ وہ آپ

...کشاف اور استفاضہ کر رہے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ دین کی حقیقت ظاہری و باطنی احکام کا نام ہے اور پھر ان کے اعمال سے مزین ہونا اس کا ظاہر کہلاتا ہے اور احوال سے مزین ہونا دین کا باطن ہوتا ہے اور مقدموں اور چار نتائج سے متصور ہو سکتا ہے :

(۱) مقدمہ جذبہ الٰہیہ

(۲) تربیت شیخ کامل

نتائج اربعہ یہ ہیں :

(۱) دنیا اور اس کے جمیع متعلقات سے اعراض کرنا۔

(۲) سچی طلب سے حق کی طرف متوجہ ہونا۔ یہ جذبہ الٰہیہ کے نتائج ہیں۔

(۳) اخلاق ذمیمہ سے نفس کا تزکیہ

(۴) اخلاق الٰہیہ سے قلب کا تصفیہ۔ یہ قوت نبوت کی استمداد سے شیخ کامل کی تربیت کے نتائج سے ہے۔

...ف : قوم کافرون سے اہل انکار مراد ہیں جنہیں ظاہر دین سے تعلق ہو اور انہیں ظاہر کے سوا اور کوئی معلومات ...ہوں اور سمجھتے ہیں کہ دین صرف ظاہر کا نام ہے حالانکہ اُن کی یہ بات غلط ہے اس لیے کہ ہر ظاہر کے لیے باطن ...تا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

فائدہ ہر ظاہری خود باطنست
ہمچو نفع اندر دوا ہا کامنست

ترجمہ : (۱) ہر ظاہر شے کے باطن میں ایک فائدہ پوشیدہ ہے جیسے دواؤں میں نفع چھپا ہوا ہے۔

؎

(۱)	ہیچ خطاطے نویسد خط بفن	بہر عین خط نہ بہر خواندن
(۲)	کند بینش می نبیند غیر این	عقل او بے سیر چون نبت زمین
(۳)	نبت راچہ خوانده چہ ناخوانده	ہست پائے او بگل درمانده
(۴)	گر سرش جنبد بسیر بادرو	تو بسر جنبانیش غرہ مشو
(۵)	آن سرش گوید سمعنا اے صبا	پائے او گوید عصینا خلنا

ترجمہ : (۱) کوئی کاتب فن سے کچھ لکھتا ہے، وہ خط لکھے ہوئے کو معلوم کرنے کیلئے ہے

نہ کہ صرف پڑھنے کے لیے۔

(۲) وہ اندرونی معانی کے لیے ہے نہ کہ اس کے ظاہر پر اسے عقل سے سمجھا جاتا ہے جیسے بیج زمین کے اندر رہے۔

(۳) انگوری کو ہر لکھا پڑھا اور ان پڑھ سمجھتا ہے کہ اس کے پاؤں مٹی کے اندر ہیں۔

(۴) اور اس کا سر ہلتا ہے تو ہوا کی سیر سے یعنی ہوا اس کا سر ہلا رہی ہے تو اسکے سر ہلانے سے دھوکا نہ کھا کر وہ

(۵) اس کا سر کہتا ہے کہ اے صبا! ہم تیرے فرمانبردار ہیں جڑ کہتی ہے ہم تیرے نافرمان ہیں ہمیں چھوڑے رکھ۔

سبق: انکار کی برانگیختگی حسد سے ہوتی ہے' جیسے یہود و نصاریٰ سے ہوا۔ سالک پر لازم ہے کہ نفس کو ایسی گندی بیماری (حسد) سے پاک کرے۔

حکایت حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد پر نزع طاری تھی آپ اس کے پاس تشریف لے گئے، اس کے سرہانے بیٹھے اور سورۂ یٰسین پڑھنا شروع کر دی۔ شاگرد نے نزع کی حالت میں عرض کی: استاد جی اسے مت پڑھیے۔ تھوڑی دیر خاموش رہ کر پھر لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کی تو شاگرد نے کہا میں ابھی نہیں پڑھتا اس لیے کہ اس سے میں بری الذمہ ہوں۔ یہ کہہ کر وہ مر گیا۔ حضرت فضیل گھر لوٹے اور شاگرد کی اس غلطی پر چالیس روز روتے رہے اور اس غم سے گھر سے باہر نہ نکلے چالیسویں روز خواب میں دیکھا کہ اس کے شاگرد کو جہنم کی طرف لے جا رہے ہیں۔ حضرت فضیل نے اسے فرمایا، کمبخت کون سی نحوست سے جہنم کے مستحق ہو گیا حالانکہ تو میرا شاگرد تھا، تجھ سے اتنی امید نہ تھی۔ عرض کی، مجھ سے تین گناہ سرزد ہوئے:

(۱) چغلخوری کہ میں اپنے دوستوں کو کچھ کہتا اور آپ کو کچھ۔

(۲) حسد کہ میں ہمیشہ اپنے ہجولیوں سے حسد کرتا رہا۔

(۳) مجھے ایک بیماری تھی میں نے کسی ڈاکٹر (طبیب) سے علاج پوچھا تو اس نے کہا سال میں ایک دفعہ شراب پی لیا کر' ورنہ یہ بیماری تجھے ہرگز نہ چھوڑے گی۔ چنانچہ اس طبیب کے کہنے پر میں سال میں ایک مرتبہ شراب پی لیا کرتا تھا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ایسی باتوں سے پناہ مانگتے ہیں جن کی ہمیں طاقت نہیں۔ (منہاج العابدین)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بے شک وہ لوگ جو صرف زبانی ایمان رکھتے ہیں یعنی منافقین وَالَّذِيْنَ هَادُوْا اور وہ لوگ جو یہودی ہیں یعنی یہودیت میں داخل ہیں

[وَالصّٰبِئُوْنَ] اور وہ لوگ کہ جن کے دل جبل کی طرف مائل ہوئے۔ یہ بھی نصاریٰ کا ایک گروہ تھا انہیں ساحر کہا جاتا ہے۔ ان کی عادت تھی کہ وہ آدھے سر پر حلقہ باندھتے تھے۔ ان کا تفصیل بیان سورۂ بقرہ میں ہے۔

وَالنَّصٰرٰی یہ نصرانی کی جمع ہے اور اس کا عطف الذین ھادوا پر ہے اور صابئون مبتدا اور اس کی خبر محذوف ہے۔ یہ جملہ ہو کر الذین اٰمنوا الخ پر معطوف ہے۔ اب عبارت یوں ہوئی ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصٰرٰی۔ ان کا حکم یوں ہے اور صابئون کا حکم بھی انہی کی طرح ہے۔

سوال: الصابئون کا عطف ماقبل پر کیوں نہیں بلکہ اسے اس کی خبر محذوف مان کر مستقل جملہ مانا گیا [جواب]: پہلا جملہ نامکمل ہے۔ اسی کے درمیان میں لا کر اسے نیت میں مؤخر سمجھا گیا۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ مذکورہ بالا تمام گمراہ فرقوں میں اس گمراہ تر فرقہ کی توبہ قبول ہو سکتی ہے تو دوسروں کی توبہ بھی قبول ہو جائے گی۔ جب صابئین کے گناہ بخشے جا سکتے ہیں اور صحیح مومن کے عمل قبول تو دوسروں کے بھی عمل قبول ہوں گے۔

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ مذکورہ بالا فرقوں میں مبدا و معاد پر جو بھی خالص ایمان لائے وَعَمِلَ صَالِحًا اور ایمان کے مقتضٰی پر نیک عمل کریں۔ مَنْ محلاً مرفوع مبتدا، اور اس کی خبر فلا خوف الخ [دونوں] آپس میں مل کر انّ کی خبر فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ پس ان پر کوئی خوف نہیں جبکہ کفار عذاب سے [ڈریں] گے وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ اور نہ وہ غم کھائیں گے جبکہ قصور وار لوگ اپنی ضائع کردہ عمر پر پشیمان ہوں گے [انہیں] حاصل ہوگا کہ ثواب ضائع ہوا۔ یعنی افسوس کریں گے کہ ہائے ثواب حاصل نہ کر سکے۔

[نکتہ]: اس سے تضییع عمر و تفویت ثواب کا دائمی انتفاء مراد ہے نہ کہ ان دونوں کے انتفاء دوامی کا بیان [مطلب] ہے۔

[نکتہ]: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں بھی مومنین سے آخرت میں خوف و حزن کی نفی مراد ہے۔ چنانچہ آیت [تتنزل] علیہم الملٰئکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ آخرت [میں] اہل ایمان کو بھی خوف و حزن ہوگا۔ چنانچہ آیت یوم ترونھا تذھل کل مرضعۃ عما ارضعت الخ [اور] یوم یفر المرء من اخیہ و امہ و ابیہ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت میں لوگ پاؤں اور جسم سے ننگے قبروں سے اٹھیں گے۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یہ کیسے ہوگا کہ اس وقت مرد اور عورتیں [ایسے] ننگے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تجھے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی یاد نہیں کہ لکل امرء منھم [یومئذ] شان یغنیہ۔

سوال : پھر اس کی وجہ کیا ہے کہ بعض آیات میں مومنین کے لیے خوف وحُزن کی نفی ہے اور بعض میں اثبات
جواب : چونکہ اہلِ ایمان کو تھوڑی دیر کے لیے خوف وحُزن ہوگا اس کے بعد زائل ہوکر دائمی خوشی اور راحت
فرحت ہوگی۔ اس لیے اُن کے عارضی خوف وحزن کی نفی کی گئی اور جہاں کا بیان ہے وہاں وہی عارضی خوف
حُزن مراد ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ہر کہ ترسد مرو را ایمن کنند   مر دل ترسندہ را ساکن کنند
(۲) لاتخافوا ہست نزل خائفاں   ہست در خور از برائے خائف آں
(۳) آنکہ خوفش نیست چوں گوئے مترس   درس چہ دہی نیست او محتاج درس

ترجمہ :(۱) جو ڈرتا ہے اسے بے غم بنا دیتے ہیں ڈرنے والے دل کو تسلی بخشتے ہیں۔
(۲) ڈرنے والوں کی مہمانی لا تخافوا (نہ ڈرو) ہے اور ڈرنے والے کے لیے یہی لائق ہے۔
(۳) جسے ڈر نہیں اسے کیوں کہتے ہو کہ ڈرتا رہ ، اسے درس کیوں دیتے ہو وہ بے وقوف درس کے لائق نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اللہ والوں کو آنے والی گھڑیوں میں کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ قرآن پاک کے ظاہر باطن کے عامل ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ شدید ریاضتوں اور مجاہدوں اور ترکِ دنیا میں نفسوں کی مخالفتوں اور خواہشاتِ نفسانیہ کے مٹانے میں غمگین ہوتے ہیں اور نہ رنج و آلام اور محنتوں اور مصیبتوں اور آفتوں کے نزول سے ملال کرتے ہیں اس لیے کہ وہ تقلید (سوم) سے نجات یافتہ اور تحقیق پر فائز المرام ہوتے ہیں اس لیے ان سے تکالیف کی مشقت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی معیت میں ہوتے ہیں۔

سبق : مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنے قلبی مرض کا علاج کرے یعنی اوصافِ رذیلہ اور منافقت سے بچے اور اہلِ حق کے قُرب کے حصول کے لیے جدوجہد کرے۔

روحانی نسخے : حضرت ابراہیم خواص قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بیمار قلب کا پانچ چیزوں سے علاج کیا جائے

(۱) تدبر کے ساتھ تلاوتِ قرآن ،
(۲) پیٹ کو طعام سے خالی رکھنا ،
(۳) شب کے نوافل ،
(۴) بوقتِ سحر اللہ تعالیٰ کے حضور میں آہ وزاری ،

(۵) صحبت صالحین۔

[سبب] التاثیر روحانی نسخہ حضرت الشیخ الشہیر با لہدانی قدس سرہٗ نے فرمایا اگرچہ ہمارا عقیدہ ہے کہ حقیقی معالج اللہ تعالیٰ ہے لیکن روحانی بیماری بغیر ذکرِ الٰہی کے کسی اور عمل سے نہیں کٹ سکتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

[علام]اتِ قیامت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ اسلام کا صرف نام رہ جائیگا اور قرآن کی صرف رسم رہ جائے گی، مساجد [ظا]ہری طور پر آباد ہوں گی لیکن ذکر اللہ سے ویران۔ اس زمانہ کے علماء شریرترین ہوں گے انہیں سے فتنہ [پیدا] ہوگا اور انہی کی طرف لوٹے گا۔ حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

(۱) علم چندانکہ بیشتر خوانی — چوں عمل در تو نیست نادانی

(۲) نہ محقق بود نہ دانشمند — چار پائے برو کتابے چند

(۳) آں تہی مغز راچہ علم وخبر — کہ بروہیزم است ویا دفتر

ترجمہ: (۱) علم کتنا ہی زیادہ پڑھو عمل نہ ہو تو تم نادان ہو۔

(۲) وہ نہ محقق ہے نہ دانشمند وہ تو جانور ہے اس پر چند کتابیں لاد دی گئی ہیں۔

(۳) وہ خالی مغز ہے اس کے لیے علم وخبر کی کیا خبر کہ اس پر لکڑیاں لادی گئی ہیں یا کتابیں۔

[ف]ائدہ صوفیانہ جمیع علوم کا نچوڑ معرفتِ الٰہی ہے اس کے ماسوا اگر اچھے علوم ہوں تو سبحان اللہ ورنہ وبال۔ علم کا حصول فی نفسہٖ اچھا ہے لیکن علم سے اصلی مقصد عمل ہے۔ صرف علم پڑھنا [اور] اس پر عمل نہ کرنا بالکل بے سُود ہے۔ مستحقِ مبارک وہ انسان ہے جسے علم کے ساتھ نیک عمل کی توفیق [نص]یب ہو۔

[تف]سیر عالمانہ لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا یعنی بخدا ہم نے اُن سے توحید اور تمام شرائع واحکام کا وعدہ لیا جو ان پر فرض تھے [او]ر انہیں تورات میں بتادئے تھے وَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ رُسُلًا اور ہم نے ان کے ہاں پیغمبر بھیجے [اور] وہ پیغمبر بھی بہت کثرت میں تھے، یہ نہیں کہ چند ایک، اور وہ تھے بھی بڑی شان والے تاکہ انہیں [ان] کے امورِ دینیہ کی یاد دہانی کرائیں اور دین کی باتیں بتائیں كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى [اَنْفُسُ]هُمْ جب ان کے ہاں رسول ایسی باتیں لائے جو اُن کے نفس نہیں چاہتے تھے۔ اس شرط کا جواب محذوف [ہے] اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ پیغمبرانِ عظام تشریف لائے تو انہوں نے کیا کیا؟ اس کے

جواب میں فرمایا کہ جب رُسل کرام علیہم السلام اُن کے ہاں وہ شرعی احکام اور مشقت طلب ارشادات لائے۔ ان کے نفسوں کے خلاف تھے تو بنی اسرائیل نے اُن کی نافرمانی کی۔ پھر سوال ہوا کہ انہوں نے کس طرف نافرمانی کی۔ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ فَرِيقًا كَذَّبُوا انبیاء علیہم السلام کے ایک گروہ کی انہوں نے تکذیب کی بلکہ علاوہ ازیں ان کے کئی قسم کے آزار درپے ہوئے۔ وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ اور ایک گروہ کو انہوں نے شہید کر ڈالا۔ یعنی دوسرے گروہ کے ساتھ نہ صرف تکذیب پر اکتفاء کیا بلکہ ان کے درپے قتل جیسے زکریا اور یحییٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے ساتھ ہوا کہ انہیں شہید کر دیا گیا وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ اور ان کا گمان تھا یعنی بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ انبیاء علیہم السلام کے قتل اور تکذیب سے ان پر عذاب اور بلا نہیں ہوگی۔ اور ان کے گمان کی وجہ ان کا عقیدہ تھا اور وہ قائل تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اس کے محب ہیں، اس لیے عذاب میں مبتلا نہ ہوں گے اگرچہ دل سے مانتے تھے کہ وہ خطاکار اور انبیاء علیہم السلام کے قتل اور ان کی تکذیب میں غلطی پر ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ ہمیں عذاب اس نہیں ہوگا کہ ہمارے آباء واسلاف کی نبوت ہمیں عذاب سے بچائے گی اگر ہم قتل وتکذیب کی وجہ سے عذاب مستحق ہیں فَعَمُوا اس کا عطف حسبوا پر ہے اور فاء مابعد کی ماقبل پر ترتیب کی دلالت کے لیے ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر ایمان لائے پھر شرارت وفساد کے فنون میں منہمک ہو کر اندھے ہوئے باوجودیکہ انہیں انبیاء علیہم السلام نے معاملۂ ظاہرہ کی رہبری فرمائی اور انہیں سیدھے اور واضح بیان فرمائے لیکن پھر بھی اندھے ہو گئے۔ یعنی وہ اس اندھے جیسے کام کرتے جو راستہ کو نہیں دیکھ سکتا وَصَمُّوا وہ حق جو انبیاء علیہم السلام نے انہیں بتایا اس کے سننے سے بہرے ہوئے یعنی اس بہرے جیسا معاملہ کیا جو نہیں سنتا اس لیے انبیاء علیہم السلام کو قتل بھی کیا اور ان کی تکذیب بھی کی۔

ف : حضرت مولانا ابوسعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں بنی اسرائیل کے فسادات کے فسادِ اول کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے پہلی تورات کے احکام کی خلاف ورزی کی اور محارم کا ارتکاب کیا، حضرت شعیب علیہ السلام کو شہید کر ڈالا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو قید کر دیا۔

ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ پھر سچے دل سے اِن کرتوتوں سے باز آ گئے۔ یہ اس وقت ہوا جبکہ ایک مدت مدید اور عرصہ طویل بابل میں بخت نصر کے ظلم وقہر کا نشان بنے رہے اور نہایت ذلت وخواری سے اس کے ہاتھ قید وبند کی صعوبتوں کا شکار رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو ان کے حال پر رحم آیا تو فارس کے ایک بہت بڑے بادشاہ کو بیت المقدس کی تعمیر کے لیے متوجہ فرمایا۔ اس نے بیت المال کو اپنے قبضہ میں لے کر دوبارہ تعمیر کیا اور بنی اسرائیل کے باقی لوگوں کو بخت نصر کی قید سے چھڑا کر انہیں ان کے وطن لوٹایا۔ پھر جتنے نبی اِدھر اُدھر

تر ہو گئے تو یکا یک ہوگئے اور تیس سال میں بیت المقدس بہتر سے بہتر تعمیر کیا اور بنی اسرائیل کی حالت بہتر ہوگئی اور عرصہ دراز تک نہایت ہی پُروقار زندگی گزاری۔ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا پھر ان کی بیت حسب سابق اندھے بہرے ہوگئے۔ اس میں ان کے فسادات کے دوسرے دور کی طرف جبکہ انہوں نے زکریا علیہ السلام اور یحیٰی علیہ السلام کو شہید کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کا بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا) كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ یہ عَمُوْا وَصَمُّوْا کی ضمیر هُمْ ل ہے۔

حضرت صاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کثیر منھم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب کی بار سب کے سب نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کے بعض سے کفر سرزد ہوا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

لیسوا سواء من اھل الکتٰب امۃ قائمۃ۔

فرمایا:

منھم امۃ مقتصد واللہ بصیر بما یعملون۔

اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب جانتا ہے اسی لیے انہیں ان کے اعمال کے مطابق سزا دے گا۔

مذکورہ بالا بیان کے بعد اب بتائیں کہ ان کے خیالی پروگرام کی کیا وقعت ہے جبکہ انہیں معلوم ہے کہ ایک دفعہ ان سے غلطیاں ہوئیں تو اُن پر بخت نصر کو مسلط کر دیا گیا۔ اُس نے بیت المقدس پر قبضہ جمایا اور ان کے ستر ہزار تورات کے قاریوں کو تہ تیغ کیا اور باقیوں کو قید کر کے جیل میں ٹھونس دیا اور وہ عرصۂ دراز تک ستر سال کوٹھڑیوں میں ذلت وخواری کی زندگی گزارتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اسی حالت میں دل سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس ذلت وخواری سے بچایا، جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔ ایک عرصہ تک عزت اور وقار کی زندگی بسر کی لیکن بدبختوں سے پھر وہی غلطیاں سرزد ہونے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے فارس کے بادشاہوں کو ان پر مسلط کر دیا۔ بادشاہ بابل نے ان پر قبضہ کر کے بڑے عرصے تک انہیں ذلیل وخوار کیا۔

حکایت منقول ہے کہ ایک جرنیل کا ان کی قربان گاہوں سے گزر ہوا، دیکھا کہ ایک خون کا چشمہ ابل رہا ہے اُن سے پوچھا یہ کیا ماجرا ہے۔ انہوں نے کہا یہ خون ہماری اُن قربانیوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتیں۔ لیکن اس کا دل نہیں مان رہا تھا اور کہا کہ تم غلط کہتے ہو جب تک صحیح بات نہیں بتاؤ گے میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ ہزاروں جانیں اسی کش مکش میں چلی گئیں۔ پھر پوچھا تو وہی انکار۔ اس نے کہا اب میں تو تمہارا ایک بچہ بھی نشانی کے لیے باقی نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ سچ نہیں کہو گے۔ جب بنی اسرائیل نے

دیکھا کہ یہ ہرگز نہیں چھوڑتا تب صاف بتایا کہ یحییٰ علیہ السلام کا بدلہ لیا ہے اس کے بعد اُس فوج کے جرنیل نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے عرض کی:

"اے اللہ کے پیغمبر یحییٰ علیہ السلام میرے اور آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ کی وجہ سے آپ کی قوم سے بہت کچھ بدلہ لیا گیا ہے فلہٰذا اب آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے خونِ اقدس کو روک دیں ورنہ میں آپ کے تمام دشمنوں کو تہِ تیغ کر دوں گا۔" اس کے بعد آپ کا خون رک گیا۔

تفسیر صوفیانہ انسان کے نفس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان اور اس کی نعمتوں کا کفران کر کے بھلا دینا اور انسان کفرانِ نعمت کرے بھی کیوں جبکہ اسے معلوم ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے کرم اور اُس کے لطف کے دریا میں غوطہ زن رہتا ہے تو اس پر بھی لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بڑی بڑی نعمتیں یہ ہیں:

(۱) ارسالِ رُسل

(۲) توضیح السبل

(۳) بارشوں کا نزول

(۴) کھیتوں کا حصول

(۵) صحتِ بدن

(۶) قوتِ قلب

(۷) موانع کا اندفاع

(۸) اسباب کی موافقت وغیرہ۔

حکایت دانیال علیہ السلام کی انگوٹھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پائی گئی۔ اس کے فص (نگینہ) پر دیکھا گیا کہ اس پر دو شیر ایک دوسرے کو چاٹ رہے ہیں۔ اس کا سبب یہ کہ بخت نصر نے بنی اسرائیل اور ان کے بچوں کو قتل کرنا شروع کیا تو دانیال علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے انہیں جیتے ہی جنگل میں ڈال دیا کہ کہیں بخت نصر کے قتل سے بچ جائیں اللہ تعالیٰ نے اُن کی حفاظت کے لیے شیر مقرر کر دیا اور دودھ پلانے کے لیے لبوۃ (شیرنی) کو اور پھر یہ دونوں انہیں پیار سے چاٹتے بھی تھے۔ جب دانیال علیہ السلام بڑے ہوئے تو انہوں نے اپنی انگوٹھی ایسی تیار فرمائی کہ درمیان میں اپنی تصویر[1] اور

[1] پہلی شریعتوں میں تصویر کشی جائز تھی، ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں ناجائز بلکہ حرام ہے۔ تفصیل کے لیے فقیر اویسی کا رسالہ "السوء التعزیر" دیکھئے۔

...وہ شیر چاٹتے ہوئے دکھائے گئے اور وہ ہر وقت اپنی انگوٹھی دیکھا کرتے تھے اور فرماتے اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمت یاد آتی ہے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ آخرت کا راستہ طے کرتے ہوئے مشقتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرے اور اللہ تعالیٰ کے جملہ حقوق کی ادائیگی میں جدوجہد کرے۔

نسخہ: حضرت فضیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص آخرت کا راستہ طے کرنا چاہتا ہے اسے نفس کو چار رنگ موت سے مارنا لازمی ہے۔

(۱) سفید
(۲) سرخ
(۳) سیاہ
(۴) سبز

(۱) سفید موت سے بھوک،
(۲) سیاہ موت سے لوگوں کی مذمت سے بچنا،
(۳) سرخ موت سے نفس کی مخالفت،
(۴) سبز موت سے مصائب و آلام کا برداشت کرنا مراد ہے۔

سبق: جو شخص ان باتوں سے بے خبر ہے وہ لامحالہ گمراہ ہوتا ہے اسے کبھی صراطِ مستقیم نصیب نہیں ہوتا۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) کور را ہر گام باشد ترس چاہ — با ہزاران ترس می آید براہ
(۲) مرد بینا دیدہ عرض راہ را — پس بداند او مغاک و چاہ را

---

(۳) ماہیاں را بحر نگزارد بروں — خاکیاں را بحر نگزارد دروں
(۴) اصل ماہی آب و حیواں از گلست — حیلہ و تدبیر اینجا باطلست
(۵) قفل زفتست و کشایندہ خدا — دست در تسلیم زن اندر رضا

ترجمہ: (۱) اندھے کو ہر قدم پر کنویں کا خوف ہے، ہزاروں بار خوف کھا کر راستہ طے کرتا ہے۔
(۲) آنکھوں والا راہ کے آگے دیکھتا ہے کہ گڑھا ہے یا کنواں۔

(۳) مچھلیوں کو دریا باہر نہیں پھینکتا، خاکیوں کو دریا اپنے اندر نہیں آنے دیتا۔

(۴) مچھلی کا اصل پانی اور دیگر جانوروں کا مٹی۔ یہاں حیلہ و تدبیر باطل ہے۔

(۵) تالہ بند ہو تو اللہ تعالیٰ اسے کھولتا ہے، تسلیم و رضا کا دامن مضبوطی سے تھام لے۔

رُوحانی بیماری اور اس کا علاج گناہ نسیان کا سبب ہے اور اس سے ہی بندہ بصیرت کھو بیٹھتا ہے اور اس سے حقیقی بہرہ بنتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر نہیں ٹلتی، اس لیے انسان پر لازم ہے کہ جتنی زندگی ہوا و ہوس میں گزاری اس پر گریہ و زاری کرے اور جتنا وقت شہوت رانی میں گزارا اس پر سخت افسوس کا اظہار کرے ورنہ اسے راہِ حق نصیب نہ ہو گا نہ اس کی طلب سے کوئی حصہ۔ اے اللہ! تُو ہی ہادی ہے۔

تفسیر عالمانہ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ وہی مسیح بن مریم ہے۔

شانِ نزول نجران کے عیسائیوں کے حق میں نازل ہوئی، اُن کے جو رؤسا اور عاقب تھے ان سب کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گیا ہے۔ اس کی اولاد اللہ تعالیٰ کی ایک ذات ہے حالانکہ وہ ایسی باتوں سے بلند و بالا ہے۔ اس فرقے کا نام یعقوبیہ تھا۔ ان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

وَقَالَ الْمَسِيحُ جب انہوں نے یہ کہا تو حضرت عیسٰے علیہ السلام نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا يٰبَنِىٓ إِسْرَآءِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّى اے بنی اسرائیل! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو وہ میرا رب ہے وَرَبَّكُمْ اور تمہارا رب ہے۔ یعنی اس لیے کہ میں ایک عبد تمہاری طرح کا پالا ہوا ہوں اس لیے تم میرے اور اپنے خالق کی عبادت کرو اِنَّهٗ بے شک شان یہ ہے کہ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو اس کی عبادت میں شریک ٹھہراتا ہے یا اس کے کسی فعل اور صفت میں کسی کو مختص کرتا ہے فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام فرمائی ہے اس میں اسے ہرگز داخل نہیں ہونے دے گا۔ جیسے محرم علیہ محرم تک نہیں پہنچ سکتا اور وہ بہشت صرف موحدین کے لیے تیار کی گئی ہے وَمَأْوٰىهُ النَّارُ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے وَمَا لِلظّٰلِمِينَ اور شرک کرنے والے ظالمین کے لیے مِنْ اَنْصَارٍ کوئی بھی مددگار نہیں کہ انہیں جہنم سے بچا کر ان کی مدد کر سکے غلبہ یا کر شفاعت کر کے۔ یہ عیسٰے علیہ السلام کے کلام کا تتمہ ہے۔

ربط: یعقوبیہ کے عقیدہ کے بعد اب نصاریٰ نسطوریہ اور ملکانیہ فرقہ کا عقیدہ بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ بیشک کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تینوں کا تیسرا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تینوں معبودوں میں سے ایک ہے اور معبود ہونا ان تینوں میں مشترک ہے یعنی وہ تین معبود ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ

۲- عیسیٰ علیہ السلام

۳- بی بی مریم علیہا السلام۔

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ حالانکہ معبود صرف ایک ہے یعنی واجب الوجود اور مستحق العبادۃ صرف ایک ذات ہے جو جمیع موجودات کا خالق ہے اور معبود ہونا صرف اسے لائق ہے جو وحدانیت سے موصوف اور قبولِ شرک سے بلند و بالا ہو وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ اور اگر وہ اپنے اس غلط عقیدہ سے باز نہ آئے یعنی عقیدہ یعقوبیہ کا ہو یا نسطوریہ و ملکانیہ کا، اسے انہوں نے ترک نہ کیا لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ البتہ پہنچے گا ان لوگوں کو جنہوں نے ان سے کفر کیا، یعنی دراصل لیمسنّھم ہونا چاہیے تھا لیکن ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے تاکہ ان کے کفر پر شہادت مضبوط ہو جائے مِن بیانیہ ہے الذین اسم موصول سے حال ہے عَذَابٌ اَلِيْمٌ دردناک عذاب، یعنی ایک شدید قسم کا عذاب کہ جس کا دل پر گہرا اثر پڑے گا اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ کیا وہ اپنی غلطیوں پر اصرار کرتے ہوئے اپنے گندے اور بُرے عقائد سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ یہ ہمزہ استفہام انکاری ہے واقعہ سے انکار و استبعاد کے لیے ہے نہ کہ وقوع کے انکار کے لیے ان کی غلطیوں کے اصرار پر تعجب اور انہیں توبہ پر برانگیختہ کرنے کے لیے وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ اس کی توحید کا اقرار اور جتنی غلط باتیں اس سے منسوب کیں ان سے استغفار کریں وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے یعنی حال یہ ہے کہ وہ بہت بڑی مغفرت والا ہے جو ان کی استغفار پر انہیں بخش دیتا ہے اور اپنے فضل و کرم سے انہیں نوازتا ہے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ مسیح بن مریم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ان سے پہلے پیغمبرانِ عظام علیہ السلام گزرے ہیں یعنی وہ صرف رسالت پر مقصور ہیں رسالت کے منصب سے ایک قدم آگے نہیں اٹھاتے تھے۔ دوسرے رسل کرام علیٰ نبینا علیہم السلام کی طرح اپنے مناصب و مراتب سے نہیں ہٹے تھے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے چند معجزات و خصوصیات سے دوسرے پیغمبران علیہم السلام کی طرح انہیں بھی معجزات و خصوصیات سے نوازا۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے مُردوں کو زندہ کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے عصا کو اژدہا بنا کر دوڑایا حالانکہ یہ بڑی زیادہ تعجب کی

سنا دیتے ہیں۔ عقل انہیں سمجھاتی کہ یہ کام خدا کرتا ہے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں تو اس کے بیٹے ضرور ہیں، اس لیے کہ یہ قدرتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں اور وہ قدرتیں وہ خود ظاہر کرے ورنہ اس کا بیٹا یہ کام کرسکتا ہے اس لئے کہ الولد سر لابیہ بیٹا اپنے باپ کا مظہر ہوتا ہے۔

نصاریٰ کی دوسری تقریر بعض مفسرین کہتے ہیں کہ نصاریٰ نے سمجھا کہ عیسےٰ علیہ السلام تزکیۂ نفس کرکے ناسوتی رنگ سے نکل کر لاہوتی ہوگئے اس اللہ تعالیٰ کی ذات نے عیسےٰ علیہ السلام کی ناسوتیت کو فنا کرکے اپنی ذات ان میں جذب فرما دی۔ جب عیسیٰ علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے حلول کیا تو عیسےٰ علیہ السلام خدا ہوگیا (نعوذ باللہ)۔ اللہ تعالیٰ ان کے گندے خیالات سے بلند وبالا ہے۔

اہلِ اسلام کا تصورِ تصوف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت چونکہ طریقِ حق پر بموافق اتباعِ نبوی اقدامِ جذباتِ الوہیت سے چلتے ہیں بنا بریں اللہ تعالیٰ نے ان سے استدلالات براہین وصال اور وصول کی کلفت معاف فرما دی۔ جیسا کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ جب انہوں نے ظاہری علوم کی کتابیں پانی میں ڈال دیں تو پھر ان سے مخاطب ہو کر فرمایا،

نعم الدلیل انتم ولکن اشتغالی بالدلیل بعد الوصول الی المدلول محال۔	بے شک تم بہترین دلیل ہو لیکن اب میں اپنے محبوب کا وصال پا چکا ہوں اس لیے اب دلیل سے مشغول ہونا اچھا نہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) چوں شدی بر بامہاے آسماں — سرد باشد جست وجوے نردباں

(۲) آینہ روشن کہ شد صاف و جلی — جہل باشد بر نہادن صیقلی

(۳) پیش سلطاں خوش نشستہ در قبول — جہل باشد جستن نامہ و رسول

ترجمہ: (۱) جب تم آسمان کی چھت پر پہنچ جاؤ تو پھر سیڑھی کی جستجو نہیں رہتی۔

(۲) جب آئینہ صاف و شفاف ہو تو پھر صفائی کے لیے اس پر مصقلہ رکھنا جہالت ہے۔

(۳) بادشاہ کے حضور میں مقبول بن کر بیٹھنے کے بعد کسی کی سفارش کا خط یا قاصد تلاش کرنا بُری بات ہے۔

جب یہ حضرات اللہ تعالیٰ ذوالجلال کی بارگاہ کے پردوں کے قریب پہنچ جاتے ہیں تو انہیں صفاتِ جمال کے انوار کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ حضرتِ انسان وہی تو ہے جس نے تمام مخلوقاتِ حق

سے جانے میں باز رہیں۔

ت و امانت سے نور الوہیت کا فیض مراد ہے جو انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے ہمیں نصیب ہوا۔ اس کمال کے حصول میں حسنِ تقویم سے یہی حضرات انبیاء علیہم السلام مخصوص ہیں اور انہیں وہ کمالات حاصل ہوئے جن میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ یہی وجہ ہے جیسے علیہ السلام نے انہیں فیض خالقیہ و محبتیہ سے تزکیۂ نفس فرمایا کہ وہ اس قابل ہو گئے کہ مٹی کے گارے سے پرندہ بناتے پھر اس پر پھونک مارتے تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگ جاتا اور وہ مادر زاد اندھے کو بینا کر دیتے اور برص والے کو درست کر دیتے اور مردوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کرتے۔ اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ ان امور کا صدور اُن سے ہونا اور وہ خالقیت کی صفت کے مظہر تھے۔ اس کی مثال اس شیشے کی ہے جس میں سورج سے فیض پانے کی استعداد ہے اسے اگر سورج کے سامنے رکھا جائے تو اس کے اندر سورج کا فیض پہنچتا ہے یعنی اس کی گرمی اس کے اندر آجاتی ہے پھر اُس کے مقابل جو شئے بھی آجائیگی اُسے وہ جلا کر راکھ کر دے گا صرف اُس نور کی وجہ سے جو اسے سورج سے نصیب ہوا، ورنہ اس کا تو اپنا کچھ نہیں بلکہ اُس سورج کا فیض حاصل کرنے کی استعداد تھی بنا بریں اس میں سورج کی صفات پہنچیں تو پھر اس شیشے نے وہ نور آگے پہنچایا۔

یہ مضمون سمجھ میں آجائے تو ان شاء اللہ یہ عقیدہ مضبوط ہوگا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیائے کبار رحمہ اللہ تعالیٰ کی کرامات میں بھی قدرتِ ایزدی کام کر رہی ہوتی ہے اور ان سے قوتِ ایزدی کا ظہور ہوتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو یہ مقام مستقل طور پر نصیب ہوتا ہے اور اولیاء کرام کو ان کے طفیل اور ان کی اتباع میں۔

ازالۂ وہم حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ السامی نے فرمایا کہ میں نے اپنا بشریت کا جامہ اتار پھینکا جیسے سانپ اپنی کھال اتارتا ہے پھر اپنے آپ کو دیکھا تو میں ذاتِ حق ہوں۔ اس کے متعلق حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: انسان جب شہوات و خواہشات کو مٹاتا ہے تو اس میں سوائے ذاتِ حق کے کسی اور خیال اور تصور کا گزر نہیں ہوتا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جس کے قلب میں اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کے سوا اور کچھ نہ ہو اور وہ اس میں مستغرق ہو جائے تو ایسا ہوتا ہے کہ گویا وہی ذاتِ حق ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ بندہ خدا ہو جاتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: سبحانی ما اعظم شانی (میں سبحان ہوں اور میرا کتنا بلند شان ہے)

اس کا جواب بھی یہی ہے کہ حضرت بسطامی قدس سرہٗ کو جب ذاتِ حق کا مشاہدہ ہوا اور صفات

ذاتِ حق سے تجلیات حاصل ہوئیں تو اپنے آپ کو دیکھ کر کہا سبحانی۔ اور جب عام مخلوق سے اپنے اندر زائد استعداد اور پھر انوار و تجلیات کے موارد و مشاہدہ فرمائے تو کہا ما اعظم شانی۔ ورنہ وہ خوب جانتے تھے کہ ذاتِ اقدس سے انہیں کیا نسبت ہے اور اس کے علوشان کو کون پہنچ سکتا ہے۔

انا الحق کی تشریح بعض صوفیہ کرام نے کہا انا الحق (میں حق ہوں) کا یہی مطلب ہے کہ یہ کلمہ مجازاً کہا گیا ہے، جیسے شاعر نے کہا: ع

انا من اھوی و من اھوی انا

(میں وہی ہوں جسے چاہتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں وہی میں ہوں)

یہ مجاز بھی محمول ہے، یہ نہیں کہ حقیقۃً وہ وہی ہو گیا ہے یہ اس لیے کہ وہ اپنی عشق کی داستان سناتا ہوا کہتا ہے کہ میں اس کی محبت میں اتنا مستغرق ہوں کہ اب گویا وہی میں ہوں بطور مجاز کے اتحاد تصوری اتحاد لفظی سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ کوئی جرم کی بات نہیں بلکہ عرف اور شرع کے عین مطابق ہے۔

فائدہ صوفیانہ حضرت ابوالقاسم جرجانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے صفات کا مظہر سالک بنتا ہے۔ یہ اس وقت اسے نصیب ہوتا ہے جب وہ سلوک میں راسخ قدم ہو کر سرِ مُو بھی کمی نہ کرے۔

سوال: تصوف میں وصول (وصال) کسے کہتے ہیں؟

جواب: یہی سلوک کا دوسرا نام ہے اور سلوک یہی ہے کہ انسان اپنے اخلاق اعمال معارف کو مہذب بنائے اور یہ اس وقت نصیب ہو سکتا ہے جبکہ بندہ اپنے ظاہر و باطن کی صفائی میں مشغول ہو اور اس کی یہ مشغولی اللہ تعالیٰ کی کریمی سے حاصل کر سکتا ہے ظاہر کی صفائی سے باطن کا تصفیہ نصیب ہوتا ہے جس سے وہ وصول (وصال) کی استعداد کے لائق ہو جاتا ہے اس سے اس کے لیے حق کے جلوے منکشف ہونے لگتے ہیں۔ پھر وہ پورا مستغرق باللہ ہو جاتا ہے اب اُسے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کچھ نظر نہیں آتا اور نہ ہی وہ ماسوی اللہ کی خبر رکھتا ہے اب اس کا ہر سانس اللہ تعالیٰ کے مشاہدات میں نکلتا ہے۔ اس کا مشغلہ ذاتِ حق کے ساتھ ہوتا ہے یہاں تک کہ اب وہ اپنے سے بھی سروکار نہیں رکھتا اب ہر وقت اپنی ظاہری باطنی تعمیر میں لگا رہتا ہے اب اس کا ہر کام صفائی ہی صفائی سے متعلق ہو جاتا ہے اور یہ اس کے ابتدائی مراحل ہیں اور ان کے جملہ مشاغل کی انتہا یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ اپنے نفس سے بشریت کا جامہ اتار کر پھینک دیتا ہے اور تجرید پا کر ذاتِ حق کے صفات کا نمونہ بن جاتا ہے۔ اس کو

(باقی بر صفحہ ۳۲۷)

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ

لعنت کیے گئے وہ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں داؤد اور عیسیٰ

دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۷۸ كَانُوْا

بن مریم کی زبان پر بدلہ ان کی نافرمانی اور سرکشی کا جو بری

لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۹ تَرٰى كَثِيْرًا

بات کرتے آپس میں ایک دوسرے کو نہ روکتے ضرور بہت ہی برے کام کرتے تھے ان میں تم بہت

مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ

کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں کیا ہی بری چیز اپنے لیے خود آگے بھیجی یہ کہ اللہ کا ان پر

عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۸۰ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ

غضب ہوا اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ اور نبی پر

النَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸۱

اور اس پر جو ان کی طرف اترا تو کافروں سے دوستی نہ کرتے مگر ان میں تو بہتیرے فاسق ہیں

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ

ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے اور

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ

ضرور تم مسلمانوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان کو پاؤ گے جو کہتے تھے ہم نصاریٰ ہیں یہ

بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۸۲

اس لیے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور یہ غرور نہیں کرتے

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

اصطلاحِ تصوف میں سلوک کہا جاتا ہے ۔

(۱) کارگاہ گنج حق در نیستیست — غرہ ہستی چہ دانی نیست چیست

---

(۲) آب کوزہ چوں در آب جو شود — محو گردد در وے وجود او شود

ترجمہ : (۱) گنج حق کا معاملہ نہایت پوشیدہ ہے وہاں ہستی کا دھوکا کھانے والے نے کیا معلوم کیا کہ نیست کیا ہے ۔

(۲) کُوزے کا پانی جب نہر میں چلا جائے گا تو وہ اس میں محو ہو جائے گا پھر یونہی ہو گا کہ وہ بھی نہر کا عین ہے۔

تفسیر عالمانہ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ملعون ہوئے کافر در انحالیکہ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وہ بنی اسرائیل سے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مردود اور دُور ہوئے عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ داؤد علیہ السلام کی زبان اقدس سے۔ یہ لُعِنُوْا سے متعلق ہے اور اس سے اہلِ ایلہ مراد ہیں جبکہ انہوں نے سنیچر کے مسئلہ میں تجاوز کیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کی،

اللھم العنھم واجعلھم آیۃ و مثل لخلقك۔	اے اللہ تعالیٰ! انہیں لعنتی بنا دے اور اپنی مخلوق کے لیے عبرت اور مثال قائم فرما۔

پس حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا سے وہ لوگ بندر بن گئے وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ اور عیسٰے بن مریم علیٰ نبینا علیہما السلام کی زبان سے بھی کفار یعنی اصحابِ مائدہ ملعون ہُوئے جبکہ انہوں نے مائدہ سے کھایا بھی اور مل کر بھی رہے تو حضرت عیسٰے علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا فرمائی؛

اللھم العنھم کما لعنت اصحاب السبت واجعلھم آیۃ۔	اے اللہ تعالیٰ! انہیں سنیچر والوں کی طرح لعنتی بنا دے اور انہیں اپنی مخلوق کے لیے مثال بنا۔

چنانچہ وہ اسی وقت خنزیر کی شکلوں میں مسخ ہوئے، وہ اس وقت پانچ ہزار مرد تھے ان میں نہ کوئی عورت تھی نہ کوئی لڑکا۔

اس کے بعد سوال پیدا ہوا کہ ان مذکورہ لوگوں کو اتنی بڑی سزا کیوں ملی؟ تو ان کے جواب میں فرمایا بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ یہ اس لیے ہُوا کہ وہ نافرمانی کرتے اور حدودِ شرعیہ سے تجاوز کرتے تھے اپنی غلطیوں کے ارتکاب سے وہ مسخ کے مستحق ہُوئے۔ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی وہ ایک دوسرے کو بُرائی سے نہ روکتے تھے ان کی برائیوں کو دیکھ کر نہی عن المنکر کا فریضہ نہ ادا کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر رکھی تھی لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ بُرا ہے وُہ عمل جو انہوں نے کیا اس لیے کہ اس بُرائی کی سزا قیامت میں پائیں گے قسم سے مؤکد کر کے ان کے عمل پر انہیں تعجب دلایا گیا ہے تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ تم ان کو اکثر دیکھو گے یعنی اہلِ کتاب میں سے جیسے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی جبکہ وہ مشرکینِ مکہ کی طرف گئے تاکہ اتحاد کر کے

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں۔ یہاں رویت بصری مراد ہے یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کافروں سے دوستی کرتے ہیں یہ کثیرا سے حال ہے اس لیے کہ وہ موصوف ہے (ورنہ اس میں ذوالحال بننے کی صلاحیت نہیں، کیونکہ نکرہ ہے) اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ اہل کتاب مشرکین سے دوستی کرتے ہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین سے بغض وعداوت کی وجہ سے لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ بہت بُرا عمل ہے جو اپنے نفسوں کے لیے آگے بھیج رہے ہیں اس لیے کہ قیامت میں اس بُرے عمل کا نتیجہ انہیں بھگتنا ہوگا اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ مخصوص بالذم اور اس کا مضاف محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے موجب سخط اللہ والخلود فی العذاب اس لیے کہ سخط کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور باری تعالیٰ کو مخصوص بالذم سے موصوف کرنا قبیح ہے بلکہ مخصوص بالذم وہ امور ہیں جو اُس کے غضب کا موجب ہیں وَلَوْ كَانُوْا اس سے وہ اہل کتاب مراد ہیں جو مشرکین سے دوستی جوڑتے ہیں يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ اور اپنے نبیوں پر بھی ایمان لاتے ہوں وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ان کے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں یعنی اگرچہ ان کا تورات وانجیل پر بھی ایمان ہو مَا اتَّخَذُوْهُمْ ان مشرکین کو نہیں بنایا اَوْلِيَآءَ دوست، اس لئے کہ مشرکین کی دوستی کی تحریم سابقہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی حرام تھی اور اُن کی کتابوں میں ان کی دوستی کی تحریم صراحۃً موجود تھی۔ اس بناء پر انہیں ایمان ہوتا تو انہیں روکتا کہ ان بے دینوں مشرکوں سے دوستی نہ کرو وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ لیکن اُن کے بہت سے فاسق ہیں دین وایمان اور انبیاء علیہم السلام اور کتابوں سے خارج ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں چند امور واضح ہوئے:

(۱) صرف انسان کامل ہی خلافت کے حق کا مستحق ہے اور وہی حق کے صفاتِ لطف وقہر کا مظہر ہے وہ قبول کرلیں تو سمجھو ذاتِ حق نے قبول کرلیا۔ اُنہوں نے جسے رد کیا تو گویا اللہ تعالیٰ کے حضور سے دھتکارا گیا۔ اُن کا مردود اللہ تعالیٰ کا مردود ہے اُن کا مقبول اللہ تعالیٰ کا مقبول ومحبوب ہے جسے وہ دھتکار دیں سمجھو کہ درگاہِ حق سے مارا گیا، جس پر اُن کی نگاہِ کرم ہوگی گویا اللہ کا لطف وکرم ہوگیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔

اور فرمایا: ھو الذی یصلی علیکم۔

غور کیجئے کہ لعنت کا صدور تو داؤد و عیسٰے علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی زبانِ اقدس سے ہو رہا تھا لیکن حقیقۃً لعنت من جانب اللہ تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کما لعنا اصحٰب السبت۔

اس سے وہی لوگ مراد ہیں جن پر داؤد علیہ السلام نے لعنت کی تھی۔ یہاں بھی اس لیے تصریح فرمائی تاکہ معلوم ہو جائے کہ اگرچہ لعنت کا صدور داؤد علیہ السلام کی زبانِ اقدس سے ہو رہا ہے لیکن حقیقۃً لعنت اللہ تعالیٰ سے ہی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) این نکردی تو کہ من کردم یقین — اے صفاتت در صفات ما دفین

(۲) ما رمیتَ اذ رمیت گشتۂ — خویشتن در موجِ کف ہشتۂ

ترجمہ: (۱) یہ تُو نے نہیں کیا یقیناً میں نے کیا ہے کیونکہ بڑی صفات میری صفات میں گم ہیں۔

(۲) ما رمیتَ اذ رمیت یعنی من تو شُدم تُو من شدی والا معاملہ ہے، تم موجِ دریا میں جھاگ کی طرح ہو۔

اور دُوسری جگہ فرمایا: ؎

(۱) کہ ترا از تو بکُل خالی کند — تو شوی پست او سخن عالی کند

(۲) گرچہ قرآں از لبِ پیغمبر است — ہر کہ گوید حق نہ گفت او کافر است

ترجمہ: (۱) تجھے خودی سے کُلی طور پر خالی کرتا ہے تو نیچے ہوگا اس کی بات عالی ہوگی۔

(۲) اگرچہ قرآن پیغمبر علیہ السلام کے لبِ اطہر سے سُنا گیا، لیکن جو کہے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں وہ کافر ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے یہاں پر بُرائی کا نام منکر رکھا ہے اس لیے کہ گناہ اجنبیت پیدا کرتا ہے، جیسے طاعت کو معروف کہا جاتا ہے اس لیے کہ نیکی عرفان پیدا کرتی ہے اور بُرے فعل کے اقدام کو معصیت کہتے ہیں اور پھر اسے بار بار کرنا کفر کے قریب پہنچ جاتا ہے اور یہی کفر دل کی سیاہی کا سبب بنتا ہے جو دل کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے، برائیوں سے روکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یحشر یوم القیامۃ اناس من امتی — میری امت میں سے بعض لوگ خنزیروں

من قبورھم الی اللہ تعالیٰ علی صورۃ القردۃ والخنازیر بما داھنوا اھل المعاصی وکفوا عن نھیھم وھم یستطیعون۔

بندروں کی شکلوں میں قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو زندگی بھر اہلِ معصیت سے یاری دوستی جوڑتے تھے اور انہیں برائیوں سے نہیں روکتے تھے حالانکہ ان میں اہلِ معصیت کو برائی سے روکنے کی طاقت بھی تھی۔

ف: بُرے لوگوں سے بُرائی روکنے کے لیے مقابلہ کرنا اور دعوت الی اللہ دینا پسندیدہ بزرگوں کا کام ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱)	ہر کسے کو از صف دین سرکش است	میرود سُوے صفے کان واپس ست
(۲)	تو ز گفتار تعالوا کم مکن	کیمیائے پس شگرفست آن سخن
(۳)	گر مسی گردد ز گفتارت نفیر	کیمیا را ہیچ ازوے وامگیر
(۴)	این زمان گر بست نفس ساحرش	گفت تو سودش دہد در آخرش
(۵)	قل تعالوا قل تعالوا اے غلام	ہین کہ ان اللہ یدعو بالسلام

ترجمہ: (۱) جو دین کی صف سے روگردان ہے وہ جہاں جائے گا بے مراد لوٹے گا۔
(۲) تعالوا (آؤ) کے قول سے کم نہ کر، کیمیا کی طرح شگرف کے پیچھے ہے یہ سخن۔
(۳) اگر کوئی تانبہ تیری گفتار سے نفرت کرے اس سے کیمیا کیا حاصل ہوگا۔
(۴) اس گھڑی اگر اسے ساحر نے بند کر دیا بالآخر اسے وہ نفع ضرور دے گا۔
(۵) اے عزیز! اسے بار بار کہتا رہ آجا، کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی تو سلامتی کی دعوت دیتا ہے۔

(۴) مومن و کافر برابر نہیں، یعنی ایک جنس نہیں، اس لیے کہ کافر سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب ہے کیونکہ دشمنوں کی محبت دوستوں کی عداوت کا سبب بنتی ہے۔

سبق مومن کامل پر واجب ہے کہ وہ کفار کی محبت اور دوستی اور اُن کی صحبت سے دُور بھاگے اور فجار اور اہلِ بدعت اور خواہشات کے شکاریوں اور اہلِ غفلت اور منکروں سے علیحدگی اختیار کرے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱)	میل مجنوں پیش آں لیلے رواں	میل ناقہ پس طفلش دواں
(۲)	گفت اے ناقہ چو ہر دو عاشقیم	ما دو ضد پس ھمرہ نالائقیم

(۳) نیستت بروفق من مہر و مہار — کرد باید از تو صحبت اختیار
(۴) جان زہجر عرش اندر فاقۃ — تن زعشق خار بن چون ناقۃ
(۵) جان کشاید سوے بالا بالہا — درزدہ تن در زمین چنگالہا

ترجمہ (۱) مجنون کا میلان لیلیٰ کے پیچھے لیکن اونٹنی کا میلان اپنے بچے کے پیچھے۔
(۲) کہا اے اونٹنی جب ہم دونوں عاشق ہیں ہم دو ضد ہیں اس کے باوجود ایک راہ پر چل رہے ہیں بہت بڑے نالائق ہیں۔
(۳) میرے موافق نہ محبت ہے نہ مہار، ورنہ تجھ سے صحبت کا ترک لازم۔
(۴) جان تو ہجر کی وجہ سے بھوکی ہے لیکن جسم ناقہ کی طرح عشق میں خستہ حال ہے۔
(۵) جان تو بلندی کی طرف پرواز چاہتی ہے لیکن جسم نے زمین پر پنجے گاڑے ہوئے ہیں۔
اے اللہ! ہمیں ہر غیر جنس سے بچائیو۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ لَتَجِدَنَّ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم البتہ ضرور پاؤ گے اَشَدَّ النَّاسِ وجدان کا مفعول اول ہے لوگوں سے سخت تر عَدَاوَۃً ازروئے عداوت یہ تمیز ہے لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا یہ عداوت سے متعلق ہے یعنی اہلِ ایمان کی دشمنی کے لیے اَلۡیَهُوۡدَ یہود کو، یہ وجدان کا مفعول ثانی ہے وَالَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا اور وہ لوگ جو مشرک ہیں، اس سے عرب کے مشرک مراد ہیں۔ اس کا عطف الیہود پر ہے وَلَتَجِدَنَّ اَقۡرَبَهُمۡ مَّوَدَّۃً لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰی ؕ اور اہلِ ایمان کی محبت کے قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ اس کی ترکیب سابقہ جملہ کی طرح ہے۔

ف: یہود اور مشرکین کی دشمنی معاد کے انکار کی وجہ سے ہے اس لیے کہ انہیں اخلاقِ مذمومہ کے معدن سے بہت زیادہ محبت ہے یعنی دنیا سے اس لیے کہ جسے دنیا سے زیادہ محبت ہو تو وہ دنیا کی خاطر دین کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ پھر ہر برائی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے جو بھی دینی دنیوی مراتب میں بلند و بالا ہوا اس سے اس کی دشمنی و عداوت لازماً ہوتی ہے اور سخت تر۔ اور نصاریٰ کی اہلِ ایمان سے محبت اس لیے ہے کہ اُن کے اصول دین میں شامل ہے کہ وہ دنیا سے روگردانی کرتے رہتے ہیں اور زیادہ تر وقت عبادت میں بسر کرتے ہیں۔ طلب ریاست اور تکبر و ترفع سے دور رہتے ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ جو ایسے اوصاف سے موصوف ہو وہ نہ لوگوں کو ایذا دیتا ہے اور نہ ہی اُن سے حسد کرتا ہے بلکہ طلب حق میں رقیق القلب اور نرم خو رہتا ہے حالانکہ نصاریٰ کفر میں یہودیوں سے بڑھ کر ہیں

لیے نصاریٰ کا کفر الوہیت کے متعلق ہے اور یہودیوں کا ثبوت میں ہے۔
سوال : تم نے کہا کہ یہود الوہیت کے گستاخ نہیں حالانکہ قرآن مجید میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :
قالت الیھود عزیر ابن اللہ ۔
جواب : تمام یہودیوں نے نہیں بلکہ ان کے ایک گروہ نے ایسے کہا اُن پر لعنت اور اظہارِ ناراضگی
صرف ان کی دنیا کی محبت کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ اس کی حدیث شریف سے بھی تائید ہوتی ہے۔ حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

حب الدنیا رأس کل خطیئۃ۔ دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔

ف : امام بغوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں تمام نصاریٰ بھی مراد نہیں اس لیے کہ اُن میں اکثر ایسے ہیں
جنہیں مسلمانوں سے دشمنی یہودیوں کی دشمنی سے کم نہیں وہ بھی چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو مٹا کر رکھ دیا جائے
انہیں قید کیا جائے یا کم از کم انہیں ذلیل و خوار کیا جائے اور ان کی مساجد کو فنا کر دیا جائے اور اُن کے
قرآن مجید کو فنا کر دیا جائے، اس بنا پر نہ وہ مسلمانوں سے محبت کرتے ہیں نہ ہی ان کی عزت و عظمت کے
خواہاں ہیں، بلکہ یہ آیت صرف نصرانیوں کے لیے ہے جن کے متعلق نازل ہوئی یعنی حضرت نجاشی اور ان کے ساتھی،
اس لیے حضرت نجاشی حبشہ کا بادشاہ نصرانی تھا۔ جب اسلام کا ظہور نہیں ہوا تو وہ نصرانیت کا پیروکار تھا۔
پھر مسلمان ہو گیا بلکہ اس کے تمام ساتھی بھی مسلمان ہو گئے۔ ان کا اسلام لانا فتح مکہ سے پہلے ہوا۔ اس کا
وصال فتح مکہ سے بھی پہلے ہوا۔

ف : مفسرین فرماتے ہیں کہ قریشیوں نے اعلان کیا تھا کہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے کے لیے کون ہمارا
ساتھ دیتا ہے، اس پر ہر قبیلہ کے لوگوں نے لبیک کہہ کر ان کو ایذا دینا، روزی تنگ کرنا اپنا معمول بنا لیا۔
بہت سے مسلمان سخت مصائب اور ظلم و ستم کا نشانہ بنے لیکن اللہ تعالیٰ نے بہتوں کو بچایا۔ حضور اکرم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو احساس ہوا کہ اس طرح سے ظلم ہوتا رہا تو اسلام کی اشاعت مشکل ہو جائے گی
اس وقت جہاد کا حکم ابھی نہیں ہوا تھا۔ آپ نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ حبشہ کی طرف چلے جاؤ اور فرمایا
وہاں کا بادشاہ نہایت نیک ہے اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور نہ ہی وہ ظلم کا روادار ہے فلہذا تم اُس کے
ملک میں ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ بہت سے مسلمان وہاں سے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے
سہولتیں پیدا فرمائیں اور اسے غلبہ عطا فرمایا۔ حضرت نجاشی کا نام اصحمہ تھا۔
یاد رہے کہ نجاشی حبشہ کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا، جیسے قیصر روم کے بادشاہ کا کسریٰ فارسیوں
کے بادشاہ کا لقب ہوتا اور اصحمہ بالمہملتین حبشہ کی لغت میں بمعنے عطیہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کا ارشادِ گرامی سُن کر ابتدا میں پوشیدہ طور گیارہ صحابہ نے مکہ معظمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور اُن کے ساتھ چار عورتیں بھی تھیں۔ مردوں میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ محترمہ بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر دریائی سفر سے کشتی والے کو نصف دینار دے کر کشتی پر سوار ہو کر حبشہ پہنچے۔ یہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے پانچویں سال رجب شریف میں ہوا۔ اس کو ہجرتِ اولیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قافلہ کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حبشہ پہنچے پھر تو پے در پے مسلمان حبشہ پہنچنے لگے۔ اس دفعہ مجموعی طور عورتوں اور بچوں کے سوا بیاسی مردوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی سہ

سعدیا حُبِّ وطن گرچہ حدیثست صحیح

نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ: اے سعدی! اگرچہ حب الوطنی کی حدیث صحیح ہے سختی میں اس لیے مرتے رہنا کہ یہ میری پیدائش کی جگہ ہے۔

جب قریشِ مکہ کو مسلمانوں کی ہجرت کا علم ہوا تو انہوں نے عمرو بن العاص اور اس کے ساتھی کو بہت تحائف دے کر نجاشی اور اس کے ارکانِ دولت کی طرف پیغام بھیجا کہ مسلمانوں کو پناہ نہ دیجئے بلکہ انہیں واپس ہمارے ہاں بھیج دیجئے لیکن اللہ تعالیٰ نے قریشِ مکہ کا یہ ارادہ پورا نہ فرمایا اور مسلمانوں کو محفوظ فرمالیا۔ جب عمرو بن العاص اور اس کا ساتھی نجاشی سے ناامید ہو کر لوٹے تو مسلمانوں نے سکون و اطمینان کا سانس لیا اور انہیں ایک بہترین رہائش مل گئی اور اعلیٰ ہمسائیگی نصیب ہوئی یہاں تک کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت ترقی عطا فرمائی۔ یہ ہجرت کے چھٹے سال کی بات ہے۔

بی بی اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عقدِ نکاح کا واقعہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد نجاشی کو خط بھیجا۔ آپ کا یہ نامہ مبارک عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ لے گئے۔ آپ نے اس میں لکھا کہ حضرت ام حبیبہ بنتِ ابی سفیان کا نکاح ہمارے ساتھ کر دیں۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت بی بی صاحبہ اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئیں لیکن وُہ چند روز کے بعد فوت ہو گیا، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک جب نجاشی کے ہاں پہنچا تو اس نے اپنی لونڈی نزہتہ نامی کے ذریعہ بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضور علیہ السلام کا پیغامِ نکاح پہنچایا۔ بی بی صاحبہ نے خوشی میں نزہتہ کو اپنا ہار انعام میں دے دیا اور فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھجوا دو کہ میرا وکیل نکاح حضرت خالد بن سعید بن العاص

(رضی اللہ عنہ) حاضر ہوا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح بی بی صاحبہ سے خالد بن سعید نے چار سو دینار مہر کے عوض کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے حضرت نجاشی وکیل مقرر ہوا۔ پھر چار سو دینار نزہتہ کو دے کر بھیجا کہ بی بی صاحبہ کے حوالے کرے۔ بی بی صاحبہ نے پھر اُس لونڈی کو پچاس دینار دینے چاہے نزہتہ نے لینے سے انکار کر دیا اس لیے کہ اسے بادشاہ نے روک دیا تھا کہ اب بی بی صاحبہ سے کچھ نہ لینا۔ چنانچہ یہی معذرت بی بی صاحبہ سے کی اور ساتھ ہی عرض کیا کہ جب آپ حضور علیہ السلام کے حضور میں پہنچیں تو میرا اسلام بارگاہِ رسالت میں پیش کر دینا۔ جب عقد نکاح ہو گیا تو نجاشی نے اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ بی بی صاحبہ کے پاس عود وعنبر لے جائیں۔ چنانچہ بی بی صاحبہ یہ عود وعنبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں اپنے ساتھ لے گئیں اور آپ اس کے ہاں یہ اشیاء دیکھتے رہتے تھے انہیں ایسی چیزوں سے منع نہ فرمایا۔ بی بی صاحبہ فرماتی ہیں کہ مجھے نجاشی نے ساز وسامان دیا اور ہمیں دو کشتیوں میں بٹھا کر مدینہ طیبہ بھجوایا گیا۔ ہمارے ساتھ دو ملاح تھے جو کشتیوں کو آرام سے حبشہ سے مدینہ طیبہ کی طرف لائے۔ جہاں تک دریائی راستہ تھا کشتیوں میں کیا پھر پیدل سفر کر کے ہم مدینہ طیبہ پہنچے لیکن حضور علیہ السلام خیبر میں تشریف لے گئے تھے۔ ہمارے ساتھ جتنے لوگ تھے ان میں سے بہت سے حضور علیہ السلام کی محبت میں خیبر چلے گئے اور میں مدینہ طیبہ میں مقیم رہی، یہاں تک کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ نے مجھ سے نجاشی کے متعلق پوچھا تو میں نے سارا حال سُنا کر نزہتہ لونڈی کا سلام عرض کیا۔ آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

عسی اللہ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منھم مودۃ۔	عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت پیدا کرے گا۔

اس سے ابو سفیان سے محبت پیدا کرنا اور مودت ومحبت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عقد مبارک مراد ہے۔ جب حضرت ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کو بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا علم ہوا تو کہا:

ذاك الفحل لا یقرع انفہ۔ (اس نر کی ناک ٹھوکنے کی نہیں)

یعنی اب تعلقات مزید مستحکم ہو گئے۔

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا ادری انا بفتح خیبر اسر ام بقدوم جعفر۔	مجھے معلوم نہیں کہ مجھے فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہے یا حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) کے تشریف لانے سے۔

(حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ حبشہ سے تشریف لائے تھے)

نجاشی کے اسلام لانے کا واقعہ

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جب اصحمہ نجاشی شاہِ حبشہ کے پاس واپس آئے تو اصحمہ نے اپنے شہزادے ازہر بن اصحمہ بن الحر کو حبشہ سے چھ آدمیوں کے ساتھ بھیج کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لکھا ،

یارسول اللہ اشهد انك رسول اللہ صادقا ومصدقا وقد بايعتك وبايعتك بابن عمك واسلمت لله رب العالمين وقد بعثت ابني ازهر وان شئت ان اٰتيك بنفسی فعلت والسلام عليك يارسول اللہ ۔

یارسول اللہ ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے صادق و مصدق رسول ہیں ، چنانچہ میں آپ کی بیعت قبول کرتا ہوں اور آپ کے چچا زاد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ رب العالمین کی توحید پر ایمان لاتا ہوں ۔ ابھی میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں اگر آپ کا ارشادِ گرامی ہو تو میں خود بھی حاضر ہونے کو تیار ہوں والسلام علیک یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

آیت کا شانِ نزول

حضرت نجاشی کا صاحبزادہ کشتی پر سوار ہوا اس کے ساتھ اور دوست بھی تھے ۔ جب کشتی دریا کے وسط میں پہنچی تو ڈوب گئی وہ سب غرق ہو گئے (اس لیے کہ وہ لوگ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بعد روانہ ہوئے تھے) حضرت جعفر رضی اللہ عنہ پہلے ہی پہنچ چکے تھے اُن کے ساتھ ستر آدمی تھے اُن کا لباس اُون کا تھا ان میں باسٹھ حبشی اور آٹھ شامی تھے ان میں بحیرا راہب بھی تھا ۔ آپ نے جب اُن کے سامنے سورۂ یٰسٓ شریف پڑھی تو قرآن سن کر وہ رو پڑے اور ایمان لے آئے اور کہا کہ اس کلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب انجیل سے مشابہت ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ولتجدن اقربهم مودة للذين اٰمنوا الذين قالوا انا نصارٰى ۔ یعنی نجاشی کا وفد جو جعفر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ حبشہ سے حاضر ہوا تھا اس وفد میں ستر آدمی تھے اور سب کے سب گرجوں میں رہ کر عبادت کرنے والے تھے ۔

ذٰلِكَ یعنی ان کا مومنین سے محبت کے زیادہ قریب ہونا اس لیے ہے کہ بِاَنَّ مِنْهُمْ کہ ان میں قِسِّیْسِیْنَ علماء نصاریٰ اور ان کے عباد اور رؤسا ہیں ۔ مبالغہ کا صیغہ ہے تقس الشئی سے مشتق ہے کہ جب کوئی کسی کے پیچھے چلے اور اسے رات کو تلاش کرے ۔ بطور مبالغہ کے انہیں اس نام سے موسوم کیا گیا کہ وہ اپنے علم کے تابع ہو کر عبادت میں لگے رہتے ۔ (قالہ الراغب)

ف : اور قطرب نے فرمایا کہ لغتِ روم میں قسیس عالم کو کہتے ہیں ۔

ف : حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نصاریٰ نے جب انجیل کو ضائع کر کے اپنے مَن گھڑت مسائل اس میں شامل کر دیئے تو ان میں ایک ایسا آدمی بچ گیا جو اصلی انجیل کا عالم اور دینِ حق کا طالب تھا اس کا نام قسیسین تھا اس کے بعد جو بھی اس کے مذہب و دین پر ہوتا اسے قسیس کہا جاتا ۔

وَرُهْبَانًا یہ راہب کی جمع ہے جیسے راکب کی جمع رکبان ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا واحد جمع دونوں پر اطلاق ہوتا ہے ۔

حل لغات : الرھب بمعنی ڈر ۔ دل میں خوف رکھ کر گرجا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ۔ پھر اس کا نکرہ ہونا کثرت پر دلالت کرتا ہے اور یہی اعتبار قسیسین میں بھی ضروری ہے اس لیے کہ یہ بھی دلالت کرتا ہے کہ اس قسم کی جنس اہلِ ایمان سے محبت کرتی ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ افراد کثیرہ جب جنس خصلت سے موصوف ہوں تو ان میں گمان ہوتا ہے کہ وہ جنس بھی اس صفت سے موصوف ہو ورنہ بہت سے یہودی ہدایت پاتے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور آن کے ساتھی ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا :

من اهل الکتٰب امة قائمة یتلون ایات الله اناء الیل وهم یسجدون الخ

لیکن چونکہ وہ بکثرت نہیں بلکہ معدودے چند تھے اس لیے یہ حکم نصاریٰ کی طرح ان کی طرف منسوب نہیں ہوا ۔

وَاَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ اور بیشک وہ تکبر نہیں کرتے ۔ اس کا عطف منهم پر ہے ، یعنی تحقیق یہ ہے کہ قبولِ حق سے جب اسے سمجھ چکے ہیں تو یہود کی طرح روگردانی اور تکبر نہیں کرتے بلکہ متواضع رہتے ہیں ۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ تواضع اور علم و عمل کی جدوجہد اور شہوات سے رُوگردانی بہت اچھا عمل ہے اگرچہ کافر میں بھی ہو ۔

ف : (صاحبِ رُوح البیان علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) میرے شیخ کے سامنے بعض بے دینوں کی مروت کا ذکر ہوا تو آپ نے یہ فرمایا کہ یہ ازلی سعادت کی علامت ہے کہ وہ اس مروت کے طفیل دولتِ ایمان و توحید سے نوازا جائے اور اس کا انجام بخیر ہو ۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا : ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت برآورد
روزے کہ رخت جان بجہان دگر کشیم

ترجمہ : کوئی کام کرجائیں ورنہ شرمساری ہوگی جب اس جہان کا سامان سفر باندھیں گے۔

پارہ : ۷ وَاِذَا سَمِعُوْا

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا
اور جب سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف اترا تو ان کی آنکھیں دیکھو کہ آنسوؤں سے ابل رہی ہیں اس لیے کہ وہ

عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا
حق کو پہچان گئے کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے تو ہمیں حق کے گواہوں میں لکھ لے اور ہمیں کیا

لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ
ہوا کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور اس حق پر کہ ہمارے پاس آیا اور ہم طمع کرتے ہیں کہ ہمیں ہمارا رب نیک لوگوں

الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
کے ساتھ داخل کرے تو اللہ نے ان کے اس کہنے کے بدلے انہیں باغ دیئے جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
ان میں رہیں گے یہ بدلہ ہے نیکوں کا اور وہ جنہوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾
اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہ ہیں دوزخ والے

تفسیر عالمانہ: (۱) وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ اس کا عطف لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ پر ہے؛ چونکہ یہ لوگ تکبر نہیں کرتے۔ اس لئے قرآن سنتے ہی حصول عرفان کی وجہ سے ان کی آنکھیں آنسو بہاتی ہیں۔ اس میں ان کی رقت قلبی اور خشیت الٰہی کا بیان ہے اور یہ بتانا مطلوب ہے کہ یہ لوگ حق قبول کرنے میں عجلت کرتے ہیں۔ اس سے انہیں ہرگز نفرت نہیں۔

تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ اُن کی آنکھوں کو دیکھو تو آنسو کے دریا بہاتی ہیں
پانی وغیرہ کے بہنے کو فیض کہا جاتا ہے۔ اس سے مبالغہ مطلوب ہے اور مِنَ الدَّمْعِ تفیض سے
متعلق ہے اور مِن ابتداء غایت کے لئے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اُن کی آنکھیں آنسوؤں کی کثرت سے
بہتی ہیں۔ یہاں ترٰی سے روایت بصری مُراد ہے اور تفیض اَعْيُنَهُمْ سے حال ہے۔

مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ پہلا مِنْ ابتداء غایت کے لئے اور محذوف سے متعلق ہو کر الدمع سے
حال ہے اور دُوسرا مِنْ، کا عَرَفُوْا کے مَا موصولہ کے بیان کے لئے ہے۔
یعنی اُن کا آنسو بہانا عرفان کی وجہ سے ہے گویا اُن کے آنسو کا سبب یہی ہے کہ اُنہیں معرفتِ حق
حاصل ہے۔ یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ حضرات روتے ہُوئے کچھ کہتے بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے
اس کے جواب میں فرمایا: يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارا قرآن مجید
پر ایمان ہے۔ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ پس ہمیں اِن لوگوں میں لکھ دے جو کہا کرتے ہیں کہ قرآن
حق ہے۔ وَمَا لَنَا اور ہمیں کونسی رکاوٹ ہے۔ لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائیں۔ یہ لَنَا
کی ضمیر سے حال ہے اس میں سبب و مسبب ہر دونوں کی نفی و انکار کی توجیح بتائی گئی ہے۔

وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ۔ اس کا عطف لفظ اللہ پر ہے اور جَآءَنَا کے فاعل سے حال ہے یعنی وہ
جو ہمارے ہاں آیا ہے۔ اس کا حال یہ ہے کہ وہ حق کی جنس سے ہے یا مِنْ ابتداء غایت کے لئے اور جاءنا
کے متعلق ہے۔ اس توجیح پر بالحق سے ذاتِ باری تعالیٰ مراد ہوگی۔

وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اور ہم طمع رکھتے ہیں کہ ہمارا ربّ نیک بخت
لوگوں کی جماعت میں داخل فرمائے۔ یہ بھی لَنَا کی ضمیر سے دُوسرا حال ہے اور وہ مُبتدا محذوف کی خبر ہے۔
ودراصل ای شئ حصل الخ تھا۔ یعنی ہمیں کونسا امر مانع ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں؛ حالانکہ ہم صالحین کی صحبت کا
طمع رکھتے ہیں۔

سوال: مُبتدا محذوف ماننے کی کیا ضرورت ہے۔ جب اس کے بغیر بھی معنٰے
بن سکتا ہے۔

جواب: نحویوں کا قاعدہ ہے کہ مضارع مُثبت واؤ کے ساتھ حال واقع نہیں ہو سکتا۔
جب تک اس کے لئے مُبتداء کو مقدر نہ مانا جائے۔

۞ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ۔ پس انہیں اللہ تعالیٰ ثواب اور جزاء عطا فرمائے گا۔ بِمَا قَالُوْا اس کے جو کچھ اُنہوں
نے سچے عقیدے کہا۔ اسی معنے پر مِمَّا عَرَفُوْا الخ دلالت کرتا ہے۔ جَنّٰتٍ "باغات" تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

الْاَنْھٰرُ جن کے درختوں اور مکانوں اور بالاخانوں کے نیچے پانی اور شہد اور شراب اور دودھ کی نہریں چلتی ہیں۔ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَ ذٰلِکَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ محسنین کی جزا ہے اور محسنین سے وہ حضرات مراد ہیں جو اپنے اعتقاد و عمل کو احسن بناتے یا اپنے جملہ امور میں احسان کی عادت رکھتے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اور وہ لوگ جو کافر اور ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور اسی پر وہ مر گئے۔

سوال : تکذیب بھی کفر کی ایک جنس ہے تو پھر تکذیب کو کفر پر عطف ڈالنے کا کیا معنیٰ ہے۔
جواب : تاکہ تکذیب کرنے والوں کا حال واضح ہو جائے۔ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ۔ وہی لوگ جہنمی اور جہنم کی سخت آگ کے ایندھن ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

اصحاب الجحیم سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اوصاف بہیمیہ وسبعیہ و شیطانیہ کے حجابات خریدے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں بہرہ اور اندھا بنا دیا۔ اُنھوں نے حق کو سُنا تو سہی لیکن قبول نہ کیا۔ اسی طرح حق کا مشاہدہ کر لیا، لیکن بے غوری کی بخلاف ان لوگوں کے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرما کر انہیں اپنے کلام سے نوازا اور اپنے کلام کے جواب کی توفیق بخشی۔ یہاں تک کہ اُنھوں نے رُبوبیّت کا مشاہدہ کر کے بَلٰی کہا اور عرض کی کہ اے الٰہ العٰلمین ہم صدقِ دِل سے تیری ربُوبیّت کی گواہی دیتے ہیں۔ اسی طرح وہاں اپنا کلام سُنا کر انہیں اس کی حقیقت کا عرفان عطا فرمایا جس سے وہ اس کی ذات کے مشتاق ہو گئے اور میثاق کے مشاہدہ کی وجہ سے ہر وقت اُن کے دل میں یادِ الٰہی رہتی ہے۔ اسی کی وجہ سے وہ شوق و معرفت کے گریہ سے آہ و فغاں کرتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) خوئے بد در ذات تو اصلی نبود ۔۔۔ کز بد اصلی می نباید جز جحود
(۲) آن بدی عاریتی باشد کہ اُو ۔۔۔ آرد اقرار و شود او توبہ جُو
(۳) ہمچو آدم زِلتش عاریہ بُود ۔۔۔ لاجرم اندر زمان توبہ نمود
(۴) چونکہ اصلی بود جرم آں ابلیس ۔۔۔ رہ نبودش جانب توبہ نفیس

(۱) تیری ذات میں بُری عادت ہرگز نہ تھی، کیونکہ بد اصل سے سوائے انکار کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔
(۲) وہ برائی کہ جس میں عاریتی ہوتی ہے بعد کو وہ بُرائی کا اقرار کر کے توبہ کا متلاشی ہوتا ہے۔
(۳) مثلاً آدم (علیہ السلام) کی لغزش عاریتی تھی۔ اسی لئے فوراً تائب ہوئے۔
(۴) اور چونکہ ابلیس کا جرم اصلی تھا۔ اسی لئے اسے توبہ کی طرف راہ نہ ملا۔

حکایت : ایک بادشاہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کے مزار کی زیارت کے لئے حاضر ہُوا۔ بعد فراغت آپ کے ایک صحبت یافتہ سے عرض کی کہ مجھے حضرت بایزید سرہٗ کا کوئی ملفوظ سنائیے۔ اُس نے کہا کہ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جو مجھے دیکھ لے اُس پر آتش دوزخ حرام ہے۔ بادشاہ نے کہا ابوجہل نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا دیکھا لیکن اس کے باوجود جہنم میں جائے گا۔ کیا تیرے شیخ کا مرتبہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند ہے۔ اُس نے کہا اے بادشاہ ابوجہل نے حضور علیہ السلام کو بحیثیت نبی کے نہیں دیکھا بلکہ ابوطالب کے پروردہ ہونے کی حیثیت سے دیکھا۔ اگر وہ آپ کو بحیثیت رسول ہونے کے دیکھتا تو ایمان لاتا اور آتشِ جہنم سے بچ جاتا۔

نکتہ : یہی وجہ ہے کہ بلقیس نے حضرت سُلیمان علیہ السلام کے نامہ مبارک کو نورِ عرفان سے دیکھا تھا۔ اسی بنا پر اپنی قوم سے مشورہ لیا تو قوم نے کہا ہم اُن سے جنگ کریں گے بلقیس نے انھیں سمجھایا کہ وہ نبوت کے مدعی ہیں اور انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں۔ اُن کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا، چنانچہ وہ آپ کی نبوت کو آزمانے کے بعد سچی اور پکی مسلمان ہوگئی۔ حضرت مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

(۱)	چوں سلیماں سوئے مرغانِ سبا	یک صفیرہ کرد بست آں جملہ را
(۲)	جُز مگر مرغی کہ بُد بے بال و پر	یا چو ماہی گنگ بُد از اصل کر
(۳)	نے غلط گفتم کہ کر گو ہر نہد	پیش وحیِ کبریا شمعش دہد
(۴)	بلقیس از دل و جاں عزم کرد	بر زماں رفتہ ہم افسوس خورد
(۵)	ترک مال و ملک کرد و آنچناں	کہ بترک نام و ننگ آں عاشقاں
(۶)	آں غلامان و کنیزانِ نیاز	پیش چشمش ہمچو پوشیدہ پیاز
(۷)	باغہا و قصرہا و آب رود	پیشِ آوازِ عشق او گلخن نمود
(۸)	عشق در ہنگام اِستیلا و خشم	زشت گرداند لطیفا نرا بچشم
(۹)	ہر زمرد را نماید گندنا	غیرتِ عشق این بود معنئ لا
(۱۰)	لا اِلٰہ اِلّا ھُو اینست اے پناہ	کہ نماید مہ ترا و یک سیاہ

(۱) جب سُلیمان علیہ السلام نے سبا کے پرندوں کو آواز دی تو سب کو قید کر لیا۔
(۲) سوائے اس پرندے کے کہ جس کے بال و پر نہ تھے یا سوائے گونگی مچھلی کے اس کا بہرہ پن اصلی تھا۔
(۳) میں نے غلط کہا اس لئے کہ گونگی بھی جوہر رکھتی ہے۔ اس کے آگے اللہ کی وحی شمع بن جاتی ہے

بقیہ صفحہ ۳۴۳

يٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ

اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں

مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝۸۷ وَ كُلُوْا

کہ اللہ نے تمہارے لیے حلال کیں اور حد سے نہ بڑھو بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو ناپسند ہیں اور کھاؤ

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۸۸

جو کچھ تمہیں اللہ نے روزی دی حلال پاکیزہ اور ڈرو اللہ سے جس پر تمہیں ایمان ہے

لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ

اللہ تمہیں نہیں پکڑتا تمہاری غلط فہمی کی قسموں پر ہاں ان قسموں پر گرفت فرماتا ہے جنہیں تم نے مضبوط

الْاَیْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

کیا تو ایسی قسم کا بدلہ دس مسکینوں کو کھانا دینا اپنے گھر والوں کو جو کھلاتے

اَهْلِیْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ

ہو اس کے اوسط میں سے یا انہیں کپڑے دینا یا ایک بردہ آزاد کرنا تو جو ان میں سے کچھ نہ پائے تو تین دن

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَ احْفَظُوْۤا اَیْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ

کے روزے یہ بدلہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم کھاؤ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو اسی طرح اللہ تم سے اپنی

لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۸۹ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ

آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم احسان مانو اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت

وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰ اِنَّمَا

اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ

یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ

شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوادے شراب اور جوئے میں

وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ

اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آئے اور حکم مانو اللہ

وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ

کا اور حکم مانو رسول کا اور ہوشیار رہو پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف واضح

الْمُبِیْنُ ۝۹۲ لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا

طور پر حکم پہنچا دینا ہے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان پر کچھ گناہ نہیں جو کچھ انہوں نے چکھا

اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَ
جب کہ ڈریں اور ایمان رکھیں اور نیکیاں کریں پھر ڈریں اور ایمان رکھیں پھر ڈریں اور نیک رہیں اور

اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۟
اللہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے

(بقیہ مضمون)

(۴) بلقیس نے جان و دل سے عزم کیا تو فوراً چل پڑی اور گزشتہ زندگی پر افسوس کیا۔

(۵) مال و ملک کو ایسے ترک کیا جیسے عاشق اپنا نام و ننگ کھو دیتا ہے۔

(۶) وہ غلام اور کنیزیں اس کے آگے سے ایسے خیال سے اُتر گئیں جیسے بیکار پیاز۔

(۷) باغات محلات اور نہریں سب بھول گئی جب عشق کی آواز کانوں میں پڑی۔

(۸) عشق جب غصہ و غضب میں آتا ہے تو اچھی چیزیں آنکھوں میں بُری محسوس ہوتی ہیں

(۹) پھر زمرد وغیرہ کو گندا سمجھتا ہے عشق کی غیرت لا کا معنیٰ یہی بتاتی ہے۔

(۱۰) لا الہ الا ھو کا یہی مطلب ہے اے دوست کہ چاند تجھے کالا سیاہ نظر آئے۔

فائدہ صوفیانہ جسے عالم علوی میں دولتِ ایمان کی توفیق نصیب ہوئی تو وہ اس عالم دنیا میں بھی ایمان سے نوازا گیا۔ اور دائمی طور مومن رہا۔ یہاں تک کہ روحانیات معنویہ کے ذوق سے ہمیشہ ہمیشہ تک اس ظاہری بہشت میں داخل ہوا۔ یہ اس حقیقی بیج کا ثمرہ اور اس معنوی کھیتی کا نتیجہ ہے۔ اس طرف فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا الخ میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔

سبق مومن پر لازم ہے کہ یقین کے حصول کے لئے جد و جہد کر کے جنۃ عاجلہ میں داخل ہو۔ جنۃ عاجلہ سے معرفتِ الٰہی مراد ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے "مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ" میں اشارہ فرمایا ہے اور نارِ بعد و فراق سے بچے۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے "اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ" میں اشارہ فرمایا۔

تفسیر عالمانہ ۞ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ ۔ اے ایمان والو! ان پاکیزہ اشیاء کو حرام نہ کرو! جو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے حلال کی۔ یعنی وہ چیزیں جو اچھی اور اُن سے تمہارے نفوس لذت پاتے ہیں۔ حرام اشیاء سے رُک جانے کی طرح حرام نہ کرو

وَلَا تَعْتَدُوْا اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ یعنی حلال کردہ اشیاء کی حدود سے متجاوز ہو کر اُن کی اشیاء کی طرف نہ جاؤ جنہیں تمہارے اُوپر حرام کیا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء حلال او حلال کردہ حرام ہو جائیں گی یا یہ مَعْنٰی ہے کہ طیبات کو کھاتے وقت اسراف نہ کرو اس لئے کہ اسراف بھی حرام کھانے کی طرح حرام کی طرف تجاوز کرنا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ یعنی اپنے نفوس پر زیادتی اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے والوں کے عمل سے خوش نہیں ہوتا۔

⑨ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ص جو کچھ تمہیں اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمایا ہے اسے حلال طیب کر کے کھاؤ۔ حَلٰلًا ، کُلُوا کا مفعول بہ ہے اور مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا سے حال ہے اور یہ حَلٰلًا سے مقدم اس لئے ہے کہ وہ نکرہ ہے اور جب ذوالحال نکرہ ہوتا ہے تو حال کی تقدیم لازمی ہوتی ہے۔

فائدہ : حلال ہر اُس شئے کو کہا جاتا ہے جو جائز طریق سے حاصل ہو اور الطیب وہ ہے جو غذا کے طور مستعمل اور اس سے نشوونما حاصل ہو

مسئلہ اشیاء جوامد جیسے مٹی اور گارہ اور اسی طرح دیگر وہ اشیاء جو غذا کے نام میں نہیں آتیں، انہیں کھانا مکروہ ہے۔ ہاں دواء کے طور جائز ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ تم اس پر ایمان لاتے

یہ سابقہ احکام کی تاکید کے لئے ہے۔

سوال : اسے مؤکد کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے عطا کردہ اشیاء کی حلت کا حکم عام فرمایا ہے اور اس سے حلت و اباحت کا علی الاطلاق ثبوت تو ملا ہے۔

جواب : چونکہ وہ صرف کھانے کی اشیاء سے متعلق ہے اس لئے تاکید کی ضرورت ہوئی کہ کوئی صرف کھانے کی اشیاء کو حلال نہ سمجھے، حالانکہ اس کے ماسوا اور دوسری اشیاء بھی حلال ہیں اگرچہ وہ کھائی نہیں جاتیں۔ اسی لئے اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ کا اضافہ فرمایا کہ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ انسان تقویٰ پیدا کرے۔ یعنی اِن اُمُور سے کنارہ کرے۔ جس سے اُسے رُوکا گیا ہے مقرر کردہ حد سے متجاوز نہ ہو۔

فائدہ : امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ، سے واضح ہوا کہ ہر ایک کے رزق کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے اور اُس نے ہر ایک کے رزق کی ذمہ داری اُٹھائی ہے، ورنہ لفظ عام کو مقید نہ فرماتا : كَمَا قَالَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ الخ

سبق : جب اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے رزق کی ذمہ داری اُٹھائی ہے تو انسان کو چاہیئے کہ رزق کی خاطر مارا مارا نہ پھرے اور صرف اس کے وعدۂ کرم اور احسان عمیم پر بھروسہ کرے۔ اس لئے کہ وہ ایسا کریم ہے کہ جس طرح کا وعدہ کرتا ہے اُسے ضرور پورا کرتا ہے اس سے وعدہ کا خلاف ممتنع ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رزق میں بھی کمی نہ کرو۔

حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم ⁂ با بادشہ بگو کہ روزی مقدر است

ترجمہ : ہم فقر و قناعت کی عزت ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ بادشہ کو کہہ دو روزی مقدر ہو چکی ہے وہ ملے گی

حضرت صائب نے فرمایا :

رزق اگر بر آدمی عاشق نمے باشد چرا ⁂ از زمین گندم گریباں چاک می آید چرا

ترجمہ : اگر روزی آدمی کی عاشق نہ ہوتی تو گندم زمین سے گریبان چاک کر کے کیوں ظاہر ہوتی۔

شانِ نزول اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک طویل داستان } تفاسیر میں ہے کہ ایک دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے صحابہ کرام کو ایک پُر اثر واعظ کیا اور جہنم سے ڈرایا اور قیامت کے ہولناک حالات سُنائے تو صحابہ کرام خوب روئے اور حضرت عثمان بن مظعون الجمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر جمع ہوئے اور سب نے مل کر مشورہ کر کے اتفاق کیا کہ آئندہ دُنیا ترک کر دیں۔ ٹاٹ کے کپڑے پہنیں اپنے آلات تناسل کاٹ دیں۔ زندگی بھر روزہ رکھیں۔ رات کو قیام کرتے گذاریں۔ بستروں پر سونا چھوڑ دیں۔ گوشت بھی نہ کھائیں اور نہ ہی اور طاقت والی اشیاء۔ عورتوں سے ہمبستری بھی ترک کر دی جائے اور خوشبو بھی نہ لگائیں۔ زمین کی سیاحت کریں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کے اِس پروگرام کا علم ہُوا تو حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لائے، لیکن آپ کو حضرت عثمان نہ ملے۔ آپ نے اُن کی اہلیہ بی بی ام حکیم بنت اُمیہ (جن کا نام بی بی خولہ رضی اللہ عنہا تھا۔ اور آپ عطارہ تھیں) سے فرمایا کہ مجھے تیرے شوہر اور اُس کے ساتھیوں کی اطلاع ملی ہے کہ اُنھوں نے اس طرح کا مشورہ کیا ہے تم مجھے سچ سچ بتادو کہ اُنھوں نے کیا کیا باتیں طے کی ہیں، لیکن یاد رکھئے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسُول ہوں اور رسُول کے سامنے جھُوٹ بولنا اچھا نہیں۔

بی بی صاحبہ نے عرض کی یا رسُول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) جس طرح آپ کو اطلاع ملی ہے وہ صحیح ہے واقعی اُنھوں نے اِس طرح کا پروگرام بنایا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے تو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر واپس لوٹے۔ انہیں بی بی خولہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری اور باہم گفتگو کا تمام ماجرا سُنا دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فوراً حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ آپ نے اُن سے اِس پروگرام کے متعلق پوچھا۔ اُس نے عرض کی ہم نے ایسا ہی پروگرام بنایا ہے۔ آپ نے فرمایا: سُنو یارو! میں نے تمہیں وہ پروگرام ہرگز نہیں بتایا اور نہ ہی اس کی اجازت دیتا ہوں، بلکہ میرا حکم تو یہ ہے کہ نفسوں کا تمہارے اُوپر حق ہے۔ فلہذا روزے رکھو اور نہ بھی رکھو یعنی روزوں کے دِنوں روزے رکھو باقی دِنوں میں کھاؤ پیئو۔ ہمیشہ ہمیشہ روزہ رکھنا اچھا نہیں۔ اسی طرح رات کو قیام بھی کرو اور نیند بھی۔ مجھے دیکھو میں رات کا قیام کرتا ہوں اور پھر سو جاتا ہوں اور کچھ روزے رکھتا ہوں اور کئی روز روزے نہیں رکھتا۔ اور میں گوشت بھی کھاتا ہوں اور طاقت آور اشیاء بھی اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ میرے یارو یاد رکھو! جس نے میری سُنت سے مُنہ پھیرا وہ میرا نہیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک بہت بڑے اجتماع میں تقریر فرمائی۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ عورتوں اور گوشت اور خوشبو اور نیند اور دُنیا کی اچھی اچھی چیزوں کا استعمال اپنے لئے حرام کر دیتے ہیں میں انہیں اس کا حکم ہرگز

نہیں دیتا کہ تم گوشہ نشین و رہبان ہو جاؤ۔ اس لئے کہ میری شریعت میں حکم نہیں کہ گوشت کھانے اور عورتوں کو ترک کر دیا جائے اور نہ ہی میرا حکم ہے کہ صرف عبادت گاہوں میں پڑے رہو۔ میری اُمت کی سیاحت روزہ اور عبادت جہاد ہے۔ فلہٰذا جتنا ہو سکے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور شرک سے بچو۔ حج اور عمرہ کرو نمازیں قائم کرو۔ زکوٰۃ دو۔ رمضان المبارک کے روزے رکھو اور سیدھے راہ چلو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بہتری فرمائے گا۔ تمہارے سے پہلے جتنے لوگ برباد ہوئے وہ بھی صرف اس لئے کہ انھوں نے اپنے اُوپر سخت سے سخت افعال و اعمال لازم کر لئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر وُہی امور واجب فرمائے جنہیں وہ نبھا نہ سکے۔ گرجوں اور کلیساؤں میں پڑے ہوئے لوگ انہیں کا بقایا ہیں۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر پر اللہ تعالیٰ نے یہی آیت اُتاری۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسُول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں خصی ہو جاؤں (تاکہ زنا نہ کر سکوں) آپ مجھے خصی ہونے کی اجازت عنایت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: اے عثمان! یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ البتہ روزے رکھو۔ اس لئے کہ میری امت کا خصی ہونا روزوں سے ہوتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ہیں مکن خود را خصی رہباں مشو — زانکہ عفت ہست شہوت را گرو
(۲) بے ہوا نہی از ہوا ممکن نہ بود — غازیٔ بر مردگاں نتواں نمود
(۳) پس کلوا از بہر دام شہو تست — بعد ازاں لَا تُسْرِفُوْا آن عفتست
(۴) چونکہ رنج صبر نبود مر ترا — شرط نبود پس فرو ناید جزا
(۵) حبذا آن شرط و شادا آن جزا — آن جزائے دل نوازِ جاں فزا

(۱) اپنے آپ کو خصی نہ بنا اور نہ ہی رہبان ہو۔ اس لئے کہ پاکدامنی شہوت کی گروی ہے۔
(۲) خواہشات کی نفی میں نہی کا ہونا ممکن نہ تھا۔ مُردوں کو غازی کا لقب نہیں دیا جاتا۔
(۳) ہر دام کا گلہ شہوت ہے۔ اسی شہوت کی وجہ سے لاتسرفوا کا حکم وارد ہے کہ یہی عفت ہے۔
(۴) اگر تجھ میں رنج صبر کی نہ ہوتی تو تجھے اس سے رکاوٹ کا کیا معنٰی۔
(۵) وہ شرط و جزا خوب کہ جس شرط سے جزا جانفزا مرتب ہوتی ہے۔

بقیہ: حدیث عثمان پھر حضرت عثمان نے عرض کی یا رسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا جی چاہتا ہے کہ میں دُنیا چھوڑ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر بیٹھ کر اللہ اللہ کروں۔ آپ نے فرمایا اے عثمان میری اُمت کا ترکِ دُنیا مسجدوں اور نمازوں کے انتظار میں ہے۔ پھر عرض کی یا رسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنا

تمام مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دُوں۔ آپ نے فرمایا اے عثمان میں تمہیں اس سے افضل و اعلیٰ عمل بتاؤں وہ یہ ہے کہ تم ایک دن ناغہ کر کے (گاہے گاہے) صدقہ کرو۔ اور اپنے نفس کو زنا سے بچاؤ اور اپنے اہل و عیال پر نگرانی رکھو اور مسکینوں اور یتیموں پر رحم کرو تو تمہارے تمام مال کے لٹانے سے بہتر ہے پھر عرض کی یا رسُول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی عورت خولہ کو طلاق دے کر (صرف اللہ کا بن جاؤں)۔

آپ" صلی اللہ علیہ وسلم "نے فرمایا اے عثمان میری اُمت کی بہتر ہجرت یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو بالکل چھوڑ دے یا میری زندگی میں اپنا وطن ترک کر کے میرے ہاں مقیم ہو جائے یا میرے وصال شریف کے بعد میرے روضۂ اقدس کی حاضری دے یا وہ مر جائے تو اپنے پیچھے ایک یا دو یا تین عورتیں چھوڑ جائے (یعنی نکاح کرنا بھی ہجرت کے احکام میں داخل ہے) پھر عرض کی یا رسُول اللہ آپ اگر مجھے عورت کو طلاق دینے سے روکتے ہیں تو اس کی اجازت دیجئے کہ میں اُس سے جماع کرنا چھوڑ دُوں اور صرف عبادتِ الٰہی میں لگا رہوں۔ آپ نے فرمایا اے عثمان ایسا نہ کرنا کہ جو شخص اپنی عورت سے جماع کرتا ہے اور پھر اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بہشت میں اس کا رفیق ہو گا۔ اگر وہ اس سے پہلے مر جائے گا تو وہ بچہ اس کا مددگار اور سفارشی ہو گا۔ اگر وہ پہلے مرے گا اور اس کا بچہ بعد کو تو قیامت میں وہ بچہ اس کا نُور بن جائے گا (یعنی بہشت میں آنکھوں کی ٹھنڈک) پھر عرض کی یا رسُول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تا دمِ زندگی گوشت کھانا چھوڑ دُوں۔

آپ" صلی اللہ علیہ وسلم "، نے فرمایا اے عثمان جب بھی مجھے گوشت میسر ہوتا ہے تو اُسے مزے سے کھاتا ہوں تم بھی ایسے کرو۔ میری سُنّت کے خلاف کرنا مناسب نہیں۔ اور اگر اپنے رب سے عرض کروں کہ وہ مجھے روزانہ گوشت کھلائے تو وہ ایسے کر دے (لیکن میں سوال نہیں کرتا) پھر عرض کی یا رسُول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں خوشبو لگانا چھوڑ دُوں۔

آپ" صلی اللہ علیہ وسلم "، نے فرمایا ایسا نہ کرنا اس لئے کہ میرے ہاں جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ہر جمعہ کو خوشبو لگایا کریں۔ فلہٰذا تم اے عثمان جُمعہ کے دن خوشبو کا ترک نہ کرنا۔ اس لئے کہ جو میری سُنّت سے رُوگردانی کرتا ہے وہ میرا نہیں۔ اگر توبہ کئے بغیر مر گیا تو قیامت میں ملائکہ کرام اُس کا رُخ میرے حوض سے پھیر دیں گے۔

خُوردنی اشیاء کی احادیث مُبارکہ

(۱) حضرت ابُو مُوسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ نے

مُرغی کا گوشت اور تر کھجوریں اور خربوزہ تناول فرمایا۔

(۷) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مُرغی کا گوشت اور حلوہ تناول فرماتے تھے آپ کو میٹھی چیزیں اور شہد بہت پسند تھا۔ اور فرماتے کہ مومن میٹھا ہے اس لئے وہ میٹھی چیزوں کو پسند کرتا ہے اور فرمایا کہ مومن کے پیٹ میں ایک ایسی جگہ ہے جسے صرف میٹھی چیز پُر کرتی ہے۔

حکایات

(۱) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک شخص حاضر ہُوا اور عرض کی کہ ہمارے ہاں ایک بندۂ خدا ہے جو حلوہ نہیں کھاتا اور کہتا ہے کہ مجھ سے اس کی شکرگزاری نہیں ہو سکے گی۔ آپ نے فرمایا: وہ ٹھنڈا پانی بھی پیتا ہے۔ اُس نے عرض کی ہاں! ۔ آپ نے فرمایا: پھر وہ جاہل ہے اس لئے کہ ٹھنڈے پانی جیسی نعمت اور کوئی نہیں، بلکہ میٹھی چیزیں ٹھنڈے پانی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

(۲) حضرت فضیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبادت گزار لوگوں کے لئے اجازت ہے کہ وہ زُہد کے طور "طیبات" مثلاً گوشت اور حلوہ مٹھائی نہ کھائیں۔ آپ نے فرمایا ان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ نعمتوں کو کھائیں اس لئے کہ وہ اپنے بندے سے ایسی پاکیزہ چیزوں کے کھانے سے ناراض نہیں ہوتا بلکہ اُنھیں چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔ مثلاً والدین کی خدمت گزاری، صلہ رحمی، ہمسائیگاں سے نیک سلوک، مُسلمان بھائیوں پر رحمدلی اور شفقت، غصّہ پینا، جو زیادتی کرے اسے معاف کرنا، جو کوئی دُکھ پہنچائے اُس کے ساتھ احسان و مروت کرنا، کسی کے ستانے اور تکالیف سے صبر کرنا زیادہ بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نہ کھائیں۔

خلاصہ کلام

: رہبانیت میں افراط اور لذات وطیّبات میں تفریط ناموزوں ہے اور اتنا بھی کہ اُن کے ترک سے اعضاء رئیسہ میں خلل واقع ہو جائے اعضاء رئیسہ سے قلب اور دماغ مُراد ہے۔ جب ان میں کمی واقع ہوتی ہے تو انسان کی فکری قوت میں نقصان پڑ جاتا ہے۔ اس کمی سے پھر وہ اُن کمالات سے بھی محروم رہ جاتا ہے جو قوت عملیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ انکی تکمیل قوت نظریہ سے ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں کلیۃً طور رہبانیت دُنیا کو برباد کر دیتی ہے اور کھیتیاں اور نسلیں ختم ہو جاتی ہیں اس لئے کہ دُنیا اور آخرت کی تعمیر رہبانیت کے ترک سے ہے اور معرفت الٰہی اور محبت وطاعت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رہبانیت ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو جائز طریق سے عمل میں لانے سے احتراز نہ کرے اور نہ ہی حلال کردہ اشیاء کی لذت حاصل کرنے سے کنارہ کشی کرے۔ جیسا کہ احادیث مُبارکہ کی تصریحات بتاتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: آئت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان اعتدال پر ہے خیر الامور اوساطھا سے واضح ہے۔ فلہٰذا ہر معاملہ میں اعتدال کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاضت میں بھی اعتدال ضروری ہوتا ہے؛ چنانچہ مرشدِ کامل اپنے مرید کو ابتدائے سلوک میں گوشت اور دیگر لذیذ اشیاء اور جماع وغیرہ سے باز رکھتا ہے، لیکن وہ بھی معتدلانہ طریق سے جیسا کہ مرید کے مزاج کا تقاضا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ریاضت کو طبیعت کی اصلاح میں بہت بڑا دخل ہے اور باب سلوک میں اس کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔

ازالۂ وہم: اہل ظواہر اولیاء اللہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر ریاضت کا کوئی فائدہ ہوتا تو حضور علیہ السلام حضرت عثمان بن مظعون کو نہ روکتے، لیکن آج تک انہیں سمجھ نہیں آئی کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان کو مطلق رہبانیت سے روک کر اعتدال کی راہ لگائی، چنانچہ ہم نے اُوپر عرض کیا ہے کہ سلوک بھی ریاضت میں اعتدال کا درس دیتا ہے۔

سبق: سالک پر ضروری ہے کہ وہ طریق صواب کو غور سے سمجھے اور پھر افراط و تفریط سے بچ کر راہ سلوک پر گامزن ہو۔

تفسیر عالمانہ ۞: لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ " اللہ تعالیٰ تم پر یمینِ لغو کی وجہ سے مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ مقسم بہ کے ساتھ دو طرفوں سے ایک کو مضبوط کرنے کو یمین کہتے ہیں اور یمین لغو پر کسی قسم کا شرعی حکم متعلق نہیں۔

مسئلہ: امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یمین لغو یہ ہے کہ قسم کھائے کہ یہ کام میں نے نہیں کیا، حالانکہ درحقیقت اس نے وہ کام کیا ہو۔ مثلاً دُور سے کسی شئ کو دیکھ کر کہے یہ فلاں شئے ہے اور قسم کھا کر کہے کہ واقعی یہ وہی شئے ہے، حالانکہ وہ شئے اسی طرح نہ ہو جیسے وہ کہتا ہے تو اس قسم پر اس شخص پر کوئی مواخذہ نہیں۔ نہ گناہ نہ کفارہ۔

مسئلہ: یمین غموس یہ ہے کہ زمانہ ماضی یا حال کے متعلق جھوٹی قسم کھائے۔ مثلاً قسم کھا کر کہے کہ یہ کام میں نے کیا ہے، حالانکہ وہ کام نہ کیا ہو۔ یا اس کا برعکس مثلاً قسم کھا کر کہے کہ وہ مقروض ہے، حالانکہ اُس پر کسی قسم کا قرض نہیں۔ یمین غموس کا حکم یہ ہے کہ اس شخص پر گناہ ہے کفارہ نہیں اور گناہ بھی کبیرہ۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے جھوٹی قسم کھائی تو اسے اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کرے گا اُس پر کفارہ نہیں صرف توبہ ہے۔ ...

فائدہ : فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ بِاللَّغْوِ ،، کی طرح يُؤَاخِذُكُمْ کا صلہ ہے یعنی تمہاری قسموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمہارا مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ بسبب اس کے کہ وہ قسم لغو اس سے دنیوی اور اُخروی کسی قسم کا حکم متعلق نہیں۔

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ج ،، لیکن اس سے تمہارا مواخذہ ہوگا کہ جس کا تم نے پُورا عزم کیا ہے۔ یعنی نیّت اور ارادے سے تم نے ان قسموں کو زیادہ مضبوط اور پختہ کیا ہے۔ تم نے قسمیں کر انہیں توڑا تو ان کا مواخذہ ہوگا اس لئے کہ تم نے جس کا معاہدہ کرکے اسے توڑا تو اس کی یہ سزا مقرر ہوئی۔ **مسئلہ** : زمانہ مستقبل میں کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کو یمین منعقدہ کہتے ہیں۔

فَكَفَّارَتُهٗٓ ،، پس اس کا کفارہ یعنی وہ فعل جو اس کی غلطی اور گناہ کا ازالہ کرے۔

مسئلہ : حضرت امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حانث ہونے سے پہلے کفارہ ادا کرنا ناجائز ہے۔

حدیث : حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے قسم کھائی اور دیکھا کہ اس میں بھلائی نہیں تو اسے چاہیئے کہ پہلے اسی فعل کا ارتکاب پھر قسم کا کفارہ ادا کرے۔

اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ ،، درمیانہ طعام وہ جو اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو۔ اس میں دس مسکینوں کو طعام کھلانا ہے۔ مِنْ اَوْسَطِ کا محل منصوب ہے اس لئے کہ وہ مفعول محذوف کی صفت ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی اِنْ تُطْعِمُوْا عشرة مسٰكين طعاما كائنا مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ الخ یعنی طعام کھلاؤ درمیانہ وہ طعام جو اپنے اہل وعیال زوجہ اولاد اور خدام کو کھلاؤ یعنی نوع اور مقدار میں درمیانہ طعام جو فطرانہ میں نصف صاع گندم کا دیا جاتا ہے۔ **مسئلہ** : جس نے کسی فقیر کو دس دن طعام کھلایا تو اس کا کفارہ ادا ہو جائیگا۔

مسئلہ : جس نے کسی فقیر کو دس دن کا طعام یکدم دے دیا ہے تو اس کا کفارہ ادا ہوگیا۔

اَوْ كِسْوَتُهُمْ ،، یا اُن کی پوشاک اس کا عطف اطعام پر ہے یعنی دس مسکینوں کو وہ لباس پہنائے جو اُن کے عام بدن کو ڈھانپتا ہے۔ یہی صحیح ہے۔

مسئلہ جو کسی کو صرف شلوار دیدے تو یہ پوشاک کے حکم میں نہ ہوگا۔

اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ط یا ایک عبد آزاد کرنا جس طرح کا ہو یعنی مومن ہو یا کافر مرد ہو یا عورت چھوٹا ہو یا بڑا۔ **مسئلہ** : نابینا اور وہ بہرہ جو بالکل کچھ نہیں سنتا کفارہ میں دینا ناجائز ہے۔ اس طرح وہ غلام لونڈی وغیرہ کفارہ میں دینا ناجائز ہے کہ جس سے کسی قسم کا نفع نہیں اُٹھایا جاسکتا۔

مسئلہ : جس کے دونوں ہاتھ یا دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں یا دونوں پاؤں نہ ہوں یا ایک ہی جانب سے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹ گیا ہو اُن کو بھی کفارہ میں دینا ناجائز ہے۔ اسی طرح دائمی پاگل اس لئے کہ نفع یابی عقل سے ہوتی ہے اور اس کا عقل مفقود ہے۔

مسئلہ : مُدبر اور اُمّ ولد بھی کفارہ میں دینا ناجائز ہے اس لئے کہ یہ ایک جہت سے آزادی کے مستحق ہیں۔ بنابریں اس میں مملوکیت ناقص ہے۔

مسئلہ : وہ مکاتب کہ جس نے کچھ حصہ رقم کا ادا کر دیا۔ اسے بھی کفارہ میں دینا ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اُسے عوض کے طور آزاد کیا جارہا ہے اور وہ تجارت ہو جائے گی اور کفارہ ایک عبادت ہے اور عبادت میں تجارت کیسی۔ عبادت میں تو صرف رضائے الٰہی مطلوب ہوتی ہے اور وہ اس میں مفقود ہے

مسئلہ : جس مملوک کا بعض حصہ آزاد ہے اسے بھی کفارہ میں دینا جائز ہے اس لئے کہ یہ رقبہ کاملہ نہیں۔ بلکہ ناقص ہے۔

ف : لفظ اَوْ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اِن تینوں میں ایک کا ہونا ضروری ہے اور یہ کفارہ دینے والے کی مرضی پر ہے یعنی نہ تو اس پر یہ تینوں واجب ہیں اور نہ ہی بالکل ترک جب اُن میں سے کسی ایک کو ادا کرے گا تو اپنی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔

مسئلہ : جس کے پاس ان تینوں کی ادائیگی کی فرصت ہے تو وہ ان میں کسی ایک کا ادا کرنا ہوگا۔ یعنی اس کے اختیار میں ہے کہ ان میں سے کوئی ایک ادا کرے۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ " پس وہ شخص جو ان تینوں مذکورہ بالا میں سے کسی ایک کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا فَصِيَامُ تو اُس کا کفارہ روزہ ہے۔ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ط امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک تین دن مسلسل طور روزے۔ ذٰلِكَ وہ امور جو مذکور ہوئے اور جن کا میں نے حکم دیا ہے۔ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ط تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ تم قسم کھا کر حانث ہوئے۔

وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ط اپنی قسموں کی حفاظت کرو ہر ہر بات پر قسم نہ کھاؤ بلکہ جہاں تک ہو سکے اُن سے بچتے رہو۔ بشرطیکہ اس میں تمہارا نقصان نہ ہو۔ اگر نقصان ہوتا دیکھو یا قسم کھا کر پھر پچھتاتے ہو کر قسم نہ کھانے میں بھلائی تھی تو اب حانث ہو کر کفارہ ادا کر دو۔ جیسے یمین منعقد کا کفارہ ہوتا ہے دایسے ہی فقہا کرام نے فرمایا ہے) مثلاً کسی نے ترک فرائض کی قسم کھائی یا کسی گناہ کے ارتکاب کی قسم کھائی تو اس پہ لازم ہے کہ ایسے امور کے لئے حانث ہو کر کفارہ ادا کرے یعنی کفارہ ادا کرے گناہ نہ کرے۔ وغیرہ وغیرہ

حدیث شریف : جس نے قسم کھائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کرے گا یا اس کی نافرمانی کرے گا تو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور کفارہ دے اسی طرح نافرمانی ترک کرنے اور کفارہ دے۔

مسئلہ : بعض محققین نے کہا ہے کہ ان میں حانث ہونا ہی افضل ہے۔ خلاً کسی مسلمان سے گفتگو ترک کرنے کی قسم کھائے تو اُسے چاہیئے کہ وہ اس سے گفتگو کرکے کفارہ ادا کردے۔

مسئلہ : ان کے علاوہ باقی صورتوں یعنی مباحات میں قسم کھائے تو حانث نہ ہو اور اپنی قسم کو محفوظ رکھے۔ **مسئلہ** : قسم کھانے کے بعد بھول کر اپنے اختیار سے یا کسی دوسرے کے مجبور کرنے پر تو ہر طرح حانث ہونے پر کفارہ دینا پڑے گا۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین ایسے امور ہیں جنہیں عمداً یا مزاحاً کیا جائے تو عمد کے حکم میں ہیں (۱) نکاح (۲) طلاق (۳) یمین۔

کَذٰلِكَ یہ اشارہ اس فعل کے مصدر کی طرف ہے جو آخر میں ہے کوئی دوسرا فعل محذوف نہیں۔ کاف زائدہ لفظ ما کی تاکید کے لئے ہے جیسا کہ اسم اشارہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور تفخیم پر دلالت ہوتا ہے۔ فعل پر مقدم کرنے میں قصر مطلوب ہے اور کاف کو نکتہ مذکورہ کی وجہ سے زائدہ مانا گیا ہے۔ یعنی اس بیان عجیب کی طرح **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ** اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آیات بیان کرتا ہے یعنی اپنی شریعت کے مسائل واحکام۔ **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○** تاکہ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ احکام کو آسان کرنے پر اس کی نعمت کا شکر کرو۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے کسی معاملہ میں دور ہو جائے تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو طعام کھلانا ہے ان دس مسکینوں سے حواس خمسہ ظاہرہ وحواس خمسہ باطنہ مراد ہیں۔ اس لئے کہ یہی دس حواس آفات کا مدخل اور کمزوریوں کا مرکز ہیں۔ **مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ** "میں اہل سے قلب اور روح اور خفی وسر مراد ہیں۔ اُن کے طعام یہ ہیں۔ (۱) شوق (۲) محبت (۳) صدق (۴) اخلاص (۵) تفویض (۶) تسلیم (۷) رضا (۸) انس (۹) ہیبت (۱۰) مشاہدہ (۱۱) کشف"

اوسط طعام سے مندرجہ ذیل اشیاء مراد ہیں (۱) ذکر (۲) تذکر (۳) فکر (۴) تفکر (۵) تشوق (۶) توکل (۷) تعبد (۸) خوف (۹) رجاء "یہی اشیاء ہیں جو حواس ظاہرہ وقوائے باطنہ کی غذا ہیں جبکہ ان امور کو عبادت کے طور عمل میں لا یا جائے اور اُن کے خلاف امور سے بچا جائے۔

اَوْ کِسْوَتُھُمْ ،، سے حواس ظاہرہ و قوائے باطنہ کا لباس مُراد ہے اور وہ تقویٰ ہے۔

اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ الخ یعنی نفس کی گردن کو خواہشات نفسانیہ اور دُنیا کی حرص و ہوا کی عبودیت سے آزاد کرنا۔ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ الخ پس جو شخص ان امُور کی طاقت نہیں رکھتا۔ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ،، ان ایام سے ماضی، حال و استقبال کے ایام مُراد ہیں۔ ماضی کا روزہ تو یہ ہے کہ جتنے اعمال زمانہ ماضی میں غلط ہوئے اُن سے آئندہ بچ کر رہنے کا عزم کرے اور سچے دل سے اُن سے توبہ کرے اور حال کے ایام میں روزے کا مطلب یہ ہے کہ اہم امُور میں غفلت نہ کرے اور دینی امُور میں جد و جہد جاری رکھنے کا پروگرام بنائے اور آئندہ ایام میں روزے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جرائم و معاصی پر عزائم اور ارادوں پر کنٹرول کرے گا اور اپنی نجات کے متعلق پُورا اخلاص دکھائے گا بلکہ طاعات و عبادات میں ثابت قدم رہے گا اور نیکیوں پر سابق نظر آئے گا اور حضرات ربوبیت کی طرف متوجہ ہونے میں سر توڑ کوشش کرے گا ؎

مکن وقت ضائع با افسوس و حیف ❊ کہ فرصت عزیز است والوقت سیف

ترجمہ: افسوس و حیف سے وقت ضائع نہ کر، کیونکہ فرصت قیمتی ہے اور وقت تلوار ہے۔

حضرت ابن الفارض قدس سرہ نے فرمایا ؎

ولٰکن صارمًا کالوقت فالمقت عسٰی ❊ و ایاک فھی اخطر علة

ترجمہ: تم وقت کی طرح پختہ کار ہو عسٰی (یعنی عنقریب ایسے کروں گا) میں خرابی ہے اور سستی کر کے کسی اُمید پر رہنا بھی بہت خطرناک امر ہے۔ اور مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) اے کہ صبرت نیست از دُنیائے دوں ❊ چونت صبر ست از خدائے دوست چوں

(۲) چونکہ بے ایں شرب کم داری سکون ❊ چوں از ابرارے خدا و زیشربون

ترجمہ (۱) تجھے کمینی دُنیا سے صبر نہیں تو پھر تجھے دوست خدا سے صبر کیوں ہے۔

(۲) اس کے بغیر تجھے سکون نہیں ہوتا ایسے اللہ کے بندوں اور اس کے شرابا طہورًا سے بھی صبر نہ ہوگا۔

صُوفی کی قسم

: صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ طالب صادق شوق کے غلبہ اور ذوق کے وجدان کے وقت جمال و جلال کی قسم کھاتا ہے کہ اسے کچھ وصال و اقبال نصیب ہو اُسے شریعتِ رضا میں قسم لغو کہتے ہیں اور شریعتِ تسلیم میں اسے سہو سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے ضعفِ حال کو دیکھ کر اسے معاف کر دیا جاتا ہے۔ اس سے کسی قسم کا مواخذہ نہیں ہوتا اور سالک کے لئے مزیدی ہے کہ مجرد محض ہو جائے احکام مولیٰ کے اجراء پر قبول و ردّ اور اقبال و صدّ میں راضی برضائے حق ہو اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں مُستعدی دکھائے۔ اس کو اپنے لئے کرامت سمجھے۔ اس کو توجہ الٰہی و شہود و وصول تصور کرے،

چنانچہ کسی شاعر نے اُسے یُوں تبیر کیا ہے ؎

اُرِیدُ وصالہ و یُرِید ہجری　　فاترک ما اُرِیدُ لما یُرِید

ترجمہ : میں اُس کا وصال چاہتا ہوں اور وہ مجھ سے دُوری چاہتا ہے۔ پس تمہیں بھی چاہیئے جیسے وہ چاہتا ہے۔ تم سرِ تسلیم خم کرو۔ (التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

۹۵: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ ،، اے ایمان والو! بے شک شراب ،، وہ آیات جو شراب کے متعلق اُتری ہیں ان میں یہ چوتھی آیت ہے اور اس کی تفصیل سورہ بقرہ میں گزری ہے۔

مسئلہ : اَلْخَمر (شراب) کے حکم میں ہر نشہ دینے والی چیز داخل ہے۔

وَالْمَیْسِرُ ،، اور جُوا کے تمام اقسام۔ اس میں نرد۔ شطرنج۔ اربعہ۔ عشر۔ کعب۔ بیضہ و دیگر کھیلوں کے انواع سب جُوا کے حکم میں ہیں۔

وَالْاَنْصَابُ ،، وہ بُت جو عبادت کے لئے مقرر ہوں۔ یہ نصب بفتح النون و سکون الصاد کی جمع ہے ،، وَالْاَزْلَامُ ،، وہ تیر جن کے بعض پر لکھا ہوتا ہے۔ امرنی ربّی (مجھے اس کام کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے) اور بعض پر لکھا ہوتا ہے۔ نہانی ربّی ،، اس کام سے مجھے میرے رب تعالیٰ نے روکا ہے اس سے اپنی خیر و شر کے لئے قسمت آزمائی کرتے تھے۔

جاہلیت کی ایک رسم کا بیان

مفسرین فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت کا طریقہ تھا کہ جب کوئی سفر یا جنگ یا تجارت وغیرہ کا ارادہ کرتا۔ تو اُس کی بھلائی و بُرائی کے معلومات کرنے کے لئے اِن تیروں سے کام لیتا۔ یہ تیر کعبہ معظمہ کے اندر پڑے رہتے۔ کسی پر اَمرنی ربی ،، اور بعض پر نہانی ربی ،، لکھا ہوتا۔ بعض ایسے ہی خالی ہوتے جن پر کچھ نہ لکھا ہوتا۔ اور نہ ہی کوئی اور علامت ہوتی۔ ان سے اچانک جاکر اُٹھاتے۔ اگر اس کو امر والا تیر ہاتھ لگتا تو سفر کو چلے جاتے اور سمجھتے کہ اس میں بھلائی ہے اور اگر نہی والا تیر ملتا تو سفر سے رُک جاتے اور سمجھتے کہ سفر میں نقصان ہوگا۔ اگر خالی تیر ہاتھ آتا تو پھر اِن تیروں کو دوبارہ اُٹھاتے۔ استقسام بالازلام کا بھی یہی معنے ہے کہ اس سے قسمت آزمائی کرکہ اس میں بھلائی ہے یا بُرائی ازلام زلم کی جمع ہے۔

رِجْسٌ ،، گندگی یعنی وہ امر کہ جس سے عقول کو کراہت و نفرت ہو۔ یعنی عقول سلیمہ اس سے نفرت و کراہت کریں۔

فائدہ : رجس و نجس ایک شئ ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ نجس اُن چیزوں کے لئے مستعمل ہوتی ہے کہ اس کی گندگی سے نفرت ہو اور رجس وہ گندگی جس سے عقل نفرت اور کراہت کرے۔ **فائدہ** : اُن معاصی کو بھی رجس اسی لئے کہا گیا ہے کہ جیسے عام گندگیوں سے نفرت کی جاتی ہے اُن سے بھی نفرت و کراہت کرنا واجب ہے۔

مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ،، یہ رجس کی صفت ہے یعنی یہ جملہ امور ان گندگیوں سے ہیں جو شیطان انہیں سنوار کر ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ انہی امور کا داعی اور رغبت دہندہ اور اُن کے ارتکاب کنندگان کے دلوں کے آگے مزین کرکے دکھاتا ہے۔ **فَاجْتَنِبُوْهُ** ،، پس تم اس رجس سے کنارہ کشی کرو **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝** تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ یعنی ان لوگوں سے ہو جاؤ گے جو کامیابی کی اُمید رکھتے ہیں اور اجتناب بمعنے کسی شئ سے ایک طرف ہو جانا۔ **مسئلہ** : یہ امر تقریباً وجوب کے لئے ہے۔

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ
بے شک شیطان کا ارادہ ہے کہ تمہیں خمر و میسر کا مُرتکب بنا کر تمہارے مابین بغض و عداوت ڈال دے۔

فائدہ : اس میں اشارہ ہے کہ اُن کے استعمال سے دُنیا کے بہت بڑے فسادات برپا ہوتے ہیں۔

شراب نوشی کی خرابی : شراب نوشی میں عداوت یوں اُٹھتی ہے کہ شرابی لوگ جب شراب پی کر مخمور ہوتے ہیں تو آپس میں خوب جھگڑتے اور پھر لڑ مرتے ہیں جیسے ایک انصاری نے شراب پی کر حضرت سعد بن ابی وقاص کو اونٹ کی ہڈی ماری تو وہ زخمی ہو گئے تھے۔

قمار بازی کی خرابی : قمار بازی میں عداوت یوں پیدا ہوتی ہے کہ ایسے لوگ مال اہل و عیال کی بھی شرط لگا دیتے ہیں۔ اور جب اُن میں ایک کامیاب ہو گیا تو دوسرا اس پر کڑھتا رہا اور اپنے حریف کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دُشمن بن گیا۔

فائدہ : عداوت و بُغض میں فرق یہ ہے کہ ہر عداوت بغض ہے، لیکن ہر بُغض عداوت نہیں گویا ان میں عموم و خصوص کی نسبت ہے اس معنے پر ہر عداوت میں بُغض ہے، لیکن ہر بغض میں عداوت نہیں۔

فائدہ : فِي الْخَمْرِ يُوْقِعَ کے متعلق ہے اس لئے کہ لفظ فی یہاں سببیت کا معنیٰ دیتا ہے۔ جیسے حدیث شریف : ان امرأۃ دخلت النار فی ھرۃ میں فی سببیہ ہے یعنی وہ عورت بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ شیطان تمہارے مابین شراب و قمار کی وجہ سے عداوت اور بغض ڈالتا ہے۔

سوال : مومن کو ازلام و انصاب وغیرہما کی نہی کا کیا مطلب اس لئے کہ وہ ان امور کا ارتکاب نہیں کرتا، اگرچہ تا حکم جوازہ شراب و قمار کا استعمال کیا گیا۔

جواب : اگرچہ نہی سے مقصود صرف شراب و قمار تھے۔ لیکن اس میں تنبیہ مطلوب ہے کہ خمر و قمار بھی خرابیوں کے لحاظ سے ازلام و انصاب سے کچھ کم نہیں۔ پس اے مومنو! جیسے تم ازلام و انصاب کو بہت بُرا سمجھتے ہو۔ ایسے ہی یہ شراب و قمار بھی ہیں۔

وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ،، اور وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہ دونوں شراب و قمار دینی امور میں بہت خلل ڈالتے ہیں۔ اس لئے کہ شراب سے طرب و مستی پیدا ہوتی ہے اور لذتِ جسمانیہ اور شہوت نفسانیہ شراب سے نشوونما پاتی ہیں اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتے ہیں۔ اسی طرح قمار بھی کہ اُس کا انہماک بھی عبادت سے غفلت کا سبب بنتا ہے۔ جبکہ اپنے حریف پر غلبہ پا جائے تو بھی اُسے حرص ہوتا ہے کہ کام بن رہا ہے۔ اسے مکمل کرنا ضروری ہے۔ اس طرح سے غفلت چھا جائے گی تو عبادت و ذکر و فکر اور نماز چلی جائیگی اور اگر مغلوب ہو رہا ہے تو بھی چاہیگا کہ نماز و عبادت وغیرہ جاتی ہے تو جانے دو میں اپنے حریف سے بدلہ لوں گا۔ اسی طرح سے نماز اور روزہ و ذکر وغیرہ سے محروم ہو جائے گا۔

سوال : نماز کو علیحدہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ جبکہ وہ ذکر اللہ میں داخل ہے۔

جواب : اس کی اہمیت اور عظمتِ شان کی وجہ سے۔ علاوہ ازیں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو اسے ادا نہیں کرتا وہ گویا لذتِ ایمان سے محروم ہے۔ اس لئے کہ نماز ایمان کا ستون ہے۔ **فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ** ۝ پس کیا اس سے رُکنے والے ہو یا نہ۔ یہ جملہ لفظاً استفہام اور معنیً امر ہے۔ گویا یوں حکم ہُوا کہ **اِنْتَهُوْا** ،، یعنی اِن جملہ امور سے پورے طور رُک جاؤ۔

نکتہ : علمِ بلاغت میں نہی کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ اس لئے کہ فعل کے روکنے کے لئے اس میں زیادہ تاثیر ہے۔

فائدہ : حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہی حکم سُنا تو کہا: اے اللہ ہم ان امور سے پُورے طور رُک گئے۔ **فائدہ** : ہجرت کے تیسرے سال غزوۂ احد کے بعد ہی شراب کی تحریم کا حکم نازل ہُوا۔

وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ،، اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اُن امور میں جن کے تم مامور ہو۔ اس کا **اِجْتَنِبُوْا** پر عطف ہے۔ **وَاحْذَرُوْا** اور جن باتوں سے تمہیں روکا گیا ہے اُن سے رک جاؤ!

فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ ،، پس اگر تم فرمانبرداری اور اطاعت سے اعراض کرو!

فَاعْلَمُوْا أَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ جان لو کہ بیشک ہمارے رسُول علیہ السلام کے

ذمّہ صرف تبلیغ ہے اور وہ اسے سرانجام دے چکے۔ اب وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہیں اور تمہارے اُوپر حجت قائم ہوگئی اور تمہاری عذر داریاں بیکار ہوگئیں۔ اب تمہارے لئے سوائے عذاب کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ **نکتہ** : خمر و قمار کا ذکر بتوں کے ساتھ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ شراب خوری و قماربازی بھی بُت پرستی سے کچھ کم نہیں۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شارب الخمر کعابد الوثن ،، شرابی بُت پرست کی طرح ہے۔ حدیث مذکور کی آیت مذکور سے تائید ہوتی ہے۔

شراب خوار کی مذمت کی احادیث مُبارکہ

حدیث شریف ۱ : جس نے دُنیا میں شراب پی تو اُسے قیامت میں سانپوں اور بچھوؤں کی زہر پلائی جائے گی۔ جب وہ زہر پیئے گا تو اُس کے چہرے کا چمڑہ مردار جانور کی طرح اُدھیڑا جائے گا۔ اُس سے ایسی بدبو اُٹھے گی کہ تمام اہلِ محشر اس سے ایذاء پائیں گے جو شخص دُنیا میں شراب کا ایک گھونٹ پیئے گا تو اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں جہنم کی پیپ پلائے گا۔ **حدیث شریف ۲** : اللہ تعالیٰ شراب اور شرابی اور شراب پلانے والے اور بیچنے والے اور خریدنے والے اور نچوڑنے والے اور جس کے لئے نچوڑا جائے اور اٹھانے والے اور جس کے لئے اُٹھایا جائے اور جو اسے بیچ کر اس کی قیمت کھاتا ہے سب پر لعنت کرتا ہے۔

حدیث شریف ۳ : جو شخص شراب پیتا ہے۔ بعد اس کے کہ اسے حرام کر دیا ہے تو وہ نکاح کرنا چاہے تو اسے کوئی نکاح کے لئے لڑکی نہ دے اور جب وہ بات کرے تو اُس کی تصدیق نہ کی جائے اور جب وہ سفارش کرے تو اُس کی سفارش قبول نہ کی جائے اور نہ ہی اُسے کسی امانت پر امین مقرر کیا جائے۔ جس نے ایسے آدمی کے ہاں امانت رکھی اور اسے اُس نے ہلاک کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسے واپس نہیں کرے گا۔

حسین واعظ کاشفی نے اپنی تفسیر میں لکھا ؎

(۱) بے نمکی داں جگر آمیختہ — بر جگر بے نمکاں ریختہ

(۲) بے خبر آں مرد کہ چیزے چشید — کش قلم بے خبرے درکشید

ترجمہ : (۱) جگر آمیختہ کو بے نمک جان کی جگر پر نمک چھڑک دیا گیا ہے یعنی زخم اور جل گئے۔

(۲) وہ مرد بے خبر ہے کہ کچھ نہ چکھا اس لئے کہ اُس نے بے خبری میں قلم کھینچا۔

تفسیر صوفیانہ : **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا** اس ایمان کی طرف اشارہ ہے جو حقیقی ہے۔ جو تم خلائق کے ساتھ حق سے ازل میں نصیب ہوا۔ جس کی فطرت ہی طاعت و فرمانبرداری اور تواضع ہے جیسے ملائکہ کی فطرت ہے۔ اس کی ضد خواہش نفسانی ہے وہ آخریات خلق میں سے ظلمانی، نفسانی اور سفلی ہے۔ اس کی فطرت تمرد و مخالفت اور اپنے رب کی طاعت و عبادت سے انکار و استکبار ہے جیسے شیاطین کی عادت ہے۔ جب غرالی شراب پیتا ہے تو اس کی عقل کا نور مغلوب ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ راہِ حق کی طرف ہدایت نہیں پا سکتا۔ پھر اس پر خواہشات نفسانیہ کی اندھیریاں چھا جاتی ہیں تو اس سے اس کا نفس امارہ ہو کر اسے خواہشات نفسانیہ پر اُبھارتا ہے۔ اس وجہ سے وہ جمیع شہوات نفسانیہ و لذات حیوانیہ کا طالب ہو کر خواہشات نفسانیہ کا تابع ہو جاتا ہے۔ اس طریقہ سے شیطان اس پر غالب پا لیتا ہے۔ پھر وہ اس سے تمام غلطیاں کرا لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہوتی ہیں اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا : **الخمر ام الخبائث** ،، شراب تمام خباثتوں کی جڑ ہے۔ اس لئے کہ تمام خباثتیں اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔ قمار بازی اس لئے حرام ہے کہ اس سے صفات مذمومہ نفس میں اُبھرتی ہیں۔ مثلاً حرص، بخل، کبر، غضب و عداوت، بغض، حقد، حسد وغیرہ وغیرہ اور انہی صفات سے بندہ سیدھے راستے سے بھٹک کر گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

انصاب ،، وہ ہیں کہ جن کی اللہ تعالیٰ کے ماسوا پرستش ہوتی ہے انہیں کی پرستش سے بندہ مشرک ہو جاتا ہے۔

ازلام ،، وہ اشیاء ہیں۔ جن سے بھلائی، بُرائی وغیرہ کی اُمید سے بندہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے نفع اور ضرر بالذات صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر فرمایا : **رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ** ،، یعنی اشیاء مذکورہ بالا خبیث ترین چیزیں اور شیطان کے اعمال سے ہیں کہ انہی سے شیطان انسان کو گمراہ کر کے راہِ حق اور صراطِ مستقیم سے بھٹکاتا ہے۔

فَاجْتَنِبُوْهُ ،، پس تم اے ایمان والو شیطان سے بچو اور اس کے وساوس قبول نہ کرو اور اس کے تمام اعمال خبیثہ کو بالکل ترک کر دو۔ **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ۝ تاکہ شیطان کے مکر و فریب اور اس کی تمام خباثتوں سے بچ جاؤ ! (التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ : **لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ** ،، نہیں ایمان والوں پر کوئی گناہ اور حرج **فِیْمَا طَعِمُوْۤا** ،، اس میں جو کچھ اُنھوں نے کھایا پیا ہے۔

مسئلہ : شراب اور قمار بازی سے جو مال حاصل ہوتا ہے وہ بھی اس کے حکم میں داخل ہے۔ یعنی وہ بھی

جائز ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اِذَا مَا اتَّقَوْا ،، جبکہ وہ اشیاء محرمہ سے بچتے ہیں۔ وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ،، ایمان اور اعمالِ صالحہ پر مداومت کرتے ہیں۔ ثُمَّ اتَّقَوْا ،، اس کا عطف پہلے اَتَّقَوْا پر ہے اور یہ بھی اس شرط میں داخل ہے یعنی جب وہ اشیاء محرمہ سے بچتے ہیں۔ اگرچہ اس سے قبل اُن کا استعمال ان کے لئے مباح تھا۔ وَّ اٰمَنُوْا اور ان اشیاء کی تحریم پر ایمان رکھتے ہیں۔ ثُمَّ اتَّقَوْا پھر وہ اشیاء محرمہ کے استعمال سے بچتے ہیں۔ جبکہ اس سے قبل اُن کے لئے وہ اشیاء مباح تھیں۔

ازالۂ وہم : یاد رہے کہ یہ تکرار (اتقاء) اس لئے ہے کہ اُن کے لئے اشیاء کی اباحت تدریجاً تدریجاً منسوخ ہوئی۔ اب مطلب یہ ہُوا کہ جتنی اشیاء اس حکم سے پہلے تمہارے عمل میں تھیں اس سے منسوخ ہوئیں۔ اب اُن سے بچو۔ پھر اشیاء مباح رہ گئیں۔ ان کے بعد وہ منسوخ ہوئیں وغیرہ وغیرہ وَّ اَحْسَنُوْا ،، اور نیکی کرو یعنی اعمال صالحہ جو عند اللہ حُسن و جمال رکھتی ہیں۔ اس میں وہ اعمال شامل ہو گئے جو قلب اور جسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے کہ اُن سے کسی قسم کا مواخذہ نہ کرے گا۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہُوا کہ جو نیکی کرتا ہے تو وہ محسن ہو جاتا ہے جو محسن ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ : احسان کی تعریف اَنْ تَعْبُدُ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ ،، حضوریٔ قلب سے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ احسان مشاہدہ کا ایک مرتبہ ہے کہ جب انسان ایمان غیبی سے ترقی کرتا ہے تو اسے ایمان شہودی نصیب ہوتا ہے پھر وہ بالکل فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اطلاق کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس پر اُس کی ترقی کی منزلیں اتمام پر پہنچتی ہیں۔ اس مقام پر اسے کھانے پینے وغیرہ کی تمام اشیاء مُباح ہوتی ہیں۔ کوئی دُنیا کی شئے اُسے ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ اس لئے کہ اس نے اپنے تمام شرائط کو مکمل کر لیا۔

تنبیہہ ۱ : لیکن یاد رہے کہ اُس پر پھر کسی دُوسرے آدمی کا قیاس نہ کرنا چاہیئے۔

تنبیہہ ۲ : یہ بھی یاد رہے کہ ہر اہل احسان کو محسن کہا جا سکتا ہے۔ کسی کے ساتھ یہ لفظ مخصوص نہیں۔ اس مرتبہ پر پہنچنے والا محسن اور لائق تحسین و آفرین ہوتا ہے۔ حضرت مولانا رُوم قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) محستاں مُردند و احسانہا بماند　　　اے خنک آں را کہ ایں مرکب براند

(۲) ظالماں مردند و ماند آں ظلمہا　　　وائے جانے کو کند مکر و دہاں

(۳) گفت پیغمبر خنک آں راکہ او شد ز دُنیا ماند ازو فعل نکو
(۴) خرد [illegible] خود میداں دیع و احسان نیست خرد
(۵) [illegible] ملکت آں [illegible] او جاں ببرد

ترجمہ (۱) [illegible] بے ساختہ مبارک ہو جس نے احسان کا گھوڑا دوڑایا
(۲) [illegible] مر گئے لیکن [illegible] کام کرتی ہے۔
(۳) نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ [illegible] چلا گیا لیکن اس سے نیکی یادگار رہی۔
(۴) لیکن مرد [illegible] نزدیک دین و احسان معمولی شے نہیں۔
(۵) [illegible] افسوس ہے کہ [illegible] یہ خیال مت کرنا کہ وہ موت کے ساتھ جان سلامت لے گیا۔

عشرہ ذوالحج میں صدقات کے فضائل

(۱) مروی ہے کہ جو شخص ان دس دنوں میں کسی مسکین کو صدقہ دیتا ہے تو گویا اُس نے تمام انبیاء رُسل کرام علیہم السلام کو نذرانہ پیش کیا۔
(۲) جو شخص اِنہی دنوں میں کسی مریض کی طبیعت پرسی کرتا ہے تو گویا وہ اولیاء اللہ اور ابدال کی خدمت میں طبع پرسی کے لئے حاضر ہُوا۔
(۳) جو شخص اِنہی دنوں کسی مُسلمان کے جنازے میں شریک ہُوا تو وہ گویا جمیع شہدائے بدر کے جنازوں پر حاضر ہُوا۔
(۴) اور جو شخص کسی مومن کو کپڑا پہناتا ہے تو قیامت میں اسے اللہ تعالیٰ بہشتی پوشاک پہنائے گا۔
(۵) جو شخص انہی ایام میں کسی یتیم پر مہربانی کرے تو قیامت میں اُسے اللہ تعالیٰ عرش کے سایہ تلے جگہ عنایت فرمائے گا۔
(۶) جو شخص اِنہی دِنوں اہلِ علم کی مجلس میں بیٹھے گا۔ تو وہ گویا انبیاء و رسل کی مجلس میں حاضر ہُوا۔ (روضۃ العلماء)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

باحسان آسودہ کردن دِلے ✿ بہ از الف رکعت بہر منزلے

ترجمہ: احسان سے ایک جان کو آسودہ کرنا ہر منزل پر ہزار رکعت پڑھنے سے بہتر ہے۔

حکائت: منقول ہے کہ ایک دفعہ بنی اسرائیل میں سخت قحط پڑا۔ تو ایک فقیر نے کسی گلی کوچے میں جا کر صدا خواست کی۔ اس محلہ میں ایک دولتمند رہتا تھا۔ اس کا دروازہ کھٹکھٹایا

اور کہا مجھے راہ للہ کچھ عطا کرو اس گھر سے ایک نوجوان لڑکی فقیر کے لئے روٹی لائی۔ راستہ میں وہی دولتمند ملا اور کہا کہ گداگر کو روٹی کس نے دی۔ لڑکی نے کہا میں اپنے گھر سے روٹی لائی ہوں۔ دولتمند کو غصہ آگیا۔ اُس نے اس لڑکی کا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالا پھر وُہی دولتمند مفلس ہوگیا اور چند دنوں کے بعد وہ فوت ہوگیا پھر دوسرے دولتمند نوجوان نے اس لڑکی سے نکاح کر لیا اور اپنے گھر لے گیا۔ جب رات ہوئی تو لڑکی نے اپنے اس خاوند کے ہاں کھانا پیش کیا تو بائیں ہاتھ سے۔ شوہر نے کہا دائیں سے دو۔ لیکن اس کا دایاں ہاتھ تھا نہیں اس لئے اُس نے پھر دوبارہ بایاں ہاتھ پھیلایا۔ اسی طرح پھر تیسری بار۔ شوہر کا اصرار تھا کہ وہ دائیں ہاتھ سے دے۔ لڑکی کی لاج رکھ لی گئی کہ غیب سے ہاتف نے آواز دی کہ تم سیدھا پھیلاؤ۔ جس رب کریم کے لئے تم نے فقیر کو روٹی دی تھی اس مالک نے تیرا ہاتھ تجھے واپس لوٹا دیا ہے؛ چنانچہ دایاں ہاتھ پھیلایا تو بفضلہٖ تعالیٰ اس لڑکی کا ہاتھ صحیح سالم تھا۔ اس طرح سے اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا (کذا فی روضۃ العلماء) ؎

تو نیکی کن بآب انداز اے شاہ ٭ اگر ماہی نہ داند داند خدا

ترجمہ: اے بادشاہ تو پانی دے کر نیکی کر اگر مچھلی نہیں جانتی خدا تو جانتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ
اے ایمان والو! ضرور اللہ تمہیں آزمائے گا ایسے بعض شکار
الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ فَمَنِ
سے جس تک تمہارا ہاتھ اور نیزے پہنچیں کہ اللہ پہچان کرا دے اسے جو اس کی بن دیکھے ڈرتا ہے پھر اس
اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا
کے بعد جو حد سے بڑھے اس کے لیے دردناک عذاب ہے اے ایمان والوں شکار
الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ
نہ مارو جب تم احرام میں ہو اور تم میں جو اسے قصداً قتل کرے تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ ویسا ہی جانور
النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ
مویشی سے دے تم میں کے دو ثقہ آدمی اس کا حکم کریں یہ قربانی ہو کعبہ کو پہنچتی یا کفارہ دے چند
مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ
مسکینوں کا کھانا یا اس کے برابر روزے کہ اپنے کام کا وبال چکھے اللہ نے معاف کیا جو ہو گزرا
وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ
اور جو اب کرے گا اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا حلال ہے تمہارے لیے
الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ
دریا کا شکار اور اس کا کھانا تمہارے اور مسافروں کے فائدے کو اور تم پر حرام ہے خشکی کا شکار جب تک تم
حُرُمًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ
احرام میں ہو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تمہیں اٹھنا ہے اللہ نے ادب والے گھر کعبہ کو لوگوں کے
الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا
قیام کا باعث کیا اور حرمت والے مہینہ اور حرم کی قربانی اور گلے میں علامت آویزاں جانوروں کو
اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾
یہ اس لیے کہ تم یقین کرو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور یہ کہ اللہ سب کچھ جانتا
اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ
ہے جان رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان رسول پر نہیں

إِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ
مگر حکم پہنچانا اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے اور جو تم چھپاتے ہو تم فرما دو کہ گندہ اور ستھرا برابر نہیں اگرچہ
الطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝
تجھے گندے کی کثرت بھائے تو اللہ سے ڈرتے رہو اے عقل والو کہ تم فلاح پاؤ

تفسیر عالمانہ : يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ، یہ آیت عام حدیبیہ میں ہجرت کے چھٹے سال نازل ہوئی ۔ حدیبیہ (بتخفیف الیاء الاخیرہ ۔ کبھی اسے مشدد بھی پڑھتے ہیں) مکہ شریف کے قریب ایک جگہ کا نام ہے ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کی زیارت کا ارادہ فرمایا اور صحابہ کرام کو لے کر مدینہ طیبہ سے چل پڑے اس وقت صحابہ کی جماعت ایک ہزار پانچ سو پینتالیس افراد پر مشتمل تھی ۔ جب حدیبیہ میں اُترے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے شکار سے آزمایا اس لئے کہ وہ اس وقت احرام باندھے ہوئے تھے ۔ وحشی جانوروں کی یہ حالت تھی کہ وہ اُن کے سامان کے قریب آکر کھڑے ہو جاتے ۔ صحابہ کرام کیلئے اُن کا پکڑنا آسان ہو گیا ۔ اگر انہیں ہاتھ سے پکڑ لیتے یا تیر مار کر شکار کر لیتے تو ان کے لئے مشکل نہ تھا ؛ چنانچہ بعض حضرات نے اس کا ارادہ بھی کر لیا تو یہ آیت اُتری لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ ، (یہ بَلْوَۃٌ بَلْوًا سے مشتق ہے بمعنی خَبَرْتُہٗ وَ اَخْبَرْتُہٗ) یہ قسم محذوف کا جواب ہے ۔ یعنی تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے گا جو تمہاری آزمائش کرتا ہے تاکہ وہ تمہارے حالات معلوم کرے بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تھوڑی اور حقیر شئ کو حرام کر کے جیسے شکار ۔ یہاں الصید بمعنی المَصِیْدُ یعنی شکار کردہ شئ مراد ہے ۔ اس معنی پر مِن قطعًا بیانیہ ہے اس سے جنگل کے شکار مُراد ہیں ۔ ماکول ہو یا غیر ماکول ۔ ماسوائے اُن کے کہ جنہیں شرعًا مستثنیٰ کیا گیا ہے ۔ اس تقریر پر لام عہدی ہے ۔

حدیث شریف : میں ہے کہ پانچ فواسق حل و حرم ہر جگہ مارے جائیں (۱) سانپ ۔ (۲) بچھو (۳) کوّا (۴) چوہا (۵) الکلب العقور یعنی بھیڑیا ۔ جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہوا ہے یعنی الکلب العقور کے بجائے ذئب (بھیڑیا) وارد ہوا ہے ۔ تَنَالُہٗ

یعنی یکم و یہ مالکمہ کہ اس شکار کو تمہارے ہاتھ اور تمہارے تیر پہنچیں۔ یعنی انہیں تم ہاتھ سے پکڑو اور نیزوں سے قتل کرو۔

(ف) لیبلونکم اللہ ،، کی تاکید قسمی ہے۔ یعنی شکاری جانوروں کا اُن سے مانوس ہونے کی سبب کہ انہیں آزمایا جائے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ قبل یہ کا وقوع محقق ہو چکا ہے۔ جیسے ابتلا سے پہلے یہ شکار پھر رہے تھے اب بھی ویسے ہی پھر رہے ہیں اور شئی کی تنکیر تحقیر کے لئے ہے وہ اس لئے کہ آزمائش کوئی سنگین نہیں کہ جسے سن کر تم گھبرا جاؤ یا اُس کی تعمیل میں کوئی تکلیف ہو۔ جیسے بنی اسرائیل کی قتل نفس و اتلاف مال سے آزمائش ہوئی بلکہ یہ آزمائش اس طرح ہے جیسے اہلِ ایکہ کو ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار سے روکا گیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ گویا انہیں کہا گیا ہے کہ اگر تم اِس آزمائش میں کامیاب نہیں ہو سکتے تو پھر تم اس سے سخت تر آزمائش میں کس طرح کامیاب ہو سکو گے۔

لیعلم اللہ من یخافہ بالغیب ،، اللہ تعالیٰ سے خائف ہونے کا یہ معنے ہے کہ اُس کے عذاب سے خوف کیا جائے۔ بالغیب یخافہ کی ضمیر مفعول سے حال ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا عذاب مُراد ہے اور لیعلم میں علم بمعنی تمیز ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تمہاری آزمائش اس لئے کی گئی ہے تاکہ امتیاز ہو کہ اللہ تعالیٰ کے عذابِ آخرت سے غائبانہ کون ڈرتا ہے۔ یہ اُس کی قوتِ ایمان کی دلیل ہے کہ باوجودیکہ وہ شکار آسانی سے پکڑ سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے خوف سے شکار نہیں کرتا۔ بخلاف اس کے کہ اسے خوفِ خداوندی نہیں کر وہ شکار کو پکڑتا ہے۔ یہ اُس کے ضعف ایمانی کی دلیل ہے۔

سوال : یہاں پر علم بمعنی تمیز کیوں ؟

جواب : اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو لاعلمی نہیں۔ اور نہ ہی اس کے لئے تجدد و تحدث ہے اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مذکورہ بالا امر متنع ہیں۔ ایسے ہی اس کی صفات کے لئے بھی ممتنع ہے اور یہاں پہ مذکورہ بالا امور لازم آتے تھے۔ اس لئے مجازاً علم کو بمعنی تمیز استعمال کیا گیا ہے۔ یا یہاں پر علم بمعنے ظہور ہے یعنی سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے ؛ چنانچہ قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ یہاں علم ظہور اور وقوع المعلوم کے معنی میں ہے۔ اور ابو سعود (مفسر) نے بھی ایسے ہی کہا ہے کہ علم یہاں پر اپنے اصلی معنیٰ میں نہیں۔ بلکہ اپنے لازمی معنی میں مستعمل ہُوا ہے تاکہ معلوم ہو کہ عمل مذکور کے بعد جزاء (ثواب یا عقاب) اس جملہ سے اصلی مُراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو غائبانہ خوف کرنے پر ترغیب دلائی ہے۔ فمن اعتدیٰ بعد ذٰلک ،، جب اُسے معلوم کرا دیا گیا کہ شکار کو آسان کر دیا۔ صرف تمہاری آزمائش کے لئے ؛ ورنہ شکار عموماً تمہارے ڈر سے بھاگ جاتا ہے لیکن اب تمہارے ساتھ پھرتے ہیں تو تم خود کچھ

سکتے ہو کہ اس میں کوئی حکمت ہے اور وہ وہی کہ اس سے تمہارا امتحان لینا مطلوب ہے اس کے باوجود پھر بھی کوئی شکار کر لیتا ہے تو سمجھو کہ حد سے تجاوز کر رہا ہے۔

فَلَهُ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے اس لئے کہ ایسا شخص عمداً بغاوت کر رہا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے لاپرواہی کی اور اُسے معمولی شئے سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طاعت سے نکلا اور اُس کے خوف و خشیت سے بالکل خالی ہوگیا۔ یہاں پہ عذاب سے آخرت کا عذاب مُراد ہے، لیکن یہ اُس وقت ہے جب اُس نے توبہ نہ کی یا اُس کی سزا نہ پائی ہو اور نہ ہی زندگی میں اس کا کفارہ ادا کیا ہو۔ ایسے مجرم کی دُنیا میں یہ سزا ہے کہ اُس کے کپڑے اُتار کر اس کے اعضاء پر مختلف جگہوں پر سخت کوڑے لگائے جائیں لیکن چہرہ اور سر اور فرج پر کوڑے نہ مارے جائیں۔ اس سزا کے بعد اُسے کفارہ بھی ادا کرنا لازمی ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ،، آیت میں اشارہ ہے کہ مصائب اپنے پیاروں کو لہو ولعب آوارہ لوگوں کو دیتا ہے۔ اس سے وہ عشاق مُراد ہیں جو دُنیا کی لذات و شہوات سے اپنے آپ کو بچاتے اور وصول اللہ کا حج اور وصالِ الٰہی کا عُمرہ کرتے ہیں۔ لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ عشاق کو خطاب ہے کہ تمہارا سلوک طے کرتے وقت امتحان ہوگا۔ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ ،، شکار سے مطالب نفسانیہ حیوانیہ اور مقاصد شہوانیہ دنیویہ مراد ہیں۔ تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ ،، اس سے نفوس کی شہوات متعلقات اور لذاتِ ابدان مُراد ہیں۔ وَرِمَاحُكُمْ ،، اس سے مال و جاہ کے متعلقات مُراد ہیں۔ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ ،، تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ظاہر کرے کہ تم میں سے کون طلب حق میں مطالب و مقاصد کو چھوڑتا ہے اور اُسے خوف ہے کہیں شہود سے غائب اور منقطع نہ ہو جائے اور وہ ہمیشہ التفات للغیر سے بچتا رہتا ہے۔ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ ،، پس جو سالک طلب حق کے بعد مطالب دُنیویہ سے متعلق ہُوا۔ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ تو اُسے دردناک عذاب ہے۔ مثلاً اسے مشاہدات سے محروم رکھا جائے گا اگر مشاہدات تک پہنچ بھی گیا تو اس کے آگے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور اُسے ذاتِ حق سے منقطع کر دیا جائے گا۔ (التاویلات النجمیہ)

حدیث رویائی

: اپنے وقت کے بہت بڑے شیخ حضرت ابو عبداللہ شیرازی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں خواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہُوا۔ آپ فرما رہے تھے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کا راہ جانتا اور اُس پر چلتا ہُوا واپس لوٹا تو اللہ تعالیٰ اسے اتنا سخت عذاب دے گا کہ کسی کو بھی ایسا عذاب نہ دیا ہوگا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ہمنام فقیر حقی (غفر اللہ ذُنُوبَہ) صاحب روح البیان قدس سرہ

فرمایا : اس شخص کو اس لئے سخت ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا کہ اسے جب یقین تھا کہ یہی راستہ اور موصل الی اللہ ہے تو پھر کیوں واپس لوٹا۔ اور اس راہ کا جاہل اور عالم برابر نہیں اور جو اس راہ سے ہٹ گیا۔ وہ اسقامات میں مبتلا رہا۔

حضرت مولانا رُوم قدس سرہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ؎

(۱) قلب چوں آمد سیہ شد واز بہاں ✤ زد درآمد شد زردی او عیاں

(۲) دست و پا انداخت زد در پاد رخش ✤ در رُخ آتش ہمے خندد رخش

(۱) جب قلب سیاہ ہو کر خالی ہو جائے اس سے اس کی اصالت ظاہر ہو گئی

(۲) ہاتھ پاؤں کو غفلت میں ڈالا۔ اس کے چہرے کو آگ کے آگے ہنسنے کا موقعہ ملے گا یعنی آگ میں جلے گا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ترسم کز ایں چمن نبری آستین گل ✤ کز گلشنش تحمل خاری نمکینی

ترجمہ : مجھے ڈر ہے کہ تو باغ سے پھول نہ لے سکے گا جبکہ تو پھول لیتے وقت اس کے کانٹے کا تحمل نہیں رکھتا۔

سبق : طالبِ صادق پر لازم ہے کہ وہ ریاضتوں کی مشق کرکے شہوات سے اپنے نفس کو پاک کرے۔ جہاں تک ہو سکے حلال اشیاء کھائے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو زہر قاتل سمجھے۔

رُوحانی نسخے : نفس اور طبیعت کی اصلاح اگرچہ فضلِ الٰہی پر مبنی ہے، لیکن روزہ اور تقلیل طعام بھی بہترین اور بڑا مضبوط سبب ہیں۔

حکایت : ایک بزرگ نے نفس کو سخت ریاضتوں میں مبتلا رکھ کر پوچھا۔ اب بتا میں کون ہوں اور تو کون۔ نفس نے جواب دیا کہ تو تو اور میں میں۔ پھر دوبارہ اس کے تزکیہ میں لگ گیا۔ کئی حج پیدل کئے۔ پھر پوچھا تو وہی پہلا جواب دیا۔ اس کے بعد اور سخت ریاضتیں کیں اور کھانے پینے میں بہت کمی کر دی۔ چند روز کے بعد پوچھا تو جواب میں کہا تو تو ہے، لیکن میں فنا ہو چکا ہوں۔ میرے وجود میں سے اب کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ اس طرح سے اس اللہ کے بندے کی جان چھوٹی۔

نکتہ : حضرت المولوی قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ کیا صُوفی بھی گناہ کرتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ صُوفی اس وقت گناہ کرتا ہے جب بلا ضرورت طعام کھائے اس لئے کہ سالک کے لئے طعام بیماری بھی ہے اور دوا بھی۔ اے اللہ نفسِ امارہ کی اصلاح کے لئے ہماری مدد فرما۔

۱۳۱ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ " اے ایمان والو! شکار کو قتل نہ کرو"

تفسیر عالمانہ

: حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک الصید، ہر اس وحشی حیوان کو کہا جاتا ہے جس سے نفع اٹھایا جائے۔ وہ ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم۔ اس سے فواسق کے ماسوا باقی تمام حیوانات مراد ہیں۔ اور فواسق یہ ہیں: (۱) بچھو (۲) سانپ (۳) کوا (۴) چوہا (۵) کلب عقور (بھیڑیا وغیرہ)۔ ان کو حل وحرم ہر جگہ قتل کر دینا جائز ہے۔

وَأَنْتُمْ حُرُمٌ حرام کی جمع ہے اس سے محرم مراد ہے اگرچہ وہ حل میں ہو۔ اُس کا یہی حکم ہے۔ اسی طرح جو حرم کے اندر ہو۔ اگرچہ احرام نہ باندھا ہو کہ شکار نہ کریں خواہ حل میں ہو یا حرم میں۔ ہتھیار سے ہو یا ہتھیار کے بغیر شکاری کتے سے ہو یا پرندے سے ہر جگہ اور ہر حال میں محرم اور غیر محرم کو حرم میں شکار کرنا ناجائز ہے۔

مسئلہ : احرام نہ باندھا ہو (جسے حلالی کہتے ہیں) اسے حرم سے باہر ہر جگہ شکار کرنا جائز ہے لیکن مکہ شریف کے حرم کے اندر ناجائز ہے اور حرم مکہ از جانب مشرق چھ میل اور از جانب ثانی بارہ میل اور از جانب ثالث اٹھارہ میل اور از جانب رابع چوبیس میل ہے۔ یہ فقیہ ابو جعفر کا قول ہے۔

(نکتہ) ایسے شکار کے لئے لفظ قتل سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ ایسا شکار بمنزلہ مردار کے ہے۔

مسئلہ : ہر وہ شکاری جانور جسے محرم قتل کر دے تو وہ غیر مذبوح کے حکم میں ہے اور ہر غیر مذبوح جانور کا کھانا ناجائز ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ تم شکاری جانور نہ کھاؤ، حالانکہ تم محرم ہو۔

وَمَنْ یہ مَنْ شرطیہ ہے۔ قَتَلَهُ اور وہ جو شکار کو قتل کرتا ہے۔ اس سے معہود شکار مراد یعنی جنگلی شکار (جانور) ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم۔ درانحالیکہ قاتل "مِنْكُمْ" تم اہلِ ایمان میں سے ہو یعنی شکار کو قتل کرنے والا مسلمان ہو۔

(نکتہ) اس مسئلہ کو ایمان کی قید لگانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ مومن کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ممنوعات الٰہیہ سے رک جائے۔

مُتَعَمِّدًا "، یہ بھی قتلہ، کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی وہ قتل کرتے والا شکار کو جان بوجھ کر قتل نہ کرے یعنی وہ جانتا ہو کہ وہ اس وقت حالت احرام میں ہے۔ اور یہ بھی اسے معلوم ہے کہ حالت احرام میں شکار کرنا حرام ہے۔

سوال : عمد کی قید لگانا بے سود ہے اس لئے کہ حالت احرام میں عمداً شکار کرے تب بھی مجرم ہے اور اگر خطا کرے تب بھی۔

جواب : اصل حکم تو عمد کے لئے ہے، لیکن خطاء کو بھی اس حکم میں شامل کر دیا گیا ہے (زجراً و توبیخاً) تاکہ آئندہ اس حکم کی اہمیت معلوم ہو جائے۔

مذہب پر جو کہتے ہیں کہ عطف بیان میں ہر دو نوں کا معرفہ ہونا ضروری نہیں۔ یعنی وہ کفارہ مسکینوں کا طعام مقرر ہے۔
اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا یا اُس کے برابر روزہ رکھے۔ اس کا عطف طعام پر ہے۔ اب اس عبارت کا مفہوم یوں ہُوا کہ ایسے قتل کئے ہُوئے شکار کی جزاء میں جانور قربان کرے یا مسکینوں کو طعام دے یا چند گنتی کے دن روزے رکھے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ مماثلت مذکورہ جزاء کے لئے وصف لازم ہے کہ جس کے لئے ہدی وطعام وصیام مقرر ہے۔ ان میں سے دو پہلے بلا واسطہ ہیں اور تیسرا دوسرے کے واسطہ سے ہے جس نے شکار کو قتل کیا وہ ان میں سے جسے چاہے ادا کرے۔

فائدہ : فراء نے فرمایا کہ العدل بالکسرہ ہر وہ شئے جو ہمجنس کی مثل ہو اور بالفتح ہر وہ شئے جو کسی دوسری جنس کے مثل ہو۔ نتیجہ نکلا کہ شئے کے عدل کا معنی یہ ہے کہ وہ شئی اس کی جنس سے اس کے برابر ہو جیسے روزہ اور طعام کھلانا اور اسی طرح وہ شئ جو اس کے مقدار میں برابر ہو۔ خلاصہ یہ کہ اگر (العدل) بالفتح ہو تو اسم مصدر کے معنی میں ہوگا اور اگر بالکسر ہو تو مفعول کے معنی میں ہوگا۔ اس کا طعام کی طرف اشارہ ہے۔ صِیامًا عدل کی تمیز ہے۔

مسئلہ : شکار کو قتل کرنے والے کو اختیار دینا امام ابوحنیفہ وامام ابویوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے مذہب پر ہے اور دو فیصلہ کنندگان کے سپرد کرکے وہ جو چاہیں یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔

لِیَذُوْقَ ،، یہ جار و مجرور مستقر وغیرہ محذوف ہے کے متعلق ہے یعنی اس پر جزاء اس لئے ہے کہ شکار کا قاتل چکھے۔ وَبَالَ اَمْرِهٖ اپنے امر کا وبال یعنی اُس نے احرام کی حالت میں حرم کی ہتک کی ہے اس کی سزاء سے بھگتی چاہئیے۔ دراصل وَبَال مکروہ اور اس ضرر کو کہتے ہیں جو بندے کو شامت اعمال نفس کی وجہ سے پہنچے۔

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ،، گذرا ہُوا عمل اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرمایا۔ یعنی احرام کھولنے سے پہلے جو اُس نے بحالت احرام شکار کو قتل کیا ہے۔ وَمَنْ عَادَ اور نہی کے بعد جو احرام کی حالت میں شکار کو قتل کرے گا اور یہ مَنْ شرطیہ ہے۔ فَیَنْتَقِمُ اللّٰهُ ،، پس اُس سے اللہ تعالیٰ بدلہ لے گا۔

سوال : یہ جُملہ جزاء واقع ہے لیکن اس سے پہلے حرف شرط نہیں۔

جواب : جب جُملہ فعلیہ اسم شرط جزاء واقع ہو تو اس کے لئے حرف شرط کا ہونا ضروری ہے۔

سوال : فینتقمُ اللہ الخ سے پہلے فہو مُبتدا مقدر کیوں مانا جاتا ہے۔

جواب : تاکہ فاء لغو نہ جائے۔ اگر مُبتدا مقدر نہ ہوتا تو فاء جزائیہ لغو جاتی۔

فائدہ : یہاں پر انتقام بمعنے تعذیب ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے بدلہ لینے کا معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ آخرت میں عذاب میں مُبتلا کرے گا۔

مسئلہ : بعض کے نزدیک اس فعل میں اعادہ سے کفارہ واجب ہے اور بعض کے نزدیک کفارہ واجب نہیں۔

جیسا کہ آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ در اصل انتقام بمعنی بدلہ لینا اور اپنے حق کا انصاف طلب کرنا اگر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بمعنی آخرت کی سزا وغیرہ مراد ہوتی ہے۔

وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ اس کے غلبہ کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ ذُوانْتِقَامٍ صاحبِ انتقام یعنی جو گنہ پر اصرار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی سخت گرفت کرتا ہے۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام سے خطاب کر کے فرمایا کہ اے خلیل مجھ سے ایسے خوف رکھو جیسے حملہ آور درندے سے خوفزدہ ہوتے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ جب اپنی تقدیر کا اجراء فرماتا ہے تو نہیں دیکھتا کہ یہ نبی علیہ السلام ہے یا ولی یا دشمن جیسے درندہ کہ جب حملہ کرتا ہے تو نہیں دیکھتا کہ وہ اس کا نفع رساں ہے یا ضرر دہندہ۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سخت ہے۔ اس سے مجرم کسی طرح نہیں بچ سکتا ہے جبکہ وہ انتقام اور قہر و جلال پر آتا ہے۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ حتی الامکان بچنے کی کوشش کرے اس لئے کہ انسان وہی اٹھاتا ہے جو کچھ بوتا ہے۔ حضرت مولانا رُوم قدس سرہ نے مثنوی میں فرمایا کہ ؎

جملہ دانستہ کہ اگر تو انگری ؛ ہرچہ می کاریش روزے بد روی

ترجمہ : سب کو معلوم ہے کہ اگر تو زنگر ہے تو جو کچھ بوئے گا وہی اٹھائے گا۔

تعجب ہے کہ ضعیف انسان بہت بڑی قوت والے رب تعالیٰ کی بے فرمانی کر کے کیسے مقابلہ کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ غفلت کا نتیجہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی گرفت ..... کا خیال نہیں رہتا۔ اور نفس کی شرارت سے شہوات میں پھنس کر نافرمانی کر لیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ط میں ایک نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے احرام سے فارغ ہونے والوں کے لئے شکار کی اجازت اس لئے بخشی کہ وہ عوام ہیں۔ انھیں اعمال بدنیہ کی وجہ سے کمالات دینیہ پسند ہیں اس لئے کہ وہ اپنے دینی امور میں اس قدر ہمت رکھتے ہیں اور محرم پر اس لئے حرام فرمایا کہ وہ اہلِ محبت اور قربِ وصال کے کعبہ کی زیارت کی وجہ سے دُنیا کی لذتوں سے بے خبر ہیں۔ یعنی جس کے لئے ہم اپنا قرب چاہتے ہیں۔ اس پر لازم ہے کہ وہ ہر لالچ و طمع کا مکمل طور قلع قمع کر دے۔ وہ ہر حال میں صرف قرب وصال کی طلب میں رہے۔ اسی لئے عارف کو سید الحق " کہتے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ شکار صرف شکاری کو نصیب ہوتا ہے۔ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ " اور جو تم میں عاشق ہے اگر وہ دُنیا کی کسی شئ کی طرف التفات کرے۔ فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو ریاضات و مجاہدات میں

لہ نبی اور ولی علی نبینا علیہ السلام کے لئے وہ گرفت محبوبانہ ہوتی ہے اور دُوسروں کے لئے مجرمانہ ۱۲۔ اویسی غفرلہ

مبتلا کرے اور اس لذت شہوت کی مقدار نفس کو دُکھ اور درد پہنچائے۔

یَحْکُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ۔ اس سے قلب اور روح مراد ہیں کہ جتنا قدر یہی دونوں اپنے ایمان سے اُس کے نفس کی سزا مقرر فرما دیں۔ مثلاً ریاضات شاقہ کے لئے یوں حکم کریں کہ نفس کو کھانے پینے سے باور رکھا جائے بقدر ضرورت تھوڑا سا دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرے۔ عیش و عشرت سے محروم رکھا جائے تنہائی اور خلوت میں بٹھایا جائے۔ حواس ظاہرہ کی ہر طرح کی ضرورت پر کنٹرول کیا جائے۔ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ یعنی اس کا ہر عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضا میں ہو یعنی ایسا عمل کرے کہ وہ بارگاہِ حق میں قبول ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اس اللہ تعالیٰ کی مخلوق راضی ہو یا ناراض اُس کا اسے کسی قسم کا خیال تک نہ ہو۔ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ ، یہاں پر مساکین سے عقل و قلب اور سرور روح اور خفی مراد ہیں کہ انہیں اپنی روحانی غذا سے محروم رکھا جاتا ہے۔ ان کو یہ غذائیں مطلوب ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سچی توجہ (۲) مخلوق سے پورے طور روگردانی (۳) دکھ اور تکالیف پر صبر کے گھونٹ (۴) طبعی خواہشات سے دُور رکھنا (۵) جو کچھ مل جائے شکر کرنا (۶) ہر تقدیر پہ راضی ہونا (۷) احکام ازلی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا۔ **اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا** ، صیام سے نفس کو ملاحظہ اغیار اور پیارے دوستوں کی طلب اور اللہ تعالیٰ مالک کے غیر کے جھکاؤ سے روکنا مراد ہے۔ لِيَذُوْقَ تاکہ نفس امارہ وَبَالَ اَمْرِهٖ ، اِن معاملات شاقہ جو اُس کی طبیعت کے خلاف ہیں سے درد و الم پا کر اپنے امر کا وبال چکھے یہ اس کی وہ سزا اور کفارہ ہے۔ جو اس نے شہوات کی لذتیں اور غفلت کی حاصل کیں۔ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ اللہ تعالیٰ نے اُن طالبانِ حق کو معاف کر دیا جنہوں نے طلبِ حق سے پہلے غلطیاں کیں۔ وَمَنْ عَادَ اور جو دُنیا کے گورکھ دھندوں سے نکل کر راہِ حق کی طلب میں چل کر پھر دُنیا کی لذتوں اور اس کے تعلق میں لوٹا فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ، تو اسے دُنیا میں رُسوا کرے گا اور آخرت میں خسارہ ڈال کر اُس سے بدلہ لے گا۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ، اور اللہ تعالیٰ نایاب ذات ہے اسے ہرگز نہیں مل سکے گا۔ جو دُنیا و آخرت کے تعلق میں لگا ہو اُسے نصیب ہوگا جو قلیل و کثیر اور صغیر و کبیر کے فکر سے دُور ہو۔

ذُوانْتِقَامٍ ۝ اپنے دوستوں سے بدلہ لیتا ہے کہ جتنا اُنہوں نے غیر کی طرف التفات کیا یا واسطہ رکھا ہو گا اُسی قدر کبریائی و عظمت سے پوشیدہ ہو کر حجابات میں رہے گا اور اپنے دشمنوں کو بھی سزا دے گا۔ جو اُس نے خود بیان فرمائی۔ یعنی نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ ، ہم اُن کے قلوب اور ابصار بدل دیں گے۔

(التاویلات النجمیہ) مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) عاشق صنع توام در شکر و صبر ❊ عاشق مصنوع کے باشم چو گبر

(۲) عاشق صنع خدا با فر بود ❊ عاشق مصنوع او کافر بود

ترجمہ: (۱) تیری صفت کا عاشق ہوں صبر و شکر میں کافر کی طرح مصنوع کا عاشق نہیں ہوں

فائدہ : حضرت ابُو السعود (مفسر) رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ طعامہ سے وہ طعام مراد ہے جو کھانے کے لائق ہے۔ اس معنی پر یہ آیت تعمیم کے بعد تخصیص کے قبیل سے ہے۔ اب معنی یہ ہُوا کہ تمہارے لئے جائز ہے کہ دریا سے حلال شکاروں کو حاصل کرو۔ مَتَاعًا لَّكُمْ ،، یہ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ حضرت مولانا ابُو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ صرف طعام سے مخصوص ہے اور طعامہ سے حال ہے جیسے لفظ نافلۃً آیت وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ،، میں صرف یعقوب سے حال اور اس سے مخصوص ہے۔ یعنی تمہارے لئے دریا کا طعام حلال ہے۔ یہ صرف مقیمین کو نفع پہنچانے پر حلال کیا گیا تاکہ وہ تازہ گوشت کھائیں۔

وَلِلسَّيَّارَةِ ،، اور مسافروں کے لئے تاکہ اسے خشک کر کے جہاں چاہیں لے جائیں وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ ،، اور تمہارے لئے جنگل کا شکار حرام ہے۔ اس سے وہ پرندے مراد ہیں جو انڈے دیتے ہیں۔ اگرچہ بعض اوقات وہ پانی میں بھی بسر کرتے ہیں جیسے دریائی پرندے۔ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ،، جب تک کہ تم احرام میں ہو۔ یہ مَا مصدریہ ظرفیہ ہے۔ یعنی تمہاری وہ مُدت جبکہ تم احرام باندھے ہُوئے ہو۔

مسئلہ : اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ محرم کو بحالت احرام جنگل کا ہر شکار حرام ہے۔ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر غیر محرم شکار کرے تو وہ بھی محرم کو نہ کھانا چاہیئے۔ اگرچہ اُس کا اس شکار میں کسی قسم کا دخل نہ ہو لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ غیر محرم کا شکار محرم کو کھانا حلال ہے۔ اگرچہ اُس نے محرم کے لئے ہی کیا ہو۔ بشرطیکہ اُس کا اس میں کسی قسم کا دخل نہ ہو۔ مثلاً اشارہ کنایہ سے شکار کا حکم نہ دیا نہ اس کی رہبری کی نہ اُس کی طرف اشارہ کیا۔ مثلاً احرام باندھنے سے پہلے جو شکار کو ذبح کیا ہو بعد احرام اسے کھانا جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ خطاب صرف احرام والوں کو ہے اب معنی یہ ہُوا کہ تم پر جنگل کا شکار حرام ہے جب تک تم احرام میں ہو۔ اس حکم سے غیر محرم کا شکار وغیرہ خارج ہے۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ ،، اللہ تعالیٰ کے منع کردہ جرائم و معاصی سے بچو۔ منجملہ اُن کے احرام کی حالت میں شکار کرنا ہے۔ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ وہ کہ جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔ اُس کے غیر کی طرف نہیں کہ جس سے تمہیں پناہ مل سکے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ،، یعنی تمہارا مرجع اور منتہیٰ اس کی طرف ہے کہ جہاں اس کا حکم ہوگا۔ فرشتے تمہیں ہانک کر لے جائیں گے۔ اگر بہشت کی طرف فرمان ہوگا تو بہشت کی طرف ورنہ جہنم کی طرف۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بہشت کا مشتاق ہوتا ہے تو نیک اعمال کی طرف رجوع رکھتا ہے اور جو جہنم سے ڈرتا ہے تو وہ اپنے نفس کو محرمات سے بچاتا ہے اور جو دُنیا سے بے رغبتی رکھتا ہے تو اس کے لئے مصائب آسان ہو جاتے ہیں۔

نسخہ رُوحانی : جو شخص موت کی سہولت چاہتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ اعمال صالحہ کی جدوجہد کرے جو شخص ترک شہوات نہیں کرتا تو اس کا ربِ کریم اس سے راضی نہیں۔ خواہ کتنا ہی اطاعت کرے اور جو اللہ تعالیٰ سے غائبانہ نہیں ڈرتا تو اسے ظاہری تقوی کی علامات فائدہ نہیں دیں گی۔ مثنوی شریف میں ہے ۔

(۱) کافرم من گر زیاں گر دست کس ❖ ذرہ ایمان و طاعت یک نفس

(۲) کارِ تقوی دارد و دین و صلاح ❖ کہ بداں باشد بدو عالم فلاح

ترجمہ : (۱) میں کافر ہوں اگر کسی کے نقصان کو دیکھوں ایمان و طاعت میں برابر رہنا ضروری ہے۔

(۲) تقویٰ و دین و صلاح لازمی ہے تاکہ دونوں عالم میں فلاح نصیب ہو۔

تفسیر صوفیانہ : اُحِلَّ لَکُمْ میں اشارہ ہے کہ اے بحر حقائق میں غوطہ لگانے والو تمہارے لئے صَیْدُ الْبَحْرِ ، دریا کا شکار حلال ہے۔ یعنی بحرِ معرفت سے جتنا مشاہدات و کشوف حاصل کر سکتے ہو وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ، اور اس کا طعام تمہارے لئے اور مسافروں کے لئے حلال ہے کہ تمہارے اُوپر جتنا واردات ربانیہ اور تجلیات صفاتیہ وارد ہوں انہیں جی بھر کر حاصل کر لو، چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں بسر کرتا ہوں، پھر جی بھر کر کھاتا پیتا ہوں۔ فلہٰذا اے رہروان راہ حق تم بھی اس سے جتنا جی چاہے کھا پی لو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِيْرَ، یہ مشائخ اور اُن کے تربیت یافتہ عُلماء راسخین کے مستحق ہے۔ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ ، اور اے طالبانِ حق تمہارے لئے حرام ہے۔ صَيْدُ الْبَرِّ ، اس سے سیر الی اللہ کے وقت جو دُنیوی و اُخروی مطالب درپیش آتے ہیں مُراد ہیں اور وہ دونوں یعنی مطالب دُنیوی و اُخروی سالکانِ راہِ حق کے لئے حرام ہیں۔ مَادُمْتُمْ حُرُمًا ، جب تک کہ تم کعبۂ وصول کی طرف متوجہ اور حضرۃ وصال سے تمہارا رابطہ قائم ہو۔ یہ اس لئے کہ عارف و کامل اور راہرو راہ حق کی توجہ میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ جسے وصال نصیب ہو گیا تو وہ بالکل محو جاتا ہے۔ جسے دُنیا و آخرت کی کسی شئے کی خبر نہیں ہوتی۔ اور جو ابھی متوجہ ہے اُسے ہوش ہوتا ہے اسی لئے وہ اِدھر اُدھر کے خیال میں گھر جاتا ہے۔

(فلہٰذا ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے) علاوہ ازیں فانی فی اللہ کے افعال نہ اُس کے اپنے ہیں اور نہ اس سے صادر ہوتے ہیں اور جسے ہوش ہے اس کے افعال بھی اپنے ہیں اور اُس سے ہی صادر ہو رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے۔ اُس نے فنا فی اللہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ میرے ساتھ سُنتا میرے ساتھ بولتا میرے ساتھ پکڑتا ہے اس بنا پر فرمایا : وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ، یعنی جب تم مناسک وصول سے فارغ ہو کر مسالک اصول پر چلنے شروع ہو جاؤ تو تمہارے سے احرام والوں کی جملہ مشقات اور مسافروں کی تمام تکالیف ساقط ہو جاتی ہیں۔ پھر تمہارے لئے

لئے عاکفین باب اللہ کے لوازمات اور عتبۂ حق کے طواف کرنے والوں کے امور ثابت ہوجاتے ہیں؛ چنانچہ فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ سے تقویٰ حاصل کرو کہ تم اسی کی طرف جمع ہوگے اور ماسوا سے نجات پاکر اسی کے ہاں پہنچوگے۔ تاکہ کامیابی کے بعد خسارہ میں نہ پڑو۔ (ہم کامیابی کے بعد خسارہ میں پڑنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں) "التاویلات النجمیۃ المسماۃ بحر الحقائق"

تفسیر عالمانہ ۵: جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ "اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو بنایا۔"

حل لغات: کعبہ کو تکعب یعنی مربع شکل ہونے کی وجہ سے کعبہ کہا جاتا ہے اور اہلِ عرب ہر اس گھر کو جو مربع شکل ہو اسے کعبہ کہتے ہیں (ٹخنے) سے تشبیہ کی وجہ سے جو پنڈلی اور قدم کے ملنے کی جگہ ہے اس لئے کہ مربع شکل گھر کو کعب سے مربع ہونے کی ہیئت کی وجہ سے مشابہت ہوتی ہے بعض اہلِ لغت کہتے ہیں کہ زمین سے بلند ہونے کی وجہ سے کعبہ کو کعبہ کہا جاتا ہے۔ ویسے لغوی لحاظ سے یہ خروج ارتفاع سے ہے۔ اسی لئے گٹوں کو کعب کہتے ہیں کہ قدم کے دونوں جانبوں سے بلند ہوتا ہے۔ اسی لغت کے پیش نظر جب لڑکی قریب البلوغ ہو اور اس کے پستان ابھر آئیں تو اسے کاعب کہتے ہیں اور کعبہ کو اسی لئے کعبہ کہا جانے لگا کہ اس کا ذکر دنیا میں بلند ہوا اور دنیائے عالم میں شہرت آگئی۔ اس بنا پر اس شخص کے لئے فلاں علا کعبہ کہتے ہیں جس کی قدر و منزلت بڑھ جائے اور مشہور زمانہ ہوجائے۔

فائدہ عالمانہ: صاحب اسئلۃ الحکم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قدیمی گھر کے چار ستون اسی لئے بنائے ہیں (حالانکہ اس کے تین ستون ہونے تھے)

فائدہ صوفیانہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کعبہ کو کعب (ٹخنے) سے تشبیہ ہونے کی وجہ سے کعبہ کہا گیا لیکن وضع موجودہ مومن کے قلب کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اس کے چار خواطر ہیں (۱) الٰہی (۲) ملکی (۳) نفسانی (۴) شیطانی۔ کعبہ کا رکن حجرِ اسود بمنزلہ خاطر الٰہی کے ہے اور رکن یمانی بمنزلہ خاطر ملکی کے ہے اور رکن شامی بمنزلہ خاطر نفسانی کے ہے اور رکن عراقی بمنزلہ خاطر شیطانی کے ہے۔ اسی لئے شریعت کا حکم ہے کہ اس کے قریب جانے پر اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ پڑھا جاتا ہے۔ کعبہ کے ہر رکن کا مرتبہ ذکر مشروع سے ہوتا ہے۔

فائدہ دیگر: اگر کعبہ کو مثلث شکل مانا جائے (جس کا اشارہ ہم نے پہلے کیا ہے) اس میں راز یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے قلوب کی شکل اس طرح ہے اس لئے انبیاء و رسل کی عصمت کا اظہار مطلوب ہے کہ ان کے قلوب میں خاطر شیطانی نہیں ہے اور باقی تمام انسانوں میں خاطر شیطانی موجود ہے۔ انبیاء و رسل علیہم السلام میں خاطر ثلاثہ یہ ہیں (۱) خاطر الٰہی (۲) خاطر ملکی (۳) خاطر نفسانی۔ عام مخلوق پر جب ان تمام شیطانی کا حملہ ہوتا ہے تو اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے جسے ہر خاص و عام محسوس کرتا ہے۔ اولیاء حضرات میں یہ خاطر شیطانی ہوتی تو ہے لیکن ان پر

سانپوں کو نہ کھایا۔

قِيٰمًا لِّلنَّاسِ " یہ جعل کا مفعول ثانی ہے۔ قیام للناس کا معنیٰ یہ ہے کہ بندوں کے دینی و دنیوی امور کے قیام کا مدار یہی ہیں۔ کعبہ معظمہ اس لئے کہ وہاں لوگ حج و عمرہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ اس میں مناسک عظیمہ و طاعات شریفہ بجالاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کے گناہ جھڑتے اور اُن کے مراتب بلند ہوتے اور انہیں بہت بڑی کرامات نصیب ہوتی ہیں اور حرم محترم اس لئے کہ وہاں ہر قسم کے ثمرات سمٹ کر جمع ہو جاتے ہیں جن سے تجار نفع پاتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہاں نہ لوٹ کھسوٹ کا خطرہ ہے نہ ہی حرم میں کسی کے دَر پئے آزار ہونا پڑتا ہے۔ جاہلیت اور اسلام ہر دونوں میں یہ قانون ہے کہ کوئی بھی غلطی کرلے یا کسی کو ناحق قتل کرکے حرم محترم میں پناہ لے تو وہ جب تک حرم کے اندر پناہ گزیں ہے اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ حضرت محی فتوح الحرمین میں کعبہ معظمہ کی مدح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

(۱) ہیچ نبی ہیچ ولی ہم نبود　　　　که او نہ بریں در رخ اُمید سود
(۲) ہادی رہ نیست بجز لطف دوست　　　　آمدنت را طلب از نزد اوست
(۳) تا نزد سرز چمن نو گلی　　　　نغمہ سرائے نکند بلبلے

ترجمہ : (۱) ہر نبی و ولی اس دروازہ پر سر جھکاتا ہے
(۲) رہبر صرف لطف دوست ہے۔ ترا آنا اور طلب اسی سے ہے۔
(۳) چمن سے اگر گل ظاہر نہ ہوتا تو بلبل کبھی نغمہ سرائی نہ کرتی۔

وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ " اور مہینہ محترم کہ جس میں حج ادا کیا جاتا ہے یعنی ذوالحج کو بھی لوگوں کے لئے قیام مقرر فرمایا۔ یہاں مفعول ثانی یعنی قیامًا لِلنّاس محذوف (ماقبل میں مذکور ہونے کی وجہ سے) اس مہینہ کو قیامٌ لِّلنّاسِ اس لئے بنایا کہ اہلِ عرب ہمیشہ ایک دوسرے کے قتل و غارت کے دَرپے رہتے تھے لیکن جب یہ مہینہ تشریف لاتا تو ایک دوسرے کے خوف و خطر سے محفوظ ہو جاتے۔ اسی لئے حج و تجارات کے لئے اس ماہ کا انتظار کرتے اور مہینہ حرام میں نہایت اطمینان و سکون سے تجارت اور حج کے لئے چلتے پھرتے رہتے۔ اس بنا پر اُن کے منافع دین و دُنیا اور معاش و معاد کے مصالح کا یہی مہینہ سبب بنا۔

نکتہ : بعض مہینوں اور دنوں اور اوقات کو بعض دوسروں پر انبیاء و اولیاء کی طرح ایک دوسرے پر فضیلت بخشی تاکہ نفوس و قلوب کو اُن کی عزت و احترام کا شوق پیدا ہو اور سعادتمند لوگ اس میں عبادت کریں اور اُن کے فضائل میں رغبت رکھیں۔

عشرہ ذوالحج کے فضائل : تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ ذوالحج کے دس دن بعد رمضان اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی فضیلت رکھتے ہیں اور یہ اس کے محبوب دن ہیں اس لئے

کہ ان دنوں میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا۔ ان دنوں میں لوگ حج کے لئے احرام باندھتے ہیں۔ ان ایام میں آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ ان ایام میں اسماعیل علیہ السلام کے لئے دنبہ (فدیہ) قبول ہوا۔ انہی دنوں یونس علیہ السلام کو نجات ملی۔ ان دنوں میں نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان سے کنارہ لگی۔ ان ایام میں حضور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسالت کے اظہار کا حکم ہوا۔ ان ایام میں صحابہ کرام کو بیعت رضوان کا شرف اور فتح خیبر کا مژدہ بہار نصیب ہوا۔ ان دنوں میں فتح حدیبیہ کی خوشخبری ملی۔ ان دنوں میں انہیں مغفرت کا پیام ملا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ ان کے علاوہ اور آیات بینات کہ جن کا ذکر کتب سیر و تواریخ و تفاسیر میں ہے) ان دنوں کا ایک روزہ ہزار دن کے برابر ہے۔ اس کی ایک رات کی عبادت زندگی بھر کے حج وعمرہ کے برابر ہے۔

مسئلہ : ذوالحج کے عشرہ اولیٰ میں روزہ رکھنا افضل ترین مستحب ہے۔ بالخصوص نویں کا روزہ۔ یعنی عرفہ کے دن لیکن جو حج کے مناسک ادا کر رہا ہو وہ اس دن روزہ نہ رکھے تاکہ حج کے مناسک کی ادائیگی میں نقص واقع نہ ہو۔ بلکہ اُن کے لئے اس دن روزہ نہ رکھنا مستحب ہے تاکہ اطمینان وسکون وحضورِ قلب سے حج کے مناسک ادا کرے۔

حدیث شریف : عرفہ کی بہترین دعا وہ ہے جو مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے پڑھی۔ وہ یہ ہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ [1]

وَالْهَدْيَ " اور ہدی کو بھی لوگوں کے لئے قیام بنایا اور ہدی وہ قربانی ہے جو بیت اللہ شریف بھیج کر ذبح کی جاتی ہے اور اس کا گوشت پوست فقراء میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ وہ حاجی کے مناسک حج میں سے ہے اور فقراء کی وجہ معاش اسی پر ہے۔ یہ بھی دینی و دنیوی امر کے قیام کا سبب ہے۔

فائدہ : صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کا اصل مقصد فقراء کی ضروریات پورے کرنے کے لئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قربانی کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ گوشت کا اکثر حصہ بلکہ تمام گوشت فقراء کو دیدے ؎

(۱) از ہمت والائے خویش ÷ شود برد او در خور کالائے خویش

ترجمہ : اپنی ہمت کی بلندی سے ہی اپنے سامان سے منافع پاتا ہے۔

نکتہ : حجاج کو عید قربان کے دن حکم ہے کہ وہ منیٰ سے مسجد حرام کی طرف جائیں اور دوسروں کو

---

[1] اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد لاشریک ہے اسی کا ملک اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر شئی پہ قادر ہے ۱۲۔

کو حکم ہے کہ حجاج کی موافقت کرتے ہوئے گھر سے عیدگاہ کو جائیں۔ حجاج کو حکم ہے کہ بیت اللہ کا طواف کریں۔ دوسروں کو حکم ہے کہ اس دن عیدنماز کا دوگانہ پڑھیں۔

حدیث شریف : حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بیت اللہ شریف کا طواف بھی نماز ہے۔ حاجیوں کو حکم ہے کہ اُس دن سر منڈائیں۔ ناخن ترشوائیں وغیرہ۔ دوسروں کو حکم ہے کہ برائیوں اور بدعات وغیرہ سے ہٹ کر طاعات (سُنن) بجالائیں۔ حاجیوں اور دوسروں کو حکم ہے کہ اس دن قربانی کریں لیکن ہر ایک کو نہیں بلکہ جو صاحب نصاب ہو۔

لطیفہ : اللہ تعالیٰ کے خزانے کے لائق وہ مال ہے جو حلال طیب ہے۔ اسی طرح نہ ہر دل اللہ تعالیٰ کی معرفت کی صلاحیت رکھتی ہے اور نہ ہر نفس اللہ تعالیٰ کی خدمت (عبادت) کر سکتی ہے۔ بلکہ جسے سعادت ازلی نصیب ہو۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) آں توکل کو خلیلاں تُرا ۔ تا نبرد تیغت اسماعیل را
(۲) آں کرامت چوں کلیمت از کجا ۔ تا کنی شہ راہ قعر نیل را

ترجمہ : (۱) جب تک خلیل (علیہ السلام) کا توکل اور اسماعیل (علیہ السلام) کی قربانی نصیب نہ ہو
(۲) تو تجھے کلیم علیہ السلام جیسی کرامت کب نصیب ہو سکتی ہے جو کہ انہوں نے دریائے نیل میں سڑک بنالی تھی۔

وَالْقَلَآئِدَط ،، اور قلائد کو بھی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے قیام بنایا ہے۔

حل لغات : القلائد قلادہ کی جمع ہے۔ ہر وہ شے جو قربانی کے جانور کے گلے میں ڈالی جائے یا جوتے کا ٹکڑا۔ یا درخت کی چھال تاکہ معلوم ہو کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔ تاکہ اس پر نہ کوئی سوار ہو اور نہ ہی اس پر کوئی بوجھ لادیں۔ یہاں پر ذوات القلائد یعنی قلادہ والے جانور مراد ہیں۔ یعنی اونٹنی اور گائے وغیرہ یعنی وہ جانور جو ہدی اور قربانیوں میں ذبح کیے جا سکتے ہیں۔

فائدہ : اُن کا خصوصیت سے ذکر اس لئے ہوا کہ انہیں میں زیادہ ثواب ہے اور حج کی قدر و قیمت انہی سے نکھرتی ہے۔ اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قیمتی اونٹنی قربان فرمائی۔ اس وقت اس کی تین سو دینار قیمت تھی۔ باریتعالیٰ نے فرمایا : **وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ** ،، اور قلائد لوگوں کے دینی و دُنیوی اُمور کے قیام کے مدار اس لئے ہیں کہ جو اپنی قربانی کے گلے میں قلادہ باندھے گا تو اُسے حج کی قربانی سمجھ کر کوئی بھی اس کے درپے نہ ہوگا۔ بہت سے لوگ اپنی سواریوں کے گلے میں حرم شریف کے درخت کی چھال ڈال کر گھر کو روانہ ہوتے تو اطمینان و سکون سے باامن و سلامت گھر واپس پہنچ جاتے اس لئے کہ اہل جاہلیت بھوک کے مارے درخت کے پتے اور ٹہنیاں کھا لیتے لیکن اس قلادہ دار حج کی قربانی کی عزت و احترام کے پیش نظر اس کے درپے آزار نہ ہوتے۔ **ذٰلِكَ** ،، یہ اشارہ جعل کی طرف اور فعل مقدر سے منصوب ہے۔ الی شرع اللہ ذالک لتعلموا

ربوبیت کے اثباتِ حق کا کرتے ہوئے کہتے ہیں لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا هُوَ وَلَا وَجُوْدَ اِلَّا لَہٗ اِلَّا هُوَ وَلَا مَطْلُوْبَ وَلَا مَحْبُوْبَ اِلَّا هُوَ سے پناہ ڈھونڈتے ہیں

فائدہ: اس کا نام بیت اللہ اس لئے ہے کہ بندوں کو یقین ہو کہ واقعی یہی اللہ تعالیٰ کا حقیقی گھر ہے اور اسے الحرام اس لئے کہا تا کہ معلوم ہو کہ یہاں غیر کا لانا بلکہ غیریت کا تصور بھی حرام ہے اور اس پر ایسا تصور باندھے اور محبت و عشق اور اس کی طلب میں ایسا محو ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے گھر کا دروازہ کھول دے اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ " سے طلب اور سیر الی اللہ کے ایام مراد ہیں کہ ان دنوں میں طالبِ حق پر لازم ہوتا ہے کہ اس وقت خلق اور ما سوی اللہ کے تصور کو گھسنے نہ دے۔ اور اَلْهَدْیُ سے نفس بہیمیہ مراد ہے کہ جسے کعبہ قلب کی طرف چلایا جاتا ہے اور قَلَائِدُ سے مراد ارکان شریعت ہیں اور الهدی یعنی نفس کو آداب طریقت کی چھری سے قلب کے دروازہ پر شہوات و لذات حیوانیہ سے ذبح کیا جاتا ہے۔ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْا " میں اشارہ ہے کہ سالک جب کعبۂ قلب تک پہنچتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے گھر کو دیکھتا ہے تو اسے انوار جمال و جلال کا مشاہدہ ہوتا ہے پھر اس مشاہدہ سے آسمان و زمین کے اندر والی تمام اشیاء کو دیکھ اور جان لیتا ہے اس لئے کہ وہ اس وقت اللہ کے نور سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اسے علی التحقیق ہر شئے کا علم ہوتا ہے۔ اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ " سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے مشاہدہ سے غیروں کے لئے پردے لٹکا دیتا ہے۔ اور غیروں سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جنہوں نے دنیا کو جھانک کر دیکھا تو اس کی زینت و شہوات میں پھنس گئے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ اور طالبانِ حق اور عاشقانِ حضرۃ خاص کے لئے غفور رحیم ہے کہ اُن کے لئے اپنے گھر کے دروازے کھول کر اپنے تمام حجابات ہٹا دیتا ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ رسول علیہ السلام پر تبلیغ کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ قال و حال دونوں طریقوں سے پیغاماتِ الٰہیہ پہنچائیں۔ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ " ظاہر کرنے سے ایمان باقرار اللسان و عمل بالارکان مراد ہے وَمَا تَكْتُمُوْنَ " اس سے تصدیق بالجنان یا تکذیب اور سچی توجہ اور طلبِ حق میں خلوص نیت مراد ہے {کذا فی روح}

تفسیر عالمانہ: قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ " (شانِ نزول) یہ آیت حجاج الیمامہ کے حق میں نازل ہوئی۔ وجہ یہ ہوئی کہ اُن میں ایک حطیم نامی شخص تھا جو گذشتہ سال مدینہ طیبہ سے لوٹ مار کر کے لے گیا تھا۔ پھر اس سال حج کے لئے اپنی قوم کے ساتھ جا رہا تھا یہی عمرۃ القضا کا سال تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ ہمیں اجازت دیجئے تا کہ ہم حطیم کو پکڑ کر اپنے مال کا بدلہ لیں۔ آپ نے فرمایا اسے کچھ نہ کہو اس لئے کہ اس نے قربانی کے جانور کو قلادہ پہنایا ہوا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سمجھا دیا کہ قربانیوں کو قلائد پہنانے والے امن کے مستحق ہیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں یہ آیت اتری کہ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حجاج کے درپے آزار ہونے سے روکا۔ اگرچہ وہ

مشرکین تھے اور اُس کا مفصل واقعہ آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ الآیۃ۔ اسی سورۃ کے اوّل میں گزرا ہے۔ اس کا حکم بحال رہا۔ یہاں تک کہ سورہ براۃ کا نزول ہوا۔ اس میں یہ آیات ہیں (۱) اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَـرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا اُقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ،، اس سے ہدی وقلائد والشہر الحرام اور احرام اور اُن کے ساتھ کفار کے اس کا استحقاق منسوخ ہوگیا۔ جبتک کہ اسلام قبول نہ کریں۔

قاعدہ : اگرچہ آیت کا نزول خاص سبب ہے لیکن اس کا حکم عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نفی مساوات میں جید وردی کا حکم عام ہے (مسئلہ) اس میں ترغیب ہے کہ جید کو حاصل اور ردی سے احتراز کی کوشش کرو۔

طیب اور خبیث کے اقسام

: طیب اور خبیث کثیر امور کو شامل ہے (۱) حلال و حرام۔ حلال اگرچہ رائی کے دانہ کے برابر ہو۔ دُنیا بھر کی حرام چیزیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اس لئے کہ حرام خبیث مردود ہے اور حلال طیب مقبول اسی لئے دونوں تا ابد برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ان کے دونوں کے مرتکب بھی مثلاً طالب الخبیث خبیث ہوگا اور طالب الطیب طیب۔ اللہ تعالیٰ طیب کو طیب سے ملاتا ہے اور خبیث کو خبیث سے، چنانچہ فرمایا: اَلۡخَبِيۡثٰتُ لِلۡخَبِيۡثِيۡنَ وَالۡخَبِيۡثُوۡنَ لِلۡخَبِيۡثٰتِ‌ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيۡنَ وَالطَّيِّبُوۡنَ لِلطَّيِّبٰتِ،،

خبیث و طیب کا صوفیانہ فرق

: سادات صوفیہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک طیب وہ ہے جو بلا فکر اور بلا حرکتِ نفسانیہ حاصل ہو۔ خواہ وہ صالح سے ہو یا فاسق سے ہو۔ اس لئے کہ وہ عطا ہے جو بلا سبب منجانب اللہ نصیب ہوئی ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور اس کا برعکس مردود ہے اور یہ مفہوم حق بھی ہے۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین اور ابرار و مقربین کے مراتب میں بہت فرق ہے۔

(۲) مال کے لئے خبیث اسے کہا جاتا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہ کیا جائے اور طیب جس سے حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کئے جائیں نیز خبیث مال وہ ہے جسے وجوہ فساد میں خرچ کیا جائے اور طیب وہ ہے جو وجوہ طاعات میں خرچ کیا جائے نیز طیب مال وہ ہے جو محتاج کی ضروریات کے وقت کام آئے اور خبیث وہ ہے جو بلا ضرورت حاصل ہو وہ اُٹھا اُن کے لئے بارِ خاطر ہوگا۔

(۳) مومن طیب ہے اور کافر خبیث عادل طیب ہے اور فاسق خبیث۔ مومن شہد ہے اور کافر زہر۔ عادل ثمردار درخت ہے اور فاسق کانٹے دار۔ یہ تمام کبھی بھی برابر نہیں ہو سکتے۔

(۴) اچھے اخلاق طیب ہیں اور بُری عاداتِ خبیث۔ اچھے اخلاق یہ ہیں (۱) تواضع (۲) قناعت (۳) تسلیم (۴) شکر۔ یہ سب کے سب مقبول ہیں اور بُری عادات یہ ہیں (۱) کبر (۲) حرص (۳) جزع فزع (۴) کفران نعمت۔

یہ سب مردود ہیں۔ اس لئے کہ پہلے امور تو روح کی صفات ہیں اور دوسرے نفس کی اور روح طیب اور علوی ہے اور نفس خبیث اور سفلی مثنوی شریف میں ہے

(۱) ہمیں مرو اندر پے نفس چو زاغ — کو بگورستاں برد نے سوئے باغ

(۲) نفس اگرچہ زیرکست و خردہ داں — قبلہ اش دنیا است او را مردہ داں

ترجمہ: (۱) کوے کی طرح نفس کے پیچھے نہ چل۔ وہ تجھے باغ میں نہیں گورستان میں لے جائے گا۔

(۲) نفس کتنا ہی دانا ہو اسے بے عقل سمجھ کیونکہ اس کا قبلہ تو دنیا اور وہ خود بھی مردہ ہے۔

نفس امارہ کی بیماریاں اور اُن کا علاج

نفس کی بیماریوں میں سے حبِ مال بھی ہے۔ بزرگوں نے طیب مال کو بھی حجاب کہا ہے پھر مال خبیث کو خود سمجھئے۔ اس کا علاج یہ ہی ہے کہ سالک اپنے باطن کی صفائی کے لئے جدوجہد کرتا رہے اور ماسوی اللہ کی محبت سے کنارہ کشی۔

(۵) علوم نافعہ طیب اور علوم غیر نافعہ خبیث ہیں۔ علوم نافعہ شریعت اور غیر نافعہ علوم فلسفہ کو کہا جاتا ہے۔ مثنوی میں ہے ؎

علم دین فقہ است و تفسیر و حدیث — ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

ترجمہ: علم دین فقہ اور تفسیر و حدیث ہے جو ان کے ماسوا پڑھتا ہے وہ خبیث ہو جاتا ہے۔

(۶) اعمال صالحہ طیب اور اعمال غیر صالحہ خبیث ہیں جن عملوں میں رضائے الٰہی مطلوب ہو وہ طیب ہے اور جن میں ریا و شہرت مطلوب ہو وہ خبیث ہیں ؎

عبادت باخلاصِ نیت نکوست — وگرنہ چہ آید ز بے مغز پوست

ترجمہ: عبادت میں اخلاص بہتر ہے ورنہ بے مغز چھلکے سے کیا حاصل ہوگا۔

صوفیانہ تفسیر: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خبیث وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے باز رکھے اور طیب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملائے اور فرمایا طیب اللہ اور خبیث ماسوی اللہ ہے ان کے علاوہ اور بھی فوائد ہیں۔

تفسیر عالمانہ: وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ج "واؤ حالیہ اور بعد جملہ شرطیہ پر اس کا عطف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی کہ لَوْ لَمْ يُعْجِبْكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ وَلَوْ اَعْجَبَكَ"، اور یہ ہر دو حال کے محل اور لَا يَسْتَوِي کے فاعل ہیں یعنی یہ دونوں کسی حال میں بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ خواہ فرضی طور پر بھی اور لو کا جواب محذوف ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ خبیث اگرچہ کتنا ہی کثیر ہو طیب

کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ جید اور ردی ہونے کا اعتبار ہے نہ کہ کثرت و قلت کا اس لئے کہ اچھی شے اگرچہ تھوڑی ہو گندی شے (خواہ کتنی ہی بہت ہو) سے بہتر و برتر ہوتی ہے بلکہ خبیث کی جتنی کثرت بڑھے گی اسی قدر اس کی خباثت میں بھی اضافہ ہوگا۔ اعجاب بمعنے تعجب بات سے سرور پانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: یُعْجِبُنِیْ کَذَا اَیْ یَسُرُّنِیْ ۔۔ اعجبک کا خطاب ہر اس شخص کو ہے جس کے حضور نبی علیہ السلام مامور من اللہ ہیں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔۔ اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھ کر خبیث سے بچو۔ اگرچہ کثیر ہو اور طیب کو حاصل کرو اگرچہ قلیل ہو۔ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ ۔ اے عقل والو! یعنی وہ لوگ کہ جن کے عقل خرابیوں سے صاف و شفاف ہیں۔ یہ درحقیقت وہ لوگ ہیں کہ جن کے قلوب و ارواح، ابدان و نفوس کی آلائش سے صاف ہیں۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ تاکہ تم امید رکھ سکو کہ تم فلاح پا سکو گے۔ یہاں پر فلاح سے سعادتِ اُخرویہ مُراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ

: تقویٰ کے چند مراتب ہیں؛ چنانچہ حضرت ابن عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تقویٰ علم ظاہر میں حدود اللہ کی مخالفت سے بچنا اور علم باطن میں نیت و اخلاص کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اتقوا اللہ حق تقاتہ ،، حق تقویٰ کا یہی ہے لا الہ الا اللہ ،، میں خلوص صدق پیدا کرنا اور قلب میں ماسوائے حق کے اور کچھ نہ رہنے دینا

فائدہ : حضرت المولوی قدس سرہ نے اپنے وصال (موت) سے پہلے مندرجہ ذیل وصیتیں فرمائیں۔
(۱) ظاہرا و باطناً اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا (۲) قلت طعام (۳) قلت منام (۴) قلت کلام (۵) ترک معاصی و آثام (۶) ہمیشہ کے لئے ترک شہوات (۷) تمام لوگوں کے جفا پر علم اور حوصلہ (۸) سُفہاء و عوام کی صحبت سے دُوری (۹) نیک بخت لوگوں کی صحبت باکرامت اختیار کرنا (۹) نفع رسانی۔ اس لئے کہ تمام لوگوں سے بہتر وہ ہے جو دُوسروں کو نفع پہنچائے (۱۰) کلام مختصر اور جامع؛ چنانچہ مشہور ہے کہ خیر الکلام ما قل و دل۔

(از مرحوم ب)

فائدہ : تمام اعمال سے بہتر اور نفع رساں عمل تقویٰ ہے اور نجات دہندہ ایمان و اعمال صالحہ ہیں۔

سبق : کسی کو کثرت مال اور اولاد سے دھوکہ نہ ہو کہ یہی چیزیں آخرت میں نجات کا سبب بنیں گی اور نہ ہی اپنے آباؤ اجداد کی بزرگی سے فخر ہو کہ چونکہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں۔ فلہٰذا ہم یقیناً بخشے ہوئے ہیں[۱]۔ دیکھئے پیشاب تو دراصل تو پاک اور صاف ستھرا پانی تھا۔ لیکن غلاظت سے مل کر غلیظ اور پلید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ مالک ہے مُردوں کو زندوں سے اور زندوں کو مردوں سے پیدا کرے۔

---

[۱] یہ مرض ہمارے دور میں وبائی طور پھیلا ہُوا۔ کسی کو کسی شیخ کامل سے معمولی طور کچھ نسبت ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ بس اب بہشت کا مالک بھی وہی ہے۔ اب وہ ایسا پاک ہوگیا کہ اگر شب و روز گناہ میں غسل فرمائے تب بھی پاک اور وہ پہنچے ہوئے بزرگوں سے ہے اور عوام کی جہالت بھی قابلِ رحم ہے کہ اُن کے نزدیک بھی ولی ایسے لوگ ہیں اور بس ؟ (اُویسی عفی عنہ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا

اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر انہیں اس

عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

وقت پوچھو گے کہ قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی اللہ انہیں معاف کر چکا ہے اور اللہ بخشنے والا علم والا

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ

ہے تم سے اگلی ایک قوم نے انہیں پوچھا پھر ان سے منکر ہو بیٹھے اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے

بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى

کان چرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حامی ہاں کافر لوگ اللہ پر جھوٹا افترا باندھتے

اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

ہیں اور ان میں اکثر نرے بے عقل ہیں اور جب ان سے کہا جائے آؤ اس طرف جو اللہ نے اتارا

وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

اور رسول کی طرف کہیں ہمیں وہ بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ

شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ

جانیں نہ راہ پر ہوں اے ایمان والو تم اپنی فکر رکھو تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا جو گمراہ ہوا جبکہ

اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

تم راہ پر ہو تم سب کی رجوع اللہ ہی کی طرف ہے پھر وہ تمہیں بتا دیگا جو تم کرتے تھے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ

اے ایمان والو تمہاری آپس کی گواہی جب تم میں کسی کو موت آئے وصیت کرتے وقت تم

اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ

میں کے دو معتبر شخص ہیں یا غیروں میں کے دو جب تم ملک میں سفر کو جاؤ

فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ

پھر تمہیں موت کا حادثہ پہنچے ان دونوں کو نماز کے بعد روکو وہ اللہ کی قسم کھائیں اگر

اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ

تمہیں کچھ شک پڑے ہم حلف کے بدلے کچھ مال نہ خریدیں گے اگرچہ قریب کا رشتہ دار ہو اور اللہ کی گواہی

اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ

نہ چھپائیں گے ایسا کریں تو ہم ضرور گنہگاروں میں ہیں پھر اگر پتہ چلے کہ وہ کسی گناہ کے سزاوار ہوئے تو ان کی جگہ دو اور کھڑے

مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا

ہوں ان میں سے کہ اس گناہ یعنی جھوٹی گواہی نے ان کا حق لے کر ان کو نقصان پہنچایا جو میت سے زیادہ قریب ہوں تو

أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا ۖ إِنَّا إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۷﴾ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ

اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی زیادہ ٹھیک ہے ان دو کی گواہی سے اور ہم حد سے نہ بڑھے ایسا ہو تو ہم ظالموں میں ہوں یہ قریب

يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوا أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ

تر ہے اس سے کہ گواہی جیسی چاہیے ادا کریں یا ڈریں کہ کچھ قسمیں رد کر دی جائیں ان کی قسموں کے بعد اور اللہ سے ڈرو

وَاسْمَعُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۱۰۸﴾

اور حکم سنو اور اللہ بے حکموں کو راہ نہیں دیتا

تفسیر عالمانہ ۱۶/۵ : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ

اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو جو تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بُری لگیں گی اور اگر انہیں اُس وقت پوچھو گے کہ قرآنِ پاک اُتر رہا ہے تو تم پر جب ظاہر کر دی جائیں گی تو تمہیں دُکھ ہو گا۔

شانِ نزول ۱ : مروی ہے کہ جب آیت وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ، نازل ہوئی تو رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خُطبہ میں حج فرض ہونے کا بیان فرمایا۔ اس پر حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیا ہر سال فرض ہے۔ حضور نے سکوت فرمایا۔ سائل نے سوال کی تکرار کی تو ارشاد فرمایا کہ جو میں نہ بیان کروں اُس کے درپے نہ ہو۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے۔ مجھے اس وقت کچھ نہ کہا کرو جب تک کہ میں تمہیں خود نہ کہوں۔ پہلے لوگ بھی اسی لئے ہلاک ہُوئے کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام سے سوال کی کثرت اور ہر بات میں خواہ مخواہ اختلاف کرتے۔ جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دُوں تو اُس پر فوراً عمل کرو! جس قدر تم میں استطاعت ہے اور جن باتوں سے میں تمہیں روکوں تو اُن سے رُک جاؤ اس پر یہ آیت نازل ہُوئی۔

شانِ نزول ۲ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بعض لوگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے فائدہ سوال کیا کرتے تھے۔ یہ خاطرِ مبارک پر گراں ہوتا تھا۔ ایک روز فرمایا کہ جو دریافت کرنا ہو دریافت کرو۔ میں ہر بات کا جواب دُوں گا۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے آپ نے اُس کے اصلی باپ کا نام بتا دیا۔ جس کے نطفہ سے وہ تھا یعنے حذافہ۔ باوجودیکہ اس کی

ماں کا شوہر اس وقت اور تھا۔ جس کا یہ شخص بیٹا کہلاتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی [1]

فائدہ : یہ مافی الارحام میں سے ہے جو خاصہ خدا ہے، لیکن ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا خاص علم اپنے محبوبوں کو عطا کرتا ہے [2]

اِنْ تُبْدَ لَكُمْ ، یہ جملہ شرطیہ ہے یہ اور اس کا معطوف علیہ آپس میں مل کر اشیاء کی صفت ہو گئے اُن کا سوا ہونا اشیاء کے ظہور سے متعلق ہے اور ظہور اشیاء اُن کے سوال پر موقوف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ان اشیأ کے متعلق سوال مت کرو۔ اگر وحی کے نزول کے دوران کچھ سوال کرو گے تو وہ اشیاء تمہارے لئے ظاہر ہو جائیں گی اگر ظاہر ہو گئیں تو تمہیں غم والم اور صدہا پریشانیوں میں مُبتلا کر دیں گی۔

سبق : دانا وہ ہے جو ایسا عمل نہیں کرتا۔ جس سے صدہا پریشانیوں میں مُبتلا ہونا پڑے۔

فائدہ : امام بغوی نے فرمایا کہ جس نے حج کے متعلق سوال کیا تو اس پر اگر ہر سال حج فرض ہو جاتا تو بھی شرمسار ہوتا اگر وہ اپنی نسبت کے متعلق پوچھتا ہے اگر اسے اپنے والد کے سوا دوسرے کسی سے لاحق کیا جائے تو بھی ذلت و خواری میں بھی مُبتلا ہو گا۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا اللہ تعالیٰ نے ان سے معاف فرمایا۔ یہ جملہ مستانفہ اس لئے لایا گیا ہے کہ وہ رُکاوٹ اُن کی بُرائی سے بچنے کی وجہ سے نہیں بلکہ اِن اشیاء سے اس لئے روکا گیا کہ وہ خود ذاتی طور معصیت اور مواخذہ کے لائق ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اُس نے معاف فرما دیا۔

مسئلہ : اِن امُور سے رُک جانے کی پورے طور جدوجہد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

فائدہ : عَنْهَا کی ضمیر (المسئلہ) کی طرف لوٹتی ہے جو مضمونِ سابق کے لفظ لَا تَسْئَلُوْا سے مفہوم ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے سابق سوال کو (کہ تم نے حج وغیرہ کے بارے میں کیا تھا) معاف کر دیا کہ تمہارے اُوپر ہر سال حج فرض نہ کیا ورنہ تمہیں سوال کی سزا ملتی لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ دنیوی معافی کے علاوہ آخرت کی سزا بھی تمہیں

---

[1] اس آیت کے اور بھی شان نزول ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ایک روز سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ فرماتے ہوئے فرمایا جس کو جو دریافت کرنا ہو دریافت کرے۔ عبداللہ بن حذافہ سہمی نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے فرمایا حذافہ پھر فرمایا اور پوچھو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُٹھ کر اقرارِ ایمان و رسالت کے ساتھ معذرت پیش کی۔ ابنِ شہاب کی روایت ہے کہ عبداللہ بن حذافہ کی والدہ نے اُن سے شکایت کی اور کہا تو بہت نالائق بیٹا ہے۔ تجھے کیا معلوم کہ زمانہ جاہلیت کی عورتوں کا کیا حال تھا۔ خدانخواستہ تیری ماں سے کوئی قصور ہُوا ہوتا تو آج وہ کیسی رُسوا ہوتی۔ اس پر عبداللہ بن حذافہ نے کہا کہ اگر حضور کسی حبشی غلام کو میرا باپ بتا دیتے تو میں یقین کے ساتھ مان لیتا (تیسیر القاری)، حدیث میں ہے کہ لوگ استہزاء اس قسم کے سوال کیا کرتے تھے کوئی کہتا میرا باپ کون ہے۔ کوئی پوچھتا میری اونٹنی گم ہو گئی۔ وہ کہاں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مسلم شریف) مزید تفصیل فقیر کی کتاب "شانِ نزول یعنی فیض الرسول فی اسباب النزول" میں دیکھئے۔ (اُویسی غفرلہٗ) [2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

معاف فرمائی اللہ جیسے تم نے عبث سوالات کئے اس کا تقاضا یہ تھا کہ تمہیں آخرت میں سخت سزا ملتی لیکن وہ بھی معاف ہوئی۔ اب تمہیں لازم ہے کہ آئندہ ایسے عبث سوالات نہ کرنا۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ غفور اور حلیم ہے یعنی گناہوں کی بہت بڑی مغفرت اور بسا اوقات گناہوں سے چشم پوشی کرتا ہے اب کی بار تمہارے سے بہت سخت غلطی ہوئی تو بھی ہم نے معاف فرما دیا اور بہت بڑی کوتاہی ہوئی تو تمہارے سے مواخذہ نہیں فرمایا۔ یہ جملہ معترضہ تذییلیہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی معافی کے مضمون کی تقریر و تائید ہے۔ **قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ** " اس کے متعلق پہلے بھی ایک قوم نے سوال کیا تھا۔ اگرچہ بعینہٖ یہی سوال نہ تھا بلکہ اس کی مانند تھا جس سے وہ مستحق سزا ہوئے اور انہیں ایسے سوال سے ممانعت بھی تھی۔ لفظ مثل کی تصریح نہیں کی گئی تاکہ تحذیر میں مبالغہ ہو۔ **مِنْ قَبْلِكُمْ** " تمہارے پہلے۔ یہ سألہا کے متعلق ہے۔

ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِیْنَ ۝ پھر اس سبب سے وہ کافر ہوئے۔ بنو اسرائیل کی عادت تھی کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام سے سوالات کرتے۔ جب انہیں روکا جاتا تو چھوڑ دیتے۔ اس بنا پر وہ ہلاک و برباد ہوئے جیسے قوم ثمود نے اونٹنی کے بارے میں حضرت صالح علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے نصاریٰ نے مائدہ کا سوال کیا۔

فائدہ : ابو ثعلبہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرائض مقرر فرمائے۔ انہیں ضائع نہ کرو اور جن اشیاء سے روکا ہے۔ اُن کی خلاف ورزی نہ کرو۔ چند حدود متعین فرمائے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو! بہت سے امور بھول کر نہیں بلکہ عمداً بیان فرمائے ہیں۔ ان سے بحث نہ کرو۔

فائدہ : حضرت حسین واعظ کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر (حسینی) میں لکھا ہے کہ نیک بخت وہ ہے جو دُوسروں سے عبرت حاصل کرے اور فضول قول و فعل و عمل میں مشغول نہ ہو؛ چنانچہ کسی نے فرمایا ؎

(۱) بگو آنچہ گفتن ضرورت شود ذکر گفتہ ہا را فرو بند در لہ

(۲) بجائے آر فعلے کہ لازم بود زا فعال بے حاصل اندر گزر

ترجمہ : (۱) وہ بول جس کی ضرورت ہے جو کہہ چکا ہے اسے دوبارہ نہ کہہ

(۲) وہ کام کر جو ضروری ہے بے حاصل افعال کو چھوڑ

حکایت : ایک شخص قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بارہا حاضر ہوا، لیکن خاموش بیٹھا رہتا اور عرض کے بغیر چلا جاتا۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ تم آتے ہو لیکن نہ کوئی بات کرتے ہو نہ کوئی مسئلہ پوچھتے ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ اُس نے عرض کی اب پوچھتا ہوں وہ یہ کہ روزہ دار کس وقت روزہ کھولتا ہے۔ آپ نے فرمایا جب سُورج چھپتا ہے۔ اُس نے عرض کی اگر سُورج آدھی رات تک نہ چھپے تو بھی روزہ نہ کھولا جائے۔ یہ کہہ کر ہنسا اور جریر کا شعر مثال کے طور پڑھا وہ شعر یہ ہے ؎

وفی الصمت زین للخلی و انما   صحیفۃ لب المرء ان یتکلما

(ترجمہ) خاموشی بیوقوف کی زینت ہے۔ جب وہ زبان کھولتا ہے تو اس کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مبلغ فہم کتنا ہے۔

قدسی حدیث شریف : اللہ نے فرمایا مجھے بنو آدم سے تعجب ہے کہ اس کے منہ کے دونوں کناروں پہ دو فرشتے ہر وقت بیٹھے ہیں (ان کی لکھائی کے لئے) انسان کی زبان ان کا قلم ہے اور اس کی تھوک اُن کی سیاہی۔ پھر وہ لایعنی (فضول) باتیں کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : دونوں آیتوں میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو روکا ہے کہ وہ علوم لدنیہ و حقائق اشیاء کا سوال کر کے رسوائی حاصل نہ کریں اس لئے کہ یہ علوم قال سے نہیں حال سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی لئے کہ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ ،، اگر وہ بطریق قال اُن کا بیان ظاہر ہو جائے تو تَسُؤْکُمْ تمہیں دُکھ پہنچے گا۔ جبکہ تم بطریق قال حقائق کو نہ پہنچ سکو گے۔ بایں وجہ کہ تمہارے عقول (جو آفات ہوا و ہوس اور وہم و خیال سے ملاوٹ رکھتے ہیں) شبہات میں پڑ جائیں گے جس سے تم ان تباہیوں و بربادیوں میں ہلاک و تباہ ہو جاؤ گے۔ جیسے فلاسفہ کے بعض فرقے تباہ و برباد ہوئے۔ جبکہ انھوں نے حقائق اشیاء کو طرق قال اور براہین عقلیہ سے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ہاں جب اُن کے عقول شوائب وہم و خیال سے پاک ہوں تو وہ حقائق اشیاء کو حاصل کر لیتے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ عقول سے ادراک حقائق اشیاء محال ہے۔ بلکہ عقول کو ایسی بحثوں میں پھنسا کر صراط مستقیم سے پھیر لیتا ہے اور انہیں ان بحثوں کے ذریعے شبہات کی وادیوں اور ہلاکتوں کے جنگلوں میں لے جاتا ہے۔ جس سے وہ خود بھی علوم الٰہیہ میں کتابیں لکھ کر خود بھی اور دُوسروں کو بھی تباہ و برباد کرتے ہیں۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے حقائق اشیاء کو علم اصول سے حاصل کرنا چاہا تو اس میں کئی طرح کے شبہات پیدا کئے۔ جس سے وہ خود بھی جادۂ حق سے بھٹکے اور دُوسروں کو بھی لے ڈوبے۔ اُنھوں نے یہ نہ سمجھا کہ حقائق الاشیاء کے علوم کا حصول قال سے محال ہے۔ وہ اگر حاصل ہوتے ہیں تو حال سے جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام کو حال سے حاصل ہوا۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے حقائق الاشیاء کا نہ صرف علم سکھایا بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ بھی کرا دیا، چنانچہ فرمایا وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرَاهِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور ہمارے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا: لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اور فرمایا لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی اور حضور علیہ السلام بھی اپنی دعا میں یوں عرض کرتے اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا هِیَ۔ یا جیسے اس امت کا حال ہے اپنے نبی علیہ السلام کے ساتھ کہ نبی علیہ السلام نے انہیں کتاب سکھائی قال سے حکمت سکھائی حال سے، یعنی اُن کی اصلاح و تربیت کر کے کہ اُن کے نفوس کو آفات نفسانیہ اور گندے اور غلیظ اخلاق و عادات کی ملاوٹوں سے پاک و صاف کر دیا جسے تزکیہ نفس کہا جاتا

ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اور
جن لوگوں کو اصلاح و تربیت سے نیک نصیبہ ہوا اور نبی علیہ السلام کی تابعداری سے اُن کی تکمیل ہوئی اُن کے
بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ
اس کے بعد فرمایا: وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ، یعنی اگر تمہیں حقائق الاشیاء
کے متعلق سوال کرنا بھی ہے تو نزولِ قرآن کے بعد کر سکتے ہو یعنی قرآن مجید کے مضامین سے ہی حاصل کر دا
کہ قرآن تمہیں تمہارے عقول کے مطابق حقائق الاشیاء کی خبر دے گا۔ پھر عوام کو تو چاہیئے کہ وہ قرآن کے متشابہات
کے متعلق کہیں کہ یہی حقائق الاشیاء ہیں اور اُن کے متعلق وہ کہیں جو کچھ انہیں قرآن مجید نے کہا کہ وہ یوں عرض کریں
کل من عند ربنا، متشابہات میں کسی قسم کا تصرف نہ کریں۔ مثلاً کہیں کہ ہم اُن کی تاویل کے طالب ہیں۔ اس لئے کہ
اُن کی تاویل تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور راسخ فی العلم بھی جانتے ہیں اور راسخ فی العلم سے خواص مراد ہیں۔
بہر حال اخص الخواص تو حقائق الاشیاء کو قرآن پاک کے اشاروں سے جان لیتے ہیں۔ یعنی قرآن مجید نے ان
رموز و متشابہات کو جس طرح بیان فرمایا ہے وہ حضرات اُن سے بخوبی واقف ہیں، لیکن دوسرے ان اشارں
سے بے خبر ہوتے ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصے میں بتایا ہے کہ علم لدنی صرف حال
سے حاصل ہوتا ہے اور حال صحبت و متابعت و تسلیم اور اپنے معلم پر ترک اعتراض کا نام ہے اور یہ باتیں قال
سے تعلق نہیں رکھتیں اور نہ ہی سوال سے؛ چنانچہ فرمایا: هل اتبعك على ان تعلمن مما علمت رشدا۔
قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا، اے موسیٰ علیہ السلام آپ میری متابعت اور ترک اعتراض پر صبر نہیں
کر سکیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا۔ قَالَ فَإِنِ
اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ، یعنی متابعت کی پہلی شرط یہی ہے کہ معلم کے افعال پر سوال وغیرہ ترک کر دیئے
جائیں لیکن جب موسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا کہ اس طرح سے وہ حال سے علم لدنی حاصل کرتے۔ بلکہ اُنھوں
نے قال اور سوال کا دروازہ کھول دیا؛ چنانچہ کہا کہ اے خضر علیہ السلام تم نے کشتی کو کیوں چیرا تم نے ایک
بے گناہ بچے کو کیوں قتل کر دیا وغیرہ وغیرہ تو حضرت خضر علیہ السلام سے رہا نہ گیا آخر فرمایا: أَلَمْ أَقُلْ لَكَ
إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا
تُصَاحِبْنِي، یعنی اس کے بعد بھی اگر میں آپ سے سوال کروں تو پھر مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ اس میں اشارہ فرمایا
کہ علم لدنی کا حصول حال پر مبنی ہے نہ قال پر اور حال یہی ہے کہ متابعت و تسلیم و صحبت حاصل ہو اور ظاہر ہے
کہ قال و سوال سے صحبت کا انقطاع ہو جاتا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام سے جب بار ثالث سوال کیا کہ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا، یعنی اے خضر علیہ السلام

آپ ان لوگوں سے مزدوری تو لیتے، اب خضر علیہ السلام نے فیصلہ کن بات کہی کہ ھٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِکَ ،، یہاں سے اُن کی آپس میں جدائی ہوگئی۔ پھر فرمایا: عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ،، اللہ تعالیٰ نے تمہاری وہ غلطیاں معاف کیں جو تم نے اس آیت کے نزول سے پہلے حقائق اشیاء کے علوم قال کے ذریعے طلب کیے اور اللہ تعالیٰ غفور ہے حَلِیْمٌ ۝ ان کے لئے حلیم ہے جنہوں نے حقائق اشیاء کے علوم حال سے طلب کئے۔ لیکن اثنائے حصول میں کچھ کوتاہیاں ہوئیں تو اُن سے چشم پوشی کی اگرچہ ان کے وہ امور طلب کے منافی تھے لیکن باوجود ایں ہمہ انہیں حصولِ طلب کے لئے توفیق عطا فرمائی۔ پھر فرمایا قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ،، تم سے پہلے یعنی متقدمین فلاسفہ نے علوم حقائق اشیاء کو قال کے طور سوال کیا اور عقل کے ذریعے حاصل کرنے کی کوشش کی تو شبہات کی وادیوں میں گر کر ہلاک و تباہ ہوئے۔ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ،، یعنی قیل وقال اور کثرت سوال و ترک متابعۃ الانبیاء سے شبہات پیدا کرکے ہلاکت کے گڑھے میں تباہ و برباد ہوئے (التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ ۝ ۱۰۳: مَا جَعَلَ اللّٰهُ ،، یہ جَعَل تشریعی ہے اسی لئے متعدی بیک مفعول ہے یعنی مشروع نہیں فرمایا اور نہ ہی اس کی اجازت دی۔ اور نہ یہ طریقہ بتایا ہے

مِنْ ،، زائدہ محض تاکید کے لئے ہے۔

بَحِيْرَةٍ ،، اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ جب اُونٹنی پانچ بچے جنتی اس کا آخری بچہ نر ہوتا تو اس کا کان چیر کر چھوڑ دیتے۔ نہ اُس پر سوار ہوتے اور نہ اُس کا دودھ دوہتے۔ نہ اسے پانی سے روکتے اور نہ چراگاہ سے (دیکھ) بروزن فعیلۃ۔ البحر سے مشتق ہے بمعنی الشق (چیرنا) فعیلۃ بمعنی مفعولۃ ہے۔ یعنی کان کٹی ہوئی۔

وَّلَا سَآئِبَةٍ ،، زمانہ جاہلیت میں منت مانتے کہ اگر میں سفر سے بسلامت لوٹا یا بیمار ہوں۔ اگر تندرست ہُوا تو میری اُونٹنی سائبہ ہوگی۔ یعنی بتوں کے لئے مفت چھوڑ دی جائے گی۔ یہ بھی بحیرہ کی طرح تھی کہ اس سے ہر قسم کا انتفاع حرام سمجھتے۔ سَآئبہ ،، بروزن فاعلہ ہے۔ ساب الماء یَسِیْبُ سَیْبًا ،، سے ہے۔ (پانی زمین پر پھیل گیا) اور سائبہ بھی چونکہ زمین پر جہاں چاہتی ہے چلتی پھرتی گزرتی ہے اسی لئے اسے نام سے موسوم کیا گیا۔

وَّلَا وَصِيْلَةٍ ،، زمانہ جاہلیت کی رسم تھی کہ اگر بکری مادہ جنتی تو اس سے خود نفع اُٹھاتے۔ اگر نر جنتی تو وہ بتوں کے لئے ہوتا۔ اگر نر و مادہ ہر دو کو بیک وقت جنتی تو کہتے (وَصَلَتْ اَخَاهَا ،، مادہ اپنے بھائی سے مل گئی) اسی وجہ سے نر کو مادہ کی وجہ سے زندہ چھوڑ کر بتوں کی نذر کر دیتے۔ معنے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مادنی کو حرام نر کو حلال نہیں بنایا یعنی وہ جب اکیلا تھا تو حرام تھا اب مادنی ساتھ ہُوئی تو کیسے حلال ہوگیا۔ یہاں پر فعیلۃ فاعلۃ کے وزن پر ہے۔

وَّلَا حَامٍ زمانہ جاہلیت کی عادت تھی کہ جب اونٹ اونٹنی کو دس بار گابھن کر دیتا تو کہتے۔ قَدْ حَمٰى ظَهْرَهُ

(اُس کی پیٹھ معذور ہو گئی) پھر اس پر نہ سوار ہوتے اور نہ اُس پر بوجھ لادتے اور نہ ہی اسے پانی اور چارہ سے روکتے۔ یہ بھی اسم فاعل ہے۔ حمی یحمی سے مشتق ہے بمعنی منع کیا جاتا ہے۔ حماہ یحمیہ" جبکہ اس کو بچا لیا جائے۔

وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط لیکن وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ پر عمداً افتراء کرکے جو چاہتے بکتے۔ مثلاً اپنی مرضی سے کوئی کام کرتے تو کہتے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ (فائدہ) عمرو بن لحی خزاعی انہیں باتوں کا سبب سے پہلا مفتری تھا۔ اس نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے دین کو بگاڑا۔ اسی نے ہی بیت بُت گھڑے اور اوثان گھڑے کئے۔ اسی نے ہی بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حامی کے رسوم جاری کئے۔

(حدیث شریف) حضور سرورِ عالم نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن لحی الخزاعی کو اپنی آنتیناں کھینچتے ہوئے جہنم میں دیکھا اور وہ اپنی آنتیوں سے جہنمیوں کو ایذاء دیتا ہے۔

فائدہ : القصب بمعنی المعی یعنی آنت۔

وَاَكْثَرُهُمْ ،، اُن سے وہ ذلیل ترین لوگ مراد ہیں۔ جو انہیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے فرمانی پر اکساتے تھے۔ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ اور اُن کے اکثر نہیں سمجھتے کہ واقعی یہ فعل افتراء اور باطل ہے اسی لئے وہ اُن کی مخالفت نہیں کر سکتے کہ اِس باطل عمل کو چھوڑ کر اپنے آپ کو حق کی طرف لاسکیں۔ بلکہ مرتے دم تک وہ اسی تقلید بد کی قید میں پھنسے رہتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ ،، اور جب اُن کے اکثر کو از روئے ہدایت و رہبری کہا جاتا ہے۔ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ ،، آؤ اس کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام کو کتاب مبین میں نازل فرمایا ہے۔ وَاِلَى الرَّسُوْلِ اور اس رسُول علیہ السلام کی طرف جس پر یہ احکام نازل ہوئے ہیں تاکہ تمہیں حقیقتہً حال معلوم ہو اور حلال و حرام کی تمیز کر سکو۔ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ط تو کہتے ہیں ہمیں وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔ اِس میں بتایا گیا ہے کہ وہ ہادیٔ حق سے کتنا عناد رکھتے ہیں اور اُن کی بے فرمانی میں کتنی حد تک منہمک ہیں اور اپنے گمراہ کنندگان لیڈروں سے کیسے وابستہ ہیں۔

فائدہ : حَسْبنا مبتدا ہے اور مَا وَجَدْنا کی خبر ہے اور حَسْبنا دراصل مصدر ہے یہاں پر بمعنی اسم فاعل (کافینا) ہے۔ یعنی ہمیں وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ واو عاطفہ اس جملہ شرطیہ پر اُس کا عطف ہے جو اس سے قبل محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں ہے ایحسبھم ذٰلک الخ کیا انہیں کافی ہے اُن کے آباء کا اس قول پر پایا جانا ،، یا عبارت یوں ہے ایقولون هٰذَا الْقَوْلَ وَلَوْ كَانَ الخ کیا یہ

یوں کہتے ہیں اگرچہ اُن کے آبا دین کی کسی بات کو نہ جانتے اور نہ ہی انہیں راہ صواب معلوم تھا۔

خلاصہ یہ کہ اقتداء اُس کی ہونی چاہیئے جس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ اہلِ علم اور ہدایت پر ہے اور یہ حجۃ اور دلیل کے بغیر معلوم نہیں کیا جاسکتا۔

فائدہ: حضرت حسین واعظ کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر (حسینی) میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ گمراہ اور جاہل تھے اسی لئے اُن کی تقلید سُود مند نہیں بلکہ تقلید عالم دین کی ضروری ہے تاکہ انجام بتحقیق ہو۔ حضرت مولانا جلال الدین رُومی قدس سرہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ؎

(۱) از مقلد تا محقق فرقہا است ایں یکے کوہست واں دیگر صدا است

(۲) در در بینا زنی آئی براہ دست در کورے زنی افتی بچاہ

ترجمہ: (۱) مقلد و محقق میں بڑا فرق ہے یہ پہاڑ وہ صدا ہے۔

(۲) اگر بینا کا ہاتھ پکڑے گا تو راہ پائے گا اگر نابینا کے پیچھے چلے گا تو کنوئیں میں گرے گا۔

غلط کار صُوفی: حضرت شیخ ددہ اسئلۃ الحکم میں لکھتے ہیں کہ احادیث نبویہ علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں دجّالوں کے متعلق پیش گوئی فرمائی گئی ہے کہ اس اُمت میں کئی دجّال پیدا ہوں گے تو ان دجالوں سے مراد وہ پیشوایانِ قوم ہیں جو خود گمراہ اور دُوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ بالخصوص وہ مکار صُوفی خصوصًا ہمارے زمانہ کے عیّار مشائخ کہ صُوفیت کا دَم بھرتے ہیں ہم نے آنکھوں سے انہیں دیکھا کہ خلقِ خدا کو فریب میں پھنسانے کے بڑے مشّاق ہیں[لہ]۔ اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و خوار کرے۔ وہ جہاں بھی ہوں۔

حکایت: بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے مکری اور فریبی پیر کو کہا (اسے معلوم تھا کہ میں اس کے مکرو فریب کو جانتا ہوں) اپنا یہی پیری مریدی والا جُبّہ مجھے قیمتًا دے دو۔ اُس نے کہا آپ کو معلوم ہے اگر شکاری اپنا جال بیچ ڈالے تو پھر وہ شکار خاک کرے گا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ جُبّہ میرا جال ہے کہ جس سے لوگوں کو پھنسایا جاتا ہے ؎

(۱) بروئے ریا خرقہ سہلست دوخت گرش باخدا در توانی فروخت

(۲) بنزدیک من شبرو راہزن بہ از فاسق پارسا و پیرہن

ترجمہ: (۱) رُو ریا کی گدڑی پہننا آسان ہے اگر اس سے تیرا مقصود صرف کاروبار ہے۔

(۲) میرے نزدیک تو رات کو ڈاکو رہزنی کرنے والا پارسا ریاکار سے بہتر ہے۔

[لہ] ہمارے زمانے کے بعض پیری مریدی کا دھندا کرنے والے ان سے کچھ کم نہیں بلکہ آجکل یہ مکار اُن سے کوسوں آگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بچائے آمین (اُویسی غفرلہ)

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ جب شیطان کسی پر قبضہ جما لیتا ہے تو اس کو نئے نئے تصرفات پر اُکساتا ہے وہ کسی کی اتباع کو غلط کاری سمجھتا ہُوا دل میں گھمنڈ ڈالتا ہے کہ میرے امور منجانب اللہ اور اس کی خاطر ہو رہے ہیں۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ ،، میں اشارہ ہے کہ صُوفیت کے رنگ ایسے طریقے گھڑ لئے جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم نہیں دیا۔ مثلاً صُوفیت کا ڈھونگ رچا کر کان چیر دینا یا ان میں سُوراخ کر کے لوہے کے بالے ڈال دینا یا سینہ کو سُوراخ کر دینا یا ذکر کو سوراخ کر کے اس پہ تالہ باندھ دینا یا گردن میں لوہے کی زنجیر ڈالنا۔ یا داڑھی منڈھوا کر قلندرانہ لباس پہن لینا وغیرہ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) قلندری نہ بریشت و موی یا ابرُو — حساب راہ قلندر بدانکہ موی بموست

(۲) گذشتن از سرِ مو در قلندری سہلست — چو حافظ آنکہ ز سر بگذرد قلندر اُوست

ترجمہ : (۱) قلندری داڑھی بال اور ابرو کا نام نہیں راہ قلندر کا حساب بال بال صحیح ہوتا ہے۔

(۲) سر کے بال سے قلندری آسان ہے حافظ کی طرح جو سر سے بے خبر ہو وہی قلندر ہے

وَلَا سَائِبَةٍ ،، اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو جرائم و معاصی کی خاطر نئے رُوپ دھا کر شہروں میں گھومتے ہیں ہر جائز و ناجائز فعل کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حیوانوں اور جانوروں کی طرح ہر شئی ہڑپ کر جاتے ہیں۔ نہ اُن کے مُنہ میں شریعت کی لگام نہ اُن کے گلے میں طریقت کا طوق۔ نہایت ہی آوارہ اور اوباش اور لفنگے ہوتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ہی اہلِ حق ہیں۔ ان کو شیطان نے گیند کی طرح اپنا کھلونا بنا رکھا ہوتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

وَلَا وَصِيْلَةٍ ،، اس سے وہ فقیری کا دَم بھرنے والے لوگ مُراد ہیں جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام جانتے ہیں۔ وہ بیگانی عورتوں سے میل جول روا رکھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ہماری مائی بہنیں ہیں اور ہم اُن کے باپ بھائی۔ جیسے جاہل صُوفیوں کا ایک فرقہ اباحیہ اور زندیقیوں کا ایک ٹولہ کہتا ہے اور عوام کو دھوکہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ خُدا رسیدہ ہیں اور مقامِ وحدۃ تک پہنچے ہُوئے ہیں اور ہم ہر حالت میں نقصان سے پاک ہیں اور نہ ہی ہمیں شریعت کی مخالفت مضر ہے کیونکہ ہم مقامِ حقیقت تک پہنچ چکے ہیں۔ یہ اِن کا دھوکہ اور دجل و فریب ہے جو شیطان نے اُن کے دل میں ڈالا ہے اور نفس نے انہیں اس دھوکہ دہی وابلہ فریبی پہ ابھارا ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے اور نہ ہی کسی کو اس کی اجازت ہے مذکورہ بالا طریقہ ان کا اپنا گھڑا ہُوا ہے (جو انھوں نے اپنے

نفس کو خوش کرنے کے لئے وضع کیا ہے) نہ ایسوں کو شریعت کی خبر ہوتی ہے نہ طریقت کی اور حقیقت سے تو کوسوں دُور ہوتے ہیں بلکہ یہ اہلِ طبیعت ہیں کہ جو جی آیا وہ کر لیا ، بلکہ انھیں یوں کہوں کہ وہ دھوکہ سازی کے استاذ ہیں۔ عالم دُنیا میں ایسے کمینوں کے فتنے پھیلے ہوئے ہیں۔ ان پر ہی دھوکہ بازی کا فن ختم ہے نہ انہیں کوئی روکنے والا ہے اور نہ ہی اُن کی بیخکنی ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی جال میں پھنسنے کے ہیں ، بلکہ یوں کہو کہ اُنہوں نے اِتنا وسیع جال پھیلا ہے کہ اُلٹا انہیں غلط کار کہنے والا بد نامی اور رُسوائی مُول لیتا ہے ۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

اری الف بان لا یقوم بھادم ۔ فکیف بُنیان خلفہ الف ھادم

ترجمہ : جس عمارت کی ہزاروں بنیاد ڈالیں اُسے کون ہلا سکتا ہے۔ بھلا وہ بنا بھی باقی رہ سکتی ہے جس کا بنانے والا تو ایک ہے لیکن اُس کے ڈھانے والے ہزاروں ہیں[2]

تفسیرِ عالمانہ ۱۰۵ : یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَیۡکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ اے ایمان والو اپنے نفسوں کی اصلاح کو لازم پکڑو اور انہیں اللہ تعالیٰ کے غضب اور آخرت کے عذاب سے بچاؤ ۔ لَا یَضُرُّکُمۡ تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی ۔ مَّنۡ ضَلَّ اُس کی گمراہی یعنی گمراہ کی گمراہی و بے راہروی تمہیں نقصان نہیں دے سکے گی ۔ اِذَا اهۡتَدَیۡتُمۡ جب تم ہدایت پا جاؤ یعنی جبکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ ۔

شانِ نزول : بعض اہلِ ایمان کو کافروں کے کفر پہ رہنے اور اسلام نہ قبول کرنے سے بہت صدمہ ہوتا اور آرزو کرتے کہ یہ بھی مسلمان ہو جائیں۔ ان میں بعض ایسے کمینے بے دین بھی تھے کہ اُن پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی اثر انداز نہ ہوتا تھا۔ اہل ایمان کی تسلّی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ۔

---

[1] ہمارے دور میں ایسے پیروں ، فقیروں ، درویشوں کی بہتات ہے۔ اُنہوں نے ہی پیری مریدی جیسے مقدس طریقہ کو بدنام کیا ہے ۱۲۔ اویسی غفرلہ

[2] یہی حالت آجکل کے بہت سے غلط کار پیروں ، فقیروں ، درویشوں کی ہے کہ جن کے کروڑوں جاہل مرید ہیں۔ پھر فقیر اویسی جیسوں کو کون پوچھتا ہے۔ فانی المشتکی وھو المستعان ۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

اِلَى اللّٰهِ، صرف اللہ تعالیٰ کی طرف مَرْجِعُكُمْ، قیامت میں تمہارا لوٹنا ہوگا۔ جَمِيْعًا، تم سب کو گمراہ بھی اور ہدایت یافتہ کو بھی فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ پس اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر دے گا۔ یعنی وہ تمہارے وہ اعمال جو تم نے دنیا میں کئے تھے بُرے یا اچھے۔ تمہیں اُن کی جزاء وسزا دے گا۔ اس آیت میں ہر دونوں گمراہ اور ہدایت یافتہ کو وعید بھی ہے اور وعدۂ کریمہ بھی اور اس میں تنبیہ ہے کہ کسی دوسرے کے سبب سے کسی کی گرفت نہیں ہوگی۔ (سوال): آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر استطاعت کے باوجود ترک کر دے تو جائز ہے، حالانکہ ایسا نہیں۔

جواب: اس آیت سے ہی اُلٹا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تائید ہو رہی ہے جیسا کہ فرمایا کہ اپنے نفس کو ان موجبات سے بچاؤ جو اللہ تعالیٰ کے غضب اور آخرت کے عذاب کا سبب ہیں تو پھر اس میں وہ حکم شامل نہیں کہ بُرے کو بُرائی سے حسبِ استطاعت بچائے کیونکہ ؎

اگر بینی کہ نابینا و چاہ است ؛ اگر خاموش بنشینی گناہ است

ترجمہ: اگر دیکھو کہ نابینا اور کنواں ہے اس وقت خاموش بیٹھنا گناہ ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں اگر کوئی کسی بُرائی کو دیکھے تو حسبِ استطاعت اُسے رد کرے ہاتھ سے یعنی ڈنڈے کے زور سے بُرائی کا خاتمہ کرے۔ ورنہ زبان سے تبلیغ کرے ورنہ دِل سے (بُرا منائے یا دُعا کرے)

تفسیر صدیقی: ایک روز سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ممبر پہ تقریر فرما رہے تھے کہ اے لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے تو ہو لیکن عمل نہیں کرتے تمہیں اس کا مفہوم معلوم نہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک جب لوگ برائیوں کو دیکھ کر نہیں روکیں گے تو وہ بُرائی عام پھیل جائے گی۔ اُس کی نحوست سے ان سب کو اللہ تعالیٰ عذاب میں مبتلا کر دے گا فلہذا امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر سختی سے عمل کرو۔ تمہیں آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الخ سے دھوکا نہ ہو کہ تم کہو ہم خود تو پابند امر الٰہی ہیں۔ ہمیں دوسرے سے کیا غرض بجدا تم امر بالمعروف ونہی عن المنکر پہ عمل کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر شریر حاکم مسلط کر دے گا جن سے تمہیں سخت سے سخت عذاب میں مُبتلا کرے گا۔ اُس وقت نیک لوگ دُعائیں مانگیں گے لیکن اُن کی دُعائیں قبول نہیں ہوں گی [1]

ایک خطرناک کفریہ کلمہ: اگر کوئی کسی کو کہے کہ تم امر بالمعروف کیوں نہیں کرتے۔ وہ جواب دے:

---

[1] یہ کیفیت آج ہمارے دور میں عام ہوگئی ہے ۱۲۔ اُویسی غفرلہٗ

امر اُو چہ کردہ است "مجھے اُس نے کیا فائدہ دیا ہے یا جواب دے کہ مَن عافیت گزیدہ ام "میں تو گوشہ نشین ہو چکا ہوں مجھے کسی سے کوئی سروکار نہیں یا کہے کہ مرا بایں فضولی چہ کار " مجھے اس ابوالہوس سے کیا کام۔ ایسی باتوں سے خطرہ ہے کہ قائل کافر ہو جائے[1]۔ ایسی باتوں کے متعلق حضرت رُومی قدس سرہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ہے

(۱) تو ز گفتار تعالوا کم مکن ❊ کیمیائے بس شگرفست ایں سخن

(۲) گر کسی گردد ز گفتارت نفیر ❊ کیمیا را ہیچ از وے وامگیر

ترجمہ (۱) تعالوا کے فرمان سے بے توجہی نہ کر۔ یہ سخن بہترین اور زریں ہے

(۲) اگر نصیحت سے تیرا کوئی مددگاری ہو اس سے بڑھ کر اور کسی کیمیا کی تلاش نہ کر

مسئلہ : امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض ہے۔ وہ کسی حالت میں بھی ساقط نہیں ہو سکتا۔ البتہ بوقت عجز ساقط ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ پر ایسے دَور بھی گزرے ہیں کہ وہ ڈنڈے اور زبان سے امر بالمعروف ونہی عَنِ المنکر نہ کر سکے تو وہ معذور تھے۔

چو دست و زبان را نماند مجال ❊ بہمت نمایند مردی رجال

ترجمہ : جب زبان اور ہاتھ کو طاقت نہ رہے دعا سے اہل اللہ ہمت دکھاتے ہیں۔

مسئلہ : مختلف اشخاص و مختلف احوال و اوقات کے مطابق امر بالمعروف ونہی المنکر کا حکم مختلف ہوتا رہتا ہے۔

سبق : عاشق پر لازم ہے کہ وہ حد سے تجاوز نہ کرے بلکہ وہ وقت کے حکم کا پابند رہے۔ اس لئے کہ ہر زمانہ کی اپنی دولت ہوتی ہے اور ہر زمانہ کے اپنے مردانِ خدا ہوتے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ : اے ایمان کے طالبو! یقین کرو کہ وجدان صرف طلب ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خبردار جس نے مجھے طلب کیا۔ وہ مجھے پالے گا۔ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ نفس کے تزکیہ میں مشغول ہو جاؤ۔ اس لئے کہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا وہ کامیاب ہو گیا اور وہ خسارہ میں پڑا جس نے نفس کو گناہوں میں چھپایا۔ جب تک پہلے اپنے نفس کا تزکیہ نہ کر لو اس وقت تک دوسروں کے نفسوں کے تزکیہ کی ذمہ داری نہ لو اور لوگوں کو اپنا مرید دیکھ کر دھوکا نہ کھاؤ اسی طرح ان کا تمہیں اچھا کہنا یا نیک گمان رہنا اور ان کا نزدیکی تلاش کرنا بھی تمہارے لئے مضر ہے اس لئے کہ اے طالبانِ راہِ ہُدیٰ یہ اُمور تمہارے لئے زہرِ قاتل ہیں وہ سالک جب خود بھی سلوک میں ادھورا ہے تو دوسروں کو مرید

---

[1] آج کل یہ بیماری بھی عام ہے۔ ۱۲ اُویسی غفرلہ

…ن بناتا ہے جب خود اپنی اصلاح سے غافل ہے اُس کی مثال ایسے ہے کہ کوئی دریا میں ڈوب رہا ہو تو دُوسرا
…سے اپنا ہاتھ دیدے اب دونوں ڈوب کر مرجائیں گے اس لئے کہ دُوسرا بھی پہلے کی طرح تیراک نہیں تھا۔ اسی لئے
…م ہے کہ کسی کامل کا دامن پکڑے جو اُسے منزلِ مقصود تک پہنچا دے اور سالک پر لازم ہے کہ اس جانکاہ راہ
…ہلاک ہونے والوں کو دیکھ کر گھبرا کر ہمت نہ ہارے۔ اس لئے کہ اگر تم نے اپنی طلب میں صداقت اور خلوص کا
…من نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ خود بہتر اسباب بنائے گا۔ لَا يَضُرُّكُمْ ، اے طالبانِ راہ حق تم دُوسرے غرق ہونے
…الوں سے نہ گھبراؤ۔ اس لئے کہ وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔ مَنْ ضَلَّ ، وہ جو گمراہی کے دلدل میں پھنسا۔
…ذَا اهْتَدَيْتُمْ ، جب تم راہِ حق نصیب ہوگا۔ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ، اللہ تعالیٰ کی طرف تم سب کا رجوع
…ہے۔ یہ خطاب اُن حضرات کو ہے جو جذبات عنایتِ الہٰی سے راہِ حق پر ہیں اور اُن کو بھی ہے جو مکر و فریب کے
…اہ پر قہر و عصیاں کے سلاسل سے پا بجولاں ہو کر گمراہی کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں۔

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ، پس اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی تمہیں خبر دے گا۔ یعنی اعمال کے ثواب
…ہیں لذتیں چکھائے گا اور بُرے اعمال والوں کو دردناک عذاب میں مُبتلا کرے گا۔

سبق : اثنائے سلوک میں سالک پر لازم ہے کہ وہ کسی کے مرید ہو جانے پر خوش نہ ہو جائے نہ
اُس کو اپنی منزل سمجھ بیٹھے اور اپنی تربیت چھوڑ کر دوسروں کی اصلاح میں لگ جائے اور
…اس کے لئے دھوکا اور مکر و فریب ہوگا کہ اس وقت وہ اپنے آپ کو ایک شیخ کامل تصور کر کے مقتدا بن
…ے۔ جب تک شیخ کامل کی نگرانی میں اپنی منازل کو پُورا نہ کر لے۔ کسی دُوسرے کی رہبری میں مشغول نہ ہو۔ ہاں جب
…یخ کامل اُس کی اہلیت و صلاحیت دیکھے کہ واقعی یہ راہ سلوک میں ثابت ہو چکا ہے اور اس لائق ہے کہ وہ
…مروں کی تربیت کر سکے گا اور یہ نفس و شیطان کے کسی قسم کے دھوکا اور فریب میں نہیں پڑے گا تو پھر اس کے
…جازت ہے کہ وہ یہ سلسلہ جاری کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ، اب رہا ہمارے دور کا
…ر (الاماں والحفیظ) کہ یہ سلسلہ پیری و مریدی ایسے لوگوں کے ہاتھ لگ گیا ہے کہ وہ خود بھی کسی کامل شیخ کے
…ید نہیں، لیکن دعویٰ دیکھو تو بایزید و جنید (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے دو قدم آگے نظر آتے ہیں اور۔ پھر جاہلوں اور
…ادہ لوگوں میں بیٹھ کر اپنی جاہلیت و گمراہی سے اپنی بزرگی کے کمالات کے لئے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے
…یں۔ اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح اُن کی پیری مریدی کی دُکان چمکے اور اس کی بزرگی کا شہرہ دُور دُور
…ک پھیل جائے اور ان گنت مریدین ہاتھ لگ جائیں۔ پیری مریدی جو ایک مقدس اور اعلیٰ عہدہ تھا۔ اب
…چوں کا کھیل بن گیا ہے بلکہ یوں کہو کہ شیطان کی گمراہی کا جال اگر ہے تو یہی دھندا ہے۔ ستم کی بات تو یہ ہے
…کہ اسے ایک وراثت خاندانی بنا لیا گیا ہے کہ جب ان میں سے ایک مرے گا تو پھر اُس کا بیٹا ہی سجادہ نشین ہوگا

خواہ وہ اہل ہو یا نا اہل۔ وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ پھر خدا ہی رحم کرے کہ اس (سجادہ نشیں) پر دستار پیری مریدی باندھا دی گئی تو پھر وہ تبرک ہی بن گئے۔ خواہ اُس کے کارنامے ابلیس سے کم نہ ہوں اور اس کے لئے وہ درجات بنا دیئے جو حضرت جُنید و شبلی کو حاصل ہُوئے تھے اور یہ بیماری بھی عام پھیل گئی ہے۔ بلکہ یُوں کہو کہ اب حقیقی پیری مریدی ختم ہو گئی ہے (الا ماشاء اللہ) واللہ اَعلَمُ! (یہ تقریر تاویلات نجمیہ سے لی گئی ہے)[1]

تفسیر عالمانہ

آیت ۱۰۶: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔۔ اس مضمون کو حرف ندا سے شروع کرنے میں اس کی اہمیت پر دلالت ہوتی ہے۔

شانِ نزول : مہاجرین میں سے بُدیل بن ابی مریم جو حضرت عمرو بن عاص کے موالی میں سے تھے بقصد تجارت ملک شام کی طرف دو نصرانیوں کے ساتھ روانہ ہُوئے۔ اُن میں سے ایک کا نام تمیم بن اوس داری تھا۔ اور دوسرے کا عدی بن بداء شام پہنچتے ہی بدیل بیمار ہو گئے اور اُنھوں نے تمام سامان کی ایک فہرست لکھ کر سامان میں ڈال دی اور ہمراہیوں کو اُس کی اطلاع نہ دی۔ جب مرض کی شدت ہُوئی تو بدیل نے تمیم و عدی دونوں کو وصیّت کی کہ اُن کا تمام سرمایہ مدینہ شریف پہنچ کر اُن کے اہل کو دیدیں اور بدیل کی وفات ہو گئی۔ ان دونوں نے اُن کا سامان دیکھا تو اُس میں ایک چاندی کا جام تھا۔ جس پر سونے کا کام تھا۔ اس میں تین سو مثقال چاندی تھی بدیل یہ جام بادشاہ کو نذر کرنے کے قصد سے لائے تھے۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے دونوں ساتھیوں نے اس جام کو غائب کر دیا اور اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد جب یہ لوگ مدینہ طیبہ پہنچے تو اُنھوں نے بدیل کا سامان اُن کے گھر والوں کے سپرد کر دیا۔ سامان کھولنے پر فہرست اُن کے ہاتھ آگئی۔ جس میں تمام متاع کی تفصیل تھی۔ سامان کو اُس کے مطابق کیا تو جام نہ پایا۔ اب وہ تمیم اور عدی کے پاس پہنچے اور اُنہوں نے دریافت کیا کہ کیا بدیل نے کچھ سامان بیچا بھی تھا۔ اُنھوں نے کہا نہیں۔ پھر دریافت کیا بدیل بہت عرصہ بیمار رہے اُنھوں نے اپنے علاج میں کچھ خرچ کیا۔ اُنھوں نے کہا نہیں وہ تو شام پہنچتے ہی بیمار ہو گئے اور جلدی ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ اس پر اُنھوں نے کہا کہ ان کے سامان میں ایک فہرست ملی ہے۔ اس میں چاندی کا ایک جام (جو سونے سے منقش) جس میں تین سو مثقال چاندی ہے نہیں ہے۔ تمیم و عدی نے کہا ہمیں معلوم نہیں ہمیں تو جو وصیت تھی اس کے مطابق سامان ہم نے تمہیں دیدیا۔ جام کی ہمیں خبر بھی نہیں۔ یہ مقدمہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پیش ہُوا۔ تمیم و عدی وہاں بھی انکار پر جمے رہے اس پر یہ آیت نازل ہُوئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منبر کے نزدیک قسم اٹھوائی کہ کہو کہ اللہ کی قسم

---

[1] اگر فقیر اویسی غفرلہ اپنے دور کے متعلق یہی فتویٰ صادر کرے تو بہت سے پیر بارِ خاطر تو ہوں گے لیکن جھانک کر دیکھیں تو سہی کہ کیا یہ خامی آپ میں تو نہیں۔ اگر ہے تو اصلاح کیجئے۔ ورنہ اس دھندے سے توبہ کیجئے۔ فقط ۱۲ اویسی غفرلہ

ہم نے نہ مال کی خیانت کی ہے اور نہ ہی اس سے کچھ چھپایا ہے۔ وہ دونوں قسم کھا گئے۔ حضور علیہ السلام نے انہیں چھوڑ
دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر وہ جام مکہ مکرمہ میں پکڑا گیا۔ جس شخص کے پاس تھا۔ اُس نے
کہا کہ میں نے یہ جام تمیم و عدی سے خریدا ہے۔ مالک جام کے ورثاء میں سے دو شخصوں نے کھڑے ہو کر قسم کھائی کہ ہماری
شہادت اُن کی شہادت سے زیادہ احق ہے۔ یہ جام ہمارے مورث کا ہے۔ اس باب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک روایت میں ہے کہ بڑی مدت کے بعد تمیم اور عدی نے وہی جام ظاہر کیا تو اُن سے بدیل کے ورثاء نے
مطالبہ کیا تو اُنھوں نے کہا کہ ہم نے بدیل سے خریدا تھا۔ بدیل کے وارثوں نے کہا کہ پہلے تو خود تم نے اقرار کیا تھا کہ ہم
نے اس سے کچھ نہیں خریدا۔

اُنھوں نے کہا چونکہ اس خریداری پہ ہمارے پاس گواہ نہ تھے اس لئے ہم نے ویسے
ہی کہہ دیا تھا کہ ہم نے کچھ نہیں خریدا۔ یہ مقدمہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا تو آیت فَإِنْ عُثِرَ الخ
اُتری۔ اس پر عمرو بن عاص اور مطلب بن ابی وداعہ سہمی نے کھڑے ہو کر قسم کھائی کہ وہ دونوں یعنی تمیم اور
عدی سفید جھوٹ بولتے ہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے خیانت کی ہے۔ اس بنا پہ وہ جام اُن سے لے کر
بدیل کے ورثاء کو دیا گیا۔

فائدہ : علماء کرام میں سب کا اتفاق ہے کہ قرآن میں سب سے زیادہ باعتبار اعراب اور الفاظ
اور حکم کے یہی آیت طویل ہے۔

شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ ، خصومات جو جاری ہوتے ہیں اُن کے متعلق تمہاری آپس کی گواہیاں بین
ظرف اور شہادۃ کا مضاف الیہ ہے اور ظروف میں وسعت ہوتی ہے کہ انہیں ہر حیثیت سے معمول بنایا جاسکتا
ہے گویا اس وقت یہ فعل کا مفعول ہے۔ پھر وہی فعل یا سارِقُ فی اللَّیلَةِ تھا اور شہادۃ اس لئے کہ مرفوع اور مبتدا ہے۔

إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ، جب تمہارے ایک کو موت واقع ہو یعنی تمہارے لئے موت کا وقت قریب
اور اس کے آثار نمودار ہو جائیں۔ یہ جملہ شہادت کے لئے ظرف ہے۔

حِينَ الْوَصِيَّةِ ، یہ ظرف سے بدل ہے اسے ظرف سے بدل بنانے میں تنبیہ ہے کہ وصیت ایسے اہم
مسائل سے ہے کہ مسلمان کو اس میں سستی اور غفلت نہ کرنی چاہیئے۔

اِثْنَانِ ، یہ مبتدا کی خبر ہے، لیکن یہاں مضاف مقدر مانا جائے گا تاکہ اثنین کو مجاز پر محمول نہ کرنا پڑے۔
اب معنی یہ ہوا کہ کسی کی موت کے وقت وصیت کرنا بھی دو گواہوں کی طرح ہے گویا اس کی وصیت ہی دو گواہ ہیں۔
یا یوں ہو کہ اثنان شہادۃ مصدر کا فاعل ہے۔ اس معنیٰ مبتداء کی خبر محذوف ہے وہ خبر فیما نزل علیکم أن یشھد
بَيْنِكُمْ اثْنَانِ ہے پھر لفظ اثنین کے متعلق اختلاف ہے کہ اس سے کون مراد ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا کہ وہ دو

گواہ جو وصیت کرنے والے کی وصیت کی گواہی دیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے وہ وصی مُراد ہیں جو میت کے سرہانے موجود تھے اس لئے کہ یہ اُن کے حق میں اُتری اور پھر اُن کے متعلق فرمایا گیا وَتَحْبِسُوْنَهُمَا مِنَ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ الخ

مسئلہ : یہ ضروری نہیں کہ وصیت کے وقت دو گواہ ہوں۔ ایک کو گواہ بنانا بھی کافی ہے۔ اگرچہ آیت میں دو کا ذکر ہے اور موزوں اور پختہ تر بھی یہی ہے کہ گواہ دو ہوں اس لئے کہ آپس میں ایک دُوسرے کا معاملہ مضبوط کریں گے، لیکن ایک گواہ ہو تو بھی حرج نہیں۔

فائدہ : اس معنے پر لفظ شہادت بمعنی الحضور ہوگا۔ جیسے کہا جاتا ہے : شَهِدْتُ وَصِيَّةَ فُلَانٍ بمعنی حضرت الخ یعنی میں فلاں کی وصیت کے وقت حاضر تھا اور "الشہید" وہ ہے جسے جنگ میں موت حاضر ہو جائے "۔

مَسئلہ : جس پر نماز کا وقت گزر جائے اور وہ بعد کو فوت ہو اُسے شرعاً شہید نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ اسے جنگ میں موت حاضر نہیں ہوئی ۔

ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ،، یہ اثنان کی صفت ہے۔ یعنی وہ گواہ تمہارے رشتہ داروں میں سے اور صاحبِ امانت اور ذی عقل ہوں۔ اس لئے کہ انہیں میت کی مصلحتوں کی زیادہ سوچ بچار ہوگی۔ یا مِنْكُمْ کے خطاب سے رشتہ دار مُراد نہ ہوں۔ بلکہ قرابت دینی مُراد ہے۔ یعنی وہ گواہ تمہارے دین کے بھائی ہوں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے مسلمانو! وہ گواہ بناؤ جو تمہارے دین سے تعلق رکھتے ہوں۔ یہ جملہ تامہ ہے اور شہادت کا حکم ہر وصیّت کو شامل ہوگا۔ سفر ہو یا حضر میں۔

اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ ،، یا دو دوسرے وہ گواہ جو تمہارے غیر ہیں یعنی وہ تمہارے قریبی رشتہ دار نہیں یا وہ تمہارے دین پر نہیں جیسے ذمّی۔

قاعدہ : ذمی کا گواہ بننا ابتداء اسلام میں جائز تھا۔ اس لئے کہ اہلِ اسلام کا عام اور ہر جگہ پایا جانا ممکن نہ تھا۔ بالخصوص حالت سفر میں۔ پھر وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ سے یہ منسوخ ہوگیا۔

مَسئلہ[۱] : مسلم پر ذمی کا گواہ بننا جائز نہیں۔ اس لئے کہ گواہ صاحبِ ولایت ہوتا ہے اور ذمی کو مسلمان پر ولایت نہیں ۔

مسئلہ[۲] : ذمی کی ذمی پر گواہی جائز ہے۔ اس لئے کہ ذمّی ایک دُوسرے کے ولی ہو سکتے ہیں۔

اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ ،، اگر تم زمین کا سفر کرو۔ **فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ** تو تمہیں موت کی مُصیبت گھیر لے۔ اس کا شرط پر عطف ہے۔ مَاقبل کی وجہ سے اُس کا جواب محذوف

ہے۔ یعنی اگر تم سفر میں ہو اور موت قریب ہو جائے اور اس وقت تمہارا کوئی رشتہ دار ساتھ نہ ہو اور نہ ہی کوئی اسلامی بھائی (جو تمہارے معاملات کو درست کر سکے) جیسا کہ عموماً سفروں میں ہو جاتا ہے تو پھر تمہارے لئے جائز ہے کہ تم غیر مسلموں کو اپنے لئے وصیت کے گواہ بنا لو۔

فائدہ : اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ الخ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِکُمْ کو مقید کرنے کے لئے ہے یعنی بوجہ مجبوری غیروں کو گواہ بناؤ ورنہ بلا ضرورت جائز نہیں۔

تَحْبِسُوْنَهُمَا " یہ جملہ مستانفہ ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا تھا کہ اگر ہمیں ذوعدل گواہ نہ ملیں یا ہمیں اُن کی گواہی میں شک ہو تو پھر ہم کیا کریں تو اس کے جواب میں فرمایا: تَحْبِسُوْنَهُمَا یعنی اُن سے قسمیں لے کر گواہیاں لو۔ **مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوۃِ** " نماز کے بعد۔ یہ مِنْ صلہ کا ہے اور الصلاۃ کا الف لام عہد خارجی ہے۔ اس سے عصر کی نماز مراد ہے۔ سو وہ اس لئے کہ قسم کے لئے اُن کے ہاں یہی وقت مقرر تھا، کیونکہ عموماً وہ اس وقت جمع ہوتے تھے اور رات اور دن کے فرشتوں کی تبدیلی کا بھی یہی وقت ہے۔ علاوہ ازیں اہلِ ایمان اِس وقت کو بہت بڑا معظم سمجھتے ہیں۔ اسی لئے اس وقت قسم کھانے سے اجتناب کرتے ہیں۔[1]

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اگر کسی سے قسم لیتے تو اسی وقت۔

مسئلہ : امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خون، طلاق، آزادی غلام اور دو سو درہم مال کی گواہی میں اس طرح کا اہتمام کرنا چاہیے کہ کسی معظم وقت اور کسی معزز جگہ میں قسم لی جائے۔ جیسے نماز عصر کے بعد اور مکہ معظمہ میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان اور مدینہ طیبہ میں منبر نبوی کے پاس اور بیت المقدس میں صخرہ کے پاس۔ اسی طرح وہاں کے عوام جس وقت اور جس جگہ کو مقدس و معزز سمجھتے ہوں وہاں اُن سے قسم لی جائے جیسے تمام مقامات کی اشرف المساجد۔

مسئلہ : سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کو کسی زمان و مکان سے مخصوص نہیں فرماتے۔ اُن کے نزدیک ہر جگہ اور ہر زمانہ میں قسم لی جا سکتی ہے اس لئے کہ قسم ایمان والے کے لئے معزز و مکرم ہے لہٰذا کسی زمان و مکان کی ضرورت نہیں۔

---

[1] ہمارے عرف میں قرآن سر پر رکھ کر قسم لے جاتی ہے اس کا استنباط اسی آیت سے ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ ہمارے عوام قرآن مجید کو معزز و معظم سمجھ کر جھوٹی قسم سے کتراتے ہیں لیکن سچی قسم قرآن مجید سر پر رکھنے سے انکار نہیں کرتے ۱۲۔ اویسی غفرلہ۔

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ ،، پھر وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم کھائیں۔ اس کا عطف تَحْبِسُوْنَهُمَا پر ہے۔

اِنِ ارْتَبْتُمْ ،، یہ جملہ شرطیہ ہے۔ اس کا جواب محذوف ہے جس پر ماسبق دلالت کرتا ہے یعنی قسموں کے لئے محبوس کرنا اور اس پر قسم لینا (جو کہ صرف اللہ کی ذات کے لئے لی جاتی ہے) اور یہ جملہ قسم اور جواب قسم کے درمیان معترضہ واقع ہوا ہے تاکہ تنبیہ ہو جائے کہ گواہوں کا حبس اور قسم لینا صرف بوقت شک کے ہوتا ہے۔ یعنی اگر میت کے ورثہ کو گواہوں پر خیانت یا ترکہ میں کسی شئے کے خورد و بُرد کا شک ہو تو ان سے حاکم کے سامنے کھڑا کر کے قسمیں اٹھوائیں۔

لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا ،، یہ قسم کا جواب ہے۔ اس لئے کہ فَیُقْسِمٰنِ ایسی قسم کو متضمن ہے جو اس میں مضمر ہے۔ الِاشْتِرَاءِ بمعنی استبدال السلعة بالثمن ہ یعنی ثمن کو بطور بدل دے کر سامان لینا پھر استعارہ کے طور ماخوذ (جس شئ کو لیا جا رہا ہو) میں رغبت کی وجہ سے اپنے پاس سے کوئی شئے دے کر اس ماخوذ کو لینا اور اپنی دی ہوئی شئے سے رُوگردانی پر بھی مستعمل ہوتا ہے (جیسا کہ استعارات میں ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو بدل بنا کر اپنے نفسوں کے لئے نہیں لے رہے کہ اس کی بے حُرمتی کر کے دُنیا کا کوئی سامان لے لیں۔ یعنی جھوٹی قسم کھا کر ہم اس کی ہتک نہیں کر رہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ یہ کہیں کہ ہم مال یا لالچ دنیوی کے پیش نظر جھوٹی قسم نہیں کھا رہے وَلَوْ كَانَ

(سوال) کان کی ضمیر کس طرف راجع ہے۔

(جواب) مقسم لہٗ کی طرف۔ یعنی جس کے لئے قسم کھائی جا رہی ہے یعنی میت۔

(سوال) یہ کس طرح معلوم ہوا۔

(جواب) فحوائے کلام دلالت کرتا ہے کہ یہاں مقسم لہٗ یعنی میت مُراد ہے۔

ذَا قُرْبٰى ،، اگرچہ وہ میت رشتہ دار بھی کیوں نہ ہو یعنی وہ ہمارے رشتہ کے لحاظ سے بہت قریب ہو تب بھی ہم جھوٹی قسم نہیں کھائیں گے۔ اس میں تاکید ہے کہ ہم جھوٹی قسم سے بالکل بَری ہیں۔ گویا تاکید کر کے اپنا تنزہ بتانا چاہتے ہیں۔ گویا وہ گواہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حُرمت کو بدل بنا کر مال نہیں لینا چاہتے۔ اگرچہ اس میں ہمارے قریبی رشتہ داروں کی بات بھی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ رشتہ داروں کی رعایت سے ہمیں اپنی زیادہ رعایت ہے کہ ہم رشتہ داروں کا فائدہ کر کے جہنم کا ایندھن نہیں بننا چاہتے۔ اپنی رعایت رشتہ داروں کی رعایت سے عزیز تر ہے۔

(سوال) جھوٹی قسم کھانے سے انہیں خطرہ مذکور سامنے ہو گا تو پھر انہیں بار بار جھوٹی قسم کھانے سے روکنے میں کیا حکمت ہے۔

(جواب) واقعی جھوٹی قسم کھانے میں جہنم کا خوف ہو گا، لیکن ہر ایک کو نہیں بلکہ بعض کو۔ ورنہ اکثر دنیا کی

لاتے ہیں جہنم کا خوف کئے بغیر جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں اس لئے بار بار تاکید کی گئی۔

وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ " اس کا عطف لانشتری پر ہے اور اس کے حکم میں داخل ہے شَهَادَةَ اللّٰهِ لَا نَكْتُمُ کا مفعول بہ ہے۔ یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی شہادت کو نہیں چھپائیں گے۔

(سوال) شہادت کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں مضاف کیا گیا ہے۔ حالانکہ گواہی تو بندوں کے لئے ہے۔

(جواب) امر شہادت کا اللہ تعالیٰ ہے کہ اس نے اس کی حفاظت اور عدم کتمان اور ضائع نہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

إِنَّا إِذًا " بے شک ہم اس وقت یعنی گواہی کو چھپانے کے وقت لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ٥ گنہگاروں اور نافرمانوں سے ہوں گے فَاِنْ عُثِرَ " اگر ان قسموں کے بعد اطلاع دی جائے۔ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا " اوپر اس کے کہ بیشک وہ دونوں گناہ کے مستحق ہوئے۔ یعنی ان سے ایسا فعل سرزد ہوا جو ان کے گناہ کا موجب بنا کہ گواہی میں تحریف کی یا اسے چھپایا۔ مثلاً ان سے چوری شدہ مال مل گیا یا اس مال کے استحقاق کا دعویٰ کرتے ہیں۔ فَاٰخَرٰنِ " یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا " ہے یعنی پس ان دو کے قائم مقام دو دو گواہ اور کھڑے کئے جائیں۔ یعنی جن کی خیانت پر اطلاع ملی ہے تو ان کے بجائے دوسروں کو مقرر کیا جائے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ شہادت سے انکار کرتے ہیں تو شہادت کی ادائیگی کے لئے دوسرے مقرر کئے جائیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن کے متعلق انہیں خیانت کا علم ہوا ہے ان کے بجائے دوسرے ایسے آدمی لئے جائیں جو حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر قسم کھا کر اظہار حق کریں۔ مِنَ الَّذِيْنَ " یہ يَقُوْمٰنِ کے فاعل کی ضمیر سے حال ہے۔ اس سے میت کے متعلقین مراد ہیں۔ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ " جھوٹی گواہی نے ان کا حق چھین کر ان کو نقصان پہنچایا جو میت سے قریب تر ہیں۔ اَلْاَوْلَيٰنِ سے میت کے وہ ورثاء جو اسے زیادہ قریب ہیں مراد ہیں اب یہی گواہی دینے والے کے زیادہ حق دار ہیں۔ یعنی وہ قسم کھا کر گواہی دیں (جیسے بدیل کے رشتہ داروں نے کیا) استحق کا مفعول محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں ہی تھی کہ استحق علیہم ان یجردوھما للقیام بالشہادۃ الخ یعنی اب صرف یہی میت کے رشتہ دار گواہی کے زیادہ مستحق ہیں کہ وہ قسم کھا کر گواہی دیں اور بتائیں کہ پہلے گواہوں نے جھوٹی گواہی دی تھی۔ درحقیقت الآخران یہی ہیں کہ جنہیں پہلے گواہوں کے بعد گواہی کے لئے کھڑا کیا گیا ہے جو عبارت میں مضمر کے بجائے مظہر لایا گیا ہے۔ اس معنی پر استحق مبنی للمفعول (بصیغہ ماضی مجہول) بھی پڑھا گیا ہے اور یہی محذوف تھا ہے مِنَ الَّذِيْنَ " استحق یعنی وہ لوگ جن کا حق چھینا گیا یعنی میت کے ورثاء اور اس کے قبیلہ والے اس تقریر پر اَلْاَوْلَيٰنِ مرفوع اور مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ گویا یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال ہوا کہ جن کا حق چھینا گیا وہ کون لوگ ہیں تو اس کے جواب میں فرمایا: اَلْاَوْلَيٰنِ " یعنی میت کے ورثہ۔

فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰہِ ،، اس کا عطف یَقُوْمٰنِ پر ہے۔ لَشَهَادَتُنَآ یہاں شہادت بمعنی یمین ہے۔ جیسے آیت فشهادة احدهم اربع شهادات باللّٰہِ میں شہادت بمعنی یمین ہے یعنی میت کے حقدار گواہی کے وقت کہیں کہ بخدا ان دونوں نے جو ہمارے سے پہلے گواہی دی وہ جھوٹے ہیں۔ نہ ہی اُن کا کوئی حق بنتا ہے بلکہ جو کچھ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں اَحَقُّ ،، قبول ہونے کے لئے زیادہ لائق ہے۔ مِنْ شَهَادَتِهِمَا ،، بہ نسبت ان کی جھوٹی گواہی کے جو قسم کھا جانے کے واضح ہو چکا ہے کہ وہ جھوٹی قسم کھا چکے ہیں اور لوگوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ اُنھوں نے جھوٹ کہا اور بحمدہٖ تعالیٰ ہم نے سچ کہا ہماری قسم اور گواہی میں کسی قسم کا جھوٹ اور تردد نہیں۔

سوال : جب واضح ہے کہ واقعی اُن کی گواہی سچی ہے تو پھر اُسے صیغۂ افعل التفضیل سے کیوں لایا گیا اس سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کے بالمقابل (دوسروں) کی گواہی بھی قابل قبول ہو حالانکہ اُن کی گواہی بالکل مسترد ہو چکی ہے (جواب) ان کے مقابل (لوگوں) کی بات میں من وجہ صدق کا احتمال باقی تھا اس لئے کہ مال مسروقہ اُن کے قبضہ میں تھا اور وہ اس کی ملکیت کے مدعی بھی تھے۔ بنابریں اُنھوں نے اپنی گواہی اور قسم کو احق ،، افعل التفضیل سے بیان کیا۔

وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۙ ،، اس کا عطف جواب قسم پر ہے۔ یعنی ہم نے نہ تو گواہی میں حق سے تجاوز کیا اور نہ ہی اُن کے استحقاق پر حملہ کر کے اُن کا حق باطل کیا۔ اِنَّآ اِذًا ،، اگر ہم یمین اور گواہی میں تجاوز کریں تو اُس وقت لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ٥ تو ہم اللہ تعالیٰ کی حرمت کی ہتک سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کے پیش کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوں گے یا حق کو غیر حق میں رکھنے والے ہوں گے۔

خلاصہ تفسیر : جس پر موت بھانکے اس پر لازم ہے کہ اپنے رشتہ داروں یا اسلام کے نام لیواؤں میں سے دو نیک انسانوں کو اپنی وصیت پر گواہ بنائے۔ اگر ایسے دو گواہ نہ ملیں۔ مثلاً سفر میں ہے تو اُن کے غیروں سے دو اور گواہ بنالے پھر بوقت گواہی اُن پر کسی قسم کا شک و شبہ پڑ جائے تو وہ قسم کھا کر کہیں کہ ہم نے نہ تو گواہی میں کسی قسم کی کمی بیشی کی ہے اور نہ ہی ہم نے میت کے مال متروکہ میں سے کچھ چرایا ہے لیکن اُن سے یہ قسم ایسے زمانہ اور مکان میں لی جائے کہ وقت اور مکان ان کے نزدیک معزز و مکرم ہو تاکہ انہیں جھوٹی قسم کھانے پر جرأت نہ ہو۔ ان کی قسم کھانے کے بعد اگرچہ فیصلہ بھی ہو چکا ہو لیکن معلوم ہو جائے کہ انہوں نے جھوٹی قسمیں کھائی تھیں، حالانکہ میت کا مال واقعی اُنھوں نے چرایا یا وہ مال اُن کے ہاں مل جائے۔ اگرچہ وہ دعویٰ کریں کہ ہم نے میت سے قیمتاً خریدا تھا تو میت کے ورثہ قسم کھائیں کہ پہلے گواہوں نے جھوٹی قسمیں کھائی ہیں۔ درحقیقت یہ مال ہمارے مرنے والے رشتہ دار کا ہے۔

سوال : جب پہلے گواہوں کی قسم جھوٹی ثابت ہو چکی ہے تو پھر میت کے ورثہ سے قسمیں لینے کا کیا معنی

(جواب) یہ قاعدہ ہے کہ جب وصی میت کے مال میں دعویٰ کرے کہ میں نے اسے خریدا ہے یا مجھے میت نے خود مجھے عنایت فرمائی تھی۔ ورثہ کو اگر انکار ہو تو وہ قسمیں کھائیں اس لئے کہ یہ دعویٰ کے منکرین ہیں اور منکر کو دعویٰ میں قسم کھانا پڑتی ہے اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہو۔ اگرچہ یہ آیت بعض اعتبار سے منسوخ ہے لیکن ورثے سے قسم لینے کا مسئلہ منسوخ نہیں۔

ذٰلِكَ " وہ تفصیل جو ابھی مذکور ہوئی۔ اَدْنٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ " زیادہ قریب ہے کہ گواہ گواہی کو اس طریق سے ادا کریں کہ جس طرح انہیں معلوم ہے ذرہ بھر بھی کمی بیشی نہ کریں اور نہ ہی قسم کی خیانت کریں اور آخری عذاب سے ہر وقت ڈرتے رہیں۔ یہی نکتہ اس میں ہے کہ قسم معزز و مکرم وقت اور مکان میں کھائے اَوْ یَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْؕ یا انہیں خوف ہو کہ ہماری قسمیں دوسروں کی قسموں کی وجہ سے رد کر دی جائیں۔ اس میں یہ حکمت بتائی گئی ہے کہ پہلے گواہوں کی گواہی شرعاً کیوں مسترد ہوئی۔ اس کا معطوف علیہ محذوف ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے۔ گویا اصل عبارت یوں تھی ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ یَخَافُوْا عذاب الاٰخرۃ بسبب الیمین الکاذبۃ اَوْ یَخَافُوْا الافتضاح علٰی رؤس الاشہاد الخ یعنی مذکورہ بالا تدابیر اس لئے کی گئیں تاکہ وہ اپنی گواہی صحیح طریق سے ادا کریں اور آخرت کے عذاب سے ڈر کر جھوٹی قسم سے بچ جائیں یا انہیں یہ خطرہ ہو کہ برسر مجلس ہماری گواہی ٹھکرا دی جائے گی۔ جس سے ہمیں شرمسار ہونا پڑے گا باینطور کہ میت کے ورثہ سے ہمارے خلاف قسم لے کر گواہی لے جائے گی۔ مذکورہ بالا طریقوں سے غلط کار گواہوں کو خیانت سے بچانا مطلوب ہے۔ ان دو مذکورہ طریقوں میں سے کسی ایک کو مدِ نظر رکھیں گے تو ہمارا مقصود حاصل ہو جائے گا یعنی صحیح طریق سے گواہی دیں گے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ " گواہی دینے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گواہی کو نہ بدلو اور قسم کھانے میں جھوٹی قسموں سے بھی بچو اور امانت میں خیانت اور اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ تمام احکام کے خلاف بھی نہ کرو!

وَاسْمَعُوْا " جتنی تمہیں نصیحتیں دی جاتی ہیں انہیں سن کر قبول کرو اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔

وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۠ ۝ اور اللہ تعالیٰ طاعت سے خارج ہونے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرو گے اور اس کا حکم سن کر مخالفت کرو گے تو تم فاسق ہو جاؤ گے اور فاسقوں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ یعنی انہیں راہِ جنت نہیں ملتا یا انہیں ہر طرح کے نفع سے محروم رکھا جاتا ہے۔

مسئلہ : شرعاً گواہی ہر اس فعل کی خبر دینے کو کہتے ہیں۔ جیسے گواہی دینے والے نے واقعہ پر موجود ہو کر اپنی آنکھوں سے معائنہ یا مشاہدہ کیا ہو ؎ افعال میں جیسے قتل زنا یا سن کر گواہی دے جیسے عقود اور اقرار میں۔

؎ اسی معنی کو سامنے رکھ کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شاہد بمعنی گواہ مان لیا جائے تو کیا نتیجہ برآمد ہو گا؟ (سوچئے) اویسی غفرلہ

مسئلہ : یہی وجہ ہے کہ گواہی اس وقت قابلِ قبول نہیں جب تک یہ نہ کہے کہ میں واقعہ پر خود موجود تھا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا اور میں اُسے بلاواسطہ خود جانتا ہوں اور فلاں فلاں سے بلاواسطہ سُنا۔

مسئلہ : اس لئے گواہی دیتے وقت واقعہ کو بیان کرنا ضروری ہے۔

حدیث شریف : حضور علیہ السلام نے فرمایا جب تمہیں ایسے یقین ہو جائے جیسے سورج کو آنکھوں سے دیکھ کر یقین کرتے ہو اس وقت گواہی دو۔ ورنہ گواہی سے بچو۔

نکتہ : گواہی دینے میں چند فوائد ہیں (۱) حقوق الناس کی حفاظت (۲) عقود میں بائع مشتری کے انکار کا انسداد (۳) صاحبان اموال کے مال کا تحفظ۔

حدیث شریف : حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ گواہوں کی عزت کرو۔ اس لئے کہ انہی پر تمہارے حقوق کا دارومدار ہے۔

مسئلہ : جب گواہی کے لئے کسی کو گواہ کی حیثیت سے بُلایا جائے تو اُسے انکار کرنا ناجائز ہے اس لئے کہ یہ گواہی کے لئے نہ جائیگا تو حقوق ضائع ہو جائیں گے۔ اس کا وبال اُس پر ہوگا۔

مسئلہ : یہ اس وقت ہے جبکہ اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ اگر کوئی دُوسرا اُس کے سوا گواہی کے لئے موجود ہو تو یہ گواہی کے لئے حاضر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ اس وقت صاحب حق کے حقوق کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں۔

مسئلہ : حدود میں مختار ہے چاہے گواہی دے یا مجرم کے جرم پر پردہ ڈالے اس لئے کہ گواہی دینا بھی ثواب ہے اور مُسلمان کی عیب پوشی بھی ثواب بلکہ مُسلم بھائی کی پردہ پوشی افضل ہے۔

حدیث شریف : حضور علیہ السلام نے فرمایا جو اپنے مسلم بھائی کی پردہ پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی دُنیا و آخرت میں پردہ پوشی فرمائے گا۔

اعجوبہ : جھوٹی قسمیں بستے علاقوں کو اُجاڑ کرکے رکھ دیتی ہیں۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ دُنیا کی لالچ میں پھنس کر جھوٹ سے بچے اور ہر قول و فعل میں سچائی کو اختیار کرے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

طریقِ صدق بیاموز از آب صافی دل ؛ براستی طلب آزادگی چو سرو چمن

ترجمہ : سچائی پانی صاف دل سے سیکھ سرو چمن کی طرح آزادگی طلب کر

مسئلہ : امانت بہت بڑے بہترین اوصاف سے ہے اس لئے اللہ تعالیٰ امانتوں کی ادائیگی کا حکم فرماتا ہے لیکن افسوس کہ دَورِ حاضرہ میں ایسے اشخاص کا انعقا ہیں۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ

جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا تمہیں

قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى

کیا جواب ملا عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں بے شک تو ہی ہے سب غیبوں کا جاننے والا جب اللہ

ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ

فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ یاد کر میرا احسان اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب میں نے پاک روح سے تیری مدد کی تو لوگوں

النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ

سے باتیں کرتا پالنے میں اور پکی عمر ہو کر اور جب میں نے تجھے سکھائی کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل اور جب

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا

تو مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی اور تو

بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ

مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا اور جب میں

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ

نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا جب تو ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آیا تو ان میں کے کافر بولے کہ یہ تو نہیں مگر

اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا

کھلا جادو اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ بولے ہم ایمان

اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ

لائے اور گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ بن مریم کیا

يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ

آپ کا رب ایسا کرے گا کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے کہا اللہ سے ڈرو اگر ایمان

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا

رکھتے ہو بولے ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل ٹھہریں اور ہم آنکھوں دیکھ لیں کہ آپ نے

وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ

ہم سے سچ فرمایا اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں عیسیٰ بن مریم نے عرض کی اے اللہ اے رب ہمارے ہم پر

عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ

آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے لیے عید ہو ہمارے اگلوں پچھلوں کی اور تیری طرف سے نشانی اور ہمیں رزق

وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ

دے اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے اللہ نے فرمایا کہ میں اسے تم پر اتارتا ہوں پھر اب جو تم میں کفر کرے گا

مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾

تو بے شک میں اُسے وہ عذاب دوں گا کہ سارے جہان میں کسی پر نہ کروں گا

(بقیہ صفحہ ۴۰۸) ؎ خیانتہائے پنہاں میکشد آخر برسوائی ٭ کہ دزد خانگی را شحنہ در بازار میگردد

ترجمہ: پوشیدہ خیانتیں بالآخر رسوائی کی طرف کھینچ کرلے جاتی ہیں جیسے گھر میں بیٹھے چور کو کوتوال بازار میں کھینچ لاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: سالک کو تقویٰ لازمی ہے۔ اور احکام اَزلیہ کی طرف توجہ بھی ضروری ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو اپنی درگاہ میں حاضری کی اجازت نہیں بخشتا اور فاسق سے وہ لوگ مُراد ہیں جن پر ازل میں نُور کا چھینٹا نہ پڑا اور وہ اس ازلی نُور سے یکسر محروم رہے۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جسے اَزلی نُور نصیب ہوا وہ ہدایت پا گیا اور جو اس سے محروم ہُوا۔ وہ ہمیشہ کے لئے بدبخت رہا۔ واللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے احکام کی مخالفت سے بچائے اور اِن لوگوں سے دُور رکھے جنہوں نے اپنی زندگی کے مقدس انفاس ضائع کر دیے وھو الموفق المرشد الوہاب۔

تفسیر عالمانہ ۱۰۹: یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ "یاد کرو اس دن کو جب اللہ تعالیٰ رسُل کرام کو جمع فرمائے گا۔ اِس سے قیامت کا دِن اور انبیاء کرام علیہم السّلام کے جمع کرنے سے اُن کی اُمتوں کو جمع کرنا مُراد ہے۔ اُمم کا علیحدہ ذکر اس لئے نہیں ہُوا کہ وہ اپنے اپنے نبی علیہ السّلام کی اتباع میں مذکور ہوگئے۔ فَیَقُوْلُ "تو اللہ تعالیٰ رُسل کرام علیہم السّلام سے فرمائے گا۔ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ "تم نے جب اپنی اُمتوں کو توحید کی دعوت دی تو اُنھوں نے کیا جواب دیا۔ اقرار و تصدیق کی یا انکار و تکذیب۔ یہ مَاذَاۤ محل نصب میں ہے اور اِس فعل کا مفعول مطلق ہے جو اس کے بعد مذکور ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام اپنے عہدۂ پیغام رسانی سے پُورے طور سُبکدوش ہوگئے۔ وَرنہ انہیں یُوں خطاب ہوتا هَلْ بَلَّغْتُمْ رِسَالَتِیْ۔

سَوَال: کلام کا تقاضا تھا کہ عبارت یُوں ہو۔ مَاذَا اَجَابُوْا "

جواب: اس سے اُن کی اُمتوں کو زجر و توبیخ مطلوب ہے۔ جیسے وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ "زندہ درگور لڑکی کے سوال سے اس عمل کے مرتکب کو زجر و توبیخ مقصود ہے۔

قَالُوْا "یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب انبیاء علیہم السّلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ

انھوں نے اس کے جواب میں کیا کہا تو جواباً فرمایا وَ قَالُوا۔ انبیاء علیہم السلام عرض کریں گے۔ لَا عِلْمَ لَنَا، جو علم تجھے ہے ہم نہیں جانتے۔ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ تو ہی تمام غیوب کو جانتا ہے۔ اِس سے لَا عِلْمَ لَنَا کی حقیقت بتانا ہے۔ یعنی اُن کا علم تجھ سا ہے کہ جو کچھ اُنھوں نے ظاہر یا چھپ کر کیا تو اُنھیں پورے طور پر جانتا ہے۔ ہم تو صرف اُن کے ظاہر کو جانتے ہیں۔ فلہذا ہمارا علم تیرے علم کے سامنے کالمعدوم ہے۔

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنی لاعلمی کے ضمن میں اپنی اُمتوں کی شکایت کر رہے ہیں کہ اے الٰہ العٰلمین تو علیم بکل شئی ہے۔ تجھیں معلوم ہے کہ انھوں نے ہمیں کتنا ستایا اور کتنا سخت سے سخت اذیتیں پہنچائیں۔ اب ہم تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ تو اُن سے ہمارا بدلہ لے اور سخت سے سخت عذاب میں مبتلا فرما۔

فائدہ : سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ سوال و جواب اُس وقت ہوگا۔ جب جہنم کو جوش ہوگا اور لوگ خوف کے مارے گھٹنوں کے بل پڑے آہ و زاری میں ہوں گے۔ ہر نبی مرسل اور مقرب نفسی نفسی پکارتا ہوگا اور ہر ایک کے حواس باختہ اور دل گھبرائے ہوئے ہوں گے۔ یہاں تک کہ سادات کرام علیہم السلام بھی اسی گھبراہٹ اور اس خوفناک منظر سے کہیں گے۔ لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ جب تھوڑا سا افاقہ پائیں گے تو پھر اپنی رسالت کے متعلق گواہی دیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے اُمتوں کو احکامات پہنچائے لیکن اُنھوں نے ہماری ایک نہ مانی۔

سوال : انبیاء علیہم السلام کے لئے یہ کیسے مانا جائے کہ انہیں گھبراہٹ ہوگی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ۔

جواب : یہاں فزع اکبر سے جہنم مراد ہے اور یہ صحیح ہے کہ انہیں نہ جہنم میں جانا ہوگا اور نہ گھبراہٹ۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) اُولوالعزم را تن بلرزد ز ہول ٭ دراں روز کز فعل پرسند و قول

بعض لوگ لفظ لَا عِلْمَ لَنَا، پڑھ کر نبی اکرم و دیگر انبیاء علیہم السلام کے علم غیب کی نفی پر بغلیں بجاتے ہیں جوابات تو ہم نے تفسیر اویسی اُردو میں لکھ دیئے مختصراً چند عرض کئے دیتا ہوں۔ اگرچہ کچھ جوابات تفسیر رُوح البیان میں بھی ہیں۔

آیت کے جوابات

(۱) یہ واقعہ قیامت میں ہوگا لیکن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی بتا رہے ہیں اگر ابھی کا نام لاعلمی ہے تو پھر علم کس چیز کا نام ہے۔

(۲) سوال اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مَاذَا اُجِبْتُمْ، ہم کہتے ہیں کہ کیا سوال کرنے والے کو علم ہے کہ یہ حضرات لاعلم ہیں پھر لاعلم سے سوال کرنا عبث ہے (وھو علوا کبیرا) ہمارا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سوال کرنا انبیاء علیہم السلام کو علم ہے کیونکہ سوال اس سے کیا جاتا ہے جسے علم ہو۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۴)

(۲) بجائیکہ وحشت خورد انبیاء ❊ تو عذر گناہ را چہ داری بیا

(۳) برادر زکار بداں شرم دار ❊ کہ در روئے نیکاں شوی شرمسار

(۴) سر از جیب غفلت برآور کنوں ❊ کہ فردا نماند بخجلت نگوں

ترجمہ (۱) پیغمبر علیہم السلام خوف سے لرزاں ہوں گے جبکہ قولی و فعلی کی پرسش ہوگی۔

(۲) جہاں انبیاء علیہم السلام کو وحشت ہوگی تو اپنے گناہوں کا کیا عذر کرے گا۔

(۳) گناہوں سے شرم کرتا کہ نیک لوگوں کے سامنے شرمساری نہ ہو۔

(۴) ابھی غفلت کے گریباں سے سر باہر کرتا کہ کل شرمساری سے سر نیچا نہ ہو۔

وہابیت دیوبندیت کے وہم کا ازالہ

اس سے انبیاء علیہم السلام کے علم کی نفی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ اُنھوں نے اپنی ظاہری زندگی میں جو کچھ دیکھا سُنا وہ تو بیان کریں گے۔ البتہ بعد از وفات سے لاعلمی کا اظہار فرمایا جو کہ اُن کے موضوع بحث سے نہیں اور عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ اُنھوں نے کافروں کے انجام اور اپنی وفات کے بعد کے احوال سے لاعلمی کا اظہار فرمایا اور ان بکار کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حوض کوثر پر تشریف فرما ہوں گا تو لوگ میرے ہاں حاضر ہوں گے۔ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کروں گا یا اللہ یہ میرے نہیں کہ میرے بعد اُنھوں نے کیا کیا ہمیشہ یہ دین سے پیچھے ہٹتے رہے یعنی مُرتد ہوگئے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۱) (۳) (معاذ اللہ) اگر انبیاء علیہم السلام کو نہ تھا تو اللہ تعالیٰ کا سوال کرنا جہالت کی دلیل ہے اور وہ ایسے قبائح سے منزہ و مقدس ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا سوال اگر مبنی برحکمت ہے تو انبیاء علیہم السلام کا جواب لاعلم لنا بھی مبنی برحکمت ہے۔

(۴) سب کو معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنی اُمتوں کا جواب معلوم تھا کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے فرعون و ہامان و قارون نے جو کچھ کیا وہ انہیں نہیں جانتے تھے کیا ابراہیم علیہ السلام نمرود کی کارروائیوں سے بے خبر تھے وغیرہ تو کیا علم کے باوجود لاعلم لنا کہہ کر معاذ اللہ انبیاء علیہم السلام جھوٹ بول رہے ہیں اور وہ حضرات جھوٹ سے بالاتفاق معصوم ہیں اس کا مخالفین کے پاس کیا جواب ہے۔ ما ھو جوابکم فھو جوابنا ۔ لامحالہ کہنا پڑے گا کہ علم تھا لیکن لاعلم لنا کہنا مبنی برحکمت تھا۔

(۵) عام مفسرین نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام نے "لاعلم لنا" تواضعاً و ادباً کہا کہ یا اللہ تیرے سامنے ہم کیا عرض کریں الکہ انت علام الغیوب ہے۔ (۶) میں کہتا ہوں انبیاء علیہم السلام استغراق دیدار میں ایسے محو ہوں گے کہ عرض کریں گے یا اللہ اب تیرے دیدار کے بعد ہم سب کچھ بھول گئے ہیں۔ تیرے دیدار کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔

فائدہ : یہ حدیث عام ہے اس میں کہ وہ لوگ مراد نہیں جو عقائد اسلام سے منحرف ہوئے یا بدعات سیئہ میں مبتلا ہوئے۔

اُمتِ مصطفویہ کی شہادت کا واقعہ } حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے میدان میں حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ بلا کر فرمائے گا کہ تم نے میرا پیغام پہنچایا یا نہ۔ عرض کریں گے یا اللہ تعالیٰ میں نے تیرا پیغام اپنی اُمت تک پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے لوگو تمہیں میرے پیغمبر نوح علیہ السلام نے میرے پیغام پہنچائے یا نہ وہ عرض کریں گے۔ یا اللہ تعالیٰ ہمارے پاس تیری طرف سے کوئی بھی پیغام پہنچانے والے نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اپنے دعویٰ میں کوئی گواہ پیش کرو۔ نوح علیہ السلام عرض کریں گے میرے گواہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی اُمت ہیں باوجودیکہ اُمت مصطفویہ عرصہ دراز کے بعد پیدا ہوئی لیکن چونکہ انھوں نے قرآن مجید میں پڑھا تھا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امت کو پیغامات الٰہیہ پہنچائے تھے اسی لیے گواہی دیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو آپ سے اپنی امت کے متعلق سوال ہوگا۔ آپ اُن کے متعلق صفائی پیش کریں گے اور فرمائیں گے کہ یہ جو کچھ حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق عرض کر رہے ہیں یہ صحیح ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَیَکُونَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا۔

سبق : دانا کو لازم ہے کہ وہ دعوتِ حق اور ناصح کی نصیحت کو بدل و جان قبول کرے ؎

امروز قدر پند عزیزاں شناختم ❊ یارب رواں ناصح ما از تو شاد باد

ترجمہ : آج ہم نے بزرگوں کی نصیحت قبول کی۔ اے ہمارے رب نصیحت کرنے والوں کی روح کو خوش رکھ

تفسیر صوفیانہ : قیامت میں اللہ تعالیٰ بصفتِ قہاریہ متجلی ہوگا، چنانچہ فرمایا لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار، ہمارے شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ ترتیب نہایت ہی عجیب و غریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ احدی کی وحدت سے کثرت لاتا ہے۔ پھر اپنے قہر و جلال سے کثرت کے آثار ایسے مٹاتا ہے کہ سوائے اپنے سب کو فنا ہی فنا کرے گا، لیکن یاد رہے کہ عارفین کے نزدیک ہر وقت قیامت قائم ہے۔ اس لئے کہ اُن کو ہر وقت مکاشفہ و مشاہدہ ہوتا ہے اور ہر جگہ اُس کے جلوے دیکھتے ہیں۔ حقیقی قیامت کبریٰ یہی ہے۔ خواص بلکہ اخص کا میدانِ حشر اسی کا نام ہے (اے اللہ تعالیٰ ہمیں اِن لوگوں سے بنا کہ جو موت اضطراری سے پہلے موت اختیاری سے فوت ہوں)

تفسیر عالمانہ ۱۱۰ : اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ،، اے مومنو! وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔ اُذْکُرْ نِعْمَتِیْ ،، میرا انعام یاد کرو عَلَیْكَ وَعَلٰی وَالِدَتِكَ ،، جو کہ تمہارے اور تمہاری والدہ محترمہ پر ہوا۔ اس امر سے وہ امر مراد نہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے بطورِ وجوب حکم فرمایا ہو اس لئے

چمگادڑ کے عجائبات کا بیان

: بنی اسرائیل نے آپ سے چمگادڑ کی ساخت اور پھر اس میں رُوح پھونکنے کا اس لئے سوال کیا تھا کہ چمگادڑ عجیب الخلقت پرندہ ہے۔ مثلاً وہ از سرتاپا صرف گوشت یا خون ہے۔ اس میں ہڈیاں نہیں۔ اُڑتا ہے تو پروں کے بغیر۔ حیوانوں کی طرح بچے جنتا ہے پرندوں کی طرح انڈے نہیں دیتا۔ اس کی مادہ کا پستان ہوتا ہے جس سے دُودھ نکلتا ہے۔ نہ وہ دِن کی روشنی میں دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی رات کی تاریکی میں صرف دو وقت دیکھتا ہے (۱) بعد غروبِ الشمس ایک گھنٹہ (۲) بعد طلوع الفجر صبح کی سفیدی تیز ہونے تک۔ وہ انسان کی طرح ہنستا ہے اور اسے عورتوں کی طرح حیض بھی آتا ہے۔ بنی اسرائیل نے جب عیسیٰ علیہ السلام کا چمگادڑ اُڑتا ہوا دیکھا تو کہنے لگے اور کہا یہ تو جادو ہے۔ وَتُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ "اور تم مادرزاد اندھے اور برص والے کو میرے حکم سے تندرست بنا دیتے تھے۔

فائدہ : اَلْاَکْمَهَ "مادرزاد اندھے کو کہتے ہیں۔ اَلْاَبْرَصَ" وہ شخص جسے برص کی بیماری ہو۔ برص جسم پر سفید داغ ہوتے ہیں کہ جن پر سُوئی چبھوئی جائے تو بھی خون نہیں نکلتا۔ یہ دونوں لاعلاج مرض ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا ذکر فرمایا کیونکہ ہر دونوں بیماریوں کے علاج سے اطباء عاجز تھے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱)	صومعۂ عیسیٰ است خوان اہل دل ÷	ہاں ہاں اے مبتلا ایں در مہل
(۲)	جمع گشتندے زہر اطراف خلق ÷	از ضریر و شل ولنگ و اہل دلق
(۳)	او چو گشتی فارغ زاورا خویش ÷	چاشتگہ بیروں شدی آں خوب کیش
(۴)	پس دُعا کردے وگفتی از خدا ÷	حاجت و مقصود جملہ شد روا
(۵)	بے توقف جملہ شاداں در اماں ÷	از دعائے اُو شدندے بار داں
(۶)	آزمودی تو بسے آفاتِ خویش ÷	یافتی صحت ازیں شاہانِ کیش
(۷)	چنداں لنگئ تو راہوار شد ÷	چند جانت بے غم و آزار شد

ترجمہ : (۱) عیسیٰ علیہ السلام کا حجرہ اہل دل کا خوانِ یغما ہے اے آزمائش والا اسے نہ چھوڑ
(۲) ہر طرف سے لوگ اکٹھے ہوتے۔ اندھے، لنجے، لنگڑے اور گدڑی والے
(۳) جب وہ اپنی ضروریات سے فارغ ہوتے تو پھر وہ اچھی عادت والے اپنی جگہ پر آتے
(۴) پھر دعا کرتے اور کہتے۔ سب کی حاجت اور مقصود پُورا ہو۔
(۵) بلا تاخیر سب خوش ہو کر امان میں رہتے۔ آپ کی دُعاء سے صحیح سالم تھے۔
(۶) تو نے بہت سی آفات دیکھی لیکن ایسے شاہوں سے صحت پائی
(۷) تیرا لنگڑا گھوڑا راہوار ہُوا۔ ان کے طفیل بے غم اور تکلیف سے آزاد ہوئے۔

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ " اور جب تم میرے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام قبروں والوں کو زندہ کر دیتے تھے اور انہیں زندہ کرتے وقت پڑھتے یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ
محققین علمائے کرام کے نزدیک یہی اسم اعظم ہے۔ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ " اور جب ہم نے
آپ سے بنی اسرائیل یعنی یہود کو روکا جبکہ وہ تمہارے نقصان کے درپے ہوئے۔
اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ " جب تم اُن کے ہاں معجزات لائے۔ یہ كَفَفْتُ کا ظرف ہے۔ فَقَالَ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۞ پس کافروں نے کہا یہ تو جادو ہے۔ یعنی اے عیسیٰ علیہ السلام
جو تم لائے ہو یہ واضح طور جادو ہے۔ یہ انھوں نے صرف عیسیٰ علیہ السلام کی تردید اور انکار کے طور کہا اور وہ اس مرض کفر
میں مبتلا ہے اور ایسے حکیم حاذق بے نظیر یعنی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر سے علاج نہ کرایا۔

حکایت حضرت شبلی رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو انہیں شاہی ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ علی ابن عیسیٰ وزیر خلیفہ نے بادشاہ وقت کو خط لکھا کہ اُن کے علاج کے لئے کسی حاذق حکیم (ڈاکٹر) کو بھیجے
بادشاہ نے چوٹی کا سول سرجن (اعلیٰ سے اعلیٰ حکیم) شاہی طبیب بھیجا لیکن اس کے علاج سے حضرت شبلی کو کچھ افاقہ نہ ہوا
ڈاکٹر صاحب نے کہا بخدا اگر مجھے آپ کی صحت کے لئے اپنے جسم سے گوشت کا ٹکڑا دینا پڑے تو بھی گریز نہ کرسکوں۔
حضرت شبلی نے فرمایا کفر کا زنار کاٹ ڈالو مجھے صحت و عافیت حاصل ہو جائے گی۔ ڈاکٹر نے فوراً کلمۂ شہادت پڑھ کر
اسلام قبول کرلیا۔ بادشاہِ وقت سن کر پہلے تو رویا پھر کہا کہ ہم نے تو طبیب بنا کر مریض کے ہاں بھیجا، حالانکہ دراصل
مریض کو ہم نے طبیب کے ہاں بھیجا تھا۔

فائدہ : حضرت امام یافعی قدس سرہ نے فرمایا کہ حقیقی اطبا یہی اللہ والے ہوتے ہیں اُن کی حکمت کا مرکز وہ حکمت الٰہی ہے کہ جس سے دل کے بیمار صحت و عافیت حاصل کرتے ہیں۔ ایسے اطبا کے
بارے میں میرا ایک شعر ہے ؎

اذا ما طبیب القلب اصبح جسمہ	علیلاً فمن ذا للطبیب طبیب
فقل ھم اولو العلم لدنی وحکمۃ	الٰہیہ یشفی بذاک قلوب

ترجمہ: جب قلب کے طبیب کا جسم بیمار پڑ جائے تو پھر ایسے طبیب کا اور طبیب کون ہو۔ کہہ دو کہ یہی حقیقی اہل علم
اور صاحب حکمت ہیں۔ انہی سے ہی قلوب شفا پاتے ہیں۔"

فائدہ : ہر مرشدِ کامل اپنے وقت کا مسیح زمان ہوتا ہے

سوال : اگر یہی اولیاء اللہ حکیم اور حقیقی طبیب ہوتے ہیں تو چاہیے کہ اُن سے شفا حاصل ہو نہ کہ اُلٹا دوسروں
کو بیمار کر ڈالیں۔ جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ کے گھر میں جب ایک چور نے ارادہ کیا کہ وہ آپ کے

کپڑے چرائے تو آپ نے اس کی آنکھ کی طرف انگلی کا اشارہ کیا۔ جس سے وہ اندھا ہوگیا اس کے برعکس حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ کو کسی نے مارا تو آپ نے اس کے لئے بہشت کی دعا مانگی۔ ان دونوں حکایتوں میں تناقض ہے وجہ کیا ہے۔

جواب : حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ نے چور کے لئے بددعا فرمائی جس سے وہ نابینا ہوگیا۔ اس کے انجام پر نگاہ کرکے اس لئے کہ حضرت کو معلوم ہوگیا کہ اس چور کو توبہ نصیب ہونے والی نہیں اس کے لئے یہی سزا موزوں ترتھی اور حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے مارنے والے کے انجام کو دیکھا کہ وہ دعا سے اپنی غلط کاری سے تائب ہوجائے گا، چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ جب آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی تو وہی ظالم تھوڑی دیر کے بعد آپ کے قدموں پر گر پڑا اور معافی مانگی آپ نے اس ظالم سے فرمایا کہ جو سر جھک جائے وہ ضائع چھوڑنے کے لائق نہیں اس لئے کہ اسی کے لئے بہشت ہی مناسب ہے۔

فائدہ : حضرات انبیاء علیہم السلام مطلقاً دعا کے مامور ہوتے ہیں جیسے مصلحت ہوتی ہے ویسے ہی دعا فرماتے ہیں۔ اور اُن سب کا ہر کام اذنِ الٰہی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ انانیت سے پاک اور فانی فی اللہ ہوتے ہیں۔ ان سے جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ حق اور پُر از حکمت ہوتا ہے اور اولیاء کرام چونکہ اُن کے تابع ہوتے ہیں اس لئے اُن سے بھی اُن کی طرح حکمتِ الٰہیہ کا صدور ہوتا ہے لیکن لوگ اُن کے معاملات سے بے خبر ہوتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

سہ (۱) چوں بباطن بنگری دعویٰ کجا است — رو دو دعویٰ پیش آں سلطان فنا است

(۲) مات زید زید اگر فاعلست — لیکن فاعل نیست او عاطل است

(۳) او ز روئے لفظ نحوی فاعلست — ورنہ او مفعول و موتش قاتلست

ترجمہ : (۱) جب تو باطن کو دیکھے گا تو صرف دعویٰ نہیں دعویٰ سے بادشاہ کے آگے تو فنا چاہیئے

(۲) کہتے ہو کہ زید مرگیا اگر زید فاعل ہے تو غلط ہے بلکہ کہو وہ عاطل ہے

(۳) ہاں نحویوں کے نزدیک تو وہ فاعل ہے ورنہ وہ تو مفعول اور اس کی قاتل موت ہے۔

تفسیر عالمانہ ۲۹/۵ : وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ ، یہ حواری کی جمع ہے کہا جاتا ہے فلاں حواری فلاں ای صفوتہ وخالصتہ۔ فلاں فلاں کا حواری۔ یعنی اُس کا منتخب اور اُس کا اپنا ہے۔ یہ الحور سے ہے بمعنی البیاض الخالص۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ وہ اُن کی نیت خالص اور ارادے نہایت پاکیزہ تھے۔ اُن میں بعض بادشاہ اور بعض مچھلی کے شکاری اور بعض دھوبی اور بعض رنگریز۔ اب جملہ کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یاد کیجئے جب میں نے انبیاء و رسل کی زبانوں کے مطابق انہیں فرمایا اَنْ۔ یہ اَن تفسیریہ ہے۔ اس لئے کہ اوحیتُ میں قول کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ **اٰمِنُوْا بِیْ** یہ کہ میرے سامنے ایمان لاؤ یعنی واحدانیت اور ربوبیت میں مجھے واحد مانو **وَبِرَسُوْلِیْ** اور میرے رسولوں اور اُن کی رسالت کو مانو کہ نہ انہیں بڑھاؤ اور نہ گھٹاؤ۔ **فَقَالُوْآ** ، یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اُن کی طرف وحی کی گئی

تو پھر انھوں نے اس کا کیا جواب دیا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ انھوں نے کہا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ہم ایمان لائے اور گواہ ہو جاؤ کہ ہم ایمان لانے میں مخلص ہیں۔ یہ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ " سے ہے۔ یعنی بالکل خالص و مخلص ہیں۔ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ " یہ منصوب ہے اُذْکُرْ سے یعنی یاد کرو جب حواریوں نے کہا یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّکَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ[۱] اے عیسیٰ بن مریم کیا تمہارا رب آسمان سے دسترخوان اتار سکتا ہے۔ یہ سوال انھوں نے اس وقت کیا جبکہ ابھی وہ معرفتِ الٰہی میں مستحکم اور پختہ نہیں ہوئے تھے یہی وجہ ہے کہ اس سوال کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ادب ملحوظ نہ رکھا۔ ورنہ یاعیسیٰ ابن مریم نہ کہتے بلکہ عرض کرتے یا رسول اللہ یا روح اللہ کہتے چونکہ انہیں ادب نہیں تھا اس لئے عیسیٰ علیہ السلام کا سادہ نام اور انہیں ابن مریم کے لفظ سے تعبیر کیا۔ اگر انہیں ادب ہوتا تو یاروح اللہ یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کر کے منسوب کرتے۔ اسی لئے انھوں نے اللہ تعالیٰ کا ادب بھی ترک کر کے هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّکَ الخ کہہ کر ایسے شخص کی طرح کلام کیا جسے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک ہو ورنہ انہیں یقین کرنا چاہیئے تھا کہ وہ کمالِ قدرت کا مالک ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔ پھر اپنی خساستِ طبع کے موافق اللہ تعالیٰ سے مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ کا مطالبہ کیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا " مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ وَ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِیْبٍ " جو آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے اسے ہم آخرت کی کھیتی میں برکت دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے۔ ہم اسے دنیا میں وہی دیں گے جو وہ چاہتا ہے لیکن اسے آخرت میں کچھ نصیب نہ ہوگا۔

فائدہ : المائدہ اس دسترخوان کو کہتے ہیں جس پر طعام رکھا جائے۔ مادہ سے مشتق ہے بمعنی اعطاء و فدہ گویا وہ دسترخوان بچھا دیتا ہے۔ اس شخص کے سامنے جس کے آگے طعام رکھا جا رہا ہے اس کی نظیر عرب کا وہ قول ہے جو کہتے ہیں شجرۃ مُطعمۃ (یہ درخت طعام کھلانے والا ہے)

مسئلہ : شرعۃ الاسلام میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو وہ طعام محبوب تر تھا جو دسترخوان زمین پر رکھ کر کھایا جائے۔

فائدہ : میز پر طعام رکھ کر کھانا بادشاہوں کا طریقہ اور متکبرین کا کام ہے کہ وہ تکبر کی بنا پر سر جھکا کر طعام کھانے کو کسرِ شان سمجھتے ہیں[۲]

فائدہ : اسی طرح اہلِ فارس کے عجمیوں کا کام ہے کہ وہ رومال پر رکھ کر طعام کھاتے ہیں۔ یہ بھی ان کی متکبرانہ عادت تھی۔ **فائدہ** : دسترخوان پر طعام رکھ کر کھانا اہلِ عرب کا کام ہے۔ دراصل یہ مسافروں کا طریقہ تھا کہ سفر کے لئے اس قسم کا دسترخوان بناتے تھے۔ پھر اس دسترخوان کو کہا جانے لگا جو طعام کے لئے تیار کیا جائے۔ (قَالَ) یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے سوال پر کیا فرمایا تو اس کے جواب میں فرمایا قَالَ۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : اِتَّقُوا اللّٰهَ ایسے

---

[۱] معلوم ہوا کہ جو نبی علیہ السلام کے ادب سے محروم ہے وہ عرفانِ الٰہی سے بھی محروم ہے ۱۲۔

[۲] یہ بھی ہماری انگریزوں سے بھی ورثہ کو ملی ہے۔ جسے آج بطور فخر و ناز سے اپنایا جا رہا ہے۔ ۱۲۔ اُویسی غفرلہ

سوالات سے اللہ سے ڈرو۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ اگر تم مؤمن ہو یعنی اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور میری نبوت پر ایمان ہے تو ایسے سوالات سے بچو۔

۵/۳ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا ، اُنھوں نے عرض کیا کہ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اس مائدہ سے کھائیں۔

ربط : یہ اُن کے عُذر کی تمہید ہے اور بتایا جارہا ہے کہ انہیں اس سوال پر کس بات نے اُکسایا، چنانچہ اُنھوں نے کہا کہ ہم نے اس لئے سوال نہیں کیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر شک و شبہ ہے یا آپ کی نبوت پر ہمیں گمان ہے تاکہ ہمارا سوال ہمیں نقصان دے اور ہم اس سے بچنے کی کوشش کریں بلکہ ہم اس سے کھانے کا تبرک کے حصول کے لئے کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ وہ مائدہ نصیب ہو جس سے ہمارے بیمار شفایاب ہو جائیں اور ہمارے تندرستوں کو قوت حاصل ہو جائے اور ہمارے فقراء کو استغناء نصیب ہو۔

فائدہ : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اِن کا سوال بوجہ محتاجی کے تھا۔ اس وقت انہیں تنگدستی نے پریشان کر رکھا تھا اور قحط کا دَور دَورہ تھا اس لئے عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ کے نزول کا سوال کر دیا۔

وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا ، اور ہمارے دِل مطمئن ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر مشاہدہ ہوگا اور اس سے ہمیں اپنے عقیدہ پر استدلالی علم بھی حاصل ہوگا۔ وَنَعْلَمَ اور ہم یقینی طور جانیں اَنْ یہ اَن مخففہ ہے۔ قَدْ صَدَقْتَنَا کہ بیشک آپ اپنی نبوت میں سچے ہیں اور یہ یقین کریں کہ ہمارا رب ہماری بات مانتا ہے۔ اگرچہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ماننے والوں کی بات مانتا ہے۔ وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ اور ہم اِن لوگوں کو بتائیں جو اس وقت موجود نہیں تاکہ ہماری گواہی سے دُوسرے اہلِ ایمان کے دِل مضبوط ہو جائیں اور ہماری طرح وہ بھی یقین کرلیں۔ پھر کفار بھی ایمان لائیں یا یہ معنیٰ ہے کہ ہم مشاہدہ کرنے والوں سے ہو جائیں۔ نہ کہ صرف سُننے والوں سے اس لئے کہ شُنیدہ کے بود مانند دیدہ (سُنی بات دیکھی کے برابر کیسے ہو سکتی)

۵/۳ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ، جب عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کی نیت صحیح دیکھی اور سمجھا کہ یہ بطور اعتراض نہیں کہہ رہے اور نہ ہی استہزاء کرتے ہیں۔ بلکہ اُن کی غرض و غایت مبنی بر مقصد صحیح ہے اس لئے اتمام حجت کے طور فرمایا اَللّٰهُمَّ اے اللہ یہ میم حرفِ ندا کا عوض ہے۔ یہ وہ عظیم کلمہ ہے کہ جس نے اُسے پڑھا گویا اُس نے اللہ تعالیٰ کے جمیع اسماء کو یاد کیا اس لئے کہ میم میں اللہ تعالیٰ کے ستر اسماء مندرج ہیں۔ رَبَّنَا (اے ہمارے رب) دوبارہ اس لئے نداء دی کہ تضرع و زاری کا انتہائی طور اظہار اور دُعا مانگنے میں مبالغہ ہو۔ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ، ہمارے اُوپر آسمان سے مائدہ نازل فرما مِنَ السَّمَآءِ اَنْزِلْ سے متعلق ہے تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا ، یہ مائدہ کی صفت ہے اور تکون کا اسم اُس کی وہ ضمیر ہے جو مائدہ کے نزول کے دن ہمارے لئے عید ہوگی۔ اِس لئے کہ وہ ہمارے لئے بہت بڑا دِن ہوگا۔

فائدہ : عظمت کا مائدہ کی طرف اسناد اس لئے ہے کہ اُس دِن کی بزرگی مائدہ کی وجہ سے ہوئی۔

فائدہ : عید کو اس لئے عید کہتے ہیں کہ اس میں خوشی بار بار لوٹتی ہے لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا ، یہ لنا سے بدل ہے

اور حال کو دوبارہ لایا گیا ہے۔ یعنی یہ ہمارے متقدمین و متاخرین کے لئے عید ہوگی۔

فائدہ : مروی ہے کہ مائدہ کا نزول اتوار کے دن ہوا اسی لئے نصاریٰ اتوار کو معظم سمجھتے ہیں۔ وَاٰيَةً مِّنْكَ اور وہ تیری قدرت کمال اور میری نبوت کی بہت بڑی علامت ہوگی۔ وَارْزُقْنَا ،، اور ہمیں مائدہ عطا فرما اور اس کے شکر کی ادائیگی کی توفیق بھی وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ اور تو خیر الرازقین ہے۔ یہ جملہ تعلیل کے قائم مقام ہے یعنی تو دیگر تمام دینے والوں سے افضل و برتر ہے۔ کیونکہ ہر ایک کا رزق پیدا کرتا اور ہر ایک کو بلا عوض عطا فرماتا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ،، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے سوال پر تمہارے لئے مائدہ نازل فرماتا ہوں۔ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ ،، اس کے بعد جو بھی تم میں سے کوئی ناشکری کرے گا۔ مِنْكُمْ يَكْفُرْ سے حال ہے فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ ،، تو میں کفر کی وجہ سے اسے عذاب میں مبتلا کروں گا۔ عَذَابًا ،، یہ اسم مصدر ہے یعنی عذاب کرنا۔ لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ ،، یہ عذابا کی صفت ہے اور ضمیر بھی اس کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی میں اسے عذاب میں مبتلا کروں گا کہ اس جیسا عذاب دوسرے کو نہ ہوگا۔ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ان کے ہم زمان لوگوں میں سے یا تمام جہانوں میں سے کسی کو (اس لئے کہ ان میں بعض بندر بن گئے اور بعض خنزیر ہو گئے) اس جیسا عذاب تمام جہانوں میں سوائے بنی اسرائیل کے اور کسی کو نہ ہوا۔

نزولِ مائدہ کی کہانی

مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مائدہ کے نزول کے لئے پہلے غسل فرما کر ٹاٹ کا لباس پہنا اور دوگانہ پڑھ کر سر جھکایا اور آنکھیں بند کیں اور روتے ہوئے کہا اے اللہ مجھے شکر گزار بندوں سے اور مائدہ کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا۔ اُسے نہ تو عذاب کا سبب بنا اور نہ ہی میری اُمت کے لئے عبرت اس کے بعد اُٹھے اور نیا وضو فرما کر دوگانہ پڑھا اور خوب روئے اور اپنے دسترخوان سے رومال ہٹایا اور کہا بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ،، جونہی رومال ہٹایا تو دیکھا کہ دسترخوان پر مچھلی بھنی ہوئی تھی۔ جس پر نہ کانٹے تھے نہ ہڈیاں اور اُس سے گھی بہہ رہا تھا۔ اور سر کی طرف نمک اور دُم کی طرف سرکہ اور دسترخوان کے اردگرد گوناگوں سبزیاں اور ساتھ پانچ روٹیاں بھی تھیں۔ ایک پر زیتون دوسری پر شہد۔ تیسری پر گھی۔ چوتھی پر پنیر۔ پانچویں پر گوشت تھا۔ حواریوں کے سردار شمعون نے کہا یا روح اللہ یہ دنیوی طعام ہے نہ اُخروی بلکہ اُسے اللہ تعالیٰ نے ابھی پیدا فرمایا ہے۔ کھاؤ یہ وہی مائدہ ہے۔ جس کا تم نے سوال کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا اور اس میں مزید برکت نازل ہوگی۔ انھوں نے کہا اے عیسیٰ علیہ السلام اگر آپ اس میں کوئی اور نئی بات دکھائیں تو زہے کرم۔ آپ نے مچھلی سے فرمایا اُٹھ کھڑی ہو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے فرمان

یہ مچھلی فوراً زندہ ہو کر دسترخوان پر تڑپنے لگی۔ آپ نے فرمایا پہلے کی طرح پھر بھنی ہوئی ہو جا؛ چنانچہ وہ پہلے کی طرح ہو گئی۔ دسترخوان کامل ایک دن وہاں پڑا رہا۔ جس نے کھایا کھا لیا۔ شام کو وہ اُٹھا لیا گیا۔ بعد کو پھر کبھی نہ اُترا۔

فائدہ : بعض روایات میں ہے کہ اسی طرح اُن پر چالیس دن تک ایسا دسترخوان اُترتا رہا لیکن ایک روز ناغہ کے ساتھ۔ یعنی ایک دن اُترتا دوسرے دن ناغہ ہوتا تو تیسرے دن نازل ہوتا۔ جب مائدہ اُترتا تو تمام فقراء، اُمراء، چھوٹے اور بڑے سب جمع ہو جاتے اور اسے کھاتے رہتے۔ یہاں تک کہ وہ آسمان پر واپس لوٹتا تو وہ آنکھوں سے دیکھتے رہتے۔

اس مائدہ کی برکت یہ بھی کہ فقیر نے کھایا تو زندگی بھر دولتمند رہا۔ مریض نے کھایا تو زیست تندرست رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اب اُس کا نزول صرف فقیروں کے لئے ہوگا۔ دولتمندوں کو نہ دیا جائے گا۔ اسی طرح تندرستوں کو نہ ملے گا۔ بیماروں کو ملے گا۔ اس پر لوگوں نے شور مچایا۔ دولتمندوں اور تندرستوں کو یہ بات شاق گذری تو مائدہ کے متعلق شک کرنے لگے اور لوگوں کو بھی شک میں ڈال دیا کہ نامعلوم یہ مائدہ آسمان سے بھی نازل ہوتا ہے یا عیسیٰ علیہ السلام نے ہم پر جادو کیا ہُوا ہے۔ اس وجہ سے اُن کی شکلیں تبدیل ہو گئیں اور خنزیر ہو کر گھروں سے باہر نکل کر گلیوں کوچوں میں گھومتے اور بجائے طعام کے گندگیاں کھانے لگے۔ دوسرے لوگوں نے اُن کی حالت دیکھ کر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور مسخ شدہ لوگوں کے لئے پناہ چاہی۔ اُدھر مسخ شدہ لوگوں نے جب عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو اُن کے گرد جمع ہو گئے اور نہایت عجز و انکسار سے ان کا طواف کرنے لگے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کا نام لے کر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہی جب وہ کسی کا نام لیتے تو وہ چیختے چلاتے عاجزانہ و منکسرانہ طور سر جھکاتے لیکن بول نہ سکتے تھے۔ تین دن تک اُن کی یہی حالت رہی پھر وہ سب کے سب مر گئے اور ان سے توالد و تناسل کا سلسلہ نہ چلا۔ اور یہی ہر مسخ شدہ انسان کا حکم ہے کہ اس کا توالد و تناسل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے صفات حیوانیہ کے حقائق سے صورتِ انسانیہ چھین کر اُن کو صورتِ حیوانیہ کا لباس پہنا دیا اور خنزیر کی شکل میں ظاہر ہوئے تاکہ باقیماندہ لوگ عبرت حاصل کریں اور انہیں معلوم ہو کہ اس دن جب دل پوشیدہ راز کھل جائیں گے ان میں بعض کے سفید چہرے اور بعض کے سیاہ ہوں گے تو ہر ایک اپنی صفاتی صورتوں میں اُٹھے گا؛ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگ اپنے معاشے پر مرتے ہیں اور جس حالت میں مریں گے اسی حالت میں قیامت کے دن اُٹھیں گے۔ یعنی قیامت کے دن اپنی صورتوں کی صفات پر اُٹھیں گے۔ جن پر اُن کی موت آئے گی۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ہر خیالے کو کند در دل وطن — روز محشر صورتے خواہد بدن

(۲) و آنکہ حشر حاسداں روز گزند — بے گماں بر صورت گرگاں کنند

(۳) حشر پر حرص وخس و مُردار خوار | صورتِ خوکاں بود روزِ شمار
(۴) زانیاں را گندہ اندام نہاں | خمر خواراں را ہمہ گندہ دہاں
(۵) سیرتے کاندرو جودت غالبست | ہم براں تصویر حشرت واجبست

(۱) وہ خیال جو صرف دل میں ہے کل قیامت میں ایک شکل میں ہوگا !
(۲) حاسدوں کا حشر یہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں ان کی شکل بھیڑیے کی ہوگی ۔
(۳) حرص و ہوا والوں کی شکل خنزیر سی ہوگی ۔ روزِ قیامت خنزیروں میں ہوں گے ۔
(۴) زانیوں کے جسم سے گندگی نکلے گی شرابخوروں کا منہ بدبودار ہوگا ۔
(۵) غرضیکہ جو خصلت کسی میں زائد ہے اسی صورت میں حشر میں ہونا لازم ہے ۔

تفسیر صوفیانہ : بعض صوفیاء کرام کا قول ہے کہ مائدہ سے معارف حقائق مراد ہیں۔ اس لئے کہ جیسے بدن کی غذا طعام ہے ایسے یہی روح کی غذا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت نے اُن حقائق کا مطالبہ تو کر دیا لیکن چونکہ وہ اُن کی گہرائی سے ناواقف تھے اسی لئے پورے نہ اُتر سکے۔ انہیں عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم ایمان کے بعد تقویٰ کا دامن پکڑو تو پھر تمہیں اُن کی گہرائی سے اطلاع نصیب ہو جائے گی لیکن وہ تقویٰ کے بغیر ہی اِن گہرائیوں کے درپے سوال جواب کرنے لگے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام بھی اُن کی طلب پر اللہ تعالیٰ سے سوال کر بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انزال حقائق آسان تو ہے لیکن اُس کا نتیجہ اور انجام اُن کے لئے بُرا نکلے گا۔ اس لئے کہ جس سالک کی استعداد کم ہو اور وہ اپنی استعداد کے خلاف اعلیٰ مقام کا مطالبہ کرے حالانکہ وہ اُس کا حامل نہ ہو تو وہ گمراہ ہو کر ہلاکت و تباہی کے گھاٹ اُترتا ہے۔

مجموعۃ الفوائد (۱) حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی وجہ سے مائدہ اُٹھا لیا گیا۔ تو کہا کہ ہمارے سے ہر وقت تو غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں نصیب ہوتی رہتی ہیں اور نزول مائدہ بھی ایک نعمت ہے۔ اس سے ہماری نافرمانی ہوئی تو کیا ہوا، لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ نزول مائدہ اللہ تعالیٰ کو صفات کی نعمتوں سے تعلق ہے اور دوسری نعمتوں کا نزول ذات سے ہے اور قاعدہ ہے کہ ذات میں تغیر و تبدل نہیں۔ البتہ صفات میں تغیر و تبدل ہوتا ہے کہ کبھی جمال کا ظہور ہو گیا تو کبھی جلال کا۔

فائدہ : چار عیدیں چار قوموں کو نصیب ہوئیں (۱) ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی عید کہ جب وہ عید کے لئے چلے گئے تو ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے بُت توڑ ڈالے۔

(۲) الزینۃ تھی اُن کی عید کی طرف اللہ تعالیٰ نے سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ "
(۳) عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کی عید اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا: رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ الآیۃ
(۴) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی تین عیدیں ہیں: ۱: ہر ہفتہ میں ایک عید یعنی یوم الجمعہ ۲: سال میں دو دفعہ عید آتی ہے یعنی عید الفطر ۳: عید الاضحیٰ اور ہر ہفتہ کی عید یعنی یوم الجمعہ میں نماز و عبادات ادا کی جاتی ہیں۔ اس لئے کہ دن اور رات میں اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں اور دُنیا کا چکر بھی ہفتہ پر گھومتا ہے۔ جب لوگ اپنے چکر کو پُورا کر لیتے ہیں تو اُس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے ایک عید کا دن مقرر فرمایا جسے یوم جمعہ کہتے ہیں اس میں ہفتہ کی عبادات کی تکمیل ہوتی ہے اور اس روز ہی تمام مخلوق کی تکمیل ہوئی تو پھر آدم علیہ السلام جمعہ کے دن پیدائش ہوئی اور اس روز ہی انہیں بہشت میں داخل فرمایا جائے گا اور اس دن ہی وہ بہشت سے نکالے گئے اور اسی پر ہی دُنیا کی انتہا ہوگی اور اس روز ہی قیامت قائم ہوگی۔ اسی لئے اِس دن کو سماع (ذکر قرآن) اور وعظ اور نماز کے لئے مقرر کیا گیا ہے اس لئے یہی عید کا دن مقرر ہُوا۔ **مسئلہ**: صرف جمعہ کا اکیلا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

فضائلِ جمعہ

(۱) جمعہ کی حاضری کو حج کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ اس کے چند وجوہ ہیں۔ مروی ہے کہ الجمعۃ حج المساکین (جمعہ مسکینوں کا حج ہے) حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا مجھے تو جمعہ کی نماز کی حاضری نفلی حج سے محبوب تر ہے (۲) جس قدر نماز جمعہ کے لئے پہلے پہنچے گا اسی قدر قربانی کا ثواب ملے گا (چنانچہ حدیث شریف میں ہے) (۳) ایک جمعہ سے دُوسرے جمعہ تک کے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ نماز جمعہ پر حاضر ہونا حج مبرور کی طرح ہے اس کے انسان کی زندگی بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (۴) جس کا جمعہ کا دن سلامتی سے گزر گیا تو ہفتہ بھر اُسے سلامتی و عافیت نصیب ہوگی۔ دو عیدیں سال بھر میں دو دفعہ تشریف لاتی ہیں۔

(۱) یعنی عید الفطر جو کہ روزہ کی تکمیل کے بعد منائی جاتی ہے اور روزہ اسلام کے ارکان سے تیسرا رکن ہے اور جب اہلِ اسلام اپنے روزوں کو مکمل کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے حقدار بنتے ہیں اور اُن کے لئے واجب ہو جاتا ہے کہ وہ انہیں دوزخ سے آزاد کیا جائے اور روزے کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے سابقہ گناہ دُھل جائیں اور جہنم سے آزادی نصیب ہو جائے۔

(۲) عید الاضحیٰ اسے بڑی عید کہا جاتا ہے۔ بلکہ یہ تمام عیدوں سے افضل ہے اور یہ حج کی تکمیل کے بعد نصیب ہوتی ہے اور حج ارکانِ اسلام سے چوتھا رکن ہے۔ جب اہلِ اسلام حج کی تکمیل کر لیتے ہیں تو انہیں مغفرت کا پیام نصیب ہوتا ہے اور حج کی تکمیل نویں ذوالحجہ کو ہوتی ہے اور نویں کے دن عرفات میں ٹھہرنا ایک بہت بڑی عبادت ہے اور حج کا یہی سب سے بڑا رکن ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ والوں کے دو بہت بڑے عید کے دن ہوتے ہیں جس میں وہ کھیلتے کودتے خوشیاں مناتے [illegible] آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دو بہت بڑے دن عطا فرمائے ہیں۔ جن کا مقابلہ اور کوئی دن نہیں [illegible] (۱) یوم الفطر (۲) یوم الاضحیٰ انہی ایام کو حضور سرورِ عالم کے زمانہ اقدس سے لے کر آج تک عید کا دن مانتے [illegible] ہے اس سے نہ کسی نے انکار کیا اور نہ انکار کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ یہی عید کے دن آنحضرت کی حاضری [illegible] یاد دہانی کراتے ہیں۔

فائدہ : بعض اہلِ دل فرماتے ہیں کہ دنیا میں مسلمان کا ہر وہ دن جو یوم عید تھا۔ آخرت میں بھی وہی دن اہلِ اسلام کے لئے عید کا دن مقرر کیا جائے گا اس لئے کہ اسی دن اہلِ اسلام اللہ تعالیٰ کی زیارت [illegible] جمع ہوں گے اور اس دن اللہ تعالیٰ تمام کو اپنے جلوۂ خاص سے نوازے گا۔ بہشت میں جمعہ کو یوم المزید کہا جائیگا [illegible] وہ اہلِ جمعہ یوم الفطر والاضحیٰ بھی اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لئے حاضر ہوں گے۔ یہ عوام کے عیدوں کے ایام ہوں گے۔ [illegible] ہر دن عید کا دن ہوگا۔ وہ ہر صبح و شام اللہ تعالیٰ کی زیارت سے سرشار ہوں گے اس لئے کہ ایام دُنیا کا [illegible] ان کے لئے یوم عید تھا تو آخرت میں بھی ان کا ہر دن یوم عید ہوگا اور اخص الخواص کا تو ہر لمحہ عید ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ : تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ الخ میں مائدہ سے اسرار و حقائق مراد ہیں جو آسمان عنایت سے اطعمہ ہدایت لے کر اُترتے ہیں وہ اہلِ حق اور [illegible] صدق کے لئے عید بنتے ہیں۔ پھر اہلِ حق کہتے ہیں کہ ان اسرار و حقائق سے ہم پہلے اور پچھلے نفوس کے لئے خوشیاں [illegible] اس لئے کہ اہلِ حق اپنے ہر سانس کو ضائع نہیں جانے دیتے۔ وہ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ہر سانس یادِ [illegible] نکلے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جائے تو یادِ خدا سے ہی حاضر ہو۔ اُن کے نزدیک یہی عید ہے اس طرح سے انہیں حضوریت [illegible] ہوتی ہے اور یہی وہ بلند مرتبہ ہے جو کسی خوش نصیب کو نصیب ہوتا ہے۔ پھر کیوں نہ وہ اُسے عید سے تعبیر کریں۔

صوفیاں در دو دمے دو عید کنند (صوفیہ ایک لمحہ میں دو عیدیں کرتے ہیں)

[illegible] میلاد النبی یوم عید میلاد النبی کو عید کہنا بہ بنائے عرف ہے شرعی اصطلاح مراد نہیں اور عرف میں خوشی کے دن کو کہا جاتا ہے [illegible] دوست عرصہ کے بعد ملے تو ہم کہتے ہیں کہ آج عید ہوگئی۔ قرآن مجید کی آیت ہذا میں عیسیٰ علیہ السلام کے دسترخوان کو عید کہا گیا ہے [illegible] شریف میں یوم الجمعہ کو عید کہا گیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ جب ان اشیاء کو شرعاً بہ بنائے عرف عید کہنا جائز ہے تو میلاد النبی صلی اللہ [illegible] وسلم کو عید کہنا بطریقِ اولیٰ جائز۔ لیکن جس کے دل میں کھوٹ ہے وہ نہیں مانے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فی قلوبہم مرض الا

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ
اور جب اللہ فرمائیگا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو اللہ کے سوا عرض

اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ
کرے گا پاکی ہے تجھے مجھے روا نہیں کہ وہ بات کہوں جو مجھے نہیں پہنچتی اگر میں نے ایسا کہا ہو تو

فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا
ضرور تجھے معلوم ہوگا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے بیشک تو ہی ہے

قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا
سب غیبوں کا خوب جاننے والا میں نے تو ان سے نہ کہا مگر وہی جو تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کو پوجو جو میرا بھی رب اور تمہارا بھی رب

مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
اور میں ان پر مطلع تھا جب تک میں ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا اور ہر چیز تیرے سامنے

شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾
حاضر ہے۔ اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخشدے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ
والا اللہ نے فرمایا کہ یہ ہے وہ دن جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ
ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہ ہے

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾
بڑی کامیابی اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کی سلطنت اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

تفسیر عالمانہ

۳۴۷ ۵ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ،، اے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو عیسیٰ علیہ السلام کا وہ وقت یاد دلاؤ۔ جب اللہ قیامت میں انہیں برسر میدان کھڑا کر کے اُن کے پجاریوں کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمائے گا۔ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ ،، یہ اتَّخِذُوْا کا مفعول ثانی ہے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ یہ اتخذوا سے حال ہے۔ یعنی کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ۔ اِتَّخِذُوْنِيْ بمعنی صیرونی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت و معبودیت سے تجاوز کر کے مجھے اور میری والدہ کو معبود بناؤ۔ اُن کے معبود بنانے سے مُراد انہیں اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں شریک ٹھہرانا مُراد ہے، چنانچہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا

بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں کوئی ایسا نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی نفی کرکے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا قائل ہو۔

فائدہ : چونکہ اس کلام سے نفسِ قول کی نفی مقصود نہیں بلکہ اس سے ایسے عقیدے رکھنے والوں کی زجر و توبیخ مطلوب ہے (اس لئے کہ مبتدا پر حرفِ استفہام لایا گیا ہے) اور نہ ہی عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا اس لئے کہ ان کے ایسے قول کی نفی ثابت ہوتی ہے۔

فائدہ : حضرت مولانا ابوسعید رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کلام کا مقصد یہ نہیں کہ یہ قول متعین ہے اور پھر اس کے قائل کو متعین کرنے کے لئے استفہام لایا گیا ہے جیسا کہ ہمزہ استفہام کا مبتدا پر لانے سے ظاہر ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ انہیں کافروں نے کہا ءَ اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا اس طرح کے اور بھی نظائر و شواہد ہیں بلکہ اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ ان کا عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو معبود بنانا تو یقینی تھا پھر ہمزہ استفہام سے یہ تعیین کرنا کہ اس کا حکم انہیں عیسیٰ علیہ السلام نے دیا۔ انہوں نے از خود یہ عقیدہ گھڑا تھا۔ جیسے قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے۔ اللہ تعالیٰ بتوں سے فرمائے گا ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ ‏« (کیا تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا یا وہ خود گمراہ ہوگئے)

تفسیر صوفیانہ : تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ نحوی قاعدہ ہے کہ استفہام میں اثبات کے بعد نفی ہوتی ہے اور نفی کے بعد اثبات (جیسے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا معنیٰ ہے اَنَا رَبُّكُمْ) اور اثبات میں نفی کا احتمال (جیسے ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ۔ اس کا معنیٰ ہے لَيْسَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهٌ) اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام تم نے نہیں فرمایا کہ اے لوگو تم مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ بلکہ انہوں نے جہالت کی وجہ سے تعظیم کو مبالغہ اور مدح میں حد سے بڑھ کر تمہیں اور تیری ماں کو معبود بنالیا اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے حد سے نہ بڑھاؤ جیسے عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو حد سے بڑھایا۔

سوال : جب اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو ایسا نہیں فرمایا تھا تو پھر ان سے سوال کیوں (**جواب**) تاکہ ان کی امت کو زجر و توبیخ ہو اور لوگوں کو معلوم ہو کہ ایسا عقیدہ رکھنا بہت بڑا جرم ہے۔

فائدہ : ابوروق فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہی سوال کرے گا تو اس خطاب سے عیسیٰ علیہ السلام لرزنے لگیں گے اور آپ کے ہر بن بال سے خون جاری ہو جائے گا۔

فائدہ : اگرچہ بظاہر یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہوگا، لیکن درحقیقت یہ خطاب امت سے ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ قیامت میں کفار سے نہ کلام فرمائیگا اور نہ انہیں دیکھے گا۔

تفسیر عالمانہ : قَالَ ‏« یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب فرمائے گا تو عیسیٰ علیہ السلام کیا جواب دیں گے اس کے جواب میں فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام عرض

کریں گے سُبْحٰنَكَ ،، سُبحن تسبیح کا علم ہے یعنی اے اللہ تعالیٰ تیری تنزیہ بیان کرتا ہوں اور میں اُس سے کوسوں دُور ہوں کہ ایسا کہوں یا میں ڈرتا ہوں کہ میں تیرے حق میں ایسی بات کہوں مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ میرے لائق نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق حاصل نہیں۔ اِنْ کُنْتُ قُلْتُهٗ ،، اگر یہ بات میں نے کہی ہوگی فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ،، تو تُو اسے جانتا ہے اور مجھے یہ مقدور بھی کہاں کہ میں ایسی بات کہوں۔ ہاں تو ہی میرے اندر ایسی بات پیدا کر دے تو قادر ہے پھر میرے سے ایسے قول کا صدور ممکن ہے اور تو مجھے جانتا ہے۔ جب تیرے علم میں نہیں تو اس کا صدور بھی نہیں۔ یہاں پر عیسیٰ علیہ السلام کے علم کی نفی کر کے صدور کی نفی فرمائی اس لئے کہ لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے۔ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ ،،میرے اندر کا راز تو جانتا ہے۔ جیسے میرے ظاہر کا تجھے علم ہے وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ اور میں وہ نہیں جانتا جو تیرے مخفی معلومات میں ہے۔

سوال : اللہ تعالیٰ کے مخفی معلومات کو نفسک سے کیوں تعبیر فرمایا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے اس لئے کہ نفس کے اندر جو معلومات مخفی ہوتے ہیں اُن کی صُورتیں مرتسمہ ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے صُور مرتسمہ ثابت کرنا محال ہے اس لئے کہ اس کا علم حضوری ہے۔

جواب : لفظ نفسی کی مناسبت سے مجازاً ایسے ہی کہا گیا ہے۔ ورنہ بات وہی حق ہے جو سوال میں ہے اور مجازات کا دائرہ وسیع ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝ بے شک تم ہی مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم رکھتے ہو مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ ﴿۳۵﴾

ربط : جس کے متعلق عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہُوا۔ اب اُس کی واضح تصریح کرتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ جو کچھ تو نے مجھے فرمایا میں نے انہیں صرف وہ کہا۔ اگرچہ یہی جواب اُنھوں نے پہلے عرض کر دیا تھا، لیکن وہ دلالۃً تھا۔ اب اسے صراحۃً کہہ دیا۔

سوال : عیسیٰ علیہ السلام نے صرف مَا قُلْتُ لَهُمْ کیوں نہ کہا۔

جواب : ادب کو ملحوظ رکھ کر اور پھر جو کچھ سوال میں اُن سے کہا گیا اُس کی رعایت کر کے اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ کا اضافہ فرمایا۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ ،، اور یہ بہٖ کی ضمیر کی تفسیر ہے اور اَمَرْتَ بمعنی قُلْتَ سے۔ اسے مَا اَمَرْتَنِیْ کی تفسیر میں نہیں بتایا جاسکتا اس لئے کہ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ الخ مَا قُلْتُ لَهُمْ کا مفعول بہ ہے۔ اصل عبارت یُوں ہوگی اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖ بلفظ قولك اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ الخ یعنی میں نے انہیں وہی کہا تھا جو کچھ تیرا حکم تھا۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو وہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ وَکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا ،، اور میں اُن پر نگران رہا۔ یعنی اُن کے احوال کی نگہداشت کرتا اور تیرے حکم کے مطابق انہیں چلاتا اور تیری مخالفت سے روکتا رہا۔ یا یہ کہ میں اُن کے کفر و ایمان کا مشاہدہ کرتا رہا۔ مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ،، جب تک کہ میں اُن میں رہا۔ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ ،، پھر تو نے مجھے اُن سے

لک آسمان پر اُٹھا لیا کُنتَ اَنتَ الرَّقِیبَ عَلَیھِم ،، صرف تو ہی اُن کے اعمال کا نگہبان ہُوا اور
حفاظت صرف تیرے سپرد ہُوئی جس کے لئے تو چاہتا تو اپنی نافرمانی سے اسے بچا لیتا اور اُسے اِن دلائل کی
رہبری فرماتا جو اُسے تیری نافرمانی سے بچاؤ نصیب ہو جاتا اور رسُول بھیج کر یا آیات نازل فرما کر اسے
بچا دیتا۔ پھر جو گمراہ ہوا اُسے کی اپنی بدقسمتی اور غلط باتیں کیں تو اُس کی اپنی شومئی قسمت۔

وَاَنتَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ شَھِیدٌ ۝ اور تو ہر شئی کو جانتا اور نگرانی کرتا ہے۔ لفظ عَلٰی شہید کے متعلق
ہے آیات کے فاصلہ کی وجہ سے عَلٰی کو اپنے عامل پر مقدم کیا گیا۔

۝ اِن تُعَذِّبھُم فَاِنَّھُم عِبَادُكَ ۚ اگر ان کو عذاب میں مُبتلا کرو تو وہ تیرے بندے ہیں۔ تجھ پر
کسی قسم کا اعتراض نہیں۔ اس لئے کہ تو ہی مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے کرے اس میں تنبیہ
ہے کہ وہ عذاب کے مستحق ضرور تھے اس لئے کہ اُنھوں نے غیر اللہ کی پرستش کی۔ وَاِن تَغفِر لَھُم فَاِنَّكَ
اَنتَ العَزِیزُ الحَکِیمُ ۝ اور اگر تو انہیں بخش دے تو تُو ثواب و عقاب دینے پر قدرت رکھتا ہے اور تیرے
سوا کوئی ثواب دینے والا ہے اور نہ عذاب دینے والا۔ تیرا ثواب دُنیا میں بھی حکمت ہے اور عذاب دینا بھی
حکمت۔ البتہ مجرم کو معاف کر دینا مستحسن ہے لیکن تو عذاب دے گا تو بھی عدل ہو گا اور اگر معاف فرما دے تو تیرا فضل ہے۔

سوال : مشرک کی مغفرت تو بحسب الوجود قطعی الانتفاء ہے۔ یعنی اس کی مغفرت قطعاً ممتنع ہے اور اسے
عذاب دینا قطعی الوجود پھر اُس کے لئے حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے لفظ اِن کیوں استعمال فرمایا ہے اس لئے کہ اِن کا تقاضا
ہے کہ اس کے دونوں جانب یعنی وجود و عدم جائز اور محتمل الوقوع ہوں۔ حالانکہ مشرک کے لئے مغفرت کا وجود ہی نہیں۔

جواب ۱ : اگرچہ مشرک کے لئے مغفرت بحسب الوجود قطعی الانتفاء ہے لیکن عقلاً تو جائز الوجود ہے اس بناء
پر کلمہ اِن کا استعمال صحیح ہُوا کہ اُس کی مغفرت امکان ذاتی اور جواز عقلی پر مبنی ہے۔

جواب ۲ : بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ لفظ اِن کا استعمال دو فرقوں کی وجہ سے ہے کہ اگر کافروں کو عذاب
دے تو وہ اس لائق ہیں اور مومنوں کو ثواب عنایت فرمائے تو وہ اس کے مستحق ہیں۔

حدیث شریف : مروی ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو حضور سرور عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم یہی آیت پڑھتے
پڑھتے کئی راتیں آنکھوں پر کاٹ دیتے کبھی بحالتِ قیام پڑھتے کبھی قعدہ میں اور کبھی
سجدے میں اور فرماتے اُمتی اُمتی یا رَب ،، اے اللہ میری اُمت کی خیر۔ پھر رونے لگ جاتے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام
آسمان سے اُترے اور کہا اے نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم آپ کو اللہ تعالیٰ سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں آپ کو آپ کی
اُمت کے بارے میں راضی کروں گا۔ آپ کو اُس کے متعلق ملال میں نہ ڈالوں گا۔

۝ قَالَ اللّٰہُ ،، قیامت میں جب عیسٰی علیہ السلام مذکورہ بالا معروض پیش کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تاکہ
ان کی صداقت کی گواہی ہو جائے۔ جیسا کہ اس آیت میں الصّٰدقین کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ وہ بھی اِن صادقین میں

داخل ہیں۔ هٰذَا ،، اس سے قیامت کا دن مراد ہے ۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر یہ ہے یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ،، آج سچوں کو اُن کا سچ فائدہ دے گا ۔

مسئلہ : اس سے وہ صدق مراد ہے جو دُنیا میں بولا گیا ۔ اس لئے کہ دُنیا ہی دار التکلیف تھی ورنہ آخرت میں تو مجرم کو مجرم کا اعتراف کوئی فائدہ نہ دے گا اور نہ ہی اس وقت کا صدق نفع پہنچائے گا ۔

مسئلہ : اس صدق سے ہر صدق مراد نہیں ۔بلکہ وہ جو دینی امور سے متعلق ہو ۔جس کی سرتاج توحید ہے اسی طرح وہ احکام و شرائع جو توحید و اسلام و دین سے متعلق ہیں

فائدہ : الصّٰدقین سے رُسل کرام مراد ہیں جن کا زندگی بھر صدق سے کام رہا اور داعی الی اللہ رہے ۔ اسی طرح اُن کے ساتھ صحیح عقیدہ رکھنے والے اور اُن کی اتباع میں زندگی بسر کرنے والے لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ط اُن کے لئے باغات ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے ۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے ۔سوال یہ ہے کہ صادق کو کیسے نفع نصیب ہوگا تو اُس کے جواب میں فرمایا کہ انہیں دائمی نعمتیں اور ہمیشہ کا ثواب نصیب ہوگا ۔ اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے جسے یہ نصیب ہو جائے ۔ اَبَدًا ،، یہ خلود کی تاکید ہے جس کا فارسی میں ترجمہ ہے ۔ زمان بود ایشاں نہایت ندارد ،، یعنی اُن کی دائمی زندگی غیر منتہی ہوگی ۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ،، اللہ تعالیٰ اُن کی طاعت سے راضی ہوا ۔ وَرَضُوْا عَنْهُ ط اور وہ اللہ تعالیٰ سے کرامات سے راضی ہوئے ۔ رضوان جنات پر ایک مزید فیض و فضل نصیب ہوگا کہ جس کے بعد اور کسی فیض و فضل کی ضرورت نہ ہوگی ۔ اسی لئے فرمایا ذٰلِكَ ،، وہی رضوان حاصل کرنا ۔

اَلْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ بہت بڑی کامیابی ہے ۔ یعنی نجات اور حقیقی فوز بھی یہی ہے کہ انسان اپنے مقصود کو حاصل کرے ۔ فوز کو عظمت سے موصوف کرنے میں بھی یہی نکتہ ہے کہ جس مطلوب سے فوز کو تعلق ہے وہ بہت بڑی عظمت والا ہے یعنی خوشنودیٔ حق کہ اس کے سوا مومن کا اور کوئی مطلوب و مقصود نہیں ۔

○۳۸ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ ،، اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہے ۔ آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے اندر ہے ۔ اس میں حق کی تحقیق اور نصاریٰ کی تکذیب مطلوب ہے اور بتایا گیا ہے کہ اُنھوں نے جو عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ کے متعلق عقیدہ گھڑ لیا تھا ۔ سراسر غلط تھا اور حق کا بُطلان اس لئے کہ معبود برحق تو وہ ہے تو آسمان و زمین اور ان کے اندر جتنا عُقلاء و غیر عُقلاء ہیں اسی کی مِلک ہیں ۔ وہی اُن کا حقیقی مالک ہے کہ جس طرح ان میں تصرف کرنا چاہتا ہے کرتا ہے ۔ انہیں پیدا کرے مٹائے فنا کر دے زندہ رکھے ۔ انہیں مارے یا روکے ان میں کسی کو کسی قسم کا دخل نہیں وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ اور وہ ہر شئے پر بہت بڑی قدرت رکھتا ہے نہ اُسے عجز لاحق ہوتا اور نہ عجز اور وہ مقدس اور برکت والا بلند و بالا ہے ۔

(۱) نیست خلقش را دگر کس مالکے شرکتش دعویٰ کند چوں ما بکے

واحد اندر ملک او را یار نے بندگانش را جز او سالار نے

(۱) اس کی مخلوق کا کوئی اور مالک نہیں تباہ ہے وہ جو اس کے ساتھ شرکت کا دعویٰ کرتا ہے۔
(۲) وہ واحد ہے اس کے ملک میں اس کا کوئی مددگار نہیں اس کے بندوں کا اس کے سوا کوئی سردار نہیں۔

فائدہ: آیت سے صراحۃً ثابت ہوا کہ قیامت میں صرف سچائی فائدہ دے گی نہ کذب نہ ریاء ان سے کسی طرح بھی نفع کی اُمید نہ رکھنی چاہیئے ؎

دلا دلالت خیرت کنم براہِ نجات مکن بفسق مباہات و زہد ہم مفروش

اے دل میں تیری دلالت خیر کرتا ہوں۔ فسق پر فخر نہ کر اور زہد بھی نہ بیچ۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ سچائی کے لئے جدوجہد کرے اس لئے کہ ایمان کے بعد سچائی احسان کی راہ دکھاتی ہے بلکہ ایمان نہ ہو تو بھی حاصل کرا دیتی ہے۔

حکایت: حضرت ابراہیم خواص قدس سرہ کی عادت تھی کہ جب وہ کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو بلا اطلاع چلے جاتے۔ کسی کو کچھ نہ بتاتے اور نہ اُس کے متعلق کسی قسم کا ذکر فرماتے۔ اُن کا ایک لوٹا اٹھا کر چل پڑتے۔ حضرت حامد اسود مرحوم فرماتے ہیں کہ ایک دن اُنھوں نے اچانک اپنا لوٹا اُٹھایا اور چل پڑے ان کے پیچھے ہو لیا۔ جب شہر قادسیہ میں پہنچے مجھے دیکھ کر فرمایا حامد کہاں کا ارادہ ہے۔ میں نے عرض کی جہاں جائیں گے۔ اُنھوں نے فرمایا میرا ارادہ مکہ معظمہ جانے کا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ مکہ معظمہ ۔ چند روز ہم چلتے رہے۔ اس سفر میں ہمارے ساتھ ایک نوجوان بھی چل پڑا۔ ہمارے ساتھ اُس نے کامل دن لیکن اُس نے نماز نہ پڑھی۔ میں نے حضرت ابراہیم خواص سے عرض کی یا حضرت یہ نوجوان نماز نہیں پڑھتا۔ نے اُسے بُلوا کر اسے فرمایا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے اور حج کرنے جا رہے ہو، حالانکہ نماز تو حج سے زیادہ فضیلت ہے۔ اُس نے کہا یا حضرت مجھ پر نماز فرض نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تو مسلمان نہیں۔ اُس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا ن ہو اُس نے کہا میں نصرانی ہوں۔ مجھے توکل پر گھمنڈ تھا۔ اس لئے میں اپنے نفس کو آزمانے کے لئے گھر سے باہر ا ہوں اور جنگلوں میں گھوم رہا ہوں کہ میں اپنے آپ کو آزماؤں کہ کیا یقیناً مجھ میں صحیح توکل ہے یا نہ اس کی سُن کر حضرت ابراہیم خواص چل پڑے اور مجھے فرمایا اسے کچھ نہ کہو۔ ہم چلتے رہے وہ بھی ہمارے ساتھ چلتا یہاں تک کہ ہم مرو میں پہنچے۔ وہاں حضرت ابراہیم خواص نے اپنے کپڑے دھوئے اور بعد فراغت اس نوجوان پوچھا تیرا کیا نام ہے۔ عرض کی "عبدالمسیح" آپ نے فرمایا اے عبدالمسیح یہ مکہ معظمہ ہے اس کے حرم کے میں داخل نہ ہونا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے جیسے کافروں کو اُس کے اندر داخل ہونے سے روکا ہے؛ فرمایا: اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ، فلہٰذا اس میں داخل نہ ہونا۔ ورنہ تیرے لئے پریشانی ہوگی۔ اس لئے کہ تم اندر آؤ گے تو ہم سے رہا نہ جائیگا۔ ہم بتا دیں گے یہ نصرانی

ہے پھر تجھے مار پڑے گی، چنانچہ وہ حضرت ابراہیم کے کہنے پر رُک گیا۔ حضرت حامد فرماتے ہیں کہ اُسے چھوڑ کر ہم حرم شریف کے اندر داخل ہو گئے۔ مناسک ادا کر کے ہم عرفات کو چلے گئے۔ ہم ایک جگہ بیٹھے تھے کہ وہی عبدالمسیح احرام باندھے ہوئے عرفات میں ہماری تلاش کے لئے اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔ حضرت ابراہیم کو دیکھ کر دوڑا اور آکر قدموں پر گر گیا اور آپ کے سر مبارک کو چوما۔ آپ نے اُس سے پوچھا۔ اے عبدالمسیح کیا ماجرا ہے اُس نے عرض کی حضرت اب میں عبدالمسیح نہیں ہوں بلکہ اب میں اُس کا بندہ ہوں جس کے عبد حضرت مسیح ہیں۔ یعنی میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا کس طرح۔ عرض کی جب آپ نے مجھے چھوڑا تو آپ کے بعد ایک قافلہ تشریف لایا اور مکہ معظمہ کے حرم میں داخل ہونے لگا۔ میں نے اپنے آپ کو ملامت کی کہ یہ سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کے گھر جا رہے ہیں اور تو اتنا بد قسمت ہے کہ تیرے لئے اللہ تعالیٰ کے گھر کا داخلہ بند ہے۔ میں اُٹھ کھڑا ہوا اور احرام باندھ کر حرم میں داخل ہوا تو میری نگاہ جونہی کعبہ معظمہ پر پڑی تو دل کی دُنیا بدل گئی۔ اس وقت سوائے دین اسلام کے باقی تمام دین مجھے ناپسند نظر آئے۔ میں پکا سچا مسلمان ہو گیا اور غسل کر کے احرام باندھا۔ آپ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا بالآخر آپ کو پا لیا۔

حضرت حامد فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ دیکھئے سچائی کتنا فائدہ پہنچاتی ہے۔ اگرچہ نصرانی تھا لیکن اپنی نصرانیت نہ چھپائی اور سچ بولا تو اسے دولتِ اسلام نصیب ہو گئی۔ پھر وہ نوجوان ہمارے ہاں کچھ دیر ٹھہرا اُس کا اللہ والوں کے سامنے انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

سلام علی السادات من کل صادق ... سلام علی ذی الوجد من کل عاشق
سلامٌ علی ذی الصحو من سکر غفلۃ ... سلام علی الناجین من کل کلفۃ
سلام علی من مات قبل موتہٖ ... سلام علی من مات قبل موتہٖ

ترجمہ : ہر سچے انسان سے سادات اولیاء کرام پر سلام ہوں اور اس پر سلام جو ذی وجد ہے۔ ہر عاشق سے نشۂ غفلت سے بچنے والے۔ ہر ذی ہوش پر سلام ہوں اور ہر دُکھ سے نجات پانے والے پر بھی سلام ہوں جو اپنی موت سے پہلے مرا اور اس پر سلام ہوں جو فوت ہونے سے پہلے فوت ہُوا۔

اے اللہ ہمیں نجات پانے والوں سے بنا اس لئے کہ ہم محتاجوں سے ہیں (آمین یا معینُ)

سُورۂ مائدہ مع فوائد کے ختم ہوئی۔ الحمد للہ علی نعمہ المتواترہ والصلوٰۃ علی رسولہ والہ صلوۃ متکاثرہ

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کی تفسیر سے فراغت ۲۔ محرم ۱۱۱۱ھ میں ہُوئی۔ اس کے بعد سُورۂ انعام کا آغاز ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

فقیر قادری ابُو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ نے سُورۂ مائدہ کی تفسیر ہذا کے ترجمہ کو ۲۲ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ شب چہار شنبہ تقریباً ایک بجے ختم کیا۔ اس کریم ورحیم سے التجا ہے کہ بطفیل حبیب کبریا رؤف رحیم علیہ افضل الصلوۃ و اکمل التسلیم مکمل طور اس تفسیر کے ترجمہ کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ١٦٥ رُكُوْعَاتُهَا ٢٠

سورۂ انعام مکی ہے اور اس میں اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان رحم والا ایک سو پینسٹھ ١٦٥ آیتیں اور بیس رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ

سب خوبیاں اللہ کو جس نے آسمان اور زمین بنائے اور اندھیریاں اور روشنی پیدا کی اس

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝١ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰى

پر کافر لوگ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک میعاد کا

اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝٢ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي

حکم رکھا اور ایک مقررہ وعدہ اس کے یہاں ہے پھر تم لوگ شک کرتے ہو اور وہی اللہ ہے آسمانوں اور زمین کا

الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝٣ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ

اسے تمہارا چھپا اور ظاہر سب معلوم ہے اور تمہارے کام جانتا ہے اور ان کے پاس کوئی بھی نشانی اپنے رب

اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝٤ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ

کی نشانیوں سے نہیں آتی مگر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں تو بے شک انہوں نے حق کو جھٹلایا جب ان کے پاس آیا

يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٥ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ

تو اب انہیں خبر ہوا چاہتی ہے اس چیز کی جس پر ہنس رہے تھے کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی

مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪

سنگتیں کھپا دیں انہیں ہم نے زمین میں وہ جماؤ دیا جو تم کو نہ دیا اور ان پر موسلادھار پانی بھیجا

وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ

اور ان کے نیچے نہریں بہائیں تو انہیں ہم نے ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کیا اور ان کے بعد اور سنگت

قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝٦ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ

اٹھائی اور اگر ہم تم پر کاغذ میں کچھ لکھا ہوا اتارتے کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھوتے جب

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ

بھی کافر کہتے کہ یہ نہیں مگر کھلا جادو اور بولے ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا اور

اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝٨ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا

اگر ہم فرشتہ اتارتے تو کام تمام ہو گیا ہوتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی اور اگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے جب بھی اسے مرد ہی

وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝٩ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ

بناتے اور ان پر وہی شبہ رکھتے جس میں اب پڑے ہیں اور ضرور اے محبوب تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ٹھٹھا کیا گیا تو وہ جو ان

بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ۠ ﴿۱۰﴾
سے ہنستے تھے ان کی ہنسی انہیں کو لے بیٹھی

بقیہ صفحہ ۴۳۲

اس کی نظر ثانی سے ۱۰ المحرم ۱۴۰۶ھ بروز جمعرات ساڑھے بارہ بجے شہر خان بیلہ میں بہ تقریب جلسہ فراغت ہوئی۔ (الحمد للہ علی ذالک) وصلی اللہ علی حبیبہ الاکرم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین!

انا الفقیر قادری محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ ۱۴۰۶-۱-۱۰ مطابق ۸۵-۹-۲۶ بروز جمعرات

سُورۃ انعام مکیہ ہے۔ اُس کی ایک سو پینسٹھ یا سرسٹھ یا ترسٹھ آیات ہیں صرف "قل تعالوا" الآیۃ مدنیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے فضل وکرم سے اس کے اتمام کی توفیق عطا فرمائے۔ وہی قاضی الحاجات ہے (آمین)

فضائل سُورۂ انعام

(۱) سُورہ انعام یک بارگی رات کے وقت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس کے نزول کے وقت ستر ہزار فرشتے تسبیح وتحمید وتمجید پڑھتے ہوئے نازل ہوئے۔ اُن کی کثرت سے مشرق ومغرب تک کی زمین لرز گئی اور حضور نبی پاک سُبحان ربی العظیم کہتے ہوئے سجدہ ریز ہوئے (۲) مروی ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرتا ہے تو اس کے لئے ایک رات دن ستر ہزار فرشتے رحمت کی دُعا مانگتے ہیں۔

(فائدہ) جب یہ سُورۃ نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اسی رات اسے لکھ لینے کا حکم فرمایا۔

(۳) حضور علیہ السلام سے مرفوعاً مروی ہے کہ جو شخص سُورہ ہٰذا کے اوّل سے تین آیات (تکسبون) ہر صبح کو پڑھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی حفاظت کے لئے ستر ہزار فرشتہ بھیجتا ہے اور قیامت تک اُن کی تعداد کے مطابق اس کے اعمالنامہ میں اجر وثواب لکھ لیا جاتا ہے اور خصوصی طور ایک فرشتہ ساتویں آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ اس کے

ہاتھ میں ایک چابک ہوتا ہے۔ جب کوئی شیطان اس شخص کے قریب آتا ہے تو اُسے مار بھگاتا ہے پھر اُس کے اور شیطان کے درمیان ستر ہزار پردے لٹکا دیتا ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس بندے سے فرمائیگا اے ابن آدم آج میرے سایۂ رحمت تلے چلا رہ اور بہشت سے جو مرضی آئے پھل کھا اور حوضِ کوثر سے پانی پی اور سلسبیل کے پانی سے غسل کر تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔ آج تیرے لئے نہ حساب نہ عذاب (رواہ الواحدی فی الوسیط)

۵ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ،، الحمد میں الف لام استغراق الجنس کا ہے اور لِلّٰہ میں اختصاص کا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا ہے۔ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ،، اُن کے غلط عقیدہ (بتوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر کا شریک بنانے) کا رد کر کے واضح فرمایا کہ ہر عبادت (منجملہ اس کے حمد بھی ہے) میں مقصود بالذات اللہ تعالیٰ ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الحمد کی لام تملیک کی ہے۔ یعنی ہر وہ حمد جو اہل السمٰوٰت والارض دُنیا و آخرت میں بجالاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ملک ہے یعنی اس ذات کی حمد کرتے ہیں۔ جس نے انہیں حمد کرنے کی استعداد و استطاعت کے مطابق اُن پر قدرتِ الٰہیہ کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ مخلوق کی حمد اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اور فانی ہے اور وہ جو اُس نے اپنی حمد خود فرمائی ہے وہ قدیم اور باقی ہے۔

سوال : کیا منعم کا شکر واجب نہیں جیسے استاذ کی تعلیم پر شاگرد کا شاکر ہونا اور سلطان کے عدل و انصاف پر شکر گزار ہونا اور محسن کے احسان پر شکر کرنا وغیرہ وغیرہ۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ" جس نے انسانوں کا شکریہ نہ کیا۔ اُس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر نہ کیا۔ پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ تمام محامد صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

جواب : کسی محسن و منعم کے انعام و احسان پر حمد و شکر یا اُس کی تعظیم بجالانا صرف اس لئے ہے کہ وہ اس نعمت کا سبب اور وسیلہ ہے ورنہ درحقیقت وہ حمد و شکر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کہ اگر وہ اس نعمت کو پیدا نہ فرماتا یا اُس محسن و منعم کے دل میں احسان و انعام کا خیال نہ ڈالتا تو وہ کسی پر انعام و احسان کرتا ہی نہ اس بنا پر منعم و محسن صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بس جب منعم و محسن صرف وہی ہے تو حمد و شکر کا مستحق بھی اس کے سوا اور کوئی نہیں (نکتہ) حمد کو ایسے اسم سے متعلق کرنا کہ وہ جامع لجمیع الصفات ہے۔ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ حمد کا مستحق ہونا اُس کا ذاتی ہے کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے۔

لطیفہ : امام بغوی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی حمد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی حمد کی تعلیم دیتا ہے کہ اس کی حمد کرو۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) چونکہ آن خلاق شکر و حمد جوست — آدمی را مدح جوئی نیز خوست
(۲) خاصۂ مرد حق کہ در فضلست جست — پر شود زاں باد چوں خیک درست
(۳) ورنہ نباشد اہل زاں باد دروغ — خیک بدریست کے باشد فروغ

ترجمہ (۱) چونکہ وہ خالق حمد و شکر کا طالب ہے اسی لئے آدمی بھی مدح کا جویاں ہے
(۲) مرد حق کا خاصہ ہے کہ وہ فضل کی جستجو میں ہے وہ اس سے خیک کی طرح پُر ہو جاتا ہے۔
(۳) اگر اس کا اہل نہ ہو تو ہوا مصنوعی سے خیک کب رونق پائے گا۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰت ،، جس نے آسمانوں (اور جو کچھ ان میں ہے جیسے سُورج، چاند، ستارے) کو پیدا فرمایا وَالْاَرْضَ ،، اور زمینوں (اور جو کچھ اس میں ہے جیسے جنگل، دریا، ریت، پہاڑ، انگوریاں اور درخت) کو۔

فائدہ : آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے اور زمینوں (اور جو ان میں ہے) کو دو دنوں (منگل، بدھ) میں پیدا فرمایا۔

نکتہ : حمد کو تخلیق سے متعلق کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے افعال اور نعمتوں کی وجہ سے بھی حمد کا مستحق ہے۔

سوال : تخلیق کے بیان میں صرف آسمان و زمین کی تخصیص کیوں حالانکہ وہ اُن کے ماسواء باقی اشیاء کا بھی خالق ہے۔

جواب ۱ : چونکہ انسان کی نظر میں یہی اعظم المخلوقات ہیں۔ بنا بریں اس کی تخصیص کی گئی۔ تاکہ انسان کو نصیحت حاصل ہو کہ وہ صرف اس بڑی مخلوق کے خالق کے سامنے سر جھکائے۔

جواب ۲ : چونکہ انسان اپنے منافع کے حصول کے درپے رہتا ہے اور ان میں اس کے منافع متعلق ہیں جب وہ سمجھے گا کہ میرے منافع انہی میں ہیں اور اُن کا خالق وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ فلہٰذا صرف اُسی کی عبادت کی جائے۔

جواب ۳ : ان میں انسان کو عبرت حاصل کرنے کا موقعہ بھی آسانی سے میسر آتا ہے۔ بنا بریں تخلیق میں انہی کی تخصیص کی گئی۔

سوال : آسمانوں کو جمع اور زمین کو واحد کیوں لایا گیا ہے، حالانکہ زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہیں۔

جواب : آسمانوں کے طبقات بالذات مختلف اور اُن کے آثار اور حرکات بھی متفرق ہیں بخلاف زمین کے طبقات کے کہ ان میں کسی قسم کا تفاوت نہیں۔

فائدہ : ہر دو آسمانوں کے درمیانی مسافت پانچ سو سال کی ہے۔ پہلا آسمان موج مکفوف ہے۔ ایک دوسری سے متصادم کہ اُس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو سیلان سے روکتا ہے دُوسرا آسمان سفید مرمر کا ہے۔ تیسرا لوہے کا چوتھا قلعی یا تانبے کا۔ پانچواں چاندی کا۔ چھٹا سونے کا۔ ساتواں سُرخ یاقوت کا اور زمین کے تمام

طبقات صرف مٹی کے ہیں اور بس۔

مسئلہ : اکثر علماء کا مذہب یہی ہے کہ زمین آسمان سے افضل ہے اس لئے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام زمین سے پیدا ہوئے اور اس پر عبادت کرتے رہے اور اسی میں مدفون ہیں۔ نیز زمین دار الخلافہ اور مزرعۃ الآخرۃ (آخرت کی کھیتی) ہے

مسئلہ : تمام زمین سے افضل مدینہ منورہ میں روضہ اقدس کا وہ حصہ ہے جس سے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس متصل ہے اس لئے کہ مٹی کا جزو اصلی وہی ہے جو روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر آرام فرما ہے۔

مسئلہ : اس کے بعد مکہ معظمہ کا حرم شریف۔ پھر بیت المقدس (شام کی فضیلت اس میں شامل ہے) پھر کوفہ جسے حرم رابع کہا جاتا ہے اور بغداد شریف اس میں شامل ہے۔

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ط اور تاریکیوں اور نور کو پیدا فرمایا۔ اَلْجَعْل بمعنے الانشاء والابداء ہے۔

فائدہ : اَلْجَعْل وَالْخَلْق ،، میں فرق ہے۔ اس لئے کہ الخلق امور تکوینیہ سے مخصوص ہے اور الجعل التقدیر والتسویۃ کے معنی میں آتا ہے لیکن اس آیت میں اَلْخَلْق کے معنی میں ہے یعنی اُمُور تکوینیہ کے لئے بھی الجعل مستعمل ہوتا ہے اور اُمُور تشریعیہ کے لئے بھی۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَائِبَۃٍ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے بحیرہ وسائبہ وغیرہ کو مشروع نہیں فرمایا۔

سوال : اَلظُّلُمٰت ،، کو جمع اور النور کو واحد کیوں لایا گیا ہے۔

جواب : ظلمت کے اسباب کی کثرت کی وجہ سے نورانی اور ظلمانی اشیاء کے درمیان جہاں تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ یہی حائل متعددہ اشیاء سب کے سب ظلمت کے اسباب ہیں اور یہ حائل ہونا اجرام متخللہ کی کثرت سے کثیر ہوتا ہے۔ بخلاف نور کے کہ اس کا سبب صرف نار ہے یہاں تک کہ ستارے منور ہیں تو بھی اپنی ناریت کی وجہ سے اور کواکب اجرام ناریہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چنگاری ستارے کی ناریت سے خارج ہوتی ہے۔

نکتہ : حدادی نے فرمایا کہ ظلمات کو جمع اور نور کو واحد لانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ نور متعدی ہوتا یعنی اپنے محل کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی پھیلا ہوتا ہے۔ بخلاف ظلمت کے کہ وہ متعدی نہیں۔

شانِ نزول : مروی ہے کہ یہ آیت مجوس کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نور کا خالق ہے اور ظلمت کا خالق شیطان ہے اور تیسیر میں ہے کہ آیت میں ثنویہ فرقہ کا رد ہے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ نور کا خالق یزدان اور ظلمات کا خالق اہرمن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خیر و شر کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ **ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ○** پھر وہ کافر اپنے رب کے ساتھ برابری کرتے ہیں۔ اس کا جملہ سابقہ پر عطف ہے۔ اور یہ ثُمَّ استبعادیہ ہے یعنی جب آیت تکوینیہ سے واضح ہو چکا ہے

کہ شرک ایک مذموم فعل ہے نیز اُن کے عقول سے امر بعید ہے کہ وہ اس کا ارتکاب کریں۔

فائدہ : باء یَعۡدِلُوۡنَ کے متعلق ہے معمول کو عامل پر مقدم کرنے میں اہتمام تحقیق الاستبعاد مطلوب ہے اور یَعۡدِلُوۡنَ، عدل سے مشتق ہے بمعنی التسویۃ مثلاً کہا جاتا ہے (عَدَلۡتُ ھٰذا بِھٰذا) اَیۡ ساوَیۡتُہٗ، میں نے اُسے اس کے برابر کیا۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ حمد و عبادت کا مستحق صرف وہی ہے۔ جیسا کہ تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ وہ بہت بڑی عزت و عظمت کا مالک ہے اور وہ عزت و عظمت صرف اسی سے مخصوص ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ حمد و عبادت کا صرف وہی مستحق ہے، لیکن یہ کافر حمد و عبادت کے موجب کے خلاف عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابری کرتے ہیں یعنی اس کے ساتھ اُس کے غیر کو عبادت کے استحقاق میں برابر مانتے ہیں۔ **فائدہ** : عبادت غایات تذلل کے انتہائی مقام کا نام ہے اور شکر کا تاج حمد ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے کہ اُس کا ماسوا تمام اُسی کا پیدا کردہ ہے۔ بنا بریں حمد اپنی جمیع انواع کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہو سکتی ہے۔ اُس کے غیر کو اس سے معمولی طور بھی بالذات کوئی تعلق نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلوب کے آسمان اور نفوس کی زمین پیدا فرمائی اور نفوس میں ظلمات پیدا فرمائے۔ نفوس کے ظلمات سے نفس کے صفات بہیمیہ و حیوانیہ اور اس کے اخلاق سبعیہ و شیطانیہ مُراد ہیں اور نُور کو قلوب میں پیدا فرمایا۔ قلب کے صفاتِ ملکیہ اور اس کے اخلاق رُوحانیہ باقیہ قلب کے نُور ہیں۔ جس پر نور یعنی صفتِ ملکیہ کا غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ عبودیت حق میں لگ جاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو بدل و جان قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے اور شریعت کے زیور سے آراستہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کا ولی ہوتا ہے جو اُسے ظلمات سے نکال کر نُور کی طرف لے جاتا ہے اگر جس پر ظلمات بشریہ حیوانیہ غلبہ پا جاتی ہے اور طاغوتی ہویٰ کی اتباع کرتا ہے اور شہواتِ دُنیا سے لذت پاتا ہے تو شیطان طاغوت اُس کا ولی ہوتا ہے جو اُسے نُور صفات رُوحانیہ سے نکال کر صفاتِ حیوانیہ کی ظلمات کی طرف لے جاتا ہے کَمَا قَالَ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَوۡلِیٰٓـُٔھُمُ الطَّاغُوۡتُ یُخۡرِجُوۡنَھُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ" ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّھِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ۝ کا یہی معنیٰ کہ سمٰوٰتِ قلوب اور ارض قلوب و نفوس کے پیدا کرنے کے بعد اُن میں ظلمات نفسانیہ اور نُور رُوحانیہ رکھا۔ کفار نفس کے صفات سے مغلوب ہو کر اُس کی عبادت کو لگ گئے بلکہ اسے معبود حقیقی کے برابر بنا دیا (التاویلات النجمیہ)

حکایت : بعض فقہاء کی ایک جماعت شیخ عارف باللہ ابُو الغیث قدس سرہ کے ہاں آزمائش کے لئے حاضر ہوئی۔ جب آپ کے قریب پہنچے تو آپ نے انہیں فرمایا جی آئیے میرے بندے کے بندو۔ انھوں

نے اس کلمہ کو کفر پر محمول کیا کہ شیخ نے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو اپنا بندہ کہہ دیا۔ شیخ موصوف نے ناراض ہو کر شیخ الطریقین امام الفریقین سیدنا ابوالذبیح اسماعیل بن الحضرمی قدس سرہ کو تمام ماجرا سنایا اور جو کلمہ شیخ موصوف نے کہا وہ بھی بتایا تو امام موصوف ہنس پڑے اور فرمایا کہ شیخ موصوف نے صحیح فرمایا ہے اس لئے کہ تم خواہش نفسانی کے بندے ہو اور خواہش نفسانی شیخ موصوف کی لونڈی ہے ۔

(۱) غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود ز ہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد ست

ترجمہ: میں اپنی ہمت کا خادم ہوں کیونکہ جو بھی اس رنگ سے تعلق رکھتا ہے وہ آزاد ہوتا ہے

تفسیر عالمانہ ﴿هُوَ﴾ "وہ اللہ تعالیٰ" ﴿الَّذِیْ خَلَقَكُمْ﴾ "جس نے اے لوگو تمہیں ابتداءً پیدا فرمایا" ﴿مِّنْ طِیْنٍ﴾ "وہ مٹی جو پانی سے ملائی جائے اُسے طین کہتے ہیں۔ یہی انسان کا ابتدائی مادہ ہے۔ اس لئے کہ اسی سے حضرتِ آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور وہ تمام بشروں میں اصل ہیں۔

آدم علیہ السلام کے لئے زمین سے مٹی اُٹھانے کی داستان

سُدی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو زمین سے تھوڑی سی مٹی لانے کا حکم فرمایا۔ جب جبریل علیہ السلام نے مٹی اُٹھائی تو مٹی نے عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ میں پناہ چاہتی ہوں کہ مجھ سے کچھ لے کر مجھے گھٹایا جائے۔ حضرت جبریل علیہ السلام یہ سُن کر خالی ہاتھ واپس لوٹے ۔

معدن شرم و حیا بد جبرائیل بست آں سوگندھا بروئے سبیل

ترجمہ: جبرائیل علیہ السلام معدن شرم و حیا تھے اس کی قسموں سے اپنے ارادہ سے باز آئے

جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ہاں واپس جا کر عرض کی کہ یا اللہ مٹی نے پناہ مانگی ہے اس لئے میں واپس آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے میکائیل علیہ السلام کو بھیجا اُن سے بھی زمین نے وہی بات کی جو جبرائیل علیہ السلام سے کی وہ بھی خالی واپس لوٹ آئے ۔

(۱) خاک لرزید و درآمد در گریز گشت اولا بہ کنان واشک ریز

(۲) رفت میکائیل سوئے رب دیں خالی از مقصود دست و آستیں

(۳) گفت اسرافیل را یزدانِ ما کہ بروزاں خاک پرکن کف بیا

(۴) آمد اسرافیل ہم سوئے زمین باز آغازید خاکستان حنین

(۵) زود اسرافیل باز آمد بشاہ گفت عذر ماجرا نزد الہ

ترجمہ: (۱) خاک کانپی اور گریز کیا فریاد کناں ہوئی اور آنسو بہانے والی تھی۔

(۲) میکائیل علیہ السلام خالی مقصود اور خالی ہاتھ و خالی آستین ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوئے۔

(۳) اسرافیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جاؤ مٹی سے مٹھی بھر کر لاؤ

(۴) اسرافیل علیہ السلام زمین کے ہاں آئے تو خاک رونے لگی۔

(۵) اسرافیل علیہ السلام بھی اللہ کے ہاں خالی واپس لوٹ آئے اپنے کام سے خالی واپس لوٹنے کا عذر پیش کیا۔

میکائیل علیہ السلام کے بعد اسرافیل علیہ السلام بھی مٹی نہ لاسکے تو پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ جائیں اور زمین سے مٹی لائیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام جب مٹی اٹھانے لگے تو اُن سے بھی زمین نے وہی عرض گزاشت کی جو دوسرے فرشتوں سے کی لیکن عزرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہرگز نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر زمین سے مٹی اٹھائی اور آپ کے ہاتھ سفید و سُرخ سیاہ مٹی آئی۔ اس وجہ سے آدمی مختلف رنگوں میں ہیں۔ پھر اس مٹی کو میٹھے اور نمکین اور کڑوے پانی میں بھگو کر ملایا گیا۔ اس وجہ سے آدمیوں کے اخلاق مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ زمین کی فریاد سُن کر جبرائیل و میکائیل و اسرافیل نے رحم فرمایا آپ کو اُس پر رحم نہ آیا۔ اس بنا پر ہم اُن کی ارواح قبض کرنے پر بھی آپ کو مقرر کرتے ہیں ؎

گفت یزداں بعلم روشنم ؛ کہ تُرا جلاد ایں خلقاں کنم

آدم علیہ السلام کے جسم کی تیاری کا واقعہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا کہ پہلے ان کی مٹی میں پانی ملا کر گارہ بنایا اسے چند روز تک چھوڑے رکھا۔ یہاں تک کہ (حماءٍ مسنون) یعنی سیاہ رنگ اور بدبو والی ہوگئی۔ اس کے بعد اُس کا ایک ڈھانچہ تیار فرما کر اس کے نقش و نگار بنائے پھر اسے چند روز چھوڑے رکھا یہاں تک کہ صَلْصَال کالفخار (بجنے والی مٹی، جیسے مٹی گارے والی کو آگ میں ڈالی جائے یہاں تک کہ وہ پک جائے تو پھر بجنے لگتی ہے) پھر اس میں اپنی رُوح پھونکی۔

نکتہ در تخلیق آدم : آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کرنے میں راز یہ ہے کہ مٹی میں تواضع و انکسار ہے اور تواضع سے رفع و ثبات نصیب ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے مَنْ تَوَاضَعَ رَفَعَهُ اللّٰه ،، جو تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ بلند قدر بنا دیتا ہے" حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دُعا میں کہا کرتے اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَ اَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا (اے اللہ مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مسکین کر کے موت دے)

نکتہ : اسے آگ سے سزا دینے میں بھی یہی راز ہے ورنہ اُسے پانی سے سزا دی جاتی اس لئے کہ وہ برتن جو

مٹی سے تیار کیا جائے۔ اُس پر پیشاب پاخانہ یا اس طرح کی اور نجاست لگ جائے تو اُسے پانی سے پاک نہیں کیا جاتا بلکہ اُسے دھوپ سے خشک کر کے پاک کیا جاتا ہے اسی طرح جو انسان بھی گناہوں کی نجاست سے پلید ہو جائے تو اُسے بھی جہنم کی آگ سے پاک کیا جائے گا۔

نکتہ : تیمم کے لئے مٹی کے استعمال میں بھی یہی حکمت ہے۔

لطیفہ : جس جگہ کی مٹی ہوتی ہے اسی جگہ پر انسان دفنایا جاتا ہے۔

حضرات صدیق و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت کی دلیل

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے کہ حضرت صدیق و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ اُن کے اجساد مبارکہ کی مٹی اس جگہ سے تیار ہوئی جہاں سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک تیار ہوا اس لئے کہ ان دونوں حضرات کے مزارات اُسی روضہ مقدسہ مطہرہ میں ہیں جو ساری کائنات سے افضل و اعلیٰ ہے۔ **ثُمَّ قَضٰی** "پھر مقرر کیا ہر ایک کی موت کے لئے **اَجَلًا**" میعاد جو ہر ایک کے لئے خصوصیت رکھتا ہے یعنی اُس کی وہ حد معین (جو دنیا میں اس کے لئے مقرر ہے) جب وہ ختم ہوگی تو اُس کے لئے موت آ جائے گی۔

نکتہ : لفظ ثم میں اشارہ ہے کہ ہر ایک کی تخلیق و موت میں تفاوت ہے۔

وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی "اور میعاد مقرر یعنی وہ حد معین جو قیامت میں اُٹھنے سے پہلے ہر ایک کو دی گئی ہے" یہ مبتدا ہے اور اُس کی خبر عندہٗ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں معین و مثبت ہے نہ اس میں تغیر ہے اور نہ اس کے تعین سے کوئی واقف ہے نہ اجمالاً نہ تفصیلاً۔ اس اجل سے قیام قیامت مراد ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا (یا بعض اللہ والے اللہ تعالیٰ کے جتلانے پر جانتے ہیں)

فائدہ : موت کا اجل قرائن سے تھوڑا سا پہلے اجمالاً معلوم ہو جاتا ہے۔ موت کے علامات سے یا بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ جانے سے۔

فائدہ : اجل انسان کے قبر میں طویل مدت تک ٹھہرنے کی انتہا کا نام ہے۔ قیام قیامت کی ابتداء کا نام اجل نہیں۔ آیت میں لفظ اجل انسان کی زندگی کے آخری لمحہ کو کہا گیا نہ کہ موت کی ابتدائی گھڑی۔ اس لئے کہ اجل لغت میں شئے کی آخری مدت کا نام ہے۔ اہل لغت اوّل مدت کو اجل سے تعبیر نہیں کرتے۔

فائدہ : حکمائے اسلام فرماتے ہیں کہ ہر انسان کے دو[2] اجل ہوتے ہیں (۱) آجال طبعیہ (۲) آجال اخترامیہ

آجال طبعیہ وہ ہیں کہ اگر انسان اپنے مزاج و طبیعت کے موافق زندہ رہے اور اسے عوارض خارجیہ اور آفات

مہلکہ لاحق ہوں اس کی بقاء کی مُدت اس وقت پہنچے کہ رطوبت عزیزیہ متحمل اور حرارت عزیزیہ ختم ہوجائے اور اجال اخترامیہ یہی ہیں کہ کسی خارجی سبب سے اس کا اجل اختتام پذیر ہو۔ مثلاً جل جائے غرق ہوجائے اسی طرح اسے حشرات الارض کاٹ لیں اور دیگر وہ اسباب کہ جن سے انسان کی زندگی ختم ہوجاتی ہے۔

فائدہ : بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ اجل ہر وہ گھڑی ہے جو ہر ذی رُوح کے لئے مقرر ہے کہ جب وہ گھڑی آجاتی ہے تو ذی روح کی زندگی ختم ہوجاتی ہے اور وہ اس وقت طاری ہوتی ہے جب کسی ذی رُوح کی زندگی کا آخری لمحہ ہوتا ہے اور کسی کی موت نہ اس گھڑی سے پہلے آسکتی ہے اور نہ اس سے مؤخر ہوسکتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ اور فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ،، اِن آیات میں تصریح کی گئی ہے کہ اجل مقرر سے کوئی سبقت نہیں کر سکتا۔ (ازالۂ وہم) کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اجل کی مختلف تعبیروں سے معلوم ہوا کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے علم میں نقص ہے بلکہ یہ مختلف تعبیر ہمارے لئے ہیں؛ ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی تبدیلی نہیں اس کے ہاں اجل ایک مدت مقررہ کا نام ہے جو ہر تغیر و تبدل سے پاک ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں تمام موجودات کو جانتا ہے اور ہر شئے اسی طرح ہوتی ہے جیسے اس کا علم ہے۔ مثلاً ازل میں کہا کہ فلاں نے اگر تقویٰ و طہارت سے کام لیا تو اس کی عمر میں اضافہ ہوگا یا فلاں مُدت سے پہلے اسے موت نہیں آئے گی۔ اگر اُس نے تقویٰ نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے رُوگردانی کی تو اُسے وہ وقت نصیب نہ ہوگا۔ اس معنے پر یہاں الاجل سے اجل ذاتی مُراد ہوگا۔ جو اپنے ہر دونوں سے طویل تر ہے۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ وہ بندہ اِن دو فعلوں میں سے کون سے فعل کا ارتکاب کرے گا اور ہم چونکہ ہر طرح سے بے خبر ہوتے ہیں کہ نامعلوم وہ بندہ کونسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے اس لئے ہمیں اُس کے اجل کا علم نہیں ہوتا۔ پھر جب وہ اِن دونوں فعلوں میں سے کسی فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو اس پر اجل معین وارد ہوجاتا ہے تب ہم سمجھتے ہیں کہ اُس کی موت کا میعاد ختم ہوگیا ہے۔ اس لئے ثابت ہُوا کہ یہ تردد ہمارے علم کی بناء پر ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں۔ مذکورہ بالا تقریر نہ مانی جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ وقوع فعل سے پہلے کچھ نہیں جانتا ایسے ہی کفار کے لئے اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ اَسْلِمْ تَدْخُلِ الْجَنَّةَ وَلَا تَكْفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ ،، مسلمان ہوجا بہشت کا داخلہ نصیب ہوگا اور کفر مت کر ورنہ جہنم میں جانا پڑے گا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے منافی نہیں اس لئے کہ ازل سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے کہ یہ کافر ہی رہے گا، لیکن امر و نہی کا اظہار طاعت و مخالفت سے ہوتا ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی ہے کہ وہ اپنے غلام کو جانتا ہے کہ وہ اُس کے حکم کی تعمیل نہیں کرے گا تو وہ مجمع عام میں اسے فرماتا ہے کہ یہ کام کر۔ اس امر سے اس کا مطلب امر کرنا نہیں بلکہ حاضرین کو ظاہر کرنا مطلب ہوتا ہے کہ میرا یہ غلام بے فرمان ہے۔ یہ تقریر اللہ تعالیٰ کے جمیع مقدرات کے متعلق ہوگی کہ بندوں کے اختیاری امور میں اسی طرح متردد انہ طور حکم فرماتا

ہے اور یہ تردد بہ نسبت ہمارے ہے نہ کہ بہ نسبت علم الٰہی کے۔

علم غیب نبوی کا ثبوت : اگر اس سے کسی اپنے بندے کو مطلع کرے تو اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں ایمان لائے گا یا نہ وغیرہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض کفار کے ایمان نہ لانے کے متعلق بعض اوقات مطلع فرما دیتا تھا۔ کَمَا قَالَ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ” اور فرمایا خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اور فرمایا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ“ ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاعات دی گئیں کہ وہ اپنے اختیارات سے ایمان قبول نہیں کریں گے۔

(ف) تقدیر کے مسئلہ پر یہ تقریر نہایت ہی مفید ہے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ○ یہ ثُمَّ استبعاد کے لئے ہے۔ تم وقوع قیامت کے لئے شک کرتے ہو حالانکہ تمہیں دلائل سے سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا خالق ہے اور تمہیں اپنے آجال تک زندگی بخشنے والا ہے پھر وہ ذات جو تمہارے مواد کے پیدا کرنے اور انہیں جمع کرنے اور ان میں حیات پیدا کرنے پر قادر ہے اور جتنا قدر چاہتا ہے انہیں باقی رہتا ہے تو اسے یہ قدرت بھی ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہارے مواد کو جمع کر کے دوبارہ زندہ کرے۔ المریۃ یعنی وہ شک جو شبہ کی طرف کھینچ کر لے جائے۔ مَرَیْتُ النَّاقَةَ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ اونٹنی کے پستانوں کو مسلا جائے تاکہ دودھ دوہنے کے وقت وہ دودھ دے اور المری بمعنے پستانوں سے دودھ نکالنا۔

سوال : انہیں قیامت کا شک نہ تھا بلکہ وہ یقین سے کہتے تھے کہ مرنے کے بعد اُٹھنا نہیں، چنانچہ قرآن مجید میں ان کا عقیدہ یوں منقول ہے اَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا اَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ○ اس طرح کی اور آیات بھی ہیں (جواب) اُن کے اس جزم اور یقین کو اس طریقہ سے بیان کرنے میں اُن کے استبعاد و استنکار کی مزید تقویت اور تاکید کی گئی ہے۔

لطیفہ : انسان جب نُطفہ تھا تو اسے کہا گیا کہ تجھے بشر بنایا جائے گا تو وہ اُسے بعید از امکان سمجھ کر انکار کرتا رہا لیکن جب اُسے بشر بنا کر اسے یقین کرایا گیا تب اس پر حجت قائم ہوئی۔ اسی طرح اسے جب کہا جاتا ہے تجھے مرنا اور مر کر پھر اُٹھنا ہے تو بھی بدستور سابق انکار کرتا ہے ؎

(۱) پس مثال تو چو آن حلقہ زنیست — کز درونش خواجہ گوید خواجہ نیست

(۲) حلقہ زن زیں نیست دریابد کہ ہست — پس زحلقہ بر ندارد ہیچ دست

(۳) پس ہم انکارت مبین مے کند — کز جماد او حشر صدفن مے کند

ترجمہ : (۱) تیری مثال اس حلقہ جیسی ہے کہ وہ خود کو خواجہ کہلوائے لیکن اس کی ضمیر اسے قبول نہ کرے

(۲) انسان کو جب نیست سے ہست کیا اب اس سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔

(۳) تیرے انکار کو خوب ظاہر کرے گا۔ ڈھیلے سے کئی قسم کے فن تیار کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رُوح کے لئے ایک میعاد مقرر فرمائی کہ وہ بارگاہ سے جُدا اور اپنے حقیقی اور اصلی وطن سے دُور رہے گی اور اجل مسمّٰی سے وصال کی گھڑی مُراد ہے کہ انسان کو بہت بڑی دُوری کے بعد اللہ تعالیٰ کا وصال نصیب ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ، اس سے ثابت ہُوا کہ مفارقت اور جُدائی کی گھڑی چند لمحے ہے ایک دن اس کی انتہا ہے اور وصال کی گھڑیاں لامتناہی ہیں اور مسمّٰی میں اشارہ ہے کہ وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرر ہے اور وہ وہی وقت ہے جب اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے ارجعی الیٰ ربک فرما کر اسے اپنی طرف بلائے گا۔ یاد رہے کہ ایام وصال کی بھی ابتداء ہے۔ وہ وہی ہے جب مشرقِ قلوب سے شمس توحید طلوع کر کے حد استوائے وحدت پر پہنچتا ہے۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ تک رہے گا۔ پھر اس کی کوئی انتہا نہیں اور نہ ہی وہ سُورج غروب ہوگا۔ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝ یہ خطاب اہل وصال کو ہے کہ اے وصال والو فرقت والوں کی طرح شک کرتے ہو لہٰذا یہ محال ہے۔ (سبق) عاقل پر لازم ہے کہ موت کے آنے سے پہلے جد و جہد کر کے حُسن توجہ اور نیک عمل سے وصل کی تیاری میں لگا رہے۔

نسخہ رُوحانی : بعض بزرگوں کا ارشاد ہے جو اپنے وقت کو ضائع کرتا ہے وہ جاہل ہے اور جو اس میں کوتاہی کرتا ہے وہ غافل ہے۔

حدیث شریف : اللہ تعالیٰ کے چند ایسے مخصوص بندے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بہشت کے بہت بڑے بلند مقام میں جگہ دے گا۔ وہی سب سے زیادہ عقلمند سمجھے جائیں گے۔ دُنیا میں اُن کا یہی کام تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سبقت کرنے اور اُس کی رضا جوئی میں ہر وقت لگے رہتے ہیں اور ترکِ دُنیا اپنا معمول کئے ہُوئے اور اُس کی فضول سے اجتناب رکھتے تھے۔ نہ ہی ریاست و حکومت کے طالب تھے اور نہ دُنیا کی نعمتوں کے خواہشمند دُنیا میں تھوڑی مدت رہ کر صبر کر کے آخرت کی بہت بڑی مُدت کی نعمتوں سے مالا مال ہُوئے۔

حکایت : حضرت سری سقطی قدس سرہ کے ہاں حضرت ابو القاسم جنید بغدادی قدس سرہ تشریف لائے تو دیکھا کہ سرّی سقطی رو رہے ہیں جُنید نے سبب پُوچھا تو فرمایا کہ گذشتہ شب میری لڑکی نے عرض کی کہ آج سخت گرمی ہے اسی لئے یہ ٹھنڈا پانی ہے میں اُسے ایک کوزہ میں رکھ کر جا رہی ہوں جب ضرورت استعمال فرمائیں۔ اُسی شب میں نے دیکھا کہ ایک لڑکی آسمان سے اُتری ہے (جو نہایت ہی حسین و جمیل ہے) میں نے پُوچھا کہ تو کس کی ہے۔ جواب دیا میں اُس کی ہوں جو ٹھنڈے پانی کے کوزے کے انتظار میں نہیں رہتے۔ میں نے اُٹھتے ہی

...ے کُوزے کو توڑ دیا (حضرت جُنید فرماتے ہیں کہ صبح کو میں نے کُوزے کی ٹھیکریاں دیکھیں) سری سقطی نے انہیں ... تک نہ لگایا۔ یہاں تک کہ وہ ٹھیکریاں مٹی میں مٹی ہوگئیں۔

سبق: وہ حضرات کیسے تارک الدُنیا تھے اور اپنے نفس کو ٹھنڈا پانی پلانے کے بھی روادار نہ تھے۔ اور نہ ہی اسے لذیذ کھانا کھلاتے۔ دراصل وہ موت کو ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے (اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں بے حساب نعمتوں سے نوازا (ایسی بے نظیر نعمتیں کہ جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے)

تفسیر عالمانہ: ۳ وَهُوَ ،، مُبتدا اور آنے والی عبارت اُس کی خبر ہے اللّٰهُ ،، اس میں وصفی معنیٰ ہے بمعنی معبود۔ اس وجہ سے آنے والا جار مجرور اس کے متعلق ہے۔ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ،، پچھلی عبارت کو ملا کر اب معنیٰ ہوگا اور وہ عبادت کا مستحق ہے آسمانوں اور زمینوں میں۔ اس سے یہ نہ سمجھیں کہ زمین و آسمان میں معبود ہونے کی قید سے ثابت ہُوا کہ وہ متحیز ہے۔ اس میں ... کیا جبکہ وہ مکان و زمان سے پاک اور منزہ ہے۔

حکایت: حضرت امام الحرمین استاذ الامام غزالی قدس سرہ کہیں مہمان ہُوئے تو بڑے بڑے عُلماء ملنے کے لئے حاضر ہوئے۔ جب مجلس گرم ہُوئی تو اُن میں سے ایک نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے مکان سے مُنزہ ہونے کی دلیل کیا ہے جبکہ قرآن میں صراحةً موجود ہے " الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى " حضرت امام غزالی قدس سرہٗ کے استاذ نے فرمایا اس کے مکان سے منزہ ہونے کی دلیل۔ یونس علیہ السلام کا قول لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ،، جبکہ اُنھوں نے بطن حُوت میں یہی کلمہ کہا۔ تمام عُلمائے کرام متعجب ہُوئے یہ کیسا جواب ہے۔ اسے سوال سے کسی قسم کی مناسبت نہیں۔ صاحبِ خانہ نے عرض کی کہ حضرت اس کی وضاحت فرمائیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ یہاں ایک فقیر محتاج قرضدار بیٹھا ہے اُس نے کسی کا ایک ہزار درہم قرضہ ادا کرنا ہے۔ اُسے تم ادا کر دو سوال کا جواب میں بیان کر دوں گا۔ صاحب خانہ نے عرض کی میرا وعدہ ہو گیا انشاء اللہ تعالیٰ میں اُس کا قرضہ ادا کر دوں گا۔ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج تشریف لے گئے اور آپ کا لامکان تک تشریف لے جانے کے متعلق سب کا عقیدہ ہے لیکن وہاں بھی حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہی عرض کی لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ ۔ اور یُونس علیہ السلام جب امتحان میں مُبتلا ہو کر مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو عرض کی لا اِلٰہ الا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْن۔ ہر دونوں حضرات نے اپنے اپنے مقام پر اللہ تعالیٰ کو اَنْتَ کے خطاب سے اپنی گذارش پیش کی اور یہ خطاب اس وقت کیا جاتا ہے جو سامنے حاضر و موجود ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی مکان میں ہوتا تو اسے اس خطاب سے مخاطب نہ کیا جاتا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک و مُنزہ ہے۔

يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ ،، یہ ھُوَ کی دوسری خبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے پوشیدہ اقوال اور وہ جو کھلم کھلا باتیں کرتے ہو انہیں بھی جانتا ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ○ اور وہ جو تم نفع حاصل یا نقصان دفع کرنے کے لئے عمل کرتے ہو (قلوب یا جوارح سے) سب کو جانتا ہے (یعنی پوشیدہ یا کھلم کھلا) اُن سب کی تمہیں جزا اور سزا دے گا۔ اگر نیک کام کرتے ہو تو جزا ملے گی۔ اگر بُرائی کرتے ہو تو سزا پاؤ گے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وہ معبود ہے سمٰوٰتِ وجود میں "وفی الارض،، اور ارض نفوس میں يَعْلَمُ سِرَّكُمْ جو کچھ تمہارے اندر اسرار پوشیدہ رکھے ہیں۔ اس سے وہ خلافت مراد ہے جو حضرت انسان سے مخصوص ہے کہ وہ فیضِ الٰہی کو قبول کرے۔ وَجَهْرَكُمْ ،، اور وہ تمہارے ظاہری صفات حیوانیہ اور احوال نفسانیہ کو جانتا ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ اور تمہارے ماموررات و منہیات یعنی خیر و شر میں تمہاری استعداد (سِرًّا وجہرًا) کے استعمال کو جانتا ہے اور اس استعمال (سری وجہری) کا استعمال بھی صرف انسان سے مخصوص ہے۔ ملائکہ اور حیوانات کو یہ شرف نصیب نہیں۔ اس لئے کہ فرشتے کو یہ قدرت نہیں کہ وہ حیوان کے صفات میں سے کوئی صفت حاصل کرے اور نہ ہی حیوان کو یہ طاقت ہے کہ وہ فرشتے کی کسی صفت سے مشرف ہو اور یہ حضرت انسان کو شرف ملا ہے کہ وہ نہ صرف ملائکہ اور حیوانات کے صفات پر تصرف کرے بلکہ اسے اخلاق الٰہی سے متخلق ہو کر اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی بھی اجازت ہے کہ فرائض کی ادائیگی اور نوافل پر التزام اور نواہی سے اجتناب کرے۔ یہاں تک کہ وہ خیر البریہ کہلائے اور اگر بُرائیوں کا ارتکاب کرے گا تو وہ شر البریہ ہو گا۔

نکتہ صوفیانہ: حسین واعظ کاشفی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ نقد النصوص میں ہے کہ حضرتِ انسان دو طرفہ آئینہ ہے اس کی ایک طرف سے خصائص ربوبیت نظر آتے ہیں دوسری طرف سے نقائص عبودیت اگر خصائص ربوبیت سے متصف ہو تمام موجودات سے بزرگ و برتر ہے۔ اگر نقائص عبودیت کی طرف مائل ہو تو تمام مخلوق سے ذلیل و خوار تر ہے ؎

(۱) چوں در خود از اوصاف تو یابم اثرے ✤ حاشا کہ بود نکو تر از مَن دگرے
(۲) واں دم کہ فتد بحال خویشم نظرے ✤ در ہر دو جہاں نباشد از مَن تبرے

ترجمہ (۱) جب تیرے اوصاف سے کوئی نشان پاتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ اچھا کوئی نہ ہو گا۔
(۲) لیکن جب مجھے اپنے حال پر نظر پڑتی ہے تو مجھ جیسا بدتر دنیا میں اور کوئی نہیں نظر آتا۔

اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرمایا کہ میں تمہارے اسرار خصائص کو بادیۂ غیب کو جانتا ہوں اور تمہارے آثار نقائص عالم شہادت میں بھی مجھ سے مخفی نہیں اور یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ تم کس عمل سے ترقی کے منازل طے کر کے درجات انسانیہ

حاصل کر سکو گے اور یہ بھی میرے علم سے پوشیدہ نہیں کہ کس وجہ سے تم تنزل کی طرف گرتے پھسلتے حیوانات کی صف میں جا کھڑے ہوتے ہو۔

سبق : سالک سمجدار کو یہ باتیں جاننا ضروری ہیں کہ کن وجوہ سے وہ اصلاح اور تزکیۂ اعمال کر سکتا ہے تاکہ حیوانی حظوظ سے بچ کر عظیم روحانی کے منازل طے کرنی کی صلاحیت حاصل کر سکے ؎

(۱) حیف باشد کہ عمرِ انسانی چو بہائم بخواب و خور گذرد
(۲) آدمی میتواند از کوشش کہ مقامِ فرشتہ در گذرد

ترجمہ : (۱) افسوس ہے کہ عمر انسانی جانوروں کی طرح خواب و خور میں بسر ہوتی ہے۔
(۲) انسان کوشش سے فرشتے کے مرتبہ سے آگے بڑھ سکتا ہے۔

حدیث قدسی : سرِ انسان سری و سری سرہ ،، انسان کا راز میرا راز ہے اور میرا راز اُس کا راز ہے۔

فائدہ : اس کی شرح میں میرے شیخ ابقاہ اللہ بالسلامۃ (قدس سرہ) نے فرمایا کہ سرِ انسان سری کا مطلب یہ ہے کہ اس کا راز میرے راز کا ظاہری حصہ ہے اور میرے راز کی صورت اس کا باطنی حصہ ہے اور وہی اس راز کی حقیقت ہے۔

تقریر دیگر : شیخ مذکور نے فرمایا کہ سر الانسان ،، سے مراد یہ ہے کہ حقیقتِ انسانیہ ظاہرہ حقیقۃ الٰہیہ کی صورت کا عکس ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلق اللہ آدم علےٰ صُوْرَتِہٖ (اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پہ پیدا کیا۔ یعنی جب حقیقۃ انسانیہ نے مرتبہ غیب سے منزل شہادت میں قدم رکھا تو اس پر ذاتِ حق جمال و جلال سے متجلی ہوئی اور اس میں شرقی جانب سے نورِ جمال اور غربی جانب سے ظلمت جلال امانت رکھی۔ پہلی جانب میں ایک فرشتہ مقرر فرمایا جو اسے ہدایت کی طرف لے جائے اور دوسری جانب میں شیطان بٹھایا جو اُسے باطل کی طرف لے جائے۔ فرشتہ قبضۂ جمال کا خادم اور لطفِ الٰہی کا ہاتھ اور شیطان قبضۂ جلال کا خادم اور قہر و غضب کا ہاتھ ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس حقیقۃ انسانیہ کے لئے حق کی طرف پہنچانے کا ارادہ فرماتا ہے تو اُس فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ حقیقۃ انسانیہ میں حق کا القاء کرے۔ جس سے وہ حق کو اس نورِ الٰہی جمالی سے دیکھتا ہے کہ جس کے ذریعے تجلی جمال سے فائز ہوا اور وہ نہ صرف اس حق کو دیکھتا ہے بلکہ اس کی اتباع اور اسے بدل و جان قبول کرتا ہے بلکہ وہ حقیقتِ انسانیہ تادمِ زیست عین روح ہو جاتی ہے اور تا دمِ زندگی حق پر ثابت قدم رہتی ہے۔ اس قالب میں کہ جس میں وہ مقیم ہے یعنی انسان کے جسم پر بھی حق کی مہر ثابت کر دی جاتی ہے اور اُس کے جسم کو قلب کے باغ میں چرنے کی عام اجازت دی جاتی ہے اور اس کی حقیقتِ انسانیہ پر ہر وقت تجلیات جمالیہ اور الطاف خاصہ کی بارش برستی رہتی ہے جو اُس کے اطمینان و سکون کا موجب بنتی ہے۔ اسی لئے ایسا انسان ہر وقت سرِ تسلیم خم رکھتا ہے اور

طاعت وصبر اور طلب رضا و دیگر اخلاق حمیدہ سے موصوف رہتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اس حقیقت انسانیہ کو باطل کی طرف پھیرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس پر شیطان کو حملہ کرنے کی اجازت عام ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان ہر وقت اسے بُرائی کا وسوسہ ڈالتا رہتا ہے جس سے وہ نہ حق کو دیکھ سکتا ہے اور نہ اُسے سمجھ سکتا ہے یعنی اسے محسوس نہیں ہوتا کہ وہ باطل میں پھنسا ہُوا ہے اور یہی باطل حق سے حائل ہے۔ اس لئے کہ اس بندے کو جو ظلمت جلال سے حصّہ ملا ہے وہ اسے حق سے مانع ہے اس بنا پر وہ باطل سے اجتناب کی بجائے اسے حاصل کرتا ہے اور اس پر مداومت کرتا ہے تو اُس کے نفس پر تاریکی چھا جاتی ہے حالانکہ وہ اس کے قبل لطفی رُوح تھا۔ ایسے شخص کا جسم اس باطل کا مرکز بن جاتا ہے جس سے وہ جسم طبعی ظلمانی ہوجاتا ہے حالانکہ اس سے قبل وہ نورانی تھا۔ اب اللہ تعالیٰ تجلیات جلالیہ واحوال قہریہ سے متجلی ہوتا ہے وہ اس کے اندر اضطرابیے میں نہ ماننے کا مرض مسلط کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مخالفت و رُوگردانی پر کمربستہ اور اوصاف مذمومہ سے موصوف ہوتا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل وہ اوصافِ محمودہ سے موصوف تھا اسی طرح ہر معاملہ میں اُس کے متعلق یہی تقریر ہوگی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدیم اور ازل سے عادت ہے کہ جس بندے کے متعلق اُس کا ارادہ ہوتا ہے کہ وہ اسے دین کی سمجھ دے اور اسے ماسوا سے فارغ کرکے اپنے وصل وصال سے نوازے تو اس پر شیطان کو مُسلط نہیں ہونے دیتا۔ کَمَا قَالَ تَعَالیٰ اِنَّ عِبَادِی لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ۔ بلکہ اُس کے لئے قبضۂ جمال کے لئے خدام ملائکہ کو اُس پر مُسلط کیا جاتا ہے جو اُسے راہ حق کی طرف لاتے ہیں اور دونوں قبضوں یعنی جمال و جلال کے احکام عوالم وانفس و آفاق میں تاقیامت جاری و ساری رہیں گے۔ ان دونوں کے خُدام فرشتوں کے ذریعے جب انسان کا قلب جمالی ہے تو جمال کے فرشتے ورنہ جلال کے فرشتے جہاں حکم الٰہی ہوگا اسے وہیں پھیریں گے۔ حضرت الشیخ کا کلام یہاں ختم ہُوا اور حق یہ ہے کہ شیخ صدرالدین قنوی کے بعد شیخ موصوف جیسا اور کوئی نہیں۔ واللہ اعلم!

تفسیر عالمانہ ﴿ وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ ﴾ آیت ہٰذا میں ما نافیہ ہے اور پہلا مِنْ زائدہ اور استغراق کے لئے ہے دوسرا تبعیضیہ ہے۔ یہ اپنے مجرور سے مل کر آیۃ کی صفت ہے آیاتٍ سے آیاتِ تنزیل اور اُن کے آنے سے اُن کا نزول مُراد ہے۔ یعنی اہلِ مکہ کے ہاں آیاتِ قرآنیہ میں کوئی آیت نہیں اُترتی۔ ﴿ اِلَّا کَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ﴾، مگر ہیں اُس سے رُوگردانی کرنے والے یعنی آیات قرآنیہ کی وہ لوگ تکذیب واستہزاء کرتے ہیں یا آیات سے آیات تکوینیہ مُراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عجیب مصنوعات سے ہیں (ان میں معجزات بھی شامل ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور اُن کے آنے سے ان کا ظہور مُراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ان کے آیاتِ الٰہیہ اور معجزات نبویہ میں سے کوئی معجزہ سامنے آتا ہے تو اہل مکہ نظر صحیح سے نہیں دیکھتے بلکہ اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر وہ نظر صحیح سے دیکھیں تو وہ آیات ومعجزات ایمان کی دولت سے نوازے جائیں اور انہیں یقین ہوجائے کہ ان مصنوعات کا صانع وخالق کوئی ہے اور لفظ عَنْ مُعْرِضِیْنَ کے متعلق ہے اور سارا جملہ محلاً منصوب ہے اس لئے کہ یہ تاتی کے مفعول (ھم) سے حال ہے۔

فائدہ : آیت سے واضح ہوتا ہے کہ آیات کو دیکھ کر انکار میں کفار بڑے جلد باز تھے کہ جونہی اُن پر آیات اُترتے تو فوراً انکار کر دیتے؛ چنانچہ آنے والی آیت کے اندر لفظ لمّا سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

فَقَدْ كَذَّبُوا لَمَّا جَاءَهُمْ "جب اُن کے ہاں حق آیا تو اُنھوں نے اس کی تکذیب کی۔ (یہاں حق سے مُراد قرآن ہے) یعنی اُنھوں نے قرآن کی ہر آیت کا انکار کیا۔ قرآن کو حق سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اتنے بدبخت تھے کہ ایسے کلام کا انکار کیا جو اللہ تعالیٰ سے نازل ہُوا۔ یہ اُن کے کمالِ قبح کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ حق کی تکذیب کسی فردِ بشر سے متصور ہی نہیں لیکن اِن بدبختوں نے اُس کی تکذیب کر ہی دی۔

فائدہ : فاء مابعد کو ماقبل کی ترتیب دینے کے لئے ہے۔ اس معنی پر نہیں کہ وہ درحقیقت اس کا مغایر ہے جو اُس کے بعد واقع یا اس کے سبب سے حاصل ہُوا۔ بلکہ اس معنی پر کہ درحقیقت پہلا دُوسرے کا عین ہے۔ البتہ ترتیب بوجہ تغائرِ اعتباری کے ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اِس ارشادِ گرامی میں فَقَدْ جَاءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا اس سے قبل فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا اِفْكُ افْتَرٰهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ، فَقَدْ جَاءُ ظُلْمًا الخ۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ کا عین ہے لیکن وہ چونکہ اس سے مفہومًا مغایر اور بہت سخت قبیح ہے اس لئے اسے فاء سے مرتب کیا گیا ہے جیسے لازم کو ملزوم پر مرتب کیا جاتا ہے تاکہ اس کے امر کی ہولناکی محسوس ہو۔ اسی طرح چونکہ تکذیب بالحق اعراضِ مذکور سے زیادہ ہولناک تھی اس لئے اسے لازم البُطلان کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے۔ پھر اُسے فاء سے مرتب کیا گیا ہے۔ تاکہ اس کا بطلان زیادہ واضح ہو۔ اس کے بعد اسے تکذیب سے مقید کیا تاکہ بلا تامل اُس کی شناعت و قباحت پر دلالت ہوسکے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ آیات کے نزول کے وقت اُنھوں نے اعراض کر کے ایسے امر کی تکذیب کی کہ جس کی تکذیب ممکن ہی نہ تھی۔ اگرچہ اس میں تدبر تفکر بھی نہ کرتے لیکن اِن بدبختوں نے تکذیب کر دی۔

فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ سَوْفَ مضمونِ جُملہ کی تاکید ہے۔ اَنْبَاء بنا کی جمع ہے۔ ہر اُس خبر کو کہا جاتا ہے جو ذیشان اور صاحبِ عظمت ہو اور لفظ ما سے حق مذکور مُراد ہے۔ انباءٌ سے مراد یہ ہے کہ جن سزاؤں کے وہ مستحق ہیں وہ عنقریب انہیں لاحق ہوں گی یعنی وہ عنقریب اپنی ان سزاؤں کو جان لیں گے جو انہیں آیات کے استہزاء اور تکذیب سے ملیں گی؛ چنانچہ غزوۂ بدر میں انہیں تلوار سے مزا چکھایا گیا۔

اَلَمْ يَرَوْا (ربط) جب اللہ تعالیٰ نے اُن کے قبائح مثلاً اعراض از آیات اور اُن کی تکذیب اور اُن سے استہزاء کو بیان فرمایا تو اب اِن باتوں کا ذکر فرمایا جو وعظ و نصیحت کے طور پر ہوتی ہیں۔ اسی لئے ان آیات میں گذشتہ قوموں کے حالات سناتے ہُوئے فرمایا کہ کیا انہیں معلوم نہیں۔

فائدہ : یہ ہمزہ انکار کا ہے تاکہ رؤیت کی تقریر ہو اور یہ رؤیت عرفانی ہے۔ جو صرف ایک مفعول کی مقتضی ہے اور اُس کی ضمیر اہلِ مکہ کی طرف راجع ہے یعنی کیا انہیں آثارِ قدیمہ کو دیکھ کر اور اُن کے حالات سُن کر معلوم نہیں۔

کَمْ اس سے اشخاص مُراد ہیں۔ کَمْ استفہامیہ ہو یا خبریہ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ جنہیں ہم نے ان سے پہلے تباہ و برباد کیا۔ یہ مِنْ اَهْلَكْنَا سے متعلق ہے اور مِنْ قَبْل سے وہ لوگ مُراد ہیں۔ جو اہلِ مکہ سے پہلے قومیں گذری ہیں یا یہاں پر مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہے کہ دراصل "مِنْ قَبْلِ زَمَانِهِمْ" یعنی اُن کے زمانہ سے پہلے لوگ "مِنْ قَرْنٍ" یہ کم کی تمیز ہے۔ اس سے اِس زمانہ کے اہل مُراد ہیں۔ انہیں قرن سے اس لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ دہر کے کسی ایک حصہ سے مقترن ہوتے ہیں؛ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ "بہترین زمانوں سے میرے زمانہ کے لوگ ہیں۔ پھر وہ جو اُن سے متصل ہیں پھر وہ جو اُن دُوسروں سے متصل ہیں۔ حدیث شریف میں قرن اوّل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دُوسرے سے تابعین اور تیسرے سے تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ مُراد ہیں۔

فائدہ: بعض کا خیال ہے کہ یہ مُدّت مخصوصہ یعنی اسّی یا ستّر یا ساٹھ یا چالیس یا تیس یا سَو سال کی مدّت کا نام ہے۔ یہاں بھی مضاف محذوف ہے۔ یعنی دراصل اہلِ قرن تھا۔ اس لئے کہ نفسِ قرن کو ہلاک و تباہ نہیں کیا گیا بلکہ اُس کے اہل تباہ و برباد ہُوئے۔ مَكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ۔ یہ جُملہ مُستانفہ ہے ان کے ہلاک و تباہ کرنے کو بیان کیا گیا یا اہلاک کی مبادی کی تفصیل ہے یا اس سوال مقدر کا جواب ہے جو صدرِ کلام سے پیدا ہُوا۔ سوال کی تقریر یہ ہے کہ وہ لوگ کس حال پر تھے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ ہم نے انہیں زمین پر قدرت دے رکھی تھی۔ تمکین فِي الْاَرْضِ (زمین پر قرار پانا) چونکہ زمین قرارگاہ ہے اسی لئے اس کا استعمال ہر دونوں طرح ہوتا ہے۔ مثلاً یُوں کہنا جائز ہے "مَكَّنَهُ فِي الْاَرْضِ" اور یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے "مَكَّنَ لَهُ فِي الْاَرْضِ" اسی لئے اِن کو ایک دُوسرے کے قائم مقام لانا جائز ہے۔ اسی استعمال سے مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ ہے جبکہ اس سے قبل مَكَّنّٰهُمْ فِي الارض۔ دُوسرے طور استعمال کیا گیا ہے۔ گویا پہلے کہا گیا۔ مَكَّنَّا لَهُمْ پھر کہا گیا مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ آیت مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ، میں مَا نکرہ اپنے مَابعد والے جُملہ منفیہ سے موصوف ہے۔ اس میں عائد محذوف ہے اور مفعول مُطلق کی حیثیت سے محلاً منصوب ہے۔ اصل عبارت یُوں ہوگی مَكَّنَّاهُمْ تَمْكِيْنًا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ، یعنی ہم نے انہیں زمین پر ایسے تصرفات بخشے جو تمہیں نصیب نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَالَمْ نمکن الخ مفعول لہٗ ہو۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جو کچھ ہم نے انہیں عنایت فرمایا۔ وہ تمہیں عطا نہیں ہُوا۔ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ اور ہم نے آسمان سے بارشیں بھیجیں یا اسماء سے بارش مُراد ہے یا بادل عَلَيْهِمْ، یہ اَرْسَلْنَا کے متعلق ہے مِدْرَارًا بہت زیادہ برسنے والا یا السّماء سے حال ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ فرماتے ہیں کہ مدرار بر وزن مفعال ہے۔ یہ فاعل کے صیغہ کا مبالغہ ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ امرأۃ مذکار مدرار دراصل دَرَّ اللَّبَنُ "دَروزا" سے مشتق ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب دُودھ دھونے والے کے لئے

بکثرت وار دہو۔ اسی طرح کہتے ہیں سحاب مدرار و مطر مدرار، یعنی بادل ضرورت کے وقت بہت برسا۔ یا موسلا دھار بارش ہوئی **وَجَعَلْنَا الْاَنْھٰرَ** اور ہم نے اُن کے لئے نہریں بنائیں۔ **تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھِمْ** ، جو اُن کے درختوں اور مکانوں اور محلوں کے نیچے جاری رہتی تھیں۔

خلاصہ : یہ کہ ہم نے اُن کے اجسام میں تنومندی اور صحت اور عمروں میں برکت اور اموال میں وسعت دی یعنی دنیوی اسباب میں انہیں کسی قسم کی کمی نہیں تھی۔ وہ جس طرح کے منافع یا جس طرح سے نقصانات کو دفعیہ چاہتے۔ انہیں ہر طرح کی سہولتیں میسر تھیں جو تمہیں اے مکّہ والو اُن کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں لیکن انھوں نے اتنی وسعت کے باوجود کفران وعصیان کا کمال کر دیا۔

فَاَھْلَکْنٰھُمْ بِذُنُوْبِھِمْ ، پھر ہم نے اُن کے گناہوں کے سبب سے انہیں تباہ و برباد کر ڈالا۔ یعنی ہر زمانہ کے لوگ اپنے مخصوص گناہوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے۔ نہ اُنھیں اُن کی کثرت نے بچایا اور نہ ہی دُنیوی اسباب کی وفرت کی وجہ سے بچ سکے۔ کچھ تمہاری حالت بھی یہی ہے کہ ان کی طرح تم پر عذاب الٰہی کا نزول ہوگا۔

وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِھِمْ ، اور ہر زمانہ کے لوگوں کے تباہ و برباد ہونے کے بعد ہم نے پیدا کئے۔

قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ، دوسرے زمانہ کے لوگ یعنی ھلاک ہونے والوں کے بعد ہم نے اور لوگ پیدا کر دیئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کا اظہار فرمایا کہ ان لوگوں کے بار بار تباہ و برباد ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ملک میں کسی قسم کمی نہ ہوئی بلکہ ایک قوم کی تباہی و بربادی کے بعد ہم نے اور قوم پیدا فرمادی جو شہروں اور ملکوں کو آکر آباد کرتی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اہلِ ظلم کو چند روز مہلت دے کر انہیں فناہ کر کے اہل عدل و انصاف پیدا فرماتا ہے۔ اسی طرح اہل ریا و سمعہ کو مٹا کر اہلِ صدق و اخلاص پیدا فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں اہلِ صدق و اخلاص بھی پیدا ہوتے رہے۔

حدیث ابدال : حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے ہیں جنہیں ابدال کہا جاتا ہے۔ وہ نماز روزہ اور خشوع و خضوع اور اچھی صورت بنانے کی کثرت سے اس مرتبہ کو نہیں پہنچے بلکہ انہیں سچے تقویٰ اور نیک نیتی اور سینہ کی صفائی اور مسلمانوں پر رحم و کرم کی وجہ سے یہ مرتبہ نصیب ہُوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنے علم سے اپنے لئے خصوصیت سے چُنا ہے وہ چالیس افراد ہوتے ہیں، اُن کے قلوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب مبارک کے مطابق ہوتے ہیں۔ اُن میں سے جب ایک فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے عوض دُوسرا مقرر کر دیتا ہے۔

ابدال کی علامات : وہ حضرات نہ کسی کو گالی دیتے ہیں اور نہ کسی پر لعنت بھیجتے ہیں اور اپنے سے کمزوروں کو نہیں ستاتے اور نہ کسی کو حقیر سمجھتے ہیں اور اپنے سے اُونچے طبقہ کے لوگوں پر حسد بھی نہیں کرتے۔ نہایت پاکیزہ طبع

اور نہایت کریم اور بہت فراخ دِل (سخی) ہوتے ہیں۔ اُن کی پرواز کو تیز رفتار سواری نہیں پہنچ سکتی اور نہ ہی تیز آندھیاں وہ رب تعالیٰ کے مابین ایک خصوصی معاہدہ اور اس سے مخصوص راز و نیاز رکھتے ہیں۔ ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کے وصال کے لئے اُونچی پرواز رکھتے ہیں اور ہر نیکی میں سبقت کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ کے حقیقی گروہ ہیں اور کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کے گروہ کو ہے (یہ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ کے بیان کا بعض حصہ ہے۔

تفسیر صُوفیانہ : فَاَهْلَكْنٰهُمْ ،، میں اشارہ ہے کہ اُنہیں ظاہرًا و باطنًا ہر طرح سے ہلاک و برباد کر دیا جاتا ہے۔ یعنی جیسے اُن کے ظاہری طور ابدان و اموال تباہ و برباد ہوگئے اسی طرح معنوی طور بھی انسانیت کے مراتب سے بھی گر گئے۔ صرف گناہوں اور کفرانِ نعمت کی نحوست سے کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

شکر نعمت نعمتت افزوں کند ؛ کفر نعمت از کفت بیروں کند

ترجمہ : شکر نعمت تیرے لئے نعمت میں اضافہ کرے گا۔ کفرانِ نعمت تجھ سے نعمت چھین لے گا۔

جس نے معجزات و کرامات دیکھ کر حق سے اعراض کر کے دُنیا اور اُس کی زینت اور اُس کی شہوات کو اپنایا تو وہ گویا جانور ہے بلکہ اُس سے بھی بدتر اس لئے کہ جانور حق کی تکذیب نہیں کرتے لیکن اس بدبخت نے حق کی تکذیب کی ؎

دریغ آدمی زادہ پر محل ؛ کہ باشد چو انعام بل ھم اضل

ترجمہ : افسوس ہے آدم زادہ جس کی عزت بڑی ہے وہ جانوروں جیسا بلکہ ان سے بڑھ کر بدتر ہو جائے۔

فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ ،، یعنی انہیں دُنیا و آخرت میں ایسے واقعات درپیش ہوں گے کہ جن سے وہ استہزاء کرتے تھے۔ دُنیا میں ان کا استہزاء یہی کہ وہ انبیاء و اولیاء کے اقوال سُن کر ٹھٹھا مخول کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے کان حق کے سُننے سے بہرے اور حق کو دیکھنے سے اُن کی آنکھوں کو اندھا بنا دیتا ہے۔ اسی لئے وہ حق کی طرف ہدایت نہیں پا سکتے اور نہ ہی انہیں حقیقت کا راہ ملتا ہے اور آخرت میں ایسے لوگوں کو اپنے دیدار سے محروم کر دے گا اور وہ ذاتِ حق سے بہت دُور کئے جائیں گے اور انہیں ہمیشہ ہمیشہ تک جہنم میں رکھا جائے گا۔

حکایت : امام الحرمین ایک دن مسجد شریف میں درس دے رہے تھے کہ اُن کے پاس سے صُوفیہ کی جماعت مع اپنے مُریدین فقراء کی گذری (جنہیں ایک رئیس کے ہاں مدعو کیا گیا تھا) امام صاحب نے اپنے دل میں خیال فرمایا کہ یہ لوگ صرف کھانے پینے اور سماع و سرود میں مست رہتے ہیں انہیں سے ایک صُوفی دعوت سے فراغت پا کر امام صاحب کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا اے فقیہہ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے جو صبح کی نماز جنب کی حالت میں پڑھ کر مسجد میں علوم دینیہ پڑھائے اور پھر لوگوں کی غیبت کرے۔ امام صاحب کو یاد آیا کہ یہ جملہ اُمور مجھ سے سرزد ہوئے ہیں اُس کے بعد امام صاحب صُوفیہ کرام کے معتقد ہو گئے۔ ورنہ اس سے قبل وہ صُوفیہ کے مخالف تھے۔

سبق : صوفیہ کرام و اولیائے عظام سے سب سے پہلے حسن اعتقاد لازمی ہے۔ پھر اُن کی اتباع کی جائے تب اُن کے مقامات و مراتب حاصل ہوتے ہیں۔

حکایت : حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اتنے بہت بڑے علوم کہاں سے حاصل کئے۔ آپ نے فرمایا میں نے یہ علوم اللہ تعالیٰ کے سامنے اس جگہ تیس سال گھٹنے ٹیک کر حاصل کئے۔ اِس جگہ سے اُن کے گھر کی چار دیواری مُراد تھی۔

سبق : طریقت کے اسرار و انوار بہت بڑی جدوجہد کے بعد نصیب ہوتے ہیں۔ انسان کو اس میں بہت دُکھ اٹھانا پڑتا ہے (واللہ الہادی)

تفسیر عالمانہ

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ (شانِ نزول) مروی ہے کہ بعض مشرکین نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہم آپ کو ہرگز نہیں مانیں گے جب تک کہ آپ ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ سے ایسی کتاب نہ لا دکھائیں جس کی چار فرشتے گواہی دیں کہ واقعی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسُول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی (اگر ہم آپ پر نازل فرمائیں) كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ " کاغذوں پر لکھا ہُوا یہاں پر کتاب بمعنی مکتوب ہے۔ فَلَمَسُوهُ " یہ ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے۔ بِاَيْدِيهِمْ " پھر وہ اسے دیکھ کر اپنے ہاتھوں سے چھُو بھی لیتے۔ اس لئے کہ انہیں اس طرح سے اُس کے متعلق کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہوگا۔

فائدہ : لمس کا ذکر اس لئے ہے کہ اس میں مکر و فریب کا پہلو نہیں نکل سکتا اور نہ ہی کہہ سکیں گے اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا " (بیشک ہماری آنکھیں مسحور کی گئیں ہیں یعنی بند کر دی گئی ہیں)

سوال : لمس کے بعد اَیدی کا ذکر کیوں حالانکہ لمس ہوتا بھی ہاتھوں سے ہے۔

جواب : تاکہ مجازی معنے کا احتمال ختم ہو جائے یعنی لمس کے بعد اَیدی کا ذکر حقیقی معنے پر محمول کرنے پہ مجبور کرتا ہے۔ ورنہ اس کا مجازی معنی تفحص ہو سکتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کے اِس قول وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ اَیْ تفحصنا " ہم نے تلاش کیا۔

لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا " البتہ کافر سرکشی اور عناد سے کہتے باوجودیکہ ان پر حق واضح ہو چکا ہے جیسے کٹ حجتی اور ضدی کا طریقہ ہے۔ اِنْ هٰذَآ " نہیں ہے یہ کتاب اِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ " مگر کھلا جادو یعنی ہر ایک کے لئے واضح ہے کہ یہ جادو ہے (معاذ اللہ) اور قاعدہ ہے کہ جو ازلی محروم ہوتا ہے۔ وہ اگر غائبانہ حق کی تکذیب کرتا ہے تو آنکھوں سے مشاہدہ اور تجربہ کے بعد بھی انکار سے نہیں چوکتا۔ مثلاً اولیاکرام کی کرامات کے منکر کے سامنے اگر کوئی ولی اُڑتا ہوا بھی نظر آئے تو کہے گا یہ جادوگر ہے یا شیطان ہے (معاذ اللہ) جیسے عموماً وہابیہ، دیوبندیہ کا عام طریقہ ہے کہ

انبیاء اور اولیاء کرام کی کرامات سُنائی جائیں تو فوراً انکار کرکے اپنی تائید میں کوئی توجیہ بیان کر دیتے ہیں۔ [1]

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ،، اس سے کفار کا نبوت پر جرح قدح کا بیان صراحۃً شروع ہے جس کا اس سے پہلے اشارۃً بیان کیا گیا۔ اور لولا تحضیض کے لئے ہے بمعنی الامر اور علیہ کا ضمیر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ یعنی حضور علیہ السلام پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُترتا جسے ہم آنکھوں سے دیکھیں اور وہ براہ راست ہمیں کہے کہ یہ نبی علیہ السلام ہیں۔

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ،، اگر اُن کے مطالبہ پر ہم فرشتے کو اُس کی اپنی اصلی شکل و صُورت پر اُتاریں (فرشتوں کو اس کی اپنی اصلی صورت پر دیکھنا عام آدمیوں کے بس سے باہر ہے اس لئے کہ اُن کا ہولناک منظر ہے) اور فرشتے کا نزول ہو تو کفار کی تباہی و بربادکا فیصلہ ہو جائے گا۔ **ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ** ،، فرشتوں کے نزول کے بعد تو آنکھ جھپکنے کی دیر بھی کُفّار کو مُہلت نہیں ملے گی۔ ان دو امروں (یعنی قضاء الامر اور عدم الانظار یعنی مُہلت نہ دینا) میں سے عدم الانظار کو قضاء الامر سے زیادہ سخت قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ اچانک عذاب کا نزول نفسِ عذاب سے عزیز ترین اور زیادہ دکھ اور تکلیف پہنچانے والا ہوتا ہے۔ **وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا** ،، ہٗ ضمیر مطلوب کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی ہر وہ فرشتہ جو نبوّت کا شاہد ہے یعنی اگر ہم نبوّت کا شاہد فرشتے کو بنائیں **لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا** تو اسے بنائیں گے مرد یعنی فرشتے کو مَرد کی شکل میں بنا کر بھیجیں گے۔ اس لئے کہ ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے کہ اگر فرشتے کی اصلی صُورت کو دیکھنا کسی فرد بشر کے بس کی بات نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دحیہ کلبی کی صُورت میں حاضر ہوتے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دو فرشتے حاضر ہُوئے تو دو ایسے انسانوں کی صورت میں جو کوئی فیصلہ لے کر آئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں فرشتے حاضر ہوئے تو مہمانوں کی صُورت میں (اسی طرح لوط علیہ السلام و بی بی مریم کے ہاں وغیرہ وغیرہ) اس لئے کہ قوت بشریہ فرشتے کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام ملائکہ کرام کو اصلی صُورتوں میں اس لئے دیکھا کرتے کہ اُن کے قویٰ مقدسہ میں نُورانی قوت و طاقت تھی۔ [2] **وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ** کو محذوف کا جواب ہے۔ اس لئے کہ یہ دَراصل **وَلَوْ جَعَلْنٰهُ رَجُلًا لَّلَبَسْنَا** الخ تھا یعنی اگر اسے ہم مرد بنا کر بھیجتے تو ہم ان میں اسے ملا دیتے کہ وہ بھی اُن کا ہم مِثل مرد ہوتا۔

مَا يَلْبِسُوْنَ ،، وہ جو التباس میں پڑتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ تو فرشتہ نہیں بلکہ تو ہمارے جیسا بشر ہے (جیسے کہ دیوبندی وہابیوں کو غلط فہمی ہُوئی کہ حضور علیہ السلام کو بشری لباس میں دیکھ کر کہتے ہیں کہ وہ ہمارے بڑے بھائی ہیں اور ہم چھوٹے (تقویۃ الایمان)

سوال : ملک کے بشرین کے آنے کو لَبَسٌ سے کیوں تعبیر کیا جارہا ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

[2] انبیاء علیہم السلام اور عام بشر میں مابہ الامتیاز کی ایک دلیل یہ بھی ہے جسے دیوبندی وہابی وغیرہ آج نہیں سمجھے ۱۲۔ اویسی غفرلہ

جواب : اس لئے کہ تمثیل کے بعد التباس کا ہونا لازمی امر ہے۔ تمثیل سبب ہے اِلباس کا گویا مسبب بول کر سبب مُراد لیا گیا ہے۔ **فائدہ** : مطلوب یعنی شاہد علی النبوۃ کا فرشتے سے انسان بن کر آنا اُس کے محال ہونے کی تاکید ہے گویا اللہ تعالیٰ نے کفار کو یوں فرمایا کہ لَوْ فَعَلْنَاہُ لَفَعَلْنَا مَالَا یَلِیْقُ بِشَانِنَا الخ۔ یعنی اگر ہم اس طرح کرتے تو وہ کرتے جو ہماری شان کے خلاف ہے یعنی انہیں اشکال واشتباہ میں ڈالنا یہ لَبَسْتُ الْاَمْرَ عَلَی الْقَوْمِ اَلْبِسُہٗ سے ماخوذ ہے (از باب ضرب) یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو اشکال واشتباہ میں ڈالے۔ دراصل لَبس کسی شئے کو کپڑے سے ڈھانپنے کو کہا جاتا ہے وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ ،، برسل ،، استہزئ کے متعلق ہے اور مِن ابتدائیہ ہے۔ اس کا متعلق محذوف ہے جو رُسُل کی صفت ہے۔ اس میں حضورؐ تاجدارِ انبیاء علیہم السلام کو تسلی دی جا رہی ہے۔ جبکہ آپ کو اہل مکہ نے بہت بہت پریشان کیا۔ یعنی اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم غم نہ کھائیے۔ اس لئے کہ بخدا بہت بڑے اولوالعزم پیغمبر اور کثیر التعداد انبیاء علیہم السلام (جو آپ سے پہلے گزرے ہیں) اِن سے بھی استہزاء کیا گیا۔ یہاں مضاف محذوف ہے کہ دراصل مِنْ قَبْلِ زَمَانِکَ تھا۔ پھر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا۔ فَحَاقَ ،، اس کے بعد محیط ہو گیا۔

فائدہ : حاق بمعنے اَحاطَ یا نَزَلَ یا حَلَّ یا ان الفاظ کا ہم معنے کوئی اور لفظ اس لئے کہ اُس کا معنیٰ شمول لزوم کے گرد پھرتا ہے لیکن اُس کا اکثر استعمال شر پر ہوتا ہے۔ اَحدُ الحیق ہر وہ دُکھ اور تکلیف جو انسان کو کسی مکروہ فعل کی وجہ سے پہنچے۔

بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اور اس کا عائد بہ کا ضمیر اور بہ یَسْتَهْزِءُوْنَ کے متعلق ہے اور موصول اپنے صلہ سے مِل کر حاق کا فاعل ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ گھیر لیا اُنہیں جنہوں نے تمسخر کیا وہ کہ جس سے وہ استہزاء کرتے تھے کہ وہ اس سے ہی ہلاک و تباہ و برباد ہوئے۔

سوال : اہلاک و احاطہ کا اسناد رُسُل کی طرف کیوں۔

جواب : اہلاک و احاطہ کے سبب وہی تھے اور فعل کا اسناد کبھی سبب کی طرف بھی ہوتا ہے[1]۔ اب واضح اور صاف مطلب یوں ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں گھیرا اور انہیں تباہ و برباد کیا اس لئے کہ اُنھوں نے انبیاء و رُسل علیہم السلام سے استہزار کیا اور حضور رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی یہ وعدہ غزوہ بدر میں پُورا کر دیا گیا۔

---

[1] جیسے ہم کہتے ہیں یا رسُولَ اللہ مدد کیجئے یا کہا جاتا ہے۔ اے شیخ فلاں کام کیجئے۔ مسائل استمداد و استغاثہ اور تصرفات انبیاء و اولیاء اسی قبیل سے ہیں۔ جنہیں وہابیہ شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ فافہم اویسی غفرلہ

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ

تم فرماؤ زمین میں سیر کرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١١﴾ قُل لِّمَن مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

والوں کا کیسا انجام ہوا تم فرماؤ کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے تم فرماؤ

قُل لِّلَّهِ كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ

اللہ کا ہے اس نے اپنے کرم کے ذمہ پر رحمت لکھ لی ہے بے شک ضرور تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا اس میں کچھ

الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾ وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَ

شک نہیں وہ جنہوں نے اپنی جان نقصان میں ڈالی ایمان نہیں لاتے اور اسی کا ہے جو بستا ہے رات اور دن میں اور

هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣﴾ قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ

وہی ہے سنتا جانتا تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا کسی اور کو والی بناؤں وہ اللہ جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے وہ کھلاتا ہے

يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُونَنَّ

اور کھانے سے پاک ہے تم فرماؤ مجھے حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے گردن رکھوں اور ہرگز شرک والوں

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٤﴾ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥﴾

میں سے نہ ہونا تم فرماؤ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

مَّن يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿١٦﴾ وَإِن يَمْسَسْكَ

اس دن جس سے عذاب پھیر دیا جائے ضرور اس پر اللہ کی مہر ہوئی اور یہی کھلی کامیابی ہے اور اگر تجھے اللہ کوئی برائی

اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھے بھلائی پہنچائے تو وہ سب کچھ کرسکتا ہے

قَدِيرٌ ﴿١٧﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿١٨﴾ قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ

اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور وہی ہے حکمت والا خبردار تم فرماؤ سب سے بڑی گواہی کس

شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم

کی تم فرماؤ کہ اللہ گواہ ہے مجھ میں اور تم میں اور میری طرف اس قرآن کی وحی ہوئی ہے کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں

بِهِ وَمَن بَلَغَ أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ قُل لَّا أَشْهَدُ

اور جن جن کو پہنچے تو کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور خدا ہیں تم فرماؤ کہ میں یہ گواہی نہیں دیتا

قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ

تم فرماؤ کہ وہ تو ایک ہی معبود ہے اور میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو جن کو ہم نے

الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا
کتاب وہ اس نبی کو پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں جنہوں نے اپنی جان نقصان میں ڈالی وہ ایمان
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾
نہیں لاتے

تفسیر عالمانہ : قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ " فرمائیے اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اے لوگو) زمین پر چلو تاکہ تمہیں گذشتہ اُمتوں کے حالات و واقعات معلوم ہوں ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ پھر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا انجام کس طرح ہوا یعنی غور و فکر کرو کہ انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ تو کیوں ؟

سوال : ثم تراخی کے لئے آتا ہے اور یہاں پر تراخی کیسے۔

جواب : صرف دو واجب یعنی سِیْرُوْا اور اُنظُرُوْا میں تفاوت کے اظہار کے لئے جن میں تفاوت کی حیثیت کو تراخی تصور کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ صرف نظر الی حال الکفار کے لئے وسیلہ ہے اور سبب ہے مثلاً فقہاء کرام کا مقولہ مشہور ہے توضأ ثم صَلِّ۔ اس میں یہی بات ہے کہ وضوء نماز کا وسیلہ ہے اور ان دونوں اُمور کے تفاوت کو تراخی تصور کیا گیا ہے " اَلْعَاقِبَةُ " مصدر ہے اَمر کے مُنتہیٰ اور اُس کے انجام کو کہا جاتا ہے۔

فائدہ : ہر زمانہ کے سرکش لوگوں اور بُری عادت والوں کا طریقہ رہا ہے کہ وہ انبیاء و اولیاء سے استہزاء اور ٹھٹھا مخول کرتے رہتے ہیں۔ (اور کرتے رہیں گے جیسے اب داڑھی والوں اور علمائے دین اور درویشوں فقیروں سے نئی تہذیب کے دلدادہ مغربیت زدہ کیا کرتے ہیں) اضافہ اویسی غفرلہ)

حدیث شریف : حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم چند ایک غریب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مسجد حرام (مکہ شریف) میں تشریف فرما تھے۔ جن میں حضرت بلال و صہیب و عمار وغیرہم شامل تھے تو وہاں سے ابوجہل کا اہلِ مکہ کے بہت بڑے رؤسا کے ساتھ گذر ہوا۔ ابوجہل کہنے لگا کہ (حضرت) محمد (مصطفےٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہے کہ بہشت کے مالک یہی لوگ ہیں۔ حضرت بلال و دیگر فقراء کی طرف اشارہ کر کے استہزاء کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے بدر میں اس کا مزہ چکھایا کہ استہزاء کرنے والا جہنم رسید ہوا۔ اور یہ فقراء بفضلہ تعالیٰ بہشت کے مالک ہوں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ)

سبق : اس سے دُنیا دار سرکش طبع لوگ عبرت حاصل کریں کہ وہ مالک کس طرح اپنی قدرت کے رنگ دکھاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) نے ترا حفظ زباں از راز کس — نے نظر کردن بعبرت پیش و پس

(۲) پیش چہ بود یاد مرگ نزع خویش — پس چہ باشد مُردن یاراں زپیش

ترجمہ : (۱) نہ تجھے زبان کی حفاظت ہے کہ لوگوں کے ایذاء سے بچ کر رہے نہ ہی تو آگے پیچھے سے عبرت کامل کرتا ہے

(۲) موت کے وقت نزع موت کی یاد کا کیا فائدہ دوستوں کے مرنے کے وقت یاد کرنا بھلا تھا۔

شیعہ کی کہانی اور اُس کا انجام بد

ایک شیعہ ابن ھیلان نامی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دیتا اور سب بکتا تھا۔ ایک دن وہ کسی دیوار کو توڑ رہا تھا کہ اچانک وہی دیوار اس پر گری اور مرگیا اسے مدینہ منورہ میں جنۃ البقیع میں دفنایا گیا لیکن دوسرے دن قبر کھود دی گئی تو وہ اپنی قبر میں نہ پایا گیا اور نہ ہی اُس کی قبر کے نشان کی مٹی بلکہ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی قبر کو کھود کر باہر نکالا گیا ہے لیکن قبر کی ہیئت کذائیہ اپنے حال پر باقی تھی کہ جس سے کھود کر لے جانے کا نشان بھی نہیں تھا تھا۔ اسے علاقہ کے بہت سے لوگوں نے دیکھا اور قاضی جمال الدین صاحب بھی تشریف لائے۔ اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا بلکہ دُور دُور سے لوگ چل کر اس منظر کو دیکھنے کے لئے حاضر ہوئے یہاں تک کہ وہ واقعہ بہت دُور تک پھیل گیا اور ایک عرصہ تک اُس کا چرچا رہا۔

سبق : یہ بھی اللہ تعالیٰ کی آیات سے ہے لیکن اس کے لئے جس کا اللہ تعالیٰ سینہ کھولتا ہے تو وہ ایسی حکایات سے عبرت حاصل کرتا ہے (ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی چاہتے ہیں۔ المقاصد الحسنہ الامام السخاوی قدس سرہٗ)

سبق : اس سے معلوم ہوا کہ جو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کرتا ہے اس کا یہی انجام ہوتا ہے کہ اُسے متبرک مقامات سے نکال کر منحوس مقامات پر پہنچایا جاتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی میرا اُمتی لواطت کا عمل کرتا ہوا مرا تو اُسے اپنے مدفن سے نکال کر لوطیوں کے ساتھ ملایا جائے گا یہاں تک کہ اُس کا حشر بھی اُن کے ساتھ ہوگا۔ (الدرر المنتثرہ الامام السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ)

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ اجساد کو قبور سے بعد از دفن نقل کیا جاتا ہے (یعنی منجانب اللہ نہ یہ کہ لوگ کبھی کہیں دفن کریں تو پھر وہاں سے نکال کر دُوسری جگہ لے جائیں۔ جس کی تشریح دوسرے مقام پہ آئیگی۔ انشاءاللہ

مسئلہ : حشر میں جسد اور رُوح ہر دونوں کو اُٹھنا ہوگا۔

لطیفہ : جیسے اللہ تعالیٰ اشرار کو مقامات مقدسہ سے منتقل کرکے منحوس مقامات پہ لے جاتا ہے۔ ایسے ہی اخیار کو منحوس مقامات سے نکال کر مقدسہ مقامات پر پہنچاتا ہے۔ مثلاً انہیں جنۃ البقیع

یا حجون میں لے جایا جاتا ہے۔ جنۃ البقیع اور حجون دونوں گورستانوں کے نام ہیں جو مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ میں واقع ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اہلیت کے مطابق مقام بخشتا ہے لیکن اس آخری زمانہ میں ایسے لوگ بہت کم ہیں کہ جنہیں قبلہ کی جانب (ظاہراً و باطناً) توجہ اور حیات و ممات میں قبلہ کا تصور ہو کسی نے کیا خوب فرمایا کہ ذھب الناس و مابقی الا النسناس " (حقیقی انسان چلے گئے اب صرف نسناس باقی ہیں)

فائدہ : نسناس سے وہ لوگ مراد ہیں جو انسانوں سے مشابہت کا دم بھرتے ہیں، لیکن وہ حقیقی انسان نہیں ہیں۔ دراصل نسناس یاجوج وماجوج کو کہا جاتا ہے یا وہ ایک دریائی جانور ہے۔ جس کی ظاہری صورت انسانوں جیسی ہے یا اسے انسانوں کی صورت میں پیدا کیا گیا۔ حالانکہ درحقیقت وہ جانور ہے جو بعض باتوں میں انسانوں کے مشابہ ہے اور بعض باتوں میں اُن کے مخالف ایسی مخلوق بنی آدم سے نہیں۔ بعض کے نزدیک وہ بھی بنی آدم ہیں۔

اعجوبہ : مروی ہے کہ عاد کی قوم سے ایک قبیلے نے اپنے رسول علیہ السلام کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نسناس کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ اُن کی علامت یہ ہے کہ ان میں ہر ایک کا بیک طرف ایک پاؤں اور ایک ہاتھ ہوتا ہے۔ اور پرندوں سی چونچ رکھتے اور وہ جانوروں کی طرح گھاس چرتے ہیں۔ غور کیجئے ایسے لوگ اصفیاء و اولوالابصار سے کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہم نے کہا کہ حقیقی انسان دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اگر ہیں تو بہت تھوڑے حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

تناهى الصبر عندخلت بمادى الاسد سرحان
وطار العقل إذ غنى بمعنى الورق غربان

ترجمہ : (۱) اب صبر کے سوا کیا ہو سکتا ہے جبکہ شیروں کی جگہ گدھ بیٹھ گئے

(۲) اور عقل چلی گئی۔ اب درختوں پہ کوے کائیں کر رہے ہیں

(۱) دریں ظلمت سرا تا کے بوئے دوست بنشینم گہے انگشت در دنداں و گہ سر بر سر زانو

(۲) بیا اے طائر فرخ بیاور مژدہ دولت عسی الایام ان یرجعن قوما کالذی کانوا

ترجمہ (۱) اس ظلمت کدہ دُنیا میں کب تک دوست کی خوشبو کے لئے منتظر رہوں گا کبھی انگلیاں منہ میں دباتا ہوں کبھی سر گھٹنوں پر رکھتا ہوں۔

(۲) اے مبارک پرندہ دولت کی خوشخبری لا۔ شاید کہ قوم کے لئے گزشتہ ایام واپس لوٹیں۔

یعنی اس طریق سے واپس لوٹیں جس طرح کہ وہ پہلے نظم و نسق سے زندگی بسر کرتے تھے۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ فرمائیے اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ کس کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ فرمائیے اللہ کے لئے ہے اس میں اہل مکہ سے دلائل کا اعتراف کرایا جا رہا

ہے کہ وہ اقرار کریں کہ تمام عقلاء وغیر عقلاء اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ اور اسی کی ملک ہیں اور ان پر صرف وہی تصرف کر سکتا ہے گویا اُن سے سوال ہُوا کہ بتاؤ اے کافرو ایسے واضح دلائل کے باوجود اب بھی تمہیں اقرار ہے یا نہ جبکہ کسی کو انکار کی گنجائش ہی نہیں۔

سوال : اُن سے سوال کرکے جواب کا انتظار کئے بغیر خود ہی محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب دلوا دیا۔

جواب : اس طرف اشارہ ہے کہ اِس قسم کے سوال کا جواب خود بخود متعین ہوتا ہے۔ اسی لئے جواب کے انتظار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ اُس کے لئے انتظار کئے بغیر فوراً جواب دیا جائے۔

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ط یہ مستقل جملہ ہے۔ یہ بھی قُل کے مقولہ میں داخل ہے۔ یہ اس لئے لایا گیا ہے تاکہ بتایا جائے کہ وہ کریم اپنے بندوں کے لئے بہت بڑا مہربان ہے اور اُن پر سزا کے لئے عجلت نہیں کرتا بلکہ اُن کی توبہ بہت جلد قبول کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ فوراً اپنے دامن رحمت میں لے لیتا ہے اور اپنے نفس پر رحمت لکھ دینے کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے اپنے فضل وکرم سے التزام کیا ہُوا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر رحمت فرمائے۔ یہ معنی اس لئے کہا گیا ہے کہ اُس کی ذات اس سے منزہ ہے کہ اس پر کوئی شئے واجب ہو۔

فائدہ : لفظ ذات کے بجائے نفس کا اطلاق اس لئے فرمایا تاکہ اس کا رَد ہو جو کہتا ہے کہ لفظ نفس کا اطلاق ذات حق کے لئے ناجائز ہے۔

لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ،، البتہ قیامت میں جمع کرے گا۔ یہ قسم محذوف (واللہ) کا جواب ہے۔ یعنی قبروں میں سے اُٹھا کر قیامت میں جمع کرے گا۔ تاکہ تمہیں شرک اور باقی تمام گناہوں کی سزا دے۔ اگرچہ اُس نے اپنی رحمت کی وجہ سے اب تمہیں مُہلت دے رکھی ہے اور تمہارے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جو عموماً دُنیا میں سزا دینے کا کیا جاتا ہے۔ **لَا رَيْبَ فِيْهِ ط** ،، اس میں کوئی شک نہیں۔ یعنی قیامت کا دن یا تمہارے جمع کرنے میں کسی قسم کا شک وشُبہ نہیں۔ **اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ** ،، وہ لوگ کہ جنہوں نے اپنے نفسوں کو گھاٹے میں ڈالا کہ اپنے راس المال یعنی بفطرت اصلیہ اور عقل سلیم کو ضائع کر دیا۔ موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا اور اس کی خبر ہے۔ **فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ** (پس وہ ایمان نہیں لائیں گے) یہ فاء جزائیہ ہے اس لئے کہ مُبتدا شرط کے معنیٰ کو متضمن ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کا ایمان نہ لانا اُن کے خسارہ اور گھاٹے کی وجہ سے ہے اس لئے کہ اُنھوں نے اپنے عقل کو حواس اور وہم کے تابع کرکے تقلید مذموم میں منہمک ہو کر اور نظر وفکر کو غفلت میں ڈال کر ضائع کر دیا۔ اس لئے کہ وہ کُفر کے گڑھے میں جا گرے اور ایمان کی دولت سے محروم ہو کر رحمت خاصہ کے دائرہ سے خارج ہو گئے۔

فائدہ : قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ یہاں پہ رحمت سے رحمت عامہ مُراد ہے۔ یعنی وہ رحمت جو دارین کو شامل ہو منجملہ اُس کے ہدایت الی المعرفت اور العلم بتوحید اور انزال الکتب اور الامہال علی الکفر بھی ہے۔

فائدہ : تفسیر کاشفی میں ہے کہ اس سے رحمت ذاتیہ جیسے رحمت مطلقہ کہا جاتا ہے اور وہ رحمت ہے جو ہر ایک کو پہنچے اور بے مانگے ہر ایک کو ملے نہ ہی مستحق و غیر مستحق کو دیکھے۔ چنانچہ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) در عدم ما مستحقاں کے بدیم ٭ کہ بریں جان و بریں دانش زدیم
(۲) ما نبودیم و تقاضا ما نبود ٭ لطف تو ناگفتہ مامے شنود

ترجمہ (۱) ہم عدم میں اس کے کب مستحق تھے کہ ایسی جان و دانش حاصل کرتے۔
(۲) ہم نہ تھے اور نہ ہی ہمیں ایسے تقاضے تھے تیرے لطف و کرم نے ہمارے سوال کے بغیر ہماری بات سُن لی۔

حدیث شریف : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سو اجزاء ہیں ان میں ننانوے اجزاء اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں رکھے ہیں اور باقی صرف ایک زمین پر نازل کیا گیا۔ اسی ایک جزء سے تمام مخلوق رحم کرتی ہے۔ یہاں تک کہ پرندے اپنے گھونسلے اونچے رکھتے ہیں اور وہاں پہنچ کر بچوں کو دانہ دُنکا کھلاتے ہیں تو بھی اسی رحمت سے (سبق) اس سے مومن کو بشارت و رجا ہے کہ دُنیا میں اُس کی رحمت کی یہ شان ہے کہ بہت بڑے انعامات و کرامات سے ہمیں نوازا جا رہا ہے اور نہ صرف ظاہری نعمتوں سے بلکہ اس کی باطنی نعمتیں بھی بے بہا ہیں۔ پھر اندازہ کیجئے کہ باقی ننانوے رحمت کے حصص جو صرف آخرت کے لئے ہیں مخصوص کئے گئے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔

حکایت : حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں چند قیدی لائے گئے۔ ان میں ایک عورت تھی جو اپنے بچے سے بچھڑ گئی جس نے تلاش بسیار کے بعد اپنے بچے کو پا لیا اور اُسے جلدی سے اُٹھا کر اپنے پستانوں سے لگا لیا۔ اس کی حالت دیکھ کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا بتاؤ کیا یہ عورت اپنے بچے کو عمداً آگ میں ڈالے گی۔ ہم نے عرض کی نہیں بلکہ جہاں تک اسے قدرت ہوگی اپنے بچے کو آگ سے بچانے کی کوشش کرے گی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس عورت سے زیادہ رحیم و کریم ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) آتش از قہر خدا خود ذرہ ایست ٭ بہر تہدید لئیماں درہ ایست
(۲) باچنیں قہرے کہ زفت و فائقت ٭ برو لطفش بیں بروے سابقست
(۳) رحمت بیچوں چنیں واں اے پدر ٭ زائد اندر وہم از وے جز اثر

ترجمہ : (۱) آگ تو اس کے قہر کے آگے ایک ذرہ ہے نالائقوں کے لئے ایک کوڑا ہے۔
(۲) ایسے قہر و غضب کے باوجود کہ وہ غالب ہے لیکن اس کی رحمت اس پہ سابق ہے۔
(۳) اے بزرگ اس کی رحمت کو یوں جان کہ وہ حد و حساب سے باہر ہے نہ اس کا کوئی نشان ہے۔

لطیفہ : حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فتوحات مکیہ شریف میں لکھا ہے۔ آیت رحمت صرف "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" ہے اور یہ آیت ہزار معانی کو متضمن ہے۔ اس کا ہر معنیٰ عرصہ دراز کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ سالک پر لازم ہے کہ اس کے جمیع معانی کو حاصل کرے۔ اس لئے کہ جس پر جو معنیٰ کھلتا ہے۔ اس پر اُسی قدر حقیقت واضح کر دی جاتی ہے اس لئے اس اُمت کے ایک ایک فرد کے لئے ایک ہزار سال عمر ضروری تھی"۔ اے اللہ ہمیں اس وقت اپنی رحمت کی آغوش میں لے لے (جب انسان پسینہ پسینہ ہو جائے گا اور آہ وفغان کا شور ہوگا اور ہم پر ہمارے دوست روئیں گے اور طبیب ہماری زندگی سے مایوس ہو جائے گا) یعنی خاتمہ ایمان پر ہو اور ہمارے حال پر رحم فرما (جب ہمیں مٹی سے چھپائیں گے اور ہم سے دوست الوداع کر کے واپس لوٹیں گے اور دنیوی نعمتیں ہم سے منقطع ہو جائیں گی اور دُنیا کی ہوائیں ہم سے بند ہوں گی) یعنی جب ہم قبر میں دفنائے جائیں تو اپنے فضل وکرم سے ہمیں قبر کے عذاب سے بچانا۔ اے اللہ رحم فرمانا جب ہمارا نام مٹ جائے گا۔ اور ہمارا جسم چُورا چُورا ہو جائے گا اور ہماری قبر کے نشانات بھی ختم ہو جائیں گے اور ہمیں یاد کرنے والا بھی کوئی نہ ہوگا یعنی برزخی زندگی بخیر وخوبی گزرے"۔ اے اللہ ہمارے حال پر رحم فرما جبکہ راز کھل جائیں اور دل کی باتیں سامنے آ جائیں اور ہر ایک کا عمل نامہ کھل جائے گا اور ترازوئے عمل نصب کیا جائے۔ اَللّٰھُمَّ یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَارَحْمٰنُ یَارَحِیْمُ بِرَحْمَتِکَ نَسْتَعِیْن"، یہ تمام مناجات حضرت الشیخ الاکبر محی الدین صاحبِ فتوحات مکیۃ (قدس سرہ) کی ہے اور حق یہ ہے کہ یہ بہترین اور عمدہ ترین مناجات ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِی الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ ؕ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے وہ جو رات و دن میں ساکن ہے۔ (**شانِ نزول**) مروی ہے کہ کفار مکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فقر وفاقہ نے تنگ کر رکھا ہے۔ اس وجہ سے آپ ہمیں نئے دین کی دعوت دیتے ہیں۔ ہم آپ کے لئے بڑے دُور کے علاقوں اور اپنی طرف سے بہت بڑا چندہ کر دیتے ہیں۔ اس طرح سے آپ دُنیا کے امیر ترین انسانوں سے گنے جائیں گے لیکن مہربانی فرمائیے کہ آپ ہمیں اس نئے دین کی دعوت نہ دیجئے۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ جو کچھ رات اور دن میں مستقر ہے اور جن پر یہ دونوں مشتمل ہیں وہ تمام اللہ تعالیٰ کا ہے اگر وہ چاہے تو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیا سے مالا مال کر دے اور وہ تمام مخلوق سے غنی ترین ہوں۔

سوال : رات اور دن میں تو کوئی نہیں ٹھہرتا، بلکہ مکان میں ٹھہرا جاتا ہے۔

جواب : مجازاً مکان کے بجائے زمان کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اشیائے زمانیہ کیا اشیاء مکانیہ کے قائم مقام کھڑا کیا جاسکتا ہے۔" وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۝ اور وہ ہر مسموع شئے کو بہت زیادہ سُنتا ہے اور وہ ہر معلوم شئے کو بہت جانتا ہے۔ نہ اس کے ہاں کسی کے اقوال مخفی ہیں نہ افعال۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں دو جوہر پیدا فرمائے ہیں۔ (۱) ظلمانی (۲) نورانی۔ ہر نور والی شئی کو اس جوہر سے خلاصہ کے طور لیا گیا۔ یہ دن اسی خلاصہ کردہ جوہر سے ہے۔ اس کے بقایا سے پیدا کی گئی۔ اسی طرح ظلمانی جوہر کے خلاصہ سے ظلمانی اشیاء لی گئیں۔ انہیں میں سے رات ہے اس کے بقایا بہشت پیدا کی گئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جنت اللیل سے اور نار جہنم النہار سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فطرتی طور رات انسان کو انس ہے اور محبین بھی رات کو چاہتے اور محبوبین بھی رات کے طالب ہیں۔ اس لئے وصل و صال رات رنگ لاتا ہے۔ (نکتہ) اللیل کو النہار پر مقدم کرنے میں یہی راز ہے کہ رات خدمت مولا کے لئے اور دن خدمت ... کے لئے۔ (لطیفہ) تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو معراج رات کو ہوئی اور وہ ایسی رات ہے کہ جس کی عبادت ... ماہ سے بہتر ہے اور دنوں میں سے کوئی دن ایسی بزرگی اور شرافت والا نہیں۔

فائدہ : ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب رات آتی تو وہ فرماتے "جاءَ الخلق الاعظمُ"، اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عظمت والی مخلوق تشریف لائی (اُن کا یہ مقولہ رات کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے)

اعجوبہ : جسے رات کے اسرار و رموز سے بے خبری اور لاعلمی ہے اور اُسے اس کی مناجات کے مزے اور اُس کی خلوت و وحدت کے ذوق سے بے بہرگی ہے تو وہ رات پر دن کو ترجیح دیتا ہے "۔ **فائدہ** : منقول ہے کہ ثعلب نحوی کہتے تھے وددت ان اللیل نصیر اللیل نہاراً حتی لا تنقطع عنی اصحابی کہ کاش رات بھی دن بن جاتی۔ تاکہ مجھ سے میرے دوست مجھ سے جدا نہ ہو جاتے اس سے ثابت ہوا کہ اُسے یہ حرص اس لئے تھا کہ رات نہ آئے بلکہ دن ہی دن ہو۔

(دیگر) اہل علم باعمل یعنی مجتہدین و دیگر محدثین و مفسرین وغیرہم رات کو دن پر ترجیح دیتے ہیں مثلاً امام اعظم رضی اللہ عنہ دن کو درس و تدریس میں مشغول رہتے اور رات کو بیدار رہتے ؎

ہر گنج سعادت کہ داد بحافظ — از یمن دعائے شب و ورد سحری بود

ترجمہ : جتنا خزانہ اللہ تعالیٰ نے حافظ کو عطا فرمائے یہ تمام دعائے شب اور ورد سحری کی برکت ہے۔

مسئلہ : تقریر مذکور سے معلوم ہوا کہ رات دن سے افضل ہے۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لئے ایک فرشتہ پیدا فرمایا جو اس کے لئے نگرانی وغیرہ کے لئے ساتھ رہتا ہے۔ اسی طرح رات اور دن کے لئے بھی ایک فرشتہ مقرر ہے (حدیث شریف میں ہے) سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے روائت کیا کہ رات کے لئے جو فرشتہ مقرر ہے اس کا نام شراحیل ہے جب رات قریب آتی ہے تو وہ ایک سیاہ منکہ لے کر مغرب کی جانب لٹکا دیتا ہے جب سورج اس منکے کو دیکھتا ہے تو اس طرف آنکھ جھپکنے سے پہلے پہنچ جاتا ہے اور اسے حکم ہے کہ جب مغرب کی طرف ڈوبے تو وہ سیاہ منکے کو لٹکا دے جب

سُورج غرب کرتا ہے تو رات اپنے پَر پھیلاتی ہے (جس پر فرشتے نے دو پر پھیلائے ہُوئے ہیں اور وہی منکہ لٹکا رہا ہے) یہاں تک کہ دن کا مؤکل فرشتہ آتا ہے جس کا نام ھراحیل ہے وہ سفید منکہ لاتا ہے جو طلوعِ شمس کی جگہ پر جا کر لٹکا دیتا ہے۔ جب اُسے سُورج دیکھتا ہے تو وہاں آنکھ جھپکنے سے پہلے پہنچ جاتا ہے اور اسے حکم ہے کہ جب سفید منکہ نظر آئے تو اس وقت مشرق میں پہنچ جائے۔ جب سُورج طلوع کرتا ہے تو دِن فرشتے کے دو پَروں کے نیچے اپنا نُور پھیلا دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ دن کے لئے بھی ایک فرشتہ مقرر ہے اور رات کے لئے بھی یعنی طلوع و غروب فرشتے کے ذریعے ہوتا ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔

تفسیرِ عالمانہ ۱۳ قُلْ ،، اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کفارِ مکہ سے فرمائیے۔

شانِ نزول : یہ آیت اُس وقت نازل ہُوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ مکہ نے شرک اور اپنے آباء کے دین کی دعوت دی تو یہی آیت اُتری۔ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا ،، کیا اللہ تعالیٰ کے غیر کو مستقل بالاشتراک معبود بناؤں۔ حالانکہ ازل سے ہی مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنا حبیب بنایا۔

حدیث شریف میں ہے : لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا غَيْرَ اللّٰهِ لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلًا ،، اگر میں غیر اللہ کو خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے خلیل ہوتے۔ ہاں میرے اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خلیل بنایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہُوا کہ میں غیر اللہ کو خلیل یعنی معبود نہیں بنایا۔ آیت و حدیث میں اس کا انکار ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیر اللہ کو معبود بنانے والے نہیں (اس کا وہ مطلب نہیں جو وہابیوں دیوبندیوں نے سمجھا کہ کسی کو ولی بھی نہ بناؤ)

فائدہ : مفعول کی تقدیم اس لئے ہے کہ نفی کا دارومدار اسی پر ہے۔

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ،، وہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے یعنی اُن کی پیدائش کی مثال پہلے نہیں تھی۔ یہ جُملہ لفظ اللہ (جلّ جلالہ) سے بدل ہے۔ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ،، مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے۔ رزق کا محتاج نہیں۔

سوال : آیت میں لفظ طعام واقع ہے اور تم نے رزق کا معنیٰ کہاں سے نکال لیا۔

جواب : مقصد رزق ہی ہے لیکن چونکہ انسان وغیرہ کو اُس کی حاجت سخت تر ہوتی ہے۔ اس لئے صرف اسی کا نام لیا گیا ذکر الخاص بارادۃ العام کے قبیل سے ہے۔

قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ ،، فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ بے شک میں مامور من اللہ ہوں کہ ہو جاؤں میں سب سے پہلا اسلام لانے والا یعنی میں اپنا منہ اس کی طرف پھیر دوں اور مخلص ہو کر اور آپ کے لئے اوّلیت کی قید اس لئے ہے کہ آپ اپنی تمام اُمت کے امام ہیں۔ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

اور مجھے کہا گیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہراؤں امور دینیہ میں سے کسی امر میں۔ خلاصہ یہ کہ مجھے اسلام کا حکم ہے اور شرک سے روکا گیا۔

صوفی کا اسلام اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ وجود کی تمام قیدوں سے فارغ ہو جانا ہے اور یہ حضرت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے (قیامت میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام نفسی نفسی پکاریں گے۔ آپ امتی امتی فرمائیں گے۔

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ ”فرما دیجئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ اپنے رب کے امر و نہی کی مخالفت کر کے اگرچہ معمولی گناہ سے بھی بے فرمانی کروں تو ڈرتا ہوں۔ **عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ** ۝ بہت بڑے دن کے عذاب سے۔ اس سے قیامت کے دن کا عذاب مراد ہے اور عذاب یوم عظیم“ اخاف کا مفعول بہ ہے۔

اس میں کفار کو بتایا جا رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دین کے داخلہ کی کوئی امید نہ رکھیں بلکہ اپنی خیر منائیں کیا انہیں بہت بڑے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ **مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَئِذٍ** ”یصرف یومئذ کا ظرف ہے۔ یعنی جسے اس بہت بڑے دن میں عذاب ہٹایا جائے گا۔ **فَقَدْ رَحِمَهٗ** ”تو ہر ایک کو یقین ہو جائے گا کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا ہے۔ یعنی اپنے فضل و کرم سے اسے عذاب سے نجات دے کر بہت بڑی نعمتوں سے نوازا ہے۔ **وَذٰلِكَ** ”اور اس سے عذاب ہٹا لینا۔ **الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ** ۝ اس بندے کے لئے بہت بڑی کامیابی ہوگی یعنی اسے نجات نصیب ہوگی۔ ۝ **وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ** اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کوئی دکھ اور درد پہنچائے یہ دوسری دلیل ہے۔ اس معنی کے لئے کہ سمجھدار پر لازم ہے کہ مصیبت اور مرض وغیرہ میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے کو حقیقی اور مستقل بالذات مشکل کشا نہ سمجھے۔

فائدہ: بِضُرٍّ کی باء تعدیہ کی ہے۔ اس کا فارسی میں ترجمہ ہوگا ”اگر برساند خدا بتو سختی“

فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ ”تو کسی کو قدرت نہیں کہ اس سختی اور دکھ درد کو ٹال سکے یا دور کر سکے۔ **اِلَّا هُوَ** ”سوائے اس اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ کے **وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ** ”اور اگر وہ پہنچائے بھلائی یعنی تندرستی اور نعمت وغیرہ وغیرہ۔ **فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** ۝ تو وہ ہر شئ پر قادر ہے اس لحاظ سے کہ وہ اس شئ کی نگرانی اور اسے کسی کو دائمی طور عطا کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ پھر کسی کو یہ طاقت نہیں کہ اس سے وہ بھلائی چھین سکے یا ہٹا سکے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا **فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ**۔

حکایت: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کسریٰ نے ہدیہ کے طور ایک خچر بھیجا۔ اس کے منہ میں لگام دے کر آپ اس پر سوار ہوئے تو مجھے بھی ساتھ بٹھا لیا۔ تھوڑی دیر چلے تھے تو میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے عزیز اگر

اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کروگے تو اللہ تعالیٰ کو ہر مقام پہ اپنا محافظ و نگران پاؤگے اور نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کو مدِ نظر رکھوگے تو دُکھ درد کے وقت اسے کریم و رحیم پاؤگے۔ اگر کسی شئی کی ضرورت ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو اگر مدد چاہیئے تو اللہ تعالیٰ سے چاہو اس لیئے کہ جو کچھ ہونا تھا وہ قلم نے لکھ دیا گیا اگر تمام مخلوق مل کر تمہیں کسی معاملہ میں فائدہ پہنچانا چاہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو ارادہ نہیں تو تمہیں خس برابر بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اگر وہ مل کر تجھے نقصان پہنچانا چاہیں لیکن جسے اللہ تعالیٰ کے قلم نے تمہارے متعلق نہیں لکھا تو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اگر ہو سکے تو یقین کو مدِ نظر رکھ کر صبر پہ مداومت کیجئے۔ اگر یقین کی دولت میسر نہیں تو صبر کا دامن نہ چھوڑیئے اس لیئے کہ دُکھ اور تکالیف کے وقت صبر کرنے میں بہت بڑے فوائد ہیں۔

رُوحانی فوائد (۱) فتح و نصرت صبر میں (۲) کشادگی اور مشکل کا حل ہونا دُکھ اور درد میں ہے اس لئے کہ ہر دُکھ کے ساتھ آرام و آسودگی ہے۔

سوال: کبھی انسان سے دُکھ اور درد ٹال دیتا ہے اور تم کہتے ہو کہ مشکلکشا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں (**جواب**) مشکلکشا حقیقی اللہ تعالیٰ ہے باقی کسی سے تکالیف اور مصائب دُور ہوتے ہیں تو وہ اسباب و وسائل ہیں اُن میں کوئی حرج نہیں[1] (یہی ہم کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو اگر مشکل کشائی اور حاجت روائی سے موصوف کیا جاتا ہے تو بوجہ وسائل و اسباب کے ہے جسے وہابیہ و دیوبندیہ نجدیہ تا حال نہیں سمجھے یا سمجھے ہیں تو ضد کے شرک کی مشین چلاتے ہیں) حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

اگر رنج بپشت آید و گر راحت اے حکیم ❁ نسبت مکن بغیر کہ اینہا خدا کند

ترجمہ: اگر تجھے رنج پہنچے یا راحت سوائے خُدا کے کسی دُوسرے کی طرف منسوب نہ کر۔

ردِ وہابیہ و دیوبندیہ از صاحب رُوح البیان

صاحبِ رُوح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ ولکن الاستعانۃ فی الحقیقۃ من اللہ فلاستعانۃ من الانبیاء والاولیاء انما ھی استشفاع منھم فی قضاء الحاجۃ والموحد لا یعتقد ان فی الوجود مؤثر غیر اللہ تعالیٰ، استعانت بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ انبیاء اور اولیاء سے استعانت بمعنیٰ اُن سے شفاعت طلب کرنے کے معنیٰ میں ہے کہ اپنی ضرورت کے وقت انہیں وسیلہ بنایا جاتا ہے ورنہ حقیقتاً استعانۃ تو اللہ تعالیٰ سے ہے اس لیے موحد کا اعتقاد یہی ہے کہ ہر شئی مؤثر صرف اللہ تعالیٰ ہے[2]۔

[1] بحمدہ تعالیٰ یہی طریقہ اہلسنت کو نصیب ہے کہ مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے۔ مدد چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے انبیاء و اولیاء کو اُس کی درگاہ کا وسیلہ مانتے ہیں اور انہیں وسیلہ بنانا عین اسلام ہے۔ ۱۲۔ اویسی غفرلہ

[2] یہ ہیں صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ جو ۱۰۔۱۱ صدی میں ہم اہلسنت کے حق میں فیصلہ دے گئے جسے آج وہابی، دیوبندی، نجدی شرک کہنے سے نہیں تھکتا۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الْقَاهِرُ ، اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اسے کوئی شئی عاجز نہیں کر سکتی اور وہ سب پر غالب ہے۔ فَوْقَ عِبَادِهٖ ، وَهُوَ الْحَكِيْمُ ، اپنے بندوں پر غلبہ رکھتا ہے اور وہ حکیم ہے کہ اپنی حکمت سے جس طرح کرتا اور حکم فرماتا ہے۔ الْخَبِيْرُ ۝ اور اپنے بندوں کے حالات سے باخبر ہے اور اُن کے پوشیدہ سے پوشیدہ امور کو جانتا ہے۔

سوال : اللہ تعالیٰ کے قہر اور علوشان کو فوقیت سے تعبیر فرمایا جو ایک حِسّی امر ہے، حالانکہ نہ اس کا قہر حِسّی ہے اور نہ علوشان۔

جواب : یہ استعارہ تخییلیہ ہے جسے اہلِ علم جانتے ہیں اور ایسے مواقع پر اسے استعمال کرنا نہایت درجہ کی بلاغت سمجھی جاتی ہے۔

فائدہ : وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ سے کمال قدرت کا اظہار مطلوب ہے جیسے وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ سے کمال علم کا اظہار مقصود ہے۔

فائدہ : فناری رحمہ اللہ الباری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں فوقیت سے قدرت کی حیثیت مطلوب ہے نہ کہ فوقیت مکان کی حیثیت مُراد ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو مکان کی نسبت سے مُنزہ ماننا ضروری ہے[1]۔ اس لئے کہ اس کو تمام ممکنات پر غلبہ ہے وہ معدومہ ہوں یا موجودہ اس لئے کہ اُن کے ہر فرد پر اسے قہر و قدر کی قدرت ہے مثلاً معدومات کو موجود کر سکتا ہے اور موجودات کو معدُوم۔

تفسیر صُوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قہر تمام بندوں کو حاوی ہے کفار پر قہر کا یہ معنیٰ ہے کہ اُن کے قلوب پر موت طاری کر دی اور اُن کے نفوس کو حیات بخشی۔ جبکہ ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ نے ایک نُور کا چھینٹا ارواح پر مارا۔ اس وقت کفار کی رُوحیں ظلمات طبیعت میں بھٹکتی رہیں اور نُور کے چھینٹے سے محروم ہوگئیں جنہیں نُورِ شریعت سے یکسر دُور رکھا گیا اور مومنین کے ارواح پر انوارِ شریعت سے اسے غلبہ ہے کہ قیام طاعت کی وجہ سے انہیں ظلماتِ طبعیہ سے نکال لیا اور محبین یعنی عُشاق پر غلبہ کا یہ معنیٰ ہے کہ اُن کے قلوب پر اشتیاقِ دیدار کی چنگاری ڈال دی اور پھر انہیں اپنے مشاہدہ کے لُطف سے مانوس فرمایا اور صدیقین کے ارواح پر غلبہ کا یہ معنیٰ ہے کہ اُن پر صفات جلالیہ کے تجلیات ڈالے اس وجہ سے صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ سوائے ذاتِ حق کے اور کسی کو نہ دیکھے اور اُس کے عزت کے جھنڈوں کے تلے نہایت عجز و انکسار سے مغلوبیت کا مظاہرہ کرے بلکہ اس کی صمدیت کے میدانوں میں اپنے آپ کو ذرّہ بےمقدار بنا دے۔

---

[1] لیکن غیر مقلدین وہابیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو عرش پر بیٹھا ہُوا ماننا واجب ہے اور اس کے برعکس عقیدہ کو بدعت سیئہ سے تعبیر کرتے ہیں (ایضاح اسماعیل الدہلوی و فتاویٰ ستاریہ وغیرہ)

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے مولا کو پہچانے اور صرف اس کی عبودیت میں مشغولیت رکھے اس لئے کہ اُس کا مولیٰ وہ ہے جس نے ہر شئ کو عدم سے وجود بخشا اور سب پر اُسی کا غلبہ ہے۔

حکایت : حضرت شیخ عبدالواحد بن زید قدس سرہ نے فرمایا کہ میں ایک سفر میں بحری جہاز پر سوار تھا کہ باد مخالف نے ہمیں ایک جزیرے میں پھینک مارا۔ وہاں ایک بُت پرست بُت کے سامنے عبادت کر رہا ہے ہم نے اس سے پُوچھا اے بھائی کس کی عبادت کر رہے ہو۔ اُس نے بُت کی طرف اشارہ کیا ہم نے کہا یہ تیرا معبود مصنوعی ہے۔ ہم میں ہر ایک کو قدرت حاصل ہے کہ اس جیسا اور تیار کرلے وہ بھی کوئی معبود ہے کہ جس کا وجود مخلوق کے رحم و کرم پر ہو اُس نے ہم سے سوال کیا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو۔ ہم نے جواب دیا ہم اس کی عبادت کرتے ہیں جس کا تخت آسمان پر اور اس کی گرفت زمین پر ہے۔ اُس کا حکم تمام زندوں اور مُردوں پر برابر چلتا ہے اس کے اسماء تقدس اور عظمت و کبریائی بہت بُلند ہے۔ اُس نے پوچھا اس کی تمہیں کس نے خبر دی۔ ہم نے کہا اُس نے ہمارے ہاں ایک رسُول کریم علیہ السلام بھیجا جس نے ہمیں اس کی خبر دی ہے۔ پھر اُس نے پُوچھا تمہارے رسُول علیہ السلام پر کیسی گُزری۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ نے موت کا فرشتہ بھیج کر انہیں اپنے ہاں واپس بُلا کر بہت بڑے انعامات سے نوازا اُس نے پوچھا تمہارے رسُول علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد تمہارے ہاں اُن کی کوئی نشانی بھی ہے۔ ہم نے کہا ہاں وہ ہمارے رب کی دی ہُوئی کتاب چھوڑ گئے ہیں۔ اُس نے کہا تو مجھے وہ کتاب دکھاؤ (جو تمہارے رب تعالیٰ نے تمہارے نبی علیہ السلام کو دی اور وہ تمہارے ہاں چھوڑ گئے کیونکہ بادشاہوں کی کتابیں نہائت ہی برتر ہوتی ہیں) ہم نے اُس کے سامنے کتاب الہٰی کی ایک سُورۃ پڑھی۔ وہ ختم سورۃ تک اُسے غور سے سُنتا رہا۔ اختتام پر کہنے لگا کہ ایسے صاحب کے کلام کی نافرمانی نامناسب ہے۔ یہ کہہ کر اسلام قبول کر لیا اور بحمدہ تعالیٰ تادمِ زیست اسلام پر قائم رہا اور اسلام پر اُس کی موت واقع ہُوئی اور اُس کا خاتمہ نہائت ہی احسن طریق سے ہُوا۔

تفسیر عالمانہ : **قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً** ط (**شانِ نزول**) مروی ہے کہ مکہ کے قریشیوں نے آپ سے کہا کہ ہم نے آپ کے یہود و نصاریٰ سے پُوچھا تو اُن کا خیال ہے کہ اُن کے ہاں آپ کے متعلق کوئی معلومات نہیں۔ اور نہ ہی آپ کے متعلق اُن کی کتابوں میں کسی قسم کے علامات ہیں۔ اب آپ سے سوال ہے کہ ہمیں اپنی رسالت پر کوئی ایسی شہادت پیش کریں جس سے ہمیں یقین ہو کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کے رسُول ہیں ورنہ اُنھوں نے تو آپ کے متعلق انکار کیا ہے۔ اُس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ باعتبار شہادت کے کس کی گواہی بڑی ہے۔

قُلِ اللّٰهُ ،، فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ اللہ تعالیٰ کی گواہی سب سے بڑی ہے اور مخلوق میں سے کوئی گواہی اُس کی گواہی کا مقابلہ نہیں کر سکتی اس لئے کہ مخلوق کی شہادت اور اُن کے علوم حقائق اشیاء کا احاطہ

نہیں کر سکتے اور حق سبحانہ تعالیٰ کا علم جمیع اشیاء کے حقائق کو محیط ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سوال مذکور کے جواب میں اپنے محبوب علیہ السلام کو جواب کے لئے منتخب فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اس سوال کے جواب کی نہ قدرت انہیں ہے اور نہ وہ اس کے جواب کے اہل ہیں بلکہ اس کے جواب کی صلاحیت صرف محبوب کردگار صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ شَهِيدٌ وہی گواہ ہے۔ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ”میرے اور تمہارے مابین“ وَأُوحِيَ إِلَيَّ ”اور اس کی طرف سے میری طرف وحی آئی ہے۔“ هَٰذَا الْقُرْآنُ ”یہی قرآن میری رسالت کی صحت پر شاہد ہے۔“ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ ”تاکہ میں اسی کے ذریعے تمہیں ڈراؤں یعنی اس کے اندر جو وعیدیں ہیں تمہیں اے موجودہ کافرو ڈراؤں۔“ وَمَنْ بَلَغَ اس کا عطف (کُمْ) مخاطبین کی ضمیر پر ہے یعنی اسے ڈراؤں جس انسان کو قیامت تک جن کے ہاں یہ قرآن پہنچے۔ (فائدہ) حضرت محمد بن کعب القرظی نے فرمایا مَنْ بَلَغَ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے ہاں قرآن پہنچا گویا اس نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور ان سے گویا براہ راست قرآن سنا۔

أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ ”اس سے ان سے اعتراف کرانا مطلوب ہے کہ واقعی وہ مشرک ہیں اس لئے کہ انہیں اس سے انکار کی گنجائش ہی نہیں جبکہ وہ اس عمل میں بہت بڑی شہرت رکھتے ہیں اور یہ استفہام انکاری اور توبیخی ہے۔ اس کا ترجمہ ہے کیا تم وہی ہو جو گواہی دیتے ہو۔ أَنَّ مَعَ اللَّهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ ”بے شک اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے اور معبود ہیں۔ قُلْ ”اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیے لَا أَشْهَدُ ”میں تو گواہی نہیں دیتا (اگرچہ تم اس کی گواہی دے رہے ہو لیکن وہ باطل محض ہے)

قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ (فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ بے شک صرف وہی ایک معبود ہے) لفظ قُلْ کا بار بار لانا محض تاکید کے لئے ہے۔ یعنی تم شرک کی گواہی دیتے رہو لیکن میں تمہارا ساتھ نہیں دیتا بلکہ میرا تو عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی منفرد بالالوہیت ہے۔

وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ○ اور جن بتوں کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں۔ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ ”وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی۔ ان کے سابق سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ تھا کہ کافروں نے کہا کہ ہم نے اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بارے میں یہود و نصاریٰ سے پوچھا ہے تو ایسے ویسے کہتے ہیں۔ اب ان کے سوال کا تفصیلی جواب ہے۔ الَّذِينَ سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور الکتاب سے جنس کتاب مراد ہے جس میں توراۃ و انجیل بھی شامل ہے۔ يَعْرِفُونَهُ ”وہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارکہ اور آپ کے جملہ صفات سمیت اپنی کتاب سے جانتے ہیں۔ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ”جیسے وہ اپنے بیٹے کو حلیے سمیت جانتے ہیں۔

حدیث شریف : جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ إِنَّهُ لَا

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتیں جھٹلائے بے شک

يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢١﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ

ظالم فلاح نہ پائیں گے اور جس دن ہم سب کو اٹھائیں گے پھر مشرکوں سے فرمائیں گے کہاں ہیں تمہارے

شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ

وہ شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے پھر ان کی کچھ بناوٹ نہ رہی مگر یہ کہ بولے ہمیں اپنے رب

رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾ انظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ ۚ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا

اللہ کی قسم کہ ہم مشرک نہ تھے دیکھو کیسا جھوٹ باندھا خود اپنے اوپر اور گم گئیں ان سے جو باتیں

كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن

بناتے تھے اور ان میں کوئی وہ ہے جو تمہاری طرف کان لگاتا ہے اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف کر

يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا

دیئے ہیں کہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کان میں ٹینٹ اور اگر ساری نشانیاں دیکھیں تو ان پر ایمان نہ لائیں گے یہاں

جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٥﴾

تک کہ جب تمہارے حضور تم سے جھگڑتے حاضر ہوں تو کافر کہیں یہ تو نہیں مگر اگلوں کی داستانیں

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ ۖ وَإِن يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾

اور وہ اس سے روکتے اور اس سے دور بھاگتے ہیں اور ہلاک نہیں کرتے مگر اپنی جانیں اور انہیں شعور نہیں

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا

اور کبھی تم دیکھو جب وہ آگ پر کھڑے کیے جائیں گے تو کہیں گے کاش کسی طرح ہم واپس بھیجے جائیں اور اپنے رب کی

وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُم مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِن قَبْلُ ۖ وَلَوْ

آیتیں نہ جھٹلائیں اور مسلمان ہو جائیں بلکہ ان پر کھل گیا جو پہلے چھپاتے تھے اور

رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا

اگر واپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع کیے گئے تھے اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں اور بولے وہ تو یہی ہماری

الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ

دنیا کی زندگی ہے اور ہمیں اٹھنا نہیں اور کبھی تم دیکھو جب اپنے رب کے حضور کھڑے کیے جائیں گے فرمائے گا

هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ

کیا یہ حق نہیں کہیں گے کیوں نہیں ہمیں اپنے رب کی قسم فرمائے گا تو اب عذاب چکھو بدلہ اپنے

تَكْفُرُوْنَ ۝
کفر کا

بقیہ صفحہ ۴۶۹ — لئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہی آیت نازل فرمائی۔ بتائیں کہ آپ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا جانتے ہیں۔ حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ میں نے جب سے انہیں دیکھا ہے تو مجھے اُن پر اتنا یقین ہے جیسے اپنے بیٹے پر بلکہ اس سے بھی زائد اس لئے کہ مجھے عورتوں پر بھروسہ نہیں کہ نامعلوم میری عدم موجودگی میں کیا کیا ہو لیکن مجھے حضور علیہ السلام پر پختہ عقیدہ ہے کہ یقینی طور وہ نبی برحق ہیں (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں نیکی کی توفیق بخشے)۔

اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ,, اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفسوں کو گھاٹے میں ڈالا۔ (اس سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکین مراد ہیں) یعنی اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی فطرت کو ضائع کیا اور وہ آیات بینات (جو ایمان کا موجب ہیں) سے رُوگردانی کی۔ یہ اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر مُبتدا اور اُس کی خبر فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (وہ ایمان نہیں لائیں گے) ہے۔ اس لئے کہ اُن کے دلوں پر مہر ثبت ہو چکی ہے فاء سببیہ اُن کے فطرت سلیمہ کو ضائع کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ (ف) اس سے ثابت ہوا کہ عقل سلیم بھی اُن سے جاتا رہا۔ اسی لئے وہ ایمان قبول نہ کر سکے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کی بہشت میں ایک منزل اور ایک منزل جہنم میں متعین فرمائی ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو اہل نار کے تمام منازل اہل جنت پر تقسیم ہونگی یہی اُن کے لئے سب سے بڑا خسارا ہے۔ (البغوی)

تفسیر عالمانہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (اس سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء کرے) وہ لوگ دونوں کتابوں (تورات و انجیل) سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تعریف کے خلاف غلط اوصاف عوام کو سُناتے یہ بھی اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے اور یہ بھی کہتے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں اور یہ بھی بتاتے کہ یہی ملائکہ قیامت میں ہماری سفارش فرمائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ط (یا وہ اللہ تعالیٰ کے آیات کی تکذیب کرے) مثلاً اُنھوں نے قرآن مجید کو نہ مانا اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو جادو سے تعبیر کیا اور تورات کی تحریف کی اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مبارکہ غلط مسلط طریقے سے بتائے وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ۔ افتراء و تکذیب کو لفظ اَوْ سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ ہر دونوں ایک ہیں۔ چونکہ وہ ظلم میں

دیکھتا تھے اسی لئے اُسے افعل التفضیل سے تعبیر فرمایا جس کا اللہ تعالیٰ نے اثبات فرمایا اس کی اُنھوں نے نفی کی اور جس کی نفی اللہ تعالیٰ نے کی اس کا اُنھوں نے اثبات کیا۔ اِنَّهٗ بیشک شان یہ ہے لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ کہ ظالم تکالیف سے نجات اور مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ غور کیجئے کہ جب ظالم کا یہ حال ہے تو اظلم کا کیا حشر ہوگا۔

۝ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ، یوم منصوب علی الظرفیہ اور فعل محذوف سے متعلق ہے اور اُسے محذوف اس لئے کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ وہ دن ہولناک ہے کہ اُس کے لئے شرح و بیان کی گنجائش نہیں۔ الحشر بمعنی لوگوں کو ایک جگہ معلوم پر جمع کرنا اور ضمیر ھُم تمام لوگوں کی طرف راجع ہے اور جمیعاً ضمیر سے حال ہے اب معنی یُوں ہوگا کہ قیامت کے میدان میں ہم تمام لوگوں کو جمع کریں گے۔ پھر برسر میدان عام مجمع میں مشرکوں کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے قیامت کی ہولناکیوں اور تباہیوں سے انہیں باخبر کرکے کہیں گے۔ ثم تراخی کے لئے ہے بایں معنی کہ میدان قیامت کو طے کرنے کے لئے چند مقامات[1] پر منقسم کیا جائے گا اور ہر مقام پر بہت بڑے عرصہ تک ٹھہرنا پڑے گا کہ ہر پہلے موقف کی طرح دوسرے موقف پر وقت بسر کرنا ہوگا۔

اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ ، تمہارے معبود کہاں ہیں جنہیں تم نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا تھا یہ اضافت بیانیہ ہے اس اعتبار سے کہ اُنھوں نے اپنے معبودوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ثابت کیا۔ اَلَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے کہ وُہی تمہارے معبود اور وہی بارگاہ حق میں تمہارے شفیع ہوں گے۔ (ف) الزعم کا اکثر قول باطل اور کذب پر اطلاق ہوتا ہے۔ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا ، اُن کا فتنہ صرف یہی تھا کہ وہ کہیں گے فتنہ ، لم تکن کے اسم کی وجہ سے مرفوع اور خبر (اِلَّآ اَنْ قَالُوْا) اور اعم الاشیاء سے استثناء مفرغ ہے اور فتنہ سے کفر یعنی اس کا انجام مُراد ہے یعنی مدۃ العمر جو وہ کُفر میں ڈُوبے رہے اور اس پر انہیں فخر و ناز بھی تھا اُس کا انجام یہ ہوگا کہ قیامت میں اُلٹا اس سے انکار اور برأت کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے۔ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ بخدا ہم تو مشرک نہیں تھے اُن کے جواب کو فتنہ سے تعبیر کیا۔ اس لئے کہ ان کا وہ جواب کذب محض تھا اور یہ عمداً کہا ورنہ اُنہیں یقین تھا کہ وہ دُنیا میں شرک و کفر میں منہمک رہے یا حیرت یا مدہوشی میں کہیں گے۔ مثلاً دوزخ سے نکلنے کے لئے عرض کریں گے۔ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا ، حالانکہ انہیں یقین تھا کہ وہ جہنم میں ہمیشہ تک رہیں گے[2] اُنْظُرْ ، اے پیارے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیے۔ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ، دُنیا میں اپنے شرک کے صدور کا انکار کرکے جھوٹ بولیں گے۔ ایسے وقت میں اُن کا جھوٹ بولنا عجیب ہے وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ اس کا عطف کذبوا پر ہے اور اُنظر کی خبر میں داخل ہے یعنی زائل اور باطل ہُوا۔ ان کا وہ افتراء جو وہ بتوں کے بارے میں

---

[1] پچاس ہزار سال کا دن ہوگا ہر موقف ایک ہزار سال کا ہوگا ۱۲۔ (الواقح الانوار للشعرانی)

…رکھتے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں[1]۔ اور ان کا سفارشی ہونے کا گمان قیامت میں یکسر غلط ہو جائیگا۔

مسائل شرعیہ : (مسئلہ) آیت سے ثابت ہوا کہ لفظ شئے کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے لیکن شئے بمعنی شائی ہونا ضروری ہے نہ بمعنی المشئی وجودہٗ ،، اس لئے کہ …تعالیٰ کی صفت الشائی والمرید ہے۔

مسئلہ : توحید کے اقرار کے بعد شرک سے بری ہونا بھی ضروری ہے۔

فائدہ : حضرت مولانا الشہید یاخی چلپی مرحوم نے صدر الشریعۃ کے حواشی پر لکھا کہ یہود و نصاریٰ کے …لانے میں شرط ہے کہ وہ یہودیت و نصرانیت سے بھی توبہ کریں۔ اگرچہ بظاہر کلمہ شہادت ہزار بار بھی پڑھ… اس لئے کہ وہ رسول اللہ کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ان لوگوں کے لئے ہیں جو مسلمان ہیں۔ …یہود و نصاریٰ کے رسول نہیں)

مسئلہ : شرک سے بری ہونے کی شرط اُن کے لئے ہے جو دار الاسلام میں ہیں اور جو لوگ دار الحرب …ہوں اور اُن پر کوئی مسلمان حملہ کرے اور وہ اس حملہ پر کلمۂ شہادت پڑھ لیں اور کہیں ہم دینِ اسلام میں داخل …یا کہیں ہم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہیں تو ان سے ایسے الفاظ سن کر بلا شرطِ دیگر اُس کی …قبول کی جائے گی۔

مسئلہ : الدر المختصر میں ہے ایمان کے لئے اتنا کافی ہے کہ کوئی کہے جن امور کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے وہ سب کے سب مجھے منظور ہیں اور جن امور سے روکا ہے اُن سے بچتا رہوں گا جو شخص اِن دونوں باتوں …دل سے مانے اور زبان سے اقرار کرے تو وہ یقیناً صحیح مومن ہے۔

مسئلہ : جو مومن مسلمانوں کے علاقوں میں زندگی بسر کرتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے مصنوعات دیکھ کر سبحان اللہ کہہ دیتا ہے تو وہ مقلد نہیں (بفضلہٖ تعالیٰ یہی بات ہمارے ہر مسلمان سنی حنفی کو حاصل ہے)

مسئلہ صوفیانہ : جیسے آباء اپنے ابناء کے وجود کے سرچشمہ اور اصل ہیں ایسے ہی اہلِ معرفت سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے وجود کا مبداء و مصدر ہے کہ اُس کے وجود سے …ہی ان کا وجود ہے اگر وہ نہ ہوتا تو تمام معدوم ہی معدوم ہوتے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) در مکتب حقائق و پیش ادیب عشق ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

---

[1] اُن کا عقیدہ بتوں کے سفارشی بنانے کا اس لحاظ سے غلط نہیں تھا کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنانا حرام ہے …اس معنے میں غلط تھا کہ اُنھوں نے ایسی اشیاء کو خدا تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنایا جو سفارشی ہونے کے اہل نہیں بلکہ …… مغضوب و معتوب تھے حالانکہ سفارشی محبوبوں کو بنایا جاتا ہے جیسے انبیاء و اولیاء ۱۲۔ اویسی غفرلہ

(۲) خواب وخوارت ز مرتبۂ خویش دُور کرد   آنکہ رسی بخویش کہ بے خواب وخور شوی

ترجمہ : (۱) مکتب حقائق میں عشق ادب سکھانے والے کے سامنے جدوجہد کر ایک دن تو باپ ہوگا۔
(۲) تجھے خواب وخور خودی کے مرتبہ سے دور کر دیا جب تمہیں خودی کا مقام نصیب ہوگا تو خواب خور کی تجھے ضرورت نہ ہوگی۔

نسخہ رُوحانی : مبدأ قدیم تک وصف حادث کے پُل کو عبور کرنے کے بعد پہنچنا پڑتا ہے۔
(مسئلہ) قیامت میں صرف ایمان، توحید، صدق، اخلاص ہی فائدہ پہنچائیں گے اور شرک انسان کو ذلیل وخوار کرے گا۔

فائدہ : قیامت میں جب مشرکین دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ توحید کے گُناہ معاف فرما کر انہیں نجات کی خوشخبری سُنا رہا ہے تو کفار آپس میں مشورہ کریں گے۔ ہم بھی کُفر چھپا کر اللہ تعالیٰ سے نجات کی درخواست کریں۔ جب اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے تو عرض کریں گے۔ مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ اے اللہ تعالیٰ ہم دُنیا میں مشرک نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے مُنہ پر مہر ثابت فرما کر اُن کے اعضاء کو فرمائے گا کہ تم اُن کے متعلق کیا جانتے ہو ان کے تمام اعضاء اُن کے کُفر کی گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا لے جاؤ انہیں جہنم میں اسی بناء پر وہ کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

اہلِ ریا کا انجام : اسی طرح اہلِ ریاء بھی اپنے ریاء کو چھپا کر اہلِ توحید مخلصین کے ساتھ ملنے کی کوشش کریں گے تو اُن کے خلاف بھی اُن کے اعضاء گواہی دیں گے جس کی وجہ سے وہ بھی داخلِ جہنم ہوں گے۔

فائدہ : جہنم کی تخلیق اس لئے ہُوئی کہ اس سے ڈر کر لوگ کفر سے بچیں۔ لیکن وہ کفر کر کے اس میں ہمیشہ تک رہیں گے (مسئلہ) اللہ تعالیٰ واحد ہے اور اُس کی وحدانیت پر ہر شئے گواہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ معرفت اُس کی معرفت و توحید کا ہر شئی سے مشاہدہ کرتے ہیں اور شئی کے آثار شئے کی کثرت پر دلالت نہیں کرتے بلکہ اُس کی وحدت کی گواہی دیتے ہیں۔ مثلاً گُٹھلی ایک ہے لیکن اُس سے بے شمار درخت پیدا ہوتے اور وہی اُس کے آثار اور اُس کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

تا دم وحدت زدی حافظ شوریدہ حال ؛ خامۂ توحید کش بر ورق این و آن

ترجمہ : اے شوریدہ حال حافظ وحدت کا کب تک دم بھرے گا توحید کا قلم این و آن پہ کھینچ۔

(۴۲) وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ،، جب آپ قرآن مجید پڑھتے ہیں تو اُن کے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔

شانِ نزول : مروی ہے کہ ابوسفیان ولید، نضر، عُتبہ، شیبہ، ابوجہل اوران جیسے اور بڑے لیڈر (مشرکین) جمع ہو کر حضور پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سُنتے

تھے۔ سب نے نضر سے کہا (اس لئے کہ وہ بہت بڑا تاریخ دان تھا) کہ بتایئے (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کیا پڑھتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ بخدا میں تو کچھ نہیں سمجھا۔ صرف اتنا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان ہلا رہے ہیں۔ اور باتیں وہی ہیں جو پہلے لوگوں کے بناوٹی قصّے اور من گھڑت داستانیں مشہور ہیں۔ جیسے میں تمہیں گذشتہ لوگوں کے واقعات وحالات سُناتا ہوں۔ کچھ ایسے ہی وہ بھی پڑھتے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ مجھے تو اُن کی بعض باتیں حق معلوم ہوتی ہیں۔ ابوجہل نے کہا غلط کہتے ہو اُن کی کوئی بات حق ہو سکتی ہی نہیں (معاذ اللہ) اُن کی اِس گفتگو پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(ف) مِنْهُمْ کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے۔ وَجَعَلْنَا،، اور ہم نے پیدا کر دیئے ہیں عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً ،، یعنی غلاف یعنی بڑے پردے کہ جن کی مقدار خارجی طور پر محسوس نہیں ہوتی کہ جسے لوگ معلوم کر سکیں۔

(ف) اكنة اکنان (بالکسر) کی جمع ہے ہر وہ شئے کہ جس سے کسی شئی کو چھپایا جائے

اَنْ يَّفْقَهُوْهُ ،، یہ مفعول لہٗ ہے اس کا مضاف محذوف ہے۔ دراصل کراھۃ اَنْ يَّفْقَهُوْا مَا يَسْتَمِعُوْنَ الخ ہے یعنی کراہت کی وجہ سے کہ وہ قرآن کے سُنے ہوئے کو سمجھ لیں۔

سوال : قرآن کا لفظ آیت میں نہیں۔ تم نے کہاں سے نکال لیا۔

جواب : يَسْتَمِعُ سے دلالۃً معلوم ہوا

وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ،، اور اُن کے کانوں پر ٹینٹ اور بوجھ ہے یعنی اُن کے کانوں پر یہ بوجھ اس لئے ڈال دیا گیا تاکہ انہیں قبولیت کا استماع نصیب نہ ہو۔

فائدہ : یہ تمثیل ہے کہ وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس سے جاہل اور فہم قرآن کی دولت سے بہت دُور اور اُن کے کان قرآن مجید سُننے سے بالکل خالی ہیں۔

عقیدہ : آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی مقلب القلوب ہے۔ کسی کا سینہ ہدایت کے لئے کھول دیتا ہے تو کسی کے دل پر مہر ثبت کرتا ہے تاکہ وہ کچھ نہ سمجھے اور نہ ہی دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہو یہی اہلسنت کا مذہب ہے۔

وہابیوں و دیوبندیوں کے لئے تازیانۂ عبرت

کچھ یہی حال ہے ان کا جو کلام الٰہی اور کلام انبیاء اور ملفوظاتِ اولیاء کرام (علی نبینا وعلیہم السلام) کو انکار کے طور سُنتے اور اُن پر طعن تشنیع کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ اس وجہ سے وہ ہمیشہ کے لئے اُن کے انوار و اسرار و رموز سے محروم رہتے ہیں بلکہ اُن کے ارشادات کی لذت پاتے ہی نہیں، اور نہ ہی اُن کے حقائق سمجھتے ہیں بلکہ یوں کہو اُلٹا مذاقیں اور ٹھٹھا مخول کرتے ہیں (جیسے ہم نے دیوبندیوں وہابیوں کا تجربہ کیا کہ وہ اولیاء کرام کے ملفوظات سے ٹھٹھا مذاق کرتے ہیں) اضافہ از اویسی غفرلہ

وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَۃٍ ،، اور اگر وہ آیاتِ قرآنیہ میں سے ساری نشانیاں دیکھ لیں اور اُن کے سُننے کے بعد انکا مشاہدہ کر لیں۔ لَا یُؤْمِنُوْا بِھَا ،، تو ایمان نہیں لائیں گے ان ہر ایک کو جادو سے تعبیر کر کے ٹھکرا دیں گے۔ بلکہ اپنے سخت عناد اور آباء و اجداد کی کفری تقلید میں منہمک ہونے کی وجہ سے اُسے افتراء اور بناوٹی باتوں پر محمول کریں گے۔ حَتّٰی ابتدائیہ ہے اور اس میں غایۃ کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے یعنی اُن کا فہم قرآن سے دُور ہونے کی نوبت یہاں تک ہے کہ اِذَا جَآءُوْکَ یُجَادِلُوْنَکَ ،، جب آپ کے ہاں حاضر ہو کر جھگڑا کرتے ہیں یجادلونک (جاؤ) کی ضمیر سے حال ہے۔ ای حال کونہم مجادلین لک

یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ،، آیات قرآنیہ سُن کر صرف ایمان نہ لانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ○ نہیں ہے یہ قرآن مگر اگلے لوگوں کی جھوٹی داستانیں اور بناوٹی باتیں۔ اساطیر اسطورۃ (بالضم) کی جمع ہے جیسے اضاحیک اضحوکہ اور اعاجیب اعجوبہ کی جمع ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) چوں کتاب اللہ بیامد ہم برآں   ایں چنیں طعنہ زدند آں کافراں

(۲) کہ اساطیر است و افسانہ نژند   نیست تعمیقی و تحقیقی بلند

(۳) تو ز قرآں اے پسر ظاہر مبیں   دیو آدم را نہ بیند جز کہ طیں

ترجمہ (۱) جب میں کتاب الٰہی لایا تو کافروں نے یوں طعنہ مارا

(۲) کہ بناوٹی اور پرانا افسانہ ہے اس میں کوئی تعمیق و تحقیق نہیں۔

(۳) اے عزیز تم قرآن کے ظاہر کو نہ دیکھو اس لئے کہ شیطان صرف آدم کی مٹی کو دیکھتا ہے

۲۶

وَھُمْ اور کافر یَنْھَوْنَ ،، لوگوں کو روکتے ہیں عَنْہُ قرآن اور اُس پر ایمان لانے سے وَیَنْئَوْنَ عَنْہُ اور اپنے نفسوں کو بھی اس سے دُور رکھتے ہیں۔ اس میں قرآن سے سخت نفرت کا اظہار ہے اور اس سے دوسروں کو روکنے کی تاکید کا بیان ہے اس لئے کہ کسی شے سے دوسرے کو روکنا ہی کی تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ یہی راز ہے اس میں کہ یَنْئَوْنَ کو یَنْھَوْنَ کے بعد ذکر کیا گیا۔ (ف) النائی ،، بمعنی البعد ،، وَاِنْ یُّھْلِکُوْنَ نہیں ہلاک و برباد کرتے اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ مگر اپنے نفسوں کو۔ اس لئے کہ اس کا وبال اُن پر آئے گا۔

وَمَا یَشْعُرُوْنَ ○ اور وہ شعور نہیں رکھتے۔ یعنی اُن کا حال یہ ہے کہ نہ وہ اپنے نفسوں کو خود بخود ہلاک کرنے کو جانتے ہیں اور نہ ہی انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کارروائیوں سے نہ قرآن پاک کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اور نہ ہی رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو۔

۲۵ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ ،، اور اگر تم دیکھو جب وہ آگ پر کھڑے کئے جائیں گے۔ یہ خطاب یا تو رسُولِ خدا محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر مشاہدہ اور معائنہ کرنے والے کو اور وقت

میں ہے اور لو کا جواب اور تریٰ کا مفعول محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں ہی وَلَوْ تَرٰی هُمْ
وَقِفُوْنَ عَلَى النَّارِ حتّٰی یُعَایِنُوْهَا لَرَاَیْتَ مَا لَا یُسَاعَدُهٗ "یعنی اگر تم انہیں آگ پر کھڑے ہوئے
دیکھ لو تو تم اُن کا ایسا سخت معاملہ دیکھو گے کہ اس کا بیان حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ فَقَالُوْا "تو وہ کہیں گے
یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ "کاش کہ کسی طرح ہم دُنیا کی طرف لوٹائے جائیں گے یا تنبیہ کے لئے ہے
وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا اور ہم اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں گے۔ اِن آیات سے آیاتِ قرآنیہ مُراد
ہیں۔ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اور ہم مسلمان ہو جائیں گے یعنی اُن آیات کے تقاضوں پہ عمل کریں گے
یہاں تک کہ ہم یہ سخت موقف (جہنم) نہ دیکھیں گے۔

(ف) دونوں فعل منصوب ہیں۔ اس لئے کہ یہ لَو تمنا ہے اور واؤ کے بعد اَن مقدر ہے اور وُہی واؤ فاء
کے قائم مقام ہے۔ خلاصہ یہ کہ وُہ اُس وقت آرزو کریں گے کہ کاش ہم دُنیا میں واپس چلے جائیں تو وہاں جا کر ہم
تکذیب نہ کریں گے بلکہ ہم مومن ہو جائیں گے۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ بلکہ اُن پہ کھُل گیا جو پہلے چھُپاتے تھے۔ اَب ایسے
نہیں ہوگا۔ جیسے وہ کہتے ہیں کہ کاش وہ دُنیا میں چلے جائیں اور جا کر مؤمن ہو جائیں اس لئے کہ قیامت میں ایمان
کی تمنا اس میں رغبت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ جو کچھ وہ دُنیا میں چھپاتے تھے۔ یعنی یہی جہنم کی
آگ جس پہ کھڑے کئے جائیں گے اور چھُپانے سے تکذیب مُراد ہے اس لئے کہ کسی شئے کو چھُپانا اُس سے کفر کرنے کا
دوسرا نام ہے وَلَوْ رُدُّوْا "اگر بفرض محال انہیں دُنیا میں واپس بھیجا جائے۔ لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ
پھر وہی کریں گے جس سے انہیں روکا گیا ہے یعنی شرک کریں گے اور جو کچھ دیکھ کر آئے اُسے بھُول جائیں گے۔
اس لئے کہ اُن کی نظریں نقد سودے پر لگی رہتی ہیں۔ اُدھار اور غیبی سودے سے اُن کا جی نہیں لگتا۔ جیسے ابلیس
نے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کے آیات کا معائنہ کیا، لیکن عناد و سرکشی کی لعنت میں مُبتلا ہُوا ویسے اللہ تعالیٰ تقدیر مبرم
کون ٹالے اور جو کچھ اُس نے ازل سے لکھ دیا اُسے کون موڑے۔ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اور بے شک
وہ ایسی قوم ہے جن کا طریقہ تکذیب ہے انہیں کسی امر کے لئے مامور کیا جائے یا روکا جائے تو اس کے برعکس عمل کریں گے۔

فقہاء کی بصیرت: اس آیت سے فقہاء کرام نے فتویٰ دیا ہے کہ باغی اور فسادی کا سر قلم کرنا
ضروری ہے۔ اس لئے کہ اب اُن سے اَمان اُٹھ گئی ہے۔ مثنوی شریف
میں ہے ؎

(۱) آں ندامت از نتیجۂ رنج بُود — چونکہ رنج نبود ندامت نیست بُود
(۲) چونکہ شُد رنج آں ندامت شد عدم — مے نیرزد خاکِ آں توبہ عدم
(۳) مے کند او توبہ و پیرِ خرد — بانگ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا مے زند

(۱) ندامت رنج کا نتیجہ ہے جب رنج نہ ہو تو ندامت کیسی۔

(۲) جب رنج نہ ہو تو ندامت معدوم ہوتی ہے۔ ندامت نہ ہو تو توبہ کی کوئی قیمت نہیں۔

(۳) توبہ تو کرتا ہے لیکن کمزور عقل والوں کا فیصلہ ہے کہ اگر وہ دُنیا میں واپس لوٹائے جائیں تب بھی گ وغیرہ کو عود کریں گے۔

۲۹ وَقَالُوٓا ،، اس کا عطف عادُوا پر ہے اور جواب کے مقام میں داخل ہے اور اُنھوں نے کہا کہ اِنْ هِيَ نہیں ہے (زندگی)، هِيَ کی ضمیر حیاۃ کی طرف راجع ہے۔

سوال : اس سے اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اس لئے کہ حیاۃ بعد کو مذکور ہے۔

جواب : بہت سے ضمائر کو مبہم بیان کیا جاتا ہے لیکن اُن کے مراجع معلوم نہیں ہوتے پھر بعد اسی مبہم کی تفسیر بن جاتا ہے۔

اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِيْنَ ۝ مگر ہماری دُنیا کی زندگی اور ہم اُٹھائے نہیں جائیں گے۔ یعنی دُنیا سے جُدا ہونے کے بعد ہمیں اُٹھنا ہی نہیں گویا اُنھوں نے مرنے کے بعد والے احوال یعنی بعثت و نشور کو کالعدم قرار دے دیا۔

۳۰ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ،، اور اگر تم دیکھو جب اپنے رب تعالیٰ کے ہاں کھڑے کئے جائیں گے۔ جیسے مجرم غلام اپنے آقا کے سامنے عتاب میں کھڑا ہوتا ہے۔

اس کا جواب بھی محذوف ہے یعنی لَرَاَيْتَ اَمْرًا عَظِيْمًا۔

قَالَ ،، یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ کی زبان سے اُنہیں جھڑکتے ہوئے فرمائے گا۔

اَلَيْسَ هٰذَا ،، کیا یہ حساب اور بعثت و نشور۔ بِالْحَقِّ ،، حق نہیں۔ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ،، کہیں گے بے شک بخدا حق ہے قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ ،، فرمائے گا تو چکھو یہی عذاب جسے تم دیکھ رہے ہو ،، بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ اس وجہ سے کہ دُنیا میں تم کفر کرتے تھے۔

نکتہ : عذاب کے درد کو ذوق سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ جس طرح چکھنے والا شئے کے ذائقہ کو ہر وقت زبان و حلق میں محسوس کرتا ہے۔ ایسے ہی وہ کفّار عذابِ الٰہی کو ہر وقت محسوس کریں گے بلکہ ہر دوسرے لمحہ کا عذاب پہلے عذاب سے سخت تر محسوس ہوگا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ

بے شک ہار میں رہے وہ جنہوں نے اپنے رب سے ملنے کا انکار کیا یہاں تک کہ جب ان پر قیامت

بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى

اچانک آگئی بولے ہائے افسوس ہمارا اس پر کہ اس کے ماننے میں ہم نے تقصیر کی اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر لادے

ظُهُوْرِهِمْ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَ

ہوئے ہیں ارے کتنا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں اور دنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل کود اور بے شک پچھلا

لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ

گھر بھلا ان کے لیے جو ڈرتے ہیں تو کیا تمہیں سمجھ نہیں ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں رنج

لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

دیتی ہے وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے

يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا

ہیں اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلانے اور ایذائیں

وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ

پانے پر یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد آئی اور اللہ کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں اور تمہارے پاس

مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ

رسولوں کی خبریں آہی چکی ہیں اور اگر ان کا منہ پھیرنا تم پر شاق گزرا ہے تو اگر تم سے ہو سکے

اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِى الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ وَلَوْ شَآءَ

تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر لو یا آسمان میں زینہ پھر ان کے لیے نشانی لے آؤ اور اللہ چاہتا

اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ

تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا تو اے سننے والے تو ہرگز نادان نہ بن مانتے تو وہی ہیں جو سنتے

يَسْمَعُوْنَ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

ہیں اور ان مردہ دلوں کو اللہ اٹھائے گا پھر اس کی طرف ہانکے جائیں گے اور بولے ان پر کوئی نشانی کیوں نہ

اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

اتری ان کے رب کی طرف سے تم فرماؤ کہ اللہ قادر ہے کہ کوئی نشانی اتارے لیکن ان میں بہت نرے جاہل

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ

ہیں اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں پر اڑتا ہے مگر تم

اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
جیسی امتیں ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے اور جنہوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ
ہماری آیتیں جھٹلائیں بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے

يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ
سیدھے راستہ ڈال دے تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے یا

اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ
قیامت قائم ہو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر سچے ہو بلکہ اسی کو پکارو گے

فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۝
تو وہ اگر چاہے جس پر اسے پکارتے ہو اسے اٹھا لے اور شریکوں کو بھول جاؤ گے

تفسیر عالمانہ

۲۹ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ " بے شک وہ لوگ خسارے میں رہے۔ جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے ملنے کا انکار کیا یعنی مرنے کے بعد اُٹھنے کے منکر ہوئے۔ حَتّٰى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ " یہاں تک کہ جب ان پر قیامت آگئی۔ یہ غایت اُن کی تکذیب کے لئے ہے نہ کہ اُن کے خُسران کے لئے اس لئے کہ اُن کے خُسران کی کوئی حد نہیں کیونکہ وہ ابدی دائمی ہے۔ بَغْتَةً (اچانک) یہ جاءتہم کے فاعل سے حال اور مصدر بمعنی اسم فاعل ہے یعنی باغتۃ مفاجئۃ البغت والبغتۃ مفاجاۃ الشئ بسرعۃ من غیر ان یشعر بہ الانسان الخ یعنی شئے کا اچانک جلدی سے اس طرح واقع ہونا کہ اُس کا انسان کو شعور بھی نہ ہو۔ اگر اسے کچھ تھوڑا سا پہلے اس کے وقوع کا شعور ہو تو اُسے بَغْتَةً نہیں کہیں گے اور ہر وہ گھڑی کہ جس میں قیامت قائم ہوگی وہ ایسی ہوگی کہ وہ اچانک واقع ہوگی کہ جس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہ ہوگا (یعنی ﷺ کو و نہ انبیاء کرام اور بعض مخصوص اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم ہوگا) اسی لئے اُسے ساعۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ معمولی گھڑی کہ جس میں ایک بہت بڑا امر واقع ہوا اور ویسے لُغت کے لحاظ سے ساعۃ سعی سے ہے اور وہ چونکہ اپنے وقوع کی جانب سعی کرتی ہے۔ بنابریں اس نام سے موسوم ہوئی اور اُس کی مسافت مکانات کے بجائے انفاس رسلم ہیں۔ خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ اُنھوں نے تکذیب کی یہاں تک کہ اچانک اُن پر قیامت ظاہر ہوگئی۔

سوال : اُس کی تکذیب کا انتہا تو موت ہے اور قیامت کا وقوع اس کے بعد بہت دیر سے ہوگا۔

جواب : موت دُنیا کے زمانوں سے آخری اور آخرت کا پہلا زمانہ ہے۔ پھر جس کی تکذیب کا انتہا اسی وقت کو ہُوا تو اب ہمارا کہنا صحیح ہوگیا کہ تکذیب کے انتہا کے بعد اس کے لئے قیامت ظاہر ہوگئی

کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ جو مرتا ہے تو اس کے لئے قیامت ہو گئی۔
قَالُوْا یہ اِذَا جَآءَتْہُمُ کا جواب ہے یعنی قیامت میں کہیں گے۔ یٰحَسْرَتَنَا ، ہائے افسوس (الحسرۃ شدۃ الندم والتلہف) یعنی سخت دکھ درد اور اسے ندا کرنا مجازاً ہے اس لئے کہ حسرت کو متوجہ کرنا مطلوب ہے بلکہ ان کے تحسر (حسرت) کی شدت میں مبالغہ مقصود ہے گویا کہ وہ دکھ اور درد کے وقت حسرت کو ندا کریں گے مثلاً ان کی حسرت کو یہ ندامت پیش ہوتی ہے کہ اگر تجھے کوئی وقت فرصت دیتا ہے تو آجا اس لئے کہ اب تیرا آنے کا وقت ہے یہی تقریر یاویلتنا میں کرنی ہوگی۔ اس عبارت سے ندا کرنے والے کی خطا کا اظہار مطلوب ہوتا ہے کہ وہ جس کا محتاج ہے اسے اس نے چھوڑ دیا۔ حالانکہ اسے ہرگز چھوڑنا نہیں چاہیئے تھا اگر اس نے چھوڑا تھا تو اب حماقت سے حسرت و ندامت وغیرہ کو پکار رہا ہے۔
عَلٰی مَا فَرَّطْنَا فِیْہَا اس پر کہ اس کے ماننے میں ہم نے کوتاہی کی۔ یعنی قیامت کے ماننے میں کوتاہی کرنا اور کوتاہی یہی کہ اس کے حقوق ادا نہ کئے اور اس پر ایمان لاکر اس کے لئے تیاری نہ کی یعنی نیک اعمال نہ کئے۔

(ف) لفظ علیٰ حسرت کے متعلق اور ما مصدریہ ہے اور تفریط کسی فعل پر عمل کرنے کی قدرت کے باوجود اس میں کوتاہی کرنا۔ وَہُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَہُمْ عَلٰی ظُہُوْرِہِمْ ط (اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے ہوں گے) یہ قَالُوْا کی ضمیر سے حال ہے۔

حل لغات : اوزار وزر کی جمع ہے بھاری بوجھ اٹھانے کو عربی میں وزر کہا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں : وزرتہ ای حملتہ ثقیلاً یعنی میں نے اسے بھاری بوجھ اٹھوایا۔ وزیر کا لفظ اس سے مشتق ہے۔ اسے بھی وزیر اس لئے کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے اپنی رعایا اور لشکر وغیرہ کے امور اس پر بطور بوجھ کے لاد دیئے ہیں اور گناہ کو بھی وزر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ گنہگار پر بوجھل ہیں اور الحمل کا اعیان کثیفہ پر اطلاق ہے اور ظہورھم کا ذکر اسی طرح ہے جیسے فیما کسبت ایدیھم میں ہاتھوں کا ذکر ہوا ہے۔ اس لئے کہ عموماً بوجھ پیٹھ پر اٹھایا جاتا ہے اور کسب عموماً ہاتھ سے ہوتا ہے۔ خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ قیامت میں نیک اعمال نہ کرنے سے حسرت کریں گے، حالانکہ اس وقت مزید براں انہیں برائیوں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا۔
اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ‌ ‌«خبردار دیکھا کتنا برا بوجھ اٹھائے ہونگے۔

فائدہ : حضرت سعدی (المفتی) نے فرمایا کہ جب بندہ محشر میدان کی حاضری کے لئے قبر سے نکلے گا تو ایک حسین و جمیل مرد اس کا استقبال کرے گا۔ جس کی خوشبو دماغ کو معطر کر دے گی۔ وہ صاحب قبر سے پوچھیگا کہ کیا تم مجھے جانتے ہو وہ کہیگا نہیں۔ وہ فرمائے گا میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اب تو مجھ پر سوار ہو جا۔ اس لئے کہ دنیا میں تو نے مجھے اٹھائے رکھا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا۔ یوم نحشر المتقین

الی الرحمٰن وفدا۔ یہاں پر وفدا بمعنی رُکبانًا ہے۔ اور کافر کو قبر سے نکلتے ہی ایک بدشکل اور نہایت بدبودار شخص کے سامنے آئے گا اور کہے گا تو مجھے جانتا ہے۔ وہ کہے گا نہیں وہ جواب دے گا کہ میں تیرا ہی بُرا عمل ہوں۔ دُنیا میں تو مجھ پر سوار رہا۔ اب میں تجھ پر سوار ہوتا ہوں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ الخ اس معنے پر علیٰ ظہورھم اپنے حقیقی معنی پر ہوگا۔ اس لئے کہ اعمال کی بھی صورتیں اور اجسام ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ : تمام گناہوں سے زیادہ بوجھل وجود کا گناہ ہے اس لئے کہ تمام گناہوں کا اصل سبب یہی ہے اور سالک کو سلوک سے بھی روکتا ہے۔

(سبق) سالک کو ہر گناہ سے توبہ لازمی ہے بلکہ راہ حق میں فانی ہوجائے حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا: ؎ فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست ؛ کفرست دریں مذہب خود بینی وخود داری

ترجمہ : جہاں میں رند کو کوئی فکر نہیں بلکہ اسے خود اپنا بھی خیال نہیں کیونکہ اس مذہب میں خود بینی وخود داری کفر ہے۔

نسخہ رُوحانی : بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ نفس کی خرابیوں سے بچنا نفس کی طاقت سے مشکل ہے جب تک کہ تائید ایزدی نصیب نہ ہو۔

دیگر نسخہ : حضرت الشیخ ابو عبداللہ محمد بن علی الترمذی الحکیم قدس سرہ نے فرمایا کہ ذکر الٰہی دل کو تروتازہ اور اُسے نرمی بخشتا ہے جب دِل ذکر الٰہی سے فارغ ہو تو قلب پر نفس کی حرارت اور شہوات کی آگ کی گرمی پہنچتی ہے۔ اس سے قلب سخت اور خشک ہوجاتا ہے اسی وجہ سے پھر دیگر اعضاء طاعتِ الٰہی سے رُک جاتے ہیں۔ جب یہ بیماری طول پکڑے تو دل خشک ہوکر ٹوٹ جاتا ہے جیسے درخت کو پانی نہ ملے تو وہ خشک ہوجاتا ہے پھر اسے سوائے کاٹنے کے کوئی اور چارہ نہیں رہتا یہی قلب کا حال ہے پھر جس طرح وہ درخت کٹا ہوا سوائے جلانے کے اور کسی کام نہیں رہتا۔ ایسے ہی خشک اور سخت قلب وغیرہ سوائے جہنم کے ایندھن کے اور کسی کام کا نہیں ہوتا (اعاذنا اللہ عنہا)

خلاصہ یہ کہ ذکر توحید اور اہل اللہ کی اتباع سلوک طریقت کے اصل الاصول ہیں۔

حکایت : حضرت علی بن الموفق رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ میں ایک سال حج کے لئے سوار ہوکر بیت اللہ شریف کو جا رہا تھا۔ چند لوگوں کو پیدل چلتے دیکھ کر میرا جی چاہا کہ میں بھی اُن کے ساتھ پیدل چلوں؛ چنانچہ میں نے ان میں سے ایک کو سواری پر سوار کیا اور خود اُن کے ساتھ چل پڑا۔ ہم چلتے چلتے راستہ بھول گئے اور ایک جنگل میں جا پہنچے۔ تھکے ہارے تھے۔ اس جنگل میں ہم سب سو گئے۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ چند نوجوان لڑکیاں سونے کے تھال اور چاندی کے لوٹے لئے ہوئے حج کے لئے پیدل چلنے والوں کے پاؤں دھو رہی ہیں اور مجھے پوچھا تک بھی نہیں۔ اُن میں ایک نے بول کر اپنی ساتھیوں سے کہا کہ اس کے پاؤں کیوں نہیں دھوتی ہو۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ سواری والا ہے۔ ہم صرف پیدل چلنے والوں کے پاؤں دھونے پر

مامور ہیں انہیں ایک دوسری نے کہا کہ یہ بھی ان پیدل چلنے والوں میں سے ہے اگرچہ اس کی سواری تھی لیکن اس نے دوسرے کو دے کر پیدل چلنے والوں کے ساتھ پیدل چل رہا ہے۔ پھر میرے بھی پاؤں دھوئے گئے۔ اس سے میری تھکان اور دوسری تمام پریشانیاں دور ہو گئیں۔

صحبت اولیا کی شان : اللہ والوں کی صحبت کی ایک معمولی شان یہ ہے کہ جو اعتقاد صحیح ہے ان کے ساتھ رفاقت اختیار کرتا ہے اسے بھی انہی کی طرح انعامات و کرامات نصیب ہوتے ہیں۔ یہ تو اولیاء کرام کی صحبت کی برکات ہیں نبوت کی صحبت سے کتنا درجات نصیب ہوں گے۔ اگر مشرکین عرب حضور تاجدار انبیا علیہم السلام کا قرآن پاک سن کر ان کے ارشاد گرامی پر عمل کرتے تو انہیں نجات بھی نصیب ہوتی اور گناہوں کے بوجھ بھی اتر جاتے ہیں اور جنۃ الفردوس کی نعمتوں سے نوازے جاتے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔

تفسیر عالمانہ ۝ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ ،، یہاں پر مضاف یعنی لفظ اعمال محذوف ہے یعنی دراصل (وَمَا اَعْمَالُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا) تھا۔ وہ اعمال جو صرف دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ وہ دنیا کے متعلق کچھ نہیں ہیں۔

اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ط مگر کھیل کود جو لوگوں کو غافل کرتے اور انہیں کھیل کے منافع کی لالچ میں ایمان سے دور رکھتے ہیں۔ البتہ اعمال صالحہ دائمی لذات تک پہنچاتے ہیں۔ لعب ،، ہر وہ عمل جو نفس کو غیر مفید باتوں میں مشغول کر کے مفید باتوں سے نفرت پیدا کر دے اور لہو ہر وہ فعل جو نفس کو منافع کی جدوجہد سے پھیر کر کمزوری پیدا کر دے۔ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ ،، البتہ دار آخرت یعنی وہ مقام جہاں اخروی زندگی بسر ہو گی خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ط متقیوں کے لئے بہتر ہے۔ یہاں پر متقین سے وہ لوگ مراد ہیں جو کفر و معاصی سے بچتے ہیں اس لئے کہ آخرت کے منافع ہر ضرر سے پاک اور ان کی لذات ہر آلام اور رصدمے سے محفوظ اور پھر دائمی اور غیر منقطع ہیں۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ یہ فاء عاطفہ ہے۔ معطوف علیہ فعل مقدر ہے۔ دراصل عبارت یوں بھی ہے ای اَتَغْفُلُوْنَ فَلَا تَعْقِلُوْنَ ای الامرین خیر۔ یعنی کیا تم غفلت کے نشہ میں ہو۔ اسی لئے نہیں سمجھتے ہو کہ دو امروں سے کونسا امر اچھا ہے۔ حیات دنیا یا آخرت۔

(ف) دنیا کو اس لئے دنیا کہتے ہیں کہ وہ بہ نسبت آخرت کے انسان کو قریب تر ہے۔ یا دنائت سے مشتق ہے یعنی خسیس ترین اور آخرت کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا سے مؤخر ہے۔

سوال : آخرت کو غائب کیوں رکھا گیا۔

جواب : اگر وہ غائب نہ ہوتی تو کفار انکار کیوں کرتے ؛ حالانکہ یہ دنیا صرف امتحان کے لئے بنائی گئی ہے تاکہ اس میں آخرت و دیگر باتوں سے انسان کی آزمائش کی جائے۔ اگر آخرت آنکھوں سے اوجھل

نہ ہوتی تو امتحان کا مقصد حاصل نہ ہوتا اسی لئے دُنیا کی زینت کو آزمائش قرار دیا گیا۔

صُوفی کی دُنیا : صُوفیہ کرام کے نزدیک دُنیا سے وہ امر مُراد ہے جو اللہ تعالیٰ سے روگرداں کرے۔

(دُنیا کا دائرہ) اہلِ تحقیق فرماتے ہیں کہ تمام آسمان اور تمام زمینیں اور جو کچھ اُن کے اندر ہے (یعنی عالمِ کون وفساد) سب کے سب دُنیا کے دائرہ میں ہیں۔

آخرت کا دائرہ : عرش وکرسی اور اُن کے جمیع متعلقات اور اعمالِ صالحہ اور ارواحِ طیبہ اور جنت اور جو کچھ اُس کے اندر ہے آخرت کے دائرہ میں ہیں۔

حدیث قدسی : جب اللہ تعالیٰ نے دُنیا کو پیدا فرمایا تو اُس سے مخاطب ہو کر فرمایا اے دُنیا اُس کی خدمت کرنا جو میری اطاعت و فرمانبرداری کرے اور جو تیری خدمت کرے اُسے خوب لتاڑنا۔

دُنیا اَولیاءِ کرام کے قدموں میں : بعض اولیاء کرام کے ہاں دُنیا بوڑھی عورت کے لباس میں حاضر ہو کر اُن کے آستانوں کو جھاڑو دیتی ہے اور بعض حضرات کے ہاں روزانہ روٹی پیش کرنے کے لئے حاضری دیتی ہے۔

سوال : جب اللہ تعالیٰ نے یہ دُنیا مومن کے لئے پیدا فرمائی تو پھر اُنہیں زُہد کا حکم کیوں۔

جواب : لو نثر السکر علیٰ رأس الختن لا یلتطه لعلو همته ولو التقطه لکان عیبًا

ترجمہ: اگر اللہ والے کے سر پہ دُنیا نچھاور کی گئی تو وہ اپنی بلند ہمتی سے اُسے اُٹھانا اپنا عیب سمجھتے ہیں۔

حدیث شریف : اپنے نفوس کو جنۃ الفردوس کے ولیمہ کے لئے بھوکا رکھو۔

فائدہ : مہمان اگر سمجھدار ہوتا ہے تو سیر ہو کر نہیں کھاتا اس اُمید پہ کہ شاید طعام کے بعد حلوا ملے۔

حکایت قاضی مع یہودی : منقول ہے کہ بغداد کے ایک قاضی صاحب گل خاں یہودی کے گھر کے قریب وزیر اعظم کی طرح نہایت شان وشوکت اور خدام وحشم کے ساتھ گذارتا تھا۔ ایک دن یہودی گھر سے باہر نکلا۔ نہایت عاجز و ذلیل حالت میں اور شکل کا نہایت قبیح وسیاہ کہ اس سے تارکول کا تیل بھی بہتر لیکن قاضی صاحب آن بان سے گزرے تو یہودی نے اُن کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہا کہ تمہارے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دُنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے، لیکن معاملہ برعکس ہے کہ تم نہایت شان وشوکت میں اور میں بقول شما کافر ذلت وخواری میں قاضی صاحب نے (اپنے زمانہ میں اکابر فضلا سے شمار ہوتے تھے) برجستہ جواب دیا کہ آخرت کی نعمتوں کی بہ نسبت ہم آج بھی قید خانہ میں ہیں اور دوزخ کے تکالیف اور عذاب کے مقابلہ میں اب تم بڑے آرام میں ہو۔

دُنیا و آخرت کی ایک عجیب مثال : دُنیا و آخرت مثال اس شخص کی ہے کہ جس کی دو عورتیں ہوں کہ اگر ایک کو راضی کرتا ہے تو دُوسری ناراض ہوتی ہے۔ بیک وقت دونوں کا راضی کرنا مشکل ہوتا ہے جب تک ان میں سے ایک کو طلاق نہ دے۔ ایسے ہی انسان دُنیا کو ترک کرے گا تو آخرت بہتر ورنہ پھر آخرت میں ذلت و خواری۔

حکایت : ایک بزرگ نزع کے وقت فرما رہے تھے کہ مجھے اس کا افسوس نہیں کہ میری آخرت نہ سنور سکی اور مجھے غم و الم گھیر گئے یا مجھ سے خطاؤ ذنوب سرزد ہوئے بلکہ مجھے افسوس اس کا ہے کہ میں زندگی میں ایک رات عبادت سے سوگیا اور مجھ سے عمر میں ایک روزہ قضاء ہوگیا اور مجھ پر زندگی میں ایک گھڑی ایسی گذری جس میں غفلت سے ذکرِ الٰہی نہ ہوسکا۔ ؎

نہ عمرِ خضر بماند نہ مُلکِ اسکندر نزاع برسرِ دُنیائے دوں مکن درویش

ترجمہ: نہ خضر کی عمر رہیگی نہ سکندر کا مالک ابی لئے اے درویش دُنیا کمینی کے متعلق جھگڑا نہ کر،

فائدہ : دُنیا فانی ہے اور آخرت باقی اور بہتر ہے۔

حکایت : حضرت جعفر بن سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ میں گئے۔ ہم نے مختلف مقامات کا دورہ کیا۔ اچانک ہمارا ایک بہترین محل سے گذر ہُوا (جس کی نئی تعمیر ہو رہی تھی) اسے ایک نہایت حسین وجمیل نوجوان تعمیر کرا رہا تھا اور اپنی نگرانی میں کاریگروں کو حکم دے رہا تھا۔ ہم نے اُس کو السلام علیکم کہا۔ اُس نے سلام کا جواب دیا۔

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: بیٹے اس پر کتنا روپیہ خرچ کرنے کا ارادہ ہے۔ اُس نے عرض کی: اس پر ایک لاکھ درہم کا تخمینہ ہے۔ آپ نے فرمایا وہی لاکھ درہم مجھے دیدے۔ میں تجھے اللہ تعالیٰ سے آخرت میں بہترین محل دلوادوں گا۔ جس میں خدمت کے لئے نوخیز لڑکے اور لاتعداد خدام ہوں گے اور اس محل کے سونے کے بہترین قبہ جات اور خیمے (جو جواہرات سے مرصع ہوں گے) اس کی مٹی زعفران کی ہوگی (جس پر مشک و عطر کا چھڑکاؤ ہوگا) اس میں نہ پہلے کوئی ٹھہرا ہوگا اور نہ کسی کی ملکیت ہوگا۔ (گویا مالک بن دینار کو اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرما رہے ہیں) چنانچہ آپ کی بات اس نوجوان کے دل پر اثر کرگئی اور فوراً حکم دیا کہ لاؤ قلم دوات اور کاغذ تاکہ میں ان سے یہ تحریر لکھالوں۔

چنانچہ کاغذ قلم لایا گیا جس پر حضرت مالک بن دینار نے لکھا: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ، یہ وہ تحریر ہے کہ مالک بن دینار اس نوجوان کو لکھ کر دے رہا ہے کہ میں اس نوجوان کو اللہ تعالیٰ سے اس محل کے عوض مذکورہ صفات کا محل دلوادوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کمی نہیں کہ وہ اس سے زائد عطا فرمادے۔

پھر نوجوان نے فرمایا: جاؤ میں نے تیرے سے محل مذکورۃ الصفات کے عوض یہی محل خرید لیا ہے اور جنت میں

تجھے اس محل سے کئی گنا زائد محل ملے گا جس کا سایہ طویل ہوگا اور تو اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہوگا۔ تحریر مذکور لپیٹ کر مالک بن دینار نے اس شخص کے حوالے کر دی اور نوجوان سے لاکھ دراہم لے کر فقراء و مساکین پر بانٹ دیئے۔ اس نوجوان کو ابھی چالیس دن نہ گزرے تھے کہ اس پر موت آگئی اور اس نے مرنے سے پہلے وصیت کی تھی کہ تحریر مذکور کفن کے اندر رکھ دینا۔ اسی رات حضرت مالک بن دینار نے خواب میں دیکھا کہ مسجد کے محراب میں ایک مکتوب رکھا ہے جسے اُنھوں نے کھولا تو اس پر سیاہی کے بغیر لکھا ہُوا تھا: هٰذَا بَرَاۗءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ الخ یعنی وہ برأت نامہ ہے جو مالک بن دینار نے نوجوان سے وعدہ کیا تھا اسے ہم نے پورا کر دیا کہ اسے بہترین محل بھی ہم نے عنایت فرمادیئے اور ستر گنا زائد للعباد ذکرلیات۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ہر کہ پایاں بیں ترا و مسعود تر	جد ترا و کارد کہ افزوں دید بر
(۲) زانکہ داند زیں جہان کاشتن	ہست بہر محشر و برداشتن
(۳) آخرت قطار اشتران بملک	در تبع دُنیاش ہچوں پشم پشک
(۴) پشم بگزینی شتر نبود ترا	در بُودِ اشتر چہ قیمت پشم را

ترجمہ (۱) جو انجام کو دیکھتا ہے وہی مسعود ترین جو جتنا کوشش سے کھیتی کاشت کریگا اتنا ہی بہت زیادہ پھل حاصل کریگا۔
(۲) اس لئے کہ اسے معلوم ہے کہ جو اس جہان میں کاشت ہے وہی محشر میں پھل اُٹھائے گا۔
(۳) آخرت میں اس کے لئے اونٹوں کی قطار نصیب ہوگی۔ پشم وغیرہ اس کی تبع میں ہوگی۔
(۴) اون تو ہو لیکن اونٹ نہ ہو کیا فائدہ؟ کیونکہ اُونٹ سے ہی اُون قیمت پاتی ہے۔
یعنی اگر تو دُنیا کو چاہتا ہے (جو بمنزلہ اُونٹ کی اُون کے ہے) اور آخرت کو تو نہیں چاہتا (جو بمنزلہ اُونٹ کے ہے) تو تُو آخرت سے محروم ہو جائے گا بخلاف اس شخص کے کہ جس کا اُونٹ اپنا ہو تو اُسے نہ اُون خریدنی پڑے گی اور نہ ہی کسی سے اُونٹ مانگنے کی ضرورت ہوگی۔ حضرت مولانا رُوم قدس سرہ دوسرے مقام پہ فرماتے ہیں ؎

(۱) باز گو نہ اے اسیرانِ جہاں	نام خود کردید امیران جہاں
(۲) اے تو بندی ایں جہاں محبوس جان	چند گوئی خویش را خواجہ جہاں
(۳) تختہ بند است آنکہ تختش خواندہٗ	صدر پنداری و بردر ماندہٗ
(۴) پادشاہی نیستت بر ریش خود	پادشاہی چوں کنی با نیک و بد
(۵) بے مراد تو شود ریشت سفید	شرم دار از ریش خواری کنز اُمید
(۶) افتخار از رنگ و بُو وازمکان	ہست شادی و فریبِ کودکاں
(۷) کون بگوید بداں من خوش پے ام	واں فسادش گفتہ او من لاشیٔ ام
(۸) اے زخوبی ہمہ ۔ اں لب گزاں	بنگراں سردی و زردی خزاں

(۹) روز دیدی طلعتِ خورشید خوب — مرگ او را یاد کن وقت غروب
(۱۰) بدر را دیدی بریں خوش چار طاق — حسرتش را ہم ببین وقت محاق
(۱۱) کودکے از حسن شد مولائے خلق — بعد فردا شد خرف رسوائے خلق
(۱۲) اے بدیدہ لوتہا چرب و چیز — فضلۂ آنرا ببین در آبریز
(۱۳) مرخبث را گو کہ آں خوبیت کو — بر طبق آں ذوق و آں نغزی و بو

(۱۴) پس انامل رشکِ استاداں شدہ — در صناعت عاقبت لرزاں شدہ
(۱۵) نرگس چشم خمارہ ہمچوں جان — آخر اعمش بیں و آب از وے چکاں
(۱۶) حیدرے کاندر صف شیراں رود — آخر او مغلوب موشے مے شود
(۱۷) زلف جعد مشکبارِ عقل بر — آخر آں چوں دنب زشت خنگ و خر
(۱۸) خوش ببیں کونش ز اول باگشاد — و آخراں رسوا ببیں و فساد

ترجمہ: (۱) اسیران جہان کو خبر دو کہ اسیران جہان کی آگ ان کی اپنی پیدا کردہ ہے۔
(۲) تو اسی جہان کا قیدی ہے پھر تجھے جہان کا سردار کہنے کا کیا فائدہ۔
(۳) یہ تو قید کا تختہ ہے جسے تو تخت کہہ رہا ہے خود کو صدر سمجھتا ہے حالانکہ تو تو عاجز ترین بندہ ہے
(۴) جب تجھے داڑھی پر قبضہ نہیں تو پھر نیک و بد پر کیسے شاہی کر رہا ہے۔
(۵) مراد کے بغیر تیری داڑھی سفید ہوگئی اے ٹیڑھی امیدوار اپنی داڑھی کی لاج رکھ۔
(۶) رنگ و بو اور مکان پر نازاں ہے یہ تو صرف ظاہری خوشی اور بچوں کا کھیل ہے۔
(۷) دنیا تو کہتی ہے کہ آجاہیں خوش قدم ہوں لیکن اس کا فساد کہتا ہے کہ میں ناچیز ہوں۔
(۸) بہار کی خوبی سے لب بند کرلے اس کی سردی اور خزاں کی زردی کو دیکھ۔
(۹) دن کو تو سورج کو نور سے چمکتا دمکتا دیکھتا ہے لیکن بوقت غروب اس کی موت کو یاد کر۔
(۱۰) چودھویں کے چاند کی اس دنیا میں چاندنی دیکھتا ہے کیسی ہے لیکن گرہن کے وقت بھی اسکی حسرت دیکھ۔
(۱۱) بے ریش لڑکا حسن سے مخلوق کا مولیٰ بنا پھرتا ہے لیکن چند روز بعد بیکار اور رسوائے خلق نظر آتا ہے۔
(۱۲) کھانے کے رنگ و چرب بھانے والا منظر دیکھتا ہے لیکن فضلہ دیکھ لیا کر کہ پائخانہ میں اسکا کیا انجام ہے۔
(۱۳) پلیدی کو کہو تمہیں خوبی کیسی طبق پر کہاں تیرا ذوق اور بدمنظری اور بدبو۔
(۱۴) ہنرمندوں کے ہاتھ میں بعد کو رشک بنا پہلے تو تیار کرتے وقت اس کا برا حال تھا۔
(۱۵) نرگس کی آنکھ کا خمار جان کی طرح پیارا ہوتا ہے لیکن بعد کو وہ اندھی اور خون کے آنسو بہاتی ہے۔

(۱۶) ایک وقت شیر شیروں میں غراتا ہُوا نظر آتا ہے لیکن بعد مرگ اس سے چوہے کھیلتے ہیں ۔
(۱۷) چھڑکالی کی زلفیں ایسی خوشبودار کہ عقل کو ہوش نہیں رہتا ۔ بالآخر وہ نہایت قبیح اور گدھے کے دم کی طرح بیکار ہوجاتی ہے۔
(۱۸) دُنیا کا ابتداء تو نہایت خوش منظر اور کشادہ ہے لیکن انجام اس کا رسوائی و فساد ہے ۔

تفسیر صُوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ جو زندگی دنیوی اور نفسانی ناز ونعم اور عیش وعشرت میں بسر ہو وہ بچوں والی زندگی ہے جیسے بچوں کو صرف کھیل کود سے کام ہوتا ہے یا اس کی زندگی نافرمانوں والی ہے کہ وہ بھی سوائے لغویات کے اور کچھ نہیں جانتا ۔ ایسے شخص کو حجابات میں اضافہ ہوگا اور بشریت سے رُوحانیت کی سیر ترکِ شہوات اور اعراض عن غیر الحق اور توجہ الی اللہ سے نصیب ہوتی ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دیگر سے تعلق نہیں جوڑتے اُن کی آخرت کی زندگی بہتر و برتر ہے ۔ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ،، کیا تم نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیسی شان سے پیدا فرمایا اور صرف اپنے لئے نہ کہ غیر کے لئے چنانچہ فرمایا : وَاصۡطَنَعۡتُكَ لِنَفۡسِیۡ (میں نے تمہیں صرف اپنے لئے جوڑا ہے) اے اللہ ہمیں تو ضیع عمر سے بچا اور ہماری حقیقۃ الامر کی رہبری فرما ۔ اس لئے کہ تو وہاب اور ہادی ہے ۔

تفسیر عالمانہ قَدۡ نَعۡلَمُ ،، قد تکثیر یہ ہے ۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی وُسعت علمی کی طرف اشارہ ہے بوجہ متعلقات کی کثرت کے یعنی ہم جانتے ہیں کہ اِنَّهٗ بے شک شان یہ ہے لَيَحۡزُنُكَ ،، آپ کو رنج دیتی ہے ۔ الَّذِیۡ يَقُوۡلُوۡنَ ،، یہ یحزنک کا فاعل اور عائد محذوف ہے دراصل الذی یقولونہ تھا (وہ بات جو کفار مکہ کہتے ہیں) اُن کی گفتگو پہلے گذری ہے (وہ حضور علیہ السلام کے قرآن پڑھنے پر کہتے) اِنۡ هِیَ اِلَّاۤ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ (اسی طرح اور اُن کی وہ باتیں جو قرآنِ پاک میں مذکور ہیں)

فَاِنَّهُمۡ لَا يُكَذِّبُوۡنَكَ ،، آپ ان کی باتوں کو خیال میں نہ لائیں بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سُپرد کیجئے ۔ اس لئے کہ یہ آیاتِ الٰہی کی تکذیب کر رہے ہیں ۔ بنابریں حقیقت میں وہ آپ کی تکذیب ہی نہیں ۔ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ ۝ لیکن وہ ظالم تو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتے بلکہ اُن کا صریح انکار کرتے ہیں یعنی وہ آپ کو تو کچھ نہیں کہتے اگر بظاہر کچھ کہتے ہیں تو وہ درحقیقت مجھے کہتے ہیں ۔ اس لئے کہ آپ فانی فی اللہ ہیں ۔ اب میں ہی اُن سے سخت تر انتقام لوں گا ۔

(ف) ظلم سے یہاں انکار مُراد ہے ۔

(ف) جحود جان بُوجھ کر انکار کرنے کو کہتے ہیں اور بایات اللہ کی بار فعل سے متعلق ہے اور اُس کی تقدیم صرف قصر کی وجہ سے ہے ۔ جحد متعدی بنفسہٖ بھی ہوتا ہے اور متعدی بالباء بھی ۔ مثلاً کہا جاتا ہے جحدحقہ

حقہ ،، یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے حق کا انکار کرے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ،، اس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ بیشک آپ سے پہلے رُسل کرام علیہم السلام بھی جھٹلائے گئے۔ حالانکہ وہ بھی آپ کی طرح بہت بڑے ذی شان تھے اور تعداد بھی اُن کی بہت زیادہ تھی۔ جب وبا پھیلتی ہے تو وہ عام ہوتی ہے۔ یعنی کفار کی تکذیب کی وبا ہر نبی علیہ السلام کو پہنچی اور آپ کو بھی۔ فَصَبَرُوا عَلٰى مَا كُذِّبُوا وَاُوْذُوا، تو انہوں نے اُن کے جھٹلانے اور اُن کی ایذاؤں پر صبر فرمایا۔ حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ،، یہاں تک کہ اُن کے پاس ہماری مدد آئی۔ یعنی اُن کے صبر کی غایت ہماری مدد تھی۔ آپ بھی اُن کی اقتداء کیجئے اور وہ ان سے جو تکلیفیں پہنچ رہی ہیں اُن پر صبر کیجئے۔

(ف) صابرین کو صبر کے وعدہ کا ایفاء یا بطریقِ اظہارِ دلائل و براہین کے ہوتا ہے یا ان کو دشمنوں پر قہر و غلبہ نصیب ہوتا ہے یا اُن کے دشمنوں کو تباہی و بربادی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

اے دِل صبور باش و مخور غم کہ عاقبت ؛ ایں شام صبح گردد و ایں شب سحر شود

اور فرمایا

گرت چو نوح نبی صبر ہست بر غم طوفاں ؛ بلا گردد و کام ہزار سالہ بر آید

ترجمہ : (۱) اے دل صابر ہو اور غم نہ کھا اس لئے کہ بالآخر اس شام کی صبح ہوگی اور رات کی سحر۔

(۲) اگر تجھے نوح علیہ السلام کی طرح طوفان و غم پر صبر ہے تو تیری کئی سالوں کی مراد ضرور پوری ہوگی۔

وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ،، اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ کلمات سے نصرت و غلبہ کے وعدے مراد ہیں ؛ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔

وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اور آپ کے ہاں حضرات رُسل کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی خبریں آ ہی چکی ہیں۔ یعنی انھیں جو منجانب اللہ فتح و نصرت نصیب ہوئی اُس کی خبریں آپ کو معلوم ہیں جن سے آپ کی تسلی و تسکین ہوگی۔

۳۴ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ ،، اور اُن کا منہ پھیرنا آپ پر شاق گزرا ہے یعنی ان کا ایمان اور آپ کے لائے ہوئے قرآن سے انکار و رُوگرداں ہونا آپ کو شاق گزرا اور آپ اسے ایک عظیم حادثہ سمجھتے ہیں۔ اگرچہ وہ بار بار تکذیب کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے آیات سے نہیں اور آپ کا خیال ہے کہ آپ

ان کا مطالبہ پورا کریں۔ اِس لئے کہ آپ کو حرص ہے کہ وہ سارے کے سارے مسلمان ہو جائیں۔ جب وہ نہیں مانتے آپ کو دُکھ ہوتا ہے فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ ،، پس اگر تمہیں استطاعت ہے تو تم زمین میں کوئی سُرنگ تلاش کر لو۔

(ف) نفقًا بمعنے سُرنگ و مَنْفَذ بمعنے سرنگ۔

اَوْ سُلَّمًا یا سیڑھی فِی السَّمَآءِ ،، آسمان پر تاکہ اُوپر چڑھ جاؤ فَتَاْتِیَهُمْ ،، پس آسمان سے اُن کے لئے لے آئیں بِاٰیَةٍ کوئی نشانی جیسے ان کا مطالبہ ہے۔

فائدہ : ابن الشیخ نے فرمایا "نفق" ہر وہ سرنگ جو زمین میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نکل جائے تاکہ وہاں سکون و آرام ملے اسی لئے چوہے کی بل کو نافقاء کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ چوہا زمین کو چیرتا ہُوا اس کے اندر ایک گڑھا کھود کر دُوسرے حصہ سے نکل جاتا ہے تاکہ اس کے ایک سرے سے اگر اسے تکلیف پہنچے تو دُوسرے سرے سے نکل جائے وَاِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْكَ الخ جملہ شرطیہ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ کی جزاء ہے اور اس کی اپنی جزاء محذوف ہے۔ وہ ہے فافعل یعنی اگر اُن کے مطالبہ کو پُورا کرنا ہو تو مذکورہ بالا افعال کے ذریعہ سے پُورا کرو۔ اس سے ظاہر کرنا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کے لئے اسلام کا کتنا حرص تھا اس لئے کہ اگر آپ کو ان کے اسلام کی خاطر زمین یا آسمان سے بہ تکلف کوئی چیز لانی پڑتی تو بھی اُن کی خاطر کر گزرتے تاکہ وہ ایمان قبول کریں لیکن آپ چونکہ مامور من اللہ تھے اس لئے صرف تبلیغ تک یہ بات محدُود رہی[1]۔

سوال : تَتَّخِذُ ،، کے بجائے تبتغی کیوں کہاں گیا

جواب : اس میں اشارہ ہے کہ جب زمین میں سُرنگ لگانا آسمان پر چڑھ کر کوئی شئی تلاش کرنے کی نفی نفی ہے تو پھر اتخاذ کا کیا معنیٰ (ویسے یہ خطاب عمومی ہے جس میں حضور علیہ السلام کو مُراد میں شامل کر کے عدم اختیار کا ثبوت پہنچانا کسی احمق کا کام ہو سکتا ہے، ورنہ بحیثیت تفسیر معنیٰ دیگر است[2]) وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت دینا چاہتا۔ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى ،، تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا لیکن وہ انہیں ہدایت دینا ہی نہیں چاہتا اس لئے کہ وہ اپنے اختیار ہدایت سے رُوگرداں ہو گئے ہیں باوجودیکہ اُنہیں ہدایت پانے کی

---

[1] ورنہ یہ بات نہ تھی کہ آپ کو آسمان یا زمین سے کسی شئی کو لانے کا اختیار بھی نہ تھا۔ وہ ایک علیحدہ موضوع ہے جسے اس سے کسی قسم کا تعلق نہیں جو لوگ یہ آیت حضور علیہ السلام کے عدم اختیار پر پیش کرتے ہیں وہ ذرا سوچیں ۱۲۔ اویسی

[2] ایسے خطابات عمومی کہلاتے ہیں جن میں حضور علیہ السلام کو شامل کرنا گمراہی ہے۔ تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کی تفسیر اور اصُول تفسیر احسن البیان میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

...ت حاصل ہے اور بہت بڑے دلائل وبراہین آنکھوں سے مشاہدہ ومعائنہ کر رہے ہیں لیکن ایمان قبول کرنے کا
...ل تک بھی نہ کیا۔ اس لیے کہ آپ ان کی ہدایت کے لیے جدوجہد نہ فرمایئے۔
...لا تکونن من الجٰھلین ۝ پس اے مخاطب جاہل ونادان نہ ہو کہ انہونی بات پر تو ہو جانے کے حرص
...ہے۔ اور جہاں صبر کرنا ہے وہاں جزع فزع کرنا جاہلوں اور نادانوں کا کام ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی شانیں
...ت ہیں۔ اس کی مرضی ہے کہ ایمان سے نوازے چاہے اس کو کورا رکھے۔

...ئدہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تربیت خود فرماتا ہے۔ حضور نبی کریم
...السلام نے فرمایا اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ وَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ "میرے رب کریم نے میری بہترین تربیت فرمائی۔ تاکہ محبوب
...صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رؤف الرحیم ہوکر کسی ایسے پر شفقت نہ فرمائیں جو اس کی اہلیت وصلاحیت نہیں رکھتا۔
...اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ "بے شک آپ کی دعوتِ اسلامی وہ قبول کریں گے۔ "الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ" جو سنتے ہیں
...جنہیں سماعِ قبول اور فہم وتدبر نصیب ہوا۔ نہ مردے جن میں یہی کفارِ مکہ بھی شامل ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

گوہر پاک بباید کہ شود قابلِ فیض ——— ورنہ ہم سنگ وگلے لؤلؤ ومرجان نشود

...رجمہ: گوہر پاک ہو تو وہی فیض کے قابل ہے پتھر اور مٹی لؤلؤ مرجان برابر تو نہیں ہو سکتے۔
...الموتیٰ: اس سے کفار مراد ہیں عدم قبولِ سماع کی وجہ سے انہیں موتیٰ سے تشبیہ دی گئی ہے۔
...عثھم اللہ "اللہ تعالیٰ انہیں قبروں سے اٹھائیگا۔ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ پھر وہ اسی کیطرف لوٹیں گے
...کے غیر کیطرف نہیں یا اس کی سزا وجزا کیطرف لوٹیں گے پھر اسوقت مجبور ہو کر مانیں گے لیکن اسوقت کا ماننا کوئی فائدہ
...دے گا۔ ۳۵ وَقَالُوْا اور قریشِ مکہ کے لیڈروں نے کہا لَوْلَا یہ حرفِ تخصیص بمعنی ھلا ہے یعنی کیوں نہ نُزِّلَ
...علیہ اٰیۃٌ مِّنْ رَّبِّهٖ "اتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے رب کیطرف سے جیسے ناقہ صالح علیہ السلام کے لیے
...عصا موسیٰ علیہ السلام کے لیے اور مائدۂ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے۔ وغیرہ وغیرہ تاکہ وہ نشانیاں ہمیں ایمان پر مجبور کردیتیں
...قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَۃً "اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایئے کہ بے شک
اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ان کی طلب کے مطابق کوئی نشانی اتارے۔ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝
...ان کے اکثر نرے جاہل ہیں۔ اگر آیات نازل ہوتیں تو وہ ان کے لیے آزمائش ہوتیں۔ اگر نہ مانتے تو ان پر فوراً
عذاب نازل ہو جاتا۔

اہلِ ادیان کی تقسیم لوگ دینی معاملات میں چار قسم ہیں۔ (۱) سعادت کے رنگ میں نفس وروح کے اعتبار سے سراپا سعادت مند یہ حضرات انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام ہیں اور

اُن کے طفیل اہل طاعت اولیاء کرام ۔

(۲) بدبختی کے لباس میں نفس و رُوح کے لحاظ سے سراپا بدبخت یہ کفار اور وہ گنہگار جو کبائر (یعنی کبیرہ گناہوں) کا بار بار ارتکاب کرتے ہیں

(۳) سعادت کے رنگ میں ازلی بدبخت جیسے بلعم باعورا ۔ برصیصا اور اُن کا امام ابلیس ۔

(۴) شقاوت کے (چندروز) لباس میں ازلی سعادت مند جیسے حضرت بلال ۔ صہیب رُومی ۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہم یہ زندگی کے اوائل میں شقاوت میں تھے بعد کو چوٹی کے متقی و پرہیزگار ہُوئے ۔

سوال : سعادتمند اور بدبخت پیدا ہی کیوں ہُوئے، حالانکہ اسے طاقت تھی کہ سب کو ہدایت یافتہ فرماتا چنانچہ خود فرماتا ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى اور فرمایا وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۔

جواب : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں دیکھا کہ فلاں نافرمانی کریگا بوجہ اس کی اس استعداد کے جو سعادت سے رُوگردانی کر کے شقاوت کو اختیار کرے گا تو اُسے اعیانِ ثابتہ میں بھی شقی بنایا (کیونکہ اُس کی اپنی استعداد کا یہی تقاضا تھا) اور بندوں میں استعداد کا ظہور صفت جلال الٰہی کے مختلف شاغل کے مظہر ہونے کی وجہ ہے گویا کہ بندے نے اللہ تعالیٰ سے خود ہی شقی ہونے کی استعداد مانگی کیونکہ آسمان و زمین والے اللہ تعالیٰ سے زبانِ قال و حال سے اپنی استعدادات کا سوال کیا کرتے ہیں اور استعداد کی ہر آن نئی شان ہوتی ہے ۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں استعدادات کے مطابق سعادت و شقاوت دیتا ہے یعنی وہی ازلی اعیان ثابت غیبیہ علیہ کے مطابق جس بندے کے متعلق ازلی علم متعلق ہُوا کہ وہ اطاعت کرے گا تو اسے سعادت مند بناتا ہے ۔ یعنی اس سعادت اجمالیہ اس قابلیت کے مقتضیٰ پر جو اس کی نشأۃ ثانیہ میں امانت رکھی گئی ہے ؛ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو سعادت مند انسان نے فوراً جواب میں بلیٰ کہا ۔ اُس کا یہی جواب دینا دلالت کرتا ہے کہ اُس کی سعادت ازلی ہے ۔ اگر استعداد کی سنت اس میں نہ ہو تو پھر اُسے مُکلف بنانا اور احکام کا مخاطب کرنا لایعنی ہے اور اللہ تعالیٰ کے جملہ افعال خالی از حکمت ۔ يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ کا بھی یہی مطلب ہے ۔ اس سے ثابت ہُوا کہ سعادت مند کو اقوال پسندیدہ اور افعال حسنہ اور اخلاق حمیدہ نصیب ہوتے ہیں ۔ انہی سے اسے انبساط ہوتا ہے اور شقی کو وہ امور نصیب ہوتے ہیں جو انقباض پیدا کرتے ہیں ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اشقیاء کی اذیتوں اور پریشان کن باتوں پر صبر و تحمل کا حکم دیا ہے کہ دُنیا کا صبر و تحمل آخرت میں غفران اور ترقی درجات کا سبب ہے اس لئے کہ بہشت کے درجات و کمالات کا حصول انہی امور سے ہوگا ۔

حدیث شریف : میں ہے کہ بہشت میں چند ایسے مقامات ہیں جو ہوا میں معلق ہیں جنہیں صرف مصائب و تکالیف میں گھرے ہُوئے انسان حاصل کریں گے اوروں کو وہ مراتب و مقامات نصیب نہیں ہوں گے ۔

قاعدہ : انسان کو دین کے مرتبہ کے مطابق تکالیف و مصائب میں مُبتلا کیا جاتا ہے۔ جتنا وہ دین میں متصلب ہوگا اتنا وہ مصائب میں گھرا ہُوا ہوگا۔ اگر اُس کو دین میں تصلب نہیں ہوگا تو وہ مصائب و تکالیف سے محفوظ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مومن اکثر مصائب و تکالیف میں گھرا رہتا ہے یہاں تک کہ موت کے وقت تمام گناہوں سے پاک اور صاف ہو کر جاتا ہے۔

قاعدہ : دراصل مصائب و تکالیف اللہ تعالیٰ کا ڈنڈا ہے جو بندوں کو اس لئے مارتا ہے کہ وہ دُنیا میں نہ گھر جائیں نہ اس میں بہت زیادہ مشغول ہوں بلکہ ربّانی سزا کھا کر اپنے مالک و مولا کی طرف ایسے بھاگیں جیسے گھوڑا کھاتے وقت اپنے اصطبل کی طرف دوڑتا ہے اور صرف آخرت ہی دارالقرار ہے۔

ما بلا را بکس عطا نکنیم ؛ تا کہ نامش ز اولیاء نکنیم

ترجمہ : ہم اپنی بلا کسی کو نہیں دیں گے تاکہ اس کا نام اولیاء میں ہو اور ہم محروم رہیں ایسا نہیں کریں گے۔

خلاصہ یہ کہ جسے مصائب و تکالیف میں مُبتلا کیا جاتا ہے اُس کی عافیت و سلامتی صبر میں ہے اور صبر سے حقیقی اُمتی کہلانے کا مستحق بنتا ہے اور اسے حقیقی اتباع اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیب ہوتی ہے اس لئے آپ نے ہی مصائب و تکالیف میں صبر سے کام لیا۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ ،، مِنْ زائدہ استغراق کی تاکید کے لئے ہے اور فِیْ کا متعلق محذوف اور دابۃ کی صفت ہے گویا عبارت یُوں ہے : وَمَا فردٌ مِنْ افراد الدواب یَستقر فی قطرٍ مِنْ اَقطارِ الارض یعنی دواب کا کوئی فرد زمین کے کسی بھی ٹکڑے پہ ٹھہرتا۔ **وَلَا طٰٓئِرٍ** ،، اور نہ ہی کوئی پرندہ (جو آسمان و زمین کے مابین) **يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ** ،، اپنے دو پروں پہ اڑتا ہے۔ جیسا کہ عادتہً وہ دو پروں پر اُڑتا ہے۔

(ف) طَيَرَان کے بعد (پروں) کی قید محض تاکیدی ہے۔ جیسے نظرت بعینی اور اخذت بیدی'' میں عین اور ید محض تاکید کے لئے یا مجازی معنے کے وہم کا ازالہ کیا گیا ہے اس لئے کہ طیران سرعۃ سیر کے لئے مجازاً مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے طَارَ فُلَانٌ فِي الْأَرْضِ۔ اے اسرع (تیز اُڑا)

اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ،، مگر وہ تمہاری جیسی اُمتیں ہیں یعنی تمہاری طرح اُن کے احوال محفوظ اور اُن کے رزق اور اجل مقدر ہیں۔ **مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ** ،، ہم نے اِس کتاب میں کسی شئ کو نہیں چھوڑا۔ فرطَ الشَّئ بمعنی ضَیَّعہ و ترکہ ہے۔ یعنی اس شئ کو فلاں نے ضائع کیا اور چھوڑ دیا۔ اَب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے قرآن میں کسی ایک شئ کو بھی نہیں چھوڑا یعنی ہر چھوٹی بڑی کو اس میں بیان کر دیا۔ [1]

---

[1] اہلسنت کا استدلال اس آیت سے بھی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علوم کلی عطا فرمائے تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

مسئلہ :۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام قرآن مجید میں جمیع مخلوقات کی ہر شے کے مصالح قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں تفصیلاً بھی اجمالاً بھی تفصیلاً جیسے اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ اور اجمالاً جیسے وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

حکایات امام شافعی اور علوم قرآن

سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن مسجد حرام میں تشریف فرما تھے ۔ اور آپ نے اعلان فرمایا لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ اِلَّا اَجَبْتُكُمْ بِهٖ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ مجھ سے جو سوال کرو میں اسکا قرآن پاک سے جواب دوں گا۔

ایک شخص نے عرض کی کہ جو شخص احرام کی حالت میں بھڑ کو مارے اسکا حکم قرآن مجید میں کہاں ہے؟ آپنے فرمایا کہ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ (الآیۃ) پھر آپ نے سند صحیح کے ساتھ حدیث شریف پڑھی کہ وَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ " اس کے بعد آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک صحیح سے روایت فرمائی کہ للمحرم قتل الزنبور محرم کو بھڑ کا مارنا جائز ہے ۔

۳۸ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ٥ پھر یہ تمام امم رب تعالےٰ کے ہاں جمع کئے جائیں گے یعنی جب قیامت میں جمع ہوں گے تو پھر ان کا فیصلہ فرمائے گا۔ "وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا " اور جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ۔

ف :۔ آیات سے یہاں قرآن مجید مراد ہے ۔

صُمٌّ وہ بہرے ہیں کہ وہ قرآن کو تدبر و فہم سے نہیں سنتے بلکہ وہ اس حیثیت سے سنتے ہیں کہ پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں ہیں ۔ اس لئے کہ وہ انہیں آیات الٰہی سے شمار ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے غیر کا مطالبہ کرتے ہیں صم اصم کی جمع ہے اس سے کفار کو بہروں سے تشبیہ دینا مطلوب ہے ۔ اس سے حرف تشبیہ حذف کر دیا گیا ہے ۔

وَبُكْمٌ " اور وہ گونگے ہیں کہ حق کو بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لئے کہ وہ آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے یہ ابکم کی جمع ہے ۔ فِي الظُّلُمٰتِ " تاریکیوں میں ہیں ۔ یہ مبتداء کی تیسری خبر ہے ۔ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ اور جس کے لئے ہدایت چاہتا ہے ۔ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اسے سیدھا راستہ پر چلاتا ہے پھر نہ اسے گمراہ کر سکتا ہے نہ اس کی ثابت قدمی کو پھسلا سکتا ہے ۔

مسئلہ : انسان کے علاوہ بھی امتیں ہیں ۔

حدیث شریف :۔ میں ہے کہ اگر کتے ایک امت نہ ہوتے تو میں انہیں قتل کرنیکا حکم فرماتا ۔ بعض ان میں سیاہ کالے ہیں اور کتا سیاہ کالا شیطان ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ وہ دوسروں کے کتوں کی نسبت زیادہ کاٹنے والا اور خبیث ترین ہوتا ہے ۔ اور اس سے فائدہ بھی بہت کم ہوتا ہے ۔ اور زبان کو بھی زیادہ کھینچتا ہے اس لئے امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سیاہ کالے کتے سے شکار نا جائز ہے ۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت میں اشارہ ہے کہ انسان جانور ہیں کان آنکھ زبان اسی طرح تمام اعضاء اور نفس بجمیع الصفات انسان میں بمنزلہ جانوروں کے ہیں۔ اور اسی میں پرندے بھی ہیں جن کے شریعت و طریقت کے دو پر ہیں۔ جیسے قلب و روح و بجمیع الصفات بمنزلہ پرندوں کے ہیں یہ تمہاری طرح امتیں ہیں۔ ان سے قیامت میں احوال و افعال کا سوال ہوگا چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا"۔

مسئلہ: حشر عام ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ تمام کو جمع فرمائے گا۔ جانوروں اور پرندوں کو سب کو یہاں تک کہ سینگ والی بکری سے بے سینگی قصاص لے گی۔ دوسری حدیث شریف میں ہے ہر صاحب حقوق کو حقوق دیئے جائیں گے۔ یہانتک کہ سینگ والی بکری بے سینگی کو بدلہ دے گی۔

مسئلہ: ابن الملک نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہوا کہ وحشی جانور بھی محشر میں حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا "اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ" لیکن ان کا یہ قصاص مقابلہ کا ہوگا۔ قصاص تکلیفی صرف انسان و جن سے مخصوص ہے اس کے بعد حیوانات اور پرندوں کو حکم ہوگا کہ مٹی ہو جاؤ اسکے بعد وہ مٹی سے مل کر مٹی ہو جائیں گے۔ اسوقت کفار کہیں گے "يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا"

(**ف**) حدادی نے فرمایا کہ اس سے جانوروں کا فنا ہونا مراد ہے اس لئے کہ انہیں زندہ کر کے فنا کر دیا جائیگا۔ اس سے انہیں درد و الم نہیں ہوگا۔

مسئلہ: جن پر اللہ تعالےٰ نے مہر لگائی ہے وہ حقیقی بہرے گونگے ہو جائیں گے اور جو گونگا ہو لازمی ہے کہ وہ بہرہ بھی ہو مثنوی میں ہے

(۱) دائما ہر گنگ اصلی کر بود — ناطق آنکس شد کہ از مادر شنود

(۲) چوں سلیماں سوئے مرغانِ سبا — یک صفیری کرد بست آں جملہ را

(۳) جز مگر مرغے کہ بُد بے بال و پر — یا چوں ماہی گنگ بد از صل کر

(۴) نے غلط گفتم کہ کر کر سر نہد — پیش وحی کبریا سمعش دہد

ترجمہ: (۱) ہمیشہ ہر گونگا دراصل بہرہ ہوتا ہے وہ بولتا ہے جو ماں سے اصلی ناطق ہو۔

(۲) جب سلیمان علیہ السلام نے سبا کے پرندوں کو صرف ایک آواز دی تو سب کو قید کر لیا۔

(۳) سوائے اس کے جس کے بال و پر نہ تھے۔ یا گونگی مچھلی جو مادر زاد گونگی بہری تھی۔

(۴) میں نے غلط کہا اس لئے کہ یہ بہری مچھلی بھی تابع فرمان تھی۔ اس لئے کہ وحی کبریا نے اسے سننے کی طاقت بخشی۔

خلاصہ یہ کہ مخلوق کے قلوب اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہیں اور وہ انہیں اپنی مشیت سے جسطرح چاہتا ہے پھیرتا ہے۔

معجزہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اور ابُو جہل کا بُت

مروی ہے کہ کفارِ مکّہ نے ایک میٹنگ بُلائی جس میں تمام مُشرکین جمع ہُوئے اور منصُوبہ تیار کیا کہ حضُور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو شہید کیا جائے۔ اُدھر ابلیس بھی آدھمکا اُس نے اُن کے اجتماع کا سبب پُوچھا تو کہا گیا کہ حضُور علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ ہے تو شیطان نے ابوجہل سے کہا کہ اے ابوالحکم اگر تم اپنے بُت کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کے آگے رکھ کر اس کو سجدہ کرو۔ وہ بولے گا جسے (حضرت محمد مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم) سُنیں گے۔ (ابوجہل کا بُت جواہرات اور موتیوں سے جڑا ہُوا تھا) اُس نے اپنے بُت کو اُٹھا کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کے آگے رکھ کر اس کو سجدہ کیا اور اُسے کہا ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور ہم تیرے قُرب کے خواہشمند رہتے ہیں یہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم) تیری وجہ سے ہمیں گالیاں دیتے ہیں اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں کہ تم بھی (حضرت) محمد مُصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو گالی دیدو۔ ابوجہل کی عاجزی و انکساری پر بُت حرکت میں آگیا اور وہ بدبخت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کو گالی دینے لگا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم غمگین اور ملول ہو کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لائے ابھی تھوڑی دیر گذری تھی کہ آپ کا دروازہ کھٹکا۔ آپ باہر تشریف لائے دیکھا کہ ایک نوجوان ہے جس کے ہاتھ میں تلوار ہے اور حضور کو دیکھتے ہی سلام عرض کیا اور التجا کی کہ آپ مجھے حکم فرمائیے تاکہ میں اس کی تعمیل کروں۔ آپ نے فرمایا تم کون ہو۔ اُس نے عرض کی میں جن ہوں۔ آپ نے فرمایا تجھے کتنی طاقت حاصل ہے۔ عرض کی اکیلا دو پہاڑ (جبل حِرا و ابُو قبیس) کو دریا میں ڈال سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم ابھی کہاں سے آئے ہو۔ اُس نے عرض کی میں اس وقت ساتویں جزیرے میں تھا کہ میرے ہاں حضرت جبریل علیہ السّلام تشریف لائے اور مجھے فرمایا کہ فلاں شیطان نے ابوجہل کے بُت میں داخل ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو گالی دی ہیں۔ فلہٰذا تم جلد تر اس تلوار سے اُس کا سر قلم کردو میں نے اُسے زمین کے چوتھے طبقے میں جاتے ہُوئے بھاگتا پا کر اُسے قتل کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تیری امداد کی ضرورت نہیں۔ مجھے میرا اللہ کافی ہے۔ اُس نے عرض کی میری استدعا ہے کہ آپ کل والے مقام پر دوبارہ تشریف لے جائیں۔ کافر بھی آپ کو اپنے بُت سے گالی دلوائیں گے۔ آپ اپنے یارِ غار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے گئے تو ابوجہل اپنے بُت کو لایا اور کل کی طرح اُسے سجدہ کر کے عرض کی حضرت (محمد) مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کو گالی دیجئے۔ ابوجہل کا بُت کل کی طرح حرکت میں آگیا اور با آوازِ بلند پڑھتا تھا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ ،، اور کہتا تھا کہ میں بُت ہوں نہ نفع دیتا ہوں نہ نقصان اور اُس کے لئے بہت بڑی خرابی ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میری پرستش کرتا ہے۔ جب کفار نے بُت کی یہ تقریر سُنی تو ابوجہل کو غصّہ آگیا۔ اُس نے بُت کو اُٹھا کر

محتاج تحفظ کر دیا اور کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے بتوں کی طرح تیرے اوپر بھی جادو کر دیا ہے۔ (سبق) اس معجزہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مظاہر کی زبان سے گفتگو فرماتا ہے، لیکن اسے تو عاشق سنتا ہے نہ کہ منکر۔

۵۰ قُلْ ، اے پیارے محمد (کریم) صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ مکہ کو فرمائیے اَرَءَيْتَكُمْ (خبر دو مجھے) کاف خطاب کا ہے اسناد کی تاکید کے لئے فاعل کی ضمیر مخاطب کو مؤکد کیا گیا ہے اور اس کے اعراب کا (ایاک کے کاف کی طرح) کوئی محل نہیں اور یہ کاف مخاطب کے احوال پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً وہ مفرد ہے یا تثنیہ یا جمع یا مذکر ہے یا مؤنث وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ اسے مراد کے مطابق لایا جاتا ہے اور تاء مخاطبہ ایک حالت پر یعنی مفرد اور مفتوح رہتی ہے۔ جیسے رأيتك رأيتكما اور ترکیب میں مبنی ہیں۔ اگرچہ اس سے خبر دینا مطلوب نہیں بلکہ قلب یا بصر کے ذریعہ اس کے متعلق کی خبر مطلوب ہوتی ہے۔

(ف) علم و ابصار کو اخبار کا مجازاً سبب بنایا گیا ہے اسی طرح اس کا استفہام تبکیت کو امر بجامع الطلب کا مجاز بنایا گیا ہے۔

اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ ، اگر تمہارے ہاں عذابِ الٰہی آجائے جیسے دنیا میں دوسری قومیں عذاب میں مبتلا ہوئیں۔ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ ، یا تم پر قیامت ہو جائے یعنی قیامت جو عذاب پر مشتمل ہے ہے اور عذاب سے اخروی عذاب مراد ہے۔

(ف) ساعۃ سے وہ وقت مراد ہے جس میں قیامت قائم ہوگی اور اسے ساعت اس لئے کہتے ہیں کہ اس معمولی سی گھڑی میں بہت بڑا حادثہ ہوگا۔

اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ (کیا غیر اللہ کو پکارو گے) استخبار کا دارومدار اور تبکیت کا اصل منشا یہی ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ، اس شرط کا جواب (فَاَخْبِرُوْنِيْ) محذوف ہے۔ یعنی اگر تم اس معروف دعویٰ میں سچے ہو کہ تمہارے بت عبادت کے مستحق ہیں تو مجھے خبر دو کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارو گے (اگر تمہارے ہاں عذابِ الٰہی آجائے) اس لئے کہ اس معنی پر ان کا صدق غیروں کو پکارنے کے اخبار کے موجبات سے ہے۔

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ ، بلکہ صرف اسی کو پکارو گے۔ اس کا عطف جملہ منفیہ پر ہے۔ گویا انہیں کہا گیا کہ قیامت میں غیروں کو نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو گے۔ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ ، پس وہ کھولے گا اسے جسے تم پکارتے ہو اِلَيْهِ کی ضمیر کشف کی طرف لوٹتی ہے اور اس کا عطف بھی تَدْعُوْنَ پر ہے۔ یعنی بس تمہارے پکارنے کے بعد کھولے۔

اِنْ شَآءَ ، اگرچہ اس کا کھولنا یعنی دعا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی اپنی مشیت پر ہے۔ کبھی وہ اسے قبول کر لیتا ہے جیسے

کافروں کی بعض دعائیں (جو دنیا کے عذاب پر مبتلا ہونے پر اس کے رفع ہونے کیلئے مانگتے تھے) قبول ہو جاتی تھیں اور کبھی ان کی دعا قبول نہیں ہوتیں (جیسے دنیا میں ان کی بعض دعائیں جو عذاب کے رفع کے متعلق ہوتی تھیں) ہاں آخرت کے عذاب کے رفع کے متعلق (منجملہ ان کے ساعۃ کا وقوع بھی ہے) ان کی دعائیں ہرگز قبول نہ ہونگی اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ "مشرک کو ہرگز نہیں بخشا جائیگا۔ (وہ آخرت میں انکی دعا کی قبولیت چاہتا ہی نہیں) وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ "، اس کا عطف بھی مدعون پر ہے یعنی اور شریکوں کو بھول جائیں گے۔ یعنی جن بتوں کی پرستش کر کے تم انہیں خدا کا شریک مانتے تھے قیامت کے دن تم انہیں بالکل چھوڑ دو گے۔ اس لئے کہ اس وقت تمہارے دل پر یہ عقیدہ مذکور ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور عذاب نہیں اٹھا سکتا۔

ف :- نسیان یہاں پر معنی ترک ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَا إِذْ

اور بیشک ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے تو انہیں سختی اور تکلیف سے پکڑا کہ وہ کسی طرح گڑگڑائیں تو کیوں نہ ہوا کہ

جَاءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا

جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو گڑگڑائے ہوتے لیکن ان کے تو دل سخت ہوگئے اور شیطان نے ان کے کام ان کی نگاہ

يَعْمَلُونَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا

میں بھلے کر دکھائے پھر جب انہوں نے بھلا دیا جو نصیحتیں ان کو کی گئی تھیں ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے

بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا

یہاں تک کہ جب خوش ہوئے اس پر جو انہیں ملا تو ہم نے اچانک انہیں پکڑ لیا اب وہ آس ٹوٹے رہ گئے تو جڑ کاٹ دی گئی ظالموں کی

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۵﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ

اور سب خوبیوں سراہا اللہ رب سارے جہان کا تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر اللہ تمہارے کان آنکھ لے لے اور تمہارے دلوں

عَلَىٰ قُلُوبِكُم مَّنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِهِ ۗ انظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ ثُمَّ هُمْ

پر مہر کردے تو اللہ کے سوا کون خدا ہے کہ تمہیں یہ چیزیں لادے دیکھو ہم کس کس رنگ سے آیتیں بیان کرتے ہیں پھر وہ

يَصْدِفُونَ ﴿۴۶﴾ قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ

منہ پھیر لیتے ہیں تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے اچانک یا کھلم کھلا تو کون تباہ ہوگا

إِلَّا الْقَوْمُ الظَّالِمُونَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۖ فَمَنْ

سوا ظالموں کے اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشی اور ڈر سناتے تو جو ایمان

آمَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا

لائے اور سنورے ان کو نہ کچھ اندیشہ نہ کچھ غم اور جنہوں نے ہماری آیتیں

بِآيَاتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۴۹﴾ قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي

جھٹلائیں انہیں عذاب پہنچے گا بدلہ ان کی بے حکمی کا تم فرمادو میں تم سے نہیں کہتا میرے پاس

خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ

اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو اسی کا تابع ہوں جو

إِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿۵۰﴾

مجھے وحی آتی ہے تم فرماؤ کیا برابر ہوجائیں گے اندھے اور انکھیارے تو کیا تم غور نہیں کرتے

تفسیر عالمانہ

﴿۴۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا ،، (اور بخدا ہم نے بہت سے رُسل کرام بھیجے ہیں) اِلٰٓی اُمَمٍ ،، (بہت سی اُمتوں کی طرف) مِنْ قَبْلِكَ (جو آپ کے زمانہ اقدس سے پہلے گزرے ہیں) مِن ابتدائیہ اور زمانہ کی غایت کے لئے ہے (یہ کوفیوں کا مذہب ہے) جیسے نِمْتُ مِنْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَصُمْتُ مِنْ اَوَّلِ الشَّهْرِ ،، میں۔

(ف) سنان چلپی محشی فرماتے ہیں کہ مِنْ زائدہ ہے۔ یہ اس نحوی کے مذہب پر جو کلام میں من زائدہ کا قائل ہے۔ ایک اور مذہب میں یہ مِنْ بمعنی فِیْ ہے جیسے اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ میں۔

فَاَخَذْنٰهُمْ ،، فاء فصیحہ ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ کلام مبنی پر حذف ہے کہ دراصل فکذبوا رسلھم فاخذنا تھا (اُنھوں نے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں پکڑا) بِالْبَاْسَآءِ ،، سختی اور فقر و فاقہ سے۔ وَالضَّرَّآءِ آفات و نقصانات سے یہ دونوں مؤنث کے صیغے ہیں۔ اُن کا کوئی مذکر نہیں۔

لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ،، تاکہ دُکھ دُور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائیں اور عاجزی کر کے کفر و معاصی سے توبہ کریں ﴿۴۳﴾ فَلَوْلَآ (تو کیوں نہ ہو)

اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا ،، جب اُن پر ہمارا عذاب آیا یہاں پر بأس بمعنے عذاب ہے۔ تَضَرَّعُوْا تو گڑگڑائے ہوتے یعنی باوجودیکہ انہیں گڑگڑانے پر بعض اُمور مجبور کرتے، لیکن عجز و انکسار اور توبہ و استغفار اور تضرع و زاری نہ کی

(ف) لَوْلَا کا لفظ ملامت و ندامت کا فائدہ دیتا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب وجود فعل کے اسباب موجود اور ترک کے عذر معدوم ہوں۔

وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ،، لیکن اُن کے دل سخت ہو گئے یعنی اُنھوں نے عجز و نیاز نہ کیا بلکہ اُن کے دل خشک اور سخت ہو گئے اگر اُن کے دِلوں میں رقت اور نرمی ہوتی تو عجز و نیاز ضرور کرتے۔

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ،، اور شیطان نے اُن کے کام یعنی کفر و معاصی بہتر کر دکھائے بایں طور کہ انہیں گمراہ کر دیا اور لذات و شہوات اور خوشی و راحت کی طرف بُلایا اور انہیں فکر و تدبر سے دُور رکھا۔ اُن کو خیال تک نہ آنے دیا کہ یہ دُکھ درد اور فقر و فاقہ کیوں ہیں؛ حالانکہ اس سے وہ متنبہ ہوتے کہ یہ مصائب اس لئے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں ﴿۴۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ (جب اُنھوں نے بھلا دیا جو وُہ انہیں نصیحتیں کی گئی تھیں) اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جو کہ فانھمکوا ہے یعنی پس وہ منہمک ہو کر بھولے جب انہیں نصیحت بَاْسَآءِ وَضَرَّآءِ سے کی گئی۔ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ

شَیۡءٍ ،، تو ہم نے اُن پر ہر ایک چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یعنی مہلت کے طور انہیں ہر قسم کی نعمتیں دی گئیں۔
حَتّٰی ،، ابتدائیہ اور فتنا کے لئے غایت ہے۔ اِذَا فَرِحُوۡا بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا ،، جب اپنے دُنیوی عروج کو دیکھ کر اترانے لگے اور تکبر میں آگئے۔ یہاں پر فرح بمعنی اترانا مراد ہے جیسے قارون کو دُنیا و دولت ملی تو تکبر میں آگیا تو اس کے لئے بھی فرمایا لاتفرح (وہاں بھی فرح سے تکبر مراد ہے) اَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً ،، ہم نے انہیں عذاب کے لئے اچانک پکڑلیا اس لئے کہ اچانک کا عذاب شدید ترین ہوتا ہے بلکہ زیادہ ہولناک۔ جیسا کہ اہلِ معانی نے فرمایا۔ (سوال) اُن کی راحت و فرحت اور نعمت سے مالا مال ہونے کے وقت اچانک کوفت کیوں ہوئی۔
جواب: تاکہ انہیں سلامتی و عافیت کے بعد زیادہ سخت حسرت ہو۔
فَاِذَا هُمۡ مُّبۡلِسُوۡنَ ،، اب وہ ناامید ہو جائیں گے (حسرت کرنے والے) جتنے امیدوار تھے اتنا ہر بھلائی سے ناامید ہوتے۔ یہ اِذَا مفاجاتیہ ہے اور اِبلاس بمعنی نجات سے ناامیدی جبکہ ہلاکت سر پر آجائے اس سے اُن کی حسرت و حُزن کا اظہار ہے۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ ،، تو ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ یعنی اُن کے چھوٹے بڑے سب ختم کر دیئے گئے۔ گویا ان کا ایک بھی باقی نہ رہا۔ دابر اُس تابع کو کہتے ہیں جو شئی کے پیچھے بطور نیابت کے ہو۔ جیسے والد کا تابع ولد۔ اہلِ عرب کہتے ہیں: دبر فلان القوم یدبر دبرًا دبورًا، یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی قوم کو بالکل تباہ و برباد کردے۔
(ف) بغوی نے فرمایا کہ عذاب سے اُن کی وہ تباہی و بربادی مُراد ہے کہ ان کا ایک بھی باقی نہ رہا۔
سوال: عبارت کا تقاضا تھا کہ یہاں هُمۡ (ضمیر) ہو۔ اَلۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا الخ اتنی طویل عبارت کا کیا فائدہ۔ (جواب) تاکہ حکم کی علت کا اظہار ہو کہ انہیں یہ سزا صرف اس لئے ملی کہ اُنھوں نے نعمتوں پر شکر کی بجائے ناشکری کی اور نعمتوں کی خوشی میں طاعات الٰہی بجالانے کے بجائے گناہ کئے۔
وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ،، اور تمام تعریفیں تمام جہانوں کے لئے ہیں کہ اس نے کفار و مشرکین کو تباہ و برباد کیا۔
سوال: کفار کی تباہی و بربادی پر حمد و شکر کیسی۔
جواب: اس لئے کہ کفار اور گنہگاروں کی تباہی و بربادی سے اہل دنیا کو چھٹکارا نصیب ہوتا ہے کہ وہ اُن کی نحوستِ عقائد و اعمال سے پریشان ہوتے ہیں۔ اُن کے تباہی و برباد ہونے پر انہیں نجات ملتی ہے تو اُن کے لئے وہ ایک نعمت ہے اور ہر ہر نعمت پر شکر واجب۔ بالخصوص وہ نعمت کہ جس سے دین کا جھنڈا بلند ہو اور اُس کی تمام رُسل کرام علیہم السلام نے تعریف کی۔

مسائل :۔ آیت سے چند مسائل ثابت ہوئے (۱) ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو مرجع و ماویٰ سمجھنا چاہیئے یہی وجہ ہے کہ سمجھدار صرف اللہ تعالیٰ سے ہر وقت رجوع کرتا ہے اس لئے کہ ماسوی اللہ یا اسباب ہیں یا آلات اور مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے یہی وجہ ہے کہ مومن کی شان ہے کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ کے دروازے کا سائل اور اسی کی درگاہ کا گداگر بنا رہتا ہے ۔ دکھ کی گھڑیوں میں بھی اور آرام و آسائش کے وقت بھی بخلاف کافر کے وہ اپنے آقا کو دکھ اور نزول شدت کے وقت پکارتا ہے ۔حالانکہ مقبول بارگاہ حق وہ ہے جو اپنے اختیار سے ہی اپنے آقا کیطرف رجوع رکھے اور مطیع و فرمانبردار بھی وہی انسان ہے جو ہر حال میں اپنے آقا کے دروازے پر پڑا رہے ۔

(۲) اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو تکالیف و مصائب سے راحت و فرحت اور مختلف نعمتوں سے نوازتا ہے کبھی اس کے برعکس کرتا ہے ۔ جیسے شفیق باپ کبھی اپنی اولاد سے سختی کرتا ہے اور کبھی نرمی صرف اس ارادہ پر کہ اس کی اصلاح و تربیت ہو۔ اس لئے کہ ایسے طریق سے بندے کی بہتر تربیت اور اچھی اصلاح ہوتی ہے ۔ اور اس میں اس کا دینی و دنیوی فائدہ بھی ہے ۔ حضرت صائب نے فرمایا ۔ ؎

نہاد سخت تو سوہان بجز دنمے کند وگرنہ پست و بلند زمان سوہانست

ترجمہ :۔ تیری سخت طبیعت کو سوہان درست نہیں کرسکتا یہی زمانے کا گرم و سرد تیرا سوہان ہے

(۳) جتنی مہلت دی جاتی ہے اسی قدر سزا سخت تر ہوتی ہے ۔ (نعوذ باللہ)

حدیث شریف :۔ جب دیکھو کسی بندے پر اس کے گناہوں کے باوجود نعمتوں کی فراوانی ہے جیسے وہ چاہتا ہے ویسے ہی ملتا ہے تو سمجھو کہ اسے مہلت دیجا رہی ہے ۔ پھر اسے سخت سے سخت سزا ملے گی ۔ یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهٖ (الآیۃ)

تفسیر صوفیانہ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ظاہر کو دکھ کے بعد قسم و قسم کی نعمتوں سے ہم نوازتے ہیں ۔ کہ ہر طرح کا مال عزت و شان مقبولیت اور صحت و عافیت وغیرہ وغیرہ انہیں عطا ہوا ۔ اور ارباب باطن کو فتوحات غیب اور آرائۃ آیات اور ظاہری کرامات اور رویت انوار و کشف اسرار قلوب کے بھید کا علم اور اوقات کی صفائی اور مشاہدہ روحانیہ و دیگر مجاہدات سے نوازتے ہیں جیسے بچوں کیطرح ان کی تربیت کیجاتی ہے (اس لئے کہ بہت سے متوسط طبقہ کے سالکین کو اثناء سلوک میں ایسے واقعات ہوتے ہیں) جب مجاہدہ کثیرہ کے وقت ان کے نفس کو ملال پیش آتا ہے اور کثرت ریاضات سے انہیں مذکورہ بالا انعامات نصیب ہوتے ہیں ۔ تو شیطان انہیں وسوسہ ڈالتا اور نفس امارہ بھی ترغیب دیتا ہے کہ تم طریقت کے بادشاہ بن گئے ہو ۔ فلہذا اب کسی شیخ طریقت کی صحبت کی ضرورت نہیں پھر وہ طلب راہ حق میں اکیلے چل پڑتے ہیں جس سے انجام بکار رسوائی اور ذلت و خواری کے گھاٹ اترتے ہیں ۔ اور شیطان انہیں اپنے قابو میں لے لیتا ہے اور انہیں خوارق عادات دکھا

جیسے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کی عبادت کی برکت سے ہے۔[1]

حکایت: ایک سالک راہ کسی جنگل میں جا رہا تھا اسے پیاس لگی تو کنوئیں پر گیا تو پانی خود بخود کنوئیں کے منہ پر آگیا یہ کیفیت دیکھ کر اس نے بارگاہ حق میں التجا کی کاش اس وقت مجھے کوئی بادیہ نشین تھپڑ مار مار کر پانی پلاتا تو بجائے اس کرامت کے میرے لئے وہی بہتر ہوتا اس لئے کہ یہ کرامت میرے لئے باعث عجب ہے۔ اور اس کا تھپڑ کھانا میرے لئے موجب بہتری ہوتا۔

فائدہ:۔ حضرت الشیخ ابو عبداللہ قرشی قدس سرہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے لئے کرامت وخرق عادت کو اس طرح عیب نہیں سمجھتا جیسے عام آدمی گناہوں کے ظاہر ہونے کو عیب سمجھتا ہے تو سمجھو وہ حجاب میں ہے عجب مذموم بلکہ مُہلک ہے۔

حدیث شریف: مہلکات تین ہیں (۱) بخل (۲) ہوائے نفس ، (۳) عجب ؎

(۱) مرد معجب زاہل دیں نہ بود ٭ ہیچ خود بین خدا نہ بود

(۲) بیخبر از جہان و مست یکیست ٭ خویشتن بین و بت پرست یکیست

ترجمہ: (۱) عجب والا کبھی اہل دین نہیں ہوتا کوئی خود بین خدا بین نہیں ہوتا۔

(۲) وہ جہان سے بے خبر ہو کر صرف ایک کے خیال میں مست ہوتا ہے اور بت پرست پاگل ہے۔

علاج روحانی:۔ عجب کا علاج یہ ہے کہ اپنی ہر ترقی کو توفیق ایزدی سمجھے۔

(۴) ہر نعمت پر حمد وشکر لازمی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ سب سے پہلے بہشت میں حمد کرنیوالوں کو بلایا جائیگا۔ جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ، اسی وجہ سے انہیں سلامتی نصیب ہوئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا اس سے ثابت ہوا کہ حمد کرنے پر سلامتی نصیب ہوتی ہے۔

مسئلہ:۔ نعمت دینی ہو یا دنیاوی ہر نعمت پر صبر وشکر ضروری ہے۔

حکایت:۔ حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ رات کو میرے گھر کا سامان چوری ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا شکر الٰہی بجالا اس لئے کہ اگر تیرے دل پر شیطان ڈاکہ ڈال کر تیرے دل سے توحید کا سامان لوٹ کر لے جاتا تو پھر تو کیا کرتا۔

حکایت صاحب روح البیان: صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ مجھ سے خواب میں سوال ہوا کہ حمد کسے کہتے ہیں میں نے جواب

---

[1] تاویلات نجمیہ ۱۲۔

دیا کہ اسباب کی تیاری کے باوجود اللہ تعالیٰ کے کمال کا اظہار پھر سائل نے فرمایا (اور وہ سائل بھی بہت بڑے مشائخ اولیاء میں تھے) کہ اسباب کی تیاری کا کیا مطلب۔ میں نے عرض کی ہاتھ آسمان کی جانب اُٹھا کر ملکوت کی طرف متوجہ ہونا اور خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد و ثناء بجالانا جیسے اس ذات کے لائق ہے۔ جب میں بیدار ہُوا تو مجھے حمد کی تفسیر میں شکر کے مراتب معلوم ہُوئے۔ کسی بزرگ نے فرمایا ؎

الشکر قید النعم، مستلزم دفع النقم وھو علی ثلاثۃ۔ قلب یدفا عسلم وفم

ترجمہ: یعنی شکر نعمتوں کو قید کرتا ہے۔ تکالیف کو دفع کرتا ہے اور وہ تین طرح ہے۔ دِل اور ہاتھ اور منہ سے۔

تفسیر عالمانہ

۴۶ قُلْ اَرَءَيْتُمْ ،، اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ سے فرمائیے کہ مجھے خبر دو اے مشرکو!

(سوال) تم نے رؤیت کا اخبار معنے کیوں کیا۔

(جواب) رؤیت بصری ہو یا علمی اخبار کا سبب بنتی ہے۔ اس کی تفصیل ہم نے پہلے عرض کر دی ہے۔ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ ،، اللہ تعالیٰ اگر تمہارے کان کی شنوائی چھین لے۔ یعنی تمہیں بہرہ بنا دے۔ وَاَبْصَارَكُمْ ،، اور تمہاری آنکھوں کی بینائی مٹا دے۔ یعنی تمہیں بالکل اندھا بنا دے۔ وَخَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ (اور تمہارے قلوب پر مہر لگا دے) یعنی تمہارے دلوں پر ایسا پردہ ڈال دے کہ جس سے تمہارے عقول زائل کر دے اور تم میں سے سمجھنے کا مادہ ہی ختم ہو جائے یعنی تم پاگل ہو جاؤ۔

مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ،، کونسا معبود ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہو۔ مَنْ مبتدا اور اِلٰہٌ اس کی خبر ہے اور غیر اللہ اِلٰہ کی صفت ہے۔ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ،، چھینی ہُوئی چیزوں کو تمہارے ہاں لائے گا۔ یہ اِلٰہ کی دوسری صفت ہے۔ یہ جملہ رؤیت کے متعلق اور استخبار کا انحصار اسی پر ہے یعنی مجھے بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اعلیٰ اعضاء سلب کرلے پھر کون ہے اُس کے سوا جو تمہیں وہی اعضاء واپس دے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اُس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ ایسی قدرت والا ہی مستحق عبادت ہے اور عبادت کے رنگ میں تعظیم کے لائق بھی صرف وہی ہے (یہ مشرکین پر دوسری حجت ہے) اُنْظُرْ ،، اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم دیکھئے كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ۔ ہم آیات کو کس طرح پھیرتے ہیں۔ یعنی بار بار انہیں اپنے آیات دکھاتے ہیں اور اُن افہام و تفہیم کے لئے نت نئے طریقے اختیار کرتے ہیں۔ کبھی انہیں عقلیات کے مناظر کے دکھاتے ہیں کبھی ان کو ترغیب و ترہیب کے رنگ میں سمجھاتے ہیں کبھی انہیں اُن کے متقدمین کے حالات سُنا کر متنبہ کرتے ہیں۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا تصریف قرآنی اصطلاح میں اُن اسباب کو کہا جاتا ہے کہ جنہیں بروئے کار لا کر مطلب کو واضح کیا جائے کہ جس میں کسی قسم کا خفا باقی نہ رہے۔ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ،، پھر وہ ان آیات سے اعراض کر کے ایمان قبول نہیں کرتے۔

(ف) **فَتَدَبَّرَ** ۔ اُن کے صدق کے استبعاد کی وجہ سے ہے یعنی ان کا اعراض ہمارے آیات کو ایسے عجیب و غریب طریق سے پیش کرنے کے بعد ہو گیا ہے باوجودیکہ آیات کی تعریف اُن کے ایمان کا موجب تھی لیکن انہوں نے ان سے اعراض کیا۔ **قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ** ۔ فرمایئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین کو کہ مجھے خبر دو۔ **اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً** ،، اگر تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک یا کھلم کھلا آجائے (یعنی رات کو یا دن کو)

سوال : تم نے بغتۃ کو رات سے جہرہ کو دن سے کیوں تعبیر کیا۔

جواب : اکثر ایسے ہوتا ہے کہ اچانک کا عذاب رات کو آتا ہے۔ کھلم کھلا دن کو سورہ اعراف میں مضمون کی تفسیر یوں کی گئی ہے چنانچہ فرمایا : **اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ** اور قرآن کا ایک مضمون دوسرے مضمون کی تفسیر کرتا ہے۔

هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ،، (نہیں ہلاک و برباد کیا جاتا مگر قوم ظالم کو) یہ استفہام بمعنی نفی کے ہے اور استخبار کا متعلق محذوف ہے۔ یعنی اخبرونی ،، الخ یعنی اگر تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب پہلے لوگوں کی طرح رات یا دن کو آئے تو مجھے بتاؤ تمہارا حال کیسا ہوگا۔ اس کے بعد یُہلک الخ میں اُن کے حال کی تفصیل بتائی گئی ہے۔ یعنی مذکورہ بالا عذاب اگر آجائے تو وہ صرف تمہیں ہلاک و برباد کرے گا۔

فائدہ : اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر یعنی اَلْقَوْمُ الظّٰلِمُوْن کو لانے میں اشارہ ہے کہ اُن کے عذاب کا موجب اُن کا ظلم ہے اور ان کا ظلم یہی تھا کہ ایمان لانے کے بجائے کفر کرتے رہے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ،، یہ دونوں اَلْمُرْسَلِیْن کے حال مقدرہ ہیں۔ دراصل عبارت یوں تھی وَمَا نُرْسِلُهُمْ اِلَّا مُقَدِّرًا تَبْشِيْرَهُم الخ یعنی ہم نے رسل کرام علیہم السلام کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ وہ قوم کو خوشخبری سنائیں اور ڈرائیں بھی اس میں ان کے تشریف لانے کی علت غائی بھی بتائی گئی ہے یعنی ہم نے انہیں اس لئے نہیں بھیجا کہ صرف قوم کے سامنے آیات ظاہر کریں یا اُن کی غفلت دور کریں ، بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اپنی قوم کو طاعت پر خوشخبری سنائیں اور گناہوں پہ عذاب کا ڈر سنائیں۔

(ف) التبشیر بمعنی خوش کن خبر سنانا اور الانذار بمعنی ضرر رساں خبر سنانا۔ **فَمَنْ اٰمَنَ** ،، پس جو ایمان لائے گا **وَاَصْلَحَ** اور نیک عمل کریگا۔ یا اہل صلاح میں سے ہو جائے گا۔ **فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ** ،، پس جس عذاب سے انہیں ڈرایا گیا ہے۔ اس سے وہ بے خوف ہوں گے نہ انہیں دنیا میں کوئی عذاب ہوگا اور نہ آخرت میں۔ **وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** ،، اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یعنی جس خوشخبری سے انہیں خوش کیا گیا ہے۔ دنیا کی خوشخبری

یا آخرت کی۔ اس کے فوت ہونیکا انہیں کوئی غم لاحق نہ ہوگا "وَالَّذِینَ کَذَّبُوا بِآیٰتِنَا" اور جنہوں نے ہمارے
آیات کی تکذیب کی **ف**: آیات سے وہ بیانات مراد ہیں جو انبیاء علیہم السلام نے خوشخبری دے کر اور ڈرا کر قوم
کو بتائے اور انہوں نے اپنی قوم کو احکامات پہنچائے۔ "یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ" انہیں عذاب پہنچے گا

سوال: مس (پہنچا) کا اسناد عذاب کیطرف صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس کا اسناد ذی حیات شے کیطرف
ہوتا ہے جو کسی فعل کو اپنے قصد و اختیار سے کرے اور عذاب میں حیات اور قصد و اختیار کہاں۔

جواب: اس میں استعارہ بالکنایہ ہے کہ عذاب کو پہلے ذی حیات تصور کیا گیا ہے پھر اس کے قصد و اختیار ثابت
کرکے کفار کے لئے دکھ درد پہنچانے کا معنے کیا گیا ہے "بِمَا کَانُوا یَفْسُقُونَ" بسبب ان کے دائمی فسق کے
یعنی تصدیق و طاعت سے نکل جانے کی وجہ سے ہے۔

مسئلہ: آیات میں ترغیب و ترہیب ہے ان کلمات قدسیہ میں ہے کہ اللہ تعالے نے آدم علیہ السلام سے فرمایا
اے آدم علیہ السلام میرے عذاب سے پلصراط سے گزر جانے تک خوف میں رہنا۔

فائدہ: مروی ہے کہ اللہ تعالے نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ اے پیارے خلیل ہر وقت مغموم کیوں رہتے
ہو عرض کی یا اللہ تیری بے نیازی کا ڈر ہے کہ میرے باپ آدم علیہ السلام کو باوجودیکہ آپ سے قرب تھا۔ انہیں تو نے
اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور روح ان کے اندر پھونکی اور ملائکہ سے ان کو سجدہ کرایا لیکن صرف ایک خطا
(ظاہری) سے اپنے سے انہیں تو نے دور فرما دیا۔ اللہ تعالے نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں
کہ محبوب کی چھوٹی سی غلطی بھی محبت پر سخت گراں ہوتی ہے۔

حکایت: حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ بصرہ میں گیا تو میرا حضرت سعدون
مجنون رحمۃ اللہ علیہ سے گذر ہوا۔ میں نے ان سے پوچھا حضرت کیا حال ہے انہوں نے فرمایا اس شخص
کا کیا حال پوچھتے ہو جو صبح و شام سفر میں ہو اور اسکے پاس زاد راہ بھی کچھ نہ ہو اور اسے حاکم عادل کے سامنے حاضر
ہونا ہو اس کے بعد سخت روئے میں نے پوچھا حضرت آپ روئے کیوں ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میرا رونا دنیا پر حرص
کی وجہ سے نہیں اور نہ ہی مجھے موت سے ڈر ہے اور نہ ہی خطرہ ہے کہ مرنے کے بعد مٹی سے مٹی ہو جاؤں گا بلکہ اس
لئے روتا ہوں کہ زندگی ضائع گئی۔ اور نیک عمل نہ کر سکا۔ ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت آورد :: روزیکہ رخت جاں بجہان دگر کشیم

ترجمہ: کوئی کام کریں ورنہ شرمساری ہوگی کہ اس دن جبکہ ہم اس جہان سے دوسرے جہان کو کوچ کرینگے۔
سعدون مجنون نے فرمایا میں اپنی قلت زاد راہ کیوجہ سے روتا ہوں اس لئے کہ سفر بہر کیف کٹھن اور طویل ہے اور راستہ میں
طرح طرح کے خطرات ہیں۔ اسکے بعد نا معلوم میرا انجام کیا ہوتا ہے۔ یا دوزخ میں سے اُن سے

السلام سُنا تو عرض کی کہ آپ کو تو لوگ مجنون کہتے ہیں۔ فرمایا مجھے جنون نہیں لیکن مجھے محبوب حقیقی نے ایسے بنا دیا ہے کہ اب دل اپنے قابو میں نہیں رہا۔ آنتیاں گل سڑ گئی ہیں اور گوشت اور خون خراب اور ہڈیاں چکنا چور ہو گئی ہیں۔

(۱) دَر رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست دَر و ❊ شرطِ اول قدم آنست کہ مجنون باشی

(۲) کاروان رفت و تو در خواب و بیابان در پیش ❊ کے روی رہ زکہ پرسی چہ کنی چوں باشی

ترجمہ: (۱) رہ لیلیٰ میں بہت بڑے خطرے ہیں، شرط اوّل یہ ہے کہ اس راہ میں مجنون ہو جا

(۲) قافلہ گیا اور نیند میں ہے اور آگے جنگل ہے اس پر تو کب چل سکتا ہے کس سے پوچھے گا۔ کیا کر سکے گا تیرا کیا حال ہو گا (جب تیرا رہبر نہ ہو)

سبق: انسان سے جب غلطی ہو جائے تو عقلمند وہ ہے جو توبہ و استغفار میں جلدی کرے تاکہ ملک قہار کے عذاب سے بچ سکے۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ الخ (جو ایمان لائے اور اصلاح کرے)

انجوبہ: ملائکہ جب کسی بندے کا برائیوں کا اعمالنامہ آسمان پر لے کر جاتے ہیں تو جب لوحِ محفوظ پر دیکھتے ہیں تو اس کے لئے بجائے برائیوں کے نیکیاں لکھی ہوتی ہیں۔ وہ یہ کیفیت دیکھ کر بیہوش ہو کر گر جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں یا اللہ تو جانتا ہے کہ ہم نے اس کے بُرے عمل کی وجہ سے اس کی برائیاں لکھی ہیں، لیکن یہاں اس کی نیکیاں لکھی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک اے فرشتو تم تو سچ کہتے ہو لیکن میرے اس بندے نے برائیوں کے بعد ندامت ظاہر کی ہے اور توبہ و استغفار میں خوب رویا ہے مجھے اس کے حال پر رحم آ گیا ہے۔ اس لئے میں نے اس کے گناہ بخش دیئے ہیں۔ یہ میرا کرم ہے اور میں اکرم الاکرمین ہوں۔

سبق: ایمان اور نیک عمل اور غلطیوں پر ندامت کا اظہار دُنیا و آخرت میں نجات کا سبب ہے۔

مسئلہ: بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ اگرچہ ایمان اسلام ایک شئے ہیں، لیکن ان میں ایک باریک فرق بھی ہے وہ یہ کہ مجاز عُرفی کے اعتبار سے جس میں تصدیق قلبی ہو وہ ایمان ہے۔ (اس لئے کہ اس میں اصل معنٰے موجود ہے) اور جس میں تصدیق قلبی نہ ہو اور صرف زبان سے تصدیق کی جائے وہ اسلام ہے۔

قُلْ " فرما دیجئے اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے جو آپ سے کبھی نزول آیات کا سوال کرتے ہیں اور کبھی کچھ اور کبھی کچھ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ " میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے

لہ اس آیت سے مخالفین رسول خدا حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ مبارک کی تنقیص میں بڑا زور لگاتے ہیں۔ فقیر نے "احسن التحریر فی دورة التقریر" میں اس کے متعلق ایک جامع تقریر لکھائی تھی وہ تاحال غیر مطبوعہ ہے۔ اس کی طباعت

ہیں یعنی میں اپنے لئے بالاستقلال اور دعویٰ کے طور نہیں کہتا کہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں کہ ان ہی جس طرح چاہوں تصرف کروں۔ جس کی وجہ سے تم مجھ سے کبھی تنزیل آیات کا مطالبہ کرتے ہو اور کبھی انزال عذاب کا کہتے ہو اور کبھی سوال کرتے ہو کہ پہاڑ کو سونا بنا دو۔ اس طرح کے اور وہ سوالات جو میرے شان کے لائق نہیں۔

(ف) خزائن خزینہ کی جمع ہے بمعنے مخزونہ حداوی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے بندوں کے خزانوں کی طرح نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے اس کے مقدورات ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی تکوین کے بغیر نہیں ملتے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خزانہ کی جمع ہو اس مکان کو کہتے ہیں جہاں کوئی شئے پوشیدہ رکھی جائے اور اہل عرب کہتے ہیں خزن الشئ بمعنے احرازہ یعنی شئے کو سمیٹنا۔ اس حیثیت سے کہ وہ کسی کی دستبرد سے محفوظ ہو۔

سے پہلے اس کے چند جوابات یہاں لکھ دیتا ہوں تاکہ روح البیان کے مطالعہ کرنے والوں کو فائدہ اور فقیر کو اجر ثواب ملے۔

تفسیر: کفار کا طریقہ تھا کہ وہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کے سوال کیا کرتے تھے کبھی کہتے کہ آپ رسول ہیں تو ہمیں بہت سی دولت اور مال دیجئے کہ ہم کبھی محتاج نہ ہوں۔ ہمارے لئے پہاڑوں کو سونا کر دیجئے کبھی کہتے کہ گزشتہ اور آئندہ کی خبریں سنائیے اور ہمیں ہمارے مستقبل کی خبر دیجئے کیا کیا پیش آئے گا تاکہ ہم منافع حاصل کریں اور نقصانوں سے بچنے کے پہلے سے انتظام کرلیں کبھی کہتے ہمیں قیامت کا وقت بتائیے کب آئے گی کبھی کہتے کہ آپ کیسے رسول ہیں جو کھاتے پیتے بھی ہیں نکاح بھی کرتے ہیں۔ ان کی ان تمام باتوں کا اس آیت میں جواب دیا گیا کہ یہ کلام نہایت بے محل اور جاہلانہ ہے کیونکہ جو شخص کسی امر کا مدعی ہو اس سے وہی باتیں دریافت کی جاسکتی ہیں جو اس کے دعویٰ سے تعلق رکھتی ہوں غیر متعلق باتوں کا دریافت کرنا اور اس دعویٰ کے خلاف حجت بنانا انتہا درجہ کا جہل ہے اس لئے ارشاد ہوا کہ آپ فرما دیجئے کہ میرا دعویٰ یہ تو نہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں جو تم مجھ سے مال و دولت کا سوال کرو اور میں اس کی طرف التفات نہ کروں تو رسالت سے منکر ہو جاؤ نہ میرا دعویٰ ذاتی غیب دانی کا ہے کہ اگر میں تمہیں گزشتہ یا آئندہ کی خبریں نہ بتاؤں تو میری نبوت ماننے میں عذر کرسکو نہ میں نے فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ کھانا پینا نکاح کرنا قابل اعتراض ہو تو جن چیزوں کا دعویٰ ہی نہیں کیا ان کا سوال بے محل ہے اور اس کی اجابت مجھ پر لازم نہیں میرا دعویٰ نبوت و رسالت کا ہے اور جب اس پر زبردست دلیلیں اور قوی براہین قائم ہو چکیں تو غیر متعلق باتیں پیش کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے (خزائن العرفان)

مذکورہ بالا تقریر مندرج ذیل تفسیر معتبرہ اہلسنت کے اکابر علماء و مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے عین مطابق ہے چنانچہ ملاحظہ ہو۔ (۱) تفسیر مظہری ص ۲۳۸ ج : ۳ تحت آیت ھذا میں لکھا ہے کہ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ای مقدوراتہ اور خزائن رزقہ ولا اعلم الغیب عطف علی عندی خزائن اللہ ولا زائدۃ یعنی

شانِ نزول : اہلِ مکہ حضور علیہ السلام سے کہا کرتے کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں تو ہمارے لئے دُنیا کے منافع اور اُس کی خیرات میں وسعت فرمائیے۔ حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بتایا کہ آپ فرمائیں کہ میرا یہ دعویٰ تو نہیں کہ میرے ہاتھ میں رزق کی کنجیاں ہیں کہ کسی کا رزق بڑھاؤں اور گھٹاؤں۔ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ اُس کا عطف عندی کے محل پر ہے اور لازائدہ ہے جو نفی

ولا اقول لکم اعلم الغیب مالم یوح الیّ ولا اقول لکم انی ملک من الملائکۃ حتی ینافی دعوی الاکل والشرب والنکاح یعنی لا اقول لکم شیئا یجب انکارہ عقلا او یستدعی اقتراح الآیات ان اتبع فی تعلیم العلوم وتبلیغ الاحکام شیئا الا ما یوحی الیّ یعنی ادعی النبوۃ والتصدی بما یتصدی لہ الانبیاء ولا استحالۃ فیہ بل ھو جائز عقلا واقع تواتر بہ الاخبار عن الانبیاء الماضین فیہ ردّ علی استبعادھم دعواہ وجزمھم علی فساد مدعاہ وقال البغوی ھذہ الآیات نزلت حین اقترحوا الآیات یعنی قل لھم لا اقول لکم عندی خزائن اللّٰہ حتی اجعل لکم الصفا ذھبا واعطیکم ما تریدون ولا اعلم الغیب حتی اخبرکم بما مضی وما سیکون من غیر وحی من اللّٰہ ولا اقول لکم انی ملک حتی لا احتاج الی الاکل والشرب والنکاح ان اتبع الا ما یوحی الیّ۔

اس عربی عبارت کا ترجمہ تقریباً وہی ہے جو ہم نے اوپر لکھا ہے۔

---

(۴) تفسیر صاوی تحت آیۃ ھذا کے تحت لکھا ہے: ھٰذا مرتب علی قولہ وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین کانہ قال لیس علی الرسول الا البشارۃ والنذارۃ ولیس من وظیفۃ اجابتھم عما سالوہ عنہ ولا فعل ما طلبوہ منہ لانہ لیس عندہ خزائن اللّٰہ الخ (قولہ خزائن اللّٰہ) ای لا ادعی ان مقدرات اللّٰہ من ارزاق وغیرھا مفوضۃ الیّ حتی اتطلبوا منی قلب الجبال ذھبا وغیر ذالک (قولہ ولا اعلم الغیب) ای ما غاب عنی من افعال اللّٰہ حتی تسألونی عن وقت الساعۃ او وقت نزول العذاب (قولہ ولا اقول لکم انی ملک) ای حتی تکلفونی لصیفات الملائکۃ کالصعود للسماء وعدم المشی فی الاسواق وعدم الاکل والشرب وھذہ الآیۃ نزلت حین قالوا لہ، ان کنت رسولا فاطلب منہ ان یوسع علینا ویغنی فقرنا فاخبران ذالک بید اللّٰہ لا بیدہ بقولہ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللّٰہ وقالوا لہ ایضا اخبرنا بمصالحنا ومضارنا فی المستقبل حتی نھیا لذالک فتحصل المصالح وندفع المضار فقال قل لا اعلم الغیب فاخبرکم بما تریدون وقالوا لہ لھٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق ویتزوج النساء فقال لھم ولا اقول لکم انی ملک "

تقریباً مذکورہ ترجمہ اس عبارت کا مفہوم بھی ادا کرتا ہے۔ اسی لئے مزید لکھنے کی ضرورت نہیں البتہ ان عبارات و

مذکور کی یاد دہانی کراتا ہے۔ یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے غیب جانتا ہوں کہ جس سے تم مجھ سے
سوال کرتے ہو۔ مثلاً پوچھتے ہو کہ قیامت کب قائم ہوگی اور سوال کرتے ہو کہ عذاب کس وقت نازل ہوگا۔ وغیرہ
وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اور میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں فرشتہ ہوں تاکہ تم مجھے ان امور کے اظہار کا
تکلیف دیتے ہو (جو خرقاً للعادۃ) ظاہر ہوتے ہیں اور وہ انسانی حیثیت سے ممکن نہیں۔ مثلاً آسمان پر چڑھ جانے
کے متعلق کہتے ہو یا اگر میں تمہارے سوالات پورے نہ کروں تو کہو کہ میں جس مقصد کو لے کر آیا ہوں۔ اس پر پورا نہ
اُتر سکا۔ چنانچہ اُن کے اقوال دوسرے مقام پر بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتے مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ
فِي الْاَسْوَاقِ [1] ،، خلاصہ یہ کہ حضور علیہ السلام نے کفار سے فرمایا کہ میں ان تینوں امور کا مدعی نہیں۔ تاکہ مجھ

مندرجہ ذیل تفاسیر کے حوالہ جات کا خلاصہ فقیر اویسی غفرلہ کی تحقیق کے باب میں آجائیگا اور وہ تحقیق انہی اوراق
میں ملاحظہ فرمائیں۔ (تفسیر نیشاپوری میں ہے) (دیگر تفاسیر کے حوالہ جات)

(۳) (قل لا اقول لکم) لم یقل لیس عندی خزائن اللہ لیعلم ان خزائن اللہ وهي العلم بحقائق الاشیاء وماهیاتها عنده صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی قوله ارنا الاشیاء کما هي ولکنه یکلم الناس علی عقولهم (ولا اعلم الغیب) ای لا اقول لکم هذا مع انه قال صلی اللہ علیہ وسلم علمت ما کان وما یکون او مختصرا

یعنی ارشاد ہوا کہ اے نبی فرما دو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کے خزانے میرے پاس نہیں (بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں) تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں مگر حضور لوگوں سے ان کی سمجھ کے قابل بات بیان فرماتے ہیں) اور وہ خزانے کیا ہیں؟ تمام اشیاء کی
ماہیت وحقیقت کا علم ،، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ملنے کی دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ پھر فرمایا
،، اور میں غیب نہیں جانتا ،، یعنی تم سے نہیں کہتا کہ مجھے غیب کا علم ہے، ورنہ حضور تو خود فرماتے ہیں کہ مجھے ماکان
ومایکون کا علم ملا۔ یعنی جو کچھ گزرا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔

(۴) اسی تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ یحتمل ان یکون ولا اعلم عطفاً علی ان لا اقول لکم ای و
لا اعلم الغیب فیه دلالة علی ان الغیب بالاستقلال لا یعلمه الا اللہ ،، یعنی اس آیت میں احتمال
ہے کہ لا اعلم کا عطف لا اقول پر ہو اب معنی یہ ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں غیب
جانتا ہوں اس میں دلیل ہے کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصا ہے۔

(۵) اسی تفسیر نیشاپوری میں ہے اَیْ لَا اَدَّعِی الْقُدْرَۃَ عَلٰی کُلِّ الْمَقْدُوْرَاتِ وَالْعِلْمَ بِکُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ

---

[1] اس رسول کو کیا ہے کہ طعام کھاتا اور بازاروں میں پھرتا ہے

ان کا مطالبہ کرو یا اُن کے آثار و احکام کے سوالات کرو اور جب میں انہیں نہ پُورا کروں تو تم اسے دلیل کے طور پیش کر کے میری دعوت کا انکار کر دو یا کہو کہ ان امور پر عدم قدرت سے میری رسالت و نبوت بھی غلط ہے۔ حالانکہ ان امور کی رسالت و نبوت کے دعوے سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ سے پیغام پہنچانے یا اس سے پیام کے حصول اور پھر اس کے مطابق عمل پیرا ہونے کا نام ہے؛ چنانچہ فرمایا: اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ "میں نہیں اتباع کرتا مگر اس کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اس میں میرا ذاتی طور کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا۔ نہ میں وحی کی استدعا کر کے اپنی طرف سے کسی قسم کا دخل دے سکتا ہوں اور نہ ہی اور کوئی سلسلہ اس میں جاری ہو سکتا ہے۔ (قاعدہ) وحی تین طرح ہوتی ہے (۱) فرشتہ کی زبان سے حکم ربانی پہنچے۔

یعنی میں تمام مقدورات پر رکھنے اور تمام معلومات کے جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ ای لا ادعی کونی موصوفا بعلم اللہ والمجموع هذین الکلامین حصل انه یرید حتی الالوهیة یعنی میں اللہ کے علم سے موصوف کا ہونے کا مدعی نہیں ہوں اور ان دونوں باتوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خدا ہونے کا دعویٰ نہیں فرماتے۔

تفسیر بیضاوی یہ ہی آیت لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ مَا لَمْ یُوْحَ اِلَیَّ اَوْ لَمْ یَنْتَصِبْ عَلَیْهِ دَلِیْلٌ میں غیب نہیں جانتا جب تک اس کی مجھ پر وحی نہ کی جاوے یا کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو۔ یا اس سے مراد کل علم کی نفی ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ قَوْلُهٗ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ یَدُلُّ عَلٰی اِعْتِرَافِهٖ بِاَنَّهٗ غَیْرُ عَالِمٍ بِکُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ "یہ فرمان کہ میں غیب نہیں جانتا حضور علیہ السلام کے اس اقرار پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سارے معلومات نہیں جانتے۔ یا یہ کلام بطور تواضع و انکسار فرمایا گیا۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ وَ اِنَّمَا نَفٰی عَنْ نَفْسِهِ الشَّرِیْفَةِ هٰذِهِ الْاَشْیَاءَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ تَعَالٰی وَ اعْتِرَافًا بِالْعُبُوْدِیَّةِ فَلَسْتُ اَقُوْلُ شَیْئًا مِّنْ ذٰلِکَ وَلَا اَدَّعِیْهِ حضور علیہ السلام نے ان چیزوں کی اپنی ذات کریمہ سے نفی فرمائی۔ رب کے لئے عاجزی کرتے ہوئے اور اپنی بندگی کا اقرار فرماتے ہوئے یعنی میں اس میں سے کچھ نہیں کہتا اور کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر عرائس البیان میں ہے وَ تَوَاضَعَ حَتّٰی اَقَامَ نَفْسَهٗ مَقَامَ الْاِنْسَانِیَّةِ بَعْدَ اَنْ کَانَ اَشْرَفَ خَلْقِ اللّٰهِ مِنَ الْعَرْشِ اِلَی الثَّرٰی وَ اَطْهَرَ مِنَ الْکَرُوْبِیِّیْنَ وَ الرُّوْحَانِیِّیْنَ خُضُوْعًا لِلْجَبَرُوْتِیَّةِ وَ خُشُوْعًا لِلْمَلَکُوْتِیَّةِ "حضور علیہ السلام نے انکسار فرمایا کہ اپنی ذات کو انسانیت کی جگہ میں رکھا ورنہ آپ از عرش تا فرش ساری مخلوق میں اشرف ہیں اور ملائکہ اور روحانیین سے زیادہ ستھرے ہیں۔ حق تعالیٰ کی شان جباری کے سامنے عاجزی کے طور پر اُس کی سطوت کے سامنے پستی کے اظہار کے طریق پر فرمایا یعنی دعوائے علم غیب کی نفی ہے کہ میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا۔

قرآن پاک کے آیات اسی قبیل سے ہیں۔

(۲) فرشتہ صرف اشارہ کنایہ سے کچھ کہے یعنی زبان سے کچھ نہ کہے اسی طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رَوْعِیْ اِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَھَا۔،، رُوح القدس نے میرے دِل پر القاء کیا ہے کہ کوئی نفس نہیں مرتا یہاں تک کہ وہ اپنا رزق مکمل کرے۔

(۳) براہِ راست نبی علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہو بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اپنے نُور سے اپنے نبی علیہ السلام کو کوئی بات ظاہر فرمائے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاکَ ،، تاکہ تم فیصلہ کرو اس اشارہ پر جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا ہے۔

مدارک میں ہے کہ محل اَلْغَیْبَ النَّصَبُ عَطْفًا عَلٰی مَحَلِّ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰہِ لِاَنَّہٗ مِنْ جُمْلَۃِ الْمَقُوْلِ کَاَنَّہٗ قَالَ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ ھٰذَا الْقَوْلَ وَلَا ھٰذَا الْقَوْلَ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ کا اعراب زبر ہے عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰہِ کے محل پر عطف کی وجہ سے کیونکہ یہ بھی کہی ہوئی بات میں سے ہے گویا آپ نے یوں فرمایا کہ میں تم سے نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ ،،

رُوح البیان میں تحت آیۃ ہذا میں ہے ہم عربی عبارت کے بجائے اردو ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں: لَآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰہِ ،، میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں یعنی میں اپنے لئے بالاستقلال اور دعویٰ کے طور نہیں کہتا کہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں کہ ان میں جس طرح چاہوں تصرف کروں جس کی وجہ سے تم مجھ سے بھی تنزیل آیات کا مقابلہ کرتے ہو اور کبھی انزال عذاب کا کہتے ہو اور کبھی سوال کرتے ہو کہ پہاڑ کو سونا بنا دو اس طرح کے اور وہ سوالات جو میرے شان کے لائق نہیں۔(شانِ نزول) اہل مکہ حضور علیہ السلام سے کہا کرتے کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں تو ہمارے لئے دُنیا کے منافع اور اس کی خیرات میں وسعت فرمائیے۔ حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بتایا آپ فرمائیں کہ میرا یہ دعویٰ تو نہیں کہ میرے ہاتھ میں رزق کی کنجیاں ہیں کہ کسی کا رزق بڑھاؤں اور گھٹاؤں وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ اس کا عطف عندی کے محل پر ہے اور لا زائدہ ہے جو نفی مذکور کی یاد دہانی کرتا ہے۔ یعنی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے غیب جانتا ہوں کہ جیسے تم مجھ سے سوال کرتے ہو شلاً پوچھتے ہو کہ قیامت کب ہوگی اور سوال کرتے ہو کہ عذاب کس وقت نازل ہوگا وغیرہ۔ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ ،، میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں فرشتہ ہوں تاکہ مجھے ان امور کے اظہار کی تکلیف دیتے ہو جو خرقًا للعادۃ)

ہم نے آیات و احادیث کے بعد اسلاف صالحین کے اقوال لکھ دیئے تاکہ مخالفین اپنی غلط توجیہہ سے عوام کو دھوکہ نہ دیں۔

فائدہ : اشعریہ اور اکثر متکلمین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے منکر ہیں۔ جیسا کہ آیت مذکورہ کے آخری جملہ سے واضح ہوتا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد ثابت ہے اور آپ کے اجتہاد کو بھی وحی کا مرتبہ حاصل ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ وحی از اول تا آخر وحی ہے اور اجتہاد ابتداء میں تو اجتہاد اور اُس کا مآل وحی ہوگا اور اُسے وہی مرتبہ حاصل ہے کہ گویا وہ ابتداء ہی وحی ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ، فرمایئے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا نابینا اور بینا

تطبیق : ہماری پیش کردہ روایات سے ثابت ہوا کہ ہمارا موقف حق ہے کہ ہم نے مخالفین کی پیش کردہ آیت کو حق مان کر اس کا اصل منشا ثابت کر دیا اور مخالفین کا صرف یکطرفہ پروگرام ہے جو سراسر غلط اور باطل ہے خلاصہ یہ کہ آیت مذکور مکیہ ہے اور اس وقت بالمقابل کفار و مشرکین تھے انہیں اسی طرح جواب دینا موزوں تھا اور مدینہ طیبہ میں ماننے والوں کی کثرت تھی اور مقابلہ میں یہود تھے اور انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و مناقب معلوم تھے اسی لئے مدینہ طیبہ تشریف لا کر علوم غیبیہ و اختیار و تصرفات کا اظہار فرمایا

تقریر ۶ : مخالفین کی عادت ہے کہ ہمیشہ اپنے مطلب براری کے لئے پوری آیتہ نہیں پڑھتے اس لئے کہ انہیں معلوم ہے کہ اگر وہ پوری آیتہ پڑھیں گے تو پردہ کھل جائے گا ورنہ مخالفین کا جواب اسی آیتہ کے آخر میں ہے وہ یہ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنے سے علم غیب و اختیار کی نفی کی تا کہ کفار مکہ کو معلوم ہو کہ علم غیب و اختیار اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے پھر آخر میں اپنے لئے بعطائے الٰہی انہی امور کا اثبات فرمایا کما قال ،، ان اتبع الا مایوحیٰ الیّ ،، یعنی اے کافروا میں نے تمہارے سامنے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نبی کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا وہ جو کچھ کہتا ہے وحی ربانی سے کہتا ہے میں نے جو (بقیہ حاشیہ) تمہارے سامنے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس میں میری صداقت اور سچائی کی دلیل وحی ربانی ہے اور وحی ربانی سے مجھے علم غیب بھی حاصل ہے اور اختیار بھی لیکن چونکہ تم ان باتوں کے حامل نہیں جو لوگ ان کے اہل ہیں ان کے سامنے ظاہر کروں گا۔

تقریر ۷ : سابقہ امم میں اللہ تعالیٰ نے دستور رکھا کہ کفار جس طرح کا مطالبہ کرتے اللہ تعالیٰ انہیں پورا فرماتا پھر بھی اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا۔ انہیں یہاں بھی اس قانون کا اعلان فرمایا کما قال وَ قالوا لولا انزل علیہ ملک ولو انزلنا ملکا لقضی الامر ثم لا ینظرون ،، یعنی کافروں نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرشتہ کیوں نہیں نازل ہوتا۔ اگر ان کے مطالبہ پر ہماری طرف سے فرشتہ نازل بھی ہو جائے اور پھر بھی وہ

یعنی گمراہ اور ہدایت یافتہ برابر ہو سکتے ہیں۔

ربط : جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتِ کریمہ کو وحی کی اتباع سے موصوف فرمایا تو اس سے لازماً ثابت ہوا کہ آپ اپنے کو ہدایت یافتہ اور اپنے معاند کو گمراہ اور اس کے دعویٰ کو گمراہی سے تعبیر فرمائیں۔ اس لئے ہر وہ عمل جو وحی کے بغیر ہو وہ نابینا کے مشابہ ہے اور وہ عمل جو بمقتضائے وحی ہو وہ بینا کے عمل کی طرح ہے۔

۴۸ **اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ** ،، کیا تفکر نہیں کرتے۔ یعنی وہ کلام حق کو سن کر پھر تفکر کیوں نہیں کرتے تاکہ اس کی اتباع کر کے ہدایت پا جائیں اور وحی کے مقتضا پر چلنے والے ہو جائیں۔

(ف) توبیخ کا دارومدار دو امروں کے نہ ہونے پر ہے (۱) کلام حق کا نہ سننا (۲) اس میں تفکر نہ کرنا۔

ایمان نہ لائے تو ان کا کام تمام ہو جائے گا اور انہیں مہلت بھی نہیں ملے گی۔

فائدہ غور کیجئے کہ آیۃ قل اقول لکم الخ میں کفار کا مطالبہ پورا کرتے تو یقیناً ایمان نہ لاتے جیسا کہ ان کی عادت تھی تو لازماً وہ عذاب میں مبتلا ہوتے جیسا کہ اوپر کے قاعدہ و ضابطہ سے معلوم ہوا اور ان کا عذاب میں مبتلا ہونا قیامت تک غیر ممکن تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب علیہ السلام سے وعدہ فرما چکا کہ ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم ،، بفرض محال اگر ان پر عذاب نازل ہوتا تو خلاف وعدۂ الٰہی لازم آتا اور وہ محال ہے۔ کما قال : ان اللہ لا یخلف المیعاد ،، اور فرمایا ان اللہ لا یخلف وعدہ ،، وغیرہ وغیرہ ہماری اس تقریر سے ثابت ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم آیۃ قل لا اقول لکم الخ میں علم غیب و اختیار کے اظہار نہ کرنا ضروری اور لازمی تھا ورنہ اللہ تعالیٰ پر خلاف وعدہ کا الزام آتا اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کے لئے مبعوث ہوئے نہ کہ اس کی توہین و تنقیص کیلئے (مزید تفصیل و تفسیر احسن التحریر میں ملاحظہ ہو)

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا
اور اس قرآن سے انہیں ڈراؤ جنہیں خوف ہو کہ اپنے رب کی طرف یوں اٹھائے جائیں کہ اللہ کے سوا ان کا کوئی حمایتی ہو اور نہ سفارشی
شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ
اس امید پر کہ وہ پرہیزگار ہو جائیں اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا
يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ
چاہتے تم پر ان کے حساب سے کچھ نہیں اور ان پر تمہارے حساب سے کچھ نہیں پھر
مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ
انہیں تم دور کرو تو یہ کام انصاف سے بعید ہے اور یوں ہی ہم نے ان میں ایک کو دوسرے کے لیے
لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾
فتنہ بنایا کہ مالدار کافر محتاج مسلمانوں کو دیکھ کر کہیں کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہم میں سے کیا اللہ خوب نہیں جانتا حق ماننے
وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ
والوں کو اور جب تمہارے حضور وہ حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے فرماؤ تم پر سلام تمہارے رب نے اپنے ذمہ کرم
الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ
پر رحمت لازم کر لی ہے کہ تم میں جو کوئی نادانی سے کچھ برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو بے شک اللہ بخشنے
فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾
والا مہربان ہے اور اسی طرح ہم آیتوں کو مفصل بیان فرماتے ہیں اور اس لیے کہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے

تفسیر عالمانہ

۴۹ وَاَنْذِرْ بِهٖ اور اس عذاب سے خوف دلائیے جو وحی کے ذریعے بتایا گیا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ،، انہیں جو خوف رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے ہاں اُٹھائے جائیں گے۔ یعنی ایسے مقام پہ انہیں اُٹھا کر جمع کیا جائے گا کہ وہاں سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی کسی کو نفع پہنچا سکے گا نہ نقصان۔

(ف) بعض کے نزدیک يَخَافُوْنَ معنی يَعْلَمُوْنَ ہے اس لئے کہ اُن کا خوف بوجہ علم کے تھا۔ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ ،، اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا قریبی تعلق دار نہیں ہوگا جو قیامت میں انہیں فائدہ پہنچا سکے۔ وَّلَا شَفِيْعٌ ،، اور نہ ہی کوئی سفارشی جو اُن کی سفارش کرے اور یہ بھی جملہ نافیہ ہے اور يُحْشَرُوْن کی ضمیر سے محلاً حال نہیں۔ اس لئے کہ ڈرائے ہوئے لوگوں کا یہی حال ہوگا نہ کہ اُٹھائے ہوؤں کا۔ اور من دونہ لیس کی ضمیر سے حال ہے اور اَلَّذِين سے مومن عاصی مراد ہیں (کذا فی اکثر التفاسیر)

رَدِ نجدیہ وہابیہ : یہاں پر شفاعت کی نفی غیر اللہ یعنی اصنام باطلہ سے ہے۔ اہلسنت وجماعت کا مذہب یہی ہے کہ تمام انبیاء عظام و اولیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام مجرموں کی شفاعت کریں گے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے اذن وعطا سے اس معنی پر حقیقی قبضہ وقدرت اللہ تعالیٰ کو ہے اس معنی پر شفاعت اللہ تعالیٰ کی ہے اور مجازاً اللہ والوں کے لئے۔ یہی نفی بحیثیت حقیقت کے ہے نہ بوجہ مجاز کے۔

فائدہ : مولانا ابو السعود (مفسر) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَلَّذِیْنَ سے کافروں کا وہ گروہ مراد ہے جو حشر ونشر کے قائل ہیں ؛ بلکہ بعض اصل حشر ونشر کے عقیدے میں پختہ کار ہیں جیسے یہود ونصاریٰ اور بعض وہ مشرکین جو بعثت ونشر کے قائل ہوکر اس گمان میں ہیں کہ وہ چونکہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہیں اس لئے وہ ہماری سفارش کریں گے یا اس غلط خیالی میں مبتلا تھے کہ اُن کے بُت اُن کی سفارش کریں گے۔ اُن کے ساتھ وہ دُوسرے بعثت ونشر کے منکر ہوکر خوفزدہ ہوجاتے کہ ممکن ہے کہ بعثت ونشر کا بالکل انکار تھا یا اس کا انہیں اقرار تو تھا لیکن وہ اپنے آباء یعنی انبیاء علیہم السلام اور اپنے معبودانِ باطل کی شفاعت کے قائل تھے۔ ان سب کو انذار کا حکم ہے۔ خلاصہ یہ کہ آیت سے واضح ہوگیا کہ قیامت میں اُن کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ ہی اُن کا ایسا سفارشی کہ جس کی سفارش اُن کے حق میں قبول ہو۔ **لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ** ،، یہ وانذر کی علت ہے یعنی انہیں ڈرایئے تاکہ جن بُرے عقائد پر زندگی بسر کر رہے ہیں اُن سے باز آجائیں اور اللہ تعالیٰ کا دل میں خوف پیدا کر کے اس کی اطاعت کریں۔ یا اس سے مُراد یہ ہے کہ انہیں ڈرائیں تاکہ وہ کفر ومعاصی سے بچیں۔

تفسیر صُوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ کفار سے اُن کے عقول وفہوم کے مطابق کلام کریں اسی لئے فرمایا **قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ** ،، اے کافرو اگرچہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کے بے شمار خزانے ہیں لیکن میں تمہیں نہیں کہتا۔ اور خزائن اللہ سے حقائق الاشیاء کا علم اور اُن کی ماہیات مُراد ہیں اور حضور علیہ السلام کو یہ خزائن حاصل تھے ؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ** اور اس عموم میں حضور علیہ السلام کو خصوصیت حاصل تھی اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا **اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ كَمَا هِیَ** ،، مزید مستجاب ہوئی ؛ چنانچہ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا **اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ** اور غور سے دیکھا جائے تو آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے قُل کا حکم فرمایا ہے کہ **قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ**۔ وہ بھی اس لئے کہ وہ اُس کے اہل نہیں تھے چنانچہ حضرت شیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا **وَلَا تُبْذِرُ الْاَسْرَارَ** انہیں حقائق الاشیاء کے اسرار سے مطلع نہ فرمایئے اس لئے کہ یہ اشیاء قلب ورُوح کی غذا ہیں جیسے گندم جسم کی۔ فی الارض عمیان ،، اندھوں کی زمین میں بیج مت ڈالیئے۔ اس لئے کہ وہ نہ حق کو دیکھتے ہیں اور نہ ہی جملہ اشیاء میں حق کا مشاہدہ کرتے

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دریغست با سفلہ گفت از علوم ✤ کہ ضائع شود تخم در شورہ بوم

ترجمہ: کمینے کو علم پڑھانا افسوس کا سبب ہے کہ شور زمین میں بیج ضائع ہو جاتا ہے۔

ردّ وہابیہ دیوبندیہ

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ : (اور میں ذاتی طور غیب نہیں جانتا) ورنہ دلائل سے ثابت ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ تمام حالات کی خبریں دیتے اور اللہ تعالیٰ کے عطائی علم سے آئندہ کے واقعات سناتے اور خود امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شبِ معراج ایک قطرہ میرے حلق میں اُتارا گیا جس سے میں نے مَا کَانَ وَمَا یَکُوْن کے علوم کو جان لیا۔ اس بنا پر جو لوگ (مثلاً وہابی، دیوبندی، مودودی، نیچری وغیرہ) کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب نہیں جانتے وہ سراسر غلط کہتے ہیں۔ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ، اور میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اگرچہ ملائکہ کے مقام سے بھی میرا مقام بلند ہے؛ چنانچہ میں نے کہا اے جبریل کچھ آگے چلئے تو اُس نے جواب دیا۔ اگر میں تھوڑا سا اُوپر پرواز کروں تو راکھ ہو جاؤں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) شبے بر نشست از فلک بر گذشت ✤ بتمکیں و جاہ از ملک در گزشت

(۲) چناں گرم در تیہ قربت براند ✤ کہ در سدرہ جبریل از و باز ماند

ترجمہ: (۱) ایک رات میں بُراق پر بیٹھ کر آسمانوں سے گزر گئے مرتبہ و مقام میں فرشتوں سے بلند ہوئے۔
(۲) قربت کے جنگل میں ایسے قریب ہوئے کہ جبریل علیہ السلام بھی سدرہ پہ رہ گئے۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ط میں اپنے اُن مقامات واحوال (جو مجھے اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوئے ہیں کہ جہاں نہ ملائکہ مقربین کو گنجائش ہے اور نہ ہی نبی مرسل کو) سے نہیں خبر دیتا مگر اتنا قدر کہ جتنا مجھے حکم ہوا کہ میں تمہیں اپنے حالات و مقامات سے خبر دوں اور ان مقامات و احوال کی تمہیں کیسے خبر دوں کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ حالانکہ میں اُن مقامات و حالات کا مشاہدہ فرماتا ہوں۔ اس معنے پہ نابینا اور بینا کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا وَاَنْذِرْ بِهٖ اور ان حقائق و معانی سے انہیں خبر دیجئے جو خوف رکھتے ہیں۔ یعنی اُنہیں اُمید ہے کہ وہ جذبات عنایت سے اپنے ربِ کریم کی طرف جمع کئے جائیں اور وہ انہیں وہ مقامات اور احوال تحقق ہو جائیں لَیْسَ لَھُمْ، اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچنے میں اُن کے لئے کوئی نہیں۔ مِنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ، اس کے سوا کوئی ولی وَّلَا شَفِیْعٌ اور نہ ہی کوئی شفیع اس لئے کہ وہ تو صرف جذبات عنایت حق سے نصیب ہوتا ہے۔ لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ، تاکہ طلب وصول میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ماسوی اللہ سے بچ جائیں۔

ؔلہ یہ عربی عبارت خط کشیدہ فصوص الحکم شریف کی ہے

ؔلہ اضافہ اویسی غفرلہ

حکایت : حضرت سری سقطی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے ایک دن گورستان میں حضرت بہلول رحمہ اللہ تعالیٰ کو بیٹھے دیکھ کر عرض کیا کہ یہاں آپ کا کیا کام۔ فرمایا میں یہاں ان لوگوں کے ہاں قیام پذیر ہوں جو مجھے ایذاء نہیں دیتے۔ اگر چلا جاؤں تو غیب نہیں کرتے۔ میں نے کہا آپ بھوکے ہوں گے اُنھوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا ؎

تجوع فان الجوع من عمل التقی ❁ وان طویل الجوع یوما سیشبع

ترجمہ : بھوکا رہئے اس لئے کہ بھوکا رہنا تقویٰ ہے اور طویل بھوک سے ایک دن پیٹ بھر کر کھانا ملے گا۔

مثال عجیب : بزرگوں نے لکھا کہ نیک لوگوں کی زیب و زینت کی بہ نسبت غیروں کی مثال یوں ہے کہ ایک لشکر کو بادشاہ فرمائے کہ تم میرے ہاں حاضر ہونے کے لئے زیب و زینت کر لو۔ کل تمہیں میری ملاقات ہو گی جو تم میں زیادہ سنگار کر کے آئے گا وہی میرے نزدیک بلند قدر سمجھا جائیگا پھر خفیہ طور اپنے مخصوص لشکر کے ہاں زیب و زینت کے ایسے آزمائشی سامان بھیجے جو دوسروں کو کہیں سے حاصل نہ ہوں تو جب یہ تمام حاضر ہوں گے تو ترقی انہیں نصیب ہو گی جنہیں بادشاہ نے خصوصیت سے سامان آرائش عطا فرمایا ہو گا۔ بعینہٖ یہی حال اُن حضرات اولیاء کرام کا ہے جو اعمال صالحہ اور احوال زکیہ (پاکیزہ) سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ انہیں عوام سے صفائی اور ستھرائی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں اور جو کچھ حاصل ہے وہ قیامت میں ظاہر ہو گا جبکہ ہر ایک پریشانی کے عالم میں حیران و سرگردان ہو گا۔ اس لئے کہ وہ مخصوص اور برگزیدہ بندے ہیں اور ہم گندے بندے۔

تفسیر عالمانہ ۵ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ (اور ان لوگوں کو نہ ہٹائیے جو صبح و شام اللہ کو پکارتے ہیں) **شانِ نزول** مروی ہے کہ قریش مکہ کے لیڈروں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ اپنی مجلس شریف سے فقراء (صہیب و عمار و خباب و بلال و سلمان وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو ہٹا دیں اس لئے کہ معمولی لوگوں کے ساتھ ہمارا بیٹھنا نامناسب ہے۔ علاوہ ازیں اُن کے کپڑوں سے بدبو آتی ہے (اس لئے کہ اُنھوں نے اُونی کپڑے پہنے ہوئے تھے) جبتک یہ لوگ آپکے ہاں ہیں ہم نہ آپ کے ساتھ بیٹھ سکتے ہیں اور نہ باتیں کر سکتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو اہلِ ایمان کو لمحہ بھر کے لئے بھی اپنی مجلس سے دُور نہیں کر سکتا۔ اُنھوں نے کہا کم از کم اتنی مہربانی تو فرمائیں کہ جب ہم آپ کے ہاں حاضری دیں تو ان کو اُٹھا دیں تاکہ اہلِ عرب کو ہماری شان و شوکت معلوم ہو۔ عرب کے مختلف مقامات سے آپ کے ہاں بڑے بڑے وفود حاضری دیتے ہیں۔ ہمیں شرم آتی ہے کہ وہ ہمیں ان غریب لوگوں کے ساتھ بیٹھا دیکھیں۔ پھر جب ہم اُٹھ جائیں تو آپ انہیں بے شک اپنے ساتھ بیٹھا لیں۔ حضور علیہ السلام اُن کی یہ شرط قبول کرنے کو تھے۔ اس ارادہ پر کہ شاید یہ بدبخت ایمان لائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو گوارا نہ ہُوا فوراً یہی آیت نازل فرما کر حکم دیا کہ آپ ان لوگوں کو اپنے سے نہ ہٹائیں جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں۔ (**مسئلہ**) اس سے ثابت ہُوا کہ اسلام میں غنی کو فقیر پہ اور اُونچے گھرانے والوں کو غریبوں پر کوئی

فضیلت نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیوی احوال کے لئے نہیں بھیجا اور طرد بمعنی العاد و دور کرنا) اور صبح و شام سے ذکر سے دائمی ذکر مراد ہے اور یہ قاعدہ ہے جو ذکر میں ہر وقت مصروف رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمنشیں ہوتا ہے، چنانچہ قدسی حدیث میں ہے اَنَا جلیس من ذکرنی "میں اُس کا ہمنشین ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔ یُرِیْدُوْنَ" اپنی عبادت و ذکر سے ارادہ کرتے ہیں۔ وَجْهَهٗ (اُس کی ذات کا) یعنی صرف اسی کی رضا چاہتے ہیں ذکر و عبادت سے انہیں کوئی دنیوی غرض نہیں ہوتی۔ یُرِیْدُوْنَ وجہہ" یہ سالم جملہ یدعون کی ضمیر سے حال ہے یعنی یدعونہ تعالیٰ مخلصین لہ" یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو مخلص ہو کر پکارتے ہیں اور دُعاء کو خلوص کی قید سے اس لئے مقید کیا گیا ہے کہ اخلاص پر تمام اعمال کا انحصار ہے ؎

عبادت با اخلاص نیت نکوست ☆ وگرنہ چہ آید ز بے مغز و پوست

ترجمہ: عبادت خلوص نیت سے بہتر ہے ورنہ بے مغز پوست سے کیا حاصل ہوگا۔

اور دُوسری وجہ یہ بھی کہ العاد کے مقابلہ میں انہیں مکرم تر صرف خلوص پر بنایا گیا ہے

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (نہ آپ کا اُن پر کوئی حساب ہے نہ اُن کے حساب میں کوئی شئے آپ پر ہے)

شانِ نزول: مشرکین مکہ نے نہ صرف اہلِ اسلام فقراء و مساکین سے اظہارِ نفرت کیا بلکہ اُنھوں نے اُن کے ایمان پر طعن و تشنیع کی کہ وہ فقراء و مساکین دینِ اسلام کو صرف اس لئے قبول کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانا پینا اور لباس وغیرہ مُفت مل جاتا ہے۔ انہیں دینِ اسلام اور ایمان سے دُور کا واسطہ بھی نہیں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراض کو وضع فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے تو اُن کے ظاہری حال پر اعتبار ضروری ہے کہ وہ متقین کا طریقہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ بقول مشرکین ان کا باطنی حال خراب ہو اس لئے کہ اُن کے ایمان کا حساب اور اُس کا ضرر انہیں پہنچے گا۔ آپ کو اس سے کسی قسم کا حساب نہ ہوگا اس لئے کہ ہر ایک کا حساب اسی کی طرف لوٹتا ہے کسی دُوسرے کو اُس سے کسی قسم کا نقصان نہ ہوگا۔

فائدہ: آیت میں کفار کے طعن و تشنیع کا ردّ اور محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے طریقۂ کار پر ثابت قدمی کی تلقین ہے کہ آپ فقراء و مساکین کی جس طرح تربیت فرما رہے ہیں فرماتے جائیے اور انہیں زیادہ سے زیادہ اپنے قریب لائیے۔

ترکیب: حسابہم و علیہم کی ضمیریں۔ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ الخ کی طرف عائد ہیں اور مِن شئ کا مِنْ زائدہ ہے اور مِنْ شئ علیک و علیہم کا فاعل ہے۔ اس لئے کہ اسے نفی پر اعتماد ہے اور من حسابہم و من حسابک من شئ کی صفت ہیں۔ پھر مقدم ہو کر حال بنا ہے۔

فائدہ: مولانا ابو السعود (مفسر) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ کفار کے سوال کا جواب ہے اگرچہ یہ پہلے جملوں میں بیان ہو گیا ہے لیکن اس کو دوبارہ ذکر کرنے میں مبالغہ ہے کہ حضور

پر اُن کے کردار کا کوئی حساب و کتاب نہیں۔ جبکہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السّلام کے متعلق بھی اُن سے سوال نہ ہوگا

قاعدہ ہے کہ ذوجہتین میں کسی ایک جہت کی نفی ہو جائے تو دُوسری جہت کی نفی لازمی ہوتی ہے۔ لیکن دوبارہ اس کے ذکر سے مبالغہ مطلوب ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا یَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ الخ نہ وہ گھڑی بھر پیچھے ہٹیں گے نہ آگے۔ **فَتَطْرُدَهُمْ** ،، یہ نفی کا جواب ہے جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں ،، مَا تَاتِیْنَا فَتُحَدِّثَنَا ،، اس فتحدثنا کو منصوب پڑھا جائے گا اس لئے کہ انتفاء تحدیث (کلام نہ کرنا) اپنے سبب یعنی اتیان کی نفی کی وجہ سے ہے یہ آیت بھی اسی قبیل سے ہے۔ یعنی اگر اُن کے حساب کی مضرت مخاطب پر ثابت ہے تو وہ سبب ہے اس کے ابعاد کا جس کے ایمان میں کمزوری کا وہم ہے۔ جس کا حکم یہ ہوگا کہ یہ سبب غیر واقع ہے تو اس کا مسبب بھی غیر واقع ہے۔ یعنی طرد۔ **فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ** ۔ پس تم ظالمین سے ہو جاؤ گے۔ یہ (لَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ) نہی کا جواب ہے **وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا** ،، اور اِسی طرح ہم نے آزمایا۔ ذٰلِكَ کا اشارہ اس کے بعد والے مصدر کی طرف ہے جو فعل میں مقدر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا فقراء مسلمانوں کو کفار لیڈروں پر فضیلت دینا اس لئے کہ دینی اعتبار سے وہ فقراء مسلمین کفار مشرکین سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ انہیں ایمان کی تقویت نصیب ہوئی ہے اگر وہ دنیوی اعتبا سے کمزور ہیں تو کوئی حرج نہیں اور کذلک کا کاف زائدہ ہے۔ ذلک کے معنی میں تاکید کے لئے لایا گیا ہے تاکہ تنبیہ ہو جائے کہ ذٰلکَ کا جس طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ امر مہتم بالشان ہے۔ یعنی وہ کامل آزمائش جو نہایت عجیب و غریب ہے ہم نے آزمایا۔ **بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ** ،، بعض لوگوں کو بعض کے لحاظ سے نہ غیروں سے کہ ان میں بعض امرِ دُنیا میں ہر اعتبار سے انہیں کامل بنایا ہے جو دُوسرے اُن کی بہ نسبت لاشے ہیں۔ **لِیَقُوْلُوْٓا** ،، یہ لام عاقبت کی ہے تاکہ بالآخر وہ کہیں یعنی اُن کے کہنے انجام بکار یہ ہو کہ وہ دُنیا دار اہلِ اسلام فقراء کی طرف بنظرِ حقارت سے یہ تصور کر کے اُن میں اور ہم میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ ہم اُونچے درجہ کے دُنیا و دولت کے مالک ہیں۔ یہ صرف اس لئے کہ انہیں فضیلت کے اصلی سبب کی حقیقت سے بے خبری ہے۔ **اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا** ،، کیا یہ وہی ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہ نسبت ہمارے مِنّت جتلا کر ان کو ہم پر فضیلت دی ہے یعنی یہ احسان ظاہر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کی توفیق بخشی اور فرمایا ہے کہ وہ حق پر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سادتمند ہیں اور ہم باطل پر اور بدبخت حالانکہ ہم ہر طرح سے ان سے آگے اور اہلِ عرب کے سردار ہیں اور وہ دُوسرے کے غلام اور نہایت تنگدست۔ اس سے اُن کی غرض و غایت یہی تھی کہ انہیں ہم پر کسی طرح بھی فوقیت حاصل ہو سکتی ہی نہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر کفار کا مقولہ بیان فرمایا کہ وہ کہتے لَوْ كَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَا اِلَیْهِ ،، اس میں اُن کی حقارت مطلوب نہیں اگرچہ انہیں خود اقرار تھا کہ وہ اس طرح کے انکار سے باری تعالیٰ پر اعتراض کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اعجُوبہ : کلبی نے کہا کہ اگر اُونچے گھرانے والے سے کوئی غریب گھرانے والا پہلے اسلام قبول کر لیتا تو کہتا کہ اگر یہ میرے سے پہلے اسلام قبول نہ کرتا تو میں مسلمان ہو جاتا۔ لیکن چونکہ اب مجھ سے پہلے مسلمان ہو چکا ہے فلہٰذا میں اسلام

ل نہیں کرتا۔ اس حقارت و نفرت کی نحوست سے وہ دولتِ اسلام سے رہتا۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ (کیا اللہ تعالیٰ کو شکر گزاروں کا علم نہیں) یہ بھی اُن کے قول کا ردّ اور ابطال یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اُن کی نعمت کا شکر کرنے والا کون ہے لیکن تم اسے بعید سمجھتے ہو کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا علم کیا نہیں یہ تمہاری غلطی ہے۔

فائدہ: اس سے ثابت ہُوا کہ وہ فقراء مسلمین اللہ تعالیٰ کی نعمت کے حقوق سے عارف تھے اور انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک کو نازل فرمانا اور انہیں ایمان کی توفیق بخشنا ایک عظیم نعمت ہے۔ جس پر اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمتوں کا شکر کیا۔ آیت میں یہ بھی بتایا گیا کہ کفار ایسی نعمتوں سے محروم ہو کر کفر کے گڑھے میں پھنسے۔

تفسیر صُوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے وَکَذٰلِکَ فَتَنَّا بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ، یعنی ہم نے فاضل کو مفضول سے اور مفضول کو فاضل سے آزمایا۔ فاضل پر لازم ہے کہ وہ شکر کرے اور مفضول پر ضروری ہے کہ وہ صبر کرے اس لئے کہ اگر فاضل شکرانہ کریگا تو اس سے نعمت چھین لی جائیں گی اگر مفضول صبر کرتا تو وہ فضل کے حصول میں گویا جدوجہد کرتا ہے۔

مسئلہ: مفضول صابر اور فاضل شاکر مرتبہ میں برابر ہیں جیسے سلیمان علیہ السلام نے نعمتوں پر شکر کرتے ہیں اور ایوب علیہ السلام تکالیف پر صبر کرنے میں دونوں برابر ہیں اس لئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ظاہری نعمتوں سے مالا مال ہو کر شکر کر کے حقِ عبودیت کا ادا کرتے رہے اور حضرت ایوب علیہ السلام مصائب و تکالیف پر صبر کر کے حقِ عبودیت کا ادا کرتے رہے۔ اس اعتبار میں عبدیت کے نعمتوں کے مقام پر برابر ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دونوں کے لئے فرمایا نِعْمَ الْعَبْدُ (وہ اچھے بندے ہیں)

فائدہ: فاضل کا مفضول سے آزمائش کا یہ معنے ہے کہ فاضل مفضول کو دیکھ کر اپنی گھمنڈ اور اس کی حقارت میں ڈوب جائے اور مفضول اس سے کچھ چاہے تو نہ دے اور مفضول کا فاضل سے امتحان یہ ہے کہ مفضول فاضل کی نعمت پر حسد کرے اور اس سے بغض و عداوت رکھے اُسے یہ خیال ہے کہ اسے یہ نعمت مخلوق سے ملی ہے۔ فاضل مفضول کو کچھ نہ دے تو اس گھمنڈ میں ہے کہ وہی سب کو دینے یا نہ دینے والا ہے، حالانکہ دونوں کا خیال غلط ہے (**سبق**) عاقل کے لئے ضروری ہے کہ وہی چاہے جو اللہ چاہتا ہے اور اسی پر راضی رہے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے (**فائدہ**) تفسیر کاشفی میں لکھتے ہیں کہ کشف الاسرار میں ہے کہ ارادہ تین قسم ہے: (۱) محض دُنیا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا، اس کی دو نشانیاں ہیں (۱) دنیا کی زیادتی کے لئے دین کے نقصان پر راضی ہونا (۲) درویشوں، اللہ والوں اور مسلمانوں سے اعراض کرنا (۲) محض آخرت: اللہ نے فرمایا: وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰی لَھَا سَعْیَھَا، اس کی بھی علامتیں ہیں: (۱) دین کی خاطر دُنیا کے نقصان پر راضی ہونا (۲) اُلفت و محبت سے درویشوں فقیروں کے لئے اپنا دروازہ ہر وقت کھلا رکھنا (۳) صرف ذاتِ حق کا ارادہ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ، اس کی بھی نشانیاں ہیں (۱) دونوں جہان کے مقاصد کو پاؤں تلے

روندنا ۲) جمیع مخلوق بلکہ خود اپنی ہستی سے بھی آزاد ہو جانا ۔

مارا خواہی خطے بعالم درکش ❊ در بحر فنا غرق شود در درکش

ترجمہ: ہمیں اگر چاہتا ہے تو جملہ عالم پر لکیر کھینچ دریائے فنا میں غرق ہو کر سانس بند کرلے

ایسے لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا ارادہ رکھتے ہیں۔ عوام اس سے مُرادیں مانگتے لیکن اُن کی مُراد صرف وُہی ہے اور وہ اس سے اُس کے سوا اور کچھ نہیں مانگتے ۔

وہ لہ مسئول و دین و مذہب ❊ و وصلکم سئولی و دینی رضاکمُو

ترجمہ: اور لوگوں کا کوئی مقصد اور دین و مذہب ہوتا ہے لیکن میرا مقصد تیرا وصال اور میرا دین تمہاری رضا ہے۔

فائدہ: ارادہ دراصل قلب کے ایک جوش کو کہتے ہیں جس سے بندہ کا قرار و سکون اُٹھ جاتا ہے جب تک اسے وصال الٰہی کی دولت نصیب نہیں ہوتی اس کی یہی کیفیت رہتی ہے۔ ایسے انسان کو نہ رات کو آرام ہوتا ہے نہ دن کو قرار و سکون وہ اُس وقت سکون کا سانس لیتا ہے جب اُسے وصالِ الٰہی نصیب ہوتا ہے (التاویلات النجمیہ)

فقرا کے فضائل

: آئت کریمہ میں فقراء کی فضیلت کا بیان ہے۔ **(حدیث شریف)** حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مہاجرین کے درویشوں میں بیٹھا تھا (ان میں بعض ایسے بھی تھے جو ایک دُوسرے کے کپڑوں سے تن کو ڈھانپے ہوئے تھے) ہم ایک قاری کی قرأت سُن رہے تھے کہ حضور سرور عالم آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہماری مجلس کے قریب آکر کھڑے ہو گئے جب قاری قرأت سے فارغ ہُوئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے السلام علیکم کے بعد فرمایا تم کیا کر رہے تھے۔ عرض کی قاری سے کلام الٰہی سُن رہے تھے اور ہم لُطف اندوز ہو رہے تھے۔ حضور رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی جَعَلَ مِنْ اُمَّتِیْ مِنْ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِیْ (جمیع محامد اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میری اُمت میں ایسے افراد بھی پیدا فرمائے جن کے متعلق مجھے حکم ہُوا کہ میں اُن کے ساتھ رہوں) یہ فرما کر ہماری جماعت کے درمیان بیٹھ گئے تاکہ ثابت ہو کہ آپ بھی منجملہ اُن سے ہیں اس کے بعد اپنے ہاتھ مبارک کے اشارے سے ہمیں حلقہ بندی کا حکم فرمایا تاکہ آپ سب کے چہرے دیکھ سکیں (میرا اندازہ یہ ہے کہ آپ کو سوائے میرے اور کسی سے آپ کا ظاہری تعارف نہیں تھا) آپ نے فرمایا اے مہاجر فقیرو تمہیں بڑی کامیابی پر مبارک ہو کہ قیامت کے دن تم دینداروں سے پہلے بہشت میں داخل ہو گے جس کی مقدار پانچسو سال ہے **(حدیث شریف)** فقیر تنگدست کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے کریمانہ شفقت فرمائے گا (جیسے ہم ایک دوسرے سے کسی خامی پر معذرت کرتے ہیں) پھر فرمائے گا۔ اے میرے بندے مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے کہ میں نے تیرے سے دُنیا کی کمی اس لئے نہیں کی تھی کہ مجھ پر کوئی بار گراں تھا لیکن میرا ارادہ تھا کہ تمہیں دُنیوی تکالیف کے عوض آخرت کی کرامات و فضیلتوں سے نوازوں۔ اب پہلے یوں کرو کہ میدان محشر کی ان صفوں میں گھس کر اُن لوگوں کو لاؤ جنہوں نے تجھے دُنیا میں طعام کھلایا

اور کپڑے پہنائے جن کا یہ عمل صرف میری رضا پر تھا اور تیرے اُوپر اُس نے کسی قسم کا احسان نہیں جتلایا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ لوگوں کو عذاب آخرت کے پسینے نے منہ میں لگام چڑھائی ہوگی وہ فقیر درویش صفوں میں گھس کر ان لوگوں کو تلاش کر کے لائے گا۔ جنہوں نے اس کے ساتھ احسان و مروت کی ہوگی اور انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہشت میں لے جائے گا۔

(۱) توانگرا دل درویش خود بدست آور — کہ مخزن زر و گنج و درم نخواہد ماند ؎

(۲) بریں رواق زبرجد نوشتہ اند بزر — کہ جز نکوئی اہل کرم نخواہد ماند

حدیث شریف : ہر شئی کی کنجی ہوتی ہے اور بہشت کی کنجی فقراء و مساکین کی محبت ہے وہی قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنے والے ہوں گے۔ حضرت شیخ عطار قدس سرہ نے فرمایا ؎ حب درویشاں کلید جنت است — دشمن ایشاں سزائے لعنت است

ترجمہ : اے اللہ کریم ہمیں اپنے محبوبوں سے بنا اور اپنے دروازۂ رحمت سے نہ ہٹا

تفسیر عالمانہ ﴿وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا﴾ **شان نزول**) مروی ہے کہ ایک جماعت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ہم بہت بڑے گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں اب کوئی استغفار اور توبہ کے ایسے کلمات بتائیے کہ جس سے ہمارے گناہ بخشے جائیں۔ آپ اُن کی بات سن کر خاموش ہو گئے نہ کچھ بتایا نہ کچھ فرمایا۔ وہ بیچارے مایوس ہو کر واپس لوٹے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ جب آپ کے ہاں وہ لوگ حاضر ہوں جو ہمارے آیات پر ایمان لاتے ہیں۔

مسئلہ : حضرت امام فخر الدین رازی نے فرمایا کہ ہر مومن اس حکم میں داخل ہے یعنی یہ آیت صرف صحابہ کرام سے مخصوص نہیں بلکہ ہر اہل ایمان کے لئے ہے۔

فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ، پس میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیے کہ خدا کرے تمہیں ہر دُکھ تکلیف اور ہر آفت و مصیبت سے سلامتی و عافیت ہو۔

(ف) السلام بمعنے تسلیم یعنی کسی کے لئے سلامتی و عافیت کی دُعا کرنا۔ اب سلام علیکم کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے تمہارے لئے سلامتی کی دُعا کی ہے۔ یعنی ہم تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ مولیٰ کریم تمہارے دین اور تمہارے نفوس میں سلامتی بخشے۔

سوال : حضور علیہ السلام کو ان پر السلام علیکم کہنے کا حکم کیوں ہوا، حالانکہ عموماً طریقہ یہ ہے کہ باہر سے

؎ ترجمہ (۱) اے دوسمند پہلے درویش کا دل ہاتھ میں لے اس لئے کہ یہ زر و دولت کے خزانے ہمیشہ نہ رہیں گے۔

(۲) اسی لاجوردی آسمان میں آب زر سے لکھا گیا ہے کہ اہل کرم کی نیکی کے کچھ نہ رہے گا۔

آنے والا بیٹھنے والے کو سلام کہے۔

جواب : حضور علیہ السلام کی وجاہت سے آنے والوں پر ہیبت چھا جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام میں سبقت کا حکم فرمایا تاکہ ان لوگوں پر ہیبت نہ ہو اور آپ سے پورے طور مستفید و مستفیض ہو سکیں۔ **(فائدہ)** یہ دنیوی حکم ہے اور آخرت میں ملائکہ کرام سلام عرض کریں گے۔ جب اہلِ ایمان بہشت میں داخل ہوں گے، چنانچہ دوسرے مقام پر اُس کی تصریح فرمائی کہ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِیْنَ، اور اللہ تعالیٰ بھی قیامت میں اہلِ ایمان پر سبقت کر کے فرمائے گا۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ٥

(فائدہ) فَقُلْ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ سے وہ سلام مُراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج اپنے حبیب کرام صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ السلام علیک اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ ، اس کے جواب میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْن۔

مسئلہ : جو شخص گناہوں سے مخلصانہ طور تائب ہو جائے تو وہ بھی اہلِ صلاح کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہ آیت کا شانِ نزول آیت کو اس معنے سے مخصوص نہیں کر دیتا **کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ** ، (لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر رحمت) یعنی محض اپنے فضل و احسان سے اپنی ذاتِ اقدس پر واجب فرمایا۔ **(فاعدہ)** حضرت الشیخ نے فرمایا کہ کلمہ عَلٰی ایجاب کا فائدہ دیتا ہے جب ایجاب وعلیٰ جمع ہوں تو اس سے ایجاب کی تاکید مطلوب ہوتی ہے۔

سوال : اس سے معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ مالک و مختار نہیں، ورنہ اُس پر وجوب کا کیا معنیٰ۔

جواب : یہ اس کا محض فضل و کرم ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کو بتایا کہ وہ اتنا رحیم و کریم ہے کہ بندوں پر فضل و احسان کرنے میں کوئی کمی نہیں فرماتا جیسے کسی پر کوئی شئے واجب ہو تو اس کی ادائیگی میں کمی نہیں کرتا۔

حدیث قدسی شریف : تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بہشت سے فرماتا ہے کہ تو میری رحمت ہے میں جس کے لئے رحمت کرنا چاہتا ہوں تو تیرے سبب سے رحمت کرتا ہوں جو میرا بندہ کسی دوسروں پر رحمت کرتا ہے تو اسے بہشت نصیب ہوتی ہے۔ میں اپنے خاص بندے پر رحمت کرتا ہوں تو اپنی ذات سے ہی رحمت کرتا ہوں۔

اَنَّہٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءً ، الرحمۃ سے بدل ہے اس لئے کہ اس مضمون کا مفہوم بھی رحمت ہے۔ سُوْٓءً بمعنی کار بد (بِجَہَالَۃٍ) عمل کے فاعل کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ جو بُرے عمل کا ارتکاب کرتا ہے درانحالیکہ وہ ملتبس ہوتا ہے جہالت سے یعنی اسے حقیقی جہالت ہوتی ہے کہ اسے یہ معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا اور اس گناہ سے اُسے کتنی سزا ملے گی یا اسے حکمی جہالت ہوتی ہے باوجودیکہ جانتا ہے کہ اُسے اس بُرے عمل پر اتنی سزا ملے گی لیکن بُرائی کرتا ہے تو یہ حکمی جاہل ہے اور جو شخص صرف گمان میں مبتلا ہو کر بُرائی کرتا ہے کہ نامعلوم اس کی سزا ہوگی یا نہ

ایسا شخص حقیقی جاہل کے حکم میں ہے اس معنی پر یہ حال مؤکدہ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْءً کے مضمون کی تاکید کرتا ہے۔ اس لئے برائی کا ارتکاب جہالت حقیقی یا حکمی سے ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ برائی کے ارتکاب کرنے والے دو قسم ہیں (۱) اہل ایمان (۲) اہل کفر ایسے ہی جہالت بھی دو قسم (۱) جہالۃ الضلالہ یعنی ہر وہ گمراہی جو عالم ارواح میں نور کے چھینٹوں سے چوک جانے سے کسی کو نصیب ہوئی (۲) جہالۃ الجہولیۃ یعنی ہر وہ غلطی جو انسان سے فطری طور پر سرزد ہوتی ہے۔ اس سے تقریر کے بعد واضح ہوگیا کہ کفار کی جہالت اس ازلی گمراہی کا نتیجہ ہے جس کی توبہ ہے نہیں اور اہل ایمان کی غلطی اس فطرت سے ہے جس کی توبہ بھی ہے اور معافی بھی؛ چنانچہ فرمایا ثُمَّ تَابَ پھر توبہ کرے یعنی برے عمل سے رجوع کر لے مِنْ بَعْدِهٖ برے عمل کرنے کے بعد وَاَصْلَحَ، جسے فاسد کیا اس کی اصلاح کرے یعنی نیک عمل کرے۔ بالاصلاح بمعنے کسی برے عمل کی طرف لوٹنا۔ فَاِنَّهٗ، یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے۔ فَاَمْرُهٗ اَنَّ اللّٰهَ، پس اس کا امر یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ غَفُوْرٌ، وہ غفور ہے، رَّحِيْمٌ، وہ رحیم ہے۔

فائدہ: کاشفی نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی کے لئے فرشتہ ذلت وخواری لکھے لیکن اگر اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے رحمت لکھی ہے تو اسے فرشتے کی عارضی خواری لکھی ہوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ جب اسے ازل سے رحمت نصیب ہو چکی ہے۔

روحانی نسخہ: یہ آیت گناہ کے بیماروں کے لئے شفا ہے۔ بشرطیکہ وہ توبہ واستغفار کے ذریعے پرہیز رکھیں۔ ؎

(۱) دردمنداں گنہ را روز و شب ❊ شربتے بہتر از استغفار نیست

(۲) آرزومنداں وصال یار را ❊ چارہ غیر از نالہ و زار نیست

ترجمہ: (۱) شب و روز کے گنہ کے درد کا علاج سوائے استغفار کی شربت کے اور کوئی نہیں۔

(۲) وصال یار کے آرزو مند کو آہ وزاری کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

۵۴ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ، کاف زائدہ اسم اشارہ کے معنی کی تاکید کے لئے ہے یعنی اس کی تفخیم کی تاکید کرتا ہے اور ذٰلِكَ کا اشارہ اس مصدر کی طرف ہے جو فعل بعد کو آئے گا۔ دراصل عبارت یوں تھی ھٰذا تفصیل بدیع نُفَصِّلُ الخ یہ عجیب تفصیل ہے جسے قرآنی آیات میں بیان کرتے ہیں کہ اہل طاعت کون ہیں اور معصیت پر اصرار کرنے والے کون تاکہ حق واضح ہو جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔

وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ تاکہ مجرموں کا طریقہ واضح ہو جائے اور ان سے اجتناب کیا جا سکے۔ **ترکیب**: سبیل مرفوع اور فاعل ہے۔

سوال : سبیل صیغہ مذکر ہے اس کا فعل مؤنث ۔

جواب : یہ بنی تمیم کے ہاں مذکر ہے لیکن اہلِ حجاز کے نزدیک مؤنث ہے۔ قرآن پاک کی ترتیب و تنزیل لغتِ حجاز پر ہے ۔

فائدہ : حق کا راستہ واضح اور کھلا اس لئے ہے کہ جس نے برباد ہونا ہے وہ برباد ہوا اور جس نے نجات پائی ہو وہ نجات پائے ۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ اس راستہ کو اختیار کرے جس میں اس کی کامیابی اور نجات ہو اور سوچ کر قدم رکھے کہ اس راستہ پر کئی تباہ و برباد ہوئے ہیں۔ اللہ والوں کے نقشِ قدم پر چلے تو منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ راہِ سلوک کی پہلی منزل توبہ استغفار ہے۔

راہِ سلوک کی سڑک : سالک کی منزل کا پہلا مرحلہ گناہوں کی قباحت اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شدت کا تصور دل میں لائے ۔ جب یہ سبق حاصل ہو جائے پھر دیکھے کہ بندہ کتنا ضعیف و نحیف اور سفر بڑا دُور دراز اور زادِ راہ بالکل باطل قلیل ہے۔ بندے کے ضعف کا حال تو یہ ہے کہ ایک چیونٹی کے کاٹنے سے چیختا ہے اور سُورج کی گرمی سے روتا ہے۔ پھر وہ جہنم کی آگ اور اژدھاؤں کے ڈس کس طرح برداشت کر سکتا ہے۔ بندے پر لازم ہے کہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے۔ حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔ کسی کو ستایا ہے یا کسی کا مال کھایا ہے تمام بخشوائے۔ اسی طرح حقوق اللہ میں کوتاہی کی ہے مثلاً نمازیں قضا کیں اور روزے ترک کئے اور زکوٰۃ نہ ادا کی تو مرنے سے پہلے سب کے سب ادا کرے۔ بطور کفارہ یا توبہ و استغفار اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی مثلاً شراب پی، ناجائز گانے بلجے سُنے اور سُود کھایا۔ ان سب سے توبہ کرے اور دل کو مضبوط رکھے تاکہ آئندہ اُس سے ایسے گناہوں کا صدور نہ ہو۔ جب حسبِ امکان حقوق العباد کی ادائیگی ہو جاتے اور حقوق اللہ قضا مافات کر چکے تو آئندہ کے لئے دل پر گناہوں کے خیالات تک نہ آنے دے۔ اُس کے بعد بارگاہِ حق میں عجز و انکسار سے رہے تاکہ رحمت اور فضل و کرم اُس کی طرف متوجہ ہو ۔

توبہ کا طریقہ : یہ ہے کہ اچھے کپڑے پہنے اور نیا غسل کرے اور دوگانہ پڑھ کر بارگاہِ حق میں عجز و انکسار سے تمام گناہوں سے صدق دل سے تائب ہو۔

حدیث شریف : صحیح حدیث میں ہے کہ کسی بندہ سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو تو اسے چاہیئے کہ وضو کر کے کھڑے ہو کر ایک دوگانہ پڑھے اور پھر اللہ سے گناہوں کی بخشش چاہے تو اُس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں

حدیث شریف : مرد یا عورت سے کوئی نماز بے خبری سے قضاء ہو جائے تو توبہ کریں اور عزم کریں کہ آئندہ نماز قضا نہ ہو گی اس کے کفارہ کی نیت پر جمعہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان بارہ رکعت نفل پڑھے جس کی

رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی اور اخلاص اور معوذتین ایک بار پڑھے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس سے حساب نہ لے گا (بشرطیکہ قضاء شدہ نمازیں بھی ادا کرے اور قیامت میں اپنے اعمالنامے میں بجائے برائیوں کے نیکیاں پائے گا (کذا فی مختصر الاحیاء)

ازالہ وہم : صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ بتقدیر صحۃ ہذا الحدیث اس سے ثابت ہوا کہ ان بارہ رکعتوں کے پڑھنے سے زندگی کی تمام قضا شدہ نمازیں معاف ہو جاتی ہیں ؛ یہ حدیث مذکور کے اوّل میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ ہر قضاء شدہ لگائی ہے کہ ہر قضاء شدہ نماز سے توبہ کرے اور ان بارہ رکعتوں کا حکم فرمایا ہے اور ویسے شرعی فیصلہ بھی یہی ہے کہ ہر قضاء شدہ نماز کی علیحدہ علیحدہ قضا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان بارہ رکعتوں کی برکت یہ ہوگی کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے اس کا سوال نہیں کرے گا کہ ان بارہ رکعتوں سے تو توبہ کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔

عوام کی ایک غلط رسم کا ردّ : ہمارے ہاں عوام کا خیال ہے کہ رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع پر بارہ رکعت نوافل یا صلوٰۃ التسبیح پڑھ لینے سے زندگی بھر کی نمازیں معاف ہو جاتی۔ یہ غلط اور سراسر غلط طریقہ ہے اس لئے کہ شرع مطہرہ کا قاعدہ ہے کہ ترک نماز کا بھی حساب ہے۔ اسی طرح نماز کو بے وقت ادا کرنے کا بھی لیکن ان بارہ رکعتوں کی برکت سے کوتاہی کی معافی ہوگی نہ یہ کہ زندگی بھر نماز نہ پڑھے اور پھر رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع میں ظہر و عصر کے مابین بارہ رکعتیں صرف اس نیت پر پڑھے کہ نمازوں کی تاخیر اور کوتاہی وغیرہ کی معافی ہو جائے تو جائز ہے لیکن جماعت کے عوام کا ان رکعتوں کا پڑھنا صحیح ہوا لیکن اُن کی کیفیت و حقیقت میں غلطی کرتے ہیں۔

حدیث شریف : ترغیب و ترہیب میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہائے میں گناہوں میں مارا گیا یہ دو یا تین بار کہا : آپ علیہ السلام نے اُسے فرمایا کہ تم کہو: اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ عَمَلِيْ » اے اللہ تعالیٰ تیری مغفرت میرے گناہوں سے وسیع اور مجھے تیری رحمت پر بھروسہ ہے اپنے عملوں پر کوئی سہارا نہیں۔ اُس نے ایک بار کہا آپ نے فرمایا پھر کہو۔ اُس نے دوبارہ کہا تو آپ نے فرمایا پھر کہو۔ اُس نے پھر کہا تو آپ نے فرمایا اُٹھ کھڑا ہو وہ اُٹھا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرے گناہ بخش دیئے۔

نسخہ عجیبہ : جو شخص اہلِ ایمان کے لئے ہر روز استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہر مومن مرد اور عورت کے عوض اس کے اعمالنامے میں نیکی لکھتا ہے۔

ایصال ثواب اور ردّ وہابیہ : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر میت قبر میں اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو دریا میں ڈوبا ہوا ہو وہ

بقیہ صفحہ ۵۲۸

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ قُلْ لَا أَتَّبِعُ

تم فرماؤ مجھے منع کیا گیا ہے کہ انہیں پوجوں جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تم فرماؤ میں تمہاری

أَهْوَاءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ

خواہش پر نہیں چلتا یوں ہو تو میں بہک جاؤں اور راہ پر نہ رہوں تم فرماؤ میں تو اپنے رب کی طرف سے

مِنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ ۚ مَا عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ

روشن دلیل پر ہوں اور تم اسے جھٹلاتے ہو میرے پاس نہیں جس کی تم جلدی مچا رہے ہو حکم نہیں مگر اللہ کا وہ

يَقُصُّ الْحَقَّ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ﴿٥٧﴾ قُلْ لَوْ أَنَّ عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ

حق فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا تم فرماؤ اگر میرے پاس ہوتی وہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو

بِهِ لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ﴿٥٨﴾ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ

تو مجھ میں تم میں کام ختم ہو چکا ہوتا اور اللہ خوب جانتا ہے ستمگاروں کو اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں

الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ

غیب کی انہیں وہی جانتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور جو پتہ گرتا ہے وہ اسے جانتا

إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ

ہے اور کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب

مُبِينٍ ﴿٥٩﴾ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ

میں لکھا نہ ہو اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کماؤ پھر تمہیں دن میں اٹھاتا

فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُسَمًّى ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾

ہے کہ ٹھہرائی ہوئی میعاد پوری ہو پھر اسی کی طرف تمہیں پھرنا ہے پھر وہ بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے

بقیہ تفسیر از صفحہ : ۵۲۷

اپنے اقارب (اب ۔ ام ۔ اخ ۔ صدیق) کی دعاؤں کا منتظر ہوتا ہے جب اُسے کسی کی دُعا و استغفار (وغیرہ صدقات و خیرات) پہنچتی ہے تو اسے وہ دُنیا و مافیہا سے محبوب ترین محسوس ہوتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اہل قبور کی قبور میں زندہ لوگوں کی دُعا (صدقات وخیرات وغیرہ) پہاڑوں کی طرح داخل فرماتا ہے ۔

فائدہ : زندہ لوگوں کے اہلِ قبور (عوام ہوں یا اولیاء یا انبیاء علیہم السلام) کو ہدایا و تحائف یہی ہیں کہ اُن کے لئے استغفار دُعا صدقات وخیرات وغیرہ زیادہ سے زیادہ) کریں ۔ اے اللہ مجھے اور میرے والدین اور تمام اہلِ ایمان کو بخش دے جبکہ ہم سب قیامت کے دن حساب کے لئے اُٹھیں اس لئے کہ تو ہر ثواب و آداب کا مرجع ہے ۔

تفسیرِ عالمانہ ۝ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ (شانِ نزول) قریشِ مکہ یعنی کفار حضور علیہ السلام کو اپنے اباؤ اجداد کے دین کی دعوت دیتے تو یہی آیت نازل ہوئی کہ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمایئے کہ میں روکا گیا ہوں اس لئے کہ میرے ہاں توحید پر بہت بڑے مضبوط دلائل ہیں اور اس بارہ میں متعدد قرآنی آیات میرے اوپر نازل ہوئی ہیں کہ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ ، میں عبادت کروں اُن کی جنہیں تم معبود بنا کر عبادت کے طور پکارتے ہو۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ،، اللہ تعالیٰ کے ماسوا قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ،، میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیں کہ میں تمہاری خواہشات کی تابعداری نہیں کرتا۔ گویا یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کفار نے حضور علیہ السلام کو کہا کہ آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کیوں نہیں کرتے تو آپ نے اُس کے جواب میں فرمایا کہ تم جس امر پر ہو وہ تمہاری اپنی خواہشات ہیں اور میں جس امر پر ہوں وہ یقینی ہے۔ فلہٰذا میں تمہاری خواہشات کی کیسے اتباع کروں جبکہ میں ہدایت پر ہوں پھر میں اللہ کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا ،، (بفرضِ محال) اگر میں تمہاری اتباع کروں تو میں اُس وقت گمراہ ہو جاؤں گا۔ یعنی راہِ ہدایت کو چھوڑ دوں گا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۝ اور میں ہدایت یافتہ لوگوں سے نہیں ہوں گا۔ یعنی اُن لوگوں سے نہیں ہوں گا کہ جو راہِ ہدایت پر ہیں۔ ماقبل پر عطف کر کے فرمایا ۝ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ ،، فرمایئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک واضح دلیل پر ہوں جو ہونے والی ہے۔ مِنْ رَّبِّیْ ،، میرے رب کی طرف سے۔ (فائدہ) بَیِّنَةٍ ،، اس واضح حجت کو کہتے ہیں جو حق و باطل کا امتیاز کرے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: اَنَا عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ هٰذَا الْاَمْرِ ،، میں اس امر کے بارے میں واضح دلیل پر ہوں اور میری بات نہایت یقینی ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کسی کے ہاں واضح دلیل اور اُس کی سچائی پر بُرہان موجود ہو اس سے قرآنِ کریم اور وحیٔ ربانی مُراد ہے۔ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ،، اور تم اُسے جھٹلا چکے ہو۔ یہ جملہ مستانفہ اُن کے غلط ارادوں کے اظہار کے لئے لایا گیا ہے اور بہ کی ضمیر مجرور تنبیہ کے لئے اور اُس کا مذکر ہونا بیان و بُرہان کی وجہ سے ہے معنیٰ یہ ہُوا کہ میں ایسی واضح حجت پر ہوں جسے تم نے جھٹلا دیا ہے اور اس کے جتنے احکام ہیں اِن سب کو تم نے پس پشت ڈال دیا۔ منجملہ اُن کے عذاب کے آنے کی وعید بھی ہے جسے تم کچھ نہیں سمجھتے۔

مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ،، (

شانِ نزول : مروی ہے کہ قریشِ مکہ کے لیڈر عذاب طلبی میں عجلت کرتے۔ مثلاً کہتے: مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (اللہ کا وعدہ کب ہے اگر تم سچے ہو؟) یہ بطورِ استہزاء کے کہتے یا بطور الزام ۔ چنانچہ نضر بن حارث حطیم میں کھڑے ہو کر کہنے لگا: اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ

کہ اے اللہ اگر یہ وعدہ حق ہے تو ہمارے اُوپر آسمان سے پتھر برسا یا ہمارے اُوپر عذاب دردناک نازل فرما۔

فائدہ : آیت کا معنیٰ یہ ہے وہ عذاب کہ جس کا قرآن مجید میں وعدہ دیا گیا ہے۔ آہ تم مطالبہ کرتے ہو کہ وہ جلد آجائے اور اس کے نہ آنے کو میری تکذیب کا ذریعہ بنا کر کہتے ہو کہ وہ میرے حکم اور قدرت میں ہے اور اسے میں سچا کر کے دکھاؤں۔ یہ میں نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ یہ امر میرے سپرد نہیں۔

اِنِ الْحُکْمُ ،، جلدی یا بدیر کا کوئی حکم نہیں۔ اِلَّا لِلّٰہِ ،، اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مجھے اس میں ذاتی طور کسی طرح کا بھی دخل نہیں۔ یَقُصُّ الْحَقَّ ،، حق بیان کرتا ہے اور جمیع احکام کے بیان کرنے میں حق کی اتباع کرتا اور حق کا ہی حکم فرماتا ہے۔ بنابریں عذاب کی تاخیر بھی حق اور ثابت ہے اور حکمت بلیغہ جاری ہے اور حکم کا اصل ہے منع کرنا۔ گویا کہ وہ باطل کو معارضۂ حق سے یا خصم کو اپنے بالمقابل کی تعدی سے روکتا ہے۔ وَھُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ اور اللہ تعالیٰ بہتر فیصلہ کرتا ہے۔ جملہ معترضہ ہے اپنے ماقبل کے مضمون کی تقریر کرتا ہے۔ قص الحق ایک ایک خصوصی معنیٰ کو متضمن ہے دیعنی فَصَلُ مَابَیْنَ الحَقِّ والباطل ہے۔ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ ،، فرمایئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر میری قدرت و امکان میں ہو۔ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ ،، جس کی تم عجلت کرتے ہو۔ یعنی وہ عذاب کہ جس کے لئے وعید وارد ہیں اگر میری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد ہوتا لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ ،، تو میرے اور تمہارے مابین فیصلہ ہو جاتا۔ یعنی وہ عذاب تمہاری طلب کے بعد فوراً تمہارے اُوپر نازل ہو جاتا جبکہ تم عجلت کرتے ہوئے کہتے ہو : مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ ،، وغیرہ وغیرہ۔

سوال : لَقُضِیَ فعل مجہول کیوں ؟

جواب : اس بنا پر کہ اس کا فاعل متعین ہے، یعنی اللہ تعالیٰ۔

فائدہ : اس میں امر کی ہولناکی اور حُسن ادب کی مراعات واضح اور ظاہر ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کے حالات خوب جانتا ہے اور اس کے علم میں ہے کہ انہیں مہلت دینا استدراجاً ہے تاکہ انہیں سخت عذاب میں مُبتلا کیا جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے میری طرف تمہارا معاملہ سپرد نہیں فرمایا اور نہ ہی جلد تر عذاب دینے کا فیصلہ فرمایا ہے۔

مسئلہ : بُت پرست کو مہلت ملے یا نہ عذاب ضرور پائے گا اسے بالکل ہی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ اسی طرح دُنیا اور نفس و شیطان کا تابعدار بھی عذاب چکھے گا۔ صرف فرق یہ ہے کہ کافر جہنم کے عذاب میں اور دُنیا وغیرہ کا عاشق یار حقیقی کے فراق کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنی خواہش کی اتباع نہ کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَھْوَآءَکُمْ ،،

کرامت ولی : اللہ کا ایک بندہ کہتا ہے کہ میں مختلف بلاد کی سیاحت کرتا ہُوا ایک جگہ پہنچا ایک شیخ کو ہوا پر اڑتا ہُوا دیکھ کر کہا میں نے کہا السلام علیکم، انہوں نے سلام کا جواب دیا میں نے پوچھا کہ آپ نے یہ مرتبہ کس عمل سے پایا۔ فرمایا میں نے اپنی خواہشات کے خلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہوا میرے تابع کر دی ہے۔

حکایت : یمن کے فقہا شیخ ابوالغیث قدس سرہ کے ہاں امتحان کے لئے حاضر ہوئے اُنھوں نے فرمایا جی آئیے میرے غلام کے بندے۔ اُنھوں نے ان کا یہ کلمہ کفریہ سمجھا اس لئے کہ شیخ موصوف نے اللہ تعالیٰ کے بندے کو اپنا غلام کہہ دیا۔ یہ شکایت لے کر شیخ الطریقین امام الفریقین عالم عارف ابوالذبیح بن محمد الحضرمی قدس سرہ کے ہاں پہنچے اور شیخ ابوالغیث رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ سُنایا۔ حضرت الشیخ سُن کر ہنس پڑے اور فرمایا کہ اُنھوں نے سچ فرمایا۔ اس لئے کہ تم خدا تعالیٰ کے بندے ہو لیکن خواہش نفسانی کے غلام ہو جسے شیخ مذکور نے اپنے تابع کیا ہُوا ہے۔

فائدہ : خواہش نفسانی کا علاج تقویٰ ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

(۱) چونکہ تقویٰ بست دو دستِ ہوا ✤ حق کشاید ہر دو دست عقل را

(۲) پس حواس پیرہ محکوم تو شد ✤ چوں خرد سالار و مخدوم تو شُد

ترجمہ : (۱) جب تقویٰ نے خواہشات نفسانی کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے عقل کے دونوں ہاتھ کھول دیئے۔ جملہ حواس تیرے تابع ہو گئے۔ تیرا عقل سردار اور مخدوم ہو گیا۔

تفسیر صُوفیانہ : خواہش نفس کے اوصاف سے ہے اور آیات مذکورہ نفس کی اصلاح کے لئے وارد ہُوئی ہے اور جو شخص ایک واضح دلیل پر قائم ہوتا ہے (واضح دلیل اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہے کہ جس سے انشراح صدر ہوتا ہے) وہی ہدایت پر ہوتا ہے اسے خواہش نفسانی سے واسطہ اور تعلق نہیں ہوتا۔ اس کے علامات سب کو معلوم ہوتے ہیں۔

کرامت : ایک بزرگ عوام کو بہترین وعظ و نصیحت فرماتا۔ ایک دِن اُن کے ہاں سے ایک یہودی کا گزر ہُوا۔ بزرگ نے پڑھا وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا (اور تم میں سے سب کا پُلصراط پر گذر ہو گا اور اللہ تعالیٰ کا یہ حتمی فیصلہ ہے) یہودی نے کہا پُلصراط پر گزرنے میں ہم اور تم سب برابر ہُوئے، حالانکہ تم اپنے آپ کو ہم پر فضیلت کے قائل ہو۔ بزرگ نے فرمایا تو غلط کہتا ہے اس لئے کہ ہم پلصراط کو عبور کر جائیں گے اور تم گر جاؤ گے، کیونکہ ہم تقویٰ کی وجہ سے پُلصراط کے عذاب سے نجات پا جائیں گے اور تم اپنے ظلم و گناہ کے خطا اور کُفر کی وجہ سے گھٹنوں کے بل جہنم میں گر پڑو گے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْھَا جِثِیًّا، یعنی متقیوں کو ہم نجات

دیں گے اور ظالم کو گھٹنے کے بل جہنم میں گر پڑیں گے۔ یہودی نے کہا کہ ہم بھی تو متقی ہیں۔ شیخ مذکور نے فرمایا تو غلط کہتا ہے اس لئے کہ صفت تقویٰ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مخصوص فرمائی ہے، چنانچہ فرمایا: وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ الیٰ ان قَرَاَ اِنْ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ" یہودی نے کہا اس کے علاوہ اور کوئی دلیل پیش کیجئے جس سے سب کو معلوم ہو جائے کہ آپ لوگ جہنم سے نجات پا جائیں گے بزرگ نے فرمایا میں آپ کو ایسی دلیل پیش کر سکتا ہوں جسے ہر چھوٹا بڑا آنکھوں سے دیکھ کر تصدیق کرے وہ یہ کہ میرے اور تیرے جسم کے کپڑے اُتار کر آگ میں ڈالے جائیں جس کے کپڑے صحیح وسالم بچ جائیں وہ جہنم سے نجات پائے گا اور جس کے جل جائیں اس کے لئے یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ جہنمی ہے؛ چنانچہ یہ بات سب نے منظور کر لی اور ہر دونوں مسلمان اور یہودی نے اپنے اپنے کپڑے اُتار دیئے۔ مسلمان بزرگ نے یہودی کے کپڑے لپیٹے اور اپنے کپڑے یہودی کے لپیٹے ہوئے کپڑوں کے اُوپر لپیٹ دیئے۔ اس طرح یہودی کے کپڑے مسلمان بزرگ کے کپڑوں کے اندر چھپا دیئے گئے۔ پھر اس گٹھڑی کو آگ میں ڈال کر مسلمان بزرگ نے خود بھی آگ میں چھلانگ لگا دی اور آگ کے ایک کونہ میں غوطہ لگا کر دُوسرے کونے سے نکل آئے اور وہی گٹھڑی ہاتھ میں لئے باہر آئے اور گٹھڑی کو کھولا گیا تو مسلمان بزرگ کے کپڑے آگ سے محفوظ اور صاف ستھرے گویا دُھل کر باہر آئے اور یہودی کے کپڑے جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ یہودی نے جب مسلمان بزرگ کی کرامت دیکھی تو اُس نے اسلام قبول کر لیا۔

فائدہ: یہ کرامت آیات مذکورہ سے مناسبت رکھتی ہے اس لئے کہ کفار یعنی قریش مکہ اہلِ ظلم اور تھے اسی لئے انہیں ان کا دعویٰ سُود مند نہ ہُوا اسی لئے عذاب کے مستحق ہُوئے اور اہلِ ایمان بفضلہٖ تعالیٰ اہل عدل و اہل تقویٰ تھے۔ اسی لئے وہ تقویٰ سے موصوف ہو کر بہشت کے مستحق ہُوئے۔ اور اُن کے لئے بہشت کے دروازے کھول دیئے گئے اور جو بھی اُن کے طریقہ پر چلے گا وہ اُن کی برکت سے اُس کا وجود جہنم سے بچ جائے گا، بلکہ یوں کہو کہ (کپڑا) سے مُراد یہی وجود ظاہری ہے اور اس میں روح باطنی پوشیدہ ہے اسی لئے ضروری ہے کہ ظاہری وجود (کپڑے) کو صاف رکھا جائے تاکہ باطن کی صفائی نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ باطنی صفائی کے لئے آسانی بھی پیدا فرمائے گا۔

تفسیر عالمانہ ۵۸: وَعِنْدَہٗ[1]" اور اللہ تعالیٰ سے خاص ہیں۔ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ" غیب کے خزانوں کی کنجیاں۔ (حل لغات) مفاتح مفتح (بفتح المیم) کی جمع ہے بمعنی کنز۔ اس معنے پر یہ اضافت لجین الماء کے قبیل سے ہے اور یہی مقام ہذا کے مناسب ہے (کذا فی حواشی سعدی چلپی المفتی) اور یہ بھی جائز ہے کہ مفاتح مفتح (بکسر المیم) کی جمع ہو بمعنی مفتاح یعنی شیٔ کے کھولنے کا آلہ یعنی کنجی اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ سے خاص ہیں وہ اسباب جو غیب تک پہنچائیں۔

---

[1] یہ جملہ پڑھ کر دیوبندی وہابی اہلِ اسلام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح کا بھی علم غیب

فائدہ : غیب کو اس سامان سے تشبیہہ دی ہے جسے تالوں سے مضبوط کر کے غیروں کے دستبرد سے محفوظ رکھا جائے۔ پھر اس کے لئے علیٰ سبیل التخییل مفاتیح ثابت فرمائے چونکہ مفاتیح (جو غیب کے خزانوں کے لئے ہیں) تک پہنچنا صرف اسی سے مخصوص ہے اس لئے کہ غیر کو ان سے کوئی تعلق نہیں (کذا فی حواشی ابن الشیخ) اسی لئے فرمایا لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ (انہیں سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا) ماقبل کے مضمون کی تاکید کے لئے ہے تفسیر جلالین میں ہے کہ اس سے وہ مغیبات خمس[۵] مراد ہیں جنہیں آیت

حاصل نہ تھا فقیر نے اس کے جوابات تفسیر اویسی اُردو میں تفصیل سے لکھے ہیں یہاں مفسرین کے عبارات اور چند مختصر جوابات پر اکتفاء کرتا ہے۔ یاد رہے کہ:

مفسرین نے فرمایا ہے کہ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ (غیب کی کنجیوں) سے مُراد یا تو غیب کے خزانے ہیں یعنی سارے معلوماتِ الٰہیہ کا جاننا یا اس سے مراد ہے غیب کو حاضر کرنے یعنی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہونا، کیونکہ کنجی کا کام یہی ہوتا ہے کہ اس سے قفل کھولا اور اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر کر دی۔ اسی طرح حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کرنا یعنی پیدا کرنے اور موت دینے کی قدرت پروردگار ہی کو ہے۔

(۱) تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے فَکَذٰلِكَ هٰهُنَا لَمَّا کَانَ عَالِمًا بِجَمِیْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ عَبَّرَ هٰذَا الْمَعْنٰی بِالْعِبَارَةِ الْمَذْکُوْرَةِ وَعَلَی التَّقْدِیْرِ الثَّانِیْ الْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةِ عَلٰی کُلِّ الْمُمْکِنَاتِ جبکہ پروردگار تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس مطلب کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری صورت پر مراد اس سے سارے ممکنات پر قادر ہونا ہے۔ تفسیر روح البیان کے علاوہ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمَّا کَانَ عَالِمًا بِجَمِیْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ عَبَّرَ هٰذَا الْمَعْنٰی بِهٰذِهِ الْعِبَادَتِ وَعَلَی التَّفْسِیْرِ الثَّانِیْ یَکُوْنُ الْمَعْنٰی وَعِنْدَهٗ خَزَائِنُ الْغَیْبِ وَالْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ الْکَامِلَةُ عَلٰی کُلِّ الْمُمْکِنَاتِ کیونکہ رب تعالیٰ جب تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس معنیٰ کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری تفسیر پر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کے نزدیک غیب کے خزانے ہیں اور اس سے مراد ہر ممکن چیز پر قدرت کاملہ اور ظاہر ہے کہ یہ صفتِ خداوندی ہے اس کی اگر نبی علیہ السّلام سے نفی ہو تو ہمارے مسلک کے خلاف نہیں کیونکہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خالق نہیں مانتے بلکہ محبوب خالق مانتے ہیں۔ یا اس سے مراد ہے کہ غیب کی کنجیاں بغیر تعلیم الٰہی کوئی نہیں جانتا۔ تفسیر عرائس البیان میں ہے قَالَ الْحَرِیْرِیُّ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَمَنْ یُطْلِعُهٗ عَلَیْهَا مِنْ خَلِیْلٍ وَحَبِیْبٍ اَیْ لَا یَعْلَمُهَا الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ قَبْلَ اِظْهَارِهٖ تَعَالٰی ذٰلِكَ لَهُمْ ، حریری نے فرمایا کہ ان کنجیوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور سوائے اُن محبوبوں کے جن کو اللہ خبردار کرے کوئی نہیں جانتا یعنی اُن کو اگلے پچھلے اللہ کے ظاہر فرمانے سے پہلے نہیں جانتے۔

(۴) تفسیر عنایت القاضی یہ ہی آیت وَجْهُ اخْتِصَاصِهَا بِهٖ تَعَالٰی اَنَّهٗ لَا یَعْلَمُهَا کَمَا هِیَ اِبْتِدَاءً اِلَّا هُوَ ان غیب کی کنجیوں کے خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جیسی وہ ہیں اس طرح ابتداءً خدا کے سوا

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ (الاٰیۃ) میں ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث شریف : بخاری شریف میں ہے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیب کے خزانے پانچ ہیں۔ انہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

(۱) ارحام میں جو کچھ ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو علم نہیں کہ کل کیا ہوگا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ کون کب اور کس زمین میں مرے گا۔

(۵) اور کسی کو معلوم نہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی[۲]

کوئی نہیں جانتا۔ اس آیت کے اگر وہ مطلب نہ بیان کئے جاویں جو ہم نے بتائے تو یہ مخالفین کے بھی خلاف ہے، کیونکہ بعض علم غیب وہ بھی مانتے ہیں اور اس میں علم غیب کی بالکل نفی ہے۔
علاوہ ازیں یہ آیت مکیہ ہے جو ہمارے لئے مخالف نہیں کیونکہ ہمارا دعویٰ آیاتِ مدنیہ سے ہے نیز آیات کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ یہ نفی کفار کے عقیدہ کو مٹانے کے لئے ہے کہ وہ غیوب اپنے بتوں کے لئے مانتے تھے اور قاعدہ ہے کہ جہاں نفی ہو اس سے کفار کے بت مراد ہے ورنہ آیت خدا خود ثابت فرما رہی ہے کہ جملہ علوم ماکان و مایکون لوح محفوظ میں ہیں مخالفین نے صرف ایک جملہ پڑھنا ہوتا ہے چاہئیے یہ کہ مکمل آیت پڑھی جائے تاکہ اختلاف دُور ہو۔

[۲] صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہاں مفاتیح الغیب سے غیوب خمس مراد لینا حق ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ انہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں جانتے ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے خبری کی دلیل ہے ورنہ متقدمین تو صاف لکھ گئے ہیں۔ علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں: "قَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ وَاتَّفَقَتْ مَعَانِیْهَا عَلٰی اِطِّلَاعِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَلَی الْغَیْبِ وَلَا یُنَافِی الْاٰیٰتِ الدَّآلَّةَ عَلٰی اَنَّهٗ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ لِاَنَّ الْمَنْفِیَّ عِلْمُهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنْ غَیْرِ وَاسِطَةٍ اَمَّا اِطِّلَاعُهٗ عَلَیْهِ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ فَمُحَقَّقٌ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ"، احادیث اس پر متواتر ہیں اور اُن کے معانی اِس پر متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام کو غیب پر اطلاع ہے اور یہ مسئلہ اِن آیتوں کے خلاف نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خُدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا، کیونکہ جس کی نفی ہے وہ علم بغیر واسطہ ہے (ذاتی) لیکن حضور علیہ السلام کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتانے سے وہ ثابت ہے۔ رب کے اس قول سے کہ سوائے پسندیدہ رسُول کے۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ "جو موجودات جنگلوں اور دریاؤں میں ہیں اُن سب کو اللہ تعالیٰ تفصیلی طور اور اُن کے اجناس و انواع اور اُن کے افراد کی کثرت کو جانتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے علم کے تعلق کا بیان ہے کہ جس طرح اس کا علم مغیبات سے متعلق ہے اسی طرح مشاہدات سے بھی مغیبات کے بعد مشاہدات کا ذکر تکملۃً ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ اُس کے علم محیط کے آگے ہر شئے واضح اور روشن ہے۔

مخالفین پر حیرانی ہے کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علوم خمس میں سے بہت سے جزئیات کا علم مانتے ہیں جب جزئیات کو مانتے ہیں تو پھر خاصہ خدا بھی گردانتے ہیں؛ حالانکہ خاصہ کا تو کسی دوسرے کے لئے ایک جزو ثابت کرنا بھی شرک ہے لیکن ان کی ضد کا علاج کون کرے جزئیات میں صرف علم ساعۃ پر اڑ جاتے ہیں ہم اور حدیث بخاری شریف بھی پیش کرتے ہیں اور آیت بھی ممکن ہے رُوح البیان کا بھی حوالہ بھی پیش کر دیں تو عرض کریں گے کہ صاحب روح البیان کی عادت ہے کہ تحقیق المقام پر تفصیل لکھتے ہیں ورنہ اجمال لکھتے چلے جاتے ہیں؛ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ إِلَى أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْرِفُ وَقْتَ السَّاعَةِ بِإِعْلَامِ اللهِ وَهُوَ لَا يُنَافِي الْحَصْرَ فِي الْآيَةِ كَمَا لَا يَخْفَىٰ "بعض مشائخ اس طرف گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کا وقت بھی جانتے تھے۔ اللہ کے بتانے سے اور ان کا یہ کلام اس آیت کے حصر کے خلاف نہیں۔ جیسا کہ مخفی نہیں۔ باقی رہے دیگر علوم وہ ایک کامل (جسے مخالفین نے بھی قطب وقت مانا) کے قلم کا شاہکار ملاحظہ ہو وہ ہیں حضرت شیخ علامہ عبدالعزیز دباغ قدس سرہ۔ آپ الابریز صفحہ ۴۲ میں لکھتے ہیں: وَأَقْوَى الْأَرْوَاحِ فِي ذٰلِكَ رُوحُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّهَا لَمْ يُحْجَبْ عَنْهَا شَيْءٌ مِنَ الْعَالَمِ فَهِيَ مُطَّلِعَةٌ عَلَىٰ عَرْشِهِ وَعُلُوِّهِ وَسِفْلِهِ وَدُنْيَاهُ وَآخِرَتِهِ وَنَارِهِ وَجَنَّتِهِ لِأَنَّ جَمِيعَ ذٰلِكَ خُلِقَ لِأَجْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَمْيِيزُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَارِقٌ لِهٰذِهِ الْعَوَالِمِ بِأَسْرِهَا فَعِنْدَهُ تَمْيِيزٌ فِي أَجْرَامِ السَّمٰوَاتِ مِنْ أَيْنَ خُلِقَتْ وَمَتَىٰ خُلِقَتْ وَإِلَىٰ أَيْنَ تَصِيرُ فِي جِرْمِ كُلِّ سَمَاءٍ وَعِنْدَهُ تَمْيِيزُ اخْتِلَافِ مَرَاتِبِهِمْ وَمُنْتَهَىٰ دَرَجَاتِهِمْ وَعِنْدَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَمْيِيزٌ فِي أَجْرَامِ النَّيِّرَةِ الَّتِي فِي الْعَالَمِ الْعُلْوِيِّ مِثْلَ النُّجُومِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَاللَّوْحِ وَالْقَلَمِ وَالْبَرْزَخِ وَالْأَرْوَاحِ الَّتِي فِيهِ عَلَى الْوَصْفِ السَّابِقِ وَكَذَا عِنْدَهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ تَمْيِيزٌ فِي الْجَنَّاتِ وَدَرَجَاتِهَا فِي عَدَدِ سُكَّانِهَا وَمَقَامَاتِهِمْ فِيهَا وَكَذَا مَا بَقِيَ مِنَ الْعَوَالِمِ وَلَيْسَ فِي هٰذَا مُزَاحَمَةٌ لِلْعِلْمِ الْقَدِيمِ الْأَزَلِيِّ الَّذِي لَا نِهَايَةَ لِمَعْلُومَاتِهِ وَذٰلِكَ لِأَنَّ مَا فِي الْعِلْمِ الْقَدِيمِ يَنْحَصِرُ فِي هٰذِهِ الْعَوَالِمِ فَإِنَّ أَسْرَارَ الرُّبُوبِيَّةِ وَأَوْصَافَ الْأُلُوهِيَّةِ الَّتِي لَا نِهَايَةَ لَهَا لَيْسَت

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ" یہ مِنْ زائدہ ہے۔ وَرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا (اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر اسے بھی جانتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کو درختوں کے پتے گرنے اور باقی رہنے والوں کا علم ہے۔ اس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کو بھی جانتا ہے۔ وَلَا حَبَّةٍ " اس کا عطف وَرَقَةٌ پر ہے۔ فارسی اور اُردو میں بمعنے دانہ۔

فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ " (زمین کی تاریکیوں میں)

فائدہ : کاشفی نے فرمایا کہ اس سے وہ بیج مراد ہے جو زمین کے اندر ہوتا ہے وَلَا رَطْبٍ " اس کا بھی ورقہ پر عطف ہے فارسی اور اردو میں بمعنی تر وَلَا یَابِسٍ اور اُردو میں بمعنی خشک یعنی اِن اشیاء میں سے ہر شئے کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

فائدہ : حدادی نے فرمایا رطب و یابس سے وہ تمام اشیاء مُراد ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اس لئے کہ ان دونوں کی تمام اشیاء یا خشک ہیں یا تر لیکن ان کا صرف جسمانیات سے تعلق ہے۔ اس لئے کہ خشکی و تری جسمانیات کے اوصاف ہیں۔ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ٥ مگر وہ کتاب مبین میں ہے۔

فائدہ : اس سے لوحِ محفوظ مُراد ہے۔ یہ استثناء اوّل سے بدل الاشتمال کے طور ہے یا اس سے اللہ تعالیٰ کا علم مُراد ہے تو یہ بدل الکل ہوگا۔

فائدہ : وَلَا رطب ولا یابس کو مرفوع بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ دونوں بسبب حرف عطف مُبتداء اور اِلَّا فی کتاب مّبین " اس کی خبر ہوگی۔ مقام کی مناسبت سے یہی زیادہ موزوں ہے

مِنْ ھٰذَا الْعَالَمِ فِیْ شَیْءٍ " یعنی اس امتیاز میں سب سے زیادہ قوی روح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ اس روح پاک سے عالم کی کوئی شئے پردہ میں نہیں۔ یہ روح پاک عرش اور اس کی بلند، پستی دُنیا و آخرت جنت و دوزخ سب پر مطلع ہے ۔ کیونکہ یہ سب اسی ذات جمع کمالات کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہٖ واصحابہ وبارک وسلم ۔ آپ کی تمیز اِن جُملہ عالموں کی خارق ہے۔ آپ کے پاس اجرام سماوات کی تمیز ہے کہ کہاں سے پیدا کئے گئے کیوں پیدا کئے گئے کیا ہو جائیں گے اور آپ کے پاس ہر ہر آسمان کے فرشتوں کی تمیز ہے اور اس کی بھی کہ وہ کہاں سے اور کب سے پیدا کئے گئے اور کہاں جائیں گے اور ان کے اختلاف مراتب اور منتہاء درجات کی بھی تمیز ہے اور ستر پردوں اور ہر پردہ کے فرشتوں کے جملہ حالات کی بھی تمیز ہے۔ عالم علوی کے اجرام نیرہ ستارے سورج چاند لوح وقلم برزخ اور اس کی ارواح کا بھی ہر طرح امتیاز ہے۔ اسی طرح ساتوں زمینوں اور ہر زمین کی مخلوقات خشکی اور تری جملہ موجودات کا بھی ہر ہر حال معلوم ہے۔ اسی طرح تمام جنتیں اور ان کے درجات اور ان کے رہنے والا

ے معرفت نیست دریں قوم خدایا مددے ؛ تا برم گوہر خود را بخریدار دگر

اس قوم میں معرفت نہیں اے اللہ میری مدد کر تاکہ میں اپنا موتی کسی دوسرے خریدار کے پاس لے جاؤں۔

تفسیر صُوفیانہ

: اللہ تعالیٰ نے ہر شئی کے مناسب عالم شہادت میں ایک دیگر مناسب عالم پیدا فرمایا اور ایک عالم غیب میں پھر غیب کے لئے ایک کنجی بنائی کہ اس سے اس شئی کے غیب و شہادت کا تالہ کھولا جاسکے۔ پھر وہ شئے اسی طرح ہوتی ہے جیسے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ازل میں ارادہ فرمایا تھا: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ،، اُس کے غیب کے خزانوں کو اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ اس لئے کہ اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں۔ بنابریں اِس کے اِن خزانوں میں نہ کسی نبی کریم علیہ السلام کو دخل ہے نہ کسی ولی کو اور نہ ہی کوئی انہیں استعمال کرسکتا ہے اس لئے کہ یہ صرف خالق سے مخصوص ہیں (اور نبی و ولی خالق نہیں) اس مسئلہ کو ایک مثال سے سمجھئے وہ یہ کہ فوٹوگرافر (نقش کھینچنے والا) جس شئے کی تصویر کھینچے گا تو اُس کے ہاں اس کی تصویر کی ایک صُورت عالم شہادت میں ہے اور ایک صُورت عالمِ غیب میں ہے (جسے فوٹوگرافر کا علم و فن کہا جاتا ہے) اُس صُورت کے لئے ایک کنجی ہے کہ جس سے باب علم تصویر کو وہ مصوّر کھولے گا۔ اس صُورت کے مطابق جو عالم شہادت میں ظاہر ہوگی اور وہ مصوّر کے ذہن میں ہے جسے قلم ظاہر کرے گی اور قلم نقّاش کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں سوائے اس نقّاش کے اور کسی کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ اب سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نقّاش و مصوّر ہے اور صُورتیں کائنات میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہیں اور یہ صُورتیں جس طرح عالمِ شہادت میں ہیں۔ اِسی طرح عالمِ غیب میں بھی ہیں۔ اُن کی تخلیق و تکوین اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور اُن کی مفتاح اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ اس کا علم عالمِ ملکوت سے متعلق ہے۔ ملکوت کے قلم سے ہر شئی کا ظہور ہے اور وہ قلم صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بِیَدِهٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ،، اسی کے ہاتھ میں ہے ہر شئی کے ملکوت ہے پھر جیسے اشیاء مختلف ہیں اسی طرح ملکوتیات بھی مختلف۔ اور ہر شئی کے ملکوت جمادات ہوں یا نباتات، حیوانات ہوں یا انسان یا فرشتے اُن ہر ایک کے مناسب حال صُورت ہے۔ اس لئے مفاتح کو جمع اور غیب کو واحد لایا گیا کما قال " وَعِنْدَهٗ مفاتح الغیب ،، اس لئے کہ غیب تکوین کا علم ہے اور وہ جمیع اشیاء میں ایک ہے اور ملکوت میں کثرت ہے۔ جیسے مصوّر کی اقلام بکثرت ہوتی ہیں۔

(ف) اللہ تعالیٰ تکوین بر و بحر کو جانتا ہے۔ اس لئے کہ اس سے ہی سب کا ظہور ہُوا اور بر عالم شہادت ہیں اور بحر عالم غیب اور عالم ملکوت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن ہر دونوں کو جانتا ہے۔ کَمَا قَالَ عالم الغیب وَالشَّهَادَةِ ،، اس علم کی وجہ سے ہر درخت کے گرنے والے پتّے کو جانتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اُن کا خالق بھی ہے اور مُثبت بھی وہی اور مُسقط بھی وُہی۔

وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ ،، اور حبة سے مُراد حبة الروح اور ظلمات الارض سے ظلمات ارض نفس مُراد ہیں۔ یعنی ہر رُوح کے بیج جو نفس کی زمین کی تاریکیوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے بھی جانتا ہے اور وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ سے ظلمات کمالات بشریہ بھی مُراد ہو سکتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کمالات بشریت کو بھی جانتا ہے اور اُس کے نقصانات کو بھی اور ولا رطب ولا یابس میں رطب سے موجود فی الحال اور یابس سے معدوم فی الحال اور موجود بالقوہ مراد ہے یعنی وہ اس وقت معدوم تھا جب یہ آیت نازل ہُوئی اور پھر بعد کو وہ موجود ہوگا اور یہ بھی ہے کہ رطب سے روحانیات اور یابس سے جمادیات اور یہ بھی ہے کہ رطب سے مومن اور یابس سے کافر اور یہ بھی کہ رطب سے عالم اور یابس سے جاہل۔ یا یہ کہ رطب سے عارف اور یابس سے زاہد یا یہ کہ رطب سے اہلِ محبت اور یابس سے اہلِ بغض یا یہ کہ رطب سے صاحب شہود اور یابس سے صاحب وجود یا یہ کہ رطب سے باقی باللہ اور یابس سے باقی بنفسہ اور کتاب مُبین سے ام الکتاب مُراد ہے (کذافی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ ،، اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو تمہیں رات میں مارتا ہے) یہ خطاب ہر مومن اور کافر کو عام ہے یعنی تمہیں رات کے وقت نیند لاتا ہے یعنی تمیز اور حواس زائل کرکے تمہیں مردہ کی طرح بنا دیتا ہے۔

اس لئے وارد ہے کہ النوم اخ الموت نیند موت کی مانند ہے۔

(ف) التوفی بمعنے قبض الشیٔ بتمامہ یعنی شیٔ کو مکمل طور قبض کرنا۔ (فائدہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نیند کے وقت رُوح تو نکل جاتی ہے، لیکن اس کی شعاع جسم میں باقی رہتی ہے۔ اسی وجہ سے نیند میں خواب دکھائی جاتی ہے۔ پھر جب وہ جاگتا ہے تو روح آنکھ جھپکنے سے پہلے واپس لوٹ آتی ہے۔ یعنی خواب میں دیکھنے والی رُوح انسانی ہوتی ہے۔ عالم برزخ میں رُوحِ حیوانی اسس سے جو کچھ حُسن و قبح ظاہر ہوتا ہے اسے رُوحِ انسانی ملاحظہ کرتی ہے اور رُوح حیوانی اُس رُوحِ انسانی کا ظل اور عکس ہے لیکن یاد رہے کہ رُوحِ انسانی و حیوانی حکماء کی اصطلاحیں ہیں۔ اہلِ سلوک ہر دو کو مطلقاً روح اور اس کے تنزلات سے تعبیر کرتے ہیں۔

وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ،، اور جو کچھ تم دن میں عمل کرتے ہو انہیں بھی وہ جانتا ہے۔

فائدہ : جوارح الانسان بمعنی انسان کے وہ اعضاء کہ جن سے اعمال کا صدور ہوتا ہے اور اللیل والنہار کی تخصیص صرف عادت کی بنا پر ہے کہ عادۃً انسان رات کو سوتا ہے اور دن کو کاروبار میں رہتا ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ

اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں کسی کو موت آتی ہے

الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ

ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ قصور نہیں کرتے پھر پھیرے جاتے ہیں اپنے سچے مولیٰ اللہ کی طرف

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ

سنتا ہے اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے جلد حساب کرنے والا تم فرماؤ وہ کون ہے جو تمہیں نجات دیتا ہے جنگل اور دریا

وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

کی آفتوں سے جسے پکارتے ہو گڑگڑا کر اور آہستہ کہ اگر وہ ہمیں اس سے بچا دے تو ہم ضرور احسان مانیں گے

الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾

تم فرماؤ اللہ تمہیں نجات دیتا ہے اس سے اور ہر بے چینی سے پھر تم شریک ٹھہراتے

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ

ہو تم فرماؤ وہ قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیجے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے

اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ

تلے سے یا تمہیں بھڑا دے مختلف گروہ کرکے اور ایک کو دوسرے کی سختی چکھائے دیکھو ہم کیونکر

نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ

طرح طرح سے آیتیں بیان کرتے ہیں کہ کہیں ان کو سمجھ ہو اور اسے جھٹلایا تمہاری قوم نے اور یہی حق ہے تم فرماؤ میں

لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۟ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ

تم پر کچھ کڑوڑا نہیں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب جان جاؤ گے اور اے سننے والے

الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِیْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ

جب تو انہیں دیکھے جو ہماری آیتوں میں پڑتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے جب تک اور بات میں پڑیں

وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلاوے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ اور

عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾

پرہیزگاروں پر ان کے حساب سے کچھ نہیں ہاں نصیحت دینا شاید وہ باز آئیں

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ

اور چھوڑ دے ان کو جنہوں نے اپنا دین ہنسی کھیل بنا لیا اور انہیں دنیا کی زندگی نے فریب دیا اور قرآن سے

تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ ۚ وَإِنْ

(سپرد) ہو کر کہیں کوئی جان اپنے کیے پر پکڑی نہ جائے اللہ کے سوا اس کا کوئی حمایتی ہو نہ سفارشی اور اگر

تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا ۖ لَهُمْ شَرَابٌ

اپنے عوض سارے بدلے دے تو اس سے نہ لیے جائیں یہ ہیں وہ جو اپنے کیے پر پکڑے گئے انہیں پینے کو کھولتا پانی

مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

اور دردناک عذاب بدلہ ان کے کفر کا

(بقیہ صفحہ : ۵۳۹

ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ ،، (پھر تمہیں اس میں بیدار کرتا ہے) اس کا عطف یتوفاکم پر ہے۔

نکتہ : لیل ونہار کے درمیان یَعْلَمُ کے صیغہ کو لانے میں نکتہ ہے وہ یہ کہ انسان کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ رات کو نیند جیسی نعمت عطا فرما کر دن کو پھر بیدار فرما دیتا ہے۔ باوجودیکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ نیند سے اُٹھ کر برائیوں میں مصروف ہو جائے گا۔ (الا قلیل منہم) حالانکہ وہ قادر ہے کہ نیند میں ہی انسان کو موت دے اور اسے حیاۃ دے کر جگاتا ہی نہیں تاکہ اُٹھ کر گناہ نہ کرے۔ لیکن باوجود ایں ہمہ اُس نے خواب سے جگایا اور حیات بخشی۔ یہی وجہ ہے کہ ثُمَّ تراخی لایا گیا وہ بھی اسی طرہ اشارہ کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جنس لیل میں نیند دیتا ہے اور جنس نہار میں بیداری بخشتا ہے۔ باوجودیکہ اسے معلوم ہے کہ تم اُٹھ کر گناہ کرو گے۔ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُسَمًّى ،، تاکہ تمہارا اجل پورا ہو یعنی نیند سے اُٹھنے والا۔ موت تک اپنی میعاد زندگی پوری کر سکے۔

(فائدہ) اجل بمعنی زندگی کی آخری مُدت

ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ،، پھر تمہارا موت سے اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع ہے۔ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وہ اعمال جو تم زندگی کے شب و روز میں کرتے رہے اُن کی تمہیں جزا و سزا دے گا

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الْقَاهِرُ : اور وہی غالب ہے۔ فَوْقَ عِبَادِهٖ اپنے بندوں پر یعنی اس کے سوا بندوں کے جملہ امُور کا ہر طرح سے اور کوئی مُتصرف نہیں جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔

فائدہ : یہ بھی جائز ہے کہ فوق دُوسری خبر ہو اور فَوق میں مکانیت کا معنیٰ نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف مکانیت کی اضافت محال ہے۔ یہاں پر غلبہ یا قدرت یا اسی طرح کا کوئی اور معنےٰ ہوگا۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ فلان فوق فلان فِي العلم "یعنی وہ فلاں سے علم میں فوقیت رکھتا ہے۔ یعنی اس سے علم میں زائد ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) دست بر بالائے دست ایں تا کجا — تا بیزدان کہ الیہ المنتھیٰ
(۲) کان یکے دریاست بے غور و کراں — جُملہ دریاہا چو سیلے پیش آں
(۳) حیلہا و چارہ ہا گر اژدہا ست — پیش الا اللہ آنہا جُملہ لاست

ترجمہ : (۱) ہاتھ کو ہاتھ پر غلبہ ہے یہاں تک کہ اللہ تک سب کا انتہا ہے۔
(۲) وہ ایسا بیکراں و بے کنار دریا ہے کہ تمام دریا اس کے سامنے چھوٹی نالی ہے۔
(۳) جملہ حیلے مکر و فریب اگرچہ بڑے اژدھا ہیں لیکن الا اللہ کے آگے تو لا ہیں یعنی کچھ نہیں۔

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً "اس کا عطف جملہ اسمیہ" اور تمہارے اُوپر ایسے نگران فرشتے بھیجتا ہے جو تمہارے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس سے کراماً کاتبین مُراد ہیں۔

نکتہ : کراماً کاتبین کو مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ جب بندے کو معلوم ہوگا کہ میرے اعمال لکھے جا رہے ہیں (جو قیامت میں بر سر میدان عوام کے سامنے ظاہر ہوں گے) تو برائیوں سے رُک جائے گا۔ اور جسے یقین ہو کہ اسے بالآخر معاف فرمائے گا تو اُسے اپنے آقا سے اتنا خوف نہیں ہوتا۔ حضرت کاشفی نے کہا ؎

(۱) نہ اندیشی ازاں روزے کہ در وے — جگر ہا خون و دلہا ریش بینی
(۲) دھندت نامہ اعمال و گویند — بخواں تا کردہائے خویش بینی
(۳) مکن در میکنی نارے وراں گوش — کہ اندر نامہ نیکی پیش بینی

ترجمہ : (۱) تجھے اس دن کا کوئی فکر بھی نہیں جہاں جگر خون ہوں گے اور دل زخمی
(۲) تجھے اعمالنامہ دے کر کہیں گے اسے پڑھ یہ تیرے اپنے کام ہیں۔
(۳) گناہ نہ کر اگر کرتا ہے تو سُن لے کہ آگے تیرے لئے جہنم ہے جب تیرے عملنامہ میں نیکی نہ ہوگی۔

کراماً کاتبین : مروی ہے کہ کراماً کاتبین رات اور دن کے لئے علیحدہ علیحدہ جوڑا ہے۔ ایک نیکیاں لکھتا ہے تو دُوسرا برائیاں۔ دایاں بائیں کا امیر ہے۔ جب بندہ نیکی کرتا ہے تو وہ ایک کے بجائے دس نیکیاں لکھتا ہے اور جب بندہ بُرائی کرتا ہے تو بائیں جانب والا فرشتہ لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے دائیں جانب والا فرشتہ کہتا ہے رُک جا۔ وہ چھ سات ساعات رُکا رہتا ہے پھر اگر وہ بُرائی پر استغفار کرتا ہے تو اس کی بُرائی نہیں لکھی جاتی۔ اگر استغفار نہیں پڑھتا تو اُس کے نامۂ اعمال میں صرف ایک بُرائی لکھی جاتی ہے۔

سوال : وہ فرشتے جیسے ظاہر عمل کو جانتے ہیں کیا اسی طرح انسان کے دل کے ارادہ کو بھی جانتے ہیں۔

جوابؔ : ہاںؔ وہ دل کے باطنی عزم کو بھی جانتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ کراماً کاتبین اُن فرشتوں سے نقل کر لیتے ہیں جو لوح محفوظ کے کاتبین ہیں اور لوحِ محفوظ پر تمام حالات لفظ بلفظ لکھے ہوئے ہوتے ہیں انہیں ظواہر سے تعلق ہو یا بواطن سے لوح محفوظ سے حالات معلوم کرنے کے بعد وہ بندوں کے اعمال لکھتے ہیں۔ رات والے فرشتے رات کو اور دن والے دن کو جس طرح بندوں سے گناہوں کا صدور ہوتا ہے۔ ویسے ہی وہ لکھتے جاتے ہیں وہ اس سے قبل بھی اُن کے اعمال کو جانتے ہیں۔

جوابؔ : بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے منہ سے خوشبو مہکتی ہے۔ اس علامت کے مطابق نیکی کا فرشتہ لکھتا ہے تو وہ بُرائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے منہ سے بدبو اُٹھتی ہے۔ اس علامت سے بُرائی لکھنے والا فرشتہ بُرائی لکھتا ہے۔

سوال : جو جوڑا آج اعمال لکھنے کے لئے آیا وہی کل آئے گا یا کل کے لئے اور پرسوں کے دیگر وغیرہ وغیرہ

جواب : بعض مشائخ کا فرمان ہے کہ جو جوڑا ایک انسان کے لئے مقرر ہو جاتا ہے وہ اُس کی زندگی تک اُس کے لئے مقرر رہتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ جو ایک دفعہ حاضر ہُوا اسے پھر اس بندے کی زندگی میں دوبارہ آنا نہیں ہوگا بلکہ ان کے بجائے کوئی اور آئیں گے۔ اسی طرح پھر تیسرے روز وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ : کراماً کاتبین انسان کے اعمال لکھتے وقت کہاں بیٹھتے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ حدیث نبوی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے منہ کو خلال سے صاف رکھو (اس لئے کہ کراماً کاتبین فرشتوں کی نشستگاہ یہی ہے) اور اُن کی سیاہی انسان کی تھوک ہے۔ اور اُن کا قلم انسان کی زبان ہے اور اُن کے نزدیک دانتوں میں جو طعام بچ جاتا ہے اس سے اور کوئی شئی زیادہ

لہ اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت علیمٌ بذاتِ الصدور ہے، لیکن اس کی دین سے بندوں کی یہ صفت حاصل ہے یہی قاعدہ تاحال دیوبندیوں وہابیوں وغیرہم کو سمجھ نہیں آیا۔ اگر آیا ہے تو ضد سے نہیں مانتے۔ ۱۲۔ اویسی غفرلہ

بدبُودار نہیں

مسئلہ : ممکن ہے کہ انسان کے ساتھ ان دو فرشتوں کے علاوہ اور بھی فرشتے ہوں جو اُسے ایذاؤں سے بچائیں جیسا کہ روایات میں ہے۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (یہاں تک کہ تمہارے ایک کے ہاں موت آجائے)

فائدہ : یہ وہ حتیٰ ہے جس سے کلام کا ابتداء کیا جاتا ہے اور اپنے مابعد والے جملہ شرطیہ کو اپنے ماقبل کے لئے غایت بناتا ہے گویا بندوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے اُوپر نگران فرشتے مقرر ہوتے ہیں جو تمہاری زندگی بھر تمہارے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ تم میں سے کسی ایک کی مدت حیات ختم ہو جاتی ہے یعنی پھر اُس کے لئے اسباب و مبادی آجاتے ہیں۔ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (تو اسے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے مارتے ہیں) یہ ان کراماً کاتبین کے غیر ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جن کی طرف بندوں کی موت سپرد کی گئی ہے۔ یعنی حضرت ملک الموت اور اُن کے خدام یہاں محافظین اعمال فرشتوں کی ڈیوٹی ختم ہوتی ہے۔ وَهُمْ (اور وہ رُوح قبض کرنے والے فرشتے) لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝ کوتاہی نہیں کرتے اُن امور میں جن کے متعلق اُن کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔ ان میں نہ وہ سستی کرتے ہیں اور نہ کوتاہی۔ آنکھ جھپکنے کی دیر بھی ان سے ڈیوٹی میں کمی اور سستی نہیں ہوتی۔

مسئلہ : تمام مخلوق کے ارواح کو قبض کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے اور ملک الموت اور اُن کے خدام کو مجازاً رُوح کا قبض کرنے والا کہا جاتا ہے (اس لئے کہ وہ قبض ارواح کے وسائط ہیں)

اعجوبہ : ملک الموت کے واسطہ کے بغیر بھی رُوح قبض کی جاتی ہے۔ جیسے بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے متعلق منقول ہے کہ ان کی رُوح مبارکہ ملک الموت کے واسطہ سے قبض نہیں ہوئی۔

فائدہ : ملک الموت کے مُعین ملائکہ چودہ ہیں۔ سات رحمت کے (قبض ارواح کے بعد اُن کی طرف مومن کی رُوحیں سپرد ہوتی ہیں) اور سات عذاب کے (کافروں کی روحیں اُن کے سپرد ہوتی ہیں)

ملک الموت اور مسئلہ حاضر و ناظر

ملک الموت کے لئے تمام دُنیا ایسے ہے جیسے تھال میں چند دانے کہ وہ اُس سے جس کی رُوح چاہتے ہیں اُٹھا لیتے ہیں (الخ) اقال مجاہد صاحب رُوح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ ملک الموت کو ارواح قبض کرنے میں کسی قسم کی تکالیف نہیں ہوتی۔ اگرچہ کتنی ہی بے شمار رُوحیں قبض کرنی پڑیں۔ اور کتنے ہی دُور دُور کے مختلف مقامات پہ ہوں۔ اس کی کیفیت عقل جزوی کے فہم و ادراک کے حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ جیسے

شیطان کے وسوسہ کے متعلق سمجھنا مشکل ہے کہ وہ ایک آن میں تمام اہلِ دُنیا کے دلوں میں کس طرح وسوسہ ڈالتا ہے [1]

حدیث شریف : مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مریض کی مزاج پُرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے ملک الموت کو اس مریض کے سرہانے دیکھ کر فرمایا اے ملک الموت نرمی کرنا یہ مومن ہے۔ اس نے عرض کی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو خوشی ہونی چاہیئے کہ میں ہر اہلِ ایمان کے ساتھ نرمی کرتا ہوں۔ بلکہ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ جب میں کسی اہلِ ایمان کی روح قبض کرتا ہوں تو اُس کے گھر والے روتے ہیں تو میں اُن سے علیحدہ ہو کر کہتا ہوں کہ میں نے کونسا گناہ کیا ہے مامور من اللہ ہوں اور میں یہاں بار بار آوٴں گا انہیں ایسی غلطی سے پرہیز لازمی ہے اور کوئی گھر ایسا نہیں جہاں میں دِن میں پانچ بار نہ آوٴں۔ وہ پہاڑوں میں ہوں یا جنگلوں میں۔ دریاؤں میں یا کسی اور جگہ پہ۔ مجھے اُن کے ہر چھوٹے بڑے سے تعارف ہے بلکہ جتنا میں انہیں جانتا ہوں وہ اتنا اپنے اعزہ واقارب کو نہیں جانتے۔ بخدا میں مچھر کی جان نکالنے کی بھی قدرت نہیں رکھتا جب تک مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو۔

ردِّ وہابیہ : علماءِ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ موت محض عدم اور صرف فنا کا نام نہیں بلکہ موت جسم سے رُوح کی جُدائی کا نام ہے۔ یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف یا ایک دار سے دوسری دار کی طرف منتقل ہونے کو موت کہا جاتا ہے۔

موت کی اصلی صُورت : مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے موت کو ملیح مینڈھے کی شکل میں پیدا فرمایا تو اُسے حکم ہوا کہ وہ اس ہیئت میں ملائکہ کرام کے ہاں جائے۔ جب فرشتوں نے موت کو دیکھا تو دو ہزار سال بیہوش رہے۔ جب ہوش میں آئے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یہ کیا شئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ موت ہے۔ اُنھوں نے عرض کی یہ کن پر وارد ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر ذی رُوح پر عرض کی۔ دُنیا کیوں پیدا ہوئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ بنو آدم ٹھہریں۔ عرض کی عورتوں کو کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ فرمایا تاکہ آدم زادے پیدا ہوں۔ عرض کی جن لوگوں پہ موت وارد ہوگی کیا وہ دُنیا اور عورتوں سے مشغول ہو سکتے ہیں۔ فرمایا اُنہیں طویل آرزوئیں موت بھلا دیں گی۔

---

[1] اسی طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر کا مسئلہ ہے کہ ہمارے عقل و فہم و ادراک میں اگر نہیں آسکتا تو نہ آئے لیکن ہے تو حق مگر افسوس کہ دیوبندیوں و وہابیوں نے ملک الموت اور ابلیس کے لئے تو مان لیا لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہی عقیدہ اہلسنت نے منوانا چاہا تو شرک کا فتویٰ جڑ دیا بلکہ انبیٹھوی گنگوہی، دیوبندیوں کے مرشد نے گستاخانہ لہجہ میں لکھ مارا کہ شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام کا علم زیادہ ہے (معاذ اللہ۔ اویسی)۔

یہاں تک کہ ان سے دُنیا اور عورتیں چھین لی جاتی ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے تمام مصائب سے بڑی مصیبت موت ہے لیکن غفلت اس سے بڑی ہے۔

ثُمَّ رُدُّوْا ۔ اس کا عطف توفتہ پر ہے اور ضمیر کُل کی طرف راجع ہے جو احدکم سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی قیامت میں اُٹھنے کے بعد انہیں ملائکہ لوٹائیں گے۔ اِلَی اللّٰہِ ،، (اللہ کی طرف، یعنی اُس کے حکم و جزا کی طرف حساب کے موقف میں۔

سوال : تم نے حکم و جزاء کا معنیٰ کہاں سے نکالا۔

جواب : اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا مکان اور جہت کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ مکان و جہت سے پاک ہے یا یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے کے لئے مطیع کر کے لائیں گے کہ ایسے مالک کے حکم کی طرف انہیں لایا جاتا ہے کہ اب اس کے سوا ان کا کوئی مالک نہیں نہ اس کے سوا کوئی حاکم ہے۔

مَوْلٰهُمُ (اُن کے مالک کی طرف) یعنی ایسے مالک کی طرف جو علی الاطلاق جملہ امور کا مالک ہے۔

سوال : یہ تقریر آیت ،، وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَهُمْ کے خلاف ہے۔

جواب : آیت میں مولیٰ بمعنی ناصر یعنی حامی و مددگار ہے اور ظاہر ہے کہ ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں۔ اسی لئے آیت ہماری تقریر کے منافی نہیں۔

اَلَا (خبردار) لَهُ الْحُکْمُ اس کے لئے جمیع حکم ہیں۔ یعنی اُس دن اپنے بندوں کے صرف وہی فیصلے فرمائے گا۔ وہاں صرف اسی کا فیصلہ چلے گا اور کسی کا حکم نہ ہوگا۔

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ،، اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے کہ اُس دن تھوڑے سے وقت میں اپنی تمام مخلوق کا حساب لے گا اور یہ بھی ہے کہ اُس کے لئے ایک کا حساب دُوسرے سے مانع نہ ہوگا اور نہ ہی ایک شان دُوسری کو حاجب ہو سکے گی۔ اس کا کلام کسی آلہ (عضو) سے نہ ہوگا اور نہ فکر و رؤیت کا محتاج ہوگا۔

فائدہ : حساب کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ثواب و عذاب سے اُن کے استحقاق کے مطابق تعارف کرائے گا۔ بعض کے نزدیک حساب کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کے اعمال تولے جائیں گے تاکہ ان کی مقدار بندوں پر ظاہر ہو یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے حساب مومن کا ہوگا۔

مسئلہ : ہر اُس شخص کے لئے کوئی میزان نہ ہوگا جسے بہشت میں بلا حساب داخل کیا جائیگا۔

مسئلہ : حشر و حساب اس زمین کے اُوپر نہیں بلکہ زمین کے اندر ہوگا لیکن اسے بدل کر نہایت سفید چاندی کی طرح بنا دیا جائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا حکم چلے گا۔ اور نہ ہی کسی پر ظلم ہوگا۔

سبق : جب لازماً حساب و کتاب ہونا ہے اور حساب لینے والا بھی وہی احکم الحاکمین ہے تو پھر

لازم ہے کہ حساب قائم ہونے سے پہلے ہی ہم اپنا حساب صاف رکھیں اس لئے کہ جیسے آخرت کے بازار کے تاجر ہیں ۔ راس المال عمر ہے اور نفع عمر کو طاعت و عبادات میں صرف کرنے میں ہے اور گناہوں و برائیوں میں صرف کرنے میں گھاٹا ہے لیکن یاد رہے کہ نفس اس تجارت میں اُس کا شریک ہے ۔ اگرچہ نفس میں خیر و شر دونوں کی صلاحیت رکھی گئی ہے ۔ لیکن یہ برائیوں اور گناہوں کا عاشق ہے اسی لئے ضروری ہے کہ اُس پر پوری نگرانی رکھی جائے اور پُورا پُورا حساب لیا جائے ۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ۔

تو غافل در اندیشۂ سُود و مال   کہ سرمایۂ عمر شُد پائمال

ترجمہ : تو سُود و مال کے فکر میں غافل ہے اسی طرح سے تیری عمر کا سرمایہ ضائع ہو گیا ۔

تفسیر عالمانہ

قُلْ ،، اے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کو فرمایئے **مَنْ** ،، (استفہامیہ ہے) **يُنَجِّيكُم** (نہیں) کون نجات دیتا **مِّن ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ** ،، جنگلوں اور دریاؤں کی تاریکیوں سے یعنی سفروں میں ان کی ہولناکیوں اور تکالیف سے ۔

ف : اُن کی مشقتوں کا ظلمات سے استعارہ کیا گیا ہے اس لئے کہ ہر دونوں ابطال الابصار اور ہولناکیوں میں مشارکت رکھتی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جو دن سخت تکالیف و شدائد سے بسر ہو اُسے یوم مظلم سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اُسے یوم ذو کواکب بھی کہا جاتا ہے ۔ یعنی وہ دن ایسا سخت ہو گیا ہے گویا تاریکی چھا گئی ہے اور ستارے ظاہر ہو گئے ہیں اس لئے کہ جب رات کو تاریکی زیادہ ہو تو ستارے زیادہ روشن ہوتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جس رات کو چاند نہ ہو تو اس میں ہر چھوٹا بڑا ستارہ نظر آتا ہے ۔ پھر جسقدر تاریکی زیادہ ہوا تنے ہی ستارے زیادہ چمکدار نظر آتے ہیں ۔

تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ،، اُسے پکارو گے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے ۔ یعنی اُس وقت تمہارا یہ حال ہوتا ہے کہ اسے پکارتے ہو دھاڑیں مار کر اور دل میں نہایت ہی عجز و انکسار سے ۔ یہ دونوں مصدر ہیں لیکن چونکہ حال واقع ہوئے ہیں ۔ اس لئے ان میں اسم فاعل کا معنے کیا گیا ہے ۔

(ف) التضرع بمعنے اظہار الضراعۃ الی شئ اور ضراعۃ بمعنی شدۃ الفقر و الحاجۃ ۔

لَّئِنْ أَنجَانَا ،، یہ بھی تدعونہ کی ضمیر مخاطب سے حال ہے لیکن بارادۂ قول یعنی اُسے پکارتے ہو در انحالیکہ تم کہنے والے ہوتے ہو کہ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ نے نجات بخشی **مِنْ هَٰذِهِ** ،، انہی شدائد و مصائب سے **لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ** ،، البتہ ہم ہوں گے پکے شکر گزاروں میں سے اور اس پر مداومت کرنے والوں سے اس نعمت کی وجہ سے ۔

(ف) شکر بمعنے اعتراف النعمۃ یعنی نعمت کے اعتراف کرنے کو شکر کہا جاتا ہے ۔ بشرطیکہ اس نعمت

کے حقوق بھی قائم رکھے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کے حقوق یہ ہیں کہ منعم حقیقی کی اطاعت میں زندگی بسر کرے اور برائیوں سے بچے نہ یہ کہ اُلٹا اُس کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک بنائے جنہیں کسی شئ کی بھی قدرت نہیں۔

۶۴ قُلِ ،، اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلّم انہیں فرمایئے اَللّٰہُ یُنَجِّیْکُمْ مِّنْہَا وَمِنْ کُلِّ کَرْبٍ اللہ تعالیٰ تمہیں ظلمات البر والبحر اور اُن کے ماسوا دوسرے غم سے بھی نجات دے گا۔

(ف) کرب انتہا درجہ کے غم کو کہا جاتا ہے کہ جس سے نفس کو سخت گرانی ہو۔

ثُمَّ اَنْتُمْ ،، پھر اس لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کا مشاہدہ کر چکے ہو تو بھی تُشْرِکُوْنَ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دُوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو۔ یہاں پر مناسب تھا کہ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ کے بعد ثُمَّ اَنْتُمْ لَا تَشْکُرُوْنَ ،، ای لَا تَعْبُدُوْنَ ،، ہوتا۔ لیکن تُشْرِکُوْنَ کے بجائے لاتشکرون کہا گیا تاکہ تنبیہ ہو کہ اشتراک بھی ترک شکر ہے ۶۵ قُلْ ھُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا ،، فرمایئے اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ شرک کی وجہ سے تمہارے اُوپر عذاب بھیجے ،،

مِّنْ فَوْقِکُمْ ،، تمہاری اُوپر کی جانب سے جیسے حضرت نُوح علیہ السّلام کی قوم سے ہُوا کہ انہیں طوفان، صاعقہ (آندھی) سے قوم حضرت لُوط علیہ السّلام اور اصحاب فیل پر پتھر برسا کر تباہ و برباد کیا۔

اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ ،، یا نیچے سے عذاب بھیجے۔ جیسے فرعون کو غرق کیا اور قارون کو زمین میں دھنسا دیا۔ (ف) بعض نے کہا مِنْ فَوْقِکُمْ سے ملوک، رؤسا، اکابر اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ ،، سے بدکار غلام اور اُن کے ماتحت عوام اور اُن کے بیوقوف لوگ مُراد ہیں اور لفظ اَوْ منع الجمع کے لئے نہیں بلکہ منع الخلو کے لئے ہے۔ یعنی دونوں جہت کا عذاب بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے نُوح علیہ السلام کی قوم سے ہُوا کہ انہیں اُوپر نیچے کے عذاب میں مُبتلا کیا گیا۔ اَوْ یَلْبِسَکُمْ ،، یہ لَبَسْتُ علیہ الامر سے ہے۔ ای خَلَطْتُہٗ (باب ضرب یَضْرِبُ) یا لَبِسْتُ الثوب (علم یَعْلَمُ) سے ہے۔ پہلے کا مصدر اللبس بالفتح اور دُوسرے کا بالضم ہے یعنی یا تمہیں خلط ملط کر دے۔ شِیَعًا ،، منصوب ہے اس لئے کہ یَلْبِسَکُمْ کے کُمْ مخاطب سے حال ہے۔

(ف) شیعہ کی جمع ہے جیسے سِدْرٌ سِدْرَۃ کی جمع ہے اور شیعہ ہر اُس گروہ کو کہا جاتا ہے جو کسی امر پر مجتمع ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں مختلف جماعتوں میں بانٹ دے کہ جن کے آراء و مذاہب مختلف ہوں جن کا ہر فرقہ اپنے علیحدہ مقتدا کا پیروکار ہو تمہارے مابین جنگ کھڑی کر کے ایک دُوسرے کی جنگ کے لئے ہر ایک لیڈر لڑائی پر برانگیختہ کرے۔

(ف) اس سے ثابت ہُوا یہاں پر خلط سے اضطراب مُراد ہے۔

وَیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ط اور تمہارا بعض تمہارے بعض کو چکھائے۔ یعنی تم ایک دُوسرے سے جنگ کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ رہا ہے کہ کافروں کو اہلِ ایمان کی جنگ کا مزا چکھاتا ہے۔

اسی طرح بالعکس اور یہ بھی ہُوا کہ کافروں کو کافروں سے اور اہلِ ایمان کو اہل ایمان سے مزا چکھایا۔ جیسے اکثر آزمان واعصار میں ہُوا (اسی طرح جمال و جلال کی صفت کی تربیت کا تقاضا ہے)

حدیث شریف : میں ہے میں نے اپنے ربِ کریم سے تین سوال کئے۔ دو مجھے عطاء ہُوئے۔ ایک سے منع فرمایا۔ پہلا سوال یہ تھا کہ میری اُمت کو قحط سالی سے تباہ و برباد نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے ہی ہوگا۔ دوسرا سوال تھا میری اُمت غرق نہ ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے ہی ہوگا۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ میری اُمت خانہ جنگی سے محفوظ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا محبوب یہ دُعا مانگنے کے لائق نہیں۔

شرح الحدیث المذکور : قحط سالی سے مُراد عالمگیر قحط ہے جس میں اُمت کا ہر فرد مُبتلا ہو جائے۔ حدیث میں فرق (بالفتح) وارد ہُوا ہے۔ اس سے بھی علی سبیل العموم مُراد ہے۔ جیسے نُوح علیہ السّلام کی امت کے لئے ہُوا۔

فائدہ : حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی ابروسوی نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کی تاثیر ہر تین سال کے بعد نمودار ہوتی ہے لیکن بطریق الخفۃ کہ کہیں زور دار بارش ہوگئی اور اس سے کئی دیہات زیر آب ہو گئے اور کئی گھر اور حدیث شریف میں "باس" وارد ہُوا ہے۔ اس سے فتنہ فساد اور جنگ مُراد ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میری اُمت طعن وطاعون سے فنا ہوگی۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جب میری اُمت[1] میں تلوار آجائے گی تو پھر وہ قیامت تک نہ اُٹھے گی۔

سبق : یہ معجزہ ہے حضوُر نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کہ جیسے فرمایا ویسے ہُوا اور البأس بمعنے الشدۃ فی الحرب "

فائدہ : بأس یعنی خانہ جنگی اُس وقت آئے گی جب آئمہ (سلاطین۔حکّام) کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرنے چھوڑ دیں گے۔ اور دُشمن اہل اسلام پر اس وقت مسلّط ہوگا جب اہلِ اسلام اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا معاہدہ توڑ دیں گے، چنانچہ بعض احادیث میں وارد ہے۔ **اُنْظُرْ** " اے محبوب (کریم) صلّی اللہ علیہ وسلّم دیکھئے۔ **کَیْفَ نُصَرِّفُ** ہم اُن کے لئے کیسے پھیرتے ہیں **الْاٰیٰتِ** "، قرآنی آیات کو ایک حال سے دُوسرے حال کی طرف کبھی وعدوں سے کبھی وعیدوں سے۔ یعنی کہیں وعید بیان کیا گیا تو ساتھ ہی وعدہ بھی۔ مختلف وجوہ سے آیات کو دوبار دکیا گیا۔

---

[1] اُمت میں تلوار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آئی اور آج تک آپس میں جاری ہے۔

اس سورۃ سے لے کر آخر تک یہی اسلوب رہتا ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۔۔ تاکہ وہ سمجھ جائیں اور اپنے جبلی امر سے واقفیت حاصل کرکے مکابرہ و عناد سے لوٹ کر ایمان و اسلام کی طرف رجوع کریں۔ **وَكَذَّبَ بِهٖ** ،، (بہ) کی ضمیر عذاب موعود یا قرآن کی طرف لوٹتی ہے جو عذاب کی خبر سناتا ہے۔ **قَوْمُكَ** ،، آپ کے قول کی تکذیب کی ۔ ۔ جو آپ سے عناد رکھتی ہے۔ **وَهُوَ الْحَقُّ** ،، حالانکہ وہ حق ہے یعنی لامحالہ عذاب واقع ہوگا یا یہ کہ جو کچھ کتاب اللہ نے بیان کیا ہے وہ حق ہے۔ **قُلْ** ،، اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے **لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ** ،، میں تمہارے اوپر وکیل نہیں۔ یعنی میں تمہارا محافظ نہیں کہ میرے ہاں تمہارے تمام امور سپرد کئے گئے ہوں تاکہ میں تمہیں تکذیب سے روکوں اور تمہیں تصدیق پر مجبور کروں۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ اور اب میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہوں اس لئے کہ میں تمہیں یہ تمام خبریں سنا چکا ہوں جنہیں تم دیکھو گے۔ **لِكُلِّ نَبَإٍ** ،، قرآن کی تمام خبروں میں سے ہر ایک خبر کا **مُّسْتَقَرٌّ** ،، وقت مقرر ہے۔ **وَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ** ،، اور عنقریب تم جان لوگے یعنی تم عذاب کے وقت کو دنیا یا آخرت یا ہر دونوں یعنی دنیا اور آخرت میں۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ دفع شدائد و ضرار میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں تضرع و انکسار کرے اور گناہوں پر اصرار نہ کرے۔ اس لئے کہ گناہ ہر قسم کے مصائب میں مبتلا ہونے کا سبب ہے۔ اور ہر ظلمت نفس امارہ کی ظلمات سے ہوتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ہرچہ بر تو آید از ظلمات غم   آں زبے شرمی و گستاخیست ہم

ترجمہ : جو کچھ تجھ پر غم کی آندھیاں چل رہی ہیں یہ تیری بے شرمی و گستاخی کی وجہ سے ہیں۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

چرا ز غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب   ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتنم

ترجمہ : میں کسی کی کیا شکایت کروں کہ حباب کی طرح ہمیشہ خواہشات نفسانی کی وجہ سے خراب ہوں۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ بر سے اجسام اور بحر سے ارواح مراد ہیں۔ ارواح اگرچہ اجسام کے اعتبار سے نورانی لیکن باعتبار حق اور ذوالجلال کے ظلمانی ہیں، چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ظلمت میں پیدا فرمایا پھر اس پر اپنے نور کے چھینٹے مارے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب میں نے تمہیں ظلمت خلقیہ میں پیدا فرمایا پھر کون تمہیں ظلمات بر (بشریہ) اور ظلمات بحر (روحانیہ) سے نجات دے گا۔

اِذْ تَدْعُوْنَہٗ " جبکہ تم اسے پکارو تضرعاً جسم کے ساتھ وخفیۃ اور روح سے لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ پھر تم شرک کرتے ہو جبکہ تمہیں اُس نے نوری صفات سے جلوہ دکھایا تو بعض شرک کرکے "انا الحق" کہتے رہے اور بعض سُبحانی ما اعظم شانی کہتا ہے۔ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ " فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ تمہارے اوپر عذاب بھیجے جبکہ تم کہتے ہو انا الحق و سبحانی کہ وہ اپنے اور تمہارے مابین حجابات قائم فرمادے فیعذبکم تمہیں یہی عزت وغیرت میں مبتلا کرے۔ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ " تمہارے لئے تمہاری بشریت کے حجاب کھڑے کر دے اور تمہارے اوپر تمہاری خواہشات کو مسلط کر دے۔ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا یا تمہاری مختلف جماعتیں بنادے۔ بعض[1] ایسی صدیقین ہوجائیں اور ایک گروہ تم میں زندیقین ہوں۔ وَيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اور تمہارے بعض کو بعض کے خوف چکھائے۔ قتل سے یا سولی پر چڑھائے یا رگیں کٹوادے جیسے حضرت منصور (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے کیا گیا۔

حضرت حلاج کا قصّہ

: آپ مقتدر کے وزیر حامد بن عباس کی مجلس میں چلے گئے۔ اس مجلس میں قاضی ابوعمر بھی موجود تھے۔ اُنھوں نے فتویٰ دیا کہ حلاج کو قتل کر دینا جائز ہے۔ اس تحریر پر دستخط بھی فرمائے اور ساتھ ہی اُن فقہاء سے بھی تصدیق کرائی جو اس مجلس میں موجود تھے جب حلاج کو اس فتویٰ کا علم ہُوا تو آپ نے فرمایا میرا خون بہانا حرام ہے اور نہ ہی جائز ہے کیونکہ میرے خون بہانے کے لئے مختلف تاویلیں کرو۔ جبکہ میرا عقیدہ اسلام اور میرا طریقہ سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مجھے چاروں صحابہ و باقی عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت کا اقرار ہے اور میرے کتب خانہ میں احادیث مبارکہ کی کتابیں موجود ہیں، لیکن افسوس کہ ان لوگوں نے میرا خون بہانے کا فتویٰ کیوں دیا، لیکن مفتی صاحبان اس فتویٰ پہ دستخط کرتے رہے اور اس کی تکمیل کے بعد مجلس برخاست ہُوئی اور حلاج کو گرفتار کرکے قید خانہ میں پہنچایا گیا۔ مقتدر کو وزیر نے مفتیوں اور قاضیوں کے فتویٰ سے مطلع کر دیا۔ مقتدر نے کہا اب اس کے متعلق قاضیوں کا اتفاق ہوگیا۔ اس شخص کو سپاہیوں کے سپرد کر دو تاکہ اسے ایک ہزار کوڑے لگائے جائیں۔ اگر اس سے بچ جائے تو پھر اسے ایک ہزار کوڑے اور لگائے جائیں اگر اس سے بچ جائے تو اس کی گردن اُڑا دو۔ یہ حکم سُن کر حلاج کو سپاہی کے سپرد کر دیا مقتدر کے حکم پر کچھ اپنا اضافہ بھی کیا کہ اگر دُوسرے ایک ہزار کوڑوں سے بچ جائے تو اس کے ہاتھ پھر اُس کے پاؤں کاٹے جائیں پھر اس کا سر کاٹا جائے۔ اس کے بعد اُن کے جسم کو جلایا جائے پھر جلاد کو کہا کہ اگر تجھے کوئی

---

[1] یہ ان مخصوص بزرگوں (منصور و بایزید رحمہما اللہ تعالیٰ) کے لئے نہیں بلکہ عام جہانِ صوفیہ کے لئے ہے (اویسی غفرلہ)

دھوکا دے کر کہے کہ حلاج کو چھوڑ دے۔ تجھے فرات و دجلہ کے پانی کے بجائے چاندی سونے سے بھر دیا جائے گا تب بھی کسی کی بات نہ ماننا بلکہ اُس کی سزا پُوری کرنا۔ جلاد نے ایک رات حضرت حلاج کو قید خانہ میں رکھا وہ منگل کی شب تھی۔ ۲۳ ر ذوالحجہ ۳۰۹ھ میں منگل کے دن حضرت حلاج کو قید خانہ سے نکال کر اس کے صدر دروازہ پر لایا گیا تو وہ نہایت ہی فخر و ناز سے بیڑیوں میں چل رہے تھے۔

حضرت حلاج کا تماشا دیکھنے کے لئے بے شمار مخلوق جمع ہُوئی۔ جب حضرت حلاج کو میدان میں لاکر ایک ہزار کوڑا مارا تو انہوں نے اُف تک نہ کی۔ جب حسب ایماء وزیر جلاد کوڑوں سے فارغ ہُوا تو حضرت حلاج کے ہاتھ پاؤں کاٹے۔ اس کے بعد ان کا سر قلم کیا۔ زاں بعد انہیں جلایا گیا تو آپ کی راکھ دریائے دجلہ میں ڈالی گئی اور اُن کا سر بغداد کے صدر دروازہ پر لٹکایا گیا لیکن بعض مریدین کا دعویٰ ہے کہ آپ کو قتل نہیں کیا گیا بلکہ آپ جیسی شکل کی شبیہ تھی جسے آپ کے دشمنوں نے قتل کیا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہُوا (اسی طرح ہونا ممکن بھی ہے اس لئے کہ اولیاء کرام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں)۔

فائدہ : صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس طرح کی تشبیہ وتخیل حکایات مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ میں ان کی سوانحمریاں پڑھنے والوں کو اس طرح کے متعدد واقعات ملتے ہیں۔

مسئلہ : یاد رہے کہ اس طرح کا وقوع جواز ماننا چاہیئے۔ اس پر اعتقاد نہ رکھا جائے۔ یعنی یہ کوئی اعتقادی مسئلہ نہیں کہ اس کا منکر کافر ہو اور نہ ہی ماننے والوں کو گمراہ کہنا چاہیئے۔

سوال : تم کہتے ہو کہ حلاج ولی اللہ تھا۔ اگر واقعی وہ ولی اللہ تھے تو پھر انہیں آگ نہ جلاتی اور نہ ہی جل کر راکھ ہوتے۔

جواب : یہ کوئی ضروری نہیں کہ اولیائے کرام کے اجسام کو آگ نہ جلائے بلکہ وہ اجسام عوارض و آفات کو قبول کرتے رہتے ہیں۔ جیسے ایوب و یحییٰ علیہما السلام کے متعلق ہم مانتے ہیں کہ وہ انبیاء علیہم السلام تھے اسی طرح دُوسرے انبیاء کا حال ہے۔ مروی ہے کہ اصحاب رس (ایک کنوئیں کا نام ہے) نے اپنی طرف بھیجے ہُوئے پیغمبران عظام علیہم السلام کو شہید کر کے اُن کے گوشت مُبارک بھُون کر کھائے۔ اُنھوں نے نہ صرف اس پر اکتفاء کیا بلکہ اُن کی ہڈیاں اپنے کنوئیں میں لٹکا دیں۔ (کذا قال اہل التفاسیر)

عقیدہ : کبھی خرق عادت کے طور بوجہ اظہار کرامت بعض انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے اجساد مبارکہ آگ سے محفوظ رہے یا انہیں شہید کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا۔ **عقیدہ** : مزارات میں انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السّلام کے اجساد ظاہرہ کو مٹی نہیں کھاتی۔ یعنی اُن کے اجساد ظاہرہ مزارات میں محفوظ و مصئون ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

﴿ وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا ﴾، اور جب تم اِن لوگوں کو دیکھو کہ وہ ہماری آیات میں غور و خوض کرنے لگتے ہیں۔

(ف) اِذَا جواب یعنی فَاَعْرِضْ کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ خطاب حضور علیہ السّلام اور آپ کی امت کو ہے وَ یَخُوْضُ بمعنی مُطلقًا کسی شئی میں شروع ہونا پھر اکثر شئے باطل اور آیات قرآنی میں شروع ہونے پر مستعمل ہوتا ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم دیکھو کہ قرآن پاک میں تکذیب اور استہزا اور طعن و تشنیع میں شروع ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ قریش مکہ (کافروں) کا طریقہ تھا۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ،، پس اُن سے اعراض کیجئے۔ یعنی اُن کے ساتھ بیٹھنا اُٹھنا چھوڑ دیجئے اگر ساتھ بیٹھے ہیں تو اُن سے اُٹھ جائیے۔ جبکہ وہ آیات قرآن میں استہزاء و تکذیب اور طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ یہاں تک کہ وہ شروع ہو جائیں۔ قرآنی آیات کے غیر میں یعنی تمہارا اُن سے علیحدگی اختیار کرنے کی حد وہاں ختم ہے۔ جب وہ قرآنی آیات سے استہزاء وغیرہ چھوڑ کر دوسری عام باتیں شروع کر دیں۔

فائدہ : غیر کی ضمیر آیات کی طرف لوٹتی ہے۔

سوال : آیات جمع اور مؤنث ہے اور ہٖ ضمیر واحد مذکر۔

جواب : آیات بمعنی حدیث یا قرآن ہے۔

وَاِمَّا ،، یہ دراصل وَاِنْ مَا تھا۔ ان شرطیہ کو مَا زائدہ میں اِدغام کیا گیا ہے یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ ،، اور اگر تمہیں شیطان یہ حکم بھلا دے کہ یہ آیاتِ قرآنی سے وہ استہزاء کرتے رہے اور تم اُن کی مجلس میں بیٹھے رہے، حالانکہ وہاں سے اُٹھ جانے کا حکم تھا۔ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى تو اب یاد آ جانے پر اُن کے ساتھ نہ بیٹھئے۔ (الذِّکْرٰی) مصدر بمعنی ذکر ہے۔

(قاعدہ) کلام عرب میں فِعلٰی کے وزن پر مصدر صرف یہی الذکرٰی ہے۔ اُس کے سوا اِس وزن پر اور کوئی مصدر نہیں۔ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ ظالم قوم کے ساتھ یعنی وہ جنہوں نے قرآنی آیات کی تصدیق و تعظیم کے بجائے اُن کی تکذیب و استہزاء کیا تو اب اُن کے ساتھ نہ بیٹھیں۔

ازالہ وہم اور ردّ وہابیہ وغیرہ : یہاں کوئی خیال نہ کرے کہ معاذ اللہ شیطان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلا دیتا ہو گا اس لئے کہ یہاں محض احتمال بیان کیا گیا ہے اور وہ بھی حرفِ شرط سے اور جو امر حرف شرط سے بیان کیا جائے اس سے وقوع لازم نہیں آتا۔ اگرچہ بعض عُلماء نے انبیاء علیہم السّلام کے لئے سہو و نسیان کا جواز مانا ہے[1]

[1] اس کی تحقیق فقیر کے رسالہ "التبیان فی السہو والنسیان" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

فائدہ : یہاں الشیطان سے ابلیس اور اس کی جماعت کے بڑے بڑے شیطان مراد ہیں اس لئے کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ جو شیطان تخلیق کیا گیا وہ تو مسلمان ہوگیا وہ آپ کو صرف خیر کا القاء کرتا تھا بخلاف اُمت کے کہ ان کا شیطان انہیں بُرائی کا القاء کرتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آدم علیہ السلام پر دو وجہوں سے افضل ہوں۔

(۱) میرا شیطان کافر تھا اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ مُسلمان ہوگیا۔

(۲) میری ازواج (مطہرات) دینی اُموریں میری معاون رہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے شیطان اور آپ کی زوجہ نے آپ کو خطا (ظاہری) پر اکسایا

ربط : اہلِ اسلام پر گراں ہوتا تھا جبکہ انہیں مسجد حرام میں بھی جانا ہوتا۔ وہاں طواف بھی کرنا ہوتا اور وہاں پر کفار کا کام بھی یہی تھا کہ وہ قرآن کی آیات کی تکذیب اور اُن سے استہزاء اور اُن پر طعن و تشنیع کرتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے گرانیٔ طبع کے پیشِ نظر اُن کو اجازت بخشی کہ وہ بیت حرام وغیرہ میں بطور وعظ و نصیحت کے اُن کے ساتھ بیٹھ اُٹھ سکتے ہیں۔

وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۔۔ اور متقیوں پر ان کا کوئی حساب نہیں

(ف) : حِسَابِهِمْ کی هم ضمیر خائضین کی طرف لوٹتی ہے اور مِنْ شَيْءٍ میں مِنْ زائدہ ہے اور مِنْ شَيْءٍ محلاً مرفوع اور مبتدا اور اس کی خبر عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مقدم ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا جو مؤمن خائضین کے قبیح اعمال و اقوال سے بچتے ہیں ان پر ان کے جرائم و معاصی کے متعلق کسی قسم کا حساب وغیرہ نہیں۔

وَلٰكِنْ ذِكْرٰى ۔۔ لیکن ان مومنین پر لازم ہے کہ وہ اِن کافروں کو نصیحت کریں اور انہیں اپنی وُسعت کے مطابق سمجھائیں کہ قرآنی آیات پر طعن و تشنیع اور تکذیب نہ کریں بلکہ ان کے سامنے ایسی بُرائیوں پر کراہت کا اظہار کریں۔ ذِکْرٰی مفعول مطلق اور اس کی واو عاطفہ اور لکن استدراکیہ ہے۔ اس سے معترض کا اعتراض دفع ہوگیا کہ واو اور لکن ہر دونوں حروف عاطفہ ہیں اور دونوں کا اجتماع مکروہ سمجھا جاتا ہے اور قران مجید کی اس آیت میں یہ اجتماع کیوں۔ ہم نے اُوپر عرض کر دیا کہ لکن عاطفہ نہیں بلکہ استدراکیہ ہے۔

سوال : ایسی نظیر قائم کرو جہاں دو حروف کے اجتماع سے تاویل کر کے خرابی لازم نہ آتی

جواب : قرآن مجید کے علاوہ احادیث مبارکہ اور شعرائے عرب کے فُصحاء کے کلام میں لفظ

پر لام داخل ہوتی ہے وہ دونوں حروف ہیں سوف استقبالیہ ہے اور لام حالیہ اور ان کا اجتماع عند النحاۃ مکروہ ہے، لیکن سب کا اتفاق ہے کہ یہ لام حالیہ نہیں بلکہ صرف تاکیدیہ ہے لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ تاکہ وہ کفار قرآنی آیات کی تکذیب اور استہزاء وغیرہ سے بچ جائیں۔ تمہارے حیاء سے یا اس خطرہ سے کہ کہیں اہلِ اسلام بُرا نہ مانیں۔ وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا، اَلَّذِیْنَ الخ سے وہی کفار مراد ہیں جو قرآنی آیات سے استہزاء وغیرہ کرتے اور دِیْنَهُمْ سے دینِ اسلام مُراد ہے اس لئے کہ اس کے لئے انہیں مکلف بنایا گیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر اس کے احکام پر عمل کرنے کے مامور ہوئے اِتَّخَذُوْا لَعِبًا وَّلَهْوًا سے مراد یہ ہے کہ وہ دینِ اسلام سے مذاق اور ٹھٹھہ مخول کرتے رہتے تھے۔ لعب اس عمل کو کہتے ہیں جو نفس کو مفید امور سے پھیر دے اور لھوا ایسا عمل جو نفس کو صحیح امر سے بیکار باتوں میں لگا دے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں چھوڑئیے جنہوں نے دینِ اسلام کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اور انہیں حیٰوۃ دُنیا نے دھوکے میں رکھا ہے اور اُن کے نقش و نگار سے مطمئن ہیں یہاں تک کہ اب انہیں یقین ہے کہ اس کے بعد اور کوئی زندگی نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اُن سے بے پرواہ ہوجایئے اُن کے معاشرے اور ان کے میل جول سے یکلخت دُوری اختیار فرمایئے اُن کی تکذیب یا قرآنی آیات سے استہزاء کو خیال میں نہ لایئے اور نہ ہی ان کی طرف توجہ فرمائیں اس سے یہ وہم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کو تبلیغ سے بھی روک رہا ہے اس لئے کہ اس کے بعد فرمایا وَذَكِّرْ بِهٖ اور جسے آپ نصیحت و وعظ کا اہل سمجھتے ہیں۔ آپ اُسے قرآن مجید کے متعلق نصیحت فرمایئے تُبْسَلَ نَفْسٌ تاکہ کوئی ہلاکت یا رُسوائی کی طرف نہ دھکیلا جائے۔

بِمَا كَسَبَتْ ،، اعمالِ قبیحہ کی وجہ سے۔

فائدہ : بَسْل وَاِبْسَال دراصل منع (روکنے) کو کہتے ہیں۔ اس وجہ سے اسے ہلاکت و بربادی کی طرف دھکیلنے کے لئے استعمال کیا جانا جائز سمجھا گیا ہے، کیونکہ ہلاکت و بربادی کی طرف دھکیلنا منع (روکنے) کے معنیٰ کو مستلزم ہے۔ اس لئے کہ جب کوئی ہلاکت و تباہی کی طرف دھکیلا گیا تو مسلّم الیہ یعنی ہلاکت نے مسلّم یعنی دھکیلنے والے کو تباہی و ہلاکت سے روکا اور دھکیلے ہوئے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

(ف) تفسیر کاشفی نے فارسی میں اس کا یُوں ترجمہ کیا کہ تا تسلیم کردہ نہ شود بہلاک یا رُسوا نکردہ شود نفس ہر کافرے بسبب آنچہ کردہ است از بدیہا، یعنی تاکہ ہر کافر کا نفس برائیوں کی وجہ سے ہلاکت کی طرف دھکیلا نہ جائے اور ان کو رسوائی نہ ہو۔

فَلَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللهِ وَلِيٌّ وَّ وَلَا شَفِيْعٌ ،، نہ اِس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سفارشی ہوگا اور نہ کوئی حمائتی ۔

(ف) یہ جُملہ مستانفہ ہے۔ قیامت میں اُن کے حالات کی خبر دینے کے لئے لایا گیا ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نفس کا حال ہے اس معنی پر نفس سے کافر مُراد ہے یا اُسے نفوس کثیرہ کے معنے سے تعبیر کر کے اس کے لئے مؤنث کی ضمیر لائی گئی ہے ۔ جیسے عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا الخ میں ہے۔

(ف) مِنْ دُوْنِ اللهِ ،، سے مُراد یہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سوا اس نفس کا کوئی حمائتی نہیں ہوگا جو اس سے جہنم کا عذاب ہٹا سکے ۔

وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ ،، اور اگرچہ وہ نفس بہت بڑا فدیہ بھی پیش کرے گا۔ مثلاً جہنم کے عذاب سے نجات پانے کے لئے زمین کی تمام دُنیا و دولت فدیہ کے طور دے تب بھی اسے جہنم سے نجات نصیب نہ ہوگی ۔ لَا يُؤْخَذْ مِنْهَا ،، اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

(ف) كُلَّ عَدْلٍ ،، مفعول مطلق کی بنا پر منصوب ہے۔اس معنی پر اب عدل اس مال و دولت کا نام نہ ہوگا جو لبطور فدیہ کے دیا جاتا ہے بلکہ مصدری معنے میں ہوگا۔

سوال : اخذ کا استعمال اعیان پر ہوتا ہے نہ معانی پر لیکن یہاں پر اس کا استعمال معانی پر ہو رہا ہے۔

جواب : امام رازی نے فرمایا اسے اکثر اعیان میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن کبھی بمعنے قبول کے بھی آتا ہے ۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیت ویاخذ الصدقات میں یاخذ بمعنی یقبل ہے۔جب یوخذ بمعنی یقبل اس آیت میں مانا گیا تو اس کے مصدر کی طرف اسناد ماننا بلاخوف وخطر جائز ہے۔خلاصہ یہ کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ کافر کے چھٹکارے کے لئے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور اُس کی کسی طرح بھی نجات نہیں ہو سکے گی۔

سبق : جب یہ حال ہے تو اس بیوقوف پر تعجب ہے کہ گناہ کرتے وقت خوف سے لرزتا کیوں نہیں۔ اُولٰئِكَ ،، اس سے وہ لوگ مُراد ہیں جو دین سے ٹھٹھہ مخول کرتے اور دنیاوی اسباب میں بہت زیادہ منہمک ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا ،، وہ لوگ کہ جنہوں نے اپنے آپ کو عذاب میں دھکیل دیا۔

بِمَا كَسَبُوْا ،، بوجہ اُن کے اعمالِ قبیحہ اور عقائد فاسدہ کے ۔

(ف) فارسی تفسیر میں ہے ۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو عذاب کے فرشتوں کے سپرد کر دیا بوجہ ان اعمال قبیحہ کے جو اُن سے سرزد ہوئے ۔

(ف) تفسیر ابو السعود میں ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے قبیح اعمال کا ارتکاب کیا۔اس سے معلوم

ہُوا کہ بِمَا کَسَبُوْا میں باء بمعنے اِلٰی ہے جیسے مررت بزید میں باعتبار مفہوم کے باء بمعنے اِلٰی ہے لَهُمْ شَرَابٌ ، یہ سوال مقدر کا جواب ہے ۔ سوال یہ ہے کہ جب انہیں عذاب کے لئے دھکیلا جائے گا پھر اُن کے ساتھ کیا ہوگا تو اس کے جواب میں فرمایا لَهُمْ شَرَابٌ ۔ ان کے لئے پینے کا پانی ایسا ہوگا کہ مِنْ حَمِیْمٍ سخت گرم کہ جس کے پیتے ہی پیٹ میں گڑبڑ شروع ہو جائے اور اُس کی سخت گرمی سے آنتیں کٹ جائیں۔ وَعَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ اور عذاب دردناک ایسی آگ سے جو اُن کے اجسام کو جُھلس دے بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ۝ بسبب اُن کے کفر کے کہ جس میں وہ عالم دُنیا میں دائمی طور مُبتلا رہے۔

مسئلہ : قرآنی آیات کی تکذیب اور اُن سے استہزاء کُفر ہے اور کفر کا انجام عذاب دردناک۔

مسئلہ : معاصی پر اصرار بھی بسا اوقات کفر پر خاتمہ کا سبب بن جاتا ہے (العیاذ باللہ)

حکایت پُر اسرار

: حضرت ابو اسحاق فزازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ہمارے ہاں نشست و برخاست رکھتا تھا لیکن وہ اپنے آدھے چہرے کا حصہ ڈھانپے رکھتا تھا۔ میں نے اُس سے کہا کہ ہمارے ہاں تیری نشست و برخاست بہت زیادہ ہے لیکن تا حال تیرے اس راز سے بےخبری ہے کہ تو اپنے چہرے کے آدھے حصے کو کیوں ڈھانپے رکھتا ہے۔ اُس نے عرض کی کہ اگر آپ وعدہ فرمائیں کہ واقعہ سُننے کے بعد ناراض نہیں ہوں گے تو تفصیل عرض کروں۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تو کہنے لگا کہ میں چوٹی کا بناش (قبر کھود کر میت کا کفن چُرانے والا) تھا۔ ایک دفعہ ایک عورت مدفون ہُوئی تو میں نے حسبِ عادت اُس کی قبر کھودی اور اُس کے کفن اُتارنے شروع کر دیئے پہلے اُس کی باہر والی چادر کھینچی پھر اندر والی کفنی، لیکن میں نے جونہی اُس کی کفنی کو اُتارنا چاہا تو اُس نے ایک جھٹکے سے کفنی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ میں نے کہا میت ہو کر مجھ پر غالب ہو رہی ہے۔ میں نے کچھ ہوشیار ہو کر کفنی کھینچی تو اُس نے زور سے میرے چہرے پر طمانچہ مارا (چہرے سے کپڑا ہٹایا تو میں نے اس کے چہرے پر پانچ انگلیوں کے طمانچے نشان دیکھے) اس کے بعد میں نے اس کی کفنی چھوڑ دی اور چادر باہر والی جو پہلے کھینچ چکا تھا وہ بھی اس پر واپس ڈال دی اور اس کی قبر پر مٹی ڈال دی۔ اس وقت میں نے توبہ کی کہ آئندہ تادمِ زیست کسی کی قبر کی چوری نہیں کروں گا۔

حضرت فزاری فرماتے ہیں میں نے یہ ماجرا حضرت اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو لکھا۔ انہوں نے جواب لکھا کہ اس سے پوچھو کہ بتاؤ کہ قبر میں اہلسنت کے چہرے قبلہ رُخ تھے یا اس سے پھرے ہُوئے نظر آئے اُس نے جواب دیا کہ بعض کے چہرے قبلہ رُخ ہوتے اور بعض کے پھرے ہُوئے۔ حضرت اوزاعی نے یہ سُن کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا۔

(ف) سُنت سے یہاں اُن کی دینِ اسلام مُراد تھی جن کے چہرے قبلہ سے پھر چکے تھے۔ معاذ اللہ! اُن کے خاتمے ایمان پر نہ ہُوئے تھے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و مغفرت اور اُس کی رضامندی چاہتے ہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ہے یارب از ابر ہدایت برساں بارانے ؀ پیشتر ازانکہ چوں گر دی زمیاں برخیزم ؎

تفسیر صوفیانہ : آیات میں اشارہ ہے کہ طالب راہ حق کے لئے نہایت نامناسب ہے کہ وہ احوال عوام میں توجہ رکھنے والے لوگوں سے نشست و برخاست رکھے۔ اس لئے کہ اُن کے ساتھ صحبت رکھنے سے سنگار و آرائش کے اور کوئی خیالات نہیں رہیں گے کیونکہ وہ انہیں خیالات میں مبتلا ہوتے ہیں اور طبیعت کو طبیعت سے میلان ہوتا ہے اور اُس کی نقل اُتارنے کی خوگر ہوتی ہے ؎

(۱) نفس از ہم نفس بگیرد خوئے ؀ بر حذر باش از لقائے خبیث

(۲) باد چو بر فضا بد بگذرد ؀ بوئے بد گیرد از ہوائے خبیث

ترجمہ (۱) نفس نفس سے عادت حاصل کرتا ہے فلہذا خبیث آدمی کی ملاقات سے پُرحذر ہو (۲) جب ہوا گندی فضا سے گزرتی ہے تو گندی فضا کی وجہ سے اس سے بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔

سبق : اس سے ثابت ہوا کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا ضروری اور لازمی ہے اور بزرگوں کے ملفوظات سے نصیحت حاصل کرنا واجب۔

حکایت : حضرت عبداللہ بن الاحنف نے فرمایا کہ میں نے مصر سے رملہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں جاکر رودبادی قدس سرہ (ولی اللہ) کی زیارت کروں۔ مجھے راستہ میں حضرت عیسیٰ بن یُونس مصری ملے اور فرمایا میں تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ تم رملہ کے بجائے صور میں جاؤ۔ وہاں دو بزرگ (ایک بوڑھا دوسرا نوجوان) حالت مراقبہ میں بیٹھے ہیں اگر تجھے اُن کی زیارت نصیب ہوگئی تو سمجھو باقی زندگی سُدھر گئی۔

حضرت ابن الاحنف فرماتے ہیں کہ میں عیسیٰ بن یونس کا مشورہ قبول کر کے صور میں چلا گیا۔ واقعی وہاں دو بزرگ (ایک بوڑھا اور دوسرا نوجوان) قبلہ رخ مراقبہ میں بیٹھے تھے باوجودیکہ میں بھوکا اور پیاسا تھا اور دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی کپڑا وغیرہ بھی نہیں تھا، لیکن اُن کی زیارت کرتے ہی تمام بھوک پیاس دور ہوگئی اور سُورج کی گرمی بھی ٹھنڈک سے بدل گئی۔ اُن کی خدمت میں پہنچ کر السلام علیکم عرض کیا لیکن اُنھوں نے میرے سلام کا جواب نہ دیا اور نہ ہی میرے ساتھ کلام کیا۔ میں جتنی باتیں کرتا رہا وہ خاموش رہے۔ میں نے عرض کی تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم میرے ساتھ کوئی بات تو کرو۔ میرے قسم دینے پر بوڑھے بزرگ

نے مراقبہ سے سر اُٹھایا اور فرمایا اے ابن الاحنف تجھے کاروبار کی مشغولی
فراغت ہی نہیں یہ ہمارے ساتھ باتیں کیا کرو گے۔ یہ کہہ کر پھر وہ مراقبہ میں چلے گئے۔ میں وہاں بیٹھا رہا
یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہوگیا۔ میں نے ظہر پھر عصر بھی اُن کے ساتھ پڑھی۔ لیکن اُن کی برکت سے میری بھوک
پیاس ختم ہی ہو گئی۔ میں نے پھر اس نوجوان سے عرض کی آپ ہی مجھے کوئی نصیحت فرمائیں جس سے
نفع پاؤں۔ اُس نے فرمایا میں اہل مصیبت ہوں۔ ہم کسی کو نصیحت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح میں اُن کے
ساتھ شب و روز ٹھہرا۔ میں نے دل میں سوچا کہ انہیں عرض کروں کہ وہ مجھے نصیحت و صیت فرمائیں تاکہ
زندگی بھر اس پر عمل کروں میرے اس وسوسہ پر وہ نوجوان مطلع ہوا اور فرمایا تمہیں چاہیے کہ ایسے لوگوں
کی صحبت اختیار کرو کہ جن کی صحبت سے خُدا تعالیٰ یاد رہے اور اُن کی نگاہ سے تمہارا کام بن جائے اور وہ
نصیحت کریں تو عملی طور پر نہ صرف زبانی یہ کہہ کر وہ دونوں میری آنکھوں سے اُوجھل ہو گئے۔ گویا میں لسانِ
حال سے کہہ رہا تھا ؎

شدوا المطایا قبیل الصبح وارتحلوا — وخلفونی علے الاطلال ابکیھا

وہ صبح سے پہلے اپنی سواریوں کو لے کر چلے گئے اور مجھے ریت کے ٹیلوں پر چھوڑ گئے۔ اُن کی یاد میں
میں ہر وقت روتا رہتا ہوں۔

سبق : نصیحت کہنا سُننا تو آسان ہے لیکن اُسے قبول کر کے عمل کرنا سخت مشکل ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کی عنایت اسے کھینچ کر
کسی ناصح کے دروازے پر لے جاتی ہے جو اُسے ظاہری و باطنی نصیحت سے نوازتا ہے اور اُس کی نصیحت
نور سے وہ بندہ ہدایت پاکر اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچنے کی منازل طے کر لیتا ہے۔ یعنی نفس کی نشیب گھاٹیوں
سے نکل کر رُوح کی بلندیوں پر پرواز کر جاتا ہے جس سے اسے وقار و اطمینان نصیب ہوتا ہے اور یہی اس
کی ترقی اور بلندی ہے یہی آیات نفس کی بیماریاں اور اُن کے علاج بتاتی ہیں (اللہ تعالیٰ ہمیں نفس کی
اصلاح پر فتح و نصرت نصیب فرمائے۔ آمین!

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا
تم فرماؤ کیا ہم اللہ کے سوا اس کو پوجیں جو ہمارا نہ بھلا کرے اور نہ برا
وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ
اور الٹے پاؤں پلٹا دیے جائیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں راہ دکھائی اس کی طرح جسے شیطان نے
فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ
زمین میں راہ بھلا دی حیران ہے اس کے رفیق اسے راہ کی طرف بلا رہے ہیں کہ ادھر آ تم فرماؤ کہ اللہ ہی کی ہدایت
هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ
ہدایت ہے اور ہمیں حکم ہے کہ ہم اس کے لیے گردن رکھ دیں جو رب ہے سارے جہان کا اور یہ کہ نماز قائم رکھو اور اس سے
الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ
ڈرو اور وہی ہے جس کی طرف تمہیں اٹھنا ہے اور وہی ہے جس نے آسمان اور زمین ٹھیک بنائے
وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ
اور جس دن فنا ہوئی ہر چیز کو کہے گا ہو جا وہ فوراً ہو جائیگی اس کی بات سچی ہے اور اسی کی سلطنت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿٧٣﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ
ہر چھپے اور ظاہر کا جاننے والا اور وہی ہے حکمت والا خبردار اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر
اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِىْٓ
سے کہا کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں اور اسی طرح ہم ابراہیم
اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَنَّ
کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے پھر جب ان پر
عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا
رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا بولے مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے
رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ
پھر جب چاند چمکتا دیکھا بولے اسے میرا رب بتاتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہیں
مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ
گمراہوں میں ہوتا پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا بولے اسے میرا رب کہتے ہو یہ تو ان سب سے بڑا ہے پھر

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٨﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ

جب وہ ڈوب گیا کہا اے قوم میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان

وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٧٩﴾ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي

اور زمین بنائے ایک اسی کا ہوکر اور میں مشرکوں میں نہیں اور ان کی قوم ان سے جھگڑنے لگی کہا کیا اللہ کے بارے میں مجھ

اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ

سے جھگڑتے ہو تو وہ مجھے راہ بتا چکا اور مجھے ان کا ڈر نہیں جنہیں تم شریک بتاتے ہو ہاں جو میرا ہی رب کوئی بات چاہے میرے رب

كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ

کا علم ہر چیز کو محیط ہے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے اور میں تمہارے شریکوں سے کیونکر ڈروں اور تم نہیں ڈرتے کہ تم نے

اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ

اللہ کا شریک اس کو ٹھہرایا جس کی تم پر اس نے کوئی سند نہ اتاری تو دونوں گروہوں میں امان کا زیادہ سزاوار کون

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨١﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ

ہے اگر تم جانتے ہو وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں کے لیے

الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٨٢﴾

امان ہے اور وہی راہ پر ہیں

تفسیر عالمانہ

: قُلْ اَنَدْعُوْا ،، فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم عبادت کریں۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ،، اللہ تعالیٰ کی عبادت سے متجاوز ہوکر مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا ،، ان کی جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکیں نہ نقصان یعنی جب ہم اُن کی عبادت کریں تو وہ ہمارے نفع کی قُدرت نہ رکھیں۔ اگر ہم ترک کریں تو وہ ہمیں نقصان نہ پہنچائیں (اُن سے اصنام باطلہ مُراد ہیں) اور بہت بڑی قدرت والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا ،، اور اپنے گنڈوں کی طرف لوٹائے جائیں۔ اعقاب عقب کی جمع ہے قدم کے پچھلے حصّے کو کہا جاتا ہے یعنی اگر ہم غیر اللہ کی عبادت کریں تو ہم اسلام سے ہٹ کر گمراہی کی طرف لوٹ

جائیں گے۔ بَعۡدَ اِذۡ هَدٰنَا اللّٰهُ ،، بعد ازاں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ہدایت بخشی اور ہمیں شرک سے بچایا۔ كَالَّذِى اسۡتَهۡوَتۡهُ الشَّيٰطِيۡنُ ،، نُرَدُّ کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی کیا ہم لوٹائے جائیں اپنے گنڈوں کی طرف درانحالیکہ ہماری مشابہت اس سے ہوگی جسے سرکش جنات حیرانی وسراسیمگی کی طرف لے جاکر گمراہ کرڈالیں۔ فِى الۡاَرۡضِ ،، یہ اِسۡتَهۡوَتۡهُ کے متعلق ہے۔ حَيۡرَانَ ،، اِسۡتَهۡوَتۡهُ کی ہ ضمیر سے حال ہے۔ حیران صفت مشبہ ہے۔ اس کی مؤنث حیریٰ آتی ہے اور گردان حَارَ يَحَارُ حَيۡرَةً ہوتی ہے۔ حیران بمعنے متحیر اور سیدھے راہ سے ہٹا ہوا لَهٗۤ اَصۡحٰبٌ ،، یہ حیران کی صفت ہے یعنی اس بھٹکے ہوئے آدمی کے اور ساتھی ہوں۔ يَّدۡعُوۡنَهٗۤ اِلَى الۡهُدَى ،، جو اسے سیدھے راہ کی طرف بلائیں۔ طریق مستقیم سیدھے راستے کو ہدی سے تعبیر کرنا مبالغہ کے طور پر ہے۔ جیسے عموماً مصادر کو مفاعیل کے معانی میں لایا جاتا ہے کہ وہ ایسا سیدھا ہے کہ گویا وہ راستہ کا عین ہے۔ ائۡتِنَا ،، يَدۡعُوۡنَهٗ سے بدل ہے بارادہ يَقُوۡلُوۡنَ یعنی اسے کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں آجا۔

ف : اللہ تعالیٰ نے مشرک اور عابد اصنام (جو حق و باطل کے امتیاز کے باوجود اصنام پرستی کرتا ہے) کی ایسے شخص سے تشبیہ دی ہے جو تین اوصاف سے موصوف ہو :۔

(۱) سرکش جنوں کے پھندے میں پھنس کر جنگلوں ویرانوں میں حیران و سرگرداں پھرنے والا۔

(۲) سیدھے راہ سے ہٹ کر ہر جگہ بھٹکنے والا کہ جسے علم تک نہ ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے

(۳) اس کے اور ساتھی ہوں جو اسے کہیں کہ ہماری طرف آجا تو ویرانوں میں پھر رہا ہے اور سیدھے راہ سے بھٹک گیا ہے لیکن وہ نہ انہیں جواب دے سکے اور نہ ہی وہ شیاطین اور جنات کو چھوڑ سکے۔

فائدہ : جن اجسام لطیفہ[1] کا نام ہے جو مختلف اشکال میں متبدل ہو سکتے ہیں اور وہ یہ بھی قدرت رکھتے ہیں کہ اجسام متخلخلہ میں ہوا کی طرح گھس جائیں۔ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ ،، فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ تعالیٰ کی وہ ھدایت جو اس نے ہمیں عطا فرمائی ہے یعنی اسلام هُوَ الۡهُدٰى ،، صرف ہدایت وہی ہے اس کے ماسوا ضلالت محض اور غوایت خالص ہے وَ اور فرمائیے اُمِرۡنَا لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ہم مامور ہیں کہ ہم صرف ربّ العالمین

---

[1] جن کی تعریف ہٰذا پر تمام اقوام کو تقریباً اتفاق ہے لیکن تعجب دیوبندیوں و وہابیوں پر ہے کہ مدعیان اسلام ہو کر جنات کے ان کوائف پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن انبیاء و اولیاء کے لئے لطافت کے ماتحت اس طرح مانا جائے تو ان کے نزدیک شرک ہے۔ اویسی غفرلہ

کرائیں۔ لِنُسْلِمَ کی لام بمعنی باء ہے۔ مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں امرتك لتفعل وان تفعل وبان تفعل ،، ان تمام محاوروں کا ایک مطلب ہوگا ۞ وَ اَنْ اور یہ کہ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ نماز قائم کرو اور اللہ سے ڈرو۔

فائدہ : اسلام رئیس الطاعات اور نماز اجسام سے متعلقات عبادت کی سردار عبادت ہے اور تقویٰ ان عبادات کا سردار جس میں معاصی کے ترک کرنے اور غیر مستحسنہ امور سے احتراز کرنے کا حکم ہے ۞۷۲ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ،، اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائی۔ یعنی علوی اور سفلی عوالم اور جو اُن کے اندر ہے سب اُسی کا پیدا کردہ ہے بِالْحَقِّ ،، خلق کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ حق سے قائم ہے۔ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ ،، اور اُس دن فرمائے گا کہ ہو جا تو ہو جائے گا۔ اور اُس کا قول حق ہے یوم قولہ الحق کا ظرف ہے اور معنی کے اعتبار سے قول الحق پر داخل ہے۔ اب معنی یوں ہُوا کہ اس کا امر ان تمام اشیاء سے کہ جن کے پیدا کرنے کے لئے اس کا ارادہ متعلق ہوتا ہے حق ہے نہ اُن کے افراد احیان سے پہلے نہ بعد کو اور حق بایں معنی ہے کہ جن کی حقانیت مشہود لہ اور معروف ہے۔ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ،، اور اسی کا ملک ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا یعنی نفخ صور کے بعد صرف اسی کا ملک ہوگا۔ کسی دوسرے کا اگرچہ مجازاً کسی طرح کا ملک منسوب نہ ہوگا۔ جیسے دُنیا میں بطور مجاز غیر اللہ کی طرف ملک منسوب ہوتے تھے۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ غیب و شہادت کا عالم ہے۔ یعنی جو ہم سے پوشیدہ ہیں یا جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں اُن سب کا وہی عالم ہے وَهُوَ الْحَكِيْمُ ،، اور وہ جو کچھ کرتا ہے۔ اس کی حکمتوں کو جانتا ہے الْخَبِيْرُ تمام جلی و خفی امور سے باخبر ہے۔

صُورِ اسرافیل کا بیان : حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے فارغ ہُوا تو صور پیدا کر کے اسرفیل علیہ السلام کو دے دیا اور وہ صور کو منہ میں رکھ کر اپنی آنکھ عرشِ مُعلیٰ پر لگائے ہُوئے ہیں کہ کب انہیں صور کے پھونکنے کا حکم ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صُور کیا شئے ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ایک سینگ ہے پھر میں نے عرض کی وہ کس طرح ہے آپ نے فرمایا۔ وہ بہت بڑا ہے مجھے اُس ذات کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ چودہ طبق (آسمانوں اور زمینوں) کو گھیرے ہُوئے ہے اور اس کے دائرہ میں ارواح مخلوق کے برابر سوراخ ہیں۔

(ف) منقول ہے کہ نفخ تین ہیں :۔ (۱) نفخ فزع کہ جب اُسے لوگ سُنیں گے تو انہیں یقین ہو جائیگا

کہ اب وہ یقیناً مرجائیں گے۔ اس نفخ کے بعد تمام مخلوق فنا ہوجائے گی۔ دُنیا کی کوئی شئی بھی باقی نہ رہے گی
اُس کے بعد اُنہیں گھبراہٹ گھیرلے گی اور وہ نفخ حساب وکتاب کرنے کے لیئے ہوگا۔
(۲) یہ نفخ صعق کا کہلاتا ہے کہ اس سے تمام مخلوق مرجائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا سب کو فنا ہے
كَمَا قَالَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔
(۳) اس نفخ سے قبروں سے اُٹھیں گے۔

فائدہ : ایک نفخ سے دوسرے نفخ تک چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ تمام مخلوق کے فنا ہونے کے بعد ہر ایک رُوح صُور سے معلق کی جائے گی۔

فائدہ : مٹی میں عام انسان کی ہر شئے مٹی سے مٹی میں مل جائے گی سوائے ایک ہڈی کے کہ اُسے مٹی نہیں کھاسکے گی اسے عجب الذنب کہاجاتا ہے اس سے تمام مخلوق کو قیامت میں
مرکب کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُسی دن تمام مخلوق کو جمع کرے گا کوئی درندوں کے پیٹوں میں ہوگی اور پانی
کے بحری حیوانات میں یا زمین کے اندر یا جنہیں آگ جلا دے گی یا جنہیں پانی نے غرق کیا ہوگا۔ یا سُورج کی
گرمی سے مٹایا ہوگا یا جنہیں ہوا اڑا کرلے گئی ہوگی، لیکن یہ اُس وقت ہوگا جب عرش سے بارش ہوگی۔ اس پانی
سے سب زندہ ہوں گے۔ اُسے آب حیات کہاجاتا ہے۔ اُس کے بعد چالیس سال آسمان سے پانی برستا رہے گا
یہاں تک کہ بارہ گز پانی سب کے اُوپر چڑھ جائے گا پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا اجسام انگوری کی طرح بڑھنے
شروع ہوجائیں گے۔ جب تم اجسام کی ترکیب مکمل ہوجائے گی باقی اُس کے اندر ارواح داخل کرنے ہوں گے
اس کے بعد سب سے پہلے حملۃ العرش زندہ ہوں گے پھر جبرائیل پھر میکائیل پھر اسرافیل صُور پھونکیں گے
جس سے تمام ارواح اس صور کے سُوراخ سے نکلیں گے جیسے مکھیاں اُڑتی ہیں۔ تمام ارواح سے زمین وآسمان
کے درمیانی خلا بھرجائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہر رُوح کو حکم فرمائے گا کہ ہر ایک اپنے جسم میں داخل ہو۔ پھر وہ رُوح
اپنے اپنے جسم میں داخل ہوگی۔ رُوح پہلے ناک کے سوراخوں سے داخل ہوگی اور تمام جسم میں پھیل جائے گی جیسے
زہر ڈنس کی جگہ سے شروع ہوکر تمام جسم میں سرایت کرجاتی ہے۔ اس کے بعد زمین پھٹے گی۔ سب سے پہلے
حضور علیہ السلام زمین سے تشریف لائیں گے اُس کے بعد آپ کی اُمت۔ اس وقت سب ۳۳ سالہ نوجوان ہوں گے
اس وقت سب کی زبان سُریانی ہوگی۔ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف تیز رفتاری سے بھاگیں گے لیکن یہ
حال مخلص اہلِ ایمان کا ہے اور کافروں کے لیئے یہ دن بہت بڑا سخت ہوگا۔ اُس وقت سب کے سب ننگے
جسم اور ننگے پاؤں ہوں گے۔ ستر سال ایسے ہی رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی طرف توجہ نہیں فرمائے گا۔ تمام
مخلوق اتنا روئے گی کہ آنکھوں کے آنسو ختم ہوجائیں گے تو خون کے آنسو بہائیں گے۔ یہاں تک کہ اُن کی جانیں

دُنیا بھر کے لوگوں اور تمام اہلِ ادیان کو آپ کے فضل وعلم کا معترف بنایا یہاں تک کہ مشرکین بھی آپ کی تعظیم وتکریم بجا لاتے بلکہ وہ ان کی اولاد سے منسوب ہو کر فخر محسوس کرتے تو اللہ تعالیٰ اُن کے مناظرہ کو بیان فرما کر مشرکین عرب پر حجت قائم فرمائی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اہلِ مکہ کو یاد دلائیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اب آزر سے کیا فرمایا اسے زجر وتوبیخ کی۔ اصنام باطلہ کی پرستش سے روکا۔ یہ وہ طریقہ ہے کہ خصم کو سن کر سوائے تسلیم کے اور کوئی چارۂ کار نہ ہو۔

فائدہ : آزَرَ لِاَبِیْهِ کا عطف بیان ہے۔ اس کا نام تارح تھا بفتح الراء وسکون الحاء المہملہ ابراہیم علیہ السلام کے اب کے دو نام تھے۔ جیسے یعقوب علیہ السلام کا دُوسرا نام اسرائیل تھا۔ ایسے ہی آزر کا دُوسرا نام تارح تھا۔ یہ آزر اس کا لقب تھا۔ وہ کوثی کوفہ کے علاقہ کا رہنے والا تھا۔

اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ،، کیا تُو نے بتوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور انکار فرمایا کہ بتوں کی پرستش اچھی نہیں۔ اس میں اُنہوں نے بتوں کی جنس مراد لی نہ کہ کثرت اور واقعہ ایسے ہی تھا کہ اُن کی قوم کے کثیر التعداد لوگ بُت کے پجاری تھے۔

اِنِّیْ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ ،، بے شک میں تجھے اور تیری قوم کے اِن لوگوں کو دیکھتا ہوں جو بتوں کی پرستش میں تیری اتباع کرتے ہیں۔ فِیْ ضَلٰلٍ ،، حق سے بھٹک کر گمراہی میں مُّبِیْنٍ ،، ایسی گمراہی جو واضح ہے جس میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں۔

(ف) اِنِّیْ اَرٰىكَ ،، کی رویت یا بمعنی علم ہے فی ضلال ظرف اس کا مفعول ثانی ہے یا بصری ہے تو فی ضلال کاف ضمیر خطاب سے حال ہے اور جملہ اَتَتَّخِذُ کے انکار وتوبیخ کی تعلیل ہے۔

ازالہ وہم : یہ صحیح ہے کہ بُت پرستی کفر ہے اور آزر کی بُت پرستی پر آیات میں تصریح ہے لیکن اس سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک پر قباحت لازم نہیں آتی جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے نسب میں شرعی نکاح کی حیثیت رہی۔ سفاح (زنا) وغیرہ سے تمام نسب محفوظ رہا۔ اسی طرح ایک دیگر ارشادِ گرامی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو مجھے اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ زمین پر اُتارا پھر مجھے نُوح علیہ السلام کی پُشت میں رکھا میں کشتی نُوح میں بھی جلوہ گر تھا۔ مجھے پھر چند واسطوں سے ابراہیم کی صلب میں رکھا اسی طرح میں اصلاب کریمہ سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا ہوا اپنے ماں

---

[1] یہ جواب بھی صحیح ہے لیکن جمہور اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں بلکہ چچا تھا۔ مزید تحقیق فقیر کی کتاب القول الامور فی تحقیق آزر میں دیکھیے۔ (اویسی غفرلہ)

باپ سے ظاہر ہوا اور وہ دونوں بھی سفاح (زنا) سے محفوظ تھے۔

نورِ محمدی علیٰ صاحبہ السلام کی سیر کا بیان

: مروی ہے کہ جب بی بی حوا علیٰ نبینا وعلیہما السلام نے شیث علیہ السلام کو جنا تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک شیث علیہ السلام کے ہاں منتقل ہوا اور اُن کی پیشانی میں چمکتا ہوا نظر آیا تھا۔ جب وہ نوجوان ہوئے تو آدم علیہ السلام نے اُن سے عہد و پیمان لیا کہ یہ امانت صرف پاک ارحام و اصلاب میں منتقل کریں گے تاکہ یہ امانت پاک اصلاب و ارحام سے منتقل ہوتا ہوا عالم دُنیا کو منور فرمائے۔ چنانچہ وہ نور مبارک ادریس علیہ السلام سے منتقل ہو کر یانش کے پاس جنہیں انوش کہتے تھے پھر اُن سے قینان پھر اُن سے مہلائیل اُن سے یزدان اُن سے خنوخ بروزن ثمود جنہیں ادریس علیہ السلام کہا جاتا ہے ان کا اخنوخ بھی نام تھا۔ پھر اُن سے متوشلخ اُن سے لمک اُن سے نوح علیہ السلام اُن سے سام ابو العرب اُن سے ارفخشذ اُن سے شالخ ان سے عابر بروزن ناصر ان سے عیبر بروزن جعفر اُن سے فالغ انہیں فالغ بھی کہا جاتا۔ اُن سے ارغو انہیں راغو بھی کہا جاتا اُن سے شاروخ ان سے ناحور اُن سے تارح جسے آزر کہا گیا ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام پھر اسماعیل کی طرف۔

ف : اسماعیل کی چند لغات اور ہیں۔ اسمٰعین بالنون (کذا قال النووی) اُن سے قیدار اس سے حمل اس سے بنت اس سے سلامان اس سے یشجب بروزن ینصر اس سے یعرب بروزن ینصر اس سے ہمیسع اس سے یسع اُس سے ادد اس سے ادد کی طرف منتقل ہوئے اس کے بعد کا نسب نامہ مشہور ہے۔ یہاں تک آپ کے نسب نامہ اسماء میں اختلاف ہے۔ اس کے بعد معد پھر نزار پھر مضر پھر الیاس بفتح الہمزہ فی الابتداء والوصل۔ بعض نے کہا بکسر الہمزہ یعنی جو رجاء کی ضد ہے وہی معنے یہاں ہے۔ اس سے مدرکہ اس سے خزیمہ اس سے کنانہ اُس سے نضر اس سے مالک پھر فہر پھر غالب اس سے لوی۔ اس سے کعب۔ یہاں پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب حضور علیہ السلام سے ملتا ہے پھر اس سے مرہ یہاں پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نسب نامہ حضور علیہ السلام سے ملتا ہے اس سے کلاب اُس سے قصی اس سے عبد مناف اس سے ہاشم اُن سے عبد المطلب اُن سے حضرت عبد اللہ کی طرف حضور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک تشریف لایا۔

نکتہ : بعض اہل علم لکھتے ہیں کہ قریش کا بت پرست ہونا ثابت نہیں۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ یعنی اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچانا اور اللہ نے بھی ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً

باقیۃ فی عقبۃ[1]۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ پہلی آیت میں بنیّ سے صلبی اولاد مراد ہے نہ کہ پوتے، پڑپوتے وغیرہ۔ اگرچہ بنیّ سے اولاد و احفاد مراد ہو سکتے ہیں لیکن یہاں پر وہ مراد نہیں کہ حقیقت کے خلاف ہے اور دوسری آیت کا بھی یہی مطلب ہے کہ کلمۂ توحید کو اُن کی اولاد میں باقی رکھنا یہ سلسلہ منقطع نہ ہو جائے اور یہ صحیح ہے کہ ہر دور میں دینی سلسلہ قائم رہا تو وہ اولادِ ابراہیم تھا۔ یہی قول حق اور مبنی بر صواب ہے[3]۔ واللہ اعلم!

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا ہے کہ زندہ کو مُردہ سے پیدا فرمایا: کَمَا قَالَ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ، اس لئے کہ وہ منہمک ہے انکار میں اس لئے کہ اس کا قلب مُردہ ہو چکا تھا اور نسن فی الشہود مضمحل ہوتی ہے قلب کی حیات سے اور اصنام اللہ تعالیٰ کے ماسوا پرستش ہونے والے کو کہا جاتا ہے۔ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ یعنی میں نے ملکوت الاشیاء کو ملاحظہ فرمایا تو میں نے تمہیں اور تیری قوم کو گمراہ پایا (کذافی التاویلات النجمیہ)

اعجوبہ: بلاغات زمخشری میں ہے کہ بہت دو خبیثوں سے ایک اعلیٰ شئے پیدا ہوتی ہے جیسے دودھ، گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہ

(۱) چوں کنعاں را طبیعت بے ہنر بود — پیمبر زادگی قدرش نیفزود
(۲) ہنر بنما اگر داری نہ گوہر — گل از خار است و ابراہیم از آزر[4]

نیز فرمایا: خاکستر اگرچہ نسب عالی دارد کہ اصلش جوہر علویست ولیکن بنفس خود ہنرے ندارد با خاک برابر است قیمت شکر نہ از نے ست کہ خاصیت ولیست[5]

اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان قدیم ہے کہ وہ زندوں کو مُردوں سے پیدا فرماتا ہے۔ اس سے نسب کو کوئی تعلق نہیں۔ کبھی اچھے سے بُرا اور کبھی بُرے سے اچھا پیدا ہوتا ہے۔

---

[1] سورۂ ابراہیم ۱۲ [2] سورۃ زخرف ۱۲۔ [3] مزید تحقیق فقیر کی کتاب اصل الاصول فی ایمان آباء الرسول اور ابوین مصطفیٰ میں دیکھئے۔

[4] (۱) چونکہ کنعان کی طبیعت بے ہنر تھی۔ پیغمبر زادگی نے اس کی قدر و قیمت نہ بڑھائی (۲) ہنر دکھا اگر تیرے ہاں ہے ورنہ گوہر اور موتی کام نہیں آئیں گے۔ دیکھئے گل کانٹے سے اور ابراہیم علیہ السلام آزر سے۔

[5] (ترجمہ نثر) راکھ اگرچہ نسبت کے لحاظ سے بہت بڑی ہے کیونکہ اس کا اصل آگ ہے لیکن چونکہ بے ہنر ہے اسی لئے مٹی کے برابر ہے شکر کی قیمت اسی لئے نہیں کہ گنے سے ہے بلکہ اس کی اپنی ذاتی خاصیت ہے۔

تفسیر عالمانہ وَكَذٰلِكَ نُرِىٓ إِبْرٰهِيمَ ، یہ اشارہ اِس ارائۃ کی طرف ہے جس کو نُری متضمن ہے۔ کوئی دُوسرا نُری مقدر نہیں مانا جائے گا۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے ؛ چنانچہ مزبتہ کذٰلک ، میں لہٰذا المَضرُوب مانا جاتا ہے اور کاف زائدہ ہے جس معنے کو اسم اشارہ ظاہر کرتا ہے یہ اُس کی تاکید کرتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو دکھاتے ہیں مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ، زمینوں اور آسمانوں کے مُلک جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور مالکیت پر دلالت کرتے ہیں اور اُن سے واضح ہوتا ہے کہ سب کا حاکم مطلق وہی ہے اور یہ تمام اشیاء اسی کی ملکیت و تربیت ہیں۔

(ف) اس سے رویت بصری مُراد ہے اور معرفت اور بصیرت کے ساتھ دیکھنے سے استعارہ ہے۔ اب معنے یہ ہوگا کہ ہم نے ملکوت السمٰوٰت والارض کی معرفت عطاء فرمائی اور اُنھوں نے ان امُور کو بصیرت سے دیکھا۔ نُری صیغۂ مُستقبل حکایتِ حال ماضیہ کے لئے ہے۔

سوال : یہ تو ہر مومن مسلم کو معلوم ہے اور ملکوت السمٰوٰت والارض کو بصیرت سے سب جانتے ہیں جیسا کہ بعض انہیں آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ پھر صرف ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص کیسی۔

جواب : اگرچہ تمام اہلِ اسلام ربوبیت کے دلائل کے اصُول کو جانتے ہیں، لیکن اس عالم کی مخلوق کے اجناس و انواع و اشخاص و احوال میں حکمت الٰہی کے آثار صرف اکابر انبیاء علیہم السلام جانتے ہیں۔ اس لئے حضور علیہ السلام اپنی دُعا میں اکثر عرض کرتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ (اے اللہ ہمیں اشیاء کے حقائق دکھا)

تفسیر صُوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے اس عالم میں شئے کا ظاہر ہے جسے جسمانیات سے تعبیر کرتے ہیں اور جسمانیات کو ابعاد ثلاثہ یعنی طُول و عرض و عمق ضروری ہے اور ان میں تحیز ہوتا ہے اور وہ تقسیم کو قبول کرتے اور اُن کے اجزاء کئے جاسکتے ہیں۔ کبھی اُسے دُنیا سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اُسے حس سے قُرب ہے اور کبھی اسے صُورت کہا جاتا ہے اور کبھی اسے شہود سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لئے کہ اسے حس سے مشاہدہ کیا جاتا ہے اور کبھی اسے مُلک سے موسوم کرتے ہیں اس لئے کہ یہ دُوسرے کی ملکیت میں ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر شئے کا باطن ہے جسے رُوحانیت کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ محسوسات سے نہیں اور وہ ابعاد ثلاثہ اور تحیز و تجزّی سے خالی ہے۔ اُسے آخرت سے بھی تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ وہ حس سے مؤخر ہے اور کبھی اسے معنی سے موسوم کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اس میں شکل و صورت نہیں اور کبھی اسے غیب بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ حس سے پوشیدہ ہے اور کبھی اِسے ملکوت بھی کہتے ہیں اِس

لئے کہ عالم ملک (دنیا) کا دارومدار اسی پر ہے اور عالم ملک (دنیا) کی صورت اس کا عکس ہے اس لئے کہ عالم ملک کا قیام ملکوت پر منحصر ہے اور ملکوت کا انحصار قدرت حق تعالیٰ پر ہے۔ کما قال تعالیٰ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ اور فرمایا وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۰ یعنی ہر شئے کا اس اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے یعنی طریق ملکوت سے اور ملکوت سے وہ اولیات مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عدم سے امرکن سے پیدا فرمایا اس لئے کہ اللہ تھا باقی ہر شئی معدوم تھی۔ اس پر آیت اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ،، دلالت کرتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ملکوت کو کسی شئی سے پیدا نہیں فرمایا یعنی ملکوت کو بلا واسطہ پیدا فرمایا اور باقی اشیاء کو کسی واسطہ سے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ملکوت کی تخلیق کو لفظ امر سے اور دوسری اشیاء کو لفظ خلق سے تعبیر فرمایا کما قال اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ،، اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اشیاء کے ملکوت دکھائے اور ساتھ ہی وہ آیات بھی (جو ان میں بطورِ امانت رکھی گئی ہیں) اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔

فائدہ : علمائے کرام ملک و ملکوت میں فرق بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ملک تمام وہ اشیاء جو آنکھ سے دیکھی جا سکتی ہیں اور ملکوت وہ جنہیں بصیرت سے تعلق ہے وہ ارباب عقول پر منکشف نہیں ہوتی بلکہ اصحاب قلوب کو اُن کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ عقل کا ادراک ناقص ہے بخلاف کشف کے کہ وہ صرف اہلِ مجاہدہ کو نصیب ہوتا ہے اس لئے کہ وہ مجاہدہ کے ثمرہ کا نام ہے اور ایسے لوگ ہمارے دور میں بہت کم ہیں۔ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ۰ اور یہ لام محذوف مؤخر سے متعلق ہے اور وہ جملہ معترضہ اور اپنے ماقبل کے مضمون کی تقریر کرتا ہے تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام راسخ الایقان اور عین الیقین کے درجہ تک پہنچنے والوں سے ہوں اور انہیں معرفتِ الٰہی نصیب ہو۔ پھر ہم نے دِکھایا جو ابھی مذکور ہوا اس لئے کہ اتنا بہت بڑے مراتب کا ترتب اس ارادہ پر ہے اور یہ قصر اس لئے نہیں کہ ارادہ کا فائدہ صرف اسی پر منحصر ہے کیونکہ اس آئندہ کے علاوہ اور فوائد بھی ہیں مثلاً خلق اور الزام المشرکین بلکہ اس بیان کے لئے ہے وہ اصل اصیل ہے اور باقی امور اس کے مفروع۔

۵ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ ،، پس جب ابراہیم علیہ السلام کو رات کی تاریکی نے ڈھانپا۔ رَاٰ کَوْکَبًا ج تو اُنھوں نے ستارہ دیکھا یہ لَمَّا کا جواب ہے۔ اس لئے کہ ستارے کا دیکھنا اُس وقت متحقق ہو سکتا ہے جب سورج کی روشنی زائل ہو جائے یعنی سورج کے غروب کے بعد۔

(ف) : اِس سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا ستارے کو دیکھنا اُس کے طلوع کی ابتداء میں نہ تھا بلکہ سورج کی روشنی کے مضمحل ہونے کے بعد ستارے کو دیکھ لیا تھا۔

(ف): تحقیق یہ ہے کہ سُورج کے غروب کے بعد آپ نے ستارہ دیکھا۔
(ف): بعض کہتے ہیں وہ ستارا زُہرا تھا، اور بعض کے نزدیک مُشتری اور یہ دونوں کواکب سیارہ (سات) سے ہیں۔

قَالَ ،، یہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السّلام نے ستارے کو دیکھا تو پھر کیا فرمایا تو اُس کے جواب میں فرمایا کہ آپ نے خصم کی موافقت میں فرمایا **هٰذَا رَبِّیْ** ،، یہ میرا رب ہے چونکہ آپ کا چچا اور اس کی دیگر برادری کے لوگ بُت پرستی کے علاوہ کواکب بُت پرست بھی تھے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام خصم کے عقیدہ کے مطابق استدلال کرکے پھر اس کا ابطال فرماتے جائیں گے **فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ** ٥ جب وہ ڈوب گیا۔ میں ایک مکان سے دُوسرے مکان کی طرف مُنتقل اور ایک حال سے دُوسرے میں متغیر ہونے اور پردوں میں چھپنے والوں سے محبّت نہیں کرتا۔ اس لئے کہ ایسی چیزیں ربوبیّت کا استحقاق نہیں رکھتیں۔ **فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا** ،، پس جس وقت اُنہوں نے چاند کو چمکتا ہُوا دیکھا یعنی ایک ستارے کے ڈوبنے کے بعد جب چاند کو طلوع کرتا ہُوا دیکھکر **قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّآ اَفَلَ** ،، فرمایا یہی میرا رب ہے لیکن جب اُسے بھی ستارے کی طرح ڈوبتا ہُوا دیکھا **قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ** ،، تو فرمایا اگر میرا رب مجھے جناب حق میں نہ پہنچا سکا تو **لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ** ٥ تو میں گمراہ قوم سے ہو جاؤں گا۔ یہ اپنی قوم کو تعریضاً فرمایا تاکہ انہیں واضح ہو کہ وہ گمراہ ہیں۔

ازالہ وہم: حضرت ابراہیم علیہ السّلام اُس وقت ایسی جگہ پہ ہوں گے جس کی جانب غرب کو ایک بہت بڑا پہاڑ پڑتا ہوگا۔ جس سے ظہر کے وقت چاند و ستارے چھپ جاتے ہوں گے یا ظہر کے وقت سے تھوڑی سی دیر کے بعد۔ اس لئے کہ اس وقت ستارہ پہاڑ کے قریب ہوتا ہے تو اُس کی شرقی جانب کُھلی رہتی ہے جس سے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ستارہ ڈوب گیا اور چاند ابھی چمکا۔ ورنہ چاند کا ستاروں کے ڈوبنے کے بعد طلوع کرنا پھر اس کا سُورج کے طلوع سے ڈوبنا تصور میں نہیں آسکتا۔ **فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً** ،، پس جبکہ سُورج کو طلوع کرتا ہُوا دیکھا تو **قَالَ هٰذَا** ،، یہی نُورانی جسم جو نظر آ رہا ہے۔ **رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ** ،، میرا رب ہے اور چاند اور ستارے سے بہت بڑا ہے اس سے ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے اس قول کی تاکید فرمائی جو اُنہوں نے ازراہِ انصاف فرمایا (لاکونن مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ) **فَلَمَّآ اَفَلَتْ** ،، پھر جب وہ بھی ڈوب گیا اور اُن پر ابراہیم علیہ السّلام کے دلائل مضبوط اور پختہ ہو گئے لیکن وہ ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو **قَالَ** اپنی قوم کے سامنے

حق کو واضح کر کے فرمایا یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ۝ اے میری قوم میں اُن سے بیزار ہوں کہ جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو یعنی اصنامِ باطلہ کے علاوہ وہ صُورتیں جو دُوسرے کے پیدا کرنے کی محتاج ہیں تم اُنھیں اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے ہو۔ آپ کی برادری نے آپ کی تقریر سُن کر آپ سے پُوچھا تو تم کس کی عبادت کرو گے تو آپ نے انہیں فرمایا اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ ،، میں نے اپنے چہرے کو متوجہ کیا یعنی میرا دین و عبادت خالص اُس کے لئے ہے۔ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ،، جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ یعنی میری عبادت اللہ تعالیٰ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ کے لئے خاص ہے جس نے کائنات کو پیدا فرمایا۔ حَنِیْفًا ،، درانحالیکہ میں ادیانِ باطلہ سے بیزار ہو کر دینِ حق کی طرف متوجہ ہو چکا ہوں کہ اب اُس سے رجوع کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ،، کہ میں اُن لوگوں سے نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں نہ افعال میں نہ اقوال میں۔

تفسیر صُوفیانہ

: یہی کیفیت ہر اُس شخص کی ہوتی ہے جو اپنی طبیعت سے پاک و صاف ہو کر اُس کا قلب شیشہ کی طرح صاف و شفاف ہو اور وہ ہوائے نفس اور شہوات سے بالکل صاف ستھرا ہو جائے۔ ایسا انسان نہ اجرام کی طرف خیال کرتا ہے نہ اکوان کی طرف بلکہ اُسے نہ دائیں کی خبر ہوتی ہے اور نہ بائیں کی اس لئے کہ دوستیٔ حق کے شوق نے اُسے جہالت سے دُور کر کے ذاتِ حق کے بالمقابل کھڑا کر دیا ہے۔ حضرت مولانا روم قدس سرہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ؎ (۱) آفتاب از امرِ حق طباخ ماست ❊ اُبلہی باشد کہ گوئیم او خدا است

(۲) آفتابت گر بگیرد چوں کُنی ❊ آں سیاہی زو تو چوں بیروں کنی

(۳) نے بدرگاہِ خدا آری صداع ❊ کہ سیاہی را ببر داده شعاع

(۴) گر کشندت نیم شب خورشید کو ❊ تا بنالی یا اماں خواہی ازو

(۵) حادثات اغلب بشب واقع شود ❊ وان زماں معبودِ تو غائب شود

(۶) سُوئے حق گر راستانہ خم شوی ❊ وارہی از اختراں محرم شوی

ترجمہ: (۱) سورج ہمارے لئے طباخ ہے اسے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لیکن یہ بیوقوفی ہے کہ اسے خُدا مانا جائے۔

(۲) مانا کہ سُورج تجھے کُن کے کرشمے دکھائے لیکن اس سے اس کی سیاہی کیسے دُور کر سکتے ہو

(۳) نہ تو تم اللہ تعالیٰ سے عرض کر سکتے ہو کہ اس کی سیاہی دُور کرو تاکہ روشنائی دے۔

(۴) اگر تجھے آدھی رات کو دکھ پہنچے اس وقت سُورج کہاں ہو گا کہ جس کے آگے رو کر مشکل حل کراؤ یا امان چاہو

(۵) ویسے اکثر حادثے رات کو ہوتے ہیں اس وقت تو تیرا معبود (سورج) غائب ہوتا ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کے حضور اگر بصدق دل سر خم کرو تو ستاروں کی پرستش سے نجات پا کر محرم رازِ حق بن جاؤ گے۔

وَحَاجَّهٗ قَوْمُهٗ ط اس کی قوم اس سے برسرپیکار ہوئی یعنی ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ برادری نے دینی امور اور بتوں کے متعلق جھگڑا کیا۔ بلکہ ڈرایا اور دھمکایا کہ اگر تم نے انہیں چھوڑ دیا تو تم بہت بڑے دکھ پریشانیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ (بنونِ ثقیلہ) دراصل اَتُحَاجُوْنَنِیْ تھا۔ دو نون ہونے پہلے کو دوسرے میں ادغام کیا گیا ہے اس لئے کہ دو نون یکجا جمع ہوں تو وہ عبارت ثقیل ہو جاتی ہے۔

ہیں پہلے کو دوسرے میں ادغام کیا جاتا ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنی برادری سے فرمایا کہ کیا تم میرے ساتھ جھگڑتے ہو۔ فِی اللّٰہِ "اللہ تعالیٰ کی شان اور اس کی توحید کے بارے میں وَقَدْ هَدٰىنِ ط"، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حق کی ہدایت بخشی۔ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ "، اور جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ مجھے ان سے یہ خوف و خطر نہیں کہ وہ مجھے کسی قسم کا دکھ اور تکلیف پہنچائیں گے۔ اس لئے کہ انہیں کسی شئی کی قدرت ہے ہی نہیں۔ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّیْ شَيْـًٔا ط یہ استثناء متصل ہے اور اس کا مستثنیٰ منہ فی وقت محذوف ہے۔ دراصل لَا اَخَافُ مَعْبُوْدَاتَكُمْ فِیْ وَقْتٍ الخ یعنی میں تمہارے معبودانِ باطلہ سے کسی وقت بھی نہیں ڈرتا مگر اس وقت کہ میرا رب میرے لئے دکھ تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمائے پھر وہ دکھ تکلیف تمہارے معبودان سے نہیں بلکہ میرے ربِ کریم کی طرف سے ہوگی۔ اس میں تمہارے معبودوں کا کسی قسم کا دخل نہ ہوگا۔ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ط یہ استثناء کی گویا تعلیل ہے۔ یعنی میرے رب کا علم ہر شئی کو محیط ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ مجھ پر فلاں دکھ اور درد پہنچیں گے لیکن اس کا کوئی سبب ہوگا نہ یہ کہ میں تمہارے بتوں پر طعن و تشنیع کروں تو اس وجہ سے مجھے دکھ اور درد پہنچیں اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ "، کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔ یعنی اپنے معبودوں کے متعلق غور و فکر کرو کہ وہ جمادِ محض ہیں نہ کسی کو نفع دینے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ نقصان دینے کی پھر کیوں نہیں سمجھتے کہ انہیں میرے نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں۔

۵ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ "، اور میں کیسے خوف کروں ان سے جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو یعنی تمہارے معبودانِ باطلہ سے جو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ یہ استفہام انکاری ہے کہ وقوعِ تکالیف کا انکار کرتے ہوئے ان کے بتوں کی ضرر رسانی کی بالکل نفی فرما دی۔ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ "، یہ اَخَافُ کی ضمیر سے حال ہے بتقدیرِ مبتدا دراصل عبارت یوں ہے وَكَيْفَ اَخَافُ اَنَا مَا لَيْسَ فِیْ حَيِّزِ الْخَوْفِ اَصْلًا وَّ اَنْتُمْ لَا تَخَافُوْنَ الخ یعنی میں کیسے ڈروں جبکہ میں خوف

بقیہ صفحہ ۵۷۵

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ

ہماری دلیل ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم پر عطا فرمائی ہم جسے چاہیں

مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ

درجوں بلند کریں بے شک تمہارا رب علم و حکمت والا ہے اور ہم نے انہیں اسحٰقؑ اور یعقوبؑ عطا کیے ان سب کو ہم نے راہ

وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ

دکھائی اور ان سے پہلے نوحؑ کو راہ دکھائی اور اس کی اولاد میں سے داؤدؑ اور سلیمٰنؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ

وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى

اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو اور زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ

وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا

اور الیاسؑ کو یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں اور اسمٰعیلؑ اور یسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو اور ہم

فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ

نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی اور کچھ ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بعض

وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ

کو اور ہم نے انہیں چن لیا اور سیدھی راہ دکھائی یہ اللہ کی ہدایت ہے کہ اپنے بندوں میں جسے چاہے دے

يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ

اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ان کا کیا اکارت جاتا یہ ہیں جن

الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا

کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی تو اگر یہ لوگ اس سے منکر ہوں تو ہم نے اس کے لیے

بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ

ایک ایسی قوم لگا رکھی ہے جو انکار والی نہیں یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم انہیں کی

اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع

راہ چلو تم فرماؤ میں قرآن پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا وہ تو نہیں مگر نصیحت سارے جہان کو

تفسیر عالمانہ

۸۳ وَتِلْكَ " یہ اشارہ ابراہیم علیہ السلام کی اس دلیل کی طرف ہے جو آپ نے اپنی قوم کو مناظرہ میں پیش کی جس کا مضمون فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ سے شروع ہوکر وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ تک ختم ہوتا ہے۔ حُجَّتُنَا " (ہماری حجت ہے) ہر وہ کلام جو کسی شئی کے ثبوت میں بطور دلیل پیش کیا جائے اسے حجت کہتے ہیں

باتوں سے دور ہوں حالانکہ ڈرنا تمہیں چاہیئے کہ تم سب سے زیادہ خوفناک امر کے مرتکب ہو رہے ہو۔
اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا رہے ہو حالانکہ وہ ذات منزہ ہے اس کا نہ کوئی شریک
نہ مثیل نہ زمین میں نہ آسمان میں بلکہ یہ جملہ اشیاء اس کی پیدا کردہ ہیں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے
تعبیر فرمایا مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ ،، وہ امر کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمایا کہ اس
ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا تمہارے لئے دلیل اور حجت کہ
سے ثابت ہو کہ یہ بت بھی قابل پرستش ہیں۔ بلکہ تمام دنیوی امور اس لئے ہیں کہ انہیں صرف
تعالیٰ کے نازل کردہ امور کے لئے حجت بنائے جائیں۔ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ
ہم دونوں فریقوں میں کون زیادہ مامون ہے میں یا تم۔

(ف) مولانا ابوالسعود نے فرمایا کہ فریقین سے ایک وہ گروہ جو محل امن میں ہے۔ دوسرا
جو محل خوف میں ہے مراد ہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اگر تمہیں معلوم ہے کہ امن کا کون حقدار
تو مجھے بتاؤ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ،، ان دونوں گروہوں میں جنہوں نے ایمان قبول کیا۔

وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ ،، اور نہ ملایا اپنے ایمان کو بِظُلْمٍ ،، ظلم یعنی شرک سے جیسے
مشرکین نے کیا کہ ایمان کے ساتھ بت پرستی بھی کرتے اور کہتے کہ ہماری بت پرستی ایمان کے
ثبات اور اس کے احکام سے ہے اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ یہی بت انہیں اللہ تعالیٰ کا
قرب عطا کریں گے اور قیامت میں ان کی شفاعت کریں گے؛ چنانچہ ان کا مقولہ قرآن مجید میں
ہے۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اور خَلَطُوْا کا بھی یہی مطلب ہے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ ،، صرف وہی امن والے ہیں۔ یعنی عذاب سے صرف
انہیں امن ہوگا۔

وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ اور وہی حق سے ہدایت پانے والے ہیں اور دوسرا
ان کا بالمقابل گروہ کھلی گمراہی میں ہے۔

اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ ،، ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو عنایت فرمائی۔ یعنی ایسی حجت قائم کرنے
کی ہم نے ان کی رہبری کی یا وہی دلیل ہم نے انہیں بتائی۔ یہ حُجَّتُنَا کی صفت نہیں بلکہ حال ہے
اس لئے کہ حُجَّتُنَا معرفۃ بالاضافۃ ہے۔ عَلٰى قَوْمِهٖ ،، یہ حجتنا کے متعلق ہے (اس کی قوم پر)

تفسیر صوفیانہ

: آیت میں اشارہ ہے کہ سلوک الی اللہ کی دلیل بھی آیات الٰہی سے
متعلق ہے۔ آیاتِ الٰہی سے اللہ تعالیٰ کے افعال مراد ہیں اور یہی سالکین
کے لئے سلوک کی منازل طے کرنے کے لئے بمنزلہ سیڑھی کے ہیں اور منزل کی سلوک کا یہ پہلا مرتبہ ہے اس کے

بعد اللہ تعالیٰ کی صفات کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے پر موقوف ہے۔ یہ منازلِ سلوک کا دوسرا مرتبہ ہے۔ اس کے بعد اسے ذاتِ حق کے وجود کا تحقق نصیب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُس وقت سالکین کے اسرار کو اپنی تجلیات سے نوازتا ہے۔ یہی وصُول الی اللہ کا پہلا قدم ہے پھر اس کے بعد سلسلہ غیر متناہی ہے۔ اس تقریر کے مطابق تِلْکَ کا اشارہ ارءۃ الملکوت و شواہد ربُوبیت کی طرف ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے سالکین کو کواکب کے آئینوں اور صدق التوجہ الی الحق اور اعراض و بیزاری مما سوا اور انانیت کے شرک سے خلاص اور ایقان و ایمان بالعیان میں دکھائے آتَیْنٰھَا اِبْرٰہِیْم (ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے خود بلاواسطہ غیر آیات دکھائے) تاکہ وہ اپنی برادری میں حجت قائم کر سکیں۔

نَرْفَعُ ہم بُلند کرتے ہیں دَرَجٰتٍ حکمت کے عظیم اور بلند درجات مَنْ نَّشَآءُ ط جس کے لئے ہم چاہتے ہیں کہ اُس کے علم و حکمت کے درجات بُلند ہوں جیسے ابراہیم علیہ السلام کے مراتب و درجات بُلند کئے گئے بلکہ ایسے عظیم اور بُلند مراتب پر فائز ہوئے جو سوائے اکابر انبیاء علیہم السلام کے اور کسی کو نصیب ہونے کا امکان تک نہیں ؎ دادِ حق را قابلیت شرط نیست ؛ بلکہ شرط قابلیت دادِ اوست

(ترجمہ) عطائے حق کے لئے قابلیت کی شرط نہیں بلکہ اس کی عطاء کی شرط ضروری ہے۔

اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ ، بے شک تمہارا رب ہر فعل میں بہت بڑا حکمت والا ہے کہ کسی کا بلند مرتبہ بڑھائے تو اُس کی حکمت ہے اگر کسی کو بُلند مراتب سے گرا دے تو بھی اس کی حکمت ہے۔

(ف) جس کا بُلند مرتبہ بڑھاتا ہے تو اُس کے حال اور اس کی استعداد کو وہی خوب جانتا ہے اس لئے کہ ہر ایک کے احوال اور استعداد ایک دُوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔

خلاصہ تفسیر : اِن آیات سے واضح کرنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے الزامی طور مذکور بالا استدلالات کئے ورنہ ان کا یہ عقیدہ نہیں تھا تاکہ اُن کی برادری ان الزامات اور براہین و دلائل کے سامنے جُھک جائے اور انہیں راہِ ہُدیٰ نصیب ہو یہی جلیل القدر مفسرین کی رائے ہے اور اسی پر (اہلسنت) اکابر مشائخ و عُلماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے اور صاحب رُوح البیان بھی اس مسلک کے مطابق آیات مذکورہ میں ہر آیت کی تفسیر کرتے چلے آئے چنانچہ اُوپر کے مضامین قارئین کرام کے سامنے ہیں۔

خُلاصہ تفسیر صُوفیانہ : صُوفیہ کرام کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی برادری کا واقعہ بیان کر کے بنایا گیا ہے کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل قائم کئے ہیں تم بھی اس کی توحید پر اس طرح دلائل قائم کر کے ماسوی اللہ کے تخیلات کو قلب سے ختم کر دو اور صرف اسی ذات کا تصور پیدا کرو،

یہاں تک کہ اپنی خودی بھی درمیان میں نہ لاؤ تاکہ تمہیں معرفت الٰہی نصیب ہو۔

فائدہ : مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ مناظرہ آپ کی ابتدائی عمر مبارک میں ہوا جب کہ آپ ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے بلکہ قریب البلوغ تھے جسے شرعی اصطلاح میں مراہق کہا جاتا ہے اور ملکوت سے آیات مراد ہیں۔ صاوی نے فرمایا اقرب الی الصحۃ یہی قول ہے۔

تفسیر کاشفی : کاشفی صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ (وکذٰلک جس طرح ہم نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی گمراہی واضح طور دکھائی ایسے ہی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت السمٰوٰت والارض یعنی آسمانوں اور زمینوں کے عجائب وغرائب یعنی عرش کی چوٹی سے لے کر تحت الثریٰ تک ذرہ ذرہ اُن کے سامنے منکشف کیا تاکہ ابراہیم علیہ السلام اُن کے ذریعے اپنی قوم کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے متعلق دلائل قائم کرسکیں۔ ولیکون من الموقنین تاکہ وہ علم استدلال میں پختہ کاروں میں سے ہوں۔

نمرود کی کہانی : صاحب معالم لکھتے ہیں کہ نمرود بن کنعان کو اس وقت رُوئے زمین کے چپہ چپہ کی بادشاہی حاصل تھی۔ شہر بابل میں اُس کا دارالخلافہ تھا۔ اُس نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک ستارہ اس کے شہر سے ایسا روشن ہو کر نکلا کہ اُس کی تابانی سے سورج اور چاند ماند پڑ گئے۔ گھبرا کر اُٹھا اور تمام رُوئے زمین کے حکماء اور کاہنوں کو بُلا کر اس کی تعبیر پوچھی۔ سب نے متفق ہو کر کہا کہ تیرے اس شہر بابل میں ایک نومولود پیدا ہونے والا ہے۔ جس نے تجھے اور تیری شاہی کو تہ و بالا کرنا ہے لیکن اس وقت وہ بچہ اپنے باپ کی پُشت سے ماں کے شکم میں تشریف نہیں لایا۔ نمرود نے تمام شہر والوں کو حکم دیا کہ کوئی مرد اپنی عورت سے خلوت نہ کرے اس رکاوٹ کے لئے اٹھارہ نگران مقرر کئے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نمرود کے محرم رازوں اور مقربین میں سے تھے اسی لئے اُن پر کسی کی پابندی نہ تھی۔ اُنھوں نے ایک شب اپنی زوجہ اُدفی بنت نمر سے جماع کر لیا۔ جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کی پُشت سے والدہ کے شکم میں تشریف لائے تو صبح کو کاہنوں نے نمرود سے کہا کہ آج رات وہ بچہ باپ سے منتقل ہو کر والدہ کے شکم میں آچکا ہے۔ نمرود نگرانوں پر سخت ناراض ہوا اور حکم صادر کیا کہ جتنا حاملہ عورتیں ہیں سب کی نگرانی کی جائے۔ جونہی بچے پیدا ہوں انہیں بلا تاخیر قتل کر دیا جائے نمرود کے حکم سے دائیگاں (جمع دایہ) مقرر ہوئیں کہ وہ شہر کی تمام حاملہ عورتوں کی رپورٹ دیں تاکہ اُن پر نگران مقرر کئے جائیں۔ دائیگاں نے شہر کی تمام عورتوں کا معائنہ کرکے رپورٹ دے دی لیکن ابراہیم علیہ السلام کا حمل انہیں محسوس تک نہ ہوا۔ اسی لئے ابراہیم علیہ السلام کی والدہ دائیگاں کی پیش کردہ لسٹ سے بچ گئیں۔ ان دائیگاں کی رپورٹ کے بعد کسی کو ابراہیم علیہ السلام

کی والدہ کے حمل کی طرف دھیان تک نہ گیا۔ بالآخر ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کا وقت قریب ہُوا تو آپ کی والدہ اوفیٰ کو خطرہ ہُوا کہ کہیں نمرود کو معلوم نہ ہو جائے اور وہ میرے بچے کو پیدا ہوتے ہی قتل کرا دے۔ چنانچہ وہ گھر سے باہر جنگل میں ایک غار کے اندر اکیلی چلی گئیں اور وہیں پر ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے آپ کی والدہ نے انہیں اکیلا غار پہ پتھر ڈال کر واپس گھر چلی گئیں کہ کہیں پردہ فاش نہ ہو جائے۔ ابراہیم علیہ السلام کے والد نے بی بی اوفیٰ سے ماجرا پوچھا تو بی بی صاحبہ نے اُن سے راز مخفی رکھا اور کہا کہ بچہ پیدا ہُوا تھا لیکن نمرود کے ڈر سے میں نے اسے پتھر مار کہ وہیں غار میں دفن کر دیا۔ اسے بھی بی بی کی بات پر یقین ہو گیا۔ صبح کو بی بی صاحبہ غار میں تشریف لے گئیں۔ خدا کی شان حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ تھے آپ کی ایک انگلی سے دُودھ دُوسری سے شہد نکل رہا ہے جنہیں آپ چُوس رہے ہیں۔ اسی طرح روزمرہ کا معمول بن گیا۔ چونکہ آپ کی تربیت ذاتِ حق نے اپنے ذمۂ کرم لی تھی۔ اس لئے ابراہیم علیہ السلام جلد تر جوان ہونے لگے۔ دُوسرے بچے جو سال بھر میں بڑے ہوتے ہیں آپ ایک ماہ میں بڑے ہو گئے

۵ چوں ماہِ نو کہ باروی دل افروز   بود زانیدہ نورش روز تا روز

ترجمہ: جیسے نئے چاند کی طرح اس کا چہرہ دل کو روشنی بخشتا اس کا نور روز بروز بڑھتا رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب پندرہ ماہ کے ہُوئے تو پندرہ سال کے نوجوان محسوس ہوتے۔ اُس وقت غار سے باہر تشریف لائے۔ بعض کہتے ہیں سات سال کے تھے۔ بعض کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرہ[۱۳] یا سترہ[۱۷] سال غار میں رہے۔ بہر حال جب ابراہیم علیہ السلام نوجوان ہُوئے آپ کی والدہ نے آپ کے والد سے کہا کہ بچے کی ولادت کے وقت میں نے جھوٹ بول دیا کہ کہیں تم بھی نمرود کی محبت سے بچے کو قتل کرا دو اب یہ حقیقت ہے کہ وہ نوجوان ہو چکا ہے چل کر دیکھئے نہایت حسین وجمیل اور بہت بڑا ذکی وفہیم ہے۔ جب آپ کا والد آپ کے ہاں حاضر ہُوا تو واقعی آپ کو ہمہ صفت موصوف پایا اور کہا کہ کوئی حرج نہیں بچے کو گھر واپس لائیے۔ نمرود سے میں منوالوں گا اور اُسے اُس کا ملازم بنائیں گے، چنانچہ آپ کو آپ کی والدہ غار سے باہر لائی تو غار سے باہر آپ نے گھوڑے بکریاں اُونٹ وغیرہ دیکھے اور اپنی والدہ سے فرمایا امی جان بتائیے انہیں بھی کسی نے پیدا کیا ہو گا اور انہیں وہ رزق بھی پہنچاتا ہو گا۔ ماں نے ہاں بیٹا کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کا کوئی خالق و رازق نہ ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر پوچھا۔ امی جان بتائیے میرا پروردگار کون؟ ماں نے جواب دیا تیرا باپ پھر آپ نے سوال کیا تو میرے باپ کا پروردگار کون؟ امی نے کہا نمرود۔ آپ نے فرمایا نمرود کا کون؟ امی نے کہا بیٹے خاموش اس سوال میں بہت بڑا خطرہ ہے کہیں ہم مارے نہ جائیں۔

(فائدہ) نمرود کے زمانہ کے بعض لوگ ستارہ پرست تھے اور بعض چاند کے پجاری تھے اور بعض سُورج کی پرستش کرتے تھے۔ ان میں تھوڑے سے بُت پرست بھی تھے لیکن اس وقت کے بہت

زیادہ نمرود کو معبود مانتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام والدہ کے ساتھ شہر بابل کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے پہلے سلسلۂ گفتگو ان سے شروع فرمایا جو ستارہ پرست تھے۔ جب رات ہوئی تو آپ نے ان ستارہ پرستوں کو تعریضاً فرمایا۔ یہاں پر حرفِ استفہام حذف کیا گیا ہے یا بقول شما اے ستارہ پرستو میرا بھی یہی رب ہے۔ جب وہ ستارہ گم ہوا تو فرمایا میں گم ہونے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ پھر آپ نے چاند پرستوں سے گفتگو فرمائی۔ جبکہ چودھویں شب کے چاند نے سبزہ وار آسمان پر اپنی چاندنی کا زور دکھایا، تو چاند کے پجاری چاند کے سامنے جھک گئے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ میرا رب ہے۔ جب چاند خط نصف النہار سے جانب مغرب ہٹا تو آپ نے فرمایا اگر میرے رب تعالیٰ نے میری رہبری نہ فرمائی تو میں گمراہ لوگوں سے ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد آپ والدہ کے ساتھ شہر کے قریب پہنچے تو سورج قریب طلوع تھا اور سورج پرست اس کی پرستش کی تیاری کر رہے تھے۔ جب آپ نے سورج کو طلوع کے وقت روشن دیکھا تو فرمایا یہی میرا رب ہے اور وہ سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی ڈھلنے لگا تو آپ نے فرمایا میں تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہوں۔ میں نے اپنی توجہ اس ذات کی طرف کر دی ہے جس نے آسمان و زمین پیدا فرمائے۔ یعنی تمہارے تمام مختلف ادیان سے بیزار ہو کر دینِ حق کا طالب ہوں اور مشرکین سے نہیں ہوں۔

تفسیر منیر کی تقریر: تفسیر منیر میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی والدہ کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے تو اپنی والدہ و دیگر رشتہ داروں نے چاہا کہ نمرود کی ملاقات کے لئے آپ کو لے جایا جائے۔ جب آپ کو نمرود کے ہاں لے گئے تو دیکھا کہ ایک نہایت کریہ المنظر (بدشکل آدمی) ایک بہترین تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے اردگرد نہایت حسین و جمیل پری پیکر لڑکیاں۔ لڑکے دست بستہ کھڑے ہیں۔ آپ نے والدہ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ والدہ نے فرمایا یہ سب کا معبود ہے۔ آپ نے پوچھا تو اس کے گرداگرد کون کھڑے ہیں۔ والدہ نے کہا یہ سب اس کے پرستار اور اس کے پیدا کردہ ہیں۔ آپ ہنس پڑے اور والدہ سے کہا کہ عجیب بات ہے کہ پیدا کرنے والا بدشکل اور اس کے پیدا کردہ لڑکے لڑکیاں حسین وجمیل، حالانکہ پیدا کرنے والے کو اپنی پیدا کردہ چیزوں سے حسین وجمیل ہونا لازمی ہے (کذانی تفسیر الکاشفی مع اختصار)

۸۴ **وَوَهَبْنَا لَهٗ** ،، الہبتہ بمعنے تبرع اور ایسا عطیہ کہ اس سے قبل اس کا استحقاق نہ ہو یعنی کسی کو بلا استحقاق (مفت) کوئی شئے عطا کرنا اور لَہٗ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ یعنی اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ **اِسْحٰقَ** ،، ابراہیم علیہ السلام کا صلبی صاحبزادہ جو انبیائے بنی اسرائیل کے اب اول ہے۔ **وَيَعْقُوْبَ** یعنی ابن اسحاق **كُلًّا هَدَيْنَا** ،، ان ہر دو نوں کو ہم نے ہدایت بخشی۔ یعنی ان ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ فضائل دینی اور کمالات علمی وعملی کی توفیق بخشی۔ **وَنُوْحًا** ،، اس کا منصوب ہونا مَا اُضْمِرَ عَلٰى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ کی وجہ سے ہے جس کی **هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ** ،، تفسیر کر رہا ہے۔

یعنی ہم نے نوح علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہدایت بخشی۔

سوال : ابراہیم علیہ السلام کی ہدایت سے قبل نُوح علیہ السلام کی ہدایت کے اظہار کا کیا فائدہ

جواب : چونکہ نوح علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے اجداد سے ہیں اور اجداد کے فضائل کا اظہار اولاد پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بنابریں نوح علیہ السلام کا ذکر خیر فرمایا۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ اور ہم نے نُوح علیہ السلام کی اولاد کو ہدایت فرمائی۔

سوال : ابراہیم علیہ السلام کی ذُریت کا ذکر کیوں نہیں حالانکہ مِن ذریۃ ابراہیم کہا جاتا تو بھی مطلب حل ہوجاتا۔

جواب : چونکہ آنے والے آیات میں یُونس و لُوط علیہم السلام کا ذکر ہے اور وہ ابراہیم کی اولاد سے نہیں ہیں۔ (کذا قال البغوی) لیکن ابنِ اثیر نے جامع الاصول میں لکھا ہے کہ یُونس علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اس لئے کہ وہ شعیب علیہ السلام کے زمانہ میں اسباط یعقوب سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے نینویٰ (موصل کے بلاد) کے لوگوں کی طرف رسُول بنا کر بھیجا۔ یہ بھی ہے کہ لُوط علیہ السلام کو ذریۃ ابراہیم علیہ السلام سے شمار کیا جائے۔ اس لئے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے ان کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کر کے تشریف لائے۔

فائدہ : سعدی چلپی مفتی نے فرمایا محی السنۃ بغوی ابن اثیر سے زیادہ معتبر ہیں۔

دَاوٗدَ ،، ابن ایشا و سلیمان بن داؤد علیہم السلام۔ اِن دونوں باپ بیٹے کا سلسلہ نسب یہود ابن یعقوب سے ملتا ہے۔ وَ اَیُّوْبَ ،، بن اموص بن وارخ بن رُوم بن عیصا بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام (وَ یُوْسُفَ)،، بن یعقوب وَ ھٰرُوْنَ ،، یہ موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے۔ اُن سے سن میں بڑے تھے۔

(ف) مذکورہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر مبارک اُن کے زمانہ زندگی کے مطابق نہیں ہُوا۔

وَ كَذٰلِكَ ،، اور اسی طرح درجات بُلند کر کے نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ لا ہم اُن کے احسان پر اُن کے استحقاق کے مطابق جزا دیتے ہیں۔

(ف) اَلْمُحْسِنِیْن ،، کی لام جنس کی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ کَذٰلِکَ کاف زائد اور المحسنین کی لام عہد کی ہو۔ اب معنےٰ یہ ہے کہ یہ عجیب و غریب جزاء جو کہ مذکورہ انبیاء علیہم السلام کو دی گئی۔ محض فضل و کرم الٰہی سے ہے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کے یہ درجات و مراتب اعمال صالحہ کی وجہ سے نہیں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ اعمال صالحہ کی وجہ سے جو جزا ملتی ہے اس میں حسن وصفی ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی یہ جزاء ذاتی ہے جس میں اُن کے ساتھ اور کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا (اس سے جھوٹے نبوت کے مدعیان

جیسے مرزا قادیانی وغیرہ کا رد ہو گیا۔

۸۴ وَ زَكَرِيَّا ،، اور ہم نے زکریا علیہ السلام کو بھی عطا فرمایا۔ اُن کا سلسلہ نسب سُلیمان علیہ السلام سے ملتا ہے۔ زکریا علیہ السلام کے والد کا نام اذن تھا و یحییٰ بن زکریا علیہما السلام و عیسیٰ بن مریم ابنۃ عمران یہ بنی ماثان بنی اسرائیل کے بادشاہ کی اولاد سے تھا۔

فائدہ : عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں اشارہ ہے کہ اولاد بنات بھی ذریّۃ میں داخل ہوتی ہے۔

حسنین کریمین کی فضیلت

: اس سے واضح ہُوا کہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اولادِ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم کہنا جائز ہے۔ اگرچہ اُن کا حضور علیہ السلام کے ساتھ سلسلہ نسب اُن کی والدہ کریمہ سے ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو ان حضرات کو ایذاء دیتا ہے گویا وہ حضور علیہ السلام کی ذُریّتِ طیبہ کو ایذاء پہنچاتا ہے۔

مسئلہ : صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ جب والدہ کی وجہ سے نسب صحیح اور معتبر ہے تو اُن کی سیادت بھی مُسلم ہوگی گویا کہ ان کا یہ رشتہ اب کی طرح ہے اسی طرح ہر اس شخص کا نسب جس طرح بھی حسنین کریمین تک پہنچے گا اس کی سیادت مُسلّم ہوگی۔ اس سے شیعوں رافضیوں کی غلط فہمی کا ازالہ ہو گیا جو سیّدنا عبد القادر جیلانی حسنی حُسینی رضی اللہ عنہ کی سیادت پر طعن و تشنیع کرتے ہیں[1]۔

وَ اِلْيَاسَ ،، یہ حضرت ہارون علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔

فائدہ : بغوی لکھتے ہیں کہ الیاس علیہ السلام اور تھے ادریس علیہ السلام اور بعض نے غلطی کھائی کہ الیاس ادریس علیہ السلام کا دُوسرا نام ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے الیاس علیہ السلام کو نُوح علیہ السلام کی ذُریّۃ سے گنا ہے اور ادریس علیہ السلام تو نوح علیہ السلام کے اجداد سے تھے۔

كُلٌّ ہر ایک اُن میں سے مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ کامل فی الصلاح تھے۔

(ف) صَلاح بمعنے موزوں امور کا عمل پیرا ہونا اور نامناسب امور سے احتراز کرنا۔

۸۵ وَ اِسْمٰعِيْلَ ،، اس کا عطف (نُوحًا) پر ہے یعنی جیسے ہم نے نوح علیہ السلام کو ہدایت بخشی ایسے ہی اسماعیل کو ہم نے ہدایت فرمائی۔

نکتہ : حضرت نُوح کی ذریّۃ میں اسماعیل علیہ السلام داخل تو تھے لیکن انہیں علیحدہ ذکر کرنے میں نکتہ یہی ہے کہ اُن کی اولاد سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ اگر نُوح علیہ السلام کی ذُریّۃ کے ذکر میں ان کا ذکر بھی شامل رہتا تو حضور علیہ السلام طفیلی متصوّر ہوتے، حالانکہ

---

[1] اس مسئلہ کی تحقیق فقیر کے رسالہ اماطۃ الاذی عن غوث الوریٰ میں ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہ

تمام کائنات جن میں نوح علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں سب کے سب حضور علیہ السلام کے طفیلی ہیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی ہدایت کا ذکر ابراہیم علیہ السلام کی ہدایت کے ضمن میں بیان کرنا گوارا نہ فرمایا تاکہ سب پر ظاہر ہو جائے کہ اس کے پیارے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت کسی کی شرافت کے طفیل نہیں۔ بلکہ سب کی شرافت و بزرگی اُن کے صدقے اور طفیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کا ذکر تمام حضرات کے ذکر کے بعد ذکر کیا ہے تاکہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی واضح ہو ۔

(۱) آنچہ اول شُد پدید از جیب غیب — بُود نورِ جہاں او بے ہیچ ریب
(۲) بعد ازاں آں نور مطلق زد علم — گشت عرش و کرسی و لوح و قلم
(۳) یک علم از نُور پاکش عالَم اُوست — یک علم ذریّۃ آدم ازوست

(ترجمہ) (۱) وہ ذات کہ جس نے اوّل میں جیب غیب سے دیکھا وہ نور جہان تھے اس میں کسی قسم کا شک نہیں۔

(۲) بعد ازاں نور مطلق نے جھنڈا کو بُلند کیا تو اس سے عرش و کرسی لوح و قلم پیدا ہُوئے

(۳) اس کے نُور سے ایک جھنڈا یہی ہے کہ ذریّۃ آدم اس سے ہے۔

وَالْیَسَعَ بن اخطوب بن العجوز لام زائدہ ہے اس لئے کہ یہ عجمی ہے۔ وَیُوْنُسَ بن متی وَلُوْطًا بن ہاران ابن اخی ابراہیم وَکُلًّا ،، اور اُن ہر ایک کو فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ نبوت سے ہم نے انہیں اپنے معاصرین کو فضیلت بخشی۔ یہاں پر یہ مُراد نہیں کہ وہ آپس میں ایک دُوسرے پر افضل ہیں۔ اگرچہ اُن کی ایک دُوسرے پر فضیلت حق ہے لیکن یہاں مُراد نہیں ۵ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ ،، یہ مِن تبعیضیہ ہے یعنی مذکورین میں سے بعض کے آباء کو فضیلت بخشی گئی جیسے آدم و شیث و ادریس علیہم السلام یہ حضرات دوسرے پیغمبروں کے آباء ہیں۔ بعض پیغمبروں کے آباء ایسے بھی تھے کہ وہ نہ نبی تھے اور نہ ہی انہیں فضیلت علمی عملی حاصل تھی وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ ،، اور اُن کی بعض اولاد۔ جیسے یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اُن کی ذُریات میں ہیں لیکن تمام کائنات سے افضل و اعلیٰ ہیں (تفسیر الحدادی) ذریات میں مِن تبعیضیہ اس لئے مانا گیا ہے کہ بعض حضرات ایسے بھی تھے جن کی اولاد کافر تھی۔ وَاِخْوَانِهِمْ ،، اور اُن کے بھائیوں کو ہم نے ہدایت جیسے یُوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے زمانے میں ممکن یہ ہے کہ یہاں وہ لوگ مُراد ہُوں جو اُن کے ساتھ ایمان لائے وہ بھی ہدایت اسلام میں داخل ہُوئے۔ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ ،، اس کا فَضَّلْنَا پر عطف ہے۔ یعنی اور ہم نے انہیں چنا وَهَدَيْنٰهُمْ اور ہم نے ان کی رہبری کی۔ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ سیدھے راستہ

جو بھی اُس پر چلے گا وہ گمراہ نہ ہوگا ۸۷ ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ اشارہ "الھدی" کی طرف ہے ﴿هُدَى اللّٰهِ﴾ "اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ یہ اضافت تشریفی ہے ﴿يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور عبادہ سے وہ حضرات مراد ہیں جو ہدایت کی استعداد رکھتے ہیں۔

﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا﴾ "اور اگر وہ انبیاء علیہم السلام باوجود علو مرتبت کے (بالفرض محال) شرک کریں ﴿لَحَبِطَ عَنْهُمْ﴾ " البتہ باطل ہوجائے گا۔ ﴿مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ وہ عمل جو کرتے ہیں یعنی اُن کے اعمال ضائع اور برباد جائیں گے۔

سبق : جب حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے اتنی تنبیہہ ہے تو ما و شما کس شمار میں اُن کے اعمال کیا اور ہمارے کردار کیا۔ اس آیت میں سخت ترین زجر و توبیخ ہے۔ اس میں عوام و خواص کی تخصیص نہیں تاکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی بے خوف نہ ہو ۸۸ ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ " انبیاء جو مذکور ہیں جن کی تعداد اٹھارہ ہے۔ ﴿الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ " وہ حضرات ہیں جنہیں ہم نے کتاب عنایت فرمائی۔

ف : یہاں کتاب پر الف لام جنس کا ہے یعنی ہر وہ کتاب جو اپنے دور کے نبی کو ملی اور ایتاں سے کتاب کی افہام و تفہیم مُراد ہے۔ یعنی اُن کتابوں میں جتنے حقائق و اسرار تھے۔ ہم نے انہیں سمجھائے کہ اُن کا ہر چھوٹا بڑا مسئلہ ان حضرات کے احاطۂ علم میں آگیا۔ خواہ ابتداءً اُن پر وہ کتاب نازل ہوئی یا بطریق وراثت کسی نبی علیہ السلام سے۔ اس لئے کہ مذکورہ بالا انبیاء علیہم السلام ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ کتابیں نازل نہیں ہوئیں۔ ﴿وَالْحُكْمَ﴾ "اور حکمت یا فصل الخطاب جو حق و صواب کو مقتضی ہو۔ ﴿وَالنُّبُوَّةَ﴾ "اور رسالت ﴿فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا﴾ "پس اگر اِن تینوں کو نہیں مانیں گے ﴿هٰٓؤُلَآءِ﴾ اہلِ مکہ ﴿فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا﴾ " تو ہم اُن کی پاسداری سپرد کریں گے اور اُن پر قبول کرنے اور اُن کی ادائیگی کے لئے توفیق دیں گے۔ ﴿قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ﴾ ایسی قوم کو جو اُن کا انکار نہیں کرے گی۔ یعنی اُن کے بجائے جو بھی دوسرے لوگ پیدا ہوں وہ کسی وقت بھی ان مذکورہ بالا امور کا انکار نہیں کریں گے۔ ان سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مُراد ہیں اور بہا کی صلہ اور بکافرین کی باء نفی کی تاکید کے لئے ہے۔

۸۹ ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ "یہی حضرات انبیاء علیہم السلام کہ جن کا ابھی ذکر ہوا ﴿الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ﴾ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حق اور راہ مستقیم کی ہدایت بخشی ﴿فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ پس آپ صرف اُن کی ہدایت کی اقتداء کیجئے اور کسی دوسرے کی اقتداء نہ کریں۔

مسئلہ : حضور علیہ السلام کو انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کا حکم صرف اعتقادیات یعنی ایمان باللہ

اور توحید و اصولِ دین میں ہے ۔ شرعی احکام و مسائل کی اقتداء مراد نہیں۔ اس لئے کہ وہ قابلِ فسخ ہیں اور جو حکم منسوخ ہو جائے وہ قابلِ اقتداء نہیں ہوتا اور نہ ہی اُسے ہدایت کہا جا سکتا ہے۔

عقیدہ : تمام علماء کرام نے بالاتفاق اِس آیت سے استدلال کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ خصال کمالیہ اور صفاتِ برگزیدہ ان حضرات میں متفرق پائے جاتے ہیں۔ مثلاً سلیمان و داؤد علیہما السلام شکر سے موصوف تھے ایوب علیہ السلام صبر میں مشہور ہیں۔ یوسف علیہ السلام میں ہر دو نوں صبر و شکر پائے جاتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام بہت بڑے معجزات کے جامع سمجھے جاتے تھے اور زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس علیہم السلام زہد میں شہرت رکھتے ہیں اور اسماعیل علیہ السلام صاحبِ صدق تھے ۔ غرضیکہ جس صاحب میں کسی صفت کا غلبہ ہوتا اس سے وہ مشہور ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حضرات کی اقتداء کا حکم فرمایا تو لازماً جمیع اوصاف سے موصوف ہو کر تمام حضرات انبیاء علیہم السلام سے افضل ٹھہرے ۔

(۱) ہر چہ بخوباں جہاں دادہ اند قسم تو نیکو تر ازاں دادہ اند

(۲) ہر چہ بنازند بداں دلبراں جملہ ترا ہست زیادت براں

ترجمہ (۱) جو کچھ خوبان جہان کو ملا ہے ہزار بار اس سے زائد آپ کو عطا ہُوا۔

(۲) جس سے دلبران جہان نازاں ہیں یہ سب آپ میں ہیں بلکہ ہزاراں بار آپ اُن سے زائد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ ، یعنی یہ وہی حضرات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کے ذریعے اپنی ذات کی طرف رہبری فرمائی ۔ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ پس آپ بھی اُن کے طریقے کو اپنائیے اس لئے کہ وہ ایسے راہ پر گامزن ہُوئے کہ اُن سے پہلے اس راہ پر کوئی نہ چلا تھا۔ یہاں تک کہ ہر ایک اپنی مقدار کے مطابق منزل مقصود کو پہنچا ، چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آدم علیہ السلام کو آسمانِ دُنیا پر اور یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو دُوسرے آسمان پر اور یُوسف علیہ السلام کو تیسرے پر اور ادریس علیہ السلام کو چوتھے پر اور ہارون علیہ السلام کو پانچویں پر اور مُوسیٰ علیہ السلام کو چھٹے پر اور ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں پر دیکھا۔ آپ بھی اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے راستے پر چل کر ان کی منزلیں طے کرتے ہُوئے سدرۃ المنتہیٰ پہ تشریف لائیے۔

فائدہ : سدرۃ المنتہیٰ ملائکہ کی آخری منزل ہے اس کے بعد آپ تمام نچلے مقامات کو طے کرتے ہُوئے ارفع مقام پر پہنچے۔ یہاں تک کہ اپنی ذات سے بھی علیحدگی اختیار کر کے ذاتِ حق کے ذریعے عین ذات کی طرف بڑھتے ہُوئے مقام قابَ قوسین او اَدنیٰ تک پہنچے یہ وہ مقام ہے

بقیہ صفحہ ۵۸۶

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ

اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی جب بولے اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا تم فرماؤ کس نے اتاری

الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ

وہ کتاب جو موسیٰ لائے تھے روشنی اور لوگوں کے لیے ہدایت جس کے تم نے الگ الگ کاغذ بنا لیے ظاہر

تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ

کرتے ہو اور بہت سے چھپا لیتے ہو اور تمہیں وہ سکھایا جاتا ہے جو نہ تم کو معلوم تھا نہ تمہارے باپ دادا کو اللہ کہو پھر

ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ

انہیں چھوڑ دو ان کی بیہودگی میں انہیں کھیلتا اور یہ ہے برکت والی کتاب کہ ہم نے اتاری تصدیق فرماتی ان کتابوں کی

بَیْنَ یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

جو آگے تھیں اور اس لیے کہ تم ڈر سناؤ سب بستیوں کے سردار کو اور جو کوئی سارے جہان میں اس کے گرد ہیں اور وہ جو آخرت

یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى

پر ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر

اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَ لَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ

جھوٹ باندھے یا کہے مجھے وحی ہوئی اور اسے کچھ وحی نہ ہوئی اور جو کہے ابھی میں اتارتا ہوں ایسا جیسا اللہ

اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ

نے اتارا اور کبھی تم دیکھو جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہیں اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں کہ

اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

نکالو اپنی جانیں آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا بدلہ اس کا کہ اللہ پر جھوٹ لگاتے تھے

غَیْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ

اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسا

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَ مَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ

ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے جو مال و متاع ہم نے تمہیں دیا تھا اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں

الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ وَ ضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ

کو نہیں دیکھتے جن کا تم اپنے میں ساجھا بتاتے تھے بے شک تمہارے آپس کی ڈور کٹ گئی اور تم سے گئے جو دعوے کرتے تھے

تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾

جیسے آپ سے پہلے نہ کسی نبی مرسل نے طے کیا نہ ملک مقرب نے۔

تفسیر عالمانہ : قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ ،، میں تم سے قرآن پڑھ کر سوال نہیں کرتا۔ اَجْرًا ،، مزدوری اور اس انعام کا جو مجھ سے قرآن سن کر دو جیسے مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچانے پر کسی انعام کے طلبگار نہ ہوئے۔

تفسیر عالمانہ ۹: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ،، قدر بمعنے الحزر یعنی تخمینہ اندازہ۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ قَدَرُ الشَّیْ ءِ يَقْدِرُ بالضم (باب نَصَرَ يَنْصُرُ) قدرًا یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی شئ کا اندازہ اور تخمینہ کیا جائے تاکہ اس کی معلوم ہو سکے۔ پھر کسی شئ کی معرفت فی المقدار والاحوال والصفات میں مستعمل ہوا۔ اسی وجہ سے جو شخص کسی شئ کو اس کی شان کے لائق معرفت رکھتا ہو تو کہتے ہیں هُوَ يَقْدِرُ قَدْرَهٗ ،،

(ف) : حق قَدْرِهٖ ،، مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یہ دراصل مصدر محذوف کی صفت ہے کہ درحقیقت عبارت یوں تھی ،، قدر الحق ،،

(ف) : قدرہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ اور قدروا کی ضمیر جمع یہود کی طرف۔

شانِ نزول : مروی ہے کہ مالک بن الصیف (یہودیوں کا ایک بہت بڑا عالم اور لیڈر) چند یہودیوں کو لے کر مکہ معظمہ میں پہنچا تاکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوالات کرے اور ان سوالات سے صرف عناد مقصود تھا۔ اور وہ تھا بھی بہت موٹا۔ جب وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ معظمہ میں حاضر ہوا تو حضور نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال کیا کہ میں تجھے اس ذاتِ اقدس کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی بتاؤ اس میں لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم (دنیا پرست) سے بغض

ربط : اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کا حکم فرمایا تو اب اس کی نظیر بتائی کہ ان کے اقتدار کی مثال یہ ہے کہ جیسے انھوں نے بلا طمع تبلیغ حق فرمائی۔ آپ بھی محض رضائے حق کو مدنظر رکھ کر اپنی قوم کو تبلیغ فرمایئے۔

اِنْ هُوَ ،، نہیں وہ قرآن۔ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ؁ مگر نصیحت اور وعظ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عالمین کے لئے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید مخصوص قوم کے لئے وعظ و نصیحت بن کر نہیں اترا بلکہ ہر ایک کے لئے برابر طور نازل ہوا ہے پھر نصیب اپنا اپنا۔

: اولیاء کرام کی زندگی اس نہج پر بسر ہوتی ہے کہ تعلیم و تبلیغ پر کسی سے دنیوی طمع نہیں

سبق رکھتے اس لئے کہ تبلیغ و تعلیم پر اجر و مزدوری دنیوی اسباب سے ہے اور اہل آخرت اسباب سے مستغنی ہوتے ہیں وہ اہل اللہ اغراض و مقاصد سے ہٹ کر دینی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

ہے۔ اُس نے کہا۔ ہاں لکھا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو عالم بھی ہے اور موٹا بھی یہودیوں کی روٹیوں نے تجھے موٹا بنا دیا ہے۔ کھانے سے کبھی ہاتھ نہیں کھینچتا اس سے تمام لوگ ہنس دیے۔ اس سے مالک بن الصیف سخت رسوا ہوا اور غضبناک ہو کر کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پر کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی۔ جب یہ کہہ کر اپنی قوم کو مالک بن الصیف واپس لوٹا تو یہودیوں نے کیا غضب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی پر کچھ نازل نہیں فرمایا کیا موسیٰ علیہ السلام پر بھی کچھ نازل نہیں ہوا۔ اس نے چونکہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے غصہ دلایا اسی لئے کہہ دیا۔ انھوں نے کہا تو اس کا معنیٰ یہ ہوا جس وقت تجھے غصہ آئے تو اللہ تعالیٰ پر بہتان و افتراء تراشتا اور اپنے دین کو چھوڑ دیتا ہے۔ سب نے متفق ہو کر اس سے لیڈری چھین لی۔ کعب بن اشرف کو اپنا مقتدر اور لیڈر منتخب کر لیا۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حق ادا نہ کیا اور اس کی قدر نہ کی کہ وہ کریم اپنے بندوں پر کتنا لطف و کرم فرماتا ہے بلکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق کی ناقدری کی اور اُس کی نوازشات کے برعکس معاملہ کیا۔

(ف) معرفت کے بجائے قدر کا اطلاق اس لئے ہے کہ قدر معرفت کا سبب ہے اور اس کے ذریعے سے معرفت ہوتی ہے۔ گویا مسبب کے بجائے سبب مستعمل ہے۔

اِذْ قَالُوْا ،، جب رُسل علیہم السلام کی بعثت مبارکہ کے منکرین اور اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں سے انکار کرنے والوں نے کہا **مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ** ،، اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر بھی کوئی شے نازل نہیں فرمائی۔ نہ وحی نہ کتاب بطور مبالغہ ہر کتاب و وحی کی نفی ہے ورنہ مقصود کو صرف قرآن مجید کا انکار اس لئے کہ اس مقولہ کے قائل یہودی تھے، چنانچہ ابھی شانِ نزول میں ہم نے لکھا **قُلْ** اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تبکیتًا اور بطور اتمام حجت کے فرمائیے۔ **مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى** ،، کتاب توراۃ کس نے اُتاری جسے موسیٰ علیہ السلام لائے تھے درانحالیکہ **نُوْرًا** ،، وہ نور تھی۔ یعنی ظاہر بنفسہٖ اور مظہر لغیرہٖ ،، فارسی میں نور کا معنیٰ ہوگا روشنائی فرسندہ (روشنی دینے والی)، **وَّهُدًى لِّلنَّاسِ** ،، اور ہدایت دینے والی لوگوں کی۔ **تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ** ،، درانحالیکہ تم اسے ٹکڑے ٹکڑے کرتے اور اُس کے اوراق بدلتے تھے۔

(ف) یہاں پر حرف جر محذوف ہے۔ جبکہ کاغذوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(ف) قراطیس قرطاس کی جمع ہے بمعنے صحیفہ۔ **تُبْدُوْنَهَا** ،، یہ قراطیس کی صفت ہے یعنی درانحالیکہ

تم کتابِ تورات سے صرف وہ ظاہر کرتے ہو جس سے تمہیں محبت ہے۔ وَ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ،، اور ا
میں سے بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو۔ مثلاً حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک اور مناقب و کمالا
اور تصرفات و معجزات وغیرہ[1]۔ اسی طرح آیت رجم اُن کے علاوہ اور بہت سے احکام اُنھوں نے چھپا
رکھے تھے جو پوچھنے پر بھی نہیں بتاتے تھے۔ وَعُلِّمْتُمْ اور تمہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبا
اقدس کے ذریعے بہت سے معلومات بہم پہنچائے گئے ہیں۔ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ
جنہیں تم اور تمہارے آباؤ اجداد نہ جانتے تھے۔ اس سے وہ علوم شرعی احکام مُراد ہیں جو اُنہوں نے حضو
نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کئے۔ وَعُلِّمْتُمْ تخفون کے فاعل سے حال ہے اور اس سے
قد محذوف ہے اس لئے کہ صیغۂ ماضی حال بننے کے قابل اس وقت ہوتی ہے جب اس میں قد ظاہر ہو یا
ہو اس سے توبیخ میں تاکید مطلوب ہے یعنی جو کچھ اُنہوں نے تورات کے احکام اور اس کے مضامین میں
ہیرا پھیری اور الٹ پلٹ کی۔ بہت بُرا کیا ہے لیکن ان کی بدبختی مزید برآں کہ وہ تورات جو اُن کے علو
معارف کا ماخذ تھی اس سے استفادہ کی بجائے اس میں توڑ مروڑ کر کے کچھ کا کچھ کر دیا۔ قُلِ اللّٰهُ ،، فرما
اے محبوب (کریم) صلی اللہ علیہ وسلم کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔

(ف) اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ یہودیوں کو یوں جواب عنایت
فرمائیے اس میں اشارہ ہے کہ یہی جواب منجانب اللہ متعین ہے۔ اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں تاکہ تنبی
ہو کہ وہ ایسے مبہوت ہیں کہ اب اُن سے کسی طرح کا جواب نہیں بن آتا۔

ثُمَّ ذَرْهُمْ ،، پھر انہیں چھوڑ دیجئے فِيْ خَوْضِهِمْ ،، وہ اپنے باطل امور میں خو
کرتے رہیں۔ آپ کے ذمہ تبلیغ تھی۔ اس کا آپ نے حق ادا کر دیا۔ اور اُن پر حجت قائم کر دی۔ اب اُن کو
پر رہنے دیجئے۔ يَلْعَبُوْنَ ،، یہ ذرھم کی ضمیر ھم سے حال ہے اور فی خوضھم ذرھم کے یلعبون کے متعلق

(ف) جس عمل سے کسی قسم کا فائدہ نہ ہو اس کے لئے اہلِ عرب کہتے ہیں۔ اِنَّمَا اَنْتَ لَاعِبٌ
یعنی تم تو بالکل بیکار انسان ہو۔ وَهٰذَا ،، اور یہ قرآن كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ ،، وہ کتاب ہے جو
ہم نے ہی نازل کیا ہے۔

نکتہ: کتاب کو اَنْزَلْنٰہُ سے موصوف کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ وہ کتاب ہے
جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص اہتمام سے جبریل علیہ السلام کے ذریعے اپنے محبو
(کریم) صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی اور اس کی ہیئت کذائیہ اور ترکیب الفاظ کی فصاحت و بلاغت
نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کا دخل نہیں۔

---

[1] جیسے اب دیوبندیوں، وہابیوں، مودودیوں، تبلیغی جماعت اور احراریوں کی عادت ہے

مُبٰرَكٌ "بڑی برکت والی یعنی کثیر الفوائد و دفیر المنافع کتاب ہے۔

(ف) واقعی جو کچھ فرمایا حق اور مبنی برحقیقت ہے کہ یہ کتاب علوم نظریہ وعملیہ کو حاوی ہے
سب کو معلوم ہے کہ علوم نظریہ میں سب سے برگزیدہ علم معرفت ذات وصفات وافعال واحکام الٰہیہ
ہے وہ بالاستیعاب قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں۔ دوسری کتابوں میں اگر ان کا بیان ہے تو مکمل طور
پر استیعاب نہیں۔ یہی کیفیت علوم عملیہ کی ہے۔ اس لئے کہ علوم عملیہ یا اعضاء سے متعلق ہیں یا قلب
سے ان ہر دونوں کے متعلق علوم کا دوسرا نام علم الاخلاق یا تزکیہ نفس ہے اور اس کا بیان بھی قرآن پاک
میں تفصیل کے ساتھ اور مثالیں دے کر جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ دوسری کتابوں میں اس طرح نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ قرآن پاک مبارک بایں معنی ہے کہ وہ عوام کو اپنے مولیٰ سے ملنے کی دعوت دیتا ہے اور خواص کو رب تعالیٰ کے
وصال کی رہبری کرتا ہے اور خواص الخواص کو رب تعالیٰ سے ملاتا ہے اور ان میں اخلاق خلاق پیدا کرتا
اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ محبوب کا مکتوب عاشق کے زخمی قلوب کو شفا دیتا ہے۔

کسی عربی شاعر نے فرمایا ؎

وکتبك حولی لا تفارق مضجعی وَفِيهَا شفاء لِلَّذِی أنا کاتمہ

ترجمہ: تیرے خطوط میرے اردگرد پڑے ہیں اس لئے کہ وہ میری اس بیماری کا علاج ہیں کہ جسے میں
کسی کو بتانا نہیں چاہتا۔

(۱) ایں چہ منشور کریمست کہ ہر شکنش بوئے جاں پرور احسان وعطا می آید
(۲) ایں چہ انفاس رواں بخش عبیر افشانست کہ از و رائحہ مشک خطا مے آید

ترجمہ: (۱) کریم کا عجیب منشور ہے کہ اس کے ہر شکن سے احسان کی جان پرور خوشبو آتی ہے۔
(۲) یہ عجیب انفاس روح بخش عنبر پھیلانے والے ہیں کہ ان سے مشک خطا (ملک) کی خوشبو آتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

: مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ "اس سے پہلے جو کتابیں گذری ہیں اُن کی قرآنِ پاک تصدیق کرتا ہے۔ تورات کی بھی اس لئے
کہ ان میں اس کے متعلق علامات ونشانات لکھے تھے۔ وہ سب اس میں پائے جاتے ہیں۔
وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى "اس کا مبارک کے مدلول پر عطف ہے یعنی قرآن مجید میں برکات
اور وہ باتیں بھی ہیں کہ آپ اپنی قوم یعنی اہل مکہ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔ یہاں مضاف
لفظ اہل محذوف ہے کہ دراصل لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى " تھا۔ اس سے مکہ معظمہ مُراد ہے۔ اور اسے
ام القریٰ اس لئے کہا جاتا ہے کہ زمین کے بچھانے کا آغاز اسی سے ہوا۔ اس معنی پر یہ تمام زمین کا اصل ہوا
جیسے ماں تمام نسل کی اصل ہے۔ اسی مناسبت سے اسے ام القریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(ف) کاشفی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ القریٰ قریہ کی جمع ہے۔ اور قریہ کا ماخذ قرا بمعنی جمع کرنا ہے، چونکہ لوگ وہاں پر جمع ہوتے ہیں۔ اس معنے پر اسے قریہ سے موسوم کیا گیا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ قریہ کا اطلاق لغۃً صرف دیہات سے مخصوص نہیں بلکہ ہر چھوٹی بڑی آبادی کا نام قریہ ہو۔ خواہ وہ دیہات ہو یا شہر[1] وَمَنْ حَوْلَهَا۔ اور وہ جو اس کے گرداگرد ہیں۔ یعنی تمام شرقی غربی لوگوں کو اے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔

تفسیرِ صوفیانہ

: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ام القریٰ سے قلب کا وہ ذرہ مراد ہے جس سے روزِ میثاق میں حق تعالیٰ مخاطب ہُوا۔ یہ ذرہ انسان کے قلب میں بطور امانت رکھا گیا ہے۔ اس سے تمام جسم کی زمین کو بچھایا گیا۔ اُوپر نیچے دائیں بائیں کے تمام اعضاء اسی کے اِردگرد تخلیق فرمائے گئے۔ یعنی سمع۔ بصر۔ فواد۔ اخلاق صفات سب کے سب اسی ذرۂ قلب کے نور سے منوّر اور اسی کے رازِ مخفی سے اسرار حاصل کرتے ہیں بلکہ یوں کہو کہ انسانی مشین کے ایک ایک پُرزے کی بجلی کا پاور ہاؤس وہی ہے۔ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ" اور وہ لوگ جو آخرت پر اور اس کے اندر جو عذاب و ثواب ہے ایمان رکھتے ہیں يُؤْمِنُونَ بِهِ" اور وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اس لئے کہ انہیں اپنے انجام کی بربادی کا خوف رہتا ہے۔ اس لئے کہ وہ کتاب الٰہی میں پورے طور غور و خوض کرتے ہُوئے اس کی تمام باتیں مانتے ہیں۔ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یعنی جو لوگ کتابِ الٰہی کو مانتے ہیں وہ پانچوں وقت کی نماز پر مداومت رکھتے ہیں۔ اسی لئے یہی تمام عبادات و طاعات میں خصوصی طور ذکر کیا گیا۔

مسائل فقہیہ و تصوّف

: آیات سے چند مسائل و احکام ثابت ہُوئے جیسے مخلوق خالق کی نہ پوری معرفت حاصل کرسکتی ہے اور نہ ہی اس کی کنہ کو پہنچ سکتی ہے۔ یعنی تعینات الاسماء و الصفات سے متجرد ہونے کی حیثیت اور اس کی ذات کی کنہ سے ادراک عاجز ہے ۔

بخیال در نگنجد تو خیال خود مرنجاں

ترجمہ : وہ خیال میں نہیں آسکتا اسی لئے خیال کو پریشان نہ کر۔

نکتہ

: جس نے اللہ تعالیٰ کو کسی آلہ مخلوقیہ سے پہچاننے کا دعویٰ کیا تو سمجھ لو کہ وہ غیر عارف ہے ہاں جو آلہ قدیمہ سے پہچاننے کا دم بھرے تو وہ اپنے دعوے میں سچا ہے جیسے بعض عارفین سے منقول ہے کہ عَرَفْتُ رَبِّيْ بِرَبِّيْ لیکن اتنا قدر کہ جتنا اسے اللہ تعالیٰ

---

[1] البتہ عرف میں شہر کو قریہ نہیں کہا جاتا، چونکہ لغت پر عرف کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اب صرف دیہات کو قریہ کہا جائیگا۔ غفرلہ

نورِ قدیم کے فیض کو قبول کرنے کی استعداد ہے۔ اسی ذریعہ سے اس ذات کا ادراک کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ ذات و صفات کا ادراک اس طرح سے کیا جاسکتا ہے ؟ کیونکہ اپنی معرفت کا حق صرف وہی جانتا ہے نہ غیر سے

کنہ خودم در خور اثبات تو نیست دانندۂ ذات تو بجز ذات تو نیست

ترجمہ : میں اپنی عقل کی کمی کی وجہ سے تیرے اثبات کے لائق نہیں ہوں تیری ذات کو سوائے تیرے کوئی نہیں جانتا

مہ مَاللتراب و رب الارباب » کہاں ہم خاک کے پتلے اور کہاں وہ واجب الوجود۔

مسئلہ : موٹاپن کی مذمت ہے جیسا کہ آیت مذکورہ کے شان نزول میں معلوم ہوا۔

فائدہ : یاد رہے کہ یہاں پر موٹاپن سے مراد یہ ہے کہ انسان کھانے پینے میں تکلفات کرکے موٹا ہو جائے نہ وہ موٹاپن جو تخلیقاً ہو۔

حدیث شریف : قیامت میں بہت موٹے جسم والا مرد حاضر ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی مکھی کے پَر برابر بھی وقعت نہ ہوگی۔ قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ قَالَ تَعَالٰی « فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (قیامت میں ہمارے نزدیک ان کا کوئی وزن یعنی قدر و منزلت نہ ہوگی)

(ف) علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ انہیں کوئی ثواب نہیں ملے گا اس لئے کہ ان کے اعمال کے بمقابلہ عذاب کچھ نہیں ہوں گے اور قیامت میں کوئی عمل خیر نہ ہو تو وہ جہنم میں جائیگا

مسئلہ : علامہ قرطبی نے فرمایا کہ اس سے باسمجھ لوگ خود سمجھ سکتے ہیں کہ موٹاپن وہی مذموم ہے جو صرف کھانے پینے اور آرام و آسائش میں لگا رہے اور جسم کے رکھ رکھاؤ میں کوشاں ہو اور اچھے اعمال میں ذرہ بھر بھی خیال نہ کرے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو نما ئد از ضرورت کھاتا پیتا ہے وہی موٹاپن اور آسائش کے گورکھ دھندے میں پھنستا ہے۔

مسئلہ : زندگی بحال رکھنے کے لئے بقدر ضرورت کھانا فرض ہے۔ ایسا کھانا ثواب ہے یعنی اس نیت سے کھائے کہ نماز کھڑے ہو کر ادا کرسکوں گا۔ یا رات کو اتنا کھائے کہ دن کے روزے کو نبھاسکے ایسے طعام وغیرہ کھانے پینے پر ثواب پائے گا۔

مسئلہ : اپنی قوت و طاقت کے اضافہ کی نیت سے پیٹ بھر طعام وغیرہ کھانا پینا مباح ہے۔

مسئلہ : پیٹ بھر جائے تب بھی حرص کرکے اور کھائے تو حرام ہے بشرطیکہ اس میں کسی کی نیکی نہ ہو۔ مثلاً پیٹ بھر جانے کے بعد اس نیت سے زائد کھائے کہ کل کا روزہ رکھنا ہے۔ اس لئے قوت کا اضافہ ہوگا اور ضعف و کمزوری نہ ہوگی تو یہ جائز ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) باندازہ خود خور اگر مردی چنیں پُرشکم آدمی یا خمی
(۲) ندارند تن پروراں آگہی کہ پُر معدہ باشد زحکمت تہی

ترجمہ (۱) اپنے اندازہ پر کھا اگر تو جوانمرد ہے اتنا زیادہ کھاتا ہے کیا تو آدمی ہے یا مٹکا ہے۔
(۲) تن پرور لوگ کوئی خبر نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ معدہ طعام سے پُر ہو تو حکمت سے خالی ہے۔

حدیث شریف : مقاصد حسنہ میں امام سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث درج فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ موٹے تن پرور عالم سے کراہت کرتا ہے اور تورات میں ہے اللہ تعالیٰ موٹے تن پرور عالم کو مبغوض رکھتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ موٹے تن پرور قاری قرآن کو مبغوض رکھتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ما افلح سمین قط الا ان یکون محمد بن الحسن (رحمہ اللہ تعالیٰ) موٹا آدمی کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا سوائے حضرت محمد بن حسن (حنفی) کے۔ اُس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا ہر موٹا تن پرور بے فکر ہو کر زندگی بسر کرتا ہے اور محمد بن الحسن اگرچہ موٹے تھے لیکن شب و روز دین کے مسائل میں متفکر رہتے تھے یہاں تک کہ آپ نے اپنی زندگی کے چند لمحات میں بڑی بسیط اور ضخیم نوسو ننانوے (۹۹۹) کتابیں تصنیف کیں۔

نکتہ : دانا کو دو حالتوں سے خالی نہ ہونا چاہیئے۔ (۱) آخرت اور مرکز مٹنے کی فکر سے۔ (۲) کم ازکم دنیوی معاش کا فکر تو ضرور رکھے اس لئے کہ موٹاپن چربی کی زیادتی سے ہوتا ہے اور چربی تفکرات سے پگھل جاتی ہے۔

فائدہ : جو شخص اِن دونوں فکروں سے خالی ہے تو اس کا جسم چربی سے بھرپور ہو کر وہ بشکل انسان درحقیقت حیوان ہوگا۔

اعجوبہ وحکایت : امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمانہ قدیم میں ایک بادشاہ تھا جو حد سے زیادہ جسیم و لحیم ہوگیا۔ ملک بھر کے اطباء، ڈاکٹروں حکیموں وغیرہ) کو بُلا کر کہا کہ میرے لئے کوئی تدبیر کرو کہ جس سے میرا موٹاپن دفع ہو جائے۔ سب نے معذرت چاہی۔ اُس نے کہا تو کسی اور کو بلاؤ جو میرا علاج کرے۔ انہوں نے ایک ادیب، طبیب، ذکی فہیم نوجوان حکیم کا نام بتایا، چنانچہ اُسے بلوایا گیا۔ جب وہ بادشاہ کے ہاں حاضر ہُوا تو بادشاہ نے بنظرِ حقارت کہا کیا یہی لڑکا میرا علاج کرے گا، چونکہ وہ سمجھدار تھا اس لئے بادشاہ سے کہا۔ بادشاہ سلامت میں صرف طبیب نہیں بلکہ منجم بھی ہوں۔ مجھے رات تک اجازت چاہیئے تاکہ میں دیکھ لوں کہ آپ کے ادویہ کس ستارے سے

سے مناسبت رکھتے ہیں۔ ایک رات اسے مہلت دی گئی۔ صبح سویرے حاضر ہو کر عرض کی بادشاہ سلامت مجھے امان کا وعدہ کرو پھر کچھ عرض کروں گا۔ بادشاہ نے وعدہ کیا تو حکیم مذکر نے کہا بادشاہ سلامت میں نے آپ کا ستارہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ صرف ایک ماہ زندہ رہیں گے۔ اس مدت میں آپ کو علاج پر کثیر رقم خرچ کرنے کا کیا فائدہ اور ساتھ ہی مجھے قید کر لو۔ اگر میں اپنے قول میں سچا نکلا تو میری جان بخشی کا حکم فرمانا ورنہ مجھے سُولی پر چڑھا دینا۔ بادشاہ نے اسے جیل میں ڈال دیا اور خود بھی اس فکر میں پڑ گیا کہ جب زندگی باقی صرف ایک ماہ ہے تو پھر عیش و عشرت کا کیا فائدہ۔ اس لئے حکم فرمایا کہ مجھ سے گانے بجانے اور دیگر عیش و عشرت کے سامان دُور کر لو۔ یہ کہہ کر خود بھی لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ دن گزرنے گئے اس کا غم بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ضعیف و نحیف ہو گیا اور جسم کے اندر کی تمام چربی پگھل کر باہر نکل گئی۔ جب اٹھائیس دن ہوئے تو بادشاہ نے اس نوجوان حکیم کو جیل سے باہر نکلنے کا حکم دیے کر اپنے ہاں بلا کر فرمایا کہ اندریں مُدت مجھے موت تو نہیں آئی۔ البتہ مجھے صحت و عافیت نصیب ہو گئی
اگرچہ تو جھوٹ بولنے پر سزا کا مستحق ہے لیکن چونکہ مجھے تیرے جھوٹ بولنے سے فائدہ ہُوا ہے اسی لئے میں تجھے معاف کرتا ہوں مگر یہ بتائیے کہ تم نے اتنا بڑا جھوٹ کیوں کہا۔ حکیم نے کہا جناب عالی نہ میں علم غیب رکھتا ہوں اور نہ مجھے کسی کی موت و حیات کے متعلق معلومات ہیں اس لئے کہ جب میں اپنی موت و حیات سے بے خبر ہوں تو دوسروں کے لئے کیا کہہ سکتا ہوں دراصل وجہ یہ ہے کہ میں نے آپ کے موٹاپے کو دیکھ کر ترس کھایا اور اس کا علاج سوائے چربی کے گھٹنے کے اور کوئی نہ تھا اور چربی گھٹانے کا طریقہ سوائے آپ کو غم میں ڈالنے کے ہو نہیں سکتا تھا اور آپکے بجز کچھ کہا گیا وہ آپ سے ہُوا جس سے آپ تندرست ہو گئے۔ بادشاہ کو اس کی بات بہت پسند آئی اس لئے اس کی جان بخشی کے ساتھ اسے بیکراں انعام و اکرام سے نوازا۔

لطائف : اہلِ عبارات نے قُلِ اللہ میں بڑے عجیب لطائف تحریر فرمائے۔ منجملہ اُن کے چند ایک یہ ہیں : لطیفہ (۱) شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ سے تفسیر فارسی میں منقول ہے کہ آپ نے قُل اللہ الخ کی تفسیر میں فرمایا : اللہ بس و ماسواہ ہوس وانقطع النفس (اللہ کافی ہے اس کا، ماسوا ہوس ہے سانس ختم ہو گئے)

لطیفہ (۲) شیخ الاسلام نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ قل اللہ دل را سوئے او دار (دل اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کر دو) ثم ذرھم غیر اورا فرو گزار (غیر اللہ کو دل سے ہٹا دو)

لطیفہ (۳) شیخ شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مریدوں سے فرما رہے تھے کہ "عَلَيْكَ بِاللّٰهِ وَدَعْ مَا سِوَاهُ" (اللہ تعالیٰ سے جی لگا کر ماسوی اللہ کو یک لخت دل سے دُور کر دو)

؎ چوں تفرقہ دل است حاصل ز ہمہ — دل را بہ یکے سپار و بگسل ز ہمہ

ترجمہ : تمام مال کے حصول کے باوجود دل غیر مطمئن ہے اسی لئے دل ایک کو دے کر سب سے رشتہ توڑ دے۔

سبق : اِن لطائف اور آیت کے مضمون سے ثابت ہُوا کہ جو واصل باللہ ہونا چاہتا ہے اسے ماسویٰ اللہ سے انقطاع حاصل کرنا لازم ہے اس لئے کہ ماسوی اللہ لہو و لعب اور غفلت ہی غفلت ہے اور لہو و لعب میں مشغول ہونے والا کسی قطار و شمار میں نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ماسوا کے اشتغال سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

مسئلہ : آیت سے قرآن کی مدح اور اس کی فضیلت کا بیان ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کے پڑھنے سے بندہ فوائد سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

حکایت وزیارت ربّ : حضرت امام احمد حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہُوا اور عرض کی یا الٰہی تیرے قریب لانے والے اعمال سے کونسا عمل افضل و اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قرآن۔ میں نے دوبارہ عرض کی یا الٰہی خالی تلاوت کرنے یا اس کے فہم و تدبر کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ہر دونوں طریقوں سے۔ **مسئلہ** : قرآن پاک کے الفاظ کو دیکھنا بھی عبادت ہے پھر اس کی تلاوت دوسری عبادت۔

فضیلت تلاوت قرآن پاک : حضرت حمید بن اعرج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن مجید تلاوت کے بعد ختم کے وقت اللہ تعالیٰ سے دُعاء مانگتا ہے تو اُس کی دُعاء پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں پھر اس کے لئے دُعاء و استغفار اور اس پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔ صبح سے شام تک یا شام سے صبح تک یعنی اس کی تلاوت کے مختلف اوقات کی وجہ سے۔

(فائدہ) سمجھدار انسان پر لازم ہے کہ وہ تلاوتِ قرآن مجید میں جدوجہد کرے۔ گرمیوں میں صبح کو اور سردیوں میں بعد مغرب تلاوت کرے تاکہ ملائکہ کی دُعا و استغفار کا وقت زیادہ نصیب ہو۔

حدیث شریف : خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ ،، تم میں بہتر وہ ہے جو قرآنِ پاک سیکھ کر دُوسروں کو سکھائے۔

مَسْئلہ : لازم ہے کہ تلاوت و تعلیم قرآنِ مجید میں حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اقتدا کی جائے اور اس پر نہ اُجرت لی جائے اور نہ کسی سے شکریہ کا انتظار کیا جائے۔ صرف تقرب الی اللہ مطلوب ہو۔ اسی طرح انبیاء علیہم السّلام کی اقتداء کی جائے کہ ہر ایک نے بہت بڑی دینی خدمات سرانجام دے کر قوم سے فرمایا: لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ،،

مسئلہ: کسی سے کچھ لے کر تعلیم حاصل کرنا تو جائز ہے لیکن صرف اس لئے تعلیم حاصل کرنا کہ کسی سے کچھ لیا جائے گا تو یہ حرام ہے (کذا الاسرار المحمدیہ)

مسئلہ: قرآنِ پاک کے پھٹے پُرانے غلاف کتابوں کے استعمال میں لانا جائز نہیں۔ بلکہ اس کے پُرانے غلاف کو پانی سے دھو کر (کہیں دفن کر دیا جائے)

وہابیہ دیوبندیہ کا رد: صاحب رُوح البیان لکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں رواج ہے کہ قرآن پاک کے پرانے غلاف پانی میں دھو کر بیماروں کو پلائے جاتے ہیں اس طرح سے انہیں شفاء بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ (ولکن الوہابیہ قوم لا یعقلون)

مسئلہ: قرآن پاک تجوید اور نہایت بہتر لہجہ سے پڑھا جائے۔

حدیث شریف: لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ وَحَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ الخ (ہماری جماعت میں شامل نہیں جو قرآنِ پاک کو اچھے لہجے میں نہیں پڑھتا اے میرے اُمتیو! قرآن پاک کو اچھی آواز سے پڑھو۔ اس لئے کہ اچھی آواز قرآن پاک کے حُسن میں اضافہ کرتی ہے۔

فائدہ: بعض محدثین نے فرمایا کہ حدیث شریف میں تغنیؔ سے اچھا لہجہ مُراد نہیں۔ بلکہ دنیا دُنیوی اسباب کا استغناء مُراد ہیں۔ اہل لغت کے ہاں بھی یہی اقرب ہے (کذا فی الاسرار)

مسئلہ: ظہیر الدین مرغینانی سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں اگر کوئی شخص کسی پڑھانے والے کو اثنائے قرأت میں کہتا ہے۔ احسنت[1] تو وہ اچھا نہیں کرتا بلکہ اس کے کفر کا خطرہ ہے (اس لئے کہ اُس نے ایک بُرے کام پر اس کی تعریف کی اس زمانہ میں اجرت پر پڑھانا گناہ سمجھا جاتا تھا)

مسئلہ: بزازیہ میں ہے کہ جو شخص الحان (موسیقی) سے قرآن پڑھتا ہے تو وہ ثواب کا مستحق نہیں۔ اس لئے کہ وہ قاری القرآن نہیں بلکہ وہ تو موسیقار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ الخ قرآن عربی ٹیڑھا نہیں''

حکایت: حجاج یوسف نے اپنے ساتھیوں سے پُوچھا تمہارے نزدیک کونسی آواز پسند ہے۔ ایک نے کہا آدھی رات کا وقت اور قرآن مجید پڑھنے والا تلاوت کرے حجاج نے کہا خوب۔ دوسرے نے کہا مجھے وہ آواز محبوب ہے کہ میں اپنی عورت کو دردِ زہ میں مُبتلا چھوڑ جاؤں تاکہ نماز ادا کروں ابھی

---

[1] (شرح الہدایہ لتاج الشریعۃ)

میں مسجد سے باہر نہ نکلوں تو کہنے والا کہے کہ نہیں مبارک تیرے گھر اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطاء کیا ہے۔ حجاج نے کہا واہ واہ۔ شعبہ بن علقمہ تمیمی بولا کہ بخدا مجھے تو وہ آواز پسند ہے کہ مجھے بھوک ستا رہی ہو تو طعام سے بھری ہوئی پلیٹوں کی آواز میرے کانوں میں پڑے۔ حجاج نے کہا تو اے بنی تمیمو! ہر وقت آمد و خرچ کی فکر میں رہتے ہو۔

(فائدہ) اس حکایت سے مقصد صرف اتنا ہے کہ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (ہر گروہ اس سے خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہے) یعنی فکر ہر کس بقدر ہمہ اوست، خلاصہ یہ کہ دانشمند کو چاہیئے کہ وہ کلام الٰہی سے مانوس ہو اور لوگوں سے علیحدگی اختیار کرے گی۔

مسئلہ: قرآن مجید کے پڑھنے والے پر لازم ہے کہ وہ کلام الٰہی میں موسیقی کو دخل نہ دے اور نہ ہی فاسقوں فاجروں کے الحان کو تلاوتِ قرآن مجید میں شامل کرے[1]۔ بلکہ صرف عرب کے لحن پر تلاوت کرے پھر اُس پر نہ ظاہرًا کوئی اعتراض ہوگا نہ باطنًا (واللہ اعلم)

تفسیر عالمانہ ۹۲: وَمَنْ، یہ مَنْ استفہامیہ اور مبتدا ہے۔ اَظْلَمُ، یہ مبتدا کی خبر ہے۔ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا، کذبا افتری کا مفعول بہ ہے۔ یعنی اُس سے اور کوئی بڑا ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹی باتیں گھڑتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ اُسے بھی اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا ہے جیسے مسیلمۃ الکذاب اور اسود عنسی۔ اُنھوں نے بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ یا اس سے اور کوئی بڑا ظالم نہیں جو جھوٹے احکام گھڑتا ہے جیسے عمرو بن لحی یہ وہی شخص ہے جس نے عالم دنیا میں سب سے پہلے اسماعیل علیہ السلام کے دین میں رخنہ اندازی کی اور بُت پرستی کے لئے بُت گھڑے اور بحیرہ و سائبہ جانور بتوں کے لئے مقرر کئے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے عمرو بن لحی کے متعلق فرمایا کہ میں نے اسے جہنم میں چادر کھینچتے ہوئے دیکھا۔

مسیلمۃ الکذاب کی کہانی: حضرت قتادہ نے فرمایا کہ مسیلمۃ الکذاب مسجع کلام کا ماہر تھا اور کہانت میں بھی مہارت رکھتا تھا اور قرآن مجید کے مقابلہ میں سُورتیں اور آیات گھڑتا تھا، چنانچہ اُس نے سورۃ الکوثر کے بالمقابل کہا: اِنَّا اَعْطَيْنَا الْجَماھِر فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَھَاجِر اِنَّا کفینا المکابر والمجاھر، مسیلمہ نے الفاظ کا مقابلہ کیا لیکن گھٹیا قسم کے الفاظ

---

[1] ہمارے دَور کے حفاظ پر لازم ہے کہ وہ آدابِ تلاوت سے آگاہی حاصل کریں اور اکثر جاہل حفاظ قواعدِ قرآن کی پرواہ کئے بغیر موسیقی کے قواعد کے مطابق یا پھر گانے بجانے والے موسیقاروں کے طرز پر قرآن پڑھتے ہیں اُن کو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے

جملے اور معانی کے لحاظ سے بھی ناقص ہے۔ اس کے باوجود اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اس نے دو قاصد بھیجے۔ آپ نے ان قاصدوں سے فرمایا کہ بتاؤ تم مسیلمۃ الکذاب کو بھی مانتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں جی ہم اسے نبی مانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر قاصدوں کو قتل کرنا جائز ہوتا تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب اور اختیار

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بیداری اور خواب کے درمیان دیکھ رہا تھا کہ میرے ہاتھ میں تمام زمین کے خزانے رکھے گئے ان میں دو سونے کے کنگن بھی تھے جو میرے ہاتھ میں آتے ہی سخت بوجھل ہو گئے جن سے مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ حکم ہوا کہ آپ پھونک ماریئے۔ میں نے انہیں پھونکا تو وہ میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ میں نے اس کی تاویل کی کہ اس سے دو جھوٹے مراد ہیں جو میں ان کے درمیان ہوں۔ ایک صاحب صنعاء دوسرا صاحب یمامہ۔

نکتہ : قاضی صاحب نے فرمایا کہ کنگن کا کذاب کی تاویل میں نکتہ یہ ہے۔ کنگن ہاتھ میں بمنزلہ بیڑی (قید) کے ہوتا ہے۔ جو بندے کو کام سے روکتا ہے۔ اسی طرح وہ دونوں جھوٹے نبی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اجرائے احکام شریعت کے لئے معارض ہوئے۔

فائدہ : صاحبِ صنعاء یعنی اسود عنسی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے مرض میں حضرت فیروز کے ہاتھوں مارا گیا۔ حضور نبی پاک کو اس کے مرنے کی خبر سنائی گئی تو آپ نے پوچھا اسے کس نے مارا۔ عرض کی گئی کہ فیروز نے مارا ہے۔ آپ نے فرمایا "فاز فیروز" فیروز کامیاب ہوا اور صاحب یمامہ یعنی مسیلمہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں مارا گیا اسے حضرت وحشی[1] نے قتل کیا۔ "وَلَمْ یُوحَ اِلَیْہِ" حالانکہ اس کی طرف کسی قسم کی وحی نہیں کی گئی شیءٌ معمولی طور بھی۔

عبداللہ بن ابی سرح کا واقعہ : عبداللہ بن ابی سرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب وحی تھا۔ جب آیات "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

---

[1] یہ وہی وحشی ہے جس نے جنگ احد میں حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں نے مسیلمہ کو قتل کر کے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے خون کا کفارہ ادا کر دینے کی کوشش کی ہے اور شاید اللہ تعالیٰ اسی سبب میری بخشش فرما دیں۔

مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ،، اُترنے لگیں اور اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا آخَرَ ، پر مضمون پہنچا تو عبداللہ کے منہ سے بیساختہ نکلا ،، فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۔ جب اُس نے انسانی تخلیق کا مضمون پڑھا تو متعجب ہو کر مذکورہ بالا الفاظ اُس کے منہ سے نکل گئے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی عبارت بھی قرآن مجید میں لکھ دے۔ اس لئے کہ مجھ پر یہی الفاظ نازل ہوئے ہیں۔ اس سے عبداللہ کو شک گزرا کہ اگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اِس قول میں سچے ہیں کہ مجھ پہ اسی طرح نازل ہُوا ہے کہ میں بھی انہیں کی طرح کا ہوں کہ مجھ پر بھی وحی نازل ہُوا کرتی ہے۔ اگر معاذاللہ وہ جھوٹے ہیں تو پھر مجھے کونسی رکاوٹ ہے میں بھی نزولِ وحی کا دعویٰ کر دُوں ؛ چنانچہ وہ اسلام سے پھر گیا (مرتد ہوگیا) ۔اور مشرکین سے جاملا۔ لیکن فتح مکہ سے پہلے تائب ہو کر پھر مخلصانہ طور اسلام قبول کیا جبکہ حضور علیہ السلام مرہ میں تشریف فرما تھے ۔ وَمَنْ اور اُس سے اور کون بہت بڑا ظالم ہے جس نے قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ ،، کہا میں بھی ایسا قرآن نازل کر سکتا ہوں جیسا اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ان سے مُراد کفار ومشرکین کا وہ گروہ ہے۔ جنہوں نے کہا لَوْ نَشَاۗءُ لَقُلْنَا مِثْلَ ھٰذَآ ،، اگر ہم چاہیں تو اسی طرح کہہ سکتے ہیں ۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ ،، یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور ترٰی کا مفعول محذوف ہے جیسا کہ اذ ظرفیہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اگر تم ظالموں کو دیکھ لو۔ اس ترکیب پر الظالمون ،، مبتدا اور مابعد اس کی خبر ہے اور اذ جملہ کی طرف مضاف ہے۔ اور ظالمین سے مخصوص ظالمین مراد نہیں بلکہ مطلقاً اس کی جنس مُراد ہے اس لحاظ سے ہر قسم کے ظالم اس میں داخل ہیں خواہ وہ جھُوٹی نبوت کے مُدعی ہوں یا دُوسرے اور لَو کا جواب محذوف ہے جو کہ لرأیت امرًا عظیمًا ہے ۔یعنی اگر تم ان ظالمین کی وہی حالت (سکرات) دیکھو تو تمہیں بہت بڑا کریہہ منظر محسوس ہوگا ۔

فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ ،، موت کی سخت سے سخت تکلیفیں۔ غمرات غمرۃ کی جمع ہے بمعنے: غلبۂ شدت غمرہ الماء سے مشتق ہے ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو پانی سر کے اُوپر چڑھ کر اُسے پُورے طور ڈبو دے وَالْمَلٰۗئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْھِمْ ،، اُن کی ارواح قبض کرنے کے لئے ہاتھ اُٹھائے ہوتے ہیں۔ جیسے قرض خواہ قرض مانگتے وقت اپنے مقروض سے سختی کر کے ہاتھ اُٹھا کر یا اس کی گردن پکڑ کر کہتا ہے ابھی میرا قرضہ ادا کر دو ورنہ تیری جان نکال لوں گا یا ہاتھ پھیلانے سے مراد یہ ہے کہ عذاب کے فرشتے اسے عذاب دے کر کہتے ہیں۔ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ،، اپنی جانیں خود بخود نکال کر ہمارے حوالے کرو۔

(ف) ملائکہ کا یہ خطاب محض تغلیظاً ہوگا۔ ورنہ اِن بیچاروں ، کافروں ، مشرکوں ، ظالموں کو اپنی جان نکالنے کی قدرت کہاں یا انہیں طنزاً کہیں گے کہ اے ظالمو ! اگر تمہارے اندر کچھ جان ہے تو ہمارے عذاب سے نکل کر اپنی جان بچالو۔

اَلْیَوْمَ ،، موت کے وقت یا اس کے بعد کا وقت کہ جس کی پھر کوئی انتہا نہیں۔ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ ،، ایسے سخت عذاب کی تمہیں سزا ملے گی جو نہایت شدید ترین ہے۔

(ف) الهوان والهون بمعنے الحقارة بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ،، اس وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ناحق باتیں کہا کرتے تھے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد اور اُس کا شریک ثابت کرنا۔ اسی طرح جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر کے وحی کا افترا کرنا (جیسے دُوسرے جھوٹے نبیوں کی طرح مرزا قادیانی نے کیا) وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے اس لئے نہ تو اُن میں تامل سے کام لیتے اور نہ ہی ایمان لاتے ہو۔

حدیث شریف اور مومن کی موت

: مروی ہے کہ جب اہلِ ایمان پر نزع طاری ہوتی ہے تو اس کے ہاں فرشتے تشریف لاتے ہیں جن کے پاس ریشمی پوشاک ہوتی ہے جسے عطر و کستوری سے معطر کیا ہوتا ہے اور اس پر بہشتی گلاب اور ریحان کے گلدستے رکھے ہوتے ہیں۔ اُس کی رُوح ایسے آسان طریقہ سے نکالی جاتی ہے۔ جسے آٹے سے بال اور اسے کہا جاتا ہے۔ اے پاکیزہ نفس اپنے رب تعالیٰ سے راضی ہو کر حاضری دے اور تجھ سے تیرا رب کریم بہت خوش ہے فلہٰذا تم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہزاروں کرامتوں کے ساتھ روانہ ہو اور جب اس کی رُوح اس کے بدن سے نکال لی جاتی ہے تو اُسے اسی خوشبو اور گلدستوں میں اسی بہشتی پوشاک میں لپیٹ کر اعلیٰ علیین کی طرف پہنچایا جاتا ہے۔

کافر کی موت

: جب کافر پر نزع طاری ہوتی ہے تو اس کے ہاں فرشتے دوزخ کے ٹاٹ لاتے ہیں جن میں جہنم کے انگارے ہوتے ہیں۔ اُس کی رُوح جسم سے سختی سے کھینچی جاتی ہے اور اُسے کہا جاتا ہے اے نفس خبیث نہایت ہی ترش روئی سے اپنے جسم سے نکل اور آگے تیرا رب تعالیٰ بھی تجھ پر سخت ناراض ہے اور تجھے شدید ترین عذاب کی طرف دھکیلا جائے گا جب اُس کی رُوح اس کے جسم سے نکالی جاتی ہے تو اسے اسی انگاروں سے بھرے ہوئے ٹاٹ میں لپیٹا جاتا ہے اس وقت وہ کافر نہایت ہی گندی اور ڈراؤنی آواز سے چیخے گا لیکن اُسے فرشتے دھکیلتے ہوئے سجین میں لے جائیں گے (کذا فی التفسیر ابی اللیث)

تفسیر صوفیانہ

: آیت میں اشارہ ہے کہ جو لوگ ریاکاری سے آہ و فغاں اور عجز و انکساری کرتے ہیں اور اُن کے وجد و حال کا مظاہرہ صرف دکھاوے پر مبنی ہوتا ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بجائے انعامات کے خطرات و نظرات حاصل ہوتے ہیں اور انہیں زفرات و حسرات کے سوا اور کچھ نصیب نہیں۔ مانگ کر کھانے والے اور دُوسروں کے اُترے ہوئے کپڑے

پھنسنے والے کی طرح ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

اِذَا انسکبت دُمُوع فی خدود　　تبین مَنْ بکی مِمَّنْ تباکیٰ

ترجمہ: چہرے پر آنسو خود بتاتے ہیں کہ یہ حقیقی گریہ کناں ہے یا مصنوعی

(ف) وہ لوگ جو صرف بک بک کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ربانی ترجمان کہلاتے ہیں اور تاثر دیتے ہیں کہ صرف وہی صاحب ارشاد ہیں۔ حالانکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذرہ برابر بھی اشارہ نصیب نہیں ہوتا اسی طرح وہ لوگ جو باتوں میں کھینچا تانی کرتے ہیں اور کلام کو ایسا ما لُتی بناتے ہیں کہ گویا وہ خود نہیں بولتے بلکہ بلوائے جاتے ہیں اور اپنے زورِ بیان سے اسرار و حقائق کے مدعی بنتے ہیں اور عوام میں اثر دکھلاتے ہیں کہ یہی واصل باللہ اور کامل و اکمل ہیں تو یقین کر لو کہ یہ سب کے سب ظالم ہیں۔ اُن کے ظلم کے نقصانات اُن کے نزع رُوح کے وقت ظاہر ہوں گے کہ نہایت ہی سخت تکلیف سے اُن کی رُوح اُن کے جسم سے نکلے گی اس لئے کہ اُن کے تعلقات تو شہواتِ نفس سے جکڑے ہوئے تھے اور لذات دنیوی میں منہمک تھے۔ انہیں اسرار و حقائق سے ذرہ برابر بھی نصیب نہیں تھا۔ نہ ہی انہیں لذات آخرت سے کچھ نصیب تھا پھر وہ کب نزع رُوح کے وقت مسرور و مفروح ہو سکتے ہیں اس وقت ملائکہ قہر و جلال سے اپنے ہاتھ پھیلا کر بڑی شدت سے اُن کی رُوح نکالیں گے چونکہ اُن کے خیالات و ارادے افتراء و کذب اور مخلوق کے سامنے اپنے آپ کو رفیع المنزلۃ بنانے اور طرح طرح کے مراتب و کمالات دکھانے کے عادی تھے اس لئے اس قدر انہیں نزعِ رُوح کے وقت دُکھ اور درد پہنچے گا۔ انہی لوگوں کے حق میں کہا جائیگا اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِہٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ ۝ یعنی انہیں حکم ہوگا کہ تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کے آیات امانت رکھے گئے تھے۔ لیکن تم نے اُن سے اعراض کیا اور تم ریا کاری میں مُبتلا رہے حالانکہ تمہارے شایانِ شان نہ تھا اس لئے اس عذاب میں مُبتلا کئے گئے ہو۔

فوائد: (۱) رُوح کا جسم سے ایک یا دو یا تین دن تک تعلق منقطع رہتا ہے، لیکن مخلوقات سے بہت زیادہ تعلق ہو گا۔ اُن کے ارواح کا اجسام سے کئی سال تک انقطاع رہتا ہے اور کفار و مشرکین کا ہمیشہ سے تعلق منقطع کر دیا جاتا ہے۔

(۲) بعض گنہگاروں کا انقطاع تا قیامت رہے گا اور کفار تو عذاب کی شدت میں ہمیشہ ہمیشہ تک مُبتلا رہیں گے۔ اسے عذابِ الیم یا عذاب شدید سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۳) کچھ یہی کیفیت قبر میں بھی پیش آتی ہے۔

حکایت: کسی ایک مجرم کی قبر کھودی گئی تو اس سے ایک بہت بڑا زہریلا سانپ نمودار

ہوا۔ پھر دوسری جگہ کھودی گئی تو اسی طرح وہی سانپ ظاہر ہوا، چنانچہ متعدد مقامات پہ یہی منظر دکھائی دیا۔ یہاں تک کہ تیس (۳۰) مقامات پہ سانپ بار بار نظر آیا۔ جب دیکھا کہ کوئی صورت نجات کی نہیں تو اُسے اسی سانپ کے ساتھ دفنایا گیا۔ یاد رہے کہ وہ سانپ اس کے بداعمال کی صورت تھی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت برآورد　　روزے کہ رخت جان بجہاں دگر کشیم

ترجمہ "کوئی کام کر جائیں ورنہ شرمساری ہوگی۔ اس دن کہ جب ہم جان کا سامان دوسرے جہان کی طرف لے جائیں گے "

تفسیر عالمانہ

۹۴ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا "بے شک تم ہمارے ہاں حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے آؤ گے)

(ف) ماضی بمعنی مستقبل ہے یعنی جئتمونا بمعنے تجیئونا ہے اس لئے کہ جہاں فعل کے وقوع میں تحقق ہو وہاں ماضی بمعنے مستقبل ہوتا ہے، چنانچہ دوسرے مقام پہ فرمایا اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ط

شانِ نزول

: آیت میں خطاب کفار قریش کو ہے اس لئے کہ اُنہوں نے فقراء مسلمانوں کو دیکھ کر تحقیراً و افتخاراً کہا چونکہ دنیا میں ہم اموال و اولاد کے لحاظ سے بہتر ہیں۔ فلہذا ہمیں آخرت میں عذاب نہ ہوگا۔

فُرَادٰی "فرد کی جمع ہے بمعنے منفردین یعنی آخرت میں تم اموال و اولاد کے ساتھ نہیں ہوگے بلکہ اکیلے اکیلے حاضر ہوگے بلکہ اُس وقت تم سے دنیا کے اسباب چھین لئے جائیں گے كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ "یا فرادیٰ کے ضمیر سے حال ہے یعنی تمہاری کیفیت وہی ہوگی جو پیدائش کے وقت تھی کہ جسم اور پاؤں سے ننگے اور غیر مختون یعنی جس طرح دنیا میں آرائش کے ساتھ گزارتے تھے اس وقت وہ کیفیت نہ ہوگی بلکہ جس طرح بچہ پیدا ہوتے ہی ننگا اور بالوں سے صاف ہوکر آتا ہے ایسے ہی قیامت میں آئیں گے۔

حدیث شریف

: سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ قیامت میں جسم اور پاؤں سے ننگے ہو کر اُٹھائے جائیں گے۔ سیّدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی حضور! یہ کیسے ہوگا جبکہ عورتیں اور مرد ننگے ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت ہر ایک اپنے عرق میں غرق ہوگا پھر کیسے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔ وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ "اور جو کچھ ہم نے تمہیں دنیا میں دیا ہوگا اسے تم چھوڑ کر آخرت کے پروگرام میں مشغول ہوگے۔

(حل لغات) التخویل بمعنے تملیک الخول یعنی نوکروں چاکروں کا مالک بنا دینا خول بمعنی

الخدم والاتباع۔ اس کا واحد خائل آتا ہے یا التخویل ،، بمعنے الاعطاء علی غیر جزاء یعنی کسی کو کوئی شے مُفت عطاء کرنا۔ وَرَآءَ ظُهُورِكُمْ ،، یعنی جو کچھ دُنیا میں حاصل کیا وہ تمام کا تمام اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دو گے بال برابر بھی ساتھ نہیں لے جاؤ گے بخلاف اہلِ ایمان کے اُنہوں نے دُنیا میں اپنے عقائد صحیحہ کے لئے جد وجہد کی اور اعمال صالحہ میں مشغول رہے اس لئے وہ اعمال صالحہ وغیرہ قبروں میں ساتھ لائے ہیں جو آج قیامت میں انہیں کام دے رہے ہیں اس لحاظ سے وہ آج اکیلے نہیں بلکہ اعمال صالحہ اور عقائد صحیحہ اُن کے بہترین ساتھی ہیں ۔

چوں ازیجا واری آنجا روی ؛ در شکر خانہ ابد شاکر شوی

ترجمہ : جب تو اس علاقہ سے جان رہائی پائیگا تو وہاں پہنچیگا تو شکر خانہ میں ہمیشہ شکر کا صلہ پاتا رہے گا۔

وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ ،، اور آج ہم تمہارے سفارشی تمہارے ساتھ نہیں دیکھتے شفعاء سے اُن کے بُت مُراد ہیں۔ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ،، جن کے متعلق تمہارا گمان تھا کہ وہ ربّ تعالیٰ کی ربوبیت اور استحقاق عبادت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ بیشک آج تمہارے اور تمہارے معبودوں کے درمیان جُدائی واقع ہو گئی۔

(ف) یہ اس محاورہ سے ہے جو اہلِ عرب کہتے ہیں جمع بین الشیئین ،، یعنی فلاں نے دو چیزوں کے درمیان اجتماع واقع کیا۔

(ف) تفسیر کاشفی میں ہے منقطع گشت آنچہ میاں شما بود از وصلت و مودت۔ یعنی تمہارے اور اُن کے مابین جو مودت بھی وہ منقطع ہو گئی۔ وَضَلَّ عَنْكُمْ ،، اور تمہارے سے باطل ضائع ہو گیا۔ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ٥ وہ جو تمہارا گمان تھا کہ یہی تمہارے سفارشی ہیں لیکن وہ بیچارے تم پر سے عذابِ الٰہی کو دُور نہ کر سکے۔ یا تمہارا گمان تھا کہ یہ ربوبیت اور استحقاق عبادت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔

(ف) سیاق و سباق کے لحاظ سے یہی دوسرا معنی زیادہ موزوں ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا۔

بہترین تقریر : انسان کے دشمن چار ہیں : (۱) مال (۲) عیال (۳) اولاد (۴) دوست و احباب۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ ہی چاروں قبر میں ساتھ نہیں جاتے بلکہ بندہ قبر میں اکیلا اور تنہا رہ جاتا ہے۔

اسی طرح انسان کے دوست بھی چار ہیں : (۱) کلمہ شہادت (۲) نماز (۳) روزہ (۴) ذکر الٰہی یہ چاروں نہ صرف قبر کے ساتھی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے ساتھی کی سفارش بھی کریں گے اور لطف یہ ہے کہ مرنے کے بعد یہ چاروں اپنے ساتھی کو کسی وقت بھی اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنی قبر کی تنہائی کے لئے کچھ سوچے اور قیامت میں جب ننگا ہوگا تو اس وقت کا لباس آج تیار کر کے ساتھ لے جائے اور قیامت کا تقویٰ وطہارت لباس ہے اور انسان کا بہترین ساتھی عمل صالح ہے۔

حدیث شریف : ہر بندے کا عمل قبر میں ساتھ مدفون ہوتا ہے۔ اگر عمل نیک ہے تو بندے کی بہت بڑی عزت ہوتی ہے اگرچہ وہ بندہ دنیا میں کتنا ہی بے وقار سمجھا جاتا ہو۔ وہ عمل صالح اپنے ساتھی سے انس کرتا ہے۔ اُسے خوشیاں دلاتا ہے بلکہ اس کی قبر کو فراخ اور نورانی بناتا ہے۔ ایسے ہر قسم کے شدائد اور ہولناکیوں اور عذاب الٰہی سے بچاتا ہے کسی قسم کی خرابی اس کے قریب نہیں بھٹکنے دیتا۔ اگر عمل بُرا ہو تو اپنے ساتھی کو ڈراتا دھمکاتا بلکہ اس کی قبر کو کالی سیاہ اور نہایت تنگ عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ شدائد اور ہولناک باتوں کے درمیان حائل نہیں ہوتا بلکہ ہر ممکن خرابیوں میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔

سُورہ یٰسین شریف کا فائدہ : امام یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے بعض بزرگوں سے سُنا ہے فرمایا کہ بلادمین میں ایک شخص قبر میں دفنایا گیا تو اس کی قبر سے چیخ وپکار سنائی دی اور ایسے محسوس ہوتا تھا کہ گویا اُس کی سخت پٹائی ہو رہی ہے تھوڑی دیر کے بعد اس کی قبر سے ایک سیاہ کالا کُتا نکلا۔ ہم نے کہا خدا تیرا بھلا کرے تو کیا ہے۔ اس نے کہا میں اس بندے کا عمل ہوں۔ ہم نے پُوچھا کہ وہ دھاڑیں کیوں مارتا تھا۔ اُس نے کہا میرے ستانے سے لیکن اس کی خوش بختی کہ سُورہ یٰسین اور اس طرح کی کئی اور سُورتیں آئیں اور مجھے اس سے دُور کیا۔

سبق : عمل صالح کیسا ہی ہو بُرے اعمال پر غالب آجاتا ہے۔ دیکھئے اس بندے کے نامعلوم کتنے بُرے عمل ہوں گے لیکن سُورہ یٰسین کی برکت سے نجات نصیب[1] ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنے فضل وکرم سے بخش دیا۔ اگر بُرے اعمال انگنت اور نیکیاں قلیل ہوں تو بُرائیاں غالب ہوجاتی ہیں اور ایسا شخص سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

غم وشادمانی نہ ماند ولیک	جزائے عمل ماند ونام نیک
مکن تکیہ بر ملک وجاہ وحشم	کہ پیش از تو بُودست وبعد از تو ہم

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ اہل سنت کا معمول کہ میت پر سُورہ یٰسین اور قبر میں سُورہ مُلک وغیرہ پڑھنا فائدہ مند لیکن وہابیہ دیوبندیہ معتزلہ کے نقش قدم پر نہ صرف روکتے بلکہ بدعت کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ فافہم۔

۵۔ (۱) غم و شادمانی نہیں رہے گی جزائے اعمال رہے گا اور نیک نامی۔
(۲) مُلک و جاہ و حشم پر تکیہ نہ کر کہ تیرے سے پہلے بہت گزرے نہیں اور بعد کو بھی۔

تفسیر صُوفیانہ

: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادٰی، یعنی تم دُنیا میں تن تنہا حاضر ہوئے تو تمہیں ایک چھوٹے سے کپڑے میں لپیٹا گیا۔ پھر جب دُنیا سے رُخصت ہو گے تو بھی تمہیں اسی طرح کپڑوں میں لپیٹا جائے گا (وہ بھی قسمت میں اگر لکھا ہے ورنہ بے شمار بندگانِ خدا بے گور و کفن دُنیا سے رُخصت ہوئے) اس میں اشارہ ہے کہ متجرد ہو کر آنا ہُوا اور متجرد ہو کر روانہ ہونا ہے لیکن سر پر گناہوں کا بوجھ ہو گا۔ اگر اعمال صالحہ ہیں تو خوشی اور راحت ورنہ دُکھ اور درد۔ اس وقت نہ مال کام دے گا نہ دُنیوی جاہ و حشم اور نہ ہی کوئی سفارشی جان چھڑائے گا۔ بلکہ تمام تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ حال زار ہو گا اور تمام سکیمیں ملیامیٹ ہو جائیں گی اور تمام کاروائیاں بیکار ہو کر رہ جائیں گی۔

دُوسری تقریر صُوفیانہ

: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ کا وصال تجرید تفرید و توحید سے نصیب ہوتا ہے۔ تجرید سے دُنیا کے تعلقات مٹانے کا نام ہے اور تفرید بمعنی دُنیا و آخرت سے علیحدگی اختیار کر کے رجوع الی اللہ کرنا یہاں تک کہ کونین کا تصور بھی ذہن میں نہ ہو جیسے ابتدائے پیدائش کے وقت کونین سے بے خبر تھا۔ ایسے اب اپنا حال پیدا کرے، چنانچہ فرمایا: وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ،، اول مرۃ سے مُراد رُوح کی ابتدائی تخلیق جبکہ وہ ابھی جسم میں داخل نہیں ہُوئی تھی۔ اس لئے کہ جسم میں داخلہ کی اس کی دُوسری تخلیق ہے۔ کما قال تعالیٰ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ اور فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ، بندہ اللہ تعالیٰ تک اُس وقت پہنچتا ہے۔ جب دنیا اور آخرت کے تعلقات سے متجرد و متنفر ہو جائے کما قال تعالیٰ وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ،، یعنی جو کچھ ہمارے انعامات تم پر ہُوئے دونوں جہانوں کے تعلقات کو پسِ پشت ڈال دو گے تو وصالِ الٰہی نصیب ہو گا۔ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ،، یہاں پر شفعاء سے اعمال صالح مُراد ہیں یعنی سالک کا گمان ہوتا ہے کہ یہی اعمال و احوال اس کے وصالِ الٰہی کے وسیلہ ہیں۔ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ لیکن جب سالک کو سیر الی اللہ نصیب ہو جاتی ہے تو یہ اعمال و احوال سب منقطع ہو جاتے ہیں۔

فائدہ : جبریل علیہ السلام کو سیر سدرۃ المنتہیٰ تک تھی اور یہی تمام سیر کرنے والوں کی آخری منزل ہے فرشتے ہوں یا انسان۔

(ف) توحید بمعنے صفات واحدیۃ کے ساتھ تجلی حق سے فیض وحدانیت قبول کرنے کے لئے موحد ہونا

بقیہ صفحہ ۶۰۹

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ

بیشک اللہ دانے اور گٹھلی کو چیرنے والا ہے زندہ کو مردہ سے نکالنے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے

الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ

والا یہ ہے اللہ تم کہاں اوندھے جاتے ہو تاریکی چاک کرکے صبح نکالنے والا اور اس نے رات کو

اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ

چین بنایا اور سورج اور چاند کو حساب یہ سادھا ہے زبردست جاننے والے کا اور وہی

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ

ہے جس نے تمہارے لیے تارے بنائے کہ ان سے راہ پاؤ خشکی اور تری کے اندھیروں میں

فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ

ہم نے نشانیاں مفصل بیان کردیں علم والوں کے لیے اور وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا

فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿٩٨﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ

پھر کہیں تمہیں ٹھہرنا ہے اور کہیں امانت رہنا بیشک ہم نے مفصل آیتیں بیان کردیں سمجھ والوں کے لیے اور وہی ہے

مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ

جس نے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے ہر اگنے والی چیز نکالی تو ہم نے اس سے نکالی سبزی جس میں سے دانے

مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِنْ

نکالتے ہیں ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے اور کھجور کے گابھے سے پاس پاس گچھے اور انگور کے

أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ انْظُرُوا إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا

باغ اور زیتون اور انار کسی بات میں ملتے اور کسی بات میں الگ اس کا پھل دیکھو

أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٩٩﴾ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ

جب پھلے اور اس کا پکنا بیشک اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے اور اللہ کا شریک ٹھہرایا

الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ ۖ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا

جنوں کو اور حالانکہ اسی نے ان کو بنایا اور اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گڑھ لیں جہالت سے پاکی اور برتری ہے

يَصِفُونَ ﴿١٠٠﴾

اس کو ان کی باتوں سے

(بقیہ تفسیر از صفحہ ۶۰۴) تاکہ بندہ اِرجِعی اِلیٰ ربّک کے جذبہ سے مقام وحدت تک پہنچ سکے۔ اگر اسے جذبات ربوبیت کے ساتھ عنایت ازلیہ اس کا تدارک نہ کرے تو بندہ سیر فی اللہ باللہ سے منقطع ہوکر وہ سدرۃ المنتہی میں پھنسا رہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی حکایت میں فرمایا: وَمَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ معلوم (فافہم) کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ (حل لغات) الفلق بمعنی کسی شے کو کھول کر چیرنا۔ الحب حبۃ کی جمع ہے۔ ان تمام بیجوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو ضروریات زندگی کے لئے کام آتے ہیں۔ جیسے گندم جو باجرہ وغیرہ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ خشک بیج سے سبزہ زار پیدا فرماتا ہے۔ وَالنَّوٰی ،، یہ نواۃ کی جمع ہے ہر وہ شئ جو ثمر کے اندر ہو یعنی گٹھلی جیسے آم کشمش کھجور وغیرہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ وہ قدرت رکھتا ہے کہ گٹھلی کو چیر کر درخت بناتا ہے۔

اگرچہ وہ گٹھلی بہت سخت تھی، لیکن زمین میں چر کر بہت بڑا درخت بن گئی۔ جس پر بڑے بڑے پتے اور بڑی بڑی ٹہنیاں پیدا ہوئیں۔ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ ،، یہ ماقبل کا بیان ہے۔ یعنی حیوانات و نباتات کو پیدا کرتا ہے۔ ایک بے جان نطفے اور دانے سے کہ جن کی بظاہر کوئی طاقت ہی نہیں وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ میت کو نکالنے والا ہے۔ اس سے نطفہ اور دانہ مراد ہے مِنَ الْحَیِّ ،، زندہ حیوانات و نباتات مراد ہیں۔ اس کا فالق الحب پر عطف ہے۔ حی ومیت سے مجازاً نامی وجامد مراد ہے اس لئے کہ نامی کو حی سے اور میت کو جامد سے مشابہت ہے۔ اس لئے کہ حی حقیقی وہ ہے جو صفت حیات سے موصوف ہو جس میں حس اور حرکت ارادیہ ہو اور میت حقیقی وہ ہے جو صفتِ حیات سے خالی ہو لیکن اس کی شان یہ ہے کہ اسے حیاۃ سے موصوف ہونا چاہیئے تھا۔

فائدہ: بعض مفسرین نے یہاں پر حی ومیت کا حقیقی معنیٰ مراد لیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ (نطفہ) مردہ سے انسان (زندہ) اور مرغی زندہ سے انڈا (مردہ) پیدا فرماتا ہے۔

(ف) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا حی سے مومن اور میت سے کافر مراد ہے یعنی (جیسے آزر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام لیکن یہ قول مخدوش بلکہ مردود ہے) اور کافر مومن سے پیدا کرتا ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام سے کنعان۔ اسی طرح مطیع سے عاصی اور عاصی سے مطیع اور عالم سے جاہل اور جاہل سے عالم اور عاقل سے احمق اور احمق سے عاقل۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے حروف میتہ کی گٹھلی سے نخل ایمان اور زندہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے منافقت کا مردار پیدا فرماتا ہے۔

تفسیر عالمانہ : ذٰلِکُمُ ،، وہ قادر عظیم اَللّٰہُ صرف وُہی مستحق عبادت ہے فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ۝ پس تم کہاں اوندھے جاتے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے رُوگردانی کرکے اس کے غیر کی عبادت میں مشغول ہوتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔

حل لغات : الافک بمعنے قلب الشیٔ وصرفہ ،، یعنی کسی کو اپنی جگہ سے دُوسری جگہ منتقل کرنا۔

(ف) یہ خطاب کفار مشرکین کو ہے اس لئے کہ یہ سُورۃ مکیہ ہے۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ،، تاریکی چاک کرکے صبح نکالنے والا ہے۔ یہ اَنّ کی دُوسری خبر ہے۔

(ف) "الاصباح ،، بکسر الہمزہ بمعنی ضوء نہار میں داخل ہونا۔ ضُو نہار کا دُوسرا نام صبح ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بیاضِ نہار اور اس کی چمک سے صبح کے عمود ظاہر کرنے والا ہے۔

وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا ،، اور اسی نے رات کو چین و آرام بنایا کہ دن کا تھکا ماررات کو آرام کرتا ہے۔ سَکَنَ اِلَیہ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے خوش ہوکر مطمئن ہو یا اس لئے رات کو سَکَنًا کہا جاتا ہے کہ لوگ اس میں سکون پذیر ہوتے ہیں؛ چنانچہ دُوسرے مقام پر فرمایا لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ ،، (تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو)

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور سُورج و چاند بنایا حُسْبَانًا ،، حساب مختلف ادوار کی وجہ سے کہ ان سے شمار کئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سُورج کی حرکت مقرر فرمائی ہے وہ اپنے دورہ کو ایک سال میں مکمل کرتا ہے اور چاند کی بھی حرکت مقرر ہے کہ وہ فصولِ اربعہ سے انتظام پذیر ہوتے ہیں جیسے پھلوں کا پکنا۔ اسی طرح دُوسرے وہ اُمور جو کھیتوں و نسلوں سے متعلق ہیں کہ جن پر عالمِ دنیا کا قوام ہے۔

نکتہ : چاند کا ہر رات نئی منزل میں ہونا اور سال میں چاند کا متعدد بار طلوع و غروب یعنی بارہ مہینوں میں مقرر کرنے میں بھی یہی نکتہ ہے کہ انسان اپنے قرضہ جات وغیرہ کی میعاد اور دیگر مختلف امور کے لئے مناسب اوقات متعین کرسکے۔ اب جَعَلَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ،، کا مفہوم واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سُورج و چاند کو تمہارے حساب کی صحت کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

: الحسبان بالضم مصدر ہے بمعنے الحساب یعنی شمار کرنا (نَصَرَ یَنْصُرُ) بکسر الحاء

حل لغات

ہو تو از باب عَلِمَ یَعْلَمُ بمعنے الظَنَّ والتخمین ہوگا۔

نکتہ : سُورج کو چاند سے مقدم کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ سُورج کی روشنی چاند پر غالب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سُورج تمام افلاک کے چاند ستاروں کے انوار کا مرکز و معدن ہے۔ بلکہ یُوں کہو کہ نُورانیت کے لحاظ سے سُورج اصل ہے ؛ کیونکہ تمام چاند ستارے اسی سے نُور حاصل کرتے ہیں اور جس قدر چاند ستارے سُورج سے تقابل رکھتے ہیں۔ اسی قدر اُس سے نُور پاتے ہیں۔

فائدہ : حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا کہ چاند کا نُور اپنا ذاتی ہے۔ بلکہ یہ بھی منجملہ عالمِ انوار میں سے ایک ہے اور یہ نقص جو اسے ہر ماہ لاحق ہوتا ہے۔ یہ اس کی کثافت کی وجہ سے ہے۔ اگر یہ کمی بیشی اس میں نہ ہو تو مہینوں اور سالوں کے متعلق کچھ معلومات نہ ہو سکیں۔

فائدہ : سُورج اور چاند اسی تعین کی دو آنکھیں ہیں۔ ان کا باقی حصہ اُوپر کی طرف ہے۔ یہ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں یہ اُن کی وہ کیفیت ہے کہ جب آنکھ کھولتے ہیں تو ہمیں اُن کا جرم (جُثہ) نظر آنے لگتا ہے جو آنکھیں بند کر لیتے ہیں تو ہماری آنکھوں سے اُوجھل ہو جاتے ہیں۔

فائدہ : ستارے آسمان میں مرکوز نہیں بلکہ اُن کا نُور اس سُورج کے نُور کا عکس جو اُن کے عروج پر منعکس ہوتا ہے تو یہ روشن نظر آتے ہیں۔

فائدہ : ستاروں کے سقوط کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ سُورج ایک مقام سے دُوسرے مقام کی طرف انہیں دفع کرتا ہے ؛ لیکن یہ باتیں صرف اہلِ سلوک جانتے ہیں۔ حکماء ان حقائق سے بے خبر ہیں۔

اعجوبہ : عالم آخرت کے لیل و نہار اس روشنی و تاریکی سے نہیں بلکہ اُن کی کوئی اور علامت ہے وہ یہ کہ تجلیاتِ حق سے اُن پر جلوہ گری ہوگی۔ لیل بھی اسی تجلی کی جلوہ گاہ ہے اور نہار بھی لیکن اسے صرف اہلِ حق جانتے ہیں۔

(ف) یاد رہے کہ وہاں آخرت میں ظلمت ہوگی کیسے جبکہ وہاں نُورِ الٰہی کا غلبہ ہوگا۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم نُورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بہشت کے اشجار کا صرف ایک پتہ عالم دُنیا میں آکر گرے تو عالمِ دُنیا کا ذرہ ذرہ نُور سے روشن ہو جائے۔

ذٰلِكَ ،، یہ اشارہ سُورج اور چاند کو حُسبان بنانے کی طرف ہے یعنی سُورج و چاند کو سیر کرانا جیسا

غریب طریقے اور حساب معلوم سے ہے۔ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ "اسی غالب کریم کا مقدر کرنا ہے جس کا سورج و چاند پر غلبہ ہے اور جس نے مخصوص طریقہ کے ساتھ انہیں افلاک کی سیر کرائی الْعَلِيْمُ وہی کریم جانتا ہے کہ ان میں کتنا منافع ہیں اور مخلوق کے مصالح اُن سے کس قدر متعلق ہیں اور ان کی معاش و معاد اُن سے کس طرح مربوط ہے حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند ⁂ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

(۲) ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار ⁂ شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

ترجمہ : ابر و باد اور چاند اور سورج اور آسمان کام میں ہیں تاکہ تو روٹی ہاتھ میں لیکر غفلت سے نہ کھائے۔

(۲) سب کے سب تیرے لئے پریشان اور فرمانبردار ہیں شرط انصاف نہیں کہ تو اس کا فرمان پورا نہ کرے۔

وَهُوَ الَّذِيْ "اور وہ اللہ تعالیٰ جو قدرت کاملہ کا مالک ہے جَعَلَ لَكُمُ "تمہاری خاطر بنائے اور صرف تمہارے لئے پیدا فرمائے۔ النُّجُوْمَ "ستارے جو مختلف مقامات میں ہیں۔ کوئی شمال میں کوئی جنوب میں۔ کوئی مشرق کی جانب میں ہے کوئی مغرب کی جانب۔ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط تاکہ تم جنگلوں اور دریاؤں کی تاریکیوں میں راہ پا سکو۔

(ف) ظلمات کی اضافت بر و بحر کی طرف ملابست کی وجہ سے ہے اس لئے کہ ان میں راہ حاصل کرنے کی ضرورت تاریکیوں میں پڑتی ہے۔

(ف) حدادی نے لِتَهْتَدُوْا بمعنی لِتَعْرِفُوْا کیا ہے تاکہ تم ستاروں کے ذریعے ایک شہر سے ہے دُوسرے شہر کا راستہ معلوم کر سکو وہ شہر جو جنگلوں اور دریاؤں کی گہرائیوں میں واقع ہیں اور پھر سفر بھی رات کو کرنا پڑے تو پھر راستہ سوائے ستاروں کی رہبری کے نہیں مل سکتا۔ اس لئے کہ اس وقت چلنے والا کسی ایک معین ستارے کو اپنے منہ کے سامنے رکھ کر چلتا ہے۔ بعض موقعہ پر اس ستارے کو دائیں جانب رکھ کر چلنا پڑتا ہے۔ اسی طرح بعض موقعہ ستارے کو بائیں جانب رکھنا ہوتا ہے۔ بعض اوقات ستارہ پیٹھ کے پیچھے کر کے راستہ طے کرنا پڑتا ہے جیسا کہ جنگلوں اور دریاؤں کو راستے طے کرنے والے جانتے ہیں کہ مذکورہ بالا طریقوں سے انسان اپنی منزل کو پا لیتا ہے۔

(ف) علاوہ مذکورہ بالا فوائد کے ستاروں میں بے شمار دیگر فوائد ہیں۔ مثلاً وہ آسمان کی زینت ہیں اور اُن سے شیاطین کو مارا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ "ہم نے آیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے یعنی ہم نے ہر آیت کو علیحدہ علیحدہ اور واضح طور بیان کر دیا ہے۔ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ٥ علم والوں کے لئے۔

سوال : اہلِ علم کی تخصیص کیوں حالانکہ قرآنی آیات تو ہر ایک کے لئے تفصیل ہیں۔

جواب : چونکہ صرف وہی اُن سے انتفاع کے درپے رہتے ہیں۔ اسی لئے اُن کی تخصیص کی گئی ہے۔
وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ ،، اور اللہ وہ ہے جس نے تمہاری کثرت کے باوجود پیدا کیا۔ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ،، صرف ایک نفس سے یعنی اکیلے آدم علیہ السلام سے۔ اس لئے کہ ہم تمام انہی سے پیدا کئے گئے اور بی بی حوا بھی اُن کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں۔ اس سے ثابت ہوا ہم سب صرف ایک نفس سے پیدا ہوئے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بی بی مریم سے پیدا ہوئے اور وہ اپنے آباؤ امہات کی نسبت سے آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس تخلیق کا احسان اس لئے جتلایا کہ جب کوئی کسی کے متعلق سمجھتا ہے کہ اُس کا اور ہمارا دادا ایک ہے تو پھر ایک دوسرے سے ناراض نہیں ہوتا اور اگر بعض لوگ ناراض بھی ہوں تو محسوس نہیں کرتا۔

اصل کائنات حضرت محمّد مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں

آیت میں اہلِ عرفان فرماتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر اُن سے تمام انسان پیدا ہوئے۔ اسی طرح سب سے پہلے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کی رُوحِ اقدس کو پیدا فرمایا، چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ رُوْحِی ،، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری کو پیدا فرمایا۔ پھر آپ کی رُوح پاک سے تمام ارواح پیدا ہوئے۔ اس سے واضح ہوا کہ آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں تو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم ابوالارواح ہیں۔ یہی معنٰے ہے هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ،، فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ؕ پھر کہیں تمہارا ٹھہرنا اور کہیں امانت رہنا ،، ہر دونوں مصدر میمی اور مرفوع مُبتدا ہیں اور اُن کی خبر محذوف ہے جو فلکم الخ ہے یعنی تم کبھی آباء کی پشتوں میں کبھی زمین میں ٹھہروگے کبھی امہات کے شکموں میں کبھی زمین کے نیچے قبروں میں۔

نکتہ : آباء کے پشتوں میں ٹھہرنے کو استقرار اور امہات کے شکموں میں رہنے کو استیداع (امانت) سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ باپ کے اصلاب میں نُطفے کا ٹھہرنا کسی کے واسطہ سے نہیں ہوا۔ اسی لئے پہلے کو استقرار سے اور دُوسرے کو استیداع سے تعبیر کیا گیا ہے گویا ماں کے پیٹ میں کسی نے بطور امانت نُطفے کو ٹھہرانے کے لئے رکھا ہے۔ اس لئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ابنِ آدم سے فرماتا ہے کہ آدم زادہ تو اپنے اہل و عیال میں چندروزہ امانت ہے پھر تو نے اپنے اصل وطن کی طرف جانا ہے۔ لبید شاعر نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

وَمَا المال والاعیال الا ودیعة ولا بد یومًا ترد الودائع

(ترجمہ) مال اور اہل وعیال تمہارے ہاں چند روزہ امانت ہیں اور امانت کو واپس دینا ضروری ہوتا ہے

فائدہ : قلب بھی منجملہ امانات و ودائع سے ایک امانت و ودیعت ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا:

شعر: ترا بگوہر دل کردہ اند امانت دار — نہ دزد امانت حق را نگہدار محتسب

ترجمہ: تجھے دل کے گوہر کا امین بنایا گیا ہے۔ چور نہ امانت حق کا نگہدار ہے نہ محتسب

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ ، ہم نے مفصل آیتیں بیان کر دیں یعنی انسانی تخلیق و دیگر مخلوق کی پیدائش تفصیل کے ساتھ بیان کر دیں۔ **لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ** ۝ اُن لوگوں کے لئے جو اپنی عقل و فکر اور گہری نظر سے پوشیدہ اور نہایت باریک نکتے سمجھتے ہیں۔

سوال : ذکرِ نجوم میں یعلمون اور تخلیقِ انسان میں یفقھون کہنے کا راز ہے۔

جواب : آیاتِ آفاق کی طرف اور تخلیق انسانی میں آیات انفس کی طرف اشارہ کی غرض سے یعلمون و یفقھون کا فرق کیا گیا اس لئے کہ آیاتِ آفاق اظہر و اجلیٰ ہیں اور آیاتِ انفس ادق و اخفیٰ ہیں۔ اسی لئے آیاتِ انفس کے لئے یفقھون موزوں ہے اس لئے کہ فقہ خفی معنے کے معلوم کرنے کو کہا جاتا ہے۔

نکتہ : فقہ کا لفظ شق و فتح پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لئے فقیہ اس عالم کو کہا جاتا ہے جو احکامِ شرعیہ کی تفصیل سے واقف ہو کر اُن کے وقائق کو پہنچے اور اُن کے اندر جتنی پیچیدگیاں ہیں سب کو کھول کر واضح کرے یہی وجہ ہے کہ فقیہ کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو مسائل شرعیہ کا حاذق ماہر ہو اور اسے ان پر گہری نظر ہو۔

فقہ اور علم غیب

: حضرت حدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لغت میں فقہ بمعنی کلام کا معنیٰ سمجھنا لیکن ایسی گہرائی سے کہ اسے علمِ غیب سے مشابہت ہو جائے۔ اس لئے کہ ایسا عالم چند اصول مدِ نظر رکھ کر بطور استنباط معنے کو سمجھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو فقیہ کی صفت سے موصوف نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اس کا علم استنباط کا محتاج نہیں بلکہ وہ بلا واسطہ علی وجہ الاتم جمیع اشیاء کا عالم ہے۔

خلاصہ تفسیر

: آیات مذکورہ جنہیں آفاقیہ و انفسیہ سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ صفت پر دلالت کرتی ہیں۔ اہلِ شرک کو توحید و ایمان کی اور اہلِ اخلاص کو شہود و عیان کی اور اہلِ معصیت کو طاعت اور توبہ لسانی و قلبی کی دعوت دیتی ہیں ان سے بڑی بڑی نعمتیں اس لئے یاد دلائی جاتی ہیں تاکہ بندہ اُن کے لئے شکریہ ادا کرے اور ان کے حقوق کو پہچانے ہر قوم اور ہر گروہ پر جس طرح کی نعمتیں عطا ہوئی ہیں۔ مثلاً توحید الافعال والصفات والذات کی نعمتوں کا شکریہ کرنا لازمی ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ طلبِ حق کے لئے جد وجہد کرے۔ اس لئے کہ تمام عوالم آفاقی ہوں یا انفسی کے مقدمات کی ترتیب کا اصل مقصد یہی ہے کہ بندہ مظاہرِ کے ظواہر سے واصل باللہ ہو اور اس کے تمام حجابات دُور ہوں جو اسے غفلت کی وجہ سے وصول الی اللہ کے لئے حائل ہیں۔ (ف) یاد رہے کہ سب سے بڑا حجاب غفلت ہے۔

حکایت : شیخ ابو الفوارس شاہین بن شجاع کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ شکار کے لئے نکلے (جب آپ کرمان کے بادشاہ تھے) شکار کے لئے بہت بڑی جد وجہد فرمائی۔ شکار بھاگتا رہا آپ اس کا پیچھا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک جنگل بیابان میں جا نکلے، چونکہ اکیلے تھے بہت پریشان ہوئے اچانک آپ کے قریب سے ایک نوجوان درندے پر سوار ہو کر تشریف لایا اس کے ارد گرد تمام درندے گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ جب درندوں نے حضرت کرمانی کو دیکھا تو آپ کو پھاڑ کر کھانے کے لئے دوڑے۔ اس نوجوان نے درندوں کو جھڑکا تو تمام رُک گئے۔ وہ نوجوان حضرت کرمانی کے ہاں حاضر ہو کر السلام علیکم کہہ کر فرمایا اے بادشاہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اتنا غافل کیوں ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے دُنیا اس لئے عنایت فرمائی کہ تم اس کے ذریعے اُس کی خدمت (عبادت) زیادہ سے زیادہ کرسکو۔ لیکن تم نے الٹا اس کی دی ہوئی نعمت کو اُس سے رُوگردانی پر استعمال کیا۔ نوجوان حضرت کرمانی کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا کہ اچانک ایک بڑھیا آئی اور پیالہ پانی کا نوجوان کو پیش کیا۔ نوجوان نے تھوڑا سا پی کر بقایا بادشاہ کو دیا۔ حضرت کرمانی فرماتے ہیں کہ اس جیسا پانی ٹھنڈا اور میٹھا اور لذیذ ترین میں نے کبھی نہیں پیا اس کے بعد وہ بڑھیا گم ہوگئی۔ نوجوان نے فرمایا اے بادشاہ یہی دُنیا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے میری خدمت کے لئے بھیجا تھا۔ مجھے جب بھی کسی شئی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ دُنیا حاضر ہو کر میری ضرورت پُورا کر دیتی ہے۔ اے بادشاہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جب دُنیا کو پیدا فرمایا تو اسے فرمایا کہ اے دُنیا تم اُس کی خدمت کرنا جو میری خدمت کرے اور جو تیری خدمت کرے اُس سے خوب خدمت لینا۔ جب حضرت کرمانی نے یہ حال دیکھا تو فوراً تائب ہوئے اس کے بعد بہت بڑے ولی کامل بن گئے۔ کسی شاعر نے کہا ؎

(۱) خَدَمتُ لِمَا اَن صِرتُ مِن خَدَمِكَ ❊ وَدَارَ عِندِی السُّرُورُ مِن نِعَمِكَ

(۲) وَکَانَ الحَادِثَاتُ تَطرُقنِی ❊ فَاستَحشَمَتنِی اِذ صِرتُ مِن حَشَمِكَ

ترجمہ : (۱) میں نے ایسی بہتر خدمت سرانجام دی کہ میں آپ کے خدام سے شمار ہونے لگا اور تیری نعمتوں سے مجھے بھرپُور کر دیا گیا۔

(۲) لیکن حوادثِ دُنیا نے مجھے جھنجوڑا اور اپنا بنانے کی جد وجہد کی لیکن میں تیرے خدام کے زُمرہ سے ہو چکا۔

اے اللہ مجھے ان لوگوں سے بنا جو تیرے دروازے پر زندگی بسر کرتے ہیں اور ان لوگوں سے نہ بنا جو مجھے تیری درگاہ سے جُدا کر دے۔

تفسیر عالمانہ ۹۸ وَهُوَ، اور وہ اللہ تعالیٰ الَّذِيٓ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۹۹ جس نے آسمان سے مخصوص پانی اُتارا یعنی بارش نازل فرمائی) اس کے بعد غیب کے صیغے سے متکلم کے صیغہ کی طرف التفات فرمایا فَاَخۡرَجۡنَا، پس ہم نے نکالا۔ یہ نون عظمت کا ہے جمع کا نہیں اس لئے بہت بڑا بادشاہ اپنی عظمت کے پیش نظر اپنے آپ کو جمع کے صیغے سے تعبیر کرتا ہے بِهٖ پانی کے سبب سے نَبَاتَ كُلِّ شَيۡءٍ، ہر شئی کی انگوری مثلاً گندم اور جو اور انار اور سیب وغیرہ کے بیج سے مذکورہ بالا اشیاء کی انگوریاں پیدا فرماتا ہے۔ یہ شئی عام نہیں بلکہ مخصوص عنہ البعض ہے اس لئے کہ بعض اشیاء انگوریوں سے نہیں پیدا ہوتیں جیسے پتھر وغیرہ۔

فائدہ : نبات: بنبت بمعنی ہر وہ شئی نامی جو زمین سے نکلے اس کی پنڈلی ہو (جیسے اشجار) یا نہ ہو (جیسے بیل بوٹیاں) یعنی تمام بے ساق نباتات۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے نبات کے لئے پانی کو کیوں سبب بنایا اور جو سبب بنائے وہ دوسرے سے مدد مانگنے والا ہوتا ہے تاکہ اس سبب کے ذریعہ سے اُس کا کام ہو اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا تصوّر کرنا بھی جرم ہے۔

جواب : بارش کا کام صرف اتنا ہے کہ اُس سے انگوری اُگے۔ بارش نے انگوری جنی ہے نہ ہی انگوری کو بارش سے پیدا ہونے کا تصوّر کیا جا سکتا ہے بلکہ وہ صرف ایک سبب عادی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ بارش نہ ہو تب بھی وہ انگوریاں اُگا سکتا ہے۔ سوال کی تقریر ہر اُس شخص کے لئے ہو سکتی ہے جو سبب کا محتاج ہو کہ سبب نہ ہو تو فعل کا صدور اس سے ممکن بھی نہ ہو۔ جیسے انسان کو سیڑھی کے بغیر چھت پر چڑھنا ناممکن ہے۔ اس لئے وہ سیڑھی کو چھت پر چڑھنے کے لئے سبب بناتا ہے اور سیڑھی چھت پر چڑھنے کا ایک آلہ ہے، لیکن اس کے باوجود انسان کو چھت پر چڑھنے کے لئے سیڑھی لازم نہیں بلکہ بسا اوقات وہ سیڑھی کے بغیر بھی چھت پر چڑھ جاتا ہے۔ جب ایک معمولی انسان کے لئے اس مثال کے بعد اعتراض رفع ہو جاتا ہے تو پھر ذاتِ حق کے لئے اشکال کیوں۔

فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهُ، یہاں سے اخراج کی تفصیل شروع فرمائی کہ وہ انگوریوں کو کیسے اُگاتا ہے پہلے اُن انگوریوں کا ذکر فرمایا جو زمین پر پھیل جاتی ہیں اور درخت جیسی صورت یعنی ٹہنیاں وغیرہ نہیں رکھتیں، چنانچہ فرمایا پس ہم نے اُس سے نکالا۔ خَضِرًا، سبزی کو یہاں خضرا بمعنی اخضر ہے یعنی سبز تر سبزی ترکاری جو بیج سے نکل کر زمین پر پھیل جاتی ہے۔ نُّخۡرِجُ مِنۡهُ، یہ خضرا کی صفت ہے یعنی ہم اس سبزی پھیلی

ہوئی سے نکالتی ہیں۔ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا "دانے ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے۔ متراکب سے وہ بالی مُراد ہے جو دانوں پر مشتمل ہوتی ہے جس کے ہیئت مخصوصہ سے دانے ایک دوسرے پر چڑھے ہوتے ہیں۔

وَمِنَ النَّخْلِ "، یہاں سے ترکاریوں کی تفصیل کے بعد اب درختوں کی تفصیل بیان فرمائی کہ اور ہم نے کھجوروں سے نکالے۔ مِنْ طَلْعِهَا "، اُس کے گابھے سے یہ النخل سے بدل ہے۔ عامل کا اعادہ کرکے طلع ہر وہ شئے جو کھجور سے نکلتی ہے۔ اس کی پہلی شکل جوتے کی سی ہوتی ہے اور اس کے دانے ایک دُوسرے سے ملے ہوتے ہیں ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا موتی کی لڑیاں پروئی ہوئی ہیں۔ قِنْوَانٌ "، یہ مُبتدا اور اُس کی خبر مِن النخل مقدم ہے۔ یعنی کھجور کے گابھے سے حاصل ہوتے ہیں۔ گچھے۔ قنوانٌ قنو کی جمع ہے اور کھجور کے ثمر کے لئے بمنزلہ انگور کے گچھوں کے ہوتے ہیں۔ دَانِيَةٌ "، قریب ہونے والے کہ چُننے والے کو آسان ہوتا ہے اس لئے کہ شئے جتنی قریب ہو اتنا ہی چننے میں آسانی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ کھجور جتنا چھوٹی ہوگی اتنا ہی ثمر آسانی سے حاصل کیا جائے گا۔ اسے بڑی کھجور سے لینے کا خیال تک نہ ہوگا۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ کھجور کے ثمرات ایک دُوسرے پر لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس میں اختصار ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ بعض کھجوریں ایسی ہیں جن کے گچھے قریب ہیں۔ یعنی ان کے درختوں کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے اور بعض بعید اُن کے درختوں کے اُونچے ہونے کے باعث۔ یہاں قریب کا ذکر کرکے طویل کو اس میں داخل کر دیا گیا ہے اس لئے کہ اقرب کو بہت بڑی نعمت اور مکمل ترین سمجھا جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی پھوپھی کھجور کی عزت و احترام کرو۔ اس لئے کہ وہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی بقایا مٹی سے پیدا کی گئی ہے۔ کوئی درخت اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم ترین نہیں سوائے کھجور کے کہ اس کے نیچے بی بی مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنا۔ بچہ جننے والی عورتوں کو سب سے پہلے تر کھجوریں کھلاؤ اگر تازہ کھجور نہ ملے تو خشک سہی۔

(ف) اس سے ثابت ہُوا کہ عرب میں بچہ جننے والی عورتوں کو تر کھجور کھلانے کا سبب یہی ہے کہ بی بی مریم نے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت تر کھجور کھائی تھی۔ کما قال فی سُورہ مریم وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا (اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف کھینچئے وہ تجھ پر تر اور پکی کھجور گرائے گی)

(ف) یہی دانہ کی فضیلت میں بھی اسی طرح وارد ہے۔

حکایت: کسی نبی علیہ السلام کو اُمت نے اولاد قبیح شکل پر پیدا ہونے کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں فرمائیں کہ وہ اپنی حاملہ عورتوں کو بہی (سفرجل) کھلائیں۔ یعنی حمل کے تین یا چار ماہ بعد۔ اس لئے کہ اس میں اچھی صُورت کا نقشہ ہے اور یہ بچے کو حسین بناتی ہے۔

وَجَنّٰتٍ مِّنْ "اور ہم نے نکالے باغات مِنْ اَعْنَابٍ انگوروں کا اس کا عطف نبات کل شیٔ پر ہے۔

سَوال : یہاں پر جنات کا اضافہ کیوں جبکہ پہلے اور بعد کو بھی اسم جنس پر اکتفا کیا گیا یہاں بھی ایسے ہی کیا جاتا۔

جواب : اس لئے کہ یہاں پر دونوں اسم جنس جب تک جمع نہ ہوں ان سے انتفاع نہیں ہو سکتا اور جنات جنۃ کی جمع ہے ہر وہ گھنے دار شیٔ جو ایک دوسری کو چھپا دے اسے جنۃ کہا جاتا ہے۔ ویسے لغتہ بھی جنۃ جن بمعنے الستر سے مشتق ہے اور الاعناب ۔ عنب کی جمع ہے اور فارسی و اُردو میں بمعنی انگور وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ "، زیتون اور انار یعنی ہم نے زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے مُشْتَبِهًا "، درانحالیکہ ان کے پتے ایک دوسرے سے ہم شکل اور اوّل سے آخر تک ہر دونوں ٹہنیوں سے بھرپور ہیں (یہ حال ہے)

وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اور ثمر کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ہم شکل نہیں ۔

(ف) تفسیر فارسی میں ہے کہ درخت پتوں کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ہم شکل ہوتے ہیں اور ثمرات اور ذائقہ وغیرہ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ہمشکل نہیں ہوتے اس لئے کہ ان میں بعض نہایت کھٹے اور بعض تھوڑے کھٹے اور بعض کھٹ مٹھڑے ہوتے ہیں ۔

اُنْظُرُوْٓا "، اے مخاطبو! غور و فکر کر کے دیکھو اِلٰى ثَمَرِهٖٓ "، اُسکے ثمر کو یعنی ہر درخت کے پھل کو اِذَآ اَثْمَرَ "، جب وہ اپنا پھل نکالے کہ پہلے وہ اپنا پھل کچا نکالتا ہے کہ اس سے نفع نہیں لیا جا سکتا وَيَنْعِهٖ ؕ "، اور اس کے پھل پک جانے کو دیکھو کہ پکنے کی حالت میں کس طرح موٹا ہو جاتا ہے اور اس سے نفع بھی اُٹھایا جا سکتا ہے اور لذیذ بھی ہوتا ہے۔ الینع دراصل ینعت الثمرۃ "، کا مصدر ہے ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جبکہ درخت اپنے پھل پکنے کی حد کو پہنچ جائے اذا اثمر اُنظروا کی طرف ہے۔

نکتہ : نظر عبرت کا حکم اس لئے ہوا کہ قادر کریم کی قدرت دیکھو کہ درخت کا پھل درخت سے نکلا ہے جس کے نکلنے کا مرکز بھی ہے ۔ پانی بھی ایک طرح ہے زمین بھی وہی لیکن پھل کا تبدل و تغیر دیکھو کہ کبھی چھوٹا اور کبھی کچا تو پھر بدل کر موٹا اور پختہ اور مختلف رنگوں میں رنگدار ہو جاتا ہے ۔ پہلے اُس کا حال اور طرح ہوتا ہے۔ پھر آخر کچھ اور حال اختیار کر لیتا ہے۔ پھل کی مختلف حالتیں دلالت کرتی ہیں کہ اس کا پیدا کرنے والا بڑی قدرت کا مالک ہے اور وہ تخلیق اشیاء میں بہت بڑی حکمتوں والا ہے تمام جہان کو پیدا کرنے کی تدبیر میں ہزاروں حکمتیں و مصلحتیں اور رحمتیں رکھتا ہے۔

مسئلہ : امام قرطبی نے فرمایا کہ جواز بیع میں ثمر پکنے کی شرط اسی پر ہے کہ وہ پھل پورا پختہ

ہو جائے کہ پھر کھانے کے لائق سمجھا جائے اور آسمانی آفت کے نزول سے محفوظ ہو جائے۔ آسمانی آفت سے کہکشاں کے طلوع سے پہلے کا وقت مراد ہے اس لئے کہ ان ستاروں کے طلوع سے پہلے کچے قسم کے پھل توڑے جائیں تو وہ پھل خراب ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا نظام پھلوں کے لئے ایسے ہی بنایا ہے

حدیث شریف : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب صبح کے وقت کہکشاں کا طلوع ہوتا ہے تو آسمانی آفت دفع ہو جاتی۔

(ف) فصل ربیع کے تین آخری مہینوں کے پہلے ماہ کی بارھویں تاریخ کے بعد کہکشاں کا صبح کے طلوع کا آغاز ہوتا ہے اور وہ تین ماہ یہ ہیں (۱) مارچ (۲) اپریل (۳) مئی۔ گویا مئی کی بارہ تاریخ کے بعد کہکشاں کے صبح کے وقت طلوع کا آغاز ہوتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکُمْ "، یہ اشارہ غور و فکر کے نظر کی طرف ہے۔ **لَاٰیٰتٍ** "، قادر و حکیم کے وجود اور ان اشیاء کے حدوث پر دلالت کرنے والی بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ **لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝** ایماندار لوگوں کے لئے۔

(ف) اہلِ ایمان کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء سے استدلال کر کے نفع پاتے اور اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان عنایت سے ہدایت کا پانی برساتا ہے اور اہل زہد و فتویٰ اور اہل عشق و تقویٰ کے مراتب استعداد کے مطابق قسم قسم کے معارف و اسرار نازل فرماتا ہے۔ اس لئے کہ ہر انسان کا قلب مستقل ایک باغ ہے اس سے وہی پیدا ہوتا ہے جیسی اُس میں استعداد ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ ہر انگوری اُس مٹی کا پتہ دیتی ہے جس سے کہ وہ پیدا ہوئی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

در زمین گر نے شکر و رخود نے است ترجمان ہر زمین بنت وے است

ترجمہ : زمین کا کماد ہو یا کوئی کھانے کی اشیاء اس کا ترجمان اس کا دانہ (بیج) ہے۔

(ف) کھجور تمام درختوں سے بلند تر ہوتی ہے۔ یہ اصحاب ولایت پر دلالت کرتی ہے اُن کی ولایت کے بعض کے ثمرات ایسے ہیں جو طالبین و مریدین کے لئے بالکل قریب ہوتے ہیں۔ یعنی بعض لوگ ایسے بزرگوں کے قریب تر ہو کر اُن کی ولایت کے ثمرات سے نفع پاتے ہیں اور بعض اولیاء کرام ایسے ہوتے ہیں جو عزلت اور گوشہ نشینی اور لوگوں سے اوجھل زندگی بسر کرتے ہیں وہ اپنے تمام اوقات و احوال کو اللہ تعالیٰ کی طرف صرف کرنا چاہتے ہیں اپنا ہر فعل و قول اذن الٰہی پر مبنی رکھتے ہیں اُن پر صرف جاہل ہی طعن زنی

...تے میں ورنہ ایسے حضرات خلوت و جلوت میں قلوب کے باغات سے میوہ کھاتے ہیں اور غیبی دانوں کی ...توں سے محفوظ ہوتے رہتے ہیں لیکن ایسے بزرگوں کے حالات مخلوق کی آنکھوں سے مستور اور پوشیدہ ...تے ہیں۔

حکایت : ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے نو (۹) ایسے بزرگوں کی زیارت کی جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی مجاورت میں مدت تک زندگی بسر کر رہے تھے ...بھی اُن کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مجھ سے اُنہوں نے کہا تیرا ہمارے ساتھ کیا کام ہے۔ میں نے عرض کی میں بھی ...حضرات کی صحبت سے فیض یاب ہونا چاہتا ہوں اس لئے کہ مجھے آپ حضرات سے عشق ہے۔ آپ کی ...رت بھی میرے لئے آخرت کا بہترین سرمایہ ہے اس لئے کہ جس ذاتِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے ...شرف ہو رہے ہو۔ اُن کا ارشادِ گرامی میں نے سُنا ہے : اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ،، قیامت میں ہر شخص اُس کے ...تھ ہوگا۔ جسے جس سے محبت و عشق ہے۔ ان میں سے ایک نے فرمایا اب ہمارا یہاں سے کوچ کرنے کا ...ہ ہے۔ میں نے کہا تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ اُنہوں نے فرمایا تو ہمارے ساتھ نہیں چل سکے گا ...لئے کہ جہاں ہم جانا چاہتے ہیں وہ یہاں سے چالیس سال کی مسافت پر ہے۔ میں نے عرض کی کچھ بھی مجھے ...پنے ساتھ لے چلو۔ ان میں سے ایک اور بزرگ نے فرمایا بھائیو! اسے ساتھ لے لو جہاں تک چل سکے گا چلتا ...گا۔ ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ اس کے بعد ہم سب وہاں سے چل پڑے لیکن کیفیت یہ تھی کہ ان کے قدموں کے ...زمین لپیٹی گئی اور میں بھی ان کی معیت میں طے الارض کی کرامت سے نوازا گیا۔ یہاں تک کہ ہم ایسے شہر میں پہنچے ...کے مکانات کی اینٹیں سونے اور چاندی کی تھیں۔ جس کے درخت گھنے دار اور جس کی نہریں ہر وقت تر و تازہ ...میٹھے پانی سے جاری رہتی تھیں۔ جس کے باغات کے پھل نہایت موٹے میٹھے اور لذیذ تھے ہم اس میں داخل ...ے۔ اس کے باغات کے پھل کھائے۔ میں نے وہاں سے تین عدد سیب توڑ کر اپنے پاس رکھ لئے ان میں سے ...سی نے نہ روکا۔ میں نے عرض کی کہ واپسی کا ارادہ ہے یا نہیں۔ فرمایا یہ اولیاء اللہ کا شہر ہے۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ ...لی اس کی سیر کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے یہاں حاضر ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ شہر خود بخود اولیاء اللہ ...دمت میں حاضر ہو جاتا ہے۔ وہ جہاں بھی ہوں یہ شہر وہاں حاضر ہو جاتا ہے۔ اس میں چالیس سال کے عرصہ میں ...ی آدمی تیرے سوا کوئی داخل نہیں ہوا۔ اس کے بعد مجھے جب بھوک لگتی تو میں اس سیب سے کچھ کھا لیتا لیکن ...مسافت میں لمبے سفر اور اس سے کاٹ کر کھانے کے باوجود سیب میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ اسی ...سے میں گھر واپس ہوا تو سیب جوں کا توں رہا۔ گھر میں سب سے پہلے میری بہن سے میری ملاقات ہوگئی۔ ...نے کہا اتنا عرصہ ہمیں اکیلا چھوڑ کر کہاں چلا گیا تھا۔ میں نے جواب دیا کیا پوچھتی ہو میں اس دنیا سے کہیں دُور ...گیا تھا۔ اُس نے کہا تو وہ سیب کہاں ہے؟ میں نے عمداً بات کاٹتے ہوئے کہا کونسا سیب۔ اُس نے کہا

وہی جو تو مدینۃ الاولیاء کے باغات سے توڑ کر اپنے لئے ساتھ لایا ہے۔ میں نے کہا تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ کہا اے بندہ خدا مجھے بھی تو اس شہر میں لے گئے تھے۔ تو نے اس شہر کو اس وقت دیکھا جب تجھے واپس لوٹانے کا ارادہ کیا گیا اور میں نے تو اسے بار بار دیکھا ہے۔ میں نے کہا یہ کیا کہہ رہی ہو۔ جن اولیاء کی صحبت میں میں رہا۔ ان کا امیر فرماتا تھا کہ اس شہر میں چالیس سال کے عرصہ تک تیرے سوا کوئی داخل نہیں ہوا لیکن تو اس میں آنے جانے کی بات کرتی ہے۔ اس نے کہا انہوں نے صحیح فرمایا اس لئے کہ مریدوں میں سوائے تمہارے چالیس سال کی مدت میں وہاں کوئی نہیں گیا۔ باقی رہے اللہ والے وہ ہر وقت جب چاہیں اس کے اندر چلے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ اس سے روحانی طور کوئی دلچسپی نہیں رکھتے) اب تم جس وقت چاہو گے میں تمہیں وہی شہر یہاں بیٹھے بیٹھے دکھا دوں گی۔ میں نے کہا میں ابھی اس شہر کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا یا مدینتی اخضری اے میرے شہر ابھی آ جاؤ۔ بخدا میں نے اپنی آنکھوں سے اس وقت شہر کو دیکھ لیا۔ میری بہن اس باغ کی طرف بڑھی اور اس سے ہاتھ بڑھا کر مجھے کہا تیرا سیب کہاں ہے اس کے کہنے پر سیب میرے ہاتھ سے گر گیا۔ میری اس حالت کو دیکھ کر میری بہن ہنس پڑی اور کہا کہ جس کے ہاں ایسی خدائی ہو وہ آپ کے سیب کا محتاج نہیں ہوتا۔ میں اس وقت سخت شرمندہ ہوا اور اس وقت مجھے یقین ہوا کہ میری بہن بھی اُن اولیاء کرام میں سے ہے۔

تفسیر عالمانہ

﴿٩٩﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ ،، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک جنوں کو بنایا۔

شانِ نزول

: کاشفی نے فرمایا صحیح تر یہ ہے کہ یہ آیت زندیقوں یعنی مجوسیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ اِن زندیقوں کو ثنویہ بھی کہا جاتا ہے۔

اُن کا عقیدہ تھا کہ خالق دو ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ (۲) ابلیس۔ یہ دونوں بھائی ہیں (معاذاللہ) اللہ تعالیٰ انسانوں اور حیوانوں اور چرندوں اور ہر بھلائی کا خالق ہے۔ اُسے یزدان کہتے ہیں اور ابلیس درندوں اور سانپوں اور بچھوؤں اور ہر شر کا خالق ہے۔ اسے اہرمن سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرے مقام پہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ،،

(ف) ابلیس بھی جنوں سے ہے۔

تنبیہہ

: اللہ تعالیٰ نے تو جنوں کا بھی خالق ہے پھر مخلوق اُس کی کیسی شریک ہو سکتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مجوسی کا عقیدہ باطل ہے۔

وَخَرَقُوْا لَهٗ ،، اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے گھڑے۔

ف) خرق اور اخترق ۔ اختلق وافتری ایک معنیٰ میں ہیں۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جبکہ کوئی
ے بولے بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ ۔ لڑکے لڑکیاں۔ جیسے یہودیوں نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ
ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔ بِغَيْرِ عِلْمٍ ، حقیقت سے
کی بناء پر یعنی جو کچھ اُنہوں نے کہا خطاو صواب امتیاز کا تصور ہٹا کر غلط کہا۔ بلکہ بلا تامل و فکر
ین اور جہالت سے کہا اور بغیر علم کی باء محذوف سے متعلق اور خرقوا کے فاعل سے ہے۔ دراصل
ت ہو خرقوا ملتبسین بغیر علم ، تھی۔ سُبْحٰنَهٗ ، اُس کی ذات منزہ و مقدس ہے اور وہ اسی
کے لائق ہے۔ وَتَعٰلٰى ، یہ علو سے ماخوذ بمعنیٰ "استعلیٰ" ہے۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ کو علو سے موصوف کرنا جائز ہے اور ارتفاع سے ناجائز۔ اس لئے کہ علو کا معنیٰ کبھی اقتدار بھی ہوتا ہے۔ بخلاف ارتفاع کے کہ وہ جہت و
ن کا مقتضی ہے اس لئے علو سے موصوف ہونا جائز ہوا اور ارتفاع سے ناجائز۔

فائدہ : سبحان و تعالیٰ کو تباعد کے معنیٰ میں لیا جائے گا تاکہ عَمَّا يَصِفُوْنَ
ی واضح ہو سکے یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کی بتائی ہوئی صفتوں سے دُور ہے نہ اُس کا کوئی شریک ہے
نہ ہی اس کی کوئی اولاد۔

بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ اَنّٰى يَكُوۡنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمۡ تَكُنۡ لَّهٗ صَاحِبَةٌ‌ؕ

بغیر کسی نمونہ کے آسمانوں اور زمین کا بنانے والا۔ اس کے بچہ کہاں سے ہو حالانکہ اس کی

وَخَلَقَ كُلَّ شَىۡءٍ‌ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰ لِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ‌ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ۚ

عورت نہیں اور اس نے ہر چیز پیدا کی اور وہ سب کچھ جانتا ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کسی کی بندگی

خَالِقُ كُلِّ شَىۡءٍ فَاعۡبُدُوۡهُ‌ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ وَّكِيۡلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ

نہیں ہر چیز کا بنانے والا تو اسے پوجو وہ ہر چیز پر نگہبان ہے آنکھیں اسے احاطہ نہیں

وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ‌ۚ وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدۡ جَآءَكُمۡ بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ‌ۚ

کرتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں اور وہی ہے پورا باطن پورا خبردار تمہارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں

فَمَنۡ اَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِهٖ‌ۚ وَمَنۡ عَمِىَ فَعَلَيۡهَا‌ ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ

آئیں تمہارے رب کی طرف سے تو جس نے دیکھا تو اپنے بھلے کو اور جو اندھا ہوا اپنے برے کو اور میں تم پر نگہبان نہیں اور

نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ وَلِيَـقُوۡلُوۡا دَرَسۡتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعۡ مَاۤ

ہم اسی طرح آیتیں طرح طرح سے بیان کرتے ہیں اور اس لیے کہ کافر بول اٹھیں کہ تم تو پڑھے ہو اور اس لیے کہ اسے علم والوں پر واضح

اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ‌ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ۚ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوۡ شَآءَ

کردیں اس پر چلو جو تمہیں تمہارے رب کی طرف سے وحی ہوتی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے منہ پھیر لو اور اللہ چاہتا تو

اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَكُوۡا‌ ؕ وَمَا جَعَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا‌ ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا

وہ شرک نہیں کرتے اور ہم نے تمہیں ان پر نگہبان نہیں کیا اور تم ان پر کروڑے نہیں اور انہیں گالی

الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدۡوًاۢ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ‌ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ

نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے یونہی ہم

اُمَّةٍ عَمَلَهُمۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمۡ مَّرۡجِعُهُمۡ فَيُنَبِّئُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾ وَاَقۡسَمُوۡا

نے ہر امت کی نگاہ میں اس کے عمل بھلے کر دیئے ہیں پھر انہیں اپنے رب کی طرف پھرنا ہے اور وہ انہیں بتادے گا جو کرتے تھے

بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَـئِنۡ جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ لَّيُؤۡمِنُنَّ بِهَا‌ ؕ قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰيٰتُ عِنۡدَ

اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنے حلف میں پوری کوشش سے کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئی تو ضرور اس پر ایمان لائیں گے تم

اللّٰهِ‌ وَمَا يُشۡعِرُكُمۡ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفۡـئِدَتَهُمۡ وَاَبۡصَارَهُمۡ

فرمادو کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور تمہیں کیا خبر کہ جب وہ آئیں تو یہ ایمان نہ لائیں گے اور ہم پھیر دیتے ہیں ان کے دلوں اور آنکھوں

كَمَا لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمۡ فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ ع

کو جیسا وہ پہلی بار اس پر ایمان نہ لائے تھے اور انہیں چھوڑ دیتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے) یعنی عالم علوی و سفلی کے طبقات کو بلا مادہ ایسی نرالی طرز سے پیدا فرمایا کہ جن کی پہلے کوئی نظیر نہ تھی۔ وہی فاعل ہے علی الاطلاق اور وہ ہر قسم کے انفعال سے منزہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کا والد ہوتا تو اس میں اپنی اولاد کا عنصر ہوتا اور اس کا مادہ اس سے منتقل ہو کر اس کی اولاد میں چلا جاتا اور یہ باتیں اللہ تعالیٰ میں ممتنع ہیں تو اس کے لئے اولاد کا ہونا بھی ممتنع ہے۔

(ف) اس سے ثابت ہوا کہ بدیع فعیل بمعنی مفعل ہے۔ جیسے الیم بمعنے مؤلم اور حکیم بمعنی محکم ہے۔

(قاعدہ) یہ اضافت حقیقیہ ہے بعض نحوی کہتے ہیں کہ یہ صفت مشبہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔ دراصل عبارت بدیع سمٰوٰتہٖ وارضہ تھی۔

(حل لغات) بدیع بدع سے مشتق ہے کہ جس کی طرز عجیب اور شکل فائق اور حسن رائق ہو۔

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ط اس کی اولاد کیسی حالانکہ اس کی جورو نہیں۔ اس میں اولاد کے تمام اسباب منتفی ہیں اس لئے کہ والدہ کے بغیر اولاد کا ہونا ناممکن ہے اگرچہ باپ کے بغیر اولاد ہو سکتی ہے اور ہوئی بھی جیسے عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

(ف) صاحبۃ سے زوجہ مراد ہے۔ حضرت مولانا روم قدس سرہ نے فرمایا ؎

لَمْ يَلِدْ لَمْ يُوْلَدْ است آواز قدم — نے پدر دارد نہ فرزند و عم

ترجمہ: لم یلد و لم یولد قدیم کی آواز ہے اس کا نہ باپ ہے نہ اولاد ہے نہ چچا۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ج ،، اور اس کی شان یہ ہے کہ اس نے ہر شئ کو پیدا کیا یعنی جملہ موجودات کی ایجاد و تکوین کا انتظام اسی کے ہاتھ میں ہے منجملہ اُن کے اولاد بھی ہے جو کفار اس کے لئے ثابت کر رہے ہیں اس کے لئے اولاد کا تصور کیسا جبکہ وہ اس کا بھی خالق ہے ؎

خالق افلاک و انجم بر علا — مردم و دیو و پری و مرغ را

ترجمہ: وہ افلاک و انجم اور ان کے اوپر سب کو پیدا کرنے والا وہی ہے اس کی مخلوق ہیں آدمی۔ دیو، پری اور پرندے۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ ج ،، اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ مخلوق و غیر مخلوق عَلِيْمٌ ازلاً ابداً جانتا ہے اس سے کوئی شئ مخفی نہیں جو گذری یا آئے گی۔ شئے کی ذات ہو یا صفات یا احوال منجملہ ان امور کے جو اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہیں یا نہ یا اس کے لئے وہ اشیاء محال ہیں اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کا ثابت کرنا بھی محالات کے افراد کا ایک فرد ہے ذٰلِكُمُ ،، وہ بڑی صفات کا موصوف اللّٰهُ ،، وہی اللہ تعالیٰ جو عبادت کا وہی مستحق ہے۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی صفت رَبُّكُمْ ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ تمہارے

جمیع امور کا مالک ہے ؎

نیست خلقش را دگر کس مالکے ۔۔۔ شرکتش دعویٰ کند جز ھالکے

ترجمہ : مخلوق کا کوئی دوسرا مالک نہیں اس کے ساتھ شرکت کا دعویٰ وہی کرتا ہے جو تباہ و برباد ہے۔
لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور نہ ہی اُس کا کوئی شریک ہے۔ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ،، تمام وہ اشیاء جو زمانہ ماضی میں گزری ہیں یا آئیں گی سب کا خالق ہے۔ اس میں تکرار نہیں بلکہ یہ اخبار مترادفہ ہیں۔ فَاعْبُدُوْہُ ،، پس اُسی کی عبادت کرو۔ یعنی جو ان صفات کا جامع ہے تو عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ٥ اور وہ اللہ تعالیٰ ہر شئی کا وکیل ہے یعنی جو ذات اِن صفات کی جامع ہے وہی تمہارے جملہ امور کا متولی ہے۔ فلہٰذا تم بھی اپنے جملہ امور اسی کی طرف سپرد کرو اور اپنے جملہ دینی و دنیوی امور کی کامیابی کے لئے اُسی کی عبادت کو وسیلہ بناؤ اور یوں تصور کرو کہ اس ذات کی تمہارے ہر عمل پر نگاہ ہے اور وہ تمہیں ہر عمل پر جزا و سزا دے گا۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر

: حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ وکیل دو طرح کے ہوتے ہیں :

(۱) جو شئے اُس کے سپرد کی جائے وہ مکمل طور بلا کم و کاست اُس شئے کو واپس کر دے۔

(۲) جو سپرد کردہ شئے رتی کے برابر بھی واپس نہ کرے۔

وکیل مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ جو شئی اُس کے سپرد کی جائے تو وہ اسے نہ صرف مکمل طور واپس کرتا ہے بلکہ تا واپسی اُس کی پوری نگرانی بھی فرماتا ہے۔ اگرچہ بندہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے لیکن بندہ میں اس معنے کی سینکڑوں خامیاں پائی جاتی ہیں اور وہ کریم ہر خامی سے منزہ اور پاک ہے۔

متوکل کی کہانی

: حضرت شیخ ابو حمزہ خراسانی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں ایک سال حج کے لئے جا رہا تھا کہ اثنا تے راہ میں اچانک ایک کنوئیں میں جا گرا میرے دل میں خیال گزرا کہ فریاد کروں تو کوئی مجھے باہر نکالے لیکن سوچا کہ وہ کریم جب مجھے جانتا ہے اور اُسے میرے باہر نکالنے کی قدرت بھی ہے تو پھر کیوں غیروں کو پکاروں۔ جب یہ عقیدہ میرے دل پر پورے طور جم گیا تو دیکھا کہ دو آدمی کنوئیں کے قریب آ گئے۔ اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اس کنوئیں کو بند کر دیا جائے تاکہ کوئی اجنبی مسافر اس میں گر کر مر نہ جائے۔ یہ مشورہ کر کے پتھر روڑے اور مٹی اُٹھا کر کنوئیں میں ڈالنا شروع کر دی میرے نفس نے مجھے سخت ستایا کہ اب تو فریاد کرو تاکہ جان بچ جائے۔ میں نے نفس کو جواب دیا کہ اُن ظالموں کو کیوں پکاروں جبکہ نَحْنُ اَقْرَبُ کی شان والا رب مجھ سے قریب تر ہے۔ میں نے یہ کہہ کر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر کے خاموشی سے بیٹھ رہا اور وہ لوگ کنواں بند کر کے چلے گئے۔ تھوڑی سی دیر گزری کہ کنوئیں سے

کی آواز آئی اور باہر سے راستہ کھل گیا اور اُوپر سے اپنا پاؤں نیچے میرے قریب کرکے آواز دی کہ اے بندہ اس پاؤں کو پکڑ کر باہر آجا۔ میں نے جونہی اس پاؤں کو پکڑا تو اُس نے مجھے باہر نکالا۔ میں نے دیکھا تو وہ درندہ تھا۔ وہ مجھے باہر نکال کر چلا گیا لیکن ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ ہم نے تجھے ایک ہلاکت کے ذریعے دُوسری ہلاکت سے بچایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر بڑی قدرت رکھتا ہے اور وہ ہر شئے کا کارساز ہے۔

تفسیرِ صُوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے جیسے اربابِ کمالات کے قلوب سے لطف و ہدایت کے پانی سے کمالات ظاہر فرمائے ایسے ہی قہر و جلال کے پانی سے گمراہوں کے نفوس کی ملکہ زمین سے کئی قسم کی گمراہیاں پیدا فرمائیں۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنانے کے علاوہ غلط اور گندے بکواسات بکے۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اس کریم کی ذات و صفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے خائف رہے بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت میں لگا رہے تاکہ اُس کی رضا و رحمت نصیب ہو۔ اسے چاہیئے کہ غیر کے خیر و شر کو خیال تک میں نہ لائے اس لئے کہ خیر و شر منجانب اللہ ہوتا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کسی کے کفر سے راضی نہیں ہے

گناہ اگرچہ نبود در اختیار ما حافظ ۔۔۔ تو در طریق ادب کوش وگو گناہِ منست

ترجمہ: اے حافظ اگرچہ گناہ ہمارے بس میں نہیں لیکن پھر بھی ادب کے طور کہو کہ میرا ہی گناہ ہے۔

اے اللہ کریم ہمیں اپنے قہر و غضب سے ڈرنے کی توفیق عطاء فرمایئے۔ اس لئے کہ تیرے قہر و غضب سے کافر لوگ بے خطر رہتے ہیں۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ " دیکھنے کی حس کا نام نظر ہے۔ کبھی آنکھ کو بصر کہتے ہیں۔ اس لئے کہ آنکھ نظر کی محل ہے اور شئی کے ادراک سے شئے تک پہنچنا مراد ہے اور شئی کے محیط ہو جانے کو بھی ادراک کہا جاتا ہے۔ اب معنٰی یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ تک کوئی آنکھ نہ پہنچ سکتی ہے اور نہ ہی اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔

وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ " وہ ابصار کا احاطہ کرتا ہے۔ اس سے اس کا علم مُراد ہے یعنی اس کا علم جمیع ابصار کو محیط ہے۔ **وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ** " اور وہ اللہ تعالیٰ ایسا لطیف خبیر ہے کہ جن اشیاء کو آنکھ کو ادراک حاصل نہیں ان اشیاء کو اللہ تعالیٰ محیط ہے۔

سوال: صرف آنکھ کے ادراک کی تخصیص کیوں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو ہر شئے کو محیط ہے۔

جواب: آنکھ کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے سوا ہر شئی کو دیکھ سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے غیر کو اپنی آنکھوں کا

ادراک حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے لئے ممکن ہے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہُوا کہ انسان اپنی بصر کی حقیقت کی کنہہ سے بے خبر ہے۔ اور بصر سے وہ حقیقت مُراد ہے کہ جس سے بذریعہ آنکھ اشیاء کو دیکھا جاتا ہے۔

فائدہ : ادراک و رؤیت میں فرق ہے اس لئے کہ ادراک شئے کی کنہہ سے واقف اور اسے محیط ہونے کو کہتے ہیں اور رؤیت صرف معائنہ کا نام ہے بلکہ رؤیت کبھی ادراک کے بغیر بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کہنا جائز ہے۔ فُلَانٌ رَآہ وَمَا اَدْرَکَہٗ، فلاں نے شئے کو دیکھا لیکن اس کا ادراک نہیں کیا اس سے واضح ہُوا کہ ادراک رؤیت سے اخص ہے اور قاعدہ ہے کہ اخص کی نفی سے اعم کی نفی نہیں ہوتی۔ اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ممکن ہے اس کا ادراک ممتنع ہے۔ جیسے دُنیا میں نیک بندگوں کو اللہ تعالیٰ کا عرفان نصیب ہوتا ہے، لیکن وہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ یعنی معرفتِ الٰہی ممکن ہے وہ یہ کہ بندے اور مولیٰ کے درمیان ایک قسم کا ربط قائم ہوجائے، لیکن اتنا قدر کہ طاقتِ بشریہ اس کی حامل ہو اس لئے کہ حقیقی معرفت بندوں کے بس سے باہر ہے؛ چنانچہ بہت بڑے کامل اولیاء کرام عجز و انکسار کا اعتراف کرتے رہے کہ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ، خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ مِنْ حَیْثُ التجرد عن الاضافات والنسب کا ادراک ناممکن ہے۔

حدیث شریف : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی گئی کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھا تو آپ نے فرمایا: نور اَنّٰی اراہ" وہ نُور تھا میں کیسے دیکھتا۔ یعنی نُورِ مجرد کو دیکھنا ناممکن ہے۔

(ف) اس معنی پر دوسرے مقام پر فرمایا: اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے مقام میں اپنے نُور کے مراتب بیان فرماتے ہیں۔ اس کے بعد مراتب تمثیل بیان فرما کر آخر میں فرمایا: نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ط اس میں پہلے نُور سے روشنی اور دُوسرے سے مطلق اور اصلی نور مُراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تتمیم پر فرمایا: یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مظاہر میں متعین شدہ نور کے ذریعے سے مطلق احدی نور کا راستہ دکھاتا ہے۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا ادراک اس وقت محال ہے جب وہ ذات اضافات نسب اور مظاہر سے متجرد ہو۔ اگر اسے مظاہر اور مراتب کے حجابات سے دیکھا جائے تو پھر ممکن ہے کسی شاعر نے کہا:

؎ کالشمس تمنعک اجتلاءك وجهها فاذا اکتست برقیق غیم امکنا

ترجمہ : سُورج کی کرنیں اور اس کی روشنی اس کے چہرے کے دیکھنے کو روکتی ہیں؛ لیکن جب وہ بادل کے اندر چھپ جائے تو پھر اس کا چہرہ دیکھنا آسان ہوجاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بہشت میں باریتعالیٰ کی زیارت ہوگی۔ وہ رویت شمس و قمر کے مشابہ ہوگی، چنانچہ فرمایا کہ اِنَّھُمْ یَرَوْنَ رَبَّھُمْ وَ اِنَّہٗ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَھُمْ حِجَابُ الاردا ء الکبریاء عَلٰی وَجْھِہٖ فی جَنَّتِ عَدْنٍ، بے شک بہشتی اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے جنت عدن میں۔ اللہ تعالیٰ اور بہشتیوں کے درمیان صرف ردائے کبریا کے اور کوئی حجاب نہ ہوگا۔

معتزلہ کا رد: دراصل یہ مسئلہ اہل سُنت اور معتزلہ کے درمیان نزاعی ہے۔ معتزلہ (اسی طرح شیعہ) کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق سخت اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں قیامت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رویت ناممکن ہے۔ اُنھوں نے صحیحین کی روایت سے استدلال کیا ہے حضرت ابُو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ دو بہشتیں ایسی ہیں جن کے برتن اور اُن کی ہر شئی چاندی کی ہے۔ دیگر دو بہشتیں ایسی ہیں جن کے برتن اور اُن کے اندر کی ہر شئی سونے کی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا، لیکن سامنے کبریائی کی چادر حجاب کے طور لٹکی ہوئی ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ دیکھنے والے اور چادر لٹکانے والے کے درمیان چادر حجاب ہوتی ہے اور یہ حجاب بتاتا ہے کہ وہاں بھی رؤیت ناممکن ہے۔ اہل سُنت اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظ حجاب سے انکار نہیں لیکن چادر اُوڑھنے والے کو محجوب نہیں کہا جاتا۔ علاوہ ازیں حدیث شریف میں لفظ وجہہ سے ذاتِ حق اور رداء سے وہ بندہ کامل مُراد ہے جسے اُس صُورت پر پیدا کیا گیا جو حقائق امکانیہ اور الٰہیہ کی جامعہ ہے اور رداء وہی خود کبریائی کا عین ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہے یعنی کبریائی کی وہ چادر جو عُلماء عارف باللہ کے عقول پہنتے ہیں۔

صاحب رُوح البیان قدس سرہ کی تحقیق لطیف: صاحب رُوح البیان فرماتے ہیں کہ معتزلہ کی چادر کی دلیل ہمارے لئے قادح نہیں اس لئے کہ وہ چادر کبریائی دنیوی چادروں سے نہیں، بلکہ نورانی چادر ہوگی جو کہ بمنزلہ شیشہ کے ہے اور شیشہ کسی شئی کے دیکھنے کے لئے حائل نہیں ہوتا۔ جیسے لباس بدن کے لئے حائل نہیں بلکہ بدن کا جز ہے۔ اس لئے کہ لباس اور بدن کے درمیان اور کوئی واسطہ نہیں۔ اس سے واضح ہُوا کہ وہ رداء چادر والے کا دیکھنا بھی بلا حائل ہوگا جبکہ ہم نے اس چادر کو بمنزلہ شیشہ کے مانا ہے اور وجہہ سے ذاتِ حق مراد لینا۔ یہ بھی ممنوع نہیں اس لئے کہ اہلِ عرب جزء بول کر کل مُراد لیا کرتے ہیں۔ اس سے واضح ہُوا کہ چادر والی وہ ذاتِ حق ہے جو کسی حجاب سے محجوب نہیں۔ البتہ وہ غیروں سے محجوب ہے جیسے دُلہن کے آگے پردہ لٹکا ہوتا ہے تو غیروں کے لئے ورنہ دُولہا کے لئے پردہ کہاں ہے گا۔ بلکہ وہی پردہ بعینہٖ دُولہا کے لئے پردہ کشائی ہے لیکن دُوسروں کے لئے حجاب ہے۔ نیز یہ بھی

ہوسکتا ہے کہ رداء سے حقیقتِ محمدیہ مُراد ہو جو حقیقۃ الحقائق ہے جس سے ہر حقیقت کو حصّہ نصیب ہُوا (جس قدر اس حقیقت کی قابلیت تھی) اگرچہ درحقیقت وہ بھی حقیقت ہے جسے وجودِ عام سے تعبیر کیا جائے جو تمام حقائق وحقائق الحقائق پر مشتمل ہے۔ جیسے حیوان ناطق جو اگرچہ وہ ایک لفظ ہے، لیکن تمام افراد کو شامل ہے۔

۔اگر کثرت ہے تو افراد میں ہے اور ایسی کثرت شئی کی وحدۃ کے منافی نہیں ہوتی۔ اس تقریر سے حضور علیہ السّلام کے ارشادِ گرامی، "وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءَ الْكِبْرِيَاءِ عَلَىٰ وَجْهِهِ"، کا مطلب واضح ہوگیا کہ حقیقت ہر دونوں کی ایک ہے یعنی تجلی ذات جو اس حقیقت میں ہے اتنا قدر جتنا کہ اس حقیقت کے شیشہ کی صفائی اور جس قدر اس حقیقت کی معرفت اسے حاصل ہے۔ اس معنے پر وہ حقیقت ذاتِ حق اور بندوں کے درمیان حائل نہیں اس لئے کہ جب وہ اس حقیقت کی تجلی کا ایک نام ہے تو نام کے اختلاف سے شئی کی حقیقت میں تبدیلی نہیں آتی۔ اس اعتبار سے اہلِ سُنت کے عقیدہ کی توثیق ہوگئی کہ قیامت میں ہر اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار بلا حجاب نصیب ہوگا۔ اگرچہ حدیث شریف میں ایک حجاب کا نام لیا گیا ہے وہ درحقیقت حجاب نہیں ہے بلکہ اُسے یُوں کہا جائے کہ وہ تقیید و اطلاق کے درمیان بمنزلہ برزخ کے ہے جو دونوں حقیقتوں کی جامع حقیقت (یعنی حقیقتِ محمدیہ) جیسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ "، جس نے خود کو پہچانا اُسے معرفتِ الٰہیہ نصیب ہوگئی جسے اپنے نفس کے متعلق کلی طور معرفت حاصل نہیں اُسے ذاتِ حق کی معرفت بھی نصیب نہ ہوگی

اس لئے کہ ذاتِ حق تو جمیع قیود سے مُنزّہ اور مقدس ہے۔ ورنہ ذاتِ حق تو بالکل غیر محجوب ہے، کیونکہ وہ محیط بکُلّ شئی ہے بلکہ یُوں کہا جائے کہ محجوب ہم ہیں کہ ہمارے دلوں پر گناہوں نے پردے ڈال رکھے ہیں، جب ظاہری آنکھوں کا یہ حال ہے کہ جب اُن پر پردہ آجاتا ہے تو ظاہری اشیاء کو نہیں دیکھ سکتیں تو باطنی آنکھوں پر جب گناہ کے پردے آجائیں تو وہ باطن کو کس طرح دیکھ سکتی ہیں۔ پھر جب دارِ آخرت میں سب پردے اُٹھ جائیں گے تو اس وقت حقیقتِ حق کھل کر سامنے آجائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ رویت باریتعالیٰ کو دارِ آخرت پر موقوف رکھا گیا۔ نہ کہ کسی حجاب پر، بلکہ یُوں کہو کہ حجابات تو ذاتِ حق کے لئے ممتنع ہیں اور ایسی ظاہر ذات کے لئے پردوں کا تصور بھی نامناسب ہے بلکہ جو ذاتِ حق کا متلاشی ہے وہ پردے کا تصور کیسے رکھتا ہے اُسے تو ہر پردہ سے متجاوز ہو کر ذاتِ حق کا دیدار حاصل کرنا ہے اور پردے کا تصور جاہلوں کا کام ہے۔ (قاعدہ) بعض مفسرین نے ایک عجیب توجیہ بتائی ہے وہ یہ کہ جب لفظ ادراک بصر سے متعلق ہو تو اس وقت ادراک کا معنیٰ ہی رؤیت ہوتا ہے۔ مثلاً عربی کہتے ہیں أَدْرَكْتُ بِبَصَرِيْ "اس کا معنی ہوتا ہے۔ رَأَيْتُ بِبَصَرِيْ "، یہاں ادراک و رؤیت کا ایک معنےٰ ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ "، کا معنے ہوگا اس ذات کی دُنیا میں رؤیت نہیں ہوسکتا۔ باقی رہا آخرت میں

تو وہ اہلِ ایمان کو نصیب ہوگا ۔ چنانچہ فرمایا وُجُوْہٌ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَۃٌ ،، بارونق اپنے رب کو دیکھیں گے اور حدیث شیخین میں ہے۔ انکم سترون ربکم کما ترون القمر لیلۃ البدر ، تم اپنے رب کریم کو آخرت میں ایسے دیکھو گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو ۔

(ف) حدیث شریف میں چاند سے تشبیہ دینے میں جلاء و وضوح مراد ہے نہ کہ مرئی کی مرئی سے تشبیہ مقصود ہے۔ اس لئے کہ مرئی کی تشبیہ مطلوب ہوتی تو وہاں جہت و مکان کا ہونا ضروری ہے اور وہاں جہت و مکان کہاں۔ باقی رہا یہ سوال کہ آخرت کی تخصیص کیوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ آخرت دُنیا کا قلب ہے وہاں پر بصیرت سے اسی طرح دیکھا جائے گا جیسے کہ دُنیا میں بصارت سے دیکھا جاتا ہے۔ یہی ظاہری بصارت آخرت میں بصیرت کا کام دیگی یعنی اس وقت بصیرت کی آنکھیں ظاہر ہو کر دیکھنے کا کام کریں گی اسی بنا پر ہر ایک کو رؤیتِ حق اپنی استعداد کے مطابق رویت نصیب ہوگی۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

: دُنیا میں چونکہ رؤیت ایک اعزاز ہے اور یہ اعزاز صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوگا اس لئے کیونکہ وہ صاحب مقام محمود ہیں اور لیلۃ المعراج میں اپنی سر مبارک کی آنکھوں سے حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے والے ہیں اس لئے آپ بسر و روح سے اللہ تعالیٰ کا ظاہری جسم سے مشاہدہ کر چکے اس لئے کہ آپ کا جسم مبارک عین بن گیا تھا، کیونکہ آپ اس رات عالم عنصری سے متجاوز ہوئے پھر عالم طبعیہ سے گزرے پھر عالم ارواح کو عبور فرما کر عالم امر تک پہنچے تک اور یہ سر کی آنکھیں تو عالم اجسام سے متعلق ہیں اور آپ نے تمام عوالم سے جُدا ہو کر اپنے رب کا دیدار کیا۔ (سبق) اے راہِ راست کے طالب تجھے اتنا مختصر بیان کافی ہے؛ ورنہ ایسے مسئلہ کے لئے تو بہت بڑا دفتر ناکافی و نادانی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

: تلاوتِ نجمیہ میں ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ،، اللہ تعالیٰ کو محدثات امور لاحق نہیں ہوتے۔ یعنی نہ ابصار ظاہرہ اور نہ ابصار باطنہ اس کی صمدیت اس سے متقدس ہے کہ اسے کوئی دنیوی امر لاحق ہو۔ مخلوق اور حادث کی کوئی شئے بھی اس کی طرف منسوب نہیں ہوسکتی۔ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ،، وہ ابصار کا ادراک کا تجلیات سے کرتا ہے کہ اس سے تمام فنا ہو جاتے ہیں۔ پھر وہی اس کی بصر ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے بعد ظاہری اور باطنی آنکھیں برابر ہو کر رؤیت سے مشرف ہوتی ہیں اس لئے کہ بندہ اس وقت نورِ ربانی سے دیکھتا ہے وَهُوَ اللَّطِيْفُ ،، اور ایسا لطیف ہے کہ اُسے محدثات کی کوئی شئے ادراک نہیں کرسکتی اور نہ مخلوقات میں سے کوئی اسے لاحق ہوسکتا ہے۔ الْخَبِيْرُ ،، خبیر ہے کہ وہ مستحق کو جانتا ہے کہ یہ تجلیات کے لائق ہے یا نہ

ف یہاں پر روئیت الٰہی نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ دُنیا عالم فانی ہے اور اس کی ہر شئی فانی اور فانی آنکھیں باقی کو دیکھ ہی نہیں سکتیں۔

اور اُس کی ابصار میں استعداد پیدا کرتا ہے۔ تاکہ وہ رؤیتِ الٰہی کا مستحق ہو جائے۔

فائدہ : یہ بھی اللہ تعالیٰ کے الطافِ کریمانہ سے ہے کہ اُس نے عدم سے موجودات کو پیدا فرمایا ورنہ وہ وجود کے قابل کہاں تھے یہ صرف اس کی مہربانی اور لطف وکرم ہے کہ اُس نے انہیں نعمتِ وجود سے نوازا۔

فائدہ : انسان اس نعمتِ وجود کو واقعی نعمت سمجھتا تو وہ شکرِ الٰہی بجالاتا۔ اگر وہ اس نعمتِ عظمٰی کا شکریہ ادا کرے تو اُس کی اس نعمت میں اضافہ ہو اور سب سے بڑی نعمت دیدارِ الٰہی ہے۔ اس وجہ سے یہ نعمت عالمِ دنیا میں عوام پر حرام کر رکھی ہے۔ حدیث شریف لَنْ تَرَوا رَبَّكُمْ حَتّٰى تَمُوْتُوا تم اپنے رب کریم کو مرنے سے پہلے ہرگز نہیں دیکھو گے کا یہی مطلب ہے۔

فائدہ : حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اتمام نعمت یہی ہے کہ بطریقِ لائق اللہ تعالیٰ کے جلال کے شایانِ شان اُس کی زیارت سے شرفیابی نصیب ہو لیکن وہ بھی آخرت میں کیونکہ اس زیارت کا وعدہ دار الآخرۃ سے مخصوص ہے۔ دارِ دُنیا میں اُس کی زیارت محال ہے اس لئے کہ نصوص شرعیہ کا تقاضا یہی ہے کہ اس دُنیا میں زیارت نہیں ہوگی بلکہ اس پر عُلمائے حق کا اجماع ہے اور شرعًا یہی مسئلہ یونہی ہے۔ البتہ عقلاً زیارتِ الٰہی کا دُنیا میں ہونا ممکن ہے (لیکن اعتبار شریعت کا ہے نہ کہ عقل کا)

مسئلہ : خواب میں رویت باریتعالیٰ ممکن ہے اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ میں بہت سے بزرگوں سے منقول ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ جیسے سیدنا ابُوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہُوئی اور اُن کی باہمی گفتگو بھی ہُوئی جسے فقہاء کرام کی تاریخی کتابوں میں تفصیل سے لکھا ہے۔

حکایت : حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ سے منقول ہے کہ انہیں خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہُوئی تو حضرت بایزید بُسطامی نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ الٰہ العٰلمین تیرے ہاں پہنچنے کا کونسا آسان راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انانیت کو مٹا دو پھر میرے ہاں پہنچ جاؤ گے۔

حکایت : حضرت حمزہ قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حضور خواب میں تمام۔۔ قرآن پڑھا جب " وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ " پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے قاری صاحب سے فرمایا اے حمزہ تم بھی قاھر ہو۔

مسئلہ : یاد رہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ایک قسم کا مشاہدہ ہوتا ہے جو صرف قلب سے متعلق ہوتا ہے اسے آنکھ سے کسی قسم کا واسطہ اور تعلق نہیں ہوتا۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : رَأَيْتُ رَبِّيْ فِيْ صُوْرَةِ شَابٍّ أَمْرَدَ " میں نے خواب میں اپنے رب کریم کو نوجوان بے ریش انسان کی شکل

میں دیکھا۔ (یہ حدیث متشابہات سے ہے)

نکتہ : اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ ربوبیت صورت انسانیہ میں اس لئے ظاہر فرماتا ہے کہ انسانی صورۃ اجمع الحقائق ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرتِ انسان کو اپنا خلیفہ بنایا اور اپنے تمام دنیا و آخرت کے خزائن کا اسے خاتم بنایا تو اسماءِ الٰہیہ کی جتنی صورتیں تھیں وہ تمام نشاۃ انسانیہ میں ظاہر فرمائیں اس لئے کہ نشاۃ انسانیہ النشاۃ ورُوحانیہ کی جامع ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ و السلام نے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ "اِنَّ اللہَ خَلَقَ آدمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ" ، اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پہ بنایا۔

سوال : اللہ تعالیٰ تو صورت سے پاک ہے اور حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کی صورت بتائی گئی ہے۔

جواب : اللہ تعالیٰ پر لفظ صورت کا اطلاق مجازاً ہے، لیکن یہ بھی جواب اہلِ ظاہر کے لئے ہوگا اس لئے کہ ان کے نزدیک لفظ صورۃ کا اطلاق صرف محسوسات پہ ہوتا ہے اگر معقولات پر ہو تو مجازاً ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات محسوسات سے نہیں اس لئے اس پر صورۃ کا اطلاق مجازاً ہوگا، لیکن محققین کے نزدیک لفظ صورۃ کا اطلاق ذاتِ حق کے لئے مجاز نہیں بلکہ حقیقت ہے اس لئے کہ عالم کبیر کا مجموعہ حضرتِ الٰہیہ کی صورت ہی ہے اور عالم کبیر کا ذرہ ذرہ اسماءِ الٰہیہ مع حضرات حق کے تفصیلاً و اجمالاً مظاہر ہیں اور انسان کامل تو اسماءِ الٰہیہ کا مجموعی طور مظہر ہے۔

سوال : انواع ادراک سے رؤیت اقوی ہے یا علم۔

جواب : رویت اقوی ہے اس لئے کہ اہلِ ایمان رؤیت سے زیادہ لذت یاب ہیں بہ نسبت معرفت کے۔

فائدہ : احیاء العلوم شریف میں ہے کہ رؤیت کشف و علم کی ایک قسم ہے لیکن رؤیت علم سے اوضح واتم ہوتی ہے جب علم کو جہت وغیرہ کے تعلق کی ضرورت نہیں تو پھر بطریقِ اولیٰ ہے کہ اسے جہت وغیرہ کے تعلق کی حاجت نہ ہو پس جیسے علم کیف و صورت کا محتاج نہیں ایسے ہی رؤیت کو بھی کیف و صورت کی محتاجی نہ ہونا لازم ہے۔

مسئلہ : رؤیت معرفت سے اعلیٰ ہے اس لئے کہ عارف ہمیشہ منازل وصال کے مشتاق رہتے ہیں بخلاف عارفین باللہ حضوری کے کہ انہیں وصال کے بعد منازلِ معرفت کا اشتیاق نہیں رہتا۔

(ف) بعض فرماتے ہیں کہ معرفت الطف اور رؤیت اشرف ہے۔

نکتہ : حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا کہ علماء کا وصالِ الٰہی علم و استدلال کے مطابق ہوگا اور عارفین کو مشاہدہ و معاینہ کے مطابق ہوگا۔ یاد رہے کہ یہ مشاہدہ و معاینہ عام

اشیاء کے مشاہدہ و معائنہ کی طرح نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیف واین سے منزہ ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ و معائنہ یہ ہے کہ بندہ کا وجود مضمحل ہو کر وجود حقیقی میں فانی ہوجائے تو پھر وجودِ حقیقی واضح اور منکشف ہو۔

مسئلہ صوفیانہ: صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا کہ جو بندہ اپنی خودی کو مٹا کر فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جائے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ بصیرت سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرلے ورنہ ناجائز ہے ؎

چُوں تجلی کرد اوصاف قدیم　　　پس بسوزد وصف حادث راگلیم

ترجمہ: جب اوصاف سے تجلی کرتا ہے تو وصف حادثات کا سارا سامان جل جاتا ہے۔

مثلاً سُورج جب اپنی پُوری جوانی پر ہو تو اُس کے دیکھنے کے وقت آنکھ چُندھیا جاتی ہے تو پھر ذاتِ حق کا دیکھنا کس طرح ممکن ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ قلب عالم ملکوت سے ہے اس میں بصیرت ہوتی ہے جو اسے شئے کے دیکھنے کا کام دیتی ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ عالمِ ملکوت اُمور وہمیہ یعنی زمان و مکان جہتہ کیفیت وغیرہ کے قیود سے پاک ہے اس لئے کہ یہ اُمورِ وہمیہ عالم ملک کے احکام سے ہیں۔ کجا عالم ملکوت و کجا عالم مُلک۔ اُن کو ایک دُوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ وُہی سمجھتا ہے جسے علم سلوک سے کچھ حصّہ نصیب ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

شکر کمال حلاوت پس از ریاضت یافت　　　نخست در شکن تنگ ازاں مکان گیرد

ترجمہ: حلاوت تو اُس نے ریاضت کے بعد پائی؛ ورنہ پہلے تو ایسے دُکھ میں تھا کہ مکان کو اس سے عار تھی۔

(ف) لطیف وہ ہے جو مخفی امور کے دقائق و غوامض کو جاننے اور جُملہ اُمور کے دقیق و ثقیل معاملات کو جاننے کی وجہ سے ضرورت مند کے ہاں اُس کی ضروریات، نرمی سے پہنچائے۔ سختی کا درمیان میں نام تک نہ ہو جب کسی کے فعل میں نرمی اور لُطف فِی الادراک ہو تو اُس وقت لطیف کا معنٰے مکمل ہوتا ہے اور کمال فی العلم والفعل کا تصور صرف ذات باریتعالیٰ کے لئے ہی ہوسکتا ہے۔

سبق: سالک کے لئے لطیف کا معنیٰ یہی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ لطف و شفقت سے پیش آئے اور انہیں دعوتِ الٰہی پیش کرے تو لطف کو مدِّ نظر رکھ کر اور انہیں راہِ حق کی ہدایت دے اور سعادتِ ابدی کے لئے بُلائے لیکن اس میں سختی و دُرشتی کو درمیان میں نہ لائے اور نہ ہی کسی سے لڑائی کرے اور نہ ہی تعصب سے کام لے۔

فائدہ: وجود لطف سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان حق کو قبول کرتے ہُوئے اپنے میں اخلاق حمیدہ اور اوصاف جمیلہ اور اعمال صالحہ پیدا کرے اس لئے کہ یہی امور زبانی جمع خرچ اور میٹھے میٹھے بول

سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔

نکتہ : حضرت شیخ الاکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ ارشاد نبوی صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ ،، جیسے میں نماز پڑھتا ہوں ایسے ہی نماز پڑھو ،، میں فعل کا حکم ہے نہ کہ قول کا اس لئے کہ فعل قول سے راجح ہوتا ہے ؛ چنانچہ کسی نے کہا ہے

واذا المقال مع الفعال وزنته ... رجح الفعال وخف کل مقال

ترجمہ : قول و فعل کا موازنہ کیا جائے تو فعل قول سے بڑھ جائے گا۔

مثنوی شریف میں ہے

پند فعلے خلق را جذاب تر ... کہ رسد در جان ہر باگوش کر

ترجمہ : نصیحت مخلوق کے فعل کو کھینچتی ہے بہرے کان کو بھی جان بخش دیتی ہے ،،

اور خبیر وہ ہے کہ جس سے کوئی مخفی سے مخفی بات پوشیدہ نہ ہو۔ ملک و ملکوت کا ہر حکم اسی کے امر سے جاری ہو اور ہر عالم کا ہر ذرہ اُسی کے ایماء سے متحرک ہو۔ ہر نفس کو اس سے سکون نصیب ہو اور اگر کسی کو اضطراب ہو تو اسی سے اور کسی کو اطمینان اور چین ہو تو اُس سے وہ جملہ امور کو جانتا ہو اور خبیر بمعنے علیم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جن امور کو امور مخفیہ سے تعلق ہو ان کے جاننے والے خبیر اور اُس کے مصدر کو خبرۃ سے تعبیر کرتے ہیں اور بندے کو خبیر کہا جاتا ہے اس لئے کہ جو کچھ قلب اور بدن میں جاری ہو اُس سے وہ باخبر ہے اگرچہ قلبی امور کتنے ہی مخفی کیوں نہ ہوں بلکہ دل کے کھوٹ یا خیانت کا تصور جانتا اسی طرح دل کے جلا بخشنے والے کاموں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور شرور کو پوشیدہ اور نیکیوں کو ظاہر اور اخلاص و افلاس کو ظاہر کرتا ہے نہ یہ قلب کے امور سے متعلق ہیں۔ ان سے باخبر ہونا کسی زیرک انسان کا کام ہے بلکہ سمجھدار انسان اپنے نفس کی مکاریوں و غداریوں سے پورا واقف ہوتا ہے۔ ایسا انسان اپنے نفس کا خوب مقابلہ کرتا ہے اور اُس کی چالاکیوں کا پورا قلع قمع کرتا ہے۔ اس لئے ایسے بندے کو خبیر کہنا موزوں ہے۔

تفسیر عالمانہ قَدْ جَآءَكُمْ ،، اے پیارے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو فرمایئے بالخصوص اہل مکہ کو بے شک تمہارے ہاں آئے ہیں۔ بَصَآئِرُ ،، دلائل مِنْ رَّبِّكُمْ ،، تمہارے رب کی طرف سے جن میں توحید کے دلائل کے علاوہ نبوت کی حقانیت کا بیان ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ بعثت و نشر اور حساب و کتاب اور جزاء و سزا حق ہے۔

حل لغات : بصائر ،، بصیرۃ کی جمع ہے ہر وہ نور جس سے قلب اشیاء کو دیکھے جیسے بصر ہر اُس نور کو کہا جاتا ہے جس سے آنکھ دیکھتی ہے ؛ لیکن عرف میں بصیرۃ اس قوت کو کہا جاتا ہے جو قلب معقولات کے ادراک کے لئے امانت رکھی گئی ہے اسے معلوم کرے تاکہ قلب معقولات کا ادراک

کر کے مقاصد کے لئے حجۃ بتینہ تیار کر سکے چونکہ قوۃ مُودَعہ اور قلب کی بینائی ہر دونوں ہی ادراک کا سبب ہیں۔ اسی لئے قوۃ مودعۃ پر استعارۃً اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

فَمَنْ اَبْصَرَ ،، پس جو شخص اِن دلائل کے ذریعے حق دیکھ کر ایمان لاتا ہے۔ فَلِنَفْسِہٖ تو وہ اُسی کی اپنی ذات کے لئے ہے۔ یعنی جس نے دلائل کو دیکھا ہے ان دلائل سے اس دیکھنے والے کو فائدہ ہوگا۔ وَمَنْ عَمِیَ ،، اور جس نے دلائل کے ظہور و وضوح کے باوجود انہیں نہ دیکھا۔ اور گمراہی کا راہ اختیار کیا۔

نکتہ : دلائل نہ دیکھنے کو اندھاپن (عمی) سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا فعل نہایت درجہ کا قبیح تھا اور اس کی قباحت سے پُورے طور نفرت کی جائے۔

فَعَلَیْھَا ،، پس اس بُرے فعل کا وبال اسی پر ہوگا۔

تفسیر صُوفیانہ

: اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کے دل میں بصیرت امانت رکھی ہے جس سے ان حقائق غیبی اور کمالات کا مشاہدہ کرتا ہے جو اہل اللہ کو نصیب ہوتے ہیں۔ جس طرح ہر انسان کو آنکھ عطا ہوئی کہ جس سے دُنیا کی ظاہری اشیاء کو دیکھا جاتا ہے۔ یعنی ماکولات و مشروبات و ملبوسات و منکوحات وغیرہ وغیرہ جو کچھ قلب کی بصیرت سے مراتب علویہ، اخرویہ، باقیہ کو اسی طرح کمالات قرب اور وہ امُور جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے تیار ہونے ہیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سُنا اور نہ ہی کسی کے تصور میں آسکتا ہے) دیکھتا ہے تو ایسا شخص اُن کے حصُول کے لئے مشغول ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے راہ پر چلنے کی جدوجہد کرتا ہے اور وہ دُنیاوی اور باطل امُور سے رُوگرداں ہو جاتا ہے۔ پھر اُس کا یہ حال ہوتا ہے کہ دُنیا کی زینت اور اُس کے نقش و نگار اور اس کے شہوات فانیہ سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ یہی اس کی سعادت و کرامت ہوتی ہے جو اس کے نفس کو نصیب ہوتی ہے؛ ورنہ اللہ تعالیٰ تو تمام عوالم کے جملہ امُور سے بے نیاز ہے اور جو اِن امُور سے اندھا ہُوا اور اُسے بصیرت نصیب نہ ہو تو جسم کی آنکھ سے دیکھا اور دُنیا کے نقش و نگار اور اس کے شہوات میں مشغول ہوگیا اور اس کی لذتوں میں محو ہُوا اور حیوانوں کی طرح ان میں صرف کھانے پینے تک محدود رہا تو اُس کی بصیرت اندھی ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان لوگوں کی ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوئیں بلکہ اُن کے دل کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ ایسے لوگوں کو شقاوت اور دائمی خسارہ نصیب ہُوا (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ ،، اور میں تمہارا محافظ نہیں ہوں بلکہ میں تو مُنذِر و مبلغ ہوں اللہ سب کا نگران ہے وُہی تمہارے اعمال کو جانتا ہے اور وہی تمہیں اعمال کی جزاء و سزا دے گا۔

تفسیر عالمانہ "وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ" یعنی مذکورہ تصریف کی طرح ہم آیات کو پھیرتے ہیں جو عجیب معانی پر دلالت کرتی اور بہترین معانی واضح کرتی ہیں۔ یہ صرف سے ماخوذ ہے۔ بمعنے نقل الشئ من حال الی حال یعنی شئ کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف نقل کرنا۔ "وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ" یہ محذوف کلام کی علت اور لام عاقبت کی ہے اور الدرس بمعنی القرأۃ والتعلم یعنی پڑھنا اور تعلیم حاصل کرنا یعنی انجام کار یہ لوگ ہی کہتے ہیں کہ آپ نے یہ باتیں کسی دوسرے سے سُنی ہیں۔

شانِ نزول : قریش مکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہیں کہ آپ یہ باتیں روم کے دو قیدیوں یعنی سیار و جبیر سے سُن کر ہمیں پڑھ کر بتاتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ کلام تو اللہ تعالیٰ سے اُترا ہے۔

(ف) وہ قیدی رُومی قریش کی قید میں تھے۔

"وَلِنُبَيِّنَهٗ" اس کا عطف لیقولوا پر ہے اور لام اپنے اصل پر ہے اس لئے کہ تبیین تعریف مقصود ہے۔

سوال : آیات تو جمع کا صیغہ ہے اور ضمیر واحد کی کیوں۔

جواب : آیات قرآن کی تاویل ہیں۔ بنابریں ضمیر بھی واحد کی ہے۔

"لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ" علم والوں کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہی اس سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ "اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ" جس کی آپ کو وحی کی گئی ہے۔ اس کی آپ اتباع کرتے رہیں یعنی قرآنی تعلیمات میں جو کہ ان میں عمدہ توحید ہے۔ اگرچہ کفار آپ پر جیسے ہی طعن تشنیع کرتے رہیں۔ "لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے۔

"وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" : اور مُشرکین سے رُوگردانی فرمائیے۔ اپنی قوم کی پرواہ مت کیجئے اور جو کچھ وہ بکتے ہیں۔ یا آپ کے متعلق غلط آراء قائم کرتے ہیں انہیں خیال میں نہ لائیے۔ اس لئے کہ جاہلین کی جہالت سے رسالت و نبوت کے پیغامات پہنچانے میں کوتاہی نہیں کی جاسکتی۔ حضرت شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بگو آنچہ دانی سخن سودمند ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ وگر ہیچ کس را نیاید پسند
کہ فردا پشیماں برآرد خروش ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ آوخ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ : وہ سخن بول جو سودمند ہے اگرچہ کسی کو پسند نہ آئے
کہ کل پریشان ہوکر تو شور مچائے گا کہ افسوس میں نے حق کیوں نہ سُنا

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ ،، اور اگر اللہ تعالیٰ اُن کی توحید یعنی ان کا مشرک ہونا نہ چاہے۔ مَآ اَشْرَكُوْا " تو وہ مُشرک نہ ہوتے۔

سوال : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ مشرکین کی توحید و ایمان چاہتا ہی نہیں حالانکہ یہ تو نہایت قبیح امر ہے اور قبیح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف حرام ہے۔

جواب : اللہ تعالیٰ کے نہ چاہنے کی نسبت اس وقت نہیں جبکہ کفار ایمان و توحید کی طرف رغبت رکھ کر متوجہ ہوں اور اللہ تعالیٰ انہیں اس سے روکے۔ یہ معنیٰ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ معنے ہے کہ جب یہ لوگ اپنے اختیار کو ایمان پہ صرف ہی نہیں کرتے بلکہ کفر پہ ڈٹے ہُوئے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اُن کے ایمان و توحید کا بھی ارادہ نہیں فرماتا۔

وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ ،، یہ اور حَفِيْظًا اپنے ماقبل کے متعلق ہیں۔ یعنی ہم نے آپ کو ان پہ حفیظًا نگران اور محافظ نہیں بنایا کہ آپ ہماری طرف سے اُن کے اعمال کی نگرانی کرتے رہیں اور وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ہی آپ ان کے وکیل ہیں کہ اُن کے امور کا نظم ونسق سنبھال کر اُن کی مصلحتوں کی تدبیریں بناتے رہیں۔

حفیظ و وکیل میں فرق : آیت میں حفیظ وکیل دونوں کو یکجا لانے میں اشارہ ہے کہ ان دونوں میں معنوی فرق ہے اس لئے کہ حافظ و حفیظ وہ ہے جو کسی کو نقصان رساں شئے سے بچائے اور وکیل وہ ہے جو کسی کو نفع رسانی کی تدبیر بنائے۔

فائدہ : آیت سے معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا حق ۔ وہ بدبخت قبول نہیں کرتا جو ازل سے بدبختی کا شکار ہُوا ہو۔ ایسے بدبختوں کے لئے اللہ تعالیٰ بھی ہدایت دینا اور ان کو سعادت مند بنانا نہیں چاہتا۔

ازلی بدبختی کی علامات : (۱) آنکھیں کبھی خوفِ خدا سے نہ روئیں۔
(۲) دل بہت سخت ہو۔
(۳) دنیا کی محبت بہت زیادہ ہو۔
(۴) دنیوی آرزوؤں کی بہتات ہو۔

سعادت مند کی نشانیاں : (۱) صالحین (اولیاء اللہ کی محبت اور اُن کے قرب کی تمنا (۲) تلاوتِ قرآن مجید
(۳) شب بیداری
(۴) صُحبتِ عُلمائے (اہلسنت)
(۵) رقتِ قلبی

حکایت : حضرت ابراہیم مہلب سیاح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا کہ ایک لڑکی کو دیکھا کہ وہ کعبہ معظمہ کا غلاف پکڑ کر کہہ رہی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ میں تجھے محبت کا واسطہ دے کر عرض کرتی ہوں کہ میرا دل مجھے واپس لوٹا دے میں نے کہا بیٹی تجھے کیسے معلوم ہوا کہ وہ بے نیاز تجھ سے محبت کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اس کی عنایت قدیمہ کے لشکر نے مجھ پر حملہ کیا اور مجھ پر بہت سا مال خرچ کر کے شرک کے علاقوں سے نکال کر توحید کے ملک میں پہنچایا اور جہالت کے گڑھے سے نکال کر مجھے عرفان کے شہر میں بسایا۔ یہ اس کی محبت و عنایت ہی تو اور کیا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا :

؎ چوں حسن عاقبت نہ برندی و زاہدیست آں بہ کہ کارِ خود بعنایت رہا کنند

ترجمہ : جب حسن کا انجام ترک دنیا اور زہد ہے تو پھر وہی بہتر ہے کہ وہ اپنے کرم سے جس طرح چاہیں نجات دیں

سبق : نیک بندے پر لازم ہے کہ وہ نیکی کرنے میں سبقت کرے۔ اس لئے کہ اعمال صالحہ سعادت کی علامت ہیں اور نیک اعمال سے کترانا اور لمبی لمبی آرزوؤں میں مبتلا رہنا بدبختی کی علامت ہے۔

حکایت : ایک عابد نے اللہ تعالیٰ سے آرزو کی کہ انہیں ابلیس کی اصلی شکل دکھائی جائے اسے جواب ملا کہ آپ صرف اپنی عافیت کی خیر مانگئے اور بس، لیکن وہ اس پر مُصر رہے کہ ایک بار تو ابلیس کو ضرور دیکھوں گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اس کے سامنے کر دیا۔ ابلیس کو دیکھ کر اس عابد نے اسے مارنے کا ارادہ کیا تو ابلیس نے کہا اگر تم ایک سو سال زندگی بسر کرو تب بھی میں تمہیں گمراہ کر کے تو تباہی کے گڑھے میں ڈال دوں گا اس سے عابد کو غرور پیدا ہو گیا اور کہا کہ تو میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا اس لئے کہ اگر کوئی گناہ کر لوں گا تو پھر توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کر لوں گا ؛ چنانچہ ایک مدت کے بعد شیطان ابلیس نے اس عابد کو گمراہ کر کے تباہی کے گڑھے میں ڈال دیا۔

سبق : اس حکایت سے معلوم ہوا کہ انسان کو لمبی آرزو تباہ و برباد کرتی ہے۔ اس لئے کہ وہ بڑی آفت ہے۔ صائب نے کہا ؎

در سرایں غافلاں طول امل دانی کہ چیست ✣ آشیاں کر دست مارے در کبوتر خانہ

ترجمہ : ان غافلوں کے خیال میں طول امل کے سوا کچھ نہیں۔ کبوتر خانہ میں تو سانپ نے بسیرا کر لیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : رسول علیہ السلام کے ذمہ صرف تبلیغ احکام ہے اور بس۔ صرف فرق اتنا ہے کہ عوام کو توحید کی طرف بلاتے ہیں اور خواص کو وحدانیت

کی طرف اور خواص الخواص کو وحدۃ کی طرف۔ کچھ یہی حال اولیاء اللہ کا ہے (جو انبیاء علیہم السلام کے وارثین ہیں) لیکن ان مقامات پہ پہنچنا انسان کے اپنے بس کی بات نہیں اور نہ ہی مرشد کے ارادہ پر ہے کہ جس کے لئے وہ چاہے تو اسی طرح ہو جائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومشیئت پر ہے۔ لیکن ان تمام مقامات کا اصل سرچشمہ توحید ہے کہ جس طرح مومن اس سے ہی مومن بنتا ہے تو کافر بھی اسی کے انکار سے کافر بنتا ہے۔ مومن مخلص وہ ہے جو توحید کے تکرار میں لگا رہے۔ اس لئے شرک جلی ہو یا خفی اس توحید سے مٹتا ہے۔ مومن ناقص تو مشرک اور شرک جلی کو خیال میں لاتا ہے لیکن مومن کامل مشرک شرک خفی کو کچھ نہیں سمجھتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ٥

کفار سے اعراض حقیقی حاصل ہو تو اس کے ساتھ ظاہری اختلاط سے نقصان نہیں پہنچتا اس لئے کہ اگر یہ ظاہری اختلاط بھی نہ ہو تو پھر اُسے دعوت کس طرح دی جا سکے گی اور اس پر حجت کس طرح قائم کی جا سکے گی اور قیامت میں اُسے کس طرح ساکت کیا جا سکے گا۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ،، اللہ تعالیٰ صرف اسے اپنی دار السلام کی دعوت دیتا ہے جو ہدایت کی اتباع کرتا ہے اور جو خواہش نفسانی کے درپے رہتا ہے اسے قیامت میں سخت ملامت اور رسوائی نصیب ہوگی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ شکر ہاست دریں شہر قانع شدہ اند　　شاہباز ان طریقت بمقام مگسے

تفسیر عالمانہ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ ،، اے مومنو! گالی نہ دو۔ اَلَّذِيْنَ انہیں جو يَدْعُوْنَ ،، بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ یعنی انہیں پکارتے اور اُن کی عبادت کرتے ہیں۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ،، درانحالیکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تجاوز کرنے والے ہیں اُن سے کفارِ مکہ مُراد ہیں۔

(ف) مولانا ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ " بحیثیت عبادت کے انہیں گالی نہ دو مثلاً یُوں نہ کہو اے کافرو! تمہیں اور تمہارے معبودوں کے لئے خرابی ہو۔

فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ،، تو وہ بھی حق سے متجاوز ہو کر تمہاری طرح وہ تمہارے معبود کو گالی دیں گے۔ (ف) عدوًا یا مفعول مطلق ہے اس لئے کہ سب بھی ایک قسم کی عداوت ہے یا وہ مفعول لہٗ ہے یعنی وہ تمہیں عداوت کی وجہ سے گالی دیں گے۔

بِغَيْرِ عِلْمٍ ،، یہ فَيَسُبُّوا سے حال ہے یعنی وہ گالی دیں گے۔ درآنحالیکہ انہیں نہ اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور نہ ہی اُس کی شان کے وہ آداب جانتے ہیں اس لئے کہ وہ نرے جاہل ہیں کیونکہ اگر انہیں اللہ تعالیٰ کی شانِ مرتبت کا علم ہوتا تو اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرتے۔

سوال : وہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح گالی دے سکتے جبکہ وہ شان الوہیت کے قائل تھے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا انہیں اقرار تھا یہی وجہ ہے کہ وہ بتوں کی پرستش بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں شفاعت کی نیت پر کرتے۔

جواب : اگرچہ وہ صراحۃً اللہ تعالیٰ کو گالی نہ دیتے لیکن اُن سے اپنے بتوں کی غیرت سے ایسے امور سرزد کرتے جن سے اللہ تعالیٰ کی گستاخی کا پہلو نکلتا۔ جیسے انسان کی فطرت ہے کہ جب غیظ و غضب سے بھرپور ہو جاتا ہے تو اس سے ایسے امور سرزد ہوتے ہیں جن کا ارتکاب اس سے نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ بلکہ انسان لبا اوقات شدتِ غضب سے کلماتِ کفریہ بھی بک جاتا ہے (العیاذ باللہ)

مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ جو طاعت گناہوں کا سبب بن جاتی ہے اُسے ترک کر دینا ضروری ہے اس لئے کہ جو شے شر کا سبب بنے وہ بھی شر کہلاتی ہے۔ مثلاً بتوں کی مذمت اور انہیں گالی دینا اصل طاعات سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن سے روک دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ ایک بہت بڑے گناہ کا سبب بنتی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹانے اور اُنہیں گالی دینے کا موجب بن جاتی ہے۔ اس سے سفاہت کا دروازہ کھل جائے گا۔

مسئلہ : جب کوئی کسی کے متعلق یقین کرے کہ وہ اس کی نصیحت سے یعنی اسے ایک برائی کے روکنے سے وہ کئی دوسرے بڑے گناہ میں مبتلا ہو جائے گا تو ایسے انسان کو نصیحت نہ کرنا لازم ہے۔ بلکہ اُسے ویسے ہی حال پہ رہنے دے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مجال سخن تا نیابی مگوئی — چو میداں نہ بینی تنگدار گوئی

ترجمہ : سخن کا موقعہ نہ ہو تو نہ بول جب میدان نہ ہو تو سخن کو نگاہ رکھ اور گیند نہ پھینک۔

کَذٰلِکَ ،، یعنی اس تزیین قوی کی طرح اس سے کفار کا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا اور اُن کی اصنام پرستی مراد ہے۔ **زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ** ،، ہم نے زینت دی ہر اُمت کو اُن کے اعمال بھلے یا بُرے طاعت یا معصیت یعنی جب ان میں کسی ایک کو اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں اُن کی طرف طبیعت کا میلان پیدا کر دیتا اور نیکی کی توفیق بخشتا یا بُرائی کا خوگر بناتا۔

ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ ،، پھر اپنے ربِ کریم اور جملہ امور کے مالک کی طرف **مَّرْجِعُهُمْ** ان کا رجوع ہوگا۔ اس سے مرنے کے بعد اُٹھنا مُراد ہے۔ **فَیُنَبِّئُهُمْ** ،، پس وہ انہیں بلا تاخیر خبر دیگا۔ **بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ** ٥ بسبب اُن کے اعمال کے جو دُنیا میں دائمی طور کرتے اور وہ بُرے اعمال انہیں نہایت اچھے لگتے۔ یہ اس محاورہ سے ہے جو کسی کو سزا و عتاب سے ڈرائے۔ مثلاً کسی نے کسی دُوسرے

کو دھمکانا ہوتا تو کہتا سا خبرک بما فعلت "، میں عنقریب تیری خبر لوں گا جو کہ تُو نے فلاں کام کیا ہے۔ اس کی تجھے عنقریب سزا مل جائے گی۔

نکتہ : اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ جو امُور یہاں ہمیں بہتر اور بھلے محسوس ہوتے ہیں۔ کل قیامت میں اُن کی مخالف صُورت میں ظاہر ہوں گے۔ اس لئے کہ گناہ انسان کے لئے زہرِ قاتل ہیں۔ اِس دُنیا میں تو نہایت حسین محسوس ہوتے ہیں (جو کہ عاصیوں کی نگاہوں میں بے نظیر نظر آتے ہیں) چنانچہ اس آیت کے "زیّنا" کے کلمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کچھ یہی کیفیت طاعات کی ہے کہ باوجودیکہ حسن و جمال میں وہ اپنی نظیر آپ ہیں، لیکن بعض اوقات انسان کو قبیح محسوس ہوتے ہیں۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت کے گرد مکارہ اور دوزخ کے گرد شہوات کھڑی کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کفار و مجرمین کو دُنیا میں بُرے اعمال (کفر وغیرہ) ایسے مزین نظر آتے ہیں کہ انہیں اُن کے سوا اور کوئی شئے اچھی نہیں لگتی، لیکن آخرت میں اُن کی حقیقت ایسے مکروہ منظر میں متبدل ہو جائیں گی جنہیں وہ دیکھ کر گھبرائیں گے۔ اس پر انہیں کہا جائیگا یہ تمہارے وہی کرتوت ہیں جن کے تم دُنیا میں مرتکب ہُوئے تھے جو آج اس قباحت کے ساتھ تمہارے سامنے ہیں اور اُن کی حقیقی اور اصلی شکل یہی ہے جنہیں تم دُنیا میں نہایت درجہ کے شکیل وجمیل صُورت میں دیکھتے تھے اور تم کو اُس کی اطلاع دُنیا میں دی جا چکی تھی کہ ان برائیوں کی ظاہری شکل کو نہ دیکھو کہ ان کی حقیقت اور اصلی صُورت بہت بڑی خراب ہے لیکن تم نے اس وقت کوئی بات نہ مانی (تفسیر الارشاد)

فائدہ : اللہ والوں کو یہی بُرے اعمال دُنیا میں ہی گندی صُورت میں نظر آجاتے ہیں جنہیں وہ اچھی صُورت میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حکایت : حضرت شیخ ابوبکر ضریر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک حسین جمیل شخص رہا کرتا تھا جو رات عبادت میں گزارتا اور دِن کو رونے سے رہتا ایک دِن میرے ہاں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے رات کو خراب کے ہجوم سے اوراد نہیں پڑھ سکا۔ نیند میں دیکھ رہا تھا کہ میرا حجرہ پھٹ گیا ہے اور میرے اس حجرے سے چند نوجوان حسین وجمیل لڑکیاں نکلی ہیں۔ ان میں ایک بدنما اور نہایت گندی شکل والی بھی ہے۔ میں نے اُن سے کہا تم کس کی لونڈیاں ہو اور یہ بدشکل کس کی ہے اُن سب نے کہا ہم سب تیری وہ راتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزارتا تھا اور یہ سیاہ فام تیری آج رات ہے کہ جس میں تو نے اپنے اوراد و وظائف اور عبادت تیج کر کے نیند کر رہا ہے۔ اگر تو اسی رات مرجاتا تو رات اس شکل میں تجھے نصیب ہوتی۔ پھر وہی بدنما گندی شکل والی نے یہ شعر پڑھے۔

استال لمولاک واردد نی الی حالی　　فانت قبحتنی من بین اشکالی
وقد ابدت بخبراذ وعظمت بنا　　ابشر فانت من المولیٰ علی حال

ترجمہ : اپنے مالک و مولیٰ سے میرے متعلق سوال کیجئے تاکہ وہ مجھے اپنی اصلی صورت میں لوٹا دے اس لئے کہ تو نے ہی مجھے قبیح بنایا اور تم نے تو نیکی کے ارادے کئے ہوئے تھے اور اس کی تو ہمیں نصیحت دیتا ہے ۔

اس پر تمہیں مبارک ہو کہ تو ہر حال میں ہمارا مولیٰ ہے ۔ پھر حسین شکل والیوں سے ایک نے یہ شعر پڑھا ؎

نحن اللیالی اللواتی کنت تسھرھا　　تتلوا القرآن بترجیع و انات

ترجمہ : ہم تیری وہی راتیں ہیں جنہیں تو اچھے لہجے سے قرآن پڑھ کر زندہ رکھتا تھا ۔

نسخہ رُوحانی : بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ نفس کے کسی ایک عیب کا انکشاف ملکوت کے انکشاف سے بہتر ہے اس لئے انسان کا مقصود طبیعت اور نفس کی اصلاح ہے اور اکل و شرب اور نیند صفات بہیمیہ سے ہیں اور طبیعت کے مقتضیات یہی ہیں ۔

تفسیر صُوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ زینا لِکُلِّ اُمَّۃٍ الخ یعنی ہم ہر امت کے مقبول لوگوں کے اعمال اہلِ قبور کے لئے سنوارتے ہیں اور مردودوں کے اعمال اہل رد کے لئے مزین کئے ہیں ۔ ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمۡ مَّرۡجِعُھُمۡ ،، پھر ان کا رجوع اس گروہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری دیں گے ۔ فَیُنَبِّئُھُمۡ بِمَا کَانُوۡا الخ ،، پس اللہ تعالیٰ انہیں اُن کے اعمال کی خبر دے گا ۔ اہل قبول تو اعمال صالحہ کا ارتکاب کرتے ہیں ۔ اس لئے وہ صحیح راستہ پر چلیں گے ۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و احسان سے نوازے گا ۔ اس لئے کہ وہ نیکی کرنے والے ہیں اور اہل رَدّ چونکہ اللہ تعالیٰ کے کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے ہیں اس لئے وہ ہلاکت اور قہر کی وادی میں بھٹکتے ہوئے حاضری دیں گے بنابریں عدل و انصاف کے طور انہیں گھاٹے اور خسارے میں ڈالا جائے گا ۔ اس لئے کہ وہ دُنیا میں بُرائیوں کے مرتکب ہوتے رہے ۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

جملہ دانند ایں اگر تو نگردی　　ہر چہ می کاریش روزے بدروی

ترجمہ : تمام کو معلوم ہے کہ اگر تو نے کوئی کام نہ کیا پھر یاد رکھ کہ جو کچھ بوئے گا وہی اُٹھائیگا ۔

حکایت . ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک بڑھیا رہتی تھی جو عبادت کرتے کرتے کوزہ پشت ہو چکی تھی ۔ میں نے کہا آپ اپنے نفس پر نرمی کیوں نہیں کرتیں ۔ اُس نے جواب دیا کہ اے شیخ تمہیں معلوم ہے کہ نفس کی نرمی اپنے مولیٰ سے دُوری کا سبب بن جاتا ہے اور جو اپنے مولیٰ سے دُور ہو جاتا ہے وہ دُنیا میں مشغول ہو کر خود کو مصائب و پریشانیوں میں ڈال دیتا ہے ۔ میں

اپنے اعمال میں جدوجہد کروں تب بھی کچھ نہیں ہوں۔ پھر میرا اس وقت کیا حال ہوگا جبکہ میں اعمال صالحہ میں کوتاہی کروں۔ اس کے بعد فرمایا کہ سباق کی حسرت اور فراق کا درد بہت سخت ہے سباق کی حسرت تو یہ ہے کہ جب لوگوں کو قبروں سے اُٹھایا جائے تو بعض حضرات وہ ہوں گے جو نُورانی سواریوں پر سوار ہو کر عزوجل کے محل میں پہنچیں گے اور اُن کے لئے محبتین کی منازل پیش کی جائیں گی اور مقربین کے گروہ میں شامل ہو جائیں گے اور جو اُن سے پیچھے رہ جائیں گے انہیں سخت حسرت ہوگی اور غم کے مارے اُن کے دل پھٹنے پر آ جائیں گے افسوس کھائیں گے ندامت اور شرمساری سے اُن کے دل پگھل جائیں گے اور فراق کا درد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں کی آپس میں جُدائی ڈالے گا۔ یعنی تمام مخلوق کو میدانِ محشر میں ایک جگہ جمع فرمائیں گے اور ایک فرشتے کو حکم دے گا کہ وہ زور سے پکارے اے مجرمو! علیحدہ ہو جاؤ۔ اُس وقت متقین کو کامیابی نصیب ہوگی؛ چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے: وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ٥ اس وقت شوہر کو اپنی زوجہ سے اور بچے کو ماں سے اور دوست کو دوست سے جُدا کیا جائے گا۔ اُن میں سے ایک کو ریاضِ جنّت کی طرف نہایت اجلال و اکرام سے لایا جائے گا۔ اور دوسرے کو پاؤں اور گردن میں بیڑیاں اور زنجیر ڈال کر عذابِ جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا اور انہیں اس جُدائی اور فراق پر بہت سخت دُکھ اور درد پہنچے گا جس سے وہ سخت روئیں گے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی نہریں جاری ہو جائیں گی۔ ایک دُوسرے سے جُدائی کے وقت گویا یہ شعر پڑھیں گے ؎

لَوْ كُنْتَ سَاعَةَ بَيْنِنَا مَا بَيْنَنَا	وَرَأَيْتَ كَيْفَ نُكَرِّرُ التَّوْدِيْعَا
لَعَلِمْتَ اَنَّ مِنَ الدُّمُوْعِ لَاَجْرًا	تَجْرِيْ وَعَايَنْتَ الدِّمَاءَ دُمُوْعًا

ترجمہ: اگر میں اس وقت ہوتا جبکہ ہمارے مابین جُدائی ڈالی جارہی تھی اور دیکھتا کہ کس طرح ہمیں جُدا کیا جارہا تھا تو مجھے معلوم ہوتا کہ بے شک اس وقت آنسو کے دریا بہہ رہے ہیں۔ اس وقت آنسو کے بجائے خون کی نہریں جاری ہیں۔

تفسیر عالمانہ

٥ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ ،، (شانِ نزول) مروی ہے کہ کفارِ مکہ نے کہا یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا جسے وہ زمین پر مارتے تو اس سے پانی کے چشمے بہہ نکلتے۔ اور یہ بھی آپ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے تھے اور یہ بھی آپ فرماتے ہیں کہ صالح علیہ السلام نے اونٹنی پتھر سے نکالی تھی اور آپ بھی تو ہمیں ان میں سے کوئی معجزہ دکھائیے۔ اگر آپ ہمیں ان میں سے کوئی معجزہ دکھائیں گے تو بخدا ہم آپ کو ضرور نبی مان لیں گے اور اس پر بہت بڑا زور دیا اور قسمیں کھائیں۔ آپ نے فرمایا بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ آپ صفا پہاڑی کو سونا بنا دیں یا ہمارے بعض مردگاں کو زندہ کر دیں تاکہ ہم اُن سے آپ

سے متعلق سوال کریں کہ کیا واقعی آپ سچے نبی ہیں یا فرشتوں کو ہمارے سامنے لائیے تاکہ وہ ہمیں گواہی دیں کہ آپ رسول برحق ہیں۔ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا اگر وان میں سے بعض باتیں پوری کر دوں تو تم واقعی مسلمان ہو جاؤ گے۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم ہم ضرور آپ پر ایمان لائیں گے۔ مسلمانوں نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی حضور! آپ ضرور انہیں کچھ تو کرکے دکھا دیں تاکہ یہ لوگ ایمان کی دولت سے نوازے جائیں۔ آپ اس سے ملول و حزیں ہوئے تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ اگر چاہیں تو مذکورہ بالا امور ضرور ہو کر رہیں گے لیکن یہ بدبخت ایمان نہیں لائیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ ان کے انکار کو دیکھے گا تو انہیں ایسے عذاب میں مبتلا کرے گا کہ ان کی جڑ کٹ جائے گی۔ اگر آپ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیں تو ان میں سے بعض کو توبہ کی توفیق نصیب ہوگی۔ اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار قریش نے اللہ کی قسمیں کھائی ہیں۔ **جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ** ،، جہد مصدر ہے اور حال کے مقام پر واقع ہے۔ دراصل جاہدین فی ایمانہم ہے یعنی درآنحالیکہ وہ اپنی قسموں میں جد و جہد کرنے والے ہیں۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنی قسم کو تاکید اور سخت تاکید سے ظاہر کرے۔

لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ ،، کہ اگر ان کے مطالبہ پر کوئی معجزہ ظاہر ہو **لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا** ،، تو وہ ضرور مان لیں گے **قُلْ** محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں فرمائیے۔ **اِنَّمَا الْاٰيٰتُ** ،، بے شک تمام آیات **عِنْدَ اللّٰهِ** ،، اللہ کے ملک ہیں۔ وہی ان پر قدرت رکھتا ہے۔ ان میں سے جنہیں چاہتا ہے ظاہر فرماتا ہے۔ ان میں کوئی بھی شے میرے بس کی نہیں اور نہ ہی ذاتی طور پر اپنے ارادہ سے انہیں ظاہر کر سکتا ہوں۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتا ہوں۔

(**ربط**) مذکورہ بالا حکم سنا کر اب ان معجزات کے عدم ظہور کی حکمت بتاتے ہیں اور اہل اسلام کو مخاطب کرکے بتایا اے مسلمانو! **وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ** اور کونسی شئے تمہیں بتاتی ہے کہ وہ ان معجزات کو دیکھ کر ضرور ایمان لائیں گے بلکہ جونہی وہ معجزات دیکھیں گے وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے سر مو بھی نہیں ہٹیں گے۔ اس لئے کہ ان میں کفر و عناد کا مرض ہے۔ تم اے مسلمانو! اس راز کو نہیں جانتے فلہذا ان معجزات کے ظہور کی تمنا مت کرو۔ صرف اس ارادہ پر کہ کافر مسلمان ہو جائیں گے۔ اِشعار کا انکار سبب ہے ...... نفی کا مسبب یعنی شعور کی بطور مبالغہ نفی کی گئی ہے۔

فائدہ : اس میں اشارہ ہے کہ کفار کی یہ قسمیں جھوٹی ہیں اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ اللہ تعالیٰ معجزات کو ظاہر بھی نہیں فرماتا۔ ہاں ان کے لئے ظاہر نہیں فرماتا جو ازل سے

اُس کی رحمت سے محروم ہیں۔

۹ وَ نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ "، اس کا لَا يُؤْمِنُوْنَ " پر عطف ہے یعنی اے مسلمانو! تمہیں کیا پتہ کہ میں اُن کے دل اُس وقت پھیر دیتا ہُوں جس سے وہ حق سے رُوگردانی کر کے حق کو سمجھتے ہی نہیں۔

وَ اَبْصَارَهُمْ "، اُن کی آنکھوں کی روشنی چھین لیتا ہوں کہ جس سے وہ حق کو دیکھتے نہیں اس لئے وہ ان آیات پر ایمان نہیں لائیں گے۔

كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهٖٓ "، جیسے کہ وہ پہلے آئی ہُوئی آیات پر ایمان نہیں لائے۔

اَوَّلَ مَرَّةٍ "، اس سے قبل جو اُن پر معجزات ظاہر ہُوئے مثلاً چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ وَ نَذَرُهُمْ "، اُس کا عطف بھی لَا يُؤْمِنُوْنَ پہ ہے اور یہ بھی استفہام انکاری کے حکم میں داخل ہے۔ یعنی ہم انہیں چھوڑتے نہیں۔

فِيْ طُغْيَانِهِمْ "، اُن کی گمراہی میں۔ یہ نَذَرُهُمْ کے متعلق ہے۔ يَعْمَهُوْنَ حیران پھرتے ہیں کہ ہم انہیں ہدایت نہیں دیں گے۔ جیسے اہلِ ایمان کو ہدایت سے نوازا ہے۔ یہ نَذَرُهُمْ کی ضمیر منصوب سے حال ہے۔

فائدہ : اس تبدیلی سے مراد یہ ہے کہ ان کی استعداد بھی ختم کر دی گئی ہے اور وہ حق سے بالکل دُور ہو چکے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ تو ہدایت کی طرف آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ انہیں آنے نہیں دیتا بلکہ اس کا مطلب وہی ہے کہ چونکہ اُن کی استعداد ختم ہو چکی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت بھی نہیں دی ورنہ یہ تو اجبار محض ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کُلّی استعداد کے باوجود انہیں ہدایت نہیں دیتا تو وہ مقہور اور مجبور محض ہوں گے اور بحکم خداوندی اِن کے دل پر مہر لگی ہُوئی ہے۔ اس طرح سے یہ ظلم ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی شان اور لطف کرم سے بعید ہے اور نہ اللہ تعالیٰ اس طرح کرتا ہے۔ فللہ الحجۃ البالغۃ ومن اللہ الہدایۃ والتوفیق

اس پارہ ہفتم کے ترجمہ سے فقیر نے شب منگل ۱۳۔ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ تقریباً گیارہ بجے فراغت پائی۔ اس کی تصحیح ۱۴۰۲/۹/۱ھ سے فراغت پائی

محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

(بہاول پور۔ پاکستان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پارہ نمبر ۸

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ
اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے اور ان سے مردے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز ان کے سامنے اٹھا لاتے
قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ
جب بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے مگر یہ کہ خدا چاہتا ولیکن ان میں بہت نرے جاہل ہیں اور اسی طرح
جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ
ہم نے ہر نبی کے دشمن کیے ہیں آدمیوں اور جنوں میں کے شیطان کہ ان میں ایک دوسرے پر خفیہ ڈالتا ہے بناوٹ کی
زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
بات دھوکے کو اور تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو انہیں ان کی بناوٹوں پر چھوڑ دو
وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا
اور اس لیے کہ اس کی طرف ان کے دل جھکیں جنہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں اور گناہ کمائیں
هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ
جو انہیں کمانا ہے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کا فیصلہ چاہوں اور وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب
مُفَصَّلًا وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ
اتاری اور جن کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے سچ اترا ہے تو اے
فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ
سننے والے تو ہرگز شک والوں میں نہ ہو اور پوری ہے تیرے رب کی بات سچ اور انصاف میں اس کی باتوں کا
لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ
کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی ہے سنتا جانتا اور اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ تو ان کے کہے پر چلے تو تجھے اللہ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾
کی راہ سے بہکا دیں وہ صرف گمان کے پیچھے ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَن يَضِلُّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١١٧﴾
تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون بہکا اس کی راہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا
تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو اور تمہیں کیا ہوا کہ اس میں

مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ
سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا وہ تم سے مفصل بیان کر چکا جو کچھ تم پر حرام ہوا مگر جب تمہیں اس سے مجبوری

إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ
ہو اور بیشک بہتیرے اپنی خواہشوں سے گمراہ کرتے ہیں بے جانے بے شک تیرا رب حد سے بڑھنے والوں

بِالْمُعْتَدِينَ ﴿١١٩﴾ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ
کو خوب جانتا ہے اور چھوڑ دو کھلا اور چھپا گناہ وہ جو گناہ کماتے ہیں

سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ
عنقریب اپنی کمائی کی سزا پائیں گے اور اسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا

عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ
اور وہ بے شک حکم عدولی ہے اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑیں

وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢١﴾
اور اگر تم ان کا کہنا مانو تو اس وقت تم مشرک ہو

۱۱۱ وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ ۔

تفسیر عالمانہ

(ربط) ۔ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ۔ میں جسے اجمالاً ذکر کیا گیا تھا اب اسے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے۔ فرمایا ——

اور اگر ہم ان کی طرف ملائکہ کو نازل کریں ۔ جیسا کہ اُن کا سوال ہے کہ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ فرماو ہم اگر ہمارے ہاں ملائکہ نازل ہوں تو ہم انہیں آنکھوں سے دیکھ لیں۔ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ اور اُن سے مُردے کلام کریں ۔ اور وہی آکر ایمان واسلام کی حقانیت کی گواہی دیں ۔ یعنی وہ زندہ ہو کر کہیں کہ اسلام حق ہے جیسا کہ ان کا سوال تھا کہ فَأْتُوا بِآبَائِنَا

فائدہ : صاحب تیسیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ پس ہم ان کے تمام مردگان کو زندہ کریں اور وہ اُن

سے کلام کریں اور آپ کی رسالت کی گواہی دیں" اگرچہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے صرف اپنے دو کافروں (قصی بن کلاب اور جدعان بن عمرو) کے زندہ کرنے کا سوال کیا۔ اس لئے کہ یہ دونوں اُن کی برادری کے سردار بھی تھے اور اُن کے نزدیک سچے تھے۔ چنانچہ کہا کہ اگر آپ ان کو زندہ فرمادیں اور وہ آپ کی نبوت کی شہادت دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

وَحَشَرْنَا (اور ہم جمع کردیں) عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا اُن پر ہر شے آمنے سامنے۔

قُبُلًا قبیل کی جمع ہے یعنی کفیل اور اس کا منصوب ہونا کل شیءٍ (مفعول بہ) سے حال ہونے کی وجہ سے ہے یعنی ہم ہر شے کو جمع کریں تاکہ وہ تمام چیزیں صحت امر اور حضور نبی پاک کی سچائی کی کفیل ہوں۔ یا قُبُلًا قبیل کی جمع ہے جو کہ وہ بھی قبیلہ کی جمع ہے یعنی جماعات یعنی ہم تمام مخلوق کے ایک ایک نوع اور فوج در فوج جمع کریں۔

فائدہ: تیسیر میں ہے کہ اس سے مراد ہر قسم کے جانور (ہاتھی سے لیکر مچھر تک) مراد ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم قیامت قائم کریں۔ مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا کسی حال میں بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ یعنی ان کا ایمان لانا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے لیکن وہ تو ہمیشہ گناہوں میں منہمک رہتے ہیں اور تمرد و طغیان میں یکتا ہیں پھر ان کے لئے اللہ تعالیٰ ان کے ایمان لانے کی مشیت کس طرح ہوسکتی ہے۔

وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ" اور لیکن اکثر ایمان سے بے خبر ہیں۔ یعنی مومن کافروں کے ایمان لانے سے بے خبر ہیں۔ جب اُن کے ہاں آیاتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو اہلِ ایمان کافروں کے ایمان لانے سے پُرامید ہوجاتے ہیں لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت سے بے خبری ہے۔ اس معنی پر اس جملہ سے وَمَا يُشْعِرُكُمْ الخ کے مضمون کی تقریر و تاکید ہوگی۔

مسئلہ: معجزہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو وہ کسی کو ایمان پر مجبور نہیں کرتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا اس کے متعلق ایمان کا ارادہ نہ ہو اور قیامت کے قائم ہونے سے اور کونسی اللہ تعالیٰ کی بڑی آیت ہوسکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُن کے لئے اگر قیامت بھی قائم ہوجائے تب بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ چنانچہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی اس فطرت کو بدلتی ہے جس میں استعداد ہو۔ جس میں استعداد نہ ہو۔ اسے مشیت نہیں بدلتی۔ اس لئے اہلِ ضلال قہر و جلال میں رہتے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ا: از وحشی نیاید کہ مردم شود

بسعی اندر او تربیت گم شود

تواں پاک کردن ز زنگ آئینہ

ولکن نیاید ز سنگ آئینہ

ترجمہ ۱: وحشی کیلئے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ انسان بن جائے کوشش سے اُلٹا تربیت ضائع ہوگی۔

۲: آئینہ سے زنگ دور کرنا تو ممکن ہے لیکن پتھر آئینہ نہیں ہوسکتا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

گر جان بدہد سنگ سیہ لعل نگردد

با طینت اصلی چہ کند بدگہر افتاد

ترجمہ: جان دیکر بھی کالا پتھر لعل نہ ہوگا۔ باطینت اصلی سے بدگوہر کو کیا لگاؤ۔

سوال: حضرت مولانا روم قدس سرہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

گر تو سنگ و صخرہ و مرمر شوی

چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

ترجمہ: اگر تو پتھر اور سنگ مرمر ہے۔ جب تو صاحب دل کے ہاں حاضر ہوگا تو گوہر ہوجائیگا

خلاصہ یہ کہ شیخ سعدی اور حافظ شیرازی قدس سرہما ہر دونوں متفق ہیں کہ بدگوہر کبھی اچھے نہیں ہوسکتے

اور حضرت مولانا روم قدس سرہ کے نزدیک بدگوہر اللہ والے کی نگاہ سے گوہر ہوسکتا ہے

جواب: شیخ سعدی و حافظ شیرازی قدس سرہ نے ذاتی استعداد کے گم کردہ انسان کیلئے فرمایا اور مولانا روم قدس سرہ نے عارضی استعداد کے گم کردہ کیلئے فرمایا اس لئے کہ جس کی عارضی استعداد گم ہو اسے تربیت نافع ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کرامات سب کی سب بھی تربیت کا کام دیتی ہیں وہ معجزات و کرامات علمی ہو یا کوئی جو لوگ ان معجزات و کرامات کے وقت موجود تھے انہیں ان کی تربیت سے فائدہ نصیب ہوا۔ کیوں کہ جس کے اندر استعداد ہوتی ہے وہ حق کی طرف جھک جاتا ہے اور ہدایت قبول کرلیتا ہے اور جس کا ازل سے مادہ فاسد تھا اس نے حق سے اعراض کیا اور گمراہ ہوا۔ بہت سے دھوکہ کھا کر اپنی طبائع خبیثہ کے موافق احکام کی پابندی کرتے ہیں اور جیسے انہیں نفوس متمردہ حکم کرتے ہیں اسے بجالاتے ہیں۔ جیسے وہ جھوٹے طالبانِ حق جو کہتے ہیں کہ اگرچہ مرشدانِ کامل کا معمول یہی تھا اور ان کا طریقہ بجا لیکن ہم جسطرح سلوک طے کرتے ہیں اور جیسے ہم حقیقت کی راہ پہ گامزن ہیں یہی موزوں تر ہے۔ انہیں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ سورج کی حقیقت اپنے مقام حق ہے۔ لیکن اندھا نہ دیکھے تو اس کا اپنا قصور ہے اسی طرح

مشہد کی حقیقت سے انکار نہیں ہوسکتا۔ مگر جس کی زبان صفرا سے کڑوی ہے وہ نہ سمجھے تو اس کی اپنی غلطی ہے، طالب حق وہ ہے جو اپنی خواہش کا پابند نہیں۔ شہد وہ اپنے اوقات عزیز ضائع کرتا ہے بلکہ وہ حتی المقدور محنت کرتا ہے اور طاعات میں لگا رہتا ہے اور طریق طلب میں قدم آگے بڑھاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کل حاصل نہیں ہو سکتا تو پھر کل کو سے ترک بھی نہ کرنا چاہیے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

گر گران و گر شتابندہ بود
آنکہ جوئندہ است یابندہ بود

ترجمہ: کمزور ہو یا تیز چلنے والا۔ تلاش کرنے والا مطلب، پا لیتا ہے۔

سبق یہ استعداد اور طلب حق کا انشراح صدر اللہ تعالیٰ کا نور ہے وہ جس دل میں چاہتا ہے ڈالتا ہے۔ اس میں عمر کی کوئی قید نہیں نوجوان ہو یا بوڑھا جسے نصیب ہو جائے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جسے چاہے عنایت فرمائے۔ بہت سے عنفوان شباب میں غلبۂ حال میں مستغرق دیکھے اور سنے گئے۔

حکایت بعض بزرگ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک سال مجھے حج کی دولت نصیب ہوئی اور وہ سخت گرمی کے ایام تھے۔ ایک دن ہم ارض حجاز کے وسط میں پہنچے۔ لیکن میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا اور ایسے جنگل میں پھنس گیا جس میں نہ دن کا پتہ چلتا نہ رات کا۔ اکیلا تو تھا ہی اچانک مجھے ایک شخص کا احساس ہوا کہ وہ میرے آگے چل رہا ہے۔ میں نے جلدی کر کے اسے پا لیا۔ دیکھا تو وہ بے ریش لڑکا تھا اور حسین ایسا کہ اس سے چاند بھی شرماتا تھا اور سورج کی روشنی سے بھی زیادہ روشن۔ اس سے دولتمندی اور ناز و نعمت کے آثار محسوس ہوتے۔ میں نے السلام علیک یا غلام کہا۔ جواب دیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ یا ابراہیم مجھے سخت تعجب ہوا اور کہا بیٹا میرا نام تجھے کس نے بتایا ہے حالانکہ اس سے قبل میرا آپ سے تعارف نہیں۔ جواب دیا میں آپ کو عرصہ سے جانتا ہوں۔ اور میری اور آپ کی دوستی لافانی ہے۔ میں نے کہا تیرا اس جنگل میں کیسے آنا ہوا جب کہ ان دنوں سخت گرمی پڑ رہی ہے۔ جواب دیا جب سے اس کریم سے تعلق ہوا ہے اب کسی کا وہم و خیال تک نہیں۔ اب میں صرف اسی کا ہو چکا ہوں اور مجھے اپنی عبودیت کا اقرار ہے میں نے کہا تیرے ہاں کھانے پینے کا کوئی انتظام بھی ہے۔ جواب دیا میرا محبوب میری کفالت کرتا ہے۔ میں نے کہا تیری اس تقریر سے مجھ پر خاصہ اثر پڑا ہے۔ آنسو بہا کر مجھے جواب دیا ؎

فلوا جوع فذکر اللہ یشبعنی
ولا اکون بحمد اللہ عطشانا

۲: وان ضعفت فوجد بنہ یحملنی
من الحجاز الی قصلی خراسانا

ترجمہ ۱: اگر مجھے بھوک لگتی ہے تو ذکرِ الٰہی سے بھوک مٹاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی حمد سے میری پیاس بجھ جاتی ہے۔
۲: اگر تھک جاتا ہوں تو وہی مجھے حجاز سے خراسان میں پہنچاتا ہے۔
پھر میں نے اس سے پوچھا تیری عمر کتنی ہے کہا بارہ سال۔ میں نے کہا میرے لئے دعا کیجئے۔ میں اپنے قافلے کو پالوں۔ چنانچہ اس کی دعا کی برکت سے میں نے اپنے قافلہ کو پایا۔ جب ہم عرفات سے فارغ ہو کر حرم شریف میں پہنچے تو میں نے اسی نوجوان کو دیکھا کہ وہ کعبے کے غلاف کو پکڑے ہوئے ہے اور روتا ہوا اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی باتیں کر رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سر سجدہ میں رکھا اور اللہ کو پیارا ہو گیا۔ پھر میں نے اسے خواب میں دیکھا تو میں نے اس سے پوچھا۔ تیرے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ کہا کہ میرے رب کریم نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھا تیرا مقصد کیا ہے۔ میں نے عرض کی یا الٰہ العالمین صرف تو ہی میرا مقصود و مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تو میرا حقیقی بندہ ہے۔ اب میرا حق ہے کہ میں تجھ سے پردے ہٹا دوں۔ اس کے بعد پوچھا اب کیا چاہتا ہے میں نے عرض کی یا الٰہ العالمین جتنا میرے ہمزمان ساتھی ہیں سب کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تیری شفاعت قبول کی۔ اس کے بعد اس نوجوان نے میرے ساتھ مصافحہ کیا اس پر میری جاگ ہو گئی۔ مجھے اب ہر شخص کہتا ہے اے ابراہیم تیرے ہاتھ میں کونسی خوشبو ہے جس سے لوگ معطر ہو گئے۔

فائدہ: بعض محدثین فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے ہاتھ سے خوشبو تادم زیست مہکتی رہی۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ)

۱۱۲ وَكَذٰلِكَ یعنی جیسے ہم نے آپ کا ابوجہل و دیگر کفار مکہ کا دشمن جَعَلْنَا بنایا لِكُلِّ نَبِيٍّ آپ سے پہلے ہر نبی علیہ السلام کے لئے عَدُوًّا دشمن بنائے تھے اس میں اپنے محبوب علیہ السلام کو تسلی دی ہے کہ دشمنوں کی دشمنی (کہ جس میں آپ پر جھوٹے الزامات اور آپ کے ساتھ غلط اور گندے کردار ادا کرتے ہیں) میں کسی قسم کی بھلائی نہیں فلہٰذا اُن کی یہ عداوت صرف آپ کے ساتھ نہیں بلکہ پہلے انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اُمتوں سے بھی ایسے کرتے رہے۔ شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ انسانوں اور جنوں ہر دونوں فریقوں کے سرکش۔ یہ اضافت بیانیہ اور عدوا سے بدل ہے۔
شیاطین شیطان کی جمع ہے ہر متمرد و سرکش کو کہتے ہیں۔ جن ہو یا انسان۔ جب کسی مومن کو جنات کا شیطان نہیں گمراہ کر سکتا تو پھر وہ انسانی شیطان کا سہارا لیتا ہے۔ اس لئے حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

مجھے جنات کے شیطان سے اتنا ڈر نہیں جتنا انسانی شیطان سے خطرہ ہوتا ہے کیوں کہ جب مجھے جنات کے شیاطین بہکاتے ہیں تو ان سے اعوذ باللہ پڑھ کر چھٹکارا پا لیتا ہوں لیکن انسانی شیطان کسی شئے کو نہیں مانتے اس اس لئے جدوجہد کرکے مجھے برائیوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یُوحِیْ بَعْضُہُمْ اِلٰی بَعْضٍ یہ نیا جملہ ہے۔ دشمنوں کی دشمنی کے احکام بیان کرنے کیلئے لایا گیا ہے

فائدہ: وحی حقیقی اور وحی شیطان میں وجہ تشبیہ یہ ہے کہ وحی دراصل کلام خفی اور اس قول سریع کو کہتے ہیں جو کسی کے دل میں بطور راز کے ڈالی جائے۔ اب معنی یہ ہوا کہ شیاطین الانس والجن وسوسہ ڈالتے ہیں۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ جنات کے بعض شیاطین بعض کو وسوسہ ڈالتے ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ انسانی شیاطین ان کے دل میں وسوسہ ڈالتے ہیں۔

زُخْرُفَ الْقَوْلِ باطل سے سنگاری ہوئی باتیں۔ یعنی وہ باتیں کہ جن کا ظاہر بہتر اور اندرون باطل ہو۔ مثلاً کہا جاتا ہے فلان زخرف کلامہ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنے کلام کو جھوٹ اور باطل سے مزین کرکے بیان کرے۔ غروراً یہ لوحی کا مفعول لہ ہے یعنی مزین کلام اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ دوسروں کو دھوکہ دے سکیں۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ اور اگر تیرا رب ان سے عداوت وسوسہ ڈالنے کا امر نہ چاہے۔

مَا فَعَلُوْہُ تو وہ نہ عداوت کر سکتے اور نہ وسوسہ ڈال سکتے۔

سوال: عداوت و وحی کیلئے تثنیہ کی ضمیر چاہیے تھی اور یہاں مَا فَعَلُوْہُ میں واحد کی ضمیر ہے۔

جواب: ماذکر سے موول ہیں اس لئے ان کے لئے ضمیر واحد کا لایا گیا ہے۔ فَذَرْہُمْ چونکہ مشیت باری تعالیٰ سے وہ آپ کے ساتھ عداوت وغیرہ رکھتے ہیں۔ اس لئے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔

وَمَا یَفْتَرُوْنَ اور ان کے افترا یعنی کفر اور باقی تمام مکاریوں و غداریوں کو۔ کیوں کہ ان کے لئے ہم نے سخت ترین سزائیں تیار کر رکھی ہیں اور آپ کے لئے بہت بڑے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب مقرر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں لاتعداد حکمتیں مضمر ہیں۔

۱۱۳ وَلِتَصْغٰۤی اِلَیْہِ اور تاکہ وہ بناوٹی اقوال کی طرف کان لگائیں۔ یہ شیاطین کے وحی کی دوسری علت اور اس کا غروراً پر عطف ہے۔

سوال: غروراً پر عطف ہے تو اسے مصدر لاکر منصوب کیوں نہیں لایا گیا۔

جواب: اس میں منصوب ہونے کی شرط مفقود ہے اس لئے کہ غرور (موحی) وسوسہ ڈالنے والے کا فعل ہے۔ اور (اصغاء) کان لگانا موحیٰ الیہ (جس کے دل میں وسوسہ ڈالا گیا) کا فعل ہے۔ یعنی شیطان ان کے دل میں اس لئے وسوسے ڈالتے ہیں کہ انہیں بہکائیں اور وہ ان کی طرف میلان رکھیں۔

"اَفۡـِٕدَةُ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ" ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اہل ایمان تو اُن کے بناوٹی اقوال کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ اس لئے کہ انہیں معلوم ہے کہ یہ اقوال سراسر باطل اور ان کا انجام بھی برا ہے۔ وَلِيَرۡضَوۡهُ اور جب اُن کے دل اُن کی طرف جھک جائیں۔ پھر وہ انہیں وہی اقوال باطلہ وغیرہ پسند ہوں۔ وَلِيَقۡتَرِفُوۡا تاکہ ان باتوں سے خوش ہو کر اُن کا ارتکاب کریں مَا هُمۡ مُّقۡتَرِفُوۡنَ۔ وہ جو ان قبائح کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔

سوال: ان قبائح کو اشارہ کنایہ سے واضح طور پر کیوں نہیں بیان کیا۔

جواب: وہ ایسے گندے امور ہیں کہ ان کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے ان سے اُن کے وہی قبائح مراد ہیں جو لوح محفوظ میں ان کی تقدیر میں لکھے گئے۔

حل لغات: اقترف فلان ذنبہ۔ یعنی فلاں نے فلاں برائی کا ارتکاب کیا اور کہا جاتا ہے۔ اقترف عملاً اور مال کمایا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ مصائب اللہ والوں کیلئے بمنزلہ سواریوں کے ہیں اور سب سے بڑی مصیبت شماتت اعداء (دشمنوں کا گالی بکنا اور ایذا دینا ہے) اور چونکہ حضرات انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام مراتب علیا کے مالک ہوتے ہیں اس لئے ان پر شماتت اعداء کا ذور ہوتا ہے اور شماتت اعداء کی بہتات سے ترقی پاتے اور تجلیات ربانی حاصل کرتے ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ جورہا کہ کشیدند بلبلان ازوی
بہوئے آنکہ دگر نوبہار باز آید

ترجمہ: بلبلیں کتنا کانٹے سے ظلم برداشت کرتی ہیں۔ اس خوشبو کے انتظار میں جو نئی بہار میں نصیب ہو گی۔

دوسری تقریر صوفیانہ

شیطان الانس سے نفس امارہ مراد ہے انسان کا سب سے بڑا دشمن یہی ہے اس لئے یہاں پر الانس کو شیاطین سے پہلے ذکر کیا گیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ شیاطین الانس اور اُن کے ساتھی شیاطین الجن اور اُن کے ساتھیوں سے عداوت میں اصعب و اشد ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ شیطان کا مکر و فریب بہ نسبت انسان کے مکر و فریب کے ضعیف ہے اور اہل دل دشمنوں کے اقوال کاذبہ کی طرف دھیان نہیں کرتے بلکہ جونہی ان کا مکر و فریب سخت تر ہوتا ہے۔ اللہ والوں کے ایمان میں تقویت اور مضبوطی ہے ؎

ما فقیریم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

ترجمہ: ہم فقیر ملامت اٹھائیں اور خوش ہوں کیونکہ ہمارے طریقت میں رنج ہونا کافری ہے

شیطان کیسے بہکاتا ہے شیطان ابن آدم پر اس وقت مسلط ہوتا ہے جب انسان ضرورت سے زیادہ کھائے اور فضول باتیں اور لباس میں حد سے بڑھے اور لوگوں میں بلاوجہ نشست برخاست رکھے۔ اس لئے جو لوگوں سے بلاوجہ نشست و برخاست رکھے گا وہ ان کی جھوٹی باتیں سنے گا اس سے اس کے نفس میں اسی گندی عادت کا لطف پیدا ہوگا جس سے وہ پھر ایسی غلطیوں کا شکار ہوگا۔

اعجوبہ بعض بزرگوں نے اس کا ارشاد ہے کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کے گھر والوں سے شیطان بہت زیادہ بھاگتا ہے اس لئے کہ وہ اس کے کہنے پر غلط کاریوں کا ارتکاب کرتا تھا۔ اب کون اس کے حکم پر چلے گا پھر جب اس کی روح کو ملائکہ آسمانوں پر لے جاتے ہیں تو ملائکہ کہتے ہیں کہ الحمد للہ اب یہ شیطان کی شرارتوں سے بچ گیا۔ دیکھیے شیطان کی دشمنی کتنی ہے۔

سبق انسان کو چاہیے کہ وہ شیطان کے وسوسوں اور اس کی فریب کاریوں سے بچنے کی کوشش کرے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے سامنے کل قیامت میں شرمسار نہ ہو۔

اعجوبہ وہ شیطان کہ جس کا وسواس وخناس نام ہے انسان جو کچھ دل میں خیال کرتا ہے کہ یہ کرونگا وہ کرونگا تو یہی شیطان لوگوں میں ایسی باتیں عام پھیلاتا ہے۔

حکایت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کے متعلق دل میں خیال کیا تو اس کو شیطان نے عام لوگوں میں پھیلا دیا اور لوگ آپس میں ان کے متعلق چہ میگوئیاں کرتے تھے۔

فائدہ: انسان کا ہمزاد جن اگر مسلمان ہو جائے تو پھر اس کے شر سے حفاظت مل سکتی ہے۔

فائدہ: جنات میں بعض اہل ایمان بھی ہوتے ہیں جو نیک لوگوں اور اہل علم کے علوم سے استفادہ کرتے ہیں اگرچہ وہ ان سے پوشیدہ بھی رہتے ہیں۔

حکایت: حضرت ابراہیم الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ایک سال میں حج کیلئے سفر کر رہا تھا کسی نے مجھے پوشیدہ طور کہا کہ علیحدگی میں مجھے آپ سے کام ہے آپ اپنے قافلہ سے ہٹ کر دوسرا راستہ اختیار فرمائیے تاکہ میں آپ سے چند باتیں پوچھ سکوں۔ میں اپنے قافلہ سے ہٹ کر دوسرے راستہ پر چل پڑا۔ تین دن رات تک نہ مجھے بھوک لگی اور نہ پانی کی خواہش ہوئی اور نہ ہی قضاء حاجت کی ضرورت ہوئی۔ تیسرے روز کے بعد میں ایک جنگل میں پہنچا۔ جو نہایت سرسبز تھا۔ جس میں ہر قسم کے میوہ جات اور خوشبودار پھول تھے۔ اس جنگل کے وسط میں ایک جھیل تھی۔ ایسے معلوم ہوتا کہ گویا بہشت کا ٹکڑا ہے میں اس تعجب میں گھر گیا

تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ میرے سامنے ایک جماعت ہے۔ جن کے چہرے انسانوں جیسے تھے اور وہ بہترین لباس میں ملبوس تھے اور آکر میرے گرد حلقہ بنالیا۔ مجھ سے کہا۔ السلام علیک میں نے کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ میں نے دل میں سوچا کہ یہ جنات ہیں۔ اُن میں سے ایک نے کہا۔ ہمیں ایک مسئلہ میں اختلاف ہے اور ہم وہ ہیں جنہوں نے لیلۃ الجن حضور نبی پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا۔ اُن کے کلام کی یہ تاثیر تھی کہ اس وقت سے ہمارے دنیوی امور متروک ہو چکے ہیں اور اسی وقت سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس جزیرہ میں متعین فرمایا۔ میں نے اُن سے پوچھا پہلے یہ بتاؤ کہ میرے ساتھی یہاں سے کتنا فاصلہ پر ہیں۔ ان سے ایک ہنس پڑا اور کہا کہ اے ابو اسحاق جس مقام پہ آپ تشریف فرما ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کے اسرار ورموز اور عجائبات ہیں۔ یہاں پر کسی آدمی نے قدم نہیں رکھا آپ تشریف لائے ہیں یا آپ سے پہلے ایک نوجوان تشریف لایا۔ جس کا یہاں وصال ہو گیا اور سامنے والی قبر انہی کی ہے۔ وہ قبر مبارک اس جزیرہ کے کنارے جس کے گرد نہایت خوشبو ناک باغیچہ تھا۔ اتنا معطر اور خوشنما کہ مجھے زندگی میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا اس کے بعد انہوں نے کہا کہ جہاں آپ ساتھیوں کو چھوڑ کر تشریف لائے ہیں یہاں سے ایک مہینہ کی مسافت ہے۔ میں نے اُن سے کہا کہ اس فوت شدہ نوجوان کے متعلق کچھ مجھے بھی بتاؤ انہوں نے کہا ہم جزیرہ کے گرد بیٹھے محبت کی باتیں کر رہے تھے کہ ایک نوجوان تشریف لایا۔ اس نے السلام علیکم کہا۔ اس کے سلام کا جواب دیا۔ ہم نے پوچھا کب سے وہاں سے چلے ہو۔ اُس نے کہا۔ مجھے وہاں سے نکلے ہفتہ ہو گیا ہے۔ ہم نے کہا تجھے تیرے وطن سے کس بات نے نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ اس نے کہا جب سے کلام الٰہی سنا ہے۔ وَاَنِیْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَہٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ہم نے اُن سے پوچھا کہ الانابۃ کا کیا معنی ہے اور اسلام کسے کہتے ہیں اور عذاب کیا ہے اس نے کہا الانابۃ یہ ہے کہ خودی کو مٹا کر صرف خدا کا بن جانا اور اسلام یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دینا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ میرے سے وہی زیادہ لائق ہے کہ میں اپنے آپ کو اسی کے قبضہ میں اور عذاب سے جدائی کا عذاب مراد ہے یہ کہہ کر ایک سرد آہ بھری اور مر گیا۔ پھر ہم نے اُسے اس پر دفن کر دیا اور یہ اس کی قبر ہے۔ میں اس کا حال سن کر متعجب ہوا اور اس کی قبر کی زیارت کو چلا گیا۔ قبر کے سرہانے نرگس کا گل دستہ رکھا دیکھا اور اس کی لمبائی چوڑائی موٹائی ایک بہت بڑا کے برابر تھی۔ اس پر لکھا ہوا تھا۔ ھذا حبیب اللہ قتیل الغیوۃ یہ اللہ کا محبوب اور غیرت ہے نرگس کے پتے پر انابت کا معنیٰ لکھا تھا۔ جنات نے مجھ سے اُس کی تفسیر و تشریح پوچھی جب میں نے انہیں انابت کی تفسیر سنائی تو انہیں وجد آ گیا۔ جب ہوش میں آئے تو کہا ہمارا یہی سوال تھا۔ اور آپ نے ہمیں تسلی بخش جواب عنایت فرمایا۔ اُس کے بعد مجھے نیند آ گئی۔ بیدار

[گی]ا جسے آپ کو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی مسجد میں پایا (جنات اٹھا کر یہاں پہنچا گئے) اور دیکھا تو [آپ کے] مزار کا گلدستہ میرے سامان میں تھا۔ وہ ایک سال تک میرے پاس رہا۔ جس میں کسی قسم کا تغیر نہ آیا چند دنوں کے بعد مجھ سے گم ہو گیا۔ رضی اللہ عنہم ومن جمیع الصالحین ۔

۱۱۴ أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي ۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا فیصلہ چاہوں۔ یہ ہمزہ انکاری اور فاء عاطفہ [ہے جس] کا معطوف علیہ مقدر ہے اور غیرا ابتغی کا مفعول اور حکماً حال ہے اور مفعول کی تقدیم میں اشارہ ہے کہ [صر]ف غیر تو حکم کی طلب کا ہے نہ کہ مطلق طلب کا انکار مقصود ہے اور حکم حاکم سے زیادہ بلیغ اور رسوخ پر [د]لالت کرنے والا ہے اس لئے کہ اس کا اطلاق صرف عادل پر ہوتا ہے اور اس پر اس کا اطلاق ہوتا ہے [جس] سے حکم بار بار صادر ہو بخلاف حکم کے کہ اس میں یہ باتیں ضروری نہیں۔ کلام میں قول مراد ہے اور وہ [مق]در ہے۔

شان نزول مروی ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے اور اپنے مابین یہودیوں اور نصاریٰ کے پادریوں کو حکم مقرر فرما لیجئے تاکہ وہ حق و باطل کا فرق [بتا]دیں اس لئے کہ انہوں نے آپ سے پہلے نازل کردہ کتاب کو پڑھا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت [ناز]ل فرمائی اور فرمایا کہ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرما دیجئے کیا میں حق سے منہ پھیر کر غیر اللہ [کی] طرف رجوع کروں۔ پھر وہی غیر اللہ میرا اور تمہارا فیصلہ کرے۔ یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

وھوالذی انزل الکتاب اور وہ اللہ تعالیٰ جس نے تمہاری طرف کتاب نازل فرمائی۔ ابتغی [ک]ے فاعل سے حال ہے یعنی میں غیر اللہ کو حکم کیوں طلب کروں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف کتاب نازل فرمائی [او]ر تم ان پڑھ لوگ تھے۔ تمہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ قرآن کے کس حصہ پر عمل کرنا ہے اور کتنا قدر چھوڑنا۔ حالانکہ [قر]آن سب کا سب حق اور صواب ہے۔ مُفَصَّلًا در انحالیکہ قرآن میں حق و باطل اور حلال و حرام [او]ر دیگر جملہ احکام کو ایسا مفصل طور بیان کیا گیا ہے کہ دینی باتوں میں اب کسی بات کا شک و شبہ اور ابہام نہیں [رہ]ا۔ جب ہمارے ہاں ایسی کتاب موجود ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم غیروں کو اپنا فیصلہ پیش کریں۔

[م]سئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ قرآن صاف اور واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ اس میں اتنے واضح [او]ر روشن احکام بیان کئے گئے ہیں کہ اس کی توضیح و تفصیل کے لئے کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ (اس کے باوجود بھی ہمیں حدیث کی ضرورت ہے۔ اسی طرح حدیث کو سمجھنے کے لئے فقہ کی ضرورت ہے)

وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ ۔ اور جن لوگوں کو ہم نے [کت]اب دی وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے حق نازل ہوا۔ یہ نیا کلام مستانفہ ہے قول مقدر کے

تحت داخل نہیں اور بیان کرتا ہے کہ جن علماء پر انہیں اعتماد ہے اور ان کے حکم بتانے پر انہیں یقین ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ قرآن حق اور منزل من اللہ ہے درانحالیکہ متلبس ہے۔ بِالْحَقِّ حق و صدق سے فارسی میں حق ہے راستی اور صدق بمعنی درستی اور بالحق متلبس محذوف کے متعلق ہے اور منزل کی ضمیر سے حال ہے۔

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ۔ پس نہ ہو جاؤ شک کرنے والوں سے اس بارہ میں کہ واقعی وہ قرآن کی حقانیت کو جانتے ہیں جب کہ اُن سے علم کے آثار نہیں ملتے اور احکام معرفت سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اس معنی پر فاء اہل کتاب کے شانِ قرآن کو جاننے کی خبر دینے کی نہی کی ترتیب کے لئے ہے اور انہیں معلوم ہے کہ یہ حق اور منزل من اللہ ہے اس اعتبار سے یہ جملہ کفار کے لئے توبیخ اور اہل اسلام کے یقین کو مضبوط اور پختہ کرنے کے لئے ہے جیسے فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ یہ فاء بھی اُن کے قرآن کریم کے حال کے نفس علم کی نہی کی ترتیب کے لئے ہے۔

(ربط) جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کا کمالِ مذکور بیان کیا اور اُسے اپنی طرف منسوب فرمایا کہ وہ منزل من اللہ ہے اور اس کی حقانیت بالحق سے واضح فرمائی تو اب اس کے ذاتی کمال کو بیان فرمایا ۱۱۵ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ اور مکمل ہے تیرے رب کا کلمہ۔

سوال: قرآن مجید کو کلمہ سے کیوں تعبیر فرمایا۔

جواب: صدق و عدل سے بالاصالۃ کلمہ موصوف ہوتا ہے اور اس سے ہی حکم کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ صِدْقًا وَّعَدْلًا یہ دونوں مصدر ہیں۔ اور ہر دو نوں حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں یعنی درآنحالیکہ وہ کلمہ سچا اور عادل ہے۔

فائدہ: قرآن مجید اتم و اکمل بایں معنی ہے کہ مکلفین جن امور کے علماً و عملاً محتاج ہیں ان کی ضرورت پورا کرنے کیلئے قیامت تک ان کی کفایت کرتا ہے اور صادق بایں معنی کہ جتنی خبریں اس میں واقع ہوئی ہیں۔ مثلاً ذات باری تعالیٰ کا وجود اور اس کے جملہ صفات ثبوتیہ و سلبیہ اور اس کے جملہ احکام وعدہ وعید اور ثواب و عقاب کی خبر اسی طرح گذشتہ لوگوں کے حالات اور آنے والے غیوب بتانے اور عادل بایں معنی ہے کہ جن و انسان مکلفین کے جملہ احکام اور فیصلے عدل و انصاف پر مبنی ہیں جیسے نماز اور روزہ اور زکوٰۃ و حج و دیگر جملہ تکلیفات شرعیہ وہ اوامر ہیں یا نواہی۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ اور نہ ہی کوئی اس کے کلمات کے متبادل پیش کر سکتا ہے جو ان سے اصدق و اعدل ہو یا کم از کم اس کے متساوی ہو۔ جس کی یہ شان ہے پھر اللہ تعالیٰ کے غیر کو کیونکر حکم تلاش کیا جائے وَهُوَ السَّمِيعُ ہر وہ اشیاء جو سمع سے تعلق رکھتی ہیں سب کو سنتا ہے۔ الْعَلِيمُ۔ ہر وہ شے کہ جس کا جاننا ممکن ہے اس کو جانتا ہے۔ منجملہ ان کے متحاکمین کے اقوال و احوال ظاہر ہوں یا باطن۔ کوئی شے اس کے علم

ـــــ ظاہر نہیں۔

خلاصہ تفسیر آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا حکم لوگوں کے مابین حجۃ بالغہ ہے کسی طرح سے بھی اس کے حکم کی معارضہ نہیں ہو سکتی۔ اس کا انکار سوائے منکر کے اور کوئی نہیں کر سکتا اس کا انکار عنادی ہو جیسے اس کی حقانیت پر یقین کرنے کے باوجود انکار کرے یا تکذیبی۔ جیسے اس کی حقانیت کا انکار از رشتہ جہالت۔

تفسیر صوفیانہ جو قرآن کی حقانیت کا اقراری ہے اسے جذبہ الٰہی اس کے عمل کی طرف لیجا کر درجات علم و عرفان اور کمال ایقان میں پہنچاتا ہے اس لئے کہ وہ کلمہ حق و صدق ہے اور صدق جنۃ و قربت و وصلت کی طرف لے جاتا ہے۔

قاعدہ صوفیانہ بندہ جب تک عالم دنیا میں ہے اس سے احکام تکلیفیہ کبھی معاف نہیں ہوتے اگرچہ وہ کسی ذات تک بھی پہنچ جائے اس سے ان بدباطن جاہل صوفیوں کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ بندہ جب واصل باللہ ہو جاتا ہے تو اس سے احکام تکلیفیہ مرتفع ہو جاتے ہیں البتہ عالم آخرت میں جملہ احکام تکلیفیہ مرتفع ہو جائینگے۔ اس لئے کہ اس عالم میں صرف توحید ہو گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جمیع مراتب کمال میں شریعت کی رعایت ضروری اور لازمی ہے۔ اس لئے کہ کمال اسی کا نام ہے کہ شریعت کا دامن کسی حال میں نہ چھوٹے وہ ابھی ناقص ہے کہ کسی کمال کے حصول میں شریعت کا دامن چھوڑ دے۔ جیسے مجاذیب کہ شریعت کے دامن چھوٹنے پر محققین نے انہیں ناقص کہا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر سکر و جنون طاری نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے انہیں کامل ترین سمجھا گیا اور اس مرد مولا کو بھی کہ جسے حالت استغراق میں بھی دروازہ کھلنے اور مکھی کی آواز سے باخبر ہو۔

حکایت: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے اپنے مریدین سے پوچھا کہ کبھی تم نے مجھ سے خلاف شرع امر تو نہیں دیکھا سب نے کہا نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا الحمد للہ۔ پھر فرمایا کہ میں تیس سال سے حالت استغراق میں رہا ہوں لیکن بفضلہ تعالیٰ شریعت کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔

نکتہ: اشرف المخلوقات انسان ہے اور تمام انسانوں سے برگزیدہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسی لئے آپ اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم ہیں اور مبداء قدیم سے آپ کو مظہر بنایا گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہی اپنا حکم مقرر فرمایا تاکہ حق کو ثابت کریں۔ اور باطل کو مٹائیں۔

الا اے احمد مرسل شود ہر مشکل از تو حل
کنم وصف ترا مجمل توئی سلطان ہر مولیٰ

تحت داخل نہیں اور بیان کرتا ہے کہ جن علماء پر انہیں اعتماد ہے اور ان کے حکم بتانے پر انہیں یقین ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ قرآن حق اور منزل من اللہ ہے درانحالیکہ متلبس ہے۔ بِالْحَقِّ حق وصدق سے فارسی میں حق ہے راستی اور صدق بمعنی درستی اور بالحق متلبس محذوف کے متعلق ہے اور منزل کی ضمیر سے حال ہے۔

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ۔ پس نہ ہو جاؤ شک کرنے والوں سے اس بارہ میں کہ واقعی وہ قرآن کی حقانیت کو جانتے ہیں جب کہ اُن سے علم کے آثار نہیں ملتے اور احکام معرفت سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اس معنی پر فاء اہل کتاب کے شانِ قرآن کو جاننے کی خبر دینے کی نہی کی ترتیب کے لئے ہے اور انہیں معلوم ہے کہ یہ حق اور منزل من اللہ ہے اس اعتبار سے یہ جملہ کفار کے لئے توبیخ اور اہل اسلام کے یقین کو مضبوط اور پختہ کرنے کے لئے ہے جیسے فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ یہ فاء بھی اُن کے قرآن کریم کے حال کے نفس علم کی نہی کی ترتیب کے لئے ہے۔

(ربط) جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کا کمال مذکور بیان کیا اور اُسے اپنی طرف منسوب فرمایا کہ وہ منزل من اللہ ہے اور اس کی حقانیت بالحق سے واضح فرمائی تو اب اس کے ذاتی کمال کو بیان فرمایا ۱۱۵ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ اور مکمل ہے تیرے رب کا کلمہ۔

سوال: قرآن مجید کو کلمہ سے کیوں تعبیر فرمایا۔

جواب: صدق و عدل سے بالاصالۃ کلمہ موصوف ہوتا ہے اور اس سے ہی حکم کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ صِدْقًا وَعَدْلًا یہ دونوں مصدر ہیں۔ اور ہر دونوں حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں یعنی درانحالیکہ وہ کلمہ سچا اور عادل ہے۔

فائدہ: قرآن مجید اتم واکمل بایں معنی ہے کہ مکلفین جن امور کے علماً وعملاً محتاج ہیں ان کی ضرورت پورا کرنے کیلئے قیامت تک ان کی کفایت کرتا ہے اور صادق بایں معنی کہ جتنی خبریں اس میں واقع ہوئی ہیں۔ مثلاً ذات باری تعالیٰ کا وجود اور اس کے جملہ صفات ثبوتیہ وسلبیہ اور اس کے جملہ احکام و وعد و عید اور ثواب و عقاب کی خبر ایسے ہی گذشتہ لوگوں کے حالات اور آنے والے غیوب بتانے اور عادل بایں معنی ہے کہ جن وانسان مکلفین کے جملہ احکام اور فیصلے عدل وانصاف پر مبنی ہیں جیسے نماز اور روزہ اور زکوٰۃ و حج و دیگر جملہ تکلیفات شرعیہ وہ اوامر ہیں یا نواہی۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ اور نہ ہی کوئی اس کے کلمات کے متبادل پیش کر سکتا ہے جو اس سے اصدق واعدل ہو یا کم از کم اس کے متساوی ہو۔ جس کی یہ شان ہے پھر اللہ تعالیٰ کے غیر کو کیونکر حکم تلاش کیا جائے وَهُوَ السَّمِيعُ ہر وہ اشیاء جو سمع سے متعلق رکھتی ہیں سب کو سنتا ہے۔ الْعَلِيمُ۔ ہر وہ شے کہ جس کا جاننا ممکن ہے اس کو جانتا ہے۔ منجملہ ان کے متکلمین کے اقوال واحوال ظاہر ہوں یا باطن۔ کوئی شے اس کے علم

ظاہر نہیں۔

خلاصہ تفسیر آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا حکم لوگوں کے مابین حجۃ بالغہ ہے کسی طرح سے بھی اس کے حکم کی معطلی نہیں ہو سکتی۔ اس کا انکار سوائے منکر کے اور کوئی نہیں کر سکتا اس کا انکار عناداً ہوتا ہے جیسے اس کی حقانیت پر یقین کرنے کے باوجود انکار کرے یا تکذیباً۔ جیسے اس کی حقیقت کا انکار از راہِ جہالت۔

تفسیر صوفیانہ جو قرآن کی حقانیت کا اقراری ہے اسے جذبۂ الٰہی اس کے عمل کی طرف لیجا کر درجاتِ علم و عرفان اور کمال ایقان میں پہنچاتا ہے اس لئے کہ وہ کلمہ حق و صدق ہے صدق جنت و قربت و وصلت کی طرف لے جاتا ہے۔

قاعدہ صوفیانہ بندہ جب تک عالم دنیا میں ہے اس سے احکام تکلیفیہ کبھی معاف نہیں ہوتے اگرچہ وہ کسی ذات تک بھی پہنچ جائے اس سے ان بدباطن جاہل صوفیوں کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ جب واصل باللہ ہو جاتا ہے تو اس سے احکام تکلیفیہ مرتفع ہو جاتے ہیں البتہ عالم آخرت میں جملہ احکام تکلیفیہ مرتفع ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ اس عالم میں صرف توحید ہو گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جمیع مراتب کمال میں شریعت کی رعایت ضروری اور لازمی ہے۔ اس لئے کہ کمال اسی کا نام ہے کہ شریعت کا دامن کسی حال میں نہ چھوٹے وہ ابھی ناقص ہے کہ کسی کمال کے حصول میں شریعت کا دامن چھوڑ دے جیسے مجاذیب کہ شریعت کا دامن چھوڑنے پر محققین نے انہیں ناقص کہا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر سکر و جنون طاری نہیں ہوا اس وجہ سے انہیں کامل ترین سمجھا گیا اور اس مردِ مولیٰ کو بھی کہ جسے حالت استغراق میں بھی دروازے اور مکھی کی آواز سے باخبر ہو۔

حکایت: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے اپنے مریدین سے پوچھا کہ کبھی تم نے مجھ سے خلاف شرع امر تو نہیں دیکھا سب نے کہا نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا الحمدللہ۔ پھر فرمایا کہ میں تیس سال سے حالت استغراق میں رہا ہوں لیکن بفضلہ تعالیٰ شریعت کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔

نکتہ: اشرف المخلوقات انسان ہے اور تمام انسانوں سے برگزیدہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے آپ اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم ہیں اور مبداء قدیم سے آپ کو مظہر بنایا گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہی اپنا حکم مقرر فرمایا تاکہ حق کو ثابت کریں۔ اور باطل کو مٹائیں۔

الا اے احمد مرسل شود ہر مشکل از تو حل
کنم وصف ترا مجمل توئی سلطان ہر مولیٰ

شریعت از تو روشن شد طریقت ہم بہین شد
حقیقت خود متعین شد زہے سلطان بے ہمتا

ترجمہ (۱) اے احمد مرسل آپ سے ہی ہر مشکل حل ہوتی ہے آپکی تو میں مجمل وصف بیان کرتا ہوں کہ ہر ایک کے مولا ہیں۔
۲: شریعت آپ سے روشن ہے طریقت کے برہان و دلائل آپ سے ظاہر ہوئے حقیقت بھی معین ہوتی ہے تو آپ واہ واہ آپ کیسے بے مثل بادشاہ ہیں

دوسری تقریر صوفیانہ یہ آیت مرتبۂ نفس اور اس کی اصلاح سے متعلق ہے غیر اللہ کو حکم طلب کرنا خواہشات نفسانیہ سے پھر اُس کی اصلاح انقیاد و تسلیم سے ہوتی ہے جسے قرآن کریم کے ظاہر و باطن سے کچھ علم نصیب ہوا وہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی وارث ہے اور حاکم بھی اسے ہونا چاہیے جو امورِ الٰہی کا علم رکھتا ہو۔ ورنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا جو علم کے بغیر فتویٰ (حکم) دیتا ہے۔ اس پہ زمین و آسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

حکایت علی بلخی کی لڑکی نے اپنے باپ سے قے کا مسئلہ پوچھا کہ کسی کو قے منہ بھر کر نہ آئے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا یا نہ۔ علی بلخی نے فرمایا کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا اسے وضو کا اعادہ ضروری ہے اس کے بعد علی بلخی خواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اے علی بلخی تم نے مسئلہ غلط بتایا جب تک قے منہ بھر کر نہ آئے اس وقت تک وضو نہیں ٹوٹتا۔ حضرت علی بلخی فرماتے ہیں اس وقت مجھے یقین ہوا کہ ہر مسئلہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوتا ہے۔ میں نے تہیہ کیا اور قسم کھائی کہ آئندہ کوئی فتویٰ نہیں دوں گا۔

حکایت حضرت شعبی سے کسی مسئلہ کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا لَا اَعْلَمُ میں نہیں جانتا۔ آپ کو کسی نے کہا کہ اے شعبی تمہیں حیاء کرنی چاہیے۔ فتوے جانتے ہوئے نہیں بتاتے۔ تم تو عراق کے بہت بڑے مفتی ہو۔ آپ نے فرمایا۔ میں اس ذات سے حیاء کرتا ہوں جس سے ملائکہ کرام نے حیاء کیا کہ کہا تھا۔ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

سبق عوام پر لازم ہے کہ وہ امور ظاہرہ کے لئے شہر یا اپنے ہم زمان بہت بڑے عالم سے مسئلہ پوچھیں اور خواص پر لازم ہے کہ وہ اپنے احوالِ باطنہ کا بہت بڑے عارف سے استفسار کریں۔ اگرچہ وہ ان پڑھ اور علماء کے اصطلاحات سے بے خبر ہو۔ اس لئے کہ اُن کے ہاں ایک ایسی معنوی حکمت ہوتی ہے جسے اصطلاحات عالمانہ کی ضرورت ہی نہیں۔ درحقیقت حکیم وہی ہوتے ہیں اس لئے کہ علماء کرام کا اتفاق ہے کہ بندہ جب واصل باللہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے علوم کا ماہر بنا دیتا ہے اور بذریعہ الہام اسے حق و باطل کی تمیز کرا دیتا ہے اس سے خلاف شرع نہ کوئی بات صادر ہوتی ہے اور نہ اس کا کوئی عمل خلاف شرع ہوتا ہے۔ اس لئے صوفیاء کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جاہل کو ولی نہیں بناتا۔ اگر اُسے ولی بناتا ہے تو پہلے اسے علوم ظاہرہ سے نوازتا ہے جیسے

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کیفیت تھی کہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے خلاف سرمو بھی نہیں ہٹتے تھے۔ کما قال تعالیٰ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ اور فرمایا وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ اَمْرًا اَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ بلکہ یہی حال سچے مریدوں کا ہے کہ وہ بھی اپنے مرشدان کرام کے حکم سے سرمو نہیں ہٹتے۔ اس لئے کہ وہ حکم درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے چنانچہ اس کا احادیث میں واضح ثبوت موجود ہے۔ لیکن اس کے ظاہر کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے کہ آپ ہی اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم ہیں۔ اسی طرح وہ حضرات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور جانشین ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اگر آپ زمین والوں کی اکثر بات مانیں گے

شانِ نزول اہل مکہ مردار کا کھانا حلال سمجھتے بلکہ مسلمانوں کو بھی اس کی دعوت دیتے تھے۔ دلیل یہ دیتے کہ جسے تم چھریوں سے ذبح کرتے ہو وہ حلال ہے تو پھر جسے اللہ تعالیٰ ذبح کرے وہ تو بطریق اولیٰ حلال ہوا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کفار کی بات مان لیں گے۔

فائدہ: ہم نے کفار سے اس لئے تعبیر کیا کہ اس وقت کفار بہت زیادہ تھے۔

يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ تو تجھے اللہ تعالیٰ کے راستے سے بہکا دیں گے۔ سبیل اللہ سے دین اور شریعت مراد ہے۔ اس پر سوال ہوا کہ وہ کیسے گمراہ کریں گے۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ اِنْ يَتَّبِعُونَ وہ اپنے دینی امور اور آپ کے سات مردار کی بجائے حلال کھانے میں اتباع نہیں کرتے۔ اِلَّا الظَّنَّ مگر گمان کی اور ان کا گمان یہی تھا کہ وہ سمجھتے کہ ان کے آباء حق پر تھے اور یہ انہیں کے نقش قدم پہ چل رہے ہیں حالانکہ وہ اس وجہ سے بہت سخت گمراہ ہوئے اور یہ ظاہر ہے کہ جو گمراہ اپنی گمراہی کو رہبری سے تعبیر کرتا ہو تو وہ اپنے مسلک پہ دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہوگا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حق کا راستہ گمان اور تقلید اور خواہشات پر مبنی نہیں بلکہ حق کا راستہ میں صدق اور تحقیق اور ہدایات ہے۔ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُونَ اور وہ صرف اٹکل پچو سے کام چلاتے ہیں۔ یعنی وہ مردار کو حلال کہہ کر اسی طرح دوسرے مسائل میں اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے۔ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ۔ اس کو جو سیدھی راہ سے بہکاتا ہے اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی بہتر جانتا ہے۔ اس لئے ہر مستحق کو اس کے استحقاق پر جزا دے گا۔

سبق : گروہ اول سے سائل کو احتراز کرنا لازم ہے۔

فائدہ :- علامہ ی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اعلم اس لئے فرمایا ہے کہ وہ ہر شے کو ہر جہات سے جانتا ہے۔ بخلاف دوسروں کے کہ وہ اشیاء کو بعض وجوہ سے جانتے ہیں اور بعض سے بیخبر ہوتے ہیں

۱۱۸ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۔ پس کھاؤ اسے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے آیات پر ایمان رکھتے ہو۔ اس میں ان گمراہ کرنے والوں کی اتباع سے انکار کا سبب بنایا گیا۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بتلاتے ہیں وہ گمراہ ہیں۔

اب معنی یوں ہوا کہ اے مومنو! تم ان چیزوں کو کھاؤ جس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا۔ وہ نہ کھاؤ کہ جن پر غیر اللہ کا نام لیا گیا یا اس کے نام کے ساتھ دوسرے کا نام لیا گیا۔ یا اس کی ناک بند کر کے اس کی جان نکالی گئی۔ اس لئے کہ آیاتِ قرآنیہ پر ایمان لانے کا یہی تقاضا ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے ان کا کھانا مباح ہے اور جنہیں حرام فرمایا ہے اُن سے اجتناب ضروری ہے۔ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۔ تمہیں کونسا سبب مانع ہے کہ جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اُسے نہیں کھاتے۔

فائدہ : امام صاحب نے فرمایا کہ مشرکین کی عادت تھی کہ جن چیزوں پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا اس کے کھانے کو مباح سمجھتے لیکن جھگڑا اس میں تھا کہ وہ مردار کو حلال سمجھتے تھے اور اہلِ اسلام اسے حرام سمجھتے تھے لیکن اس تقریر پر اعتراض پڑتا ہے کہ اس سے تو ما ذکر اسم اللہ کی اباحت کی خصوصیت سے وارد ہونا فضول جاتا ہے۔ اس لئے کہ جب وہ " ما ذکر اسم اللہ علیہ " کو بھی حلال مانتے تھے تو پھر انہیں تنبیہ کرنے کا کیا معنیٰ۔ حالانکہ مذکورہ آیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس میں انہیں اختلاف ہو اس کے لئے انہیں متنبہ کیا جائے۔ اس کا جواب امام صاحب نے یہ دیا کہ کلوا کا معنیٰ ہے اجعلوا اکلکم مقصورا مما ذکر اسم اللہ۔ یعنی اپنے کھانے کو صرف اسی پر مقصور رکھو کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جائے اور ان لا تاکلوا الخ کا معنی ہے ان لا تجعلوا اکلکم مقصورا علیہ ۔ یعنی اپنے کھانے کو صرف مردار پر مقصور نہ کرو۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ آیت سے صرف مردار کے کھانے کی تحریم کا افادہ ہوا۔ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حکم تفصیل وار بیان فرمایا ہے۔ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ جو اشیاء تمہارے لئے حرام ہیں یا حرام نہیں۔ چنانچہ اسی سورۃ میں مضمون آرہا ہے کما قال قل لا اجد فیما اوحی الی محرما الآیۃ اس کے بعد باقی تمام اشیاء اپنے حال یعنی اباحت پر رہیں گی اس تفصیل سے حرمت علیکم المیتۃ والدم الآیۃ مراد ہے اس لئے کہ یہ آیت مدینہ اور سورۃ ہذا مکیہ ہے۔

سوال ۔ قل لا اجد الخ ابھی مذکور نہیں ہوئی اور قد فصل صیغۂ ماضی ہے اس کا تقاضا ہے کہ تفصیل کا ذکر پہلے ہو۔

جوابِ ۱ ۔ قل لا اجد الخ کا تاخر صرف تلاوت کے اعتبار سے ہے اور وہ تاخر النزول کو مستلزم نہیں۔

جوابِ ۲ ۔ ممکن ہے کہ یہ تفصیل وحی غیر متلو سے ہوئی ہو۔ چنانچہ سعدی چلپی مفتی نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہی جواب اولیٰ ہے۔ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۔ ہاں جب تم حرام اشیاء کے استعمال کرنے پر سخت مجبور ہو جاؤ وہ حرام تمہارے لئے حلال ہے۔ بوجہ ضرورت کے یہ استثناء متصل ہے اور مستثنیٰ منہ ما حرم ہے اور ماصدیہ یعنی الجة ہے یعنی حالانکہ تمہیں وہ اشیاء جو تمہارے لئے حرام ہیں جمیع اوقات میں حرام ہیں مگر بوقت اضطرار اگر اسے ماموصولہ بنایا جائے تو یہ مستثنیٰ منفصل ہوگا۔ اس لئے کہ ما اضطر الیہ حلال ہوتا ہے اس بنا پر وہ ما حرم علیہم میں داخل نہ ہوگا۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا اور بے شک بہت سے کافر لَيُضِلُّوْنَ البتہ لوگوں کو گمراہ کریں گے۔ بِاَهْوَآئِهِمْ اپنی خواہشات سے یعنی وہ حرام کردہ اشیاء سے کہ جنہیں ان کے نفس چاہتے ہیں۔ مثلاً مردار وغیرہ کا حلال سمجھنا بغیر علم بغیر علم کے۔

فائدہ ۔ اس سے وہ علم مراد ہے جو شریعت مطہرہ سے حاصل اور وحی سے مستند ہو۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ بے شک تیرا رب حق سے باطل کی طرف اور حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والوں کو جانتا ہے۔

فائدہ ۔ خواہشاتِ نفسانی کے تابعدار کئی قسم کے ہیں۔ منجملہ ان کے معتزلہ (وہابیہ) شیعہ وغیرہما ہیں۔ اگرچہ یہ اہل قبلہ ہیں۔ لیکن قرآن و حدیث کی غلط تاویلیں کر کے اہل سنت کے خلاف وہ مسائل بناتے ہیں جو ان کی خواہشات نفسانی کے ترجمان ہوتے ہیں۔ وہ بھی کافروں اور مشرکوں کی طرح لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

سوال ۔ صوفیاء کرام بھی آیات و احادیث میں اپنے مسلک کے مطابق تاویلیں کرتے ہیں پھر انہیں کیوں معتبر مانا جاتا ہے۔

جواب ۔ صوفیاء کرام کی تاویلیں عین شرح شریف کے مطابق ہوتی ہیں۔ جن میں خواہشاتِ نفسانیہ کو کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ عرفانی و وجدانی باتیں ہوتی ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے۔

۱۔ تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبین
دیو آدم را نہ بیند جز کہ طین

۲۔ ظاہر قرآن چو شخص آدمیت
کہ نقوشش ظاہر و جانش خفیست

ترجمہ ۱۔ تو قرآن کے ظاہر کو نہ دیکھ شیطان آدم (علیہ السلام) کے صرف ظاہر کو دیکھتا ہے۔

۲۔ قرآن کا ظاہر انسان کے ظاہری جسم کی طرح ہے کہ اس کے نقوش تو ظاہر ہیں لیکن اس کی جان مخفی (پوشیدہ) ہے۔
اصحابِ اشارات یعنی صوفیاء کرام کی تقلید گمراہ لوگوں کی تقلید جیسی نہیں۔ اس لئے کہ صوفیاء کرام کے معانی عین الیقین پر مبنی ہوتے ہیں۔ بخلاف گمراہ لوگوں کی تاویلوں کے کہ وہ محض ظن و تخمین سے کام چلاتے ہیں۔
فائدہ: اسی طرح اہلِ دنیا بہ نسبت طالبانِ آخرت کے اہلِ ہوی ہیں۔ اس لئے کہ اہلِ دنیا کے تمام امور خیالی ہوتے ہیں اور خیال کا عاشق عاقل نہیں ہو سکتا۔

حکایت حضرت بہلول دانا فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کی کسی سڑک پر سفر کر رہا تھا۔ ایک مقام پہ دیکھا کہ لڑکے بادام اور اخروٹ سے کھیل رہے تھے۔ لیکن ایک لڑکا اس حسرت سے رو رہا تھا کہ دوسروں کے پاس بادام و اخروٹ ہیں اور وہ خالی ہاتھ ہے حالانکہ حقیقت کچھ اور تھی۔ میں نے اس کے قریب جا کر پوچھا بیٹا تو کیوں روتا ہے۔ اگر تیرے پاس بادام و اخروٹ نہ ہوں تو میں تجھے خرید کر کے دوں تاکہ تم بھی ان کے ساتھ کھیلو۔ لڑکے نے میری بات سن کر تیز نگاہ سے دیکھا اور کہا اے بے عقل ہم کھیل کود کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔ میں نے پوچھا تو پھر کس لئے پیدا کئے گئے ہو۔ جواب دیا کہ ہم علم اور عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ قرآن مجید میں واضح الفاظ میں فرمایا کہ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔

ترجمہ:۔ کیا تمہیں گمان ہے۔ کہ تم کو ہم نے عبث پیدا کیا ہے تم ہماری طرف لوٹو گے۔

فائدہ: اہلِ عقبٰی بہ نسبت طالبانِ مولیٰ کے اہلِ ہوی ہیں اس لئے کہ طالبانِ مولیٰ ہر دو کون سے فارغ البال ہوتے ہیں انہیں وصل وصال اور جدائی اور مفارقت کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے محبوب حقیقی کے سوا کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ صاحب الحدیقہ نے فرمایا ؎

سالکان درگہت را ہر دو عالم یکنفس
والہاں حضرتت از حور جنت ملال

ترجمہ: سالک تیری درگاہ کے ہر دو عالم میں ایک ہی خیال میں ہے کہ وہ صرف تیرے ہی متوالے (عاشق) ہیں حوروں سے انہیں ملال ہے۔

تفسیر صوفیانہ اہلِ آخرت پر دنیا حرام ہے اور اہلِ دنیا پر آخرت حرام اور اللہ والوں کے لئے ہر دو حرام ہیں ہاں جو شخص دنیا کی اشیاء میں بقدر ضرورت کھاتا ہے اور بقدر ضرورت ستر پوشی کرتا ہے وہ اہلِ دنیا نہیں اس لئے کہ یہ تو ضروریاتِ بشریہ سے ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجازت بخشی ہے کہ زندگی

کو برقرار رکھنے کے لئے ضرورت کی اشیاء استعمال کی جائیں۔ فکلوا مما ذکر اسم اللہ الخ میں اشارہ ہے کہ طعام حکم شریعت کے مطابق کھاؤ نہ جو طبیعت چاہے اور جو کچھ کھاؤ اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں صرف کرو۔ یہی ایمان کی علامت ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا " طعام کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں صرف کرو اس لئے کہ مردہ طعام جو غفلت ونسیان اور گناہوں کی اعانت کے لئے کھایا جائے وہ دل کو موت کے گھاٹ اتارتا اور بہشت سے محرومی کا سبب بنتا ہے۔

مسئلہ: حدیث مذکور سے ذکر بالجہر کا ثبوت ملتا ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں لفظ اذابۃ ہے یعنی پگھلانا اور وہ ذکر جہری سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی تائید دوسری حدیث شریف سے بھی ملتی ہے وہ یہ کہ طعام کھانے کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم ملتا ہے۔ یا طعام کے بعد قرآن مجید کی کم از کم دس آیتیں پڑھنا۔ اس لئے کہ حرکت بدنیہ سے طعام ہضم ہوتا ہے۔ طعام ہضم ہو جائے تو بدن کو طاقت حاصل ہوتی ہے اور بدن قوی ہو تو عبادت آسانی سے ہوتی ہے۔ نیز طعام کے بعد عبادت کرنا نعمت کیلئے ادائیگی شکر بھی ہے اور شکر کی ادائیگی قلب سے بھی ہوتی ہے اور زبان سے بھی۔ اسی طرح اعضاء سے بھی۔

تفسیر عالمانہ: وَذَرُوْا اور اے ایمان والو چھوڑ دو ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ظاہری اور باطنی گناہ۔ اس میں صفت کو موصوف کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ دراصل " الاثم الظاہر والباطن " تھا۔ یہاں پر اثم سے وہ عمل مراد ہے جو گناہ کا سبب بنے۔ اسی طرح اس سے ہر قسم کے گناہوں کا ترک کرنا مراد ہے اور وہ ان دونوں سے خالی نہیں اس لئے کہ گناہ یا سرًا ہوتے ہیں یا اعلانًا۔ وہ اعمال قلوب سے ہوں یا اعضاء سے۔ اعمال اعضاء کو ظاہرًا کیا جاتا ہے۔ جیسے اقوال و افعال اور اعمال قلوب کو باطنًا جیسے عقائد فاسدہ وعزائم باطلہ اور حقیقی ظاہرہ گناہ دنیا طلبی ہے اور باطنی گناہ عقبیٰ کی نعمتوں کی خواہش ہے اس لئے کہ یہ ہر دونوں بندے کو مولا سے دور کرنے والے ہیں ؎

ظاہر و باطن پاک کن از لوث گناہ
تا کہ پاکیزہ شوی درصف مردان الہ

ترجمہ: ظاہر وباطن کو گناہ کی آلائش سے پاک کرتا کہ مردانِ خدا کے آگے تو پاکیزہ ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ بے شک وہ لوگ جو ظاہری اور باطنی گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ سَيُجْزَوْنَ۔ عنقریب آخرت میں سزا پائیں گے۔ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ۔ اس سبب سے جو دنیا میں گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ اس لئے بندوں کو ظاہری اور باطنی گناہوں سے اجتناب کرنا لازم ہے ؎

جملہ دانند ایں اگر تو نگروی
ہر چہ میکارش روزے بدروی

ترجمہ: ۔۔۔ معلوم ہو کہ اگر اس دنیا پر فریفتہ ہو گا جو تو بوئے گا وہی اٹھائے گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے انسان کا ظاہر بنایا جسے بدنِ انسانی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کا باطن بھی جسے قلبِ روحانی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض گناہ باطنی بنائے۔ وہ یہ ہیں کہ انسان کے اندر مادہ حیوانی و سبعی و شیطانی رکھا کر انہی عادات کا نفس خوگر ہے اسی بنا پر فرمایا "وذروا ظاہر الاثم وباطنہ" یعنی اعمال شرعیہ پر عمل کر کے افعال طبعیہ کو چھوڑو۔ اسی طرح اخلاق ملکیہ روحانیہ کی عادت پیدا کر کے خصائل مذمومہ نفسانیہ کا ترک کرو۔ ان الذین یکسبون الاثم ظاہرہ وباطنہ۔ بے شک وہ لوگ ۔ ظاہری اور باطنی گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس سے عام اعمال واخلاق مراد ہیں۔ سَیُجْزَوْنَ بِمَا کَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ انہیں ان کے کردار کی سزا ملے گی جلدی یا دیر سے۔ وہ سزا جو جلدی ملے گی اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو فعل و قول انسان اپنی طبیعت کے مطابق عمل میں لاتا ہے اس سے ایک ہی سیاہی پیدا ہوتی ہے جو دل کے شیشہ پر زنگ چڑھ جاتی ہے۔ جس سے اخلاق قلبیہ روحانیہ سے منحرف ہو جاتا ہے اور اس کے نفسانی ظلمانی اخلاق قوت پکڑ جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسیر نفسانی خواہشات اور دنیا کی محبت اور دنیوی ارادے غالب رہتے ہیں قاعدہ ہے کہ جو خواہش نفسانی کے مطابق سرزد ہو تو اس سے دل کی زنگ پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ دل کی قساوت زور پکڑ جاتی ہے۔ جس سے بندہ اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو جاتا ہے کما قال تعالیٰ کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون" اور وہ سزا جو اسے دیر سے ملے گی اس کی تفصیل یہ ہے کہ انہی موانع و حجابات (جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ سے بالکل جدا اور منقطع ہو جائے گا۔ پھر وہ دائمی طور پر محجوب اور عذاب یافتہ رہے گا اور اسے ہمیشہ کے لئے جہنم کے عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا۔ (کما قال تعالیٰ) کلا انھم عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۔ کذا فی التاویلات النجمیہ

مسئلہ: تمام مجرم اللہ تعالیٰ کی مشیت کے رحم و کرم پر گزار رہے ہیں بلکہ اسی کی مشیت کے ماتحت ہیں انہیں معلوم نہیں کہ خاتمہ کا کیا بنے گا۔

سبق: مجرم کو کسی دھوکہ میں نہ رہنا چاہیے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ کسے معلوم ہے کہ وہ کریم کس پر لطف و کرم فرمائے۔ اس نے جسے معاف کرنا ہے اس کے لئے پہلے لکھ دیا ہے اور وہ بہت قلیل ہیں۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں ایک قوم کو دیکھا کہ ایک جنازہ ملئے جا رہے ہیں۔ اُن کے ساتھ کوئی جنازہ کی مشایعت کرنے والا نہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ اس کے ساتھ لوگ مشایعت کے لیے نہیں چلے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بہت بڑا مجرم ہے۔ موصوف فرماتے ہیں میں نے اس کے لیے دعائے خیر کی اور اپنے ہاتھ سے اسے قبر میں اُتارا۔ پھر آکر ایک درخت کے نیچے سو گیا نیند میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے نازل ہو کر اس کی قبر میں داخل ہو گئے۔ ایک فرشتہ نے اس کے قریب بیٹھ کر دوسرے کو کہا کہ اسے لکھئے کہ یہ جہنمی ہے اس لئے کہ اس کا کوئی عضو بھی گناہ سے خالی نہیں۔ دوسرے فرشتے نے کہا اس کے لئے عجلت نہ کیجئے اس کی آنکھوں کو دیکھئے، ممکن ہے اس میں کوئی نیکی موجود ہو۔ اس نے کہا کہ میں نے آنکھوں کو بھی گناہوں سے پُر پایا ہے اس لئے کہ یہ ہر وقت غیر محرم کو بُری نگاہ سے دیکھا کرتا تھا۔ پھر کہا کہ اس کے کانوں کو دیکھ۔ اس نے دیکھا، اس کے کان بھی برائیوں سے پُر ہیں۔ اُس نے کہا کہ زبان کو بھی دیکھو اُس نے کہا کہ زبان کو بھی دیکھا ہے۔ زبان بھی ہر بری بات کہنے اور ہر حرام کھانے اور اس کی لذت پانے سے پُر ہے اُس نے کہا اس کے ہاتھوں کو دیکھئے۔ اس نے کہا ہاتھ بھی نجاسات اور امور مذموم سے بھرے پڑے ہیں اس نے کہا اس کے پاؤں کو دیکھئے اس نے کہا پاؤں بھی خالی از معاصی نہیں۔ اس پر دوسرے فرشتے نے کہا۔ پھر بھی عجلت اچھی نہیں مجھے بھی دیکھنے دے۔ چنانچہ وہی دوسرا فرشتہ اس میت کے قریب آیا اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائی تیرا ہر رگ و ریشہ جرم و خطا سے ملوث ہے یہ کہہ کر اُس کے دل کو ٹٹولا اور کہا کہ اس میں ایمان تو موجود ہے فلہٰذا اسے مرحوم و مسعود لکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے اس کے گناہ مٹائے اور اپنی رحمت کی آغوش میں لے لیا۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

عروسی بود نوبت ماتمت
گرت نیک روزی بود خاتمت

یعنی اگر تیرا خاتمہ ایمان پہ ہوا تو تیرہ وہ دن عید اور خوشی کا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عفو اور اس کی رحمت کا سوال کرتے ہیں ؎

الٰہی بحق بنی فاطمہ
کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ

ترجمہ۔ اے اللہ بنو فاطمہ (آلِ نبی) کے طفیل ایمان پر میرا فاتحہ فرما۔

تفسیر عالمانہ [۱۲۱] وَلَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔

عمداً وہ نہ کھاؤ جس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے۔

مسئلہ: بھول کر بسم اللہ اللہ اکبر چھوڑ دیا تو اس جانور کا کھانا جائز ہے۔ اس لئے کہ بھولنے والا مکلف نہیں۔ علاوہ ازیں ہر مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر وقت موجود ہے۔

مسئلہ: عمداً بسم اللہ اللہ اکبر چھوڑے تو اس جانور کا کھانا حرام ہے۔ اس لئے کہ جس نے عمداً چھوڑا تو گویا اس نے دل والے ذکر کو بھی چھوڑ دیا اس لیے یہ جانور مردار کے حکم میں ہوگا۔ کیوں کہ یہ اس حکم میں داخل ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام مذکور نہیں ہوا۔

مسئلہ: ذبح کے وقت جس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ بھی حرام ہے۔

وَاِنَّہٗ: یہ ضمیر کھانے یا اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے کی طرف راجع ہے۔ لَفِسْقٌ اور البتہ وہ فسق ہے یعنی جو چیزیں حرام ہیں ان کی طرف جانا فسق ہے۔

مسئلہ: حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک جس جانور پر ذبح کے وقت عمداً بسم اللہ چھوڑی جائے وہ حرام ہے۔

شانِ نزول مشرکین نے اہلِ اسلام سے جھگڑا کیا کہ جس جانور کو تم قتل کرتے ہو وہ تو حلال ہے اور جسے اللہ تعالیٰ مارتا ہے وہ کیوں حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے سوال کا جواب عمومی طور دیا کہ جس جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام مذکور نہ ہوگا وہ حرام ہے۔ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ یعنی ابلیس اور اس کا سارا لشکر۔ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِہِمْ البتہ وسوسہ ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کے دل میں یعنی مشرکین کے دل میں وسوسہ ڈالتے ہیں اور وحی بمعنی القاء المعنیٰ الی النفس مع الخفیہ یعنی پوشیدہ طور کوئی بات کسی کے دل میں ڈالنا۔

لِیُجَادِلُوْکُمْ اے مومنو! وساوس شیطانیہ سے مردار کے حلال قرار دینے میں تمہارے ساتھ جھگڑتے ہیں وَاِنْ اَطَعْتُمُوْہُمْ اور اگر حرام کو حلال قرار دینے میں تم ان کے باطل خیالات کی موافقت کروگے۔ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ بے شک تم بھی مشرک ہوگے۔ اس لئے کہ جو طاعتِ الٰہی ترک کر کے غیر اللہ کی طاعت اختیار کرتا ہے۔ گویا اس نے دینِ حق کو چھوڑ دیا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے شرک کیا اور غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ پر پسند کیا۔ اسی لئے وہ بھی انہیں سے ہوگیا۔

فائدہ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ صرف حکمِ الٰہی کے تحت اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اسی کی طلب میں کھاؤ تاکہ نورِ ذکرِ الٰہی سے طعام کی تاریکی اور اس کی شہوت دفع ہو۔

کیونکہ مقام کی تاریکی اور اس کی شہوت فسق کی طرف سے جاتے ہیں [illegible]
کی طرف جانے کو فسق کہتے ہیں۔

حدیث شریف: شیطان ہر طعام کو حلال سمجھتا ہے۔ ہاں جس پر اللہ تعالیٰ کا ذکر آجائے تو وہ طعام اس پر حرام ہو جاتا ہے یعنی شیطان کا کام ہے کہ وہ طعام پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا اور یہ بھی کہ جب تک طعام کو کھایا نہ جائے اسے شیطان اپنے لئے حلال نہیں کر سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکٹھے کھانے والوں میں سے کوئی ایک بھی بسم اللہ پڑھ لے تب بھی سنت ادا ہو جائے گی اگرچہ پڑھنے کا ثواب صرف پڑھنے والے کو ملے گا۔

مسئلہ: جو شخص ابتدائے طعام میں بسم اللہ نہیں پڑھ سکا۔ یعنی وہ بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تھا تو اُسے چاہیے جب بھی یاد آجائے تو اس وقت کہے بسم اللہ اولہٗ وآخرہٗ۔ جب یہ کلمہ پڑھے گا تو اس کی غلطی معاف اور سنت ادا ہو جائے گی۔

مسئلہ: بخلاف وضو کے ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے اگر کوئی وضو کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا اب درمیان میں پڑھے سنت تو ادا نہ ہو گی اگرچہ پڑھنے کا ثواب ضرور مل جائے گا۔ اس لئے کہ وضو سب کا سب ایک عمل ہے۔ بخلاف طعام کے کہ اس کا ہر لقمہ علیحدہ علیحدہ عمل ہے۔

حکایت: ایک شخص طعام کھا رہا تھا۔ اسے ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا یاد نہ رہا۔ درمیان طعام میں اسے یاد آیا تو پڑھا بسم اللہ اولہٗ وآخرہٗ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اس طریقہ سے ہنس پڑے اور فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ اس کے ساتھ شیطان طعام کو کھا رہا تھا۔ جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان نے جتنا کھایا تھا سب قے سے نکال دیا۔

فائدہ: حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ شیطان بھی طعام کو چبا کر نگل جاتا ہے جیسا کہ ایک قوم کا مذہب ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ شیطان کا کھانا اگرچہ صحیح سنت سے ثابت ہے لیکن وہ صرف سونگھنے اور ہوا حاصل کرنے کے طور پر ہے اس لئے کہ چبانا اور نگلنا اس کے لائق ہے جو شے ذی جُثہ یعنی جسم والی ہو اور شیاطین ذی جسم ہیں لیکن نہایت لطیف۔

فائدہ: آکام المرجان میں ہے طعام اور پانی اور لباس اور دیگر وہ اشیاء کہ جن سے نفع حاصل کرنا مقصود ہے ان پر اللہ کا نام اگر نہ لیا جائے تو انہیں شیطان تصرف کرتا اور خود شریک ہو جاتا ہے یا تو سرے سے اس شے کو ضائع کر دیتا ہے یا کم از کم اس میں نحوست ضرور ڈالتا ہے۔

حکایت: حضرت ثعلبہ فرماتے ہیں میں نے اپنے لئے ایک شربت بنائی اسے تیار کر کے رکھ دیا اس نیت پر کہ اسے صبح کو پیوں گا۔ صبح کو اٹھا تو وہ شربت غائب تھی۔ بعد تلاش آخر نہ ملی۔ پھر دوسری شربت

تیار کی اور اس پر سورۃ یٰسین پڑھ کر رکھدی اور وہی ارادہ کر صبح کو پیوں گا۔ صبح کو اٹھ کر دیکھا کہ شیطان اندھا ہو کر گھر کے گرد پھر رہا ہے لیکن شربت تک پہنچنا تو کجا وہ اس گھر میں بھی نہ جا سکا۔

حدیث شریف شیطان شے کو محسوس کر لیتا ہے اور پھر وہ اسے چاٹنے کیلئے کوشش کرتا ہے۔ بنا بریں تمہارے لئے لازم ہے کہ سوتے وقت اپنے ہاتھ وغیرہ دھو کر سویا کرو۔ ورنہ اگر کسی کے ہاتھ وغیرہ کو کوئی دکھ پہنچے تو پھر وہ اپنے نفس کو ملامت کرے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طعام کو حرام کیا ہے کہ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ اس لئے حرام کیا ہے کہ بندۂ عارف اللہ تعالیٰ کا حبیب ہے اور حبیب کا کام ہے کہ اپنے کھانے پینے اور لباس اور بستر و غرضیکہ جو فعل بھی کرتا ہے اس میں اپنے حبیب کا نام لیتا ہے دیکھئے یعقوب علیہ السلام سے محبت تھی اس لئے وہ اٹھتے بیٹھتے و دیگر جملہ امور میں یوسف علیہ السلام کا نام لیتے تھے۔

نکتہ: ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام اس لئے لیا جاتا ہے کہ نزع کی گھڑی سخت کڑوی ہوتی ہے اور اللہ کا نام ہر شے سے میٹھا ہے بنا بریں ہمیں جانور پر اللہ کا نام لینے کا حکم ہے کہ نزع کے وقت جب جانور اللہ کا نام سنتا ہے تو اس کی سختی دور ہو جاتی ہے۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا لقنوا موتاکم بشہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ اپنے مُردوں کو کلمہ شہادت کی تلقین کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے مردے پر سکرات آسان ہو جاتی ہے علاوہ ازیں جب زندہ کرنا اور مارنا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے تو پھر ذبح کے وقت بھی صرف اسی کا نام لیا جائے نہ کہ اس کے غیر کا۔

مسئلہ: حضور علیہ السلام نے ذبح کے وقت جن یعنی شیطان کا۔ نام لینے سے روکا ہے اور اس سے مدعا ہے کہ اس کے لئے کوئی شے ذبح کی جائے۔

حکایت بعض خلفاء نے ایک کنواں کھدوایا۔ اس کے افتتاح کے وقت چاہا کہ ایک جانور جنات کے نام ذبح کیا جائے تاکہ کنویں کا پانی کم نہ ہو۔ چنانچہ جن کا نام لیکر وہ جانور لوگوں کو تقسیم کر دیا۔ یہ بات حضرت ابن شہاب کے ہاں پہنچی تو انہوں نے فرمایا جانور حرام کیا اور لوگوں کو حرام کھلایا۔

دریائے نیل کی رسم کو فاروق اعظم نے مٹایا مصریوں کی قبل اسلام یعنی دورِ جاہلیت میں عادت تھی کہ ایک نوجوان کنواری حسین لڑکی کو اچھے کپڑے پہنا کر دریائے نیل میں ڈال دیتے۔ اسلام کی برکت سے یہ رسم ختم ہوئی اور اس رسم کو اس نے مٹایا جس سے جنات ڈرتے تھے یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے۔ آپ نے دریائے نیل کو خط لکھ کر یہ رسم ختم کی اور قیامت تک دریائے نیل کو ایسا جاری کیا کہ اب کبھی بند ہونے کا نام نہیں لیتا۔

[illegible] اس طرح اس ملک کے چھڑکو کوئی کھونا چاہے تو پھر سوائے اللہ تعالیٰ کے حکم کے کسی کی پرواہ نہ کرے۔ اس طرح [illegible] کی ضرورت بھی نہ رہے گی۔ یاد رہے کہ ہر زمانہ میں ایسے حضرات کی کمی نہیں یعنی حضرات ہر زمانہ میں ہوتے ہیں۔

[illegible] جو شخص اللہ تعالیٰ کے اسم کا وظیفہ پر مداومت کرے تو پھر نہ اُسے آگ جلا سکتی ہے اور نہ اسے پانی ہی غرق کر سکتا ہے اور نہ ہی سانپ ڈس سکتا ہے اور نہ اس پہ زہر اثر کر سکتی ہے [illegible] رسالہ میں اللہ تعالیٰ کے ڈرنے والے سے خوف کھاتی اور ڈرتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے مکمل طور ڈرتا [illegible] کائنات اس کے قبضہ میں دے دی جاتی ہے۔

۱۔ تو گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

۲۔ محال است چون دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گذارد ترا

ترجمہ: ۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تو گردن نہ موڑ تیرے حکم سے کوئی گردن نہ موڑیگا۔

۲۔ اگر وہ تجھ سے محبت کرتا ہے تو محال ہے کہ وہ تجھے دشمن کے قبضہ میں دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مکان میں جنات کے وہم سے دھونی دینا اور گلاب کا پانی چھڑکنا یا پانی کے چھینٹے (عملی) شرک ہے ایسا کرنے سے بچنا ضروری ہے۔

مسئلہ: کسی مرغ کے بے وقت اذان دینے کو منحوس سمجھ کر ذبح کرنا بھی (عملی) شرک ہے اس لئے [illegible] مرغ سحر سے پہلے بے وقت اذان دے دیتے ہیں۔ تو بعض لوگ اسے مکان میں جنات کی تاثیر سمجھ کر مرغے کو جنات کے لئے ذبح کر دیتے ہیں۔ اس خطرہ سے کہ اگر اس طرح نہ کیا جائے گا تو جان و مال اور اہل [illegible] کو جنات نقصان پہنچائیں گے یا کوئی بلا و آفت نازل ہوگی۔

مسئلہ: مخلص مومن اس طرح کا عقیدہ نہیں رکھتا۔ بلکہ ایسے مرغے کو نہ منحوس سمجھتا ہے اور نہ ہی اس کے [illegible] سے انکار کرتا ہے بلکہ سرے سے ایسے توہمات میں پھنستا ہی نہیں۔

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ

نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ

اور کیا وہ کہ مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لیے ایک نور کر دیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے وہ اس جیسا ہو جائے گا جو اندھیریوں میں ہے

بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا

ان سے نکلنے والا نہیں یوں ہی کافروں کی آنکھ میں ان کے اعمال بھلے کر دیئے گئے ہیں اور اسی طرح ہم نے ہر بستی

فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۚ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا

میں اس کے مجرموں کے سرغنہ کیے کہ اس میں داؤں کھیلیں اور داؤں نہیں کھیلتے مگر اپنی جانوں پر اور

يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ

انہیں شعور نہیں اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آئے تو کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ

رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا

ملے جیسا اللہ کے رسولوں کو ملا اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے عنقریب مجرموں کو اللہ کے یہاں ذلت پہنچے گی

صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ

اور سخت عذاب بدلہ ان کے مکر کا اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے

اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ

اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا

ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى

ہے گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے اللہ یونہی عذاب ڈالتا ہے ایمان نہ

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

لانے والوں کو اور یہ تمہارے رب کی سیدھی راہ ہے ہم نے آیتیں مفصل بیان کر دیں نصیحت

يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا

ماننے والوں کے لیے ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے اپنے رب کے یہاں اور وہ ان کا مولیٰ ہے یہ ان کے کاموں کا

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ

پھل ہے اور جس دن ان سب کو اٹھائے گا اور فرمائے گا اے جن کے گروہ تم نے بہت آدمی گھیر لیے

الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ

اور ان کے دوست آدمی عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ اٹھایا

بَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِيٓ أَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ إِلَّا مَا
اپنی میعاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر فرمائی تھی فرمائے گا آگ تمہارا ٹھکانا ہے ہمیشہ اس میں رہو مگر جسے
شَآءَ اللّٰهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ
اللہ چاہے اے محبوب بیشک تمہارا رب علم والا ہے اور یونہی ہم ظالموں میں ایک کو دوسرے پر مسلط کرتے ہیں
بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾
بدلہ ان کے کیے کا

تفسیر عالمانہ ۱۲۲ أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا شانِ نزول : حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابوجہل بدبخت نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر گوبر پھینکے [illegible] حضرت حمزہ کو ہوا۔ اس وقت حضرت حمزہ دولتِ ایمان سے نہیں نوازے گئے تھے ان کو ابوجہل کی اس [illegible] اس وقت ہوا۔ جب وہ شکار سے واپس آرہے تھے اور آپ کے پاس تیر و کمان بھی تھا۔ آپ سیدھے [illegible] کے ہاں چلے گئے اور جاکر وہی کمان اس کے سر پہ مارا۔ ابوجہل نے کہا تم اس کی طرف داری کرتا ہے جس نے [illegible] کر رکھا ہے اور ہمارے معبودوں کو گالی دیتا ہے۔ آپ نے اسے فرمایا تمہارے جیسا پاگل اور بے وقوف اور کون [illegible] پتھروں کے بت اپنے ہاتھوں سے خود گھڑتے اور پھر اُن کی پرستش کرتے ہو۔ سُن لو اب سے میں مسلمان [illegible] پھر آپ نے پڑھا اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدًا عبده ورسوله [illegible] یہی آیات نازل ہوئیں۔ آیت میں ہمزہ انکاری نفی کے لئے اور واؤ عاطفہ ہے۔ جملہ اسمیہ کو اس کے اپنے [illegible] پر عطف ڈالنا مطلوب ہے۔ چنانچہ فحوائے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اے مومنو کیا تم مشرکین [illegible] کی طرح ہو سکتے ہو۔ فَأَحْيَيْنٰهُ پس ہم نے انہیں زندہ کیا یعنی ہم نے انہیں زندگی اور دیگر قوائے [illegible] کر کے عنایت فرمائے۔

وَجَعَلْنَا لَهٗ اور مذکورہ بالا اشیار کے علاوہ ہم نے اُن کے لئے خارج سے بنایا۔ نُوْرًا بہت بڑا
نور۔ يَمْشِيْ بِهٖ" جو اس کے سبب سے چلتا ہے۔ فِي النَّاسِ لوگوں میں۔ یعنی ایک دوسرے کو نقصان
پہنچانے سے بچ کر چلتے ہیں۔ كَمَنْ مَثَلُهٗ ۔صفت عجیبہ میں اس کی مثال ہے ظلمات میں یہ خبر ہے۔ اس
کا مبتدار محذوف ہے۔ ای هُوَ فِي الظُّلُمَاتِ (لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا) اس سے وہ کسی حال میں نکلنے
والا نہیں۔ یہ فی الظلمات ظرف کی ضمیر مُستتر سے حال ہے۔ پہلا مَنْ موصولہ ہے اور اس کی خبر كَمَنْ مَثَلُهٗ
ہے اور یہ من موصولہ ہے اس کا صلہ وہ جملہ اسمیہ ہے جو اس سے پہلا اُس شخص کی مثال ہے جسے منجانب اللہ
ہدایت ہوئی ہو اور اُسے اللہ تعالیٰ نے اس کو حجج وآیات کے نور سے نوازا ہو اور وہ انہیں کے ذریعے
اشیار میں غور وفکر کر کے حق و باطل اور حق والے کا امتیاز کر سکے۔ جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا
دوسرا مَن اس شخص کی تمثیل ہے جس کو گمراہی گھیر لے اور مرتے دم تک اُسے نہ چھوڑے جیسے ابوجہل وغیرہ کا۔
كَذٰلِكَ جیسے مومن کو ایمان کی (زُيِّنَ) زینت دی جائے۔ یعنی منجانب اللہ بطریق تخلیق یا منجانب شیطان
بطریق وسوسہ۔ لِلْكَافِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کافروں کے لئے وہ عمل کرتے ہیں یعنی قوت کفر
اور معاصی میں اپنے عمل یعنی کفر و معاصی پر مداومت کرتے ہیں۔ اس ظلمات کفر اور گمراہی میں رہ کر ایمان
وہدایت کی طرف راہ نہیں پاتے۔

تفسیر صوفیانہ

ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ موت ہوائے نفس اور حیات حق کا نام ہے۔ یا یوں کہو کہ
موت دُوری کو کہتے ہیں اور حیات معرفت اور حیات بشریت میں یہی فرق ہے کہ عوام
حیات بشریت سے زندہ رہتے ہیں لیکن وہ اپنی بشریت میں میت ہوتے ہیں۔ یعنی جس طرح میت کے جسم کا ظاہر
بے حس وحرکت ہوتا ہے اسی طرح عوام کی کیفیت ہے کہ وہ بھی اس حیات بشریت میں بے خبر ہو کر گذرتے
ہیں اور اہل اللہ کی حیات معرفت کی زندگی ہوتی ہے۔ جب ان کی بشریت کی حیات ان سے زائل ہو جاتی ہے
قال تعالیٰ کل نفس ذائقة الموت۔ حیات معرفت ان سے وہ زائل نہیں ہوتی۔ کما قال تعالیٰ لنحیینه
حیوة طیبه اور حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ المومن حیّ فی الدارین" مومن دونوں عالم میں زندہ ہیں ؎

نیرد ہر کہ ا جانش تو باشی
خوشا جانی کہ جانانش تو باشی

ترجمہ، وہ نہیں مرتا جس کی جان تم ہو وہ خوش قسمت روح ہے جس کا تو محبوب ہے۔
حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ترجمہ: وہ نہیں مرتا جس کا دل عشق سے زندہ ہے کہا ہے صحیفۂ عالم پر ہمارا نام ہمیشہ۔

فائدہ: فارسی تفسیر میں ہے کہ شاہ کرمانی نے یہی آیت (اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ) پڑھی اور فرمایا تو اس آیت کی تین نشانیاں ہیں۔ (۱) مخلوق سے علیحدگی (۲) خالق سے خلوت (۳) دل اور زبان کے ذکر پر مداومت کرنا۔ کسی بزرگ نے اس آیت کا معنی اشعار میں یوں بیان کیا ہے ؎

بر روئے خلائق در صحبت بکشائے
می باش بکلی متوجہ بخدائے
غافل مشو از ذوق دل و ذکر زبان
تا زندۂ جاوید شوی در دو سرائے

ترجمہ: مخلوق پر صحبت کا دروازہ نہ کھول مکمل طور اللہ کی طرف متوجہ ہو۔
غافل نہ ہو ذوق دل اور ذکر زبان سے جب تک تو زندہ ہے تو دونوں جہاں میں تجھے ہمیشگی نصیب ہوگی۔

فائدہ: حقیقی زندہ وہی ہے جو نہ مرتا ہے اور نہ اس پر کبھی موت آسکتی ہے اور وہ ایک ذات ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کے ماسوا باقی سب مردہ ہیں اس لئے کہ وہ پہلے بھی معدوم تھے اور پھر بالآخر وہ مٹ جائیں گے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق
چار تکبیر زدم یکسر بر ہر چہ کہ ہست

ترجمہ: میں نے اس وقت سے چشمۂ عشق سے وضو کیا پھر ہر موجود پر کلی طور چار تکبیر کہہ ڈالی ہے۔
یعنی تمام مخلوق کو میں نے مردہ پایا بوجہ وصال اور مقام عشق و فنا کے نسخہ روحانی حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ وہ انسان جو مخلوق کے لئے یوں عقیدہ رکھے کہ ان کا اپنا کوئی فعل نہیں تو وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے مخلوق کے لئے یوں عقیدہ رکھا کہ اسے فنا ہی فنا ہے۔ تو واصل باللہ ہو گیا۔

حکایت: حضرت عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک راہب سے گزرا۔ اس سے میں نے پوچھا کہ آپ یہاں کتنا عرصہ سے رہتے ہیں اس نے کہا بیس سال سے میں نے پوچھا کوئی ساتھی بھی ہے کہا وحدہ۔ اللہ تعالیٰ ساتھ ہے تو اور ساتھی کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ وہ تو ہر ایک کا ساتھی ہے میرا مطلب یہ ہے کہ کوئی مخلوق سے بھی ہے کہا وحشت میرا ساتھی ہے میں نے پھر پوچھا کھاتے کیا ہو۔ کہا ذکر اللہ سے بھوک

مٹ جاتی ہے میں نے کہا آخر آپ انسان ہیں بتقاضائے بشریت کچھ تو آپ کھاتے ہوں گے۔ کہا درختوں کے پتے اور ان کے میوے اور زمین کی انگوریاں۔ پھر میں نے سوال کیا آپ کو کسی کے ملنے کا شوق بھی ہوتا ہے کہ بات قلوب العارفین کے محبوب کا ہر وقت شوق دامنگیر رہتا ہے میں نے کہا مخلوق میں سے کسی کا بھی تو ہوگا۔ اُس نے کہا جس کا لگاؤ ذات حق سے ہوا سے کسی کی ضرورت نہیں رہتی۔ میں نے کہا آپ تنہائی میں کیوں رہتے ہیں فرمایا کہ لوگ عقل کے ڈاکو بلکہ راہِ ہدایت چھیننے والے چور ہیں۔ میں نے اُن سے عرض کیا فرمائیے کہ بندے کو راہِ ہدایت کس طرح نصیب ہوتی ہے۔ فرمایا جب ماسوی اللہ سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اور اس کے ذکر کے سوا کسی کے ذکر کا خیال تک نہ لائے۔

قاعدہ: ہر سالک کا سلوک کا آخری قدم مالک الملک کے ہاں ہوتا ہے۔

حکایت حضرت عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بیت المقدس کی زیارت کیلئے روانہ ہوا ایک جگہ راستہ بھول گیا۔ کچھ آگے بڑھا تو ایک بڑھیا کو دیکھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ بھی میری طرح راستہ بھول گئی ہے۔ اُس نے فرمایا عارف باللہ کبھی مسافر ہوتا ہی نہیں پھر اس کے لئے راستہ بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ جیسے مالک سے محبت رکھتا ہے تو راستہ کیوں بھولے یہ کہہ کر مجھے فرمایا کہ میرے عصا کا سرا پکڑ کر میرے آگے آگے چلتے جائیے۔ چنانچہ میں نے اُن کے فرمان پر اُن کے عصا کو پکڑ کر آگے چل پڑا صرف پانچ چھ قدم ہی چلا تھا کہ بیت المقدس میں پہنچ گئے۔ میں سمجھا کہ شاید میری غلطی ہو ورنہ کہاں بیت المقدس اور کہاں ہم۔ مائی بڑھیا نے فرمایا۔ بندہ خدا تم زاہدوں کی رفتار کے خیال میں ہو اور میں تمہیں عارفوں کی رفتار پر یہاں لے آئی ہوں۔ زاہد پاؤں سے چلتا ہے اور عارف پروں سے اُڑتا ہے۔ چلنے اور اڑنے میں بہت بڑا فرق ہے یہ کہہ کر وہ بی بی مجھ سے غائب ہوگئی اور پھر تا حال مجھے اس کی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔

سبق اس سے ثابت ہوا کہ عارف کامل اللہ تعالیٰ کے نور سے چلتا ہے اور جہاں اور جیسے چاہتا ہے چلا جاتا ہے۔ لیکن جاہل ہمیشہ حیران و سرگردان رہتا ہے اسے کہیں ٹھکانا نہیں ملتا جہاں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم رہبری کرے تو پھر اس کی قسمت۔

فائدہ: عارف اور جاہل کی مثال نابینا اور بینا کی ہے۔ جیسے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے ایسے ہی عالم و جاہل ہم مرتبہ نہیں ہو سکتے۔ خواہ عالم شریعت ہو یا عالم طریقت و معرفت و حقیقت۔ اسی طرح اہل حال اور اہل قال کا فرق سمجھئے۔

قاعدہ: نور کی عظمت وسعت قلب کے نور کے مطابق ہوتی ہے۔ قلب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جس طرح اس کا تبدل و تغیر چاہتا ہے کرتا ہے اس لئے اہلِ ایمان کیلئے نیکیاں اور طاعات مزین

فرمائی ہیں اور اہل کفر کو برائیاں اور شرور اچھے لگتے ہیں۔

مسئلہ : یاد رہے کہ بندہ مجبور محض نہیں بلکہ اسے اختیار ہوتا ہے کہ برائیوں سے دور رہے اور نیکیاں کرے۔ ہاں جب وہ اپنی استعداد کو صرف برائی میں لگا دیتا ہے تو پھر دائمی طور برائیوں میں پھنس کر نفس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔

یہ تقریر ظاہری احکام کے مطابق ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ لفظ احیا و جعل سے تو ثابت ہوتا ہے کہ تمام اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو فانی فاللہ ہو کر بحر توحید میں غوطہ زن ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ کل شیٔ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور ہر شے میں اسی کی تاثیر ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ اسے بھلائی نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرے کہ اس کریم نے اپنی کریمی سے بھلائی کی توفیق بخشی۔ اس پر مداومت کرنے سے دائرہ تحقیق میں قدم رکھنے کا موقعہ نصیب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بہت سے امور مقلدانہ طور کرنے سے محقق بنا دیتے ہیں۔ (روح البیان)

۱۲۳ وَكَذٰلِكَ اور جیسے مکہ میں اُن کے لیڈروں نے انہیں گمراہ کیا۔ ایسے ہی جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْيَةٍ ہم نے ہر دیہات میں بنائے ہیں۔ فی کل قریۃ جعلنا سے متعلق ہے۔ اَكٰبِرَ بمعنی لیڈر۔ یہ جعلنا کا مفعول ثانی ہے اور اکبر بمعنی عظیم کی جمع ہے۔ مُجْرِمِيْهَا یہ مفعول اول اور مجرم کی جمع ہے فارسی میں بمعنی گنہگار۔ لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا تاکہ وہ اس دیہات میں مکر و فریب کا جال بچھائیں۔ اس لئے کہ ان لیڈروں کو عوام کو بہکانے پر قدرت حاصل ہوتی ہے اور انہیں مکر و فریب اور دھوکہ دہی پر ہر طرح کے اسباب مہیا ہوتے ہیں اور عوام کو پھنسانے اور غلط طریقوں پر چلانے کا حربہ استعمال کر سکتے ہیں۔

فائدہ : قریش کے سرداروں کا کام تھا کہ وہ مکہ کے بڑے بڑے چوکوں اور مشہور شاہراہوں پر چار چار آدمی بٹھا دیتے جو آنے جانے والے لوگوں کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متنفر کرنے کی باتیں کرتے اور مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کے منکر کرنے پر بہت بڑی جد و جہد کرتے اور ہر جانے والے سے اپیل کرتے کہ جہاں جاؤ جس سے ملو یہی مشہور کرو کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ساحر و کذاب ہیں۔ (معاذ اللہ)

فائدہ : بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ ہر پیغمبر علیہ السلام کے تابعدار جن دیہاتوں میں پیدا فرمائے تو غریب اور مالی لحاظ سے کمزور۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں ہے کفار نے کہا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ۔ اور ان کا ہر مخالف دنیادار اور ہر لحاظ سے بہت بڑا طاقتور ہوتا ہے تاکہ دینِ حق کے خلاف وہ اپنی ہر طرح کی طاقت و قوت کو استعمال کر سکے۔

قاعدہ قرآنی اصطلاح میں بکسرؔ زمین پہ خفیہ طور فساد پھیلانے اور شر اور فساد کو فروغ دینے کو کہا جاتا ہے۔
فائدہ: آیت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کو مخالفین کی شرارت سے ملال نہ کرنی چاہیے اس لیے کہ آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی لوگ اسی قسم کی شرارتیں کیا کرتے تھے
وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ۔ اور یہ مکر و فریب اپنے ساتھ کر رہے ہیں اس لئے کہ اس کا وبال بالآخر انہیں کو پہنچیگا۔ وَمَا۔ یہ واو حالیہ اور ما نافیہ ہے۔ يَشْعُرُوْنَ ° حالانکہ وہ اسے سمجھتے ہی نہیں اس لئے وہ اس گمان میں ہیں کہ ہم دوسروں کو نقصان پہنچا رہے ہیں ۵ ۱۲۴ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اور جب انکے پاس آتی۔
ربط: جب سابقہ پیغمبروں کے منکرین کی باتیں بتائی گئیں۔ اب ضروری ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کی علامات بھی بتائی جائیں۔ چنانچہ فرمایا کہ آپ کے مخالفین کی علامت ہے کہ جب اُن کے ہاں آتی ہیں وہ (آیَۃٌ) آیتیں جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں۔
قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ۔ کہتے ہیں کہ ہم نہیں ایمان لاتے جب تک کہ ہمیں وہ نہ ملے جو سابقہ پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا۔ یعنی وحی و کتاب۔

شانِ نزول مروی ہے کہ ابوجہل نے کہا ہم بنی عبد مناف سے بالمقابل ہے۔ اب شرافت وجدگی میں وہ اور ہم برابر ہو چکے ہیں۔ اب اُن کے قبیلہ سے ایک ایسا ہے جو نبوت کا دعویٰ کر کے کہتا ہے کہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کی وحی آتی ہے لیکن ہم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ ہمارے ہاں بھی وحی نہ آئے۔ گویا ان کا یہی ارادہ تھا کہ انہیں بھی نبوت و رسالت حاصل ہو جیسے کہ رسول پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوئی ہے ہم سردار بن کر رہ سکتے ہیں کسی کے تابعدار ہو کر نہیں رہ سکتے۔

فائدہ: صاحب تیسیر فرماتے ہیں کہ یہ اُن کی انتہائی بے وقوفی تھی اس لئے کہ کسی کو کہا جائے کہ ایمان قبول کر لو وہ جواب دے کہ میں اس وقت ایمان لاؤں گا جب کہ مجھے بھی نبوت ملے۔
فائدہ: امام ثعلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں رُسُلُ اللّٰہِ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پہ جمع کا صیغہ ہے۔ لیکن مراد حضور علیہ السلام ہیں وہ مقام یہ ہے قال تعالیٰ یا ایہا الرسل کلوا الخ اور یہ جمع تعظیم کی ہے۔
فائدہ: شرح تعرف میں لکھا ہے کہ جمیع انبیاء علیہم السلام کے جملہ صفات کسی نبی علیہ السلام میں جمع نہیں ہوتے یہ صرف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ صفات جمع ہیں ؎

ہر چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ترجمہ: وہ جو محبوبوں کو تمام حسن خدا ہے تو اکیلا اپنے پاس رکھتا ہے۔

فائدہ: منجملہ ان اماکن کے کہ جہاں دُعا مستجاب ہوتی ہے ایک مقام یہی ہے جو کہ سورۃ ہذا کے دو بڑی عظمت والی آیتوں کے درمیان میں واقع ہوا ہے۔ اللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، یعنی ہر جاننے والے سے بہت زیادہ جانتا ہے۔ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ۔ جس جس جگہ پر رسالت و نبوت رکھنا چاہتا ہے رکھتا ہے اور یہ لوگ اس کے اہل نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہلیت فضائل نفسانیہ کا نام ہے نہ کہ نسب اور مال کو اہلیت کہا جائے۔

ترکیب: حیث الخ فعل مقدر تعلم کا مفعول بہ ہے اور یہ ظرف میں وسعت کی وجہ سے جائز ہوتا ہے۔ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا عنقریب ان مجرمین کو مصائب میں مبتلا کیا جائے گا۔ بجائے اس کے کہ وہ نبوت و رسالت کے بہت بڑے منصب کی تمنا کرکے عزت کے طالب ہیں انہیں ذلت و خواری کا منہ دیکھنا ہوگا۔ عند اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یعنی قیامت کے دن۔ یہ سیصیب کی وجہ سے منصوب ہے اور اس سے قیامت کے دن کی ذلت و خواری مُراد ہے۔ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ اور بوجہ ان کے مکر و فریب کے انہیں سخت عذاب ہوگا۔ چونکہ ان کا یہی بہت بڑا جرم تھا جو مذکور ہوا۔ اس لئے ان کو عذاب شدید کا سبب واضح طور بتایا گیا۔

مرزائیوں کی تردید اس آیت سے ثابت ہوا کہ نبوت و رسالت عطیہ الٰہی ہے۔ اس کی مرضی جسے چاہے عطا کرے یہ سلطنت و حکومت کی طرح کسبی نہیں (جیسا کہ مرزائیوں نے سمجھا ہے) فلہذا نبوت کسی کی جدوجہد سے حاصل نہیں ہوسکتی اگرچہ اس میں جمیع اسباب و شرائط (نبوت) بھی پائے جائیں۔

ازالہ وہم ولایت بھی اسی طرح ہے اس لئے کہ ولایت نبوت کے لئے بمنزلہ وزارت کے ہے اس لئے یہ جدوجہد سے حاصل کی جاسکتی ہے لیکن اس کے لئے بھی ضروری نہیں کہ ہر جدوجہد کرنے والا واصل باللہ ہو بلکہ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ یہ دولت (ولایت) مجاہدہ کے بغیر بھی نصیب ہو جاتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی استعداد اور فضل الٰہی بھی شامل حال ہو۔

حکایت منقول ہے کہ میرے شیخ سیاحت کے لئے زبید سے اہواز کی جانب تشریف لے گئے آپ کے ساتھ ایک شاگرد (خلیفہ) بھی تھا۔ ان کا ایک کھیت سے گزر ہوا جس میں کماد کی موٹی چھڑیاں تھیں۔ آپ نے شاگرد سے فرمایا اس سے ایک بڑی اور موٹی چھڑی اُٹھا لے۔ مرید نے حکم بجالا کر ایک بڑی چھڑی اٹھالی اور چل پڑے۔ شیخ ایک ایسے مقام پہ پہنچے جہاں کے لوگ اتنے بے دین تھے کہ نہ انہیں نماز کا پتہ نہ دیگر عبادات کا۔ مردار کھانا ان کا کام

تھا۔ شراب پینے کے خوگر تھے۔ جب یہ دونوں پیر و مرید پہنچے تو انہیں شراب میں مست پایا۔ لہو و لعب میں مصروف اور گانے بجانے میں غرق تھے۔ شیخ نے اپنے مُرید سے فرمایا کہ اس مجلس کے سرغنہ کو جو کہ طنبور بجا رہا تھا بلاؤ۔ مرید نے جا کر اُسے کہا کہ تجھے فلاں بزرگ بلا رہے ہیں۔ اس نے طنبور گلے میں لٹکایا اور شیخ کی طرف چل پڑا جب شیخ کے ہاں پہنچا تو شیخ نے مرید سے فرمایا کہ اس کا طنبور ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ مرید نے طنبور توڑ دیا۔ شیخ نے اس مست سے فرمایا۔ چل ہمارے آگے اُس نے چلنا شروع کر دیا۔ جب دریا کے کنارے پہنچے تو شیخ نے فرمایا کپڑے اُتار کر اور انہیں پاک کر اور خود بھی نہاد ہولے۔ اُس نے شیخ کا حکم پورا کیا۔ اس کے بعد شیخ نے اسے وضو کا طریقہ بتایا اور نماز سکھائی۔ ظہر کی نماز کے وقت شیخ نے ان دونوں کو نماز پڑھائی۔ فراغت کے بعد شیخ نے مصلےٰ اٹھا کر دریا میں ڈال دیا۔ اس نو وارد مرید سے کہا کہ اس دریا والے مصلیٰ پر قدم رکھ کر چلتا جا۔ چنانچہ اُس نے دریا میں مصلیٰ پر قدم رکھا اور روانہ ہو گیا۔ جب نظروں سے اُوجھل ہوا تو پرانے مُرید نے واویلا شروع کر دیا کہ حضرت مجھے عرصہ ہوا آپ کے جوتے صاف کرتے ہوئے لیکن کچھ نہ ملا اور یہ بدمعاش ابھی آیا اور کامل ولی بن کر چلا گیا۔ شیخ نے رو کر فرمایا بیٹے میرے بس کی بات نہیں اور نہ ہی میں نے اُسے کامل ولی بنایا ہے میں نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا ہے۔ اس لئے کہ مجھے حکم ہوا کہ فلاں علاقہ کا ابدال فوت ہو گیا ہے آپ فلاں شخص کو اس کے قائم مقام مقرر فرما دیجئے۔ میں نے حکم مانا جیسے کہ خدام آقاؤں کا حکم مانتے ہیں۔ بلکہ میں تو خود بھی ایسا نہیں جیسے وہ دریا میں جانے والا مراتب لے کر چلا گیا ہے۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ ولایت بھی اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چوں حسن عاقبت نہ برندی و زاہدیست
آں بہ کہ کارِ خود بعنایت رہا کنند

ترجمہ:۔ جب تو حسن عاقبت و زاہدی از خود نہیں لے سکتا تو بہتر ہے کہ اپنے تمام امور اسی کو سپرد کر دے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ قریہ سے انسان کا وُہ عالم مراد ہے اور اس کے مجرمین سے وہ چیزیں مراد ہیں جو اس کے حُسن کی استعداد ضائع کر کے اسے بدبختی کا خوگر بناتے ہیں۔ جیسے نفس اور خواہشات نفسانی اور شیطان۔ لیمکروا فیہا سے شرع کی مخالفت اور طبع نفسانی کی موافقت مراد ہے۔ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ۔ کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جب اپنی حسن استعداد کو ضائع کیا تو اس کا وبال اُن کی طرف عود کرے گا۔ کہ سوائے بدبختی کے انہیں اور کچھ حاصل نہ ہو گا کہ وہ دائمی طور سعادت سے محروم ہو جائیں گے وَمَا يَشْعُرُوْنَ سے مراد ہے کہ انہیں اپنے کرتوت کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ انہیں اس وقت معلوم ہو گا جب

جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ۔ اس سے نفس و شیطان اور خواہشات نفسانی مراد ہیں اس لئے کہ ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آیات الٰہی کو دیکھ کر انکار کر جاتے ہیں۔ کیوں کہ سرکشی اور انکار ان کی فطرت میں ہے بنا بریں وہ زبان حال سے کہتے ہیں کہ لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ یہاں رسل اللہ سے قلب اور سر و روح مراد ہیں اس لئے کہ اسرار حق اور الہامات الٰہی کے کی جائے ورود یہی ہیں۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اور اللہ تعالیٰ کے پیغامات صرف قلب اور سر و روح اور انہیں اِرْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ کے پیغام سے نوازا جاتا ہے۔ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ اس سے نفس امارہ والے لوگ مراد ہیں۔ کہ صرف انہیں ذلت و خواری حاصل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ سے دائمی طور دور ہو جائیں گے اور عذاب شدید سے فرقت و انقطاع مراد ہے۔ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ بوجہ اس کے کہ انہوں نے حسن استعداد کو ضائع کر دیا۔ اس مکر و فریب اور شر و فساد کی انہیں یہی سزا ملے گی۔ (كذا في التاويلات النجميه)

تفسیر عالمانہ: ۱۲۵ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ جس کیلئے اللہ تعالیٰ چاہے اسے ہدایت دینا یعنی اسے طریق حق بتلائے اور اسے ایمان کی توفیق عطا فرمائے۔ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ۔ تو اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے یعنی اس میں وسعت اور کشادگی پیدا فرماتا ہے اس سے نفس کا حق کو قبول کرنے کی استعداد مراد ہے کہ وہ استعداد نفس کے اندر حلول کر جاتی ہے اور تزکیے سے صاف ستھرا ہو جاتا ہے اور جو امور اسے ترقی سے مانع اور منافی ہیں سب سے فارغ ہو جاتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: آیت کا معنی یہ ہے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ ایمان سے سرفراز نے کا ارادہ فرماتا ہے تو کفر سے دوری اور ایمان قبول کرنے کے اسباب اس کیلئے مضبوط کر دیتا ہے اور اس کے دل کو ایمان قبول کرنے کے لئے اسباب اس کے لئے مضبوط کر دیتا ہے اور اس کے دل کو ایمان قبول کرنے کے لئے تیار فرماتا ہے تاکہ دل صرف ایمان کی دولت کیلئے مستعد ہو اور جتنا امور ایمان سے مانع اور اس کے منافی ہیں۔ ان سے یکسر خالی ہو جائے۔

حدیث شریف جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرح صدر کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا وہ ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں ڈالتا ہے پھر وہ سینہ واسع اور کشادہ ہو جاتا ہے آپ سے عرض کیا گیا کہ کیا اس کی کوئی علامت بھی ہے تو آپ نے فرمایا ہاں اس کی علامت یہ ہے کہ بندے کا رجوع دار الخلد (آخرت) کی طرف ہو جائے اور دار غرور (دنیا) سے اسے نفرت ہو اور موت کے لئے ہر وقت تیار رہے۔

فائدہ: علم دو قسم ہے (۱) علم معاملہ (۲) علم مکاشفہ۔ پہلا علم بندے کو اللہ تعالیٰ سے ملاتا ہے اور دوری کے جملہ اسباب کو مٹاتا ہے۔ یہی وجہ ہے دوسرے علم کے حصول سے پہلے اسے حاصل کرنا ضروری ہے اس لئے کہ

دوسرا علم وہ ہے جو دل میں ظاہر ہوتا ہے جس کے ذریعے بندے کو غیب کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ علم اول علم ثانی کے لئے شرط ہے کما قال تعالیٰ " والذین جاھدو فینا لنھدینھم سُبلنا ۔ اور اتنا ضروری کہ وہ اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ حدیث شریف مذکور میں تصریح کی گئی ہے کہ انابت وتجافی اور استعداد علم معاملہ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ اسی نور کی علامات سے ہیں۔

— فائدہ: مکاشفہ کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ جو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فضل العالم علی العابد کفضلی علیٰ اُمتی عالم دین کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے میری فضیلت ادنیٰ اُمتی پر۔ نیز مکاشفہ کے سوا باقی تمام امور عمل کے تابع ہیں اس لئے کہ ان کے ثبوت کیلئے عمل شرط ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جتنا حجابات رقیق تر ہوتے ہیں اتنا ایمان قوی تر اور دل روشن اور صاف تر ہوتا ہے یہاں تک کہ حجابات اٹھ جانے پر ایمان لیقین سے بدل جاتا ہے اور دل کی نورانیت میں جونہی اضافہ ہوتا ہے تو وہ لیقین عیان سے بدل جاتا ہے لیکن اُن میں حجابات کا اٹھنا شرط ہے پھر جب دل پر حق کے جمال کا جلوہ ہوتا ہے تو عیان سے عین ہو جاتا ہے لیکن اس میں جمال کے ساتھ جلال کے جلوہ کا ہونا ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ ۔ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے یعنی اس کے اندر گمراہی پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس بندے کے اپنے اختیار کے تقاضے یوں ہو جاتے ہیں کہ یجعل صدرہٗ ضیقًا تو اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے۔ ضیق بمعنی تنگ ہے۔ حَرَجًا اور ایسا تنگ کہ وہ ایمان قبول کرنے سے حرج محسوس کرتا ہے اس طرح اُس کے اندر ایمان داخل نہیں ہو سکتا۔ یعنی جس کے لئے اللہ تعالیٰ کفر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کیلئے ایمان سے دوری اور کفر کے قریب کے اسباب تیار فرماتا ہے۔ الحرج بالفتح مصدر ہے مبالغہ کے طور اسے صفت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اور بالکسر بمعنی اسم فاعل یعنی زائد تنگی والا۔ یہ ضیق سے اخص ہے۔ اس معنی پر ہر حرج ضیق ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر ضیق حرج ہو۔

— فائدہ: بعض کے نزدیک حرج درخت کی گھنی دار جگہ کو کہا جاتا ہے۔ اب مطلب یوں ہوا کہ کافر کے دل میں ایمان کا پہنچنا ایسے مشکل ہو جاتا ہے جیسے درخت کی گھنی دار جگہ پر چرنے والا جانور کا پہنچنا دشوار ہے۔

كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ گویا وہ آسمان پر چڑھتا ہے۔

فائدہ: کافر کو آسمان پر چڑھنے سے تشبیہ دینے کی دو وجہ ہیں۔

(۱) جیسے انسان کو آسمان پر چڑھنے کے لئے کہا جائے تو اُسے آسمان پر چڑھنا سخت دشوار محسوس ہوتا ہے

ہوتا ہے یہ فعل ایک عظیم مصیبت نظر آتی ہے تو وہ اس کام سے سخت نفرت کرتا ہے ایسے ہی کافر کو ایمان لانا سخت ترین امر نظر آتا ہے اس وجہ سے اسے ایمان سے نفرت ہوتی ہے۔

(۲) کافر کا دل ایمان سے دور ہو چکا ہے بلکہ قبول اسلام سے اس کے دل کو زمین و آسمان کی نسبت ہے اس بنا پر اس بُعد کو زمین سے آسمان پر چڑھنے سے تشبیہ دی گئی۔ چنانچہ کاشفی صاحب اپنی فارسی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ گوئی بالامی رود در آسمان یعنی می گریزد از قبول حق میخواہد کہ با آسمان رود۔ گویا کہ وہ آسمان پہ جاتا ہے۔ یعنی قبول ایمان سے آسمان کی طرف بھاگنا چاہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

دل کئی قسم کے ہیں۔

(۱) بعض وہ ہیں کہ جن پر ایمان کا قبول کرنا نہایت ہی شاق ہے یہ کافروں کے دل ہیں۔

(۲) بعض وہ ہیں جنہیں ایمان شاق تو نہیں ہوتا لیکن ایمان کے ذوق سے نا آشنا ہوتے ہیں جیسے ناقص مومن۔

(۳) بعض ان میں وہ ہیں جو کلمات عرفانیہ سے محروم بلکہ عارفین کے احوال کے بھی منکر ہیں۔ یہ وہ ہیں جو صفات حیوانیہ میں زیادہ منہمک ہیں اور ان پر صفات سبعیہ (درندگی) سوار ہیں۔ اور وہ صفات شیطانیہ سے مغلوب ہیں۔ اس وجہ سے انہیں روحانی مشارب سے روحانیت کا قطرہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے اللہ والے اغیار سے اسرار مخفی رکھتے ہیں ؎

چرا صدف نکند چاک سینہ را صائب
دریں زمانہ کہ جوہر شناس نایاب است

ترجمہ اے صائب صدف اپنا سینہ چاک کیوں نہیں کرتی اس لئے کہ اس زمانہ میں جوہر شناس نہیں رہے۔

كَذٰلِكَ جعل مذکور کی طرح۔ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ اللہ تعالیٰ بناتا ہے رجس کو رجس سے عذاب یا رسوائی یا لعنت یا شیطان مراد ہے یعنی ان میں کسی کو مسلط کرتا ہے

عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ یہاں پر علیہم کہنا چاہیے تھا لیکن مضمر کے بجائے اسم مظہر لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اسم مظہر کا صلہ ان پر لعنت وغیرہ کا سبب بنا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر شیطان وغیرہ کو اس لئے مسلط کیا کہ انہوں نے ایمان قبول نہ کیا اور کفر و طغیان پر اصرار کیا ۱۲۹ وَهٰذَا اور یہ بیان جسے قرآن مجید لایا ہے۔ صِرَاطُ رَبِّكَ تیرے رب کریم کا راستہ ہے یعنی یہ وہی راہ ہے جس سے وہ راضی ہے در آنحالیکہ وہ مُسْتَقِيْمًا سیدھا ہے اس کے لئے جو اس پر چلتا ہے تو اسے ٹیڑھا پن نظر نہیں آتا بلکہ یہاں تک کہ وہی راستہ اسے بہشت میں لے جاتا ہے۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ ؛ ہم نے آیات بیان کئے ہیں۔ یعنی انہیں واضح اور کھلے طور بیان کیا ہے کہ اس کا

ایک مضمون دوسرے سے مخلوط نہیں ہو جاتا۔ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُوْنَ ان لوگوں کے لئے جو نصیحت پذیر ہوتے ہیں ان کی تخصیص اس لئے ہے کہ صرف وہی اُن سے فیض یاب ہوتے ہیں ۱۲۷ لَهُمْ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ گویا کہا گیا کہ جو لوگ قرآنی آیات سے نفع پاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے کتنا انعام تیار کیا ہے اس کے جواب میں کہا گیا کہ اُن کے لئے دَارُ السَّلَامِ ۔ ایک ایسی سلامتی کی دار تیار کی گئی ہے جس سے ہر قسم کے دکھ اور درد اور تکالیف دور رکھے گئے ہیں۔ یعنی ان کے لئے بہشت ہے۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۔ یہ دارالسلام سے حال ہے یعنی اُن کے لئے بہشت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی مہمانیاں ہیں یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نحن الیوم عند فلان ہم آج فلان کے ہاں ہوں گے یعنی اس کی مہمانی اور کرم نوازی سے سرشار ہوں گے۔ بعض کے نزدیک عندیہ سے اس کا وعدہ کریمہ مراد ہے کہ قیامت میں ایسے لوگوں کا اللہ تعالیٰ کفیل ہو گا۔ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ وہی ان کا مالک و محب اور ان کے دشمنوں پر وہی ان کو مدد دینے والا ہے۔ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے۔

خلاصہ تفسیر

آیت مذکورہ میں مندرج ذیل امور کا بیان ہوا ہے

(۱) ایمان کا حسن

(۲) کفر کا قبح

(۳) سعادت مند اور بدبخت کا انجام

(۴) انبیاء و اولیاء کے طریقوں پر چلنے کی ترغیب

(۵) وہ عمل صالح جو صرف رضائے الٰہی کی خاطر کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دارالسلام یعنی بہشت کے داخلے کا ٹکٹ ہے اور دارالسلام وہ قرار و اطمینان کا گھر ہے کہ جو اس میں داخل ہو گا وہ ہر طرح کے عذاب سے مامون و محفوظ ہو جائے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے اور انہیں ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔

حکایت

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دیار عجم کے ایک قلعہ کو فتح کرنے کے لئے ایک لشکر بھیجا۔ جس میں چار ہزار گھوڑ سوار تھے ان کا امیر لشکر اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اہل لشکر چلتے رہے یہاں تک کہ اس قلعہ کے قریب پہنچے وہ ایک بلند پہاڑی پر تھا۔ اہل لشکر فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کا محاصرہ کر لیا لیکن وہاں تک ہتھیار پہنچانے کا کوئی سبب نہ تھا۔ اس قلعہ کے اندر کفار کا لشکر تھا اور امیر لشکر ایک عورت تھی جو نہایت حسینہ وجمیلہ اور شکیلہ تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اس قلعہ کے محاصرے سے بہت تھک گئے کیونکہ کفار پر ہتھیار استعمال کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ ایک دن کفار کی امیر لشکر نے حلے سے شکوہ

طرف ایک دریچہ سے جھانک کر دیکھا تو اس کی نظر ایک نوجوان عربی پر پڑ گئی جو وہ بھی حسین وجمیل اور شکیل تھا۔ جنگی مہارت بھی اسے خوب حاصل تھی۔ وہ ایک گھوڑے پر سوار تھا۔ کفار کی امیر شکر ہمارے نوجوان کو دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئی اور روز بروز اس کے عشق میں پگھلنے لگی۔ اس کی محرم راز نوکرانی نے سبب پوچھا اور کہا کہ آپ ہماری ملکہ ہیں اور قلعہ کے اندر محصور ہیں۔ آپ پر نوجوں کا زبردست پہرہ ہے پھر بھی آپ آہیں بھرتی ہیں۔ اُس نے کہا میرا خیال آتا ہے کہ اسی قلعہ کو فلاں نوجوان فتح کرے گا۔ نوکرانی نے کہا وہ کیسے۔ اُس نے کہا دیکھ لے اب چند منٹوں کی بات ہے کہہ کر ملکہ نے اپنا ایلچی اس نوجوان کے ہاں بھیجا اور کہا کہ کوئی ایسی صورت بھی ہے کہ تیری میری ملاقات ہو جائے۔ اس کے بعد تم میرے اور میں تیری ہو جاؤں۔ نوجوان نے ایلچی کو جواب دیا کہ اسے جا کر کہہ دو دو شرطوں پر تیری میری ملاقات ممکن ہے۔

(۱) باہر والا قلعہ ہمیں دیدے

(۲) اندر والا اُس کو

ملکہ کو جواب پہنچا تو اس نے دوبارہ ایلچی بھیج کر وضاحت چاہی کہ باہر والا قلعہ تو میں سمجھ گئی ہوں کہ میں اپنی شاہی تمہارے سپرد کر دوں لیکن اندر والے قلعہ سے کیا مراد ہے اور وہ کس کو دینا ہے۔ اس نوجوان نے سمجھایا کہ اندر والے قلعے سے تمہارا دل مراد ہے اور اُسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے ملکہ نے یہ سن کر جواب بھیجا کہ نوجوان سے کہو کہ اپنا لشکر اندر قلعہ میں لا لیے۔ میں یہ قلعہ تمہارے قبضہ میں دے چکی ہوں۔ جب اسلام کا لشکر اندر پہنچا تو اس نوجوان نے ملکہ کو اسلام پیش کیا۔ اُس نے کہا کہ چونکہ میں ایک بڑی ملکہ ہوں اس لئے میں اسلام اس کے سامنے قبول کروں گی جو تمہارا امیر ہو اس نوجوان نے کہا کہ اس وقت تو ہمارا امیر شکر حضرت عبد اللہ جو ہمارے خلیفہ کا بیٹا ہے۔ ملکہ حضرت عبد اللہ کے ہاں حاضر ہوئی اور انہیں بھی یہی سوال کیا۔ اُس نے کہا اس وقت ہمارے بڑے میرے والد گرامی ہیں ملکہ نے کہا مجھے اُن کے ہاں بھیج دو۔ جب وہ ملکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوئی تو وہاں بھی یہی سوال کیا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ ہم سب کے بڑے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ اُن کی قبر انور ہے ملکہ نے کہا میں انہی کے حضور میں اسلام قبول کروں گی چنانچہ یہ کہہ کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی طرف چلی اور آ کر سلام عرض کیا اور نہایت ہی باادب اور پرسکون ہو کر بیٹھ گئی اور پڑھا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ۔ اور کہا کہ اب میں ظلمات سے نکل کر نور میں داخل ہو گئی۔

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے خوف ہے کہ ایمان قبول کرنے کے بعد گناہوں میں ملوث نہ ہو جاؤں للہذا میری درخواست ہے کہ آپ میرے لئے دُعا فرمائیے چونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سچا رسول بنا کر بھیجا ہے آپ اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیجئے تاکہ مجھے گناہ کے ارتکاب سے پہلے ہی موت دیدے یہ کہہ کر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا اور وہیں پر وفات پا گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُس کے حُسن خاتمہ کو دیکھ کر رو پڑے اور

اس کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا۔ اس کی تجہیز و تکفین وغیرہ کر کے اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جنۃ البقیع میں دفن کیا گیا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بروز واقعہ تابوت من ز سرو کشید۔

کہ میروم بہوا بلند و بالا

ترجمہ: موت کے دنوں میرا تابوت سرو کے بنانا تاکہ میں ہوا میں بہت اونچی پرواز کر سکوں

اے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے سیدھے راہ پر چل کر قلب سلیم کے ساتھ تیرے حضور میں پہنچ کر عذاب الیم سے نجات پاتے ہیں۔ (آمین یا کریم یا رحیم)

تفسیر عالمانہ

۱۲۸۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا اور یاد کیجئے اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ وغیرہ کو جس دن اللہ تعالیٰ ثقلین وغیرہ سب کو اٹھا کر قیامت کے میدان میں جمع کر کے انہیں تو بیخاً فرمائے گا۔ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ اے شیطانوں کی جماعت۔

فائدہ: المعشر اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو بیک جہت مخلوط ہوں اور ان کے ایک دوسرے سے مل کر گزاریں اور ان کا ایک ہی معاشرہ ہو۔ اس کی جمع معاشر آتی ہے۔ بعض کے نزدیک معشر اس جماعت کو کہتے ہیں جو غایت کثرت کو پہنچ جائے۔

فائدہ: دس کامل عدد اور کثیر ہیں اس لئے کہ اس کے بعد اور کوئی عدد نہیں اگر ہیں تو اس سے مرکب ہو کر مثلاً احد، عشر اثنا عشر وغیرہ سب کہیں کہ معشر تو اس کا معنی ہو گا۔ عشر یعنی کثرت کاملہ کا محل۔

فائدہ: لوگوں سے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے جنات کو جن کہا جاتا ہے۔ قَدِ اسْتَكْثَرْتُم مِّنَ الْإِنسِ۔ بے شک بہ نسبت انسانوں کے اغواء و اضلال میں کثیر ہو۔ یعنی تم انسانوں کو بہت زیادہ گمراہ کرتے ہو۔

وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُم شیاطین کے دوستوں نے کہا یعنی جنہوں نے ان کا کہا مانا درانحالیکہ من الانس وہ انسانوں سے ہیں یہ اولیاؤھم سے حال ہے۔ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ ہمارے بعض نے بعض سے نفع پایا ہے یعنی انسانوں نے جنات سے اور جنات نے انسانوں سے۔ انسانوں کو جنوں سے یہ فائدہ پہنچا کہ جنات نے انسانوں کو شہوات کے قواعد و ضوابط بتلائے۔ انہیں شہوات کی باتیں جنات کے بتانے سے آسان ہوئیں اور جنات نے انسانوں سے یہ فائدہ پایا اور انسانوں پر سرداری نظام قائم کیا اور دستور ہے کہ ہر سردار اپنے چودھراہٹ سے اپنے تابعدار سے نفع پایا۔ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا اور ہم اس میعاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر فرمائی یعنی ہم مقرر کردہ میعاد یعنی قیامت کے دن کو پہنچ گئے ہیں۔

فائدہ: مجرمین اپنی غلطیوں کے اعتراف کے طور قیامت میں اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ واقعی ہماری غلطی ہے کہ

نے شیاطین اور شہوات کی اتباع اور قیامت کی تکذیب کی۔ ان کا یہ اعتراف بطور اظہار ندامت ہوگا اور اپنے
حال پر حسرت کھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سر تسلیم خم کرکے عرض کریں گے ۔

کنوں باید ای خفتہ بیدار بود
چو مرگ اندر آرد زخوابت چہ سود
چہ خوش گفت باکودک آموزگار
کہ کارے نکردیم و شد روزگار

ترجمہ (۱) ابھی سے اے سونے والے جاگو جب موت نے تجھے خواب سے بیدار کیا تو کیا فائدہ
(۲) کیا خوب فرمایا استاد نے شاگرد کو کہ افسوس ہم نے کوئی کام نہ کیا اور وقت گزر گیا ۔

سوال ۔ حسرت بھری باتیں گمراہ شدگان تو کہہ رہے ہیں گمراہ شدگان گمراہ کنندگان سے ایسی باتیں کیوں نہیں بیان ہوئیں
جواب ۔ گمراہ کنندگان کو جب ایک بار لاجواب کرکے خاموش کرایا گیا اب انہیں بولنے کی ہمت نہیں ہوگی اور ان
کے لاجواب ہونے کا بیان دوسرے مقام پہ مذکور ہوا ہے ۔

قال یہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب مجرموں نے بطور اعتراف مذکورہ بالا بیان دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے
کیا نہیں کیا فرمایا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا۔ اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ جہنم تمہارا ٹھکانہ ہے
المثویٰ بمعنی المقام خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

فائدہ ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قیامت میں ہمیشہ بہشت و دوزخ میں رہنے والی مخلوق چار
قسم کی ہے ۔

(۱) ہمیشہ بہشت میں رہنے والے ملائکہ کرام
(۲) ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے شیاطین
(۳) بعض وہ جن و انس بہشت میں جن کے اعمال اچھے ۔
(۴) ان کے وہ بعض دوزخ میں جن کے اعمال برے ۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ

(۱) تاویلات نجمیہ کی توجیہات میں ہے کہ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے سچے دل سے توبہ کی
اور خلوص سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ اس معنی پر یہ استثناء لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے دنیا میں اپنی غلطیوں
سے سچے دل سے توبہ کی نہ کہ اہل خلود سے استثناء ہے اس لئے کہ اہل خلود قابل استثناء نہیں ہیں ۔

(۲) بعض مفسرین نے فرمایا کہ ما شاء اللہ کا مصدر یہ ہے اور اس کا مضاف محذوف ہے جیسے ایک حقوق النجم
میں مضاف یعنی وقت محذوف ہے اور یہ استثناء سابقہ جملہ کے مضمون سے ہے یعنی النار مثواکم خالدین فیہا

سے۔ اب معنی یوں ہوگا کہ وہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ مگر ان اوقات میں دوزخ سے نکل جائیں گے۔ جن وقتوں میں اللہ تعالیٰ چاہے گا یعنی اوقات ابد اسے استثنار ہے اور وہ مستثنیٰ شدہ اوقات اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ دوزخیوں کو بعض اوقات جہنم سے نکال کر زمہریر دبرف خانہ) میں ڈالا جائے گا۔ وہ زمہریر اُن کے چمڑے ادھیڑے گا۔ سخت سردی سے چیخ کر عرض کریں گے ہمیں جہنم میں رہنا منظور ہے اس سختی سے ہمیں نکال لیا جائے اس بنا پر یہ استثنار اُن کے لئے تہکم واستہزار کے طور ہوگا۔

(۳) تفسیر جلالین میں ہے کہ اِلَّا مَاشَاءَ اللہ کا استثنار وقت کے لئے ہے کہ انہیں بعض اوقات جہنم سے نکال کر کھولتے ہوئے گرم پانی میں ڈالا جائے گا۔ اور چونکہ وہ دوزخ کے احاطہ سے باہر ہے اس لئے اِن اوقات کو دوزخ کے دوام سے مستثنیٰ کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ۔ پھر ان کا رجوع جحیم دگرم پانی کی طرف ہوگا۔

(۴) بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ دوزخیوں کو دُور سے بہشت کا دروازہ کھول دیا جائے گا وہ طمع کرکے بہشت میں داخل ہونے کے لئے لپکائیں گے تو بہشت کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔

(۵) بعض کہتے ہیں کہ یہ استثنار ان اوقات کے لئے ہے جنہیں دوزخ کے داخل ہونے سے پہلے انہیں حساب وکتاب تک مہلت ملی تھی۔ گویا کہا گیا کہ تم دوزخ میں ہمیشہ رہو گے صرف ان اوقات میں تمہیں مہلت ہوگی جن میں تم ابھی دوزخ میں داخل نہیں ہوئے تھے پھر خلود کا قاعدہ ہے کہ جیسے اُس کے آخر میں استثنار کیا جا سکتا ہے اس کے اوّل میں بھی کیا جا سکتا ہے یہ توجیہات علمائے ظاہر نے بیان فرمائی ہیں۔ اگرچہ مذکورہ بالا توجیہات بھی شیخ نجم الدین قدس سرہ نے بیان فرمائیں لیکن انہوں نے شریعت مطہرہ کی پاسداری فرمائی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

علمائے باطن یعنی صوفیار کرام نے اس استثنار یعنی اِلَّا مَاشَاءَ اللہ کی عجیب وغریب توجیہات بیان فرمائی ہیں۔ جن سے عوام کے عقول واذہان اور علوم وافہام چکرا جاتے ہیں۔ ہم چند ایک کا ذکر کرتے ہیں اور ساتھ ہی وصیت کرتا ہوں کہ انہیں صرف اپنے تک محدود رکھنا۔ یہ عوام میں بیان کرنے کی باتیں نہیں ہیں حضرت مولانا رمضان شرح عقائد میں لکھتے ہیں کہ دوزخ والے نجات سے ناامید نہیں ہوں گے یہاں تک کہ جب موت کو ذبح کرنے کے بعد اعلان ہوگا کہ اب دائمی طور بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں رہیں گے اُس کے بعد دوزخی جب دوزخ میں واپس لوٹیں گے تو اُن کو عذاب جہنم بجائے دکھ اور درد کے بجائے انہیں لذت پہنچائیگا۔ ایسی لذت کہ اگر انہیں نسیم جنت عنایت ہو تو بھی انکار کر دیں گے بلکہ الٹا انہیں یہی نسیم جنت عذاب محسوس ہوگی جیسے سیاہ بھنور کو گوبر کی بدبو خوشبو سے زیادہ معطر محسوس ہوتی ہے اگر اسے گلاب سونگھایا جائے تو اُس سے اُلٹا اسے تکلیف ہوتی ہے یہی تقریر حضرت الشیخ الاکبر والمسک الاذفر والکبریت الاحمر قدس سرہ سے بھی منقول ہے انہوں

نے فرمایا کہ جہنم دکھ اور درد سے خالی کر دی جائے گی اور اس کا عذاب عذب یعنی میٹھے پانی کی طرح ہوگا۔ اُن کے نزدیک عذاب کا مادہ (میٹھا پانی) ہے لیکن عوام کو اس سے وہم ہوکہ نہ کھانا چاہیئے کہ حضرت اکبر قدس سرہ اور دوسرے اکابر صوفیاء کرام اجماع اُمت کے خلاف ہو رہے ہیں۔ اسلئے کہ علماء ظاہر و باطن ہر دونوں متفق ہیں کہ جہنم کا عذاب دائمی ہے اور جہنم سے انقطاع ناممکن ہے۔

تطبیق از صاحب روح البیان صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ کامل قدس سرہ جن کو اللہ تعالیٰ نے کمالات دینی اور شرافت توصف سے نوازا ہے نے فرمایا شیخ اکبر و دیگر اکابر صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشادات میں کسی قسم کا تضاد نہیں اس لئے کہ دار جمال یعنی بہشت کے مکینوں پر جمال الٰہی کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں بلکہ وہ صرف انہی اثرات جمال سے ہمیشہ تلذذ پاتے ہیں۔ اگرچہ اس جمال میں جلال اور اس کا اثر بھی ہے لیکن غلبہ جمال سے جلال کے اثر کو نہ محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی اسے دیکھتے ہیں اور نہ ہی نہ جلال کے اثرات کا انہیں درد محسوس ہوتا ہے اس طرح جو دار جلال (جہنم) میں سکونت پذیر ہے تو اسمیں عرصہ دراز گذارنے پر جلال کے جمال کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ جس کا وہ ہمیشہ ذوق چکھتا ہے۔ جلال کے جمال کے اثر کے ظہور کے بعد نار الجلال کے آثار چھپ جاتے ہیں کہ پھر اسے محسوس نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے اُسے درد و الم پہنچتا ہے۔ لیکن جلال کے جمال کا اثر بڑے عرصہ دراز کے بعد نمودار ہوگا۔ یعنی اس وقت جب کہ نار جلال جہنمیوں کے بواطن و ظواہر کو جلا کر راکھ بنا دیگی اور اس کے لئے مدت مدید اور عرصہ بعید چاہیئے جسے احقاب سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حقبہ کی مدت آخرت کے پچاس ہزار سال کا ہے یہ اُن کے دنیا میں ایک دن کے شرک کی سزا ہے اسی طرح اس کی زندگی کے ایک ایک دن کے شرک کی سزا ایک ایک حقبہ ہوگا۔ جب اس کی زندگی کے تمام حقبات ختم ہونگے تب کہیں اس پر جلال کے جمال کا ظہور ہوگا۔ پھر جس طرح اُن کا ازل میں حالت اور کیفیت تھی ان حقبات کے انقطاع کے بعد وہی ازلی حالت و کیفیت نصیب ہوگی ازل و ابد درمیانی عرصہ اس کیلئے آزمائش کا دور ہے اور ظاہر ہے کہ یہ آزمائشیں کے حادث ہیں اور حوادث منقطع ہوتے ہیں اور آزمائشوں کے حادث ہونے کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ونبلوکم بالشر والخیر فتنہ و الینا ترجعون۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دار البوار سے بچائے۔ آمین۔ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ بے شک تیرا رب حکیم ہے وہ اپنے افعال کی حکمتوں کو خوب جانتا ہے منجملہ ان کے یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ اولیاء نے شیطان کو دائمی طور جہنم میں ڈالے گا۔ عَلِیْمٌ وہ ثقلین یعنی انس و جن اور اُن کے اعمال اور پھر اُن کے اعمال جزاء و سزا کو خوب جانتا ہے ۱۲۹ وَكَذٰلِكَ اور جیسے ہم نے جن و انس کو رُسوا کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے ایک دوسرے سے نفع پایا۔ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا۔ ہم ظالمین کے بعض کو بعض پر مسلط کرتے ہیں یعنی ظالم کی ظالم سے پٹائی

کراتے ہیں۔ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ بسبب اس کے وہ اپنے اعمال کفر و معاصی پر مداومت کرتے ہیں۔

مسئلہ: مروی ہے کہ جو ظالم کی مدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس مدد کرنے والے پر بھی کسی ظالم کو مسلط کر دیتا ہے۔

ظالم حاکم شامتِ اعمال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کیلئے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُن پر اچھے حاکم مقرر فرماتا ہے اور جب کسی قوم سے برائی کا ارادہ کرتا ہے تو ان پر ظالم حاکم مسلط کرتا ہے۔

(۲) سابقہ کتب سماویہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بادشاہوں کے قلوب میرے قبضۂ قدرت میں ہیں جو قوم میری اطاعت کرتی ہے میں بادشاہوں کو اُن کے لئے رحمت بنا دیتا ہوں اور جو قوم میری بے فرمانی کرتی ہے میں اس پر اُن کے حاکموں کا عذاب بنا دیتا ہوں جو اُن کے اعمال کی انہیں سزا دیتے ہیں۔ فلہٰذا اے اللہ کے بندو! اپنے نفسوں کو بادشاہوں کا مشغلہ نہ بناؤ بلکہ توبہ کرو تاکہ میں تمہارے حال پر رحم فرماؤں۔

(۳) حدیث شریف میں ہے کہ ظالم انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔ وہ لوگوں سے اُن کے گناہوں کا بدلہ لیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس سے اُس کے ظلم کا بدلہ لے گا۔

(۴) مرفوع حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے مبغوض بندے سے مبغوض بندے کے ذریعے بدلہ لیتا ہوں پھر ہر دونوں کو جہنم میں بھیجوں گا۔

(۵) زبور میں ہے کہ میں منافقوں سے منافقین کے ذریعے بدلہ لیتا ہوں پھر ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ بدلہ لوں گا۔

سوال: اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کیوں حالانکہ اس سے عدل ہی عدل ہوتا ہے؟

جواب: یہاں پر عدل سے فضل کے بالمقابل مُراد ہے اور عدل کا حقیقی معنی یہ ہے کہ ہر فاعل سے اس کے فعل کا معاملہ کیا جائے۔ اگر اس کا فعل اچھا ہے تو اُسے نیک جزا دی جائے۔ اگر اس کا فعل بُرا ہے تو اُسے سزا دی جائے اور فضل یہ ہے کہ بُرے کو معاف کر دیا جائے۔ یہ اہل سنت کا عقیدہ ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ بُرے کو سزا دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے وہ اسے عدل کہتے ہیں۔ اس بنا پر وہ اپنا نام اہل عدل رکھتے ہیں۔ اہل سنت کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ قال تعالیٰ، وقل رب احکم بالحق" یعنی ظالم کو مہلت نہ دی جائے اور نہ ہی اس سے تجاوز کیا جائے۔ بلکہ اس کی سزا میں جلدی کرنا چاہیے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس کے لئے مہلت دینا یا تجاوز کرنا چاہے تو وہ مالک ہے اور جسے جو چاہے عطا کرے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے۔ اس سے کسی کو سوال کرنے کا حق نہیں۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ للامام السخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ) مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ چونکہ بد کردی بترس ایمن مباش
زانکہ تخمست و برویاند خداش

۲ چند گاہے او بپوشاند کہ تا
آیدت زاں بد پشیمان و حیا

۳ بارہا پوشد پئے اظہار فضل
باز گیرد از پئے اظہار عدل

۴ تاکہ ایں ہر دو صفت ظاہر شود
آں مبشر گردد ایں منذر شود

ترجمہ ۱۔ جب تجھ سے برائی سرزد ہوئی بے خوف نہ ہو اس لئے کہ یہ بیج ہے جو اسے اللہ تعالیٰ اُگائیگا
۲۔ بہت بار تیرے عیب ڈھانپتا ہے تاکہ تجھے پشیمانی اور حیا آئے۔
۳۔ فضل و کرم کے پیش نظر تیرے عیب چھپاتا ہے پھر گرفت کرتا ہے تو وہ اس کا عدل ہے
۴۔ تاکہ اسکی یہ دونوں صفتیں ظاہر ہوں ایک صفت مبشر ہے دوسری منذر ہے۔

تفسیر صوفیانہ ظالم مطلقاً اپنی روحانی فطری استعداد کو ضائع کرتا ہے جو فیض ربانی کے قابل تھی یہی وجہ ہے کہ ظالم پر کلام حق کا اثر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب ریاست کو قدرت و غلبہ زائد دیا جاتا ہے۔

حدیث شریف ۔ میں ہے کہ قیامت کے علامات میں سے ہے کہ لوگ نمازیں ضائع کردیں گے۔ اور شہوات کے تابع ہو جائیں گے۔ اس وقت کے امیر خائن ہوں گے اور وزیر فاسق۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ چونک پڑے اور عرض کی کیا ایسے لوگ پیدا ہوں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہاں اے سلمان ضرور ایسے ہو گا اس وقت مومن ذلیل ترین انسان سمجھے جائیں گے وہ لوگوں کے سامنے چلے گا تو اسے خوف ہوگا کہ اگر کوئی بات کرے تو اُسے کچا کھا جائیں گے۔ اگر چپ رہتا ہے تو غصہ سے مرے گا (کذا فی روح الاخبار) حضرت شیخ سعدی نے فرمایا ؎

۱۔ خبر داری از خسروان عجم
کہ کردند زیر دستاں ستم

۲۔ نہ آں شوکت و پادشاہی بماند
نہ آں ظلم بر روستائی بماند

(باقی ص ۶۸۹ پر)

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ

اے جنوں اور آدمیوں کے گروہ کیا تمہارے پاس تم میں کے

مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا ؕ قَالُوْا

رسول نہ آئے تھے تم پر میری آیتیں پڑھتے اور تمہیں یہ دن دیکھنے سے ڈراتے کہیں گے

شَهِدْنَا عَلٰۤی اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَشَهِدُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ

ہم نے اپنی جانوں پر گواہی دی اور انہیں دنیا کی زندگی نے فریب دیا اور خود اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ وہ

کَانُوْا کٰفِرِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِکَ اَنْ لَّمْ یَکُنْ رَّبُّکَ مُهْلِکَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا

کافر تھے یہ اس لیے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا کہ ان کے لوگ

غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

بے خبر ہوں اور ہر ایک کے لیے ان کے کاموں سے درجے ہیں اور تیرا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں

وَرَبُّکَ الْغَنِیُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْکُمْ وَیَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِکُمْ مَّا

اور اے محبوب تمہارا رب بے پروا ہے رحمت والا اے لوگو وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور جسے چاہے تمہاری جگہ لائے

یَشَآءُ کَمَاۤ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ ذُرِّیَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَاۤ

جیسے تمہیں اوروں کی اولاد سے پیدا کیا بے شک جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے

اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ

ضرور آنے والی ہے اور تم تھکا نہیں سکتے تم فرماؤ اے میری قوم تم اپنی جگہ پر کام کیے جاؤ میں اپنا کام کرتا ہوں تو اب جاننا

تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَکُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا

چاہتے ہو کس کا رہتا ہے آخرت کا گھر بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے اور اللہ نے

لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا ھٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَھٰذَا

جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ان میں اسے ایک حصہ دار ٹھہرایا تو بولے یہ اللہ کا ہے ان کے خیال میں اور یہ

لِشُرَکَآئِنَا ۚ فَمَا کَانَ لِشُرَکَآئِهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَی اللّٰهِ ۚ وَمَا کَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ

ہمارے شریکوں کا تو وہ جو ان کے شریکوں کا ہے وہ تو خدا کو نہیں پہنچتا اور جو خدا کا ہے وہ ان

یَصِلُ اِلٰی شُرَکَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَکَذٰلِکَ زَیَّنَ لِکَثِیْرٍ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ

کے شریکوں کو پہنچتا ہے کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں اور یوں ہی بہت مشرکوں کی نگاہ میں ان کے شریکوں

قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَکَآؤُهُمْ لِیُرْدُوْهُمْ وَلِیَلْبِسُوْا عَلَیْهِمْ دِیْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

نے اولاد کا قتل بھلا کر دکھایا ہے کہ انہیں ہلاک کریں اور ان کا دین ان پر مشتبہ کردیں اور اللہ چاہتا تو ایسا نہ

مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا

کرتے تو تم انہیں چھوڑ دو وہ ہیں اور اُن کے افترا۔ اور بولے یہ مویشی اور کھیتی روکی ہوئی ہے اسے

يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ

وہی کھائے جسے ہم چاہیں اپنے جھوٹے خیال سے اور کچھ مویشی ہیں جن پر چڑھنا حرام ٹھہرایا اور کچھ مویشی کے ذبح پر اللہ

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۚ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا فِيْ

کا نام نہیں لیتے یہ سب اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے عنقریب وہ انہیں بدلہ دے گا اُن کے افتراؤں کا اور بولے جو ان

بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً

مویشی کے پیٹ میں ہے وہ نرا ہمارے مردوں کا ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور مرا ہوا نکلے تو وہ

فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۚ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۚ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ

سب اس میں شریک ہیں قریب ہے کہ اللہ انہیں ان کی ان باتوں کا بدلہ دے گا بیشک وہ حکمت و علم والا ہے بیشک تباہ ہوئے

قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۚ

وہ جو اپنی اولاد کو قتل کرتے ہیں احمقانہ جہالت سے اور حرام ٹھہراتے ہیں وہ جو اللہ نے انہیں روزی دی اللہ پر جھوٹ باندھنے کو

قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝

بیشک وہ بہکے اور راہ نہ پائی

بقیہ صفحہ [illegible]

۳۔ مکن تا توانی دل خلق ریش
وگر میکنی میکنی بیخ خویش

ترجمہ: ۱۔ تمہیں معلوم ہے کہ شاہان عجم نے رعایا (عاجزوں) پر ظلم کیا۔

۲۔ پھر نہ شاہی رہی نہ شوکت نہ وہ عاجزوں پر ظلم

۳۔ حتی الامکان مخلوق کا دل زخمی نہ کر۔ اگر کرتا ہے تو اپنی جڑ اکھیڑتا ہے۔

لے اللہ ہمیں ظلم و فساد سے محفوظ رکھ۔ اسلئے کہ تو حافظ العباد والبلاد ہے۔

تفسیر عالمانہ

١٣٠ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ قیامت میں ثقلین یعنی جن اور انسانوں سے فرمائے گا کیا تمہارے ہر دونوں گروہوں کے ہاں سے معین رسول (علیہ السلام) رُسُلٌ مِّنْكُمْ یہ رسول ہی نہیں آیا۔ رُسُل اللہ تعالیٰ کی طرف صفت ہے یعنی جو تمہارے جنسوں سے تھے۔

مسئلہ: بالاتفاق انسان اور جن ہر دونوں احکام الٰہیہ کے مکلف ہیں۔ صرف اس میں احتمال یہ ہے کہ ان دونوں کی طرف جتنے رسول تشریف لائے اُن کے ہمجنس یا ہمجنس پرواز اور ہمجنس سے استفادہ اور اخذ فیض لینا موزوں تر ہوتا ہے نیز جنات کے لئے یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے لئے رسل ان کی غیر جنس سے تشریف لائے مثلاً جنات کے رسول بشر ہوں۔ اس میں کسی قسم کا اشکال بھی نہیں کہ جنات بشر سے استفادہ کریں کہ اُن کے خواص اُن سے استفادہ کریں کہ اُن کے خواص اُن سے استفادہ کر کے اپنے عوام تک پیغامات پہنچائیں۔ جیسے خواص بشر ملائکہ کرام سے استفادہ کرتے ہیں۔

مسئلہ: اس پر امت کا اجماع ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ثقلین یعنی جن و انسانوں کے رسول ہیں آپ نے ہر دونوں گروہوں کو ایمان باللہ و بالیوم الآخر کی دعوت دی۔

مسئلہ: سابقہ پیغمبران عظام علیٰ نبینا و علیہم السلام صرف انسانوں کے نبی تھے۔

سوال: سلیمان علیہ السلام کی جنات پر بھی حکومت تھی تو کیا وہ نبی نہیں تھے۔

جواب: وہ جنات پر حکومت کرتے تھے لیکن اُن کی اُن پر صرف سلطنت و حکومت و سیاست عامہ تھی

جنات کی نبوت کی تحقیق

رُسُلٌ مِّنْكُمْ کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات میں بھی رسول اور پیغمبر ہوں یہی ضحاک اور اس کے تابعین کا مذہب ہے اُن کی دلیل یہ ہے کہ جب آیت میں عموم ہے تو پھر اس کے ظاہری معنی سے عدول نامناسب ہے جب کہ ظاہری معنی

پیلنے میں شرعاً قباحت بھی نہیں ۔

ضحاک نے اپنی دلیل کی تائید سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دل سے پیش کی ۔
انہوں نے ومن الارض مثلہن الخ کی تفسیر میں فرمایا کہ

فی کل ارض نبی مثل نبیکم و آدم کآدمکم و نوح کنوح و ابراھیم کابراھیم و عیسیٰ کعیسیٰ

(اس حدیث کو آکام المرجان میں صحیح بتایا ہے اور ابن عباس سے کیسے خلاف کیا جا سکتا ہے جب کہ
ابن سلطان المفسرین ہیں اور سخاوی کا قول غیر معتبر ہے جب کہ انہوں نے کہا کہ یہ حدیث ابن عباس منقاسرائیلیات سے
کی ہے نیز ضحاک نے اپنی تائید اس قول سے بتائی ہے جو کہ مشہور ہے کہ ہر آسمان میں اس کعبہ کے بالمقابل کعبہ ہے
جسے اس آسمان کے مکین اس کا طواف وغیرہ کرتے ہیں ۔ اسی طرح ہر زمین میں اس کعبہ کے بالمقابل کعبہ ہے جسے
اس کے مکین اس کا طواف وغیرہ کرتے ہیں ۔) بات وہی مناسب ہے جو حضرت الشیخ الشہیر باستادہ آفندی
قدس سرہ فرما گئے ۔ انہیں حضرت الہدائی کا خطاب بھی ملا اور عالم دنیا میں ہر ایک کے مجدد اور استادہ کے نام سے
مشہور ہیں وہ یہی کہ جنات میں کوئی نبی نہیں (ھذا ہو الحق) اس دوسرے معنی پر امت کا اجماع ہے ۔

مسئلہ : اس سے بشر کی جنوں پر فضیلت ثابت ہوئی اس لئے کہ انبیاء بشروں سے تشریف لائے اور
چونکہ جنات بھی احکام میں بشروں کے شریک ہیں اس لئے انہیں ان کے ساتھ خطاب کیا گیا اور ایسا عرب میں عام ہے
اسی کا نظیر قرآن مجید میں ہے قال تعالیٰ " یخرج منہما اللؤلؤ والمرجان " ہما کی ضمیر سے ظاہر ہے کہ مرجان ملح
اور ملیح ، دریا مراد ہوں ۔

ف : بعض مفسرین نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ لفظ " رسل " عام ہے وہ حقیقی رسول پر مشتمل
ہوتا ہے اور رسول کے رسول پر بھی اور

حدیث شریف میں ہے کہ جنات کی ایک جماعت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے
قرآن سنا اور پھر واپس جا کر اپنی برادری کو احکام الٰہیہ کی تلقین کی ۔ یہ تحقیق فقیر نے پیش کی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اسے
قبول فرمائے ۔ (وہو یقول الحق ویہدی الی الصواب)

یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ پڑھتے تھے تمہارے سامنے میری کتابیں **وَیُنْذِرُوْنَكُمْ
لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا** اور میری ملاقات کے اس دن یعنی قیامت کے دن سے تمہیں ڈراتے تھے ۔
قَالُوْا وہ اس شدید توبیخ کو سن کر جواباً عرض کریں گے ۔ **شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا** ۔ ہم اپنے نفسوں
پر شاہد ہیں کہ ہمیں تیرے احکام پہنچے اب وہ اپنے کفر اور عذاب کے مستحق ہونے کا اعتراف کریں گے وَشَهِدُوْا

یہ بعثُ وَ اشتریتُ کی طرح جملہ انشائیہ ہے۔ لفظ ماضی سے شہادت کا متقدم ہونا ضروری نہیں۔
وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اور انہیں حیوٰۃ دنیا نے دھوکہ دیا اس لئے ایمان نہ لاسکے
وَشَهِدُوا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ۔ اور آخرت میں اپنے نفسوں پر گواہی دیں گے۔ اَنَّهُمْ كَانُوا بے شک
وہ دنیا میں تھے کٰفِرِيْنَ اللہ تعالیٰ کے احکامات وآیات جنہیں رسل کرام لائے تھے اُن سے کفر کرنے والے
تھے۔ یہ اُن کے غلط نظریات کی تردید ہے اور واضح کرتا ہے کہ اُن کی رائے سراسر غلط تھی۔ اس لئے کہ وہ
حیوٰۃ دنیویہ اور لذات نفسانیہ سے دھوکہ کھا بیٹھے اور آخرت سے روگردانی کرلی بالآخر انجام وہی نکلا کہ وہ
خود بخود معترف ہوگئے کہ کفر بھی کیا اب وہ دائمی عذاب کے مستحق بھی ہیں۔ اس میں سامعین کو اُن کا حال
سنا کر انہیں ڈرانا مقصود ہے۔ [۱۳۱] ذٰلِكَ یہ رسل کرام کا بھیجنا۔ اَنْ یہاں لام مقدر اور اَن مخففہ من المثقلہ ہے در اصل
لانہ تھا یعنی اس لئے کہ لَمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ تیرا رب بستیوں کو ان کے ظلم کے سبب سے تباہ نہیں
کرتا۔ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ اور ان کے اہل بے خبر ہوں کہ اُن کے ہاں کوئی پیغمبر علیہ السلام نہ بھیجے کہ انہیں احکامات
الٰہیہ بیان کرے۔
فائدہ: بغوی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ کسی کو غلطی کے بغیر سزا نہیں دیتا اور بندہ اس وقت غلط کار سمجھا
جاتا ہے جب اُسے کسی کام کا حکم دیا جائے اور وہ نہ کرے اور کسی فعل سے روکا جائے تو وہ اسی کا ارتکاب کرے
اور یہ اس وقت ممکن ہے کہ پیغمبران عظام تشریف لائیں اور احکامات الٰہیہ سنائیں (تفسیر غاری) میں ہے کہ
استفعال: ہیچ قوم نباشد الا بعد از تقدم وعید و اگر نہ ایشاں را برحق حجت باشد کہ لالو ارسلت الینا رسولا
فنتبع آیاتک۔ کسی قوم کی بیخ کنی نہیں ہوتی جب تک اسے پہلے وعید نہ سنائی جائے ورنہ قیامت میں اللہ تعالیٰ
کے ہاں حجت پیش کریں گے کہ اگر ہمارے ہاں رسول تشریف لاتے تو ہم ضرور تیرے آیات کی تابعداری کرتے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بچپن میں حظ حیوانی سے استعداد روحانی نہیں ہوتی۔ ہاں جب بالغ
ہوتا ہے تو اس وقت اس میں دونوں استعدادیں ہوتی ہیں (۱) فیض عقل (۲) فیض الہام حق۔
بلوغت کے بعد جو بندہ الہام حق کی مخالفت کرکے خواہشات نفسانیہ کی اتباع کرتا ہے تو اس کی فیض الٰہی سے قبول کرنے
کی حسن استعداد فنا ہو جاتی ہے۔ کما قال " وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور حدیث شریف میں ہے
کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب نہیں دیتا جب تک اُن میں رسول علیہ السلام نہ بھیجے اور جب لوگ اپنے رسول علیہ السلام
کی مخالفت کرتے ہیں تو پھر عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے جیسے شریعت نے یوں بیان فرمایا کہ انسان قبل بلوغ اوامر
و نواہی کا مکلف نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ وہ وقت ہے کہ اُن میں اگر ماموراتِ کا پابند ہوگا تو اُس کی روحانیت
کو ترقی ہوگی۔ اگر منہیات پر عمل کرے گا تو تنزل ہوگا۔

دریں زمانہ مگر جبرئیل امین باشد

اس وقت شاید صرف جبریل علیہ السلام ہی امین ہوں۔

اور اگر بادشاہ خود بھیڑیا ہو جائے تو پھر بکریوں کی رکھوالی کون کرے گا ۔

بادشاہے کہ طرح ظلم افگند
پائے دیوار ملک خویش بکند

نکند جور پیشہ سلطانی
کہ نیاید ز گرگ چوپانی

ترجمہ (۱) وہ بادشاہ جو ظلم کا طریقہ جاری کرے اپنے ملک کی جڑ خود کاٹتا ہے

(۲) کسی بادشاہ کو ظلم کا طریقہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ بھیڑیئے سے نگرانی نہیں ہوگی۔

فائدہ: مخفی نہ رہے کہ ملک و ملت کو تباہ کرنے والے علماء سُوٗ اور زاہد دنیا پرست اور غازی (ریاکار) اور تاجر خائن اور بادشاہ ظالم ہیں۔ عنقریب ظلم کرنے والے جان لیں گے کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

فائدہ: بفضلہ تعالیٰ احکام الٰہیہ زمین کے چپہ چپہ پر پہنچے از آدم علیہ السلام تا ایں دم ہر شاہد نے غائب کو پہنچائے اور ایک کے حق کی آواز پہنچی اسے ہر امیر وزیر نے کیا ہر غریب۔ اچھے اور بُرے نے سُنا۔ کسی کے ہاں کوئی ایسا عذر نہیں ہوگا جسے کل قیامت میں پیش کر سکے اور کوئی مجرم اپنی بچاؤ کی خاطر قہار جبار رب کے سامنے معذرت کرے ہر جاہل اور عاقل کو سب سے پہلے تنبیہہ کی جاتی ہے ملکوں کی تباہی اور خطاؤں کے اصول و فروع کا ظہور انسان کی غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

سبق ان امور کے صدور کے وقت انسان اپنے آپ کو ملامت کرے اور یہ امور اس وقت صادر ہوتے ہیں جب اُسے ذاتِ حق سے دوری ہو جاتی ہے ورنہ اُس نے تو انسان کے لئے ہر طرح کا برہان اور حجت قائم فرمائی اور سالکین راہ کے لئے ہر قسم کے دلائل واضح فرمائے۔ چنانچہ فرمایا "فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ" اس سے سالک کو غور کرنا چاہیے کہ اس کا انجام کار کیا ہوگا۔ اُسے چاہیے کہ ہر غلطی سے دور رہ کر تکالیف سے بچے اور غضب الٰہی سے نجات پائے۔ سب سے پہلے اپنے نفس پر نگرانی رکھے ورنہ پھر نفس اُسے ایسے گڑھے میں پھنسائے گا کہ جس سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔

۱۳۲ **وَلِكُلٍّ** اور ہر ایک مکلفین کے لئے یعنی وہ جنات ہوں یا انسان مومن ہوں یا کافر **دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا** مراتب ملیں گے۔ ان کے اعمالِ صالحہ یا سیئہ کی وجہ سے نیکوں کو بہشت کے درجات نصیب ہوں گے جو ایک دوسرے سے بلند و بالا ہیں اور مشرکوں کو جہنم میں درکات نصیب ہوں گے جو ایک دوسرے سے عذاب میں سخت تر ہیں

فائدہ: درجات کو مراتب سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ درجات کی اکثر استعمال خیر اور ثواب میں ہوتی ہے اور کفار کے لئے اس لئے خیر و ثواب نہیں اور آیت میں ہر دونوں مراد ہیں۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ اور تیرا رب اُن کے اعمال سے غافل نہیں کہ اُس پہ اُن کے اعمال مخفی ہوں نیکی ہو یا برائی اس سے مقصد یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے عمل پہ جزا و سزا دے گا۔[۱۳۳] **وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ** اور تیرا رب بندوں اور اُن کی عبادت سے بے نیاز ہے۔

فائدہ: غنی وہ ہے جس کے لئے کسی شے کا محتاج ہونا برابر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ غیر غنی ہو سکتا ہی نہیں ہاں اُسے غنی کہنا جائز ہے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے ہاں ضرورت پیش نہ کرے۔ اس لئے کہ غیر اللہ کو اُلٹی خود ضرور ہوتی ہے کیوں کہ وہ وجود و عدم میں غنی حقیقی کا محتاج ہے **ذُو الرَّحْمَةِ** صاحبِ رحمت ہے اور انہیں احکام کا مکلف بنا کر اُن پہ رحم فرماتا ہے بندوں کو مکلف بنانے میں اُن کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور مجرموں کو گناہوں کی سزا میں مہلت دیتا ہے یہ بھی اس کا رحم ہے۔

تفسیر صوفیانہ یعنی اللہ تعالیٰ کو باوجودیکہ مخلوق کی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی اُن پہ رحم فرماتا ہے اور انہیں اس لئے نہیں پیدا فرمایا کہ اُن سے کچھ نفع کمائے بلکہ اس لئے پیدا فرمایا کہ وہ اس سے نفع پائیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

۱۔ چوں نفستت الخلق کے یہ بُرج علیٰ
لطف تو فرمود اے قیوم و حیّ

۲۔ لا لان اربح علیہم جود تست
کہ شود زو جملہ ناقصہا درست

۳۔ عفو کن ایں بندگانِ تن پرست
عفو اے دریائے عفو اُولٰے ترست

۴۔ عفو خلقاں ہمچو جُو و ہمچو سَیل
ہم بداں دریائے خود تازند خیل

ترجمہ ۱۔ میں نے مخلوق پیدا کی تاکہ مجھ سے نفع پائے ہی لطف کیا ہے اسے حیّ و قیوم

۲۔ یہ نہیں کہ میں ان سے نفع پاؤں اے اللہ تیرا جود و سخا ہے کہ اسی سے تمام ناقص درست ہونگے

۳۔ تن پرست بندوں کو معاف فرما۔ دریائے عفو سے معافی ہی بہتر ہے۔

۴۔ مخلوق کو معاف کرنا نہر اور سیلاب کی طرح ہے تاکہ وہ اپنے دریا میں ہی لشکر لے جائے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اے عاصیو : تم سب کو اگر چاہے تو لے جائے یعنی ہلاک و تباہ اور برباد کر ڈالے وَيَسْتَخْلِفْ فارسی میں ہے خلیفہ و جانشین شما سازد ۔ تمہارے خلیفے اور جانشین بنا دے ۔ مِنْۢ بَعْدِكُمْ تمہارے چلے جانے اور تباہ و برباد کرنے کے بعد مَا يَشَآءُ وہ جو چاہے یعنی دوسری ایسی مخلوق پیدا کرے جو نسبت تمہارے اللہ تعالیٰ کی زیادہ مطیع ہو۔

سوال : یہاں پر مَا کے بجائے مَنْ یشاء ہونا زیادہ موزوں ہے۔

جواب : اللہ تعالیٰ کی کمال کبریائی کا اظہار یونہی موزوں تر ہے کہ ان باغیوں بے فرمانوں اور منکروں کو ذوالعقول کے درجہ سے بھی ساقط کر کے اُن سے خطاب فرمایا ہے۔ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ؕ جیسے تمہیں ایسی قوم سے پیدا فرمایا جو تمہاری طرح نہ تھی۔ اس سے نوح علیہ السلام کی کشتی والے مراد ہیں۔ اُن سے تمہارے اُوپر رحم فرماتے ہوئے تمہیں بچا لیا۔ تفسیر فارسی میں ہے۔ ہمچنانکہ شمارا پیدا کرد از ذریۃ قومے دیگر کہ پدراں شما بود۔ جیسے تمہیں دوسری قوم سے پیدا فرمایا جو تمہارے آباء و اجداد۔

۱۳۴ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ بے شک وہ جو تم وعدہ کئے جاتے ہو۔ یعنی قیامت میں اٹھنے اور وہاں میں عذاب کے متعلق لَاٰتٍ ضرور واقع ہوگا۔ اس میں کسی قسم کا خلاف نہیں۔ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ اور تم عاجز کرنے والے نہیں یعنی اس سے کسی صورت میں تم بچ نہیں سکتے اگرچہ کتنا ہی جدوجہد کر کے دُور بھاگو۔

۱۳۵ قُلْ اے پیارے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ سے فرمائیے۔ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اے میری قوم تم اپنی قوت پر قائم رہو۔ اَلْمَكَانَةُ تَمَكُّنٌ دوقوت و اقتدار مراد ہے یعنی تم طاقت و قوت کو آزما لو اور جتنی جد و جہد ہو سکتی ہے کر لو اور اپنے کفر و عداوت پر ڈٹے رہو۔ اِنِّىْ عَامِلٌ بے شک میں بھی عمل کرتا ہوں یعنی صبر کر کے اور ثابت قدم رہتا ہوا۔ عمل صالح پر مداومت کرتا ہوں۔

فائدہ : یہ تہدیدی امر اور استعارہ کے قبیل سے ہے۔ تہدید جلیلہ یعنی کفار کے شر کو مامور بہ سے تشبیہ دی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ وہ ہو کر رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اِعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ الخ اس کے مطابق عمل کرو جو تمہاری جبلی عادت ہے چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا، قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ مَنْ یہ من استفہامیہ یا موصولہ ہے۔ یعنی عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کیلئے تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ عاقبت محمودہ ہوتی ہے یعنی دار جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے وہ کسے نصیب ہوتی ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم معلوم کر لو گے کہ کس کے لئے نیک انجام ہوتا ہے۔ اس تقریر پر دار سے دنیا اور عاقبت سے عاقبت اصلیہ مراد ہوگی جسے عاقبت بالخیر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عاقبۃ السوء فجار کے انجام کا نام ہے۔ اِنَّهٗ بے شک شان

ہے کہ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ ظالمین کو ۔ اس سے کفار مراد ہیں ۔ یعنی کفار اپنی مراد کے حصول میں کامیاب نہیں ہوں گے ۔ فارسی میں اس کا ترجمہ ہوگا ۔ کہ پیروزی و رستگاری نیابند ۔ ستمگاراں ۔ یعنی کفار چھٹکارا نہیں پائیں گے ۔

فائدہ : صاحب کشف الاسرار فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت میں تمہیں معلوم ہوگا کہ دنیا کدھر گئی اور آج فلاح کسے نصیب ہوئی ہے ۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ ضعیفوں کمزوروں درویشوں کو کرامت و شرافت نصیب ہوگی ۔ انہیں بہشت کے بنگلوں میں نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ لے جائیں گے اور دنیادار سرکشوں کو ذلت و خواری کے ساتھ جہنم کو لے جائیں گے ۔ پھر انکی ندامت دیکھنی ہوگی ۔

۱ ۔ باش تا کل بینی آنہا را کہ امروز ند جزو
باش تا گل یابی آنہا کہ امروز ند خار

۲ ۔ تاکہ از دار الغروری ساختن دار السرور
تاکہ دار الغروری ساختن دار القرار

ترجمہ : ۱ ۔ اچھا ہے تا کہ کل دیکھو گے جو آج لوگ جزو ہیں ۔ اچھا ہو تا کہ کل دیکھو گے انہیں جو آج خار ہیں ۔
۲ ۔ دار الغروری میں دار السرور کیسی اور دار الغروری میں دار القرار کیسی ۔

فائدہ : فلاح اور کامیابی صرف علم و عمل اور ترک دنیا اور عاجزی و انکساری میں ہے ۔

حکایت : بعض بزرگوں سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک درویش تشریف لایا اور ہمارے گھر کو مال و متاع سے خالی پاکر کہا کہ تمہارے ہاں کوئی شے نہیں ہے ۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سب کچھ ہے اس نے کہا وہ کیا ہے ۔ میں نے کہا ہمیں اللہ تعالیٰ نے دو بنگلے عطا فرمائے ہیں ۔ ایک کا نام دار الامن ہے دوسرے کا دار الخوف ہمیں جو کچھ اللہ تعالیٰ کا عطا ہوتا ہے اسے ہم دار الامن میں جمع کر دیتے ہیں ۔ یعنی آخرت کے لئے اس درویش نے کہا اس دنیا کے ضروریات کے لئے بھی تو کچھ ہونا چاہیے ۔ میں نے کہا گھر والا ہمیں اس میں کچھ رکھنے نہیں دیتا ۔ چونکہ یہ گھر عاریت کے طور پر ملے ہیں اس لئے یہاں ہم کچھ رکھ نہیں سکتے ۔ کیوں کہ عاریت کا مکان دوسرے کا ہوتا ہے ۔ اب اس کی مرضی جب چاہے سنبھال لے ۔ اس لئے ہم تو صرف دار الآخرۃ میں اپنا سب کچھ جمع کرا دیتے ہیں ۔ اور بفضلہ تعالیٰ شب و روز اللہ تعالیٰ کے لئے نیکیوں میں مصروف اور ہر گھڑی اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں ۔

حکایت : ایک نوجوان رات دن عبادت میں لگا رہتا تھا ۔ اس سے وجہ پوچھی گئی اُس نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے جنت میں لایا گیا ۔ اس میں میں نے ایک بنگلہ دیکھا جو سونے و چاندی سے تیار کیا گیا ہے اور اس کے بالاخانہ میں بھی سونے کے ہیں اور ہر بالاخانے پر ایک ایک حور بیٹھی ہیں اور ایسی حسین

وجمیل ہیں کہ عالم دنیا میں ان جیسی کی نظیر ملنا مشکل ہے اور وہ اپنی زلفیں لٹکائے بیٹھی تھیں اُن میں سے ایک نے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا۔ مَا تبسم سے تمام بہشت منور ہو گئی، اس نے مجھے کہا، اے نوجوان اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جتنا ہو سکے جد وجہد فرمائیے تاکہ تیرے رہنے کے بعد میں تجھے ملوں اور تیری ہو جاؤں اور تو میرا۔ اس کے بعد میں جاگ اٹھا اور اس وقت سے لمحہ بھر بھی مجھے قرار نہیں۔

سبق جو ایک حور دیکھنے سے یہ کیفیت ہو گئی۔ اگر حور کے مالک خالق کی خاطر عبادت کرے تو اس کی کیا شان ہو گی ؎

فدائے دوست نکردیم عمرو مال دریغ
کہ کار عشق زما ایں قدر نمی آید

ترجمہ: ہم نے دوست پر عمرو مال قربان نہ کیا افسوس ہے کہ عشق کے بارہ میں ہم سے یہ بھی نہ ہوا۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جد وجہد سے انجام بخیر ہوتا ہے اور وہی صلہ وقربت کا سبب بنتی ہے جس کا اثر آخرت میں ظاہر ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ جن ظالموں نے گناہ کر کے اپنی استعداد کو ضائع کر دیا تو وہ اس جیسی سعادت سے نہیں نوازے جائیں گے بلکہ انہیں دارالبوار جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا دنیا میں انہیں بہت خسارہ نصیب اگرچہ زندگی بہت شان وشوکت کے ساتھ بسر کرتے رہے لیکن کیا حاصل جب کہ باطل ابھرتا ہے تو فوراً مٹ جاتا ہے دنیا میں دنیا والوں کے دنیا و دولت کا ہونا ان کے تنزل کی علامت ہے اور نجات ایمان کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے اور جو شخص ایمان وقوت یقین کے قلعہ میں آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ جتنا چاہتا ہے تو وہ بلند درجات کی طرف ترقی کرتا ہے اگرچہ قلعہ کے باہر کتا شیطان بھونکتا رہتا ہے تو اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

حدیث شریف میں ہے جددوا ایمانکم ایمان کی تجدید کرو۔ اس سے ایک رتبہ سے دوسرے مرتبہ کی ترقی کرنا مراد ہے۔ ورنہ ایمان کی تکمیل کا کیا معنی وہ پہلی بار مکمل ہو گیا۔ لیکن مراتب کے لحاظ سے اس کے اشارہ مرتبے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جسے نصیب ہو جائیں۔

فائدہ: یاد رہے کہ ہر شخص کی توحید کا مرتبہ اس کے یقین کے مطابق ہوتا ہے اور وہ کبھی ملک وجود میں یقین کے مطابق ہوتی اور کبھی نہیں بھی ہوتی۔ جو لوگ اپنے دعویٰ کا اظہار کرتے ہیں تو ان کی توحید صرف ملک وجود میں ہوتی اگر اس سے تجاوز کرتا ہے تو اس سے ندامت اٹھاتا ہے اور مراتب سے گر جاتا ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ دین کے امور میں تکاہل و تساہل سے کام نہ لے بلکہ حصول یقین کے لئے جد وجہد کرے اس لئے کہ جدوجہد اس کے حصول کا بہترین ذریعہ بلکہ اس کی تکمیل کے لئے نہایت اعلیٰ وسیلہ ہے اگر حقیقی طور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے بندے کی تکمیل کرنے والا ہے اور تمام امور میں اس کی تاثیر کو دخل

اے اللہ! ہم سب کو توحید حقانی عطا فرما اور بیان حیاتی کا شرف بخش اس لئے کہ تو غنی ہے اور ہم فقراء۔

تفسیر عالمانہ ۱۳۶ وَجَعَلُوا اور مشرکین عرب نے کیا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ اللہ تعالیٰ کے لئے اسمیں جو اس نے پیدا کیا مِنَ الْحَرْثِ کھیتی سے۔ لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے یہ صرف ان کا اپنا دعویٰ تھا انہیں اللہ تعالیٰ سے کوئی حکم نہیں۔ فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا اور یہ ہمارے بتوں کے لئے ہے یعنی اُن کے معبود جنہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھ رکھا تھا اپنے اموال اور تجارتی امور اور کھیتوں اور جانوروں میں انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ یہ شرکت سے مشتق ہے نہ کہ شرک سے اور اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔

فائدہ: مروی ہے کہ کھیتوں اور جانوروں کے بچوں سے کچھ اللہ تعالیٰ کے مخصوص کرکے مہمانوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے ہیں اور اُن میں سے کچھ حصہ اپنے معبودوں کے لئے مقرر کرکے اُن کے خدام پر خرچ کرتے بلکہ وہ جانور اُن کے تھانوں پر ذبح کرتے اور کبھی یوں بھی کر دیتے کہ جو شے اللہ تعالیٰ کیلئے نامزد ہوتی اور وہ بتوں کے لئے مقررکردہ سے بہتر ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی نامزد شئے کو بتوں کے لئے مقرر کر دیتے اور ردی شے اللہ تعالیٰ کے لئے مقرر ہو جاتی اور اگر اللہ تعالیٰ کی نامزد شئے ناقص ہوتی تو اس میں تبدیلی نہ کرتے اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کی ضرورت نہیں اس لئے اس کے لئے ردی شے ہو یا اچھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ صرف اپنے بتوں کی محبت کی وجہ سے کہتے تھے۔ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ بُرا ہے ان کا وہ حکم جو فیصلہ کرتے ہیں کہ بتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے زائد محبت کرتے ہیں جس کا انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہیں ۱۳۷ وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح یہ زینت جو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور بتوں کے درمیان تقسیم کر رکھی ہے۔

زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ ان کے شرکاء نے ان کی اولاد کو قتل کرنے کی زینت دی ہے۔

فائدہ: شرکاء سے اُن کے وہ دوست مراد ہیں جو جنات میں سے تھے۔ بطور وسوسہ کے زینت دیتے تھے یا اُن کے بتوں کے خدام۔ قتل اولادہم زین کا مفعول ہے اور اس کا فاعل شرکاؤہم۔

شانِ نزول جاہلیت کے لوگوں کی عادت تھی کہ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے فقر کے خوف سے یا اس خیال سے کہ ہم کیوں داماد بنا کر اپنا ہمسر بنائیں۔ یا قید کے خطرہ سے۔ ان میں کسی کو اولاد نہ ہوتی وہ قسم کھاتے کہ اگر اُسے اتنے لڑکے پیدا ہوئے تو ایک کو ان میں سے اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کرے گا جیسے حضرت عبدالمطلب نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہما) کے لئے قسم کھائی تھی۔

حضرت عبداللہ کو ذبیح بنانے کا تفصیلی واقعہ

حضرت عبدالمطلب نے خواب دیکھا کہ وہ زمزم کا کنواں کھود رہے ہیں خواب میں اس کی نشاندہی بھی کرائی گئی۔ صبح ہوتے ہی انہوں نے چاہ زمزم کھودنا شروع کر دیا۔ اس وقت آپ کی سوائے حارث کے اور کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ نے وہاں منت مانی کہ اگر مجھے دس بچے پیدا ہوئے تو ان میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کروں گا۔ چنانچہ جب دس بچے پیدا ہوئے تو آپ نے بچوں کو اپنی نذر کا پتہ دیا۔ سب نے سن کر سر تسلیم خم کیا۔ لیکن آپ نے قرعہ اندازی کے طور پر مسئلہ سلجھانا چاہا۔ چنانچہ تمام بچوں کا نام لکھ کر قرعہ ڈالا تو حضرت عبداللہ کے نام قرعہ نکلا۔ آپ نے ذبح کرنا چاہا لیکن قریش کے سرداروں نے کہا عجلت نہ کیجئے۔ ہمیں مشورہ کرنے دیں۔ یہ مسئلہ عرافہ مکہ کے ہاں پیش کیا گیا تو اس نے کہا ہر قرعہ اندازی پر دس اونٹ بدلہ کے طور مقرر رکھو جتنی بار ان کے نام قرعہ آتا جائے دس اونٹ بڑھاتے جاؤ۔ جب تک اونٹوں کے نام قرعہ نہ نکلے اسی طرح دس اونٹ بڑھاؤ۔ چنانچہ برابر حضرت عبداللہ کے نام قرعہ نکلا۔ یہاں تک کہ سو اونٹوں تک نوبت پہنچی تو آپ نے اُن کے بدلے سو اونٹ ذبح کئے جنہیں کسی انسان نے نہ اٹھایا اور نہ ہی ان کو درندہ کھا سکا۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا انا ابن الذبیحین میں دو ذبیحوں کا صاحب زادہ ہوں۔ ان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت عبداللہ[1] مراد ہیں۔

لِيُرْدُوْهُمْ تاکہ وہ انہیں گمراہ کر کے ہلاک کر دیں۔ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ اور تاکہ ان پر ان کا دین ملا دیں یعنی انہیں دین اسماعیل علیہ السلام سے ہٹا کر نئے دین پر چلا دیں۔ پھر انہیں معلوم نہ ہو کہ وہ کس دین پر ہیں اور یہ لام تعلیل کی ہے۔ اگر زینت کی نسبت شیطان کی طرف ہو یا لام عاقبت کی ہے اگر زینت کی نسبت شیطان کی طرف ہو اس لئے کہ بتوں کے خدام کا نہ اُن کے گمراہ کرنے کا ارادہ تھا اور نہ دین میں التباس مطلوب تھا۔ بلکہ یہ تو شیطان کے ارادے تھے۔ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے مَا فَعَلُوْهُ تو مشرکین وہ کام نہ کرتے۔ یعنی شیطان کے وسوسے سے بچوں کا قتل نہ کرتے۔

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ یہ فا فصیحیہ ہے یعنی جب ان کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے تو پھر آپ انہیں چھوڑیئے اور انہیں اللہ تعالیٰ پر افترا کرنے دیجئے جب کہ کہتے ہیں کہ بچوں کو زندہ دفنانے کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے حالانکہ یہ ان کا جھوٹ تھا اور اللہ تعالیٰ باوجودیکہ انہیں تباہ و برباد کرنے پر قدرت رکھتا ہے لیکن انہیں کچھ نہیں کہتا۔ آپ بھی انہیں ان کے حال پر چھوڑیئے اس لئے کہ ان کے لئے حساب کا ایک دن (وقت)

---

[1] ہمارے نزدیک حضرت عبداللہ یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی مومن موحد تھے تفصیل کے لئے فقیر اویسی غفرلہ کی تصنیف "ابوین مصطفیٰ" کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲

مقرر کیا گیا ہے لہٰذا ان کی توثیق اُنہی سے پوچھا اور ان کا حساب لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے وہ اپنے
ارادہ میں ہر ارادوں کو علیم ہیں منکشف ہے ۱۳۸ وَقَالُوْا هٰذِهٖ اور انہوں نے کہا یہ اشارہ اس کی طرف ہے جو انہوں نے
اپنے بتوں کے لئے مقرر کیا۔ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ جانور اور کھیتی حرام ہے لَّا يَطْعَمُهَآ اس کا ترجمہ
فارسی میں یوں ہے نخورد ازاں، یعنی کوئی نہ چکھے گا اور نہ کوئی کھائے گا۔ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ مگر جسے
ہم چاہیں یعنی سب بتوں کے خدام اور ہر کسی مرد و عورت میں سے نہیں کیونکہ ایسی تو بتیاں صرف مرد کھاتے یا وہ
بتوں کے خدام کا ہی حق ہے بِزَعْمِهِمْ ان کا یہ گمان تھا لیکن وہ اپنے گمان باطل پر ملتبس تھے اُن کے ہاں کوئی دلیل
نہیں تھی۔

وَاَنْعَامٌ یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی اور اس جملہ کا عطف ہذا انعام پر ہے اور ان دوسرے جانوروں کی
طرف اشارہ کر کے کہتے کہ یہ وہ جانور ہیں کہ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا ان کی پیٹھیں حرام ہیں۔ اس لئے بحائر و سوائب
اور حوامی مراد ہیں۔ (اور ان سب کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے) وَاَنْعَامٌ اس سے وہی جانور مراد ہیں جن کی تفصیل
پہلے گزر چکی ہے۔ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا یہ انعام کی صفت ہے لیکن یہ ان کا کلام نہیں بلکہ اللہ
تعالیٰ کی طرف سے بیان کیا گیا ہے تاکہ موصوف معین ہو کر دوسرے جانوروں سے متمیز ہو جائیں۔ اس کی نظیر یہ ہے
جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا جیسا کہ بعض تفاسیر میں تصریح کی گئی ہے اب عبارت یوں ہوگی۔ انعام ذبحت علی الاصنام الخ
یعنی یہ وہ جانور ہیں جو بتوں کے نام پر ذبح کئے جاتے ہیں اس لئے کہ ان کی عادت تھی کہ انہیں ذبح کرتے وقت اللہ
تعالیٰ کے نام کی بجائے بتوں کا نام لیتے تھے۔

افْتِرَآءً عَلَيْهِ اللہ تعالیٰ پر افتراء کر کے یعنی اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشتے تھے کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ اسی طرح
ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ سَيَجْزِيْهِمْ فارسی میں اس کا معنی یوں ہوگا۔ زود باشد کہ جزا دہد ایشاں را
یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جلد تر سزا دے گا۔ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ان کے افتراء کرنے کے سبب ۱۳۹ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ
هٰذِهِ الْاَنْعَامِ اور کہتے کہ ان جانوروں کے پیٹ کے اندر جو کچھ ہے ان جانوروں سے بحائر و سوائب کے پیٹ
کے بچے مراد ہیں خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وہ ہمارے مردوں کیلئے خاص ہے اور ہماری عورتوں
پر ان کا کھانا حرام ہے یعنی ان کے گوشت صرف ہمارے مردوں کیلئے حلال ہیں اور ہماری عورتوں کیلئے حرام اور خالصۃ
کا مؤنث ہونا لفظ ما کے معنی اور محرم کا مذکر ہونا اس کے لفظ کی وجہ سے ہے یہ انہوں نے اپنی طرف سے بنا رکھا تھا
اور کہتے کہ بحائر و سوائب کے بچے زندہ پیدا ہوئے تو مرد کھائیں گے اور عورتوں پر ان کا کھانا حرام ہے۔ وَاِنْ
يَّكُنْ مَّيْتَةً اور کہتے اگر ان سے مردہ بچے پیدا ہوئے فَهُمْ فِيْهِ تو وہ ان بحائر و سوائب کے بچوں میں
شُرَكَآءُ عورتوں کے شریک ہوں گے یعنی ان مردہ بچوں کو مرد بھی کھائیں گے اور عورتیں بھی سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ

عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں ان کے وصف یعنی افتراء کی سزا دے گا جو کہتے ہیں کہ اس کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ پر صریح جھوٹ تھا اس لئے کہ یہ حلال و حرام کا حکم وہ گھڑتے تھے اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ اس سے جزاء کے وعدے کی علت بتانا مطلوب ہے۔ یعنی ان سے جو برائیاں سرزد ہو رہی ہیں انہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور انہیں ضرور سزا دے گا۔ انہیں اس کی معافی ہرگز نہیں ملے گی۔ اس لئے اس کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ مجرموں کو سزا ملنی چاہیئے۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ ۔ یہ قسم محذوف کا جواب ہے۔

شانِ نزول یہ ربیعہ و مضر اور عرب کے دوسرے اُن قبائل کے حق میں نازل ہوئی جو اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اس خوف سے کہ کہیں ہم ان بچیوں کی وجہ سے تنگدست نہ ہو جائیں اور اُن کی وجہ سے ہمیں مقید نہ ہونا پڑے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ نقصان میں پڑے جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا۔ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ یہ قَتَلُوْۤا کے متعلق یعنی اس کی علت ہے اور بغیر علم سفہا کی صفت ہے یعنی اپنی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے بچیوں کو قتل کیا اور نہ انہیں معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی اولاد کو رزق عطا فرمائے گا۔

وَحَرَّمُوْا اور انہوں نے اپنے نفسوں پر حرام کیا۔ مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ وہ جو انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اس سے بحائر و دیگر جانور مراد ہیں۔ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ پر افتراء کر کے کہا کہ اس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا قَدْ ضَلُّوْا ۔ وہ سیدھے راہ سے بھٹک گئے۔ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ اور سیدھے راہ کی طرف ہدایت نہیں پا سکیں گے۔ اگرچہ انہیں ہدایت کے مختلف طریقے پیش کئے جائیں۔

حکایت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی ہمیشہ نہایت محزون و مغموم رہتا تھا۔ آپ نے ایک دن اس سے سبب پوچھا تو اس نے عرض کی۔ میں ان لوگوں سے ہوں جنہوں نے اپنی لڑکیوں کو قتل کیا بلکہ میرا جرم ان سے کئی گنا زیادہ ہے آپ نے فرمایا۔ اس کی تفصیل سنائیے اس نے عرض کی میری ایک لڑکی پیدا ہوئی میری عورت نے مجھ سے بار بار کہا کہ اس بچی کو نہ ماریئے۔ میں نے اس کے کہنے پر بچی کو نہ مارا۔ جب وہ بڑی ہو گئی اور سن بلوغ کو پہنچی اور وہ بہت حسین و جمیل اور شکیل تھی۔ لوگوں نے مجھ سے نکاح کا کہا۔ مجھے غیرت جاہلی نے ابھارا کہ اسے بجائے نکاح کر دینے کے قتل کر دوں اور نکاح کے بغیر اسے گھر چھوڑے رکھنا بھی ناموزوں سمجھا۔ ایک دن میں نے عورت سے کہا کہ میں بچی کو فلاں قبیلہ کے دوستوں کے ملانے کیلئے لے جانا چاہتا ہوں۔ فلہٰذا اسے میرے ساتھ بھیج دے وہ خوش ہو گئی اور اسے خوب سنگارا اور بہترین لباس اور اعلیٰ زیور پہنا کر میرے ساتھ بھیج دیا اور ساتھ ہی قسمیں دیں کہ اسے قتل نہ کرنا۔ میں اپنی نوجوان بچی کو جنگل کے ایک کنوئیں پر لے گیا اور چاہا کہ اسے کنوئیں میں پھینک دوں۔ میری بچی میرے ارادہ کو بھانپ گئی اور بھاگ کر میرا دامن پکڑ کر کہنے لگی۔ ابا جی میرے ساتھ اتنا ظلم نہ کیجئے میں نے اس پر رحم کھایا۔ لیکن پھر مجھے غیرت جاہلی نے ابھارا۔ میں نے اُسے پکڑا اور وہ

روتی چلاتی ہوئی میرے دامن کو پکڑ کر کہتی ابا جی میری ماں کی قسموں کو یاد کیجئے اور میرے حال پر رحم فرمائیے۔ میری ایک نظر کنویں پر تھی اور ایک نظر اس کی جوانی پر بھی آتا اور غیرت جاہلی بھی مدنظر تھی۔ بالآخر شیطان نے مجھے اکسایا اور میں نے اُسے جبراً پچھاڑ کر کنویں میں لٹکا دیا اور وہ دعائیں مارتی اور چیختی رہی۔ میں دل کو تھام کر اس کی چیخیں سنتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی آواز ختم ہو گئی اور سمجھا کہ اب وہ مر گئی۔ حضور علیہ السلام اُس کی داستان سُن کر رو دیئے اور فرمایا کہ اگر کسی کو جاہلیت کے جُرم کی سزا دینا جائز ہوتی تو میں اسے جرم کی بہت سزا دیتا۔

تفسیر صوفیانہ جاہلیت کے لوگوں کا جب اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ختم ہو گیا تو انہیں فقر و تنگدستی کے خطرے نے اولاد کو قتل کرنے پر اکسایا۔ اس لئے اہلِ تحقیق فرماتے ہیں کہ یقین اور اس کے حقائق کی ایک علامت کثرت عیال ہے جس میں توکل کا دامن تھاما جائے۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاکبر نے فرمایا کہ جو شادی شدہ تصوف اپنائے تو اُسے اپنی عورت کو طلاق نہ دینی چاہیے اور جو غیر شادی شدہ ہو اُسے شادی نہ کرنی چاہیے یہاں تک کہ تکمیل کو پہنچے جب اس کی تکمیل ہو جائے پھر جس طرح الہام ربانی ہو اس پر عمل کرے۔

فائدہ: اکثر کاملین نے تو طریق تصوف میں قدم رکھ کر اپنی اولاد کا سوال کر دیا۔ منجملہ ان کے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں۔ اس لئے کہ اولاد اس طریق میں فتنہ ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ اُن کا صاحبزادہ انہیں مکہ میں ملا۔ تو اُن کے دل میں بچے کی محبت کا خیال گزرا۔ اس پر دعا مانگی یا اللہ یہ تیری محبت کی راہ میں حاصل ہو رہا ہے۔ اُن کے اس اشارہ پر اُن کا صاحبزادہ وہیں فوت ہو گیا۔

مسئلہ: اگر کسی سالک کو اولاد کی محبت حب الٰہی کے مابین حائل ہو تو توحید کے غلبہ سے اُسے دُور کرنے کی کوشش کرے۔ اس کی موت کا سوال نہ کرنا چاہیے اس لئے کہ دعا ایک تصرف ہے سلوک میں تصرف صرف ذاتِ حق کو لائق ہے پھر بندے پر غیر کی محبت کا حملہ ہو تو اُسے خود بخود دفع کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دے۔ پھر انتظار کرے کہ وہ کریم اس کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

فائدہ: قلت مال اور کثرت عیال اور پھر اس پر صبر کرنا بھی مجاہدہ نفس ہے۔ یہی مجاہدہ سلوک میں مفید ہوتا ہے

حکایت حضرت الشیخ افتادہ آفندی نے حضرت ہدائی سے خطاب کر کے فرمایا کہ جب تیرے عیال میں بھوک کا حملہ ہو یہاں تک کہ وہ موت کے گھاٹ اُتر جائیں تو بھی توکل نہ چھوڑنا بلکہ اس وقت بھی اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کرنا۔ صرف زبان سے نہیں بلکہ خلوص قلب سے کہنا کہ الٰہی میں تیرا کمزور بندہ ہوں۔ یہ بھی تیرے بندے ہیں۔ میرا اور ان کا معاملہ تیرے سپرد ہے۔ تیرے اور اُن کے معاملہ میں میں حائل نہیں ہونا چاہتا۔ تو جان تیرے بندے جانیں۔ جب تم اس طرح عجز و نیاز پیش کرو گے تو تمہارا کام بن جائے گا۔ اور مشکل آسان ہو جائے گی۔ اور

باقی صفحہ ۷۰۵ پر

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ

اور وہی ہے جس نے پیدا کیئے باغ کچھ زمین پر چھپے ہوئے اور کچھ بے چھپے

مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا

اور کھجور اور کھیتی جس میں رنگ رنگ کے کھانے اور زیتون اور انار کسی بات میں

وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا

ملتے اور کسی میں الگ کھاؤ اس کا پھل جب پھل لائے اور اس کا حق دو جس دن کٹے اور

تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا

بے جا نہ خرچو بے شک بیجا خرچنے والے اسے پسند نہیں اور مویشی میں سے کچھ بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین پر بچھے

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۴۲﴾

کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمہیں روزی دی اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے

ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ

آٹھ نر و مادہ ایک جوڑ بھیڑ کا اور ایک جوڑ بکری کا تم فرماؤ کیا اس نے دونوں نر

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ نَبِّئُوْنِیْ بِعِلْمٍ

حرام کیے یا دونوں مادہ یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہیں کسی علم سے بتاؤ

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ

اگر تم سچے ہو اور ایک جوڑا اونٹ کا اور ایک جوڑا گائے کا تم فرماؤ

ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ

کیا اس نے دونوں نر حرام کیے یا دونوں مادہ یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہیں کیا تم موجود

شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

تھے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے

كَذِبًا لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۴﴾

کہ لوگوں کو اپنی جہالت سے گمراہ کرے بے شک اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَ۔ نشا بمعنی خلق۔ کہا جاتا ہے نشا الشی نشاۃ، یہ اس وقت بولتے ہیں جب شے ظاہر اور بلند ہو جائے اور کہتے ہیں انشار اللہ تعالیٰ بمعنی اظہرہ ورفعہ (جنات) یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا فرما انگوروں کے باغات " معروشات " بلند۔ اس سے وہ شے مراد ہے جو بلند تر ہو وَغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ غیر مرتفع یعنی زمین پر پڑے ہوئے۔ اس لئے کہ بعض انگور کے درخت بلند قامت ہیں اور بعض زمین پر پڑے رہتے ہیں یا معروشات سے وہ انگور کے درخت کہ جن کے لئے عروش بنائے جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو ابتداء کدو اور تربوز کی طرح زمین پر بچھ کر اگتے ہیں۔ دیگر بیلیں۔ یا معروشات سے انگور کے وہ درخت مراد ہیں جن کے لئے عریش بنایا جاتا ہے کہ وہی اسے اٹھا کر مضبوط کئے ہوتا ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو وہ زمین پر گر جائے جیسے کرم یعنی انگور کے خوشے وار اور بعض وہ ہیں کہ انہیں عریش کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے پاؤں پر خود بخود کھڑے رہتے ہیں جیسے کھجور اور دیگر کھیتیاں اور دوسرے اشجار اور سبزیاں یا معروشات سے وہ انگور کے درخت مراد ہیں جنہیں باغات اور کھیتوں میں بوتے اور اُن کی خصوصیت سے نگرانی کرتے ہیں۔

اور غیر معروشات سے وہ انگور کے درخت مراد ہیں جو جنگلوں اور پہاڑوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و تخلیق سے پیدا ہو جاتے ہیں اور اُن پر نہ کوئی نگرانی ہوتی ہے اور نہ ان کی کوئی پرواہ کرتا ہے۔

وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ اور کھجوریں اور کھیتیاں پیدا فرمائیں۔

سوال : جب ان کا ذکر جنات میں آچکا ہے تو پھر انہیں ذکر کرنے کا کیا فائدہ ؟

جواب : باغات کی تمام اشیاء سے اُن سے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ بنابریں انہیں علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔ الزرع سے وہ تمام دانے مراد ہیں کہ جن سے انسانی قوت کو تعلق ہے۔

مُخْتَلِفًا اُکُلُهٗ۔ یہ حال مقدرہ ہے اس لئے کہ باغات کی تخلیق کے وقت ان کی یہی حالت نہیں تھی بلکہ

بقیہ ص ۷۰۳

اللہ تعالیٰ تیرے تمام مقاصد پورے فرمادے گا۔ منجملہ توکل میں یہ بھی ہے کہ کسی کی اولاد بھوک سے مر رہی ہو تو بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرے یا اللہ میں کیا عرض کروں یہ تیرے بندے ہیں تو ان سے جس طرح چاہے کر۔ میں نے اپنے جملہ امور تیرے سپرد کر دیئے ہیں تو ہی اپنے بندوں کے حال خوب جانتا ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

فکر آب و دانہ در کنج قفس بے حاصلست

زیر چرخ اندیشۂ روزی چرا باشد مراد

ترجمہ : پنجرے کے کونے میں روزی کا فکر بے فائدہ ہے۔ آسمان کے نیچے روزی کا اندیشہ کیوں۔

بعد کو ہوئی یعنی کھجور اور کھیتی ہر دونوں کو جس ہیئۃ کیفیت سے کھایا جاتا ہے اُن کے اس وقت مختلف ثمرے پیدا فرمائے۔

فائدہ: بغوی نے فرمایا اختلاف سے اُن کے ثمرات اور ذائقے میں کہ بعض ان میں میٹھے ہیں، بعض کھٹے، بعض اچھے ہیں اور بعض ردی وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ اور زیتون اور انار پیدا فرمائے۔

مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ اس کی نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے یعنی درانحالیکہ اُن کے بعض رنگ اور ہیئت اور ذائقہ میں ایک دوسرے کے ہمشکل اور بعض ہمشکل نہیں جیسے دو انار کہ رنگ دونوں کا ایک سا ہوتا ہے لیکن ان میں ایک میٹھا ہوتا ہے اور دوسرا کھٹا۔ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖ ان ہر دونوں کے ثمرات کھاؤ اِذَا أَثْمَرَ جب وہ پھل دینا شروع کریں۔ اگرچہ ابھی کچے ہوں اور اَثْمَرَ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں پکنے سے پہلے یعنی کچے بھی کھانا جائز ہیں۔ وَاٰتُوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ زمیلے اور اُن کے کاٹنے کے وقت ان کے حقوق ادا کرو۔ اس میں مشہور قول یہی ہے کہ انہیں کاٹتے وقت مسکینوں پر صدقہ دینا چاہیے

فائدہ: ابتدائے اسلام میں کھجوروں انگوروں وغیرہ میوہ جات پختہ ہو جانے کے بعد جس وقت انہیں کاٹا جاتا تو غیر متعین مقدار میں کچھ نہ کچھ مسکینوں کو دینا واجب تھا۔ پھر جب عشر کی فرضیت نازل ہوئی اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

مسئلہ: جس کھیتی اور باغ وغیرہ کی آسمان کے پانی سے آبپاشی وغیرہ کی جائے تو اس کا عشر (دسواں حصہ) ادا کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: اگر ان کا پانی کھینچ کر یا جانوروں کے ذریعے یا پانی کی قیمت ادا کر کے آبپاشی کی جائے تو اس میں نصف عشر (بیسواں) ادا کرنا واجب ہے۔ وَلَا تُسْرِفُوْا اور صدقہ دینے میں اسراف نہ کرو۔

حکایت: مروی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پانچسو کھجوریں تھیں جب پک گئیں تو سب کو ایک دن میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیا اور اپنے بال بچوں اور اہل و عیال کیلئے کچھ بھی نہ بچایا

حدیث شریف میں ہے کہ خرچ کرنے میں پہلے اپنے اہل و عیال کا خیال رکھو۔

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ خطاب بادشاہوں کو ہے کہ اے بادشاہو (حاکمو) رعایا سے اپنے حقوق سے زائد مال نہ لو۔ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کے کردار سے راضی نہیں ۱۴۲ وَمِنَ الْاَنْعَامِ اور بعض جانوروں کو پیدا فرمایا۔ حَمُوْلَةً بوجھ اٹھانے والے وَفَرْشًا اس سے وہ جانور مراد ہیں جو ذبح کیلئے بچھائے جاتے ہیں یا جن کے بالوں اور اُن سے بچھونے تیار

ہوتے ہیں انہیں بھی فرش کہتے ہیں شاید یہ مصدر سے لے کر موسوم کرنے کے قبیل سے ہے۔

كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ یہ من تبعیضیہ ہے اور ما سے حمولۃ اور فرش مراد ہیں یعنی ان جانوروں میں سے وہ حصہ کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال فرمایا ہے یعنی حلال اشیاء اس میں تصریح ہے کہ ان جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بندوں کی خاطر اور اُن کی ضروریات کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

سوال: جانوروں سے اور بھی منافع حاصل کئے جاتے ہیں مثلاً سوار ہونا، بوجھ لادنا وغیرہ کفار نے ان چیزوں کو بھی انہوں نے سوائب وغیرہ کو اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا۔ تو پھر آیت میں صرف کھانے کی تخصیص کیوں؟

جواب: چونکہ جانوروں سے انتفاع کی اشیاء میں سے گوشت کو اہمیت و عظمت حاصل ہے اس لئے اسے خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے علاوہ ازیں جانور کے لئے حلال و حرام کے مسائل اسی سے متعلق ہوتے ہیں۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ یعنی شیطان کے اس راستہ کو چھوڑ دو جس نے تمہیں اپنی طرف جانوروں کے حلال و حرام بنانے پر اُکسایا ہے اس لئے کہ وہ تمہیں گمراہی کی طرف بلاتا ہے۔ **اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ** ۝ بے شک وہ تمہارے ساتھ کھلی دشمنی رکھتا ہے جس کا تمہیں بھی علم ہے کہ اس نے تمہارے والد حضرت آدم علیہ السلام سے کیا کھیل کھیلا تھا۔

۱۴۳ **ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ** یہ حمولۃ و فرشا سے بدل ہے زوج ہر اس جوڑے کو کہتے ہیں جو دونوں ہم جنس ہوں اور اُن کے آپس میں جمع ہونے سے نسل بڑھے اور دیگر دو ہم جنسوں کو زوجان کہیں گے نہ کہ صرف زوج مثلاً کہا جاتا۔ مقراضان۔ مقصان۔ نہ کہ مقراض و مقص اس لئے کہ وہ دو ہیں اور یہاں پر ثمانیہ ازواج سے چار جوڑے مراد ہیں جو آپس میں مل کر آٹھ ہو جائیں گے "**مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ**" ثمانیہ ازواج سے بدل ہے یعنی بھیڑ سے جوڑا پیدا فرمایا۔ ایک نر دوسری مادہ اور ضان مشہور جانور ہے یعنی وہ جو صوف (اون) والا ہو۔

وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ اور بکری کے جوڑے سے یعنی اس کا نر و مادہ اور معز ہر وہ جانور جو بالوں والا ہو **قُلْ** (اے پیارے حبیب) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں فرمائیے **ءٰۤالذَّكَرَيْنِ** کیا ان دونوں مذکورہ دو جنسوں بھیڑ اور بکری نروں کو حرام۔ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا۔ جیسا کہ تمہارا گمان ہے کہ ان کے حرام ہونے کا انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ **اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ** یا دو مادینوں (بھیڑ بکری) کو حرام کیا۔ **اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ** یا انہیں کہ جن پر ان دونوں کے رحموں نے اٹھایا۔ یعنی دونوں مذکورہ مادینوں کے حمل کو حرام کیا وہ مذکر ہوں یا مونث **نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ** مجھے کسی علم سے خبر دو۔ یعنی مجھے بتاؤ وہ امر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی آسمانی کتاب میں یا انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے سے نازل ہوا ہو۔ اسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان چیزوں کے متعلق حرمت بھی نازل ہوئی تھی۔ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** اگر تم سچے ہو۔ اس دعویٰ پر کہ ان اشیاء کی حرمت کا حکم من

جانب اللہ تعالیٰ ہے۔ ۞ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ اور ایک جوڑا اونٹ کا۔ اس کا عطف من الضان اثنین پر یعنی اللہ تعالیٰ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ابل میں دو پیدا فرمائے اونٹ اور اونٹنی ومن البقر اثنین اور ایک جوڑا گائے کا نر اور مادہ۔ قُلْ آپ انہیں دلیل دے کر خاموش کر دیجئے۔ آٰلذَّكَرَيْنِ اس نے ان میں سے دونوں نر حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ حرام کئے یا دونوں مادہ یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہیں۔ ان دونوں قسموں میں سے۔ یہ تمام انکار ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان چار چیزوں میں سے کوئی شے بھی اُن پر حرام نہیں کی۔ نر ہو یا مادہ یا وہ جو ان کی مادیاں لئے ہوئے ہیں اس سے ان کا رد کرنا مطلوب ہے اس لئے کہ کبھی وہ جانوروں کے نر حرام کر دیتے جیسے حامی کہ اونٹ جب نر اونٹ سے دس گیا بھر حاصل ہو جاتے تو اسے چھوڑ دیتے نہ تو اس پر سواری کرتے نہ اس سے کوئی کام لیتے اور نہ اس کو پانی چارہ سے روکتے۔ اسے حامی کہتے اور کہتے کہ اب اس کی پیٹھ مضبوط ہو گئی ہے۔ اسی طرح وصیلہ بکری جب مادہ جنتی تو کہتے مرد کھائیں گے اور اگر نر جنتی تو وہ بتوں کے لئے دے دیتے۔ اگر دونوں نر مادہ پیدا ہوتے تو کہتے یہ اپنے بھائی سے مل گئی ہے اور کبھی ان جانوروں کی مادہ حرام کر دیتے۔ جیسے سائبہ اور بحیرہ۔ زمانہ جاہلیت کے کفار کا یہ تھا کہ جو اونٹنی پانچ مرتبہ بچے جنتی اور آخر مرتبہ اس کے نر ہوتا اس کا کان چیر دیتے۔ پھر نہ اس پر سواری کرتے نہ اس کو ذبح کرتے۔ نہ پانی اور چارے پر سے ہانکتے اس کو بحیرہ کہتے اور جب سفر پیش ہوتا یا کوئی بیمار ہوتا تو یہ نذر کرتے کہ میں سفر سے بخیریت واپس آجاؤں یا تندرست ہو جاؤں تو میری اونٹنی سائبہ (بحار) ہے اور اس سے نفع اٹھانا بحیرہ کی طرح حرام جانتے اور اس کو آزاد چھوڑ دیتے اور یہ بھی ان کی عادت تھی کہ بحیرہ اور سائبہ سے جو بچہ دودھ چھڑانے تک زندہ رہتا تو اسے ذبح کرنے پر اس کا گوشت مردوں کیلئے اور عورتوں کے لئے حرام کہتے اور اگر پہلے مر جائے تو اس کے گوشت میں مرد عورتیں سب برابر ہوتے۔ ایسی صورت میں مرد و عورت کا کوئی فرق نہ رہتا۔ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ کیا تم موجود تھے۔ یہ ام منقطعہ بل اور ہمزہ کے معنی میں ہے اور ہمزہ میں انکار و توبیخ مطلوب ہوتی ہے اور بل امر میں ایک توبیخ سے اعراض کر کے بطریق دیگر دوسری توبیخ کی جاتی ہے۔ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم دیا کہ ان چیزوں کو حرام کرو۔

جب تم نبی علیہ السلام کو مانتے بھی نہیں تو پھر ایک صورت باقی رہ جاتی ہے وہ یہ کہ تمہارے مذہب کا دارومدار اس پر ہو کہ تم مشاہدہ و معائنہ کے طور پر یا اللہ تعالیٰ سے براہ راست سننے کا دعویٰ کرو۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا " تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یعنی اس کی طرف ایسی تحریم کی نسبت کرے جو اس نے حرام نہیں کی۔ لِيُضِلَّ النَّاسَ تا کہ لوگوں کو گمراہ کرے۔ یہ افتریٰ کے متعلق ہے۔ حضرت سعدی چلپی منہ نے فرمایا کہ لام عاقبت کی ہے بغیر علم اپنی جہالت سے یہ لِيُضِلَّ کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ تم ...

(باقی ص ۷۰۹ پر)

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ

تم فرماؤ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے پر کوئی کھانا حرام مگر یہ کہ مردار ہو یا رگوں

دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ

کا بہتا خون یا بد جانور کا گوشت وہ نجاست ہے یا وہ بے حکمی کا جانور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا تو جو نا

اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَ عَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا

چار ہوا نہ یوں کہ آپ خواہش کرے اور نہ یوں کہ ضرورت سے بڑھے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور یہودیوں پر ہم نے حرام کیا

كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ

ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری کی چربی ان پر حرام کی مگر جو ان کی پیٹھ میں لگی ہو

اَوِ الْحَوَایَاۤ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۖ٘ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

یا آنت یا ہڈی سے ملی ہو ہم نے یہ ان کی سرکشی کا بدلہ دیا اور بیشک ہم ضرور سچے ہیں

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۴۷﴾

پھر اگر وہ تمہیں جھٹلائیں تو تم فرماؤ کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرموں پر سے نہیں ٹالا جاتا

سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكْنَا وَ لَاۤ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ

اب کہیں گے مشرک کہ اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا نہ ہم کچھ حرام ٹھہراتے

شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ

ایسا ہی ان سے اگلوں نے جھٹلایا تھا یہاں تک کہ ہمارا عذاب چکھا تم فرماؤ کیا تمہارے پاس

مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾

کوئی علم ہے کہ اسے ہمارے لیے نکالو تم تو نرے گمان کے پیچھے ہو اور تم یونہی تخمینے کرتے ہو

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ

تم فرماؤ تو اللہ ہی کی حجت پوری ہے تو وہ چاہتا تو سب کو ہدایت فرماتا تم فرماؤ لاؤ اپنے وہ گواہ جو

الَّذِیْنَ یَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَ لَا

گواہی دیں کہ اللہ نے اسے حرام کیا پھر اگر وہ گواہی دے بیٹھیں تو تو اے سننے والے ان کے

تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ هُمْ بِرَبِّهِمْ

ساتھ گواہی نہ دینا اور ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا جو ہماری آیتیں جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے

يَعۡدِلُوۡنَ۝۵۰

رب کا برابر والا ٹھہراتے ہیں

تفسیر عالمانہ: قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِیۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ فرمایئے کہ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی۔ ایسا طعام مُحَرَّمًا حرام "عَلٰی طَاعِمٍ" اور پر کسی کھانے والے کے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس میں اُن کے اس عقیدہ کا رد ہے جو کہا کرتے کہ وہ طعام ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ یَّطۡعَمُهٗۤ جو اسے کھاتا ہے یہ طاعم کی تقریب کے لئے ہے اِلَّاۤ اَنۡ یَّكُوۡنَ مگر یہ کہ ہو وہ طعام مَیۡتَةً مردار یعنی جسے شرعی طور ذبح نہ کیا جائے جیسے وہ جانور کہ جس کی گلا گھونٹ کر جان نکالی جائے۔ اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا یا رگوں کا بہتا ہوا خون۔

فائدہ: ہم نے رگوں کی قید لگائی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ رگوں کے ماسوا دوسرے بہتا ہوا خون حرام نہیں جیسے جگر اور طحال کا خون۔ اس لئے کہ یہ خون جامد ہوتا ہے اور شرع نے انہیں مباح کیا ہے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کئے۔ دو مرداروں سے مچھلی اور مکڑی اور دو خونوں سے جگر اور طحال مراد ہیں۔

مسئلہ: وہ خون جو گوشت میں ہے کہ اس کا علیحدہ کرنا ناممکن ہے تو وہ بھی مباح ہے اس لئے کہ وہ بہتا ہوا خون نہیں۔ اَوۡ لَحۡمَ خِنۡزِیۡرٍ اور خنزیر کا گوشت اس لئے کہ وہ رِجۡسٌ نجاست ہے کیونکہ خنزیر کو نجاست کھانے کی عادت ہے۔

فائدہ: حضرت حدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس شے سے طبیعت کو طبعی نفرت ہو وہی رجس ہے اور یہ بھی

بقیہ صفحہ ۷۰۵

ہے لاعلمی سے اور وہ اس علمی سے دوسروں کو گمراہ کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا یعنی اُن کی کسی حالت میں بھی اصلاح نہیں ہو سکتی نہ ہی جلدی اور نہ بدیر۔ جب ظالم سے ہدایت کی نفی ہے تو اظلم کو بطریق اُولیٰ ہدایت نصیب نہ ہو۔

جائز ہے کہ فانہ کی ضمیر خنزیر کے گوشت کی طرف لوٹے اور وہ اس لئے کہ گوشت کو اہمیت حاصل ہے اگرچہ خنزیر نجس العین ہے کہ اس کا گوشت پوست اور اس کی چربی اور ہڈیاں اور بال سب حرام ہیں اور چونکہ ہر حیوان سے مطلوب گوشت ہوتا ہے اور اصالۃً حلت وحرمت اسی کی طرف منسوب ہوتی ہے اس لئے اس کے ذکر کی تخصیص مناسب ہوتی ہے اور باقی اشیاء گوشت کے تابع ہوتی ہیں۔

قاعدہ نحویہ حضرت سعدی چلپی مفتی مرحوم لکھتے ہیں کہ ضمیر کا لوٹنا مضاف کی طرف ہوتا ہے اور کلیہ قاعدہ ہے اس لئے مقصود بالذات تو وہی ہے اور مضاف الیہ اسے معرف یا خاص کرنے کیلئے ہوتا ہے۔

اَوْ فِسْقًا اس کا عطف لحم الخنزیر پر ہے یا ہے کسی جانور جو کہ **اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ** جس کے ذبح میں غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ یہ فسقاً کی صفت موضحہ ہے اور اسے فسق سے اسی لئے تعبیر کرتے ہیں کہ ایسا جانور نرا فسق ہی فسق ہے۔ **فَمَنِ اضْطُرَّ** پس جسے ایسی ضرورت گھیرے کہ اسے کھانے کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو۔ **غَيْرَ بَاغٍ** مجوری پر نہ بغاوت کرنے والا ہو۔ **وَّلَا عَادٍ** اور نہ ضرورت سے بڑھنے والا۔ **فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** بے شک تیرا رب غفور رحیم ہے یعنی بہت بڑی مغفرت ورحمت والا ہے کہ اس پر مواخذہ نہ فرمائے گا۔

فائدہ: یہ آیت محکمہ ہے اس لئے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے باہی احکام کے خلاف اور کوئی حکم نہیں پایا اور نہ ہی اُن کے بعد کوئی اور وحی تحریم کے متعلق اُتری۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں میتۃ سے دنیا مردار مراد ہے اسی لئے کہ وہ ایک خوشنما جیفہ ہے۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا۔

وما هی الا جیفۃ مستحیلۃ
علیها کلاب همهن اجتذابها
فان تجتنبها کنت سلما لاهلها
وان تجتذبها نازعتك كلابها

دنیا ایک خوشنما جیفہ ہے اسے بہت سے کتے اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں۔ اگر تم اس سے کنارہ کشی کرو گے تو دنیا داروں کے دکھ تکالیف سے محفوظ رہو گے اور اگر اسے تم اپنی طرف کھینچو گے تو تیرے ساتھ دنیا کے کتے خوب لڑیں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ اے داؤد (علیہ السلام) یہ دنیا ایک جیفہ ہے جسے بہت سے کتے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کر رہے ہیں کیا تم بھی اُسے اپنی طرف کھینچو گے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

ہمائے چوں تو عالی قدر حرص استخوانی حیف است
دریغا سایہ ہمت کہ بر نا اہل افگندی

ترجمہ: تو تو عالی ہمت ہما ہے تجھے ہڈی کا حرص ہے افسوس ہے افسوس ہے کہ تو نے سایہ ہمت نا اہل پر ڈالا ہے۔

اور الدم المصفوح سے وہ شہوات لذات مراد ہیں کہ جن پر دین کا خون بہایا جاتا ہے اور لحم الخنزیر وہ نجاست جو شیطان کے عمل سے ہو کما قال تعالیٰ انما الخمر و المیسر و الانصاب و الازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ اور حقیقت میں رجس طریق حق سے ہٹ جانے اور اس سے دوری کا نام ہے۔

ولادت مبارکہ سے محل کسریٰ کو زلزلہ آ گیا مروی ہے جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو کسریٰ کے محل کو زلزلہ آ گیا یعنی اسے ایسے زلزلہ آیا کہ اس سے اس سے حرکت کی آواز سنائی دیتی تھی۔

: رجس وہی ہے جو سالک کو حق سے دور رکھے۔

او فسق اھل لغیر اللہ بہ اس سے غیر حق کی طلب میں حق کی طلب سے نکل جانا مراد ہے حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خلاف طریقت بود کاولیا
تمنا کنند از خدا جز خدا

ترجمہ: یہ طریقت کے خلاف ہے کہ اولیاء خدا تعالیٰ سے غیر خدا کی تمنا کریں۔

امور مذکورہ بالا کا ارتکاب حرام ہے اس لئے کہ ان کے ارتکاب سے بندہ حق کے قرب سے محروم ہو جاتا ہے ہاں بقدر ضرورت حلال ہے اس لئے کہ مقولہ مشہور ہے کہ "الضرورت تبیح المحذورات" ضرورت ممنوع اشیاء کو مباح کر دیتی ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا " تمعددوا واخشوشنوا " یعنی سعد بن عدنان کی اقتداء کر کے موٹا لباس پہنو اور ننگے پاؤں رہو۔ اس لئے کہ اس طرح سے تواضع حاصل اور تکبر ترفع سے نجات ملتی ہے۔

حدیث شریف، حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ دنیا داری سے بچو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے دنیا داری کو پسند نہیں کرتے ؎

بناز و نعمت دنیا منہ دل
کہ دل برداشتن کاریست مشکل

ترجمہ: دنیا کے ناز و نعمتوں پر دل نہ لگا۔ اس لئے کہ اس سے پھر دل اٹھانا مشکل ہے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ دنیا کی بے رغبتی اختیار کرے۔ بلکہ اسباب دنیا سے کنارہ کش رہے جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام اور کاملین اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔

حکایت: بعض بزرگوں سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش کو دیکھا کہ جنگل میں ایک کنویں سے پانی لینے آیا۔ جب کنویں میں ڈول ڈالا تو رسی ٹوٹ گئی اور ڈول کنویں میں گر گیا۔ اس درویش نے وہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر کہا کہ رب العالمین مجھے تیری عزت کی قسم ہے کہ میں ڈول لے کر جاؤں گا یا پھر کوئی اور حکم صادر فرمائیے تاکہ میں چلا جاؤں درویش ابھی وہیں پر کھڑا تھا کہ ایک پیاسی ہرنی کنویں پر آ گئی اور کنویں کے اندر جھانکا تو کنویں کے پانی نے جوش مارا اور کنویں کے لبوں سے باہر ابلنے لگا اور درویش کا ڈول بھی تیرتا ہوا باہر آ گیا۔ درویش یہ حال دیکھ کر رو دیا اور کہا یا رب العالمین میں اس ہرنی سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اسے اتنا بڑا مرتبہ عنایت فرمایا اور مجھے اتنا پریشان فرمایا۔ اس پر ہاتف غیبی نے جواب دیا کہ تم ڈول اور رسی لے کر آئے اور ہرنی تمام اسباب توڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کے سہارے حاضر ہوئی اس لئے وہ تجھ سے بازی لے گئی۔

سبق: اس حکایت سے معلوم ہوا کہ سالک پر لازم ہے کہ غیر اللہ سے کلی طور منقطع ہو جائے۔

تفسیر عالمانہ: ۱۴۶ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا اور ان لوگوں پر جو یہودی ہیں یعنی یہ حکم صرف یہودیوں کیلئے ہے یہ پہلے لوگوں کے لئے اور نہ بعد والوں کے لئے۔ حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کیا۔

فائدہ: ہر انگلی والا جانور ذی ظفر کہلاتا ہے اس سے انگلیوں کے درمیان میں کشادگی ہو جیسے درندوں اور کتوں اور بلیوں کے تمام اقسام یا نہ ہو جیسے اونٹ اور شتر مرغ اور مرغابی اور بطخ۔

فائدہ: ان پر بعض ناخن والے جانور حلال تھے پھر جب انہوں نے نافرمانی کی سزا کے طور تمام ذی ظفر حرام ہو گئے وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ یہ حرمنا علیہم شحومھما کے متعلق ہے اور گائے بکریوں کی چربی ہم نے ان پر حرام کی نہ کہ گوشت بھی حرام تھا۔ بلکہ ان پر ان کی حلت باقی رہی۔ شحوم بمعنی شحم یعنی چربی وغیرہ۔ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا یہ حرام سے مستثنیٰ ہے یعنی مگر وہ چربی جو ان کی پیٹھوں اور کمروں پر ہے یعنی دونوں مونڈھوں سے لیکر دونوں رانوں تک اندر اور باہر والی چربی ان کے لئے حلال ہے۔

اَوِ الْحَوَايَا اس کا عطف ظہورھما پر ہے یعنی ان کی آنتوں وغیرہ پر جو چربی ہے وہ بھی ان کیلئے حلال ہے حوایا الحویہ کی جمع ہے کذا فی الصحاح بمعنی آنتیاں وغیرہ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ اس کا عطف عطف ما حملت پر ہے یا وہ چربی جو ہڈیوں سے ملی ہوئی ہوتی ہیں اس سے رانیں مراد ہیں اور اختلاط بمعنی اتصال ہے اور

ہڈی سے عصص مراد ہے یعنی دم کی ہڈی جو پیٹھ کی انتہا سے شروع ہوتی ہے

فائدہ : بعض روایات میں ہے کہ سب سے اسے پہلے پیدا کیا جاتا ہے اور مرنے کے بعد تمام ہڈیوں سے سب سے آخر میں یہی گلتی ہے۔ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ ہم نے ان یہودیوں کو جزا دی بِبَغْيِهِمْ ان کی بغاوت یعنی ظلم کے سبب سے۔ ان کے ظلم یہ تھے (۱) انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنا۔ (۲) سود لینا۔ (۳) لوگوں کا باطل ذریعہ سے مال کھانا۔

قاعدہ ان کے لئے ضابطہ بن چکا تھا کہ گناہ کی سزا میں حلال اشیاء کو اُن پر حرام کر دیا جاتا تھا چونکہ اب وہ اس کے منکر ہو گئے اور کہتے کہ یہ اشیاء جیسے ہم پر حرام ہیں گذشتہ امتوں پر بھی حرام تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حلال کر کے اسے پھر مؤکد فرمایا کہ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ اور بے شک ہم سچے ہیں یعنی ان کی ہر بات کی خبر دینے میں۔

۱۴۷ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ پس اگر وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اس سے یہود اور مشرکین مراد ہیں اور وہ ان کی تکذیب یہ تھی کہ حلال و حرام کی تفصیل جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی اس کا انکار کر دیا۔

فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ پس فرمائیے تمہارا رب تعالیٰ بہت بڑی رحمت والا ہے کہ وہ تمہاری تکذیب کے باوجود تمہاری سزا میں عجلت نہیں کرتا لیکن تمہیں اس سے دھوکہ میں نہ رہنا چاہیے اس لئے کہ وہ تمہیں مہلت دے رہا ہے کہ کہیں سمجھ جاؤ۔ لہٰذا اس تصور میں نہ رہو کہ وہ تمہیں سزا بھی نہیں دے گا۔

وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ اور اس کا عذاب روکا نہیں جا سکتا۔ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ۔ مجرم قوم سے جب کہ نازل ہوگا ۱۴۸ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ عنقریب مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں شرک میں مبتلا کرنا نہ چاہتا مَآ اَشْرَكْنَا تو نہ ہم شرک کرتے وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ اور نہ ہمارے آباء و اجداد اور نہ ہم کسی شے کو حرام کرتے اس سے ان کا منشا یہی تھا کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہے (معاذ اللہ) كَذٰلِكَ اسی تکذیب کی طرح یعنی جیسے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے شرک کیا یا جن اشیاء کو حرام بتایا یہ سب مشروع اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب و مرغوب ہیں اور کہتے کہ اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم ان باتوں میں معاذ اللہ جھوٹے ہو جب کہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے شرک سے روکا ہے اور جن اشیاء کو تم حرام کہتے ہو انہیں اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا۔ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اُن کے متقدمین نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی حَتّٰى ذَاقُوْا یہاں تک کہ انہوں نے چکھا یہ حتیٰ امتداد التکذیب کی غایۃ کے لئے ہے بَاْسَنَا۔ ہمارا عذاب جو کہ ان کی تکذیب پر ہم نے اُن پر نازل کیا۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ یہ مِن زائدہ ہے مِّنْ عِلْمٍ یعنی فرمائیے اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کیا تمہیں

ع ، مفترہ یوں ہو تو بہتر ہوگا۔ گناہ کی سزا میں حلال اشیاء کو الی آخرہ۔

کوئی ایسا امر معلوم بھی ہے کہ جس سے تم اپنے دعویٰ پر حجت کے طور پیش کر سکو۔ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اگر ہے تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو۔ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ تم صرف گمان کی اتباع کرتے ہو یعنی جن امور کے تم مرتکب ہو رہے یعنی شرک اور حلال چیزوں کو حرام کہتے ہیں تم اپنے گمان کی تابعداری کر رہے ہو۔ حالانکہ وہ سراسر باطل اور جہالت پر مبنی ہے۔ ذرہ بھر بھی اس میں یقین کا شائبہ نہیں ہو سکتا۔ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ۔ اور تم اللہ تعالیٰ پر افتراء کر رہے ہو۔ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ یہ فاء محذوف شرط کی جزاء ہے اصل عبارت یوں تھی۔ واذا قد ظهر ان لا حجة لكم فلله الحجة البالغة۔ یعنی اور جب ظاہر ہو گیا کہ تمہارے ہاں کوئی دلیل نہیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں حجت بالغہ ہے۔

فائدہ: حجت بالغہ اس دلیل کو کہتے ہیں کہ متانت اور ثبات کے انتہا کو پہنچے یا ایسی دلیل کہ جس سے مدعی اپنے دعویٰ پر صحیح اترے۔ اس سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور ان کا بیان مراد ہے۔ فَلَوْ شَآءَ پس اگر اللہ تعالیٰ تم سب کو ہدایت دینا چاہے لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ تو تم سب کو ہدایت دیدے یعنی تمہیں اسلام لانے کی توفیق بخشے اور ہدایت کے اسباب تیار فرمادے لیکن وہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے تو اُسے طریق حق کی طرف پھیر دیتا ہے اور اگر کسی کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے ارادے اسلام کے خلاف کر دیتا ہے۔

۱۵۰ قُلْ هَلُمَّ یہ اسم فعل ہے بمعنی احضروا یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمایئے کہ حاضر کرو۔ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا اپنے لیڈروں کو جو ثابت کر دکھلائیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کیا ہے۔ شہداء سے ان کے وہ لیڈر مراد ہیں جن کے اقوال و اعمال کو وہ اپنا مذہب سمجھتے تھے۔ اس سے وہ شہدا مراد نہیں کہ الٹی سیدھی مار کر ان کا دعویٰ صحیح کر دکھائیں۔ اس لئے شہداء کے لفظ کو ان کی طرف مضاف فرمایا یہ حکم اس لئے سنایا تاکہ ان پر حجت قائم ہو کر انہیں معلوم ہو جائے کہ واقعی وہ گمراہی پر ہیں ورنہ اُن کے دعویٰ کی دلیل نہ اُن کے پاس تھی اور نہ ہی اُن کے لیڈروں کے پاس۔

فَاِنْ شَهِدُوْا بفرض محال اگر اُن کے لیڈر کچھ کہہ بھی دیں اور ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ تو آپ ان کی تصدیق نہ فرمائیں اس لئے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں۔ خالص جھوٹ ہے اور واضح طور اس کا فساد بیان کیا جا چکا ہے وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ۔ اور آپ ہماری آیات کی تکذیب کرنے والوں اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کی اتباع نہ کریں۔ اس سے بتوں کے پجاری مراد ہیں موصول ثانی کے موصوف اول پر عطف ہے یہ عطف الصفة علی الصفة مع اتحاد الموصوف کے قبیل سے ہے اس لیے کہ جو آیات کی تکذیب کرتا ہے وہی آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اسی طرح بالعکس وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ۔

اور وہ اپنے رب کے ساتھ اس کا ہمسر مانتے ہیں اس کا عطف " لا یومنون پر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کی اتباع نہ کیجئے جو مذکورہ بالا اوصاف قبیحہ کے جامع ہیں۔

(۱) وہ آیاتِ الٰہی کی تکذیب کرتے (۲) آخرت کا انکار کرتے (۳) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اس معنی پر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روکا ہے بلکہ انہیں یوں فرمایا ہے کہ وہ ایسے بدبخت ہیں کہ ان جملہ امور بالا مذکورہ کے جامع اور ان صفات قبیحہ سے موصوف ہیں۔

فائدہ جامعہ اللہ تعالیٰ نے طیبات کو حلال فرما کر کافروں کے ان توہمات کا رد فرمایا جو اپنی طرف سے بعض اشیاء کو حرام کر دیا۔ اس لئے کہ دین کی بنا وحی پر ہے نہ کہ خواہش نفسانی پر اور خبیث ترین چیزوں کو بھی حرام کیا۔ جیسے شراب اور مردار اور بہتا ہوا رگوں کا خون اور خنزیر وغیرہ وغیرہ یعنی ان کا جیسے کھانا پینا حرام ہے ایسے ہی بیچنا بھی حرام ہے۔ ایسے ہی اُن کے بیچنے سے جو قیمت حاصل ہو گی وہ بھی حرام ہے۔ اُن کے ماسوا ان اشیاء سے انتفاع جائز ہے۔ جیسے مردار کی چربی کو کشتیوں کے سوراخ پر لگایا جاتا ہے اور چمڑوں پر تیل کے طور پر لگاتے ہیں اور اُسے بعض لوگ روشنی کے لئے جلاتے ہیں یہ تمام امور حرام نہیں۔

فائدہ: جتنے امور اللہ تعالیٰ نے حرام کئے ہیں وہ بطور سزا کے ہُوئے یا اُلٹا ان سے انعام دینا مطلوب تھا جیسے یہود پر ان اشیاء کی حرمت بطور سزا کے تھا اور اہل ایمان سے بعض چیزوں کی حرمت محض اس کا فضل وکرم ہے۔ اس لئے کہ اُسے معلوم ہے کہ ان اشیاء کا ضرر نفسانی یا روحانی ونفسانی ہے جیسے زہر کا ضرر اور دیگر وہ اشیاء کہ جن کے استعمال سے ہلاکت جان ہوتی ہے۔ دوسرا ضرر روحانی ہوتا ہے جیسے درندوں اور موذی جانوروں کا گوشت وغیرہ اس لئے کہ اُن کے گوشت سے ان کی عادات کا اثر کھانے والے کے روحانی اخلاق پر پڑتا ہے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا " دُودھ بھی عادات پر اثر انداز ہے۔

حکایت: حضرت الشیخ ابومحمد الجوینی اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ اُن کے صاحبزادے امام ابو المعالی کو غیر عورت دودھ پلا رہی ہے۔ آپ نے بچے کو اٹھایا الٹا دیا اور پیٹ کو ملنا شروع کر دیا اور منہ کے اندر انگلی دبادی۔ اسی طرح بار بار کیا۔ یہاں تک کہ بچے نے پیا ہوا دودھ قے کر دیا حضرت شیخ نے فرمایا کہ میرا بچہ مر جائے تو مجھے اتنا رنج نہیں ہو گا۔ جتنا اس کا غیر عورت کے دودھ پینے سے غم والم ہو گا۔ پھر جب امام ابو المعالی رحمۃ اللہ تعالیٰ جوان ہوئے تو مناظرہ کے وقت ان کی طبیعت پر بوجھ پڑ جاتا۔ فرماتے یہ اس غیر عورت کے دُودھ کا اثر ہے۔

فائدہ: ماں کے دودھ سے بچے کے عادات پر اثر پڑتا ہے اگر عورت نیک ہو تو بچے کو نیکی کی عادت ہو گی اگر عورت

بڑی تو بچہ کے عادات بھی بُرے ہونگے۔

فائدہ: حیوانات کے گوشت میں بھی بہت بڑی تاثیر ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گائے بھینس کا دودھ اور گھی لازم پکڑلو اور ان کے گوشت سے بچو اس لئے کہ ان کے دودھ اور گھی میں شفا اور اُن کے گوشت میں بیماری ہے۔

سوال: اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے نزدیک گائے بھینس کا گوشت ناجائز ہے حالانکہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات کی قربانی کے لئے گائے ذبح فرمائی۔

جواب ۱: امام حلبی نے گائے وغیرہ کے گوشت کو بیماری فرمایا۔ وہ بھی صرف اہلِ حجاز کی یبوست کے پیشِ نظر کہ انہیں بھی یبوست اور گوشت میں بھی یبوست۔ اس سے اہلِ عرب کی بیماری لازمی امر ہے اور ان کی خشکی کا گائے کے دودھ اور گھی سے دُور ہونا ضروری۔ جس سے اُن کی شفا ضروری۔ بنابریں کہ آپ نے عرب کی طبع کے پیشِ نظر یونہی فرمایا اور یہی جواب موزوں تر بھی ہے ورنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کی قربانی کے لئے بُری شے کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش نہ کرتے اور اسے بیماری اس یبوست اور اہلِ عرب کی یبوست کی وجہ سے تعبیر فرمایا۔

جواب ۲: گائے کو قربانی میں ذبح کرنا بیانِ جواز کے لئے ہے۔

جواب ۳: اس وقت آپ کو قربانی کے لئے صرف وہی گائے میسر آئی (کذا فی المقاصد الحسنہ) جوابِ اول موزوں تر ہے

جنون سے حفاظت کا علاج گائے بھینس کے منجملہ فوائد کے ایک فائدہ یہ ہے کہ جو منہ نہار اس کا دودھ پچاس درہم کی مقدار پیئے تو اسے جنون سے حفاظت ہوگی اگر اسے ہوگا بھی اس کے دودھ کی برکت سے دفع ہو جائے گا۔

مسئلہ: حضرت فقیہہ ابو اللیث فرماتے ہیں کہ بقدرِ ضرورت طب کا پڑھنا مستحب ہے بالخصوص جس بیماری میں مبتلا ہو اُس کے مضرات و مفیدات کے ضروری معلومات یاد کر لئے جائیں۔ اس لئے کہ علم دو ہیں (۱) علم الابدان (۲) علم الادیان (العلم علمان علم الابدان وعلم الادیان) علم الابدان کو مقدم فرمانے میں اشارہ فرمایا کہ اس کے ذریعہ انسان بلکہ دیگر حیوانات کے لئے شفا حاصل ہوتی اور جب کہ انسان کا جسم ہی بیمار ہو تو عبادتِ خداوندی نیز حقوق العباد میں کمی آئے گی اور اسی طرح دیگر حیوانات کا حال ہے بالخصوص وہ حیوانات جو کہ انسان سے متعلق ہیں۔ مثلاً اونٹ گائے بھینس گھوڑا بکری وغیرہ جو انسان کیلئے کارآمد ہیں۔

(باقی ص۹۱۹ پر)

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ
تم فرماؤ آؤ میں تمہیں پڑھ سناؤں جو تم پر تمہارے رب نے حرام کیا یہ کہ اس کا کوئی شریک نہ کرو اور

بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ
ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور اپنی اولاد قتل نہ کرو مفلسی کے باعث ہم تمہیں اور انہیں سب

وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا
کو رزق دیں گے اور بے حیائیوں کے پاس نہ جاؤ جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی اور جس جان کی

النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥١﴾
اللہ نے حرمت رکھی اسے ناحق نہ مارو یہ تمہیں حکم فرمایا ہے کہ تمہیں عقل ہو

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا
اور یتیموں کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر بہت اچھے طریقہ سے جب تک وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور ناپ

الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ
اور تول انصاف کے ساتھ پوری کرو ہم کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کے مقدور بھر اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو

فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ
اگرچہ تمہارے رشتہ دار کا معاملہ ہو اور اللہ ہی کا عہد پورا کرو یہ تمہیں تاکید فرمائی کہ کہیں تم

تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٢﴾ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ
نصیحت مانو اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور اور راہیں نہ چلو

فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٥٣﴾ ثُمَّ آتَيْنَا
کہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گی یہ تمہیں حکم فرمایا کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے پھر ہم نے موسیٰ کو

مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَ
کتاب عطا فرمائی پورا احسان کرنے کو اس پر جو نکوکار ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت

رَحْمَةً لَعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٤﴾
اور رحمت کہ کہیں وہ اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں

تفسیر عالمانہ ۱۵۱ قُلْ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ سے فرمائیے تَعَالَوْا یہ تعالیٰ کا امر ہے دراصل اس لفظ سے اپنے مکان پر چڑھ کر نیچے والے کو بلانے کیلئے وضع کیا گیا ہے[1] گویا جیسے کوئی نیچے ہاں یا اپنی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہوتا ہے تو اس کلمہ سے مخاطب کو بلایا جاتا ہے بلانے والا خواہ اوپر ہو یا نیچے

---

۱ ؎ جیسے انگریزی دان کہا کرتے ہیں come up یا come on اس سے اُن کی مراد دوسرے کو مخاطب کرنا قدرے زور دار لہجے میں ہوتا ہے۔

بقیہ صفحہ

مسئلہ: بوقت ضرورت علماء نے حرام اشیاء سے علاج کی اجازت بخشی ہے

مسئلہ: اشیاء میں سے کہ طعام ہیں جب تغیر آ جائے (یعنی عفونت) تو وہ پلید ہو جاتا ہے[5]

مسئلہ: دودھ، زیتون، گھی میں جب بدبو پیدا ہو جائے تو ان کا کھانا حرام نہیں۔

مسئلہ: مرغی ذبح کر کے اس کا پیٹ چاک کئے بغیر ہانڈی پر چڑھا دی جائے تو وہ پانی بھی پلید اور گوشت ہوا بھی (خواہ پانی کے بغیر بھونی ہی جائے) ہاں بلی اسے اٹھا کرے جائے لیکن خود اس کے آگے نہ رکھیں گے۔ (یہ احتیاطی حکم ہے)

سبق دانا پر لازم ہے کہ بدن کو ضرر پہنچانے والی اشیاء سے احتراز کرے بدن کے مضرات میں پیٹ بھر کر کھانا بھی شمار ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا: بیماریوں کا اصل پیٹ بھر کر کھانا اور اس کا علاج بھوکا رہنا ہے ؎

آں حکیمے کہ دُر حکمت سفت
کُلُوْ قلیلا تعش کثیرا گفت

ترجمہ: اس حکیم نے حکمت کے موتی پروئے ہیں فرمایا کہ تھوڑا کھا بڑی عمر تک زندگی بسر کرے گا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

ندارند تن پروراں آگہی
کہ پُر معدہ باشد ز حکمت تہی

ترجمہ: نہیں رکھتے تن پرور خبر اس لئے کہ معدہ کو پُر کرنے والے حکمت سے خالی ہوتے ہیں۔

اوپر نیچے کے الفاظ محض محاورہ کیلئے ہیں ورنہ واقعۃً ایسا ہونا ضروری نہیں) اُتلُ یہ تعالَوا امر کا جواب ہے اس لئے مجزوم ہے بمعنی اقرا یعنی آؤ میں تمہیں پڑھ سناؤں مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر حرام فرمائی ہیں یعنی وہ آیات پڑھ کر سناؤں جن میں اشیاء کی حرمت کا بیان ہے۔ عَلَيْكُمْ یہ حَرَّمَ سے متعلق ہے ان مفسرہ اور لَا ناہیہ ہے۔ تُشْرِكُوا بِهٖ اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔ شَيْئًا اس کی تنوین تنکیر کی ہے۔

قاعدہ تفسیریہ ان تین آیات میں یعنی لَا تُشْرِكُوا بِهٖ الخ سے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تک دس خصلتوں جو تمام بھلائی کی جامع ہیں کا بیان ہے اور تمام آسمانی کتب تا قرآن مجید میں منسوخ ہو کر مندرج ہو رہی ہیں یہ تمام خصلتیں تمام بنی آدم پر حرام ہیں اور تمام زمانوں اور تمام امتوں میں بحال رہی ہیں کبھی ان میں تغیر و تبدل اور اختلاف نہیں ہوا۔ وہ دس خصلتیں یہ ہیں

(۱) لَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا شرک کے بیان میں تقدیم اس لئے ہے کہ یہ راس المحرمات ہے مشرک کی کوئی نیکی بھی قبول نہیں ہوتی۔ شرک دو قسم ہے (۱) جلی یعنی بتوں کی پرستش شرک جلی ہے (۲) خفی یعنی اللہ تعالیٰ واحد قہار کے ساتھ اغیار کا خیال (صوفیا کے نزدیک) شرک خفی ہے ؎

تا دم وحدت زدی حافظ شوریدہ حال
خامہ توحید کش بر ورق این و آن

ترجمہ: توحید کا دم بھرتا ہے تو اے حافظ شوریدہ حال تو تجھے چاہیے کہ توحید کا قلم این و آن کے ورق پر

(۲) وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اور ماں باپ سے احسان کرو یعنی ان کی نافرمانی نہ کرو۔ اس لئے کہ ان کی نافرمانی حرام ہے

(قاعدہ) شئے کا امر اس کی ضد کی نہی کو مستلزم ہے جیسے احسان کے امر سے بدزبانی کی نہی ثابت ہوئی اسی طرح فرمایا هُوَ اَوْفُوا اس میں کم تولنے کی نہی ہے۔

سوال: اگر نہی مطلوب ہے تو پھر اسے امر سے کیوں تعبیر کیا ہے؟

جواب: تاکہ حقوق کی رعایت میں مبالغہ ہو اس لئے کہ محض ان کے حقوق کی ادائیگی میں ترک اساءت ناکافی ہے ان دس خصلتوں میں یہ دوسری خصلت ہے۔

سوال: تحریم شرک کے بعد تحریم عقوق کے ذکر میں کیا راز ہے۔؟

جواب: والدین بچے کے لئے قریبی سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کا موجد ہے تو والدین کو پرورش کے لحاظ سے درجہ ثانویہ حاصل ہے فلہذا ان کے حقوق کی ادائیگی میں سستی کرنے کا نام عقوق ہے اور یہی شرک بعد کبیرہ گناہ ہے،

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے جنگل میں جا رہا تھا۔ دیکھا کہ اچانک میرے ساتھ ایک بزرگ چل رہے ہیں۔ مجھے ان سے تعجب ہوا اور خیال گزرا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ میں نے اُن سے عرض کیا کہ آپ کو خدا تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں سچ فرمایئے آپ کون ہیں انہوں نے فرمایا میں تیرا بھائی خضر ہوں۔ میں نے عرض

کیا آپ میرے ساتھ کیوں چل رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا چونکہ تم اپنی والدہ کے فرمانبردار ہو اس لئے میں تمہارے ساتھ چلنے پر مامور ہوں ۔

جنت کہ سرائے مادر انست

زیر قدمہائے مادر انست ۔

ترجمہ : وہ جنت جسیں ہماری سرائے ہے وہ ماں کے قدموں کے نیچے ہے ۔

(۳) وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو یعنی اپنی بچیوں کو زندہ درگور نہ کرو ۔

مِنْ اِمْلَاقٍ تنگ دستی کی وجہ سے اتفاق یعنی زاد و نفقہ کو جاری کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے املق الرجل اس وقت بولتے ہیں جب کوئی زاد و نفقہ کا اظہار کرے ملق سے ماخوذ ہے بمعنی طلب مراد میں اپنی جد وجہد خرچ کرنا

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ہم تمہیں اور انہیں روزی دیں گے لہٰذا فقر و افلاس سے نہ ڈرو اس خطرہ سے کہ تم رزق کیسے حاصل کر سکو گے ۔

یہ تیسرا حکم ہے ان دس خصلتوں میں جن کے متعلق پہلے بیان کیا گیا ہے

نکتہ : بچوں کو قتل کرنے کی رکاوٹ اس لئے ہے کہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے دین کی بنیاد کو ڈھاتا ہے اور ملعون ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کے دین کی بنیاد کو ڈھاتا ہے اور اس طرح سے اس کے درخت کا ثمرہ توڑنا اور اس کی کھیتی کو اجاڑنا اور نسل کو قطع کرنا اور امر رزق میں توکل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا ۔ ان اُمور سے تکذیب الٰہی لازم آتی ہے اس لئے کہ اس کا وعدہ ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ۔ سے

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم

با پادشاہ بگوئے کہ روزی مقدر است

ترجمہ : ہم نے فقر و قناعت کی قدر نہ کی ۔ بادشاہ کو کہو کہ روزی مقدر ہے ۔

(۴) وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ (اور زنا کے قریب نہ جاؤ) نکتہ فواحش جمع کے صیغہ میں لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ زنا کے جمیع انواع حرام ہیں۔ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ " سے الفواحش سے بدل الاشتمال ہے۔ مَا ظَهَرَ سے وہ زنا مراد ہے جو گھروں میں عام زنا کیا جائے ۔ جیسے کہ رذیل لوگوں کی عادت ہے۔ وَمَا بَطَنَ سے وہ زنا مراد ہے جو چوری چھپے کیا جائے ۔ جیسے شرافت کے مدعیوں سے اس طرح کی غلطیاں ہو جاتی ہیں ۔

یہ ان دس خصلتوں سے چوتھا حکم ہے

نکتہ : زنا سے قریب جانے کی نہی سے مبالغہ مقصود ہے یعنی یہ ایسی گندی خصلت ہے کہ اس کے قریب بھی نہ جانا چاہئے

مسئلہ: اس میں وہ اعمال بھی داخل ہوں گے جو بہشت سے دوری اور دوزخ میں داخلے کا سبب بنتے ہیں مَا ظَهَرَ کا یہی مطلب ہے اور بعض امور وہ ہیں جن سے اگرچہ بہشت سے دوری اور دوزخ کے داخلہ کا سبب تو نہیں لیکن حق سے دور اور محجوب بنا دیتے ہیں یہ مَا بَطَنَ سے یہی مراد ہے۔

فائدہ: مَا ظَہر سے وہ گناہ مراد ہیں جن کا ارتکاب ہو جائے اور مَا بَطَنَ سے وہ جو ابھی ارادہ میں ہیں اور آنکھ کا زنا بھی اس میں داخل ہے ؎

ایں نظر از دور چوں تیر است و سم
عشقت افزوں میشود صبر تو کم

ترجمہ: یہ نگاہ دور سے تیز و زہر کی طرح ہے اس سے عشق بڑھے گا اور صبر کم۔

اعجوبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مرد میں شیطان کے تین گھر ہیں۔(۱) دونوں آنکھیں (۲) قلب (۳) اور ذکر اور عورت میں بھی اس کے تین گھر ہیں۔(۱) دونوں آنکھیں (۲) قلب (۳) ظہر۔

(۵) وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اور اس نفس کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے یعنی احکام اسلام کی رو سے یا اس سے معاہدہ ہوا ہے۔اس سے حربی خارج ہوا کہ اس کے قتل کرنے میں حرج نہیں اس لئے کہ اس کے قتل سے نہ اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اور نہ ہی اس سے معاہدہ ہوا ہے۔

اِلَّا بِالْحَقِّ۔یہ استثنار مفرغ ہے یعنی اس کا مستثنیٰ منہ اعم الاحوال مقدر ہے یعنی اسے کسی حال میں بھی قتل نہ کرو۔ مگر بوقت حق سے ملابس ہونے کے اور وہ شرع کا حق ہے یعنی جس کے قتل میں شرع نے اجازت بخشی ہے اور وہ یہ ہیں (۱) مرتد ہونے کے بعد (۲) شادی شدہ کا زنا کرنا (۳) نفس معصوم کو قتل کرنے کے بدلے میں۔یہ ان دس خصلتوں میں سے پانچواں حکم ہے۔

نکتہ: کسی کو ناحق قتل کرنے میں امرِ حق کی تعظیم اور شفقت علی الخلق کا ترک لازم آتا ہے اور یہ دونوں امور دین کی بنیاد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: دراصل قتلِ حق یہ ہے کہ بندہ طلب حق میں مر جائے اور جو راہ حق میں مر جائے حقیقۃً وہ زندہ ہے۔

حکایت: حضرت ابو سعید خراز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک دن میرا بنو شیبہ کے ایک گھر سے گزر ہوا۔میں نے ایک نوجوان کو مردہ پایا۔ میں نے اسے جھانک کر دیکھا تو اس نے میرے دیکھنے پر آنکھ کھول اور ہنس پڑا اور فرمایا اللہ والے مرتے نہیں۔ بلکہ وہ زندہ رہتے ہیں۔ وہ ایک دار سے منتقل ہو کر دوسری دار میں چلے جاتے ہیں ؎

مشو بزرگ ز امداد اهل دل نا اُمید
کہ خواب مردم آگاہ عین بیدار یست

ترجمہ : اللہ والوں کی ہمت کے بعد ان کی امداد سے ناامید نہ ہو، کیونکہ آگاہ مرداں خدا کی نیند میں بیداری ہے۔
ذٰلِکُمْ یہ مذکورہ بالا امور خمسہ کی طرف اشارہ ہے وَصّٰکُمْ بِہٖ ان امور کی اللہ تعالیٰ نے وصیت فرمائی ہے یعنی ان کی حفاظت کا تاکیدی حکم فرمایا ہے لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ تاکہ تم سمجھ جاؤ یعنی اگر عقل سے کام لو تو ان امورِ قبیحہ کے ارتکاب سے تمہیں خود بخود رُکنا پڑے گا۔

۵ آیت ۱۵۲، وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ مال یتیم کے قریب نہ جاؤ۔ یعنی ان کے مال کا کسی حال میں بھی تعرض نہ کرو۔
فائدہ : یتیم انسانوں میں اسے کہا جاتا ہے کہ جس کا بلوغت سے پہلے باپ فوت ہو جائے اور حیوانوں میں اسے کہتے ہیں جس کی ماں مر جائے اور یہ خطاب یتیموں کے متولیوں اور وصیوں کو ہے اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ مگر اس خصلت سے کہ یہ اچھی ہے یعنی اس کے مال کی حفاظت کرتے ہوئے بقدر ضرورت کچھ کھا لیا جائے تو کوئی حرج نہیں حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ یعنی یتیم کے مال کی اس وقت تک حفاظت کرو جب کہ وہ بالغ اور سمجھدار ہو جائے۔ اس کے بعد اس کا مال اس کے حوالے کر دو۔
مسئلہ : حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پختہ عمری پچیس سال تک ہو جاتی ہے جب لڑکا اس عمر کو پہنچے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے لیکن شرط یہ ہے کہ پاگل نہ ہو۔ صرفی تحقیقات فائدہ۔ جوہری نے لکھا کہ اَشُدٌّ بمعنی قوت اور یہ پندرہ سے اٹھارہ تیس سال کے درمیانی عمر کا نام ہے، یہ آنک کی طرح واحد ہے اور جمع کے وزن پر آیا ہے۔ ان کے سوا باقی اور کوئی صیغہ واحد ہو کر جمع کے وزن پر نہیں آتا۔ سیبویہ نے کہا کہ یہ جمع ہے اس کا واحد شدہ ہے۔

فائدہ : یہ ان خصلتوں میں سے چھٹا حکم ہے۔
نکتہ : یتیم کے مال کی حفاظت کا حکم اس لئے دیا ہے کہ یتیم عاجز ہوتا ہے اس کے عجز کے پیش نظر اللہ تعالیٰ خود اس کا متولی ہوا اور اپنے بندوں کو حکم دیا کہ وہ اس پر نظرِ شفقت فرما کر اس کے حقوق کی نگرانی کریں ؎

الا تا نگرید کہ عرشِ عظیم
بلرزد ہمی چوں بگرید یتیم

ترجمہ : خبردار یتیم نہ روئے کیوں کہ عرش عظیم کانپ جاتا ہے جب یتیم روتا ہے۔
(۷) وَاَوْفُوا الْکَیْلَ ، مکیلات کو پورا بھرو یعنی انہیں مکمل کر کے کسی شے کو نہ گھٹاؤ۔ وَالْمِیْزَانَ اور وزن والی چیزوں کو ترازو سے پورا تولو۔ بِالْقِسْطِ ، اَوْفُوْا کے فاعل سے حال ہے یعنی ان دونوں کو پورا کرو۔ درآنحالیکہ تم عدل کرنے والے ہو۔ قسط بمعنی عدل ،

سوال: ایفاء الکیل والمیزان قسط (عدل) کا دوسرا نام ہے پھر تکرار کا کیا فائدہ؟

جواب: اس میں اشارہ ہے کہ دینے والے کو چاہیے کہ حق والے کو پورا پورا حق ادا کرے۔ اسی طرح لینے والے پر بھی لازم ہے کہ وہ صرف اپنا حق کا مطالبہ کرے۔ لالچ کرکے زائد کا طالب نہ ہو۔

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ہم کسی کو اس کی طاقت سے زائد تکلیف نہیں دیتے یعنی جتنا اس سے آسانی سے ہو سکے وہ اس پر گراں نہیں ہوتا۔

سوال: اوامر کے بعد ہی اسے بیان کیا گیا ہے۔ اس کا کیا فائدہ۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ بندے سے جملہ امور کی حقیقی طور پابندی مشکل ہے اس لئے کہیں گھبرا کر اُن پر عمل کرنا چھوڑ نہ دے اس سے اُسے تسلی ہو کہ ما لا یدرك كله لا يترك كله میں نجات ہے جتنا اس سے ہو سکے بجا لائے اور جو اس سے نہیں ہو سکتا اس پر مالک مواخذہ نہیں فرمائے گا۔

مسئلہ: جو شخص بھر تول میں اپنے خیال سے کمی بیشی نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے خیال سے اُسے صحیح بھر تول سمجھتا ہے تو اس سے اگرچہ معمولی کمی بیشی ہو جائے تو وہ اسے معاف ہے۔ اُس سے کسی قسم کی گرفت نہیں ہوگی۔

مسئلہ: جو بھر تول میں کمی بیشی کرتا ہے تو اس کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

سبق: انسان کو چاہیے حتی الامکان کوتاہی نہ کرے۔ اگر بے خبری میں غلطی ہو جائے تو معاف ہے۔

حکایت منقول ہے کہ ایک شخص بھر تول میں عمداً کمی بیشی کرتا تھا جب اس پر نزع طاری ہوئی تو اُسے لا الٰہ الا اللہ (کلمہ توحید) کی تلقین کی گئی تو کہنے لگا کیا کروں میری بھر تول کا ترازو میری زبان پر چڑھا ہوا ہے اس لئے کلمہ توحید پڑھا نہیں جا سکتا۔ اس سے پوچھا گیا کیا تم بھر تول میں عمداً کمی بیشی کیا کرتے تھے اُس نے کہا نہیں صرف اتنی غلطی ہوئی ہے کہ کبھی ترازو کے پلڑے میں گرد و غبار کو صاف کئے بغیر سودا دے دیتا تھا چونکہ اس گرد و غبار کی مقدار گاہک کو نقصان ہوتا تھا۔ بنابریں حقوق غیر میں میری گرفت ہو رہی ہے۔

سبق: غور کیجئے جب معمولی گرد و غبار سے اتنی سخت سزا تو جو لوگ منوں کے من ہڑپ کر جاتے ہیں ان کا کیا حشر ہوگا۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک ہمسایہ تھا۔ اس پر نزع طاری تھی۔ آپ اس کے ہاں تشریف لے گئے اور حال پوچھا تو اس نے کہا آگ کے دو پہاڑ میرے سامنے ہیں اور مجھے حکم ہوتا ہے کہ ان پر چڑھ جاؤں۔ لیکن مجھ سے چڑھا نہیں جاتا۔ حضرت مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اُس کے گھر والوں سے پوچھا کہ اس کا عمل کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس کے دو طرح کے ترازو تھے دینے کا اور لینے کا اور میں کہا دونوں کو میرے ہاں لے آؤ۔ جب ترازو آپ کے ہاں لایا گیا تو آپ نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پھر پوچھا تو اس نے کہا کہ الٹا اُس سے اور زیادہ مصیبت بڑھتی ہے۔

فائدہ: یہ ان دس خصلتوں سے ساتواں حکم ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ ہر شے کا پیمانہ وزن رکھو اور میزان شرع سے حقوق کا اہتمام پورے کرو اور اپنے استعداد کے مطابق حظوظ کی تکمیل کرو۔

ہر کسے بقدر بال و پر خویش می پرد

ترجمہ: ہر شے اپنے بال و پر کی طاقت کے مطابق اُڑتی ہے۔

(۸) وَإِذَا قُلْتُمْ اور جب تم بات کرو حکمت کے متعلق یا گواہی میں اور اسی طرح جملہ امور میں فَاعْدِلُوا تو عدل و انصاف سے کام لو۔ وَلَوْ كَانَ اور اگرچہ مقول لہ ہو یا مقول علیہ ذَا قُرْبَىٰ تمہارا رشتہ دار ہو۔ تو رشتہ داری کی وجہ سے اس کی رعایت نہ کرو کیونکہ کامور کا دار و مدار حق شرع کی اتباع اور طلب رضائے الٰہی میں ہے نہ کہ رشتہ داری اور غیر رشتہ داری پر۔

فائدہ: یہ دس خصلتوں میں سے آٹھواں حکم ہے۔

تفسیر صوفیانہ: عدل کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں غیریت کا شائبہ نہ ہو اور ہر کلام اللہ تعالیٰ کے لئے اور اسی کی تعمیل و قال ہو اور یہ بات صرف اہلِ تحقیق کو نصیب ہوتی ہے اس لئے کہ دوسروں کے کلام میں کوئی غرض مضمر ہوتی ہے۔

بانگ ہد ہد گر بیا موزد فتی
راز ہد ہد کو و پیغام سبا

ترجمہ: ہد ہد کی اگر آواز کسی نے سیکھ لی تو اسے چاہیے کہ ہد ہد اور سبا کا راز سمجھائے۔

(۹) وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا اور اللہ تعالیٰ کا وہ معاہدہ پورا کرو جو اس سے ہوا۔ وہ جس طرح کا بھی ہو مثلاً عدل و انصاف سے کام لینا۔ احکام شرع ادا کرنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ: عہد اپنے فاعل کی طرف مضاف ہو تو اس سے یا وہ معاہدہ مراد ہوتا ہے جو ہم ایمان و نذور کے ذریعہ معاملات کرتے ہیں یا اس سے وہ ایفائے عہد مراد ہوتا ہے جو انسان آپس میں کرتے ہیں۔ یا اس سے وہ ایفائے عہد مراد ہوتا ہے جو انسان آپس میں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس لئے مضاف ہے کہ اس نے اس کے ایفاء و حفاظت کا حکم فرمایا ہے۔

وفاء عہد نکو باشد ار بیاموزی
وگرنہ ہر کہ تو بینی ستمگری داند

ترجمہ: وعدہ وفائی اگر تم سیکھو تو اچھا ہے ورنہ جسے بھی دیکھو وہ ظلم کرنا جانتا ہے۔

یہ ان دس خصلتوں سے نواں حکم ہے۔

تفسیر صوفیانہ حقیقی عہد یہ ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ کی عبادت کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور صرف اُسی کی محبت میں مستغرق ہو۔ سوائے اس کے اور کسی کو نہ دیکھے ۔

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بریک عہد و یک میثاق بود

ترجمہ ۔ صبح ازل سے لے کر ابد کی شام تک دوستی و مہر و محبت ایک عہد و میثاق پر ہے۔

ذٰلِکُمْ ۔ یہ چاروں امور بالا کی طرف اشارہ ہے جو ابھی مذکور ہوئے وَصّٰکُم بِہٖ اُس کی تمہیں اللہ تعالیٰ نے وصیت فرمائی یعنی تاکیدی امر فرمایا ہے۔ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو یعنی اُن کی تاکید کو سمجھ کر اُن کے مقتضیٰ پر عمل کرو۔

۱۵۳ وَاَنَّ یہاں لام مقدر ہے اور یہ پچھلے امر کی علت ہے یعنی اس لئے کہ ھٰذَا یہ اس سورۃ کے مضمون یعنی اثبات توحید و نبوت اور بیان شریعت کی طرف اشارہ ہے صِرَاطِیْ میرا مسلک اور میری شریعت ہے۔ شریعت کو طریقۂ الٰہی اس لئے کہا گیا کہ اس کی وجہ جنت کے ثواب کو حاصل کیا جاتا ہے اور یاء متکلم سے حضور علیہ السلام مراد ہیں اور وہ اس لئے کہ آپ اس راستہ پر چلتے ہیں اور اس نسبت سے صراط کو حضور علیہ السلام کی طرف مضاف کیا گیا نہ اس وجہ سے کہ آپ ہی اس کے واضع ہیں اس لئے کہ اس کا واضع اللہ تعالیٰ ہے اس اعتبار سے اسے صراط اللہ کہا جاتا ہے۔ مُسْتَقِیْمًا سیدھی راہ اور نہایت مضبوط یہ حال موکدہ ہے۔ فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ ۔ پس اس کی تابعداری کرو اور دوسرے راستوں کی اتباع نہ کرو۔

فائدہ: دوسرے راستوں سے وہ راستے مراد ہیں جو صراط مستقیم کے خلاف ہیں جیسے یہودیت و نصرانیت اور دیگر گمراہ ملتیں۔ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ یہ مضارع منصوب ہے اس لئے کہ فاء کے بعد ان مقدر ہے اس لئے کہ نہی کے جواب میں جب فاء مضارع پر ہوتی ہے وہاں ان مقدر ہوتا ہے اور مضارع کی دوسری تاء بھی محذوف ہے۔ در اصل فَتَتَفَرَّقَ تھا۔ اور یہ باء تعدیہ کی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہی مختلف راستے تمہیں متفرق کرکے ہٹا دیں گے۔ عَنْ سَبِیْلِہٖ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے یعنی اس کے اس دین سے جسے وہ پسند کرتا ہے اور جس کی اس نے تمہیں وصیت فرمائی ہے اس سے دین اسلام مراد ہے۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کا راستہ بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔

فائدہ: یہ اُن دس خصلتوں میں سے دسواں حکم ہے ۔

۱ ۔ خلافِ پیغمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

۲ ۔ پندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

ترجمہ: ۱۔ پیغمبر علیہ السلام کے خلاف جس نے راہ اختیار کیا وہ منزلِ مقصود کو ہرگز نہ پہنچے گا۔
۲۔ اے سعدی یہ محال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے بغیر راہ ہدی پالے گا۔

ذٰلِكُمْ یہ اتباع سبیل الٰہی اور ترکِ اتباع سبیل ضلالہ کا طرف اشارہ ہے وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی وصیت فرمائی ہے تاکہ تم سبیلِ کفر کی اتباع اور گمراہی سے بچ جاؤ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو آپ نے ایک لکیر کھینچ کر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے پھر اس راستے کے دائیں بائیں لکیریں کھینچیں (جس کا نقشہ یہ ہے) اور فرمایا کہ یہ مختلف راستے ہیں کہ جس کے پیچھے شیطان بیٹھ کر اپنی طرف بلاتا ہے

فائدہ: شریعت پاک کا دوسرا نام صراطِ مستقیم ہے وہ تلوار سے تیز اور بال سے باریک تر ہے اسی لیے ہم نماز کی ہر ہر رکعت میں بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں "اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" جو دنیا میں اس راستہ سے بھٹک گیا وہ آخرت کے سیدھے راہ سے محروم ہو گیا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا، دنیا میں اس راستہ سے بھٹکنے والے بہت ہیں اُن میں سب سے زیادہ عورتیں ہیں۔

فائدہ: دورِ حاضرہ میں شہوات رانی اور اپنی من مانی پر عمل کرنے میں مرد عورتوں سے کم نہیں۔ دین غریب ہو کر شروع ہوا اور غریب ہو کر لوٹے گا۔ بہت تھوڑے لوگ اس سے مانوس ہوتے اور اس سے پیار کرنے والے ہوں گے۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے محققین فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم بدایت و نہایت کے سوا متعین نہیں ہو سکتا اور عارف کو معلوم ہے کہ سب کی ابتدا کس سے ہے اور سب کی انتہا ایک ہے اور حضرت شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہ نے اعجاز البیان میں فرمایا کہ صراط حق کا ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر محیط ہے اس سے احاطہ وجودی مراد ہے یا علمی یہ اختلاف اقوال اس کا منتہائے سیر صراط ہے اور سیر کی غایت سالک ہے۔ چنانچہ فرمایا " وہ اللہ کہ زمین و آسمان وما فیہما جس کے قبضہ میں ہے اس کا راستہ وہ ہے جو صرف اسی کی طرف راجع ہے ؎

۱: ہر جا قدمے زدیم در کوئے تو بود
ہر گوشہ کہ رفتیم سوئے تو بود

۲: گفتیم مگر سوئے دگر راہے ہست
ہر راہ کہ دیدیم ہمہ سوئے تو بود

ترجمہ: ۱۔ جہاں بھی ہم نے قدم رکھا وہی تیری گلی ہی تھی جس کونے میں ہم پہنچے ان کا رُخ تیری طرف ہی تھا۔
۲۔ ہم نے سمجھا کہ کوئی اور راہ ہوگا لیکن جو راہ دیکھا وہ تمہاری طرف ہی تھا۔

(باقی صفحہ ۳ پر)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ

اور یہ برکت والی کتاب ہم نے اتاری تو اس کی پیروی کرو اور

اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَیْنِ مِنْ

پرہیزگاری کرو کہ تم پر رحم ہو کبھی کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں پر اتری تھی

قَبْلِنَا وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا

اور ہمیں ان کے پڑھنے پڑھانے کی کچھ خبر نہ تھی یا کہو کہ اگر ہم پر کتاب اترتی تو ہم ان

الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ ۚ

سے زیادہ ٹھیک راہ پر ہوتے تو تمہارے پاس تمہارے رب کی روشن دلیل اور ہدایت اور رحمت

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ صَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ

آئی تو اس سے زیادہ ظالم کون جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور ان سے منہ پھیرے عنقریب وہ جو ہماری آیتوں سے

یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ

منہ پھیرتے ہیں ہم انہیں برے عذاب کی سزا دیں گے بدلہ ان کے منہ پھیرنے کا کاہے کے انتظار میں ہیں

اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ یَاْتِیَ رَبُّكَ اَوْ یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ

مگر یہ کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا تمہارے رب کا عذاب یا تمہارے رب کی ایک نشانی آئے جس دن تمہارے رب

بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ

کی وہ ایک نشانی آئے گی کسی جان کو ایمان لانا کام نہ دے گا جو پہلے ایمان نہ لائی تھی یا اپنے

فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ

ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی تھی تم فرماؤ رستہ دیکھو ہم بھی دیکھتے ہیں وہ جنہوں نے اپنے دین میں جدا جدا راہیں نکالیں

وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا

اور کئی گروہ ہو گئے اے محبوب تمہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں ان کا معاملہ اللہ ہی کے حوالہ ہے پھر وہ انہیں بتادے گا جو کچھ

یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ

وہ کرتے تھے جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیے اس جیسی دس ہیں اور جو برائی لائے تو اسے بدلہ

فَلَا یُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ

نہ ملے گا مگر اس کے برابر اور ان پر ظلم نہ ہوگا تم فرماؤ بے شک مجھے میرے رب نے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

سیدھی راہ دکھائی

۱۵۴ وَهٰذَا اور یہ قرآن کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا۔
فائدہ : منکرین کا گمان غلط ہے جب کہ کہتے ہیں کہ اسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔
مُبٰرَکٌ بابرکت ہے یعنی دینی و دنیوی منافع سے پُر ہے۔

بقیہ صد ۷۲۷

۱۵۵ ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے اس کی اصل عبارت یوں ہے فعلنا تلک التوصیۃ باتباع صراط اللہ ثم اٰتینا الخ یعنی ہم نے تمہیں حکم فرمایا کہ صراط اللہ کی اتباع کرو۔ پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی یہاں کتاب سے تورات مُراد ہے اور لفظ ثم اخبار میں تراخی کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ بلغنی ما صنعت الیوم ثم ما صنعت امس اعجب (تمامًا) بحذف الزوائد تم کا مصدر ہے یعنی تمہارے اوپر کرامت و نعمت کو مکمل کیے عَلَی الَّذِیْٓ اَحْسَنَ۔ اوپر اُس کے جس نے نعمت کے حقوق پورے ادا کئے۔
فائدہ : اس سے انبیاء علیہ السلام اور خواص مومنین مراد ہیں۔ وَتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ اور دین کے امور میں جن باتوں کی ضرورت پڑتی ہے اسمیں اس کا تفصیلی بیان ہے۔
سوال : شریعت میں اجتہاد کا ثبوت ملتا ہے اس لئے کہ جب قرآن مجید میں ہر شے کی تفصیل ہے تو پھر اجتہاد کی کیا ضرورت ہے۔
جواب : قرآن مجید میں مسائل شرع کے اصول کی تفصیل ہے اور اجتہاد فروع میں ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اصول کی تفصیل کا ذکر سورۃ یوسف میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ وَتَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی اور وہ گمراہی سے بچا کر ہدایت دینے والا ہے" وَّرَحْمَۃً" مومن اور نیک عمل کرنے والے کو عذاب سے نجات دلا کر رحمت عطا فرماتا ہے لَعَلَّھُمْ اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں۔
فائدہ : یہ ضمیر بنی اسرائیل کی طرف اس لئے لوٹائی گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر پہلے آگیا ہے اس قرینہ سے یہاں پہ بنی اسرائیل مراد لینا زیادہ موزوں ہے۔ بِلِقَآءِ رَبِّھِمْ یُؤْمِنُوْنَ۔ اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں یہ مار یومنون کے متعلق ہے تاکہ مرا ٹھنے پر ایمان لا کر ثواب و عقاب کی تصدیق کریں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اس کی برکتیں آپ پر اس لئے ہیں کہ آپ کے قلب اطہر پر اس کا ورود ہوا پھر آپ کی عادات سراپا قرآن ہو گئیں اور آپ کی امت پر برکت اس لئے ہے
قرآن ایک ایسی رسی ہے جو بندے کو اپنے مولا سے ملاتی ہے جو اسے مضبوط پکڑ لیتا ہے وہ اپنے مولائے کریم سے ضرور
مستفید ہوتا ہے۔ فَاتَّبِعُوْهُ پس اس کی اتباع کرو۔ یعنی اس کے تمام احکام پر عمل کرو وَاتَّقُوْا اور قرآن مجید کی
مخالفت سے بچو۔ لَعَلَّكُمْ اس کی اتباع اور اس پر عمل کی وجہ سے امید ہے کہ تم پر رحم ہوگا۔

۱۵۶ اَنْ تَقُوْلُوْٓا الخ یہاں پر بصریوں کے نزدیک مبتدا محذوف ہے دراصل عبارت یوں ہے اَنْزَلْنَاهُ
کراھۃ اَنْ تَقُوْلُوْا الخ ہم نے اسے نازل کیا تاکہ قیامت میں تم اے اہل مکہ عذر کر کے کہو کہ ہمارے ہاں تو کوئی
کتاب نازل نہیں ہوئی تھیں۔ اِنَّمَآ اُنْزِلَ بے شک کتاب تورات و انجیل نازل کی گئیں۔ عَلٰی طَآئِفَتَيْنِ
پر دو گروہوں کے مِنْ قَبْلِنَا۔ جو ہم سے پہلے تھے یعنی یہود و نصاریٰ۔

سوال: ان دو کتابوں کی تخصیص کیوں۔ حالانکہ زبور اور دوسرے صحف بھی نازل ہوئے۔

جواب: چونکہ سماوی کتب میں اہل مکہ انہی کو زیادہ جانتے تھے اور شہرت بھی زیادہ انہی کی تھی۔ اور مکہ والے
صرف یہود و نصاریٰ سے متعارف تھے۔ اس لئے ان کی تخصیص کی گئی وَاِنْ یہ مخففہ من المثقلہ ہے دراصل اِنَّنَا
تھا۔ یعنی بے شک شان یہ ہے کہ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ۔ ہم ان کی قرأت سے

سوال: دِرَاسَتِهِمَا کیوں نہ فرمایا؟

جواب: اس لئے کہ ان دونوں یعنی اہل تورات و انجیل میں ہر ایک علیحدہ اور مستقل گروہ تھا۔
لَغٰفِلِيْنَ۔ ہم غافل تھے ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اس لئے کہ وہ کتابیں
ہماری لغت میں نہیں تھیں۔ ہم انہیں پڑھ نہیں سکتے تھے **۱۵۷** اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ۔
یا کہو کہ ان کی طرح اگر ہمارے اوپر بھی کوئی کتاب نازل کی جاتی لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ البتہ ہم ان سے زیادہ
ہدایت والے ہوتے ہیں یعنی حق جو کہ وہی انسان کا مقصود اعظم ہے کی طرف ہم زیادہ پہنچنے والے ہوتے یا بڑے بڑے
علوم اور شرائع اور دقائق کو ہم ان سے زیادہ سمجھتے اس لئے کہ ہم ان سے ذہنی طور تیز اور ہمارے فہم ان سے زیادہ
عمیق تر ہیں اور علاوہ ازیں علمی فنون سے ہم زیادہ واقفیت رکھتے ہیں، ہم قصص و اشعار و خطابتوں کے زیادہ
ماہر ہیں۔ اگرچہ ہم ان پڑھ ہیں۔ فَقَدْ جَآءَكُمْ اس کا تعلق فعل محذوف سے ہے جو کہ وہی معلل بہ ہے۔
دراصل عبارت یوں تھی لَا تَعْتَذِرُوْا بِذٰلِكَ الْقَوْلِ یعنی یہی باتیں بنا کر عذر مت کرو۔ اس لئے کہ بے شک
تمہارے ہاں آچکے ہیں۔ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ دلائل تمہارے رب کی طرف سے یہاں پر حجۃ واضح مراد ہے۔
وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ اور ہدایت و رحمت ہے۔ قرآن کو بینۃ سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ انہیں معلوم

ہو جائے کہ اس کے پڑھنے اور سمجھنے پر ہیں پوری قوت و طاقت حاصل ہے اس لئے کہ قرآن مجید اُن کی لغت پر نازل ہوا۔ جب پڑھ سمجھ لیں گے لامحالہ وہ ان کے لئے ہدایت و رحمت کا سبب ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ جو اللہ تعالیٰ کے آیات یعنی قرآن کو جھٹلاتا ہے وَصَدَفَ عَنْهَا اور ان آیات سے لوگوں کو پھیرتا ہے وہ خود گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ قاموس میں ہے صدف عنہ یصدف یہ' فلانا صرفہ سے معروف تر ہے۔ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ بہت جلدی ہم انہیں جزا دیں گے اس لئے کہ یصدفون وہ لوگوں کو روکتے تھے عَنْ اٰيٰتِنَا ہماری آیات سے۔ یہ اُن کے لئے وعید ہے اور ان کے گمراہ کرنے کی جزا بتا کر ان کی اپنی گمراہی کی بھی ساتھ ظاہر کی گئی ہے سُوْٓءَ الْعَذَابِ برے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ۔ بسبب اس کے کہ وہ حق سے روکتے تھے۔

فائدہ: انہیں ہمیشہ نت نئے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اس لئے کہ وہ کفر پر مداومت رکھتے اور نت نئے طریقے سے کفر کے مرتکب ہوتے تھے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ بقدر امکان قرآن پر عمل کرے اور اس کے غیر سے دُور رہے اس لئے کہ ثواب کے درجات و مراتب اللہ تعالیٰ سے ہر اُس شخص کو نصیب ہوں گے جو قرآن پاک کا عامل ہے اور قرآن دو کہ روحانی غذا ہے اس سے اعراض کرنے سے رُوحانی نقصان ہے۔ جیسے جسم کی ضروریات سے روگردانی کرنے سے جسمانی نقصان ہوتا ہے۔ یہی ظاہری تفسیر ہے جسے ظاہری علوم کے علماء نے فرمائی ہے۔

قراتِ سبعہ اہل تحقیق کے اقوال باطن قرآن کی تفسیر ہے اور ہر ایک کو اپنے مسلک و مشرب کا علم ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن مجید سات قرأتوں یعنی سات لغات پر نازل ہوا ہے اور وہ عرب میں فصیح ترین سمجھی جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں۔ قریش و ہذیل و ھوازن و یمن اور طے اور ثقیف وغیرہ صرف امت کی سہولت کے لئے سات قرأتوں پر نازل کیا گیا تاکہ ہر قبیلہ اپنی لغت کے مطابق قرآن مجید پڑھ سکے بشرطیکہ اس طرح اُس نے حضور علیہ السلام سے سُنا بھی ہو۔ اس لئے کہ اگر انہیں صرف ایک لغت پر قرآن پڑھنے کا مکلف بنایا جاتا تو انہیں شاق ہوتا اس لئے کہ مانوس و مالوف الفاظ کے بجائے دوسرے الفاظ کا استعمال گراں گزرتا ہے یا سبعہ احرف سے سات قرأتیں مراد ہیں جن کا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے استفاسفہ کیا گیا انہیں آپ کی اُمت نے جمع کیا۔ پھر ہر قرأت ان کی طرف منسوب ہونے لگی جسے صحابہ کرام کی اکثریت نے اپنایا اور پھر قاریوں میں جس قاری نے جس قرأت کو اختیار کیا تو وہ قرأت اس کی طرف منسوب ہوئی وہ قراء یہ ہیں۔

۱۔ نافع رض ۲۔ ابن کثیر رض ۳۔ ابو عمرو رض ۴۔ ابن عامر رض ۵۔ عاصم رض ۶۔ حمزہ رض ۷۔ کسائی۔

مسئلہ: سات قرأتوں کا منکر کافر ان کے سوا باقی قرأتوں کا منکر آثم و مبتدع ہے۔

تفسیر صوفیانہ جب قرآن عظیم عالم حقیقت سے نازل ہوتا تو اسے تمام الواح محفوظہ پہ لکھ لیا جاتا۔ پھر اس تعیّنی کی تختی پر بھی اسے لکھا گیا یہاں تک کہ انسانی وجود کی لوح میں بھی اسے لکھ لیا گیا اور ہر ایک انسان اس کے پڑھنے اور سمجھنے کی قابلیت رکھی گئی۔ لیکن اس نے اصل مقصد اس پر عمل اور اس کے مطابق زندگی ڈھالنا تھا۔ بجائے عمل اور اس کے ظاہری الفاظ کو اچھا کر کے پڑھنا کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

۱۔ نقد عمر شش ذلکرت ممّوج

خرچ شد در رعایت ممّوج

۲۔ جرف کرداش ہمہ حیات سرہ

در قرأت سبعہ و عشرہ

ترجمہ ۱۔ تیرے فکر سے اس کا نقد عمر ٹیڑھا ہو گیا اس ٹیڑھے پن کی رعایت میں اس کی عمر خرچ ہو گئی۔

۲۔ تمام عمر اس نے خرچ کر دی قرأۃ سبعہ و عشرات میں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

عشقت رسد بفریاد گر خود بسان حافظ

قرآن ز بر بخوانی در چار دہ روایت

ترجمہ۔ حافظ کی طرح فریاد گر کو تیرا عشق پہنچے گا قرآن ظاہری طور اگرچہ چودہ روایت سے پڑھ لو تو کوئی فائدہ نہیں جب تک اس کا دل پر اثر نہ ہو۔

حافظ قرآن کے فضائل۔ حدیث شریف[۱] میں ہے کہ اگر قرآن مجید ایک چمڑے میں ہو تو اسے آگ نہیں لگے گی۔ اس کی شرح کرتے ہوئے قاضی بیضاوی نے کہا کہ اگر قرآن مجید لکھ کر کسی چمڑے میں رکھا جائے اور پھر اسے آگ میں ڈالا جائے تو قرآن مجید کی برکت سے اسے آگ نہیں لگے گی۔

فائدہ۔ اس سے اس کا شان خود معلوم کر لیجئے جو قرآن مجید کا حافظ ہو بشرطیکہ وہ اسکی تلاوت پر مداومت کرتا ہو۔

حدیث شریف[۲] سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو قرآن مجید رات کے نوافل میں کھڑے ہو کر پڑھتا ہے تو اسے ایک حرف کے بدلے میں سو نیکی نصیب ہو گی جو اسے بلا وضو پڑھتا ہے تو اسے ایک حرف کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی۔

حکایت ایک شخص قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرتا تھا۔ اسے جب نزع طاری ہوئی تو کسی نے اسے کہا پڑھو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ سورۃ طٰہٰ کو مع تسمیہ شروع کر کے الا ہُوَ الا

سمائہ الحسنیٰ تک پڑھ جاتا۔ اسے بار بار کہا گیا تو وہ بار بار اسی طرح کرتا رہا یہانتک کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔

سبق: اس سے ثابت ہوا کہ موت سے پہلے انسان کو جس کام کی عادت ہوتی ہے اُسی پر روح پرواز کرتی ہے۔

حکایت: ایک شخص گھاس فروش تھا جب نزع طاری ہوئی تو اسے کہا گیا پڑھو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ اس کے جواب میں کہتا کہ یہ گٹھڑی۔ اتنا پیسوں میں یہی کہتے ہوئے اس کی موت واقع ہوئی ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمارا خاتمہ اسلام پر ہو۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ: هَلْ يَنظُرُونَ یہ ھَل استفہامیہ بمعنی نفی ہے اور ینظرون بمعنی ینتظرون اس لئے کہ نظر بمعنی انتظار عام مستعمل ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا کہ باوجودیکہ میں نے اہلِ مکہ پر حجت قائم کی اور اُن پر کتاب نازل فرمائی لیکن وہ بجائے ایمان لانے کے اب اس انتظار میں ہیں۔ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ کہ اُن پر ملائکہ نازل ہوں یعنی ان کی ارواح قبض کرنے کے لئے ملک الموت اور ان کے خدام تشریف لائیں۔ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ یا تمہارا رب یعنی اس کے عذاب و انتقام کا حکم صادر ہو۔

: بغوی نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا کیف میدان قیامت میں جلوہ گری فرما کر ہمارا فیصلہ فرمائے یا اللہ تعالیٰ کے تشریف لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا زور لگا کر ہمارے ہاں جملہ آیات بھیج دے یعنی قیامت قائم کر کے ہماری تباہی کے جملہ اسباب استعمال کرے۔

اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ سے معلوم ہوتا ہے یعنی یا تمہارے رب کے بعض آیات آئیں۔ اس سے علامات قیامت مراد ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) دھواں (۲) دابۃ الارض (۳) مشرق و مغرب میں خسف یعنی زمین میں دھنس جانا (۴) جزیرۂ عرب میں خسف کا ہونا (۵) دجال کا آنا (۶) مغرب سے سورج کا طلوع ہونا (۷) یاجوج و ماجوج (۸) عیسیٰ علیہ السلام کا نزول (۹) علاقہ عدن سے آگ کا نکلنا وغیرہ وغیرہ۔

سوال: انہیں اللہ تعالیٰ کے فرشتوں یا اللہ تعالیٰ کے آنے یا آیاتِ قاہرہ کے ہونے کا انتظار ہی کیا تھا وہ تو ایسے امور کے منکر تھے پھر انہیں ان کا منتظر کیوں کہا گیا۔

جواب: ان کی روش ہی ایسی تھی کہ گویا وہ ان کے منتظر ہیں۔ منتظرین سے مشابہ ہونے کی وجہ سے انہیں منتظر کہا گیا۔

يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ یہ ظرف ہے لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا کے لئے۔ یعنی جس دن تمہارے رب کی ایک نشانی آئے گی تو کسی کو ایمان لانا کام نہ دے گا۔ جیسے نزع روح کے وقت ایمان لانا بے سود ہے ایسے ہی اس وقت اس لئے کہ قیامت کے علامات دیکھ لینا روح کی نزع کے مشابہ ہیں جیسے وہ ایمان غیر قابل قبول ہے ایسے ہی یہ کیونکہ دیکھ کر ایمان لانے سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اس لئے کہ ایمان بالغیب ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول و منظور ہے۔

لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ جو جان پہلے ایمان نہ لائی تھی یہ صفت نفسًا کی اور من قبل سے بعض آیات

بعض الآیات مراد ہے۔ اَوْ کَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ۔ یا اپنے ایمان سے کوئی نیکی نہ کمائی تھی۔
سوال: اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان عمل صالح کے بغیر بھی غیر قابل قبول ہے حالانکہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ عمل صالح نہ ہو تب بھی ایمان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی گویا آیت سے اہلسنت کے مذہب کی تردید ہوگئی۔
جواب: حضرت الشیخ الشہیر بالبداؤنی الاسکداری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔
۱ ۔ او کسبت کا عطف آمنت مقدر پر ہے نہ کہ آمنت مذکور پر۔ اب مطلب یہ ہوا کہ ایمان غیر قابل قبول ہے جب کہ اس سے قبل نہ ایمان لایا یا ایمان بھی نہ لایا اور نیک عمل بھی نہ کئے۔
۲ ۔ اس کا عطف اسی آمنت مذکور پر ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ لف میں بھی ایک مقدر ہے اور تشریح یہاں اس کی اصل عبارت یوں مانی جائے۔ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا وَلَا کَسْبُهَا خَیْرًا لَمْ تَکُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ کَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ۔ یعنی اب ایمان نفع نہ دے گا نہ نیکی جب کہ اس سے قبل نہ ایمان لایا نہ کوئی نیکی کی۔ قُلِ انْتَظِرُوْٓا ۔ فرمایئے تم جن باتوں کا انتظار کرنا چاہتے ہو جب کہ کہتے کہ ان امور ثلاثہ میں سے کوئی ایک آجائے تو دیکھیں کیا ہوتا ہے، تو کرلو انتظار۔ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ہم بھی ان کا انتظار کرتے ہیں کیونکہ ان کے آنے سے تو ہمیں کامیابی ہے اور تم پر چونکہ عذاب نازل ہوگا اس لئے تمہارے لئے وبال ہوگا۔
فائدہ: بغوی نے فرمایا کہ مذکورہ آیت میں بعض آیات سے طلوع الشمس من المغرب مراد ہے۔ یہی اکثر مفسرین کی رائے ہے۔

حدیث شریف (سورج کا مغرب سے طلوع کرنا اور اس کی تفصیل)

حداوی نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ روزانہ جب سورج ڈوبتا ہے تو ساتویں آسمان کی طرف ایک سیکنڈ میں ملائکہ کرام کی طرح اڑتا ہے اور زیر عرش جا کر ٹھہر جاتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ مغرب سے طلوع کروں یا مشرق سے۔ اسی طرح چاند کا طریقہ ہے وہ دونوں روزانہ ایسے ہی طلوع غروب کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ وہ وقت لائے گا جو بندوں کی توبہ کے دروازے کی بندش کا ہے۔ اس وقت زمین پر گناہوں کی کثرت ہوگی اور نیکی کا نام تک نہیں رہے گا اور نہ ہی کوئی امر بالمعروف کا فریضہ ادا کرے گا۔ اور برائی عام پھیل جائے گی۔ کوئی کسی کو برائی سے روکنے والا نہ ہوگا جب یہ بات عام ہو جائے گی تو پھر سورج عرش کے نیچے ایک رات کی مقدار ٹھہرا رہے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرکے عرض کریگا۔ اب مجھے طلوع کے متعلق کیا حکم ہے کہاں سے طلوع کروں۔ اسے کوئی جواب نہ ملے گا۔ یہاں تک کہ چاند بھی حاضر ہو جائے گا۔ دونوں بارگاہ حق میں اکٹھے سجدہ ریز ہو کر عرض کریں گے کہ سورج کہاں سے طلوع کرے پھر بھی کوئی جواب نہ ملے گا۔ اس طرح سے انہیں تین راتیں گذر جائیں گی۔ اس مقدار کو زمین پر صرف تہجد گزار لوگ سمجھیں گے اس وقت تہجد گزار تمام روئے زمین پہ صرف چند

ایک گنتی کے ہوں گے اس لئے کہ اس وقت لوگوں کو نماز سے سستی بہت زیادہ ہوگی۔ حسب دستور رات کو لوگ سو جائیں گے اور تہجد گزار لوگ اپنے وقت پر اٹھ کر تہجد پڑھیں گے اُن کے اوراد و وظائف کی مصروفیت کے بعد کافی وقت گزر جائے گا۔ تب بھی صبح نہیں ہوگی۔ باہر نکل کر آسمان کو دیکھیں گے تو بدستور رات نظر آئے گی اور ستارے گھوم رہے ہوں گے اس سے وہ اپنی کوتاہی سمجھ کر دل میں کہیں گے کہ ہم نے نماز میں جلدی کی ہے یا تھوڑی رکعتیں پڑھی ہیں۔ یا وقت سے پہلے اٹھ بیٹھے ہیں۔ پھر لوٹ کر دوبارہ مصلیٰ پر کھڑے ہو نماز پڑھیں گے۔ اسی طرح اُن دوسری رات کا پروگرام بھی ایسے ہی گزرے گا۔ لیکن اس رات بھی صبح کا نشان کہیں نہیں اس لئے خوف بڑھے گا۔ اس رات ہر علاقے کے تہجد گزار اپنی اپنی مساجد میں جاکر روئیں گے اور آہ وزاری کریں گے۔ اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کو سورج اور چاند کے ذریعے پیغام بھیج کر فرمائے گا کہ تم مغرب کی طرف سے طلوع کرو۔ لیکن اب تم سے روشنی چھین لی گئی ہے وہ سُن کر روئیں گے جسے ساتوں آسمان بلکہ عرش کے نیچے والے سب سُنیں گے بلکہ وہ سب خوف کے مارے رو پڑیں گے اور سمجھیں گے کہ اب قیامت آگئی۔ اس وقت جب کہ تہجد گزار رو رہے ہوں گے اور غافل لوگ اپنی غفلت کے نشے میں ہوں گے تو سورج اور چاند مغرب سے طلوع کریں گے جن کا رنگ کالا سیاہ ہوگا نہ سورج میں روشنی ہوگی نہ چاند میں چمک جس طرح ان کی خسوف و کسوف کے وقت کیفیت ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وجمع الشمس والقمر مغرب سے اوپر کو اٹھیں گے جیسے دو اونٹ اٹھتے ہیں اور ایک دوسرے کے آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے اس کیفیت کو دیکھ کر زمین والے دہشت کے مارے روئیں گے۔ نیک لوگوں کا رونا فائدہ دےگا کہ [illegible] نامہ اُن کے اعمالنامہ میں عبادت لکھی جائے گی لیکن منافق کو اس وقت کا رونا کوئی فائدہ نہیں دیگا بلکہ وہ رونا [illegible] حسرت اور ندامت ہوگی۔ جب سورج اور چاند ہر دونوں آسمان کے درمیان میں پہنچیں گے تو جبریل علیہ السلام دونوں کو پکڑ کر واپس مغرب کی طرف لے جائیں گے اور وہ ہر دونوں باب التوبہ میں گم ہو جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ فرمایئے کہ باب التوبہ کیا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا اے عمر (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ نے مغرب کی جانب ایک دروازہ پیدا فرمایا جس کی دونوں چوکھٹیں سونے کی ہیں ہر دونوں چوکھٹوں کے درمیان چالیس سال کی راہ ہے جو ایک سوار سواری پر سفر کرے جب سے اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا [illegible]ں وقت سے وُہ کھلا ہے۔ اسوقت بند ہوگا جب سورج مغرب کی جانب سے طلوع کرے گا۔ جب وہ دونوں سورج اور چاند غروب کریں گے۔ اس کے بعد اس کے دونوں دروازے آپس میں مل جائیں گے اور ایسے معلوم ہوں گے کہ گویا وہ تھے ہی نہیں۔ جب توبہ کا دروازہ بند ہوگا تو اس کے بعد بھی نیکیاں فائدہ دیں گی۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَکُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ کَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِهَا خَیْرًا

ترجمہ:۔ اس دن کہ تیرے رب کی بعض آیات آئیں گی تو جو ان سے پہلے ایمان نہیں لایا اب اسے ایمان نفع نہ دیگا نہ ہی اس ایمان لانے کے بعد کوئی نیکی فائدہ دیگی۔ سوال: اس وقت ایمان کیوں قابل قبول نہیں ہوگا۔

جواب: اس وقت کا ایمان اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہوگا۔ یعنی ہلاکت کے خوف سے ایمان لائیں گے اور خوفِ ہلاکت کا ایمان قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا۔

ترجمہ: تو انہیں ایمان لانا نفع نہ دیگا جو ہمارا عذاب دیکھ لیں گے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱۔ چہ سود از دزد آنکہ توبہ کردن
کہ نتوان کمند انداختن بر کاخ

۲۔ بلند از میوہ گو کوتاہ کن دست
کہ این کوتہ ندارد دست بر شاخ

ترجمہ: ۱۔ اس چور کو توبہ کرنے کا کیا فائدہ محل (مکان) پر کمند ڈالنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

۲۔ بلند قد والے کو کہو کہ درخت کے میوے سے ہاتھ ہٹالے ورنہ چھوٹے قد والا تو خود بھی ہاتھ درخت تک نہیں لے جاسکتا۔

مسئلہ: توبہ و ایمان کی عدم قبولیت مخصوص ہے صرف ان لوگوں سے جو طلوعِ شمس کا مشاہدہ کریں گے۔ یہی صحیح تر اور اقویٰ ہے اس لئے کہ جو شخص طلوعِ شمس کے بعد پیدا ہوا یا اس وقت موجود تو تھا لیکن اُسے کفر و ایمان کی تمیز نہیں تھی اگر یہ طلوعِ شمس کے بعد بھی ایمان لائیں تو قابلِ قبول ہے۔ اُسی کو شرح المصابیح میں صحیح تر کہا۔

حدیث شریف: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب قیامت کی علامات میں سے پہلی علامت ظاہر ہو گی تو اس پر قضاء قدر کی قلمیں پھینک دی جائیں گی اور کراماً کاتبین فارغ ہو جائیں گے اور اجسام اپنے اعمال کی خود گواہی دیں گے۔

امام مہدی کا ظہور: حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام مہدی دجال سے سات سال پہلے ظاہر ہوں گے اور دجال طلوعِ شمس سے دس سال پہلے آئے گا۔ امام مہدی علیٰ نبینا و علیہ السلام کا ظہور بارہویں یا چودہویں صدی کے بعد ہوگا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

فائدہ: حضرت ابن العربی قدس سرہ نے فرمایا بیسویں صدی ہجری سے پہلے ظہور ہوگا۔ (کذا قال شاہ احمد رضا فی ملفوظاتہ)

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفس اور قلب کو ایمان کے بیج اور اُس کے انبات و تربیت کی بہترین زمین بنائی ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ انسان کے دل میں ایمان کو ایسے اُگاتا ہے جیسے سبزی کو پانی اُگاتا ہے۔ ایمان بیج کلمہ شہادت کا بیج ہے جب کہ اسے قلب کی تصدیق اور زبان کے اقرار سے ادا کرے یہ عالم دنیا آخرت کی کھیتی ہے اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ

دنیا آخرت کی کھیتی ہے) جس نے عالم دنیا میں کھیتی نہ بوئی اسے آخرت میں کوئی شے کام نہیں دے گی یا جس نے دنیا میں وہ اعمال صالحہ نہ کئے جو کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو اٹھا کرے جانے والے ہیں اور یہی وہ درخت ہے جس سے ثمرے نصیب ہوتے ہیں اور یہ ثمرات ہر وقت آخرت میں بہشت میں دوہرے ہوتے دیں گے۔ معرفت و محبت و کشف و مشاہدہ وصول وصال اور نیل الکمال سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے تحقیق توحید کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ ۱۰۵ اِنَّ الَّذِیْنَ بے شک وہ یعنی یہود و نصاریٰ نے فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا یعنی علیحدہ علیحدہ اجزاء بنا دیئے۔ جس کے ہر جزو کو ہر فرقہ نے اپنا علیحدہ دین بنا لیا وَکَانُوْا شِیَعًا شیعۃ کی جمع ہے مثلاً کہا جاتا ہے شایعہ علی الامر یہ اس وقت کہتے ہیں جب اس امر میں وہ اس کی تابعداری کرے یعنی اُن میں ہر فرقہ نے اپنا علیحدہ امام بنا لیا تھا۔

حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود کے اکہتر فرقے ہو گئے جو سب کے سب جہنم میں اور اُن میں سے صرف ایک بہشت میں جائے گا اور نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے وہ سب جہنم میں۔ اُن میں سے صرف ایک بہشت میں جائے گا اور میری امت تہتر فرقے ہوگی وہ بھی سب جہنم میں صرف ایک فرقہ بہشت میں جائے گا۔

فائدہ: یہود و نصاریٰ میں ایک فرقے کا استثنار کا جواز اس وقت تک سمجھا جائے گا جب تک اُن کی شریعت منسوخ نہ ہوئی اور جب منسوخ ہوئی تو بھی اپنے مذہب پر رہے اور نسخ کا کوئی اعتبار نہ کیا تو وہ بھی جہنم میں جائیں گے لَسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ آپ ان کی کسی شے میں نہ ہوں۔ آپ ان کے متفرق ہونے پر کسی بحث میں نہ پڑیں اور نہ ہی اپنے ہمعصر اہل کتاب سے اُن کے متعلق جھگڑا اور مواخذہ کریں۔

اِنَّمَآ اَمْرُھُمْ اِلَی اللّٰہِ۔ بے شک ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ نفی مذکور کی تعلیل ہے یعنی صرف وہی ایک اُن کے اُمور کا متولی و متصرف ہے اُن کے پہلے اور پچھلے سب اسی کے قبضۂ اختیار میں ہیں۔ اپنی حکمت کے تقاضا پر اُن کے امور کی تدبیر جس طرح چاہتا ہے ثُمَّ یُنَبِّئُھُمْ پھر انہیں خبر دے گا یعنی قیامت میں بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۔ اُن کے اعمال کی جس کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔ اظہار کو تنبیہ سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اُن کو آپس میں گہری مناسبت ہے اس لئے کہ یہ ہر دونوں علم کے سبب ہیں۔ نیز اس سے انہیں تنبیہ ہو گی کہ وہ اپنے جملہ اُمور کے انجام سے بے خبر تھے اس سے انہیں معلوم کرانا مقصود ہے کہ ان امور کے ارتکاب سے تمہارا انجام برباد ہوگا اور اللہ تعالیٰ انہیں بر سر میدان ظاہر کر کے دکھلائے اور بتلائے گا کہ جن امور کا تم ارتکاب کرتے تھے وہ سب بہت بُرے تھے لہٰذا اتنی ہی سخت اور بُری سزا ملے گی۔

فائدہ: جتنے امور کا عالم دنیا میں ارتکاب کیا جاتا ہے اُن کی آخرت میں نہایت قبیح صورت نظر آئے گی اگرچہ اب

دنیا میں بھی ان کی گندی اور نہایت قبیح صورت ہوتی ہے لیکن بوجہ امتحان و آزمائش کے وہی صورت انسان کو اچھی اور بہتر محسوس ہوتی ہے اس کی مثال ایسا ہے کہ شہد میں زہر ملائی جائے تو پینے والا شہد کی لالچ میں اُسے پی کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے (ہم اللہ تعالیٰ سے بُرے اعمال کے ارتکاب سے پناہ مانگتے ہیں)

فائدہ : بہشت کو تکالیف کا اور دوزخ کو شہوات کا احاطہ دیا گیا۔ یعنی بہشت کے گرد مکروہ اشیاء کا احاطہ ہے اور دوزخ کے گرد ان اشیاء کا احاطہ ہے جو نفس کو محبوب و مرغوب ہیں۔

فائدہ صوفیانہ روح اپنے مولا اور دین کی طرف توجہ رکھتی ہے اور چاہتی ہے کہ دین کی وہ باتیں نصیب ہوں جنہیں اس کا کمال مضمر ہے لیکن یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب انسان ظاہری باطنی طور اعمال صالحہ سے آراستہ و پیراستہ ہو۔ لیکن انسان قلبی طور ان سے دوری حاصل کرتا ہے اور باطنی طور یا وسمۃ کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ گمراہ فرقوں میں شمار ہوتا ہے یعنی ان لوگوں میں ہوجاتا ہے جو حقیقت کے مُدعی ہوتے ہیں لیکن ان کا معاملہ حقیقت کے برعکس ہوتا ہے۔

فائدہ : حضرت الشیخ الشہیر با فتادہ آفندی نے حضرت ہدائی قدس سرہما کو مخاطب کر کے فرمایا کہ شکر کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ملحدوں کی صحبت سے بچایا۔ اس لئے کہ الحاد جذام کی طرح لاعلاج بیماری ہے اور میرا گمان ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور اُن کا دوزخ میں خروج ناممکن ہے اس لئے کہ وہ کفار کے غازی تو ہیں لیکن کردار سے عاری ہیں

بعض گمراہ پیر فقیروں کا رد ان ملحدوں میں ایک قلندریہ فرقہ بھی ہے۔ ان کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے سر کے بال اور داڑھی کا صفایا کرتے ہیں ؎

۱۔ قلندری نہ بریشست وموی ویا ابرو
حساب راہ قلندر بدانکہ موی بوست

۲۔ گذشتن از سر مو در قلندری سہلست
چو حافظ آنکہ سر بگذرد قلندر اوست

ترجمہ : ۱۔ قلندری داڑھی اور مونچھ اور ابرو صاف کرنے کا نام نہیں قلندر کا حساب ذرۃ ذرۃ معلوم کر
۲۔ سر کے بال چھوڑنا تو آسان ہے ہاں حافظ کی طرح سر سے خالی ہو جائے تو وہ قلندر ہے۔

بعض گمراہ فقیروں کا دوسرا گروہ ایک مبتدعہ فرقہ جوالقیہ بھی ہے جو داڑھی منڈاتے اور ٹاٹ پہنتے اور گاڑھے کپڑے پہنتے ہیں۔

حدیث شریف[1] : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شہرت کے لباس سے روکا ہے خواہ وہ نرم و نازک ہو یا موٹا کھدر وغیرہ کا۔ اس لئے کہ وہ ایسے لباس سے لوگوں سے نمایاں ہو کر عوام میں مشہور ہوتے ہیں۔

[1] اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث شریف[۲] : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : لوگوں میں عمومی شکل و صورت سے بچا کرو۔

فائدہ :۔ جب بندہ ریاکاری میں مبتلا ہو تو اُسے ٹاٹ پہننا فائدہ دیتا ہے نہ درویشانہ لباس۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱۔ بروئے ریا خرقہ سہلست دوخت
گرش با خدا در توانی فروخت

۲۔ گر آوازہ خواہی در اقلیم فاش
بروں حلہ کن گو درون حشو باش

۳۔ در غزا کند مرد باید مرد
بر مخنث سلاح جنگ چہ سود

ترجمہ : ۱۔ روئے ریا سے گدڑی سینا آسان ہے اگر تو اسے اللہ تعالیٰ کے بیچنا (قبول کرانے) کا ارادہ رکھنا چاہتا ہے
۲۔ اگر تو اپنا دنیا میں آوازہ (شہرہ) ظاہر (مشہور) چاہتا ہے۔ حلہ باہر کر اس لئے کہ اندر صحیح ہو۔
۳۔ جنگ کے میدان میں مرد چاہیے۔ ہیجڑہ پر جنگ کے ہتھیار کا کیا فائدہ۔

کرامت مجذوب حضرت الشیخ قطب الدین حیدر مجذوب بہت بڑے صاحبِ حال تھے اُن کی کرامت مشہور ہے کہ انہوں نے لوہار کی بھڑکتی ہوئی آگ کی بھٹی سے گرم لوہا ہاتھ سے باہر نکال لیا۔ جیسے کوئی چھوٹے سے انگارے کو اٹھائے پھر اس گرم لوہے کو اپنی گردن پر رکھ دیا۔ اور گھنٹہ بھر وہ گرم لوہا اُن کی گردن پر رکھا رہا۔ اور انہیں بال برابر بھی نقصان نہیں ہوا۔ انہیں مجذوب کی وجہ سے بعض لوگ اپنے آپ کو حیدریہ سے منسوب کرتے اور گلے میں لوہے کے زنجیر لٹکائے پھرتے ہیں۔

مسئلہ : لوہا پہننا سونے کے پہننے سے زیادہ گناہ ہے

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ بدعت سیئہ اور اہل بدعت (سیئہ) سے پرہیز کریں۔

۱؎ سابقہ صفحہ سے : یہ فرقہ اپنے کو حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر قدس سرہٗ سے منسوب کرتا ہے حالانکہ یہ بات اُن کے قول و فعل سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ یہ لوگ شریعت مطاہرہ کے علانیہ منکر ہوتے ہیں اور ہر وقت بھنگ چرس کے نشے میں مخمور اور حقوق اللہ و حقوق العباد کے سراسر تارک رہتے ہیں اور بعض تو یہ کہہ کر سے دم مست قلندر دھر رگڑا۔ نہ رہے شرع کا کوئی جھگڑا (معاذ اللہ) شرع محمدی کے منکر ہی ہوجاتے ہیں بوعلی قدس سرہٗ تو پورے پورے متشرع اور متقی پرہیزگار تھے اور وہ تو فقر کے تمام اسرار و رموز کے واقف اور پورے پورے سلوک قلندری کے پابند اور بلند پرواز تھے۔ مگر یہ نقلی قلندر علم و عمل سے کورے سر منڈا لینے کو ہی قلندری سمجھ کر گمراہ شدہ ہیں انہیں کے متعلق فرمایا گیا ہے ؎

ہزار نکتہ باریک بر زمو ایں جاست ۔۔ نہ ہر کو سر بتراشد قلندری داند

حکایت : حضرت ابن المبارک رضی اللہ عنہ کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ فرمایا مجھے سزا کے طور تیس سال تک کھڑے ہونے کی سزا ملی صرف اس لئے کہ میں نے ایک دن مبتدع (گمراہ بد عقیدہ) کو نظر شفقت سے دیکھا اور فرمایا گیا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے دشمن کو ایک دین کے مخالف کو نظر عنایت سے کیوں دیکھا۔

سبق : یہ اس محدث اور بزرگ کی کہانی ہے جس پر محدثین کو ناز ہے پھر ایک معمولی کم فہم انسان پر کیا گزرے گی جو گمراہوں کی مجلسوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔

مسئلہ : بد مذہبی صرف انسانوں سے مخصوص نہیں بلکہ جنات وغیرہ میں بھی بد مذہب ہوتے ہیں۔

حکایت شیعہ کش : حضرت اعمش فرماتے ہیں کہ ہماری کسی مجلس میں ایک جن شریک ہوا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کونسی غذا مرغوب ہے کہا چاول۔ میں نے چاول کی ایک پلیٹ اس کے آگے رکھ دی۔ دیکھا گیا کہ لقمے اٹھ رہے ہیں لیکن اٹھانے والا نظر نہیں آتا۔ میں نے اس سے پوچھا کیا تم میں بد مذہب بھی ہوتے ہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ میں نے پوچھا تمہارے ہاں شیعہ رافضی کیسے ہیں۔ اس نے کہا ہم میں بد ترین سمجھے جاتے ہیں۔

علامت رافضی شیعہ : رافضی شیعہ وہ ہیں جنہوں نے حضرت زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ چھوڑا۔ جب کہ ان لوگوں نے ان سے مطالبہ کیا کہ ہم آپ کی بیعت اس شرط پر کرتے ہیں کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے برأت کا اظہار کریں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے تعلقات توڑ سکتا ہوں لیکن ان حضرات سے کسی طریق سے دور نہیں ہو سکتا۔ اسی روز سے یہ لوگ اُن سے علیحدہ ہو گئے اور ان کا یہی لقب (رافضی) اسی روز سے پڑا۔ اب بھی اُن میں یہی بُری عادت ہے کہ شیخین کی مذمت میں غلو کرتے ہیں بلکہ صحابہ کرام کو لعنت کرنے کو عبادت سمجھتے ہیں۔

حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم کا دعویٰ خلافت : حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا تو کوفہ کے بعض لوگ آپ کی خلافت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوئے لیکن اس شرط پر کہ آپ شیخین سے اظہار برأت کریں۔ آپ نے انکار کیا تو انہوں نے کہا (نرفضک) ہم آپ کو چھوڑتے ہیں۔ اس دن سے شیعوں کا نام رافضی پڑ گیا۔

اور کوفہ کی ایک دوسری جماعت حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہولی اور کہا ہم شیخین کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور جو اُن سے بَری ہے ہم اس سے بَری ہیں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیعت ہوئے اس لئے ان کا نام "زیدیہ" ہو گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شیعہ کے بغض کا ایک سبب : شیعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس لئے بغض رکھتے ہیں کہ ان کا خیال ہے کہ جب غزوہ اُحد میں

شیطان نے پکار کر کہا قَدْ مَاتَ مُحَمَّدٌ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یقین ہو گیا کہ واقعی حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا اس پر برسوں تک جھگڑا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ نزاع طول پکڑ گئی۔ آپ نے سب کو بلا کر فرمایا کہ اگر اس کے خلاف ثبوت مل جائے یعنی ثابت ہو جائے کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اس وقت یہی عقیدہ تھا جو میرا تو پھر میں تم سب کو قتل کر دوں گا۔ چنانچہ تحقیق کی گئی تو ان لوگوں کا خیال غلط نکلا باوجودیکہ قتل ہو جانے کے مستحق تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں معاف فرما دیا۔ اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی محبت میں اضافہ ہوا اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے حق میں بدستور بغض و عداوت میں رہے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں برد

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ فاش کرتا ہے تو اس کا میلان طبیعت اللہ والوں پر طعنہ زنی کا ہو جاتا ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ اللہ والوں سے بہت زیادہ محبت رکھے تاکہ قیامت میں ان کی شفاعت سے نوازا جائے۔ اس کے لئے اور کونسی بدبختی ہو گی کہ جو حضرات شفاعت کریں وہ اُلٹا کل قیامت میں اس کے دشمن ہو کر اسے جہنم میں لے جائیں (اے اللہ تعالیٰ ہمیں بچا اور ہمارے قلوب ٹیڑھے نہ ہوں اور ہمیں سیدھے راہ پر چلا اور طریق تحقیق کی توفیق عطا فرما (آمین)

۱۵۹ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ جو مومن قیامت میں صرف ایک نیکی لائے گا۔ ہم نے ایمان کی قید اس لئے لگائی ہے کہ قیامت میں نیکی صرف اہل ایمان لائیں گے۔

مسئلہ: حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پر اجماع ہے کہ کفار کو قیامت میں کوئی نیکی فائدہ نہیں پہنچائے گی اور نہ ہی انہیں کسی نیکی کا ثواب ملے گا اور نہ ہی ان کے عذاب کی تخفیف ہو گی۔ البتہ کسی کو سخت تر عذاب ہو گا اور کسی کو کم۔

مسئلہ: اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کی حالت کی خیرات کا ثواب ملے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حَسَنَاتُ الْکُفَّارِ مقبولۃ بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ۔ کفار اسلام قبول کریں تو کفر کی حالت میں ہوئی نیکیاں بھی قبول ہو جائینگی۔ یعنی اسلام کے بعد ان کا ثواب اب لکھا جائے گا۔

تفسیر الکاشفی میں ہے کہ جو شخص دنیا میں ایک نیکی کر کے آئے گا فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا تو اسے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک کے عوض دس نیکیاں نصیب ہونگی۔

فائدہ: لفظ امثالہا عشر کی تمیز نہیں بلکہ اس کی تمیز حسنات ہے اور امثال اس حسنات کی صفت ہے اس لئے

کہ عشر پر حرف تا نہیں داخل کیا گیا۔

فائدہ: بعض نحویوں نے فرمایا کہ یہ عشر مونث ہے اس لئے کہ اس کا قاعدہ ہے کہ جب وہ ایسے اسم جمع کی طرف مضاف ہو جس کا واحد مذکر ہو۔ چنانچہ امثالہا کی ضمیر مونث بتاتی ہے کہ یہ عشر مونث ہے اس پر صرف تا تانیث داخل نہیں ہوتا۔ اس قاعدہ کی بنا پر جیسے یلتقطہ بعض السیارۃ میں لفظ بعض کو مونث کہا گیا ہے اس لئے کہ اس کا مضاف الیہ مونث ہے یا وہ ہے کہ امثالہا کی ضمیر مونث حسنۃ کی طرف راجع ہے۔ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ اور جو ایک برائی لائے گا۔ فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَهَا تو اسے صرف ایک برائی کی سزا ملے گی جیسا کہ وعدہ کریمہ ہے کہ اَلْوَاحِدَۃُ بِالْوَاحِدَۃِ۔

سوال: کفر صرف ایک لمحے کے لئے سرزد ہوتا ہے لیکن سزا بہت بڑی سخت کہ وہ دائمی طور جہنم میں پڑا رہے گا اس سے الواحدۃ بالواحدۃ کا اصول کہاں گیا۔

جواب: کافر اپنے کفر پر عزم بالجزم دائمی طور رکھتا ہے بنا بریں اسے عذاب بھی دائمی ملے گا۔ بخلاف مومن گنہگار کے کہ وہ اپنے گناہ سے ہٹنے کا عزم رکھتا ہے اگرچہ گناہ میں مبتلا ہے لیکن اسے گناہ سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس سے بچ جائے لیکن نفس کی شرارت باز نہیں ہونے دیتی۔ بنا بریں اس پر عذاب منقطع ہوگا۔

مسئلہ: وعدہ کریمہ میں ایک نیکی کے عوض سات سو ستر کی تعداد بھی بتائی گئی ہے اور بغیر حساب کا ارشاد بھی وارد ہے۔ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے کہ ثواب کم ہے اور عذاب زیادہ ہو۔

فائدہ: امام حدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نعمتوں میں اضافہ کرنا جائز ہے اور عذاب کی ابتدا ناجائز ہے۔

فائدہ: دوہرا ثواب کرنا اس کی کم از کم مقدار دس گنا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا اس سے بڑھ کر ہو تو اس کی کوئی حد نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱: نکو کاری از مردم نیک رائے
یکے را بدہ می نویسد خدا

۲: تو نیز اے پسر ہر کرا یک ہنر
بہ بینی زدہ عیبش اندر گزر

ترجمہ ۱: نیک مرد سے ایک نیکی ہو تو اس کی ایک کے بدلے دس نیکیاں لکھتے ہیں

۲: تو بھی اے عزیز کسی کا ایک ہنر دیکھتا ہے تو اس کے دس عیوب سے درگزر کر۔

نکتہ: لفظ عشر کا ذکر حصر کے لئے نہیں بلکہ کثرت کے لئے ہے جیسے کوئی کسی کو کہتا ہے کہ اگر تو مجھے کچھ دیگا تو میں تجھے اس کے عوض دس گنا دوں گا۔ اس سے بھی کثرت مراد ہے۔

نکتہ: ایک عوض انگنت نیکی اس لئے کہ کل قیامت میں اگر خصمار نیکیاں اپنے حق کے عوض میں لے جائیں تو بندے کیلئے کچھ تو بچ جائے۔ مثلاً اس کے خصم کو ایک نیکی عوض کے طور دی جائے تو نیکیاں اسے اپنے لئے بچ جائیں

مسئلہ: یاد رہے کہ حقداروں کا حق ان زائد نیکیوں سے ادا کیا جائے گا۔ اصل نیکی بندے کے ہاں باقی رکھی جائے گی اس لئے کہ زوائد اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ جو اپنے بندے کو عنایت فرمایا ورنہ اصل نیکی بندے کی طرف ایک ہے اور وہ کسی کو دینے کی نہیں کیوں کہ ایک کا بدلہ ایک دنیا میں اس کا عدل ہے اور اس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا

حدیث: [۱] میں ہے کہ بدبخت وہ ہے کہ جس کے احاد اعشار پہ غالب ہو جائیں یعنی برائیاں نیکیوں پہ بڑھ جائیں۔

حدیث شریف [۲]: اعمال چھ قسم ہیں، ۱،۲ موجبتیان

۳، مثل بمثل

۴، حسنۃ بحسنۃ

۵، حسنۃ بعشر امثالہا

۶، حسنۃ بسبعمأۃ

موجبتیاں یعنی واجب کرنے والی۔ انہیں پہلی یہ ہے کہ جو شخص مومن ہو کر مرے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو اس کے لئے بہشت واجب ہو گئی (۲) دوسری یہ کہ جو شخص مشرک ہو کر مرے تو جہنم میں جائے گا مثل بمثل کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص برائی کا ارتکاب کرے تو اس کے لئے ایک برائی لکھی جائے گی (۳) حسنۃ بحسنۃ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص صرف نیکی کا ارادہ کرے اگرچہ عمل کرنے کا موقع بھی نہ ملے تب بھی اس کے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی (۴) حسنۃ بعشر امثالہا کا مطلب یہی ہے کہ جو شخص ایک نیکی کرتا ہے تو اسے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ (۵) ایک کے عوض سات سو کا ثواب اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا نصیب ہوتا ہے ۔

کنوں بر کف دست نہ ہر چہ ہست

کہ فردا بدنداں گزی پشت دست

ترجمہ: آج جو تیرے ہاتھ میں راہِ خدا میں دے ورنہ کل (مرنے کے بعد) تو افسوس کے ہاتھ مسلیگا۔

نکتہ: شریعت مطہرہ جس عمل کی ترغیب میں ثواب کا اظہار فرمائے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ جن اعمال کے ثواب کا بیان نہیں ہوا وہ اس عمل سے درجہ میں کم ہیں۔ حالانکہ ان کے لئے ثواب کا بیان تو نہیں ہوتا البتہ تاکید شدید ہوتی ہے اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ بندہ کو ان کا ثواب بتاتے ہوئے اعمال میں رغبت ہو۔ مثلاً حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص ضحیٰ کی بارہ رکعتیں پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے بہشت میں سونے کا محل بنائے گا۔ حالاں کہ سب کا اتفاق ہے کہ نماز ظہر کی

سنتیں موکدہ اور عشی کے نوافل سے افضل ہیں باوجودیکہ اینہمہ اُن ظہر کی سنتوں کے متعلق اس قسم کا ثواب بیان نہیں کیا گیا۔
اسی طرح مغرب وعشاء کے مابین چھ رکعت (اوابین) کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو انہیں پڑھتا ہے تو اسے بارہ سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ حالانکہ مغرب کی سنتیں ان سے موکدہ ہیں۔ لیکن ان کے متعلق اتنا بڑا ثواب نہیں ہوا۔

نکتہ: رغبت اس لئے دی گئی ہے کہ یہ اوقات انسان کے غفلت کے ہیں لہٰذا دلائی گئی تاکہ بندہ غفلت کو ترک کرکے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سر جھکائے اور اس طرح کے نظائر بے شمار ہیں جس کا نتیجہ نکلا کہ سنن موکدہ کی افضلیت اپنے مقام پر حق ہے اگرچہ ان کے متعلق ثواب اور فضائل کا اظہار نہیں۔

قاعدہ: اہل علم کا اتفاق ہے کہ فرائض کے درجہ کو واجبات نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی واجبات کے درجہ کو سنن پہنچ سکتی ہیں۔ درجہ سے اجر اور فضیلت یا حکم مراد ہے اسی طرح نوافل سنن موکدہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے اگرچہ سنن کے متعلق اتنے بڑے فضائل بیان نہیں ہوئے جتنا چند ایک نوافل کے لئے بیان کئے گئے ہیں اس لئے کہ فرائض کے اندر کمی واقع ہونے کے احتمال پر سنن موکدہ کو اس کمی کی تکمیل کے لئے اور سنن میں کمی کی تکمیل کے لئے سنن غیر موکدہ مشروع ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں نوافل فرائض کے قائم مقام نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ فرائض کی قضاء ہے ایسے بھی نہیں ہوسکتا کہ نوافل سے قضاء ساقط ہوجائے۔

فائدہ: بعض جہاں کی عادت ہے کہ نوافل بکثرت پڑھتے ہیں لیکن فرائض قضاء کردیتے ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ نوافل پڑھنے سے فرائض کے درجات خود بخود حاصل ہوجاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب کہ نوافل کا اتنا ثواب ہے تو پھر فرائض کی اُن سے کمی پوری ہوجائے گی۔ مثلاً مغرب کے فرائض کسی نے نہ پڑھے ہوں وہ اوابین کے نوافل سے ادا ہوجائیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ نوافل فرائض کے قائم مقام ہوسکتے ہیں۔ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ اعمال و اذکار کے اجر کی ترتیب وحی والہام ربانی پر موقوف ہے۔ اس میں اپنے خیالات اور تخمینے نہیں چل سکتے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے بندے سے اپنے فضل وکرم سے فرمایا کہ ابھی تو نے نیکی نہیں کی تو تیرے لئے دس نیکیاں پہلے لکھ دی گئیں۔ کما قال مَن جاء بالحسنۃ فلہٗ عشرُ امثالِہا۔ یعنی ابھی نیکی عمل طور سا در نہیں ہوئی تو اسے دس حسنات عطا فرمادیں۔ یہاں تک کہ اُسے قدرت نصیب ہوجائے کہ ان دسوں نیکیوں کو حاصل کرنے کے بعد اور نیکی عمل میں لائے۔ وہ دس حسنات یہ ہیں۔

۱: حسنۃ الایجاد بعد العدم
۲: حسنۃ الاستعداد بانیطور کہ اسے احسن تقویم میں پیدا فرمایا تاکہ احسان کے لئے مستعد ہوسکے۔

۳۔ حسنۃ التربیۃ ۴۔ حسنۃ الرزق

۵۔ حسنۃ بعثۃ الرسل ۶۔ حسنۃ انزال الکتب

۷۔ حسنۃ تعین الحسنات والسیات ۸۔ حسنۃ التوفیق

۹۔ حسنۃ الاخلاص فی الاحسان ۱۰۔ حسنۃ قبول الحسنات

مَنْ جاء بالسیئۃ الا یجزیٰ الا مثلھا اس میں یہ راز ہے کہ برائی ایک بیج ہے جو نفس میں بویا گیا اور نفس خبیث ہے اس لئے کہ وہ برائی کا حکم دیتا ہے اور نیکی بھی ایک بیج ہے جو قلب میں بویا جاتا ہے اور قلب پاک ہے اس لئے کہ ذکر اللہ قلوب مطمئن ہوجاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذْنِ رَبِّہٖ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا

نکتہ عجیبہ: قرآن مجید یا حدیث شریف میں جن نیکیوں کے مختلف درجات کا وعدہ ہے اس میں بھی ایک راز ہے کہ گنتی کے اعداد کے مراتب چار ہیں (۱) احاد (۲) اعشار (۳) مآت (سینکڑے) (۴) الوف (جمع الف) ہزار احاد میں واحد اعشار میں عشر (دس) مآت میں یکصد اور الوف ایک ہزار اور اسی طرح انسان میں بھی چار مراتب ہیں (۱) نفس (۲) قلب، (۳) رُوح (۴) ستر۔ پس واحد کا مرتبہ نفس کو دیا گیا۔ اسی لئے فرمایا کہ وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا۔ اس لئے کہ نفس سے ہی برائی ہوتی ہے اور اعشار میں سے عشر (دس) کا مرتبہ قلب کو دیا گیا، فلہٗ عشر امثالھا۔ اس لئے کہ قلب اعشار کے مرتبہ میں ہے اور مرتبہ روح سے عبادت ہو تو اُسے مآت کا درجہ دیا جاتا ہے اس لئے کہ روح مرتبہ مآت میں ہے اور مرتبہ سر میں عبادت ہو تو اس میں ہزاروں بلکہ لا انتہا مراتب عطا ہوتے ہیں۔ جس قدر صفائی قلب اور خلوص نیت ہوتی ہے اسی قدر اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے اور اس کا کوئی انتہا نہیں اور یہی مرتبہ الوف کا ہے۔ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے احسان فرمایا کہ ابھی انہوں نے نیکی نہیں کی تو دس ایسی حسنات عطا فرمائیں جو بے شمار حسنات پر مشتمل ہیں پھر جب انہوں نے نیکی تو ان میں کسی قسم کی کمی نہ فرمائی بلکہ دوہرے اجر و ثواب سے نوازا۔ چنانچہ آیت وَلَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ وَاِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْھَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْہُ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ دلالت کرتی ہے۔ ترجمہ:۔ اللہ ذرہ برابر بھی ظلم کریگا اگر اسکی نیکی ہے تو اسے دوگنا کریگا اور اپنی جانب سے بہت بڑا اجر عطا فرمائیگا

تفسیر عالمانہ: ۱۶۰ قل: اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ سے فرمایئے جو مدعی ہیں کہ وہی دین حق پر ہیں اور صرف وہی دین حق کے حامل ہیں۔ اِنَّنِیْ ھَدٰنِیْ رَبِّیْ بیشک میرے رب تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعہ صحیح راستہ بتایا ہے اور آفاق و انفس میں آیات تکوینیہ کے ایسے دلائل

فرمائے ہیں کہ اُن سے راہِ حق نصیب ہوتا ہے اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ وہ صراطِ مستقیم جو موصل الی الحق ہے دِيْنًا
الی صراط کے محل سے بدل ہے۔ اصل عبارت یوں تھی۔ هَدٰنِيْ اِلٰی صِرَاطٍ قِيَمًا ایسا دین جو مضبوط ہے یہ
مصدر ہے بمعنی القیام بطور مبالغہ کے۔ یہ دین کی صفت ہے دراصل عوض کی طرح قِوَمٌ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن چونکہ
اس کے فعل پر قانون صرفی جاری ہوا اس لیے اس پر بھی جاری کیا گیا ہے۔ جیسے قیام دراصل قوام تھا۔ اس پر
اس فعل کی وجہ سے قانون جاری ہوا۔ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ دِيْنًا کا عطف بیان ہے۔ مِلَّة، ملت الکتب سے
مشتق ہے بمعنی الملیۃ وہ امور جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمائے ہیں انہیں ملت سے تعبیر کیا جاتا ہے
چونکہ ان امور مشروعہ کو مدون کیا اور وہ لکھے گئے اور مومنین اس کی اتباع کی وجہ سے آپس میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ
جاری رکھتے ہیں اس لئے انہیں ملت کہا گیا اور چونکہ جن لوگوں کے لئے یہ امور مشروع ہوئے اور وہ اس طریقہ کی طاعت
کرینگے بنابریں اسے دین سے تعبیر کیا گیا۔ یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے ان کا طریقہ اور حق پر چلنے کا راستہ بنایا۔
حَنِيْفًا یہ ابراہیم سے حال ہے یعنی وہ ادیان باطلہ سے ایسے روگردان تھے کہ ان کا اُن کی طرف میلان کا
امکان تک نہیں۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ وہ مشرکین کے امور میں سے کسی امر کسی امر پر نہیں تھے
نہ اصول میں نہ فروع میں۔

نکتہ: ملت کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے میں یہ راز ہے کہ اہلِ عرب انہیں معظم جانتے اور
ان کے دلوں پر اُن کی عظمت راسخ تھی۔ بلکہ ہر صاحبِ دین اپنے دین کو انہی کی طرف منسوب کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ
نے ان کی تردید میں ارشاد فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام مشرکین سے نہیں تھے۔ اس لئے کہ نہ ان کا عقیدہ مشرکانہ
تھا اور نہ اعمال رسوم کے مطابق تھے اور وہ یہودی بھی نہ تھے۔ اس لئے کہ یہودیوں کا عقیدہ تھا۔ عزیر علیہ السلام
اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس عقیدہ کا تصور تک نہیں ہو سکتا اور وہ نصرانی بھی نہ تھے
اس لئے کہ نصرانیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے لئے
ایسا عقیدہ تصور کرنا حماقت ہے۔

تفسیر صوفیانہ حقیقت میں مشرک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کی طلب کو جگہ دے اور اس
کے سوا کسی دوسرے سے طلب کرے۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خلاف طریقت بود کاولیاء
تمنا کنند از خدا جز خدا

ترجمہ: یہ طریقت کے خلاف ہے کہ اولیاء اللہ خدا کے سوا غیر خدا کو چاہیں۔

تفسیر عالمانہ

سوال: قل جب مضمون ایک ہے تو پھر قُل کا اعادہ کیوں ؟

جواب: پہلے قل میں اصول عقائد کا بیان تھا۔ اب دین کے فروع کا بیان کرنے کیلئے قل کا اعادہ کیا گیا۔ اِنَّ صَلَاتِیْ فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ میری پانچ فرض نمازیں وَنُسُکِیْ اور تمام عبادتیں۔ نسک دراصل میں اس عمل کو کہا جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب مطلوب ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے کو ناسک کہتے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ صلاتی سے نماز عید اور نسکی سے قربانی مراد ہے

حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سینگ والہ ملیح مینڈھا قربانی کے لئے لاکر فرمایا لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ان صلاتی ونسکی الی قولہ وانا اول المسلمین۔ اس کے بعد آپ نے اسے ذبح فرمایا اور فرمایا کہ اس کے بال اور اُون میرے بالوں کے لئے اور اس کا چمڑہ میرے چمڑے کے لئے اور اس کا خون میرے خون کے لئے اس کا گوشت میرے گوشت کے لئے اور اس کی ہڈیاں میری ہڈیوں کے لئے اور اس کی رگیں میری رگوں کے لئے آتش جہنم کے لئے فدیہ ہیں صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مینڈھا بہت خوب ہے یہ صرف آپ کے لئے ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں میری تمام امت کے لئے جو قیامت تک پیدا ہوں گے اسی طرح جبرائیل علیہ السلام نے میرے رب تعالیٰ سے مجھے خبر دی ہے وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ اور جن اعمال پر زندگی گزار رہا ہوں اور جس پر میری موت واقع ہوگی یعنی ایمان وطاعت وغیرہ اصل عبارت ذاحیاتی و ذاماتی یعنی جو اعمال وغیرہ حیات وممات میں واقع ہوں گے جیسے کہا جاتا ہے ور ذا اَتا تک" یعنی میرے برتن والی شئے۔ اس سے طعام مراد ہے۔ یہاں بھی ذاحیات وذاممات سے اعمال وایمان مراد ہیں۔ ادنیٰ ملابست کی وجہ سے اُس کی طرف اضافت ہوئی ہے۔ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٦٢ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لئے اور اس کا کوئی شریک نہیں یعنی میرے جملہ امور مذکورہ بالا خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ میں کسی دوسرے کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

وَبِذٰلِكَ اور اسی اخلاص کے لئے اُمِرْتُ مجھے حکم ہے اس کے غیر کا میں مامور نہیں۔ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۔ اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ اس لئے کہ ہر نبی کا اسلام اپنی امت کے اسلام سے مقدم ہوا کرتا ہے۔ اس میں تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں سبقت فرماتے اور جملہ مامورات کی فرمانبرداری صرف حضور علیہ السلام سے ہی مخصوص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کو حکم ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی اقتداء میں جملہ مامورات کی تعمیل کریں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اِنَّ صَلَاتِیْ یعنی منہاج الصلوٰۃ کی طرف میری سیر۔ اس سے معراج الی اللہ مراد ہے اور نسکی سے اپنے نفس کو ذبح کرنا مطلب ہے و محیای۔ قلب اور روح کی حیات و مماتی۔ اس سے نفس کی موت مراد ہے۔ للہ رب العلمین یعنی طلب حق و وصول الی اللہ کیلئے لا شریک لہ طلب میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس لئے کہ اس کے سوا ہمارا اور کوئی مطلب نہیں۔ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ یعنی میری طلب اور قصد الی اللہ یعنی میرا اپنا نظریہ یا اپنی عقل اور طبیعت سے نہیں۔ بلکہ میں مامور من اللہ ہوں۔ جو کچھ کرتا ہوں اس کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی کی ہدایت سے کرتا ہوں۔ یہ اس کی عنایت ہے کہ مجھ میں یہ طلب اور اشتیاق پیدا فرمایا میرے ہاں اس کی وحی آتی ہے اور میں وحی کا عامل ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ــــ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا اور فرمایا ثُمَّ ذَرْهُمْ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اور میں وہی ہوں کہ جس نے امر کن کے سامنے سب سے پہلے سر تسلیم خم کیا۔ جب فیض محبت نے جوش مارا تو میں نے سب سے پہلے قبول کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا " یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ " بلکہ محبت حق کے لئے سب سے پہلے میں نے سر جھکا لیا جس کے لئے یحبونہ اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے اس محبت کا افتتاح میں نے فرمایا۔ اس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا " اَنَا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ " (کذا فی التاویلات النجمیہ)

مسئلہ صوفیانہ ۔ آیت میں توحید کی ترغیب دلائی گئی ہے اور اخلاص کا سبق دیا گیا ہے ان دونوں کے لئے علامت یہ ہے کہ بندہ ماسوی اللہ سے ظاہراً و باطناً بری ہو جائے یہاں تک کہ وہ اپنے نفس سے بھی بیزار ہو اور حقائق ذاتیہ کی محبت میں مستغرق ہو جائے۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حج کے لئے نکلا۔ راستہ میں مجھے ایک نوجوان ملا جس کے پاس نہ زادِ راہ تھا اور نہ سواری۔ میں نے اس سے پوچھا کہاں سے آئے ہو اس نے کہا اللہ تعالیٰ سے، میں نے پوچھا کہاں جاؤ گے۔ کہا اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ میں نے پوچھا سامان بھی ساتھ ہے اس نے کہا اس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے میں نے کہا آخر اتنا بڑا لمبا سفر ہے اس میں زادِ راہ کی ضرورت ہے اور پانی ساتھ رکھنا لازمی ہوتا ہے اس نے کہا یہ اشیاء میرے پاس ہیں۔ میں نے کہا وہ کہاں۔ اُس نے کہا جب میں گھر سے نکلا تو پانچ حرف ساتھ لائے۔ میں نے پوچھا وہ کونسے کہا " کٓھٰیٰعٓصٓ "۔ میں نے کہا ان کا کیا مطلب ہے اس نے کہا کاف " الکافی " ھا سے (الہادی) یا سے الھُدیٰ، عین سے العالم ص سے الصادق مراد ہے اس نے کہا جس کے ساتھ " الکافی " الہادی، الھُدیٰ، العالم۔ الصادق ہوں وہ کبھی ضائع نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی کسی سے ڈرتا ہے اور نہ ہی اسے زادِ راہ کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ہی رزق کی کمی ہوتی ہے۔ حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں جب میں نے اس سے یہ کلام سنا تو میں نے اپنا قمیص اتار کر اسے پہنانا چاہا۔ اُس نے کہا حضرت جی!

اس دارِفنا کی قمیص سے ننگا رہنا بہتر ہے اس لئے کہ حلال مال سے پہنوں تو حساب ہوگا حرام سے حاصل کروں تو سزا ملے گی۔ اس سے بہتر ہے کہ نہ پہنوں۔ پھر جب رات ہوئی تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا۔ اے اللہ تعالیٰ تو طاعات سے خوش ہوتا ہے اور برائیاں تجھے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتیں جو امور تجھے خوش کرتے ہیں اُن کی مجھے توفیق عطا فرما۔ اور جن سے تجھے کوئی نقصان نہیں ان سے مجھے محفوظ رکھ اور کئے گناہ معاف فرما۔ جب لوگوں نے احرام باندھ کر لبیک پکارا تو میں نے اسے کہا کہ آپ بھی لبیک پکاریئے۔ جواب دیا کہ مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں پکاروں تو اس سے جواب ملے لَا لَبَّیْکَ وَلَا سَعْدَیْکَ اور فرمائے کہ نہ میں تیری بات سنتا ہوں اور نہ تیری طرف دیکھتا ہوں یہ کہہ کر کہیں چلا گیا۔ پھر میں نے اسے منیٰ میں دیکھا۔ دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے یا اللہ تمام لوگوں نے تیری راہ میں قربانیاں پیش کی ہیں اور ہدایا بھی۔ میرے ہاں کوئی ایسی شے نہیں کہ میں تیرے حضور پیش کر سکتا ہاں صرف یہی نفس ہے اسے قبول فرمالے۔ یہ کہہ کر چیخ ماری اور اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو گیا۔ اچانک کوئی قائل کہتا تھا هٰذَا حَبِیْبُ اللّٰهِ هٰذَا قَتِیْلُ اللّٰهِ قُتِلَ بِسَیْفِ اللّٰهِ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا محبوب و مقتول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے محبت کی تلوار سے قتل فرمایا ہے۔ میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور اسے دفن کر دیا رات کو میں اُس کے متعلق متفکر ہو کر سو گیا تو میں نے اسے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تیرے ساتھ کیا ہوا۔ اُس نے کہا وہی نوازشیں ہوئیں جو شہدائے بدر سے ہوئیں۔ اس لئے کہ وہ کفار کی تلوار سے اور میں سیفِ جبار سے مارا گیا ؎

۱۔ جان کہ نہ قربانیٔ جاناں بُود

جیفۂ تن بہتر از آناں بود

۲۔ ہر کہ نشد کشتۂ شمشیر دوست

لاشۂ مردار بہ از جان اوست

ترجمہ ۱: وہ جان جو محبوب پر قربان نہ ہو اس سے مردار بہتر ہے۔

۲: جو دوست کی تلوار سے ذبح نہ ہوا مردار بیکار اس جان سے بہتر ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم پہ چلنے کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ ۱۶۴ قُلْ: اے میرے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے ان کافروں سے جو آپ کو کہتے کہ آپ ہمارے دین میں آجائیے اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی طلب کروں۔ درانحالیکہ رَبًّا۔ وہ دوسرا رب ہو اور میں اسے عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراؤں وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ حالاں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا رب ہے اور میری طرح باقی اس کے تمام مربوب یعنی پالے ہوئے ہیں۔ پھر مربوب کو کیسے رب کی عبادت میں شریک بنایا جائے۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا اور جو کچھ کوئی کمائے وہ اسی کے ذمہ ہے۔

شانِ نزول کفار مسلمانوں سے کہتے تھے تم ہمارے دین کی طرف آجاؤ۔ اگر اس کا کوئی گناہ ہے تو وہ ہم اٹھا لیں گے اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس سے اگر کوئی گناہ لکھے جاتے ہیں تو ہم اپنے اعمالنامہ میں لکھوا لیں گے یا اس کا یہ مطلب ہوتا کہ قیامت میں اگر اس کا کوئی گناہ ہوگا تو ہم اپنے سر پر رکھ لیں گے۔ آیت میں اُن کے اس قول باطل کا رد ہے کہ ہر ایک اپنے گناہوں کا خود ذمہ دار ہے یہ اللہ تعالیٰ کے عمل کے خلاف اور بالکل محال ہے کہ کرے کوئی تو بھرے کوئی۔ جب یہ غلط ہے تو تمہاری دعوت خود بخود غلط ہو گئی۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائیگی یہ اُن کے دوسرے قول کا رد ہے۔ یعنی قیامت میں کوئی کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور بمعنی الثقل یعنی بوجھ۔ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ پھر تمہیں اپنے رب تعالیٰ کی طرف پھرنا ہے یعنی وہ تمہارے جملہ امور کا مالک ہے اور قیامت میں اسی کی طرف تم نے پھرنا ہے۔ فَيُنَبِّئُكُمْ بس اس دن وہ تمہیں بتادے گا۔ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔ یعنی ہدایت گمراہی سے کھل جائے گی اور اہل حق اہل باطل سے نمایاں ہو جائیں گے۔

خلاصہ تفسیر آیت ہذا سے چند امور ثابت ہوئے۔ غایت مقصود اور منتہائے مراد صرف ذات حق ہے جسے خدا تعالیٰ ملا اسے خدائی مل گئی۔ جو اس سے گیا وہ گم گشتہ راہ ہوا۔ پھر اسے کہیں ٹھکانا نہیں ملے گا۔ عاقل عاشق تو صرف اس کو چاہتا ہے کیونکہ حقیقی محبوب وہی ہے اور محب کو محبوب کے بغیر چین نہیں آتا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

درد مرا طبیب نداند دوا کہ من
بے دوست خستہ خاطرم و درد خوشترم

ترجمہ: میرے درد کا دوا طبیب نہیں جانتا میں تو دوست کے بغیر دل کا زخمی اور درد سے ہوں اور اسی میں بہت خوش ہوں

جو کوئی کچھ کماتا ہے بھلائی یا برائی تو اس کا نفع و نقصان اپنا ہے شر سے گرفتار ہو کر سزا پائے گا اور خیر سے کامیابی لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو اور ریا، و عجب اور فخر سے پاک۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ قدر آورد بندۂ بد دلیس
کہ زیر قبا دارد اندام پیس

ترجمہ: کیا قدر لائے گا بندہ بدطریقہ والا جو قبا کے نیچے گندا جسم رکھتا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ نفس برائیوں کا امر دینے والا ہے اور یہ سوائے برائی کے اور کچھ نہیں چاہتا اس لئے

برائی کی اسے سزا ملے گی نہ کہ اس سے نفع اور نفس کا کام نقصان پہنچانا ہے جو بھی اپنے آپ کو اس کے سپرد کرتا ہے تو وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے ہاں جسے اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے بچالے۔ اس سے ہم ہمیشہ یہ دعا عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ آنکھ جھپکنے کی دیر یا اس سے کم بھی مجھے اپنے نفس کے سپرد نہ فرما۔ حالانکہ نفس کو بھی یہ راہی اللہ کے اسی حکم تھا کہ وہ عبودیت کا اظہار کر کے طاعت الٰہی سے لگا رہے اور اعمالِ صالحہ پر مداومت کرے۔

نسخہ روحانی حضرت الشیخ ابو عبد اللہ محمد بن الفضل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے تعجب ہے اس سالک سے جو بڑی پُر خار وادیوں اور ویرانے جنگلوں اور سنگستان مقامات کو طے کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی کعبہ معظمہ میں پہنچتا ہے اس لئے کہ یہیں پر انبیاء علیہم السلام کو زیارت کا موقعہ نصیب ہوتا ہے باوجودیکہ وہ اپنے نفس کو نہیں چھوڑتا اور خواہشات کے پورے کرنے میں لگا رہتا ہے پھر وہ کیسے اپنے مالک سے ملاقات کر سکتا ہے جب کہ ان کو مٹانے کے بعد ہی قلب میں مولیٰ کریم جاگزین ہوگا کیونکہ وہ صرف پاک قلب والوں کو ہی ملتا ہے ہر شخص صرف اپنے گناہوں کی وجہ سے گرفتار ہوگا کسی دوسرے کے گناہوں کی وجہ گرفتار نہ ہوگا اور نہ کسی دوسرے کے گناہوں سے متعلق اس سے بازپرس ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی حق اگر کسی کا دینا ہے تو آج دیدو۔ مثلاً کسی کو رنجایا ہے تو معافی مانگ لو اور کسی کے حق میں کوئی کمی بیشی کی ہے تو ابھی سے ختم کر لو۔ اس دن سے پہلے جب کہ اس وقت نہ دھیلا ہوگا نہ درہم۔ اُس دن صرف اعمالِ صالحہ ہوں گے جس کا حق دینا ہے تو حکم ہوگا کہ اس کی نیکیاں اس کے حق خواہ کو دیدو۔ اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو حکم ہوگا کہ حق والے کی برائیاں اس کے سر پر رکھدی جائیں۔

سوال ، حدیث شریف مذکورہ بالا آیت کے مضمون کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے عدل کے خلاف ہے کہ ایک شخص کی برائیاں دوسرے شخص کے عملنامے میں ڈال یا کسی کے عمل چھین کر ایسے کو دیدے جس سے اعمال نہیں کئے۔

جواب : امام قرطبی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی منجملہ حکمتوں و مصلحتوں میں سے ایک ہے جن پر بندوں کو مطلع ہونا ضروری نہیں اور نہ اس کی حکمتوں و مصلحتوں کو کوئی پا سکتا ہے اگر ہر وہ امر جو بندوں کے عقول کے مطابق نہ ہو تو اسے چھوڑ دینے و لوازمات ہے تو پھر شریعت کے اکثر احکام سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اس لئے کہ بہت سے امور شرعیہ ایسے ہیں کہ جن کا معقول و افہام کو ادراک ناممکن ہے۔

قواعد شرعیہ بندہ راقم الحروف کہتا ہے گناہ دو قسم میں (۱) لازم (۲) متعدی۔ لازم جیسے شرب الخمر مثلاً اس سے وہی گرفتار ہوگا جس نے شراب پی ہے دوسرے اس کا مواخذہ نہ ہوگا ایسے گناہ صرف ایک جہت رکھتے ہیں۔ متعدی جیسے قتل النفس مثلاً اگرچہ اسمیں بھی صرف اسی سے مواخذہ ہوگا جس نے قتل کا ارتکاب کیا ہے لیکن اس کی دو جہتیں ہیں۔

(۱) قاتل کا حد شرع سے تجاوز (۲) وقوع الجنایۃ علی المبدای اشامل ایسے مجرم کی نیکیاں لیکر مقتول کو دی جائیں اور مقتول کی برائیاں قاتل کے سر ڈالی جائیں تو یہ درحقیقت اس کے اپنے کئے کی اسے سزا مل رہی ہے اس میں نیکیوں کے چھیننے کا شبہ ہے اور نہ ظلم کا واہمہ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ آیت و حدیث نتیجہ کے لحاظ سے متحد ہیں اگرچہ بظاہر تناقض معلوم ہوتی ہیں۔ (و اللہ اعلم الحقیقۃ الحال)

(۴) جیسے اہل کفر و اہل ایمان کا آپس میں اختلاف ہوتا ہے ایسے ہی اہل اخلاص و اہل ریا میں بھی ہوتا ہے پھر حق و باطل والے کے مابین امتیاز شرع بتاتی ہے لیکن حقیقت حال کا انکشاف اور اقوال و افعال کے پہلوؤں کا علم اس دن ہوگا جب کہ اندرونی راز کھلیں گے اور دل کی باتیں ظاہر ہوں گی۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ چون کند و جان باژگونہ پوستین
چند واویلا بر آید ز اہل دین

۲۔ بر دکان ہر زر نما خنداں شدہ است
زانکہ سنگ امتحان پنہاں شدہ است

۳۔ قلب پہلومی زند با زر بشب
انتظار روز می دارد ذہب

۴۔ با زبان حال زر گوید کہ باش
اے مزور تا بر آید روز فاش

ترجمہ ۱۔ جب کرتا ہے کوئی جان کو پوستین (ظاہر) کو اچھا چند اہل دین سے شور اٹھے گا۔

۲۔ ہر زرگر کے دکان پر ہنسی نظر آتی ہے اس لئے کہ اس کے امتحان والا پتھر پوشیدہ ہے۔

۳۔ کھوٹا سونا رات کو تو سونے کے ساتھ برابری کا دم بھر سکتا ہے سونے خالص کو دن ہونے کا انتظار ہوتا ہے،

۴۔ پھر زر خالص زبان حال سے کہتی ہے اے کھوٹا سونا ذرا دیر کر ابھی دن آنے والا ہے پھر پتہ چل جائے گا تو کون ہے اور میں کون۔

حدیث شریف سے تبلیغی جماعت کی علامت

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے قرب میں ایسا دور آئے گا کہ جس میں لوگ دنیا کو دین کے ذریعے حاصل کریں گے۔ ان کا طریقہ یہ ہوگا کہ اللہ والوں کا بھیس بدل لیں گے اور ان کا کلام کھانڈ سے زیادہ میٹھا لیکن ان کے دل بھیڑیے کی طرح ہوں گے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کیا میری وجہ سے یہ کام

ف۔ جیسے آجکل تبلیغی جماعت کا طریقہ ہے۔

کرتے تھے یا میرے اوپر جرأت کرکے دین کے عوض دنیا لوٹتے تھے۔ مجھے اپنی ذات کی قسم کر میں انہیں سے فتنہ کھڑا کروں گا یعنی وہ ہی بڑے فتنوں کے اصلی سبب ہوں گے کہ ان فتنوں کو دیکھ کر ہر ذی فہم حیران ہو جائے گا۔

سبق مومن کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کو صاف رکھے اور ہر اختلاف سے دور رہے اس لئے کہ حق صرف ایک ہے اور حق کے بعد باطل ہی باطل ہے۔

مسئلہ: فروعی مسائل میں امت کا اختلاف عوام کے لئے رحمت ہے اسے لفظاً تو اختلاف کہا جا سکتا ہے لیکن درحقیقت یہ اختلاف یونہی نہیں اس لئے اختلاف میں میں تو لڑائی جھگڑا وغیرہ ہوتا ہے بلکہ وہ جھگڑے اشخاص اور اُن کے احوال پر مبنی ہوتے ہیں اور آئمہ کی شخصیات مبارکہ اور اُن کے احوال طیبہ کو دیکھا جاتی ہے کہ اُن کے معاملات مبنی بر قتل و جدال نہیں تھے۔ بنا بریں وہ حق پر تھے اور جن کی اتباع لازمی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس اختلاف سے بچائے جو دین کے فساد کا سبب بنے اور جھگڑوں سے محفوظ فرمائے کہ جن سے دائرہ یقین ختم ہو اور ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو صواب کے توفیق یافتہ ہیں اس لئے کہ وہ کریم اور فیض سخا اور جود و عطا کا مالک ہے۔

تفسیر عالمانہ ۱۶۴ وَهُوَ اور وہ، اللہ تعالیٰ الَّذِي جَعَلَكُمْ وہ ہے جس نے تمہیں بنایا۔ اے لوگو خَلَائِفَ الْأَرْضِ۔ زمین میں نائب یعنی جنات کے بعد یا نوع بنی آدم سے سابقہ امتوں سے یا تم اللہ تعالیٰ کی زمین میں نائب ہو۔ تو تم اس میں تصرف کرتے ہو۔

فائدہ: خلائف خلیفہ جیسے وصائف وصیف کی جمع ہے ایسے ہی خلائف خلیفہ کی جمع ہے ہر وہ جو کسی جانے والے کا مقام سنبھالے اس کا اُسے خلیفہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس کا جانشین ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر آدم کا بچہ اپنے وقت کا آدم (علیہ السلام) اور میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور خلافت کا راز بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے کہ وہ حیاً قیوماً سمیعاً بصیراً علیماً قادراً متکلماً مریداً کا مظہر ہے

۱۔ آدمی چیست برزخ جامع
بصورت خلق و حق در واقع

۲۔ متصل با دقائق جبروت
مشتمل بر حقائق ملکوت

ترجمہ ۱۔ آدمی کیا ہے برزخ جامع ہے ظاہر خلق درحقیقت (جلوہ) حق ہے۔

۲۔ دقائق جبروت کے متصل اور حقائق کے ملکوت پر مشتمل ہے۔

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ اور شرف و غنا میں تمہارے بعض کو فَوْقَ بَعْضٍ بعض پر بلند مرتبہ بنایا۔ دَرَجٰتٍ درجات میں کہ ان کے ایک دوسرے کے مراتب و درجات میں بہت بڑا فرق ہے لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا اٰتٰكُمْ تاکہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں عطا کی۔ مال و جاہ سے۔ یعنی تاکہ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جیسے کسی سے امتحان لیا جاتا ہے اور اس کی آزمائش کی جاتی ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ تم شکر کرتے ہو یا ناشکری۔

حکایت حضرت جنید رضی اللہ عنہ بچپن میں بچوں سے کھیل رہے تھے تو حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ کا اُن سے گزر ہوا۔ حضرت سری سقطی نے حضرت جنید سے پوچھا بیٹا بتلایئے شکر کسے کہتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اس کی نعمتوں کو گناہوں کی اعانت میں صرف نہ کیا جائے۔ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ بے شک تمہارے رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب تعالیٰ کو عذاب کرتے دیر نہیں لگتی۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے کئے ہوئے احکام کی پاسداری اور نہ ہی شکر گزاری کرتا ہے تو اس کے عذاب دینے میں دیر نہیں لگاتا۔

سوال: وہ حلیم صبور ہے اور پھر مہلت بھی دیتا ہے پھر سریع العقاب کیسے؟

جواب: جس کے لئے عذاب دینے کا وقت آجاتا ہے اُس کے لئے عذاب میں دیر نہیں ہوتی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ہے

مہلتے کہ سپہرت دہد ز راہ مبرد
تراکہ گفت ایں زال ترک دستاں کرد

ترجمہ: وہ مہلت جو تجھے آسمان نے دی۔ سیدھے راہ سے نہ ہٹ، تجھے کس نے کہا کہ بوڑھی (دنیا) تو مکر و فریب سے پر ہے۔

وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور بے شک وہ غفور رحیم ہے اس کے لئے جو اس کے حقوق و احکام میں حتی الامکان پاسداری کرتا ہے۔

حدیث شریف قیامت میں ایک شخص کو لایا جائے گا۔ جس نے حرام مال جمع کر کے حرام پر خرچ کیا ہو گا اس کے لئے حکم ہو گا اسے جہنم میں لے جاؤ اور ایک کو لایا جائے گا جس نے حلال کمائی کر کے حلال پر خرچ کیا ہو گا لیکن اسے کہا جائے گا کہ تو نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کمی کی ہو گی۔ مثلاً نماز نہیں پڑھی ہو گی یا پڑھی تو اس کے ارکان رکوع سجود قیام وغیرہ میں غلطیاں کمائی ہوں گی کہ بلا ضرورت سواری خریدی یا کپڑے۔ جنہیں فخر و ریا کا شائبہ ہو گا۔ عرض کریگا نہیں یا اللہ اس طرح میں نے نہیں کیا تھا۔ پھر حکم ہو گا کہ تو نے اس مال کے خرچ کرنے میں کوتاہیاں کی ہوں گی کہ کسی کے حقوق ادا نہ کئے ہوں مثلاً عورت کے حقوق اسی طرح دیگر رشتہ داروں اور یتامیٰ و مساکین اور مسافروں کے حقوق میں کمی کی ہو گی۔ عرض کرے گا نہیں یا اللہ۔ ان کے حقوق میں بھی

میں نے کوتاہی نہیں کی تھی۔ میں نے مال حلال کمائی سے کمایا اور فرائض میں کسی قسم کی کمی نہیں کی اور نہ ہی حقوق العباد میں کوئی کوتاہی کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے حق داروں کو بلاؤ۔ وہ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ جب انہیں بلایا جائے گا تو وہ گواہی دیں گے یا اللہ تو نے اسے مال دیا اور یہ ہمارا کفیل تھا اسے تیرا حکم تھا کہ وہ ہمارے حقوق ادا کرے اس نے ہمارے پورے پورے حقوق ادا کئے اور تیرے فرائض کی ادائیگی میں بھی کوتاہی نہیں کرتا تھا پھر اسے حکم ہوگا ٹھہر جا مجھے میری عطا کی ہوئی نعمتوں کی ادائیگی شکر کا حساب دے اور ایک ایک لقمہ اور ایک ایک گھونٹ پانی اور ایک ایک لذت کا شکرانہ تو نے کیا یا نہ۔ اسی طرح اس سے کئی طرح کے سوالات ہوں گے۔ تب کہیں اسکی نجات ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ جس طرح اللہ تعالیٰ جاہ و مال دیکھ کر دیکھتا ہے۔ کہ ان میں کون شکر گزار ہے اور کون ناشکرا۔ اسی طرح حال یعنی خلافت کی استعداد عنایت فرما کر دیکھتا ہے کہ متخلق باخلاق اللہ اور اوامر و نواہی کا پابند اور حقوق العباد و البلاد وغیرہ پر قائم رہتا ہے اور کون رجعت قہقری کرکے صفات بہائم و انعام کی طرف لوٹتا ہے۔

قاعدہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے صفات کو صفات بہیمیہ میں تبدیل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب اور سمع و بصر پر مہر لگا دیتا ہے پھر وہ اس غیبی مکان کی طرف نہیں لوٹ سکتا کہ جس سے وہ ہجرت ہو کر یہاں دنیا میں پھنسا بلکہ اسفل سافلین کے ملک طبیعہ میں گرفتار رہتا ہے ہاں جو خواہشات اور اتباع نفس اور مخالفت حق سے تائب ہو کر کورا مومن ہو جاتا ہے اور خلافت کے لئے عمل صالح کرتا ہے تو اسے ہدایت نصیب ہو جاتی ہے اور نہ ہی وہ رجعت قہقری میں پھنستا ہے۔

حکایت سیدنا ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ ایک دفعہ حج کیلئے تشریف لے گئے حرم شریف میں طواف کر رہے تھے اچانک ان کی نظر ایک نوجوان حسین و جمیل پر پڑ گئی اور اس نوجوان کے حسن و جمال نے لوگوں کو فریفتہ کر رکھا تھا۔ حضرت ابراہیم بھی اسے اسے دیکھنے لگ گئے اسے دیکھتے بھی جاتے اور روتے بھی جاتے۔ آپ کے بعض مریدوں نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا " اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ " ان کا خیال تھا کہ شیخ بھی اس نوجوان پر عاشق ہو گئے ہیں اور آپ غفلت کا شکار ہو گئے ایک مرید نے عرض کی حضرت اس نوجوان کو دیکھ کر کیوں روتے تھے۔ آپ نے فرمایا " اے عزیز میں نے اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کیا تھا کہ اس کا توڑنا ناممکن ہے ورنہ تو مجھے اس کے بالکل قریب دیکھتا۔ بلکہ اس کے پاس جا کر اس سے علیک سلیک کرتا۔ یہ تو میرا لخت جگر اور آنکھوں کی ٹھنڈک پیارا بیٹا ہے اسے میں دودھ پیتا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی تلاش میں نکلا تھا۔ اب بفضلہ تعالیٰ جوان ہو کر یہاں میری تلاش میں نکلا ہے۔ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ میں اسے جا کر گلے لگاؤں لیکن مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ اپنے وعدہ کے خلاف کروں اب اے عزیز تم چلے جاؤ۔ اسے سلام جا کر کہو کچھ تو مجھے تسلی مل جائے گی اور اس کی جدائی سے جو آگ بھڑک رہی ہے کچھ تو ٹھنڈی

ہو جائے گی۔ مرید جا کر نوجوان سے کہنے لگا اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کو خوش رکھے وہ نوجوان سن کر چونکا اور کہا میرا باپ کہاں انہیں تو کئی برس گزرے جو اپنے تخت کو چھوڑ کر راہ حق میں نکلے تھے۔ کاش اب مجھے ان کی زیارت کے بعد مجھے موت بھی آ جائے یہ کہہ کر باپ کی یاد میں جب آنسو بہائے پھر کہا کاش مجھے ان کا دیکھنا نصیب ہوتا۔ پھر اگرچہ وہیں پر میں رہا لوں مرید صاحب فرماتے ہیں میں واپس حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے ہاں لوٹا تو انہیں دیکھا کہ وہ مقام ابراہیم میں سر بسجود ہو کر خوب رو رہے تھے۔ آپ کے آنسوؤں سے وہاں کے پتھر تر ہو گئے۔ آہ و زاری کرتے ہوئے یہ شعر پڑھ رہے تھے

ہجرت الخلق طرا فی هواکا

وایتمت العیال لکی اراکا

فلو قطعتنی فی الحب اربا

لما سکن الفؤاد الی سواکا

ترجمہ: میں نے صرف تیری محبت سے تمام مخلوق سے قطع تعلق کر لیا اور صرف تمہارے دیدار کے لئے میں نے بچوں کو یتیم بنایا اگرچہ تو مجھ سے لاکھ بار دور ہو لیکن میرا دل تو تیرے سوا قرار نہیں پائے گا۔

میں نے کہا اگر مجھے سے ملنا منظور نہیں تو اس کے لئے دعائے خیر فرمایئے۔ آپ نے بچے کیلئے کہا اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے بچائے اور وہ جو کچھ چاہتا ہے اس کی مدد فرمائے۔

سبق: یہ اس کا حال ہے جس نے حق کی تلاش میں تخت و سلطنت کو لات ماری اور فقر و فقیری میں زندگی بسر فرمائی۔ ایک ہم ہیں کہ دولت کے پیچھے سرگرداں اور فقر و فقیری کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے حضور علیہ السلام نے عرض کی اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت اتنی فرما کہ جس سے فقط سانس باقی رہ سکے۔

فائدہ: قوت کفایہ بلا اسراف کو کہتے ہیں۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ کفایت شعاری دنیاداری سے افضل ہے اس لئے کہ اگر یہ افضل نہ ہوتی تو اس کے لئے حضور علیہ السلام آرزو نہ کرتے اور آپ نے اپنے لئے افضل الاحوال کی تمنا فرمائی حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ہے

دریں بازار گر سود لیست یا درویش خورسنداست

الٰہی منعم گرداں بدرویشی و خرسندی

ترجمہ: یہ بازار پر منافع والے کی یا کسی درویش خوشحال کی۔ مجھے تو یا رب درویشی اور خورسندی عطا فرما۔

بقیہ صفحہ ۷۵۹

سُورَۃُ الاَعرَاف

یہ سورۃ مکیہ ہے۔ اس سورۃ کی کل دو سو پانچ ۲۰۵ آیات ہیں۔ صرف آٹھ آیات جو فاسئلھم سے شروع ہو کر و اذ نتقنا الجبل الآیۃ تک ختم ہوتی ہیں مدنیہ ہیں۔ تمام آیات محکمہ ہیں۔ بعض نے کہا و اعرض عن المشرکین تک مدنیہ ہیں۔

سُورَۃُ الاَعرَافِ مَکِیَّۃٌ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ اٰیَاتُھَا ۲۰۶ رُکُوۡعُھَا ۲۴

سورۂ اعراف مکی ہے اور اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا ہے — دو سو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

الٓمّٓصٓ ۝۱ کِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ فَلَا یَکُنۡ فِیۡ صَدۡرِکَ حَرَجٌ مِّنۡہُ لِتُنۡذِرَ

اے محبوب ایک کتاب تمہاری طرف اتاری گئی تو تمہارا جی اس سے نہ رکے اس لیے کہ تم اس

بِہٖ وَ ذِکۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝۲ اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ لَا تَتَّبِعُوۡا

سے ڈر سناؤ اور مسلمانوں کو نصیحت اے لوگو اس پر چلو جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا

مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ۝۳ وَ کَمۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَا

اور اسے چھوڑ کر اور حاکموں کے پیچھے نہ جاؤ بہت ہی کم سمجھتے ہو اور کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کیں تو ان پر ہمارا عذاب

فَجَآءَہَا بَاۡسُنَا بَیَاتًا اَوۡ ہُمۡ قَآئِلُوۡنَ ۝۴ فَمَا کَانَ دَعۡوٰىہُمۡ اِذۡ جَآءَہُمۡ

رات میں آیا یا جب وہ دوپہر کو سوتے تھے تو ان کے منہ سے کچھ نہ نکلا جب ہمارا عذاب

بَاۡسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ۝۵ فَلَنَسۡـَٔلَنَّ الَّذِیۡنَ اُرۡسِلَ اِلَیۡہِمۡ

ان پر آیا مگر یہی بولے کہ ہم ظالم تھے تو بیشک ضرور ہمیں پوچھنا ہے ان سے جن کے پاس رسول گئے

وَ لَنَسۡـَٔلَنَّ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝۶ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیۡہِمۡ بِعِلۡمٍ وَّ مَا کُنَّا غَآئِبِیۡنَ ۝۷

اور بیشک ضرور ہمیں پوچھنا ہے رسولوں سے تو ضرور ہم ان کو بتا دیں گے اپنے علم سے اور ہم کچھ غائب نہ تھے

وَ الۡوَزۡنُ یَوۡمَئِذِ ۣالۡحَقُّ ۚ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝۸

اور اس دن تول ضرور ہونی ہے تو جن کے پلے بھاری ہوئے وہی مراد کو پہنچے

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُم بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا

اور جن کے پلے ہلکے ہوئے تو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جان گھاٹے میں ڈالی ان زیادتیوں کا بدلہ جو

يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيلًا

ہماری آیتوں پر کرتے تھے اور بیشک ہم نے تمہیں زمین میں جماؤ دیا اور تمہارے لیے اس میں زندگی کے اسباب بنائے بہت ہی

مَّا تَشْكُرُونَ ﴿١٠﴾

کم شکر کرتے ہو

بقیہ صفحہ نمبر ۷۵۷

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان لوگوں سے بنائے جو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مقدسہ پر چلنے والے ہیں اور ہماری تمنائیں وصول الی مقام التوکل والیقین کی طرف لگا دے اور وہ اپنے مسائل کو ناامید نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے دعا مانگنے والے کی دعا کو رد کرتا ہے اور نہ ہی کسی کی کوشش کو ضائع فرماتا ہے۔

صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ سورۃ انعام بفضلہ تعالیٰ جمادی الاولیٰ کی آخری تاریخ ۱۱۰۱ھ میں ختم ہوئی۔

وقد تمت هذه السورة من قلم الفقير القادري ابي الصالح محمد فيض احمد الاويسي الرضوي غفرله ربه يوم ولادة حبيب رب العلمين في السادس والعشرين من الشهر صفر المظفر المنسلم في سلك شهور سنة الف وثلاثمائة وخمس وتسعين ۱۳۹۵ھ من هجرة امام الانبياء والمرسلين صلى الله عليه وعلى آله واصحابه اجمعين في دار التصنيف والتاليف التي من دار العلوم لاهل السنة والجماعة المعروفة بالجامعة الاويسية الرضويه الواقعة في البلدة دار السرور الشهيرة ببهاولپور من بلاد الباكستان۔

صوفیانہ نکات الٓمٓصٓ : (الف) ذات احدیہ کی طرف (ل) سے ذات صفۃ العلم کی طرف اشارہ کرتے ہیں (م) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی یعنی آپ کی ذات اور حقیقت پہ دلالت کرتا ہے اور (ص) صُورۃ محمدیہ یعنی آپ کے جسد اطہر اور ظاہری صورت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (صٓ) مکہ معظمہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے جب رات تھی نہ دن تھا اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش اس پہ تھا۔ اس بنا پہ اس پہاڑ کی طرف اشارہ کرکے حضور علیہ السلام کے جسد مبارک اور عرش رحمٰن سے آپ کا قلب شریف مُراد لیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے "قلب المومن عرش اللہ" مومن کا دِل عرش الٰہی ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ اس وقت رات تھی نہ دن تھا یعنی وحدت ہی وحدت تھی اس لئے کہ قلب جب نفس کی زمین کے سایہ میں ہوکر صفات نفس سے محجوب ہو جاتی ہے تو اس کے لئے وہی کیفیت بمنزلہ رات کے ہوتی ہے پھر جب اس پہ روح کے سورج کی کرن پڑتی اور وہ اس سے نُور حاصل کرتی ہیں تو وہ حالت اس کے لئے بمنزلہ دن کے ہوتی ہے پھر جب معرفت الٰہی اور شہود ذاتی سے وحدۃ میں پہنچتی ہے تو اس میں نور وظلمت مساوی ہوکر فانی ہو جاتے ہیں تو اس کے لئے یہی ہوتا ہے کہ اس کے لئے نہ رات ہے نہ دن اس وقت پہ عرش الٰہی مستقر ہوتا ہے اب مطلب یہ ہوا کہ وجود الکل من اعلہ الی الآخرۃ ایک کتاب ہے جس کا علم ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا (کذا فی التاویلات النعاشانیہ)

دوسری صوفیانہ تقریر حضرت الشیخ نجم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ذات وصفات بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے بیان فرمائے تو اپنا ذاتی تعارف المصٓ سے کرایا۔ یعنی وہ اپنے لطف سے معبود ہے اور بندہ محبت و معرفت سے فرد ہے اس نے آپ پر نازل کردہ کتاب کے واسطہ سے معرفت ومحبت کے کمال کو قبول کرنے سے صبر وصدق سے نوازا گیا۔

فائدہ : تفسیر فارسی میں ہے کہ "المصٓ" قرآن پاک کا نام ہے یا اس سورۃ کا نام ہے یا اس کا ہر حرف اسمائے الٰہی کے کسی اسم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جیسے الف سے اللہ لام سے لطیف میم سے ملک، صاد سے صبور یا ہر حرف اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت پہ دلالت کرتا ہے۔ مثلاً الف اکرام پہ لام لطف پر اور میم مجد پر صاد۔ صدق پہ یا اسم "المصور" سے کنایہ ہے یا بعض حروف اسماء پہ دلالت کرتے ہیں اور بعض افعال وتقدیر پہ۔ اب اس کا معنی ہوا "انا اللہ اعلم وافصل" میں اللہ ہوں۔ جانتا اور بیان کرتا ہوں یا یہ کہ میں تمام سے زیادہ عالم اور حقائق میں حق وباطل کا فرق بتاتا ہوں۔

فائدہ : حضرت سلمی فرماتے ہیں کہ الف کا اشارہ ازل کی طرف اور لام ابد کی طرف اور میم ازل و ابد

کے مابین کی طرف اور صاد کا اشارہ ہر متصل کے اتصال اور ہر منفصل کے انفصال کی طرف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسمیں اتصال کی گنجائش ہے نہ انفصال کو۔ ؎

۱۔ ایں چہ راہست ایں بروں از فصل و وصل
کاندر و نی فرع می گنجد نہ اصل

۲۔ نے معانی نے عبارت نے عیاں
نے حقائق نے اشارت نے بیان

۳۔ برتر است از مدرکات عقل و وہم
لاجرم گم گشت در وے فکر و فہم

۴۔ چوں بکلی رہ نہ گفت و گوئی نیست
ہیچکس را جز خموشی روئے نیست

ترجمہ: ۱۔ یہ کیا راہ ہے فصل و وصل سے خارج اسمیں نہ اصول سما سکتے ہیں نہ فروع

۲۔ نہ معانی نہ عبارت نہ ظاہر نہ حقائق نہ اشارہ نہ بیان

۳۔ مدرکات عقل و وہم سے برتر ہے۔ بہرحال اس میں وہم و فکر گم ہے۔

۴۔ جب مکمل طور اس میں گفتگو نہیں ہو سکتی تو پھر کسی کو خاموشی کے سوا چارہ نہیں۔

صاحب روح البیان کا فیصلہ فقیر کہتا ہے کہ یہ حروف مقطعات متشابہات سے ہیں ان میں عقول کو کسی قسم کا درک نہیں البتہ اسے اہل اللہ ضرور جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم سے وہ اُن سے خوب واقف نہیں۔ انہیں مفسرین نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کے معانی و لوازم و حقائق سے اشارہ سمجھ کر کہا ہے۔ بنابریں ہم بھی اُس کے متعلق کچھ کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ ان حروف میں ترکیب صفاتی و فعلی واحدی ابدی ہے۔ یہ مرتبہ وحدۃ ذاتیہ میں ایک علیحدہ علیحدہ افراد تھے پھر تجلی الٰہی سے وہ فرد مرکب ہو گیا اور جمع سے متفرق ہو گیا۔ وہ قوت سے فعل ہو گیا اور جمع سے متفرق ہو گیا۔ اس سے نسب و اضافات کا صدور ہوا جیسے کلام ترکیبی کا اصل حروف مفردہ ہیں یعنی حروف تہجی پھر ترکیب سے آب و ہوا پھر ابجد ہوا بعد ازاں الحمد للہ ہوا یوں سمجھئے کہ انسان اصل تعین جسم کے لحاظ سے ایک نطفہ ہے ہے پھر اس کی ایک تصویر کھینچی گئی اس سے ترکیب جسمانی ہوئی۔ واللہ اعلم"

کِتٰبٌ یہ کتاب ہے **اُنْزِلَ اِلَیْكَ** اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے آپ کے ہاں نازل کیا گیا **فَلَا یَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ** پس آپ کے سینہ میں کوئی تنگی نہ ہو یعنی اس کے حق ہونے میں شک نہ ہو یہ ایسے ہے

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاِنْ كُنْتَ فِىْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ صرف فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اسے حرج صدر سے تعبیر فرمایا ہے جو کہ شک کو لازم ہے اس لئے کہ شک کو ہی دلتنگی ہوتی ہے جیسے یقین کرنے والے کو انشراح صدر ہوتا ہے ۔ یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اُمت مراد ہے ۔ یعنی اسے اُمتیوا شک نہ کرو اور منہ حَرَجٌ کے متعلق ہے مثلاً کہا جاتا ہے " حرج منہ " ای ضاق بہ صدرہ ۔ اور جائز ہے کہ حرج اپنے حقیقی معنی پر ہو یعنی آپ کفار کے خوف سے تبلیغ کرتے ہوئے ملال نہ فرمائیں ۔ اس خیال سے کہ کفار تکذیب کریں گے جیسا کہ ابتداء اسلام میں آپ کو اپنی قوم کی تکذیب اور ان کے اعراض سے خوف رہتا تھا اس لئے کہ تبلیغ کے وقت آپ کو ملال ہوتی اور کھل کر آپ تبلیغ نہیں کر سکتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو امن وسلامتی عطا فرمائی اور فرمایا کہ آپ بے پرواہ ہو کر انہیں تبلیغ فرمائیں ۔

لِتُنْذِرَ بِهٖ یہ اُنزل کے متعلق ہے تاکہ اس کتاب منزل من اللہ سے ڈرائیں وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ تاکہ مومنین کو خوب نصیحت فرمائیں ۞ اِتَّبِعُوْا اتباع کرو اے حکم بردارو ۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ اس کی جو تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے اُترا ہے ۔ یعنی قرآن مجید کی اتباع کرو ۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اور اس کی تابعداری مت کرو جو تمہارے رب تعالیٰ سے نہیں اُترا ۔ اس لئے کہ وہ تمہیں حق کی طرف نہیں لے جائے گا ۔ من دونہ ولا تتبعوا ۔ کے فاعل سے حال ہے اب معنی یہ ہوا کہ تابعداری نہ کرو درانحالیکہ تم اللہ تعالیٰ سے تجاوز کرنے والے ہو ۔ اولیاء یعنی وہ من دونہ اولیاء الجن والانس سے ہیں تم ان کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی میں پڑو گے ۔ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ تذکرون دراصل تتذکرون تھا اس کی ایک تاء حذف کر دی گئی اور قلیلاً ما میں لفظ ما زائدہ ہے اسے علت کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے یعنی تم تھوڑی یا تھوڑی دیر نصیحت پا سکو گے یعنی اس کا زیادہ دیر اثر نہیں رہے گا ۔ پھر بہت جلدی تم اس سے متنفر ہو جاؤ گے قرآن کے موجب پر عمل نہیں کرو گے بلکہ سرے سے اللہ تعالیٰ کے دین کو چھوڑ کر غیر دین کی پیروی کرنے لگ جاؤ گے ۔

ربط ، اب گذشتہ امتوں میں سے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی نہ کی بلکہ اپنے دوستوں کی باتوں کی اتباع کرتے اور اس پر اصرار کرنے لگے ، ان کی سزاؤں اور انجاموں کا بیان فرمایا کہ ۞ وَكَمْ یہ کم خبریہ اور مبتدا ہے آنے والا جملہ اس کی خبر ہے مِّنْ قَرْيَةٍ یہ کم تکثیریہ کی تمیز ہے ۔ اَهْلَكْنٰهَا ھا کی ضمیر کم کے معنی کثرت کی طرف راجع ہے یعنی بہت سے علاقوں کو ہم نے تباہ کرنے کا ارادہ کیا یا ان علاقوں کے بہت سے لوگوں کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا ۔ اس تقریر ثانی پر کم اھلکنا سے محلاً منصوب ہے جیسے بقدر انا کل شیء خلقناہ ، میں محلاً منصوب ہے ۔ فَجَآءَهَا پس اُن کے اہل کے ہاں آیا ۔ بَاْسُنَا بَيَاتًا ہمارا عذاب

کا مصدر ہے بمعنی فاعل اور وہ حال کے قائم مقام ہے۔ بیاتا ای بائتین درانحالیکہ وہ رات میں سونے والے تھے جیسے لوط علیہ السلام کی قوم کے ساتھ ہوا۔

فائدہ:۔ حدادی نے فرمایا کہ رات کو بیاتاً سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں شب باشی ہوتی ہے اور حلول کی ضد کو کہا جاتا ہے بیتوتہ رات کے آنے کو کہتے ہیں اس میں نیند کی جائے یا نہ جیسے فارسی میں رات گذاشتن رات گزارنا کہتے ہیں۔ اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ۔ اس کا عطف ہے بیاتاً پر ہے اور قیلولہ سے مشتق ہے دوپہر کے آرام کرنے کو کہتے ہیں۔ یعنی انہیں دوپہر میں اللہ تعالیٰ کے عذاب پہنچے۔ جیسے شعیب علیہ السلام کی قوم سے ہوا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تباہ و برباد کیا۔

نکتہ:۔ تفسیر فارسی میں ہے کہ عذاب کو ان دونوں وقتوں سے اس لئے مخصوص کیا گیا کہ یہ دونوں استراحت اور آرام کے اوقات ہیں۔ ان دونوں وقتوں میں عذاب کا وقوع غیر متوقع ہوتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ عدم توقع میں عذاب سخت تر محسوس ہوتا ہے جیسے نعمت غیر مترقبہ کا حصول لذیذ اور دلچسپ تر ہوتا ہے۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ پس اس وقت انکو کوئی دعویٰ نہ تھا انہوں نے نہ کوئی دعا کی اور نہ ہی عجز وزاری اِذْ جَآءَهُمْ جس وقت ان پر بَاْسُنَآ ہمارا دیا ہوا عذاب آیا۔ (یعنی اس کے علامات معلوم کئے) اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا مگر یہ کہ کہا کہا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ بے شک ہم ظالم ہیں یعنی اپنی غلطیوں کا اب اعتراف کیا کہ واقعی جن امور کا ارتکاب کرتے تھے وہ غلط تھے۔ اس وقت ان کی اپنی غلطی کی خود گواہی دینا حسرت و ندامت اور جان خلاصی کے طمع پر تھا۔ لیکن اب وقت نکل گیا اس لئے کہ نزول عذاب کے وقت توبہ بھی ناقابل قبول ہے پھر صرف ندامت وغیرہ انہیں کیا فائدہ دیتی۔ اس لئے کہ توبہ اور مکلف ہونا ہر دونوں اسوقت اکٹھے مرتفع ہوجاتی ہیں۔ لیکن یونس علیہ السلام کی قوم اس سے مستثنیٰ ہے اس کا مفصل بیان آئے گا (انشاء اللہ) مثنوی میں ہے:

۱: ہمچوں آن مرد مفلسف روز مرگ
عقل را می دید بس بے مال و برگ

۲: بے غرض می کرد آندم اعتراف
کز ذکاوت راندہ ایم اسپ از گزاف

۳: از غروری کہ کشیدیم از رجال
آشنا کردیم در بحر خیال

۴: آشنا ہیچست اندر بحر روح
نیست آنجا چارہ جز کشتی نوح

۵. اینچنیں فرمودہ آں شاہِ رُسل
که منم کشتی دریں دریائے کُل

۶. باکسے کو در بصیر تہائے مَن
شُد خلیفہ راستی بر جائے مَن

۷. کشتئ نُوحیم در دریا کہ تا
رو نہ گردانی ز کشتی اے فتی

ترجمہ ۱: اس فلسفی کی طرح جو موت کے وقت عقل کو بے سروسامان دیکھ کر

۲: بلا تاخیر اعتراف کرتا ہوا کہتا ہے کہ تیزئ عقل سے ہم بلا فائدہ گھوڑے دوڑاتے رہے

۳: غرور سے لوگوں سے ہم علیحدہ رہے ہم صرف بحر خیال میں غرق رہے۔

۴: بحر روح میں کون آشنا ہے وہاں کشتئ نوح کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

۵: ایسے شاہ رسولاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسی دریائے کل کا میں ہی کشتی

۶: جو بھی میری بصیرتوں پر میرا خلیفہ تابعداری ہوا۔

۷: ہم کشتی نوح ہیں اس دریا میں اے نوجوان اس کشتی سے منہ نہ پھیرنا۔

۶ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ ۔ یہ فاء ترتیب کے لئے ہے کہ احوالہ اُخرویہ کو احوال مرتب کرتا ہے یعنی قیامت میں ہم تمام اُمتوں سے سوال کریں گے درانحالیکہ ہم انبیاء علیہم السلام سے پوچھیں کہ جن کے ہاں تم بھیجے گئے انہوں نے تمہیں کیا جواب دیا وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ اور ہم پیغمبران علیہم السلام سے بھی پوچھیں گے کہ تمہاری امتوں نے کیا کہا۔ اس سے کافروں کو توبیخ اور انہیں تنبیہ مطلوب ہے۔

سوال: دوسری آیت میں امت سے سوال کی نفی ہے "قال و لا یسال عن ذنوبہم المجرمون"

جواب۱: استعلام کے سوال کی نفی ہے یعنی اُن سے صرف حالات کے اظہار کا سوال نہیں ہوگا۔ اگرچہ توبیخ کے طور۔

جواب۲: سوال ہوگا موقف حساب میں لیکن ان سے موقف عقاب میں سوال نہ ہوگا بلکہ حساب کے بعد بغیر جہنم میں دھکیلے جائیں گے۔

جواب۳: (فخرالدین رازی) تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ اُن سے ان کے اعمال کے متعلق سوال ہوگا بلکہ ان کے اسباب کے متعلق ہوگا کہ یہ اعمال تم نے کیوں لکئے اور ان کے ارتکاب پر کس چیز نے تمہیں ابھارا

…صَّ عَلَيْهِمْ۔ جب انبیاء علیہم السلام عرض کریں گے۔ "لا علم لنا انک انت علام الغیوب"
…نہیں بیان کریں گے (تعلیم) علم سے اس لئے کہ ہم ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتے ہیں وَمَا كُنَّا
…ین اور ہم اُن سے کسی وقت بھی غائب نہیں اس لئے ہمارے سے ان کے اعمال و احوال مخفی نہیں
…ہ قیامت میں رسل کرام علیہم السلام کہیں گے "سَلِّمْ سَلِّمْ" ۔ انہیں اپنی امت کا بہت بڑا خوف ہوگا
…وہ عذابِ الٰہی سے مامون و محفوظ ہوں گے۔ لیکن قربِ الٰہی کی وجہ سے خائف ہوں گے۔ وہ طاہر و مطہر
…کے بواطن ضلالت و گمراہی کی ہر طرح کی گرد و غبار سے محفوظ رہے اور اُن کے ظواہر کے لئے
…مخالفت کا پہلو بھی نہیں نکل سکتا۔ وہ ہر طرح کے اَمن و سکون میں ہوں گے کہ انبیاء علیہم السلام
…ن مراتب سے بوجہ خوشی رشک کریں گے۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنی اُمتوں کا خوف ہوگا
…نہیں کسی قسم کا خطرہ ہی نہیں ہوگا۔

…ت میں کون لوگ محفوظ ہوں گے

جس کی موت اس حالت میں واقع ہوئی کہ
(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔
(۲) نبی علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتا تھا۔
(۳) ہر عمل صالح اخلاص سے کرتا تھا۔
(۴) سحر اور جادو سے پاک تھا۔
(۵) مسلمانوں کے ناحق خون نہیں بہاتا تھا
(۶) اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کا خیر خواہ تھا۔
(۷) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے فرمانبردار بندوں سے محبت کرتا تھا۔
(۸) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے باغیوں سے بغض رکھتا تھا۔

…کو عرشِ الٰہی کے نیچے جگہ ملے گی اور قیامت کے ہر غم اور الم سے محفوظ ہو جائے گا اور جو ان امور میں کسی ایک
…کرتا ہوا مرا یا دینی باتوں میں سے اس کا دل بگڑا یا شک کیا تو وہ قیامت میں ایک ہزار سال سخت
…غم و الم اور عذاب میں مبتلا رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی جس طرح چاہے فیصلہ فرمائے۔

…ت کندہ کا بادشاہ بہت بڑا عیاش تھا ہر گھڑی عیش و عشرت میں گزارتا۔ ایک دن شکار یا کسی کام
کے لئے گھر سے نکلا۔ دُور جا کر لشکر سے علیحدہ ہو گیا۔ ایک جگہ دیکھا کہ ایک شخص نے مُردوں کی
…ڈیاں جمع کی ہوئی ہیں اور انہیں لے کر بچوں کی طرح الٹ پلٹ کر رہا ہے۔ بادشاہ نے اُس سے پوچھا اے
…یہ کیا کر رہے ہو اور تجھے کیا ہے کہ رنگ فق ہے اور حالت تبدیل ہے اور اکیلا جنگل میں بیٹھا ہوا ہے۔ اُس نے

کہا بھائی کیا پوچھتے ہو۔ میں دور کا مسافر ہوں اور مجھے دو سپاہی ایسے گھر کی طرف دھکیلتے جا رہے ہیں جس گھر میں نہ
ساتھی اور نہ کوئی آرام کے اسباب نہایت ہی ویرانہ اور سخت تاریک ماحول میں اور گہرائی کا کیا کہنا اور شہر نے
طبیعت کو سخت کراہت و نفرت۔ وہاں مجھے سوائے گلنے اور سڑنے اور تباہی و ہلاکت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ایسی
تک مجھے بھیجا جا رہا ہے وہ زمین کے اوپر نہیں بلکہ زمین کے اندر ہے۔ مجھے پھر اس میں ایک حال پہ نہیں
جائے گا بلکہ وہاں تنگی اور وحشت اور جسم کو کیڑے مکوڑے کھا جائیں گے اور میرے جسم کی بوٹی بوٹی نوچ لیں
اور ہڈیاں چورہ چورہ ہو جائیں گی تو پھر جسم کو پہلے کی طرح کیا جائے گا باوجودیکہ اینہمہ یہ نہیں پتہ کہ پھر
انجام کیا ہوگا۔ نام معلوم مجھے سعیدوں میں رکھا جائے گا یا بدبختوں میں۔ مجھے پھر اس گھر سے نکال کر میدان حشر
لے جائیں گے۔ اس میں مجھ سے زندگی بھر کے جرائم و معاصی و دیگر اعمال کے متعلق بہت بڑی دیر تک حساب ہوگا
گا۔ پھر معلوم نہیں مجھے کونسی دار میں رہنا نصیب ہو۔ اب سوچ کر بتلایئے جس کا یہ حال ہو وہ کس طرح عیش و عشرت
سے گزارے۔ بادشاہ اس کی یہ بات سن کر خوفزدہ ہو کر گھوڑے سے اترا اور اس مرد کے قریب بیٹھ گیا اور کہا
باتوں سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میرے دل پر ان کا گہرا اثر ہوا ہے مہربانی کر کے کچھ اور سنائیے سا
مرد سے کہا تمہیں معلوم ہے یہ ہڈیاں کیسی ہیں۔ بادشاہ نے کہا فرمایئے۔ اس مرد نے کہا یہ ان بادشاہوں کی ہڈیاں
جنہیں دنیا نے دھوکہ دیا اور اس کی رونقوں کے فریب میں آ گئے اور ان کے دلوں کو دنیا کی رنگینیوں میں پھنسا
اور موت کے جھٹکوں کو بالکل فراموش کر بیٹھے یہاں تک کہ ان پر موت نے حملہ کیا۔ جس سے ان کی تمام تمنائیں
مل گئیں اور ان کی تمام شان و شوکت ملیا میٹ ہو گئی یہی ان کی ہڈیاں ہیں جنہیں چند دنوں کے بعد جسم دیگر
جائیں گے۔ اُن سے دنیا کی نعمتوں کا حساب ہوگا۔ پھر یا انہیں دارالقرار (بہشت) میں جانا نصیب ہوگا یا
دارالبوار (جہنم) میں۔ یہ کہہ کر وہ نوجوان بادشاہ کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے بعد بادشاہ اپنے ساتھیو
جا ملا لیکن اس کا حال متغیر تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ جب رات ہوئی تو شاہی لباس اتار کر پھٹے پرانے
پہنے اور راتوں رات وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور مرتے دم تک اسی حال پر رہا۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

افی القرون التی کانت منعمۃ
کر الیسلات اقبالاً و ادبارا

یا راقد باللیل مسروراً باوله
ان الحوادث قد یطرقن اسحارا

لا تأمنن بلیل طاب اوله
ضرب آخر لیل اجج النار

ترجمہ: بہت سے خوشگوار زمانہ کے لوگوں کو راتوں کی آمد و رفت نے فنا کیا۔ اسے پہلی رات کو خوش ہو کر سونے والو۔ (خوف کرو) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آخری رات کو حوادث گھیر لیتے ہیں پہلی رات کے پہلنے سے خوش ہو کر نہ سو (ممکن ہے کسی غلطی سے) تم رات کے آخر میں جہنم کا ایندھن بن جاؤ۔

حضرت امام زین العابدین کی نصیحتیں

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس اترانے والے متکبر سے تعجب ہوتا ہے کہ وہ نہیں سمجھتا کہ کل نطفہ تھا چند روز کے بعد اسے جیفہ بنا کر مٹی میں دبا دیا جائے گا اور اس شخص پر بھی بڑا تعجب ہے جو اللہ تعالیٰ کے متعلق شک کرتا ہے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ یہ تمام مخلوق اس کی پیدا کردہ ہے اور اس بندے پر بھی تعجب ہے جو قیامت کا انکار کرتا ہے حالانکہ اسے یقین ہے کہ دنیا فانی ہے اس انسان پر بھی تعجب ہے جو دارِ فنا کے لئے تو کمائی کرتا ہے لیکن دارِ بقا کے لئے کچھ نہیں کماتا۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ اپنی گذشتہ زندگی سے عبرت پکڑے۔ اس وقت افسوس کے ہاتھ ملے گا جبکہ قضا و قدر کا پیغام پہنچیگا۔ طریق حق کے لئے جدوجہد کرے اور ہر صبح و شام اللہ تعالیٰ کے ذکر میں بسر کرے۔ موت کے نزول سے پہلے ہی تیار رہے۔ وقت ہوا کی طرح گزر جائے گا۔ غور کیجیے اب وہ بدبخت کہاں ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرتے تھے۔ انہیں بھی دارِ جزاء کی طرف دھکیلا گیا ہے ایک دن یہ دنیا فنا ہو جائے گی۔ پھر اس عالم دنیا پر کوئی نہ ہوگا فرشتے۔ جن بنو آدم سب کو فنا ہے اس وقت تمام اعمالنامے لپیٹ لئے جائیں گے اور سوال و جواب کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور سب حاضر ہوں گے پھر ہر چھوٹا بڑا عمل سامنے آ جائے گا۔ بدبختوں کو بدبختی اور نیک بختوں کو سعادت نصیب ہو گی۔ اے اللہ ہم موت کی یاد کا سوال کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہمیں ہر وقت اطاعت کی توفیق نصیب ہو اور ظاہری باطنی طور سیدھے راہ پہ چلنے کی طاقت حاصل ہو اے قادر قوت رب کریم ہم ضعیفوں کی مدد فرما۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَالْوَزْنُ یعنی وزن اعمال یعنی واضح کرنا کہ راجح عمل کونسا ہے اور کمزور کون اور انہیں کھرا کون ہے اور کھوٹا کون۔ فارسی میں اس کا ترجمہ یوں کیا گیا کہ "سنجیدن اعمال بریک" کے اعمال کی تول الحق ہے۔ فارسی میں اس کا ترجمہ ہے "راست و لُودنی" سچ اور ہونے والی بات ہے۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ پس جس کے اعمال بھاری ہوں گے یعنی وہ نیکیاں جو تولی جائیں گی اگر بوجھل ہونگی موازین موزون کی جمع ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ میزان کی جمع ہو۔ بوجہ مختلف ہونے موزونات اور متعدد ہونے وزن کے

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجیہ میں ہے کہ موازین کو جمع لانے میں راز یہ ہے کہ ہر ایک بندے کے مناسب حال پر علیحدہ علیحدہ ترازو کھڑے کئے جائیں گے۔ مثلاً بدن کے لئے ایک ترازو ہو گا کہ اس سے

بدن کے اوصاف تولے جائیں گے۔ اسی طرح سر کا ترازو ہوگا۔ اس سے اس کے احوال تولے جائیں گے خفی کا ایک اور ترازو ہوگا اس سے اس کے اخلاق تولے جائیں گے۔

فائدہ: خفی لطیفہ روحانیہ کا نام ہے یہی اخلاق ربانیہ کے فیض کے قابل ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ خلق حسن کا بوجھ تمام اعمال سے زیادہ وزنی ہوگا اس لئے کہ خلق حسن بندوں کے اوصاف سے نہیں بلکہ رب العالمین کی صفت ہے اس لئے بندوں کو حکم ہے کہ وہ اخلاق الٰہیہ کی عادت پیدا کریں۔

فَاُولٰٓئِكَ لفظ من کے معنی میں جمع کے معنی کا اعتبار کرکے اشارہ جمع کا لایا گیا۔ هُمُ یہ ضمیر فصل کی ہے جو مسند الیہ و مسند کے درمیان واقع ہوتی ہے۔ اَلْمُفْلِحُوْنَ وہی لوگ کامیاب ہیں یعنی نجات و ثواب پانے والے۔ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فارسی میں اس کا ترجمہ یوں ہے "عملہائے وزن کردہ او کاں سبکی معصیت خواہد بود" یعنی جس کے عمل ہلکے ہوں گے یعنی دوسرا پلڑا گناہوں کی نحوست سے ہلکا ہلکا فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی فطرت سلیمہ کہ جس پیمان کی تخلیق ہوئی کو ضائع کردیا اور ایسے اعمال کا ارتکاب کیا جو عذاب کے سبب بنے تو انہوں نے اپنے نفوس کو خسارے میں ڈالا۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا کہ "خسران بمعنی راس اعمال ضائع کردینا اور انسان کا راس المال اپنا نفس ہے پھر جب وہ برے اعمال سے ہلاک و تباہ ہوا تو گویا اس نے نفس کو ضائع کردیا۔ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۔ بوجہ اس کے کہ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔ یعنی ان کی تصدیق کے بجائے تکذیب کی اور بما خسروا کے متعلق ہے اور ما مصدریہ اور بآیاتنا یظلمون کے متعلق ہوکر تکذیب کے معنی کو متضمن ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ترازو صرف اہل حق اور ارباب صدق اور نیک عمل والوں کے لئے ہوگا اہل باطل کے لئے کوئی ترازو نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔

حدیث شریف: قیامت کے دن ایک ایسے مرد کو لایا جائے گا کہ دنیا میں بہت بڑا عظیم المرتبہ بڑا قد آور اور کھاتا پیتا تھا اسے تو لا جائے گا تو مکھی کے پر کے برابر بھی اس کا وزن نہیں ہوگا اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ وزن صرف اشخاص کا ہوگا نہ کہ اعمال کا جیسا کہ بعض علماء کا مذہب ہے لیکن جمہور کا مذہب ہے کہ اعمال کا وزن ہوگا ان اعمال کے صحیفے ہوں گے وہی صحیفے ترازو میں رکھے جائیں گے اس ترازو کے دو پلڑے ہوں گے اسے تمام لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تاکہ حق تعالیٰ کے عدل و انصاف کا ظہور ہو اور مجرموں کا عذر ختم ہو جب کہ اللہ تعالیٰ ان سے سوال فرمائے گا تو وہ اپنے گناہوں کا انکار کریں گے لیکن ان کی زبان اور دوسرے اعضاء گناہوں کی گواہی دیں گے اس کے بعد حضرات انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام اور دوسرے گواہ بھی گواہی دیں گے اور ان کے اعمال اعمال ناموں میں

لکھے ہوں گے جنہیں مجرموں کے سامنے کرا الٹی سے پڑھایا جائے گا۔ یہ یوم حساب کے وقت ہوگا۔

حدیث شریف: قیامت کے دن ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس کے ننانوے اعمالنامے کھولے جائیں گے جنہیں وہ بندہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہوگا لیکن ایک ایسا پرچا نکالا جائے گا جس پر کلمہ شہادت لکھا ہوگا اس کے تمام اعمال ایک پلڑے میں اور دوسرے پلڑے میں وہی کلمہ شہادت کا پرچہ رکھا جائے گا باوجودیکہ وہ پرچہ نہایت ہی چھوٹا ہوگا لیکن دوسرے تمام اعمال سے بوجھل ہو جائے گا۔

فائدہ: حدیث مذکور میں لفظ بطاقہ واقع ہوا ہے کاغذ کے اس چھوٹے ٹکڑے کو کہا جاتا ہے کہ جو کپڑے کی پیٹ میں رکھ دیا جاتا ہے اس پر کپڑے کی قیمت لکھتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی حکایت

حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ الٰہ العالمین مجھے ترازو کی اصل صورت دکھایئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے ترازو کی اصل صورت ظاہر فرمائی۔ دیکھا تو اس کا ایک کونہ مشرق میں اور دوسرا مغرب میں۔ یہ دیکھ کر داؤد علیہ السلام پر غشی طاری ہوئی جب افاقہ ہوا تو عرض کی یا اللہ کس سے اس کے پلڑے کے لئے نیکیاں جمع ہو سکتی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے داؤد علیہ السلام میں جس بندے سے راضی ہو جاؤں تو صرف ایک کھجور کے صدقے سے اس پلڑے کو پُر فرما دونگا

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ترازو کا ایک ستون پچاس ہزار سال کی مسافت کے برابر ہے اس کا ایک پلڑا نوری ہے دوسرا ظلماتی۔ نیکیاں نوری پلڑے میں اور برائیاں ظلماتی پلڑے میں رکھی جائیں گی۔

حکایت: ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے کسی بزرگ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا آپ کے ساتھ کیا ہوا انہوں نے فرمایا کہ میری نیکیاں اور برائیاں تولی گئیں میری برائیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا پھر اچانک ایک تھیلی آسمان سے اتری اور میری نیکی کے پلڑے میں رکھ دی گئی۔ اس سے میری نیکی کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ میں نے اس تھیلی کو دیکھا تو اس میں وہ مٹی کا ڈھیلا تھا جو میں نے ایک مسلمان کی قبر پر رکھا تھا۔

حکایت: ایک دوسرے شخص کا واقعہ ہے کہ اس کے عمل نامے لائے جائیں گے تو اس کی برائیاں بھاری ہو جائیں گی اس کے بعد ایک بادل سا آسمان سے اترے گا جو اس کی نیکیوں کے پلڑے میں بیٹھ جائے گا اس سے اس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا پھر اسے کہا جائے گا تجھے معلوم ہے یہ کیا ہے کہا واللہ اعلم۔ اسے کہا گیا یہ تیرا علم ہے اسی کی برکت سے تیرا کام بن گیا۔ یعنی وہ علم کہ تو لوگوں کو پڑھاتا تھا۔

حکایت: ایک اور شخص کا واقعہ ہے کہ اس کے دونوں پلڑے برابر ہو جائیں گے یعنی نیکیاں اور بدیاں برابر ہو جائیں گی عرض کرے گا یا اللہ اب میرا کیا ہوگا کہ نہ میں بہشتی اور نہ دوزخی۔ اس کے بعد ایک پرچا اس کی

برسوں میں اچانک آکر پڑے گا اس کی برائیاں بوجھل ہو جائیں گی دیکھا جائے گا تو اس میں وہ جھڑکی ہوگی جو اس نے
اپنے ماں باپ کو کی ہوگی اور یہ گناہ اتنا بوجھل ہے کہ پہاڑ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس کے بعد حکم ہوگا کہ
اسے جہنم میں لے جاؤ۔ بندہ عرض کرے گا مجھے جہنم سے تو انکار نہیں لیکن ایک دفعہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں لے جاؤ
اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے میرے ہاں لے آؤ۔ جب وہ حاضر ہوگا اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے باپ کے بے فرمان تو مجھے کیا کہتا
ہے عرض کرے گا یا اللہ مجھے معلوم تھا کہ میرے باپ نے جہنم میں جانا ہے۔ جیسا کہ اس کے اعمال تھے۔ میں نیکیوں پر
بھروسہ کرتا تھا کہ میں بہشت میں جاؤں گا لیکن مجھے وہ بہشت دوہرا عذاب محسوس ہوتی جب کہ والد دوزخ میں ہو
اس سے میرا ارادہ تھا کہ جہنم میں جاکر اسے چھڑا لوں گا اور جہنم میں جانے کا یہی واحد سبب تھا۔ جو میں نے کیا
اللہ تعالیٰ اس کی اس بات سے خوش ہو کر فرمائے گا کہ دنیا میں تو باپ کا بے فرمان رہا اب آخرت میں اس کی
فرمانبرداری کا دم بھرتا ہے۔ جا میں نے تجھے بخش دیا اور تیرے والد کو بھی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

طمع ز فیض کرامت مبر کہ خلق کریم
کہ بخشد و بر عاشقاں بخشاید

ترجمہ: فیض کرامت سے امید منقطع نہ کر۔ وہ بخشتا ہے اور بخشتا بھی عشاق کو ہے

بے حساب و بے کتاب ستر ہزار افراد ایسے ہوں گے جو بغیر حساب و کتاب بہشت میں داخل ہوں گے
اُن کے لئے کوئی ترازو نہیں لایا جائے گا۔ اس طرح اہل مصیبت کیلئے بھی کوئی
ترازو نہیں رکھا جائے گا ان پر اجر و ثواب موسلا دھار بارش کی طرح برسے گا اس وقت دنیا میں تندرست رہنے
والے لوگ آرزو کریں گے کاش ہمارے اجسام کو مقراضوں سے کاٹا جاتا جب کہ وہ بیماری و تکلیف والوں کے اجر و ثواب
ملاحظہ کریں گے اس لئے کہ وہ لوگ بہشت کے ایک درخت کے سایہ تلے ہوں گے۔ شجرۃ البلوی نام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

تفسیر صوفیانہ اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ توحید رسمی کے لئے ترازو رکھا جائے گا۔ اس لئے کہ اس کی ضد پائی
جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث سجلات سے معلوم ہوا توحید حقیقی کے لئے ترازو رکھا جائے گا۔
اس لئے کہ اس کا مدمقابل کوئی نہیں اس لئے کہ ایمان و کفر کا اجتماع محال ہے۔ البتہ ایمان اور سیئات کا اجتماع ہوا
کرتا ہے اس لئے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ افضل الاذکار ہے اور صرف اللہ اللہ سے لا الہ الا
اللہ محمد رسول اللہ کا ذکر افضل ہے۔ یہی عارفین کا مذہب ہے کیونکہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جامع ذکر ہے
اس لئے کہ اس میں نفی بھی ہے اور اثبات بھی اور علم و عرفان پر مشتمل ہے جس سے خلق کے عین کی نفی صرف حکماً

کو اور عملاً نہیں تو اس نے حق کا اثبات کیا حکماً بھی عملاً بھی اور اللہ جامع جمیع الاسماء ہے اور وہ صرف ایک ہے کسی دوسرے پر اس کے اطلاق کا شائبہ ممکن نہیں۔ یہی ذات حق کا مستحق ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں سے اونچا کرنا۔

فائدہ : حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ میزان صرف سات اعضاء کے اعمال کے لئے ہے اور وہ اعضاء سات یہ ہیں (۱) سمع (۲) بصر، (۳) زبان (۴) ہاتھ (۵) پیٹ (۶) فرج (۷) پاؤں۔

فائدہ : اعمال معنویہ کے لئے یہی میزان ظاہری نہیں بلکہ ان کے لئے عمل کا ترازو ہوگا وہ بھی معنوی ترازو ہے اس سے واضح ہوا کہ ظاہری اعمال کے لئے ظاہری ترازو ہوگا اور معنوی اعمال کے لئے معنوی ترازو ہوگا۔ اس لئے کہ ہر شے اپنی جنس کے بالمقابل ہوتی ہے۔

فائدہ : علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حساب کے اختتام کے بعد ہی ترازو رکھا جائے گا اس لئے کہ اعمال کا وزن جزاء کے لئے ہوگا اور وہ محاسبہ کے بعد ہی موزوں ہے کیونکہ محاسبہ تقریر اعمال کے لئے ہوتا ہے اور وزن مقادیر کے اظہار کے لئے تاکہ جزاء اسی کے مطابق دی جائے۔ (کذا فی تفسیر الفاتحہ للفناری)

سبق : ہر عامل پر لازم ہے کہ وہ خیرات وحسنات وطاعات میں سبقت کرے بالخصوص وہ حسنات جو سب سے افضل واعلیٰ ہوا اور وہ کلمۂ شہادت ہے اس لئے کہ اعمال میں یہی سب سے زیادہ وزنی ہے تاکہ اسے کامیاب لوگوں کے زمرہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہو۔

تفسیر عالمانہ : وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ۔ اور بے شک ہم نے تمہیں زمین پر قدرت بخشی یعنی تمہارے لئے زمین پر مکان وقرار بنایا اور تمہیں اسمیں تصرف کرنے کی قدرت دی کہ جیسے چاہو اسمیں تصرف کرو۔ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ اور تمہاری اس میں وجہ معاش بنائی یعنی اسمیں تمہاری ضروریات ومصلحتوں کے لئے اسباب پیدا کئے تاکہ تم اس میں زندگی بسر کرسکو معاش معیشۃ کی جمع ہے وہ شے جس سے زندگی بسر کی جائے۔ مثلاً کھانے پینے و دیگر ضروریات کی اشیاء یہ قریش کو خطاب ہے اس لئے کہ انہیں جملہ عرب پر فضیلت تھی پھر وہ گرمیوں میں ملک شام میں اور سردیوں میں ملک یمن میں تجارت کے لئے جاتے انہیں ایسے سفروں میں کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا جیسے اور جب چاہتے چلے جاتے۔ انہیں کسی سے کوئی خوف نہ تھا اور لوگ عزت واحترام سے پیش آتے اس لئے کہ حرم شریف سے نسبت رکھتے اور اس کے مجاور تھے۔ لوگ ان کے گرد جمع ہوتے اور وہ تجارت کے کام میں سے اپنے کھانے پینے و دیگر ضروریات پہ کامیاب تھے۔ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ تم میں بہت تھوڑے لوگ ہیں جو میری دی ہوئی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ "تمکین" لفظ عام اور جامع ہے اس سے ہر قسم کے اسباب خیر کی تحصیل کی تملیک وتسلیط وقدرت مراد ہو سکتی ہے وہ دینی ہو یا دنیوی یا آخروی

اسی طرح کمال استعداد المعرفۃ والمحبۃ اور طلب اور سیر الی اللہ ونیل الوصول والوصال وغیرہ اور یاد رہے کہ اس تمکین کا شرف صرف حضرت انسان کو نصیب ہوا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔ اس وجہ سے وہ مسجود ملائکہ ٹھہرا اور اسی سے اس کی خلافت کا امر پایہ تکمیل کو پہنچا ہے اور وہ نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام سے مخصوص ہے بلکہ اس کی اولاد کو بھی یہ دولت عطا ہوئی چنانچہ وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ کے عموم سے معلوم ہوا ہے

یعنی اے بنو آدم علیہ السلام میں نے تمہیں زمین کی خلافت بخشی جو کہ اور کسی دوسرے زمین کے مکینوں کو نصیب نہ ہوئی اور نہ ہی آسمان والوں کو اور صرف تمہیں اس کی معاش سے ہر قسم کی اشیاء بخشیں کہ تمہارے اندر ملکیت حیوانیت شیطانیۃ کے جواہر رکھ دیئے گئے کہ تم ان سے دنیا میں زندگی بسر کرو۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ تمہارے لئے انہیں میں وجہ معاش بنائی ہے کہ تم ان چہار عناصر یعنی ملکیت شیطانیہ حیوانیہ و انسانیہ کا مجموعہ ہو۔ اس بنا پر ملکی معیشہ انسان کے روح کو نصیب ہوئی اور حیوانی اس کے بدن اور شیطانی اس کے نفس امارہ کو جب کسی کو یہ تینوں معیشتیں نصیب ہوتی ہیں تو وہ اس ترکیب سے مرتبۂ انسانیت کو پاتا ہے۔ اسی طرح کا مجموعہ نہ ملک کو نصیب ہے نہ کسی دیگر حیوان کو اور نہ شیطان کو اور انسانی مراتب یہ ہیں (۱) قلب (۲) سر (۳) خفی قلب کی معیشت شہود اور سر کی معیشت کشوف اور خفی کی معیشت وصال وصول، قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ بہت تھوڑے ہیں جو ان نعمتوں کا شکر کرتے ہیں۔ وہ نعمتیں یہ ہیں (۱) نعمۃ التمکین (۲) نعمۃ الانس ، ان نعمتوں کو سامنے رکھ کر انہیں بیان کرو اس لئے کہ نعمتوں کو ماننا شکر ہے تو انہیں بیان کرنا بھی شکر ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ) ؎

نعمت بے وشکر گذار نده اندکیست

گوینده سپاس الٰہی زصد یکیست

ترجمہ: نعمتیں بہت لیکن شکر کرنے والے کم تے ہیں۔ اللہ کا شکر کرنے والا سو میں ایک ہے

قاعدہ جو نعمت کا شکر نہیں کرتا کبھی اس سے وہ نعمت چھین لی جاتی ہے اور اس سے بھی نعمت چھن جاتی ہے جو اس کی قدر نہیں کرتا۔

حکایت مروی ہے کہ کسی نبی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ بلعم باعورا کو اتنی بڑی نعمتیں اور کرامتیں دیکر اس سے کیوں چھینی گئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اسے جب سے یہ نعمتیں اور کرامتیں عطا کیں اس نے کبھی کسی ایک دن بھی اس کا شکر ادا نہ کیا۔ اگر وہ ایک دفعہ بھی ان کا شکر ادا کرتا تو کبھی اس سے یہ نعمتیں وکرامتیں نہ چھینتا۔

سبق اے بندۂ خدا ضرور شکر کر اللہ تعالیٰ ہر نعمت پر شکر کرنے کی جدوجہد کر بلکہ اُس کی حمد بجا لا کہ اُس نے اپنی کرم نوازی سے تجھے اسلام جیسی نعمت سے نوازا۔ مثلاً اپنی تسبیح و تہلیل کی توفیق بخشی اور الٹے غلط کاموں کے استعمال کرنے سے بچایا جو اس کی ناراضگی کا موجب بنتے ہیں یہ بھی اس کا لطف ہے کہ ہم اس کا شکر ادا کریں تو پھر مزید نعمتوں سے نوازتا اور ایسی دولت سے نوازتا ہے کہ اسکے پاس سے نہیں ہٹاتا ورنہ سب سے بڑی ذلت و خواری اس کے لئے یہی ہوتی ہے جو بہت بڑے مرتبے پر پہنچ کر نیچے گرا دیا جائے بلکہ اس سے وہ عہدہ و مرتبہ چھین لیا جائے اسے کہتے ہیں الاہانۃ بعد الاکرم عزت دے کر ذلیل کرنا۔ الطرد بعد التقریب قربت سے دور کر کے دور ہٹا دینا۔ "الفراق بعد الوصل" وصال دیکر جدا کر دینا۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

۱۔ ندانند کسے قدر روز خوشی
گر روزے افتد بسختی کشی

۲۔ مکن تکیہ بر دست گاہے کہ ہست
کہ باشد کہ نعمت نماند بدست

۳۔ بسا اہل دولت بہازی نشست
کہ دولت بر فلش بہازی زدست

۴۔ فضیحت بود خویشتن اندوختن
پس از خرمن خویشتن سوختن

۵۔ تو پیش از عقوبت در عفو کوب
کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب

۶۔ اگر بندہ کوشش کند بندہ وار
عزیزش بدارد خداوندگار

۷۔ وگر کند ایست در بندگی
زجانداری افتد بجز بندگی

ترجمہ ۱: "خوشی کے ایام کی قدر کوئی نہیں جانتا تو ایک دن وہ سختی کھینچنے میں مبتلا ہوگا۔
۲: اس طاقت پر جو تجھے ملی ہے تکیہ نہ کر ہو سکتا ہے تیرے ہاتھ میں یہ نعمت نہ رہے۔
۳: بہت سے دولتمند کھیل کود میں بیٹھے ہی تھے کہ ان کے ہاتھ سے دولت چھین لی گئی۔

باقی صد پر

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

اور بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہارے نقشے بنائے پھر ہم نے ملائکہ سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ

تو وہ سب سجدے میں گرے مگر ابلیس یہ سجدہ والوں میں نہ ہوا فرمایا کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب

اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

میں نے تجھے حکم دیا تھا بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ

فرمایا تو یہاں سے اتر جا تجھے نہیں پہنچتا کہ یہاں رہ کر غرور کرے نکل تو ہے ذلت

الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ

والوں میں بولا مجھے فرصت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں فرمایا تجھے مہلت

الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾

ہے بولا تو قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے راستہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ

پھر ضرور میں ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے اور ان کے پیچھے اور ان کے داہنے اور ان

شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ

کے بائیں سے اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا فرمایا یہاں سے نکل جا رد کیا گیا راندہ ہوا

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ

ضرور جو ان میں سے تیرے کہے پر چلا میں تم سب سے جہنم بھر دوں گا اور اے آدم تو اور تیرا

وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا

جوڑا جنت میں رہو تو اس سے جہاں چاہو کھاؤ اور اس پیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا

بڑھنے والوں میں ہو گے پھر شیطان نے ان کے جی میں خطرہ ڈالا کہ ان پر کھول دے ان کی شرم کی چیزیں جو

مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا

ان سے چھپی تھیں اور بولا تمہیں تمہارے رب نے اس پیڑ سے اسی لیے منع فرمایا ہے کہ کہیں تم

مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

دو فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ جینے والے اور ان سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ

تو اتار لایا انہیں فریب سے پھر جب انہوں نے وہ پیڑ چکھا ان پر ان کی شرم کی چیزیں کھل گئیں اور اپنے بدن پر

عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ

جنت کے پتے چپکانے لگے اور انہیں ان کے رب نے فرمایا کیا میں نے تمہیں اس پیڑ سے منع نہ کیا

وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ

اور نہ فرمایا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے دونوں نے عرض کی اے رب ہمارے ہم نے اپنا

وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا

آپ برا کیا تو اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے۔ فرمایا اترو تم میں

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا

ایک دوسرے کا دشمن ہے اور تمہیں زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور برتنا ہے فرمایا اسی میں

تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾

جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی میں سے اٹھاؤ گے

بقیہ جس

۴۔ رسوائی ہے خوشے جمع کرنا اپنی خرمن جلانے کے بعد۔

۵۔ سزا سے پہلے معافی کا دروازہ کھٹکا۔ ڈنڈہ برستے وقت فریاد بے سود ہے۔

۶۔ اگر بندہ بندوں کی طرح کوشش کرے تو اس سے مالک پیار کرتا ہے۔

۷۔ اگر خدمت میں سستی کرے تو عزت سے ذلت میں گریگا!

اے اللہ ہمیں ناشکری سے بچا اور ہر گھڑی اور ہر آن ہمیں شکر گزاری کی توفیق عطا فرما۔

اس پیڑ سے منع نہ کیا اور نہ فرمایا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے[۲۲] دونوں نے عرض کی کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنا آپ بُرا کیا تو اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے[۲۳] فرمایا اترو تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے اور تمہیں زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور برتنا ہے[۲۴] فرمایا اسی میں جیو گے اور اسی میں مروگے اور اسی میں اٹھائے جاؤ گے[۲۵]

تفسیر عالمانہ

ؕ وَلَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ ۔ اور ہم نے تمہیں پیدا کیا اور تمہاری تصویر بنائی یعنی ہم نے آدم علیہ السلام کو پہلے مٹی سے بلا صورۃ مخصوصہ بنایا۔ اس کے بعد اس کا نقشہ تیار کرکے اس کی صورت بنائی یعنی اس سے آدم علیہ السلام کی مکمل تخلیق مراد ہے گویا یوں کہا گیا کہ پہلے ان کی تخلیق کا ارادہ ہوا پھر اس کی مکمل تخلیق فرمائی یا یہ مراد ہے کہ ان کی اولاد کو زمین پر آباد کیا۔ اگر صرف آدم علیہ السلام مراد ہیں اور ان کی اولاد ان کے ضمن میں مطلوب ہے تو ضمیر کا جمع لانا مجازی ہے ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ پھر ہم نے تمام ملائکہ سے فرمایا اس سے تمام ملائکہ مراد ہیں کہ لفظ عام ہے اور اس کا مخصص بھی کوئی نہیں۔ اِسْجُدُوْا لِاٰدَمَ آدم علیہ السلام کو تحیۃً وتکریم کا سجدہ کرو۔ اس لئے شرعی سجدہ یعنی عبادت کی نیت پر سر زمین پر ٹیکنا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے فَسَجَدُوْا حکم سنتے ہی بلا جھجک تمام فرشتے سجدے میں گر گئے۔ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ لیکن شیطان ابلیس لَمْ یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ۔ ان حضرات سے نہ ہوا جنہوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کو تو سجدہ کرتا تھا[۱] قَالَ یہ نیا جملہ ہے اور سوال کا جواب ہے گویا پوچھا گیا کہ جب شیطان نے سجدہ نہ کیا تو اسے اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا تو اس کے جواب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مَا" کونسی شے نے مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ تجھے سجدہ کرنے سے روکا۔ لفظ لا لئلا یعلم اھل الکتاب کی طرح صلہ کا ہے۔ وہاں بھی یہی مطلب ہے کہ اہل کتاب کا علم محقق ہو جائے جیسے یہی مطلب ہے کہ ابلیس کا سجدے سے انکار محقق ہو جائے۔ اِذْ اَمَرْتُکَ جب کہ میں نے تجھے حکم فرمایا۔ قَالَ ابلیس نے کہا اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ ۚ مجھے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے اس بات نے روکا ہے کہ میں اس سے افضل ہوں۔ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ تو نے مجھے آگ سے اور اُسے مٹی سے پیدا کیا۔ نار ایک نورانی لطیف جوہر ہے اور طین ظلمانی اور کثیف جسم ہے فلہٰذا نار طین سے افضل ہوئی۔ وہ لعین فضیلت کا دار و مدار مادیہ عنصریہ کو سمجھ بیٹھا۔ تب ہی تو دھوکا کھا گیا۔

۱ : ز آدمی ابلیس صورت دید و بس
غافل از معنی شد آں مردود خس

۲ : نیست صورت چشم را نیکو بمال
تا ببینی شعشع نور جمال

ترجمہ: ۱۔ ابلیس نے آدمی کا صرف ظاہر دیکھا وہ کینہ معنی سے غافل تھا۔

۲۔ بال کی طرح آنکھ لگائے رکھنا چاہئیں اس سے ہٹ کر نور جلالی کی شعاعیں دیکھ۔
کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

۱۔ صورتِ خاک ارچہ دارد تیرگی در تیرگی
نیک بنگر کو ز معنی صفا از صفاست

۲۔ ایں چنیں خاک کہ اللہ وصف او صاحبدلی
نکتہ گفتش کز انست دیدۂ جاں را جلاست

۳۔ جستن گوگرد احمر عمر ضائع کردنست
رُو بخاک سیاہ آر یکسر کیمیاست

ترجمہ: ۱۔ صورت خاک اگرچہ تاریکی در تاریکی ہے (اندھیرا ہی اندھیرا ہے) اچھی طرح دیکھ اس لئے کہ معنی کا دیکھنا صفائی میں ہی ہے۔

۲۔ اس مبارک خاک کے متعلق کسی صاحب دل نے نکتہ کہا ہے کہ اس سے دیدۂ ہی دیدۂ جان کو روشنی نصیب ہوتی ہے۔

۳۔ گندھک سرخ کی تلاش سراسر عمر ضائع کرنا ہے اسی خاک سیاہ کی طرف توجہ کر یہ کہ سراسر کیمیا ہے۔
مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ گفت نار از خاک بے شک بہتر است
من ز نار او ز خاک اکدر ست

۲۔ پس قیاس فرع بر اصلش کنیم
او ز ظلمت ما ز نورِ روشنیم

۳۔ گفت حق نے بلکہ لا انساب شد
زہد و تقویٰ فضل را محراب شد

۴۔ ایں نہ میراثِ جہانِ فانیست
کہ بانسابش بیان جانیست

۵۔ بلکہ ایں میراثِ انبیا است
وارث ایں جانہا اتقیا ست

۰۶ پورِ آن بوجہل شد مؤمن عیاں
پور آں نوح نبی از گمرہاں

۰۷ زادۂ خاکی منور شد چو ماہ
زادۂ آتش توئے اے روسیاہ

۰۸ ایں قیاسات وتحری روز ابر
یا بشب مر قبلہ را کردست خبر

۰۹ لیک با خورشید وکعبہ پیش رو
ایں قیاس وایں تحری را مجو

۱۰ کعبہ نادیدہ مکن رو رو متاب
از قیاس واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ ۱: کہا کہ نار خاک سے بہتر ہے میں نار سے ہوں اور وہ میلی کچیلی مٹی سے ہے۔
۰۲ تو فرع کا اصل پر قیاس کریگے وہ اندھیرے سے میں روشن نور سے ہول
۰۳ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ میرا قانون لا انساب (نسب کی کوئی بات نہیں) زہد و تقویٰ فضیلت کی محراب (اصل) ہے۔
۰۴ یہ میراث جہان فانی کی نہیں اسکی انساب تو روحانی میراث ہے۔
۰۵ بلکہ یہ انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے ایسی جانوں کے وارث متقی ہیں۔
۰۶ بوجہل کا بیٹا مومن (کامل) ہوا۔ نوح علیہ السلام کا بیٹا گمراہوں میں مل گیا۔
۰۷ مٹی کا پیدائشی روشن چاند کی طرح ہوگیا۔ آتش کا پیدائشی تو ہے اے سیاہ چہرے والا (لعنتی)
۰۸ یہ قیاسات اور سوچیں ابر کے دن میں ہوتی ہیں یا رات میں کہ اسے قبلہ مجبوراً بنایا گیا۔
۰۹ لیکن جب سورج سامنے اور کعبہ آگے ہو تو یہ قیاس اور سوچ کی تلاش کیوں۔
۱۰ کعبہ دیکھے بغیر کسی طرف منہ نہ کر ہاں نظر نہ آئے تو قیاس سے منہ نہ پھیر (واللہ اعلم بالصواب)

تفسیر صوفیانہ

حضرت آدم علیہ السلام کی مسجودیت اور سجدہ کرنے والوں پر فضیلت اسی مٹی سے خمیر ہونے کی وجہ سے نہیں تھی۔ اگرچہ ان کا یہ شرف بھی کچھ معمولی نہیں تھا کہ اللہ تعالٰی نے بلاواسطہ خود اپنے دستِ قدرت سے بنایا۔ کما قال مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اور حدیث شریف میں ہے " خمر اللّٰهُ طِينَةَ آدَمَ بِيَدِهٖ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحاً " آدم علیہ السلام کے گارے کو چالیس روز تک

اپنے دستِ اقدس سے گوندھا۔ بلکہ اُن کی یہ خصوصیت و فضیلت نفخ رُوح سے تھی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلا واسطہ کہا قال تعالیٰ و نفخت فیہ من روحی۔ اور اس خصوصی تجلی کی وجہ سے تھی جو نفخ روح کے وقت انہیں نصیب ہوئی۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے "ان اللہ خلق آدم فتجلی فیہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر انہیں اپنی خصوصی تجلی سے نوازا یہی وجہ ہے کہ ملائکہ کو ان کے سجدہ کا حکم تخلیق کے بعد نہیں بلکہ نفخ رُوح کے بعد ہوا چنانچہ فرمایا " انی خالق بشراً من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین"

نکتہ: آدم علیہ السلام نفخ روح کے بعد تجلی حق کے مستعد ہو گئے کیونکہ روح میں بوجہ لطافت و نورانیت تجلی حق کا استحقاق حاصل تھا۔ پھر وہ مٹی کا ڈھانچہ جس نے فیضِ الٰہی کو قبول کیا اور تجلی کے وقت اسے اپنے اندر محفوظ رکھا وہ مسجود ملائکہ حق وار ٹھہرا۔ اس وجہ سے وہ حقیقی کعبہ کہلانے کا مستحق ہے اور حقیقی کعبہ ہونے کی وجہ سے ملائکہ نے سجدہ کیا۔

تفسیر عالمانہ قال اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فاھبط اسے ابلیس اُتر جا منھا بہشت سے۔

سوال: ابھی بہشت کا ذکر نہیں ہوا۔ اور ضمیر اس کے لئے پہلے لائی گئی۔ اس سے اضمار قبل الذکر لازم آگیا اور وہ ناجائز ہے۔

جواب: اس کے ساکنین کی وجہ سے وہ بہشت مشہور تھی اور کسی کی شہرت پر (معہود فی الذہن) کی بناء پر ضمیر لائی جاتی ہے۔

فائدہ: وہ اس وقت جنتِ عدن میں تھے نہ کہ جنت خلد میں اور اسی جنت عدن میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور ابلیس کو یہ امر سزا کے طور ہے جب کہ اس نے حکم الٰہی سے انکار کر کے معصیت کا ارتکاب کیا۔

فما یکون لک تیرے لئے نا روا ہے یا نامناسب یا تیرے شان کے لائق نہیں کہ ان تتکبر فیھا یہ کہ تو بہشت میں تکبر کرے۔

مسئلہ: اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ باہر تکبر جائز ہے بلکہ وہ ہر جگہ ناجائز ہے۔ فاخرج پس نکل جا۔ فاھبط کی تاکید کے طور واقع ہوا ہے۔ انک من الصغرین بے شک تو ذلیلوں سے ہے یعنی تو اُن ذلت بھروں سے ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کے نزدیک ذلیل و خوار ہیں صرف تیرے تکبر کی وجہ سے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس لئے اپنی درگاہ سے ہٹا کر بہشت سے نکالا کہ اس نے تکبر کیا نہ کسی دوسری غلطی کی وجہ سے۔

حدیث شریف: جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کی اسے اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ دے گا اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و خوار کرے گا۔ مثنوی شریف میں ہے

۱۔ علتی بد تر ز پندار کمال
نیست اندر جانت اے مغرور ضال

۲۔ از دل و دیدہ ات بس خوں رود
تاز تو معجب بیروں رود

۳۔ علت ابلیس اناخیر بدست
وین مرض در نفس ہر مخلوق ہست

۴۔ گرچہ خود را بس شکستہ بیند او
آب صافی دان و سرگیں زیر جو

۵۔ چوں بشوراند ترا در امتحان
آب سرگیں زنگ گردد در زماں

۶۔ در تگ جو ہست سرگیں اے فتی
گرچہ جو صافی نماید مرترا

ترجمہ ۱۔ کوئی بیماری پندار (خیالی قیاس سے خود کو اچھا سمجھنا) سے بد۔ اے مغرور اے گمراہ تیری جان میں کوئی بیماری۔

۲۔ تیری دل اور آنکھ سے بہت خون جاری ہوگا یہ تیرا ناز و فخر اور عجب خارج ہوجائیگا

۳۔ اناخیر (میں بہتر ہوں) کی بیماری ابلیس کو ہوئی اور یہ بیماری مخلوق کے ہر نفس میں ہے۔

۴۔ اگرچہ وہ بظاہر خود کو نہایت عاجز ظاہر کرے اور صاف پانی کی طرح صاف ہو لیکن سرگین (گندگی) تو نیچے چھپی ہوئی ہے۔

۵۔ امتحان کے وقت تجھ سے ظاہر ہوجائے گی اسی وقت میں وہ سرگین کے پانی سے صاف پانی گدلا ہوجائے گا۔

۶۔ نہر کے تہہ میں اے نوجوان سرگین (گندگی) ہے اگرچہ وہ تجھے صاف نظر آتا ہے۔

فائدہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نفس کی شرارتوں سے خون کے آنسو بہاتے تھے۔

حکایت منقول ہے کہ شہر کا قاضی حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا تمہاری طرح ہم بھی تو پڑھے ہیں لیکن جتنی تمہارے اندر کشش اور تاثیر ہے ہمارے میں نہیں اس کی کیا وجہ ہے آپ نے فرمایا کہ سیر بھر اخروٹ لے کر ایک برتن میں ڈال کر اپنے گلے میں ڈال دے اور بر سر بازار اعلان

کرتا جا کر جب مجھے ایک طمانچہ ملے گا میں اسے ایک اخروٹ دوں گا۔ یہاں تک کہ تمام اخروٹ ختم ہو جائیں اسی طرح طمانچے کھاتے جاؤ اور اخروٹ دیتے جاؤ۔ جب تم اس طرح کرو گے تو تمہارے اندر بھی ہماری جیسی کشش اور تاثیر پیدا ہو جائے گی۔ قاضی نے کہا: استغفر اللہ۔ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا یہ تم نے دوسرے گناہ کا ارتکاب کیا اس لئے کہ تجھے تکبر سے بچنے اور خلوص پیدا کرنے کا نسخہ بتاتا ہوں اور تو اس پر استغفار پڑھتا ہے یہی تو تکبر ہے جو تمہیں ہماری جیسی تاثیر اور کشش پیدا نہیں کرنے دیتا۔

روحانی نسخے: حضرت ابو جعفر بغدادی نے فرمایا چھ خصلتیں چھ آدمیوں سے اچھی نہیں۔

(۱) طمع علماء سے (۲) عجلت امراء سے (۳) بخل اغنیاء سے (۴) تکبر فقراء سے (۵) کینہ پن مشائخ سے (۶) خطرہ ملامت محبین سے۔

سبق: سالک کو توحید کا پابند ہونا لازمی ہے اس لئے کہ وہ سیف براں ہے کہ وہ گندی خصلت کو نفس سے کاٹ کر باہر پھینک دیتی ہے۔ ۵ قَالَ شیطان نے کہا جب کہ وہ بارگاہِ حق سے دھتکارا گیا۔ انظرنی مجھے مہلت دیجئے یعنی موت واقع نہ ہو۔ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۰ اس وقت تک جب کہ لوگ اٹھائے جائیں یعنی آدم علیہ السلام اور انکی اولاد جزا کے دن اٹھائے جائیں۔ فنا ہونے کے بعد۔ اس سے نفخ صور ثانی مراد ہے اس سے اس ملعون کا یہ ارادہ ہوا کہ آدم اور آدم زادوں کو گمراہ کرنے اور ان سے ایمان کی پونجی چھیننے کا مقصد تھا اور ارادہ کیا کہ وہ موت سے بچ جائے گا۔ ۱۵ قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ انکَ من المنظرین ۰ بے شک تجھے مہلت دی گئی یعنی تو منجملہ ان لوگوں کے ہے جن کی عمریں نفخہ اولیٰ تک باقی رکھی جائینگی۔

سوال: شیطان نے مہلت مانگی نفخہ ثانیہ تک۔ تم نے آیت میں نفخہ اولیٰ کی قید کیوں لگائی۔

جواب: ہم نے اپنی طرف سے اضافہ نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ المنظرین کو دوسرے مقام پر "الی یوم الوقت المعلوم" سے تعبیر فرمایا ہے اور بالاتفاق الوقت المعلوم سے نفخہ اولیٰ مراد ہے اس لئے کہ اس دن تمام مخلوق مرے گی۔ اس میں ان کے ساتھ ابلیس بھی مرے گا۔

فائدہ: نفخہ اولیٰ و ثانیہ کے درمیان کا فاصلہ چالیس سال کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بعض دُعا مستجاب ہوئی نہ کہ کل۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ استدراج کے طور کافر کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں اس پر علماء کا فتویٰ ہے

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ فرمایا حالانکہ اس وقت سوائے ابلیس کے اور کوئی نہ تھا۔ گویا آنے والوں کو مدنظر رکھ کر کہا گیا۔

فائدہ عجیبہ ابلیس زمانہ کی رفتار کے مطابق بوڑھا ہو کر پھر اسے تیس سالہ بنایا جاتا ہے اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ؎

غافلاں از مرگ مہلت خواستند

عاشقاں گفتند نے زود باد

ترجمہ: غافلوں نے موت سے مہلت چاہی لیکن عشاق نے کہا بہت جلد ہو۔

نکات: ابلیس کو مہلت دینے کے چند وجوہ ہیں (۱) وہ گمراہ کرنے پر زور لگائے اس سے واضح ہو کہ بندوں میں فرمانبردار کون ہے اور نافرمان کون۔ گویا بندوں کی آزمائش کے لئے اسے مہلت دیدی

(۲) اسے مہلت دیکر مخلصین کے ثواب میں اضافہ فرمایا تاکہ وہ اس کی شرارت سے بچ کر اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کے مستحق بنیں اور مجرموں کی سزا کا معیار قائم ہو جائے کہ نافرمانی سے یوں سزا ملتی ہے

(۳) اسے اس لئے مہلت ملی کہ اس نے لاکھوں سال آسمان وزمین پر عبادت کی اس کی عبادت کا ثمرہ اسے ابھی مل جائے تاکہ قیامت میں اس کا مطالبہ نہ کر سکے اور معلوم ہو کہ وہ کریم کسی کے عمل ضائع نہیں کرتا۔

(۴) استدراجاً اسے طویل عمر عطا ہوئی کہ اسے معلوم ہو بھی نہیں کہ اس سے اس کا بیڑا غرق ہو رہا ہے کہ قیامت میں تمام اشرار وکفار سے اس کے جرائم کا انبار بڑھا ہوا ہوگا اسے طویل عمر ملنے سے عقل والوں کو عبرت دلانے کے لئے ہے کہ طویل عمر ہونا کچھ اچھا معاملہ نہیں۔ اگر یہ معاملہ اچھا ہوتا تو شرارتیوں کے سردار کو لمبی عمر نصیب نہ ہوتی۔

فائدہ: اسمیں اختلاف ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے بلا واسطہ کلام فرمایا یا ملکہ فرشتہ کا درمیان میں واسطہ تھا۔ اصح یہی ہے کہ اس وقت اس سے فرشتے کے واسطے سے کلام کیا گیا۔ اس لئے کہ بلا واسطہ کلام کرنا ایک شرافت اور بزرگی اور عزت واحترام پر دلالت کرتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے بلا واسطہ کلام ان کی عزت واحترام کی وجہ سے تھا اور یہ مرتبہ صرف حضرت موسیٰ اور حضرت خلیل اور سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا اور بس۔

سوال: بذریعہ پیغام اس سے ہمکلام ہونا بھی ایک شرافت ہے حالاں کہ یہ ابلیس کے لئے ثابت ہے جیسے تم نے بیان کیا۔ پھر جیسے پیغام ابلیس وغیرہ کے لئے ثابت ہے اور اس سے شرافت اور بزرگی کا پہلو نہیں نکلتا کلام میں بھی ایسے ہی ہو۔

جواب کسی کی طرف پیغام بھیجنا ہمیشہ شرافت اور بزرگی کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ بلکہ تمام حجت کے لئے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعون اور ہامان کو میرا فلاں پیغام پہنچادو تو اس سے

ان کی شرافت کا کیا معنیٰ جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن تھے۔ بہرحال بلاواسطہ کسی سے ہمکلام ہونا ایک شرافت ہے جو ابلیس کو نصیب نہ ہوئی۔

سوال: قرآن مجید میں ہے "یوم ینادیھم" یہ ضمیر کفار کی طرف لوٹتی ہے قیامت میں کفار سے ہمکلام ہونا ثابت ہوا۔

جواب: وہاں بھی بالاتفاق یہ ندا ملائکہ کرام کے واسطہ سے ہوگی۔ قَالَ کہا ابلیس نے فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ پس جس کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ کیا۔ یہ بارِ قسم محذوف فعل سے متعلق ہے اور اغواء بمعنی اضلال (گمراہ کرنا) یعنی سیدھے راستے سے ہٹا دیا اور اسی کی وجہ سے مجھے اپنی رحمت سے محروم کر دیا تو میں تیری عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ میں آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی تاک میں بیٹھا رہوں گا جیسے راہگیروں کے لئے ڈاکو ڈاکہ مارنے کے لئے راستوں پر تاک میں بیٹھتے ہیں۔ صِرَاطَكَ تیرے سیدھے راستہ پر اَلْمُسْتَقِيْمَ وہ راستہ جو بہشت کی طرف لے جائے۔ اس سے دین اسلام مراد ہے اور قعود سے بنو آدم کو گمراہ کرنے میں جدوجہد کرنا مراد ہے اس لئے کہ جو شخص شیطان کی جدوجہد کی وجہ سے گمراہی کے گھاٹ اترا تو گویا وہ اپنی منزل مقصود سے محروم رہ کر فارغ البال ہو کر بیٹھ گیا۔ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ پھر میں ان کے ہاں آؤں گا۔ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ یوم آخرت سے پہلے اور انہیں آخرت کے متعلق شک میں ڈال دوں گا یا ان کے دلوں میں حسد ڈالوں گا اور اس طریقہ سے بہتر بنا کر ان کے دلوں میں حسد پیش کروں گا کہ وہ اپنے ہم زمان علماء مشائخ پر حسد کر کے ان کے احوال و اعمال و اقوال پر طعن زنی کریں گے[1] وَمِنْ خَلْفِهِمْ اور ان کے پیچھے یعنی از جہت دنیا کہ انہیں دنیوی امور کی رغبت دلاؤں گا یا از جہت تعصب کہ وہ صحابہ تابعین اور سابقہ مشائخ و اولیاء کرام پر طعن و تشنیع کریں گے اور ان کے بغض میں مبتلا ہوں گے۔ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ اور ان کی دائیں جانب یعنی از جہت حسنات کہ انہیں عجب و ریاء میں مبتلا کروں گا یا از جہت انبساط کہ مریدین کو باوجود یکہ مشائخ و علماء و اولیاء کی صحبت میں گزاریں گے لیکن آداب مجلس سے محروم ہوں گے کہ ان کی عظمت و ہیبت ان کے دلوں میں اٹھالوں گا اور ایسا بے باک بنا دوں گا کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر بلاتکلف کلام کریں گے اور مذاق اور ہنسی اور ٹھٹھہ مخول کرنے سے نہیں رکیں گے۔ اس بنا پر وہ صحبت کے فیوض و برکات سے محروم ہو جائیں گے۔ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ اور ان کی بائیں جانب سے یعنی از جہت مخالفت کے اپنے مشائخ

---

[1] جیسے عموماً وہابیہ، دیوبندیہ اور ان کے جملہ فرقوں، شیعہ، خارجی، تبلیغی، احراری، مودودی وغیرہ کا حال اور عادت ہے یا پھر آج کل کے نیچری و طلوع اسلامی و مغرب زدہ۔

۱۲ اویسی غفرلہٗ۔

وعلماء کے اوامر نواہی کی صریح مخالفت کریں گے۔ اور انہیں ان کی مخالفت پر سخت اکساؤنگا۔ پھر غیرت ولایت کے حملوں سے انہیں تباہ و برباد کر ڈالوں گا۔ اگرچہ وہ اُن کے ارشادات کے قبول کرنے کے مدعی ہونگے لیکن ہونگے پکے مخالف۔

فائدہ : ان چہار جہتوں کی تخصیص صرف اس لئے ہے کہ دشمن کا حملہ ہمیشہ انہیں جہات سے ہوتا ہے اس سے شیطان کی سخت جدوجہد کا بیان ہے کہ وہ انسان کو بہکانے اور سیدھے راہ سے ہٹانے میں پوری جدوجہد کرتا ہے۔ جس طرح سے اس سے بن پڑتا ہے وہ انسان کو راہِ حق سے ہٹا کر جہنم کی طرف لے جانا چاہتا ہے

نکتہ : اس وجہ سے تحت وفوق کا ذکر نہیں کیا گیا کہ دشمن کا حملہ ان دو جہتوں سے ہوتا نہیں اور اگر ہوتا ہے تو بہت کم۔

نکتہ : چار جہتوں میں پہلی دو جہتوں کو مِنْ سے بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان دو جہتوں سے شیطان انسان کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور دوسری دو جہتوں کو لفظ عن سے اس لئے کہ ان دونوں جہتوں سے مجاوزت مطلوب ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ "جَلَسْتُ عَنْ یَمِیْنِہٖ" ۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ میں اس کی جانب یمین سے متجاوز ہو کر بیٹھا گو یا اس سے منحرف ہو کر بیٹھنا ہوا۔ اس سے شیطان کے شدید حملہ کی طرف اشارہ ہے۔ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ○ اور تم اُن کے اکثر کو ناشکرا پاؤ گے۔ یعنی اُن کے اکثر مطیع نہیں ہونگے۔ تفسیر فارسی میں ہے کہ کافر ہے وہ جو اپنے منعم کو پہچانتا۔

- **فائدہ :** شیطان نے یہ بات بطور ظن وتخمینہ کے کی نہ کہ اسے اس کا علم یقینی تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لقد صدق علیھم ابلیس ظنہ اس لئے کہ اولاد آدم کے جب اوصاف سُنے تو ان میں متعدد اوصاف مبداء شرور وفساد تھے۔ مثلاً شہوت، غضب اور دیکھا کہ اسمیں مبداء خیر وفساد ایک ہے یعنی عقل اور اسے خیال گزرا کہ متعدد کو اکیلے پر غلبہ ہو سکتا ہے بنا بریں وہی کہا جو مذکور ہوا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا

سے

۱۔ نہ ابلیس در حق ما طعنہ زد
کہ نیاں نیاید بجز کارِ بد

۲۔ فغان از بدیہا کہ در نفس ماست
کہ ترسم شود ظن ابلیس راست

۳۔ چوں ملعون پسند آمدش قہر ما
خدا ایش بر انداخت از بہر ما

۴۔ کجا سر بر آریم ازیں عار و ننگ
کہ با او بصلح و با حق بجنگ

ترجمہ: ۱۔ کیا ابلیس نے ہمارے حق میں طعنہ نہیں مارا تھا کہ ان سے سوائے برے کاموں کے کچھ نہیں آئے گا۔
۲۔ نفسوں کی برائیوں سے فریاد ہے کہ کہیں ابلیس کا گمان سچا نہ ہو جائے۔
۳۔ چونکہ ملعون کو ہماری بھلائی ناپسند ہے اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ نے ہماری خاطر مرتبہ سے گرایا۔
۴۔ اس عار و ننگ سے ہم کب سر اونچا کر سکتے ہیں کہ اس دشمن ابلیس کے ساتھ ہمیشہ صلح اور حق تعالیٰ کے ساتھ جنگ۔

۵ قال اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا " اُخْرُجْ مِنْهَا بہشت سے نکل جا درانحالیکہ مَذْءُوْمًا تو مذموم ہے ذام سے ماخوذ ہے بمعنی ذمہ ذام ۔مہموز الفاء اور مضاعف کا ایک معنی ہے دراصل کسی کو سخت عیب دار کرنے کو کہا جاتا ہے۔ مَدْحُوْرًا دھتکارا گیا جب کہ اس نے عیب کیا اور اپنے آپ کو اعلیٰ افضل سمجھا۔

فائدہ: اس سے آنے والی تمام مخلوق کو عبرت حاصل کرنی چاہیے لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ ۔ یہ لام قسم کے لئے اور من شرطیہ ہے اس کا فارسی میں معنی ہوا کہ بخدا کہ ہر کہ در پے تو آید " خدا کی قسم جو بھی تیری تابعداری کریگا۔ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۔ میں تمہیں جہنم سے بھر دونگا۔ یہ قسم کے جواب اور شرط کی جزا کے جواب کے قائم مقام ہے۔ یعنی اے ابلیس میں تجھے اور تیری اولاد سے آدم علیہ السلام کی کافر اولاد سے جہنم کو بھروں گا۔

حدیث شریف جہنم اور جنت نے آپس میں جھگڑا کیا۔ دوزخ نے کہا میرے اندر سرکش اور متکبر ہوں گے۔ بہشت نے کہا میرے اندر ضعیف و مسکین ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعہ میں جسے چاہوں عذاب دوں گا اور بہشت سے فرمایا تو میری رحمت ہے تیرے اندر انہیں داخل کروں گا۔ جن پر میرا رحم و کرم ہو گا اور میرا وعدہ ہے کہ میں تم دونوں کو پُر کرونگا۔

فائدہ: شیطان کے تابع وہی لوگ ہوں گے جنہیں چار جہتوں سے شیطان گمراہ کرنے کی قسم کھا چکا ہے اور وہ اس کے حکم کو مانیں گے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ شیطان کی اتباع سے بچے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں زندگی بسر کرے تاکہ جہنمیوں کے ساتھ اسے جہنم میں داخل نہ ہونا پڑے۔

حدیث شریف جب قیامت کا دن ہو گا تو ہر مومن کو ہر دینِ باطل کا ایک فرد دکھایا جائے گا کہ اسے تجھ پر فدا کر کے جہنم میں داخل کیا گیا ہے۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اہلِ ایمان سے بہت بڑا لطف و کرم ہے کہ اُن پر اپنے دشمنوں کو فدا کرے گا۔

فائدہ: فدیہ بننے کا کچھ معنی اور ہے وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے وعدہ کیا کہ تمہیں جنوں اور انسانوں سے پُر کیا جائے گا تو اب جب کہ اسے کافروں مجرموں سے بھر دیا تو گویا یہی لوگ اہلِ ایمان کا فدیہ بن گئے۔

فائدہ: اہلِ اسلام جب پُل صراط سے گزریں گے تو جہنم سے بچنے کے لئے کفار کو شعلوں میں جھونکا جائے گا اس معنی پر انہیں اہل اسلام کا فدیہ کہا گیا۔

حکایت: ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابو بکر بن الحسین المقری کو اس رات خواب میں دیکھا جس شب کو ان کا انتقال ہوا میں نے اُن سے پوچھا۔ استاد کیا معاملہ ہوا انہوں نے کہا کہ جس رات میں وفات ہوا اسی رات ابُوالحسن عامری فوت ہوا تو اسے میرا فدیہ بنا یا گیا (ابوالحسن عامری مشہور فلسفی تھا) اور مجھے کہا گیا کہ اسے تیرا فدیہ بنایا گیا ہے۔

حدیث شریف: قیامت میں اہلِ اسلام پہاڑوں کی طرح گناہ لائیں اور اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا اور ان کے گناہ یہود و نصاریٰ کے سر پہ رکھ دے گا۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ کچھ بعید نہیں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اہل اسلام پر اہل کفر کو فدا فرما دے اور یہ بھی اہلِ معصیت کے ساتھ اس کا عدل اور اہلِ اسلام سے فضل ہے۔ اسمیں معتزلہ کا اختلاف ہے۔ وہ اس مسئلہ میں کہتے ہیں کہ کسی کا گناہ کسی دوسرے پر نہیں رکھا جائے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی" اگرچہ اس آیت کا اہلِ سنت کے نزدیک کچھ اور معنی ہے لیکن یاد رہے کہ معتزلہ اس مسئلہ میں قرآن سنت کے خلاف چلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ" ۔ یہ آیت مذکورہ بالا مسئلہ کی تائید کرتی ہے اس کا پہلی آیت سے استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ جن گناہوں کا بوجھ کفار پر رکھا جائے گا اگرچہ لفظاً غیروں کے ہیں لیکن درحقیقت یہ اُنہیں کے ہیں۔ "وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ وَاِلَیْهِ الْمَآلُ"

۱۹ وَیٰٓاٰدَمُ اور ہم نے کہا اے آدم علیہ السلام۔ یہ ارشاد آدم علیہ السلام کو ابلیس کو بہشت سے نکالنے کے بعد ہوا اُسْکُنْ اَنْتَ، تم ٹھہرے رہو۔ یہ امر اباحت کا ہے۔ آدم کی عزت و تکریم کے لئے فرمایا وَزَوْجُكَ اور اپنی زوجہ سمیت (یعنی بی بی حوا) زوج کا لفظ اہل عرب کے نزدیک اس عددی فرد کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ دوسرا ساتھی ہو اور وہ ان دونوں پہ زوجان مستعمل ہوتا ہے۔ (اَلْجَنَّةَ) بہشت میں۔

فائدہ: اس سے یا تو دارالخلد مراد ہے، دارالجزا ہے۔ اسی کو اکثر اہلِ علم نے لیا ہے اس پر چند دلائل بھی قائم

کہے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے وہ جنت مراد ہے جو آسمان میں ہے۔ جس سے یہ حضرات نیچے اُترے تھے اور بہشت جیسے سلسلہ اور نعمتیں اور رونق و سرور وغیرہ وغیرہ ایسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے امتحان کے لئے یہاں زمین پر تیار فرمائی۔ بعض محققین اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان میں چند اہل ظاہر ہیں اور کچھ اہل باطن اُن کی دلیل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اسی میں ٹھہرا کر حکم فرمایا کہ فلاں درخت سے نہ کھانا۔ یہ حکم تکلیفیہ ہے اور بہشت میں احکام تکلیفیہ کہاں۔ وہاں تو احکام کی خبر ملے گی۔ علاوہ ازیں وہ اس میں نیند کرتے رہے اور پھر نکالے گئے اور اس کے اندر ابلیس بھی چلا گیا۔ حالانکہ بہشت میں نیند کیسی اور آدم علیہ السلام کا خروج بعد الدخول کیا اور پھر ابلیس کہ جب بہشت سے نکالا گیا تو پھر اس کا داخلہ کیسا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ قابیل مدعی تھا کہ میں بہشت کا بچہ ہوں۔ (یعنی میری ولادت بہشت میں ہوئی۔)

حکایت مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو وصال کے وقت بہشت کے انگور کی خواہش ہوئی آپ کی اولاد میں سے چند لوگ اس کی تلاش کے لئے نکلے۔ راستہ میں انہیں ملائکہ کرام ملے اور پوچھا کہاں کا ارادہ ہے انہوں نے کہا جاتے والد ماجد کو بہشت کے انگور کی خواہش ہوئی۔ فرشتوں نے کہا اب تم واپس جاؤ۔ تمہارا کام بن گیا جب وہ واپس لوٹے تو ملائکہ کرام نے آدم علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔ انہیں غسل دیا گیا۔ ان کے کفن کو خوشبو لگائی گئی آپ کی نماز جنازہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پڑھائی۔ آپ کی اولاد نے اُن کے پیچھے پڑھی پھر انہیں دفنایا گیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا قیامت تک تمہارے مُردوں کے لئے یہی طریقہ رہے گا۔

- **فائدہ:** اس روایت سے ثابت ہوا کہ اگر جنت زمین پر نہیں اور اس کا ملنا ناممکن ہے تو پھر اس کی تلاش کیسی۔ معلوم ہوا کہ بہشت زمین پر ہے نہ کہ آسمان پر۔ پانچویں دلیل یہ ہے کہ دریائے نیل بہشت سے نکلتا ہے اگر وہ زمین پر نہیں تو دریائے نیل کے نکلنے کا کیا مطلب۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ وہ بہشت زمین کے باغ سے ہے[1]۔ (واللہ اعلم) فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا پس کھاؤ جہاں سے چاہو اور بہشت کی جن نعمتوں اور اور اس کے ثمرات سے جس طرح کھاؤ۔ تمہارے لئے عام اجازت ہے اور وہ بہت بڑی وسعت ہے۔ فَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۔ اور اس درخت کے قریب مت جانا۔

- **فائدہ:** اس درخت کے متعلق بھی اختلاف ہے جس کا تفصیلی ذکر سورہ بقرہ میں گزرا ہے اور اُسے مبہم رکھنے اور ذکر نہ کرنے میں مصلحت ہے اگر اسے ذکر کیا جاتا تو آدم علیہ السلام کو جس مصلحت کے لئے روکا گیا ہمیں بھی اس کے کھانے سے روکا گیا۔ ہمیں بھی اس کے کھانے سے روکا جاتا جیسے کہ دوسرے امور کا معاملہ ہے اس طرح سے ہمارے لئے تکلیف ہوتی اور اللہ تعالیٰ بندوں کی تکلیف نہیں چاہتا۔ (کذا فی احکام الرحمان) فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ پس تم دونوں ظالموں سے ہو جاؤ گے۔ یعنی تم بھی منجملہ ان لوگوں سے ہو جاؤ گے جو اپنے نفسوں

---

[1] ان اقوال کی تردید فقیر کی تفسیر اُویسی میں ہے (۱۲)

پر ظلم کیا کرتے ہیں ؀ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ ای یریدالیہما۔ اہلِ عرب مجوعہ فعل کو کسی کی طرف پہنچانے کا اسے وسیلہ بناتے ہیں۔ دراصل اس خفی کلام کو کہا جاتا ہے جو بار بار شیطان کسی انسان کے دل میں ڈالے تاکہ جو چیز شرعاً بُری ہے وہ اسے اچھی محسوس ہو۔

- **فائدہ:** شیطان نے جب آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکالنے کی تدبیر بتائی تو پہلے بی بی حواء اور اُن کے سامنے بہت رویا۔ ایسا کہ اُس کے رونے سے دونوں میاں بیوی غمگین وحزیں ہوئے انہوں نے اس سے پوچھا۔ ارے بیچارے تو کیوں روتا ہے۔ اس نے کہا مجھے تمہارا غم لاحق ہوا ہے وہ یہ ہے کہ تم مرجاؤگے تو ایسے اعزاز واکرام سے محروم ہو جاؤ گے۔ شیطان کی بات اُن کے دل پر اثر کر گئی۔ اس کے بعد اُن کے پاس آیا اور وسوسہ ڈالا اور کہا "تا لہا کما" اس کا بیان ابھی آتا ہے لِيُبْدِيَ لَهُمَا تاکہ انہیں ظاہر کردے یہ لام عاقبت کی ہے اس لئے کہ اس لعین نے اُن کے دل میں اس لئے ڈالا تاکہ اس کا انجام یہ ہو کہ وہ دونوں معصیت میں مبتلا نہ ہوں۔ اس کا ارادہ نہیں تھا کہ اُن کے عورات ظاہر ہوں۔

سوال: جب اس کا ارادہ معصیت میں ڈالنے کا نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ظہور عورات کا نام کیوں لیا۔

جواب: چونکہ معصیت کے بعد انجام یہی ہونا تھا اس لئے بطور تشبیہ اسے بیان فرمایا گیا۔

- **فائدہ:** یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لام عرض کی ہو اس لئے کہ شرمساری میں مبتلا ہوں وہ اسی طرح ہو سکتا تھا کہ ملائکہ کے سامنے اُن کے ستر کھل جائیں اس لئے کہ ابلیس نے ملائکہ کی کتابیں پڑھی تھیں کہ آدم علیہ السلام کا بھی ستر ہے لیکن خود آدم علیہ السلام کو اپنے ستر سے (بوجہ استغراق وغیرہ) بے خبری تھی۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ ستر کا کھولنا خلوت میں بھی ناجائز ہے کہ اس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔

مسئلہ: اپنی زوجہ کے سامنے بھی بلاضرورت کشف عورت قبیح اور ناموزوں ہے۔

حکایت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے زندگی بھر اپنا فرج نہیں دیکھا۔ اس نیت پر کہ جن آنکھوں نے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ اقدس دیکھا پھر نہایت قبیح امر ہے کہ اُن آنکھوں سے فرج کو دیکھوں [1]

سبق: جب اپنے فرج کو دیکھنے کے متعلق علماء کرام کا یہ خیال ہے تو پھر غیر کے فرج کو دیکھنے کے متعلق وہ کیا فرمائیں گے۔

مسئلہ: ستر کھولنا سب سے قبیح ترین فعل ہے۔ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زندگی بھر نہ میں نے حضور علیہ السلام کا ستر دیکھا اور نہ آپ نے میرا۔ مَا وُرِيَ عَنْهُمَا وہ جو ان دونوں سے چھپایا گیا

---

[1] بعض روایتوں میں یہ واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لئے منقول ہے ۱۲۔ اُویسی رضوی غفرلہ۔

دوریؔ واری کا ماضی مجہول ہے مِنْ سَوْاٰتِهِمَا ان دونوں کے ستر سے وہ نہ ملے ۔ اپنا ستر دیکھتے تھے اور نہ ہی ایک دوسرے کا ۔ اس لئے کہ انہیں کچھ اس طرح کا لباس پہنا ہوا تھا کہ انہیں اندر کے حصے نظر نہیں آتے تھے ۔

فائدہ : سَوْاٰت سُوْءَۃٌ کی جمع ہے اور اسے سوءہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے انسان شرمساری اور سوائی پاتا ہے ۔

سوال : ان دونوں کے لئے جمع صیغہ کیوں ۔

جواب ۱ : نحوی قاعدہ ہے کہ تثنیہ کا صیغہ تثنیہ کی طرف مضاف نہیں ہوتا اور ایسی اضافت مکروہ ہے بوقت ضرورت مضاف کو جمع کر دیا جاتا ہے ۔

جواب ۲ : اسے جمع لانا ہی موزوں تھا ۔ اس لئے کہ ان دونوں کے دو دو علیحدہ ستر شمار ہوئے مثلاً دُبُر و قبل اس طرح سے چار ہوئے اور اس کے لئے صیغہ جمع کا لانا مناسب ہے ۔

سوال : انہیں سَوْءَۃ سے کیوں تعبیر کیا جاتا ہے ۔

جواب : اُن سے کھلنے سے انسان کو شرمساری اور خجالت ہوتی ہے بنا بریں انہیں سوءۃ سے تعبیر کیا گیا ۔ وَقَالَ اس کا عطف اور ہوس پہ ہے اور اس کی وضاحت کے لئے شیطان نے کہا ۔ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس درخت کے کھانے سے نہیں روکا ۔ اِلَّآ مگر اس لئے کہ اسے نا منظور ہے ۔ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ ۔ یہ کہ تم دونوں ملائکہ کی طرح ہو جاؤ جسمانیت کے لحاظ سے یا غذا کھانے پینے سے مستغنی ہو جانے سے وغیرہ وغیرہ ۔

مسئلہ : ملائکہ کا بعض باتوں میں (مثلاً نہ کھانا نہ پینا) انبیاء کرام پر مطلقاً افضلیت ثابت نہیں ہوتی اس لئے کہ نوع بشر میں بعض دوسرے وجوہ موجود ہیں جو ان کی ملائکہ پر افضلیت کو ترجیح دیتے ہیں اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ ۔ ان سے بھی مراد نہیں کہ اس کی حقیقت بشریہ حقیقت ملکیہ سے تبدیل ہو جائے گی ۔ اس لئے کہ ایسا انقلاب محال ہے

فائدہ : سعدی مفتی نے فرمایا کہ اشاعرہ کے نزدیک انقلاب حقیقت جائز ہے ۔ اس لئے کہ اجسام ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں ۔

فائدہ : انسان ، ملک ، جن کی صورت اور شکل میں ایک دوسرے کے مباین ہیں ۔ اگر انسان اس صورت اور شکل پہ باقی رہے تو انسان ہے ۔ اگر اس شکل و صورت سے اسے تبدیل کیا جائے تو وہ انسان نہیں رہتا فرشتے اور جن تشکلات ظاہرہ کے بدلنے سے اپنی حقیقت سے مختلف نہیں ہو جاتے اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۔ یا ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ یعنی تمہیں موت نہ آئے اور ہمیشہ بہشت میں رہو ۞ وَقَاسَمَهُمَآ اور اُن کے سامنے

قسمیں کھائیں ۔

سوال ، قسم تو صرف ابلیس نے کھائی پھر تثنیہ کیوں جب کہ یہ جانبین کے لئے مستعمل ہوتا ہے اس نے قسم کھانے کی ایسی جد و جہد کی گویا اس کی ایک قسم دو کے برابر تھی ۔ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ بے شک میں تمہارے لئے خیر خواہ ہوں سے ہوں یعنی جو کچھ کہتا ہوں اس میں تمہاری خیر خواہی مطلب ہے النصح بعنی بذل المجہود فی طلب الخیر فی حق الغیر ۔ دوسرے کی طلب خیر میں جد و جہد کرنا۔ فَدَلّٰىهُمَا پس درخت سے کچھ کھانے کیلئے انہیں اوپر سے نیچے اتارا ۔ یا بلند مرتبہ سے گرا دیا ۔ یعنی اطاعت کے مرتبہ سے گرا کر معصیت کے مرتبہ میں پہنچا دیا اور یہی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا راستہ ہے ۔

فائدہ ، التدلیہ بعنی ارسال الشیء من الاعلیٰ الی الاسفل کارسل الالو فی البئر یعنی شئے کو اوپر سے نیچے لٹکانا جیسے ڈول (ڈولکہ) کو کنوئیں لٹکایا جاتا ہے ۔ بِغُرُوْرٍ بوجہ اس کی جھوٹی قسم کھا کر دھوکہ میں ڈالنے کے وہ اس لئے کہ جب آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ قسم کھا کر دھوکہ میں ڈالنے کے وہ اس لئے کہ جب آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ قسم کھا کر بات کر رہا ہے تو سمجھے کہ جھوٹی قسم کون کھاتا ہے اس لئے دھوکہ کھا گئے اس لئے کہ مومن کی شان یہی ہے کہ قسم کا اعتبار کرے خواہ جھوٹی ہو ۔ اس لئے کہ مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کے نام عظمت ہوتی ہے ۔ چنانچہ بعض علماء کرام کا فرمان ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نام سے دھوکہ کھا جاتے ہیں ۔ حدیث شریف میں مومن اچھا اور کریم ہے اور فاجر کم بخت لئیم ہے ۔ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا ۔ پس جس وقت انہوں نے درخت کو چکھنے کا ارادہ کیا تو انہیں سزا نے گھیرا اور معصیت کی شامت سامنے آ گئی تو ان سے لباس اتر نے لگا اور ان کے ستر کھل گئے اس سے دونوں حضرات حیاء میں ڈوب گئے ۔

حدیث شریف اخبار میں ہے کہ ان کے ستر کو ان کے سوا اور کسی نے نہ دیکھا (آدم علیہ السلام کا لباس جنت میں ان کا لباس ناخنوں کی طرح تھا جو نہایت لطیف اور نرم اور بہت سفید تھا ۔ جس سے اصلی بدن پر کسی کی نظر نہ پڑ سکتی تھی ۔ جب انہوں نے گندم دانہ کھایا تو وہ تمام لباس اتر گیا صرف ان کے انگلیوں کے سروں پر باقی رہا تاکہ چھنی ہوئی نعمت کی یاددہانی ہو سکے اور انہیں دیکھ کر ہر وقت نادم ہوتے رہیں ۔ بعض کہتے ہیں ان کا لباس نورانی تھا جو ان کے بدن کے اندرونی حصہ کے نظر سے حاجب تھا ۔ بعض کے نزدیک بہشت کے لباسوں سے ایک لباس تھا ۔ وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ اور وہ دونوں ڈھانپنے اور چپانے لگے ایک پتے کو دوسرے پتے پر عَلَیْهِمَا اپنے بدن پر یا اپنے ستر پر ۔ اگر سوآتہما یعنی سر مراد ہو تو صفت قلوبکما کے قبیل سے ہوگا ۔ یعنی جمع کے صیغے کی طرف تثنیہ کا ارجاع اور وہ جائز ہے جب کہ اس جمع سے تثنیہ کا معنیٰ مراد ہو ۔ جس کا قاعدہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں[1] اور قاعدہ مذکورہ کے علاوہ جب مقصد

---

[1]، اس کی تفصیل فقیر کی کتاب "نغم الباری" میں دیکھئے ۔ اویسی غفرلہٗ

ومراد میں التباس نہ ہو تو بھی جمع کی طرف تثنیہ کی ضمیر لوٹانا جائز ہے۔ مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ بہشت کے پتوں سے بعض کہتے ہیں کہ وہ انجیر کے پتے تھے۔

انجیر کی کہانی بہشت میں آدم و حوا علیہما السلام کو انجیر کے سوا کسی اور درخت نے پتے نہ دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا کہ جیسے تم نے آدم و حوا علیہما السلام کو پتے دیئے ہیں ایسے ہی تجھ سے تیرا پھل پہلے نکالوں گا اور دوسرے درختوں کے پھل بعد کو ہوتے ہیں[1]۔ یہی وجہ ہے کہ انجیر کے سوا باقی تمام درختوں کے ثمر پہلے ایک غلاف میں ہوتے ہیں اور جب پکتے ہیں تو ظاہر ہوتے ہیں بخلاف انجیر کے کہ اس کا پھل غلاف کے بغیر ابتداءً ہی ظاہر ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ستر کھولنا آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہی قبیح ہے کسی شریعت نے اسے جائز نہیں رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ آدم و حوا علیہم السلام ستر کھلتے ہی فوراً پتوں سے ستر ڈھانپنے کے درپے ہوئے کیونکہ اُن کے عقول میں یہ مسئلہ راسخ تھا کہ کشف عورت قبیح ہے وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَآ اُن کے رب نے فرمایا یعنی اُن کے مالک کے امر سے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں زجر و توبیخ و محبت کرتے ہوئے) فرمایا۔ ممکن ہے کہ یہ حکم انہیں بذریعہ وحی پہنچا ہو اگرچہ فرشتے کے ذریعے یا اُن کے دل میں الہام کے طور کہا گیا ہو۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں اس دفعہ کی خجالت اُن کے لئے تمام دُکھ اور تکالیف سے سخت تر تھی۔

اَلَمْ اَنْهَكُمَا۔ کیا میں نے تمہیں منع نہ کیا تھا۔ یہ نَادٰهُمَا کی تفسیر ہے اور اس کا علیحدہ کوئی اعراب نہیں۔ عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ۔ کیا میں نے تمہیں نہیں فرمایا تھا۔ وَاَقُلْ لَّكُمَا کا اَلَمْ اَنْهَكُمَا پر عطف ہے اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یہ قول باری تعالیٰ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی کی طرف اشارہ ہے اور لکمافیہ کے معنیٰ سے متعلق ہے۔

آدم علیہ السلام کا زمین پر اُترنا مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام کیا بہشت کے دوسرے درخت اس درخت سے بہتر نہیں تھے۔ عرض کی یا اللہ بہتر تھے لیکن مجھے یہ خیال گزرا کہ یہاں کون جھوٹی قسم کھا سکتا ہے۔ جب ابلیس نے قسم کھا کر کہا تو مجھے اعتبار آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسا عیش تا قیامت نہیں ملے گا۔ اب زمین پر جاؤ اور کما کر کھاؤ۔ دکھ اور تکلیف سے رزق ملے گا۔ آدم علیہ السلام زمین پر اُترے اور لوہے کے کاروبار اور کھیتی باڑی کے لئے مامور ہوئے۔ آپ نے کھیتی کی اُسے پانی دیا۔ بڑی ہوئی تو اسے کاٹا اور کاٹ کر گاہا اور صاف کر کے پیسا اور چھانا اور آٹا گوندھ کر روٹی پکائی پھر کھائی۔ قَالَا غلطی کا اعتراف اور اظہار توبہ کر کے دونوں نے کہا۔

---

[1] یعنی عام درختوں کو پہلے پھول لگتے ہیں پھر پھل، مگر انجیر کو پہلے پھل پھر پھول۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ۔ ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا یعنی خطا کرکے اپنے آپ کو ضرر پہنچایا اور بہشت سے نکالے جانے کا سبب ہم نے خود تیار کیا۔ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے یعنی ستر پوشی نہ فرمائے۔ وَتَرْحَمْنَا اور ہماری توبہ قبول کرکے ہم سے اوپر رحم نہ فرمائے۔ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ تو ضرور ہم ہلاکت والوں سے ہوں گے۔ جنہوں نے گھڑی بھر کی لذت کے بدلے آخرت کا بہت بڑا حصہ ضائع کیا۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صغائر پر بھی سزا ہوتی ہے اگر انہیں معاف نہ کیا جائے۔ ان میں مغفرت مشکوک ہے یقینی نہیں۔

تنبیہہ: آدم علیہ السلام کا یہ فعل بھی صغائر سے ہے اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی۔ قصداً گندم دانہ نہیں بلکہ شیطان لعین کی جھوٹی قسم پر اعتماد کرکے کھایا تھا کہ اس ملعون نے قسم کھا کر جھانسا دیا۔ جس سے اُن کی طبیعت کا میلان ہو گیا۔ جیسے فطرۃ انسانی کا تقاضا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کے پیش نظر پھر بھی آپ رک گئے۔ چند لمحات کے بعد انہیں حکم ربانی یاد نہ رہا اور جو حکم اس درخت کے کھانے سے مانع تھا وہ زائل ہوا تو میلانِ طبع کے تحت اسے تناول فرما لیا اور یہ کوئی قابلِ گرفت بات نہیں جب کہ نسیان کی گواہی اللہ تعالیٰ نے خود ہی دی ہے۔ کما قال ونسی آدم اور اُن کے قصداً کھانے کی نفی فرمائی ہے۔ کما قال "ولم نجد لہٗ عزماً" اور جو فعل نسیان سے کیا جائے وہ عام انسانوں کے لئے بھی گناہ نہیں چہ جائیکہ ایک پیغمبر علیہ السلام۔

دوسری تقریر: آدم علیہ السلام نے اجتہاد کے طور گندم دانہ کھایا اور انبیاء علیہم السلام کو اجتہاد روا ہے جیسے داؤد علیہ السلام کا اجتہاد مشہور ہے اور وہ اجتہاد یہ تھا کہ "نہی ربانی" مبنی بر تنزیہ ہے۔ اگرچہ ان کا یہ اجتہاد مبنی برصواب نہیں تھا اور وہ قابل گرفت نہیں جیسے داؤد علیہ السلام کا اجتہاد[1]

مسئلہ: کھیتی میں مبنی برصواب نہیں تھا اور انہیں کوئی گرفت نہ ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی بھی (سلیمان علیہ السلام) کی تعریف فرمائی۔

تیسری تقریر: آدم علیہ السلام نے ایک خاص درخت کی طرف اشارہ سمجھا۔ اگرچہ اشارہ خاص درخت کی طرف تھا۔ لیکن اس سے اس کے جمیع انواع مراد تھے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ریشم اور سونا ہاتھ میں لے کر ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں میری اُمت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے لئے حلال (جائز) ہیں۔ اس کے اجتہادات قابلِ گرفت نہیں ہوتے ۔ قال اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہ اعدلوا،

---

[1] ؛ ایسے ہی امیر معاویہ کا اجتہاد جو انہوں نے حضرت علی سے جنگ لڑی۔ رضی اللہ عنہما ۔ ۱۲ ۔ اویسی غفرلہٗ،

اُتر جاؤ یہ خطاب آدم و حوا علیہما السلام اور ان کی اولاد کو یا انہیں اور ابلیس کو ہے بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ تم میں ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ یہ اھبطوا کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی در انحالیکہ تم ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے والے ہو گے۔ ابلیس کی عداوت کی عادت ایسی ہے جیسے بچھو کو ڈسنے کی اور بھیڑیے کو بکری وغیرہ پر جھپٹنے کی عادت ہے کہ اسے اس لئے عداوت ہوئی کہ اس کی شان و شوکت آدم علیہ السلام نے چھینی ہے اسی لئے ابلیس سے عداوت کرنے کا حکم ہے کہ بیٹے پر لازم ہے کہ وہ باپ کے دشمن سے دشمنی رکھے۔ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ اور تمہیں زمین پر ایک وقت ٹھہرنا (مستقر) یعنی قرار گاہ اور آرام کی جگہ۔ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ۔ ایک وقت تک یعنی جب تمہاری عمریں ختم ہوں گی۔

(ربط) یہ سن کر آدم علیہ السلام مغموم و محزون ہوئے کہ شاید ان کی بہشت کی طرف واپسی نہ ہو۔ ۲۵ قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فِيهَا تَحْيَوْنَ۔ اسی زمین میں زندہ ہو گے یعنی زندگی بسر کرو گے۔ وَفِيهَا تَمُوتُونَ۔ اور اسی میں تمہاری قبریں ہوں گی۔ یعنی اس میں تم مدفون ہو گے۔ وَمِنْهَا اور اسی سے جزا کے لئے نکالے جاؤ گے

فائدہ :- آیت کے مضمون سے ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام بہشت میں واپس تشریف لائیں گے اور اس میں تسلی بھی دی گئی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نوازے گا اور ان کے ساتھ بہشت کا وعدہ کریمہ بھی ہے۔

فائدہ عجیبہ : امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عجائبات سے نوازا کہ وہ ملائکہ کے مسجود ہوئے تو انہیں ان کا مسجود بنایا گیا۔ ان کے سر پر موصل وصال کا تاج شاہانہ رکھا گیا اور ان کے جسم اطہر کو کرامت کا لباس پہنایا گیا اور ان کی کمر میں قربت کا کمر بند باندھا گیا اور ان کے گلے میں قرب الٰہی کا ہار پہنایا گیا۔ اپنی مخلوق میں اس سے اور کسی کو افضل نہ بنایا اور نہ ہی کوئی ہم پلہ پیدا ہوا نہ ہو گا۔ ہر لحظہ انہیں اللہ تعالیٰ سے تسلی کے لئے ندا آتی۔ یا آدم یا آدم۔ لیکن جب لباس اُتارا گیا تو اس سے وہ اُنس اٹھا گیا اور وہ مراتب (وقتی طور) چلے گئے اور زمانہ کا رنگ بدل گیا۔

سبق سالک کو غور کرنا چاہیے کہ جب ایسے ذی شان بزرگ سے صرف ایک سہو (خطا) کے ساتھ کی وجہ سے ایسے ہوا تو اس کا کیا حشر ہو گا جو معمولی انسان ہو کر سر سے پاؤں تک جرائم و معاصی میں گھرا ہوا ہو۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ گونہ دعوی وصلت کنم بجاں کہ شدست

م وکیل قضا و دلم ضمان فراق

ترجمہ :- کیسے وصال کا دعویٰ کروں اس جان سے جس کی قضا کا وکیل اور دل فراق کی ضمانت میں ہے۔

قاعدہ: اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر ہر ایک پر جاری ہوتی ہے نبی علیہ السلام ہو یا ولی کامل ؎

نہ از پردہ تقویٰ پدر اُفتادم و بس

پدرم نیز بہشت ابداز دست بہشت

ترجمہ: پردہ تقویٰ سے ہمارا دادا علیحدہ ہوا میرے باپ نے بھی دائمی بہشت ہاتھ سے گنوادی تھی۔

تفسیر صوفیانہ درحقیقت حضرت آدم علیہ السلام نے محبت کے درخت کا پھل کھایا جس سے محنت کے جال میں گرفتار ہوئے تو انہیں ہجر و فراق کی تلقین کی گئی اور فرمایا کہ چند دن کے بعد تمہیں اس دیدار سے نوازا جائے گا پھر سب نے دیکھا کہ تنزلات صوریہ سے انہیں کتنی ترقیات معنویہ نصیب ہوئیں

مقام عیش میسر نمی شود بے رنج

بلیٰ بحکم بلا بستہ اند حکم الست

ترجمہ: عیش کا مقام بلا تکلیف حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں بحکم قالوا بلیٰ الست کے حکم کے ہم پابند ہیں۔

فائدہ صوفیانہ شجرۂ علم مجرد مکاشفہ و مشاہدہ و معائنہ کے بغیر قریب جانے سے منع کیا گیا اس لئے کہ صاحب شجرہ لذات ثمرات الحقیقۃ سے محروم و محجوب کردیا جاتا ہے اسے چاہیے کہ ابتداء میں مشاہدہ کے لئے ہمت سے کام لے تاکہ موت سے پہلے ایسے کمال تک پہنچ سکے۔ اگر اچانک موت نے گھیر لیا اور وہ ابھی راستہ میں ہوا۔ جب بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اُسے منزل تک پہنچادے گا۔ اگرچہ دنیا میں نہ سہی برزخ میں ہی۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ شجر تدبیر کے قریب بھی نہ بھٹکے اس لئے کہ تقدیر نہ غنی کو چھوڑتی اور نہ فقیر کو۔ یہی راز ہے صوفی کی نماز میں۔

صوفی نماز: قیام صلوٰۃ میں تقدیر ازلی کی طرف اشارہ ہے یعنی اپنے جملہ اُمور اللہ تعالیٰ کی سپرد کردے اور رکوع میں تقدیر ابدی یعنی تسلیم و رضا کی طرف اشارہ ہے اور سجدہ میں فناء کلی کی طرف اس لئے کہ جیسے سالک پر لازم ہے کہ وہ جیسے ان صفات کی عادت ڈالے ایسے ہی پورے طور فنائیت بھی حاصل کرے۔

دوسری آیت کی تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فِیْهَا تَحْیَوْنَ" یعنی محبت و وصل طلب صبر کرکے کشادگی کا دروازہ کھٹکانے اور جدو جہد پر ثابت قدم رہنے کی زندگی بسر کروگے۔ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ طلب حق میں اقدام طریقت سے شریعت پر مروگے۔ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ اور اس سے عالم حقیقت کی طرف رجوع کروگے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام

نے فرمایا " جیسے زندگی بسر کرو گے اسی حال پہ مرو گے اور جس حال پہ مرو گے اسی پہ اُٹھو گے۔

۱۔ بکوشش خواجہ و از عشق بے نصیب مباش
کہ بندہ را نخرد کس بعیب بے ہنری

۲۔ مرا دریں ظلمات آنکہ رہنمائی کرد
دُعائے نیم شبے بود و گریہ سحری

ترجمہ ۱: اے خواجہ کوشش کر عشق سے بے نصیب نہ ہو۔ کوئی بھی اس بندے کو نہیں خریدتا جس میں عیب کے ساتھ بے ہنری ہو۔

۲: میری اس ظلمات میں کس نے رہبری کی وہ دُعائے نیم شب اور سحر کے وقت کی گریہ وزاری۔

يٰبَنِىٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِىْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِىٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّىْ بِالْقِسْطِ ۟ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِىٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾

اے آدم کی اولاد بیشک ہم نے تمہاری طرف ایک لباس وہ اتارا کہ تمہاری شرم کی چیزیں چھپائے اور ایک وہ کہ تمہاری آرائش ہو اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بھلا یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں اے آدم کی اولاد خبردار تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے جیسا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا اتروا دیئے ان کے لباس کہ ان کی شرم کی چیزیں انہیں نظر پڑیں بیشک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے بیشک ہم نے شیطانوں کو ان کا دوست کیا ہے جو ایمان نہیں لاتے اور جب کوئی بے حیائی کریں تو کہتے ہیں ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو پایا اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا تو فرماؤ بیشک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیا اللہ پر وہ بات لگاتے ہو جس کی تمہیں خبر نہیں تم فرماؤ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور اپنے منہ سیدھے کرو ہر نماز کے وقت اور اس کی عبادت کرو نرے اس کے بندے ہو کر جیسے اس نے تمہارا آغاز کیا ویسے ہی پلٹو گے ایک فرقے کو راہ دکھائی اور ایک فرقے کی گمراہی ثابت ہوئی انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو والی بنایا اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ راہ پر ہیں اے آدم کی اولاد اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو بیشک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں

تفسیر عالمانہ ۲۶ یٰبَنِىٓ اٰدَمَ یہ تمام لوگوں کو خطاب ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ وہ بیت اللہ شریف کا ننگے ہو کر طواف کرتے تھے اور کہتے کہ ہم وہ کپڑے پہن کر طواف نہیں کرتے۔ جن سے ہم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ چنانچہ یہی آیت اُن جواہلِ رد میں نازل ہوئیں۔ قَدْ اَنْزَلْنَا لِبَاسًا۔ اے

اے آدم ہم نے تمہارے لئے لباس اُتارا۔ یعنی آسمان سے ایسی بارش نازل فرمائی جو تمہارے لباس کی پیدائش کا سبب بنے۔ جو کچھ بھی زمین سے نکلتا ہے مثلاً کپاس روئی وغیرہ یہ سب آسمان کے پانی سے پیدا ہیں۔ ایسے ہی جانوروں کے بال اور اُون وغیرہ بھی آسمان کے پانی سے ہیں۔ کیونکہ جانور جب تک گھاس وغیرہ نہ کھائیں پئیں تو اُون وغیرہ کہاں سے آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں کا قوام بھی آسمان کے پانی پر ہے۔

فائدہ: آسمان کے پانی میں قوت فاعلہ ہے اور زمین میں قوت قابلہ اور تمام حوادث ارضیہ آسمان کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ تمام وہ اشیاء جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں تمام کی تمام آسمانی تدبرات سے ہوتی ہیں۔ يُوَارِي سَوْاٰتِكُمْ جو تمہارے ستروں کو ڈھانپے۔

فائدہ: باوجودیکہ ستر ڈھانپنے کا کپڑا بھی موجود ہو تب بھی کوئی اس سے ستر نہ کرے تو قبیح ترین عمل ہے۔

فائدہ: جیسے شیطان گمراہ کرتا ہے تو اس کی یہی حالت ہوتی ہے جیسے آدم وحوا علیہما السلام سے گیا جیسے ان کا

وَرِيْشًا یہ اس قبیل سے ہے کہ جس کا موصوف محذوف کر کے اس کی صفت اس کے قائم مقام کھڑی کر دی جائے یعنی دراصل لباس ریشا تھا ای ذات ریش وزینة تجملون بہ۔ یعنی ایسا لباس جو پروں وزینت والا ہے جس سے تم سنگتے ہو۔ زینت کو ریش سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ جیسے پرندے کے لئے پر زینت ہیں ایسے ہی لباس انسان کے لئے بناؤ سنگار ہے۔ ہم نے تمہارے اُوپر دو لباس نازل کئے ہیں ایک وہ جو تمہارے لئے ستر عورت کرے دوسرا وہ جو تمہاری زینت بنے۔ اس لئے کہ لباس سے اصلی غرض زینت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے لتركبوها وزينة۔

فائدہ: حسین کاشفی نے فرمایا کہ "زاہد کی یہی تعبیر ہے کہ وہ لباس روئی وغیرہ کا پہنے۔ اور ریش ابریشم و کتان ریشم وغیرہ سے ہوتا ہے۔ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى اور اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیہ کا لباس۔ یہ مبتدا ہے اور ذٰلِكَ خَيْرٌ خبر ہے وہ اچھا ہے۔ تقویٰ کو لباس سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے لباس انسان کو چھپاتا ہے اور حفاظت کرتا ہے۔ ایسے ہی تقویٰ انسان کو ضرر رساں چیزوں سے بچاتا ہے۔

فوائد: فائدہ: قتادہ وسدی تقویٰ سے عمل صالح مراد ہے اس لئے کہ عمل صالح ہی بندے کو عذاب سے بچاتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ تقویٰ کا لباس اس ظاہری لباس سے بہتر ہے اس لئے کہ فاسق کتنا ہی اچھا لباس پہنے تو صرف ظاہری ستر ڈھانپنے کا ہے ؎

انی کانی اری من لاحیا لہ
ولا امانۃ وسط القوم عریانا

ترجمہ: میں حیاء وامانت کے عاری کو قوم کے اندر ننگا دیکھتا ہوں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

قلندراں حقیقت بہ نیم جو نخرند
قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ،

فائدہ، تفسیر فارسی میں ہے۔ وہ لباس جو تقوٰی کے طور متواضعانہ منکسرانہ لباس پہنتے ہیں جیسے اُونی اور موٹا کپڑا وغیرہ ایسا لباس عبادت کے وقت اللہ والے پہن کر یادِ خدا میں گزارتے ہیں۔ وہ زرق برق اور نرم و نازک لباس متکبرانہ طور نہیں پہنتے۔

حدیث شریف، جس کا نرم و نازک لباس ہو تو اس کا دین بھی ضعیف ہے۔

فائدہ: مروی ہے کہ اُون کا لباس سب سے پہلے حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے پہنا۔ جب کہ بہشت سے نکالے گئے۔ عزت و احترام کا لباس اُتر گیا اس سے اُتار لیا گیا۔ (ہم شیطان کے شر سے پناہ مانگتے ہیں)

فائدہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُون کا لباس پہنتے اور درخت کے پتے کھاتے تھے جہاں شام ہوتی وہیں قیام پذیر ہو جاتے۔

فائدہ: اون اور بالوں کے کپڑے پہننا تواضع کی علامت نہیں البتہ مسکینوں درویشوں سے شباہت مزورا ہے

سبق: دانا وہ ہے جو نیک بخت لوگوں کی سیرت کو اپنانے کی جد و جہد کرتا ہے۔ صائب نے فرمایا ؎

جمعے کہ پشتِ گرم بعشق نیند
نازِ سمور و منت سنجاب میکشند

ترجمہ، وہ لوگ جن کی پشت عشق سے گرم نہیں وہی سمور کا ناز اور سنجاب کی منت اٹھاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

انسان کا ہر جُز ایک لباس ہے اور ہر جز اپنے ظاہری باطنی ستر کو ڈھانپتا ہے پس شریعت کا لباس احکام شریعت ظاہرہ سے افعال قبیحہ کو ڈھانپتا ہے اور باطن میں آداب طریقت سے صفات ذمیمہ نفسانیہ حیوانیہ کا ستر ڈھانپا جاتا ہے تقویٰ قلب کا لباس ہے اسی طرح رُوح اور سر اور خفی کا لباس بھی یہی تقویٰ ہے لیکن ان چاروں کے لباس تقویٰ سے مختلف اطوار ہیں قلب کے لئے تقویٰ کا لباس یہ ہے کہ بندہ طلب میں صداقت کر کے طمع دنیا و مافیہا کے ستر کو ڈھانپے اور روح کا لباس یہ ہے کہ محبت حق سے بغیر مولا کے تعلق کے ستر کو ڈھانپے اور سر کا لباس یہ ہے کہ شہود انواع لقاء سے مولیٰ کے دیدار کے ستر کو ڈھانپے اور خفی کا لباس ہویتِ حق کی بقاء سے ہویت خلق کے ستر کو ڈھانپے یعنی تعینات مضمحل اور لاشے ہو جائیں۔ موجودات سے پندار

حجابات ہٹا کر سرلین الملک کے ساتھ وحدت واحد کے دریچے کو جانکے سے

۱۔ ملک ملک اوست او خود مالکست

غیر ذاتش کل شئ ہالکست

۲۔ کل شئ ما خلا اللہ باطل

ان فضل اللہ غیم ہاطل

۳۔ ہالک آمد پیش وجہش ہست نیست

ہستی اندر نیستی خود طرفہ ایست

ترجمہ ۱: تمام ملک اسی کی ملک ہے وہی سب کا مالک ہے اس کی ذات کے سوا باقی سب فانی ہیں۔

۲: ہر شئے اللہ کے سوا باطل ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل برسنے والا بادل ہے۔

۳: یہ سب فانی ہیں اس کی وجہ وہی ہے کہ اس کی حقیقت نیست ہے عجیب بات ہے کہ نیستی ہستی کے رنگ میں کیونکر آئی۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ لباس کو نازل کرنا مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے آیات سے ہے جو اس کے فضل اور رحمت پر دلالت کرتی ہیں۔ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ تاکہ نصیحت حاصل کریں اس کی نعمتوں کو پہچانیں کہ پتوں کے پیٹنے کے بجائے لباس سے نوازا یا معنیٰ یہ ہے کہ نصیحت حاصل کر کے قبائح عورۃ کی طرح جمیع قبائح سے بچیں۔

تفسیر صوفیانہ اسرار محمدیہ میں ہے کہ تمام جہان ارواح سے پُر ہے۔ گھر کی کوئی جگہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں روح نہ ہو اسے خدا جانتا ہے کیوں کہ وہ اپنے لشکروں کو آپ جانتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ہی)

فائدہ: حجۃ الاسلام نے اپنی کتاب معراج السالکین میں لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے تنہائی میں ننگے ہونے سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ننگے ہو کر زن و شوہر جماع نہ کریں۔

فائدہ: حضرت حسن و حسین اور عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پانی میں داخل ہوتے تب بھی سلوار پہن کر تشریف لے جاتے اور فرماتے کہ پانی کے اندر مکینوں سے بھی حیاء آتا ہے۔

حکایت حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک جماعت کو غسل خانے میں ننگے نہاتے دیکھا تو میں نے حدیث پاک کو مدنظر رکھ کر غسل خانے میں ننگے نہانے سے احتراز کیا۔ وہ حدیث پاک یہ ہے جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ حمام میں چادر پہنے بغیر داخل نہ ہو۔ اس ارشاد پر میں نے ننگے ہو کر غسل نہ کیا تو اسی رات میں نے کسی کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھے فرما رہا ہے تمہیں مبارک ہو اے احمد بن حنبل۔

تجھے اللہ تعالیٰ نے سُنت پر عمل کرنے کی وجہ سے بخش دیا۔ میں نے اس سے پوچھا تو کون ہے انہوں نے فرمایا۔ میں جبریل علیہ السلام ہوں اور تمہیں خوشخبری سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا کا امام بنائے گا۔ تمام مخلوق آپ کی اقتدا کرے گی

مسئلہ: لباس پہننے میں ستر عورت کی نیت کرے اور اُن سے عیوب کو چھپانے کے لئے کہ جن کا ڈھانپنا ضروری ہے اور اہل اسلام کی نظروں میں محبت رکھنے کے لئے اور نہ حظ نفس کے لئے۔ اس لئے کہ ایسا لباس تصفیہ قلب اور عقل کو جلا بخشتا ہے اور عقل کی تمام کدورتیں دُھل جاتی ہیں۔ ایسی نیت کرنے سے نفس کی تمام اُمنگیں مٹ جاتی ہیں اور وہ اپنے حظ کو ملیا میٹ سمجھتا ہے پھر ایسی نیت سے ثواب بھی ملتا ہے یہی فرق ہے انسان اور حیوان میں کہ انسان کا ہر عمل نیک نیتی سے ہوتا ہے اور حیوان کی سرے سے نیت ہی نہیں (اور جس انسان کی حالت حیوان سی ہو اُسے صُورتاً انسان کہا جاتا ہے لیکن حقیقی انسان کہلانے کا ہرگز مستحق نہیں۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ اپنے عزم کو اتنا بلند کرے کہ اس کے دل میں سوائے حق کے کسی کا گذر تک نہ ہو

تفسیر عالمانہ ۲۷ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ اے بنی آدم تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے یعنی تمہیں فتنہ و محنت میں نہ واقع کر دے بایں طور کہ وہ تمہیں گمراہ کر کے بہشت میں داخل ہونے سے روکے گا۔ کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ جیسے اُس نے تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اصل عبارت یوں ہے۔ لَا یفتننکم فتنۃ مثل فتنۃ اخراج آدم وحواء من الجنۃ اس لئے کہ جب وہ آدم و حوا کے ساتھ مکر کر کے گمراہ کرنے پر قدرت پا گیا تو وہ ان کی اولاد کو گمراہ کرنے پر بطریق اولیٰ قدرت رکھتا ہے۔ اس لئے تمہارے لئے واجب ہے کہ تم اس کے وسوسے سے احتراز کرو۔ اس میں نہی شیطان کی طرف منسوب ہے لیکن مراد عوام ہیں اس لئے کہ انہیں شیطان کی اتباع اور اس کے فتنہ ڈالنے سے روکنا مطلوب ہے۔ یہ عبارت لا تقبلوا فتنۃ الشیطان سے زیادہ بلیغ ہے۔ یَنْزِعُ عَنْھُمَا لِبَاسَھُمَا یہ مِنْ اَبَوَیْکُمْ سے حال ہے۔ یعنی درانحالیکہ وہ شیطان اُن کے لباس اُتارتا تھا۔

اعجوبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کا لباس ناخن کی طرح تھا یعنی ناخن کے مشابہ تھا۔ یعنی ان کے جسم پر وہ لباس ناخن کی طرح پیدائشی تھا۔

سوال: شیطان کی طرف لباس اُتارنے کا کیا معنی۔ اس لئے کہ اُس نے ان کا لباس نہیں اُتارا تھا بلکہ حکم خداوندی سے ملائکہ نے اُتارا تھا۔

جواب: چونکہ لباس اُترنے کا سبب شیطان ہوا اس لئے لباس اتارنے کی نسبت اس کی طرف کی گئی۔ لِیُرِیَھُمَا سَوْاٰتِھِمَا۔ تاکہ انہیں ان کا ستر دکھائے اس لئے کہ اس سے پہلے نہ انہوں نے اپنا ستر دیکھا تھا نہ کسی

آدم علیہ السلام کی کہانی مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام طویل القامت تھے ایسے معلوم ہوتے تھے گویا ایک کھجور کا درخت ہے اور آپ کثیر بالوں والے تھے۔ جب آپ سے خطا ظاہری سرزد ہوئی تو آپ کا ستر کھل گیا۔ آپ نے ستر دیکھا تو فوراً بہشت کی طرف دوڑے۔ آگے آپ کو ایک درخت نے اپنے پتوں سے گھیر لیا اور آگے نہ جانے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم مجھ سے بھاگ کر کہاں جاتے ہو۔ آدم علیہ السلام نے عرض کی اے مولا کریم مجھے آپ سے بھاگنے کا ارادہ نہیں بلکہ ستر کھلنے سے حیا دامنگیر ہوا۔ اِنَّهٗ بے شک شان یہ ہے کہ شیطان و يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ تمہیں وہ اور اس کا قبیلہ یعنی شیطان کا لشکر اور اس کی اولاد بھی دیکھتی ہے۔ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ یہ من ابتدائیہ ہے جو رویت کی غایت کے لئے ہے اور حیث رویت کی نفی کا ظرف مکان ہے یعنی تمہیں شیطان اور اس کی اولاد اس لئے نہیں نظر آتی کہ ان کے اجسام نہایت باریک اور لطیف ہیں اور چونکہ تمہارے اجسام کثیف ہیں اس لئے وہ تمہیں دیکھتے ہیں۔ جس کا دشمن چھپا ہوا ہو وہ بہت زیادہ خطرناک ہوتا ہے بنا بریں تمہیں ان سے زیادہ خوف رکھنا چاہیے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۰۱ از نبی برخواں کہ دیو و قوم او
می برند از حال انسی خفیہ بو

۰۲ از رہے کہ انس ازاں آگاہ نیست
زانکہ محسوس وزیں اشباہ نیست

۰۳ مسلکے دارند از دیدہ دروں
ما ز دز دیہائے ایشاں سرنگوں

۰۴ دمبدم خبط و زیانے مے کنند
صاحب نقب و شگاف زور مند

ترجمہ ۰۱ نبی علیہ السلام سے پڑھ کہ شیطان اور اس کی قوم انسان کے حالات پوشیدہ طور پر جانتے ہیں۔
۰۲ اس راہ سے کہ انسان بے خبر ہے، اس لئے کہ وہ محسوس صورتوں سے تو نہیں ہیں۔
۰۳ وہ راستہ ایسا رکھتے ہیں جو آنکھوں کے اندر ہے یعنی مخفی ہے۔ ہم ان کی چوری سے پریشان ہیں۔
۰۴ ہر گھڑی پریشان اور ہمارا نقصان کرتے ہیں یہ صاحب نقب اور طاقتور ہیں۔

فائدہ ہمارا شیاطین کو نہ دیکھنا اس صورت میں ہے جب کہ وہ اپنی اصلی شکلوں میں ہوں ورنہ اگر وہ متمثل

ہو کر دوسری شکلیں اختیار کر کے نظر آجائیں تو یہ ناممکن نہیں۔ مثلاً ہوا کتنی لطیف ہے جب اپنی صورت میں ہتی ہے تو ہمیں نظر نہیں آتی۔ لیکن جب وہ غبار کی صورت اختیار کرے تو اُسے ہم دیکھ لیتے ہیں۔

فائدہ: بعض لوگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے جنات کو اپنی اصلی صورت میں کھلم کھلا دیکھا علاوہ ازیں آکام المرجان فی احکام الجان" میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اُن کے اجسام کو ظاہر فرمائے اور ہماری آنکھوں کو روشن تر بنا دے تو ان کو دیکھ لیں گے۔ نیز لوں بھی ہے کہ وہ ان کے اجسام کثیف ہو جائیں تب بھی ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں جیسے کہ ہوا اپنی لطافت پر رہے تو ہمیں نظر نہیں آتی لیکن جب وہ کثیف ہو کر غبار بن جائے تو ہم اسے دیکھ لیتے ہیں۔

فائدہ: جنات کا ہمارے اجسام میں داخل ہونا ناممکن نہیں جیسے ہوا اور ہماری اپنی سانس ہمارے اجسام میں سرایت کر جاتے ہیں یعنی ہماری روح ہمارے اجسام میں ہر وقت اِدھر اُدھر پھر رہی ہے جیسے یہ ممکن ہے تو وہ بھی ایک لطیف اجسام ہیں تو اُن کا داخل ہونا بھی ممکن ہے۔

حدیث شریف: شیطان آدم میں خون کی طرح پھرتا ہے

انسان سے جنات کے نکالنے کا طریقہ: اگر کسی کے اندر جن گھس جاتا ہے تو اس کو جن سے جان چھڑانے اور شیطان کے بھگانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس انسان کے پاؤں پر ایک مضبوط ڈنڈا تین یا چار سو بار یا اس سے کم و بیش زور سے مارا جائے تو یہ مار جن پر پڑے گی جس پر جن کا حملہ ہے اسے محسوس تک نہ ہو گا۔ ورنہ اگر یہی مار انسان پر پڑتی تو کبھی وہ بچ کر نہ نکلتا فوراً مر جاتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن انسان کے اندر گھس جاتا ہے۔

- **فائدہ:** جن پتھروں کے اندر بھی شگاف کئے بغیر گھس جاتے ہیں جب کہ اس پتھر میں پہلے سوراخ ہوں۔ جیسے اس سوراخ دار پتھر میں ہوا داخل ہو جاتی ہے

سوال: اگر یہ عقیدہ مان لیا جائے کہ جن انسان کے اندر گھس جاتا ہے تو دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔

(۱) تداخل الاجسام یعنی ایک جسم کا دوسرے میں داخل ہونا اور یہ اسلامی نظریہ کے خلاف ہے

(۲) جن ناری جسم ہے اگر اس کا انسان میں داخل ہونا مانا جائے تو اس کا جل جانا ماننا پڑے گا۔ حالانکہ وہ جلتا نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن انسان میں داخل نہیں ہو سکتا۔

جواب: یہ قاعدہ ہے کہ جسم لطیف جسم کثیف کے سوراخوں کے اندر داخل ہو جاتا ہے جیسے ہوا تمام اجسام میں داخل ہو جاتی ہے اس سے کسی نے نہیں کہا کہ ایک چیز میں متعدد جواہر کا اجتماع ہو گیا۔ یہ اس لئے کہ ان کا اجتماع علیٰ طریق المجاورۃ نہیں نہ ہی علیٰ سبیل الحلول ہے ان کا ہمارے اجسام میں داخل ہونا ایسے ہے جیسے برتن سوراخ دار میں ہوا

کا داخل ہونا ہوتا ہے۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جن نار محرقہ (جلانے والی نہیں۔ بلکہ ان کی نار سے تخلیق ہے جیسے آدم کی تخلیق مٹی سے ہے بھیشہ کسی شے کے غلبہ کی وجہ سے اس کی طرف منسوب ہوتی ہے ایسے ہی یہاں سے کہ جن نار کے عنصر کا غلبہ ہے اس لئے اس کی طرف وہ منسوب ہے۔

تفسیر صوفیانہ بحر الحقائق میں مذکور ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ وہ تمہیں اس حیثیت بشریت سے دیکھتے ہیں کہ وہ اصل میں صفات حیوانیہ کا منشا ہے اور تم انہی صفات حیوانیہ کی وجہ سے ان سے محجوب ہو کر انہیں نہیں دیکھ سکتے ہو اور حیثیت روحانیت کو اس میں دخل نہیں۔ کیوں کہ وہ تو علوم اسماء و معرفت سے عبارت ہے جو نابع ہیں تمہارے اس مقام کو نہیں دیکھ سکتے بلکہ تم انہیں اس نظر روحانی بلکہ نظر ربانی سے دیکھتے ہو۔ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ نہ دیکھنے کی علت ہے کہ وہ تمہارا ایسا سخت دشمن ہے کہ تمہارا اس کے ضرر سے بچنا مشکل ہے اس لئے کہ جو دشمن ہمیں دیکھ سکتا ہو اور ہم اُسے نہ دیکھ سکیں تو اس کے شر سے بچنا نہایت ہی محال ہوتا ہے۔ ہاں جسے اللہ تعالیٰ کا فضل حمایت کرے وہ ہر طرح سے اس کے شر اور ضرر سے محفوظ ہوتا ہے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ ہر وقت ایسے دشمن شیطان سے ڈرتا رہے۔

سوال: جسے ہم دیکھ بھی نہیں سکتے پھر ہم اس سے جنگ کیسے کریں اور اس سے بچ بھی کس طرح سکتے ہیں اور ہمیں اس کا حکم بھی دیا جا رہا ہے یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

جواب: ہمیں ان کی ذات سے لڑائی اور بچنے کا حکم نہیں بلکہ اُن کے وسوسے کو دور کرنے اور اس کے شر کو قبول نہ کرنے کا حکم ہے کہ جس وقت وہ ہمارے دلوں میں اس طرح کے وسوسے ڈالے تو ہم انکار کر دیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آکر اس کے شر سے بچیں۔

نکتہ: سیدنا ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ وہ ہمیں دیکھتا ہے اور ہم اُسے نہیں دیکھ سکتے لیکن ہمارا رب تو اُسے دیکھتا ہے اور وہ رب تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ پھر ہم اپنے رب کریم سے استمداد کر کے شیطان کے شر اور مکر سے بچنے کی کوشش کریں اس لئے کہ اس کا مکر اور شر اللہ تعالیٰ کے سامنے بیکار ہے اور نہایت کمزور ہے۔ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بے شک ہم شیطانوں کو ان کا یار بنایا ہے جو بے ایمان ہیں کہ اُن کے مابین خذلان و غوایت (گمراہی) کی مناسبت پیدا کر دی۔ جس سے وہ ایک دوسرے کے دوست ہو کر بے ایمان لوگ اُن کی گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اولیاء ولی کی جمع ہے بمعنی پکا دوست اس معنی پر ولی عدو کی نقیض ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے "تولاہ" فلاں نے فلاں کو پکا اور گہرا دوست بنالیا ہے۔

شیطان حضور علیہ السلام کی خدمت میں

حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان ابلیس سے کہا کہ میرے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں سوالات کا جواب دے۔ شیطان حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک بوڑھے کی شکل میں ایک گٹھڑی لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے۔ عرض کی ابلیس ہوں۔ آپ نے فرمایا میرے ہاں کیوں آیا۔ عرض کی مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضری دوں اور جن باتوں کا آپ مجھ سے سوال کریں میں اُن کا جواب دوں۔ آپ نے اس سے ایک سوال کیا جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

ابلیس لعین کے پندرہ۱۵ دشمن اور دس۱۰ دوست

حضور علیہ السلام نے فرمایا میری امت میں تیرے کتنے دشمن ہیں۔ شیطان نے کہا پندرہ۔

(۱) آپ میرے سب سے بڑے دشمن ہیں (۲) امام عادل (۳) غنی متواضع (۴) سچا تاجر (۵) خدا ترس عالم دین۔ (۶) مومن دین کا جان نثار (۷) مومن رحیم القلب (۸) توبہ کرکے اس پر مضبوط ہونے والا (۹) حرام سے بچنے والا۔ (۱۰) وضو پر مداومت کرنے والا (۱۱) مومن بہت زیادہ صدقہ وخیرات دینے والا (۱۲) حُسنِ خلق (۱۳) لوگوں کو نفع پہنچانے والا (۱۴) قرآن کا حافظ پھر اس کی تلاوت پر مداومت کرنے والا۔ (۱۵) رات کو اُٹھ کر عبادت کرنے والا جب کہ دوسرے لوگ نیند کر رہے ہوں۔

ابلیس کے دس۱۰ دوست

پھر حضور علیہ السلام نے شیطان ملعون سے پوچھا کہ تیرے دوست کتنے ہیں۔ اُس نے کہا کہ (۱) سلطان ظالم (۲) غنی متکبر (۳) تاجر خائن (۴) شرابی (۵) چغلخور (۶) سود خوار (۷) یتیم کا مال کھانے والا (۹) مانع زکوٰۃ (۱۰) ریا کار (۱۰) بڑی بڑی آرزو دل میں لانے والا۔

فائدہ: مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ اس کے دوست نہ صرف کفار و مشرکین ہیں بلکہ اہلِ ایمان کے اشقیٰ میں سے بھی بعض اُس کے دوست ہیں (نسأل اللہ العنایۃ والتوفیق)

حکایت: منقول ہے کہ ابلیس ملعون نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے ہاں حاضر ہو کر عرض کی کہ میں آپ کو کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا مجھے تیری نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہاں بنو آدم کے متعلق کوئی باتیں سنانی ہیں تو سُنائیے۔ اُس نے کہا بنو آدم ہمارے نزدیک تین قسم ہیں۔ (۱) یہی ہمارے لئے سخت پریشان کن ہیں ہم جتنا ہی ان کے بہکانے کی تدبیریں بناتے ہیں وہ تمام رائیگاں جاتی ہیں۔ وہ لوگ استغفار پڑھنے والے ہیں کہ ہم جب انہیں بہکانے کا پروگرام بناتے ہیں تو وہ استغفار پڑھ کر ہمیں بھگا دیتے ہیں لیکن ہم بھی ان کے گمراہ کرنے سے ناامید بھی نہیں ہوتے۔ مگر وہ ہمارے قابو میں نہیں آسکتے۔

(۲) یہ لوگ ہمارے اشارہ پر ہوتے ہیں جیسے بچوں کے ہاتھ میں گیند ہی ہوتے اور ہم اُن کے۔ یعنی وہ لوگ گناہوں میں ہر وقت لگے رہتے ہیں۔

(۳) آپ جیسے معصوم حضرات پر ہمارا کسی قسم کا بس نہیں چل سکتا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ساتھ تو نے کبھی کوئی ایسا معاملہ کیا ہے کہ جسے تو اپنی کامیابی سمجھتا ہو۔ اس نے کہا آپکی زندگی میں مجھے آپ پر صرف ایک بار حملہ کرنے کا موقع ملا۔ یحییٰ علیہ السلام نے کہا وہ کب اور کیسے۔ شیطان نے کہا ایک دفعہ آپ کو طعام کی خواہش ہوئی اور آپ نے باوجودیکہ اپنی طبیعت کو روکا۔ لیکن آپ نہ رُک سکے اور خوب پیٹ بھر کر کھایا اس سے مجھے موقع مل گیا تو آپ کو رات کو سُلا دیا۔ آپ رات کی عبادت معمول کے مطابق نہ کر سکے یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اب کے بعد میں کبھی سیر ہو کر طعام نہیں کھاؤں گا۔ شیطان نے کہا آئندہ میں بھی کبھی کسی کو اپنا راز نہیں بتاؤنگا۔

حکایت: حضرت یحییٰ علیہ السلام سے ایک دفعہ شیطان ابلیس کی اصلی شکل میں ملاقات ہوئی تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تیرے محبوب ترین کون لوگ ہیں اور مبغوض ترین کون۔ شیطان نے کہا ہمیں محبوب ترین وہ مومن ہیں جو بخیل ہو اور مبغوض ترین وہ فاسق ہے جو سخی ہو۔ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ کیسے؟ ابلیس نے کہا وہ اس لئے کہ بخیل کو میرے بخل سے فرصت ملا اور فاسق سخی کی سخاوت سے مجھے خطرہ رہتا ہے کہ اس کی سخاوت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دے یہ کہہ کر چل پڑا اور کہہ رہا تھا کہ اگر آپ یحییٰ علیہ السلام نہ ہوتے تو میں آپ کو یہ راز نہ بتاتا۔ (کذا فی احکام المرجان فی احکام الجان)

۲۸ ۵ وَاِذَا فَعَلُوْا اور جب کرتے ہیں (کفار قریش، مکہ) **فَاحِشَةً** کسی برائی کو۔ یعنی ایسا فعل جو برائی کی انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ جیسے بُت پرستی اور ننگا ہو کر طواف کرنا جیسے قریش مکہ ننگے ہو کر طواف کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ جنہیں مذکورہ بالا برائیوں سے رُوکا گیا تو وہ نصیحت گروں کو جواب دیتے گویا وہ انہی افعال قبیحہ کے اچھے ہونے پر حجت کے طور کہتے کہ ان میں قباحت کیسی جب کہ وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا۔ ہم نے ایسے ہی اپنے آباء کو پایا علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ پر افتراء کر کے کہتے کہ (معاذ اللہ) ان کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے چنانچہ کہا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا اور ان کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔

سوال: ان کی دو حجتیں ہیں (۱) تقلید الآباء (۲) "امرالٰہی" اللہ تعالیٰ نے ان کی امرالٰہی کی حجت کی تو تردید فرمائی۔ لیکن تقلید الآباء کی کوئی تردید نہیں فرمائی۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: تقلید الآباء درحقیقت ایسی دلیل نہیں جسے صحت فعل پہ حجت قائم بنایا جا سکے بالخصوص ایسے فعل کے لئے جس کے بطلان پر دیگر دلائل قاطعہ موجود ہوں گویا تقلید الآباء کی حجت ایسی ظاہر البطلان ہے کہ جس کی تردید کی ضرورت ہی نہیں اور دوسری دلیل بھی ان کی ایسی ہی ہے لیکن چونکہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا ان کا افتراء

ہے۔ بنابریں ان کی تردید میں فرمایا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ فرمایئے اللہ تعالیٰ برائی کا حکم نہیں فرماتا اس لئے کہ اس کی عادت کریمہ ہے کہ وہ صرف محاسن افعال کا حکم فرماتا ہے اور مکارم خصال کی ترغیب دیتا ہے۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ کیا اللہ تعالیٰ پر ایسی باتوں کا افتراء کرتے ہو جن کا تمہیں خود بھی علم نہیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے یا نہ اس لئے کہ علم کا حصول یا تو ابتداءً اللہ تعالیٰ سے ہو یعنی کسی نبی علیہ السلام کے واسطے کے بغیر کہ اسے کسی نبی علیہ السلام سے تبلیغ کے طور معلوم نہ ہوا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست علم ہو اور وہ اس کے منکر تھے کہ انہیں نبی علیہ السلام نے بتایا ہے اس لئے کہ وہ تو ہر نبی علیہ السلام کی نبوت کے منکر تھے دوسرا طریقہ علم کے حصول کا انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے ہوتا ہے اور وہ علی الاطلاق انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ احکام الٰہی کے حصول کا ان کے ہاں کوئی طریقہ ہی نہیں تھا۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ جو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ ان کی یہ بات ایسی کہ جسے وہ خود بھی نہیں جانتے۔ اَتَقُوْلُوْنَ اُن کے مامور بہ کے قول کا تمتہ ہے اور یہ ہمزہ انکار کے لئے ہے کہ جو کچھ تم کہتے ہو اس کا کوئی وجود ہی نہیں اور تمہارا دعویٰ طرز قبیح ہے

تفسیر صوفیانہ آیت ہذا میں اشارہ ہے کہ فاحشہ سے دنیا اور طلب دنیا اور اس کے جمع کرنے کی حرص مراد ہے اس لئے کہ تمام فواحش کا سرچشمہ حُبِ دنیا ہے جو کہ ہر برائی کی جڑ اور سردار ہے اب آیت کا معنٰی یوں ہوا کہ جب اہلِ غفلت طلبِ دنیا اور اس کی زینت اور اس سے متمتع ہونے میں شیطان کے اکسانے اور اس کی تدبیریں بتانے اور اس کی زینت کے ابھارنے سے واقع ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے داعی نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور فرمایا دنیا اور اس کی طلب کو چھوڑ دو تو انہوں نے اُس کے جواب میں کہا کہ ہم نے اپنے آباء کو بھی حبِ دنیا اور اس کی شہوات میں پایا۔ پھر ہم اُن کی تقلید کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں علاوہ ازیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے کسب حلال کی طلب کا حکم بھی دیا ہے۔ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ فحشاء یعنی حبِ دنیا اور اس کے جمع کرنے کے حرص کا نہیں بلکہ اس نے تو بقدر ضرورت کسب حلال کا حکم فرمایا کہ جس سے تمہارے بدن کا قوام صحیح رہ سکے اور بقدر ضرورت ضرورت لباس مہیا کر سکو تاکہ حقوق عبادت میں تساہل و تکاہل نہ ہو۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کیا تم اللہ تعالیٰ پر ایسے امور کا افتراء کرتے ہو جن کے آفات کو تم نہیں جانتے اور نہ ہی تم ان کے عاقبت کے وبال کو جانتے ہو اور یہ بھی تمہیں معلوم نہیں کہ یہ بھی منجملہ شیطان کے فتنوں سے اور اس کی تزیین واغواء سے ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ) مثنوی شریف میں ہے ؎

این جہان جیفہ است و مردار رخیص
بر چنیں مردار چوں باشم حریص

ترجمہ: یہ جہان مردار اور نہایت ہی بدبودار مردار ہے تو ہم ایسے مردار کے لئے کیسے حریص بن سکتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اَمَرَ رَبِّی بِالْقِسْطِ۔ (فرمائیے اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ میرے رب تعالیٰ نے عدل و انصاف کا حکم فرمایا ہے (ربط) جس امر کی غلط نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اس کی نفی کے بعد اب مامور بہ کا بیان فرمایا۔ القسط یعنی عدل ہر وہ درمیانہ امر جو افراط و تفریط سے خالی ہو۔ حدیث شریف میں ہے خَیْرُ الامور اوسطھا۔ امور میں وہ امر بہتر ہوتا ہے جو اوسط ہو سہ

تَوَسَّطْ إِذَا مَاشِئْتَ امرا فانہ

کلا طرفی تقصد الامور ذمیم

ترجمہ۔ جب تم کسی کام کو کرنا چاہتے ہو تو امور کے درمیانہ کام کو اختیار کرو۔ اس لئے کوشش کے درمیان کی ہر دونوں طرفیں مذموم ہوتی ہیں۔

وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَکُمْ اس کا امر مقدر ہے۔ یعنی قل محذوف ہے۔

سوال: تم نے فعل قل کو مقدر کو کیوں مانا ہے۔

جواب: تاکہ جملہ خبریہ پر جملہ انشائیہ کا عطف ڈالا جائے اب معنیٰ یوں ہوا کہ فرمائیے اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کیجئے حالانکہ تم سیدھے یعنی خلوصِ قلب سے عبادت کرو۔ عبادت سے منہ نہ موڑو۔ یا یہ معنی ہے کہ تم اپنے چہرے قبلہ کی طرف متوجہ رکھو۔ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ نزدیک یا ہر نماز کے سجدے کے وقت اس سے ظرفِ زمان مراد ہے یا ظرفِ مکان یعنی سجدہ کے وقت یا سجدہ کے مکان میں اور مسجد سے سجدہ نماز مراد ہے۔ جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے۔

مسئلہ: کلبی نے فرمایا کہ جب نماز کا وقت ہو جائے اور اس وقت تم مسجد میں ہو تو تم نماز پڑھو یہ نہ کہو کہ ہم اپنی مسجد میں جا کر نماز پڑھیں گے۔

مسئلہ: اگر مسجد میں نہ ہو اور نماز کا وقت ہو جائے تو جونسی مسجد مل جائے اس میں نماز پڑھ لو۔

مسئلہ: نماز کی ادائیگی محلہ کی مسجد میں جامع مسجد سے افضل ہے۔ بشرطیکہ مسجد محلہ میں نماز پڑھانے والا (مفتی) عالم دین ہو۔

مسئلہ: کاروباری لوگ اور دکانداروں کے لئے اس علاقہ کی مسجد محلہ کہلائے گی۔

مسئلہ: حدادی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے فرضی نماز کو باجماعت ادا کرنے کا وجوب ثابت ہوا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز کی اذان سُنی اور وہ بلا عذر نماز کے لئے حاضر نہ ہوا تو اس کی نماز کامل نہ ہوئی۔

مسئلہ: اکیلی نماز سے باجماعت نماز کا ستائیس درجے زائد ثواب ہے۔

نکتہ: ایک نماز باجماعت ادا کرنے سے دن رات کی نمازوں کا ثواب مل جاتا ہے اس لئے کہ دن اور رات کی جملہ فرضی نمازیں سترہ اور سنتیں دس رکعتیں ہیں اُن کا مجموعہ ستائیس ہوتا ہے۔

مسئلہ: فرائض وتراویح کو مسجد میں باجماعت ادا کرنا انہیں گھر پہ ادا کرنے سے افضل ہے کذا فی العطار

نکتہ: اس لئے کہ مسجد میں نماز ادا کرنا شعائر اسلام سے ہے۔ جیسے گھر پہ اکیلے نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت گھر پہ باجماعت نماز پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے۔ وَادْعُوْهُ۔ اور اللہ تعالیٰ کو پکارو یعنی عبادت کرو۔

قاعدہ دعا بمعنی عبادۃ اطلاق الخاص علی العام کے قبیل سے ہے[1] اس لئے دُعا بھی ایک عبادۃ ہے۔ اس لیئے کہ دُعا کے وقت فقیری ومسکینی کا اظہار ہوتا ہے اور عبادۃ بھی اس اظہار فقر وفقر اور مسکینی کو کہتے ہیں بلکہ دُعا کا جوہر یہ خضوع وخشوع ہے[2] مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ط اس لئے دین یعنی اطاعت کو اخلاص کے ساتھ ادا کرنے والے ہوکر۔ اس لئے کہ تم سب کا رجوع آخرت کی طرف ہے ؎

فردا کہ پیش گاہِ حقیقت شود پدید
شرمندہ رہروئے کہ عمل بر مجاز کرد

ترجمہ: کل قیامت میں حقیقت کے سامنے شرمسار ہوگا وہ راہرو جس نے مجاز کے مطابق عمل کیا ہوگا۔

کَمَا بَدَاَكُمْ: جیسے تمہاری ابتداء کی ہے یعنی تمہیں ابتداءً پیدا فرمایا تَعُوْدُوْنَ ۝ تم اسی کے بولانے پر اسی کی طرف لوٹوگے۔ پھر وہ تمہارے اعمال کی تمہیں جزا دے گا اور کاف محل نصب میں ہے اور وہ مصدر محذوف کی صفت ہے اصل عبارت یوں تھی۔ تَعُوْدُوْنَ عُوْدًا مِثْلَ مَا بَدَاَكُمْ اور بداء ہمزہ کے ساتھ بمعنی انشاء واختراع۔

سوال: انشاء (پیدا کرنے) کو بداً سے کیوں تعبیر کیا ہے۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ یہ فعل ممکن اور اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے یعنی اپنے لوٹنے کو اپنی پہلی پیدائش پر قیاس کرکے قیامت میں لوٹنے کا انکار نہ کرو اس لئے کہ جو ذات ابتدائی تخلیق پر قدرت رکھتی ہے اسے لوٹانے کی بھی طاقت وقدرت ہے اسے تمہاری تخلیق سے تمہارا لوٹانا کوئی مشکل نہیں فَرِيْقًا مابعد کی وجہ سے منصوب ہے هَدٰى ایک گروہ کو ہدایت دی بایں طور کہ انہیں ایمان کی ہدایت بخشی وَفَرِيْقًا مقدر کی وجہ سے منصوب ہے پھر معنوی لحاظ سے فعل مابعد اس فعل مقدر کی تفسیر کرتا ہے اور وہ فعل مقدر کا اصل ہے اب معنی یوں ہوا کہ اصل فریقاً ایک گروہ کو گمراہ کیا۔ حَقَّ عَلَيْهِمُ۔ ان کے لئے لائق ہوگئی۔ الضَّلٰلَةُ گمراہی قضائے سابق

---

[1] لیکن اس قاعدہ سے وہابیوں، دیوبندیوں، مودودیوں وغیرہم کو انکار ہے ۱۲۔ اُویسی غفرلہ،

[2] اس لئے حدیث شریف میں ہے "الدعا مخ العبادۃ (دعا عبادت کا مغز ہے) ۱۲، اُویسی غفرلہ،

پر جو کہ مشیت کے تابع ہے اور اس میں بے انتہا حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۔ بے شک انہوں نے شیطانوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا دوست بنایا۔ یہ ماقبل کی علت ہے یعنی وہ گمراہ اسلئے ہوئے کہ انہوں نے شیطان کو دوست بنایا اور ان کی دعوت کو بلا تامل قبول کر لیا اور حق و باطل کی تمیز نہ کر سکے۔

مسئلہ: اگرچہ ہدایت وگمراہی کی تخلیق اللہ تعالیٰ کرتا ہے لیکن اس وقت جب کہ بندہ ہدایت وگمراہی کے آمادہ ہو کر اس کے حصول کی سعی کرتا ہے۔ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ۔ اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ خطاءً کفر کرنے والا اور ضد میں عمداً کفر کرنے والا ہر دونوں برابر ہیں اس لئے کہ خطاءً کفر کرنے والے کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے کہ اس کا گمان ہے کہ وہ جس دین پہ ہے وہ حق ہے اِس بناء پر گمراہی اس کے دل میں راسخ ہے اس لئے کہ یہ بھی معاند و جاحد کے حکم میں ہے۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دین میں صرف گمان اور خیالی ارادہ بیکار ہے جب تک کہ اس پر یقین اور جزم نہ ہو۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت اُن کے گمان کی وجہ سے کی ہے۔ كَمَا قَالَ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ۔ کیونکہ اگر محض گمان مفید ہوتا تو اللہ تعالیٰ اُن کی مذمت نہ کرتا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ یقین اور تحقیق حاصل کرے محض تقلید اور اصحابِ تحقیق کی تقلید میں گرفتار نہ ہو۔ اس لئے کہ عقائد میں تقلید معتبر نہیں بلکہ مسائل میں تقلید ضروری ہے اس لئے کہ حال و مقام کا مرتبہ عرفان سے معلوم ہوتا ہے۔ صائب نے خوب فرمایا ہے

واقف نمے شوند کہ گم کردہ اند راہ
تا رہرواں بہ رہنمائی نے رسند

ترجمہ: آگاہ نہیں ہوتے کہ وہ راہ گم کر چکے ہیں۔ ایسے گمراہ کہ اب راہ بتلانے والوں سے بھی رہنمائی نہیں لیتے تاکہ منزل تک پہنچ سکیں۔)

تفسیر صوفیانہ تقلید باطل اور شک و ریاء اور حُبِ دنیا و حبِ خلق سب کی سب اللہ تعالیٰ کے ہاں مذموم ہیں اور انہیں کسی قسم کا فائدہ نہیں۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک پہاڑ کے قریب سے گزرا تو دیکھا کہ ایک بندۂ خدا نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے گرداگرد درندے گھوم رہے ہیں۔ گویا اس کا پہرہ دے رہے تھے۔ جب مجھے دیکھا تو وہ درندے بھاگ گئے اور اس بندۂ خدا نے نماز مختصر کر کے مجھے فرمایا

اے ابوالفیض اگر تم طلبِ حق میں خلوص کرو تو یہ درندے بھی تمہارے غلام ہیں اور پہاڑ بھی تیرے حکم کے پابند۔ میں نے کہا۔ خلوصِ قلب کا کیا معنیٰ ۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی غیر کا تصور تک نہ ہو۔ میں نے پوچھا۔ وہ کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس نے فرمایا کہ جب خلق کو دل سے نکال دو۔ جیسے شرک کو دل میں جگہ نہیں ایسے حبِ خلق کو جگہ نہ دو۔ میں نے کہا یہ تو ہمارے لئے مشکل ہے۔ انہوں نے فرمایا عارفین کیلئے یہ معمولی بات ہے۔

سبق : جب عام مخلوق کی دوستی کا یہ حال ہے تو پھر سوچیے کہ شیطان کی دوستی کا کیا حال ہوگا۔ یاد رہے کہ جیسے شیطان سے دوستی اچھی نہیں ایسے ہی شیاطین الانس کی یاری و دوستی بھی نہایت ناموزوں ہے

سبق : سالک کے لئے حُبِ الٰہی ضروری ہے وہ بڑا بدبخت ہے جو اللہ تعالیٰ کی دوستی کا دم بھرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ماسویٰ اللہ کی دوستی کو مِن دُونِ اللہِ سے تعبیر کرکے اس کی مذمت فرمائی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ ہمارے قلوب کو ہدایت کا راہ دکھانے کے بعد ٹیڑھا نہ بنائے بلکہ اپنی محبت کا وافر حصہ نصیب فرمائے اور ہمیں اپنی طاعت و عبادت کا راہ عنایت فرمائے ۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ ۞ یٰبَنِیٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ اے آدم زادو ہر نماز کے وقت اپنی زینت لو۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اگرچہ زینۃ بمعنی ما یتزین بہ ہے یعنی ہر وہ لباس فاخرہ کہ جس سے زینت حاصل کی جائے۔ لیکن یہاں پر بالاتفاق وہ کپڑے مراد ہیں جن سے ستر ڈھانپا جاتا ہے جیسا کہ اس کا شانِ نزول بتاتا ہے۔

شانِ نزول جاہلیت کے دَور میں عرب کے چند قبیلے کعبہ معظمہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے اور کہتے کہ ہم ان کپڑوں سے کیسے طواف کریں جن میں ہم گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اُن کے مَردوں کو اور عورتیں رات کو طواف کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ وہ کپڑے پہن کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور عبادت ننگے ہو کر نہ کریں۔ طواف ہو یا نماز۔ ان کی عادت تھی کہ طواف کے لئے جب حاضر ہوتے تو کپڑے اتار کر کعبہ معظمہ کے باہر رکھ لیتے اور پھر طواف کرتے۔

فائدہ : تفسیر مدارک میں ہے کہ ان کی عادت تھی کہ جب وہ منیٰ میں حاضر ہوتے تو کپڑے اُتار کر سامان میں رکھ دیتے اور پھر ننگے طواف وغیرہ کرتے۔ اگر کسی کے بدن پر کپڑے ہوتے تو اُسے مارتے اور اس کے کپڑے اتار لیتے تھے اور عورتیں رات کے وقت تمام کپڑے اتار لیتی تھیں۔ صرف ایک لنگوٹا زانوؤں تک باندھتی تھیں جس سے وہ اپنا پورے طور سے بھی ڈھانپتی تھیں۔

مسئلہ : یہی آیت اصل ہے اس مسئلہ کی کہ نماز میں سترِ عورت واجب ہے اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ نماز

یا طواف کے وقت اپنے ستر عورت کے لئے کپڑے لے لو۔

مسئلہ: شیخ الاسلام خواہر زادہ نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ نماز یا طواف کے وقت بہترین کپڑے پہننا مستحب ہے اس لئے کہ زینت سے مُراد لباس ہے مسبب بول کر سبب مُراد لیا گیا ہے۔

مسئلہ: خلاصہ یہ کہ نماز میں مطلق اور بہترین لباس پہننا مسنون ہے۔

امام ابوحنیفہ کی کہانی سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز کے لئے ایک مخصوص لباس تیار کرایا تھا وہ لباس یہ تھا۔ (۱) قمیص (۲) عمامہ (۳) چادر (۴) سلوار، اس زمانہ میں ان کی مجموعی قیمت ڈیڑھ ہزار درہم تھی اسے دن رات پہنتے اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کو لباس فاخرہ سے ملنا لوگوں کے ملنے سے اولیٰ ہے۔

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا اگرچہ اندھیری رات ہو تب بھی نماز کے لئے لباس واجب ہے اس لئے کہ ستر عورت صرف حقوق الخلق سے نہیں۔ بلکہ یہ حقوق الصلوٰۃ سے بھی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تفسیر فارسی میں ہے کہ ظاہری لباس شریعت میں نماز کے لئے اور طریقت میں راز کے لئے حضور قلب ضروری ہے ؎

ذوق طاعت بے حضور دل نیابد ہیچکس
طالبِ حق را دل حاضر بریں درگاہ بس

ترجمہ: حضور دل کے سوا کسی کو بھی طاعت کا ذوق نصیب نہ ہوگا طالب حق کو اس درگاہ میں دل حاضر رکھنا ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا۔ اطعمہ واشربہ میں سے جو دل چاہے کھاؤ اور پیو۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ بنو عامر ایام حج میں معمولی طور کھاتے اور گھی والی غذا سے تو بالکل پرہیز کرتے اس سے وہ سمجھتے کہ اس طرح سے وہ حج کی عزت وعظمت کا حق ادا کر رہے ہیں۔ بعض لوگوں کا اسلام قبول کرنے کے بعد اسی طرح حج کی عظمت میں مذکورہ بالا طریق کے ارتکاب کا ارادہ ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہل بیات یعنی فقراء کی طرح مقام عبودیت میں وہی طعام کھاؤ اور وہی پانی پیو جو انہیں اس طعام میں نصیب ہوا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں شب باش رہتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور حضور علیہ السلام رمضان میں جس خصوصیت کے ساتھ عبادت کرتے اور کسی دوسرے مہینہ میں نہ ہوتی یہاں تک کہ کئی راتیں کھانے پینے کا نام تک نہ لیتے تاکہ

عبادت سے وافر حصہ نصیب ہو۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس سے روکتے۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ آپ خود تو صوم وصال رکھتے اور ہمیں روکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے جیسا نہیں ہوں۔ میں اپنے رب کے ہاں گزارتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ میں اپنے رب کے ہاں ہوتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

• رب کے اس دیئے طعام وشراب کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے اور اس میں دو قول ہیں۔

(۱) طعام وشراب ربانی اس قسم سے تھا جسے ہم کھاتے پیتے ہیں۔ اس طرح سے حدیث شریف کا حقیقی معنی مراد ہوگا اور حقیقہ سے مجاز کی طرف رجوع نہیں کرنا پڑتا اور وہ طعام بہشت سے لایا جاتا ہے (۲) انوار ومعارف مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ السلام کو لذت مناجات میں اور اس کے قرب سے جو آپ کو آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے اور محبت کی وہ نعمتیں جنہیں حضور علیہ السلام نے پایا اور یہ غذا مسلسل ملتی رہی جو قلوب کی غذا اور ارواح کی نعمت اور آنکھوں کی ٹھنڈک اور نفوس کی رونق ہے۔

حکایت منصور حلاج حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک خادم خاص کہتا ہے کہ حضرت الشیخ منصور مرحوم ومغفور دو سال کعبہ معظمہ میں ٹھہرے رہے۔ آپ کے ہاں ایک جگہ سے روزانہ طعام بھیجا جاتا لیکن آپ اسے ہاتھ تک نہ لگاتے وہ جوں کا توں پڑا رہتا۔ جسے پھر میں کھا جاتا۔ اس طرح سے آپ نے دو سال مسلسل گزار دیئے۔ لیکن کبھی آپ کو ہم نے طعام کھاتے نہیں دیکھا۔

حضور علیہ السلام طعام کے محتاج نہیں کھایا تو امت کی تعلیم کیلئے حضرت الشیخ الشبیر بافتادہ افندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے طعام اس لئے کھایا کہ امت ضعیفہ کو تعلیم نصیب ہو ورنہ آپ کو کھانے پینے کی حاجت و ضرورت نہیں تھی۔

ازالۂ وہم آپ کا کبھی کبھی فقر و فاقہ کے دوران شکم اطہر پر پتھر باندھنا بھوک کی وجہ سے تھا کہیں یہ لطیف جسم عالم ملکوت کی طرف پرواز نہ کرے۔ اس لئے پتھر باندھ دیتے تاکہ عالم دنیا میں رہ کر خلق خدا کے لئے راہ ہدایت کا کام سرانجام دے سکیں اور انہوں نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام حدوث عالم پر نظر رکھ کر تجلی لقاء سے بہرہ یاب رہے۔

وَلَا تُسْرِفُوْا حلال کو حرام کی طرف تعدی نہ کرے یعنی وہ اشیاء جو ماکولات ومشروبات وملبوسات میں حرام فرمائی ہیں انہیں عمل میں نہ لاؤ۔ یا اس کے معنی یہ ہے کہ طعام حد سے زیادہ نہ کھاؤ اور اس کی حرص کرو کہ بدن کے قوام کے لئے ضرورت ہی نہیں تو تم خواہ مخواہ لذت کے طور کھاؤ اس لئے کہ یہ بھی اسراف کے قبیل سے ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کے عمل سے محبت نہیں کرتا۔ یعنی ان سے راضی نہیں اور نہ ہی ان کی تعریف کرتا ہے۔

فائدہ: بعض کے نزدیک اسراف یہ ہے کہ جو جی چاہے کھا ڈالے اور یہ بھی اپنے مقام پر صحیح ہے کہ جو ہر وقت

کھانے پینے کی فکر میں لگا رہے وہ خسیس اور ذلیل ترین انسان ہے ؎

۱: خواجہ را بیں کہ از سحر تا شام
دارد اندیشۂ شراب و طعام

۲: شکم از خوش دلی و خوشحالی
گاہ پُر میکند گہے خالی

۳: فارغ از خلد وایمن از دوزخ
جائے او مزبلست و یا مطبخ

ترجمہ ۱: خواجہ کو دیکھ کر صبح سے شام کھانے پینے کی فکر نہیں۔

۲: پیٹ خوش دلی اور خوشحالی سے پُر ہے کبھی اسے پُر کرتا ہے کبھی خالی کرتا ہے

۳: یہ بہشت کے خیال سے خالی اور دوزخ کے خوف سے فارغ ہے اس کی جگہ یا پاخانہ یا باورچی خانہ ہے

نکتہ عجیبہ: حضرت شیخ الاسلام عبد اللہ انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسراف اس کا نام نہیں کہ ساری دنیا کے طعام اُٹھا کر منہ میں ڈال دیں بلکہ اسراف وہ لقمہ ہے جو رضائے الٰہی کے لئے نہیں بلکہ نفس پروری کے لئے کھایا جائے ؎

یک جواں را کر خیر دائم داشت
پند می دارد راہبے در دیر
کائے پسر خیر نیست در اسراف
گفت اسراف نیست اندر خیر

ترجمہ: ایک جوان کو نیکی کا حرص تھا۔ اسے دیر میں ایک راہب نے نصیحت کی کہ اے بیٹے اسراف اچھا نہیں نوجوان نے کہا۔ بزرگ خیر میں اسراف ہوتا ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اسراف دو قسم ہے۔ (۱) افراط۔ (۲) تفریط۔ افراط یہ ہے کہ حاجت ضروریہ سے زائد کا ارتکاب یا خلاف شرع عمل یا طبع و شہوت کے مطابق کیا۔ یا غفلت میں یا ترک ادب کرکے یا حرص کے طور ہو وغیرہ وغیرہ اور تفریط یہ ہے کہ حاجت ضروریہ میں بلاوجہ کمی اور قوت وطاقت جو حقوق عبادت کے قوام میں کوتاہی یا اپنے نفس کو ضائع کرکے یہاں تک کہ وہ تباہ ہو جانے پر زور دیا جائے یا اپنے نفس کے خواہشات پورے کرکے حقوق ربوبیت ضائع کئے جائیں یا خواہشات نفسانی میں حقوق قلب و روح و سر ضائع کر دیئے جائیں۔ اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ اپنے حقوق حظوظ نفسانیہ کی وجہ

سے ضائع نہ کرو۔

حکایت عجیبہ ہارون رشید کا ایک حکیم حاذق نصرانی تھا اس نے ایک مرتبہ حضرت علی بن حسین بن واقد پر سوال کیا کہ تمہارے قرآن مجید میں علم طب کا معمولی سے معمولی مسئلہ بھی بیان نہیں کیا گیا حالاں کہ علم دو ہیں۔ (۱) علم الابدان و علم الادیان۔ آپ نے اسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام طبی مسائل کو صرف ان دو لفظوں میں جمع فرما دیا ہے۔ کما قال تعالیٰ كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۔ نصرانی نے کہا کہ کیا تمہارے نبی علیہ السلام کو بھی طب سے کچھ واقفیت تھی۔ انہوں نے کہا ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طب کے جمیع مسائل مختصر الفاظ میں بیان فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) المعدۃ بَیْتُ الداء معدہ بیماریوں کا گھر ہے۔

(۲) الحمیۃ راس کل دواء حمیت ہر دوا کی سرتاج ہے۔

(۳) عودوا کل جسم ما اعتاد جسم کو عادت پر چلاؤ۔

نصرانی حکیم نے کہا تمہارے قرآن مجید اور تمہارے نبی علیہ السلام نے تو جالینوس کا کوئی طبی مسئلہ نہیں چھوڑا۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو مرضی آئے کھاؤ پیو اور جو چاہو پہنو۔ صرف اسراف اور تکبر کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دو۔

ف: اگرچہ ہمارے لئے جائز ہے کہ بلا اسراف جتنا چاہیں کھائیں لیکن پھر بھی صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ صرف دو لقموں پر اکتفا کرنا چاہیے۔ ایک دن کو دوسرا رات کو اور یہ بھی عوام کے لئے اور وہ بھی غیر رمضان میں اور خواص کو دن اور رات کے لئے صرف ایک لقمہ پر قناعت چاہیے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں اگر عوام دو لقموں سے تیسرا لقمہ اور خواص ایک لقمہ سے دوسرے لقمہ کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے تو اسراف کے مرتکب ہوں گے اور ان کے لئے حق پہنچتا ہے کہ اُن کو کہا جائے کہ وہ بہائم (جانوروں) کے صفات سے موصوف ہیں۔

ف: ہندی اطباء کہتے ہیں کہ تمام امراض کا علاج الحمیۃ ہے اس لئے کہ یہ مریض کو کھانے پینے اور لوازمات سے روکا جائے تو وہ خود بخود تندرست ہو جائے گا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ الحمیۃ پر مداومت کرے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ

تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کیلئے نکالی اور پاک رزق تم فرماؤ کہ وہ ایمان والوں

اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

کے لیے ہے دنیا میں اور قیامت میں تو خاص انہیں کی ہے ہم یونہی مفصل آیتیں بیان کرتے

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٣٢﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا

ہیں علم والوں کے لیے تم فرماؤ میرے رب نے تو بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں جو ان میں کھلی ہیں اور جو

بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ

چھپی اور گناہ اور ناحق زیادتی اور یہ کہ اللہ کا شریک کرو جس کی اس نے

بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ

سند نہ اتاری اور یہ کہ اللہ پر وہ بات کہو جس کا علم نہیں رکھتے اور ہر گروہ کا ایک وعدہ ہے تو جب

فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٤﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا

ان کا وعدہ آئے گا ایک گھڑی نہ پیچھے ہو نہ آگے اے آدم کی اولاد اگر

يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ

تمہارے پاس تم میں کے رسول آئیں میری آیتیں پڑھتے تو جو پرہیزگاری کرے اور سنورے تو اس پر نہ کچھ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰۗىِٕكَ

خوف اور نہ کچھ غم اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان کے مقابل تکبر کیا وہ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٦﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

دوزخی ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس

اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمْ

کی آیتیں جھٹلائیں انہیں ان کے نصیب کا لکھا پہنچے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے

رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا

ہوئے ان کی جان نکالنے آئیں تو ان سے کہتے ہیں کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے کہتے ہیں وہ ہم سے

عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ

گم گئے اور اپنی جانوں پر آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ کافر تھے اللہ ان سے فرماتا ہے کہ تم سے پہلے

خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ

جو اور جماعتیں جن اور آدمیوں کی آگ میں گئیں انہیں میں جاؤ جب ایک گروہ داخل

اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ

ہوتا ہے دوسرے پر لعنت کرتا ہے یہاں تک کہ جب سب اس میں جا پڑے تو پچھلے پہلوں کو کہیں گے اے رب ہمارے

اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

انہیں نے ہم کو بہکایا تھا تو انہیں آگ کا دونا عذاب دے فرمائے گا سب کو دونا ہے مگر تمہیں خبر نہیں

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

اور پہلے پچھلوں سے کہیں گے تو تم کچھ ہم سے اچھے نہ رہے تو چکھو عذاب بدلہ

بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾

اپنے کیے کا

شانِ نزول ۳۲ قل جب مسلمانوں نے کعبہ شریف کا طواف کپڑے پہن کر شروع کردیا اور گوشت کھانے لگے اور گھی والی اشیاء بھی۔ تو مشرکین نے مسلمانوں کو عار دلائی اس لئے کہ وہ بوقت احرام ننگے ہو کر طواف کرتے اور گوشت اور گھی والی اشیاء بھی نہیں کھاتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ اے میرے پیارے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان سے فرمایئے کہ مَنْ یہ استفہام انکاری ہے۔ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ کس نے حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ کی زینت دی ہوئی اشیاء کو مثلاً کپڑے یا اس طرح کی وہ دوسری چیزیں جن سے زینت اور سنگار کیا جاتا ہے الَّتِیْٓ اَخْرَجَ وہ چیزیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کاملہ سے نکالا ہے لِعِبَادِهٖ اپنے بندوں کے لئے۔ نباتات مثلاً لباس کتان وغیرہ اور جانوروں میں سے جیسے ریشم اور اون وغیرہ اور معادن میں سے جیسے زرہ وغیرہ اور یہ تمام چیزیں لباس سے تعلق رکھتی ہیں۔ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ اور دیگر پاکیزہ چیزیں رزق میں سے اس کا عطف زِيْنَةَ اللّٰهِ پر ہے۔ یعنی کس نے حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی لذیذ چیزیں یعنی کھانے پینے کی اشیاء اور گھی والی چیزیں اور دودھ وغیرہ۔

مسئلہ: انسان فرائض کی ادائیگی میں خوش خوراک خوش پوشاک رہے اس ارادہ پر کہ خوش منظر نظر آئے تو اُس کے لئے جائز ہے۔

مسئلہ: جو معمول معاش پر گزارہ کرکے باقی دولت اللہ تعالیٰ کے نام لٹا دے تو بھی افضل و اولیٰ ہے

اس لئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ اس سے بدرجہا بہتر و برتر ہے۔

مسئلہ: آدمی بھاس پر گزراوقات رکھنا عزیمت ہے۔ اعلیٰ اور بہتر خوراک و پوشاک کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ فرائض میں کوتاہی نہ ہو اور وہ حلال مال سے ہو۔

مسئلہ: آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خوراک و پوشاک میں تمام قسم کے کھانے اور لباس استعمال کرنا مباح ہیں جب تک ان میں شرعی قباحت کی ممانعت نہ ہو) اس لئے کہ آیت میں استفہام انکار کے لئے ہے جیسا کہ امام شافعی اور اکثر اصحاب ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب ہے کہ " الاصل فی الاشیاء الاباحۃ " اشیاء میں اصل اباحت ہے

فائدہ: بعض کے نزدیک توقف ہے کہ نہ اباحت اور نہ عدم اباحت اور جس کے نزدیک اشیاء میں اصل حظر یعنی ممانعت ہے۔

قاعدہ شرعیہ و نکتہ عجیبہ الاصل فی الاشیاء الاباحت کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور علی الاطلاق جواد ہے اور جس کی ایسی شان ہو وہ اپنے مال کو اپنے بندوں سے منع نہیں کرتا۔ صرف ان چیزوں سے روکتا ہے جو ان کے لئے مضر ہوں اس سے ثابت ہوا کہ اصل اباحت ہے اس اعتبار سے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور غنی اور جواد ہے اور حرمت (ممانعت ضرر کے لئے عوارض میں سے ہے اور اس کا جب تک ثبوت نہ ہو اس کا اعتبار نہیں ہوتا اور یہاں آیت میں بھی ایسی صورت ہے مانعین کی دلیل یہ ہے کل اشیاء علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ کسی کے مال میں تصرف کرنا مالک کی اجازت کے بغیر جائز نہیں اور اس مالک کی اجازت کی خبر نہیں۔ یعنی اس کا ثبوت نہیں جب اباحت کا ثبوت نہیں تو اباحت کی بالمقابل حظر باقی ہے اس لئے کہ اس کا موجود ہے یعنی ملک الغیر۔ اس سے ثابت ہوا۔ یا الاصل فی الاشیاء الحظر ہے۔ توقف کرنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ شے کی حلت و حرمت شرع کے حکم پر موقوف ہے۔ شرعی حکم کے ورود سے پہلے ہم نہ اباحت کو ثابت کر سکتے ہیں اور نہ حظر کو بنابریں توقف ہی لازم ہوا۔

فائدہ: عبدالطاہر بغدادی نے کہا کہ فقہاء کے نزدیک توقف اس ہر عمل کو کہا جاتا ہے کہ جس کے متعلق شریعت سے اباحت و حظر کا کوئی ثبوت نہیں ہو۔ اس پر اگر عمل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مرتکب کو ثواب ہوگا اور نہ (عذاب) **قُلْ هِيَ** پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے یہ زینت اور طیبات (کذا فی التفسیر الفارسی) **لِلَّذِينَ آمَنُوا** ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ لِلَّذِينَ کا تعلق مُسْتَقِرَّۃ محذوف سے ہے۔ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا اس کا تعلق آمنوا سے ہے۔ بعض نے کہا کہ مستقرۃ کے متعلق ہے کہ جس سے لِلَّذِينَ سے ہے۔

فائدہ: طیبات کی تخلیق کا اصلی مقصود یہی ہے کہ بندگان خدا کو عبادتِ الٰہی پر تقویت حاصل ہو تاکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں پا کر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہوں اور کفر و معاصی سے بیزاری کا اظہار کریں۔

نکتہ: نعمتیں حقیقتہً اہلِ ایمان کے لیے پیدا ہوئیں اور کفار اہلِ ایمان کے طفیلی ہیں تاکہ قیامت میں ان کو کوئی عذر نہ ہو اس لئے یہ نہ فرمایا۔ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلِغَیْرِهِمْ فِی الدُّنْیَا۔ خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ قیامت میں نعمتیں خالص اہلِ ایمان کے لئے ہوں گی۔ اس وقت ان کا کوئی شریک نہ ہوگا۔ اگرچہ دُنیا میں ان کے ساتھ نعمتوں میں کفار بھی شریک ہیں اور خالصتہً کا منصوب ہونا جو لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے معنوی طور حال ہونے کی وجہ سے ہے اور یوم القیٰمۃ خالصۃً کے متعلق ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ تمہیں طلبِ کمالات سے کون منع کرسکتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے غیب الغیب سے اپنے مخصوص بندوں یعنی انبیاء و اولیاء کے لئے پیدا فرمایا اور تمہارے اوپر ان کمالات وکمالات کے کون حرام کرسکتا ہے جو انہیں طلب کرنے کی سعی کرتا ہے تو بلا تاخیر اور بلا کم و کاست اسے نصیب ہوتی ہیں اور زینۃ کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لئے ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے الطاف اور کرم نوازیوں کے حقائق سے پیدا فرمایا۔ مثلاً ابدان کو شریعتوں اور اُن کے آثار سے اور نفوس کو آداب اور اُن کے اقتدار سے اور قلوب کو شواہد اور اُن کے انوار اور ارواح کو معارف اور ان کے اسرار سے اور اسرار سے (جمع سر) کو طوالع اور اُن کے انوار سے زینت بخشی بلکہ یوں کہو کہ انسان کے ظواہر کو آثارِ جُود سے اور بواطن کو انوارِ وجود سے زیب و زینت بخشی۔ الطیبات من الرزق درحقیقت ان امُور کو جاتا ہے۔ جنہیں نفس کے حقوق کو نہ ہو اور نہ ہی اس کے حظوظ انہیں شامل ہوں بلکہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کے حقوق و عطیات اور حقوق ہوں۔

قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا یہی کرامات و مقامات صرف انہی مشائخ و سادات کے لئے ہیں۔ جنہوں نے دنیا میں زندگی بسر کی اور انہیں نفس کے آفات سے بھی مقابلہ کرنا پڑا اور صفات بہیمہ کی کدورات سے بھی واسطہ رہا۔ خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ لیکن قیامت میں آفاتِ نفسانیہ اور کدورات بہیمیہ سے پاک اور صاف ہوں گے۔ گویا ان کے حق میں فرمایا کہ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اور ہم نے اُن کے سینوں سے کھوٹ باہر نکال پھینکا۔ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ۔ اسی طرح ہم علم والوں کے لئے آیات کو تفصیلی طور بیان کرتے ہیں۔ یعنی دوسرے احکام کی طرح اس حکم کو بھی ہم مفصل طور بیان کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے جو علم والے ہیں۔ اُن کے لئے ان آیات کے عجیب معانی و مطالب بیان کر دیئے گئے ہیں۳۳ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فواحش کو حرام فرمایا ہے اور فواحش وہ ہیں کہ جن کا قبح واضح اور ظاہر ہو۔ اُن سے کبائر مراد ہیں۔ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ وہ جو ظاہر اور باطن ہیں یہ الفواحش سے بدل ہے یعنی وہ فواحش جو کھلم کھلا یا پوشیدہ طور ہوتے ہیں جیسے کفر و منافقت وغیرہ وغیرہ وَالْاِثْمَ اور وہ امور جو گناہ کا سبب بنیں وہ صغائر ہوں یا کبائر وَالْبَغْیَ اس سے ظلم اور تکبر مراد ہے۔

سوال: اس کا ذکر الاثم میں آگیا ہے پھر اسے علیحدہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ۔

جواب و مبالغہ مقصود ہے تاکہ اس کی زجر کے لئے مزید تاکید ہو جائے۔
بِغَيْرِ الْحَقِّ - یہ بغی کے متعلق ہے اس کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے اس لئے بغی ہوتا ہی ہمیشہ ناحق ہے۔ اس میں حق کا مفہوم پیدا ہو سکتا ہی نہیں - وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ اس کا عطف حرم کے مفعول پہ ہے۔ یعنی ہم نے تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کو حرام فرمایا ہے۔ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ ایسی چیزیں جنہیں اللہ تعالیٰ کیلئے شریک بنانے پہ اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں نازل فرمائی اور نہ ہی ان کی عبادت کا حکم فرمایا۔
سُلْطٰنًا یعنی حجت اور برہان۔ اس سے مشرکین کے ساتھ تہکم مطلوب ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانے کی کوئی دلیل ہے ہی نہیں تو اس کے ذکر سے تہکم ہی مقصود ہو سکتا ہے اور ان سے استہزا ہی ہوگا۔ اس لئے کہ اشراک باللہ کے لئے کوئی برہان ہو تو اُسے نازل کیا جائے۔ جب دلیل ہے ہی نہیں تو اس کے نزول کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے لئے وہ باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں علم ہی نہیں۔ مثلاً الحاد یا اللہ تعالیٰ پہ افتراء اور بہتان تراشی وغیرہ مثلاً کہا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی قسم کا امر نہیں فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فواحش وہ امور ہیں جن کے ارتکاب سے بندہ اپنے مولیٰ سے دور ہو جائے اور وہی بندے کو مولیٰ کی طرف پہنچنے کے لئے مانع ہوں۔ عوام کے لئے ہی ظاہر ہیں کہ جن سے شرع نے روکا ہے۔ لیکن بندہ ان کا ارتکاب کرے اور ان کے باطن سے وہ وساوس مراد ہیں جو دل پہ کھٹکتے ہیں اور خواص کے ظاہر سے وہ امور جو ان کے لئے نفوس میں حظوظ و شہوات رکھے گئے ہیں مراد ہیں اور وَمَا بَطَنَ سے محبوب سے صبر کرنا (اگرچہ ایک لحہ) مراد ہے اور اخص الخواص کا ظاہر منہا ترک استحباب یا اسباب دنیا میں کسی ایک سبب سے متعلق ہونا اور مَا بَطَنَ سے دارین کی کسی شے کا میلان اور عالمین میں ماسوی اللہ کی طرف ملتفت ہونا اور الاثم سے اعراض عن اللہ۔ اگرچہ آنکھ جھپکنے کی دیر ہو اور البغی سے غیر اللہ کی محبت اور اسے غیر محل میں رکھنا مراد ہے۔ اِنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ یعنی جن چیزوں کے لئے غیر اللہ میں سے اجازت نہیں۔ تم اُن سے استعانت نہ کرو۔ جب تک اللہ تعالیٰ اُن کے لئے دلیل اور حجت نہ نازل فرمائے۔ یعنی جب تک اُن کے لئے شریعت مطہرہ کی اجازت نہ ہو وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ - یعنی اپنے نفس اور اس کی خواہش کے مطابق فیصلے مت کرو یا یہ کہ اپنے عقلی ڈھکوسلوں سے اللہ تعالیٰ کی حقیقت معلوم کرنے کا دم نہ مارو یا یہ کہ جب تمہیں معلوم ہی نہیں تو تم اللہ تعالیٰ کے عرفان اور اللہ والوں کے مقامات و مراتب اور اثبات کرامات اپنی طرف سے بیان نہ کرو۔ اس لئے کہ تم ایسی باتوں سے بے خبر ہو اور نہ ہی تمہیں ان کے متعلق کچھ معلومات ہیں۔
(ربط) اب رسل کرام کے مکذبین مشرکین کی تہدید کی جائیں گی ۳۴ ۝ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جتنی امتیں ہلاک ہوئیں اب سب کے لئے۔ اَجَلٌ ایک میعاد مقرر ہے یعنی اُن کی ہلاکت کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا گیا تھا۔

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ پس جب اُن کے لئے وقت آجاتا ہے ھُمْ ضمیر کا مرجع کُلِّ اُمَّۃٍ ہے اس لئے اجالہم نہیں فرمایا تا کہ معلوم ہو کہ جس کے لئے جو وقت مقرر ہوا اُس کا وہی وقت مقرر کردہ اس پر وارد ہوا۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہوا لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ اس مقرر کردہ وقت سے پیچھے نہیں ہوں گے۔ سَاعَۃً گھڑی بھر یعنی تھوڑی دیر بھی اسے نہایت معمولی وقت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے مقصد یہی ہے کہ وہ اپنے مقرر کردہ وقت سے پیچھے نہ ہٹے۔ باب استفعال لا کر واضح کیا گیا کہ انہیں اس معاملہ اتنا عجز اور کمزوری تھی کہ ان کا کوئی بس نہیں چل سکتا تھا اور محروم ایسے تھے کہ اُن کے مطالبہ کے باوجود بھی انہیں کسی طرح بھی مہلت نہ مل سکی وَلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ اور نہ اپنے اجل سے پہلے مرتے تھے ۔

اجل چوں فردا آیدت، پیش و پس
پیش و پس نگذارد یک نفس

ترجمہ: جب کل اجل آگے پیچھے آیا۔ تو پھر سانس کو آگے پیچھے نہیں ہونے دے گا۔

حکایت منقول ہے کہ ایک بادشاہ نہایت ہی عبادت گزار تھا لیکن اسے دنیا کا میلان پیدا ہوا اور شاہی کے امور میں سخت منہمک ہو گیا۔ اس نے ایک محل تیار کرایا اور بہت بڑا مضبوط بنایا اور اس کا اچھا فرش تیار کیا اور اعلیٰ اعلیٰ قسم کے کمرے بنوائے اس میں ایک دن اپنے بڑے بڑے وزیروں امیروں مشیروں کو دعوت کے لئے بلایا اور بہترین کھانے تیار کئے۔ اس میں اُس نے عوام کو بھی بلایا۔ تمام رعایا خوش ہو کر اس محل میں حاضر ہوئی اور خوب کھایا پیا اور بادشاہ کو دعائیں دیں اور محل کو دیکھ کر حیران رہ گئے عوام تو کھانا کھا کر چلے گئے اور بادشاہ اور اُس کے وزراء وغیرہ وہیں پر رہ گئے اور چند روز ٹھہر کر کہا کہ میں واقعی اس محل کی تیاری سے کتنا خوش ہوں اور تم دیکھتے ہو کہ میری خوشی کی کیا انتہا ہے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمام لڑکوں کے لئے اس طرح کا علیحدہ علیحدہ محل بنواؤں۔ تم چند روز میرے ہاں ٹھہرو اور مجھے اس کے متعلق مفید مشورے دو۔ وہ وزراء اور مشیرانِ کار اس کے ہاں ٹھہر گئے اور مختلف طور کی رائیں قائم ہوتی رہیں اور متعدد مشورے طے ہوئے۔ ایک رات بیٹھے تھے کہ اس محل کے کنارے سے آواز آئی۔ جس کا مضمون یہ تھا

یا ایها الباني الناسي لمنية
لا تامن فان الموت مكتوب
هذا الخلائق ان سروا ان فرحوا
فالموت حتف لذي الامال منصوب
لا تبنين ديارا لست تسكنها
وراجع انسك كما يغفر الحوب

ترجمہ: تو اسے محل تیار کرکے اپنی موت کو بھولنے والو بے خوف ہو اس لیے کہ موت تو ضرور آئے گی یہ مخلوق کتنی خوشحالی سے زندگی بسر کرے لیکن موت جھپٹ لگانے کے لئے تیار کھڑی ہے۔ ایسے مکانات کیوں تیار کرنا چاہتے ہو جہاں تم نے ٹھہرنا ہی نہیں۔ نیکیوں میں لگو تاکہ تمہارے گناہ بخشے جائیں۔

یہ مضمون سن کر وہ بادشاہ اور اس کے ساتھی بہت گھبرائے۔ بادشاہ نے سب سے کہا کیا تم نے سنا ہیں کیا کہا گیا ہے۔ سب نے کہا ہاں ہم نے سنا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیا اس سے تمہیں میری طرح کچھ محسوس بھی ہوا انہوں نے کہا آپ کو کیا محسوس ہوا۔ اس نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اب موت میرے سرہانے کھڑی ہے۔ سب نے کہا گھبرائیے نہیں آپ کی عمر دراز ہو۔ ہم سب آپ کے خدام ہیں۔ آپ تادیر اپنے مال و منال سے فائدہ اٹھائیں۔ بادشاہ نے کہا اب یہ باتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں۔ لاؤ شراب کی بوتلیں اور ان سب کو توڑ دو اور لاؤ گانے بجانے کا سامان اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور اس سے فارغ ہو کر جملہ گناہوں سے تائب ہوا اور موت کہتے کہتے اس کی جان نکل گئی۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

۱۔ خواجہ در بند نقش ایوانست
خانہ از پائے بست ویرانست

اور فرمایا ۔ ۲۔ آں کہ قرارش نگرفتے و خواب
تا گل و نسرین نہ فشاندے نخست

۳۔ گردش گیتی گل رویش بریخت
خار بنان برسر خاکش برست

ترجمہ: ۱۔ جو لجہ مکان کے نقش و نگار کے خیال میں کہ مکان اور ویران ہے اس سے بڑا ہوتا اور ابھارتا ہو
(۲) ایک وہ جو قرار نہ پاتا اور نہ اسے نیند آتی جب تک بستر پر گل و نسرین نہ بچھاتا۔
(۳) گردش زمانہ نے اس کے گلاب کے چہرے کو ایسا بے عزت کیا کہ کانٹے ہی اس کی قبر سے اگ آئے

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ہر ایک قوم خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے ہیں یا بہشت کی طرف یا دوزخ کی (طرف) کے لئے مدت معلوم اور وقت مقرر ہے۔ پھر جب ان کی مقرر کردہ ختم ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے ازل میں مقرر فرمائی تو " لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ " ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں ہوں گے۔ یہ وعدہ اللہ والوں کے لئے تسلی قلب اور دشمنوں کے لئے وعید اور سزا سنائی ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ ۳۵ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ یہ خطاب تمام لوگوں کو ہے۔ اِمَّا۔ یہ دراصل اِنْ مَا تھا۔ لفظ (مَا) کے میم میں ان شرطیہ کے نون کو مدغم کیا گیا ہے۔ ان شرطیہ کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے اس لئے کہ لفظ ما بھی شرط کے لئے آتا ہے۔ یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ اے آدم زادو اگر تمہارے ہاں رسل کرام علیہم السلام تشریف لائیں مِّنْکُمْ درانحالیکہ وہ تمہاری جنس سے ہوں یہ رُسُل کی صفت ہے۔ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ۔ یہ رسل کی دوسری صفت ہے یعنی تمہارے لئے ہمارے احکام وشرائع بیان کریں گے۔

سوال: ظاہری کلام کا تقاضا یہی ہے کہ یہاں پر ان کے بجائے اِذَا ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ انبیاء ورسل کرام علیہم السلام کا تشریف لانا اللہ تعالیٰ کے علم میں محقق الوقوع ہے۔

جواب: معلوم کو مشکوک کے طور لاکر تنبیہ کر دی گئی ہے کہ رسل کرام علیہم السلام کا بھیجنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ عقلاً ایک جائز امر ہے کہ کوئی کہا جائے کہ وہ رسل کرام کے نہ بھیجنے پر قادر ہے اور نہ ہی اُسے رسل کرام کا بھیجنا شرعاً واجب ہے یہاں تک کہ کہا جائے کہ (معاذ اللہ) نہ بھیجے گا تو گنہگار ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پر عقلاً وشرعاً کوئی شے واجب نہیں۔ ہاں اس کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ رسل کرام کو بھیجے کہ ارسال رُسُل میں بے شمار مصلحتیں اور حکمتیں ہیں۔

فَمَنِ ۔ یہ مَن شرطیہ ہے۔ پس جو کوئی اتَّقٰی تکذیب سے ڈرے۔ وَاَصْلَحَ اپنے اعمال کی اصلاح اور رسول علیہ السلام کی اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہے۔ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ ۔ پس ان پر کوئی خوف نہیں یعنی مستقبل میں گنہگاروں کو لاحق ہوگا اس سے یہ لوگ بے خوف ہوں گے۔ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اور نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے۔ یعنی انہیں دنیا میں کسی چیز کے فوت ہوجانے کا غم نہ ہوگا اس لئے کہ آخرت کی دارالکرامۃ کی نعمتوں میں ایسے مستغرق ہوں گے کہ انہیں دنیا و مافیہا کا خیال تک نہ رہے گا۔

۳۶ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا اور جن لوگوں نے ہمارے آیات کی تکذیب کی۔ یعنی ہمارے رسل کرام علیہم السلام کی وَاسْتَکْبَرُوْا ۔ اور تکبر کیا یعنی اپنی عظمت کا خیال کیا اور سرکشی کی عَنْھَا آیات سے جو کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کے لئے دلائل کی حیثیت ہیں اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج وہی دوزخی ہیں یعنی ہمیشہ دوزخ میں مقیم رہیں گے۔ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۔ وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے یعنی دوزخ کی اقامت دائمی ہوگی ۳۷ فَمَنْ اَظْلَمُ پس کون زیادہ ظالم ہے یعنی کوئی ایسا نہیں مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا جو کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا افتراء کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات کی نسبت کرے جو اس نے نہیں فرمائی۔

فائدہ: اس کا شریک اور زوجہ اور اولاد ثابت کرنا بھی افتراء میں داخل ہے۔ اَوْ کَذَّبَ ۔ یا اس کی آیات کو جھٹلائے یعنی جو کچھ اس نے فرمایا ہے اسے جھوٹا کہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ پر افتراء اور اس کے آیات کی تکذیب کا گناہ برابر ہے۔ چنانچہ فرمایا اُولٰٓئِکَ وہ لوگ جو اوصاف مذکورہ کے موصوف ہیں یعنی افتراء اور تکذیب کرنے والے یَنَالُھُمْ انہیں پہنچے گا نَصِیْبُھُمْ ان کا حصہ مِّنَ

الکتٰبِ۔ کتاب سے ان کے لئے کتاب میں رزق اور زندگی لکھی گئی ہے۔ حَتّٰی۔ اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا۔ یہاں تک کہ اُن کے پاس ہمارے رسل کرام علیہم السلام تشریف لائیں گے یعنی ملک الموت اور اُن کے خدام یَتَوَفَّوْنَهُمْ۔ درانحالیکہ وہ انہیں وفات کریں گے یعنی اُن کی روحیں قبض کریں گے۔

فائدہ: اگرچہ لفظ حتّٰی سے کلام کا آغاز کیا گیا ہے لیکن یہاں پر اپنے ماقبل یَنَالُهُمْ کی غایت کیلئے ہے اب عبارت یوں ہوئی یَنَالُهُمْ نَصِیْبُهُمْ مِنَ الْکِتٰبِ اِلٰی اَنْ تَاْتِیَهُمْ مَلٰٓئِکَةُ الْمَوْتِ۔ الخ پھر جب ان کے ہاں ملائکہ ارواح قبض کرنے کیلئے آئیں گے تو انہیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے۔ قَالُوْا کہیں گے اَیْنَ مَا کُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کی اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا میں پرستش کرتے تھے۔

سوال: اَیْنَ کا قاعدہ ہے کہ اسے علیحدہ لکھا جاتا ہے اس لئے کہ ما موصولہ اور اَیْنَ اسم ظرف ہے۔ لیکن یہاں دونوں کو اکٹھا لکھا گیا۔ اس کی وجہ کیا ہے۔

جواب: صحیفۂ عثمانی میں یونہی لکھا گیا ہے لہٰذا اس کی اتباع میں ہر جگہ قرآن میں ایسے ہی لکھا جائے گا۔

قَالُوْا کفار جب جواب دیں گے ضَلُّوْا عَنَّا وہ ہم سے غائب ہو گئے۔ اَب ہم انہیں نہیں جانتے کہ وہ کہاں ہیں وَشَهِدُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ۔ اس کا عطف قَالُوْا پر ہے یعنی وہ اپنے لئے اعتراف کریں گے۔ اَنَّهُمْ کَانُوْا۔ تحقیق وہ دنیا میں تھے۔ کٰفِرِیْنَ۔ کافر یعنی جو عبادت کے ہرگز مستحق نہیں تھے ان کی عبادت کرتے تھے۔ جب وہ اپنے کردار کا انجام اور گمراہی دیکھیں گے۔

سوال: یہاں پر اُن کا اعتراف کا بیان ہے حالانکہ دوسرے مقام پر فرمایا کہ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ اللہ کی قسم ہم مشرک نہیں تھے۔

جواب ۱: مختلف فرقے مختلف جواب دیں گے بعض یہی کہیں گے جو آیت ہذا میں ہے بعض وہی کہیں گے جو سوال میں مذکور ہوا۔

جواب ۲: یا وہ مختلف اوقات میں ایسے مختلف جواب دیں گے۔

فائدہ: مقصد یہ ہے کہ انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ قیامت کے وقوع میں کوئی دیر نہیں گویا کہ مرتے ہی اُن کے لئے قیامت قائم ہو جائے گی۔ اگر یہی تاویل نہ کی جائے تو سوال پیدا ہو گا کہ یہی سوال و جواب پھر انہیں سزا کے طور جہنم میں داخلے کا حکم پھر جہنم میں اُن پر لعن و طعن یہ سب کی سب قیامت کے قیام کے وقت ہوں گی۔

۳۸ قَالَ انہیں قیامت میں اللہ تعالیٰ یا کوئی فرشتہ کہے گا اُدْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ داخل ہو جاؤ اُن امتوں میں جو اُن کے ساتھی ہوں گے۔ قَدْ خَلَتْ تحقیق گزر چکے مِنْ قَبْلِکُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ گذری ہوئی امتوں میں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں سے فِی النَّارِ دوزخ میں۔ اس کا تعلق اُدْخُلُوْا سے ہے۔

سوال : جنات کو انسانوں سے پہلے کیوں ذکر کیا گیا۔

جواب : تخلیق میں جنات پہلے ہیں۔ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جن پیدا فرمائے تو ان میں بعض مومن تھے اور بعض کافر۔ جب اہل ایمان پر کفار جنات غلبہ پا گئے تو اللہ تعالیٰ نے کفار کو مارہٹایا۔ چنانچہ منقول ہے کہ ان کے ہاں فرشتوں کا ایک لشکر بھیجا۔ جن کا امیر لشکر ابلیس کو بنایا گیا۔ انہوں نے جنات کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور سب کو فنا کر ڈالا۔ اس کے بعد ہی آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو پیدا فرمایا۔ انہیں بھی بعض کافر تھے جیسے قابیل اور بعض مومن۔ جیسے ہابیل۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں کافر بھی رہے۔ جو جہنم کے مستحق ہوئے اور مومن بھی جو بہشت کے مستحق۔ تاقیامت یہ سلسلہ رہے گا۔ یہاں تک کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت جب قائم ہوگی تو اس وقت ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ ہوگا۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ جب اگلی پچھلی تمام امتیں جہنم میں داخل ہوں گی لَّعَنَتْ أُخْتَهَا تو وہ ہر اس دوسری امت پر لعنت کرے گی جس نے اسے گمراہ کیا ہوگا یا جس کی تقلید میں اس سے گمراہی سرزد ہوئی ہوگی مثلاً مشرکین کا ایک گروہ دوسرے کو اور یہودی اپنے دوسرے یہودیوں کو اور نصاریٰ اپنے دوسرے نصاریٰ کو اور مجوس دوسرے مجوسیوں کو لعنتی کہیں گے اس طرح ہر چھوٹے طبقہ کے گمراہ اپنے بڑے لیڈروں پر لعنت کریں گے مثلاً کہیں گے خدا تم پہ لعنت کرے تم نے ہی ہمیں دھوکہ دیا۔

فائدہ : اخت سے دین و ملت میں ہمجنسیت مراد ہے۔

سوال : اختہا کے بجائے اخاہا کیوں نہ کہا۔

جواب : یہاں پر دوسری جنس کی امت اور جماعت مراد ہے اور یہ دونوں مونث ہیں حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا ماقبل کی غایت کے لئے ہے یعنی کافروں کو گروہوں میں بانٹ کر گروہ در گروہ جہنم میں داخل ہوں گے جب ایک گروہ جہنم میں داخل ہوگا تو وہ دوسرے پر لعنت کرتا ہوا داخل ہوگا۔ یہاں تک کہ سب کے سب جہنم میں داخل ہو جائیں گے۔ اور جب تمام جہنم میں اکٹھے ہو جائیں گے۔

فائدہ : ادارکو دراصل تدارکو "ا" تھا۔ تاء دال ہو کر دال میں مدغم ہوئی ہے۔ اس کے بعد ہمزہ وصلی داخل کیا گیا ہے۔ قَالَتْ أُخْرَاهُمْ تو ہر پچھلی امت کہے گی یعنی وہ جو پہلی جماعت کے بعد اس کی دوسری جماعت جہنم میں داخل ہوگی۔ اس سے لیڈروں کے تابعدار مراد ہیں۔

فائدہ : آخری بمعنی آخرۃ ہے آخر کی مونث۔ جو اوّل بالمقابل ہے نہ آخری بمعنی غیر جیسے وزرا اخری میں ہے۔ لِأُولَاهُمْ اپنے سے پہلی جماعت کے لئے یعنی اپنے لیڈروں کے لئے جب وہ اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوں گے۔ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا اے ہمارے رب انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ یعنی انہوں نے طرح طرح کے شبہات ڈال کر ہمیں ہدایت سے دور رکھ کر گمراہ کیا اور ہم ان کی اقتداء میں گمراہ ہوئے۔ فَآتِهِمْ عَذَابًا پس انہیں دوہرا

عذاب میں مبتلا فرما۔ مِّنَ النَّارِ جہنم کے عذاب سے اس لیے کہ وہ خود گمراہ تھے اور ہمیں بھی گمراہ کیا۔
قَالَ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ لِكُلٍّ ہر ایک اگلے پچھلے لوگوں کے لئے ضِعْفٌ دوہرا عذاب ہے لیڈروں پر بوجہ کفر اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے اور اُن کے مقتدیوں پر بوجہ کفر اور لیڈروں کی تقلید کے۔
فائدہ: یہ تضعیف اس لئے نہیں کہ وہ اس کے مستحق نہیں۔ اس طرح سے بلاوجہ کسی کو دوہرے عذاب مبتلا کرنا

لہ: یہ مرزا قادیانی سے اس کی تفصیل فقیر کی الباب الصرف میں دیکھئے۔ (اویسی غفرلہٗ)

ظلم ہے۔ بلکہ کفر کے علاوہ لیڈروں کو دوہرا عذاب دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے اور ان کے مقتدیوں کو بوجہ تقلید کے
وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ لیکن تمہیں معلوم نہیں ہو رہا کہ تمہیں کیا ہو رہا ہے اور تمہارے دوسروں کو کس طرح عذاب میں مبتلا کیا جا رہا ہے ۳۹ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ کافروں کے لیڈر خطاب کرتے ہوئے لِاُخْرٰىهُمْ اپنے پیروکاروں سے کہیں گے جب وہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سن لیں گے۔ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ۔ تمہیں اوپر کسی قسم کی فضیلت نہیں کہ تم نے کفر سے کنارہ کشی کی اور گمراہی سے دُور رہے ہو۔ بلکہ تم کفر و گمراہی میں ہمارے برابر کے شریک ہو پھر اب کس خیال میں ہو کہ تمہیں بہ نسبت ہمارے عذاب میں تخفیف ہو گی یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تمہیں تمہارے سے زائد عذاب ہو۔ ہم نے کفر پر تمہیں مجبور تھوڑا کیا تھا بلکہ تم خود اس میں مبتلا ہوئے اس لیے کہ وہ تمہاری خواہشات کے عین مطابق تھا۔ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ پس تم عذاب چکھو۔ جیسا کہ تمہارے مقدر ہوا ہے یہ کفار کے لیڈر اپنی دل کی تسلی کے لئے کہیں گے۔ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝ بسبب اس کے کہ تم کفر کا ارتکاب خود کرتے تھے اور اب اس کا عذاب دوسروں پر ڈالتے ہو۔

سے

جملہ دانند ایں اگر تو نگر دی
ہر چہ کاریش دوزے بدر دی

ترجمہ: سب کو معلوم ہے اگر تو یقین نہیں کرتا تو جو کچھ تو بوئے گا وہی پھل کاٹے گا۔

فائدہ: کفار وہی تو ہیں کہ جنہوں نے اللہ والوں کی رہبری سے انکار کیا اور برائیوں کے مرتکب ہوئے اور انہیں انبیاء و اولیاء کے طریقے اچھے نہ لگتے تھے۔ اب وہ اپنی اُن غلطیوں کا اعتراف کریں گے اور کہیں گے کہ واقعی وہ دنیا میں گمراہ تھے لیکن ان کا یہ اقرار اس وقت کسی کام نہ آئے گا۔

سبق: دانا وہ ہے جو موت سے پہلے ہی اپنے حالات صحیح کرلے۔

حدیث شریف: اپنے ایمان کی روزانہ تجدید کر لیا کرو۔

فائدہ: تجدید سے ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف منتقل ہونا مراد ہے اس لئے کہ احناف کے نزدیک تو ایمان پہلی بار کلمہ شہادۃ پڑھنے سے مکمل ہو گیا اب اس کی تجدید کا کیا معنیٰ۔ البتہ ایمان کے اٹھارہ مراتب ہیں

انہیں وہ ملے کرتا ہے جسے عنایت الٰہی نصیب ہو۔ مثنوی شریف میں ہے۔

۱۔ تازہ کن ایماں نہ از قول زبان
اے ہوا را تازہ کردہ در نہاں

۲۔ تا ہوا تازہ است ایماں تازہ نیست
کیں ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

ترجمہ ۱۔ ایمان تازہ کر لیکن نہ صرف زبانی باتوں سے اے وہ جو تو نے خواہشات دل میں ٹھہرا رکھی ہیں۔
۲۔ جب تک خواہشات نفسانی تازہ ہیں ایمان تر و تازہ نہیں ہو سکتا یہ خواہشات تو اس دروازہ کا تالا ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے ایمان کی دعوت دی ہے جس نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کی وہ ہدایت پا گیا اور اسے بہشت نصیب ہوگی اور جو منکر ہوا وہ جہنم میں گیا۔

عجائبات بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم بھی غایت شفقت سے پیدا فرمائی ہے اس لئے کہ مثلاً جو شخص اعلان کرے کہ میری مہمانی قبول کرو۔ جو آئے گا عزت پائے گا اگر نہیں آئے گا تو اس پر حرج نہیں لیکن دوسرا یوں اعلان کرے کہ میری مہمانی قبول کرو جو آئے گا عزت پائے گا اگر نہیں آئے گا تو اسے سزا ملے گی۔ یہ صرف اپنی مہمانی کی حاضری کے لئے کہے تو اس دوسرے کا اعلان شفقت و رحمت میں ہو کر ہوگا۔

(۲) بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ نار جہنم ایک وجہ سے خیر ہے اور دوسری وجہ سے شر۔ جیسے نمرود کی آگ کفار کی نظروں میں عذاب تھی لیکن ابراہیم علیہ السلام کے لئے نعمت و رحمت یا جیسے حاکم کے ہاتھ کا ڈنڈا سرکشوں کے لئے رحمت ہے کہ انہیں سیدھا کر کے برائی سے بچائے گا اور دوسرے لوگ اسے عذاب سمجھیں گے۔

نسخہ: جو شخص عذاب جہنم سے بچنا چاہے اسے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

حکایت حضرت مولانا روم قدس سرہ ایک دن قرآن والوں کو وعظ فرما رہے تھے کہ جو شخص گناہ کرتے کرتے توبہ کے بغیر مر گیا تو وہ جہنم میں جائے گا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے ظلم نہیں۔ پھر گناہوں کی سزا دے کر اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے نکال کر بہشت میں داخل فرمائے گا۔ ایک شخص نے وعظ میں کہا کاش کہ ایسا بندہ اپنی بے عزتی سے پہلے سمجھ جاتا تو اسے عزت و احترام سے بہشت نصیب ہوتی پھر اس نے حضرت مولانا روم قدس سرہ سے عرض کی۔ حضرت! آپ میرے لئے دعا فرمائیے کہ وہ کریم مجھے عزت و احترام سے ہی بہشت عطا فرمائے۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ کریم ہمارے ساتھ لطف و کرم فرمائے۔ وہی توفیق و ہدایت کا مالک ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ

وہ جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان کے مقابل تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے

لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ

دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں جب تک سوئی کے ناکے اونٹ نہ داخل ہو

وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ۝ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ

اور مجرموں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں انہیں آگ ہی بچھونا اور آگ ہی اوڑھنا

وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا

اور ظالموں کو ہم ایسی ہی جزا دیتے ہیں اور وہ جو ایمان لائے اور طاقت بھر اچھے کام کیے ہم کسی پر طاقت سے

إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم

زیادہ بوجھ نہیں رکھتے وہ جنت والے ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا اور ہم نے ان کے سینوں میں سے

مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا

کینے کھینچ لیے ان کے نیچے نہریں بہیں گی اور کہیں گے سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُودُوا

اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ ہمیں راہ نہ دکھاتا بیشک ہمارے رب کے رسول حق لائے اور ندا ہوئی

أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ

کہ یہ جنت تمہیں میراث ملی صلہ تمہارے اعمال کا اور جنت والوں نے دوزخ والوں

أَصْحَابَ النَّارِ أَن قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدتُّم مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ

کو پکارا کہ ہمیں تو مل گیا جو سچا وعدہ ہم سے ہمارے رب نے کیا تھا تو کیا تم نے بھی پایا جو تمہارے رب نے تمہیں

حَقًّا قَالُوا نَعَمْ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝

سچا وعدہ دیا تھا بولے ہاں اور بیچ میں منادی نے پکار دیا کہ اللہ کی لعنت ظالموں پر

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ۝

جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اسے کجی چاہتے ہیں اور آخرت کا انکار رکھتے ہیں

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا
اور جنت و دوزخ کے بیچ میں ایک پردہ ہے اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے کہ دونوں فریق کو ان کی پیشانیوں سے پہچانیں گے اور
أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا
وہ جنتیوں کو پکاریں گے کہ سلام تم پر یہ جنت میں نہ گئے اور اس کی طمع رکھتے ہیں اور جب
صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ
ان کی آنکھیں دوزخیوں کی طرف پھریں گی کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں ظالموں کے
الظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾
ساتھ نہ کر

تفسیر عالمانہ

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ، بے شک وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔

فائدہ آیات سے وہ دلائل مراد ہیں جو اصولِ دین پر دلالت کرتے ہیں جیسے توحید نبوت، بعثت۔

وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا اور انہوں نے تکبر کیا آیات سے یعنی اُن سے انکار کر کے ایمان محروم رہے اور نہ ان کے تقاضا پر عمل کیا۔ اس سے کفار مراد ہیں۔ لَا تُفَتَّحُ تاء ثانیہ کو مشدد کر کے پڑھا جائے اس لئے کہ آسمان کے دروازے کثیر التعداد ہیں۔ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے یعنی نہ ان کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اور نہ ہی ان کے اعمال قبول ہوتے ہیں اور نہ ہی آسمان کی طرف اُن کی روحیں جا سکتی ہیں جیسے اہلِ ایمان کی شان ہے کہ ان کی دعائیں بھی مستجاب ہوتی اور ان کے اعمال بھی قبول ہوتے ہیں اور ان کی ارواح بھی آسمان پر جاتی ہیں۔

حدیث شریف مومن کی روح آسمان پر لے جائی جاتی ہے تو اس کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں پھر اسے کہا جاتا ہے مبارک ہو اس نفس کو جو پاکیزہ جسم کے اندر رہا۔ اسی طرح اسے ساتوں

آسمانوں پر سے جایا جاتا ہے اور اسی طرح اس کا استقبال ہوتا ہے اور کافر کی روح کے لئے جب آسمان کے دروازہ کھولنے کے لئے کہا جاتا ہے تو اس کے لئے جواب آتا ہے کہ اے خبیث روح ذلیل و خوار ہو واپس لوٹ جا۔ اسی طرح اسے سجین میں دھکیلا جاتا ہے۔

فائدہ: سجین سب سے بڑے ابلیس کے ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ساتوں زمینوں کے نیچے واقع ہے۔

مسئلہ: تمام ارواح خواہ سعید ہوں یا شقی سب کے سب اپنے اجسام کے ساتھ متعلق رہتے ہیں۔ اس بنا پر روح کو عذاب ہوتا ہے تو جسم کو اس سے درد محسوس ہوتا ہے جیسے سورج کو آسمان پر ہے لیکن اس کا نور زمین پر ہے

وہابی دیوبندی کو تازیانہ عبرت

اہل ایمان گنہگاروں کی روحیں زمین و آسمان کے درمیان ہوا میں لٹکی رہتی ہیں ان میں بعض اپنی قبور میں مقید ہوتی ہیں کسی ایک ہفتہ تک کسی کو مہ و سال تک کسی کو کم، کسی کو زائد لیکن ان کو اس وقت نجات نصیب ہوتی ہے جب ان کے لئے ایصال ثواب کیا جاتا ہے اور نیکیوں کے ذریعے ان کی امداد کی جاتی ہے تب وہ کہیں صرف آسمان دنیا کی کسی ایک اقامت گاہ میں انہیں جگہ ملتی ہے۔[1]

وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ اور وہ بہشت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو۔ یعنی یہاں تک کہ کوئی بڑے جسم والی شے کسی چھوٹے سوراخ والی شے میں داخل ہو جائے اور ظاہر ہے بڑے جسم والا اونٹ ہے اور تنگ سوراخ والی سوئی ہے یعنی جب مذکورہ بالاصورت ناممکن ہے اسی طرح اس کا موقف یعنی کافر کا بہشت میں داخل ہونا بھی محال ہے۔ عرب کا دستور ہے کہ کسی غیر ممکن الصدور شے کو دوسری غیر ممکن الصدور سے مثال دیا کرتے ہیں۔ مثلاً کسی شاعر نے کہا ہے

اذا شاب الغراب اتيت اهلی

وصار القار کاللبن الحلیب

ترجمہ: جب کوا بوڑھا ہوگا تو میں اپنے گھر آؤں گا یا اس وقت تارکول سیاہ دودھ کی طرح سفید ہوگا یعنی نہ کوا بوڑھا ہوگا۔ اسی طرح نہ تیل مذکور سفید ہوگا۔ نہ گھر واپس آئے گا۔

حل لغات: الجمل ناقہ (اونٹنی) کے نر کو کہا جاتا ہے اور نر اونٹ کو اس وقت جمل کہا جاتا ہے جب وہ ساتویں سال میں قدم رکھے ایسے ساتویں والے اونٹ کو رباع اور اونٹنی کو رباعیہ

---

[1] بفضلہ تعالیٰ ثواب کی سنت ہم اہل سنت میں بکثرت مروج ہے اور دیوبندی وہابی ٹولہ تعیین کی چکر بازی سے اکثر اس سنت نبوی سے محروم رہتے ہیں۔ ۱۲۔ اُویسی غفرلہٗ

(بالتخفیف) کہتے ہیں۔ الخیاط ہر وہ شے کہ جس سے کسی شے کو سیا جائے۔ لیکن یہاں پر سوئی کا سوراخ (ناکہ مراد ہے)۔

فائدہ: اگر الجمل بضم الجیم وتشدید المیم ہو بمعنی چھال سے بنی ہوئی موٹی رسی۔ یا کشتی کا موٹا رسا ہے قلس کہتے ہیں جسے چند رسیوں سے ملا کر بہت موٹا کر کے بٹا جاتا ہے۔ وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح بہت بڑی ہیبت ناک جزا یعنی بہشت سے محرومی کی طرح نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ۔ ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں اس سے مجرمین کی جنس مراد ہے کہ جو مجرم ہوگا وہ ہر حال میں جنت سے محروم ہوگا لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ ان کے لئے جہنم کے بچھونے ہوں گے مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ سے حال ہے مہاد سے جہنم کے بچھونے مراد ہیں۔ جن پر جہنمی لیٹیں گے اور ان پر بیٹھیں گے۔ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ اور ان کے اوپر پردے ہوں گے۔ غواش غاشیہ کی جمع ہے ہر وہ چیز جو کسی شے کو چھپالے۔ خلاصہ یہ کہ جہنم انہیں ہر طرف سے گھیرے گی۔ اس طرح معلوم ہوگا کہ آگ جہنم کا بالا پوش ہے

حدیث شریف کافر کو قبر میں جہنم کی دو تختیاں پہنائی جاتی ہے۔ وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح سخت سزا یعنی جہنم کے عذاب میں مبتلا کرنے سے نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ۔ ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔ چونکہ جہنم کے لیے عذاب دینے سے سب سے بڑا عذاب سمجھا جاتا ہے اس لئے اس کے بالمقابل جرم بھی سب سے بڑا ذکر کیا گیا ہے۔

حکایت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک شخص کا ذکر کیا گیا کہ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے آخر میں جہنم سے اس شخص کو نکالا جائے گا جس کا ھناد نام ہوگا جسے جہنم میں ایک ہزار سال "یاحنان یامنان" پکارتے گزرا ہوگا۔ یہ حکایت سن کر حضرت حسن رو پڑے اور کہا کاش کہ وہی ھناد میں ہوتا۔ آپ کے مریدین نے یہ سن کر تعجب کیا تو آپ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ پھر بھی جہنم سے نکلے گا اور ہیں تو اتنا بھی اپنے اوپر بھروسہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا الخ میں اچھی عادتیں مراد ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو عنایت فرمائیں یا وہ کرامات وعلوم لدنیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولیاء کرام کو عطا ہوئیں۔ جن کا مخالفین نے ان کے ماننے سے انکار کیا بلکہ یہ سمجھا کہ ایسی باتیں ایسے لوگوں سے ظاہر نہیں ہو سکتیں۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ آیت میں ابواب السماء سے قلوب سماء مراد ہیں کہ جن کے دروازے کھلتے ہیں تو سالک کو بارگاہ حق کا حضور نصیب ہوتا ہے۔ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ میں الجنۃ سے القربۃ والوصال کی جنت مراد ہے حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ میں الجمل سے نفس متکبر مراد ہے فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ سے طریقت کا راستہ مراد ہے کہ جس سے نفس امارہ کی تربیت کی جاتی ہے اور اس کا اس سے تزکیہ کیا جاتا

ہے تاکہ وہ امارہ سے مطمئنہ ہو جائے تاکہ وہ ارجعی کے خطاب کا مستحق ہو خلاصہ یہ کہ جب نفس امارہ تکبر سے اونٹ کی طرح ہو جاتا ہے وہ تو جنت حقیقت کے داخلہ کا مستحق نہیں جب تک کہ احکام شریعت اور آداب طریقت سے اس کا تزکیہ نہ ہو۔ جب کہ اس کا تزکیہ ہو جاتا ہے تو اس کے صفات ذمیمہ مٹ جاتے اور ماسوی اللہ کے تمام تعلقات درمیان سے اٹھ جاتے ہیں تو پھر سوئی کے ہزارویں حصے سے باریک ہو جاتا ہے اس طرح وہ فنا کے دھاگے میں سما سکتا ہے۔ بنا بریں اس کے بعد اسے جنۃ اللقاء کی بہشت میں داخل کیا جاتا ہے اسے پورے طور سمجھ لو کَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ۔ اسی طرح ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ضعیف لطیف نفس پر گناہوں کا بوجھ لادا ہے اور اسے ایسا کمزور کیا کہ وہ اونٹ کی طرح ہو گیا۔ جیسے اس کی بوجھ اٹھانے کی علامات بن جاتی ہے ایسے ہی اس کے لئے ہم نے بھی ان کے لئے مجاہدہ و ریاضت کے بچھونے بنائے کما قال لھم من جھنم مھاد ومن فوقھم غواش یعنی مخالفت نفس اور خواہشات نفسانی کو مٹانا ان کا اوڑھنا بچھونا بن جاتا ہے کہ یہ ہر دونوں باتیں نفس کو محیط ہو کر انہیں پگھلا دیتی ہیں۔ بلکہ ان کی انانیت بالکل گل سڑ جاتی ہے اور ساتھ ہی ان کے وہ گناہ بھی جل جاتے ہیں جن کہ وہ قبل ازاں مرتکب ہوئے تھے اس طرح سے وہ بہشت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ یعنی ظالمین کو بھی ہم اس طریقے سے سزا دیتے ہیں تاکہ دنیا میں ان کے گناہ معاف ہو جائیں اور جتنے لوگوں کے حقوق ان کے ذمہ ہیں وہ سب کے سب مستحقین کو واپس مل جائیں۔ پھر جب وہ آخرت میں پہنچیں تو وہ بہشت کے داخلہ کی استعداد رکھتے ہوں۔ اگر کوئی بھی دنیا کی سزا سے بچ گیا تو وہ مذکورہ بالا طریق سے اسے آخرت میں سزا دیں گے۔ کما قال ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ یعنی ہم انہیں دنیا کا عذاب چکھائیں گے جو بہ نسبت آخرت کے عذاب کے بہت کم ہے تاکہ وہ گناہوں سے رجوع کریں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

نسخہ روحانی مجاہدہ اور سلوک طریق تصفیہ اخیار (بزرگوں کا طریقہ ہے)

حکایت جب حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ وادی میں داخل ہونے لگے تو آپ کو شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ اس میں نہ جائیں اس لئے کہ وادی مذکور جان لیوا ثابت ہو گی فلہذا اپنا ارادہ ترک فرمائیے اور پھر آپ کے ساتھ زادِ راہ بھی نہیں اور نہ ہی آپ کے پاس سواری ہے آپ نے اس کے جواب میں یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ جائیں گے ضرور لیکن ہر میل پر ایک ایک دوگانہ پڑھتے جائیں گے۔ آپ کو اسی طرح اس وادی کو طے کرتے ہوئے بارہ سال گزر گئے یہاں تک کہ ہارون الرشید حج کو گیا تو آپ کو دیکھا کہ آپ ایک میل کے نیچے نوافل پڑھ رہے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر پوچھا یہ کون بزرگ ہیں۔ انہیں بتایا گیا کہ یہ ابراہیم

بن ادہم ہیں۔ چنانچہ ہارون رشید آپ کے ہاں حاضر ہوا اور عرض کی۔ اے ابو اسحاق کیا حال ہے اس کے جواب میں آپ نے یہ شعر پڑھ کر سنائے ؎

نرقع دنیانا بتمزیق دیننا
فلا دیننا یبقی ولا ما نرقع

فطوبی لعبد آثر الله ربه
وجاد بدنیاه لما یتوقع

ترجمہ :- ہم دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے دنیا جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بدقسمتی سے نہ چاہئے ہاتھ میں دین باقی رہتا ہے نہ دنیا۔ وہ بندہ خوش قسمت ہے جو صرف طالب مولا ہے۔ پھر اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ دنیا اس کے قدموں پر قربان ہوتی ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دع التکاسل تغنم فقد جری مثل
کہ زاد راہروان چستیست و چالاکی

ترجمہ : سستی چھوڑ اور وقت کو غنیمت جان اس لئے کہ مسافروں کا زادِ راہ چستی اور چالاکی ہے۔

تفسیر عالمانہ ۴۲ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی آیات پر وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور نیک عمل کئے یعنی ان اعمالِ صالحہ پر عمل کیا جو آیات مذکورہ سے مشروع ہیں اُن سے وہ اعمال مراد ہیں جنہیں رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ہم کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی وسعت کے مطابق۔

فائدہ : وسع بمعنی طاقت اور قدرت ہے یہ مبتدا اور خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ بہشت کا استحقاق دو باتوں سے ہے ایمان اور اعمال صالحہ لیکن اعمالِ صالحہ حسب وسعت و طاقت بشری کے اس سے مراد یہ نہیں کہ اعمال صالحہ میں کھپا جائے۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ وہی لوگ بہشتی ہیں یعنی ایسے لوگوں کے لئے بہشت لازم ہے۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اصحاب الجنۃ سے حال ہے۔ ۴۳ وَنَزَعْنَا نزع بمعنی شے کو جڑ سے اکھیڑ دینا۔ مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ یعنی اُن کے دلوں کے اندر جو کچھ ہوگا اسے باہر نکال کر پھینک دیں گے۔ مِّنْ غِلٍّ یعنی ان کے دلوں کے اندر ایک دوسرے کی سخت رنجش اور آپس کا بغض یعنی جو کچھ دنیا میں ایک دوسرے پر بغض و عداوت کے اسباب ان کے دلوں پر پیدا ہوئے انہیں ہم نکال دیں گے اس لئے کہ وہ اسباب بوجہ دنیا میں رہنے اور اس سے متعلق

ہونے کی وجہ سے تھے۔ اب جب کہ دنیا میں نہ رہے تو ان اسباب کا ہونا کس لئے۔

فائدہ: حسد بغض کینہ وغیرہ دنیا میں شیطان کے وسوسے سے پیدا ہوتا ہے جب دار آخرت میں پہنچیں گے تو نہ شیطان ہوگا نہ وہ وسوسہ ڈالے گا اور نہ حسد اور بغض و کینہ پیدا ہوگا۔ اس لئے کہ شیطان تو جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوگا جب اسے اس سے فراغت ہی نہ ہوگی تو قلب انسانی میں کس طرح وسوسہ ڈال سکے گا یا یہ معنی ہے کہ ہم ان کے قلوب سے حسد اور بغض و عداوت کو دھو ڈالیں گے اب جب کہ مادہ فاسدہ ہی نہ ہوگا تو پھر وہاں سوائے آپس کی محبت کے اور کچھ نہ ہوگا۔ یعنی قیامت میں ایک دوسرے کے درجات بلند دیکھ کر آپس میں حسد نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی کو بلندی درجات کی محرومی سے کچھ رنج وغم ہوگا۔

شانِ نزول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحہ و زبیر و ابن مسعود و عمار بن یاسر و سلمان و ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں نازل ہوئی جب کہ دنیا میں ان کے آپس میں معمولی طور جھگڑے ہوئے یا جنگیں ہوئیں۔ ان کے تمام خیالات و تصورات مٹا دیئے جائیں گے اور بھائی بھائی ہو کر بہشت کے بلند تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے نظر آئیں گے۔

پاک و صافی شو و از چاہ طبیعت بدر آئی
کہ صفائی نہ دہد آب تراب آلودہ

ترجمہ: پاک و صاف ہو اور طبیعت کے کنوئیں سے باہر آ جا جس میں مٹی ہو وہ کنواں صاف پانی نہیں دیتا۔

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ۔ ان کے درختوں اور بالاخانوں کے نیچے جاری ہوں گی اَلْاَنْهٰرُ۔ نہریں تاکہ ان کے سرور اور لذت میں اضافہ ہو۔ وَقَالُوا۔ جب اہل جنت اپنی منزلیں دیکھیں گے تو کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں ہدایت بخشی لِهٰذَا اس دین اور اعمال صالحہ کے لئے کہ جس کی جزا یہی بلند مراتب ہیں۔ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ ورنہ ہم مرتبہ علیہ پر پہنچنے کے لائق نہ تھے۔ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دیتا یعنی صرف اس کی توفیق سے ہمیں یہ مراتب نصیب ہوئے۔

۱۔ گر بدرقہ لطف تو ننماید راہ
ازراہ تو ہیچکس نگردد آگاہ

۲۔ آنکہ کہ بہ رسند و باید رفتن
توفیق رفیق نشد و اویلاہ

ترجمہ: اگر تیرا لطف رہبر بن کر راہ نہ دکھلائے تو تجھ تک کسی کو راہ نصیب بھی نہ ہو۔

وہ جو صحیح راہ پا چکے اور اسی پر چلنا چاہیے لیکن افسوس کہ انہیں کو توفیق نہ ہوئی۔

اعجوبہ تفسیر: حضرت سدی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب بہشتیوں کو بہشت میں لے جایا جائے گا تو بہشت کے دروازہ پر ایک درخت پائیں گے جس کی جڑوں سے دو چشمے جاری ہوں گے اُن کے ایک سے پانی پئیں گے تو ان کی دلوں میں جتنا حسد اور بغض و کینہ ہو گا وہ سب نکل جائے گا۔ یہی شرابًا طہورًا ہو گا دوسرے سے غسل نہائیں گے تو انہیں بہشت کی رونق نصیب ہو جائے گی کہ جس سے سر کے بال اجڑے ہوئے نظر آئیں گے اور نہ ہی جسم پر میل کچیل اور ہر طرح کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہو جائے گا۔

فائدہ: شعث بمعنی سر کے بالوں کا منتشر ہونا۔ اشعث ہر وہ شخص جس کے سر کے بال اُجڑے ہوئے اور غبار آلود ہوں اور شحب از باب نَصَرَ یَنصُرُ بمعنی تغیر۔ ان چشموں کے پانی پینے اور نہانے کے بعد بہشت میں داخل ہونے سے پہلے ان کا ملائکہ کرام استقبال کرتے ہوئے کہیں گے۔ اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ یہ وہی بہشت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو بوجہ ان اعمال صالح کے جو تم نے دنیا میں کئے بہشتی جب بہشت میں داخل ہو کر اپنی منزلوں میں قرار پائیں گے تو کہیں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدٰنَا۔ الخ۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء کرام کے نزدیک غل سے صفات بشریہ اور اس کی کدورت مراد ہے اور دل کی پاکی نور ایمان سے اور روح کی ماءِ عرفان سے اور اسرار کی شرابِ طہور سے ہوتی ہے جس کی وجہ سے اُن پر صفاتِ جمال متجلی ہوتے ہیں۔ اور اہلِ حقیقت کے دلوں میں حسد اور بغض و عداوت ہوتی ہی نہیں نہ دُنیا میں نہ آخرت میں۔

تفسیر عالمانہ: لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا۔ یہ جواب ہے قسم محذوف کا جو کہ دراصل "واللہ لقد جاء" تھا۔ یعنی بخدا بے شک ہمارے ہاں ہمارے رب تعالیٰ کے رسل کرام تشریف لائے بالحق حق بے کہ یہ با تعدیہ کی ہے یا ملابست کی ہے۔ اس معنی پہ عبارت ہو گی لقد جاءوا متلبسین بالحق اس کا تعلق اہل جنت سے جب وہ اپنے رسل کرام کے دیئے ہوئے وعدوں کے مطابق نعمتوں کو آنکھوں سے دیکھیں گے تو یہی کہیں گے گویا وہ خوشی اور سرور مستی سے اقرار کرتے ہوئے اپنی مسرت کا اظہار کریں گے۔

فائدہ: حدادی صاحب نے فرمایا کہ اس سے ان کی شہادت مراد ہے کہ واقعی ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ کے پیغمبران عظام علیہم السلام حق لے کر تشریف لائے اور ہم نے نہ مانا۔ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ۔ اہل بہشت کو دُور سے ملائکہ پکار کر کہیں گے کہ تم جو کچھ دیکھ رہے ہو یہ وہی بہشت ہے جس کا تمہیں دنیا میں وعدہ دیا گیا تھا اس معنی پر یہ اَن مفسرہ ہو گا یا مخففہ ہے اور تلکم مبتدا ہے۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے جو بہشتی دُور سے دیکھیں گے۔ الجنۃ خبر ہے اور اس کی لام عہد کی ہے۔

اُوْرِثْتُمُوْھَا ؕ تم اس کے وارث بنائے گئے ہو یہ الجنۃ سے حال ہے۔ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ بسبب ان اعمال صالح کے جو تم نے دنیا میں کئے۔

سوال : اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کی وجہ سے بہشت میں داخل ہوگا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " تم میں کوئی بھی اپنے اعمال کی وجہ سے بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ بلکہ بہشت کا داخلہ صرف رحمت الٰہی کے سبب سے ہوگا۔ آیت مبارکہ و حدیث شریف میں تطبیق کس طرح دوگے۔

جواب : اعمال صالحہ ذاتی طور تو بہشت کے داخلے کے اسباب نہیں بلکہ اس لئے کہ ان پر عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور ان کی بجا آوری پر اس نے اپنے فضل و کرم سے بہشت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے یہ محض اس کا فضل و احسان ہے چونکہ فضل و کرم کا وعدہ اعمال کے سبب سے ہے بنا بریں آیت میں اسے بیان کیا گیا۔ اس لئے فرمایا گیا ہے اور ثُمَّتُوھَا الخ ورنہ حقیقی طور تو بہشت کا داخلہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے ہوگا " کذا فی حواشی ابن الشیخ "

حدیث شریف قدسی بہشتیوں کو قیامت میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ پل صراط سے میرے عفو و کرم سے گزرو اور بہشت میں میری رحمت سے داخل ہو جاؤ اور اسے اپنے اعمال کے مطابق تقسیم کرلو اس سے اعمال کی وہ جنت ہے جس میں لوگ اپنے اعمال کے مراتب کے مطابق داخل ہوں گے جس کے اعمال زیادہ ہوں گے انہیں بہشت کا وافر حصہ ملے گا خواہ اس مرتبہ پر کوئی اور بھی فائز ہو بہشت میں بعض ایسے درجات بھی ہیں جو خصوصیت سے مخصوص اعمال پر ملیں گے۔

حضرت بلال اور شب معراج حدیث صحیح میں ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے بلال تم کس عمل کی برکت سے مجھ سے پہلے بہشت میں پہنچے میں بہشت میں تیرے جوتوں کی آہٹ سنتا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ میں بے وضو نہیں رہتا جب وضو ٹوٹتا ہے تو فوراً وضو کر لیتا ہوں اور جب وضو کرتا ہوں تو فوراً دوگانہ پڑھ لیتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا بس یہی وجہ ہے۔

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو وہ مرتبہ ایک خصوصی عمل سے نصیب ہوا۔

قاعدہ : ہر فرض و نفل اور ہر کار خیر اسی طرح ہر برائی اور مکروہ عمل سے بچنے پر علیحدہ علیحدہ مخصوص بہشت کا مرتبہ مختص کیا جائے گا اور خصوصی نعمت نصیب ہوگی جو صرف اس عمل کی وجہ سے ہوگی۔

اقسام طاعات بعض کے مراتب بڑھاپے کی وجہ سے بڑھ جائیں گے مثلاً کوئی شخص طاعت الٰہی میں بڑی عمر پا کر مرے گا تو اس کے مراتب اس شخص سے بلند ہوں گے جو چھوٹی عمر میں طاعات

الٰہی بجا لاکر مرا ۔ بعض کو زمانہ کی نسبت سے فضیلت ہو گی ۔ مثلاً رمضان شریف اور جمعہ مبارک اور لیلۃ القدر اور دسویں ذوالحج و محرم یعنی یوم عاشورہ کی عبادت کا ثواب بہ نسبت دوسرے ایام کے افضل و اعلیٰ ہے بعض کو بوجہ مکانوں کے فضیلت ہو گی مثلاً مسجد حرام کی عبادت مسجد مدینہ سے اور مسجد مدینہ طیبہ کی عبادت مسجد اقصیٰ سے اور مسجد اقصیٰ کی تمام مساجد کی عبادت سے افضل ہے بعض کو بعض احوال سے فضیلت ہوتی ہے ۔ مثلاً نماز با جماعت پڑھنا اکیلے کی نماز سے افضل ہے بعض اعمال بھی بہ نسبت دوسرے اعمال کے افضل ہوتے ہیں مثلاً نماز افضل عبادت ہے بہ نسبت راستہ سے ایذا دینے والی چیز کو دور کرنے سے بعض موقع ایک کے ساتھ نیکی کرنے سے بہت لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے سے زیادہ ثواب ہوتا ہے ۔ مثلاً رشتہ دار کو صدقہ دینا دوسروں کے صدقہ دینے سے افضل ہے ۔ اسی طرح سید صاحب کو نذرانہ پیش کرنا بہ نسبت دوسروں سے مروت و احسان کے زیادہ ثواب ہے ۔ بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ اس سے ہر وقت اعمال کثیرہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے ۔ مثلاً روزے دار کو بوقت روزہ آنکھ اور کان اور ہاتھ کو پابند شرع رکھنے سے ہر ایک عضو کا علٰحدہ علٰحدہ ثواب ملتا ہے ۔ اسی طرح صدقہ دیتے وقت آنکھ اور ہاتھ وغیرہ کا صدقہ کے علاوہ ثواب ملتا ہے بلکہ نماز میں تو سلامی تعظیم کے رونگٹے رونگٹے کا اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے اور اس میں اندرونی اعضاء مثلاً نیت قلبی سے قلب کے علاوہ ثواب ملے گا دیکھئے ایک وقت میں کتنا بہت بڑا اجر و ثواب نصیب ہوا ۔ صرف اس لئے کہ ایک کام کرتے وقت متعدد وجوہ سے ثواب حاصل ہوتا گیا ؛ یں نماز کی عبادت اور بہت بڑی عبادات پر فوقیت رکھتی ہے

فائدہ : ایک جنت مخصوص ہے جو قیامت میں مندرجہ ذیل مخصوص حضرات کو ملے گی جو اللہ تعالیٰ خصوصی طور اعمال کے بغیر عطا فرمائے گا ۔

(۱) وہ چھوٹے بچے جو عمل صالح کے لائق نہ ہوئے تھے کہ انہیں پیک اجل پہنچا اس کی حد چھ سال ہے یعنی وہ چھوٹے بچے جو پیدا ہونے کے بعد چھ سال کے اندر فوت ہو گئے انہیں جن کو خداوند قدوس چاہے گا اپنی خصوصی جنت عطا فرمائے گا ۔

(۲) وہ مجنون اور پاگل جو دنیا میں بے عقل ہو کر زندگی بسر کر گئے ۔

(۳) اہل توحید علمی

(۴) اہل عزت یعنی اس زمانے کے لوگ جس زمانہ میں کوئی نبی علیہ السلام مبعوث نہ ہوا ۔ اسی طرح وہ لوگ جن کو کسی نبی علیہ السلام کی دعوت دینی نہ پہنچ سکی ۔

فائدہ : ایک جنت میراث بھی ہو گی اسمیں وہ ہی لوگ داخل ہوں گے جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور اہل ایمان سب کے سب یعنی وہ مقامات جو اہل نار کے لئے متعین تھے کہ اگر وہ بھی ایمان و اعمال صالحہ کرتے تو انہیں یہی

مقامات نصیب ہوتے۔ لیکن شومی قسمت سے وہ دولت ایمان اور اعمال صالحہ سے محروم ہو کر دوزخ میں پہنچ گئے۔ اس لئے ان کے مقامات و مراتب مذکورہ لوگوں اور اہلِ ایمان پر تقسیم ہوں گے۔

حدیث شریف جب وہ اس وقت آرزو کریں گے کہ کاش ہمیں بھی ہدایت نصیب ہوتی اس سے وہ ندامت کے آنسو بہائیں گے جب اہلِ بہشت دوزخ میں اپنے متعین مقامات دیکھیں گے تو کہیں گے اگر ہمیں ہدایت نصیب نہ ہوتی تو ہم بھی وہاں ہوتے لیکن اس کریم نے ہمیں دوزخ سے بچا لیا۔

تفسیر صوفیانہ بہشت دو قسم ہے (۱) صوری (۲) معنوی صوری جنۃ تو محسوسات سے تعلق رکھتی ہے اور وہ اپنے بیان پہلے گی۔ لیکن معنوی جنت معقولات سے تعلق رکھتی ہے وہ نقد ملتی ہے اس کے لئے کوئی میعاد مقرر نہیں ایسی بہشت کے داخل ہونے والوں کو اہلِ فنا و بقا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

جنتہ نقد ست۔ ایں جا عشرت و عیش و حضور
زانکہ درجنت خدا بر بندہ نہ نوید گناہ

اَللّٰھُمَّ شَرِّفْنَا بِالْجِنَانِ اِنَّکَ اَنْتَ الْمَنَّانِ

ترجمہ: اے اللہ ہمیں جنت سے مشرف فرما بے شک تو منت و احسان والا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اور بہشتی دوزخیوں کو پکار کر کہیں گے بوجہ اپنے مال پر مسرور ہو کر اعدائے اسلام کا برا حال دیکھ کر اور انہیں حسرت میں ڈالنے کی غرض سے نہ انہیں اپنے حال سے باخبر کرنے یا ان سے احوال پوچھنے کی بنا پر۔

نکتہ اہلِ جنۃ و اہلِ نار کو آپس کی گفتگو اور ایک دوسرے کو ندا دینے کی ایک وجہ یہی ہے کہ اہلِ نار کو حسرت ہو ورنہ ان کے مابین اتنا بڑا بُعد ہو گا کہ جس کی مقدار صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس لئے کہ اہلِ جنت کے درجات کی بلندی اُن کے اعمال مطابق جتنا اونچی ہو گی اتنا اہلِ نار کے درجے جہنم میں نیچے ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ انہیں جنتیوں کے درجوں پر جھانکنے پر قدرت دے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

" فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ " یعنی اہلِ جنت جھانک کر جہنم کے وسط کو دیکھے گا اور کہے گا۔ اَنْ یہ منادی کی تفسیر کے لئے ہے اس لئے کہ ندا بمعنی قول کے ہے اور ایسے ابواب کے بعد اَنْ تفسیریہ آتا ہے یا تحتیہ ہے۔

قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا کیا تم نے بھی اپنے رب تعالیٰ کے وعدہ کو پایا ہے یا نہ۔ یعنی

جیسے تمہارے لئے عذاب کا حکم فرمایا تھا وہ تمہارے ساتھ پورا ہوا یا نہ۔

فائدہ :- وعدہ خیر و شر ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ حقًّا سچا وعدہ یہاں پر فعل ثانی کا مفعول محذوف ہے اس لئے کہ یہ "ما وعدکم" ہونا چاہیے تھا۔ جیسا کہ پہلے جملہ میں "ما وعدنا ربنا" کہا گیا ہے۔

نکتہ :- مفعول کو حذف کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ ایسے گرے ہوئے ہیں کہ اب وہ خطاب کی شرافت سے محروم ہیں۔ قَالُوْا نَعَمْ جہنمی کہیں گے ہاں ہم اپنے رب تعالیٰ کے وعدے کو پا چکے ہیں۔ وہ ایسے وقت اعتراف کریں گے لیکن اس وقت انہیں وہ اعتراف کوئی فائدہ نہ دے گا۔ کسی شاعر نے فرمایا ہے ؎

۱ کنون باید اے خفتہ بیدار بود

جو مرگ اندر آرد زخواست چہ سود

۲ تو پیش از عقوبت در عفو کوب

کہ سودے ندارد فغان زیر چوب

ترجمہ ۱ اے سونے والا ابھی جاگ جب موت خواب سے بیدار کرے تو کیا فائدہ۔

۲ سزا سے پہلے ہی معافی کا دروازہ کھٹکا، ڈنڈا کے نیچے فریاد فائدہ نہ دے گی۔

فَاَذَّنَ پس اعلان کرے گا۔ مُؤَذِّنٌ اعلان کنندہ اس سے وہ فرشتہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہو گا کہ ان سب کو اعلان کر دے جسے وہ تمام بہشتی اور جہنمی سن لیں گے۔ بعض کہتے ہیں اس سے اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں۔ بَیْنَهُمْ درمیان باذن کا مفعول فیہ ہے یعنی اسے حکم ہو گا کہ وہ دونوں طریقوں کے درمیان اعلان کرے کہ اَنْ یہ تفسیریہ ہے اس لئے کہ تاذین بمعنی قول ہے یا مخففہ ہے لَعْنَةُ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی لعنت لازم ہو چکی ہے۔ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ کفار پر (نہ کہ اہلِ ایمان پر)۔

سوال : تم نے یہاں پر "الظالمین" کا معنیٰ الکافرین کہاں سے سمجھا۔

جواب : جب لفظ ظلم مطلقاً مستعمل ہو تو وہاں ظلم کا آخری درجہ مراد ہوتا ہے اور ظلم کا آخری درجہ کفر و شرک ہے اس لئے ان کے حال کی خبر دینا مطلوب ہے بعض کہتے ہیں کہ ان پر لعنت کی ابتدا اس وقت سے ہو گی۔

۴۵ اَلَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ وہ لوگ جو روکا کرتے تھے یہاں پر یَصُدُّوْنَ بمعنی یُعْرِضُوْنَ ہے۔

سوال : یَصُدُّوْنَ بمعنی یَمْنَعُوْنَ کیوں نہیں کیا گیا۔

جواب : یمنعون متعدی ہے اور اس کے لئے مفعول بہ مقدر ماننا پڑتا ہے اور مقدرات بلاوجہ نہیں ہوتے۔ یعرضون سے بلاضرورت معنی صحیح ہو سکتا ہے تو پھر یمنعون کا معنیٰ میں تو وہاں حذف کی ضرورت پڑے گی۔ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے راستے یعنی دین سے جو کہ وہی اللہ تعالیٰ کا

راستہ تھا اور وہی بہشت کے داخلہ کا سبب تھا۔

فائدہ السبیل بمعنی الطریق وما وضح منہ ہے (کذا فی القاموس)

وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا اور وہ اس کے لئے ٹیڑھا پن کی تلاش میں رہتے تھے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے واضح طریق کو ٹیڑھا قرار دیتے اور اسے ہزاروں کوس حق سے دور سمجھتے تھے **وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ** اور وہ آخرت کے بھی منکر تھے اور کہتے تھے کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں۔

فائدہ اگر ظالمین بمعنی کافرین ہو تو اوصاف مذکورہ بمنزلہ تاکید کے ہوں گے اس لئے کہ ظالمین کی جو تین صفتیں بیان کی گئی ہیں یہی کفار کی صفتیں ہیں وہ تین صفات یہ ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا

۲۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو ٹیڑھا پن ظاہر کرنا۔ یعنی دین کی حقانیت کے دلائل میں شکوک و شبہات پیدا کرنا۔

۳۔ آخرت کا انکار کرنا یہ تمام صفات صرف کفار کے ہیں۔ جن ظالموں میں یہ اوصاف پائے گئے ان کے لئے کفر ثابت ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ اصحاب الجنۃ یعنی ارباب محبت اصحب النار یعنی قطعیت کے اصحاب کو پکار کر کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ "الا من طلبنی وجدنی" خبردار جو مجھے تلاش کرتا ہے وہ مجھے پا لیتا ہے کیا تم نے بھی اپنے وعدے کو پا لیا ہے کہ فرمایا تھا۔ مَنْ يَّطْلُبُ غیری کم یجدنی۔ جو میرے غیر کی طلب میں ہوتا ہے وہ مجھے ہرگز نہیں پائے گا۔ اہل قطعیت انہیں جواب دیتے ہیں کہ ہاں ہمیں اس غلطی کی سزا مل گئی ہے اس کے بعد عزت و عظمت کا اعلان کنندہ ان کے مابین اعلان کرے گا کہ ان ظالموں پر لعنت ہو کہ جنہوں نے اپنی استعداد کو غیر محل میں رکھا اور اسے غیر مصرف پر صرف کیا۔ ظالم وہ لوگ ہیں جو قلب و روح کو اللہ تعالیٰ کے راہ اور اس کی طلب سے دور رکھتے تھے بلکہ اس کے اندر ٹیڑھا پن تلاش کرتے تھے یعنی اپنے ارادوں کو دنیا و مافیہا کی طرف لگاتے اور وہ آخرت کے منکر تھے یعنی اہل محبت کی ان باتوں کا انکار کرتے تھے جہاں ان کی رسائی نہیں تھی بلکہ وہ ایسے امور کے طالب رہتے تھے جو ان کے حواس تک محدود تھے اور آخرت کی انہیں کسی قسم کی پرواہ نہ تھی۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق لوگوں کے مختلف مراتب ہیں کوئی اقراری کوئی انکاری، نگاہ کے مطابق مرتبہ نصیب ہوتا ہے جو سالک ہیں ان کے مراتب بلند ہیں اور وہ اس راہ سے بے خبر اور محروم ہی محروم ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

کودکاں گرچہ بیک مکتب دارند
درسبق ہر یک زیک بالاترند

خود ملائک نیز تا ہمت بدند
زیں سبب بہ آسماں صف صف شدند

ترجمہ: (۱) اگرچہ بچے ایک ہی مدرسہ میں پڑھتے ہیں لیکن سبق میں ایک دوسرے بلند و بالا ہیں
(۲) فرشتے بھی جب ہمتا ہوئے تو پھر آسمان پر صف بہ صف ہوئے۔

سبق سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ طلبِ حق میں جد و جہد کرے تاکہ اسے حقیقت کے خزانوں پر آگاہی نصیب ہو اس لئے کہ مطلب اعلیٰ اسے نصیب ہوتا ہے جو کھرے کھوٹے کا امتیاز رکھتا ہو۔

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی نصیحتیں

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ پرندے کی طرح زندگی بسر کرو کہ وہ اپنی روزی درختوں سے لیتا ہے اور پانی پی کر زندگی بسر کرتا ہے جب رات آجاتی ہے تو کسی غار میں چھپ کر رات بسر کر لیتا ہے اسے محبت ہے تو صرف میری ذات سے اور ڈرتا ہے اس سے جو میرا نافرمان ہے اے موسیٰ علیہ السلام میں نے قسم کھائی ہے جو عمل کا مدعی ہے اس کا دعویٰ غلط کردوں اور جو میرے سوا کسی دوسرے سے امید رکھتا ہے اس کی آرزو پوری نہ کروں اور جو میرے غیر پر سہارا کرتا ہے اس کی جڑ کاٹ دوں اور اس سے منہ پھیر لوں جو میرے سوا کسی دوسرے سے محبت کرتا ہے اے موسیٰ علیہ السلام میرے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ مجھے بلائیں تو میں ان کی بات سنوں اگر وہ مجھ سے دعا مانگیں تو میں ان کی دعا قبول کروں اگر وہ میری طرف متوجہ ہوں تو میں انہیں قریب کر دوں۔ اگر وہ میرا قرب چاہیں تو میں اُن سے پردہ بلائے صفات ہٹا دوں وہ جو عمل کریں میں اُن کی انہیں جزا دوں۔ میں ان کے جملہ امور کی کفالت کروں اور ان کے قلوب کو راز سے بھر دوں۔ بلکہ ان کے تمام کاموں میں میں ہی متولی ہوں۔ ان کی راحت صرف میرے ذکر میں ہوتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی بیماریاں بھی شفا ہوتی ہیں اور اُن کے دل نور سے منور ہوتے ہیں وہ صرف مجھ سے مانوس ہیں ان کے دل کا سفر صرف میری طرف ہوتا ہے۔ اُن کو قرار صرف میری ذات سے نصیب ہوتا ہے ایسا اور ان دونوں فریقوں یا بہشت و دوزخ کے درمیان حجاب پردہ ہوگا۔ جیسے شہر کے لئے چار دیواری ہوتی ہے کہ دوزخی بہشتیوں کے ہاتھ نہیں پہنچ سکیں گے اور نہ ہی بہشتی دوزخیوں سے ایذا پا سکیں گے اور نہ ہی دوزخی بہشتیوں کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکیں گے اس لئے کہ وہی پردہ ان کے ایک دوسرے تک پہنچنے نہیں دے گا نہ وارد ہے کہ اگر حور عین بہشت سے دنیا کی طرف جھانک کے دیکھے تو دنیا اس کے نور سے منور اور اس کی خوشبو سے معطر ہو جائے اسی طرح دوزخ کے متعلق لکھا ہے کہ اگر اس کی ایک چنگاری دنیا میں گرے تو تمام دنیا کو جلا کے رکھ دے۔

سوال :۔ مراد حجاب سے کیا ہے جو حجاب کیسا اور اس کی یہ تعبیر کیسی جب کہ وارد ہے کہ بہشت آسمانوں کے اوپر ہے اور دوزخ زمینوں کے نیچے۔

جواب : اللہ تعالیٰ نے آیت میں توضیح نہیں فرمائی اور نہ ہی اس کی مسافت بتائی ہے لیکن حجاب کا لفظ فرمایا تو ہمارا اس پر ایمان ہے۔ اس کے بعد مسافت کو حجاب سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے۔

وَعَلَى الْأَعْرَافِ اس حجاب کے اعراف یعنی اس کی بلندیوں پر اس سے وہ مضبوط قلعے مراد ہیں جو اہلِ ایمان اور کفار کے مابین کھڑے کئے گئے ہیں بعض کہتے ہیں یہی احد پہاڑ ان کے درمیان حجاب کے طور کھڑا کیا جائے گا اعراف عرف کی جمع ہے ہر اونچی اور بلند شے کو کہا جاتا ہے مثلاً کہتے ہیں عرف الدیک والفرس اور اسے اس نام سے اس لئے موسوم کرتے ہیں کہ اونچی شے اپنے سے نیچے والی اشیاء سے اعراف معروف تر ہوتی ہے رِجَالٌ بعض لوگ ہیں۔ اس سے وہ اہلِ ایمان مراد ہیں جنکی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی وہ جنتیوں اور جہنمیوں ہر دونوں کو دیکھیں گے کوئی ایسا عمل نہیں ہوگا کہ جس کے سبب سے وہ جہنم یا بہشت میں کسی ایک کے لئے راجح بن سکے پھر جب انہیں قیامت میں سجدہ کا حکم ہوگا وہی ایک عمل باقی ہوگا جس سے سجدہ کرنے پر بہشت اور نہ کرنے پر جہنم میں جانا ہوگا چنانچہ وہ سجدہ میں گریں گے تو بہشت میں داخل ہونگے اس لئے کہ اس ایک سجدہ سے نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا اعراف کے متعلق چند اقوال اور ہیں جنہیں ہم آگے چل کر بیان کریں گے منجملہ اُن کے ایک یہی ہے۔ **يَعْرِفُونَ** ۔ یہ رجال کی صفت ہے یعنی وہ لوگ پہچانیں گے کلا ہر ایک کو بہشت اور دوزخ والوں کو **بِسِيمٰهُمْ** ان کی نشانیوں سے جو کہ اللہ تعالیٰ نے بطور علامت کے ان ہر ایک کو دے رکھی ہیں۔ مثلاً بہشتیوں کے چہرے سفید ہوں گے اور دوزخیوں کے سیاہ لیکن علامات سے پہچاننا میدانِ حشر میں ہوگا اور بہشت کے داخلہ سے پہلے جب لوگ بہشت یا دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اس کے بعد علامات سے پہچاننے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اُس وقت مشاہدہ واحساس سے معلوم ہوگا کہ یہ بہشتی ہے اور وہ دوزخی۔

فائدہ : ندا۔ صرف اس کا ذکر آتا ہے۔ ایمان بہشت بہشت میں داخل ہونے کے بعد ہوگا۔ **وَنَادَوْا** یہ رجال کی دوسری صفت ہے۔

سوال : **يَعْرِفُونَ** اول مضارع و نَادَوْا صفت ثانی ماضی یہ کیوں۔

جواب : ندا کو وقوع پذیر ہونے پر محمول کرکے ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ علم معانی کا قاعدہ ہے۔

أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ بہشتیوں کو وہ اعراف والے ندا دیں گے۔ **أَنْ** یہ تفسیریہ یا مخففہ ہے۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ یعنی جب اعراف والے بہشتیوں کو دیکھیں گے تو انہیں دنیاوی دستور کے مطابق کہیں گے السلام علیکم اور اس سے بہشتیوں کی تعظیم و تکریم مطلوب ہوگی گویا انہیں مصائب و آفات

سے بچ جانے پر مبارکباد پیش کریں گے۔ لَمْ یَدْخُلُوْھَا نادوا کے فاعل سے حال ہے یعنی اعراف والے بہشت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے۔ وَھُمْ یَطْمَعُوْنَ۔ حالانکہ انہیں بہشت میں داخلے کا طمع ہوگا۔ یہ لَمْ یَدْخُلُوْھَا کے فاعل سے حال ہے یعنی اگرچہ اعراف والے بہشت میں داخل نہیں ہونگے لیکن انہیں امید قوی ہوگی اور اس انتظار میں ہونگے کہ انہیں ابھی بہشت میں داخل کیا جائے گا وہ اس لئے کہ دنیا میں انہوں نے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ تو پڑھا ہوگا لیکن ان کا نامۂ اعمال نیکی سے خالی ہوگا اور انہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ اللّٰہ تعالیٰ بالبرابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور انہیں یقین ہوجائے گا کہ اگر ان کے نامۂ اعمال میں تھوڑی سی نیکی کہیں سے مل جائے تو نیکی کا پلڑا ترجیح پا جائیگا اس وجہ سے وہ اللّٰہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے امیدوار ہوں گے اور اس کے عدل پر بھی ان کی نگاہ ہوگی اور یہ بھی سمجھتے ہوں گے کہ کلمہ طیبہ کی وجہ سے ہم پر ضرور لطف وکرم ہوگا۔ اس لئے وہ ایک مدت تک ٹھہر کر پُرامید ہوں گے کہ اللّٰہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے حق میں بہتر فیصلہ ہوگا اور کرم نوازی سے ہم بہشت میں جائیں گے چنانچہ ایسے ہوگا بھی اور بہشت میں داخل ہونے والے یہی آخری لوگ ہوں گے۔ جب اللّٰہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے گا تو حکم کہ انہیں نہر الحیاۃ میں لے جاؤ۔ یہ وہ نہر الحیات ہے کہ جس کے کنارے سنہری ہوں گے اور موتیوں کے جڑاؤ سے مزین اور اس کی مٹی عطر وکستوری سے ہوگی ان لوگوں کو اس نہر سے اتنا صاف کیا جائے گا کہ ان کے جسم گلبدن ہوجائیں گے اور ان کے سینوں پر ایک سفید بکر پڑ جائے گی۔ یہ بہشت میں اُن کی پہچان ہوگی اس کے بعد انہیں بہشت میں داخل کیا جائے گا۔ انہیں مساکین الجنۃ کہا جائے گا۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

ہست امیدم علیٰ رغم عدو روز جزا
فیض عفوش ننہد بار گنہ بر دوشم

ترجمہ:۔ مجھے اُمید ہے کہ دشمن کی ناک رگڑی جائے) قیامت میں اس کے عفو کا فیض گناہوں کا بوجھ میرے کاندھوں پر نہ رکھے گا۔

وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُھُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ اور جب ان کی آنکھیں جہنمیوں کی طرف پھیری جائیں گی۔

سوال:۔ بہشتیوں کو بھی تو وہ دیکھیں گے پھر یہاں پر جہنمیوں کی تخصیص کیوں۔

جواب:۔ چونکہ بہشتیوں کو تو اپنی رغبت ومحبت سے دیکھیں گے ان کی طرف پھیرے جانے پر مجبور کئے گئے ہیں

فائدہ: تفسیر زاہدی میں ہے اعراف والوں کی آنکھیں بحکم الٰہی فرشتہ پھیرے گا۔

قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۔ کہیں گے اے ہمارے رب کریم ہمیں ظالم قوم کا ساتھی نہ بنا یعنی ہمیں ان کے ساتھ جہنم میں مت ٹھہرانا۔ یہ دعا اللّٰہ تعالیٰ کے خوف سے مانگیں

گے جب کہ انہیں اپنے گناہوں پر نظر پڑے گی۔

اعراف والے :- پہلا قول گزر چکا (۲) حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اہلِ اعراف یا یعنی ہیں کہ انہیں بہشت میں اتنا اونچا مقام نصیب ہو گا کہ وہاں سے بہشتیوں اور دوزخیوں کا معائنہ کریں گے اور قیامت میں انہیں نمایاں رکھا جائے گا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ شخصیت اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں پھر وہ بلند مقام سے قیامت والوں کے حالات کے علاوہ ان کے ثواب وعتاب کی مقدار سے مطلع ہوں گے اور اپنی امت کے حالات کا مشاہدہ کریں گے اس تقریر پر "وَهُمْ يَطْمَعُونَ" نَادَوْا کے مفعول سے حال ہوگا اور وہ اصحاب الجنۃ ہیں اس لئے ممتاز شخصیتوں کو بہشت میں داخلے کے طمع کا کیا معنیٰ۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت میں ممتاز شخصیات اہلِ جنت کو ندا دیں گے جبکہ وہ اونچی منزلوں میں ہوں گے اور اہلِ جنت کا حال یہ ہے کہ وہ ابھی بہشت میں داخل ہونے کے لئے پُرامید ہوں گے۔

فائدہ یہی تقریر آنے والے وجوہات میں کی جائے اس لئے کہ اعراف سے ان کے بلند مراتب مراد لئے گئے ہیں ان کے لئے طمع کا کیا معنیٰ۔ طمع کا معنیٰ صرف عام بہشتیوں کیلئے تو ہو سکتا ہے لیکن وہ بھی بعض میں ورنہ بعض میں پہلی تقریر ضروری ہوگی

(۳) شہداء میدانِ حشر میں انہیں ممتاز دکھایا جائے گا تاکہ پتہ چلے کہ شہداء بہ نسبت دوسرے لوگوں میں تعظیم وتکریم کے زیادہ مستحق ہیں اور وہ اس لائق ہیں کہ انہیں بلند مقامات پر بیٹھایا جائے تاکہ وہ میدانِ حشر میں لوگوں پر حکمِ الٰہی کے اجراء کا مشاہدہ کریں کہ کس پر فضل ہوتا ہے۔ اور کس سے عدل

(۴) اہلِ ایمان کے وہ بزرگترین شخصیات مراد ہیں جو اپنے اعمال کی جزا لے کر فارغ البال ہو کر دوسرے لوگوں کے احوال کے مشاہدہ کے لئے انہیں بلند مقام پر بیٹھایا جائے گا۔

حدیث شریف جب قیامت میں اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا تو ایک منادی ندا دے گا کہ اہلِ فضل لوگ کہاں ہیں ان میں بعض لوگ دوڑتے ہوئے بہشت کی طرف جانے کیلئے عجلت کریں گے اور کہیں گے ہم اہلِ فضل ہیں ان سے سوال ہوگا تم کس طرح اہلِ فضل ہو۔ جواب دیں گے ہم پر ظلم برسائے گئے تو ہم نے صبر کیا اور ہمارے ساتھ کسی نے برائی کی تو ہم نے انہیں معاف کیا۔ ہمارے ساتھ لوگوں نے جھگڑے اٹھائے تو ہم نے حوصلہ کیا۔ اس پر انہیں حکم ہوگا کہ جاؤ بہشت میں واقعی تم اہلِ فضل ہو۔ اور ایسے عمل والوں کو بہتر جزاء نصیب ہوتی ہے۔

(۵) باعمل علماء وفقہاء مراد ہیں۔ ان کی فقاہت اور ان کے علم کی برکت سے انہیں دوسروں پر فوقیت حاصل ہوگی۔

(۶) قیامت میں اُمتوں کے اعمال پر گواہی دینے والے عادل لوگ مراد ہیں اور یہ ہر امت میں سے ہوں گے

(۷) حضرت عباس وحمزہ وعلی بن ابی طالب وجعفر ذوالجناحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں کہ یہ حضرات

اپنے دوستوں کو ان کے چہروں کی سپیدی کا سے اور اپنے دشمنوں کے چہروں کی سیاہی سے پہچانیں گے۔

(۸) وہ فرشتے جو اعراف کی دیوار پر متعین ہیں مراد ہیں تاکہ وہ بہشتیوں کے بہشت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے اہل ایمان وکفار کے درمیان امتیاز کر دکھلائیں۔

سوال: لفظ رجال اس تقریر کے منافی ہے۔

جواب: چوں کہ ان فرشتوں کو مردوں (انسانوں) کی شکل دی جائے گی بنابریں انہیں رجال سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ " وَاِنْ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْاِنْسِ والجن يعوذون بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ " میں جنات کو رجال سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ ان جنات کو انسانوں کی شکل حاصل ہوتی ہے۔

سوال: ربنا لا تجعلنا مع القوم الظالمین ملائکہ کے لئے کس طرح مناسب ہوگا۔

جواب: وہ بھی بنو آدم کی طرح مکلف ہیں اس لئے قیامت میں اپنے لئے امن وسلامتی کی دعا مانگیں گے۔

(۹) وہ شہداء مراد ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ میں مارے گئے لیکن اپنے آباء کی اجازت کے بغیر جہاد کو گئے تھے اس لئے کہ انہیں ان کے گناہوں کے باوجود دوزخ سے دور رکھا گیا لیکن باپ کی نافرمانی کی نحوست سے تاحال بہشت میں داخل نہیں ہوں گے۔

(۱۰) وہ لوگ مراد ہیں جن پر باپ تو راضی تھا لیکن ماں ناراض یا ماں راضی تھی لیکن باپ ناراض۔

(۱۱) ولد الزنا

(۱۲) اولاد المشرکین

(۱۳) وہ لوگ مراد ہیں جو زمانہ فترہ میں فوت ہوئے اور فترت کا زمانہ وہی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان عرصہ گزرا ہے۔

(۱۴) وہ صغیرہ گناہ والے جن کے دنیا میں مصائب وتکالیف اور درد وآلام کفارہ نہ بنے اس بنا پر وہ بہشت میں جانے سے روک دیئے جائیں گے اس سے انہیں قدرے غم لاحق ہوگا وہ غم ان کا کفارہ بن جائے گا اس کے بعد وہ بہشت میں داخل ہوں گے۔

(۱۵) وہ اہل کبائر جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے کہ وہ بڑے بڑے گناہ کے مرتکب ہیں لیکن چونکہ وہ اہل قبلہ ہوں گے اس لئے انہیں دوزخ سے نجات تو مل جائے گی لیکن بہشت میں نہیں جا سکیں گے۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات سو رہا تھا کہ خواب میں نظر آیا کہ گویا قیامت قائم ہوگئی ہے اور لوگوں سے محاسبہ ہو رہا ہے ان میں بعض کو بہشت میں اور بعض کو دوزخ میں لے جایا جا رہا ہے بہشت کے دروازے پر حاضر ہوا اور اہل بہشت کو ندا دی اور پوچھا کہ تم بہشت میں کس عمل سے

داخل ہوئے ہو اور تمہیں یہ رضوان اور یہ بلند مکان کس وجہ سے ملے ہیں وہ جواب دے رہے ہیں کہ طاعت رحمٰن اور مخالفت شیطان کی وجہ سے پھر میں دوزخ کے دروازے پر آیا اور ان سے پوچھا کہ اے دوزخیو! تمہیں یہ سزا کس عمل سے ملی ہے اُن سے جواب ملا اطاعت شیطان و مخالفت رحمان کی وجہ سے اس کے بعد دیکھا ایک قوم ہے جو بہشت اور دوزخ کے درمیان ٹھہری ہوئی ہے۔ میں نے اُن سے پوچھا تم کیوں یہاں ٹھہرے ہو جواب دیا کہ ہمارے گناہ ہیں اور نیکیاں بہت کم ہیں۔ برائیوں نے ہمیں بہشت میں داخل ہونے سے رُوک رکھا ہے اور نیکیوں سے ہم دوزخ میں نہیں جا سکے۔ گویا انہوں نے یہ شعر پڑھا ؂

نحن قوم لنا ذنوب کبار

منعتنا من الوصول الیہ

ترکتنا مذبذبین حیاریٰ

امسکتنا عن القدوم علیہ

ترجمہ: ہم کبیرہ کے مرتکب ہونے والے ہیں۔ اس بنا پر ہم اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکے اور انہوں نے ہمیں حیران و گردان کر رکھا ہے اور ان کی وجہ سے ہی ہم اللہ تعالیٰ کی حاضری سے محروم ہیں۔"

یہ اقوال میرے مطالعہ سے گزرے ہیں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے میرے علم میں آئے اور حقیقت رب کریم جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ جنت و اہلِ نار کے درمیان ایک حجاب ہے اور وہ اوصاف بشریہ اور اخلاق ذمیمہ نفسانیہ ہیں اس حجاب کی وجہ سے دوزخی بہشتیوں کو نہیں دیکھ سکتے اور بہشتی اہل اللہ ہیں کما قال وَ بَیْنَہُمَا حِجَابٌ وَعَلَی الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ کُلًّا بِسِیْمٰہُمْ یعنی اہلِ اعراف اہلِ جنۃ اور اہلِ نار کو ان علامات سے دیکھتے ہیں انہیں قلبی نور و ظلمات سے حاصل ہوئے ہیں۔

فائدہ: اعراف کو اس لئے اعراف کہا جاتا ہے کہ وہ اہلِ معرفۃ کی اقامت گاہ ہے اور اہلِ معرفت کو رجال اس لئے کہا کہ وہ ماسوی اللہ پر تصرف رکھتے ہیں اور ان پر کسی شئے کا تصرف نہیں۔

کما قال تعالیٰ فیہ رجالٌ لا تلھیھم تجارۃ و لا بیع عن ذکر اللہ اور اللہ تعالیٰ کا طریقہ مبارکہ ہے کہ خواص کو جگہ جگہ لفظ رجال سے یاد فرمایا ہے۔ کما قال رجالٌ صدقوا اور فرمایا فیہ رجال یحبون ان یتطھروا اور رجولیت سے ہی طلبِ حق میں عوام و خواص کا امتیاز ہوتا ہے اور جو بھی ہمت بلند رکھتا ہے حقیقۃً وہی مرد ہے اور اصحاب اعراف اس لئے بلند مراتب پا گئے کہ انہوں نے بشریت کی پستیوں سے نجات پا کر بلندی حاصل کی اور جہنم سے بچ کر بہشت کے درجات حاصل کئے

اور روحانیت میں مقامات کو پہنچے اور ان کی شان یہ تھی کہ دارین کی نعمتوں سے بے نیاز ہے اور نہ انہیں دنیا و آخرت کے کمالات کی طرف توجہ تھی۔ تمام مخلوق سے بے نیاز ہو کر مقام اعراف تک پہنچے یاد رہے کہ مقام رب الرحمٰن کے ہاں حظائر قدس میں جنان کے بلند و بالا ایک مقام کا نام ہے اور وہ اپنی بلندی کی وجہ سے بہشتیوں اور دوزخیوں کو برابر طور دیکھتے رہتے ہیں جب وہ بہشتیوں کو دیکھتے ہیں کہ بہشت کی نعمتوں اور اپنی خوش باتوں میں مشغول ہیں لیکن اپنے مولیٰ کے دیدار کی طرف انہیں خیال نہیں تو اعراف والے بہشتیوں کو ندا کر کہتے ہیں السلام علیکم یعنی تمہیں یہی نعمتیں مبارک ہوں اور اپنی حوروں قصوروں میں خوش رہو۔ خود اعراف والوں کا یہ حال ہے لَمْ يَدْخُلُوْهَا یعنی بہشت کی نعمتوں کو مشاہدہ و معائنہ کرنے بلکہ اُن کے حصول کے باوجود ان کی کسی شے کی طرف معمولی توجہ بھی نہیں کریں گے وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ اور ان کو صرف اپنے آقا و مولیٰ کے وصال کی تمنا ہو گی اور وہ اس میں پُر امید ہوں گے۔

سوال: تمہاری یہ تقریر آیات قرآنی کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے فرمایا: داخلی جنتی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بہشت کو اپنی طرف مضاف فرمایا ہے تو اس کے بندوں کو اس سے غیر متوجہی کیوں اور فرمایا: وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ اَصْحٰبِ النَّارِ۔

جواب: یہ ان سے آزمائش کے طور ہو گا کہ انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنی بڑی سخت خرابیوں سے نجات بخشی اور انہیں بہترین انعامات سے نوازا ہے لیکن حضرات عارف باللہ ان تمام باتوں کا اعتراف کرتے ہوئے بہشت کے داخلہ کو اپنا مقصود نہیں سمجھتے۔

فائدہ: ارباب کمالات کو سلوک کے مقامات طے کرتے ہوئے جتنا خوارق نفسانیہ لاحق ہوتے ہیں یا انہیں دنیوی عزو جاہ و جلال اور عوام میں مقبولیت، عامہ یہ خلق میں مشغولیت تامہ کا پیش آنا۔ یہ تمام انسانی عروج میں داخل نہیں بلکہ ان میں بندہ کا امتحان اور اس کی آزمائش مطلوب ہے تاکہ سالک کو گوشہ نشینی اور تجرد اور جلوات میں اُنس مع اللہ کی قدر و منزلت معلوم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب سالک شکر کا حق ادا کرتا ہے یا منعم حقیقی کی کوئی نعمت دیکھتا ہے تو کہتا ہے رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی اے مولا کریم جب کہ تو نے ہمیں ظالموں کے اوصاف و اخلاق اور ان کے درجوں اور ان کے احوال سے ایک نجات بخشی ہے تو پھر ہمیں دوبارہ ان کے ساتھ نہ ملانا اور نہ ہی ان کے زمرہ میں ہمیں شامل کرنا[1]

[1] (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ

اور اعراف والے کچھ مردوں کو پکاریں گے جنھیں ان کی پیشانی سے پہچانتے ہیں کہیں گے

قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَاۤءِ الَّذِيْنَ

تمہیں کیا کام آیا تمہارا جتھا اور وہ جو تم غرور کرتے تھے کیا یہ ہیں وہ لوگ جن

اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ

پر تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ ان پر اپنی رحمت کچھ نہ کرے گا ان سے تو کہا گیا کہ جنت میں جاؤ نہ تم کو

اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا

اندیشہ نہ کچھ غم اور دوزخی بہشتیوں کو پکاریں گے کہ ہمیں اپنے

عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى

پانی کا کچھ فیض دو یا اس کھانے کا جو اللہ نے تمہیں دیا کہیں گے بیشک اللہ نے ان دونوں کو کافروں

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ

پر حرام کیا ہے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا اور دنیا کی زیست نے انہیں فریب دیا

فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

تو آج ہم انہیں چھوڑ دیں گے جیسا انہوں نے اس دن کے ملنے کا خیال چھوڑا تھا اور جیسا ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور بیشک ہم ان کے پاس ایک کتاب لائے جسے ہم نے ایک بڑے علم سے مفصل کیا ہدایت و رحمت ایمان والوں کے لیے

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ

کاہے کی راہ دیکھتے ہیں مگر اس کی کہ اس کتاب کا کہا ہوا انجام سامنے آئے جس دن اس کا بتایا انجام واقع ہوگا بول اٹھیں گے وہ جو اسے

قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ

پہلے سے بھلائے بیٹھے تھے کہ بیشک ہمارے رب کے رسول حق لائے تھے تو ہیں کوئی ہمارے سفارشی جو ہماری شفاعت کریں

اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا

یا ہم واپس بھیجے جائیں کہ پہلے کاموں کے خلاف کام کریں بیشک انہوں نے اپنی جانیں نقصان میں ڈالیں اور ان سے کھوئے گئے

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع

جو بہتان اٹھاتے تھے

تفسیر عالمانہ ۴۸ وَنَادٰى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ اور اعراف والے ندا دیں گے۔ یہاں پر اہل اعراف سے وہ حضرات مراد ہیں جن کے درجات بہشت میں سب سے بلند تر ہوں گے یعنی حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علی نبینا و علیہم السلام آیت کے مابعد والے مضمون سے واضح ہے کہ یہی حضرات مراد ہوں تو موزوں تر ہے اس لئے کہ بعد کو انہیں حکم ہوتا ہے " ادخلوا الجنۃ " اور یہ خطاب عمل میں کوتاہی کرنے والے کے لائق نہیں۔ رِجَالًا بہت سے لوگوں کو ان سے کافروں کے بڑے بڑے لیڈر مراد ہیں جب کہ انہیں جہنیوں میں دیکھیں گے جہنیوں کے بڑے لیڈر یہ ہیں ابوجہل بن ہشام اور ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل وغیرہ وغیرہ یَعْرِفُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ۔ انہیں ان کی علامات سے پہچانیں گے جو اس وقت ان کے برے حال پر دلالت کریں گی اور ان کی دنیا والی شان و شوکت سے بھی انہیں کچھ علامتیں محسوس ہونگی، بسیمٰھم کی با سببیہ ہے قَالُوْا اس کا نادٰی پر عطف ہے یعنی اعراف والے اپنے بلند مقامات پر کھڑے ہو کر جہنیوں کو زجر و توبیخ کے طور فرمائیں گے۔ مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ یہ ما استفہامیہ زجر و توبیخاً لایا گیا ہے یا نافیہ ہے اب معنی ہو گا تمہیں عذاب سے نہ بچایا۔ جَمْعُكُمْ تمہاری جمعیت اور تمہارے مابعد اروں یا یاروں نے یا تمہارے مال جمع کرنے نے۔ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ۔ یہ ما مصدریہ ہے یعنی نہ ہی تمہارے خلق خدا سے تکبر نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچایا۔

۴۹ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ۔ یہ اصحاب اعراف کے قول کا تتمہ ہے کافروں کے لیڈروں کو کہیں گے کہ یہ وہی ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھاتے تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت نہیں پہنچے گی اور یہ جملہ محلاً منصوب ہے۔ بوجہ قول مقدر کے اور یہ اشارہ غریب مسلمانوں کی طرف ہے کہ جنہیں دنیا میں کفار حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور بڑے زور و شور سے قسمیں کھاتے تھے کہ یہ لوگ دغریب مسلمان بہشت میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے اور " لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ " اقسمتم کا جواب ہے خلاصہ یہ کہ کافر دنیا میں قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان غریب مسلمانوں کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ ادخلوا الجنۃ

اصحاب اعراف غریب مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمائیں گے بہشت میں داخل ہوجاؤ تاکہ کافروں کو ذلت و رسوائی ہو۔ غریب مسلمانوں میں سے حضرت بلال و صہیب و سلمان و جناب رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ لاخوف علیکم جب کفار خائف ہوں گے تو تم پر کوئی خوف نہ ہوگا۔ وَلَا انتم تحزنون ۰ اور نہ ہی تم غمگین ہوگے جب جہنمی غم میں مبتلا ہوں گے۔

مسئلہ: اس آیت میں خدام او یاروں اور مددگاروں کی وجہ سے فخر و تکبر کی مذمت کی گئی ہے۔

۱۔ نہ منعم بمال از کسے بہتر است
خر ار جل اطلس بپوشد خر است

۲۔ بدیں عقل و ہمت نخوانیم کست
دگر میرود بصد غلام از پست

۳۔ تکبر کند مرد حشمت پرست
نداند کہ حشمت بحلم اندر است

۴۔ چو منعم کند سفلہ را روزگار
نہد بر دل تنگ درویش بار

۵۔ چو بام بلندش بود خود پرست
کند بول و خاشاک بر بام پست

ترجمہ ۱: دولتمند مال سے بہتر نہیں چالیس ریشمی کپڑے پہننے سے گدھا گدھا ہی رہے گا۔
۲: ایسے عقل و ہمت سے میں اسے کچھ نہیں سمجھتا اگرچہ اس کے پیچھے سو نوکر چلیں۔
۳: حشمت کا پجاری تکبر کرتا ہے اسے معلوم نہیں کہ حشمت تو حوصلہ میں ہے۔
۴: جب کمینے کو زمانہ دولتمند بناتا ہے تو کمینہ درویش کی پریشان دل پہ بوجھ ڈالتا ہے
۵: کسی خود پرست کی دیوار اونچی ہو تو نیچے والی دیواروں پر اپنے خس و خاشاک پھینکتا ہے۔

مسئلہ صوفیانہ جب مال اور تکبر نفس کے عادات سے ہے سالک پر لازم ہے نفس کو ان عادات سے پاک کرے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت دعا مانگتے۔ اَللّٰھُمَّ حسن خلقی و خلقی۔ اے اللہ تعالیٰ میری سیرت و صورت کو حسین و جمیل بنا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم" سے آپ کی مدح فرمائی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ آپ ہمیشہ غریبوں و فقیروں کے ساتھ نشست و برخاست رکھتے اور ہمیشہ اُن کے ساتھ کھانا کھاتے اور آپ کی سیرت طیبہ تھی کہ چھوٹوں اور بالخصوص

چھوٹے بچوں سے گزرتے تو انہیں السلام علیکم سے نوازتے۔ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا تو آپ کی ہیبت سے کانپنے لگا۔ آپ نے اسے فرمایا ڈرتے کیوں ہو میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو اس غریب قریشی عورت کا صاحبزادہ ہوں جو باسی[1] گوشت پر گزارہ کرتی تھیں آپ جب اپنے یاروں کے ساتھ بیٹھتے تھے تو نمایاں کیفیت سے نہیں بلکہ ایسے محسوس ہوتا کہ آپ بھی منجملہ انہیں سے ایک ہیں یہانتک کہ کوئی اجنبی دیکھتا تو اُسے آپ کے متعلق پوچھنا پڑتا۔ آپ کو جو بھی بلاتا تو آپ فوراً لبیک فرماتے۔ یعنی اس کا مقصد فوراً پورا کرتے یہ تمام امور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع پر مبنی ہیں۔

علاماتِ سعادت حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سعادت کے علامات یہ ہیں۔ (۱) اولیاء صالحین کی محبت (۲) ان کے قرب میں رہنے کا شوق۔ (۳) تلاوتِ قرآن مجید (۴) شبِ بیداری (۵) علماء کرام کی صحبت (۶) رقتِ قلب۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بعض اوقات عوام اہلِ ایمان اور علماء ظاہرین اپنی کم ہمتی کی بناء پر اہلِ محبت ومعرفت اور اربابِ طلب سے کہتے ہیں کہ تمہیں وصول الی اللہ نصیب ہوگا۔ نہ وصال کی منزل میسر آئے گی اور یہ بات پورے وثوق سے قسمیں کھا کر کہتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اصحابِ اعراف سے فرمایا ہے کہ اس بہشت میں داخل ہو جاؤ جو خطائر قدس وعالم جبروت میں میری طرف منسوب ہے اس سے تمہیں نہ نکلنے کا خوف ہے اور نہ تمہیں جنۃ کی ان نعمتوں کا خطرہ ہوگا جو تمہارے سے فوت ہو چکی ہیں جب کہ تم ہمارے جمال کے شہود اور ہمارے وصال کے وجود میں تھے۔

نکتہ کفار اہل اللہ کو یعنی اصحاب اعراف کو ظاہری طور اس وقت دیکھتے رہتے ہیں جب وہ کونین کے مقامات میں موجود ہوتے ہیں۔ جب وہ اہل اللہ اس حقیقت کی جنت میں داخل ہوتے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب اور وہ عزت وعالم جبروت کے پردوں میں پوشیدہ ہے تو پھر وہ نہ صرف کفار سے بلکہ ملائکہ مقربین کی نظروں سے بھی اوجھل ہو جاتے ہیں۔

حکایت:۔ منقول ہے کہ حضرت بابا جعفر ابہری حضرت بابا طاہر ہمدانی رحمہما اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان سے پوچھا۔ اب تک کہاں رہے انہوں نے کہا گذشتہ شب میں خاصانِ خدا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوا لیکن میں نے وہاں آپ کو نہیں دیکھا حالانکہ آپ بھی خاصانِ خدا سے ہیں۔ انہوں نے فرمایا تو نے سچ کہا اس لئے کہ تو خاصانِ خدا کے ساتھ دربار کے دروازہ پر تھا۔ میں اخص الخواص کی جماعت کے

---

[1] باسی سے خشک ہے نہ کہ متعفن جیسے کہ بعض لوگ متعفن چیز کو بھی باسی کہہ دیا کرتے ہیں مگر یہاں یہ مراد نہیں۔ اویسی غفرلہ

ساتھ دربارِ خداوندی میں حاضر تھا۔ اس وجہ سے تجھے نہیں دیکھ سکا۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ اللہ والوں سے جدا نہ ہو اور ان کے ساتھ اعتقاد میں کمی نہ کرے۔

حدیث شریف ہر شے کی کنجی ہے اور بہشت کی کنجی مساکین کی محبت ہے یعنی اللہ والوں سے محبت و عقیدت۔ یہی لوگ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہمنشین ہوں گے ؎

حبِ درویشاں کلید جنت است

دشمن ایشاں سزائے لعنت است

ترجمہ : "درویشوں کی محبت بہشت کی کنجی ہے ان کا دشمن لعنت کے لائق ہے"

مثنوی شریف میں اللہ والوں کے ساتھ نیک اعتقاد رکھنے کے متعلق فرمایا کہ ؎

۱۔ گر گدایاں طامع اند و زشت خو

در شکم خوراں تو صاحب دل بجو

۲۔ در تگ دریا گہر یا سنگہا ست

فخرہا اندر میاں ننگہا است

ترجمہ ۱:

۲:

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں عرض کیا کرتے اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاکِیْنِ " اے اللہ تعالیٰ مجھے مسکینوں میں زندہ رکھ اور مسکینوں میں موت دے اور قیامت میں مسکینوں کے زمرہ میں اٹھا۔

- **فائدہ :** حقیقی مسکین وہ ہے کہ جس کے ہاں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کچھ نہ ہو۔ اہل اللہ و اہل اعراف ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ : وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۔ دارین کے استقرار کے بعد دوزخی بہشتیوں کو پکاریں گے اَنْ مفسرہ یا مخففہ ہے جیسے بارہا گذرا ہے۔ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا " ہمارے اوپر ڈالو مِنَ الْمَآءِ بہشت کے پانی سے تاکہ ہمارے اندر جو پیاس کی گرمی ہے بجھ جائے۔ اس کی وجہ ہے کہ جب ایک عرصہ تک دوزخ میں بھوکے پیاسے ہو کر گزاریں گے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے العٰلمین بہشت میں ہمارے رشتہ دار رہتے ہیں ہمیں اجازت بخشئے تاکہ ہم انہیں دیکھ کر ان سے باتیں کریں۔ اللہ تعالیٰ ہے انہیں بہشتیوں کے دیکھنے اور ان سے ہم کلام

ہونے کی اجازت مرحمت ہو گی تو رشتہ داروں کو دیکھیں گے کہ وہ بہترین نعمتوں سے سرشار ہیں۔ دوزخی اپنے بہشتی رشتہ داروں کو پہچان لیں گے لیکن بہشتی دوزخیوں کو نہیں پہچان سکیں گے اس لئے کہ دوزخیوں کے چہرے کالے سیاہ ہو جائیں گے دوزخی پہلے اپنے رشتہ داروں کو اپنا تعارف کرائیں گے۔ پھر انہیں کہیں گے ہمیں تھوڑا سا بہشت کا پانی دیجئے۔

اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ میں پینے کی اشیاء کی قید لگائی ہے علاوہ ازیں دراصل لفظ افاضہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مما رزقکم اللہ میں پینے کی چیزیں مراد ہوں اس لئے کہ افاضہ کا حقیقی معنی ان چیزوں کے لئے ہوتا ہے جو سیلانی مادہ رکھتی ہوں اور انہیں پینے سے تعلق ہو یا پھر عام ہو تو اس سے کھانے کی چیزیں مراد ہو سکتی ہیں یعنی پینے اور کھانے کی چیزیں دو تاکہ ہم انہیں کھا پی کر اپنی بھوک اور پیاس بجھائیں۔ اس معنی پر افاضہ میں کثرت مطلوب ہو گی اس لئے کہ اضافہ کثرۃ الاعطاء کو بھی کہتے ہیں۔

فائدہ :- ابو حیان نے فرمایا کہ اَفِیْضُوْا القو کے معنی کو متضمن ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ندا دینے والے وہ ہیں جو دنیا میں پیٹ کے پجاری رہے اور رات دن صرف کھانے پینے سے واسطہ رکھتے تھے۔ اس لئے انہیں اسی عادت پر میدانِ حشر میں اٹھایا جائے گا تو حسب دستور اسی خبط میں ہوں گے اور وہی کہیں گے جو اوپر مذکور ہوا اور بہشتی حضرات چونکہ دنیا میں کھانے پینے سے دور رہ کر بھوک اور پیاس کے عادی ہو چکے تھے اور انہیں یہ کٹھن صرف جنۃ الفردوس کی دعوت کے لئے اٹھانی پڑی۔ اگر انہیں بہشت میں کچھ تھوڑی بہت کھانے پینے میں مصروفیت ہو گی تو صرف شہوات نفس اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے لئے ورنہ وہاں کھانے پینے میں ہر وقت انہماک کیسا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ان کو کھانے پینے کی ہر حالت میں ضرورت محسوس ہوتی ہے خواہ کتنا ہی عذاب میں مبتلا ہو۔ حضرت ابوالجوزا فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کونسا صدقہ افضل ہے آپ نے فرمایا پانی۔ پھر فرمایا دیکھئے اہل نار جب بہشتیوں سے صرف پانی مانگتے تھے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ میری ماں فوت ہو گئی ہے اس کے لئے کونسا صدقہ افضل ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پانی چنانچہ اس حکم پر حضرت سعد نے ایک کنواں کھودا اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ یہ سعد

کی ماں کے لئے فرمایا۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے۔ کہ حدیث شریف[1] سے ثابت ہوا کہ صدقہ سے اموات کو نفع پہنچتا ہے جیسا کہ اہلسنت کا مذہب ہے۔

نکتہ: پانی کی تخصیص اس لئے ہے کہ اہل عرب کو پانی کی زیادہ ضرورت رہتی ہے اس لئے اس میں ثواب بھی زیادہ ہے یا اس لئے کہ جہنم گرمی کا مرکز ہے اس کا دفعیہ اس کی ضد ہوگا اور وہ ٹھنڈک ہے اور ٹھنڈک پانی کا جزو ہے اور قاعدہ ہے کہ ہر شئے اپنی ضد کے بالمقابل واقع ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر عالمانہ قَالُوْٓا

اہل جنت دوزخیوں کو کہیں گے۔

فائدہ: مروی ہے کہ دوزخیوں کی فریاد پر اہل بہشت کو حکم ہوگا کہ چالیس سال تک دوزخیوں کو کوئی جواب نہ دیں۔ چالیس سال گزرنے پر بہشتی دوزخیوں کو جواب دیتے ہوئے کہیں گے۔ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَہُمَا عَلَی الْکٰفِرِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں پر بہشت کا طعام اور اس کی مشروبات حرام فرمائی ہیں اور یہ حرمت بھی قطعی ہے جیسے دنیا میں مکلف عاقل بالغ کو محرمات سے منع کیا گیا تھا اب ان چیزوں کا بہاں پینا سخت مشکل ہے۔

فائدہ: کافروں کو ایسا گرم پانی پلایا جائے گا کہ جس سے پیٹ اور چمڑے جل کر جسم سے علیحدہ ہو جائیں گے اور ان کا کھانا کانٹے دار اور زہریلے درخت سے مقرر ہوگا (پناہ بخدا)

۵۱ اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَہُمْ وہ کافر کہ جنہوں نے دین کو ٹھٹھا مخول بنا رکھا تھا

تفسیر ۱: یہاں پر دین سے اسلام مراد ہے کہ اس پر انہیں چلنے کا حکم تھا لیکن انہوں نے بجائے اس کی حقانیت پر ایمان لانے کے اُلٹا اس کے ساتھ ٹھٹھا مخول کیا کہ لَہْوًا وَّ لَعِبًا مذاق اور کھیل یعنی دینِ حق کو کھیل کا آلہ بنا رکھا تھا کہ اس سے گویا کھیلا کرتے تھے جسے چاہتے حلال کرتے مرضی آئی تو اس شئے کو حرام کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری کا نام تک نہ لیتے ان کا ہر معاملہ اتباع نفس سے تھا اور شیطان نے ان کے لئے ابھار رکھا تھا۔

تفسیر ۲: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس دین سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دین مراد ہے لیکن کفار نے اسے بدل دیا اور اپنی مرضی کے مطابق احکام گھڑ لئے اور اپنی طبیعتوں کو ایسے غلط امور میں لگا رکھا تھا کہ جو اس لائق نہ تھے کہ ان سے طبیعت لگائی جائے اور ایسی چیزوں کی طلب میں رہتے تھے کہ جن کا طلب رکھنا

---

[1] دیوبندی وہابیوں کے لئے اس حدیث میں کتنا بڑا سبق ہے۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

بجائے اچھائی کے برا تھا۔

- **فائدہ:** تفسیر فارسی میں لکھا ہے کہ دین سے مراد عید ہے وہ اس لئے کہ کفار کا طریقہ تھا کہ عید کے دن کعبہ معظمہ کے گرد جمع ہو کر بچوں کی طرح تالیاں بجا کر کھیل تماشے کرتے رہتے تھے۔

مسئلہ: ہتھیاروں سے کھیلنا۔ گھوڑے دوڑانا۔ اسی طرح مردوں کا دوڑنا ایسے ہی وہ افعال جو شرعاً مباح ہیں عید کے دن کھیل کے طور جائز ہیں۔ جیسے دور سابق میں عید کے دن دف بجاتے لیکن اس میں گھنگرو نہیں ہوتے تھے۔

انتباہ: آج کل جو عیدوں اور ختنوں اور شادی بیاہ وغیرہ کے موقع پر ہمارے عوام سرود اور گھنگرو وغیرہ والے دف بجاتے ہیں یہ بالکل ناجائز ہیں شرعاً ان کی کسی طرح اجازت نہیں اس لئے کہ یہ لہو و لعب کے آلات ہیں۔

سوال: اہل شرع کا مقولہ مشہور ہے اِنَّ فِی دِیْنِنَا فُسْحَۃً " ہمارے دین میں تنگ ظرفی نہیں بلکہ وسعت ہے اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ ایسے مواقع پر ایسے آلات کا استعمال جائز ہو۔

جواب: وہ مقولہ ان امور میں ہے جو شرعاً مباح ہیں جن کے شرع کی ممانعت صراحۃً ہو اس میں وسعت کیسی مثلاً مزاح مباح ہے لیکن جس مزاح میں شرع کی مخالفت لازم آتی ہو وہ تو مزاح حرام ہے وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اور انہیں حیواۃ دنیا اور اس کی رنگینیوں اور ان کی اپنی لمبی آرزوؤں نے دھوکہ دیا ہے اس لئے وہ اہل اسلام سے استہزاء کرتے تھے۔

- **فائدہ:** مروی ہے کہ ابو جہل نے استہزاء کے طور ایک شخص کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ جا کر انہیں سوال کر دو کہ مجھے بہشت کا انگور یا کوئی اور میوہ کھلائیے۔ جب وہ شخص حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں حاضر ہوا اور ابو جہل کا مقولہ دہرایا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہی آیت پڑھ دی۔ وَحَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ دنیا سے دھوکہ نہ کھائے اس لئے کہ دنیا غدارہ و مکارہ ہے۔ ؎

۱ در دیدہ اعتبار خوابیست
بر رہگذر اجل سرا بیست

۲ مشغول مشو بسرخ و زردش
اندیشہ مکن ز گرم و سردش

۳ سرمایۂ آفتست ز نہار
خود را ز فریب او نگہدار

ترجمہ: ۱۔ دیدۂ عبرت میں خواب ہے اس راہ سے گزر جا یہ اجل سراب ہے
۲۔ اس کے سرخ و زرد میں مشغول نہ ہو اس کے گرم و سرد کا فکر بھی نہ کر
۳۔ اس کا سرمایہ آفت ہے خبردار خود کو اس کے فریب سے نگاہ رکھ۔

فَالْيَوْمَ قیامت کے دن (یہ فاء فصیحیہ ہے) نَنْسٰهُمْ ہم انہیں بھلا دیں گے یعنی ان کے ساتھ وہی ہوگا جو بھولنے والا بھولے ہوئے شخص سے کرتا ہے یعنی قیامت میں ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہ ہوگی اور نہ ہی ان کا کوئی اعتبار ہوگا اور انہیں جب وقت سے جہنم میں ڈالا جائے گا پھر ان کی کسی قسم کی خبر گیری نہیں ہوگی۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نسیان سے منزہ اور پاک ہے لیکن چونکہ کفار سے قیامت میں ایسا معاملہ کریگا جیسے نسیان والے سے سرزد ہوتا ہے بنا بریں اس تشبیہ سے اللہ تعالیٰ پر لفظ نسیان کا اطلاق ہوا ہے۔

كَمَا نَسُوا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ہم نے انہیں اسی طرح بھلا دیا جیسے انہوں نے ہمارے اس دن کی حاضری کو بھلایا۔ ان کے دل میں کبھی خیال تک نہ گزرتا تھا کہ انہوں نے ہمارے ہاں حاضر ہونا ہے اور نہ ہی اس دن کی حاضری کے لئے وہ مستعد تھے۔

سوال: اس معنی پر کفار کو نسیان سے موصوف کرنا ناموزوں ہے اس لئے کہ نسیان تو اس کیلئے بولا جاتا ہے جسے پہلے کسی شے کا علم ہو پھر کسی عارضہ سے اس کے ذہن سے وہ بات اُتر جائے اور کفار تو سرے سے قیامت کی حاضری کے قائل ہی نہیں تھے۔

جواب: چونکہ بھولنے والا بھولنے کے بعد اس شے کا کچھ اعتبار نہیں کرتا۔ اس مناسبت سے کفار پر نسیان کا اطلاق ہوا کہ وہ بھی قیامت کی حاضری کا کچھ اعتبار نہیں کرتے گویا انہیں اس شخص سے تشبیہ دی گئی جو شے کو جاننے کے بعد بھول جائے ایسے استعارے قرآن پاک میں بہت ہیں اس لئے کہ عالم غیب کے معانی کا سمجھانا یوں آسان ہوتا ہے کہ انہیں عالم شہادت کے مماثل بنایا جائے وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۰ اس کا عطف ما نسوا پر ہے یعنی جیسے انہوں نے قیامت کی حاضری کو دَرخورِ اعتناء نہیں سمجھا۔ اس لئے وہ ہماری آیات کا دائمی طور انکار کرتے ہیں۔ ممکن ہے ما مصدریہ اور کما کا کاف تعلیلیہ ہے اس لئے کہ مَا كَانُوْا میں کسی شے کے ساتھ تشبیہ واضح طور نہیں ہاں

اگر کچھ ہے تو باعتبار لازم کے یعنی ترک کے اعتبار سے ۵۲ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ
اور ہم نے ان کے ہاں ایسی کتاب لائی جسے ہم نے اسے مفصل طور بیان کیا یعنی ہم نے اس کے معانی تفصیلی طور
بیان کئے یعنی عقائد اور احکام و مواعظ مفصل طور کتاب میں مذکور ہوئے اور ھم کی ضمیر تمام کفار کی طرف
راجع ہے اور کتاب سے جنس کتاب مراد ہے یا یہاں پر کفار سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین
اور الکتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ عَلٰى عِلْمٍ یہ فَصَّلْنَا کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ
ہم کتاب کی وجہ تفصیل کو جانتے ہیں کہ کتاب حکیم بن کر تشریف لائی اور یہ بھی ہے کہ یہ فَصَّلْنَا کی ضمیر مفعول
سے حال ہے یعنی وہ کتاب بے شمار حکمتوں پر مشتمل ہے هُدًى وَّرَحْمَةً یہ فَصَّلْنٰهُ کی ضمیر سے
حال ہے یعنی کتاب ہادی اور ذی رحمت ہے۔ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۔ اس قوم کے لئے جو ایمان
لاتے ہیں یعنی وہ تصدیق کرتے ہوئے یقین رکھتے ہیں کہ واقعی وہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف
لائی ہے اور یہی لوگ کتاب اللہ کے آثار سے نفع پاتے اور اس کے انوار سے اقتباس کرتے ہیں۔
۵۳ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ اور کفار صرف اپنے انجام کا انتظار کر رہے ہیں یعنی وہ چاہتے ہیں
کہ وہ وعدہ وعید ظاہر ہو جائیں جن کے متعلق انہیں خبر دی جا رہی ہے يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ اس
دن کہ ان کا انجام ظاہر ہوگا یعنی جب ان کا وہ انجام آئے گا جس کے متعلق انہیں وعدہ دیا گیا ہے
اس سے قیامت کا دن مراد ہے یعنی جب قیامت کے دن وہ اپنے انجام کو آنکھوں سے مشاہدہ کریں
گے يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ جنہوں نے اس دن کو اس سے قبل بھلا رکھا تھا وہ کہیں
گے یعنی اس دن کے آنے کو وہ لوگ مانتے تھے۔ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ بے شک
ہمارے رسل کرام حق لائے تھے یہ باء تعدیہ یا ملابست کی ہے تو بالحق حال ہے اصل عبارت یوں ہے
مُلْتَبِسِيْنَ بِهٖ یعنی انہیں اعتراف ہے کہ اخبار و احکام مثلاً بعثت حساب و جزاء انبیاء علیہم السلام لائے
ہیں حق ہیں اس کے بعد کفار اپنی نجات کے لئے دو تمنائیں پیش کریں گے اور چاہیں گے کہ ان میں سے
ایک تو پوری ہو جائے تاکہ قبر کے عذاب سے چھٹکارا نصیب ہو۔ پہلا ان کے لئے کوئی سفارشی ہمارا شفاعت کریں
چنانچہ فرمایا فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَا ۔ کیا ہمارے کوئی سفارشی ہیں
جو ہمارے لئے آج سفارش کریں اور ہمیں ایسے عذاب سخت سے نجات دلائیں۔ دوسرا دنیا میں واپسی
کی اجازت مل جائے تاکہ نیک عمل کریں چنانچہ فرمایا اَوْ نُرَدُّ یا ہمیں دنیا میں لوٹایا جائے فَنَعْمَلَ یہ دوسرے
استفہام کی وجہ سے منصوب ہے پس عمل کریں " غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ " اس کے برعکس جو پہلے ہم دنیا میں عمل کرتے
تھے یعنی اب ہم رسل کرام علیہم السلام کی تصدیق کریں گے اور اعمال صالحہ میں زندگی بسر کریں گے اس پر اللہ تعالیٰ

رنجہا بسیار دید و عافیت ٭ رفت آخر سوئے امن و عافیت
خویشتن افگند در دریای ژرف ٭ گہ نیابد حد آنرا ، ہیچ طرف
پس چو صیاداں بیاوردند دام ٭ نیم عاقل را ازاں شد تلخ کام
گفت آہ من فوت کردم فرصہ را ٭ چوں نگشتم ہمرہ آں رہنما
بر گذشتہ حسرت آوردن خطاست ٭ باز ناید رفتہ ہباست
لیک زاں نندیشم و برخود زنم ٭ خویشتن را ایں زماں مردہ کنم
ہمچناں مرد و شکم بالا فگند ٭ آب می بردش نشیب و گہ بلند
ہر یکے زاں قاصداں بس غصہ برد ٭ کہ دریغا ماہی بہتر بمرد
پس گرفتش یک صیاد ارجمند ٭ پس برو تف کرد بر خاکش فگند
غلط غلطاں رفت پنہاں اندر آب ٭ ماند آں احمق ہمی کرد اضطراب
از چپ و از راست می جست آں سلیم ٭ تا کہ بجہد خویش برہاند گلیم
دام افگندند اندر دام ماند ٭ احمقی او را دراں آتش نشاند
بر سر آتش بہ پشت تابہ ٭ با حماقت گشت او ہم خوابہ
او ہمی جوشید از تف سعیر ٭ عقل میگفتش الم یاتک نذیر
او ہمی گفت از شکنجہ وز بلا ٭ ہمچوں جان کافراں قالوا بلیٰ
باز می گفتی کہ اگر ایں بار من ٭ وارہم زین محنت گردن شکن
من نسازم جز بدر یائی وطن ٭ آبگیری را نسازم من سکن
آب بیحد جویم و ایمن شوم ٭ تا ابد در امن و صحت می روم
آن ندامت از نتیجہ رنج بود ٭ نی ز عقل روشن چون گنج بود
میکند او توبہ و پیر خرد ٭ بانگ لو ردوا لعادوا می زند

خلاصہ حکایت کسی پانی کھینچنے والے کے تین مچھلیاں ہاتھ لگ گئیں ان میں سے ایک نے بھاگ نکلنے کا مشورہ دیا لیکن کسی نے نہ سنی بالآخر وہ خود بھاگنے میں کامیاب ہو گئی ۔ دوسری نے بھی چند ساعات کے بعد بھاگنے کی تدبیر سوچی اور اس نے بھی کامیابی حاصل کی تیسری غفلت کا شکار ہوئی تو لوگوں نے کاٹ کر پکا کر کھا لی وہ اس دکھ درد کے وقت یہی کہتی کاش میں ان کے کہنے پر چلتی جیسے کافر دوزخ میں دکھ درد اُٹھائیں گے اور آرزو کریں گے۔

سبق: دانا وہ ہے جو اپنے حال کی سنبھال میں رہتا ہے اور نہ ہی لمبی چوڑی تمناؤں کا شکار ہوتا ہے

حکمت: امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا جو کسان کھیتی کے کام میں محنت کرتا ہے تو وہ اناج کا ڈھیر جمع کر لیتا ہے تو اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ کہے کہ مجھے اس سے ایک سو بوری گندم کی امید ہے اور اگر کوئی کھیتی کے کام میں سستی برتے اور کام کاج کے وقت غفلت میں رہتا ہے تو اناج اٹھانے کے وقت کہے کہ مجھے ایک سو بوری گندم حاصل ہوگی۔ یہ صرف زبانی جمع خرچی ہے اور کچھ نہیں۔ اسی طرح ہر وہ بندہ جو نیکی میں جدوجہد کرتا ہے اور برائی سے بچتا ہے تو اسے کہنا مناسب ہے کہ وہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری نیکی قبول کرے اور میری غلطیاں معاف فرمائے اور ثواب عنایت فرمائے۔ یہ امید بھی موزوں ہے اور اسے کہنا لائق بھی ہے لیکن ہر وہ بندہ جو غفلت میں غرق اور طاعات کے ترک کی عادت رکھتا اور ہر برائی کا ارتکاب کرتا اور خوفِ خدا اس کے دل سے اٹھ گیا ہو اور نہ ہی رضائے الٰہی مطلوب ہو اور اس کے وعدہ وعید کی پرواہ نہ کرے پھر بھی کہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی بہشت میں داخلے اور جہنم سے نجات کی امید ہے تو ایسا شخص نفس کا کھلونا ہے جیسے عوام بلکہ بعض بڑے خواص بھی اس مرض میں مبتلا ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دانا وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو راہِ حق میں لگائے اور موت کے بعد والی زندگی کے لئے عمل کرے اور فاجر وہ ہے جو نفس کے تابع ہو اور خواہشات نفسانیہ اس پر سوار ہوں پھر بھی اللہ تعالیٰ سے امیدیں وابستہ رکھے۔

فائدہ: غم تین ہیں (۱) نیکی قبول نہ ہو
(۲) گناہ معاف نہ ہوں
(۳) معرفت چھین جائے۔

حکایت: حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوا تو ان کی حالت یہ تھی کہ رات بھر روتے رہے آپ نے فرمایا۔ میں نے کہا تو پھر آپ کیوں روتے ہیں۔ انہوں نے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمام کو بخشنے میں اتنا بوجھ بھی نہیں۔ مجھے خطرہ ہے کہ کسی گناہ کی شامت سے میرے سے اسلام نہ چھین جائے۔

ف: تمام رسل اور ابدال و اولیاء علی نبینا وعلیہم السلام طاعت باوجود اتنی بہت بڑی جدوجہد کے اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہر وقت پریشان رہتے ہیں پھر بھی ہمیں اپنے لئے سوچنا چاہیے کہ باوجود اتنے

باقی صد پر

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے

أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَ

پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے رات دن کو ایک دوسرے سے ڈھانکتا ہے کہ جلد اس کے پیچھے لگا آتا

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرٰتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ

ہے اور سورج اور چاند اور تاروں کو بنایا سب اس کے حکم کے دبے ہوئے سن لو اسی کے ہاتھ ہے پیدا کرنا اور حکم دینا

رَبُّ الْعٰلَمِينَ ﴿٥٤﴾ ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٥٥﴾

بڑی برکت والا ہے اللہ رب سارے جہان کا اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ بیشک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ

اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کے سنورنے کے بعد اور اس سے دعا کرو ڈرتے اور طمع کرتے بیشک

رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا

اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے اور وہی ہے کہ ہوائیں بھیجتا ہے اس کی رحمت

بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتّٰى إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ

کے آگے مژدہ سناتی یہاں تک کہ جب اٹھا لائیں بھاری بادل ہم نے اسے کسی مردہ شہر کی طرف چلایا پھر اس سے

فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى

پانی اتارا پھر اس سے طرح طرح کے پھل نکالے اسی طرح ہم مردوں کو نکالیں گے

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٥٧﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي

کہیں تم نصیحت مانو اور جو اچھی زمین ہے اس کا سبزہ اللہ کے حکم سے نکلتا ہے اور جو خراب ہے

خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾

اس میں نہیں نکلتا مگر تھوڑا بمشکل ہم یونہی طرح طرح سے آیتیں بیان کرتے ہیں ان کے لیے جو احسان مانیں

تفسیر عالمانہ: اِنَّ رَبَّکُمُ : یہ خطاب ان کفار مکہ کو ہے جنہوں نے بے شمار معبود بنا رکھے تھے یعنی بیشک تمہارا رب اللہ" اللہ کریم ہے جو جمیع کمالات کا جامع ہے اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ جس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے کہ ان کی پہلی کوئی مثال بھی نہیں تھی فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ چھ دنوں یعنی چھ وقتوں میں اگرچہ وہ قدرت رکھتا ہے کہ صرف ایک دن میں تمام کائنات کو پیدا فرمائے لیکن چھ دنوں میں پیدا کرنے میں اپنے بندوں کو بتایا کہ دیر میں خیر ہوتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

۱۔ مکر شیطانست تعجیل و شتاب
خوئے رحمانست صبر و احتساب

۲۔ یا تانے کشت موجود از خدا
تابشش روز این زمین وچرخہا

۳۔ ورنہ قادر بود کز کن فیکون
صد زمین وچرخ آوردی بروں

بڑے گناہوں کا کبھی بھی خدا کا خوف اس کے تصور میں نہیں آتا۔

سوال: حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر نیک گمان رکھنا چاہیے ہم گنہگار ہیں لیکن اس کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

جواب: ان حضرات کو اللہ تعالیٰ پر نیک گمانی کا علم نہیں تھا یا وہ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کو نہیں جانتے تھے ہم سے انہیں زیادہ علم تھا۔ لیکن وہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی نفس کا دھوکہ اور ایک قسم کا شیطانی غرور ہے۔ اے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی کتاب کا عامل اور اپنی بارگاہ کا واصل بنا۔ ان لوگوں میں ہمارا شمار نہ ہو جو تجھے بھلا کر نفس کے تابع ہو جاتے ہیں۔ (آمین ثم آمین الوفا الوفا)

۴ ، این تأنی از پے تعلیم تست
صبر کن در کار دیر آئی و درست

ترجمہ ۱ : شیطانی تدبیر عجلت اور جلدی میں ہے رحمانی عادت صبر و حوصلہ میں ہے۔
۲ : دیر سے ہی کھیتی اللہ تعالیٰ سے آتی ہے دن اور زمین اور آسمان کی گرمی سے۔
۳ : ورنہ وہ قادر ہے کہ کُن سے سب کچھ کر سکتا ہے سو زمین سو آسمان بنا سکتا ہے۔
۴ : یہ صبر (تاخیر) تیری تعلیم کے لئے ہے صبر کر دیر میں خیر ہے۔

عجلت میں خیر

علماء فرماتے ہیں مندرجہ ذیل اُمور میں جلدی کرنا ضروری ہے۔

(۱) گناہوں سے توبہ
(۲) قرض کی ادائیگی
(۳) مہمان نوازی
(۴) بچی بالغہ کی شادی (نکاح و رخصتی) جلدی کرنا چاہیے
(۵) میت کا دفن
(۶) جنابت کے بعد کا غسل۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے اپنی خالقیت و قادریت سے آسمانوں کو پیدا فرمایا اور اپنے کمال تدبر اور حکمت بالغہ کی بنا پر اُن کی تخلیق میں چھ روز لگائے۔

نکتہ : چھ قسم کی مخلوق کو چھ دنوں میں پیدا کرنے میں منقسم فرمایا۔ چھ قسم کی مخلوق سے مندرجہ ذیل اشیاء مراد ہیں۔ ۱ : ارواح مجرد
۲ : ملکوتیات : جیسے ملائکہ جنات شیاطین ملک السموات جیسے عقول نفوس مرکبہ
۳ : نفوس جیسے نفوس الکواکب نفوس الانسان و نفوس الحیوان و نفس النبات والمعادن۔
۴ : اجرام یعنی بسائط علویہ کے اجسام لطیفہ۔ جیسے عرش کرسی سمٰوٰت۔ جنت۔ نار۔
۵ : اجسام مفردہ یعنی عناصر اربعہ۔
۶ : عناصر کے اجسام مرکبہ کثیفہ

سوال : ان امور کی تخلیق کو چھ ایام سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ اس وقت تو نہ دن تھے نہ راتیں
جواب : اس سے ایام متعینہ مراد نہیں بلکہ مطلق وقت مراد ہے کہ اگر اس وقت تمہارے یہ ایام ہوتے

تو انہی ایام کی مقدار پر تخلیق ہوئی (گویا یہ تفسیر ملائکہ سمجھانے کی وجہ سے ہے)۔
ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ تف عرش ہر وہ تخت کو جس پر بادشاہ بیٹھے اور ہر اس شئے کو بھی کہا جاتا ہے جو سر کے اوپر سایہ افگن ہو۔
سوال: مذکورہ بالا ہر دو معانی اللہ تعالیٰ کے لیئے محال ہیں۔
جواب: یہاں لغوی معنی مراد نہیں بلکہ سلطنت ملک اور غلبہ مراد ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے کے بعد جس طرح چاہا اپنے ملک پر تصرف فرمایا مثلاً افلاک کو حرکت اور ستاروں کو گردش اور ساعتوں اور دنوں کو باری باری بدلنے کی قوت بخشی اور حکمت کاملہ کے تحت جس طرح چاہا۔ اپنی مصنوعات کو تیار فرمایا۔
فائدہ: تقریر مذکورہ کی تائید قاضی بیضاوی کی تفسیر سے بھی ہوتی ہے انہوں نے لکھا کہ استوی علی العرش اَی استقرا امر ربوبیۃ یعنی اس کی ربوبیت کا امر مستقر اور اُن کے امر کا اجراء ہوا اور اس نے اپنی حکمت کاملہ کے تقاضا پر اپنے مصنوعات میں تدبیر فرمائی۔
سوال: اگر مذکورہ بالا مطلب ہے تو پھر لفظ عرش سے اس کی تعبیر کی کیا تخصیص ہے۔
جواب: عرش الٰہی چونکہ تمام مخلوق سے بڑا ہے بلکہ جمیع اجسام کو محیط ہے تو پھر جو ذات اس پر تصرف اور قبضہ رکھتی ہے تو گویا اس کا تمام مخلوق پر قبضہ رکھتی ہے تو گویا اس کا تمام مخلوق پر قبضہ ہے اس لئے کہ جنت و دوزخ اور آسمان و زمین بلکہ تمام عناصر وغیرہ عرش کے گھیرے میں ہیں۔ اس بنا پر لفظ عرش سے تعبیر کیا گیا ہے۔
فائدہ: تفسیر فارسی میں اس جملہ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ " پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے عرش کی تخلیق کا ارادہ فرمایا۔
(**ثُمَّ بمعنی واوٌ**) حداوی صاحب نے فرمایا کہ یہاں پر ثم بمعنی واؤ علی طریق الجمع کے ہے یہاں پر تم اپنے معنی تراخی میں نہیں اس لئے کہ عرش کی آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے برسوں پہلے ہو چکی تھی۔
حدیث شریف: مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پھر لوح پیدا فرما کر قلم کو قیامت تک ہونے والے تمام واقعات لکھنے کا حکم دیا اس کے بعد عرش اس کے بعد عرش کے حاملین ملائکہ اس کے بعد آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ میرے شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ یہاں

لے واس سے اولیت اضافی مراد ہے تفصیل اس کی فقیر کے رسالہ "الحبل المتین" میں مطالعہ کریں ۱۲ (اویسی غفرلہ)

پر استوی لغوی معنیٰ میں مستعمل نہیں ہو رہا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس معنیٰ کا استعمال ناممکن ہے اور وہ ایسے معانی سے منزہ اور پاک ہے البتہ یہاں پر اس کا امر ایجادی اور تجلی احدی مراد لی جائے تو موزوں ہے جسے قرآن مجید نے حق سے تعبیر کیا ہے اور قاعدہ ہے کہ استوار امر ارادی ایجادی علی العرش شرعی استوار امر تکلیفی ارشادی کے قائم مقام ہوتا ہے۔ جیسے یہ دونوں امر برابر طور ایک دوسرے کے عکس ہیں اسی طرح عرش شرع بھی برابر طور ایک دوسرے کے عکس ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب جمیع کائنات مذکورہ کی تخلیق مکمل ہو گئی تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عرش پر تصرف کا ایسے ہی ارادہ فرمایا جیسے دوسری مخلوق کی تخلیق کے بعد تصرف کا ارادہ فرمایا اس وقت سے ہی عرش ماتحت اثری تک تصرف کا اجراء ہوا۔

سوال :۔ اگر جملہ امور اور جمیع مخلوق میں تصرف مراد ہے تو پھر عرش کی تخصیص کیوں۔

جواب :۔ پہلے گزر چکا کہ عرش محیط بکل مخلوق ہے۔ علاوہ ازیں اجسام لطیفہ کا مبداء بھی یہی ہے یعنی وہ اجسام لطیفہ جو فیض رحمانی قبول کرنے کی استعداد رکھتے ہیں۔

مسئلہ : استوار بھی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے لیکن اس استوار سے وہ مراد نہیں جو مخلوق کے استوار کے مشابہ ہو۔ جیسے علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لیکن وہ علم مخلوق کے علم سے کسی قسم سے مشابہت نہیں رکھتا اس لئے کہ (لیس کمثلہ شیئ) کی شان ہے۔

نکتہ ، انسان اگر اپنی خلافت پر غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کیوں اپنی خلافت کا اہل بنایا ہے اس غور و خوض کے بعد اُسے اپنے نفس کی معرفت حاصل ہو گی تو پھر اسے معرفت الٰہی نصیب ہو جائیگی

نکتہ عجیبہ اس کی توضیح یوں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے جب نطفہ ماں کے رحم میں قرار پکڑتا ہے تو اسے انسانی ڈھانچے میں تبدیل کرنے پر اس کی روح کو مقرر فرماتا ہے تاکہ وہ ایام حمل اپنی مرضی سے تصرف کرے چونکہ روح پہلے سے ہی عالم کبیر سے واقف ہوتی ہے اس لئے عالم کبیر کے مطابق اسے سمیع و بصیر بنا کر اس کے بدن کو زمین کی طرح اور اس کے سر کو آسمان کے مشابہ اور اس کا دل عرش الٰہی کی ساخت پر اور اس کا سِر (راز و رموز کا مرکز) کرسی کے مطابق تیار کرتا ہے یاد رہے کہ روح کا یہ تصرف حق تعالیٰ کے حکم اور اس کی نیابت و خلافت کے تحت ہوتا ہے جب روح انسانی ڈھانچہ کی تکمیل سے فراغت پاتی ہے تو اس کے بعد عرش قلب کی طرف متوجہ ہوتی ہے روح کی تکمیل مذکور کے استوائے مکانی سے تعبیر کرتے ہیں اور روح کی صرف عرش قلب پر توجہ نہیں بلکہ انسانی قلب

میں صرف قلب ہی فیضانِ حق کے حصول کی استعداد رکھتی ہے پھر اس سے ہی جمیع مخلوق کو فیضِ الٰہی نصیب ہوتا ہے جیسے ابھی ہم نے عرض کیا ہے روح کے واسطہ سے ہی قلب پر فیضِ حق پہنچتا ہے۔ پھر قلب کے ذریعے باقی اجزاءِ انسانی سرشار ہوتے ہیں ایسے ہی فیضانِ الٰہی کا مرکز قلب ولی ہے کہ جس کے واسطہ سے تمام مخلوق کو فیض پہنچتا ہے۔

انتباہ: ہماری مذکورہ بالا تقریر پر کوئی بندہ غور لانے سمجھنے کی کوشش کی تو اُسے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کا مفہوم بہتر طور سمجھ آجائے گا اور اسے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کا معنی بھی یہاں سے محقق ہو جائے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

ربط: استوائے عرش میں اپنی قدرت کاملہ اور اپنے امور میں اجرائے احکام کے تصرف کو بیان فرما کر بطور استیناف فرمایا۔ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ دن کو رات سے پوشیدہ کرتا ہے یعنی رات کو دن کے لئے بمنزلہ ایک حجاب کے بنایا کہ وہ اور اس کی تاریکی پردوں کے طور دن کو چھپا لے۔ ﴿ا﴾

سوال: اس کے برعکس کیوں نہیں بیان کیا گیا حالانکہ دن بھی تو اپنی روشنی سے رات کو چھپا دیتا ہے

جواب قاعدہ ہے کہ ضدین میں سے ایک کا ذکر کیا جائے تو اس کی ضد (مقابل) خود بخود ذہن میں اتر جاتا ہے پھر اس کی ضد کے ذکر کرنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس کے صفات مذمومہ اور اس کی خواہشات قبیحہ کی تاریکیوں کا جب قلب کے انوار پر پرچھاؤں پڑ جاتی ہے تو سالک کا حال پھر وہی ہوتا ہے جیسے رات کی تاریکی سے دن کی کیفیت ہوتی ہے۔ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا یہ الیل سے حال ہے یعنی رات کی تاریکی دن کی روشنی کا حجاب بنتی ہے تو اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ دن کو طلب کرتی ہے۔

فائدہ چونکہ دن اور رات کے گزر جانے بعد ایک دوسرے کے آنا بلا فصل ہوتا ہے تو اسے یوں تعبیر کیا گیا ہے کہ گویا وہ ایک دوسرے کی طلب میں ہے وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اس کا عطف السمٰوٰت پر ہے یعنی سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا فرمایا درانحالیکہ وہ تمام اللہ تعالیٰ کے حکم اور تصرف اور اس کی قضاء و قدر کے تابع ہیں یعنی ان کے طلوع و غروب کے لئے جیسے وہ چاہتا ہے

﴿ا﴾ رات بذاتِ خود پردہ ہے جیسے کہ ارشاد باری ہے وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا۔ اور دوسرا اس کا پردہ ہونا تاریکی کی وجہ سے پہلی بات تفصیل طلب ہے انشاء اللہ پھر عرض کیا جائیگا۔ یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں ۱۲۔ اویسی

یہ ویسے ہی سرتسلیم خم کرتے ہیں ان کی حرکات مقدرہ اوران کے احوال سب کے سب حکم الہی کے تحت ہیں
اَلاَ یہ تنبیہہ کے لئے ہے بمعنی اعلموا یعنی خبردار کہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے یہ خبر ہے اوراس کی تقدیم تخصیص کے لئے ہے۔ اَلخَلقُ وَالاَمرُ تخلیق اور جملہ امور تکوینیہ یعنی علی الاطلاق ہر شے کا موجد اور متصرف صرف وہی اللہ تعالیٰ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جو شئے امر الہی کے واسطہ کے بغیر پیدا کی گئی اسے امر کہا جاتا ہے اور جو کسی واسطہ سے پیدا ہوئی ہے وہ خلق ہے حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ ماسوی اللہ کا نام عالم ہے اور وہ دو قسم ہے (۱) عالم الخلق (۲) عالم الامر۔ عالم الاجساد والجسمانیات کو عالم خلق اور عالم ارواح والمجردات کو عالم امر کہتے ہیں اس لئے کہ خلق بمعنی تقدیر ہے اور ہر وہ شے جو جسم یا جسمانی ہو وہ ایک مقدار معین سے مخصوص ہوتی ہے بنابریں اسے عالم خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو شے جسم اور مقدار سے مجرد ہو اسے عالم الارواح کہتے ہیں اور وہ مکنونات جو صرف امر کن سے پیدا ہوئی ہیں عالم امر میں داخل ہیں اُن ہر ایک کو کسی مناسبت کے مناسب نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس لئے فرمایا کہ میرے شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عالم العین والکون والحدوث روح ہو یا جسم کو عالم خلق کہا جاتا ہے اور عالم العلم و الالٰہ والوجوب کو عالم امر کہتے ہیں۔ عالم خلق عالم امر کے تابع ہوتا ہے اس لئے کہ عالم امر عالم خلق کا اصل و مبدا ہے قال تعالیٰ قل الروح من اَمرِ رَبّی اور فرمایا اور واللہُ غالبٌ علیٰ اَمرِہٖ۔

تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ العٰلَمِینَ ۝ اللہ رب العالمین کی ذات بڑی برکت والی ہے اور وہ اپنی الوہیت میں وحدانیت کے ساتھ بلند اور ارفع شان کا مالک ہے اور ربوبیت میں تفرد کے ساتھ عظمت والا ہے۔ اس آیت میں ان کافروں کا رد فرمایا ہے جنہوں نے اپنے لئے بے شمار معبود بنا رکھے تھے بہت بڑی حکمت اور نہایت مضبوط حجت سے انہیں توحید کی دعوت دی ہے۔

نکتہ: آیت کو لفظ اِنَّ تحقیقیہ سے شروع کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کفار سرے سے ذات حق کی ربوبیت کے منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں اِنَّ رَبَّکُم الخ فرمایا کہ تمہارا رب وہ ہے اوراس کی یہ صفت اس کے کمال علمت وحکمت وقدرت پر دلالت کرتی ہے اور وہ ایسا حکیم ہے کہ جس نے تمام مشاہدات کو پیدا کر کے ایک بہت بڑے بادشاہ کی حیثیت سے اپنی مملکت میں بہتر سے بہتر تدبیر فرمائی۔

حکایت: مروی ہے کہ صاحب بن عباد (ادیب) کو "الرقیم" "تبارک۔ المتاع" کے معانی میں تردد تھا۔ بہت بڑے قبائل عرب کے بڑے ادیبوں سے ملے لیکن تسلی وتشفی نہ ہوئی۔ ایک دن ایک بدوی عورت سے اچانک سنا کہ وہ اپنے چھوٹے بچے سے پوچھ رہی تھی کہ "این المتاع" چھوٹے بچے نے

جواب میں کہا۔ جَاءَ الرَّقِیْمُ وَاعْتَنَّ الْمَتَاعَ وَتَبَوَّكَ الْجِبَالَ۔ یعنی کتا آیا اور وہ متاع لے کر پہاڑ پر چڑھ گیا ہے۔ اس جملے کا مفہوم ان کے اس بدو عورت نے سمجھنا چاہا تو اس عورت نے کہا الرقیم بمعنی الکلب یعنی کتا اور التاع یعنی قبیل یا کاروچسپہ بالقصاع یعنی وہ جو پانی سے ترکرکے پیالہ کو صاف کیا جائے اور تبارک بمعنی صعد تعالٰی یعنی بلندی پر چڑھا۔

حدیث شریف جو شخص کسی عمل صالح کی توفیق پر اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کرتا بلکہ اپنے نفس کا بہت بڑا کر اپنی تعریف کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اس کا وہ عمل بھی ضائع ہو جاتا ہے اسی طرح جس کا یہ خیال ہو کہ وہ اپنے ذاتی امر کے لئے کسی شئے کو سبب بنایا تو سمجھو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام کے اعلامات سے کفر کیا۔ شاعر کہتا ہے ؎

بِیَدِ اللّٰہِ کُلُّ الْاَمْرِ فِیْ خَلْقِہٖ مَعًا

وَلَیْسَ اِلَی الْمَخْلُوْقِ شَیْءٌ مِنَ الْاَمْرِ

ترجمہ: یعنی مخلوق کے جمیع امور صرف اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور ذاتی طور مخلوق کے کسی فرد کو کوئی اختیار نہیں۔

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ اپنے رب کریم کو پکارو یہاں پر رب بمعنی مربی از تربیت ہے یعنی کسی شئے کو بتدریج کمال پہنچانا۔ اللہ تعالیٰ ظواہر یعنی نفوس کی نعمت سے اور بواطن یعنی قلوب کی رحمت سے تربیت کرتا ہے عابدین کے نفوس کی احکام شریعت سے اور مشتاقین کے قلوب کو آداب طریقت سے اور اسرار محبین کو انوار حقیقت سے تربیت کرتا ہے۔

اسم اعظم کی تحقیق رب تعالیٰ کا نام ہے اور اسم اعظم لفظ رب ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے جس اسم کو الٹا کرو گے تو معنی باطل ہو جاتا ہے بخلاف لفظ رب کے کہ اسے الٹاؤ تو معنی باطل نہیں ہوتا۔ کیونکہ رب کا عکس بَرّ ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

حدیث خضری خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اسم اعظم لفظ رب ہے اس لئے کہ ہر نبی و ولی بلکہ اعدائے اسلام بھی اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتے ہیں تو لفظ رب سے ابتداء کرکے چنانچہ ملاحظہ ہو۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الآیۃ اسی طرح باقی آیات اور صحابہ کرام کو دعا مانگنے کا طریقہ بتایا گیا۔ ربنا ما خلقت ھذا الآیہ اور اعدائے اسلام کے کلمات بھی یونہی ہیں۔ شیطان نے کہا رَبِّ اَنْظِرْنِیْ الآیۃ اور قیامت میں کفار کہیں گے۔ رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا۔

تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً بمعنی زاری کرنا (کذا فی تاج المصادر) اس کا مادہ ضرع یضرع ضراعۃ

ا رابا ب فتح ہے بمعنی خشوع و ذل اور یہ دونوں اُدعُوا کے فاعل سے حال ہیں۔ یعنی متضرعین متذللین و مخفیں بالدعا۔ یعنی اپنے رب کریم کو پکارو درانحالیکہ عجز انکسار کرنے والے اور دعا کو چھپانے والے ہو تاکہ اقرب الی الاجابۃ ہو۔ اس لئے اخفاء اخلاص اور احتراز عن الریاء کی دلیل ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کسی جنگ کے موقع پر ایک وادی کو جھانک کر بلند آواز سے تکبیر و تہلیل کہنے لگے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا آہستہ آہستہ تکبیر و تہلیل کہو۔ اس لئے کہ تم جسے پکار رہے ہو وہ نہ تو بہرا ہے اور نہ تم سے دور ہے بلکہ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے (اور وہ تمہاری ہر بات سنتا اور جانتا ہے اس کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ بنا بریں یہی عقیدہ ہو کہ ہر وقت ہر ایک کے ساتھ ہے۔

مسئلہ: حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کا آہستہ ذکر کرنا مستحب ہے۔

مسئلہ: شرح کشاف میں ہے کہ یہ ہر ایک کے لئے نہیں بلکہ بعض کے لئے تو ذکر بالجہر مستحب ہوتا ہے۔ جیسے مبتدی سالک کو مرشد کامل ذکر بالجہر کا حکم دیتا ہے تاکہ اس کے دل پر جتنا شیطانی حرکات ہیں دور ہو جائیں۔ (کذا فی شرح مشارق الانوار الابن الملک)

فائدہ: حسین کاشفی رسالہ عالیہ میں لکھتے ہیں کہ بعض اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ جنہیں نفس کی شرارتوں کا علم ہوا تو ذکر بالجہر کرنا مناسب سمجھ کر ذکر خفی کو ترجیح دی تاکہ ریاء سے بچ جائیں اور اپنی دلیل واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخفیہ کو سمجھا اور ان میں بعض اللہ والے ایسے بھی ہیں جن کے دل اخلاص سے پُر ہیں اور ریاء سے کوسوں دُور بنا بریں انہوں نے ذکر بالجہر پر زور دیا یہ ہر دو گروہ پاکباز ہیں ہم کو ہر ایک سے خوش عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں ان کے ہاں قرآن وحدیث کے دلائل موجود ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے۔

گفت ادعوا اللہ بی زاری مباش
تا بیاید فیضہائے دوست فاش

تا سقاہم ربہم آید خطاب
تشنہ باش واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ ۱، فرمایا ادعوا اللہ (اللہ کو پکارو) زاری کے بغیر نہ ہو تاکہ دوست کے فیوض کھول کر آئیں۔
۲، تاکہ سقاہم کا خطاب آئے۔ پیاسہ ہو (پھر خطاب آئے گا)، واللہ اعلم بالصواب۔

دُعا کے آداب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور تاجدارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتے تو اختتام پر اپنے چہرے مبارک پر دونوں ہاتھ پھیرتے تھے تاکہ وہ رحمت الٰہی جو دعا کے وقت ہاتھوں پر نازل ہوئی اس کی برکات چہرہ کو بھی نصیب ہوں۔ کما قال سِیمَاهُمْ فِی وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ۔ علاوہ ازیں ہاتھوں کو چہرے پر ملنے میں حقیقت حقیقۃ جامع کی طرف رجوع ہے اس لئے کہ چہرہ کا ذات ہے چنانچہ اسرارِ محمدیہ میں لکھا ہے کہ انسان دعا کے وقت ظاہراً و باطناً ہر طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ دعا میں حضور قلب کی شرط میں بھی یہی راز ہے۔

نکتہ: بعض ہاتھوں کو اٹھا کر چہرے پر ملنے میں ایک نکتہ اور بھی ہے وہ یہ کہ بندے کا ایک ہاتھ ظاہر اس کے حال ظاہری کا ترجمان ہے اور دوسرا اس کے باطنی حال کا اور زبان ہر دونوں کی مترجم ہے۔

نکتہ: ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا تبرک کی دلیل ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ اس طرح سے بندہ حقیقۃ جامعہ بین الروح والجسد کی طرف رجوع کرتا ہے اس لئے کہ ہر شے کا چہرہ اس کی حقیقت کہلاتی ہے اور یہی ظاہری چہرہ اس حقیقت کا مظہر ہے۔

مسئلہ: دعا مانگنے والے کے لئے سنت یہ ہے کہ دعا کے وقت ہاتھوں کو آسمان کی طرف خوب پھیلائے

مسئلہ: دعا کے وقت ہاتھوں کو گریبان سے باہر پورے طور کھلا رکھنا سنت ہے۔

حکایت: سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہ (سلطان العارفین) نے فرمایا کہ ایک روز میں نے دعا مانگی تو ایک ہاتھ تو کھلا رکھا لیکن دوسرا سردی کی وجہ سے گریبان سے باہر نہ نکال سکا اسی رات نیند میں دیکھا کہ میرا ایک ہاتھ نور سے بھرا ہوا لیکن دوسرا بالکل خالی۔ میں نے عرض کی یا الٰہ العالمین اس میں کیا راز ہے جواب ملا کہ جسے تم نے ہمارے سامنے خالی پھیلایا اسے ہم نے نور سے بھر دیا اور جسے تم نے چھپائے رکھا وہ خالی رہ گیا۔

نکتہ: ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھتے رہنا ایسے ہے جیسے ایک سائل شاہی خزانہ کو دیکھ کر اشارہ کرتا ہو کہ اے بادشاہ اپنے خزانہ سے میرے ان خالی ہاتھوں میں کچھ ڈال دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۔

مسئلہ: آسمان دعا کا قبلہ ہے اور نزول برکات کا مرکز۔

مسئلہ: افضل یہی ہے کہ دعا مانگتے وقت ہاتھ کھلے رکھ کر دونوں ہاتھوں کے درمیان میں تھوڑا فاصلہ چھوڑنا چاہیے۔ ہاں اگر مجبوری ہو یا سخت سردی ہو تو شہادت کی انگلی سے اشارہ ضرور کرے تاکہ وہ اشارہ دونوں ہاتھ کھلے رکھنے کے قائم مقام ہو جائے۔

مسئلہ :- مستحب ہے کہ دُعا کے وقت ہاتھ دونوں سینوں کے بالمقابل ہوں اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا طریقہ یونہی نقل فرمایا ہے۔

اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ تجاوز کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو دعا اور دیگر ماموربہا امور میں تجاوز کرتے ہیں۔ اس میں تنبیہ ہے کہ دعا میں ایسے موضات پیش نہ کرے جو مانگنے کے لائق نہیں مثلاً انبیاء کا مرتبہ مانگنا یا آسمان پر چڑھنا بعض کہتے ہیں اس سے دُعا میں پہنچا چلانا مراد ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں منقریب ایسے لوگ پیدا ہونے والے ہیں جو دعا مانگنے میں تجاوز کریں گے دعا میں اتنا الفاظ کافی ہیں

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ وَعَمَلٍ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ وَعَمَلٍ اے اللہ میں تجھ سے بہشت اور قول و عمل کا سوال کرتا ہوں جو اس کے قریب کردے اور میں جہنم اور اس قول و عمل سے پناہ مانگتا ہوں جو اس کے قریب کرے یہ فرما کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا کر :- انه لايحب المعتدين ٭ دعا میں مہتم بالشان امور کا سوال کرنا چاہیے مثلاً بہشت کا داخلہ اور جہنم سے نجات کا سوال کرنا جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا جب کہ اس نے کہا :-

میں اللہ تعالیٰ سے بہشت کا سوال کرتا ہوں اور اس کے فضل و کرم سے جہنم سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ آپ کے دندنہ کو جانتا ہوں اور نہ معاذ کے دندنہ کو۔

آپ نے ایسے فرمایا :- حولہا ندندن " اس کلام سے اعرابی کا مقصد یہ تھا کہ میں لمبی چوڑی دعائیں نہیں جانتا میں تو صرف اتنا کہتا رہتا ہوں " اللهم اني اسئلك الجنة الخ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہمارا مقصد بھی وہی ہے جو تو کہہ رہا ہے لیکن لمبے چوڑے الفاظ سے ہم اجر عظیم کی امید رکھتے ہیں ۵۶ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ اور کفر و گناہ کا ارتکاب کرتے زمین پر فساد مت پھیلاؤ۔ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے اور اجرائے احکام سے زمین کی اصلاح کے بعد

فائدہ :- ۔۔۔ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر بے فرمانیاں مت کرو تاکہ تمہارے گناہوں کی نحوست سے بارش بند نہ ہو جائے جس سے سرسبز کھیتیاں تباہ و برباد ہو جائیں۔

وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا خوف اور طمع ہر دو نوں مصدر حال واقع ہوئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ

کو پکارو اور التجا کرو تمہارے دل میں یہ خوف ہو کہ کہیں ہمارے کوتاہیوں سے ہمارے اعمال رد نہ کئے جائیں اور تمہیں یہ طمع ہو کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہماری دعائیں قبول فرمائے۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے۔

سوال: قریب رحمت کی صفت ہے اور ان میں مطابقت ضروری ہے لیکن یہاں مطابقت نہیں۔

جواب: رحمت بمعنی احسان ہے مذکر ہے اس لئے کہ یہ بمعنی رحمۃ آیا ہے کما قال تعالیٰ واقرب رحما۔

فائدہ: امام کسائی نے کہا کہ ان رحمت اللہ الخ "وما یدریک لعل الساعۃ تکون قریبا" کی طرح ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کی امید رکھنی چاہیے۔

خلاصۃ التفسیر: اللہ تعالیٰ کی رحمت ان لوگوں کے قریب ہے جن کی زبان ذکر سے ذاکر و شاکر اور جن کا دل حاضر و ناظر ہو اور رحمت حق کے ملنے سے بھرپور اور اپنے لئے رحمت ایزدی کے حصول کیلئے پُر امید ہو۔ یہی دعا کی قبولیت کا بہترین وسیلہ ہے۔ اور احسان (بِاَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ) کا راز بھی اس میں مضمر ہے۔

حدیث شریف: اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے وقت یقین ہو کہ میری یہ دُعا ضرور قبول ہو جائیگی اور وہ کریم میری دعا ضرور مستجاب فرمائے گا اس لئے کہ دُعا کا رد کرنا یا تو عاجزی سے ہوتا ہے یا جس سے سوال ہوتا ہے وہ مروت اور کرم سے یکسر خالی ہو یا یہ کہ سرے سے اسے مانگنے والے کا علم ہی نہ ہو اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ سے نہیں ہو سکتے اس لئے کہ وہ علیم کریم اور قادر قدیر ہے اس لئے دُعا قبول کرنے سے کوئی مانع بھی نہیں ہو سکتا۔

اعجوبہ: حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب بندہ اپنے سوال کے وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں عجز و انکسار کا اظہار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اگر میرے بندے کو میرے کام کے بوجھ اٹھانے کی طاقت ہوتی تو میں اس کے معروضات پر فوراً لبیک کہتا۔

حکایت: حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک شخص سے گزرے جو بہت بڑے عجز و انکسار سے دُعا مانگ رہا تھا موسیٰ علیہ السلام نے دل میں کہا کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں اس کی آرزو پوری کرتا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آپ سے زیادہ رحیم تر ہوں لیکن اس کی حالت تو دیکھیے کہ وہ مجھ سے مانگ رہا ہے اور دل بکریوں سے لگائے ہوئے ہے پھر میں اس بندے کی دعا کیسے قبول کروں کہ سوال تو میرے سامنے کرے لیکن دل میرے غیر سے وابستہ رکھے۔ یہی بات موسیٰ علیہ السلام نے اس بندے

کو سنائی۔ پھر وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف پورے طور متوجہ ہوا۔ جس سے اس کی آرزو پوری ہوگئی۔

سبق :- دعا میں حضورِ قلب اور اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا ضروری ہے تاکہ دعا جلد قبول ہو۔

حکایت : ایک بے وقوف حج کے وقت الوداعی طواف کر رہا تھا کسی نے اس سے مزاحاً پوچھا کہ تم نے حج پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے جہنم سے اپنی برأت کا پرچہ لیا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ پھر بے وقوف نے مزاح کرنے والے سے پوچھا کیا دوسروں کو برأت کا پرچہ ملا ہے اس نے کہا سب کو مل گیا ہے صرف تجھے ہی نہیں ملا۔ وہ بیوقوف یہ سن کر رونے لگا اور حجر اسود کی طرف جاکر کعبہ معظمہ کے پردوں سے چمٹ کر زار و قطار روتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنی برأت کا پرچہ مانگتا تھا۔ اسے تمام دوستوں نے سمجھایا کہ تم سے مذاق کیا گیا ہے اتنی پریشانی کیوں لیکن وہ کسی کی نہیں مانتا تھا اور بدستور اسی طرح کعبہ معظمہ کے غلاف کو پکڑ کر روتا رہا کہ اچانک کعبہ معظمہ کے میزاب کی طرف سے اس پر ایک پرچہ گرا۔ جس پر لکھا ہوا تھا کہ ہم نے تجھے جہنم سے آزاد کیا۔ وہ دیکھ بہت خوش ہو کر لوگوں کو دکھاتا پھرتا تھا۔ اس پرچہ کی عجیب شان تھی کہ وہ ہر طرف سے برابر طور پڑھا جاتا تھا۔ جدھر دیکھا جاتا ایک ہی عبارت ہوتی جس کی عبارت میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں تھا۔ اگر اسے دیکھا جاتا تو بھی مطلب مطابق ہوتا۔ اس سے لوگوں کو یقین ہوا کہ واقعی یہ پرچہ اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصیب ہوا ہے۔

فائدہ : منقول ہے کہ عوام کی دعا اقوال سے اور زہاد کی افعال سے اور عارفین کی احوال سے ہوتی ہے جس کے لئے اجابت کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے ایسے الفاظ کی توفیق بخشتا ہے کہ جس کے بولنے سے اس کی دعا فوراً قبول ہو جائے۔

مسئلہ : دکھ اور درد کے وقت دعا نہ مانگنا مذموم ہے یہ اہل طریقت کا مذہب ہے اس لئے کہ اس وقت دعا نہ مانگنا گویا اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کرنا ہے اور ظاہر کرنا ہے کہ اسے مشقت اور تکالیف کی برداشت کی طاقت ہے حالاں کہ یہ بالکل غلط ہے جیسا کہ شیخ محقق ابن الفارض قدس سرہ نے فرمایا۔ ؎

ویحسن اظہار التجلد للعدیٰ
ویقبح غیر العجز عند الاحبۃ

ترجمہ :- دشمنوں کو ہمت مردانہ کا اظہار ضروری ہے لیکن دوستوں کو عجز و انکساری ظاہر کرنا لازم ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

؎ فقیر و خستہ بدرگاہت آمدم رحمے
کہ جز دعائے تو ام نیست ہیچ دستاویز

ترجمہ: فقیرِ دستِ تہی درگاہ میں آیا ہوں اور رحم کی درخواست ہے میرے پاس دعا کے سوا کوئی دستاویز نہیں۔
شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کی مناجات میں ہے کہا ہے الٰہ العالمین اگر تیرے وفادار تجھ سے رحمت کے امیدوار ہیں تو ہم جیسے جفاکار بھی تیری رحمت کی امید سے پیچھے نہیں انہیں بھی تیری پناہ کی بیحد ضرورت ہے

تفسیر صوفیانہ تضرع ہر وقت عجز و انکساری جس سے مخلوق کو خبر ہو اور خفیہ ہر دو آہ و زاری جسے صرف اللہ تعالیٰ جانے یا یوں کہو کہ تضرع کا اعضاء سے تعلق ہے اور خفیہ قلب سے متعلق ہے اور دعا میں تجاوز عند الصوفیاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے غیر کی طلب کی جائے اور ماسوا کی رضا طلب مقصود ہو۔
وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ میں صوفیاء کہتے ہیں کہ الارض سے ارض القلوب مراد ہے بعد اصلاحہا کی ضمیر کا مرجع ارض القلوب ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ اپنے اور قلوب کے درمیان وسائط اٹھالے تو پھر تم اس میں فساد مت ڈالو یا یہ کہ قلوب سے غیر حق کو نہ دیکھو اور قلوب کی اصلاح یہی ہے کہ وہ صرف حق کو دیکھیں اور بس۔ بعض صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ "بعد اصلاحہا" کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قلوب کو غیر سے پاک فرما دے، تو پھر ان کو مختلف آرزوؤں اور تمناؤں میں نہ پھنساؤ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب متابعت نفس سے بچالیا اور پھر تم انہیں اتباع نفس میں ڈال کر کیوں خراب کرتے ہو۔

مسئلہ: حظوظِ نفس کی طرف رجوع کرنا بھی فسادِ قلوب میں سے ہے یعنی جب کہ قلوب حقوق الٰہیہ کے قیام میں سرگرم ہوں تو پھر انہیں حظوظِ نفس کی طرف جھکنے نہ دو۔ وَادْعُوْهُ خَوْفًا " یعنی انقطاع عن الحق کے خوف سے بچنے کی دعا مانگو۔ وَّطَمَعًا اور رحمتِ الٰہی کے حصول کے طمع میں رہو یہاں پر رحمت سے مراد اپنی آرزوؤں و تمناؤں کو مٹانا ہے۔ قریب من المحسنین" محسنین سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو طاعات کے وقت تجلیاتِ حق کا مشاہدہ کرتا ہے یعنی اس طرح پر طاعات کرتے ہیں کہ انہیں طاعات میں ذاتِ حق کے جلوے نصیب ہوتے ہیں۔ اس ارادہ پر نہیں کہ وہ یہ سمجھیں کہ طاعت کریں گے تو جلوہ ہائے حق نصیب ہوں گے۔ اس لئے کہ یہ تو سودا بازی ہے اور طاعات میں سودا بازی کیسی۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ہواؤں کو چھوڑتا ہے

قاعدہ ۱۲:- قرآن پاک میں لفظ الریاح ہر جگہ رحمت کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور الریح عذاب کے لئے اس قاعدہ کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ جب ہوا چلتی تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھٹنوں کے بل پڑے اور سر مبارک کو سجدے میں رکھا ہوا دیکھا جاتا اور آپ کو پڑھتے سنا جاتا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا رِيَاحًا وَلَا تَجْعَلْهَا رِيحًا اے اللہ تعالیٰ آنے والی ہوا کو ہمارے لئے ریاح اور رحمت بنا اور اسے ہمارے لئے ریح (عذاب) نہ بنا۔ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ۔ اور ہمیں اپنے غضب میں مبتلا کر کے نہ مارنا اور نہ ہی اپنے عذاب سے تباہ و برباد کرنا بلکہ غضب و عذاب سے پہلے ہی ہمیں عافیت سے ہمکنار فرمانا۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "الریح" (ہوا) کو گالی مت دو۔ بلکہ جب ہوا کا ہیبتناک منظر دیکھو تو یوں عرض کرو۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيحِ وَخَيْرِ مَا فِيهَا وَخَيْرِ مَا أُمِرَتْ بِهِ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرِّيحِ وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُمِرَتْ بِهِ

اے اللہ تعالیٰ ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی مانگتے ہیں اور ہمارا اس کی اس بھلائی کا سوال ہے جو تو نے اس کے اندر امانت رکھی ہے اور اس کا تو نے اسے حکم فرمایا ہے اور ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس ہوا کے شر سے اور اس کے اس شر سے جو تو نے اس کے اندر رکھا ہے اور جس کا تو نے اسے حکم فرمایا ہے۔

مسئلہ: دریا میں کشتی پر سوار ہو کر ہوا کے رُخ صحیح یا غلط پر بھروسہ مت کرنا کہ یوں سمجھنے لگو کہ آج ہوا موافق ہے۔ فلہذا کشتی صحیح سالم نکل کر کنارے لگے گی یا آج ہوا کا رُخ غلط ہے فلہذا اس کے غرق ہونے کا خطرہ ہے اس لئے کہ (عند المحققین یہ توحید کے منافی ہے یعنی توحید فی الافعال میں شرک اسی کو کہتے ہیں۔ ایسا عقیدہ حقائق الامور سے جہالت کی دلیل بنتا ہے جسے حقیقت منکشف ہو جاتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ ہوا خود تو نہیں چلتی بلکہ اس کے چلانے والا کوئی اور ہے اور اسے کسی دوسرے کا حکم ہے اور وہ دوسرا کسی اور کا محتاج ہے یہانتک کہ آمر حقیقی یعنی ذات باری تعالیٰ تک معاملہ پہنچے گا اور ظاہر ہے کہ اس کا حکم نہ ہوتا تو نہ فرشتے ہوا کو چلاتے اور نہ وہ چلتی اور وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ ایسے عقیدہ سے وہ منزہ اور پاک ہے بلکہ یوں کہو اس طرح کی تشبیہات سے بھی وہ مقدس ہے کہ اس میں کسی کی محتاجی کا شائبہ ہو۔ اس طرح سے واضح ہو گیا کہ ہوا ازخود نہیں چلتی بلکہ کسی کے حکم سے چلتی ہے فلہذا اسے گالی دینے کا کیا معنیٰ؟

بُشْرًا اور اس کے پہلو دونوں حرفوں کو ضمہ کے ساتھ پڑھنا ہے یہ بشیر کی جمع ہے جیسے رغیف کی رغف جمع آتی ہے یعنی وہ ہوائیں خوشخبری دینے والی ہوتی ہیں بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ اس کی

رحمت سے پہلے یہاں پر رحمت سے بارش مراد ہے اس لئے صبا بادلوں کو پھیلاتی ہے اور باد شمال انہیں
جمع کرتی ہے اور جنوبی ہوا بارش برساتی ہے اور غربی باد بادلوں کو منتشر کرتی ہے۔

فائدہ : باد صبا وہ ہوا ہے جو طلوع شمس کے مقام سے آدھی رات اور عین دوپہر کے وقت چلتی ہے
اور دبور اس کی بالمقابل ہوا کو کہتے ہیں۔ جنوب وہ ہوا جو غروب شمس کے مقام سے چلتی ہے اور باد شمال
یا فتح، جو قطب ستارہ کی جانب سے چلتی ہے اور بادِ جنوب اس کی بالمقابل کو جاتا ہے۔

فائدہ : حدیث شریف باد جنوب کے لئے "قدر السحاب" کا لفظ واقع ہے اس کا معنی ہے۔ دودھ دوہنا
چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہوا اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے
تو وہ بادلوں کو ایسے ہانکتی ہے جیسے کوئی تم میں سے اونٹیوں اور بکریوں کو ہانک کرلے جاتا ہے۔
یہاں تک کہ ان کا دودھ دوہ لیا جاتا ہے۔

فائدہ لغویہ : آیت میں رحمت سے بارش کا معنی اس لغت سے لیا گیا ہے جو اہل عرب کا ایک مقولہ
مشہور ہے کہ "انی اذہن الرحمۃ" ای من المطر" میں رحمت یعنی بارش سے بھاگتا ہوں۔

حتی اذا اقلت یہ حتی یرسل کی غایت ہے سحابا یعنی یہاں تک کہ وہ ہوائیں بادلوں کو
نرمی اور سہولت سے اٹھا کر لے جاتی ہیں یعنی وہ ہوائیں بادلوں کو نہایت خفیف اور قلیل محسوس کرتی ہیں
یہ اقللت کذا ای حملتہ بالسہولہ وحمل الشئ لسہولۃ کے قبیل سے ہے
اور واقعی یہ معاملہ ایسے ہی ہے کہ وہ بادل باوجودیکہ پانی سے پُر ہونے کی وجہ سے بوجھل ہوتے ہیں لیکن ہوا
اُٹھا کر نہایت ہی ہلکی شے کی طرح اُڑاتی ہوئی لے جاتی ہے اس تقریر سے واضح ہوا کہ یہ اقلت کا مادہ
قلت ہے نہ کوئی اور فعل ثقالا ثقیل کی جمع ہے یعنی وہ بادل پانی کی وجہ سے نہایت ہی وزنی ہوتے ہیں۔

سوال : سحاب واحد ہے اور ثقالا جمع اور یہ ہے بھی وہ سحاب کی صفت اور نحو کا قاعدہ
ہے کہ موصوف اور صفت میں مطابقت ضروری ہے۔

جواب : سحاب اسم جنس ہے اور اسم جنس کا قاعدہ ہے کہ وہ جیسے واحد کے لئے مستعمل ہو
وہ بالحق الواحد پر بھی مستعمل ہوتا ہے بنا بریں یہاں پر سحاب بمعنی سحائب ہے اور سحاب وہ بادل جو آسمان
میں چلتا ہوا نظر آتا ہے۔

سُقْنٰہُ - سوق سے مشتق ہے اور ضمیر کا مرجع سحاب ہے اور وہ لفظاً اور معناً واحد ہے۔
اگرچہ باعتبار جنسیت کے اس کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا ہے۔ کما تو یعنی ہم برسنے والے بادلوں کو چلاتے ہیں

بِبَلَدٍ مَّیِّتٍ - ویران شہروں کی آبادی کے لئے یعنی ہر وہ جگہ جو سبزی اور خنکی سے محروم ہے

فائدہ : زمین کی ہر جگہ کو البلد کہا جاتا ہے خواہ وہ جگہ آباد ہو یا ویران۔ اس پر لوگوں کا بسیرا ہو یا نہ ہو اس کے ایک حصّہ کو بلدۃ اور اس کی جمع کو بلاد کہا جاتا ہے۔

فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ پس ہم اس جگہ پر پانی برساتے ہیں۔ یہ باء الصاق کی ہے یعنی پانی کے انزال کا الصاق البلد سے ہوتا ہے۔ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ پس ہم اس پانی کے ذریعہ سے نکالتے ہیں مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ہر قسم کے ثمرات۔ یہاں پر کُل عرفی استغراق کے لئے ہے یعنی[1] ہر وہ اشیاء جو پانی سے پیدا ہوتی ہیں۔ استغراق مطلق اس لئے نہیں کہ بہت سے ثمرات ایسے ہیں جو پانی کے ذریعے پیدا نہیں ہوتیں۔

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى "کذلک کا اشارہ "اخراج ثمرات یا احیاء البلد المیت" کی طرف ہے یعنی جیسے ہم پانی میں قوت نباتیہ اور اس میں خنکی کی طاقت پیدا کرکے ہر طرح کی انگوریاں اور پھل ظاہر کرتے ہیں ایسے ہی قیامت میں ابدان کے بکھرے ہوئے اجزاء جمع کرکے قوٰی و حواس میں روح لوٹانے کے بعد تمام مردگان کو قبروں سے زندہ کرکے اٹھائیں گے۔ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔ یہ دراصل تَتَذَكَّرُوْنَ تھا ایک تا گر گئی ہے یعنی مذکورہ مضمون اس لئے سنایا گیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور یقین کرو کہ جو ذات ویران شہروں کے آباد کرنے اور انگوریاں اور پھلوں کو عدم سے وجود بخشنے پر قدرت رکھتی ہے اسے یہ بھی قدرت ہے کہ قیامت میں جمیع اموات کو قبروں میں زندہ کرکے اٹھائے۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ ہو سکتا ہی نہیں۔

مرنے کے بعد اٹھنے کی تفصیل

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نفخ اولیٰ سے جب تمام لوگ مر جائیں گے تو چالیس روز تک مادہ منی کی طرح ان پر بارش ہوتی رہے گی اس سے وہ اپنی قبروں میں سے انگوریوں کی طرح بڑھتے رہیں گے جیسے مادہ منی کے بعد ماؤں کے شکموں میں بڑھتے تھے یا جیسے پانی سے انگوریاں نشوونما پاتی ہیں جب ان کے اجسام دنیوی ابدان کی کیفیت حاصل کرلیں گے تو پھر ان میں ارواح پھونکے جائیں گے لیکن جونہی ارواح ان کے اجساد میں داخل ہوں گے تو فوراً ان پر نیند طاری کر دی جائے گی وہ اپنی قبور میں ہی سوتے رہیں گے یہاں تک کہ دوسرا پھونکا جائے گا یہی مرنے کے بعد اٹھانے کا نفخ ہوگا جس سے تمام مردگان اپنی اپنی قبور سے یک لخت نکلیں گے لیکن ان کے سروں میں نیند کا خمار محسوس ہوگا جیسے ہم نیند سے

---

[1] فقیر اویسی غفرلہ کا اضافہ ہے اس میں قانون کے تحت موسیٰ علیہ السلام اور بلقیس کے واقعہ میں بھی کل کل عرفی استغراق کے لئے ہے "تفصیل فی التفسیر الاویسی ۱۲"

اٹھتے ہی نیند کا نشہ محسوس کرتے ہیں اس وقت کہیں گے "یٰوَیْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ھٰذَا" ہمیں ہمارے بستروں سے کس نے اٹھایا ہے تو اللہ تعالیٰ کا منادی جواب دے گا "ھٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ" یہ وہی وقت ہے جس کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا اور رسل کرام علیہم السلام کے ذریعے سے تمہیں پیغام پہنچا اور جو کچھ انہوں نے فرمایا تھا وہ سچ تھا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ریاح سے ریاح عنایت مراد ہے اور سحاب سے سحاب ہدایت اور بارش سے ملاحظہ۔ انہیں کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ مشاہدات و مکاشفات اور عجیب غریب کمالات ظاہر فرماتا ہے۔ "کَذٰلِکَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی" میں الموتیٰ سے مردہ دل اور قبور سے ان کے صدور مراد ہے۔ "لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ" یعنی تاکہ تم اپنی اپنی زندگی میں ان حیاض انس و ریاض قرب کو یاد کرو جو تمہیں حظائر قدس کے ہاں نصیب تھے۔

ف: انسان کا مقصود اعظم عنایت ازلی ہے جو بندے کو ہر خلاء و ملاء یعنی ہر تنہا اور کھلے میدان میں نصیب ہو سکتی ہے۔

حکایت: ایک ولی اللہ سے کہا گیا کہ دار مشرکین میں تشریف لے جایئے۔ وہاں ایک صدیق رہتے ہیں ان سے ملاقات کیجئے۔ اس ولی اللہ کو پوشیدہ ہو جانے پر قدرت حاصل تھی۔ وہ جونہی دار مشرکین میں پہنچے تو انہیں ایک مشرک نے قید کر کے گرجا کے خادم کے پاس بیچ دیا۔ اس ولی اللہ نے عرصہ تک صدق و صفائی سے اس کی خدمت کی۔ ایک دن اتفاقاً بادشاہ گرجا میں تشریف لایا۔ اس نے تنہائی میں عبادت کرنے کیلئے گرجا کو صرف اپنے لئے خالی کرالیا۔ وہ بادشاہ گرجا کے اندر گیا اور نماز شروع کی تو ولی اللہ اپنی پوشیدہ ہونے والی قوت سے گرجا کے اندر پہنچ گیا۔ بادشاہ نے دیکھ کر اس سے پوچھا تم کون ہو ولی اللہ نے کہا میں آپ جیسا ایک مسلمان ہوں ولی اللہ کو بادشاہ کے گرجا میں داخل ہونے سے پہلے معلوم ہو گیا کہ اسی کے ذریعہ صدیق ملے گا۔ جس کی خاطر وہ دار مشرکین میں آئے تھے۔ ولی اللہ نے بادشاہ سے پوچھا صدیق کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے بادشاہ نے کہا وہ بہت بڑا اچھا انسان ہے نہایت بہتر زندگی بسر کر رہا ہے حلال رزق کھاتا ہے دیار سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی مخلص ہو کر عبادت کرتا ہے کفار کا سخت دشمن ہے اور مسلمانوں کا معین و مددگار ہے۔ ولی اللہ نے کہا اگر آپ ان کے بادشاہ ہیں تو مجھے ان کی قید سے بچایئے۔ بادشاہ جب گرجا سے باہر نکلا تو میرے سے پوچھا اس گرجا کے پادری اور اس قوم کے بڑے متقداء اور گرجا کے خدام کہاں رہتے ہیں ولی اللہ نے ان سب کو نشاندہی کی تو بادشاہ نے اُن سب کے سر قلم کر دیئے اور انہیں کہا خود تم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے کنی کتراتے ہو۔ لیکن دوسری ملت کے لوگوں سے

اپنی خدمت کراتے ہو۔ ان سب کو قتل کرنے کے بعد ولی اللہ کو فرمایا۔ اب چلیئے آپ ان کی قید سے آزاد ہیں۔

سبق اس حکایت سے ثابت ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ دشمنانِ اسلام کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے تو انہیں معمولی سبب سے مروا ڈالتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے الطافِ کریمانہ بے حد و حد ہیں۔

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب
تنہا جہاں بگیرد بے منت سپاہی

ترجمہ: وہ تلوار جسے آسمان اپنے فیض سے پانی دے وہ تنہا جہان کو برباد کر سکتی ہے اسے کسی سپاہی کی ضرورت نہ ہوگی۔

اور فرمایا ؎

دلا طمع مبر از لطف بے نہایت دوست
کہ میرسد ہمہ را لطف بے نہایت او

ترجمہ: اے دل دوست کے بے نہایت لطف سے نا امید نہ ہو اس لئے کہ اس کا بے نہایت لطف ہر ایک کو پہنچتا ہے۔

سبق اہل بصیرت اور اہل توحید کی نگاہ مؤثر حقیقی اور فیض ازلی پر ہوتی ہے انہیں مخلوق اور وسائط و اسباب سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

دُعا: اللہ تعالیٰ ہمیں ان حضرات کی معیت نصیب فرمائے جو سعادت ابدیہ اور عنایت سرمدیہ سے نوازے گئے ہیں اور ہمیں حقیقت و طریقت احمدیہ کے راہ پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے وہی رحیم ہے اور وہی نوازشیں فرمانے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ ۵۸ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ اور وہ زمین جو پاکیزہ ہو۔ تفسیر فارسی میں ہے کہ اس سے وہ زمین مراد ہے جو نہ پتھریلی ہو اور نہ ریتلی بلکہ ایسی پاکیزہ کہ اس میں کھیتی باڑی کی جائے۔

يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وہ اپنی انگوری وغیرہ کو اپنے رب تعالیٰ کے اذن و حکم سے نکالے یعنی جیسے اُسے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ویسے ہی وہ اپنے اندر سے انگوری وغیرہ باہر نکالے یعنی وہ زمین نہایت اچھی اور کثیر النفع ہو وَالَّذِیْ خَبُثَ اور وہ زمین کہ جس کی مٹی خبیث ہو مثلاً وہ پتھریلی اور

فائدہ: الحرہ ہر وہ زمین جس میں ایسے سیاہ پتھروں کی بہتات ہو کہ گویا ان پتھروں کو جلا کر اس زمین کی مٹی سے ملایا گیا ہے۔

نَکِدًا: نکمی اور دلدل یعنی شور والی زمین کو کہا جاتا ہے۔ ان ہر دو قسموں میں کھیتی باڑی نہیں ہو سکتی۔
لَا یَخْرُجُ۔ ایسی زمین سے انگوری کسی حال میں بھی نہیں نکلتی۔ **اِلَّا نَکِدًا** مگر تھوڑی اور وہ بھی قلیل النفع۔ یہ استثناء مفرغ ہے یعنی اس کا مستثنیٰ منہ اعم الاحوال محذوف ہے۔

فائدہ: نکدا بکسر الکاف ہے یعنی قلیل الجزو الممتنع عن افادۃ النفع علی جہۃ البخل والغفلۃ یعنی ہر وہ شے جس میں بھلائی بہت کم ہو اور اس کے بخل و تنگدستی کی وجہ سے کسی کو نفع پہنچانے سے درجہ امتناع کو پہنچا ہوا ہے اس کا معنی کما البخیلین ارباب طبع بخیل ذو تنگی عیش ومعاش" یعنی ہر وہ انسان جس کی زندگی تلخ اور معاشی امور نہایت تنگ ہوں **کَذٰلِكَ** اسی مذکورہ عجیب وغریب تمثیل کی طرح۔ **نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ** ہم آیات کو بار بار بتکرار بیان کرتے ہیں۔ **لِقَوْمٍ یَّشْکُرُوْنَ۔** ایسی قوم کے لئے جو شکر گزار ہیں۔

سوال: ایسی تمثیلات تو ہر ایک کے لئے ہیں پھر شاکرین کی تخصیص کیوں۔

جواب: چونکہ ایسی تمثیلات سے استفادہ صرف یہی لوگ کرتے ہیں بنا بریں صرف انہی کا نام لیا گیا جیسے قرآن پاک سب کا ہادی ہے لیکن فرمایا۔ **هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ**

فائدہ: یہ آیت وتمثیل رسل کرام کی تشنہ بدی پر جو حیات قلوب کو نفع بخشتا ہے جس سے ہر عاقل و بالغ اپنی مردہ قلوب کے لئے حیات قلوب کو نفع بخشتا ہے جس سے ہر عاقل و بالغ اپنی مردہ قلوب کے لئے حیات یاد را سکتا ہے اس لئے کہ ان کے دلوں کو جو انوار نصیب ہوں گے وہ انہیں انبیاء علیہم السلام کے انوار کی خاطر نصیب ہوگی لیکن جو ازلی بدنصیب ہیں وہ ایسی بے بدل نعمتوں سے محروم رہیں گے۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ جب رب العالمین کے کلام کے انوار کی بارش ہوتی ہے تو طاعات وعبادات کی خوگر قلوب جگمگا اٹھتی ہیں جن کے اثرات مومن کے اعضاء سے محسوس ہونے لگتے ہیں۔ لیکن بدقسمت کافر جونہی کلام الٰہی کو سنتا ہے تو اس کا دل اس کے انوار وتجلیات کو قبول نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے اس سے کلام الٰہی کے اثرات ظہور پذیر نہیں ہوتے۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

زمین شور سنبل بر نیارد
درو تخم عمل ضائع مکن

ترجمہ: زمین شور خوشہ نہیں لائے گی تم اس میں بیج ضائع نہ کرو۔

حافظ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ؎

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض
ورنہ ہر سنگ وگلے لؤلؤ ومرجان نشود

ترجمہ :۔ گوہر پاک چاہیے تاکہ وہ فیض کے قابل ہو ورنہ ہر پتھر و گل لؤلؤ مرجان نہیں ہوتے۔

حکایت بہلول دانا اور ہارون الرشید بادشاہ

عبداللہ بن مہران فرماتے ہیں کہ ایک سال ہارون الرشید بادشاہ کے لئے بغداد سے مکہ معظمہ کو تشریف لے جا رہے تھے تو چند روز کوفہ میں ٹھہرے۔ جب کوفہ سے روانگی ہوئی اور لوگ کوفہ سے چلنے لگے تو ان میں حضرت بہلول (مجنوں) دانا رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے لیکن وہ باہر نکل کر ایک مٹی کے ڈھیر پر بیٹھ گئے جہاں انہیں چھوٹے بچے ستانے لگے اور طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کر دیں لیکن جب ہارون الرشید کی سواری بہلول دانا کے قریب سے گزری تو آپ نے زور سے بار بار پکارا۔ اے امیرالمومنین ! ہارون الرشید نے آپ کی آواز سن کر کجاوہ سے پردے ہٹا کر جواب میں کہا لبیک یا بہلول حضرت بہلول نے پڑھا حدثنا ایمن بن نائل عن قدامہ بن عبداللہ العامری قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمضی علی جمل وتحتہ رحل اث فلم یکن ضرب ولا طرد ولا الیک الیک یعنی مجھے ایمن بن نائل سے یہ روایت پہنچی اور وہ قدامہ بن عبداللہ عامری سے روایت کرتے ہیں حضرت قدامہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹ پر سوار دیکھا لیکن آپ کے اونٹ کا کجاوہ وغیرہ نہایت بوسیدہ اور پرانا تھا۔ آپ کی سواری کے آگے آنے والے کو نہ مارا جاتا اور نہ ہی اسے راستہ سے ہٹایا جاتا اور نہ ہی اعلان ہوتا کہ راستہ سے ہٹ جاؤ فلہذا تجھے بھی اے ہارون الرشید تواضع ضروری ہے۔ ایسے مقدس سفر کو جا رہے ہو یہاں تکبر کیا۔ یہ راہ سر کے بل طے کرنے کے لائق ہے۔ ہارون رشید حضرت بہلول کی نصیحت سن کر خوب رویا۔ یہاں تک کہ ان کی آنکھوں کے آنسو زمین پر ٹپک پڑے پھر بہلول سے عرض کی اے بہلول۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے کچھ اور فرمایئے۔ حضرت بہلول نے یہ اشعار پڑھے ؎

هَبْ اِنَّكَ قَدْ مَلَكْتَ الارض طُرًّا
دان لَكَ العباد ماذا
اَلَيْسَ غدًا مَصِيْرُكَ جَوْفَ قبرٍ
ويحثو الترب هٰذا ثم هٰذا

ترجمہ : مانا کہ تم روئے زمین کے مالک بن گئے ہو اور یہ بھی مانا کہ تمہارے بے شمار غلام اور نوکر چاکر ہیں لیکن تاہم کیا تمہارا انجام بکار قبر نہیں کیا تمہارے اوپر مٹی نہیں ڈالی جائیگی۔ میری یہ بات پورے طور سمجھ لے کام آئیگی

یہ اشعار سن کر ہارون الرشید نے گریہ کر کے اَحْسَنْتَ یا بُہْلُوْلَ۔ اے بہلول آپ نے ٹھیک فرمایا ہے لیکن ابھی آپ کی نصیحتوں سے جی نہیں بھرا کچھ اور فرمایئے حضرت بہلول نے فرمایا اے امیرالمومنین جس بندے کو اللہ

تعالیٰ مال وجمال عنایت فرمائے تو وہ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹائے اور جمال میں تقویٰ کا دامن پکڑے اور پاکدامن زندگی بسر کرے تو اللہ تعالیٰ ابرار کی فہرست میں درج فرمائے گا۔ ہارون الرشید نے کہا اَحسنت یا بہلول۔ اے بہلول آپ نے بجا فرمایا۔ ہارون الرشید نے حضرت بہلول کی نصیحتوں سے متاثر ہو کر خزانچی کو فرمایا کہ بہلول کو انعام دیجئے۔ حضرت بہلول نے فرمایا۔ قرض ہے کہ کسی کا قرض ادا کرنا داناؤں کا کام نہیں۔ یعنی تمہارے ہاں جو دولت ہے وہ تمہاری کب ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ہے لہٰذا میرے قرضہ ادا کرنے کے بجائے پہلے اپنا قرض اتاریئے یعنی حقداروں کے حقوق واپس دیجئے۔ بلکہ تیری اپنی ذات بھی کسی کا قرض ہے یہ قرض ابھی تیرے ذمہ ہے تو دوسروں کے قرض کس طرح اُتار سکتا ہے پھر ہارون الرشید نے کہا کچھ تو ہم آپ کو بطور نذرانہ دیدیں تاکہ آپ اپنی بقایا زندگی آرام سے بسر کریں لیکن حضرت بہلول نے یہ سُن کر سر آسمان کو اُٹھایا اس کے بعد فرمایا اے امیرالمومنین میں اور آپ ہر دو اللہ تعالیٰ کے عیال ہیں۔ اگر وہ تمہیں یاد دے گا تو اس کی شان کے لائق نہیں کہ مجھے بھلا دے۔ ہارون الرشید نے بہلول کا یہ آخری کلمہ سن کر کجاوہ کا پردہ پھر لٹکا دیا اور چل پڑے۔

سبق: اس حکایت سے مقصود یہ ہے کہ اتنا بہت بڑا بادشاہ ہو کر ایک (بظاہر) مجنون کی باتیں کیسے دل لگا کر سنیں۔ بلکہ انہیں بھر دل سے قبول بھی فرمایا۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان کا ظاہر تو شاہانہ تھا لیکن درویشانہ اور بیدار مغز انسان تھا یہی وجہ ہے کہ اُن سے اکثر باتیں پاکیزہ ظاہر ہوئیں۔

صوفیانہ تقریر

جس کا نفس امارہ ہو تو اسے ارض خبیثہ کی مانند سمجھو کہ بدبخت سے اخلاقِ ذمیمہ اور ردی افعال سرزد ہوں گے۔ ہاں جس کا قلب اللہ تعالیٰ کے نور سے زندہ ہو تو اس کے نور کا عکس اس کے نفس پر بھی پڑتا ہے اس لئے اس کا نفس اس کے دل کی طرف نورانی ہو جاتا ہے اور اس کے تمام اوصاف نفسانیہ قلب کے مطابق ہو جاتے ہیں اور نفسانی ظلمات بالکل مٹ کر رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا انسان ذکر الٰہی اور اس کی طاعت سے چین پاتا ہے جیسا کہ زندہ دِل حضرات کا طریقہ ہے اور جس بدبخت کا دل مردہ اور نفس امارہ زندہ ہو تو اس کے نفس کے ظلمات اس کے دل کے نور کو ڈھانپ دیتے ہیں اس وجہ سے اس کے دل کے اوصاف مٹ جاتے ہیں لیکن نفس کے صفات غلبہ پا جاتے ہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ ایسا انسان دنیوی امور سے چین پاتا ہے لیکن دینی امور میں اس کا دل نہیں لگتا۔

دُعا: اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے کہ جن کے دِل ذکر الٰہی سے چین پاتے ہیں اور ہر وقت دینی فکر اور شکر میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کا طریقہ نصیب فرمائے جو اپنے مُنعم اور اس کی نعمتوں کی قدر کرتے ہیں (آمین)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

بیشک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ

بیشک مجھے تم پر بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے اس کی قوم کے سردار بولے بیشک ہم تمہیں کھلی

فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ

گمراہی میں دیکھتے ہیں کہا اے میری قوم مجھ میں گمراہی کچھ نہیں میں تو رب العالمین کا

رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا

رسول ہوں تمہیں اپنے رب کی رسالتیں پہنچاتا اور تمہارا بھلا چاہتا اور میں اللہ کی طرف سے وہ

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ

علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے اور کیا تمہیں اس کا اچنبا ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی تم میں

لِیُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَیْنٰهُ وَ الَّذِیْنَ

کے ایک مرد کی معرفت کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تم ڈرو اور کہیں تم پر رحم ہو تو انہوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور جو اس

مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ ﴿۶۴﴾ ع

کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور اپنی آیتیں جھٹلانے والوں کو ڈبو دیا بیشک وہ اندھا گروہ تھا

تفسیر عالمانہ

۵۹ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ یہ قسم محذوف کا جواب ہے دراصل "وَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا" الخ تھا۔ یعنی بخدا ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کے ہاں رسول بنا کر بھیجا۔

نوح علیہ السلام کا نسب نامہ

نوح علیہ السلام کا نسب نامہ یوں ہے نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ یعنی ادریس علیہ السلام بن یرد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن آدم

علیہ السلام۔ شیث کے بعد ادریس ان کے بعد نوح علیہم السلام نبی ہوئے۔ آپ نجار تھے۔ چالیس سال عمر کے تھے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی مقرر فرمایا۔ آپ نے دنیا میں ایک ہزار دو سو چالیس سال زندگی بسر فرمائی۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ آپ اپنی قوم کہ جو اکثر قابیل کی اولاد تھی جو بت پرستی میں مبتلا تھے ہم کی مورتیں بنا کر بیٹھ گئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جس وقت قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو آدم علیہ السلام نے اسے اس کی اولاد کو یمن کے علاقہ میں شہر بدر کے طور روانہ کیا۔ یہی پہلے وہ تھے جنہوں نے بت پرستی کا آغاز کیا۔ **فَقَالَ** تو نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ **یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ** اے میری قوم اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہٗ کی عبادت کرو۔ اس لئے وہ عبادت جو کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک بنا کر کی جائے وہ عبادت کسی کام کی نہیں۔ **مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ** تمہارا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی معبود نہیں کہ جس کو تم مستحق عبادت سمجھو۔ **وَغَیْرُهٗ** من الٰہ کی صفت ہے مرفوع اس لئے ہے کہ من الٰہ باعتبار اپنے محل کے مبتدا ہے اسمیں ر من زائدہ ہے اور لکم خبر مقدم ہے۔ **اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ** اگر تم اس کی عبادت نہیں کرو گے جیسا کہ اس کا حکم ہے تو مجھے تمہارے لئے خطرہ ہے۔ یہ عبادت کے داعی کا بیان ہے۔

عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ بڑے دن کے عذاب کا اور اس بڑے دن سے قیامت یا یوم طوفان مراد ہے
۵ **قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ** ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور آپ کی قوم کے لیڈروں نے کہا۔ قوم سے مراد وہ سردار ہیں جو کہ جرم و قصور کی محفلوں کے سرگرم رکن تھے اور ان کی وجہ سے گناہوں کی محفلیں رونق پذیر ہوتیں اور وہی ہر خرابی کے سرغنہ تھے۔ **اِنَّا لَنَرٰىكَ** اے نوح علیہ السلام ہم آپ کو دیکھتے ہیں۔ **فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ** کھلی گمراہی میں یعنی ہم آپ کو سیدھے راہ سے بھٹکا ہوا سمجھتے ہیں اس لئے کہ آپ ہمارے ہر معاملہ میں مخالفت کرتے ہیں۔

فائدہ: یہاں پر رویت قلبی مراد ہے۶۱ ۵ **قَالَ** یہ جملہ بھی مستانفہ ہے یعنی نوح علیہ السلام نے فرمایا **یٰقَوْمِ** اے میری قوم۔ نوح علیہ السلام نے انہیں حق سے مانوس کرنے کی خاطر اپنی قوم سے فرمایا۔ **لَیْسَ بِیْ** ۔ یہ بار ملابست کی یا ظرفیہ ہے ضلالۃ۔ مجھ میں گمراہی نہیں ہے۔ آپ نے اپنے سے گمراہی کی نفی میں مبالغہ فرمایا کہ مجھ سے گمراہی کے کسی فرد کا گزر تک نہیں ہوا چہ جائیکہ مجھ میں گمراہی ہو۔ جیسے انہوں نے آپ کو ہر طرح کی گمراہی سے ملوث فرمایا۔ **وَلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ** ۔ میں رب العالمین کا رسول ہوں مِنْ ابتدار للغایۃ کے لئے بطور مجاز ہے اور رسالۃ کو ہدایت تام لازم ہے اور نہ ہی اس میں گمراہی کے قبول کرنے کا مادہ ہوتا ہے لکن کہہ کر ملزوم کو بیان فرمایا تاکہ استدراک لازم پر برہان قائم ہو گویا آپ نے قوم سے فرمایا کہ میں تو انتہائی کامل ہدایت پر ہوں اس لیے کہ رب العلمین کا رسول ہوں۔۶۲ ۵ **اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ** میں تمہارے ہاں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا

ہوں۔

سوال: رسالت ایک صفت ہے جو ذاتِ رسول سے متعلق ہوتی ہے وہ ایک ایسی نسبت ہوتی ہے (جو مرسل) (بھیجنے والے) اور مُرسَل الیہ کے درمیان واسطہ بنتی ہے لیکن یہاں پر صیغہ جمع لایا گیا۔

جواب: ان کے اپنی نبوت کے پیغامات کے علاوہ سابقہ انبیاء علیہم السلام جیسے ادریس و شیث علیہما السلام کی نبوت بھی مراد ہیں جیسا کہ مروی ہے کہ شیث علیہ السلام پر پچاس اور ادریس علیہ السلام پر تیس صحیفے نازل ہوئے تھے

وَاَنْصَحُ لَكُمْ اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں۔ لَکُمْ میں لام زائدہ ہے اس لئے کہ نصح متعدی بنفسہ ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے نصحتک۔

نکتہ: اسمیں اشارہ ہے کہ نوح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ میری یہ نصیحت خالص تمہارے لئے اور محض تمہارے نفع اور مصلحت کے لئے ہے ورنہ بہت سی نصیحتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں خود ناصح کو اپنا فائدہ ملحوظ ہوتا ہے لیکن یہاں پر یہ نہیں ہو سکتا کہ نوح علیہ السلام نے انہیں نصیحت دے کر اپنا کوئی فائدہ مدِ نظر رکھا ہو۔

تبلیغ رسالت و نصیحت میں فرق رسالت کی تبلیغ کا معنی ہے احکام تکلیفیہ شرعیہ الٰہیہ کے انواع کا تعارف کرانا اور نصیحت یعنی ترغیب فی الطاعۃ اور تحذیر عن المعاصی اور بتانا کہ اس میں فلاں فلاں مصلحتیں اور برکتیں مضمر ہیں۔

فائدہ: حداوی نے فرمایا کہ نصیحت یعنی قول و فعل کا غل و غش دور کرنا۔

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی میں جانتا ہوں کہ وہ کتنی بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اور مجھے خبر ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کی کتنی سخت گرفت فرماتا ہے جب اس کا عذاب کسی قوم پر نازل ہوتا ہے تو پھر اسے کوئی نہیں روک سکتا۔

فائدہ: بعض کہتے ہیں کہ وہ لوگ سابقہ قوموں پر عذاب کے نزول کا انہیں علم نہیں تھا۔ وہ ایسے معاملات سے بےخبر تھے اس لئے نڈر اور بے باک تھے اور نوح علیہ السلام چونکہ وحی سے جانتے تھے اس لئے انہیں فرمایا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ الخ

۶۳ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ہمزہ برائے استفہام انکاری ہے اور واؤ کا فعل مقدر پر عطف ہے دراصل عبارت استبعدتم وعجبتم تھی یعنی تم بعید سمجھتے ہوئے تعجب میں ہو کہ تمہارے پاس وحی اور نصیحت تمہارے مالک و مولیٰ سے آئی ہے عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ اور پر ایسے مرد کی زبان سے جو تمہاری جنس سے ہے انہیں اس پر تعجب تھا کہ ایک بشر کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا حالانکہ بشر سے اللہ تعالیٰ کو کوئی مناسبت نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نہایت تقدس و تنزہ میں ہے اور بشر سراپا تعلق و تکدر بالدنیا ہے اس پر ان کو نوح علیہ السلام

کا رسول بن کر تشریف لانا اجنبی معلوم ہوا۔ حالانکہ واضح امر ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک عام آدمی کو بلا واسطہ کس طرح فیض پہنچائے کہ عظمت و کبریائی کے حجابات اس سے مانع ہیں کہ وہ عام انسانوں پر فیض پہنچائے یا وہ اس سے فیض پائیں اس لئے انسانوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایک ایسا واسطہ بنایا جو ذوجہتین ہو کہ اپنے تجرد اور روحانیت کی جلا سے عالم غیب سے فیض پاکر انکی ہمجنس ہونے کی وجہ سے اپنے بنی نوع انسانی کو پہنچائے۔ رسول علیہ السلام میں جہت علوی ہوتی ہے کہ جس سے عالم غیب سے فیض پاتے ہیں

اور انمیں ایک جہت سفلی ہوتی ہے کہ جس سے عالم سفلی کو فیض دیتے ہیں لہ

لِیُنْذِرَکُمْ یہ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے کی علت ہے یعنی نبی علیہ السلام اس لئے تشریف لاتے ہیں تاکہ کفر و معاصی کا انجام بتا کر تمہیں اللہ تعالیٰ کا ڈر سنائیں۔ **وَلِتَتَّقُوْا** اور تاکہ تم ان کی تبلیغ سن کر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر جاؤ۔ **وَلَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ** اور تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔ یعنی تاکہ تمہارے ڈرجانے پر تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت متعلق ہو۔

فائدہ : لفظ لعل جو امید کے لئے آتا ہے اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ معلوم کریں کہ فعل مذکور مہتم بالشان ہے اور انہیں یہ بھی معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا فضل تقویٰ کا محتاج نہیں اور نہ ہی تقویٰ و طہارت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل ہوتی ہے بلکہ اس کی اپنی مہربانی ہے جس پر چاہے رحم فرمائے۔

سبق : متقی کو تنبیہ ہے کہ وہ اپنے تقویٰ پر بھروسہ نہ کرے بلکہ اس کی رحمت کا امیدوار رہے اور اس کے عذاب سے ہر وقت ڈرتا رہے۔ **فَکَذَّبُوْہُ** پس انہوں نے نوح علیہ السلام کو جھٹلایا اور بہت عرصہ تک اسی ہٹ دھرمی پر رہے اور نوح علیہ السلام کی ایک بات بھی نہ مانی۔

ربط : مروی ہے کہ جب نوح علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ بدبخت کوئی بات بھی نہیں مانتے تو اللہ تعالیٰ سے تباہ و برباد ہونے کی استدعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو ایک کشتی تیار کرنے کا حکم فرمایا جب کشتی تیار ہو گئی تو آپ اپنی جماعت مومنین کے ساتھ کشتی میں داخل ہو گئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیج کر ان تمام کافروں کو غرق فرما دیا۔ اس طوفان سے نوح علیہ السلام اور اہل ایمان نے نجات پائی ۔ کما قال فانجیناہُ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ" پس ہم نے انہیں نجات دی اور ان لوگوں کو بھی جو آپ کے ساتھ تھے۔

فائدہ : صرف چالیس مرد اور چالیس عورتیں نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے جو طوفان سے بچ نکلے۔ باقی تمام کفار بشمول کنعان غرق ہو کر برباد اور تباہ ہو گئے۔ فِی الْفُلْکِ یہ فعل محذوف سے متعلق ہے جو " استقروا" ہے یعنی ہم نے

لہ ، اس نکتہ کو نہ وہ سمجھ سکے اور نہ یہ کہ اب بھی بشر بشر کی رٹ لگاتے ہوئے انبیاء علیہم السلام کو اپنی مثل کہتے پھرتے ہیں۔ یعنی دیوبندی وہابی وغیرہ ۔ لہ دو طرفوں والا ۔ اُویسی ۱۲

ان لوگوں کو نجات بخشی جو کشتی میں بیٹھے تھے وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اور ہم نے انہیں غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی یعنی جو ہماری آیات کی تکذیب پر ڈٹے رہے۔

فائدہ : ان غرق ہونے والوں سے صرف وہ لیڈر مراد نہیں جنہوں نے نوح علیہ السلام سے گفتگو کی بلکہ اس سے تمام تکذیب کرنے والے مراد ہیں وہ لیڈر بھی اور ان کے تابعدار بھی۔

نکتہ : انجاء کو اغراق پر مقدم کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ رحمت اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت ہے کہ اس کی کریمی کا تقاضا ہے کہ وہ بندوں پر رحم و کرم فرمائے۔ ہاں جب وہ جرم و قصور سے باز نہیں آتے تو پھر غضب ہی غضب اِنَّهُمْ کَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ ۞ بے شک وہ اندھی قوم تھی عمین دراصل عمیین تھا۔ اس کا واحد عمیٌ ہے جو دراصل عمی بر وزن حضر تھا۔ قاضٍ کے قانون کی طرح اس پر قاعدہ جاری کیا گیا ہے اہل عرب کہتے ہیں۔ رَجُلٌ عَمِیٌّ یہ اس کے لئے کہا جاتا ہے جو بصیرۃ کے لحاظ سے اندھا ہو اور جیسا بصارت کا اندھا ہو اس کے لئے کہتے ہیں " اَعْمیٰ " اب معنی یہ ہوا کہ وہ الوہیت و نبوت کے اسرار و رموز سے بالکل ناآشنا تھے اور نہ ہی انہیں آخرت کے امور سے کچھ خبر تھی۔ جب دل پر ایسی تاریکی اور ظلمت چھا جاتی ہے تو پھر آیات و مشاہدات نظر نہیں آتے۔ حضرت حافظ شیرازی صاحب قدس سرہ نے فرمایا ؎

جمال یار ندارد نقاب و پردہ ولے
غبار رہ بنشاں تا نظر توانی کرد

ترجمہ : جمال یار کو نقاب و پردہ نہیں تو غبار راہ دور کر پھر اسے دیکھ سکے گا۔

نکتہ : آنکھ کا اندھا اگر استعداد رکھتا ہو تو اس کیلئے نہ صرف ممکن بلکہ حقیقت ہے کہ وہ تجلیات ربانی و آیات حقانی کا مشاہدہ کر لیتا ہے جناب صائب نے فرمایا ؎

چو دل بینا است چہ غم دیدہ اگر نابینا است
خانہ آئینہ را روشنی از روزن نیست

ترجمہ :۔ جب دل بینا ہے اگر آنکھیں نابینا ہیں تو کیا ہوا۔ آئینہ کی روشنی دریچہ سے نہیں

تفسیر صوفیانہ

آیت میں نوح سے روح مراد ہے جو جسم کے قالب کی قوم یعنی قلب کی اصلاح اور اس کی صفات کی تربیت کے لئے بھیجا گیا اور اسے حکم ہے کہ وہ نفس اور اس کے صفات کا تزکیہ کرے لیکن نفس اور اس کے صفات کا تقاضا یہی ہے کہ وہ روح کی تکذیب کرے اور وہ اس کی مخالفت میں سر توڑ کوشش کرتا ہے بلکہ اس کی ہر نصیحت سے وہ روگردانی کرتا ہے لیکن روح کا کام ہے کہ وہ اپنی قوم یعنی قلب کو دنیا اور اس کی زینت کی طرف میلان کرنے سے روکے تاکہ وہ رحمت حق کے حصول سے محروم نہ ہو جائے لیکن نفس اور اس کے صفات

نے روح کی ہربات کو جھٹلایا اور اسی پہ وہ ڈٹ گیا تو اللہ تعالیٰ نے روح کو نفس کی ظلمات اور اس کے تمرد سے نجات بخشی اور ساتھ ہی روح کے ساتھیوں کو یعنی قلب اور اس کے وہ صفات جنہوں نے روح کی دعوت کو قبول کیا اور وہ اس روح کے ساتھ شریعت کی کشتی پہ سوار ہوگئے پھر اللہ تعالیٰ نے روح کی تکذیب کرنے والے نفس اور صفات کو بحرِ دنیا اور اس کے شہوات میں ڈبو دیا۔ اس لئے کہ وہ رویت الٰہی اور وصالِ حق کی نعمت سے محروم تھے اور نفسانی و شہوانی امور کا انجام بھی یہی ہے اگر وہ داعی حق کی دعوت کو قبول کر کے غلط کاریوں سے باز آجائیں تو وہ بھی نجات پا جائیں۔

حکایت ایک دن حضرت تھا قدس سرہ دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں سے ایک ایسے لوگوں کا کشتی میں گذر ہوا جن کے ہاں بہترین میوہ جات اور شراب کی بوتلیں اور حسین وجمیل عورتیں اور حسین و بے ریش لڑکے اور راگ ڈھول ڈھماکے اور دنیوی عیش و عشرت کا ہر طرح کا ساز و سامان تھا اور نہایت ہی لہو و لعب اور غلط کاریوں میں مصروف تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا اے خدا کے بندو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو یہ کیا کرتے جا رہے ہو۔ لیکن انہوں نے حضرت شیخ کی بات کی طرف توجہ تک بھی نہ کی۔ آپ نے دریا کو حکم فرمایا کہ ان کمبختوں کو ڈبو دے۔ جب کشتی غرق ہونے لگی تو شیخ موصوف سے فریادی ہوئے اور سچے دل سے توبہ کی تو کشتی غرق ہونے سے بچ گئی۔ اس کے بعد پکے سچے مسلمان ہوگئے اور تادمِ زیست حضرت شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے رہے۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

امروز قدر پند عزیزاں شناختم
یارب رواں ناصح ما از تو شاد باد

ترجمہ: آج نصیحت والوں کی نصیحت کو ہم نے سمجھا۔ اے اللہ ناصح کی روح تجھ سے ہم شاد و آباد ہو۔

سبق عاقل کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر چھوٹے اور بڑے کی نصیحت قبول کرے۔ اس لئے کہ نصیحت کرنا آسان ہے لیکن اسے قبول کرنا مشکل ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا ہے

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
ور نوشت است پند بر دیوار

ترجمہ: مرد کو چاہیے کہ وہ نصیحت پہ غور کرے اگرچہ وہ نصیحت دیوار پہ لکھی ہو۔

اے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیری دعوت قبول کر کے تیری بہشت میں داخل ہوتے ہیں۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ

اور عاد کی طرف ان کی برادری سے ہود کو بھیجا کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ

تو کیا تمہیں ڈر نہیں اس کی قوم کے سردار بولے بے شک ہم تمہیں بیوقوف سمجھتے ہیں

وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي

اور بیشک ہم تمہیں جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں کہا اے میری قوم مجھے بیوقوفی سے کیا علاقہ میں تو پروردگار

رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٧﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ

عالم کا رسول ہوں تمہیں اپنے رب کی رسالتیں پہنچاتا ہوں اور تمہارا معتمد خیر خواہ ہوں

أَمِينٌ ﴿٦٨﴾ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ

اور کیا تمہیں اس کا اچنبا ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی تم میں کے

لِيُنذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي

ایک مرد کی معرفت کہ وہ تمہیں ڈرائے اور یاد کرو جب اس نے تمہیں قوم نوح کا جانشین کیا اور تمہارے بدن کا پھیلاؤ

الْخَلْقِ بَسْطَةً ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ

بڑھایا تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو کہ کہیں تمہارا بھلا ہو بولے کیا تم ہمارے پاس اس

اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ

لیے آئے ہو کہ ہم ایک اللہ کو پوجیں اور جو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے انہیں چھوڑ دیں تو لاؤ جس کا ہمیں وعدے دے رہے

الصَّادِقِينَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ

ہو اگر سچے ہو کہا ضرور تم پر تمہارے رب کا عذاب اور غضب پڑ گیا

أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا

کیا مجھ سے خالی ان ناموں میں جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے اللہ نے ان کی کوئی سند

مِن سُلْطَانٍ ۚ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴿٧١﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ

نہ اتاری تو راستہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ دیکھتا ہوں تو ہم نے اسے اور اس کے ساتھ

مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٧٢﴾

والوں کو اپنی ایک بڑی رحمت فرما کر نجات دی اور جو ہماری آیتیں جھٹلاتے تھے ان کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان والے نہ تھے

تفسیر عالمانہ ۶۵ وَاِلٰی عَادٍ اور ہم نے عاد کی طرف بھیجا۔

عاد کا نسب نامہ عاد اہل یمن کی ایک قوم کا نام ہے ان کے بادشاہ کا نام عاد تھا اور اس کا نسب نامہ یوں ہے عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام اَخَاھُمْ ان کے نسب کے ایک فرد کو اخ سے حقیقی بھائی مراد نہیں یہ اس محاورے سے ہے جو اہل عرب کہتے یا اخا العرب ھُوْدًا یہ اخاھم کا عطف بیان ہے۔

ھود علیہ السلام کا نسب نامہ ہود بن عبد اللہ بن رباح بن خلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ ہود علیہ السلام کو اپنے قبیلے میں اس لئے رسول بنا کر بھیجا کہ وہ لوگ ان کی باتوں کو اچھی طرح سمجھتے اور ان کے صدق اور امانت و دیانت کو خوب جانتے تھے اور یہی بات اقرب الی الاتباع ہوتی ہے۔ قَالَ یہ جملہ مستانفہ ہے۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ قوم عاد نہایت ہی موٹے جسم والے اور طویل القامۃ لوگ تھے ان جیسا طاقت و قوت والا روئے زمین پر اور کوئی قبیلہ نہیں تھا اور وہ کثیر التعداد اور کثیر المال تھے عمر بھر بت پرستی کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا تاکہ وہ ان کے ہاں تشریف لے جا کر انہیں راہ ہدایت دکھائیں۔ حضرت ہود علیہ السلام ان کے ہاں تشریف لائے اور انہیں دعوت حق پیش فرمائی چنانچہ فرمایا۔ یٰقَوْمِ اے میری قوم اعْبُدُوا اللّٰہَ۔ اللہ کی عبادت کرو۔ یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو۔ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ غیرہ الٰہ کی صفت ہے اس لئے کہ الٰہ محلاً مرفوع مبتدا ہے اس پر من زائدہ ہے اور لَکُمْ اس کی خبر ہے یعنی تمہارے لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی معبود نہیں۔ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ہمزہ برائے استفہام انکاری ہے اور فاء کا عطف فعل مقدر پر ہے دراصل اَفَلَا تتفکرون فَلَا تَتَّقُوْنَ الخ" تھی یعنی کیا تم تفکر نہیں کرتے

اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

٦٦ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ یہ جملہ مستانفہ ہے جیسے کہ پہلے ہم بیان کر آئے ہیں ان کی قوم میں سے ان لیڈروں نے کہا جو کافر تھے۔

سوال : یہاں پر لیڈروں کو کفر سے صراحۃً موصوف کیوں کیا حالاں کہ اُن کے لیڈر تو کافر تھے ہی۔

جواب : یہ لیڈر نوح علیہ السلام کی قوم کی طرح سب کے سب کافر نہیں تھے۔ بلکہ ان میں بعض حضرات مومن تھے۔ جیسے مُرثد بن سعد لیکن اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔ صرف اس انتظار میں تھے کہ ہود پیغمبر علیہ السلام تشریف لائے بلکہ وہ عاد کی خرابیوں سے تنگ ہو کر مکہ معظمہ حاضر ہو کر ذیل کے اشعار استغاثہ کے طور پڑھے۔

عصت عاد رسولهم فاصبحوا
عطاشا ما تبلهم السماء
لهم صنم يقال له صمود
يقابله صداء والهباء
فبصرنا الرسول سبيل الرشد
فابصرنا الهدى وجلى العماء
وان اله هود هو الهى
على الله التوكل والرجاء

ترجمہ : عاد کی قوم نے اپنے رسول علیہ السلام کی نافرمانی کی تو پیاسے مر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان کا پانی بند کر دیا ان کا ایک بُت ہے جسے صمود کہتے ہیں۔ اس پر صرف زیب و زینت ہے اور بس شکر ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کے رسول نے راہِ ہدایت دکھائی۔ ہمیں ہدایت نصیب فرمائی اور کفر کی کالی گھٹائیں چھٹ گئیں جو ہود علیہ السلام کی خدا وہی میرا معبود ہے۔ اس اللہ تعالیٰ پر میرا توکل اور اس کی رحمت پر مجھے اُمید ہے۔

ف : الملا۔ قوم کے سرداروں کو کہا جاتا ہے دراصل الملاء بمعنی الجماعۃ ہے۔

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ ہم تمہیں اے ہود علیہ السلام بے وقوفی میں دیکھتے ہیں۔ وہ بیوقوفی تمہارے میں ایسی راسخ ہے کہ اب اس کا ہٹنا مشکل ہے اس لئے کہ تم اپنے آباء و اجداد کے دین کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

فائدہ : سفاھتہ بمعنی خفۃ الحلم والرای یعنی عقل و رائی کی کمی کو کمزوری کہا جاتا ہے۔

وَاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۔ جس کے لئے آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں اس میں ہم آپ کو جھوٹا سمجھتے ہیں

آیت میں اشارہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی طرح قوم عاد کے دل گندے اور خبیث تھے اس لئے ہود علیہ السلام نے جب ان سے کھوٹ نکالا تو ان سے معمولی طور ثمرہ نکلا۔ یعنی تھوڑے سے بندوں نے دین حق قبول کیا چونکہ ان کی زمین اچھی نہیں۔ اس لئے جب ہود علیہ السلام نے توحید کا بیج بویا تو خراب زمین والوں سے سوائے خبث اور تسفیہ و تکذیب نہ نکلا۔ اس لئے وہ اپنے اسلاف اور اپنے ہمجنسوں کے طریقہ کو اختیار کرکے وہی کہا جو اوپر مذکور ہوا۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) در زمین گر نیشکر و خوردنی ست
ترجمان ہر زمین نبت وے است

(۲) ریگ و خاکو این زمین با ثبات
باز گوید بر تو انواع نبات

ترجمہ ۱۔ زمین میں نے ہے یا کھانے کے لائق کوئی شے ہر زمین کا ترجمان اس کی انگوری ہے
۲۔ ریتلی زمین ہے یا پکی اس کی بات تجھے مختلف کھیتیاں بتا ئینگی۔

۶۵ قال ہود علیہ السلام نے فرمایا باوجودیکہ ان سے غلط اور سخت غلیظ کلمات سنے۔ لیکن آپ نے حسن سلوک کے طور اچھا طریقہ برتا اور ایسے ہی ہر ناصح و واعظ کے لئے چاہیے۔

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ اے میری قوم میں بے وقوفی کا شائبہ تک نہیں رکھتا۔ یا بار ملابستہ یا ظرفیتہ ہے۔

وَلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ لیکن میں رب العالمین کا رسول ہوں یعنی انتہا درجہ کی رشد و ہدایت اور سچائی پر ہوں اس لئے کہ رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔ آپ نے ایسے جملہ سے استدراک فرمایا جسے رشد و ہدایت اور سچائی لازم ہو کیونکہ رسول میں دین و دنیا کے انتہائی درجہ کی عقلمندی ہوتی ہے ؎

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ۝ میں تمہیں اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا خیر خواہ اور نہایت درجہ کا امین ہوں اور رسول میں یہ دونوں صفتیں بدرجہ اُتم اور اکمل بہت مشہور ہوتی ہیں۔

فائدہ: رسالت کو جمع لانے کا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اسی طرح نصح اور تبلیغ کا فرق بھی ہم نے بیان کیا ہے

؎ اس میں دیوبندیوں وہابیوں نیچریوں اور پرویزیوں جملہ بد مذاہب کا رد ہے کہ وہ کہتے ہیں نبی علیہ السلام صرف دین کی باتیں جانتے ہیں۔ دنیوی امور سے بے خبر (معاذ اللہ)

نکتہ : ناصح امین کہہ کر متنبہ فرمایا کہ اے میری قوم تم میری یہ دونوں صفتیں خوب جانتے ہو۔

قاعدہ : حال ہمیشہ ذوالحال کی ہیئت کذائیہ کو بیان کرتا ہے۔

قاعدہ : کسی شے کو کسی صفت سے موصوف کرنے کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب وہ صفت مشہور بین المخاطب ہو۔

نکتہ : نصیحت اور امانت کا متعلق ظاہر نہیں کیا گیا۔ یہ از قبیل مجبور ہے تاکہ اگر وہ ان کا مقابلہ کریں تو اپنے متعلق دونوں حقیقتوں کو ظاہر فرما دیتے یہ بھی ایک قسم کی ہنر مندی ہے۔

۶۹ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ کیا تمہیں تعجب ہے کہ رب تعالیٰ (جو تمام امور کا مالک ہے) کی طرف سے وحی ظاہر ہو۔ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ تمہارے ہمجنس انسان کی زبان لِيُنْذِرَكُمْ تاکہ وہ کفر و معاصی کے برے انجام سے تمہیں ڈرائے۔

اعجوبہ وحی من اللہ کے لئے اپنے جیسے انسان پر نزول پر تو تعجب کر رہے تھے لیکن انہیں اپنے تعجب نہیں ہوا کہ وہ پتھروں کی پوجا کرتے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ (ربط) نصیحت و امانت کے احکام کی ترتیب شروع فرمائی اور انذار اور اس کی تفصیل بھی۔

ترکیب : اِذْ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب اور اس کا مفعول ہے۔ اس کا یہ اِذْ ظرف در اصل عبارت یوں تھی "واذکروا اذ جعلکم الخ" یعنی یاد کرو۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں جانشین بنایا۔

سوال : صاحب الفرائد فرماتے ہیں اذ اور اذا ہمیشہ ظرفیہ ہوتے ہیں اور تم نے کہا یہاں اذ ظرفیہ نہیں

جواب : نحوی قاعدہ باب الاتساع واسع یعنی ظروف کے حروف میں وسعت ہوتی ہے۔ انہیں جو کچھ بن سکتے ہیں۔

فائدہ : مولانا ابوالسعود مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا عطف فعل مقدر پہ ہے۔ در اصل عبارت لاتعجبوا من ذلک وتدبروا فی امورکم واذکروا الخ یعنی اس سے تعجب مت کرو۔ بلکہ تدبر کرکے اس وقت کو یاد کرو جب کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے جانشین بنایا۔ "مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ" نوح علیہ السلام کے بعد یعنی ان کے گھروں ان کی زمینوں کا تمہیں جانشین بنایا کہ ان کے بعد تم اس پر بادشاہ بنائے گئے۔ اس لئے کہ شداد بن عاد تمام زمین کا بادشاہ تھا۔ جس کا دارالخلافہ شہر صالح تھا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں بعض کو بعض کا خلیفہ بنایا۔ اس بنا پر روئے زمین کے خلیفہ ہوئے اس لئے کہ ایک مرتا ہے تو دوسرا اسی زمین کا مالک بن جاتا ہے

طرح اہل غفلت کے غافلین اور وصال والوں کے واصلین جانشین ہوتے ہیں۔

وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ ۔ اور تمہیں بڑھایا یعنی لوگوں میں تمہاری کثرت فرمائی۔ بَسْطَةً ۵ ۔ قد و قامت اور قوت و طاقت کے لحاظ سے۔ اس لئے کہ ان کے زمانہ میں ان سے اور کوئی بڑے قد والا نہیں تھا۔ ان کے بڑے سے بڑا قد والا سو گز اور چھوٹے سے چھوٹے ساٹھ گز کا ہوتا تھا۔

فائدہ : حضرت وہب نے فرمایا کہ ان کا سر اتنا بڑا ہوتا کہ آجکل کے دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ میں آسکتا تھا اور آنکھ کی پیشانی اتنی تھی کہ اس میں ایک شیر کے بچے کی جگہ آسانی سے بن سکتی تھی۔ اسی طرح ان کے ناک وغیرہ کا حال تھا۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے عام مخلوق میں جسمانیت کا فرق ہے ایسے ہی اُن کی سیرت میں فرق ہوتا ہے بعض سیرت میں اتنے بلند ہوتے ہیں کہ ان کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ فرزدق نے کہا ؎

وقد تلتقی الاسماء فی الناس ولکن
کثیرا ولکن فرقوا فی الخلائق

ترجمہ : اسماء اور کنیت میں ایک دوسرے سے لفظی مناسبت ہوتی ہے لیکن گہری نگاہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عادات و اخلاق میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ف : شعر میں الخلائق خلیقۃ کی جمع ہے بمعنی طبیعت۔ خاقانی نے فرمایا ؎

نے ہمہ یک رنگ دارد در نیتہا و لیک
از یکے نے قند خیزد و ز دگر نے بوریا

ترجمہ : دونوں نے جنگل (کھیت) میں ایک رنگ نظر آتے ہیں لیکن ایک سے کھانڈ حاصل ہوتی ہے دوسرے سے ٹاٹ وغیرہ۔

فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللّٰهِ پس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ آلاء الی بمعنی نعمت کی جمع ہے پہلے مخصوص نعمتوں کا ذکر تھا۔ اب عام نعمتوں کا بیان فرمایا ہے جیسا کہ تعمیم بعد التخصیص کا قاعدہ ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ تاکہ تم کامیابی حاصل کرلو یعنی نعمتوں کا ذکر تمہارے لئے شکر کی ادائیگی کا سبب بن جائے۔ تم تکالیف سے نجات پانے کے مستحق ہو جاؤ اور تمہیں اصلی مقصود نصیب ہو جائے لیکن ان کے پاس سوائے تقلید آباء کے اور کیا تھا اور اس کے سوا وہ اور کیا جواب دے سکتے تھے۔

۵ قَالُوا۔ مذکورہ بالا بہترین نصیحتیں سن کر قوم عاد نے ہود علیہ السلام کو جواب دیا۔ اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ

اے ہود علیہ السلام تم ہمارے ہاں تشریف لائے ہو تاکہ ہم ایک معبود کی عبادت کریں۔ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا ۚ
اور ہم ان معبودوں کی پرستش چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء و اجداد عبادت کرتے آئے۔

فائدہ ۱۔ اَجِئْتَنَا یا تو اس لئے کہا کہ ہود علیہ السلام نے چند روز اُن سے علیحدگی اختیار کر لی جیسے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرا میں چند روز عبادت کے لئے تنہائی اختیار فرمائی پھر جب ان پر وحی الٰہی کا نزول ہوا تو اپنی قوم کے پاس دعوتِ حق سنانے کے لئے تشریف لائے یا ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ آسمان سے تشریف لائے ہیں یہ اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان سے اللہ تعالیٰ فرشتہ رسول بنا کر بھیجتا ہے۔ زمین والوں سے کوئی بشر رسول نہیں بن سکتا اس سے وہ ہود علیہ السلام کے ساتھ استہزار کرتے یا یہاں مجازاً یہ لفظ کہا ہے اس لئے کہ ان کی مجئ سے مطلق فعل اور اس کا ارتکاب مراد تھا۔ گویا انہوں نے ہود علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ کا یہی ارادہ ہے کہ ہم صرف ایک معبود کی عبادت کریں اور آپ ہمیں اس کا مکلف بناتے ہیں۔ جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں۔ ذَهَبَ يَشْتِمُ اس میں ذہب کا اصلی معنی مراد نہیں ہے۔ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا۔ پس لائیے وہ عذاب کہ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔

سوال : گذشتہ مضمون میں تو عذاب کے ڈرانے کی تصریح نہیں تو پھر ان کا یہ کہنا کس طرح

جواب : جب "اَفَلَا تَتَّقُوْنَ" حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں فرمایا تو اس سے عذاب کی دھمکی مراد تھی۔ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ اگر تمہاری بات نہ مانی گئی تو عذاب آجائے گا

۷۱ قَالَ ہود علیہ السلام نے فرمایا قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ تمہارے لئے عذاب واجب ہو گیا۔ یہ مجاز ہے اس لئے کہ مسبب بول کر سبب مراد لیا ہے کیوں کہ علم الٰہی میں نزولِ عذاب وجوب نزول کا سبب ہے۔ مِنْ رَّبِّكُمْ تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے " رِجْسٌ عذاب۔ یہاں رجس بمعنی ارتجاس ہے یعنی اضطراب وَغَضَبٌ اور غضب یعنی ارادہ انتقام۔ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ کیا تم میرے ساتھ ان کے لئے جھگڑتے ہو جو صرف نام ہی نام ہیں۔ بتوں کے نام تو ہیں لیکن ان کے مسمیات کی کوئی حقیقت نہیں اس لئے کہ وہ بت بنا کر ان کا نام معبود حقیقی کے نام کے مطابق موسوم کر کے ان کی عبادت کرتے اور صرف انہیں عبادت کا مستحق سمجھتے تھے حالانکہ الوہیت واستحقاق عبادۃ کی حیثیت سے کوسوں دُور تھے۔ سَمَّيْتُمُوْهَآ۔ اُن کے تم نے ہی نام رکھے اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ۔ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اور تمہارے آباء کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کوئی حجت اور برہان نہیں نازل فرمایا۔

ترکیب ۔ سمیتموھا اسماء کی صفت ہے ما نزل اللہ بھی اسی کی صفت ہے اور من سلطان مانزل کا مفعول ہے اور من زائدہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ اے قوم عاد تم میرے ساتھ ان مسمیات کے لئے جھگڑا کرتے ہو جن کے

صرف نام ہیں لیکن ان اسماء میں وہ حقیقت ہو جس سے تم نے انہیں موسوم کر رکھا ہے اور وہ فعل قابلِ مذمت ہوتا ہے جس کا نام لفظ ہو لیکن معنیٰ نہ ہو اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اسم بھی رہی ہو اور مسمّٰی بھی رہی۔

قومِ ہود کی بتوں کے اسماء اور ان کی کارگزاریاں

قومِ ہود نے اپنے ہر بت کا علیحدہ نام اور ان کے متعلق علیحدہ علیحدہ کارکردگی سمجھ رکھی تھی چنانچہ ان کے ایک بت کا نام سائقہ تھا۔ اس کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ بارش یہی برساتا ہے ایک اور کو حافظہ کہتے تھے اس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ یہ سفر میں ان کی نگرانی کرتا ہے۔ ایک اور بت تھا اس کا نام رازقہ۔ اسی طرح سالمہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف نام ہیں۔ مسمّٰی ان کا کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ وہ تو چند ڈھیلوں کا مجموعہ ہوتے انہیں کسی شئے پر قدرت کیسی۔ اس پر ہود علیہ السلام نے انہیں فرمایا۔ اے قومِ عاد میرے سے تم ان بتوں کے بارے میں جھگڑتے ہو جن کے تم نے ہی ازراہِ جہالت نام رکھ چھوڑے ہیں

فَانْتَظِرُوْٓا یہ قد وقع سے مربوط ہے یعنی اے قومِ عاد جو کچھ تم مانگتے ہو اور مجھے کہتے ہو **فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ** بس انتظار کرو۔ **اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ** میں بھی تمہارے ساتھ تمہارے اوپر نزول عذاب کا انتظار کرتا ہوں۔

فَاَنْجَیْنٰهُ ؎ **فَانْفَجَرَتْ** کی طرح فاء فصیحیہ ہے یعنی اس کے بعد قومِ عاد پر عذاب واقع ہوا اور ہم نے ہود علیہ السلام کو نجات دے دی۔ **وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ** اور ان لوگوں کو جو دین میں اُن کے ساتھ ہوئے **بِرَحْمَةٍ مِّنَّا** بہت بڑی رحمت سے جو ان پر ہماری طرف سے ہوئی۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ ہود علیہ السلام باوجودیکہ نبی تھے اور بہت بڑے مراتب و درجات کے مالک تھے لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نجات نصیب ہوئی تاکہ بندگانِ خدا کو معلوم ہو کہ نجات حق اعمال کی محتاج نہیں اور نہ ہی اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ملتی ہے بلکہ نجات محض فضلِ الٰہی اور اس کی رحمت پر موقوف ہے اس لئے جسے بھی نجات نصیب ہوئی تو محض فضلِ حق اور رحمتِ رب سے اور بس **وَقَطَعْنَا دَابِرَ** اور ہم نے کاٹ دی جڑ اس قوم کی **الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا** جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی یعنی ہم نے ان کی بنیادیں اکھیڑ ڈالیں اور ان کا نام و نشان تک مٹ جائے **وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ** ؎ اور وہ مومن نہ تھے۔ اس کا عطف **كَذَّبُوْا** پر ہے اور یہ بھی الذین کے صلہ کے حکم میں ہے یعنی انہوں نے کفر و تکذیب پر اصرار کیا اور اس سے سرِ مو بھی پیچھے نہ ہٹے اس لئے ہم نے بھی انہیں تباہ و برباد کر ڈالا۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ نجات کا دارومدار ایمان اور آیاتِ الٰہی کی تصدیق پر ہے جیسے کفر و تکذیب سے تباہی و بربادی ہی نصیب ہوتی ہے (معاذ باللہ)

قوم ہود کا تفصیلی واقعہ قوم عاد ملک یمن کے احقاف کے علاقہ میں رہتے تھے اور یہ ریتیلا علاقہ ہے اس کے ساتھ چند مقامات اور متعلق ہیں۔ مثلاً عالج۔ دھماں۔ مرین یہ علاقہ عمان اور حضرموت کے مابین واقع ہے۔ ان لوگوں نے اپنی قوت و طاقت سے اللہ کی زمین پر فتنہ و فساد برپا کر کے اہل زمین کا عرصہ حیات نہایت تنگ کر رکھا تھا ان کے چند بت تھے جن کی تین وقتوں صبح دوپہر اور شام کو پرستش کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاں ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا تھا جو ان کے نسب میں تو اوسط درجے کے تھے لیکن شرافت و بزرگی میں نہایت بلند مقام کے مالک تھے ہود علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ بُت پرستی چھوڑ دو۔ صرف اللہ تعالیٰ واحد لاشریک کی عبادت کرو اور ساتھ یہ ظلم و ستم جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر کرتے ہو ختم کر دو۔ انہوں نے کہا تم کون ہو ہمیں سمجھانے والے ہم یہی کریں گے جو کر رہے ہیں۔ ہمارا بالمقابل ہے کون۔ اس کے بعد اُلٹا انہوں نے اپنی کاروائی اور تیز کر دی اور سرکشی اور رعونت کا بازار گرم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عبرت کے طور تین سال تک اُن پر بارش بند کر دی اس وقت لوگوں کی عادت تھی کہ جب اس طرح کی کوئی مصیبت رُونما ہوتی تو مسلمان اور کافر سب مل کر مکہ معظمہ میں جا کر کعبۃ اللہ کے سامنے گڑگڑاتے۔ اس وقت مکہ معظمہ کے باشی عمالیق تھے یعنی عملیق بن لاوُذ بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد تھی ان کے سردار کا نام معاویہ بن بکر تھا۔ اس کی والدہ بھی قوم عاد سے تھی اس دستور کے مطابق قوم عاد نے بھی مکہ معظمہ کو جانے کے لئے پروگرام بنایا۔ چنانچہ ایک وفد تیار کیا آمد و رفت کا خرچ اکٹھا کر کے ستر آدمی روانہ کئے۔ جن کے امیر قافلہ قیل بن عشر اور مرثد بن سعد مقرر کئے گئے جب وہ شہر مکہ میں وارد ہوئے تو معاویہ بن بکر سردار مکہ کے ہاں ٹھہرے ان کا مکان شہر سے باہر تھا۔ اُس نے ان کے اعزاز و اکرام میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس لئے کہ اسے اپنے ننھیالی رشتہ داری کی عزت و احترام مدِ نظر تھی۔ لیکن ان صاحبان نے آتے ہی عیش و عشرت کے مزے لوٹنے بجائے کعبہ معظمہ میں جانے کے معاویہ بن بکر کے مکان پر پورا ایک ماہ گزار دیا۔ اس لئے کہ وہاں شراب کی بوتلیں آزادی سے اپنی ہی مرضی سے پیتے پھر نغمہ و سرود کی محفلیں خوب گرم ہوتیں جرادتین کے گانے انہیں مدہوشی میں ڈال دیتے۔ جرادین معاویہ بن بکر کی گانے بجانے والی دو لونڈیوں کا نام تھا۔ ان میں ایک کا نام وردہ تھا اور دوسری کا جرادہ تغلیباً ہر دونوں کو جرادتین کہا جاتا معاویہ کو اُن کا یہ طریقہ ناگوار ہوا۔ اس لئے کہ آئے تو تھے کعبہ میں گڑگڑانے اور زاریاں کر کے بارش مانگنے لیکن یہاں عیش و نشاط کی محفلوں میں سرمست ہو گئے۔ نامعلوم پس ماندگان پر کیا گزری لیکن بحیثیت مہمان نوازی کے انہیں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا اس لئے خاموش رہتا۔ لیکن جب کافی عرصہ گزرتا چلا گیا تو اس سے نہ رہا گیا اس نے اپنی دونوں لونڈیوں یعنی جرادین سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں ایسے اشعار منظوم کر دیں جن کے متعلق انہیں محسوس نہ ہو کہ ان کا منظوم کرنے والا کون ہے ہم ان کو جا کر سنائیں گے امید اغلب ہے کہ ان کے سنتے ہی

وہ یہاں سے چل نکلیں گے۔ معاویہ نے جو اشعار منظوم کئے وہ یہ ہیں۔

الا یا قیل ویحک قم فہیم
لعل اللہ یسقینا غماما
فیسقی ارض عاد ان عادا
قد امسوا ما یبینون الکلاما
من العطش الشدید فلیس ترجو
بہ الشیخ الکبیر ولا الغلاما
وقد کانت نساءھم و بخیر
فقد امست نساءھم ایامیٰ
وان الوحش تاتیھم جھارا
فلا تخشی لعادی سھاماً
وانتم ھٰھنا فیما اشتھیتم
نہارکم ولیلکم التماما
فقبح وفدکم من وفد قوم
ولا لقوا التحیۃ ولا السلاما

ترجمہ : اے خبردار اے قیل افسوس ہے اٹھ کھڑا ہو اور بارش مانگ اُمید ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بارش عنایت فرمائے گا اس سے قوم عاد کو بھی بارش نصیب ہو گی اب تو ان کی یہ حالت ہے کہ وہ بھوک اور پیاس سے بول بھی نہیں سکتے اس میں بوڑھے اور نوجوان سب شامل ہیں۔ جب تم چلے تھے اس وقت تمام عورتیں بخیر و عافیت تھیں لیکن اب ان کی بہت عورتیں بے شوہر ہو چکی ہیں۔ اب تو وحشی کھلم کھلا ان کے گھروں کے گرد گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں اس لئے کہ نہ کوئی مرد ہے کہ نہ انہیں کوئی تیر مارتا ہے اس وجہ سے اب انہیں کسی سے خطرہ ہی نہیں اور تم یہاں عیش و عشرت میں گم ہو رات اور دن کو ایک کئے ہوئے ہو۔ اس گندی خصلت والے وفد کی قباحت تم سے بڑھ کر نہیں جو سلامتی و عافیت سے ہمکنار نہیں ہوتے۔"

جب جرادین نے انہیں یہ اشعار سنائے تو آپس میں لگے کہنے کہ یارو ہم نے کافی وقت یہاں گزار دیا۔ اٹھو جلو حرم شریف میں گریہ وزاری کرو تاکہ ہمیں بارش نصیب ہو۔ اُن کے امیر قافلہ مرثد نے کہا میرا جی چاہتا ہے کہ اب ہم اپنے نبی ہود علیہ السلام کو مان لیں تو اچھا ہے ورنہ ہمارے کردار بتلاتے ہیں کہ ہماری دعاؤں سے بارش کا ایک قطرہ بھی نصیب

نہیں ہوگا بلکہ اب وقت ہے کہ ہم سچے دل سے توبہ کرلیں اپر انشاء اللہ تعالیٰ بارش ہو جائے گی بلکہ اس سے تو اپنے ایمان کا اظہار بھی کر دیا۔ ان سب نے مرثد کی تقریر سُنی تو سارے ناراض ہوگئے اور معاویہ سے کہا کہ مرثد کو قید کر دیجئے۔ یہ ہمارے ساتھ اب کعبہ میں جانے کا نہیں رہا۔ اس لئے کہ اس نے ہود علیہ السلام کا دین قبول کر لیا اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دیا۔ یہ کہہ کر سب کے سب کعبہ معظمہ میں حاضر ہوئے اور مرثد نے یہ دُعا کی۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ انہے مسجد حرام میں کھڑے ہو کر دعا میں عرض کیا۔ اے اللہ تعالیٰ ہم تیرے ہاں مریض کی شفا مانگنے نہیں آئے اور نہ کسی قیدی کو چھڑانے کے لئے عرض کرتے ہیں بلکہ ہمیں بارش عطا فرما۔ اس لئے کہ ہم ہلاک ہو رہے ہیں۔ اے اللہ عاد کو پہلے کی طرح بارش سے نواز۔ ساتھ والوں نے کہا۔ اے اللہ تیرے سے قیل جو کچھ مانگ رہا ہے اسے عنایت فرما ہمارا بھی وہی مقصد ہے جو وہی عرض کر رہا ہے۔ فلہذا ہمیں خالی ہاتھ نہ لوٹا۔ ان کی دُعا پر تین قسم کے بادل نمودار ہوئے۔

(۱) سفید

(۲) سرخ

(۳) سیاہ

اور غائبانہ ندا دینے والے نے کہا" اے قیل اپنی قوم کے لئے ان تینوں میں سے ایک کا انتخاب کرلے۔ اس نے عرض کی ہمیں سیاہ بادل عنایت فرمادے اس لئے کہ سیاہ بادل میں بارش ہوتی ہے لیکن آواز آئی کہ اے قیل تو نے وہ بادل مانگا جس میں ہلاکت و تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ اس سے عاد کی قوم کا ایک بچہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ تمام بوڑھے جوان اور بچے فنا ہو جائیں گے۔ اس کے بعد وہ سیاہ بادل چل پڑا۔ جس میں عذاب یعنی تباہی و بربادی تھی اور عاد کی قوم کی طرف رخ کیا اور ان کے وادی مغیث کے بالمقابل پہنچا۔ جونہی قوم عاد نے دیکھا تو خوش ہوئے اور کہا یہ بادل آ گیا۔ ہمیں بارش سے بھرپور کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا نہیں یہ وہی عذاب ہے جو اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے تم سب کو تباہ برباد کر ڈالے گا چنانچہ اس کے بعد اس بادل سے ایک کالی سیاہ ہوا چلی جو ان پر سات دن اور آٹھ راتیں مسلسل چلتی رہی۔

قوم عاد کے عذاب کی کیفیت :- اُن کے عذاب کی کیفیت یہ تھی کہ ہوا سے بڑے بڑے پتھر برستے جو ان کے سروں پر پڑ پڑ کر انہیں ریزہ ریزہ کر دیتے۔ جونہی انہوں نے یہ کیفیت دیکھی تو زمین میں گڑھے کھودے تاکہ ان گڑھوں میں چھپ جائیں لیکن ہوا اتنی زوردار تھی کہ زمین کے نیچے زور لگا کر ان کے دو دو آدمیوں کو اوپر اٹھا اٹھا کر ان کو آپس میں ٹکرا دیتی۔ پھر انہیں زمین میں ایسے زور سے پھینکتی کہ زمین میں دھنس جاتے۔ اس حالت کو تمام اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے اور ان کی چیخ و پکار اپنے کانوں سے سنتے رہے۔ یہاں تک کہ تمام کے

تمام فنا و برباد ہو گئے۔

ہود علیہ السلام کو امان ہجرت ہود علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے ایک مقام پہ محفوظ رہے جہاں انہیں دی ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی بھینی بھینی خوشبو دار ہو کر پہنچتی۔

واقعہ مذکور کا آغاز منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس عذاب والی ہی کو عذاب کے لئے بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو ہوا سے فرمایا کہ تم خروج سے بیل کے ناک کے سوراخ کے برابر باہر نکل جب وہ اس مقدار میں نکلی تو تمام جھنڈیں کی زلزلہ آگیا۔ مشرق سے مغرب تک زمین کا چپہ چپہ ہچکولے کھا رہا تھا ہوا کے داروغہ فرشتہ نے عرض کیا یا اللہ تعالیٰ اگر ہوا کی یہی حالت رہی تو نہ زمین رہے گی نہ زمین والے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہوا کو فرمایا کہ تم خروج سے انگشتری کے سوراخ کے برابر نکل۔ چنانچہ اسی قدر نکلی تو وہی کیفیت پیدا کر دی جو مذکور ہوئی۔

قصہ قوم عاد بروایت دیگر حضرت سدی نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہوا کو عاد کی طرف بھیجا جب ان کے قریب ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے اونٹ اور بیل ہوا کی شدت سے اڑ کر آسمان کی طرف چلے گئے ہیں وہ بھاگ کر اپنے گھروں میں گھس گئے۔ لیکن ہوا نے انہیں گھروں سے نکال کر وہی کیفیت پیدا کر دی جو مذکور ہوئی۔

سوال: بیچارے حیوانات کا کیا قصور تھا کہ انہیں بھی ایسے سخت عذاب میں مبتلا کیا گیا۔

جواب: جب اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے تو عام ہوتا ہے اس میں کسی شئے کی تخصیص نہیں رہتی اور اس کے اپنے افعال میں ہزار حکمتیں ہوتی ہیں اور پھر وہ ان کے قبضے میں تھے اُن سے ان کے مالکوں سے پہلے کی طرح چھا کیا جاتا اور پھر ممکن ہے کہ ان حیوانات کو وہ عذاب نہ ہو بلکہ ان کے لئے راحت ہو۔

ہود علیہ السلام کی ہجرت: حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کے اہل ایمان کو بچا کر مکہ معظمہ میں تشریف لائے اور وہیں پہ ان کا وصال ہوا اور اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہر نبی علیہ السلام سے رہا کہ جو نبی ان کی باغی قوم عذاب میں مبتلا ہوتی ہے تو ان کو حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو لیکر مکہ معظمہ کی طرف ہجرت کر جائیں اور وہیں پر بقایا زندگی بسر فرمائیں۔

مکہ معظمہ میں مزارات بعض مفسرین فرماتے ہیں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ننانوے انبیاء علیہم السلام مدفون ہیں۔ ہود و شعیب اور صالح و اسماعیل علیہم السلام کے مزارات بھی یہیں پر ہیں۔

مسئلہ: جب کسی قوم پر عذاب اور غضب ہو تو وہاں سے ہجرت کرنا چاہیے اس لئے کہ ان کے کفر و معاصی کی وجہ سے

ف: جو لوگ مزارات کی حاضری کو شرک کہتے ہیں انہیں کعبہ معظمہ میں نہ جانا چاہیے کہ وہاں بھی انبیاء علیہم السلام کے مزارات ہیں

اس جگہ سے خیر و برکت اُٹھ جاتی ہے۔ وہاں سے اللہ تعالیٰ کے جلال سے ڈرنا چاہیے۔ اس لئے اپنی جگہ چھوڑ کر وہاں جانا چاہیے جہاں امان ہی امان ہو اور کعبہ معظمہ تو امن کا مرکز ہے۔ کما قال تعالیٰ "وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا"

مسئلہ: مقامات کی فضیلت کی بنا پر وہاں کی عبادت میں بھی ثواب مختلف درجات کا حکم رکھتا ہے۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں ایک نیکی لاکھ کے برابر ہوتی ہے اس لئے کہ مکہ معظمہ کو تمام انبیاء عظام و اولیاء کرام کے قدوم میمنت لزوم کا شرف ملا۔ یہی حال اوقات کے متعلق ہے کہ بعض اوقات دوسرے بعض سے افضل ہوتے ہیں۔

نکتہ: مبارکباد کے مستحق ہوتے ہیں وہ لوگ جو اہلِ بدعت اور اہلِ شر کے علاقوں کو چھوڑ کر اہلِ سنت و اہلِ ھدیٰ کے ہاں چلے جاتے ہیں اس لئے کہ اہلِ خیر و اہلِ صلاح (اولیاء اللہ) پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نگاہِ کرم ہوتی ہے۔

مسئلہ: جو شخص اپنی کسی نفسانی خواہش اور دنیوی غرض یا اپنے معاش کے تحت وہیں پر پڑا رہتا ہے جہاں اہلِ معاصی و اہلِ نفاق کا بسیرا ہے تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں عذاب میں مبتلا فرمایا اور گویا اسے اپنی جنت سے ایسے شخص کو دُور رکھا ہے۔ ایسے شخص نے اپنے معاملات میں سخت نقصان اٹھایا اور اسے ایسی تجارت میں سراسر گھاٹا نصیب ہوا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ہدایت یافتہ انسان گمراہوں کے ساتھ نہیں بسر کر سکتا۔ جب کہ ایسے دلائل و براہین سے معلوم ہو جائے کہ اُن کے ساتھ رہنا سراسر نقصان ہے ؎

سعدیا حُبِ وطن اگرچہ حدیث است صحیح

نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ: سعدی اگرچہ حب الوطن والی حدیث صحیح سہی لیکن وہاں سختی سے مرنا اور کہنا کہ میں یہاں پیدا ہوا تھا۔

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اہلِ بغی و فساد سے اہلِ ارشاد کا طریقہ حاصل کرنے کے لئے ہجرت کی پھر دیار رُوم سے بروسہ محروسہ میں بھی اسی غرض سے پہنچا[۲] اللہ تعالیٰ ہمیں طریق حق وارشاد پر ثابت قدم رکھے اور ہمیں سرِ مطلق کی ہجرت سے نوازے (آمین)

---

[۲] یہی کو الفاہل حق

یعنی اہلسنت کو نصیب ہیں ورنہ دوسرے تو اولیاء اللہ کی طرف جانے کو شرک کہتے ہیں۔ لا تشد والرحال والی حدیث پڑھ کر بندگانِ خدا کو رُلاتے ہیں

[۳] فقیر اُویسی نے بھی اپنے غریب خانہ کو اسی لئے ترک کیا کہ وہاں دینی اُمور کی کچھ قدر نہ تھی اور اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محکم دین سیرانی قدس سرہ کا پڑ درس اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ہجرت کو منظور فرما کر سرِ مطلق ہجرت کے اسرار سے نوازے ۱۲۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ
اور ثمود کی طرف ان کی برادری سے صالح کو بھیجا کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ۖ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ
بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی یہ اللہ کا ناقہ ہے تمہارے لیے نشانی تو اسے چھوڑ دو

فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ وَاذْكُرُوا إِذْ
کہ اللہ کی زمین میں کھائے اور اسے برائی سے ہاتھ نہ لگاؤ کہ تمہیں دردناک عذاب آئے گا اور یاد کرو جب تم کو

جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن
عاد کا جانشین کیا اور ملک میں جگہ دی کہ نرم زمین میں محل بناتے

سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا
ہو اور پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور زمین میں

فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٧٤﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لِلَّذِينَ
فساد مچاتے نہ پھرو اس کی قوم کے متکبر والے کمزور

اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قَالُوا
مسلمانوں سے بولے کیا تم جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کے رسول ہیں بولے

إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٧٥﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنتُم
وہ جو کچھ لے کر بھیجے گئے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں متکبر بولے جس پر تم ایمان لائے ہمیں اس سے

بِهِ كَافِرُونَ ﴿٧٦﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا
انکار ہے پس ناقہ کی کوچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور بولے اے صالح ہم پر

تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٧٧﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ
لے آؤ جس کا تم وعدہ دے رہے ہو اگر تم رسول ہو تو انہیں زلزلہ نے آلیا تو صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے

جَاثِمِينَ ﴿٧٨﴾ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ
رہ گئے تو صالح نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم بیشک میں نے تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچا دی

لَكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ ﴿٧٩﴾ وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ
تمہارا بھلا چاہا مگر تم خیر خواہوں کے غرضی ہی نہیں اور لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا وہ بے حیائی

اَلْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ

کرتے ہو جو تم سے پہلے جہاں میں کسی نے نہ کی تم تو مردوں کے پاس شہوت

شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ

سے جاتے ہو عورتیں چھوڑ کر بلکہ تم لوگ حد سے گزر گئے اور اس کی قوم کا کچھ

اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ

جواب نہ تھا مگر یہی کہنا کہ ان کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ تو پاکیزگی چاہتے ہیں تو ہم نے اسے

وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڮ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ

اور اس کے گھر والوں کو نجات دی مگر اس کی عورت وہ رہ جانے والوں میں ہوئی اور ہم نے ان پر ایک مینہ برسایا تو دیکھو کیسا

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

انجام ہوا مجرموں کا

تفسیر عالمانہ ۷۳ وَاِلٰی ثَمُوْدَ : یعنی ہم نے ثمود کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ ثمود عرب کا ایک قبیلہ اپنے مورثِ اعلیٰ کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئے۔

ثمود کا نسب نامہ ثمود بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ اس کا مسکن شام و حجاز کے مابین مقام حجر میں تھا جو وادی القریٰ کی جانب واقع ہے۔

ف : ثمود کا لفظ قرآن مجید میں منصرف و غیر منصرف ہر دو نوں طرح مستعمل ہوا ہے۔ کما قال تعالیٰ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَ کَفَرُوْا رَبَّہُمْ اور فرمایا اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ۔ جو اسے منصرف پڑھتے ہیں وہ اسے ایک قبیلہ کا نام بتاتے ہیں اور جو اسے

غیر منصرف پڑھتے ہیں ... ایک قبیلہ کا اسم علم قرار دیتے ہیں۔ اَخَاھُمۡ ان کے بھائی کی طرف اس سے ان کا نسبی مراد ہے وہ شرافت اور بزرگی کے لحاظ سے تمام سے بہت بلند تھے۔ جیسے ہود علیہ السلام کے بیان میں گزرا۔ صٰلِحًا۔ صالح علیہ السلام کو بھیجا۔ ان کا ... بیان ہے

صالح علیہ السلام کا نسب نامہ حضرت صالح علیہ السلام بن عبید بن آسف بن ماسح بن عبید بن حاذر بن ثمود قَالَ پھر صالح نے انہیں فرمایا۔ یٰقَوۡمِ اے میری قوم اعۡبُدُوا اللّٰہَ اللہ واحد لاشریک کی عبادت کرو۔ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔

مسئلہ، آیت سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام احکام و شرائع کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف تھے لیکن عقیدہ توحید سب متحد تھے اس لئے ہر ایک متفق طور دعوت توحید دیتے ہے۔ چنانچہ سابقہ مضامین میں نوح، ہود و صالح علیہم السلام ... فرمایا۔ اُعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ۔

قوم ثمود کا واقعہ مروی ہے کہ جب قوم عاد مر گئی تو اس کے بعد قوم ثمود نے شہروں کو آباد کیا اور ان کے جانشین ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اموال و اولاد میں وسعت بخشی تو بغاوت پر تل گئے اور اس کی زمین پر فساد برپا کیا اور حسب دستور سابق بت پرستی میں لگ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا قوم ثمود اونچی نسب سے تعلق رکھتے تھے اور صالح علیہ السلام ان میں متوسط گھرانہ سے متعلق تھے۔ آپ نے انہیں دعوت توحید دی اور بڑے عرصہ تک ان کی اصلاح میں لگے رہے یہاں تک کہ بڑھاپے کو پہنچے لیکن سوائے چند معدودہ افراد کے کسی نے آپ کی نہ سنی اور جو آپ کے متبع ہوئے وہ بھی نہایت غریب آپ نے سرکشوں کو بہت ڈرایا۔ دھمکایا۔ انہوں نے از راہ غرور و تکبر کہا یا آپ سے معجزہ طلب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم کونسی دلیل مانگتے ہو۔ انہوں نے صالح علیہ السلام سے کہا کہ آپ عید کے دن ہمارے ساتھ چلیں۔ سال میں ان کا ایک دن عید کا ہوتا تھا۔ تم اپنے معبود سے دعا طلب کرو۔ ہم اپنے معبودوں کو پکارتے ہیں۔ اگر تیرا رب تیری دعا قبول کرے تو ہم تیری دعوت قبول کر لیں گے۔ اگر ہمارے معبود ہمارا کہنا مان لیں تو تم ہماری اتباع کرنا آپ نے قبول کر لیا اور ان کے ساتھ چل پڑے جب وہ بتوں کے قریب ہو کر دعا مانگنے لگے تو خاک بھی جواب نہ ملا۔ بہت سخت شرمندہ ہوئے۔ ان کا لیڈر حضرت صالح علیہ السلام کو سامنے پڑے ہوئے پتھر کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا وہ پتھر پہاڑ کی جانب تنہا پڑا تھا اسے کاتبہ کہا جاتا تھا۔ اگر اس سے بہت بڑی موٹی اونٹنی جو بختی اونٹوں کے مشابہ ہو نکال دو تو ہم تیری دعوت قبول کر لیں گے آپ نے ان سب سے عہد و پیمان لے کر دوگانہ پڑھا اور دعا مانگی یا اللہ کریم اس پتھر سے انہی کے حسب منشا اونٹنی ظاہر فرما دے وہ پتھر ایسے ہی حرکت میں آ گیا۔ جیسے اونٹنیاں بچہ جنتے وقت حرکت کرتی ہیں اس سے اس طرح کی اونٹنی نمودار ہوئی جیسے کہ وہ چاہتے تھے۔ جندع نامی ان سب کا لیڈر تو اسی وقت مسلمان ہو گیا اس کے ساتھ چند اور بھی لیکن باقی برادری نے انکار کر دیا ان سب

کا سرخیل ذواب بن عمرو الجناب تھا۔ جو بتوں کا محافظ اور تمام کاہنوں کا سردار تھا ؎

۱: یکے بنور عنایت رہ ہدایت یافت
یکے بوادی خذلان بماند سرگردان

۲: یکے بوسوسۂ دیو رفت سوئے سقر
یکے ز پیروی حق گرفت ملک جنان

ترجمہ ۱: کسی نے تو نورِ عنایت سے راہ پائی دوسرا وادی رسوائی میں سرگرداں رہا۔

۲: ایک وسوسہ شیطان سے دوزخ میں گیا دوسرے نے پیروی حق سے بہشت کی راہ لی۔

فائدہ: وہ اونٹنی بچے سمیت قوم ثمود میں رہنے سہنے لگی وہاں سے گھاس چرتی اور انہی کے پانی سے پانی پیتی اس معجزہ کے ظہور کے بعد صالح علیہ السلام نے فرمایا۔ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ جاء تکم کے متعلق ہے یا اس کا متعلق محذوف ہے اور بینہ کی صفت ہے یعنی وہ بینہ جو تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔

فائدہ: حضرت مولانا ابو السعود مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ صالح علیہ السلام کا وہ پہلا کلام ہے جو آپ نے اپنی قوم کی تبلیغ و نصیحت اور انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تذکرے سے فارغ ہوئے تو سب سے پہلی گفتگو ہی فرمائی لیکن انہوں نے آپ کی ایک نہ مانی۔ بلکہ آپ کی تکذیب کی۔ چنانچہ سورۂ ہود کے مضمون ھو انشاکم من الارض واستعمرکم فیھا" الی آخر الآیات سے معلوم ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ گفتگو آپ نے ان سے دعوتِ توحید کے بعد فرمائی لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اس کے لئے کوئی قرینہ نہیں ملتا اور پہلی تقریر کے لئے قرینہ پایا جاتا ہے جسے ہم نے پہلے بیان کر دیا۔

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لئے معجزہ بن کر آئی ہے یہ جملہ مستانفہ ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا انہوں نے سوال کیا کہ اے صالح علیہ السلام بتائیے۔ یہ اونٹنی کیا ہے انہوں نے جواب میں فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے۔ میں تمہیں متنبہ کرتا ہوا صریح الفاظ میں کہتا ہوں کہ میری نبوت کے لئے ایک دلیل اور علامت ہے۔

سوال: ناقۃ اللہ کی طرف مضاف کیوں جب کہ اقسام اضافت سے کسی ایک قسم سے بھی یہ نہیں بن سکتی۔

جواب: ناقۃ کی عظمت بتانے کے لئے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اسے اضافت تشریفی کہا جاتا ہے۔ جیسے بیت اللہ میں اضافت تشریفی ہے۔

جواب ۲: چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے اگرچہ ہر شے اللہ تعالیٰ سے آتی ہے لیکن اسباب سے متعلق ہو کر اور یہ مقررہ اسباب کے بغیر آئی ہے اور اس کی تخلیق میں ذرائع مستقل نہیں ہوئے جیسے دوسری اشیاء

کی تکوین میں مصروف سبب مستقل ہوتے ہیں۔ مثلاً نر و مادہ کا اجتماع پھر صلب سے رحم میں آنا اور پھر اس کا کئی عرصہ ماں کے پیٹ میں پرورش پانا پھر اس کے بڑے ہونے تک انسانوں کی سعی وغیرہ وغیرہ اور لَکُمْ میں بھی ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ آیت کس کے لئے ہے تو اس کے جواب میں فرمایا لَکُمْ یعنی یہ تمہارے لئے ہے۔

سوال: یہ معجزہ تو عام کے لئے تھا۔ لیکن اس تخصیص کیوں۔

جواب: چونکہ اس کے ظہور کا سوال انہوں نے کیا اس لئے ان کی تخصیص ہوئی اور اگر وہ عناد کو چھوڑ کر دلائل وبراہین سے ہدایت کے طالب ہوتے تو ان کے لئے یہ مفید بھی ہوتی۔ بنابریں ان کی تخصیص کی گئی فَذَرُوْهَا اس پر تفریع ہے چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے ایک آیت ہے فلہٰذا اس کا تعرض ناجائز ہے فلہذا تم اسے چھوڑ دو۔
تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ امر کا جواب ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے اور زمین بھی اللہ تعالیٰ کی ہے اس لئے کیا سے جبر کے ملاؤں کی زمین میں چھوڑ دو۔ یہ جہاں سے چاہے گھاس کھائے۔ تمہارے لئے اسے روکنے کا کوئی حق نہیں اور نہ ہی اسے کسی جگہ کے پانی پینے سے روک سکتے ہو۔

سوال: آیت میں صرف اکل کا بیان ہے تم نے پینے کا معنیٰ کہاں سے لیا۔

جواب: اکل کو شرب مستلزم ہے۔ اس التزام سے ہم نے شرب کا معنیٰ لیا۔ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ یہ بادھا بست کی ہے یعنی اسے نہ پہنچو۔ ورنہ احتمال ہے کہ تم متلبس ہو برائی کے ساتھ یعنی اس کے ساتھ کوئی ایسا کام ذکر دو جو اسے تکلیف پہنچائے مثل قتل کرنا۔ مارنا۔ یا اس طرح ڈرانا دھمکانا۔ کھانے پینے سے روکنا صرف اللہ تعالیٰ کی نسبت کے اکرام و اعزاز کے پیش نظر۔

فائدہ: سوء اسم ہے جو ایذار کی جمیع اقسام پر حاوی ہے۔

فائدہ: باتعدیہ کی ہے معنیٰ یہ ہے کہ اسے تم کسی بھی قسم کی تکلیف نہ پہنچاؤ۔

فائدہ: اس میں مبالغہ ہے کہ اسے برائی سے ہاتھ لگانے سے بھی روکا گیا ہے چہ جائیکہ اسے دکھ یا کسی قسم کی تکلیف پہنچائی جائے۔ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ پس تمہیں دردناک عذاب پکڑے گا یہ نہی کا جواب ہے۔ تفسیر فارسی میں ہے کہ اونٹنی کی وجہ سے عذاب کے مستحق نہ ہوئے بلکہ جب انہوں نے معجزہ دیکھ کر انکار کیا تو کافر ہوئے۔ اس کفر سے انہیں سزا ملی اور جب وہ دیکھ چکے کہ اونٹنی واقعی حقیقی معجزہ ہے تو پھر بھی اسے قتل کر ڈالا تو یہ ان کے کفر میں سخت انہماک کی دلیل ہے۔

تفسیر صوفیانہ عوام کے لئے معجزہ تو یہی تھا کہ پتھر سے ایک بہترین اونٹنی نکلی۔ لیکن خواص کے لئے یہ معجزہ تھا کہ ان کے دل سے سراسر سے راز کا صدور ہو اور سراسر ایک مخفی بھید

کا نام جسے صرف اہل اللہ جانتے ہیں اور ناقۃ اللہ سے وہ مرد مجاہد مراد ہے جو معرفت الٰہی کی امانت کا حامل ہو اور اس کے دودھ سے وہ واردات الٰہیہ مراد ہیں جو وہ مردِ خدا بندگانِ الٰہی کے ظاہری جسم کے قویٰ وحواس کو فیض پہنچاتا ہے۔ تاکل فی الارض سے اولیاء اللہ کا ریاض قدس سے فیضاب ہونا اور حیاض انس کے انوار سے مستنیر ہونا مراد ہے۔ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوْءٍ۔ شریعت کی مخالفت اور طریقہ کا معارضہ نہ کرو فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ اگر کروگے تو اصلاحات حقیقۃ سے انقطاع اور ہجران کا دردناک عذاب تمہیں گھیرے گا

۷۴ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے عاد کے بعد تمہیں علاقہ حجر کا جانشین بنایا ہے یعنی انہیں تباہ و برباد کرکے ان کی زمینوں کا تمہیں مالک بنایا ہے اس تقدیر میں اذ کا منصوب علی المفعولیۃ ہے جیسے اس کی تقریر پہلے گزری۔ وَبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تمہیں حجر کی زمین پر آباد کیا اور وہاں پر تمہیں جگہ۔

فائدہ : مولانا ابوالسعود رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حجاز وشام کے درمیان کے علاقہ حجر میں تمہیں گھر اور رہنے سہنے کی منزل بنانے کی کیفیت بیان کی گئی ہے یعنی اس زمین کی نرم جگہ میں تم بلند و بالا مکان بناتے ہو

فائدہ : یہاں پر من بمعنی فی ہے جیسے وَاِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ میں من بمعنی فی ہے یا زمین کی نرمی مراد ہے کہ اس سے کچی پکی اینٹیں تیار کرتے تھے۔ وَتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ اور پہاڑوں کو گھڑتے ہو۔ الجبال۔ الصخور صخر کی جمع بمعنی پتھر اور تنحتون النحت سے ہے کسی سخت شے کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور الجبال تنحتون کا مفعول بہ ہے۔ بُيُوْتًا۔ الجبال سے حال مقدرہ ہے۔ جیسے خط ہذا الثوب قمیصا میں قمیصا حال مقدرہ ہے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کے سردیوں میں پہاڑوں میں مسکن ہوتے ہیں اور گرمیوں میں زمین کی آبادیوں میں اس لئے دو علیحدہ جملے بیان کئے گئے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں چونکہ ان کی عمریں بہت بڑی ہوتی تھیں۔ اس لئے زمین پر جتنے گھر بناتے تھے وہ ان کی عمروں کے اختتام سے پہلے پرانے ہو جاتے تھے ان کے گرنے کا خطرہ ہوتا تو پھر پہاڑوں سے مکان تیار کرتے۔

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ ۔ پس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو یعنی ان کی حفاظت کرو وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ زمین پر فساد نہ پھیلاؤ یعنی اشد الفساد کو کہا جاتا ہے یعنی اے کافرو زمین پر سرکشی نہ کرو درآنحالیکہ تم فساد پھیلانے والے ہو۔ یہ حال ان کے تعارف کے لئے ہے نہ کہ عامل کو مقید کرنے کے لئے ورنہ اس کا مفہوم مخالف کا معنیٰ فائدہ بخش ہوتا۔ حالانکہ اس کے مفہوم مخالف کا کوئی معنیٰ نہیں مثلاً مفہوم مخالف یوں ہے "تمادوا فی الفساد حال کونکم مصلحین" یہ معنی کسی صورت میں جائز نہیں۔

سوال : مفسدین سے اس لئے مقید کیا گیا ہے کہ العثی دراصل مطلقاً تعدی کو کہتے ہیں۔ لیکن فساد کے

یعنی عام مستعمل ہونے لگ گیا ہے اس لئے کہ یہ کبھی غیر فساد کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے ظالم کا معنی تعدی پر مستعمل ہونا عام ہو گیا ہے لیکن کبھی غیر ظالم پر بھی مستعمل ہوتا ہے یعنی ہر وہ شخص جو اپنے نفس کو کمر یا بدن تکالیف میں مبتلا کرے بلکہ کبھی اس میں خیر اور بھلائی ہوتی ہے جیسے خضر علیہ السلام نے بچے کو قتل کر دیا اور غریبوں کی کشتی توڑ دی۔ اس معنی پر اس کے قائل کو مقید ہونا لیے ہے جیسے عام کو خاص کیا جائے۔

قَالَ ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے الْمَلَأُ ۔ اس سے کفار کے لیڈر اور ان کے سردار مراد ہیں۔ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا یعنی جن لوگوں نے کہا جو صالح علیہ السلام کی قوم کے سردار تھے اور وہ حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت سے سرکشی کرکے حق سے روگردانی کر چکے۔ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا یہ لام تبلیغ کی ہے یعنی ان لوگوں سے جو صالح علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کی قوم میں نہایت ہی کمزور اور تنگدست تھے۔

لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ ۔ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا سے بدل الکل ہے اور منہم کی ضمیر قوم کی طرف راجع ہے أَتَعْلَمُونَ کیا تم جانتے ہو۔ أَنَّ صَالِحًا مُرْسَلٌ مِنْ رَبِّهِ واقعی صالح علیہ السلام اپنے رب کے رسول ہیں۔ صالح علیہ السلام کو رسول کے لفظ سے تعبیر کرنا استہزاء ہے ورنہ وہ انہیں رسول کب مانتے تھے۔ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ ان ضعیف اور کمزور لوگوں نے کہا ہم ان کے لائے ہوئے حکم اور معجزات پر مُؤْمِنُونَ ایمان لانے والے ہیں۔

سوال: کفار کے سوال سے اہل ایمان نے عدول کیوں کیا۔ انہیں صرف نعم کہنا تھا یا نعلم انہ مرسل منہ تعالیٰ کہتے۔

جواب: تاکہ کفار کو تنبیہ ہو کہ اے کافرو تم اتنے غبی ہو کہ تمہیں ان کی رسالت پر اب بھی شک ہے ان کی رسالت تو اظہر من الشمس ہے اور وہ تمہیں معلوم ہے اگرچہ ضد سے نہیں مانتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے جواب میں اسے موصول کا صلہ بنایا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شے کسی کا صلہ بنے وہ ایسا جملہ ہو جو ذات موصول کے لئے معلومۃ الانتساب ہو۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ گویا اہل ایمان سے کافروں نے کہا اے کافرو صالح علیہ السلام کے رسول ہونے میں اب بھی کوئی شک کی گنجائش رہ گئی ہے ہر عاقل سمجھدار پر ان کی رسالت واضح ہو چکی ہے جب کہ وہ ایک معجزہ دکھا چکے ہیں جو عقل کی جولانیوں سے کوسوں دور ہے پھر بھی شک اور شبہ تمہارا کام ہے۔ ہاں ان پر ایمان لانے کا معاملہ شک میں ہے تو سن لو کہ ہم ان پر ایمان لا چکے ہیں یہ ایک ایسا جواب ہے جو اپنا جواب آپ ہے اور یہ جواب صرف دانائی و حکمت سے دیا جا سکتا ہے اس لئے کہ اس جواب میں ایسی باتیں آ گئی ہیں جو مخاطب کے ذہن میں نہیں تھیں دیہ تمام برکت صالح علیہ السلام

کی صحبت کی تھی جیسے ہمارا عقیدہ ہے ۔ چوں با اہل دل رسی جوہر شوی

ترجمہ ۔ جب تم اہل دل کے ہاں پہونچو گے ۔ جوہر ہو جاؤ گے

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۔ کہا ان لوگوں نے جو متکبر تھے کہ ہم تو اس کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں ۔ کفار نے جواب مطابق سے اعراض کیا وہ جواب ان کا پہلے یہ تھا کہ انا بما ارسل بہ کافرون" اس لئے پہلے جواب میں ثابت ہوتا تھا کہ صالح علیہ السلام کا رسول ہونا مسلم نہیں اور نہ ہی ان کا رسول ہونا ہمیں معلوم ہے وہ تو صرف ان کا اپنا دعویٰ ہے اور تم بھی ان پر ایمان لائے ہو لیکن ہمیں ان کے رسول ہونے کا اقرار نہیں ۔

فائدہ : اہل ایمان نے اپنے دعویٰ کو کفار کے کفر کی دلیل بنائی ۔

قسمت اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے کافروں کی مذمت دو طریقوں سے فرمائی ۔

(۱) استکبار یعنی اپنے آپ کو اپنی قدر و منزلت سے زائد ظاہر کرنا اور حق کا انکار کرنا ۔

(۲) جو لوگ نبی علیہ السلام کی تعظیم و تکریم بجا لاتے ان کو بالکل ناکارہ آوارہ سمجھنا [۱]

فائدہ : آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی مدح فرمائی کہ وہ حق پر ثابت قدم ہیں اور باوجودیکہ دنیوی حیثیت سے کچھ نہیں تھے لیکن کفار کے سامنے جرات سے کام لیتے ہوئے کہہ دیا ۔ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ پس انہوں نے اونٹنی کو قتل کر دیا ۔

سوال : قتل تو صرف ایک نے کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس گناہ میں شامل کر دیا اس کی کیا وجہ ہے

جواب : بوجہ طالبیت کے [۲]

جواب [۲] : چونکہ وہ اس قتل سے راضی تھے اس لئے جو کسی کے غلط فعل سے راضی ہو وہ بھی اس حکم میں شامل ہوتا ہے ۔

قصہ اونٹنی کا مروی ہے کہ اونٹنی ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن پانی پیتی تھی ۔ جب اس کی باری ہوتی تو اپنا سر کنویں میں رکھتی اور اس وقت سر اٹھاتی جب کنویں کا پانی بالکل ختم ہو جاتا ۔ پھر ٹانگیں

---

[۱] ، [۲] ، سابقہ صفحہ سے ؛ [۱] ، جیسے وہابی ، دیوبندی و دیگر فرقے اہلسنت کو نبی کریم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے بیوقوف اور ناکارہ آوارہ سمجھتے ہیں [۲] ، اس قاعدہ کے تحت ہم نے کہا کہ نجدیوں وہابیوں دیوبندیوں قادیانیوں سے جو کفریہ کلمات صادر ہوئے ان پر جو لوگ مطلع ہو کر پھر بھی کہتے ہیں کہ وہ اچھے ہیں تو وہ بھی ان کے حکم میں ہیں ۔

پھیلا دیتی۔ لوگ اس سے دودھ کے برتن بھر لیتے۔ جتنا چاہتے پھر اسے پیتے رہتے جو بچ جاتا اسے دوسرے دن کیلئے رکھ چھوڑتے اونٹنی کی موٹائی کی کیفیت اتنی وسیع تھی کہ کنوئیں کو جس راہ سے جاتی تو واپس اس راہ سے نہیں آ سکتی تھی پھر اسے پانی پینے کے بعد کنوئیں سے دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑتا۔

فائدہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں قوم ثمود کے علاقہ میں گیا تو مجھے اونٹنی کا ایک راستہ جانے کا دکھایا گیا۔ جس کی پیمائش ساٹھ گز تھی۔ جس دن اونٹنی کے پانی پینے کی باری نہ ہوتی اس دن قوم ثمود کنوئیں سے پانی بھی لیتی اور اپنے جانوروں کو بھی پلاتی اور دوسرے روز کے لئے پانی بھی بھر کر رکھ چھوڑتے۔

اونٹنی کی دوسرے جانوروں پر ہیبت مروی ہے کہ اونٹنی گرمی سے وادی کے کنارے جا گزیں ہوتی تو قوم ثمود کے تمام جانور ڈر کے اسے بھاگ کر وادی کے اندرونی حصہ میں چلے جاتے۔ جب سردی پڑتی تو اونٹنی وادی کے اندرونی حصہ میں چلی جاتی تو ان کے جانور ڈر کر بھاگ کر وادی کے اوپر باہر سردی میں گزارتے یہ بات قوم ثمود کو ناگوار گزری۔

اونٹنی کے قتل کا منصوبہ جب قوم ثمود اونٹنی کی مذکورہ کاروائی سے تنگ آگئے تو انہیں دو عورتوں عنیزہ ام غنم اور صدقہ بنت المختار نے اونٹنی کو قتل کر دینے کا مشورہ دیا۔ بلکہ اس پر انہیں خوب ابھارا۔ اس لئے کہ تمام برادری سے ان دونوں عورتوں کے جانور بہت زیادہ تھے۔ اور انہیں بہت زیادہ تکلیف ہوتی تھی۔

فائدہ: حضرت سدی نے فرمایا کہ ثمود کی قوم میں ایک عورت صدوق نامی بڑی حسینہ و جمیلہ تھی اور مالدار بھی تھی۔ اونٹ گائے بکریاں بھی اس کی بہت زیادہ تھیں۔ اسے حضرت صالح علیہ السلام سے بھی سخت دشمنی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کسی طرح ناقہ قتل کر دی جائے اس لئے اس نے اپنے چچا زاد کو بلایا۔ جس کا نام مصدع بن دہر تھا۔ اسے کہا کہ اگر اس اونٹنی کو قتل کر دو تو میں تیرے سے نکاح کر لوں گی اس نے کہا میں قتل کر دوں گا اس کے بعد اس عورت نے قدار بن سالف کو بلایا۔ وہ سرخ رنگ اور کا اور پستہ قد تھا۔ مشہور تھا کہ وہ ولد الزنا ہے اگرچہ وہ سالف کے نکاح میں پیدا ہوا۔ اس عورت نے قدار کو کہا کہ اگر تم اونٹنی کو قتل کر دو تو میری لڑکیوں میں سے جس سے چاہو نکاح کر دوں گی۔ وہ بھی قوم ثمود میں بہادر تھا۔ اس نے بھی اس کام کی سرانجامی کا وعدہ کر لیا۔ ہر دونوں چل پڑے۔ قوم ثمود میں سے نو آدمی اپنے ساتھ اور ملا لئے اور اونٹنی کو قتل کرنے کیلئے چل نکلے۔

اونٹنی کے قتل سے قبل صالح علیہ السلام کو علم اس اثنا میں اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ اونٹنی کے قتل کے منصوبے ہو رہے

ہیں۔ آپ اپنی قوم کو سمجھائیں ۔ آپ نے قوم ثمود کو سارا ماجرا سنایا۔ لیکن ان سب نے انکار کردیا بلکہ قسمیں کھائیں کہ ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے ۔ لیکن آپس میں مشورہ کیا اور قسمیں کھائیں کہ اونٹنی اور صالح علیہ السلام کے گھروالوں پر رات کے وقت حملہ کریں گے اس کی صورت یہ ہے کہ ہم سفر کے لئے چلیں لوگ سمجھیں گے کہ وہ سفر کو چلے اور ہم کسی غار میں چھپ جائیں جب رات ہو گی تو اونٹنی کو قتل کر دیں گے اور پھر واپس غار میں چند روز چھپے رہیں گے چند دنوں کے بعد گھر واپس آئیں گے تو وہ ہمارے سے سوال کریں گے تو ہم قسم کھا کر کہہ دیں گے ہمیں اونٹنی کا کیا پتہ ہم تو سفر میں تھے ۔

اونٹنی کی کرامت

حضرت صالح علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ رات کو اپنے گاؤں میں آرام نہیں فرماتے بلکہ گاؤں سے باہر آپ کی ایک مسجد تھی وہاں چلے جاتے تھے اس مسجد کا نام بھی مسجد صالح ہے رات اس مسجد میں بسر کرکے صبح واپس گاؤں میں آجاتے اور ان لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے۔ پھر شام کو اسی مسجد میں واپس پہنچ جاتے ۔ ایک رات اس معمول کے مطابق دن کو بستی والوں کو نصیحت کرکے شام کو اپنی مسجد میں چلے گئے اور اونٹنی کے قاتل بھی اسی دن سفر کا عزم ظاہر کرکے بستی سے باہر نکل کر حسب مشورہ اسی غار میں چھپ گئے لیکن رات کے وقت غار ان پر گری تو وہ مر گئے ۔ صبح کو کفار میں سے کسی نے یہ کیفیت دیکھی تو وہ چیخا اور شور مچایا کہ انہیں صالح علیہ السلام نے قتل کرایا ہے ۔ اس پر اب تمام کھلم کھلا اونٹنی کے قتل پر متفق ہو گئے ۔

صالح علیہ السلام کا دوسرا معجزہ

حضرت ابن اسحاق نے فرمایا کہ ان نو قاتلین نا قہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ صالح علیہ السلام کو بھی قتل کر دینا چاہیے۔ اگر وہ سچے نبی ہیں تو ہمیں ان کے قتل کرنے پر قدرت نہیں ورنہ انہیں اونٹنی کے ساتھ مار ملائیں۔ یہ طے کرکے صالح علیہ السلام پر رات کو حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ آپ کے دولت خانہ میں پہنچے تو فرشتوں نے انہیں پتھر مار کر ہلاک کر دیا

اُونٹنی کا قتل

ایک روایت میں ہے کہ قدار مصدع اور نو ساتھی اونٹنی کی تاک میں تھے کہ جب پانی سے نکلے گی تو دیکھی جائے گی چنانچہ جب وہ نکلی تو مصدع ایک پتھر کی اوٹ میں بیٹھا تھا اونٹنی وہاں سے گزری۔ مصدع نے تیر مارا تو اس کی پنڈلی پر لگا۔ اس پر قدار نے تلوار سے اس پنڈلی کو کاٹا جس سے اونٹنی گر پڑی اور وہ بلبلاتی تھی کہ پھر قدار نے تلوار کا دوسرا وار اونٹنی کے گلے پر کرکے اسے ذبح کر دیا شہر والے کافروں کو معلوم ہوا کہ اونٹنی ماری گئی تو آکر گوشت تقسیم کرکے لے گئے۔ جب اونٹنی کے نوزائیدہ بچے نے یہ کیفیت دیکھی تو وہ ایک پہاڑی پر چڑھا۔ اس پہاڑی کا نام تھا "قارہ" وہاں تین بار بلبلایا اور اس کے ماں کی مفارقت سے آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس طرح روتا ہوا اسی پتھر کے قریب آیا جہاں سے اونٹنی پیدا کی گئی تھی چنانچہ اس پتھر نے منہ کھولا تو وہ اس پتھر میں چلا گیا۔ پھر اس پتھر نے اپنا منہ بند کر لیا ۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ ۔ یہی سبب ہے جو مذکور ہوا وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ اور اپنے رب کریم کے امر سے منہ موڑا۔ جو صالح علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کا امر سنایا کہ غذروہا اور نہی سنائی کہ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوْٓءٍ امر سے سرکشی کو یعنی الہامات کے مشروع فرمایا اور فرمایا یہی تمہارا دین ہے اسی پہ چلو لیکن انہوں نے مخالفت کی۔ یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر کے مطابق دین ان سے سرکشی صادر ہوئی گویا اللہ تعالیٰ نے امر فرمایا کہ اونٹنی کو آزاد چھوڑ دے رکھنا یہی مخالفت ان کی سرکشی کا سبب بنی۔ اس سے وہ نجات نہ پا سکے یہ وہی محاورہ ہے جو کسی مقام پر فرمایا۔ وَخَالَفْتُ عَنْ اَمْرِیْ (کذا فی الکشاف)

وَقَالُوْا ۔ صالح علیہ السلام کو مخاطب ہوتے یا یعنی کہ جو بات ہم انہیں کہیں گے وہ پوری نہیں کر سکیں گے اس طرح سے وہ آئندہ ہم سے لاجواب ہو کر رہیں گے۔ کہا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ ۔ اے صالح لائیے وہ عذاب جو ہمیں اونٹنی کی وجہ سے آپ ہمیں ڈراتے تھے۔

اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ اگر آپ رسولوں سے ہیں یعنی آپ بھی منجملہ رُسل کرام علیہم السلام سچے ہیں تو وہ وعدہ وعید سناتے اور پھر اگر کہا تو تم بھی آپ کی صداقت پر کچھ کر کے دکھلائیے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ ۔ پس انہیں سخت سے سخت جھٹکے نے پکڑ لیا۔ یہ ان کے مذکورہ بیان کے فوراً بعد کو نہ ہوا۔ بلکہ اس کے بعد بھی کچھ وقفہ دیا گیا اور پھر تین دن انہیں عذاب کے مبادی نظر آتے رہے۔ چنانچہ اس تذکرے کے وقت میں بیان ہو گا اس کے بعد پھر آن پر زلزلہ آیا۔

سوال: کسی جگہ پر ان کے لئے فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ کہا گیا اور کہیں ان کے لئے فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ اور کسی جگہ پر فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: اس میں تناقض نہیں اس لئے کہ انہیں مختلف کیفیات سے عذاب دیا گیا۔ مثلاً رجفۃ صیحۃ پر مرتب ہوا اس طرح کہ جب صبح کو اٹھے تو دلوں میں ایسی تھرتھراہٹ پیدا ہوئی کہ اس سے ہی مر گئے اور یہ بھی ہے کہ ہر دونوں کے حملے پر مرے۔

فائدہ: مدارک نے فرمایا کہ پہلے انہیں زلزلے نے گھیرا پھر جبریل علیہ السلام کی چیخ سے سب مر گئے۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ جب اونٹنی ماری گئی تو صبح صادق کے بعد زلزلے شروع ہو گئے۔ بالطاغیہ میں با سببیہ ہے اور طاغیۃ بمعنی طغیان ہے اور اس میں عاقبۃ میں علامۃ کی طرح تا مبالغہ کی ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ اپنی سرکشی کے سبب تباہ و برباد ہوئے۔

فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ ۔ پس وہ اپنی زمینوں اور اپنے شہروں یا اپنے گھروں میں ہوئے جٰثِمِيْنَ اوندھے پڑے ہوئے یعنی موت کے گھیرے میں آ کر ملے پڑے تھے کہ ان میں کسی قسم کی حس و حرکت نہ تھی

حل لغات جثوم یعنی ابروک (گھٹنے بل پڑنا) ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ الناس جثوم۔ یعنی لوگ ایسے بیٹھے ہیں کہ گویا انہیں کوئی حس و حرکت نہیں۔

فائدہ: ابو عبیدہ نے فرمایا کہ الجثوم انسانوں اور پرندوں کے لئے اور ابروک اونٹوں کے لئے بولا جاتا ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی ابتداء میں وہ اسی طرح ہوئے۔ جیسے عادتاً موت کے وقت ہوتا ہے کہ جب ان سے روح خارج ہوئیں تو انہیں کسی قسم کی حس و حرکت نہ تھی ظاہر ہے کہ اس میں ان پر سخت گرفت اور زود تر عذاب میں مبتلا کرنے کا بیان ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا بِکَ نَعُوْذُ مِنْ نُزُوْلِ سَخَطِکَ وَحُلُوْلِ غَضَبِکَ (آمین)

سوال: جب ان کے لئے رجفہ میں مبتلا کیا تھا تو ان کے لئے دار کو واحد اور جب صیحۃ کا ذکر فرمایا تو جمع کا لایا گیا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: چونکہ صیحۃ آسمان پر ہوا اس کا ظہور و بلوغ زلزلہ سے زائد تھا۔ اس لئے اس کے لئے جمع اور رجفہ کے لئے واحد لانا مناسب تھا۔

صالح علیہ السلام کو ناقہ کے قتل کی اطلاع

مروی ہے کہ صالح علیہ السلام کو مطلع کرنے سے پہلے اونٹنی کے قتل کے وقت اس کا نونہال بچہ پہاڑ کی طرف بھاگا اور وہاں تین بار بلبلایا اور صالح علیہ السلام کو اطلاع کی گئی تو آپ نے فرمایا اس کے بچے کو قابو کر لو۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اُن سے عذاب اٹھا لے۔ لیکن بدقسمتی سے وہ بچہ پہاڑ پر اُتر کر بلبلانے کے بعد پتھر میں گھس گیا۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اونٹنی کے بچے کے تین بار بلبلانے میں یہ حکمت ہے کہ ہر ایک بلبلانے پر تین روز کی مہلت ہے اب تم اپنے گھروں میں صرف تین روز بسر کر سکتے ہو اس کے بعد کوئی مہلت نہیں اور یہ ہماری آخری بات ہے۔

ف: صالح علیہ السلام کی باغی قوم نے اونٹنی کو بدھ کے دن قتل کیا تو انہیں صالح علیہ السلام نے فرمایا اب تم عذاب کے لئے تیار ہو جاؤ۔

صالح علیہ السلام کا علم ما فی الغد

صالح علیہ السلام نے جب باغیوں کو عذاب کی خبر سنائی تو انہوں نے کہا اس کی کوئی نشانی آپ نے فرمایا کہ خمیس کے دن صبح کو اٹھو گے تو تمہارے چہرے زرد ہوں گے جب جمعہ کو اٹھو گے تو تمہارے چہرے سرخ ہوں گے ہفتہ کے دن صبح کو تمہارے چہرے کالے سیاہ ہوں گے اتوار کے دن صبح سویرے تمہیں عذاب گھیرے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ جیسے صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ خمیس کے دن صبح کو اٹھے تو لیپے سخت زرد تھے کہ گویا ان کے چہروں پر زعفران مل دیا گیا سب چھوٹے بڑے مردوں اور عورتوں کی یہی کیفیت تھی۔ سب نے یقین کر لیا کہ واقعی صالح علیہ السلام نے سچ کہا

پھر مشورہ کیا کہ انہیں تلاش کر کے قتل کر دو۔ لیکن آپ نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور ایسی جگہ چھپ گئے کہ بسیار تلاش کے باوجود آپ انہیں نہ مل سکے لیکن انہوں نے آپ کے ساتھیوں کو ستانا شروع کر دیا اور کہا بتاؤ ورنہ ہم تمہیں سخت سزا دیں گے۔ لیکن جب جمعرات کا دن ہوا تو ان کے چہرے سرخ ہو گئے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کے چہروں کو خون سے تر بتر کیا گیا ہے یہ حالت دیکھ کر چیخے چلائے اور سخت روئے اور یقین کیا کہ اب عذاب ہمارے قریب آ گیا اور جمعہ کا دن ایک دوسرے کے چہروں کے حالات سنانے میں گزار دیا جب ہفتہ کا دن ہوا تو ان کے چہرے سخت سیاہ کالے ہو گئے گویا ان کے چہروں پر تارکول مل دیا گیا ہے اور ان پر نیل چھڑکا گیا ہے یہ حالت دیکھ کر سخت روئے اور کہتے تھے عذاب آ گیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی ہجرت

اتوار کی رات حضرت صالح علیہ السلام اُن کے ہاں تشریف لائے اور اپنے ماننے والے کو لے کر شام کے ملک کو ہجرت کر گئے شام کے ملک میں پہنچ کر آپ فلسطین میں اُترے۔

عذاب کے نزول کی کیفیت

صالح علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد باغی قوم نے دن چڑھے مصبر۔ دوائی کی دھونی لگائی تاکہ اس کی کڑواہٹ سے درندے ان کے قریب نہ آئیں اور کفن پہن کر زمین پر پڑے رہے۔ کبھی آسمان کو دیکھتے اور کبھی زمین پر کہ نامعلوم عذاب کہاں سے آئے چنانچہ آسمان سے ایک کڑک اٹھی۔ جیسی کئی قسم کی آوازیں تھیں اور سخت ڈراؤنی اور زمین سے زلزلہ اُٹھا کہ ان کی جان لبوں پر آ گئی اور اس سے ان کا ہر چھوٹا بڑا تباہ و برباد ہوا۔

سوال : ایسی تکالیف اور عذاب دیکھ کر کون سا ضدی ہے کہ وہ ایمان پر مجبور نہ ہو جائے۔ جب انہوں نے یہ کوائف پہلے دیکھے تھے تو لازماً ایمان قبول کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں گے۔ اب بھی کفر پر ڈٹے رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جواب : جب انہوں نے عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیا تو اب وہ مکلف نہ رہے اس لئے اس وقت کا ایمان قابلِ قبول نہ رہا۔

۷۹ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ جب صالح علیہ السلام نے ان کے عذاب کے علامات دیکھے تو اُن پر حسرت کرتے ہوئے وہاں سے تشریف لے گئے اور آپ کو اس کا بڑا صدمہ اور رنج بھی تھا کہ باوجودیکہ بڑی جدوجہد کی گئی اور انہیں سمجھایا گیا لیکن نہ مانے۔ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ اور فرمایا اے میری قوم بیشک میں نے تمہیں اپنے رب تعالیٰ کی رسالت پہنچائی۔ یعنی وہ پیغامات کہ جن کے پہنچانے پر میں مامور تھا میں نے تمہیں پہنچا دیئے۔ وَنَصَحْتُ لَكُمْ اور تبلیغ احکام کے وقت میں نے ترغیب و ترہیب کے طور تمہارا

بھلا چاہا اور اپنے طاقت کے مطابق جدوجہد کی۔ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ۔ لیکن تم خیرخواہوں سے محبت نہیں کرتے۔ مضارع کا صیغہ حکایتِ حال ماضی کے لئے ہے۔ یعنی میرا حال تم نے دیکھ لیا لیکن تمہارا حال یہ ہے کہ تم اپنے خیرخواہ سے اُلٹا ٹھٹھا مذاق کرتے ہو وہ اس لئے کہ ناصح کا قول ثقیل اور کڑوا ہوتا ہے اور اور الحق مر (حق کڑوا) بھی مشہور مثال ہے ان ہی باتوں سے لوگ ناصح کے ساتھ بغض رکھتے ہیں کسی شاعر نے کہا

وکم سقت فی آثارکم من نصیحۃ

قد یستفید البغضۃ المتنفع

ترجمہ: میں نے تمہاری خیرخواہی (نصیحت) میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن نصیحت کرنے والے کو سوائے بغض وعداوت کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔

نکتہ صوفیانہ: چونکہ ان کے نفس کی زمین خبیث تھی اس لئے اپنی خباثت سے صالح علیہ السلام کی نصیحت کے تخم کو قبول نہ کیا اور نہ ہی اس سے کچھ نتیجہ برآمد ہوا۔

قوم ثمود پر ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثمود کے علاقہ حجر سے بموقعہ غزوۂ تبوک گزرے تو آپ نے اپنے یاروں سے فرمایا خبردار! تم میں کوئی بھی اس بستی پہ نہ جائے اور نہ ہی وہاں کے کنویں سے پانی پیئے اور نہ ہی کوئی ان کے گھروں میں داخل ہو۔ ہاں وہاں سے روتے ہوئے گذرو کہیں تم بھی ان کی طرح کسی عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور فرمایا تمہیں چاہیے کہ تم بھی اپنے رسول سے کسی قسم کا معجزہ طلب نہ کرنا۔ دیکھئے انہوں نے اپنے نبی صالح علیہ السلام سے معجزہ کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک اونٹنی بھیجی جو ایک راہ سے جاتی اور دوسرے راہ سے نکلتی اور ان کا تمام پانی پی جاتی۔ جب اس کی باری ہوتی اس کے بعد آپ نے اپنے یاروں کو اونٹنی کے بچے کے پہاڑی پر چڑھنے کی جگہ دکھائی۔ اس کے بعد اس وادی سے جلدی چل دیئے یہاں تک کہ اس وادی کو نہایت تیزی سے عبور فرما لیا۔

حدیث شریف

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی عنہ سے فرمایا کہ اے علی! (رضی اللہ عنہ) تمہیں معلوم ہے کہ پہلے لوگوں میں سے سب سے زیادہ بدبخت کون تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی مجھے معلوم نہیں آپ نے فرمایا وہ کمینہ جس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کیا پھر فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ پچھلے لوگوں میں سب سے زیادہ بدبخت کون ہوگا۔ انہوں نے عرض کی واللہ اعلم۔ آپ نے فرمایا اے علی (رضی اللہ عنہ) تیرا قاتل پچھلے تمام لوگوں سے بدترین انسان ہوگا

مثنوی شریف میں ہے ؎

ناقۂ صالح بصورت بد شتر
پے بریدندش زجہل آن قوم مر
ناقۃ اللہ آب خورد از جوی و میغ
آب حق را داشتند از حق دریغ
شحنۂ قہر خدا زیشان بجست
خونبہای اشتری شہری درست
صالح از خلوت بسوی شہر رفت
شہر دید اندر میان دود و تفت
زاستخوانہاشان شنید او نالہا
اشک خون از جان شان چون ژالہا
صالح آن بشنید و گریہ ساز کرد
نوحہ بر نوحہ کنان آغاز کرد
گفت ای قومی بباطل زیستہ
وز شما من پیش حق بگریستہ
حق بگفتہ صبر کن بر جورشان
پندشان دہ بس نماند از دورشان
من بگفتہ پند شد بند از جفا
شیر پند از مہر جوشد وز صفا
بس کہ کردید از جفا بر جای من
شیر پند افسرد در رگہائے من
حق مرا گفتہ ترا لطفی دہم
بر سر آن زخمہا مرہم نہم
صاف کردہ حق دلم را چون سما
روفتہ از خاطرم جور شما

در نصیحت من شدہ بار دگر
گفت امثال سخنہا چوں شکر

شیر تازہ از شکر انگیختہ
شیر شہدی با سخن آمیختہ

در شما چوں زہر گشتہ آں سخن
زانکہ زہر شان بدید از بیخ و بن

چوں شوم غمگیں کہ غم شد سرنگوں
غم شما بودید ای قوم حروں

ہیچ کس بر مرگ غم نوحہ کند
ریش سر چوں شد کسی مو بر کند

خلاصہ اشعار مثنوی حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اونٹ جیسی تھی لیکن ظالم قوم نے انہیں قتل کر ڈالا حالانکہ وہ اونٹنی تو آسمانی پانی پیتی تھی یہی بدبخت تھے جو اسے روکتے پر ان قہر خداوندی برسا تو سارے کے سارے تباہ و برباد ہو گئے صالح علیہ السلام ان کے شہر سے گذرے تو وہاں سے دھواں نکل رہا تھا ان کی ہڈیوں سے آواز آتی تھی اور زار و زاری کی طرح گویا آنسو بہہ رہے تھے صالح علیہ السلام نے سن کر خوب روئے پھر قوم (مردہ) کو مخاطب ہوئے کہ مجھے تم نے ایسے رلایا تو مجھے اللہ نے فرمایا اے صالح صبر کر لیکن انہیں نصیحت کرتے رہو۔ میں نے خوب نصیحت کی تم نہ مانے مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے زخموں پر مرہم رکھوں گا اور سارا دکھ درد دور کردوں گا۔ بالآخر وہی ہوا کہ آج تم عذاب کی مار کھا رہے ہو اور مجھے اللہ نے آرام و سکون بخشا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں صالح سے مراد روح ہے جسے نفخہ حق دیکر بلدۂ قلب اور اس کے ساکنین کی طرف بھیجا گیا تاکہ وہ انہیں اوصاف ردیہ سفلیہ ظلمانیہ حیوانیہ سے اخلاق حمیدہ علویہ نورانیہ روحانیہ کی دے لیکن نفس اور اس کی صفات نے سر الٰہی کی ناقہ قلب کو مخالفت حق اور استکبار کی چھری سے ذبح کر ڈالا اور توحید و معرفت کے امر الٰہی سے روگردانی کر کے ہلاکت کے گڑھے میں پڑے۔ اسی طرح جہل انکار کی وادی میں رہے۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ ان امور سے محفوظ رکھے جو روح کو نقصان دہ اور فتوح سے مانع ہیں

تفسیر عالمانہ ۸۰ وَلُوطًا اور ہم نے لوط علیہ السلام کو بھیجا۔

لوط علیہ السلام کا نسب نامہ لوط علیہ السلام بن ہاران بن تارخ حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے بھتیجے تھے اور عراق میں بابل کے علاقے کے باشی تھے۔ جنہوں نے اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی اور شام کو چلے گئے اور اردن میں مقیم ہو گئے۔ یہ بھی ملک شام کے علاقے کا نام ہے۔ پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے بلدہ حمص کے علاقہ سدوم کا رسول بنا کر بھیجا۔

ف: تفسیر فارسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو پیغمبری عطا کرکے اہل مؤتفکات کی طرف بھیجا ان کے پانچ شہر تھے

(۱) سدوم : یہ تمام شہروں سے بڑا تھا۔
۲ : عامورہ
۳ : دارود
۴ : صابورہ
۵ : صعود۔

منقول ہے کہ ان شہروں میں بارہ ہزار آدمی مقیم تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے سدوم میں مقیم ہو کر ان تمام بندگانِ خدا کو دعوتِ حق پیش فرمائی اور بیس سال تک انہیں وعظ فرمایا اور ہر نیکی کی ترغیب دی ان میں بہت سی خرابیاں تھیں زیادہ مشہور لواطت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اپنی قوم یعنی سدوم وغیرہ کے باشیوں سے فرمایا۔ اذ ظرفیہ ہے اور اَرْسَلْنَا محذوف کے متعلق ہے یعنی ہم نے لوط علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا۔

سوال: ان کا رسول ہونا تو اس قول سے پہلے ہونا چاہیے نہ یہ کہ جب قوم کو کہا تو اس وقت رسول بن گئے جیسا کہ اذ ظرفیہ سے معلوم ہوتا ہے۔

جواب: یہاں مجاز ہے جیسے تم کہتے ہو۔ زید فی ارض الروم۔ اور قاعدہ ہے کہ ظروف کے کسی جزء میں فعل کا وقوع ہو تو وہاں کل بول کر جزء مراد لیا جاتا ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۔ کیا تم فاحشہ کا ارتکاب کرتے ہو۔ یہ استفہام انکاری ہے اور ظاہر کرنا مطلوب ہے کہ یہ فعل جو حد درجہ کا قبیح ہے۔ تم اس کے مرتکب ہوتے ہو۔ یعنی لواطت جو کہ ایک گندا فعل ہے تم وہی کرتے ہو۔ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا تم سے پہلے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ یہ با تعدیہ کی ہے۔ جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادِ گرامی « سبقك بها عكاشة » یا اہل عرب کہتے ہیں سبقته بالكرة یعنی میں کرہ (گیند) اس سے پہلے مار میں با تعدیہ کی ہے۔ مِنْ اَحَدٍ من زائدہ نفی کی تاکید کے لئے اور استغراق کا فائدہ دیتی ہے۔ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ یہ من تبعیضیہ ہے۔ یہ جملہ مستانفہ نحویہ ہے۔ یعنی یہ برا کام تم نے ہی شروع کیا ہے۔ اسے انکار سابق کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے گویا پہلے انہیں اس برائی پر زجر و توبیخ

فرمائی - اس کے بعد مزید جھڑکا کہ تم نے ہی یہ برائی شروع کی ہے۔

۸۱ اِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ یہ اس فاحشہ کا بیان ہے۔

ف : حضرت نافع وحفص نے انکم بطریق مبتدا کے پڑھا ہے باقی آئمہ نے اُئنکم الخ استفہام کے طور اتی یہ عرفی جملہ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں۔ جب کوئی اپنی عورت سے ہمبستری کرے یعنی بے شک تم مردوں سے برائی (لواطت) کرتے ہو۔

سوال : یہاں الغلمان یا المردان (یعنی چھوٹے لڑکے اور بے ریش) کا لفظ لانا تھا۔ الرجال لانا تو موزوں نہیں اس لئے الرجال بڑے مردوں سے لواطت نہیں کی جاتی۔

جواب : اس کی قباحت کے اظہار میں مبالغہ مقصود ہے کہ جیسے بڑے مردوں سے ایسی برائی لائق نہیں تو چھوٹے لڑکوں سے مناسب نہیں۔ بلکہ یہ سخت گندا عمل ہے گویا اس سے بھی مزید توبیخ مطلوب ہے۔ شَھْوَۃً یہ مفعول لہ ہے اس سے مقید کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ فعل تمہارا جانوروں کی مثل ہے اور تنبہ مطلوب ہے کہ سمجھدار کا کام یہ ہے کہ وہ طالب اولاد ہو اور بقاء نوع انسانی اس کی اصل غرض ہو نہ کہ شہوت رانی جو صرف جانوروں کا کام ہے۔ اب تم سمجھو کہ اس گندے فعل سے تمہارا شمار کس گروہ میں ہے مِنْ دُوْنِ النِّسَآءِ عورتوں سے متجاوز ہو کر جب صرف وہی تمہارے لئے مباح رکھی گئی ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ۔ بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔ انکار مذکور سے اعراض کر کے اب ان کے اصل حال کو بتایا گیا ہے کہ جو لوگ ایسے فعل کا ارتکاب کرتے ہیں وہی حد سے بڑھنے والے ہوتے ہیں اور ہر فعل میں ان کی اسراف کی عادت تھی اور حد سے متجاوز ہو جاتے تھے منجملہ ان کے یہ فعل لواطت بھی تھا کہ اسمیں اسراف اور تجاوز عن الحد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے شہوت رانی کی ایک حد مقرر فرما دی۔ لیکن وہ اس حد سے متجاوز ہو کر مسرفین میں داخل ہو گئے ۸۲ وَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِہٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا یہ استثنا مفرغ ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی۔ مَا کَانَ جَوَابًا مِنْ جِھَۃِ قَوْمِہٖ شَیْءٌ مِنَ الْاَشْیَاءِ اِلَّا قَوْلُ بَعْضِھِمْ لِبَعْضٍ یعنی ان کا اور کوئی جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ اس کے بعض نے بعض کو کہا۔

اَخْرِجُوْھُمْ لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نکال دو مِنْ قَرْیَتِکُمْ اپنی اس بستی سے جب کہ ان کے ہاں لوط علیہ السلام کے دلائل کا جواب نہ بن پڑا اور نہ ہی ان کے مواعظ ونصائح کے مطابق پورے اُتر سکے تو لڑائی پر اُتر آئے اور وہی بکواس کی جو اُوپر مذکور ہوئی۔ لیکن لوط علیہ السلام کی ابتدائی تبلیغ سے نہیں بلکہ آخر میں بہت عذاب کے وقوع کا وقت قریب آگیا۔ چنانچہ کلام کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے ہاں اس سے قبل جب لوط علیہ السلام انہیں نصائح ومواعظ سناتے تو اور طریقے کے بکواسات بکتے

اور دیگر قسم کی بدگوئی سے پیش آتے۔ لیکن بکواس مذکورہ آخری تھی۔ چنانچہ جہاں بھی قرآنِ کریم میں اُن کا قصہ بیان ہوا ہے آخر میں یہی قول منقول ہے۔ اس سے اس معاملہ کو اسی حکم میں حصر کیا جائے تو بجا ہے۔

ف : مِنْ قَرْيَتِكُمْ سے ان کا بلدہ شہر مراد ہے اس لئے کہ اہلِ عرب کی عادت ہے کہ بہت بڑے شہر کو قریہ کہہ دیتے ہیں اور اس شہر سے سدوم مراد ہے جہاں لوط علیہ السلام سکونت پذیر تھے۔ **اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ** ۔ بے شک یہ ایسے ہیں کہ ہمارے افعال کو قبیح جان کر اس سے بچنا چاہتے ہیں یعنی ایسے پاکباز لوگوں کو اپنے شہر سے نکال دو۔ یہ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے استہزاءً کہا تھا۔ **فَاَنْجَيْنٰهُ** پس ہم نے لوط علیہ السلام **وَاَهْلَهٗ** اور ان کے اہل وعیال کو نجات دی۔ اہل سے ان کی دونوں صاحبزادیاں رعوزا اور ریثا اور باقی آپ کے تمام ساتھی مراد ہیں (رحمہم اللہ)۔

رَدِّ شیعہ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ اہل کا اطلاق ازواج اولاد بلکہ نوکر اور نوکرانیوں اور تمام رشتہ داروں اور تمام دوستوں اور جمیع متعلقین پر ہوتا ہے اور اصطلاح میں تمام وہ لوگ (مخصوص) جو صرف اس کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔[1]

اِلَّا امْرَاَتَهٗ (زعیلہ) مگر لوط علیہ السلام کی اہلیہ کو وہ اندرونی طور کافرہ تھی بلکہ اُلٹا کفار کو لوط علیہ السلام کے خلاف بھڑکاتی تھی استثناء من اہلہ سے ہے **كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ** ۔ یعنی وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ اپنے گھروں میں رہ جانے والوں میں سے تھی یہ استیناف بیانی ہے اور مقدر کا جواب ہے۔ گویا سوال ہوا کہ لوط علیہ السلام کا کیا ہوا تو اس کے جواب میں فرمایا کانت من الغٰبرین یعنی وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ اپنے گھروں میں رہ جانے سے تھی۔ یہ الغبور سے ہے بمعنی بماندن یعنی رہ جانا۔

سوال : مِنَ الْغٰبِرٰتِ کہنا چاہیے تھا من الغٰبرین کیوں کہا گیا ہے۔

جواب ۱ : اگرچہ ان رہ جانے والوں میں مرد اور عورتیں ہر طرح کے لوگ تھے لیکن تغلیباً مردوں کا نام لیا گیا۔

جواب ۲ : یہ بھی منجملہ ان میں سے تھے۔ اس لئے من الغٰبرین کے عموم میں داخل ہے۔

۵۸۴ وَاَمْطَرْنَا اور ہم نے برسایا **عَلَيْهِمْ** قوم لوط کے کافروں پر **مَّطَرًا** ایک قسم کی عجیب بارش یہ پتھر تھے یعنی ہم نے ان پر بارش کی طرح پتھر برسائے۔ **فَانْظُرْ** پس دیکھئے یہ خطاب ہر دیکھنے اور تامل کرنے والے کو ہے تاکہ ان کا عجیب حال کو دیکھ کر غور وفکر کیا جا سکے اور ان کے اعمال معلوم کر کے غلطیوں سے بچنے کی کوشش

---

[1] جب کہ شیعہ اہل بیت کا لفظ صرف پنجتن پاک پر محصور کرتے ہیں اور ہم حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کو بھی اہل بیت مانتے ہیں ۔ اس سے صرف ازواج ہی اہل بیت ہی ہو سکتے۔ لیکن ہم نے دوسرے حضرات کو بھی مانا ان کے لئے مجازاً اہل بیت ہوگا اور ازواج مطہرات کا اطلاق حقیقۃً ہوگا۔

کی جائے۔

کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ کیسا انجام ہوا مجرموں کا۔ یعنی تکذیب کرنے والے کافروں کے انجام پر غور کیجئے کہ انہیں بدکرداریوں پر سزا ملی

لواطت کا آغاز کیسے ہوا

مروی ہے کہ شام کے علاقوں میں سدوم و دیگر اس کے متعلق علاقے بہت بڑے سرسبز تھے ہر قسم کے اناج اور سبزیاں ترکاریاں یہاں دستیاب ہوتی تھیں۔ اطراف واکناف کے لوگ یہاں آنے لگے اور اتنے کثیر التعداد لوگ اطراف واکناف سے آئے کہ یہ لوگ اُن سے تنگ آ گئے اور چاہتے کہ ان سے کسی طرح سے نجات میسر ہو کوئی چارہ کار نظر نہ آتا۔ ابلیس ایک بوڑھے کی شکل میں ان کے ہاں پہنچا اور کہا کہ اگر ان سے نجات چاہتے ہو تو ان سے لواطت کرو۔ جب لوگ ایسی گندی عادت سنیں گے تو پھر تمہارے ہاں نہیں آئیں گے پہلے تو اس گندے فعل سے نفرت کا اظہار کیا لیکن بہت زیادہ تنگ ہوئے تو باہر سے آنے والوں سے لواطت شروع کر دی ان میں بہت بڑے حسین وجمیل بے ریش لڑکے انہیں میسر ہوئے تو ایسا چسکا پڑ گیا کہ عورتوں سے نکاح بھی ترک کر دیا صرف ان میں غریب لوگ عورتوں سے نکاح کرتے تھے باقی سب کے سب لواطت کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔

سب سے پہلے لواطت کرنیوالا کون

کلبی نے کہا کہ سب سے پہلے لواطت ابلیس علیہ نے کرائی۔ وہ اس طرح کہ قوم لوط کے سامنے حسین وجمیل بے ریش لڑکے کی شکل میں حاضر ہو کر اس گندے فعل کی انہیں دعوت دی ان کو اس کا چسکا پڑ گیا۔ اس کے بعد جو بے ریش لڑکا انہیں مل جاتا اس سے بدفعلی کرتے۔ خلاصہ یہ کہ ایک طرف تو انہوں نے شہوۃ رانی کی۔ دوسری طرف انہیں باہر سے آنے والے لوگوں سے نجات ملی۔ اس بدفعلی پر انہیں بہت بڑا عرصہ گزرا۔

لواطت کی مذمت

لواطت کی بدعملی سے زمین وآسمان اور عرش فریادی ہوئے

ان کی بدفعلی کو دیکھ کر زمین چیخی۔ جس کی چیخ وپکار آسمان نے سنی وہ چیخا تو اس کی چیخ عرش پہ پہنچی۔ عرش نے ان بدعملوں کی کہانی بارگاہ میں پیش کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو حکم فرمایا کہ ان پہ پتھر برسائے اور زمین کو فرمایا کہ انہیں اپنے اندر دھنسا دے۔ پھر اُن پر پتھر برسائے گئے ساس کے

لہ اس سے بے ریش عبرت پکڑیں کہ وہ از خود یا کسی کے ورغلانے سے فعل کراتے ہیں تو وہ سمجھیں کہ وہ اس بدعمل سے کس کے پیروکار ہیں۔۱۲۔

بعد انہیں زمین میں دھنسایا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جو گھروں میں تھے انہیں زمین میں دھنسایا گیا اور جو سفر میں تھے ان پر پتھر برسائے گئے

اعجوبہ مروی ہے کہ ایک تاجر انہیں سے حرم شریف کو تجارت کے لئے چلا گیا تھا۔ چالیس روز تک وہ پتھر اس کا منتظر رہا۔ جب وہ حرم سے باہر نکلا تو اسے پتھر نے فنا کر دیا۔

نکتہ: آیت سے واضح ہوا کہ لواطت بہت ہی گندا فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی بڑے سے بڑے گناہ پر پتھر نہیں برسائے سوائے اس لواطت کے۔ دیکھئے۔ زنا چوری والدین کی بے فرمانی قتل ناحق اسی طرح دیگر بہت بڑے کبیرہ گناہ یہاں تک کہ شرک بھی۔ مگر لواطت کوئی ایسا قبیح ترین فعل ہے کہ صرف اس کے ارتکاب سے پتھر برسے۔

خنزیر اور گدھا لوطی: جانوروں میں کوئی بھی جانور لواطت کا ارتکاب نہیں کرتا سوائے خنزیر اور گدھا کے۔

مسئلہ: لواطت بہت ہی برا فعل ہے اس سے بلکہ اس کے مبادی یعنی بے ریش لڑکے کے بوس و کنار اور شہوت سے ہاتھ لگانے سے بھی بچنا لازم ہے۔

بے ریش کو بوسہ دینے کے گناہ کا ایک نمونہ حضرت امام فرماتے ہیں کہ جس نے بے ریش کو شہوت سے بوسہ دیا اس نے گویا اپنی ماں کے ساتھ ستر بار زنا کیا اور جس نے ماں سے زنا کیا اس نے گویا ایک کنواری (باکرہ) لڑکی سے ستر بار زنا۔ اور جس نے باکرہ کنواری لڑکی سے زنا کیا اس نے دوسری ایک ہزار عورت سے زنا کیا۔

لواطت سے بچنے کا علاج بے ریش لڑکے کو شہوت سے دیکھنا ہی اس مرض کی بنیاد ہے اس لئے کہ اسے دیکھنے کے بعد بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے شریعت نے بے ریش لڑکے سے میل جول ناجائز قرار دیا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱۔ خرابت کند شاہد خانہ کن
بر و خانہ آباد گرداں بزن

۲۔ نشاید ہوس باختن با گلے
کہ ہر بامدادش بود بلبلے

۳۔ مکن بد بفرزند مردم نگاہ
کہ فرزند خویشت برآید تباہ

۴۔ چرا طفل یک روزہ ہوشش نبرد
کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خرد

۵ ۔ محقق ہمی بیند اندر ابل

کہ درخو برویاں چین و چگل

ترجمہ ۱ ۔ تجھے یہ بے ریش (حسین) خراب کرے گا جا عورت سے نکاح کرکے گھر آباد کر۔

۲ ۔ اس گل سے خواہش رانی کا کیا فائدہ جس کی ہر نئے روز نئی بلبل (عاشق) ہو۔

۳ ۔ لوگوں کے لڑکوں کو بد نگاہ سے نہ دیکھ کہیں تیرا بیٹا تباہ نہ ہو جائے۔

۴ ۔ بھلا اس کا ننھے بچے نے ہوش کیوں نہیں اڑایا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت دیکھنے میں بڑے چھوٹے کا کوئی فرق نہیں۔

۵ ۔ محقق تو اونٹ میں وہی دیکھتا ہے جو چین و چگل کے حسینوں میں دیکھتا ہے۔

مکالمہ سلیمان علیہ السلام مابین ابلیس دربارہ لوطی

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز عفریت جن سے فرمایا ابلیس کہاں ہے اس نے عرض کی آپ اسے کچھ فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں لیکن بتائیے وہ ہے کہاں۔ اس نے کہا آپ میرے ساتھ چلیں جہاں ہو گا میں آپ کو دکھاؤں گا۔ عفریت سلیمان علیہ السلام کو دریا کے کنارے لے گیا۔ آپ نے شیطان کو تخت پر بیٹھا دیکھا ابلیس نے جب سلیمان علیہ السلام کو دیکھا تو گھبرا کر اٹھا۔ آپ اس سے ملے۔ ابلیس نے عرض کی حضرت آج کیسے تشریف لائے کوئی حکم۔ آپ نے فرمایا تجھ سے یہی پوچھنے آیا ہوں کہ تیرا محبوب کون ہے جو اللہ تعالیٰ کا مبغوض ترین ہو۔ اس نے عرض کی یہ میری راز کی بات ہے اگر آپ یہاں تشریف نہ لاتے تو میں اسے ہرگز ظاہر نہ کرتا۔ لیکن بمجبوراً عرض کرتا ہوں کہ میرا محبوب ترین اور اللہ تعالیٰ کا مبغوض ترین وہ مرد ہے جو مرد سے لواطت کرے اور وہ عورت جو عورت کے ساتھ برائی کرے (عورتوں کا رحم سے رحم ملا کر ایک دوسرے پر چڑھنا بھی زنا ہے)

مسئلہ : ملتقط الناصری میں ہے کہ لڑکا اگر بالغ ہو جائے اور وہ حسین و جمیل نہ ہو تو اس کا حکم مردوں جیسا ہے ورنہ عورتوں کے حکم میں ہے اسے سمجھو کہ سر سے پاؤں تک وہ عورت ہے فلہذا اسے شہوت سے دیکھنا حرام ہے۔

مسئلہ : اسے اسلام علیکم اور اسے دیکھنا شہوۃ سے نہ ہو تو جائز ہے۔ اس لئے اسے پردہ کا حکم نہیں۔

مسئلہ : اگر بے ریش حسین و جمیل لڑکا تعلیم حاصل کرنے کے لئے باہر جائے تو باپ کو چاہیے کہ اسے باہر نہ جانے دے

امام اعظم رحمہ اللہ کا تقویٰ

منقول ہے کہ امام محمد بن الحسن بچپن میں بہت بڑے حسین و جمیل تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ انہیں سبق پڑھاتے وقت پیٹھ کے پیچھے بٹھلاتے تھے یا مسجد کے ستون کی اونٹ میں تاکہ ان پر غلط نگاہ نہ پڑ جائے۔ حالانکہ آپ کے تقویٰ سے بھی یہ بعید امر تھا۔

حکایت بے ریش کو غلط نگاہ سے دیکھنا : منقول ہے کہ ایک عالم دین کو ان کے مرنے کے بعد کسی نے انہیں خواب میں دیکھا کہ ان کا چہرہ سیاہ ہے۔ دیکھنے والے نے ماجرا پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ فلاں مقام پر مجھے ایک بے ریش لڑکا نظر آیا تو میں نے اسے غلط نگاہ سے دیکھا اس وجہ سے میرا چہرہ جہنم کی آگ سے جلایا گیا۔

بے ریش کے ساتھ اٹھارہ شیطان : حضرت قاضی صاحب نے فرمایا کہ میں نے حضرت امام صاحب سے سنا ہے کہ ہر عورت کے ساتھ دو شیطان ہوتے ہیں لیکن ہر بے ریش لڑکے کے ساتھ اٹھارہ شیطان ہوتے ہیں۔

مسئلہ : بے ریش لڑکوں اور عورتوں بچوں اور بے وقوفوں کے ساتھ ہمنشینی مکروہ ہونے کے علاوہ عوام کے دلوں سے ہیبت و وجاہت نہیں رہتی اور تہمت میں ملوث ہونے کا خطرہ ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا

شعر ۱: چو خواہی کہ قدرت بماند بلند
دل اے خواجہ در سادہ رویاں مبند

۲: وگر خود نباشد غرض درمیاں
حذر کن کہ دارد بحرمت زیاں

ترجمہ ۱: اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا قدر بلند ہو تو اے خواجہ بے ریش لڑکوں کے ساتھ عشق بازی نہ کر۔
۲: اگرچہ تیری ان سے اور کوئی غرض نہ ہو تب بھی خطرہ کہ اس لئے کہ اس سے تیری عزت چلی جائے گی۔

مسئلہ : ایسے غلام بے ریش کو ایسے شخص کے ہاں بیچنا مکروہ ہے کہ جس سے غالب ہو کہ وہ اس کے ساتھ بدفعلی کرے گا اس لئے کہ اس سے اعانۃ علی المعصیۃ ہے۔

سوال : مانا کہ بے ریش لڑکا نسل کے اضافہ کا سبب نہیں لیکن اس سے شہوت رانی اور لذت تو حاصل ہوتی ہے بنا بریں اگر زرخرید غلام سے مالک لواطت کرے تو کونسا حرج ہے جو فعل عقل کے تقاضا پر پورا اُترتا ہو وہ شرعاً بھی عموماً جائز ہوتا ہے۔

جواب : شرع پاک نے بے ریش سے وطی کی اجازت اس کی قباحت اور نہایت درجہ کی خباثت کی وجہ نہیں بخشی (جیسا کہ اس کی خباثت و قباحت اطبا کو معلوم ہے) تو عقلاً بھی یہ فعل پُر از گندگی ہے اور مالک ہونے پر ضروری نہیں کہ اس میں ہر طرح کا تصرف جائز ہو۔ مثلاً کوئی شخص مجوسیہ یا وثنیہ (بت پرست) عورت کا مالک ہو تو مسلمان کو اس سے وطی ہرگز ہرگز جائز نہیں جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کرے اسی طرح مسلمان مالکہ اپنے زرخرید غلام سے وطی نہیں کرا سکتی۔ بلکہ نہ صرف وطی بلکہ دوسرے اور امور بھی ناجائز ہیں۔ مثلاً بوسہ دینا دلانا مشت زنی وغیرہ وغیرہ جب مالکہ کو اپنے زرخرید غلام سے یہ امور بھی ناجائز ہیں۔ حالانکہ عقلاً

و شرعاً ہر طرح سے جواز کا امکان ہے تو پھر بے ریش لڑکے سے بطریق اولیٰ ناجائز ہیں۔ جب کہ اُن سے ایسے امور عقلاً بھی ناجائز ہیں اور شرع نے ایسے ہی اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔

لواطت صغریٰ و کبریٰ مرد کی دبر میں وطی کرنا لواطت کبریٰ ہے اور عورت کی دُبر میں وطی کرنا لواطت صغریٰ ہے۔

لواطی لعنتی: حدیث شریف میں ہے کہ لواطت کرنے والا لعنتی ہے۔

بہشت میں لواطت کے متعلق تحقیق سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہشت میں لواطت کی اجازت ہوگی یا نہ اس کے متعلق علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر لواطت کی حرمت عقلاً و شرعاً ہر طرح ثابت ہو جائے تو پھر بہشت میں لواطت کے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر اس کی حرمت صرف شرعاً ہے اور عقلاً جواز کا ثبوت ملتا ہے تو پھر بہشت میں بھی جائز ہوگی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ بہشت میں اس گندے فعل کا تصور کسی گندے ذہن میں آسکتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ قبیح ترین فعل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی قباحت میں فرمایا ما سبقکم بہا من احد من العٰلمین بلکہ اس فعل بد کو خبیث کہا۔ کما قال۔ کانت تعمل الخبائث اور بہشت میں خباثت اور گندگی کیسی۔

ازالۂ وہم حضرت مولانا زیرک زادہ الاشباہ والنظائر کے حواشی میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے کہ ویطوف علیہم ولدان مخلدون اذا رأیتہم حسبتہم لؤلؤا منثورا دوسرے مقام پہ فرمایا ولکم فیہا ما تشتہی انفسکم۔ دونوں آیتوں کو ملانے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ بہشت میں حسین و جمیل بے ریش لڑکے حاضر ہوں گے تو انسانی خواہش سے بعید ہے کہ اُن پر شہوت رانی کا خیال تک بھی نہ ہو۔ خیال اور تصور تو ضرور آئے گا البتہ اس کی خباثت و قباحت کی وجہ نفرت ہوتی ہے لیکن ضروری نہیں کہ جس شے کے لئے دنیا میں نفرت ہو اس سے آخرت میں نفرت ہو یا جو شے دنیا میں کسی سبب سے ناجائز کی گئی ہو ہر لحاظ سے آخرت میں بھی ناجائز ہو۔ اس کے متعلق فقیر صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ بہشت میں لواطت کے جواز پہ دلائل مذکورہ نہایت بودے اور کمزور ہیں۔ جسے قلب سلیم اور عقل مستقیم کی دولت نصیب ہے وہ سمجھتا ہے کہ قبیح فعل کی قباحت کیسی ہوتی ہے اور اس کا حسن کیسا۔ اسے کھرے کھوٹے کی تمیز بھی ہوتی ہے۔ آیت طواف میں بے ریش لڑکوں کا بہشت میں حاضر ہونا مسلم ہو لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان سے وطی بھی ہوگی۔ البتہ آیت ثانیہ کے لفظ اشتہاء سے کچھ اشتباہ ہوتا ہے لیکن اشتہا ضروری ہے کہ وہ لواطت سے ہو۔ بلکہ اُن کے حُسن و جمال اور ان کی طرز ادا وغیرہ پر نظر کرنے کا نام بھی اشتہاء ہے۔ بہرصورت لفظ اشتہا سے بھی لواطت ثابت نہیں ہوتی حور میں بھی بے ریش لڑکے کا قیاس

نہیں ہو سکتا اس لئے کہ حور میں اس کی جنس نہیں بلکہ عورتوں کی جنس سے ہوں گی۔

وہم مذکور کے متعلق تقریر ثانی آیت مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ اگرچہ عام ہے لیکن یہ کب ضروری ہے کہ بہشت میں لواطت اشتہار کے انواع میں ہو۔ یعنی بہشت میں سرے سے اس کی چاہت بھی دل سے مٹا دیا جائے اس لئے کہ اس کی حرمت جیسے ادیان میں زنا کی حرمت کی طرح ہے تو جو شئے حرام ابدی ہو وہ کس طرح بہشت میں حلال ہو جائے۔

سوال: شراب بھی تو حرام ابدی ہے۔ وہ تو بہشت میں جائز ہوگا۔

جواب[1]: چونکہ وہ ادیان میں جائز تھا یہ اس کی نفرت کی دلیل نہیں بلکہ اس سے طبیعت کے میلان کی دلیل ہے، اس لئے اسے بہشت کی نعمتوں میں داخل کیا جا سکتا ہے۔

جواب[2]: اگر لواطت کے لئے جنت میں مطلقاً موانع حرمت مرتفع ہو جائیں گے تو بھی حلت اور جواز کی دلیل نہیں اس لئے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ جن کے موانع حرمت بھی مرتفع ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ناجائز ہیں۔ مثلاً بہشت میں جماع کرنا ہوگا۔ حالانکہ قیامت میں بہشتیوں کی عریں خود بھی آخرت میں غیر محارم کے سامنے ظاہر نہیں ہونگی (کذا فی الواقعات المحمودیہ)

لوطی کی سزا لوطی کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لواطت کرنے والے کو قتل کر دیا جائے حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسے سنگسار کیا جائے۔ اگرچہ غیر شادی شدہ ہو۔

مسئلہ: شرح وقایہ میں ہے کہ لواطت پر شرعی حد نہیں البتہ اسے سخت سزا دے کر قید خانہ میں ڈالا جائے یہاں تک کہ اس فعل سے وہ سچے دل سے توبہ کرے۔ صاحبین یعنی امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس پر زنا کی حد ہے یعنی شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے۔ اگر غیر شادی شدہ ہے تو اسے دُرے مارے جائیں۔

مسئلہ: احناف کے نزدیک یہ سزا اجنبی لڑکے یا کسی عورت سے لواطت کے متعلق ہے اگر اپنا زرخرید غلام یا اپنی لونڈی یا اپنی عورت سے لواطت کی ہے تو صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتفاق کیا ہے کہ ایسے آدمی پر حد ہے اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسطرح اتفاق کیا۔

فائدہ: لوطی کے تعزیر کے وجوہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں اسے ایسی بدبودار جگہ پہ قید کیا جائے کہ جب تک وہ مر نہ جائے اسے نہ چھوڑا جائے بعض نے کہا اس کو دیوار کے نیچے کھڑا کیا جائے پھر دیوار گرا دی جائے بعض کہتے ہیں اسے اوپر سے اونچی جگہ جیسے منارہ ہے سے نیچے گرایا جائے۔ یہاں تک کہ ٹکڑے ہو جائے۔ حضرت ابو وراق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوطی کو آگ میں جلایا جائے اسی طرح شرح مجمع میں تصریح کی۔

مسئلہ: زیادات میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اگر کسی کو اس گندے فعل کی عادت پڑ جائے تو اسے قتل کر دیا جائے یا اسے قید میں ڈالا جائے یہاں تک کہ مر جائے (کذا فی شرح الاکمل)

فائدہ: اس سے واضح ہوا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہ فعل بہت بڑا قبیح ہے۔ زنا۔ قتل کی طرح اس کی سزا مقرر نہیں فرمائی بلکہ صرف سے لیسے بدمعاش کو قتل کرنا ضروری سمجھا تاکہ دنیا پر سرے سے یہ فتنہ اٹھ جائے۔ جیسے یمین غموس کے متعلق ہے کہ اس میں کفارہ نہیں گناہ سخت ہے وہ بھی صرف اس لئے کہ اور قسمیں تو کفارہ سے اٹھ جاتی ہے لیکن یمین غموس (جھوٹی) کا گناہ کفارہ سے نہیں اٹھتا جب تک اس سے توبہ نہ کی جائے۔

جانوروں سے وطی کرنیوالے کے متعلق مسائل:

کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے کہ ایک شخص نے کسی جانور سے وطی کی تو حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اگر جانور اسی کا اپنا ہے تو اسے کہو کہ وہ اس جانور کو ذبح کرکے جلادے اگر حرام جانور ہے اور اگر وہ جانور حلال ہے تو اسے ذبح کرکے جلایا نہ جائے۔

فائدہ: فتوحات مکیہ کے ترجمہ کی آخری جلد میں ہے کہ جانور کی وطی سے پرہیز کرنا چاہیے اس لئے کہ یہ فعل نہ کسی شرع کا ہے اور نہ کسی دین میں جائز ہے اور نہ ہی کسی نیک مرد کی مروت میں شامل ہے۔

حکایت: ایک بے عقل نے ایک جانور خریدا جس کی اُسے ضرورت نہ تھی کسی نے چند روز کے بعد اس سے پوچھا کہ تو نے اسے کیوں خریدا حالانکہ تجھے اس کی ضرورت ہی نہیں اور خواہ مخواہ اس کے پالنے کے خرچ کا اپنے سر پر کیا ہے اس نے جواب دیا کہ چونکہ میں غیر شادی شدہ ہوں اس لئے میں اس کے ذریعہ سے زنا سے بچتا ہوں۔ اسے کہا گیا کہ اس سے وطی بھی تو حرام ہے وہ چونکہ بے خبر تھا اس لئے رو دیا اور کہا مجھے اس کا علم نہیں تھا اس لئے میں آج کے بعد توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ میں اس کے ساتھ وطی نہیں کروں گا اسے کہا گیا کہ تم علم پڑھ لو تاکہ تمہیں حلال و حرام کی تمیز ہو۔

زنا سے بچنے کی تدبیر

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اس پر لازم ہے کہ وہ روزہ رکھے۔

مشت زنی کی تحقیق

اس حدیث سے مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے استدلال کیا ہے کہ مشت زنی حرام ہے وہ اس لئے کہ اگر مشت زنی جائز ہوتی تو آپ بجائے روزے رکھنے کے اس کی اجازت بخشتے جو کہ ایک آسان عمل بھی ہے اور زنا سے بچنے کی تدبیر۔

مسئلہ: حنبلیوں نے مشت کو مباح بتایا ہے اس میں بعض حنفیوں کے متعلق بھی منقول ہے ان کی دلیل

یہ ہے کہ شہوت تک پہنچنے کے لئے ہے اور شہوت پہنچانے کی تدبیر شرعاً مباح ہے۔

مسئلہ: خلاصہ کتاب میں ہے کہ اگر کوئی روزہ دار اپنے ذکر کو پکڑ کر کسی طریق سے منی نکالتا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا۔ اس پر قضا ہے کفارہ نہیں (لیکن اس پر فتویٰ نہیں اور وہ بھی بعض کا خیال ہے یہ تحقیقی قول نہیں

مسئلہ: یہ فعل نہ رمضان میں جائز ہے اور غیر رمضان میں۔

مسئلہ: یہ فعل اگر شہوت توڑنے کی نیت پر کرتا ہے شہوت رانی کیلئے نہیں کرتا تو بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ یہ جائز ہے وہ کہتے ہیں کہ چونکہ اس کی نیت صحیح ہے اس لئے امید ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ بھی بعض کا خیال ہے تحقیقی قول نہیں۔

مسئلہ: بعض حواشی بخاری شریف میں ہے کہ مشت زنی حرام ہے یہی حکم قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور یہی قول تحقیقی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ الی ان قال فاولئک هم العادون عادون کا معنی ظالمون ہے یعنی وہ لوگ حلال سے تجاوز ہو کر حرام کا ارتکاب کرتے ہیں۔

مسئلہ: امام بغوی نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ مشت زنی حرام ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابن جریج نے فرمایا کہ میں نے حضرت عطاء سے مشت زنی کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ قیامت میں ایک قوم ایسی اٹھائی جائے گی جن کے ہاتھ حاملہ (گابھن) ہوں گے۔ یہ وہی مشت زنی کرنے والے ہوں گے۔

اعجوبہ: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو صرف اس لئے عذاب میں مبتلا کیا کہ وہ اپنے ذکروں سے کھیلا کرتے تھے یعنی مشت زنی کرتے تھے۔

مسئلہ: مشت زنی کرنے والے پر بھی تعزیر واجب ہے۔

مسئلہ: ابن الملقن وغیرہ نے فرمایا کہ ایک روایت امام اعظم سے اور امام احمد سے منقول ہے کہ مشت زنی جائز ہے اس شخص کے لئے جو اپنے نفس پر زنا کا خطرہ رکھتا ہے اسی طرح اپنی زوجہ اور اپنی لونڈی کے ہاتھ کے ذریعے منی گرانا جائز ہے۔ (یہ قول بھی غیر تحقیقی ہے)

فائدہ: قاضی حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا مع الکراہۃ جائز ہے کیونکہ یہ بھی عزل میں داخل ہے اور عزل مکروہ ہے۔

فائدہ: تارتار خانیہ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر ایسے شخص کو نہ گناہ ہے نہ سزا ہے۔ یہ قول تحقیقی نہیں (کذا فی انوار المشارق لمفتی طلب اشہبار) واللہ اعلم۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا ۚ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸۷﴾

اور مدین کی طرف ان کی برادری سے شعیب کو بھیجا کہا اے میری قوم
اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل
آئی تو ناپ اور تول پوری کرو اور لوگوں کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں انتظام کے بعد
فساد نہ پھیلاؤ یہ تمہارا بھلا ہے اگر ایمان لاؤ اور ہر راستہ پر یوں نہ بیٹھو کہ
راہگیروں کو ڈراؤ اور اللہ کی راہ سے انہیں روکو جو اس پر ایمان لائے اور اس میں
کجی چاہو اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اس نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھو
فسادیوں کا کیسا انجام ہوا اور اگر تم میں ایک گروہ اس پر ایمان لایا جو میں لے کر بھیجا
گیا اور ایک گروہ نے نہ مانا تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ ہم میں فیصلہ
کرے اور اللہ کا فیصلہ سب سے بہتر

---

۸۵ وَ اِلٰی مَدْیَنَ ۔ اور مدین کی طرف ہم نے بھیجا۔ اس سے قبیلہ مدین مراد ہے یعنی مدین کی اولاد وہ بن ابراہیم علیہ السلام "اَخَاھُمْ" ان کے بھائی کی طرف۔ اس سے اس کا نسبتی بھائی مراد ہے یعنی یہ بھی منجملہ ان میں سے تھے۔ شُعَیْبًا اَخَاھُمْ کا عطف بیان ہے۔

شعیب علیہ السلام کا نسب نامہ شعیب بن میکیل بن یشخر بن مدین انہوں نے ریثا بنت لوط علیہ السلام سے نکاح کیا۔ ان سے اولاد ہوئی اور ان کی نسل اس قدر پھیل گئی کہ ان کا مستقل قبیلہ مدین بن گیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام خوف خدا سے بہت زیادہ روتے تھے۔ یہاں تک کہ روتے روتے اپنی آنکھیں سفید اور عام مشہور ہے کہ وہ نابینا ہو گئے (یہ قول تحقیقی ہے) آپ کو خطیب الانبیاء علیہم السلام کا لقب ملا اس لئے کہ آپکی قوم کو آپ کا زیادہ رجوع تھا۔ آپ کی قوم ہیر پھیر تول کے متعلق کمی بیشی کرتے تھے اور یہ ان کی کفر کے علاوہ بیماری تھی۔

قَالَ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ **یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ** اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو۔ **مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ** اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ اس کی تفسیر ہم نے پہلے کر دی۔

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ بے شک تمہارے پاس معجزات آئے ہیں۔ **مِّنْ رَّبِّكُمْ** تمہارے رب کی طرف سے یہ جاءتکم کے متعلق ہے یا اس کا متعلق محذوف ہے یہ فاعل کی صفت ہے اس کی ذاتی عظم شان کی وجہ سے موکد ہے یہ اس کے نکرہ ہونے کی وجہ سے معلوم ہوا اور بینہ کی عظم شان اضافی ہے یعنی وہ بینہ عظیمہ تمہارے اپنے مالک امور کی طرف سے آئی ہے۔ لیکن دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی طرح ان کا معجزہ قرآن مجید میں بیان نہیں کیا گیا۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزات
قرآن مجید میں مذکور نہیں ہوئے۔

فائدہ: شعیب علیہ السلام کے معجزات نہ صرف قرآن مجید میں نہیں بلکہ احادیث شریف میں بھی نہیں۔
(کذا قال صاحب التفسیر الفارسی)

شعیب علیہ السلام کا معجزہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ تھا کہ آپ بہت بڑے اونچے پہاڑ کو حکم فرماتے تو نیچے ہو جاتا تو اس پر آپ چڑھ جاتے اس کے علاوہ بھی اور معجزات صاحب کشاف نے اپنی تفسیر میں بیان فرمائے ہیں۔

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ پس تول کو پورا کرو۔ الکیل مصدر ہے مثلاً کہا جاتا ہے کلت الطعام کیل میں نے طعام کو تولا۔ یہاں پر معنی مصدری نہیں بن سکتا اس لئے کہ کمی و بیشی تو اعیان میں ہوتی ہے مصدری معنی ایمان میں نہیں ہوتا۔

فائدہ: قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہاں پر مضاف محذوف ہے۔ دراصل عبارت فاوموا آلہ الکیل جیسے مولانا ابو السعود مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے الکیال سے تعبیر کیا ہے اس قول کی تائید ہے والمیزان سے ہوتی ہے اس سے متبادر آلہ کا معنیٰ حاصل ہوتا ہے اگرچہ اس میں مصدری معنیٰ میعاد کی طرح پایا جاتا ہے لیکن آلہ کے معنی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس معنی پر الکیل بمعنی ما یعال بہ ہے جیسے العیش بمعنی ما یعاش بہ ان کے دو پیمانے تھے ایک بڑا دوسرا چھوٹا۔ جب لوگوں سے کچھ لیتے تو اس بڑے پیمانہ کو استعمال کرتے جب کچھ کسی کو دیتے تو چھوٹے پیمانہ کو عمل میں لاتے۔

خلاصہ یہ کہا نہیں کہا گیا ہے کہ مکیال و میزان کے ساتھ مکمل طور لوگوں کے حقوق ادا کرو۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اور لوگوں کے لئے کمی نہ کرو **اَشْيَاءَهُمْ** اُن کی اشیاء میں جو ان کے ساتھ خرید و فروخت کرتے ہو۔ درآنحالیکہ تم اُن کی تکمیل پر اعتماد کرو یعنی جیسے دو چیزیں تھے وہ سب میں مکمل طور حقوق کو ملحوظ کرو۔ ان کی عادت تھی کہ ہر بڑی چھوٹی اچھی اور خراب شے میں کمی و بیشی کرتے تھے۔

سوال: حقوق کے بجائے اشیاء کا لفظ کیوں فرمایا۔

جواب: حقوق مخصوص باتیں ہوتی ہیں اور اشیاء ہر امر پر مشتمل ہے اور یہاں عموم مطلوب تھا اس لئے اشیاء کا لفظ فرمایا۔

نکتہ: خرید و فروخت میں کمی و بیشی کرنا ہتک اور نہایت ہی خسیس انسان کا کام ہے اور یہ کام وہ کرتا ہے جس پر حرص و ہوا غالب ہوں اور ہر وہ انسان جو نفس کے خواہشات کے تابع بلکہ یوں کہو کہ وہ انسان پیٹ و پیچھے کا ظالم ہے اور یہ تمام نفس امارہ کی صفات سے پاک کرنے کا حکم دیا ہے جسے تزکیۂ نفس سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی بندے سے اچھے امور دیکھنا چاہتا ہے اور حسین افعال ہے اسے سخت نفرت ہے۔

حدیث شریف[۱] ان دو بھیڑیوں سے جو بکریوں میں چھوڑے جائیں زیادہ رذیل وہ انسان ہے جو مال کے حرص میں مبتلا ہے۔

حدیث شریف[۲]، نماز و وضو اور وزن وکیل یہ سب امانتیں ہیں۔

حدیث شریف[۳]، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم کو وزن وکیل کا متولی بنایا گیا ہے۔ پہلی قومیں ان کی کمی و بیشی کرنے سے تباہ و برباد ہوئیں۔

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ کفر و ظلم کر کے اللہ تعالیٰ کی زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ **بَعْدَ اِصْلَاحِهَا** جب کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے اتباع نے زمین میں شرائع و احکام کا اجراء کر کے اصلاح کی۔

ذٰلِكُمْ یہ ان امور کی طرف اشارہ ہے جن کے متعلق اوامر و نہی فرمائے۔ **خَيْرٌ لَّكُمْ** تمہارے لئے بہتر ہیں یعنی

اوامر و نواہی پر عمل کرنا کم قطع سفر ہونے اور نقصان پہنچانے اور فساد ڈالنے سے بہتر ہے۔

ف: یہاں خیر اسم التفضیل کے معنی میں نہیں بلکہ یہاں پر معنی یہ ہے کہ وہ امور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مفید ہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اگر تم اہل ایمان ہو یعنی اگر تم میرے امور کی تصدیق کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ اور نہ تم سیدھے راستہ پر نہ بیٹھو۔ یا یہ باء الصاق یا مصاحبت کی ہے۔ اس لئے ان کا ظروف مکان سے متعلق ہے اور قاعد اس سے ملصق و ملابس ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ باء بمعنی فی ہے اس لئے کہ قاعد اپنے ظروف کے مکان میں نازل ہوتا ہے یا یہ باء بمعنی علی ہے اس لئے کہ قاعد مکان کے اوپر ہوتا ہے تُوْعِدُوْنَ ثلاثہ ہو تو پر لَاَقْعُدَنَّ ۱۹ سے حال ہے۔

سوال: ان کے ڈرانے کے سبب ذکر کیوں نہیں۔

جواب: تاکہ سمجھنے والا سمجھے کہ وہ ہر طرح کے ڈرانے کے حربے استعمال کرتے تھے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اے میری قوم ہر راستہ پر بیٹھ کر لوگوں کو دین سے مت ڈراؤ یہ تو شیطان کا کام ہے چنانچہ قرآن مجید نے شیطان کا طریقہ بتایا کہ اس نے کہا تھا لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ۔

سوال: اللہ تعالیٰ کی طرف ایک ہی راستہ ہے اور یہاں پر بہت سے راستوں کی نشاندہی کی گئی ہے

جواب: اگرچہ اللہ تعالیٰ کا ایک راستہ ہے لیکن اس کے مختلف انواع و اجناس تھیں۔ مثلاً معارف حدود۔ احکام تو لعین ان ہر قسم کے راستے کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے راستہ کو بکل صراط سے تعبیر فرمایا۔

فائدہ: مروی ہے کہ کفار شعیب علیہ السلام کی طرف مختلف آنے والے راستہ پر بیٹھ جاتے ہر راہگیر سے پوچھتے کہ کہاں جاتے ہو۔ اگر وہ کہتا کہ شعیب علیہ السلام کے پاس جاؤں گا تو اسے کہتے ان کے ہاں جا کر کیا کرو گے وہ تو بہت بڑے جھوٹے ہیں (معاذ اللہ) وہ تو ایسے غلط کار ہیں کہ اگر ان کے پاس جاؤ گے تو وہ تمہیں تمہارے آباء کے دین سے بہکا دیں گے اسی طرح وہ ہر دین حق کے کرنے والے مومن کو طرح طرح کی باتیں سنا کر ڈراتے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ ڈاکو تھے۔ لوگوں کا مال لوٹتے تھے۔ وَتَصُدُّوْنَ اس کا تو عدون پر عطف ہے یعنی تم روکتے اور پھیرتے ہو۔ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے یعنی اس راستہ سے جیسا وہ بیٹھے ہوتے مَنْ اٰمَنَ بِهٖ یہ تصدون کا مفعول بہ ہے اور یہ ضمیر کل صراط کی طرف لوٹتی ہے یعنی اسے جو سیدھے راستے پر ایمان رکھنے والے ہوتے ہیں۔ وَتَبْغُوْنَهَا یہ باب الحذف والایصال و التعدیہ سے دراصل تبغون لها یعنی اس کے لئے طلب کرتے ہو یہ ضمیر سبیل اللہ کی طرف راجع ہے۔

سوال: لفظ سبیل مذکر ہے اور ھا ضمیر مونث ہے یہ کیسے۔

جواب: چونکہ لفظ سبیل مذکر بھی ہوتا ہے اور مؤنث بھی اس لئے یہاں پر اس کے لئے ضمیر مؤنث لائی گئی یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ کو طلب کرتے ہو۔ عِوَجًا یعنی حق سے ٹیڑھا کرکے اس پر طرح طرح کے شبہات ڈالتے ہو یا یہ کہ تم اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہو اور کہتے ہو کہ شعیب علیہ السلام کا راستہ غلط ہے حالاں کہ ان کا راستہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اور اس کے ٹیڑھے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو طالبان حق سے وصول الی اللہ کا راستہ روکتے ہیں اور ان کے ساتھ کئی قسم کے حیلے اور مکر و فریب کرکے راہ حق سے انہیں دور رکھتے ہیں اور وہ اپنی شیخی بگھیر کر ان کے لئے کئی قسم کی غلط کاریاں پیدا کرتے ہیں۔ جیسے انہوں نے اپنے نفسوں کو راہ حق سے روک رکھا ہے اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ معاصی اور جرائم کی نحوست مجرم تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے اثرات دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ پھر وہ اثرات خود معاصی کے مرتکب کو بہت زیادہ لپیٹ لیتے ہیں۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں زیادہ کثیر التعداد بنایا۔ یعنی تمہاری نسل بڑھائی اور تمہیں دولتمند بنایا۔ یعنی تمہارا ضعف قوت سے اور تمہارا فقر دولتمندی سے بدل گیا۔

وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ اور دیکھو مفسدین کا انجام کیا ہوا۔ بس تم نے پہلے لوگ جیسے کہ نوح علیہ السلام کی قوم اور ان کے بعد قوم عاد اور ثمود اور اُن جیسے اوروں کا کیا حشر ہوا۔ ان کے حالات پڑھو پھر عبرت پکڑو اور اُن کے غلط طریقوں سے بچو۔

○ **وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ** اگر ایک گروہ اس پر ایمان لائے جس کے لئے میں رسول بنایا گیا ہوں۔ یعنی ان شرائع و احکام کو ماننے اور ان پر عمل کرے جو میں تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ سے لایا ہوں **وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا** اور ایک گروہ جو اس پر ایمان نہ لایا۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی نبوۃ کا اعلان کیا تو آپ پر ایک گروہ ایمان لے آیا اور دوسرا گروہ منکر ہو گیا اور کہنے لگا کہ قوت و ثروت ہمارے ہاں ہے اور ان پر ایمان لانے والے نہایت غریب اور کمزور ہیں۔ فلہٰذا حق ہمارے پلڑے میں ہے نہ ان کے ہاں اگر ان کے پاس حق ہوتا تو یہ دولتمند اور بہت بڑی قوت و طاقت کے مالک ہوتے حضرت شعیب علیہ السلام نے ان ہر دونوں گروہوں کو فرمایا کہ ایمان لاؤ یا نہ **فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا** یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مابین یعنی ہر دونوں گروہوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا کہ حق والوں کی مدد فرمائے گا اور باطل والوں کو مٹا دے گا۔ اس آیت میں اہل ایمان سے وعدہ کریمہ

اور اہل کفر کے لئے وعید ہے۔ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۔ اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے اس لئے کہ اس کے حکم کے خلاف نہیں ہو سکتا اور اس میں ظلم کا شائبہ تک بھی نہیں اس لئے کہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے اعدل و احکم ہے۔

آٹھویں پارہ کی تفسیر ۱۴۰۱ھ کے شوال کے اواخر میں ختم ہوئی۔

نوٹ ۔ فقیر اویسی غفرلہ کے لئے یہ حسن اتفاق ہے شوال کے اواخر یعنی ۲۷ شوال ۱۳۹۹ھ شب اتوار (احمد پور لمہ) بموقع جلسہ سالانہ اس کا یہاں ترجمہ ختم ہوا۔

فہرست مضامین پارہ نمبر 6,7,8

پارہ نمبر 7

پارہ نمبر7 ختم

آغاز پارہ نمبر 8